

قَالَ قُلْتُ الْحَجَّةُ النَّالِغَةُ
كَيْفَ يَسْرُحُ حَجَّتُ بُولَى الشَّكْرِ بِي

رَحْمَةُ اللَّهِ الْوَاسِعَةُ شرح حُجَّةُ اللَّهِ الْبَالِغَةُ

جُلْدِ اَوَّلُ

تَصْنِيفُ

إمام اکبر مجدد ملت حکیم الاسلام

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجت بولوی قدس سرہ

(۱۱۱۳ھ - ۱۱۷۶ھ - ۱۵۰۳ء - ۱۷۶۲ء)

شیخ

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالتو پوسی مدظلہ

استاذ دارالعلوم دیوبند

مزمور پبلشرز

جلد اول

قُلْ فَدَلِّلُوا الْحُجَّةَ الْبَالِغَةَ
كَيْفَ يَسِّرُ حُجَّتْ يُورِي اللَّهُ كَيْفَ رَبِّ

رَحْمَةُ اللَّهِ الْوَاسِعَةُ

شرح

حُجَّةُ اللَّهِ الْبَالِغَةُ

جلد اول

تصنيف

امام اکبر، مجدد ملت، حکیم الاسلام

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ

(۱۱۱۳ھ - ۱۱۷۶ھ - ۱۲۰۳ھ - ۱۲۶۲ھ)

شیارح

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ شرح ”هَجَّةُ اللهِ الْبَالِغَةُ“ کے جملہ حقوق اشاعت و طباعت پاکستان میں صرف مولانا محمد رفیع بن عبدالحجید مالک زسوز پبلیشرز کراچی کو حاصل ہیں کو حاصل ہیں لہذا اب پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ اس کی طباعت کا مجاز نہیں بصورت دیگر زسوز پبلیشرز کو قانونی چارہ جوئی کا عمل اختیار ہے۔



ملنے پکے کی یگرت

- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ، بالٹا مل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ اسپلڈ چوک کراچی۔
- مکتبہ معانی، اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشید، راجپ بازار راولپنڈی
- مکتبہ رشید، سرکی روڈ کوئٹہ
- ادارہ تالیفات اشرافیہ، بی ون بوڈ گیت ملتان

کتاب کا نام _____ رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ (جلد اول)

(تہذیب اسلامیہ)

تاریخ اشاعت _____ جنوری ۲۰۰۵ء

باہتمام _____ احیاء زسوز پبلیشرز

کپڑے _____ قاروق اعظم کپڑے کراچی

سرواق _____ اومیر گلکس

مطبوعہ _____

_____ ساؤتھ افریقہ میں

Madrasah Arabia Islamia.

P.O.Box 9786

Azaad Vile 1750

South Africa

Tel (011) 413 - 2786

_____ انگلینڈ میں

Al. Farooq International Ltd.

1 Atkinson Street,

Leicester, LE5 3QA

Tel (0116) 2537640

ناشر _____ زسوز پبلیشرز کراچی

شاہ زیب سینئر نزد قدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber net.pk

ویب سائٹ: <http://www.zamzampub.com>



دیباچہ طبع جدید

رحمۃ اللہ الواسعہ جلد اول، صفحہ ۳۲ پر یہ بات عرض کی گئی ہے کہ اس جلد کا اکثر حصہ (تاختم بحث رابع) درسی تقریر ہے، جس پر نظر ثانی کی گئی ہے۔ باقاعدہ تصنیف نہیں۔ اور نظر ثانی خواہ کتنے ہی اہتمام سے کی جائے، اس میں تصنیف کی شان پیدا نہیں ہو سکتی۔ کچھ نہ کچھ کمی رہ جاتی ہے۔ اتفاق سے کناڈا کے شہر ٹورنٹو کے مضافات میں ”مس آغا“ نامی بستی میں ایک بڑے عالم ہیں۔ جن کا نام حضرت مولاناوسی مظہر صاحب ندوی ہے۔ علوم ولی الہی سے اللہ نے آپ کو حظ وافر عطا فرمایا ہے۔ میرے کرم فرما حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کا پودروی (سابقہ مہتمم دارالعلوم قلاح دارین ترکیسر، حال معیم ٹورنٹو) نے رحمۃ اللہ الواسعہ حضرت مولانا کو پہنچائی۔ مولانا نے دیدہ ریزی سے اس کا مطالعہ کیا۔ اور بعض جگہ استدراک اور بعض جگہ تعبیرات بدلیں۔ جب جلد اول دوبارہ طبع ہوئی تو یہ تصویبات کتاب کے آخر میں درج کر دی گئیں۔ پھر حسن اتفاق سے کراچی (پاکستان) کے جناب مولانا محمد رفیق صاحب زید مجدہم مالک زمزم پبلشرز نے رحمۃ اللہ الواسعہ کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں بڑی رقم خرچ کی تو میں نے جلد اول پر نظر ثانی کی۔ اور وہ تمام تصویبات و قاعدیات کتاب میں شامل کر دیں۔ اب ان شاء اللہ یہ کام مکمل ہے۔ پاکستان میں اس کی اشاعت کے جملہ حقوق مولانا محمد رفیق صاحب مالک زمزم پبلشرز کراچی کے لئے محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے کاروبار میں برکت فرمائیں، اور اس کتاب سے اور ان کی دیگر مطبوعات سے امت کو فیضیاب فرمائیں (آمین)

جلد اول کے آخر میں آٹھ صفحات الگ تھے، اس لئے آٹھ صفحات کا اضافہ کیا گیا تاکہ جوڑے کی پابیت بن جائے۔ اور بانسٹنگ مضبوط ہو۔ شارح کے احوال: جناب مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ حدیث دارالہندوستان نے اپنی کتاب ”الخير الكثير في شرح الفوز الكبير“ میں تفصیل سے لکھے تھے، اسی سے اختصار کر کے شامل کتاب کئے گئے ہیں۔ ان شاء اللہ القارئین کرام کے لئے وہ مفید ثابت ہوں گے۔

علاوہ ازیں: جب یہ شرح مکمل ہوئی، تو دارالہندوستان کے موقر مجلس شوریٰ نے اس کی تحسین کی اور اس سلسلہ میں ایک جواز پاس کی جس کا ٹکس آئندہ صفحہ پر دیا گیا ہے۔ شارح کے لئے یہ بہت بڑی قدر افزائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کو اس ذرہ نوازی کا بہترین صلہ عطا فرمائیں (آمین)

کتبہ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالہندوستان

۲۵ صفر ۱۴۲۵ھ ہجری



الجامعة الإسلامية دارالعلوم - دیوبند (الہند)

Darul-Uloom, Deoband. U. P. India

العدد

التاریخ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی و محترمی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجلس شوری منعقدہ ۱۳/۱۴/۱۴۲۵ھ کی منظورشده تجویز کا متن ارسال خدمت ہے۔

تجويز رہ باجاست صدر:

دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدکم نے مسند البند جزیۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاہکار تصنیف جزیۃ اللہ الباقیہ کی تشریح و توضیح بنام ”رحمۃ اللہ الواسعہ“ کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، مجلس شوری مولانا موصوف کو اس عظیم علمی خدمت پر مبارکباد پیش کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس شہر طوبی کے اصل اصیل ہیں جس کے برگ و بار اکابر دیوبند اور متنبین دارالعلوم دیوبند کے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی اس عدم المشال تصنیف کی عظمت کا احترام کرنے کے باوجود اس سے استفادہ ملنا، کرام کے لئے بھی سہل نہیں تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے پوری جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ اور پوری جماعت کی طرف سے شکریہ و تحسین کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائیں اور ان کے ذریعہ دارالعلوم اور پوری امت کو فیض یاب فرمائیں۔ آمین۔

رعوب الرحمن عمولہ

(مرغوب الرحمن غنی عنہ)

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۶-۲-۱۴۲۵ھ

پیش لفظ

از مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب

استاذ حدیث و مدبر مجلہ ”البتات“ (عربی)

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، و سابق استاذ دارالعلوم دیوبند

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد:

پیش نظر کتاب ”حجۃ اللہ الاولیٰ“ شرح ”حجۃ اللہ الیہ العظیمہ“ میرے استاذ و محترم، از ہر اہند جامعہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ کی مایہ ناز تصنیف ہے، موصوف کے حالات اسی جلد اول کے اخیر میں ”شائع کے مختصر حالات“ کے عنوان سے بقلم حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری درج کر دیئے گئے ہیں، قارئین کرام ان پر غور و مفید حالات کا ضرور مطالعہ فرمائیں، مجھے یہاں پر حضرت الاستاذ مدظلہم العالی کی صرف چند ہی خصوصیات کا تذکرہ کرنا ہے۔

حضرت والا نے ۱۳۸۲ھ میں تقریباً پچیس سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کے سالانہ امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی، اور پھر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں تشکیل افتاء کے لئے داخلہ لیا، افتاء میں اعلیٰ کامیابی اور فتویٰ نویسی میں اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کو خیر باد کہہ کر چند سال تک دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں حدیث و دیگر فنون پڑھاتے رہے، اور ۱۳۹۳ھ میں نہایت اعزاز کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا، اور آج (۱۴۲۵ھ) تک ایک مایہ ناز اور مقبول ترین استاذ کی حیثیت سے حدیث اور اعلیٰ فنون پڑھا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی صحت و عافیت و زندگی میں برکت عطا فرمائے۔

علمی انہماک: حضرت والا کے علمی انہماک اور کام سے جو لوگ واقف ہیں وہ شہادت دیں گے کہ بغیر روحانیت، اعلیٰ خلوص قلبی بے چینی اور رخصائے الہی کے شوق کے اتنے بڑے کام کوئی انجام نہیں دے سکتا، ایک طرف دارالعلوم دیوبند کے عظیم ادارہ میں ایک اعلیٰ اور کامیاب استاذ حدیث کے طور پر تدبیر کی ذمہ داری، دوسری طرف مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا کامیاب مشغلہ، ادھر اپنے بچوں کو جو بحمد اللہ ایک درجن سے زائد ہیں خود ہی حفظ کرانا اور ابتدائی کتابیں پڑھانا اور خوشحلی سکھانا، اور ادھر وقتاً فوقتاً فتویٰ نویسی کا دقیق علمی کام انجام دینا، مذکورہ تمام علمی مشاغل کے ساتھ عام مسلمانوں کی اصلاح کا جذبہ دل میں لئے ہوئے ایام تعطیل میں اندرون ملک و بیرون ملک دعوتی و اصلاحی دورے کرنا۔

وہ رواں راغبتی راہ نیست عشق خود راہ است ہم خود منزل است

یہ اسی علمی عشق و انہماک کی کرامت ہے کہ حضرت والا تجھنے کا نام نہیں جانتے ہیں، اور نہ ہارنے کو مانتے ہیں۔

ایک دلچسپ واقعہ: علمی انہماک اور علمی وسائل سے محبت کی مناسبت سے مجھے حضرت والا کا ایک واقعہ یاد آیا، ایک مرتبہ میں ان کی اجازت سے ان کے ذاتی کتب خانہ میں مطالعہ کر رہا تھا، ایک پرانی سی کتاب اٹھائی، اس کے سرورق پر حضرت والا کے قلم سے ان کے زمانہ طالب علمی کا ایک فقرہ لکھا ہوا تھا جس کا مقہوم یہ تھا ”والدہ محترمہ نے گاؤں سے کسی کے ساتھ میرے لئے بھیج دیا تھا، اُسے بیچ کر میں نے یہ کتاب خرید لی“ سبحان اللہ! آج کل کے طالب علم کے پاس اگر کتاب خریدنے کے لئے گھر والے پیسے بھیجتے ہیں تو وہ اُسے کھانے پینے پر خرچ کرتے ہیں، لیکن مدوح کرم جو خالص کھانے کی چیز ہے، اور وہ بھی والدہ محترمہ کے ہاتھ کی بھیجی ہوئی اسے بیچ کر علمی پیاس بجھانے میں استعمال کرتے ہیں

ع

بہیں تفاوت راہ از کجا است تا کجا

رب العالمین کو حضرت والا کی اسی قسم کی ادائیں شاید بہت ہی زیادہ پسند آئیں کہ ایک طرف سے مختلف اور نایاب کتابوں پر مشتمل ذاتی لائبریری عطا فرمائی، اور دوسری طرف سے ”کتبہ حجاز دیوبند“ کی شکل میں نشر و اشاعت کا ایسا ادارہ عطا فرمایا جس کی مطبوعات ملک و بیرون ملک پھیل رہی ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ آپ پر رحمتوں کے ایسے دروازے کھول دیئے کہ ان کے قلم سے ”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ جیسی مایہ ناز شرح لکھو کر اہل علم و انصاف کو اس بات کے اعتراف پر مجبور کر دیا کہ ”حضرت مفتی صاحب نے پوری جماعت دیوبند کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے، اور پوری جماعت کی طرف سے شکر یہ تحسین کے مستحق ہیں۔“ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

قرآن کریم سے محبت: بندہ نے حضرت والا کی ایک خصوصیت یہ دیکھی ہے کہ قرآن کریم سے حدودِ محبت اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہے، جب کوئی شخص حضرت والا کے سامنے تلاوت شروع کرتا یا وہ خود تلاوت میں مصروف ہو جاتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب ان کا ظاہری اور باطنی تعلق سب سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب سے جو گیا ہے، آنسو رواں دواں، چہرہ کارنگ بدلا ہوا نظر آتا تھا، میں حضرت والا کی وہ کیفیت یاد کر کے یہ سوچتا رہتا ہوں کہ کاش زندگی میں صرف ایک ہی بار میں وہ کیفیت نصیب ہو جائے مثلاً یہ اُس سے بیڑا پار ہو جائے لیکن۔

این سعادت بزر بازو نیست تا بخشد خداے بخشندہ

حضرت والا کا ظہیم العالی کی مذکورہ کیفیت کو یاد کر کے میں یہ بھی سوچتا رہتا ہوں کہ شاید ان کی ترقیوں اور بے مثال مقبولیت کا راز یہی قرآن کی سچی محبت ہو، کیونکہ یہی قرآن اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے اہم ذریعہ ہے، اہم تر مذی اور امام احمد بن حنبل نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے: ”..... وما تقرب العباد الی اللہ بمثل ما خرج منه (یعنی القرآن)“

اسی محبت خالصہ کا نتیجہ ہے کہ حضرت والا نے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے بچوں کو جو ایک درجن سے ماشاء اللہ زندہ ہیں مذکورہ تمام مصروفیات کے باوجود وقفہ خود ہی کرایا، راقم الحروف نے جہاں حضرت والا کے پاس بخاری شریف جلد ثانی، ترمذی شریف جلد اول،

ابوداؤد شریف اور بعض دوسری کتابیں بھی پڑھی ہیں وہاں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اور دارالافتاء دیوبند کے مدرس مقرر ہونے کے بعد حفظ قرآن بھی اُنہی کے پاس کیا ہے۔ (اللہم انی اسألك باسمائك الحسنی ان تبارک فی حیاة شبعی و صحتہ، وان تنفع بہ الدین، وان ترزقہ و اهلہ النجاح و الفلاح فی الدنیا و الآخرۃ برحمتک الواسعۃ) ایک اور واقعہ: حضرت والا کے پاس حفظ کرتا ہوا جب میں سورۃ طہ کی اس آیت ”وامر اهلك بالصلاة واصطبر عليها لا نسالك رزقا نحن نرزقك والعاقبة للفقوى“ پر پہنچا تو انہوں نے نمناک آنکھوں کے ساتھ ایک واقعہ سنایا کہ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنی اہلیہ اور بڑے بچے رشید احمد (حضرت والا کے یہ صاحبزادے دارالافتاء دیوبند کے فراغت کے بعد ایک حادثہ میں شہید ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ) کو حفظ کرایا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے روزی میں خاص برکت عطا فرمائی ہے اور قادی کی نوبت گھر میں نہیں آئی ہے جب کہ اس سے قبل بار بار اس کی نوبت آچکی ہے۔

افہام و تفہیم کا مفہور وسیلۃ، راقم الحروف کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دہائی کا پورا احساس ہے لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے طلب علم کی غرض سے چار ملکوں (افغانستان، پاکستان، ہندوستان اور سعودی عرب) کے بعض مایہ ناز اہل علم سے استفادہ کیا ہے اور ان کے پاس پڑھا ہے ”رحمہ اللہ من توفی منہم و بارک فی صحۃ و حیاة من ہو بافی منہم“ میں اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایہ فخر نہیں) شرح صدر کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ حضرت والا کے افہام و تفہیم کا انداز ان سب سے مفہور اور ممتاز تھا، مشکل سے مشکل بحث ایسی ترتیب و عمدہ انداز سے بیان فرماتے تھے کہ اعلیٰ تو درکنار ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم کے لئے بھی سمجھنا آسان ہو جاتا، اور مجھے یاد ہے کہ کبھی دوسرے اساتذہ کرام کے اسٹار کی وجہ سے دو تین گھنٹے مسلسل پڑھاتے اور تمام طلبہ بعد میں گوش ہو کر سنتے اور ”سمان علی رؤوسہم الطیر“ کا مصداق بن کر حضرت والا کی علمی تحقیقات سے مسلسل کئی گھنٹوں تک اشہاک کے ساتھ بھرپور استفادہ کرتے رہتے۔

ترہیت اور مردم سازی: حضرت والا کی تربیت اور مردم سازی کا انداز بھی نرالا ہے، وہ خود بھی اخلاص کے ساتھ ہمیشہ اپنے علمی، اصلاحی اور تصنیفی کاموں میں مصروف اور بلا ضرورت کی ملاقاتوں اور ملتے جلتے سے دور نظر آتے ہیں، اور اپنے شاگردوں اور متعلقین کو بھی اسی بات کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

گرت ہوا است کہ باخضر ہم نشین باشی نہاں ز چشم سکندر چو آب حیوان باش
میں نے دارالافتاء دیوبند کے اپنی تقریباً دس سالہ زندگی میں اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ جن اساتذہ یا طلبہ کو حضرت والا سے تعلق یا قرب کی سعادت حاصل ہوئی اللہ نے ان کو ترقیوں سے نوازا، اور استعلاء، علمی اشہاک، اعلیٰ ہمتی اور دنیوی زندگی کی پر خار وادیوں کو عبور کرنے کی صلاحیت ان کو حاصل ہوئی، اور یہ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں جب خود میں میں بدرجہ اتم موجود ہوں اور تربیت کا طریقہ بھی یکساں نہ ہو تو پھر استفادہ کرنا خود بخود آسان اور تربیت کا سلسلہ مؤثر اور کامیاب ہو جاتا ہے۔

رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ کا مقام: حضرت مفتی صاحب نے ”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ کا آغاز ذی قعدہ ۱۳۱۹ھ میں فرمایا، اور پانچ سالہ محنتوں اور عرق ریزی کے بعد ۱۹۴۳ھ کو پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ شرح پایہ تکمیل تک پہنچایا، برصغیر کے ممتاز

اہل علم و نصیرت نے اس شرح کو بہت سراہا ہے، اور تقریباً ڈھائی سو سال سے ”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ کی شایان شان تشریح کا جو علمی قرض اہل علم و دانش کے ذمہ باقی تھا ”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ کو اس قرض کی ادائیگی سے تعبیر کیا ہے، یہاں تک کہ برصغیر کے سب سے بڑی دینی درجہ کا ”دارالافتاء آویہ بندہ“ کی مجلس شوریٰ (جو ممتاز اہل علم و نصیرت پر مشتمل مجلس ہے) نے ایک تجویز پاس کی ہے جس میں مفتی صاحب مدظلہم کے اس کارنامہ کو فرض کفایہ ادا کرنے کے مترادف اور آپ کو شکر یہ و تحسین کے مستحق قرار دیا ہے، تجویز کا مکمل صفحہ نمبر (ب) جلد اول پر دے دیا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ: ”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ کا نام سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۹ ”قُلْ لِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ الْاُولٰٓئِہِ“ سے ماخوذ ہے جس کا ذکر خود حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اختصار کے ساتھ فرمایا ہے اور حضرت شارح مدظلہم نے جلد اول صفحہ ۹۰ پر اس کی خوب تشریح بھی کی ہے، شارح مدظلہم کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے بھی ”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ کا نام اسی جگہ اور اسی وجہ سے اخذ کیا ہے جہاں سے اور جس وجہ سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اخذ کیا ہے، سورۃ الانعام آیت ۱۴۹ سے پہلے ایک آیت چھوڑ کر آیت ۱۴۷ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ”فَبَانَ كَذِبُكَ فَقُلْ رِکْمٌ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ“ شرح کا ماخذ ہے جس کی تفصیل ”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ جلد سوم صفحہ ۲۸ پر موجود ہے۔

رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ کی اشاعت: ہندوستان میں ”رَحْمَةُ اللهِ الْوَاسِعَةُ“ کی اشاعت کا بیڑا تو خود حضرت مؤلف مدظلہم ہی نے اٹھایا، اور ”مکتبہ حجاز دیوبند“ سے شایان شان طباعت، بہترین کاغذ اور خوبصورت جلدوں کے ساتھ طبع کرایا، اور یہ شرح اس شعر کا صحیح مصداق بن گئی۔

بہار عالم حسنت دل و جان تازہ میدارو
برنگ اصحاب صورت را بنو ارباب معنی را
اب پاکستان میں برادر محترم، فاضل مکرم جناب مولانا محمد رفیق صاحب (فضیل اللہ جہودھم) فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن و مالک ”مکتبہ رحمتیہ کراچی“ نے اشاعت کا ارادہ فرمایا ہے، اور حضرت مؤلف مدظلہم سے اجازت بھی حاصل کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی محنتوں کو قبول فرمائیں، اور ”مکتبہ رحمتیہ کراچی“ کی اس کتاب اور دیگر مطبوعات سے خاص و عام کو فیضیاب فرمائیں۔

ع
این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین، والحمد للہ رب العالمین۔

عبدالرؤف غزنوی عفا اللہ عنہ

خادم مد ریس

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۱۴۳۵ھ/۲/۲

فہرست مضامین

۲۶-۵	فہرست مضامین
۳۳-۲۷	سخن ہائے گفتنی
۳۵	مختصر سوانح حیات حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ
۳۷	خودنوشت سوانح حیات
۴۳-۴۰	اصلاحی اور تجدیدی کارنامے۔ مشہور تصانیف کا تعارف
۴۴	طرز تحریر اور تصنیفی خدمات
۴۵	آپ کیا تھے؟
۴۷	حضرت شاہ صاحب کا کلامی اور فقہی مسلک
۴۷	ایک عربی رسالہ جس میں ان بارہ مسائل کا بیان ہے جو اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان اختلافی ہیں
۵۰	شاہ صاحب کلام میں اشعری تھے
۵۱	شاہ صاحب فروعات میں خنئی تھے
۵۳	حجۃ اللہ البالغہ کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخے
۷۱-۷۲	فن حکمت شرعیہ (علم اسرار الدین) تعریف، موضوع اور غرض و غایت
۷۳	کتاب کا آغاز
۷۵	ہر مکلف دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے؟
۷۵	عربی میں مصدر معروف اور مصدر مجہول میں اور مصدر اور حاصل مصدر میں فرق نہیں ہوتا
۷۵	شاہ صاحب رحمہ اللہ مترادفات استعمال کرتے ہیں
۷۶	نبیوں اور رسولوں کا درجہ
۷۷	بڑے لوگ
۷۷	مادامت السماوات والأرض ابدیت کے لئے محاورہ ہے
۷۸	فنون حدیث میں حکمت شرعیہ کا مقام و مرتبہ
۷۹	علوم شرعیہ میں سب سے بلند رتبہ حدیث کا ہے یا تفسیر کا؟
۷۰	مکرمین حدیث (اہل قرآن) پر رد
۷۱	چار فنون حدیث: فن روایت الحدیث، فن غریب الحدیث، فقہ السنۃ اور علم اسرار الدین

- ۷۴ حکمت اور علت میں مجید و جود فرق ہے
- ۷۵ فن حکمت شرعیہ کے تین فائدے
- ۷۷ فن حکمت شرعیہ مضبوط بنیاد رکھتا ہے، مگر یہ اچھوتا فن ہے
- ۷۹ فن حکمت شرعیہ ایک دقیق فن ہے، اس میں تصنیف کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں
- ۸۱ تقریب تدوین حکمت شرعیہ
- ۸۵ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے اسمائے گرامی کے ساتھ لفظ ”امام“ کا استعمال
- ۸۸ کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا انداز
- ۹۰ کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی وجہ تسمیہ

مقدمۃ الکتاب کا آغاز

- ۹۴ یہ خیال باطل ہے کہ احکام شرعیہ کتنوں پر مشتمل نہیں ہیں
- ۹۶ حدیث ﴿انما الاعمال بالنیات﴾ کی تشریح
- ۹۷ نماز کا معنی اور اصلی فائدہ
- ۱۰۰ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور بعد کے حضرات، ہمیشہ احکام کی مصطلحتیں بیان کرتے رہے ہیں
- ۱۰۳ ایام رضاعت میں بہسٹری کرنے کی ممانعت منسوخ ہے
- ۱۰۵ اعمال کا حسن و قبح نہ محض عقلی ہے نہ شرعی، بلکہ بین بین ہے
- ۱۰۵ اشعار، تاثر یہ، معترضہ، امامیہ اور کرامیہ کے مذاہب
- ۱۰۹ احکام پر عمل پیرا ہونا حکمتوں کے جاننے پر موقوف نہیں
- ۱۱۱ تکلیف شرعی کی صحیح مثال
- ۱۱۴ اہل فحش اور پھاڑوں پر رہنے والوں کا حکم
- ۱۱۶ انسان اس دنیا میں نیا نہیں پیدا ہوا
- ۱۱۷ فن حکمت شرعیہ کی تدوین اور اس کے فوائد
- ۱۱۸ ایک باطل خیال کہ حکمت شرعیہ کی تدوین ناممکن ہے اور ان کے عقلی اور نقلی دلائل
- ۱۲۰ باطل خیال والوں کی دلیل عقلی کا جواب
- ۱۲۲ ان کی دلیل نقلی کی پہلی تقریر کا جواب
- ۱۲۲ بدعت کی حقیقت کیا ہے

- ۱۲۴ محققین کو فن حکمت شرعیہ کی ضرورت کیوں نہیں تھی؟
- ۱۲۴ اب فن حکمت شرعیہ کی ضرورت کیوں ہے؟
- ۱۲۹ باطل خیال والوں کی دلیل نقلی کی دوسری تقریر کا جواب
- ۱۲۹ فن حکمت شرعیہ کے فوائد:
- ۱۲۹ ① فن حکمت شرعیہ کی مدد سے ایک اہم معجزہ کی وضاحت ہوتی ہے
- ۱۳۲ ② فن حکمت شرعیہ سے دین میں مزید اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے
- ۱۳۳ ③ فن حکمت شرعیہ سے سالک کو عبادات میں فائدہ پہنچتا ہے
- ۱۳۳ احسان کا مطلب اور صفت احسان پیدا کرنے کا طریقہ
- ۱۳۵ احسان، رُبد اور تقصوف ایک ہی چیز ہیں
- ۱۳۶ ④ فن حکمت شرعیہ سے فروعی مسائل میں اختلاف فقہاء میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے
- ۱۳۶ ⑤ فن حکمت شرعیہ سے گمراہ فرقوں کے خیالات کی تردید کرنے میں مدد ملتی ہے
- ۱۳۹ ⑥ فن حکمت شرعیہ سے بعض فقہاء کی ایک بات کی تردید کی جاسکتی ہے
- ۱۴۰ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے تفروعات کی وجہ
- ۱۴۲ اہل حق (اہل السنۃ والجماعہ) کون لوگ ہیں اور حق کا معیار کیا ہے؟ (ایک اہم بحث)
- ۱۴۳ منصوص مسائل میں اہل حق کا طریقہ
- ۱۴۶ غیر منصوص مسائل میں توسع ہے
- ۱۴۸ انسان افضل ہیں یا ملائکہ؟
- ۱۴۹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا؟
- ۱۵۱ چار مسائل: جن کو کلمہ کلام میں اس لئے چھیڑا گیا ہے کہ ان کو مسائل اسلامیہ کا موقوف علیہ سمجھا گیا ہے
- ۱۵۲ صفات باری تعالیٰ کے تعلق سے تین مسائل کا تذکرہ
- ہر فن کی ایک خصوصیت اور ہر مقام کا ایک تقاضا ہوتا ہے۔ اور دوسرے فن والوں پر اس فن کی قابل
- ۱۵۷ اعتماد بات کی پیروی ضروری ہے
- ۱۶۰ مقدمۃ الکتاب کی آخری بات
- ۱۶۱ کتاب کے مضامین کی اجمالی فہرست
- ۱۷۱ قسم اول: قواعد کلیہ کے بیان میں ہے
- ۱۷۱ قسم اول میں سات بحث اور ستر باب ہیں

بحث اول

(تکلیف شرعی اور جزا و سزا کے اسباب کے بیان میں)

- باب (۱) صفت ابداع و خلق اور تدبیر کا بیان ۱۷۲
- صفت ابداع و خلق کا بیان ۱۷۲
- اللہ تعالیٰ نے عالم کی تشکیل کس طرح فرمائی ہے؟ ۱۷۵
- خاصہ ذی خاصہ سے جدا نہیں ہوتا ۱۷۶
- انواع اجناس میں خصوصیت در خصوصیت پیدا کرنے سے بنتی ہیں ۱۷۶
- انواع و اجناس کی خصوصیات کا فرق عقل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے ۱۷۶
- صفت تدبیر کا بیان ۱۷۹
- صفت تدبیر کی مزید وضاحت ۱۸۱
- عالم موالید جو ابر و اعراض کا مجموعہ ہے ۱۸۱
- دو معنی کے اعتبار سے عالم میں ہر چیز حُسن ہے، کوئی چیز قبح نہیں ۱۸۲
- دوسرے دو معنی کے اعتبار سے عالم میں حُسن و قبح پایا جاتا ہے ۱۸۲
- جب کوئی ایسا واقعہ رونما ہونے جا رہا ہو جس میں شر ہو تو صفت تدبیر چار طرح سے تصرف کرتی ہے ۱۸۲
- زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے نمودار ہوا ہے یہ بے اصل بات ہے ۱۸۳
- باب (۲) عالم مثال کا بیان ۱۸۶
- عالم کا اطلاق مجموعہ کائنات پر بھی ہوتا ہے اور اجزائے عالم پر بھی ۱۸۶
- عالم مثال کی پانچ خصوصیات ۱۸۷
- عالم مثال کہاں ہے؟ اور اس کا یہ نام کیوں رکھا گیا ہے؟ ۱۸۷
- عالم مثال پر دلالت کرنے والی سترہ روایات ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹
- مذکورہ روایات میں غور کرنے کے تین طریقے: ۱۹۵
- ① ان روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو عالم مثال کو ماننا پڑے گا ۱۹۵
- ② ان روایات کی یہ تاویل کی جائے کہ یہ صرف آدمی کا احساس ہے تو اس تاویل کی کسی درجہ میں گنجائش ہے ۱۹۶
- ③ ان روایات کو مضمون جنسی کے لئے حیرانہ بیان قرار دیا جائے، مگر صرف یہ توجیہ اہل حق کا مسلک نہیں ہے ۱۹۶

- ۱۹۸ امام غزالی رحمہ اللہ کا تائیدی حوالہ، انہوں نے عذاب قبر کی روایات میں یہ تین طریقے بیان کئے ہیں
- ۲۰۳ باب (۳) ملا اعلیٰ (مقرب فرشتوں) کا بیان ..
- ۲۰۳ ملا اعلیٰ کا تذکرہ قرآن وحدیث میں ..
- ۲۰۵ چھ صد شیخ جن سے ملا اعلیٰ کے وجود اور کاموں پر روشنی پڑتی ہے
- ۲۰۸ ملا اعلیٰ کے سلسلہ کی سات باتیں: ..
- ۲۰۸ ① ملا اعلیٰ نیک لوگوں کے لئے دعائیں کرتے ہیں
- ۲۰۸ ② ملا اعلیٰ: اللہ اور بندوں کے درمیان وساطت کا فریضہ انجام دیتے ہیں
- ۲۰۸ ③ ملا اعلیٰ بھائیوں کا الہام کرتے ہیں
- ۲۰۸ ④ ملا اعلیٰ باہم مل کر نظام دنیوی طے کرتے ہیں
- ۲۰۹ ⑤ ملا اعلیٰ میں اونچے درجہ کے انسان بھی شامل ہیں
- ۲۰۹ ⑥ فیصلہ خداوندی پہلے ملا اعلیٰ میں نازل ہوتا ہے
- ۲۰۹ ⑦ شریعتیں پہلے ملا اعلیٰ میں مستقر ہوتی ہیں
- ۲۱۱ موتوا قبل ان تموتوا: صوفیاء کا کلام ہے، حدیث نہیں ہے
- ۲۱۱ ملا اعلیٰ میں تین قسم کے نفوس شامل ہیں: نورانی فرشتے، اعلیٰ درجہ کے عنصری فرشتے اور اعلیٰ درجہ کے انسانی نفوس
- ۲۱۱ ملا اعلیٰ کے تین کارنامے: پوری توجہ سے اللہ کی طرف متوجہ رہنا، پسندیدہ نظام کے لئے دعائیں کرنا اور ان کے انوار کا روح اعظم کے پاس جمع ہونا
- ۲۱۳ حظیرۃ القدس کی حقیقت کیا ہے؟
- ۲۱۵ روح اعظم والی روایت کیسی ہے؟
- ۲۱۵ جب حظیرۃ القدس میں طے پاتا ہے کہ لوگوں کو دینی اور دنیوی تباہی سے بچایا جائے تو تین باتیں وجود میں آتی ہیں
- ۲۱۶ نبوت کی بنیاد کیا ہے؟ اور روح القدس کی تائید کا مطلب کیا ہے؟
- ۲۱۸ ملا سافل (زمینی فرشتے) اور ان کے کام
- ۲۱۸ ملا سافل کی تخلیق کس طرح ہوتی ہے؟
- ۲۱۹ ملا سافل کی طرح سے اہل زمین پر اثر انداز ہوتے ہیں
- ۲۲۱ اپوزیشن پارٹی (شیاطین) کا بیان
- ۲۲۲ باب (۴) سنت الہی (قانون قدرت) کا بیان

اللہ تعالیٰ کے کچھ کام اشیائے عالم میں رکھی ہوئی صلاحیتوں پر متفرع ہوتے ہیں اور اس بات کے

۲۲۲ دلائل عقلیہ اور عقلیہ

۲۲۵ کائنات میں رکھی ہوئی چھ کنون صلاحیتوں کا بیان

۲۲۵ عناصر اور بعد کی خصوصیات

۲۲۸ تعارض اسباب اور وجہ ترجیح

۲۸۵ و ۲۲۹ علویات (کواکب) کے سفلیات (زمینی واقعات) پر اثرات اور حضرت نانوتویؒ کی رائے

۲۳۳ اسباب و مسببات کے درمیان تعلق واضح ہو تو مسبب کی سبب کی طرف نسبت درست ہے

۲۳۴ باب (۵) روح کی حقیقت و ماہیت کا بیان

۲۳۴ روح کی حقیقت قابل فہم ہے یا ناقابل فہم؟

۲۳۴ قرآن کریم نے روح کی حقیقت بیان کرنے سے سکوت کیوں کیا ہے؟

۲۳۴ قرآن کریم نے روح کی حقیقت بیان کر دی ہے، الہیہ تمام حقیقت بیان نہیں کی

۲۳۶ روح کیا چیز ہے؟

۲۳۸ اصل روح، روح ربانی ہے

۲۳۹ روح ربانی کیا چیز ہے؟

۲۴۱ موت سے نمہ کا تعلق بدن سے منقطع ہوتا ہے اور روح ربانی کا تعلق نمہ سے برقرار رہتا ہے

۲۴۳ موت کے بعد نمہ کو کبھی زندگی ملتی ہے

۲۴۳ صور پھونکنے کے بعد کے احوال

۲۵۱ و ۲۴۳ ملکیت و بہیمیت کی حقیقت

۲۴۴ اس باب میں روح کی پوری حقیقت بیان نہیں کی گئی ہے

۲۴۵ علم الحق (فلسفہ تصوف) اور علم سلوک

۲۴۶ باب (۶) انسان مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟ (دلیل نقلی)

۲۴۶ آیت ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ﴾ کی تفسیر

۲۵۰ انسان مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟ (دلیل عقلی)

۲۵۱ ملائکہ، بہائم اور انسان کے احوال

۲۵۱ ملکیت اور بہیمیت میں ہمیشہ کشمکش رہتی ہے

۲۵۲ انسان جو بھی حالت اپناتا ہے اس میں تعاون کیا جاتا ہے

۲۵۲ ملکیت اور بہیمیت کو بعض چیزوں میں مزہ آتا ہے اور بعض چیزوں سے کلفت ہوتی ہے

- ۲۵۲ ملکیت و بہیت: دو متضاد قوتیں انسان میں جمع کیسے ہوتی ہیں؟ دو مثالوں سے وضاحت
- ۲۵۶ باب (۷) انسان کا مکلف ہونا عالم کی پانچ انگ میں داخل ہے
- ۲۵۶ لفظ تقدیر کے معنی اور مفہوم
- ۲۵۷ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو کس انداز پر پیدا کیا ہے؟ نباتات، حیوانات اور انسان کے احوال میں غور کریں
- ۲۶۲ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظم و انتظام کس طرح فرمایا ہے
- ۲۶۵ انسان کی تربیت و تدبیر کا بیان
- ۲۶۵ انسانوں میں صلاحیتوں کا فرق
- ۲۶۶ قوتِ ملکیہ کے تعلق سے انسانوں کے احوال
- تمام مخلوقات زبان حال سے تضرع کنتاں ہیں، مگر انسان علم و بصیرت کے ساتھ زبانِ قائل سے بھی
- ۲۶۶ تضرع کرنا چاہتا ہے
- ۲۶۷ انسان کی چند اور خصوصیات
- ۲۷۱ انسانی امتیازات کا خلاصہ: قوتِ عقلیہ کی زیادتی اور قوتِ عملیہ کی برتری
- ۲۷۳ انسان کو ہر عمل پر جزا یا سزا ملنی چاہئے، بھول، چوک اور اکراہ معاف کیوں ہیں؟
- ۲۷۶ انسان کی تربیت کے لئے شریعت ضروری ہے
- ۲۷۶ انسان کے مزاج کا اعتدال چار باتوں کا مرکب ہون منت ہے
- انسان کی تربیت کے لئے پانچ علوم ضروری ہیں: توحید و صفات کا علم، عبادتوں کا علم، تدبیرات کا علم، استدلال کا علم اور پسند و معصیت کا علم
- ۲۷۹ پسند و معصیت تین قسم کے مضامین سے کی جانی چاہئے
- ۲۸۰ علمِ ازل میں علوم خمسہ کی تعیین اور میری اشاعرہ کے نزدیک ”کلامِ نفسی“ ہے
- ۲۸۳ علوم خمسہ کا پہلا ظنی اور روحانی وجود
- ۲۸۳ علوم خمسہ کا دوسرا روحانی وجود
- ۲۸۶ علوم خمسہ کا انبیاء پر نزول
- ۲۸۷ باب کی آخری بات جو باب کا مدی ہے
- ۲۸۸ باب (۸) تکلیف شرعی جزا و سزا کو چاہتی ہے اور مجازات کی چار وجوہ ہیں
- ۲۸۸ پہلی وجہ: مجازات صورتِ نوعیہ کا تقاضا ہے
- ۲۹۰ دوسری وجہ: مجازات ملّا اعلیٰ کی وجہ سے بھی ہوتی ہے
- ۲۹۵ تیسری وجہ: مجازات شریعتِ مزہ کی وجہ سے بھی ہوتی ہے

- چوتھی وجہ: مجازات تعلیمات انبیاء کی وجہ سے بھی ہوتی ہے ۲۹۷
- مجازات کی چاروں وجہ کے احکام ۲۹۹
- باب (۹) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت مختلف بنائی ہے ۳۰۲
- ملکیت اور ہیمنیت کے مختلف انداز ۳۰۴
- ملکیت اور ہیمنیت کا اجتماع و طرح پر ہوتا ہے ۳۰۸
- ملکیت و ہیمنیت اور ان کے اجتماع کی اقسام ثنائیہ ۳۱۰
- اقسام ثنائیہ کے ضروری احکام ۳۱۱
- باب (۱۰) عمل کا باعث بننے والے خیالات کے پانچ اسباب: ۳۱۷
- پہلا سبب: انسان کی جبلت و فطرت ۳۱۷
- دوسرا سبب: انسان کا مادی مزاج ۳۱۷
- تیسرا سبب: عادات و مالوفات ۳۱۸
- چوتھا اور پانچواں سبب: بعض اتفاقات جو اچھے یا برے خیالات کا سبب بنتے ہیں ۳۱۸
- خوابوں کا معاملہ خیالات جیسا ہے ۳۱۹
- باب (۱۱) عمل کا نفس سے وابستہ ہونا اور اس کا ریکارڈ کیا جانا ۳۲۲
- اعمال و اخلاق کا نفس کی جڑ سے اٹھنا ۳۲۳
- اعمال و اخلاق کا نفس کی طرف لوٹنا ۳۲۶
- اعمال و اخلاق کا نفس کے دامن سے چٹنا ۳۲۸
- بچہ کا نفس شروع میں بیہوش لانی ہوتا ہے اور بڑھتی بڑھتی کے معنی ۳۲۸
- اعمال و اخلاق سلسلہ متعدّدات ہیں اور معدّے کے معنی ۳۲۹
- اعمال و اخلاق کا ریکارڈ کیا جانا ۳۳۱
- بر عمل خود بخود اپنی جزاء ملتا دیتا ہے ۳۳۲
- لوح محفوظ ایک مخلوق ہے، اس کے دماغ میں جمیع ماکان و مایکون بھرے ہوئے ہیں ۳۳۲
- عمل کا یاد دہنا بھی اس کے محفوظ ہونے کی ایک دلیل ہے ۳۳۳
- باب (۱۲) اعمال کا ماکات سے جوڑ ۳۳۶
- اعمال ہیمنات نفسانیہ کے بیکر ہائے محسوس ہیں ۳۳۶
- اعمال: نکات و اخلاق کے لئے جال ہیں ۳۳۶
- کسی کے نکات زیادہ ریکارڈ کئے جاتے ہیں اور کسی کے اعمال ۳۴۱

- بہت سے اعمال بذات خود مقصود ہوتے ہیں ۳۴۲
- باب (۱۳) مجازات کے اسباب کا بیان ۳۴۵
- اصل اول: نفس کا احساس سبب مجازات ہے ۳۴۵
- اصل دوم: فیصلہ خداوندی بھی سبب مجازات ہے ۳۴۶
- مجازات کی کوئی اصل کہاں کام کرتی ہے؟ ۳۵۰
- اسباب مجازات کے لئے موانع ۳۵۱

بحث دوم

دنیا میں اور موت کے بعد جزا و سزا کی کیفیت کا بیان

- باب (۱) دنیا میں جزائے اعمال کا بیان (نقلی دلائل) ۳۵۵
- دنیا میں جزائے اعمال کا بیان (عقلی و دلیل) ۳۵۸
- خارجی جزا و سزا کا ضابطہ ۳۶۱
- مجازات کی پانچ صورتیں: روحانی مجازات، جسمانی مجازات، متعلقات میں مجازات، آفاقی مجازات
- اور اعمال میں مجازات ۳۶۶
- باب (۲) موت کی حقیقت کا بیان ۳۶۸
- دو تہیں اور چار عناصر کے مرکبات ۳۷۰
- فلکیات، کائنات الجوار و موالید و مٹاؤ ۳۷۰
- مختلف اعتبارات سے لوگوں کی مختلف انواع ۳۷۵
- موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا یقین اور اعمال کا احساس ہونے لگتا ہے ۳۷۸
- ملکیت کے لئے مفید اور مضر چیزیں ۳۷۸
- باب (۳) برزخی مجازات میں لوگوں کے مختلف احوال کا بیان ۳۸۱
- قبر: عالم برزخ کا نام ہے مٹی کے گھر ہے ہی کا نام نہیں ہے ۳۸۱
- بیدار قلب لوگوں کی مجازات کا بیان ۳۸۲
- خوابیدہ طبیعت لوگوں کی مجازات کا بیان ۳۸۳
- کمزور قوت ملکیہ اور نیمہیہ والوں کی مجازات کا بیان ۳۸۸
- ملائکہ اور شیاطین سے ملانے والے فطری اور اکتسابی اسباب ۳۸۸
- ملائکہ سے ملنے والوں کے بعض احوال ۳۸۹

- ۳۹۰ شیاطین سے ملنے والوں کے بعض احوال
- ۳۹۳ قوی بہیمیت اور ضعیف ملکیت والوں کی مجازات کا بیان
- ۳۹۵ عالم برزخ اور عالم آخرت میں ایک فرق
- ۳۹۹ باب (۴) قیامت اور اس کے بعد کے واقعات کے کچھ اسرار و رموز کا بیان
- ۳۹۹ موت کے بعد انفرادی احکام ختم ہو جاتے ہیں، صرف نوعی احکام باقی رہتے ہیں
- ۳۹۹ انسان کی انفرادی اور اجتماعی خصوصیات
- ۴۰۰ نوعی چیزیں دو قسم کی ہیں: ظاہری اور باطنی
- ۴۰۳ نوع کے افراد میں نوعی احکام کا پایا جاتا کمال ہے
- ۴۰۴ ارواح کا بارگاہ عالی کی طرف سمت و طرح پر ہوتا ہے
- ۴۰۶ قیامت میں واقعات حشری رنگ میں ظاہر ہوں گے
- ۴۰۸ فوقانی علوم آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتے
- علوم و طرح کے ہیں: حسی اور معنوی۔ پھر معنوی علوم دو طرح کے ہیں: وہ جن سے کچھ مناسبت ہے
- ۴۰۸ اور وہ جن سے بالکل مناسبت نہیں اور دونوں قسم کے معنوی علوم نہایت مشکل ہیں
- ۴۰۹ قیامت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کا بیان

بحث سوم

ارتقاات کی بحث

- ۴۱۷ ارتقاات: شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خاص اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح کی تشریح
- ۴۱۷ باب (۱) ارتقاات کو مستطیع کرنے کا طریقہ
- ۴۱۸ آسائش سے زندگی بسر کرنے کے لئے ارتقاات ضروری ہیں
- انسان زندگی گزارنے کے فطری الہامات کے ساتھ تین چیزیں ملاتا ہے: عقلی فائدے کے لئے کام
- کرنا، حاجت روائی کے ساتھ نفاس کا خیال رکھنا اور ان میں عقلمندوں کا پایا جانا، جو بہترین اسکیمیں
- ۴۱۸ وجود میں لاتے ہیں
- ۴۲۲ ارتقاات مستطیع کرنے کا طریقہ
- ۴۲۲ تمدن کا معمولی درجہ (دیہی تمدن) ارتقاات اول ہے
- ۴۲۲ ترقی یافتہ تمدن (شہری تمدن) ارتقاات ثانی ہے
- ۴۲۲ نظام حکومت ارتقاات ثالث ہے

- ۴۲۴ نظام حکومت تین وجوہ سے ضروری ہے
- ۴۲۵ مرکزی حکومت ارفاق رابع ہے
- ۴۲۹ باب (۲) ارفاق اول میں شامل چیزیں
- ۴۲۹ ارفاق اول میں کم از کم گیارہ چیزیں ضرور پائی جاتی ہیں
- ۴۲۹ زبان یعنی بولی کس طرح وجود میں آتی ہے
- ۴۳۳ باب (۳) فن آداب معاش کا بیان
- ۴۳۳ فن آداب معاش کی تعریف
- ۴۳۵ اس فن کا بنیادی نقطہ
- ۴۳۵ وہی تمدن میں رائج امور کو تین معیاروں پر جانچا جاتا ہے تو شہری تمدن وجود میں آتا ہے
- ۴۳۵ فن آداب معاش کے بڑے مسائل انہیں ہیں
- ۴۳۶ آباد خطوں میں بسنے والے اور صحیح مزاج رکھنے والے، قابل لحاظ حضرات دس باتوں پر متفق ہیں
- ۴۴۱ باب (۴) فن تدبیر منزل (خانگی انتظام) کا بیان
- ۴۴۱ فن تدبیر منزل کی تعریف
- ۴۴۱ اس فن کا خلاصہ چار مسائل ہیں: نکاح، ولادت، ملکیت اور تعاون باہمی
- ۴۴۱ پہلا مسئلہ: شادی یا نکاح کا بیان
- ۴۴۲ محارم سے نکاح کیوں حرام ہے؟ نکاح کس عمر میں ہونا چاہئے؟ تقریب ولیمہ
- ۴۴۲ شادی میں وقت بجانا اور نکاح میں دس باتوں کا لحاظ کرنا چاہئے
- ۴۴۳ طلاق اور عدت کی ضرورت
- ۴۴۸ دوسرا مسئلہ: اولاد کے احوال کا بیان
- ۴۴۸ تیسرا مسئلہ: ملکیت کا بیان
- ۴۴۸ ملکیت بمعنی ملازمت اور ملکیت بمعنی غلامی کس طرح وجود میں آتی ہے؟
- ۴۴۹ غلامی کا مسئلہ اسلام کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے
- ۴۵۱ چوتھا مسئلہ: محبت (رفاقت) کا بیان
- ۴۵۱ انسان کو دو طرح کی حاجتیں پیش آتی ہیں
- ۴۵۴ فن تدبیر منزل کے بڑے مسائل میں ہیں
- ۴۵۵ باب (۵) فن معاملات کا بیان
- ۴۵۵ فن معاملات کی تعریف، اس فن میں تین باتوں سے بحث کی جاتی ہے

- ۴۵۵ پہلی بات: تبادلۂ اشیاء کا بیان
- ۴۵۵ مبادلہ کا رواج کیسے چلا؟ کرنسی کا رواج کیسے پڑا؟ اور کرنسی کس چیز کی ہوئی چاہئے؟
- ۴۵۹ دوسری بات: ذرائع معاش کا بیان
- ۴۵۹ ذرائع معاش و طرح کے ہیں: اصلی اور فرعی: اصلی ذرائع معاش چار ہیں اور فرعی بے شمار ہیں
- ۴۵۹ دو باتیں پیش نظر رکھ کر کوئی ذریعہ معاش اختیار کیا جاتا ہے
- ۴۶۰ تیسری بات: تعاون باہمی کا بیان
- ۴۶۳ باب (۶) نظام حکومت کا بیان
- ۴۶۳ فن سیاست مدینہ (نظام حکومت) کی تعریف
- ۴۶۳ سربراہ مملکت کی ضرورت کیوں ہے؟
- ۴۶۳ نظام مملکت میں خلل ڈالنے والی آٹھ چیزیں
- ۴۶۸ ملک کی حفاظت کے لئے چار انتظامات ضروری ہیں
- ۴۷۰ ملک کی ویرانی کے بڑے اسباب دو ہیں
- ۴۷۲ باب (۷) سربراہ مملکت کے لئے ضروری اوصاف
- ۴۷۲ سربراہ مملکت میں چودہ اوصاف ضروری ہیں
- ۴۷۴ بادشاہ کے لئے حشمت کی ضرورت
- ۴۷۴ عظمت و حشمت پیدا کرنے کا طریقہ
- ۴۷۷ سربراہ مملکت کے لئے سات ضروری باتیں
- ۴۷۹ باب (۸) سرکاری عملہ کے نظم و انتظام کا بیان
- ۴۷۹ عملہ کی ضرورت، شرائط اور برتاؤ
- ۴۸۰ مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز
- ۴۸۰ عملہ کی اقسام اور ان کا مقام
- ۴۸۲ سرکاری عملہ کی تنخواہ گورنمنٹ کے ذمہ ہے اور سرکاری خزانہ کی فراہمی کا طریقہ
- ۴۸۳ عسکری تنظیم کی ضرورت
- ۴۸۳ سرکاری عملہ کی تعداد متعین نہیں، البتہ بڑے محکمے پانچ ہیں: عدلیہ، سالار اقواج، منتظم مملکت، عامل اور وکیل
- ۴۸۸ باب (۹) خلافت کبریٰ کا بیان
- ۴۸۸ خلیفہ کی ضرورت اور خلیفہ سے مراد

- ۴۸۹ خلافت کا فائدہ۔
- ۴۹۰ خلیفہ کو جنگ و جدوجہد سے چھیڑنی پڑتی ہے: دفاع کے لئے اور اقتدای طور پر۔
- ۴۹۲ مختلف وجوہ سے خلیفہ کو جنگ سے ساقط پڑتا ہے، پس آٹھ باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔
- ۴۹۵ خلافت کبریٰ کے لئے پانچ باتیں ضروری ہیں۔
- ۴۹۶ باب (۱۰) ارتقا قات کی بنیادی باتیں متفق علیہ ہیں۔
- ۴۹۷ اصول اور رسوم میں فرق۔
- ۴۹۷ ارتقا قات پر لوگوں کا اتفاق تین وجوہ سے ہوتا ہے۔
- ۵۰۳ باب (۱۱) لوگوں میں رائج طور و طریق کا بیان۔
- ۵۰۳ رسوم کی اہمیت اور ان کے اسباب۔
- ۵۰۳ وہ اسباب جن کی وجہ سے رسوم پھیلتی ہیں۔
- ۵۰۳ وہ اسباب جن کی وجہ سے لوگ رسوم کو مضبوط پکڑتے ہیں۔
- ۵۰۵ اچھی رسمیں ضروری ہیں، ان سے ارتقا قات صالحہ کی حفاظت ہوتی ہے۔
- ۵۰۵ بری رسمیں کیسے وجود میں آتی ہیں؟
- ۵۰۹ رسوم و بدعات کی اصلاح کرنا بہترین عمل ہے۔
- ۵۰۹ رائج صحیح طریقہ چھوڑ کر غلط طریقہ کون اختیار کرتا ہے؟
- ۵۱۰ صحیح اور غلط طریقہ اپنانے والوں کا انجام۔
- ۵۱۰ سنتیں فطرت کب بنتی ہیں؟

مبحث چہارم

سعادت کے بیان میں

- ۵۱۵ باب (۱) سعادت کی حقیقت کیا ہے؟
- ۵۱۵ انسان کے نوعی اور حسی کمالات۔
- ۵۱۵ انسان کے نوعی کمالات ہی قابل لحاظ ہیں۔
- ۵۱۶ نوعی کمالات کمال اس وقت بنتے ہیں جب نفس مطلقہ (روح ربانی) ان کو سنوارتی ہے۔
- ۵۱۸ سعادت حقیقیہ کیا ہے؟
- ۵۱۹ نیک بختی حاصل کرنے کا طریقہ۔
- ۵۲۳ سعادت حقیقیہ انسان کا فطری تقاضا ہے۔

- باب (۲) نیک بختی میں اختلاف درجات ۵۲۵
- نیک بختی کے تعلق سے لوگوں کے چار درجات ۵۲۵
- باب (۳) تحصیل سعادت کے مختلف طریقے ۵۳۰
- نیک بختی حاصل کرنے کے دو طریقے: نفس کشی اور نفس کی اصلاح کرنا ۵۳۰
- نیک بختی حاصل کرنے کے لئے کونسا طریقہ بہتر ہے؟ ۵۳۴
- روحانی علوم کی تحصیل کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا ۵۳۸
- باب (۴) وہ اصول جو سعادت حاصل کرنے کے طریق ثانی کی تحصیل کا مرجع ہیں ۵۳۹
- اصولی باتیں چار ہیں: طہارت، اخبات، ساحت اور عدالت ۵۴۰
- پہلی صفت: طہارت (پاکی) کا بیان ۵۴۰
- طہارت کی حقیقت: طہارت و حدیث میں فرق، طہارت کا فائدہ، حدیث کا نقصان اور طہارت کے آثار ۵۴۰
- دوسری صفت: اخبات (اللہ کے حضور میں نیاز مندی) ۵۴۴
- تیسری صفت: ساحت (قیاسی) ۵۴۶
- متعلقات کے اعتبار سے ساحت اور اس کی ضد (بخیلی) کے مختلف القاب ۵۴۷
- چوتھی صفت: عدالت (انصاف) ۵۴۹
- عدالت کی شکلیں، اس کا فائدہ، اس کی اعانت و مخالفت کا شرع اور عدالت کی برکت ۵۵۰
- مذکورہ صفات اربعہ کی اہمیت ۵۵۲
- باب (۵) خصال اربعہ کی تحصیل، تکمیل اور تلافی مافات کا طریقہ ۵۵۳
- خصال اربعہ و تدبیروں سے حاصل کی جاسکتی ہیں: ایک تدبیر علمی، دوسری تدبیر عملی ۵۵۴
- تدبیر علمی کا بیان اور چابک کی ضرورت ۵۵۴
- تدبیر عملی کا بیان ۵۵۹
- حدیث و پاکی، اخبات، قیاسی اور انصاف کے اسباب کا بیان ۵۶۰
- باب (۶) ظہور فطرت کے جوابات ۵۶۳
- ظہور فطرت کو تین چیزیں روکتی ہیں: نفس، دنیا اور بدعتیہ گی ۵۶۳
- ① حجاب نفس کا بیان ۵۶۳
- ② حجاب دنیا کا بیان ۵۶۴
- ③ حجاب سوائے فہم (بدعتیہ گی) کا بیان ۵۶۵

- ۵۶۵ گمراہی کے بڑے اسباب دو ہیں: تشبیہ اور اشتراک
- ۵۶۹ باب (۷) حجابات مذکورہ کو دور کرنے کا طریقہ
- ۵۷۰ ① حجاب نفس کے ازالہ کے دو طریقے
- ۵۷۲ ② حجاب دنیا کے ازالہ کی دو ترکیبیں
- ۵۷۳ ③ حجاب بدعتیہ گی کو زائل کرنے کا طریقہ
- ۵۷۳ صفات باری تعالیٰ کو سمجھا جاسکتا ہے
- ۵۷۴ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی صفات ثابت کی جائیں؟
- ۵۷۵ صفت مدح کو جاننے کا طریقہ

بحث پنجم

نیکی اور گناہ کی بحث

- ۵۸۱ تمہید: نیکی اور گناہ کی حقیقت کا بیان
- ۵۸۱ نیکی کے کام چار قسم کے ہیں اور گناہ کے کام بھی چار قسم کے ہیں
- ۵۸۲ سنن بڑی تشکیل کس طرح ہوتی ہے؟
- ۵۸۶ باب (۱) توحید کا بیان
- ۵۸۶ توحید کی اہمیت چار وجوہ سے ہے
- ۵۸۹ توحید کے چار مرتبے: توحید ذات، توحید خلق، توحید تدبیر اور توحید الوہیت
- ۵۹۱ توحید تدبیر اور توحید الوہیت میں اختلاف:
- ۵۹۱ (۱) ستارہ پرستوں کا خیال
- ۵۹۲ (۲) مشرکین کا خیال اور ان کے تین استدلال
- ۵۹۶ (۳) عیسائیوں کا خیال اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے دو نظریات
- ۵۹۸ باب (۲) شرک کی حقیقت کا بیان
- ۶۰۰ صفات کمالیہ کے دو درجے اور مثالوں سے اس کی وضاحت
- ۶۰۴ شرک و تشبیہ متواتر گمراہیاں ہیں
- ۶۰۴ شرک و تشبیہ کی بیماریاں تین وجوہ سے پیدا ہوتی ہیں
- ۶۰۵ صفات واجب کی معرفت میں جہل بسیط مضرنہیں
- ۶۰۶ انبیاء نے شرک کی حقیقت واضح کاف کر دی ہے

- ۶۱۰ شرک و تشبیہ کے پیادوں کی انواع
- ۶۱۱ مظاہر شرک کا حکم اور ایک واقعہ جس سے شرک کی حقیقت واضح ہوئی
- ۶۱۳ باب (۳) مظاہر شرک یعنی شرک کی صورتوں کا بیان
- ۶۱۴ شرک کی حقیقت اور شرک کے مظاہر
- ۶۱۶ نیت اور مظاہر کے اعتبار سے شرک کی قسمیں
- ۶۱۶ شرک کی صورتوں کا تفصیلی بیان:
- ۶۱۷ ① غیر اللہ کو سجدہ کرنا
- ۶۱۷ توحید عبادت، دین کا بنیادی اور عقلی مسئلہ ہے
- ۶۱۷ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو کیسا سجدہ کیا تھا؟
- ۶۲۰ ② کواج میں غیر اللہ سے مدد طلب کرنا
- ۶۲۱ ③ کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی کہنا
- ۶۲۲ ④ علما و مشائخ کو تخلیل و تحریم کا اختیار دینا
- ۶۲۳ غیر اللہ کو تخلیل و تحریم کا اختیار دینا شرک کیوں ہے؟
- ۶۲۴ شاہ صاحب قدس سرہ غیر مقلد نہیں تھے
- ۶۲۴ شریعت کی بعض باتوں سے ابا بھی شرک کے زمرہ میں آتا ہے
- ۶۲۵ بعض نو مسلم گائے کا گوشت کھانے سے باز رہتے ہیں
- ۶۲۷ ⑤ غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا
- ۶۲۷ ⑥ غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا
- ۶۲۷ غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کا حکم
- ۶۲۸ ⑦ غیر اللہ کی قسم کھانا
- ۶۲۹ ⑧ غیر اللہ کے آستانوں کا حج کرنا
- ۶۲۹ ⑨ غیر اللہ کی طرف بندگی کی نسبت کرنا
- ۶۳۰ وادی حواء نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا تھا۔ یہ روایت باطل ہے
- ۶۳۱ عبدالنبی، عبدالرسول وغیرہ نام بدل دینے چاہئیں
- ۶۳۳ باب (۴) صفات البہیہ پر ایمان لانے کا بیان
- ۶۳۴ صفات کے باب میں دشواریاں اور ان کا حل
- ۶۳۴ ذات و صفات کے سلسلے میں چار باتیں اظہار من الہتس ہیں

- ۶۳۵ صفات باری تعالیٰ کے بیان میں پانچ قاعدوں کا لحاظ ضروری ہے:
- ۶۳۵ پہلا قاعدہ: بیان صفات کے لئے الفاظ بمعنی جو دعائیات استعمال کئے جائیں۔ دو مثالوں سے اس کی وضاحت
- ۶۳۷ دوسرا قاعدہ: بادشاہ اپنی مملکت کو مخر کرنے کیلئے جو تعبیرات اختیار کرتے ہیں، وہ مستعار لی جائیں
- ۶۳۷ تیسرا قاعدہ: بیان صفات میں تشبیہات و شرطوں کے ساتھ استعمال کی جائیں
- ۶۳۷ چوتھا قاعدہ: صفات باری کی ترجمانی کے لئے جامع الفاظ استعمال کئے جائیں
- ۶۳۷ پانچواں قاعدہ: صفات ثبوتیہ کے اثبات کی طرح، صفات سلبیہ کی نفی بھی کی جائے
- صفات پر دلالت کرنے والے الفاظ جو بہو استعمال کئے جائیں اور استعمال سے زیادہ ان کے بارے میں کھود کر پینہ کی جائے
- ۶۳۳ کبھی صفات از قبیل تشاہات ہیں
- ۶۳۴ صفات کے بارے میں محدثین (اسلاف) کا موقف صحیح ہے
- ۶۳۴ صفات کے بارے میں فخری باطلہ کے خیالات اور اہل حق کا موقف
- ۶۳۵ صفات کے بارے میں اہل حق کے دو موقف ہیں: متزیع مع التفویض اور متزیع مع التواہل
- صفات کے بارے میں غور طلب دو باتیں ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ کس طرح متصف ہیں؟
- ۶۳۶ اور اللہ تعالیٰ کو کون صفات کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے؟
- ۶۳۷ صفات تین حکمتوں کی وجہ سے توقیفی ہیں
- ۶۳۹ صفات الہیہ کے معانی کا تفصیلی بیان:
- ۶۵۰ ① صفت حیات کا بیان
- ۶۵۰ ② صفت علم کا بیان
- ۶۵۱ ③ صفات سمع و بصر کا بیان
- ۶۸۴ و ۶۵۱ ④ صفت ارادہ کا بیان
- ۶۵۱ صفت ارادہ قدیم ہے البتہ اشیاء کے ساتھ اس کا تعلق حادث ہے
- ۶۵۴ ⑤ صفت قدرت کا بیان
- ۶۵۴ ⑥ صفت کلام کا بیان
- ۶۵۴ صفت ذاتی اور صفت فعلی کی تعریفات
- ۶۵۴ صفات کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے

- فیضانِ علوم (وحی) کی چار صورتیں ۲۵۵
- ② صفاتِ رضا و شکر، خط و لعن اور اجابتِ دعا کا بیان ۲۵۸
- نظامِ عالمِ مصلحتِ خداوندی کے مقتضی کے مطابق جاری ہے ۲۵۸
- ⑧ صفتِ رویت کا بیان ۲۵۹
- باب (۵) تقدیر پر ایمان لانے کا بیان ۲۶۱
- تقدیر کے معنی اور قدرِ معلوم کا مطلب ۲۶۱
- تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے ۲۶۱
- تدبیرِ حدائی کا مطلب ۲۶۱
- بھلی بری تقدیر کا مطلب ۲۶۱
- تقدیر کی ضرورت اور اس کا دائرہ ۲۶۲
- تقدیر کا مسئلہ آسان ہے ۲۶۳
- تقدیر کا مسئلہ دو وجہ سے مشکل بن گیا ہے ۲۶۳
- لوگ قضا و قدر کے مسئلہ کو شمولِ علم کے مسئلہ کے ساتھ تولا دیتے ہیں ۲۶۵
- تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت اور اس کے فوائد ۲۶۵
- تقدیر الہی کے پانچ مدارج و مظاہر: (۱) ازل میں (۲) عرش کی تخلیق کے بعد (۳) تخلیقِ آدم کے بعد (۴) شکمِ مادر میں (۵) دنیا میں موجود ہونے سے کچھ پہلے ۲۶۸
- لوح محفوظ میں تقدیر لکھنے کا مطلب ۲۷۱
- عہدِ است کسی کو یاد نہیں، پھر اس کی وجہ سے مؤاخذہ کیسے درست ہے؟ ۲۷۳
- محذوہاتِ عالم مثال میں ہوتا ہے، لوح محفوظ میں نہیں ۲۷۶
- عالم مثال کا ثبوت ۱۸۹ و ۲۷۸
- تقدیر اور اسباب ظاہری میں تعارض نہیں ۲۸۰
- بندوں کا اختیار بھی باذنِ الہی ہے ۲۸۱
- باب (۶) عبادت اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک حق ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بالا راہہ مُنعم و مجازی ہیں ۲۸۲
- صفتِ ارادہ کا بیان ۲۸۳ و ۲۸۵
- صفتِ ارادہ کے تعلق سے حکماء پر رد ۲۸۶
- اسباب سے مسببات کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟ اشاعرہ، معتزلہ، فلاسفہ اور ماترید کی آراء ۲۸۶

- ۶۸۷ حکماء کی کوتاہ بینی کہ وہ صفت ارادہ کے تعلق حادث کے مقام کو نہیں جان سکے
- ۶۸۷ حکماء کے خلاف انفس سے دلیل
- ۶۸۹ صفت ارادہ کے تعلق سے فلاسفہ پر رد اور یہ حکماء کے خلاف ”آفاق“ سے دلیل ہے
- ۶۹۳ ”حق اللہ“ کی تفہیم کا طریقہ
- ۶۹۳ ”حق اللہ“ فطری میلان کی تعبیر و ترجمانی ہے
- ۶۹۵ فطری میلان ایک نورانی لطیفہ ہے
- ۶۹۶ فطری میلان کا کبھی احساس نہیں ہوتا
- ۶۹۸ فطری میلان ضائع کرنے والوں کے احوال
- ۷۰۱ ہر حق، نفس کا انفس پر حق ہوتا ہے، سہولت فہم کے لئے حق اللہ وغیرہ کہا جاتا ہے
- ۷۰۳ باب (۷) شعائر اللہ کی تعظیم کا بیان
- ۷۰۳ شعائر اللہ کے معنی اور ان کے مصادر
- ۷۰۳ شعائر اللہ کی اہمیت
- ۷۰۵ شعائر اللہ کیا ہیں؟
- ۷۰۶ شعائر اللہ کیسے تشکیل پاتے ہیں
- ۷۰۷ تشریع میں جمہور کا حال ملحوظ رکھا جاتا ہے
- ۷۰۹ چار بڑے شعائر اللہ: قرآن، کعبہ، نبی اور نماز
- ۷۰۹ (۱) قرآن کریم شعائر اللہ میں کیسے شامل ہوا؟
- ۷۱۱ (۲) کعبہ شریف دین اسلام کی مخصوص علامت کیسے بنا؟
- ۷۱۳ (۳) نبی کا شعائر اللہ میں سے ہونا
- ۷۱۳ (۴) نماز کا شعائر اللہ میں سے ہونا
- ۷۱۶ باب (۸) وضو و غسل کے اسرار و رموز کا بیان
- ۷۱۶ پاک کی معاملہ میں لوگ تین طرح کے ہیں
- ۷۱۹ حدیث کی قسمیں: حدیث اصغر اور حدیث اکبر
- ۷۲۳ طہارت کی دو قسمیں: صغریٰ اور کبریٰ
- ۷۲۸ طہارت کے آٹھ فائدے
- ۷۳۱ باب (۹) نماز کے اسرار کا بیان

- ۷۳۱ نماز کے تعلق سے انسانوں کی تین قسمیں
- ۷۳۳ نماز کا ایک اہم فائدہ
- ۷۳۴ نماز کی ہیئت ترکیبی کا بیان
- ۷۳۶ نماز ہی کیوں ضروری ہے، کیا ذکر و فکر کافی نہیں؟
- ۷۳۹ نماز کے آٹھ فائدے
- ۷۴۲ باب (۱۰) زکوٰۃ کے اسرار کا بیان
- ۷۴۲ اتفاق فی سبیل اللہ چھ مقاصد سے ضروری ہوا ہے:
- ۷۴۲ (۱) ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لئے
- ۷۴۳ (۲) رحمت خداوندی کے حصول کے لئے
- ۷۴۵ (۳) حرص و بخل کے علاج کے لئے
- ۷۴۷ (۴) بلاؤں اور آفتوں کو ٹالنے کے لئے
- ۷۴۷ (۵) گناہوں سے حفاظت کے لئے
- ۷۴۸ (۶) خاندان کی خبر گیری کے لئے
- ۷۴۹ زکوٰۃ کے چار فائدے
- ۷۵۰ باب (۱۱) روزوں کی حکمتوں کا بیان
- ۷۵۰ روزوں کے تعلق سے لوگوں کی تین قسمیں
- ۷۵۰ روزہ میں معاصی و منکرات سے بچنا بھی ضروری ہے
- ۷۵۲ روزوں کے تین مقاصد:
- ۷۵۲ (۱) طبیعت کو عقل کا مطیع بنانا
- ۷۵۳ (۲) گناہوں سے حفاظت ہونا
- ۷۵۳ (۳) دُور شہوت کا علاج
- ۷۵۴ روزوں کے چھ فوائد
- ۷۵۷ اعتکاف کا بیان
- ۷۵۷ اعتکاف کے تعلق سے لوگوں کی تین قسمیں
- ۷۵۸ اعتکاف کے دو فائدے:
- ۷۵۸ پہلا فائدہ: زبان کے گناہوں سے بچا رہنا

- ۴۵۹ دوسرا فائدہ: شب قدر کی تلاش کرنا
- ۴۵۹ باب (۱۲) حج کی حکمتوں کا بیان
- ۴۵۹ حج کی حقیقت کیا ہے؟
- ۴۶۰ حج ہر ملت میں ہے
- ۴۶۱ حج بیت اللہ ہی کا برحق ہے
- حج کے چار مقاصد: حج سامانِ تطہیر ہے، حج ذکر الہی ہے، حج وصل حبیب کی ایک شکل ہے اور حج ملی شان و شوکت اور باہمی تعارف کا ذریعہ ہے
- ۴۶۳ حج کے تین اہم فائدے: حج رواجی برائیوں سے بچاتا ہے، حج اکابر ملت کے احوال یا دولا تا ہے اور حج مہرور سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں
- ۴۶۸ باب (۱۳) نیکی کے مختلف کاموں کی حکمتیں
- ۴۶۸ ① ذکر اللہ کی حکمت اور اس کے چار فائدے
- ۴۶۹ ذکر اللہ دو شخصوں کے لئے خاص طور پر مفید ہے
- ۴۷۰ ② دعا کی حکمت اور اس کے تین فائدے
- ۴۷۱ ③ تلاوت قرآن اور وعظ و نصیحت سننے کی حکمت اور اس کے دو اہم فائدے
- ۴۷۲ ④ حسن سلوک کی حکمت اور اس کے تین فائدے
- ۴۷۳ ⑤ جہاد کی حکمت
- ۴۷۳ تین صورتوں میں جہاد ضروری ہو جاتا ہے
- ۴۷۵ ⑥ آفات و بلیات کی حکمتیں
- ۴۷۵ آفات و بلیات چار وجوہ سے نکلیاں بنتی ہیں
- ۴۷۹ باب (۱۴) گناہوں کے مدارج
- ۴۷۹ گناہ کیا ہیں؟ اور گناہوں کے پانچ مراتب
- ۴۷۹ پہلا مرتبہ: کفریات کا ہے
- ۴۸۳ دوسرا مرتبہ: اوین سے اعراض کا ہے
- ۴۸۳ تیسرا مرتبہ: مہلکات کا ہے
- ۴۸۶ چوتھا مرتبہ: شریعت کی خلاف ورزی کا ہے
- ۴۸۸ پانچواں مرتبہ: التزامات کی خلاف ورزی کا ہے

- باب (۱۵) گناہوں کے مفاسد کا بیان ۷۹۱
- صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی حد بندی ۷۹۱
- توبہ کے بغیر کبیرہ گناہ معاف ہو سکتا ہے؟ ۷۹۲
- باب (۱۶) وہ گناہ جو آدمی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں ۷۹۷
- گناہ دو طرح کے ہیں: لازم اور متعدی اور لازم گناہ کے تین درجے ہیں: ۷۹۷
- پہلا درجہ: اکبر الکبار کا ہے یعنی انفرادی استکبار کا ۷۹۷
- دہریت کیا ہے؟ اور عہد الست کا ذکر ۷۹۸
- اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ تعظیم کب ممکن ہے؟ ۷۹۹
- انسان کی شدید ترین بد بختی استکبار ہے ۷۹۹
- کئی یوم ہو فی شان میں ”شان“ کیا چیز ہے؟ ۸۰۰
- دوسرے درجہ: کبار کا بیان ۸۰۲
- تیسرے درجہ: گناہوں کا بیان ۸۰۳
- باب (۱۷) وہ گناہ جن کا لوگوں سے تعلق ہوتا ہے یعنی متعدی گناہوں کا بیان ۸۰۷
- متعدی گناہ تین قسم کے ہیں: شہوانی، درنگی والے اور وہ گناہ جو بد معاہدگی کے قبیل سے ہیں ۸۰۷
- انسان اور دیگر حیوانات میں فرق ۸۰۷
- انسان کو اس کی تمام ضروریات فطری طور پر کیوں الہام نہیں کی گئیں؟ ۸۰۸
- انسان ضروری علم پانچ ذرائع سے حاصل کرتا ہے ۸۰۸
- لوگوں کے علوم میں تفاوت، قابلیت کے تفاوت سے ہوتا ہے ۸۰۹
- متعدی گناہوں کے اقسام اور ان کی حرمت کا فیضان اور زنا اور ہم جنس پرستی کی حرمت ۸۱۱
- شراب کے نشہ میں چور رہنے کی حرمت ۸۱۳
- ضرب و قتل کی حرمت ۸۱۵
- زہر خواری، جادو سے مارنے اور معبری کرنے کی حرمت ۸۱۶
- بد معاہدگی سے پیدا ہونے والے لوگناہوں کی حرمت ۸۱۷
- مذکورہ بالا گناہوں کا دہال ۸۱۸
- اصطلاحات جن کی کتاب میں تشریح کی گئی ہے ۸۲۱
- شارح کے مختصر حالات ۸۲۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

زبانِ قلم میں یہ قدرت کہاں جو بوحمد خالق میں گوہر فشاں

بے نہایت حمد و سپاس اس ذاتِ قدسی والا صفات کے لئے ہے جس نے مشیتِ خاک کو جامعہٴ انسانیت پہنایا۔ پھر اس کے سر پر اشرفیت کا تاج رکھا۔ اور جس طرح اس کی جسمانی ضروریات کا انتظام فرمایا، اس کی روحانی ضروریات بھی الہام فرمائیں۔ ایسی ہدایات نازل فرمائیں جن کی پیروی سے کلاہ و ہقاں بافتاب رسید! انسان رشکب کڑ و بیان بن گیا۔ اور ایسے احکام نازل فرمائے جن کی تعمیل میں سعادت و آسائش دارین مضمر ہے۔ دنیا کی خوبی اور آخرت کی بھلائی اسی کی رہنِ منت ہے۔ اور بے پایاں رحمتیں اور سلامتی نازل ہو ان تمام برگزیدہ ہستیوں پر جنہوں نے انسانوں کو سنوارنے میں اور ان کو احکامِ الہی کے فوائد و برکات سمجھانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا۔ خاص طور پر اس گروہ کے قافلہ سالار، سید ابرار، غایتِ کائنات، مخبرِ موجودات، حضرت ختمی مرتبت ﷺ پر، جنہوں نے ہر طرح سے لوگوں پر اتمامِ حجت کر دیا اور دینِ الہی کا کوئی گوشہ نشین باقی نہیں چھوڑا۔

اور آپ کی آل و اصحاب پر، اور آپ کے دینِ متین کے حاملین: اساطینِ امت پر، جنہوں نے شریعتِ مطہرہ کے رموز و اسرار کو طشتِ از بام کر دیا اور حقائق و دقائق کو پوری طرح واضح و آشکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ امت کی طرف سے ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اور ہم کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

حمد و صلوة کے بعد عرض ہے کہ ”حجۃ اللہ البالغہ“ کو امام اکبر، مجددِ اعظم، محدثِ کبیر، مفکرِ ملت، حکیم الاسلام، جامعِ شریعت و طریقت، حضرت اقدس مولانا قطب الدین احمد معروف بہ شاہ ولی اللہ صاحبِ محدثِ دہلوی قدس سرہ کی تصانیف میں و ابطۃ العرفۃ (ہار کے بیچ کے عمدہ جوہر) کا مقام حاصل ہے۔ البالغۃ کے معنی ہیں: پختہ، مضبوط اور کامل۔ روح المعانی میں ہے: البالغۃ ای المی بلغت غایۃ المثابۃ والقوۃ علمی الاثبات۔ پس حجۃ اللہ البالغہ کے معنی ہیں: کامل برہانِ الہی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ نام سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۹ سے اخذ فرمایا ہے۔ اس آیت میں تکلیفِ شرعی کے راز، مجازات کی حکمت اور احکامِ شرعیہ کے مبنی بر حکمت و مصالح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی تفصیل آگے بہ

تسمیہ کے عنوان کے تحت آ رہی ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس کتاب کا موضوع بھی یہی مضامین ہیں۔ اس لئے آپ نے اس کتاب کا نام حجۃ اللہ البالغہ (کامل برہان الہی) تجویز کیا ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر آپ کی تصنیفات میں شاہ کار کی حیثیت رکھتی ہے۔ سید محترم، حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمہ اللہ اس کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

”شاہ صاحب کی یہ مایہ ناز تصنیف آنحضرت ﷺ کے ان مجربات میں سے ہے جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد، آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول اللہ ﷺ کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی جہت تمام ہوئی۔“

شاہ صاحب رحمہ اللہ کو ادراک ہو گیا تھا، اور کتاب کے مقدمہ میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے کہ آگے عقیدت پسندی کا دور شروع ہونے والا ہے۔ جس میں احکام شریعت کے متعلق اوہام و شکوک کی گرم بازواری ہوگی۔ اسی خطرہ کا سد باب کرنے کے لئے آپ نے یہ بے نظیر کتاب لکھی ہے۔ اس میں آپ نے تعلیمات اسلام کو مطابق فطرت اور احکام دینی کو مبنی بر حکمت ثابت کیا ہے۔ ہر حکم الہی اور امر شریعت کے اسرار و مصالح نہایت بلیغ اور مدلل انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ جس سے ایک طرف تو متفککین اور متزددین کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے اور دوسری طرف معترضین کے اسلام پر معاندانہ اعتراضات کا مدقوڑ جواب مل جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت اقدس مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی اپنی سرگزشت ملاحظہ فرمائیں:

”میں اپنی زندگی میں کسی بشری کتاب سے اتنا مستفید نہیں ہوا، جس قدر کہ اس کتاب سے خدا نے مجھے فائدہ پہنچایا۔ میں نے اسلام کو ایک مکمل اور مرتبہ الا جزاء نظام حیات کی حیثیت سے اس کتاب ہی سے جانا ہے۔ دین مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے میں صرف تقلید نامتا تھا، اس جلیل القدر کتاب کے مطالعہ کے بعد الحمد للہ میں ان پر تحقیقاً اور علی وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں۔“

غیر مقلد عالم جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب ”اتحاف النبلاء“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست، امّا شرح احادیث بسیار در آن کردہ۔ و حکم و اسرار آن بیان نمودہ۔ تا آنکہ در فن خود غیر مصبوب علیہ واقع شدہ۔ و مثل آن دریں دوازده صد سال جبری، نیکی کیے را از علمائے عرب و عجم، تصنیف موجود نیست۔“

اس فارسی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

”یہ کتاب اگرچہ فن حدیث میں نہیں ہے، مگر اس میں بہت سی احادیث کی شرح کی ہے۔ اور ان کی حکمتیں اور ان کے راز بیان کئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ کتاب اپنے فن میں بے نظیر واقع ہوئی ہے۔ اور اس جیسی کتاب ان

اسلامی بارہ صدیوں میں، عرب و عجم کے کسی عالم کی موجودگی نہیں ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے اردو تراجم:

اس کتاب کے درج ذیل اردو تراجم ہو چکے ہیں:

① — نعمۃ اللہ السابغة: یہ ترجمہ غالباً سب سے پہلا ترجمہ ہے۔ مترجم حضرت مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی رحمہ اللہ (۱۲۶۷-۱۳۳۵ھ) صاحب تفسیر حقانی ہیں۔ ۱۳۰۳ھ میں مولانا نے یہ ترجمہ بہ تحریر یک جناب مولانا محمد فضل الرحمن صاحب رئیس اعظم عظیم آباد (پنڈ) کیا ہے۔ یہ ترجمہ دو جلدوں میں متن کے ساتھ مطبوعہ ہے اور آج کل بازار میں یہی ترجمہ دستیاب ہے۔

② — آیات اللہ الکاملۃ: از جناب مولانا غلیل احمد بن مولانا سراج احمد اسرانی سنبھلی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) یہ ترجمہ متن کے بغیر ۶۲ صفحات میں ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں لاہور سے طبع ہوا ہے۔

③ — شمس اللہ البازغة: از حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہزاروی رحمہ اللہ۔ یہ ترجمہ ۱۳۵۱ھ میں شیخ الہی بخش نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ سراسر آیات اللہ الکاملہ کی نقل ہے۔ صرف شروع کے چند ابواب کا ترجمہ بدل دیا ہے۔ (یہ تینوں ترجمے میرے پاس ہیں)

④ — ان کے علاوہ ایک اور ترجمہ جناب محمد بشیر صاحب نے کیا ہے اور کچھ تشریحی فوائد بھی شامل کئے ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ نامکمل ہے اور محض دوم پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ چھوٹے سائز پر بغیر متن کے شائع ہوا ہے۔ میں نے یہ ترجمہ نہیں دیکھا۔ جناب مولانا معمران محمد باریق صاحب نے حجۃ اللہ مترجم مولانا حقانی کے مقدمہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

⑤ — لاہور سے مولانا عبد الرحیم صاحب کا ترجمہ بھی بغیر عربی متن کے شائع ہوا ہے۔ میں نے یہ ترجمہ بھی نہیں دیکھا۔ مولانا باریق صاحب نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

⑥ — برہان الہی: از مولانا ابوالعلاء محمد اسماعیل صاحب گودھروی (گجراتی) یہ غالباً آخری ترجمہ ہے۔ مترجم غیر مقلد عالم ہیں آپ نے یہ ترجمہ بہ تحریر یک مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمہم اللہ کیا ہے۔ اور شیخ غلام علی نے اس کو لاہور سے شائع کیا ہے۔ پھر دوبارہ یہ شائع نہیں ہوا۔ نہایت نایاب ہے۔ میرے پاس یہ ترجمہ ہے اور میں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

اس آخری مترجم نے سابقہ تراجم پر درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

”اس کتاب کے اردو تراجم پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ ترجمے کیا ہیں؟ ایک چیتان ہیں۔ جس میں مغلط

مقامات کو اور بھی زیادہ مغلط کر دیا گیا ہے۔ اکثر الفاظ مفردہ کا ترجمہ الفاظ مفردہ سے کیا گیا ہے۔ جس سے مطلب

کی وضاحت تو درکنار، الجبہ اور بڑھ گیا ہے۔ ایسے مقامات اور الفاظ کو جملوں اور سطروں سے واضح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تحت اللفظ یا تحت اللفظ جیسا ترجمہ اس کتاب کی شان کے خلاف ہے۔ بلکہ کتاب کے مطالب کو بگاڑتا ہے“ (برہان الہی صفحہ ۲۳)

مگر یہ آخری ترجمہ بھی سابقہ تراجم سے کچھ بہتر نہیں۔ مترجم نے بیشک جگہ جگہ شاہ صاحب کے مختصر الفاظ کو جملوں اور سطروں سے واضح کیا ہے، مگر وہ ”من چہ سرائیم و مطبورہ من چہ سرائد“ کا مصداق ہے۔

علاوہ ازیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے المصالح العقلمیہ للاحكام العقلیہ (جواب ”ادکام اسلام: عقل کی روشنی میں“ کے نام سے شائع ہوتی ہے) مطلق تراجم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

”اس بحث میں (یعنی مصالح عقلیہ کے بیان میں) ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ الباقیہ لکھ چکے ہیں۔ شاہے کہ ترجمہ اس کا بھی ہو چکا ہے۔ مگر عوام کو اس کا مطالعہ مناسب نہیں کہ (اصل کتاب) نامضیٰ زیادہ ہے (یعنی صرف ترجمہ سے کتاب سمجھ میں نہیں آسکتی) (دریچہ مصالح عقلیہ)

شرح کی ضرورت:

غرض جیہ اللہ الباقیہ کے لئے شرح کی ضرورت تھی۔ اور ہر کوئی اس ضرورت کو محسوس بھی کرتا تھا۔ مگر چند دشواریاں ایسی تھیں، جن کی وجہ سے آج تک کسی نے یہ فریضہ انجام نہیں دیا۔ وہ دشواریاں یہ ہیں:

۱۔ مصنف کا البیلا انداز نگارش — شاہ صاحب قدس سرہ عرش پر بھٹ کر باتیں کرتے ہیں۔ شرح میں ان مضامین کو جب تک فرش پر نہ لایا جائے، بات نہیں بن سکتی۔ اور یہ کام کتنا دشوار ہے اس کا اندازہ ہر کوئی کر سکتا ہے۔

۲۔ عبارت میں غایت درجہ ایجاز — شاہ صاحب نفرتوں میں ہیں۔ ایک کلمہ بھی زائد از حاجت نہیں لاتے۔ بلکہ بعض جگہ تو عبارت میں بیخنی کا فرما نظر آتی ہے۔ یہ تو خیر ہوئی کہ شاہ صاحب مترادفات استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ مفرد کی مفرد سے، جملہ ناقصہ کی جملہ تامہ سے اور جملہ تامہ کی جملہ تامہ سے تفسیر کرتے ہیں، جس سے وال و لیا و جاتا ہے۔ اگر شاہ صاحب کی نگارش میں یہ بات نہ ہوتی تو بہت سے مضامین لوگوں کی گرفت سے باہر ہو جاتے۔

۳۔ مخصوص اصطلاحات — شاہ صاحب کی اپنی کچھ مخصوص اصطلاحات ہیں، جب تک ان کو سمجھ نہ لیا جائے مضمون و مہن نشین نہیں ہو سکتا۔ اور نہ شاہ صاحب نے اپنی اصطلاحات کی کسی جگہ تشریح کی ہے۔ نہ کسی اور نے یہ کام بخوبی انجام دیا ہے۔

۴۔ فکری بلند پروازی — شاہ صاحب کی فکری بلند پروازی کا یہ حال ہے کہ بعض جگہ تو ان کے پیچھے چلنا بھی

دشوار ہو جاتا ہے اور آپ ہی کی لکھی ہوئی کہاوت آپ پر صادق آتی ہے کہ: ”جناب تو شیر پر سوار ہیں، آپ کے پیچھے سواری کرنے کی ہمت کون کر سکتا ہے!“

۵۔ مضامین کی حدت — شاہ صاحب کی ہر بات انوکھی ہوتی ہے۔ ہر مصنف کی باتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ مصداور و مراجع مل جاتے ہیں، مگر شاہ صاحب کی کوئی بات کسی کتاب میں نہیں ملتی، پھر یہ مضامین کیسے حل کئے جائیں! غرض مذکورہ بالا وجوہ سے اور ان کے علاوہ دیگر وجوہ سے یہ قرض باقی چلا آ رہا تھا کہ ایک بڑھیا اپنا مٹھی بھر کا تاہوا سوت لے کر بازار مصر میں یوسف کی خریدار بن کر آ گئی۔ دیکھئے اس کا نصیب کیسا ہے!



میں نے یہ کتاب حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب قادیان قدس سرہ (سابق مجتہم دارالعلوم دیوبند) سے پڑھی ہے۔ حضرت کو شاہ صاحب کے علوم پر کمال قدرت حاصل تھی۔ مگر انہوں نے کلاس میں چند ابواب ہی شامل تھے۔ کاش حضرت سے پوری کتاب یا کتاب کا معتد بہ حصہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی۔

پھر جب میں نے العون الکبیر فی حلّ الفوز الکبیر لکھی تو اس میں یہ التزام کیا تھا کہ شاہ صاحب کے کلام کی خوشہ صاحب کے کلام سے شرح کی جائے۔ چنانچہ راندیر کے قیام کے زمانہ میں اس مقصد سے پہلی مرتبہ پوری کتاب کا مطالعہ کیا۔ مگر اس وقت کتاب کا حقل نہیں ہوئی تھی۔

پھر جب ۱۴۰۸ھ میں دارالانشاء دیوبند میں اس کتاب کا درس مجھ سے متعلق کیا گیا تو میں نے از سر نو پوری کتاب کا مطالعہ کیا۔ اور مطبوعہ صدیقی سے پوری کتاب کا مقابلہ بھی کیا۔ اس مقابلہ سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ کتاب کا بڑا حصہ بحمد اللہ حل ہو گیا اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کتاب میں کچھ ایسی طبعی غلطیاں ہیں جن کی تصحیح کے بغیر کتاب کا حقل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اسی وقت سے مجھے کتاب کے مخطوطوں کی تلاش رہی۔ بالآخر ”جوئندہ یا بندہ“ مقصد میں کامیابی ہوئی۔



میری خواہش یہ بھی تھی کہ شرح لکھنے سے پہلے کم از کم ایک بار پوری کتاب پڑھا لوں۔ کیونکہ پڑھانے سے مضامین کی تسہیل کا طریقہ آتا ہے۔ مگر یہ بات مقدّر نہ تھی۔ ایک سال دارالانشاء دیوبند کے استاذ، برادر عزیز جناب مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری زید شرف اور مرحوم نور چشم مولوی رشید احمد رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۱۵ھ) نے اسی مقصد سے حجۃ اللہ البالغہ کے سبق میں شرکت بھی کی تا کہ وہ تقریر ضبط کریں۔ عصر کے بعد بھی قسم دوم سے سبق شروع کیا گیا۔ مگر طلبہ نے اس وقت کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری زید مجددہ سے شکایت کی کہ درس املاء

کرانے سے کتاب سمجھ میں نہیں آتی۔ کلام سننے میں تسلسل باقی نہیں رہتا۔ ذہن بات سے بٹ جاتا ہے، چنانچہ وہ سلسلہ موقوف کرنا پڑا۔ اور عصر کے بعد کا سبق بھی چند روز کے بعد بند ہو گیا۔

پھر اتفاق یہ ہوا کہ ۱۳۱۸ھ میں طلبہ نے پورے سال کی تقریر ٹیپ کی اور صاف کر کے مجھے دی تاکہ میں اس کو مرتب کروں۔ چنانچہ ۱۳۱۹ھ میں جب سبق شروع ہوا تو میں نے اس تقریر کو مرتب کرنا شروع کیا۔ مگر وہ تقریر چوتھے بحث پر ختم ہو گئی، کیونکہ درس میں کتاب اتنی ہی پڑھائی جاتی تھی۔ اس طرح مجبوراً کام آگے بڑھنا پڑا۔ اور بحمد اللہ دو سال کے عرصہ میں کتاب کے ایک معتد بہ حصہ پر کام ہو گیا۔ اس میں سے یہ جلد اول قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اور دوسری جلد کی کتابت چل رہی ہے۔ وہ بھی ان شاء اللہ جلد پیش کی جائے گی۔

شرح کا انداز

شرح میں انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے ایک عنوان قائم کر کے مسئلہ کی تقریر کی گئی ہے، جس طرح سبق میں کی جاتی ہے اور بات واضح کرنے کے لئے مثالوں وغیرہ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اور کہیں کتاب کی ترتیب بھی بدل گئی ہے۔ غرض تقریر میں ہر بات شاہ صاحب کی نہیں ہے، اس میں میں نے اپنی باتیں بھی ملائی ہیں۔ البتہ مدعی شاہ صاحب ہی کا ہے۔ اور یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ کتاب حل ہو جائے۔

پھر متعلقہ عربی عبارت ضروری اعراب کے ساتھ دی گئی ہے۔ پھر درسی انداز کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ تاکہ طلبہ ترجمہ کو عبارت سے ملا کر کتاب حل کر سکیں۔ پھر لغات کے عنوان سے مشکل الفاظ کے معانی اور ضروری ترکیب وغیرہ دی گئی ہے۔ اور کسی بات کی تشریح ضروری معلوم ہوئی تو وہ بھی کی گئی ہے۔ غرض متن اور ترجمہ میں میں نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں ملائی۔ اور متن کو لیکروں کے چونکھنے میں رکھا گیا ہے۔ بعض جگہ میں نے اصل کتاب میں عنوانیں بڑھائے ہیں۔ ان کو چونکھنے سے باہر اس طرح [۱] کی عمودی قوسین میں رکھا گیا ہے۔ اور متن میں جہاں کہیں نمبر ڈالے گئے ہیں ان کو بھی عمودی قوسین میں رکھا ہے۔

شرح کے مآخذ

کتاب حل کرنے کے لئے میرے پاس کوئی مآخذ نہیں تھا۔ کتاب کے چار تراجم ضرور تھے مگر وہ بوقت حاجت غائب ہو جاتے تھے یا الجھا کر رکھ دیتے تھے۔ البتہ اچانک ایک امداد نہیں ہوئی، پاکستان کے شہر چشتیان کے جناب مولانا عبد القدیر صاحب تشریف لائے۔ میں نے شرح لکھنے کا تذکرہ کیا، تو انھوں نے بتایا کہ ان کے یہاں حضرت استاذ الاستاذ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی ایک تقریر ہے جو قلمی ہے۔ میں نے اس کی خواہش ظاہر کی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں مولانا موصوف کو کہ انھوں نے واپس لوٹے ہی اس تقریر کی دو عدد نوٹوں کا یہاں بھیج دیں۔ اس تقریر سے کتاب حل

کرنے میں بڑی مدد ملی۔

مولانا سندھی رحمہ اللہ نے ایک بار مکہ مکرمہ میں حجۃ اللہ پر حاضری تھی۔ علامہ نے ان کی تقریر منضبط کر لی تھی۔ یہ تقریر عربی میں قید تحریر میں لائی گئی ہے اور کتاب کے تین رقع تک ہے۔ آخر کا ایک رقع اس میں شامل نہیں ہے۔ اس تقریر میں عام طور پر مفردات کی تشریح، ضنائر کے مراجع کی تعیین اور عبارت کی تصحیح اور کہیں کہیں افادات ہیں۔ کسی مسئلہ کو یا عبارت کو نہیں سمجھا یا ہے۔ مگر بہر حال اس سے بڑی مدد ملی۔ اللہ تعالیٰ ان علامہ کو جنت کے بلند درجات عطا فرمائیں۔ انھوں نے ایک قیمتی ذخیرہ محفوظ کر دیا۔ میں نے شرح میں کہیں کہیں وہ افادات نقل بھی کئے ہیں۔ اور آخر میں (سندی) لکھا ہے۔ غرض کتاب حل کرنے کے لئے میرے پاس یہی ایک ماخذ تھا۔ دوسری کوئی چیز دستیاب نہیں تھی۔ اس لئے شرح میں اگر کوئی لغزش ہو گئی ہے تو اس کے لئے مجب جواز ہے۔

احادیث کی تخریج

شرح میں کتاب کی احادیث کی تخریج کا معروف طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس سے کتاب بہت طویل ہو جاتی اور قاری مقصد سے دور جا پڑتا۔ میں نے تخریج احادیث کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

۱۔ کتب حدیث کی مراجعت کر کے حدیث کے بارے میں اطمینان کر لیا ہے۔ اور عام طور پر صرف مشکوٰۃ کا حوالہ دیا ہے۔ اور اگر حدیث مشکوٰۃ میں نہیں ملی تو اصل مراجع کا حوالہ دیا ہے۔

۲۔ اگر کوئی حدیث ضعیف ہے تو اس کی اطلاع دیدی ہے، مزید وضاحت نہیں کی۔

۳۔ اور اگر کوئی حدیث نہایت ضعیف، ساقطہ کے درجہ کی ہے تو اس کی پوری وضاحت کی ہے، مثلاً اسی جلد (بحث خاص باب سوم) میں یہ حدیث آئی ہے کہ داؤد بن حواری رضی اللہ عنہا نے شیطان کے اغواء سے اپنے بیٹے کا نام عبدالخارث رکھا تھا۔ یہ حدیث ترمذی کی ہے، مگر قطعاً باطل ہے، چنانچہ اس پر مفصل کلام کیا ہے۔

۴۔ اور اگر کوئی حدیث تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی تو بس یہ لکھ دیا ہے کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی جیسے جلد اول بحث پنجم، باب ۱۳ کے آخر میں یہ روایت آئی ہے کہ مؤمن کا حصہ عذاب میں سے دنیا کے مہکن ہیں۔ یہ حدیث مجھے نہیں ملی۔

۵۔ علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے حسن التقاضی فی سیرۃ الإمام ابی یوسف القاضی کے آخر میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ پر یہ تنقید کی ہے کہ آپ دربارہ احکام و فروع صرف متون احادیث کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ان کی اسانید میں نظر نہیں کرتے۔ حالانکہ اہل علم کسی وقت بھی اسانید حدیث سے قطع نظر نہیں کر سکے، اور نہ کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ صحیحین کی اسانید پر بھی نظر ضروری ہے، چہ جائیکہ دوسری کتب صحاح و کتب سنن وغیرہ۔ اور جب دربارہ احتیاج فی الفروع

اسانید میں نظر ضروری ہے تو باب اعتقاد میں تو بدرجہ اولیٰ اس کی ضرورت و اہمیت ہے۔ (کوثریؒ کی بات پوری ہوئی)
اس کی مثالیں اس جلد میں بھی موجود ہیں۔ روح اعظم کی روایت جس کا تذکرہ بحث اول کے باب سوم میں آیا ہے
اور عبدالحارث نام رکھنے کی روایت بے اصل ہے۔ مگر شاہ صاحب قدس سرہ نے ان کو مسلمہ حیثیت سے پیش کیا ہے، بلکہ
ان پر استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔

قصہ مختصر: کتاب حل کرنے میں نے اپنی والی پوری کوشش صرف کر ڈالی ہے، کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ رہی یہ
بات کہ میں اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں، تو اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے۔ میں تو بس یہ کہہ کر
خاموش ہو جاتا ہوں کہ:

سُپردم بتو مایہ خویش را تودانی حساب کم و بیش را

والسلام مع الاحرام

کتبہ

سعید احمد رضا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالافتاء دہلی

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ



مختصر سوانح حیات

حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ

(حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف امام اکبر، محدث اعظم، مفسر قرآن، اصول تفسیر اور اسرار شریعت کے مجدد و مدون، مجدد وقت، مفکر ملت، حکیم الامت، جامع شریعت و طریقت، آیۃ من آیات اللہ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی محدث دہلوی ہیں۔ آپ کے مختصر حالات برادر عزیز جناب مولانا مفتی محمد امین صاحب پالمن پوری زید مجددہ استاذ و اراعلوم دہلوی ہند نے الفوز الکبیر کی شرح ”الخیر الکثیر“ کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔ یہاں ان کو معمولی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے کیونکہ وہ کافی شافی ہیں)

ولادت باسعادت اور نام و نسب

آپ کی ولادت باسعادت عظیم مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر رحمہ اللہ کی وفات سے چار سال قبل ۱۱۱۳ھ کی ۱۱۱۳ھ بدھ کے دن طلوع آفتاب کے وقت قصہ ”پھلت“، ضلع مظفرنگر (یو، پی) میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کوش قطب الدین احمد بختیار کاکی اوشی قدس سرہ (متوفی ۱۲۳۳ھ) نے خواب یا مراقبہ میں ایک نیک صالح لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی، اور یہ وصیت کی تھی کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام پر ”قطب الدین احمد“ رکھنا، مگر جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد صاحب وصیت بھول گئے، اور آپ کا نام ”ولی اللہ“ رکھ دیا، پھر ایک مدت کے بعد جب بختیار کاکی رحمہ اللہ کی وصیت یاد آئی، تو دوبارہ آپ کا نام ”قطب الدین احمد“ رکھا، اس لئے آپ کا پورا نام ”ولی اللہ قطب الدین احمد“ ہے اور تاریخی نام ”عظیم الدین“، کنیت ”ابو عبدالعزیز“ اور ”ابوالفیاض“ ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام ”عبدالرحیم“ اور ”کنیت“ ”ابوالفیض“، اور دادا کا نام ”وجیہ الدین“ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک، اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تک پہنچتا ہے۔

والدین ماجدین کا تعارف

آپ کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب فقہ حنفی کے جید عالم اور دہلی کے بڑے مشائخ میں سے تھے، معقولات کے ماہر اور علامہ میرزا بہاروی کے شاگرد تھے، بچپن ہی سے سنتوں کا اہتمام اور دنیا کی دولت و عزت سے نفرت اور آخرت کی فکر

کرنے والے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فخر النساء بھی، جوش محمد بھٹائی کی صاحبزادی ہیں، علوم دینیہ میں خوب مبارات اور آداب طریقت و اسرار شریعت سے اچھی واقفیت رکھتی تھیں، صوم و صلوة کی پابند نیک پارسا خاتون تھیں۔

تعلیم و تربیت

پانچ سال کی عمر میں آپ نے تعلیم شروع کی، اور سات سال کی عمر میں قرآن کریم کی تکمیل فرمائی، ساتویں سال کے آخر میں آپ نے فارسی اور عربی کے ابتدائی رسائل پڑھنا شروع کئے، اور ایک سال میں ان کو تکمیل کیا، اس کے بعد آپ نے صرف و نحو کی طرف توجہ مبذول فرمائی، اور دس سال کی عمر میں نحو کی معرکہ الآراء کتاب شرح جامی تک پہنچ گئے، صرف و نحو سے فراغت کے بعد علوم عقلیہ اور نقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پندرہ سال کی عمر میں تمام متداول درسی علوم سے فارغ ہو کر درس و تدریس کا آغاز فرمایا، اس عرصہ میں آپ نے اکثر و بیشتر کتابیں اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے پڑھیں۔ اور ان ہی سے بیعت ہو کر سترہ سال کی عمر میں بیعت و ارشاد کی بھی اجازت حاصل کی، اور ۱۱۴۳ھ تک اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی مسند درس و ارشاد کو سنبھالا اور خلق خدا کو فائدہ پہنچایا۔

زیارت حرمین شریفین

پھر ۱۱۴۳ھ میں جبکہ آپ کی عمر میں سال کے قریب تھی، حرمین شریفین کی زیارت کا شوق آپ پر ایسا غالب ہوا کہ راستہ کی بدامنی کے باوجود جاز مقدس کا سفر کیا، ۱۵ ارفذیقعدہ ۱۱۴۳ھ کو مکہ مکرمہ پہنچے، اور فریضہ حج ادا کیا، پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم گردی مدنی سے بخاری شریف کی سماعت فرمائی، اور صحاح ستہ (بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف) موطا امام مالک، مسند واری اور امام محمد کی کتاب الآثار کے اطراف ان کے سامنے پڑھے۔ اور بقیہ کتابوں کی ان سے اجازت حاصل کی، پھر مکہ مکرمہ آئے، دوسرا حج کیا، اور شیخ وفد اللہ مالکی کی سے موطا امام مالک پڑھی، اور شیخ تاج الدین خفی قلعی کی، جو بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، ان کے درسوں میں چند دن شریک ہوئے، اور ان سے صحاح ستہ وغیرہ کتابوں کے اطراف سنے، اور مذکورہ کتابوں کے مشکل مقامات حل کئے، اور ان سے تمام کتب حدیث کی اجازت حاصل کی۔

الغرض جاز مقدس میں چودہ ماہ قیام اور دو حج کرنے اور حرمین شریفین کے محدثین عظام سے خاطر خواہ استفادہ کرنے کے بعد ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے۔ پورے چھ ماہ سفر میں گزرے۔ اور ۱۱/رجب ۱۱۴۵ھ جمعہ کے دن بصحت و عافیت دہلی پہنچے، چند دن آرام کرنے کے بعد پھر سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اور تیس سال تک تصنیف و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

خودنوشت سوانح حیات

شاہ صاحب نے اپنے حالات و سوانح میں ایک مختصر رسالہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد المضعف کے نام سے فارسی زبان میں لکھا ہے، مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے الفرقان بریلی کے شاہ ولی اللہ نمبر میں اس کا خلاصہ پیش کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

بتاریخ ۱۲۳۱ھ شوال ۱۱۱۳ھ چہارشنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت یہ فقیر پیدا ہوا، تاریخی نام عظیم الدین نکالا گیا، ولادت سے پہلے خود والدین ماجدین اور چند صلحاء نے میرے بارے میں بہت سے بشارتی خواب دیکھے، جن کو بعض دوستوں نے مستقل رسالہ القول الجلی میں بھی جمع کر دیا ہے۔ عمر کے پانچویں سال کتب میں بٹھایا گیا، ساتویں سال والد ماجد نے نماز روزہ شروع کرایا، اور اس سال ”رسم سنت“ عمل میں آئی، یہاں تک کہ دسویں سال شرح لما جاءی پڑھی۔ اور مطالعہ کتب کی استعداد پیدا ہوئی۔ چودھویں ہی برس میں شادی کی صورت پیدا ہوئی، اور والد ماجد نے اس معاملہ میں انتہائی عجلت سے کام لیا، اور جب سسرال والوں نے والد ماجد کے تقاضوں کے جواب میں سامان شادی تیار نہ ہونے کا غدر کر لیا، تو آپ نے ان کو لکھ بھیجا کہ میری یہ ”جلد پازی“ بے وجہ نہیں ہے، بلکہ اس میں کوئی راز ہے، لہذا یہ مبارک کام بلا تاخیر ہی ہو جانا چاہئے، چنانچہ والد بزرگوار کے اصرار سے اسی سال یعنی عمر کے چودھویں ہی برس میں شادی ہو گئی، اور وہ راز بعد میں اس طرح ظاہر ہوا کہ نکاح سے تھوڑے ہی دن بعد میری خوش دامن کا انتقال ہو گیا، اُس سے چند ہی روز بعد میری المیہ کے نانائے وفات پائی، پھر چند ہی دنوں میں عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے صاحب زادے شیخ فخر عالم نے رحلت فرمائی۔ اور یہ صدہا بھی تازہ ہی تھا کہ میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ ماجدہ نے (یعنی آپ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم صاحب کی پہلی بیوی نے) داغ مفارقت دیا، ان صدمات کے ساتھ ہی والد ماجد پر ضعف اور مختلف قسم کے امراض کا غلبہ ہوا، اور دیکھتے دیکھتے آپ کی وفات کا سانحہ عظیم بھی پیش آ گیا۔ ان حوادث کے پیہم گزر جانے پر معلوم ہوا کہ شادی کے متعلق والد ماجد کی عجلت فرمائی میں کیا راز تھا؟ درحقیقت اگر اُس وقت یہ کام اس طرح عجلت سے انجام نہ پاتا، تو ان حوادث کی وجہ سے پھر مدتوں بھی اس کا موقع نہ آ سکتا تھا۔

شادی سے ایک سال بعد پندرہ سال کی عمر میں والد ماجد کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی، اور مشائخ صوفیہ بالخصوص حضرات نقشبندیہ کے اشغال میں لگ گیا۔ اور توجہ اور تلقین اور آداب طریقت کی تعلیم و فرقہ پوشی کی جہت سے میں نے اپنی نعمت کو درست کیا۔ اسی سال بیضاوی کا ایک حصہ پڑھ کر گویا ان دیار کے مرجع نصاب تعلیم سے فراغت حاصل کی، والد ماجد نے اس تقریب میں بڑے پیار سے پر خواص و عوام کی دعوت کی، اور مجھے درس کی اجازت دی، جن علوم و فنون کا درس اس ملک میں مروج ہے، ان میں ذیل کی کتابیں میں نے سبقاً سبقاً پڑھیں۔

حدیث میں پوری مشکوٰۃ شریف، سوائے کتاب البیوع سے کتاب الآداب تک کے تھوڑے سے حصہ کے، اور صحیح

بخاری کتاب الطہارت تک، اور شہناک ترمذی کامل — اور تفسیر میں تفسیر پیشاونی اور تفسیر مدارک کا ایک حصہ، اور حق تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک بہت بڑی نعمت مجھ پر یہ ہوئی کہ کامل غور و فکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درس قرآن میں مجھے حاضری کی توفیق ملی، اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا، اور یہی میرے حق میں ”فتح عظیم“ کا باعث ہوا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اور علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ پوری پڑھیں، اور اصول فقہ میں حسامی اور توشیح کتوح کا کافی حصہ، اور منطق میں شرح شمس (قطبی) پوری اور شرح مطالع کا کچھ حصہ، اور کلام میں شرح عقائد مع حاشیہ خیالی اور شرح موافق کا بھی ایک حصہ — اور سلوک و تصوف میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ، اور علم الحقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائی، مقدمہ شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص، اور فن خواص اسماء و آیات میں والد ماجد کا خاص مجموعہ، اور طب میں موجز، اور فلسفہ میں شرح ہدایت النکات وغیرہ اور نحو میں کافہ اور اس کی شرح از ملا جامی، اور علم عانی میں مطول اور مختصر المعانی اس قدر جتنے پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے، اور ہیئت و حساب میں بھی بعض مختصر رسالے پڑھے — اور الحمد للہ کہ اسی تحصیل کے زمانہ میں برفن سے خاص مناسبت پیدا ہو گئی، اور اس کے خاص مسائل اور اہم مباحث میرے ذہن کی گرفت میں آ گئے۔

میری عمر کے سترہویں سال والد ماجد مریض ہوئے اور اسی مرض میں واصل برحمت حق ہو گئے، اور اس مرض وفات ہی میں مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، اور اس اجازت میں کلمہ مبارکہ یدۃ الخیدنی (اس کا ہاتھ گویا میرا ہی ہاتھ ہے) مکرر ارشاد فرمایا۔

خدا تعالیٰ کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ حضرت والد ماجد جب تک زندہ رہے اس فقیر سے بے حد راضی رہے، اور اسی رضامندی کی حالت میں اس دنیا سے تشریف لے گئے، حضرت والد کو جیسی توجہ میرے حال پر رہی ایسی ہر باپ کو اپنے بیٹوں کے ساتھ نہیں ہوتی، میں نے کوئی باپ، کوئی استاد اور کوئی مرشد ایسا نہیں دیکھا جو اپنی اولاد یا اپنے کسی شاگرد یا مرید کی طرف اس قدر توجہ اور شفقت رکھتا ہو، جو حضرت والد ماجد کو میرے ساتھ تھی۔ اللہم اغفر لی ولوالدئ و ارحمھما کما وبتانی صغیرا، و جازھما بكل شفقة ورحمة و نعمة منھما غلئی مائة الف اضعافها، انک قریب مجیب۔

پھر حضرت کی وفات کے بعد بارہ سال تک کتب دینیہ اور مقولات کے درس میں اشتغال رہا، اور ہر علم و فن میں غور کرنے کا موقع ملا، اور مذاہب اربعہ کی فقہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں، اور ان احادیث کے مانر مطالعہ کے بعد جن سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد فرماتے ہیں، نور نبی کی مدد سے ”فقہائے محدثین“ کا طریقہ تدوین ہو۔

غرض والد ماجد کی وفات سے ۱۳ برس اس طرح گزارنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، اور آخر ۱۱۴۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا، اور ۱۱۴۴ھ میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی محاورت، اور شیخ ابو طاهر قدس سرہ و دیگر مشائخ حرمین شریفین سے اخذ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی — مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضہ مقدسہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میری توجہ کا خاص مرکز رہا، اور الحمد للہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دار سے فیوض و برکات کی بے پایاں

بارش ہوئی۔۔۔ نیز اس سفر مبارک میں حرمین شریفین اور عالم اسلامی کے بہت سے علمائے کرام کے ساتھ خوب رنگین صحبتوں کا موقع ملا، حضرت شیخ ابوطاہر مدنی قدس سرہ کی طرف سے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بار کت سفر میں عنایت ہوا۔۔۔ پھر ۱۴۳۳ھ کے آخر میں حج سے سکر شرف ہو کر اوائل ۱۴۳۵ھ میں وطن کی طرف واپسی ہوئی، اور بتاریخ ۱۳/۱۱/۱۴۳۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بفضلہ تعالیٰ صحیح سلامت وطن مالوف دہلی پہنچ گیا۔

بہ تعین ارشاد ﴿وَأَنَا بِبَغْنَبَةِ وَتِلْكَ فَحَدَّثْتُ﴾ بعض خاص الخاص انعامات الہیہ کا بھی تذکرہ کرتا ہوں جن تعالیٰ کا عظیم ترین انعام اس ضعیف بندہ پر یہ ہے کہ اس کو ”حُلعت فاتحیت“ بخشا گیا ہے، اور اس آخری دورہ کا افتتاح اس سے کرایا گیا ہے، اس سلسلہ میں جو کام مجھ سے لئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ فقہ میں جو ”مرضی“ ہے اس کو جمع کیا گیا، اور فقہ حدیث کی از سر نو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی، اور آنحضرت ﷺ کے تمام احکام و ترغیبات، بلکہ تمامی تعلیمات کے اسرار و مصالح کو اس طرح منضبط کیا گیا کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے یہ کام اس طرح نہیں کیا تھا۔۔۔ نیز سلوک کا وہ طریقہ جس میں حق تعالیٰ کی مرضی ہے، اور جو اس دورہ میں کامیاب ہو سکتا ہے مجھے اس کا الہام فرمایا گیا ہے، اور میں نے اس طریق کو اپنے دور سالوں ”بمعات“ اور ”الطاف القدس“ میں قلم بند کر دیا ہے۔

ایک کام مجھ سے یہ لیا گیا کہ متقدمین میں سے اہل سنت کے عقائد کو میں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا، اور ”معتقویوں“ کے شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے ان کو قطعی پاک کر دیا، اور ان کی تقریر الحمد للہ ایسی کی جس کے بعد کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی، علاوہ ان س کمالات اور اجہ (۱) ابداع (۲) خلق (۳) تدبیر (۴) اور تدلی کی حقیقت اور نفوس انسانیہ کی استعدادات کا علم مجھے عطا فرمایا گیا، اور یہ دونوں ایسے علم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے ان کے کوچہ میں قدم بھی نہیں رکھا۔

اور حکمت عملی (کہ اس دورہ (زمانہ) کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ بلکہ اسی میں منحصر ہے) مجھے بھرپور دی گئی، اور کتاب و سنت و آثار صحابہ سے اس کی تطبیق و تفصیل کی توفیق بھی نصیب ہوئی۔ اس سب کے سوا مجھے وہ ملکہ عطا فرمایا گیا، جس کے ذریعہ سے میں یہ تمیز کر سکتا ہوں کہ دین کی اصل تعلیم، جو فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ اور وہ کون کون باتیں ہیں جو بعد میں اس میں ٹھونکی گئی ہیں، یا جو کسی بدعت پسند فرقہ کی تحریف کا نتیجہ ہیں۔

اپنے یہ حالات اور حق تعالیٰ کے یہ انعامات بیان فرمانے کے بعد حضرت شاہ صاحب اپنی اس تحریر کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں:

لَسَانَا لِمَا اسْتَوْفَيْتُ وَاجِبُ حَمْدِهِ

وَلَوْ أَنَّ لِي فِي كُلِّ مَنِيْبَةٍ شَعْرَةٌ

وفات حسرت آیات

حرمین شریفین سے مراجعت کے بعد آخر عمر تک آپ تدریس و تصنیف میں مشغول رہے، اور ۲۹/۱۱/۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰/۱۱/۱۴۳۶ھ ہفتہ کے دن ظہر کے وقت انتقال فرمایا، اور اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب

کے مزار سے متصل دہلی کے مشہور قبرستان ”منہدیان“ میں آپ کے جسدِ خاکی کو سپردِ خاک کیا گیا، اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کے والدین کی مغفرت فرمائیں! درجات بلند فرمائیں! اور قبروں کو منور فرمائیں! آمین یا رب العالمین۔

اولاد کا تذکرہ

حضرت شاہ صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ یعنی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ صاحب پھلتی کی صاحبِ زادی کے بطن سے ایک صاحبِ زادے شیخ محمد، اور ایک صاحبِ زادی سیدہ امۃ العزیز تھیں، اور دوسری اہلیہ محترمہ سمات ارادۃ بنت شاہ شام اللہ صاحب کے بطن سے چار صاحبِ زادے تھے، ان میں سب سے بڑے شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی، پھر شاہ رفیع الدین صاحب پھر شاہ عبدالقادر صاحب پھر شاہ عبدالغنی صاحب تھے، جو شاہ اسماعیل شہید کے والد محترم ہیں، شاہ صاحب کی وفات کے بعد شاہ عبد العزیز صاحب آپ کے جانشین ہوئے اور اپنے بیٹوں بھائیوں اور شاہ اسماعیل شہید کی تربیت کی، مگر بیٹوں بھائی شاہ عبد العزیز صاحب کی حیات میں وفات پا گئے، اور مولانا اسماعیل شہید بعد میں سکھوں سے لڑتے ہوئے اپنے پیر و مرشد سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ شہید ہوئے، یہ سب حضرات اپنے زمانہ میں علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب اور نامور و فضلاء تھے۔

شاہ صاحب کا زمانہ

شاہ صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کی حالت ہر لحاظ سے ابتر تھی، اور نگِ زیب عالم گیر علیہ الرحمہ کے بعد شاہانِ وقت اپنے اسلام کی دولتِ رقص و سرود کی محفلوں اور حسن و جمال کے بازاروں میں لٹا رہے تھے، اور مغلیہ سلطنت پر ساداتِ بارہہ (شیعوں) کا مکمل تسلط ہو چکا تھا، وہ جسے چاہتے بادشاہ بناتے، جسے چاہتے قتل کروادیتے، رعایا بد حال، پریشان، غربت و افلاس کے ہاتھوں برباد، اور اوسم گروں کے مظالم سے پامال تھی، عوام کی اخلاقی حالت نہایت درجہ گری ہوئی تھی، اور دینی اعتبار سے مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قدس سرہ کے الفاظ میں اس وقت ہندوستان کا حال یہ تھا:

”مغلیہ سلطنت کا آفتاب بامِ تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا، جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے بنگا ہوں سے پر شر تھا، فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیشِ نظر تھی، مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق، مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآنِ پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے“

اصلاحی اور تجدیدی کارنامے

حرمین شریفین سے مراجعت کے بعد آپ نے مسلمانوں کی یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اصلاح کی طرف کامل توجہ

فرمائی، اس زمانہ کے طریقہ تعلیم اور نصاب کو بدلا، دین میں جو بدعات و خرافات اور بے سرو پا باتیں شامل کر دی گئی تھیں، ان کو الگ کیا، اور دین کو نکھار کر لوگوں کے سامنے اصل شکل میں پیش کیا شیعہ عقائد کی تردید کی، عقل و نقل دونوں اعتباروں سے دین اسلام کو مطابق فطرت ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، انجی تصوف اور اس کی بے سرو پا باتوں کا خوب رد کیا، مختلف مکاتب فکر کے لوگوں میں ہم آہنگی اور اتفاق پیدا کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ قرآن کریم سے لوگوں کو قریب کرنے کے لئے رائج الوقت فارسی زبان میں قرآن کریم کا مطلب خیز ترجمہ کیا، تفسیر کے اصول و ضوابط وضع کئے، اسرار شریعت سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔ اور احادیث نبویہ سے ہندی مسلمانوں کو آشنا کیا، الغرض آپ نے تقریر و تحریر اور تصنیف و تدریس کے ذریعہ جو عظیم خدمات انجام دیں وہ دہائی دنیا تک فراموش نہیں کی جاسکتیں۔

مشہور تصانیف کا تعارف

”حیات ولی اللہ“ کے مصنف کی تحقیق کے مطابق شاہ صاحب کی جو تصانیف چھپی ہوئی ہیں، وہ پچاس کے قریب ہیں (مگر یہ بات تحقیق طلب ہے) چند مشہور تصانیف کا تعارف درج ذیل ہے:

① فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن: یہ قرآن کریم کا فارسی زبان میں نہایت عمدہ اور مطلب خیز ترجمہ ہے، ترجمہ کے ساتھ جابجا نو اندہی ہیں، جو نہایت مختصر اور جامعیت و افادیت میں بے مثل ہیں۔ شاہ صاحب کے زمانہ میں اکثر علماء اور بیشتر مشائخ کا یہ خیال تھا کہ قرآن کریم انھیں انھیں کے مطالعہ، غور و فکر اور فہم و تعلیم کی کتاب ہے، اس کو عوام کے سامنے لانا، عوام کو براہ راست اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی دعوت دینا سخت خطرناک ہے، عوام کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا ہے اور خود رائی اور علماء بے بے نیازی بلکہ بغاوت و سرکشی کی دعوت دیتا ہے۔ جبکہ امت میں پھیلے ہوئے الحاد و زندقہ، بدعات و خرافات اور احکام شریعت سے بے اعتنائی کا خاتمہ، اور دین کی صحیح سمجھ، جذبہ عمل، خوف خدا، فکر آخرت، بدعت سے نفرت اور سنت سے محبت پیدا کرنے کا سب سے بڑا موثر ذریعہ قرآن کریم ہی ہے، اس لئے شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کی عام فہم فارسی زبان میں قرآن کریم کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، اور دیگر بلادِ انجم میں قرآن مجید کا چرچا آج جو کچھ نظر آ رہا ہے، یہ اردو، انگریزی، گجراتی، بنگالی اور پنجابی زبانوں میں جو بیسوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں، یہ سارے چرخی اسی چرخی سے روشن ہیں۔

② الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: یہ رسالہ بھی فارسی زبان میں ہے، اور اسی مقصد کے پیش نظر فارسی زبان میں لکھا ہے، جس مقصد کے پیش نظر قرآن کریم کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا ہے، اس میں قرآن مجید اور تفسیر کے نادر اصول و ضوابط اور مفسرین کی تفسیروں کے بارے میں نہایت مفید نکات ہیں، اس کی مختلف حضرات نے تقریب کی ہے، سب سے بہتر تقریب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم محدث کبیر ذالالہ و ذوالہ و ذوالہ و ذوالہ کی ہے، موصوف نے اس کی عربی شرح بھی لکھی ہے، جس کا نام ”العون الکبیر“ ہے۔ الفوز الکبیر کی پرانی عربی کی متعدد

حضرات نے اردو شرح بھی لکھی ہیں، پہلے العون الکبیر بھی پرانی تعریب کی شرح تھی، اب وہ بھی نئی تعریب کے مطابق کردی گئی ہے اور طبع ہو گئی ہے اور اس تعریب جدید کی جو ذرا التعلیل اور دیگر معابد عربیہ میں شامل درس کر گئی ہے اس کی پہلی اردو شرح الخیر الکثیر کے نام سے لکھی گئی ہے۔ جو طبع ہو گئی ہے۔

(۴) فصیح النخیر بمسالاہد من حفظہ فی علم التفسیر یہ درحقیقت الفوز الکبیر کا پانچواں باب ہے، جس کو شاہ صاحب نے مستقل رسالہ کی حیثیت دی ہے، مگر یہ فارسی کے بجائے عربی میں ہے، اس میں اسباب نزول، قرآن کریم کے غریب الفاظ کی تشریحات، اور مشکل آیتوں کی توضیحات جمع کی گئی ہیں، جو بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفسیروں سے ماخوذ ہیں۔

(۵) تاویل الاحادیث: یہ عربی زبان میں ہے، اس میں انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے قصے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، اور جن کو عام طور پر خرق عامت خیال کیا جاتا ہے، ان کی تاویلات و توضیحات کی گئی ہیں، اور ان کے مخفی اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

(۶) مُصَفِّی شرح موطا: شاہ صاحب نے پہلے موطا امام مالک کی تلخیص کی ہے، پھر اس کی یہ فارسی زبان میں عمدہ شرح لکھی ہے، جو شاہ صاحب کے درس کا نمونہ ہے۔

(۷) مسوٰی شرح موطا: یہ موطا امام مالک کی عربی زبان میں مختصر شرح ہے، اور شاہ صاحب حدیث کے درس کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے اس کا بہترین نمونہ ہے۔

(۸) حجة الله البالغة: یہ شاہ صاحب کی نہایت معرکہ الآراء عربی تصنیف ہے، اور دو جلدوں میں ہے، اس میں فقہ الحدیث اور اسرار شریعت کا نہایت عمدہ بیان ہے، بہت سے جامعات میں داخل درس ہے۔ اس کی یہ پہلی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

(۹) إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ”حجة اللہ“ کی طرح یہ بھی شاہ صاحب کی دوسری معرکہ الآراء فارسی تصنیف ہے، اس میں آپ نے خلفائے راشدین کی خلافت کا برحق ہونا قرآن کریم، احادیث شریفہ، کتب تفسیر اور تاریخ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے، شیعہ و سنی اختلاف کو نہایت مدلل و انصاف سے حل کیا ہے، جس سے شیعوں کی غلط فہمیاں اور شدت تعصب دور ہو سکتا ہے، اس کتاب میں اثبات خلافت کے ساتھ ساتھ سیرت، تاریخ اور سیاست و خلافت کے بارے میں بیش بہا نکات بھی بیان فرمائے ہیں، انداز بیان نہایت خلقت اور سلیس ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی فرماتے ہیں کہ: ”اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں“۔ اور مولانا فضل حق خیر آبادی کا تاثر یہ ہے کہ: ”جس نے یہ کتاب لکھی ہے، وہ ایک بحرِ بیکراں ہے، جس کے ساحل کا پتہ نہیں چلتا“۔

(۱۰) فورة العينين فی تفصیل الشبہین: یہ بھی فارسی زبان میں ہے، اس میں صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی افضلیات کا بڑے حسین انداز میں بیان ہے۔ اور حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے فضائل و مناقب کا تذکرہ ہے۔

(۱۰) سُورُور المَحْزُون : ابن سید الناس نے سیرت نبوی پر ایک ضخیم کتاب عیون الاثر فی فنون المعجازی والشمال و السیر لکھی تھی، پھر اس کا جامع خلاصہ نور العیون فی تلخیص سیر الامین و المامون کے نام سے کیا تھا۔ شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے شیخ مرزا مظہر جان جاناں دہلوی کے اصرار پر اس کا فارسی میں خلاصہ کیا ہے۔ یہ سیرت کے موضوع پر نہایت عمدہ رسالہ ہے۔

(۱۱) التفہیمات الإلهیة : یہ شاہ صاحب کا کشفول ہے، اس میں زیادہ تر تصوف و سلوک کی باتیں ہیں، اور بعض مقامات پر اپنے زمانہ کی خرابیوں اور لوگوں کے عیوب و نقائص کی نشاندہی کی ہے، اور معاشرہ کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اصلاح پر ابھارا ہے، اس کے بعض مضامین عربی میں اور بعض فارسی میں ہیں۔

(۱۲) فیوض الحرمین : اس میں قیام حرمین کے دوران جو فیوض و برکات بصورت خواب یا بطریق الہام آپ کو حاصل ہوئے ہیں ان کا تذکرہ ہے، بعض جگہ پیشین گوئیاں، علم تصوف کے حقائق اور دیگر مسائل بھی ہیں، یہ کتاب عربی میں ہے اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

(۱۳) الحیر الکثیر : اس میں شاہ صاحب نے علم سلوک اور تصوف کے معارف و حقائق عربی زبان میں بیان کئے ہیں۔

(۱۴) البدور البازغہ : یہ نہایت دقیق کتاب ہے، اس میں حجۃ اللہ الباذغہ کے بعض ابواب کا خلاصہ اور تصوف کے حقائق و معارف کا بیان ہے۔

(۱۵) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف : یہ رسالہ عربی میں ہے، اس میں صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین کے درمیان دینی مسائل میں جو اختلاف رونما ہوا اس کا راز اور اس کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے۔ حجۃ اللہ الباذغہ کی قسم اول کے آخر میں تتمہ کے عنوان سے یہ پورا رسالہ شامل کر لیا گیا ہے۔

(۱۶) عقد الحید فی بیان احکام الاجتهاد و التقليد : یہ رسالہ بھی عربی میں ہے، اس میں تقلید اور عدم تقلید شخصی پر محققانہ کلام کیا گیا ہے اور تقلید شخصی کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

(۱۷) أطیب النعم فی مدح سید العرب و العجم : یہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی مدح میں عربی قصیدہ ہے۔

(۱۸) النذر الثمین فی مبشرات النبی الامین : یہ رسالہ عربی میں ہے، اس میں ان بشارتوں کا تذکرہ ہے، جو آپ کو اور آپ کے بزرگوں کو بارگاہ رسالت سے ملی ہیں۔

(۱۹) أنفاس العارفين : اس میں شاہ صاحب نے اپنے بزرگوں کے احوال فارسی زبان میں قلم بند فرمائے ہیں۔

(۲۰) الجزء اللطیف : اس میں شاہ صاحب نے خود اپنے احوال فارسی زبان میں تحریر فرمائے ہیں، جس کا خلاصہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۲۱) المقالة الوضیة فی الوضیة و النصیحة : یہ شاہ صاحب کا فارسی میں وصیت نامہ ہے۔

طرز تحریر اور تصنیفی خدمات

آپ کی تحریروں میں تحقیقی اور علمی نکات کے ساتھ ساتھ سوز و اخلاص اور غیر خواہی کے جوہر پائے جاتے ہیں، جس کے باعث وہ تحقیقی تصانیف ہونے کے ساتھ ایک دینی مصلح کا پیغام اور اخلاقی معلم کا درس بن گئی ہیں۔ آپ کی تصانیف نہایت پر فن و پُر آشوب زمانہ کی ہیں، لیکن اکثر و بیشتر تصانیف میں اس کی کہیں جھلک نظر نہیں آتی۔ بلکہ نہایت توازن و اعتدال کے ساتھ قلم کو رواں رکھا ہے، اور مرکزی نقطہ خیال سے تجاوز نہیں فرمایا۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ آپ کی اسی خصوصیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے، آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارہویں صدی ہجری کے پُر آشوب زمانہ کی پیداوار ہیں۔ جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ فضل و علم کا ایک دریا ہے، جو کسی شور و فیل کے بغیر سکون و آرام کے ساتھ بہہ رہا ہے، جو زمان و مکان کے خس و خاشاک کی گندگی سے پاک صاف ہے“

اس کے علاوہ آپ ایک نئے اسلوب اور جد گانہ طرز کے بانی و موجد ہیں، جو جامعیت، زور بیان، تحکم و اعتماد اور فصاحت و بلاغت میں نبی کریم ﷺ کے طرز و نکتہ سے مشابہ ہے، مولانا منظر الحسن گیلانی رحمہ اللہ اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”عربی زبان میں انھوں نے جتنی کتا ہیں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی، جو ان کا مخصوص اسلوب ہے، پوری پابندی کی ہے، شاہ صاحب پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر جو جمع کلم النبی الخاتم ﷺ کے طرز و گفتگو کی پیروی کی ہے، حتیٰ الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار ان ہی لغات اور ان ہی محاورات سے کریں جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں“

نیز باوجود انجمنی نثر اور ہندوستانی ہونے کے آپ نے عربی فصاحت و بلاغت کا ایسا بے نظیر نمونہ پیش کیا ہے کہ جس کی عظمت کے اہل زبان بھی معترف ہیں، مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

”شاہ ولی اللہ صاحب پہلے ہندوستانی مصنف ہیں، جن کی عربی تصانیف میں اہل زبان کی سی روانی و قدرت، اور عرب کی سی عربیت ہے، اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں، جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں“

منظوم کلام

شاہ صاحب جس طرح نثر نگاری میں یکتا نے زمانہ تھے، اسی طرح عربی اور فارسی نظم کہنے میں بھی قادر الکلام شاعر تھے، عربی نظم میں اظہار النعم کے نام سے نبی کریم ﷺ کی مدح و نعت میں ایک بسیط قصیدہ ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

كَأَنَّ نُجُومًا أَوْ مَصَّبَ فِي الْغِيَابِ
عِيُونُ الْأَفَاعِی أَوْ رُؤُسُ الْعُقَارِبِ

اس کے علاوہ تین تصدیے اور ہیں، آپ کا عربی دیوان بھی ہے، جس کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے مرتب کیا ہے، اور فارسی میں بھی آپ کی چند غزلیں اور رباعیاں ہیں، جو ”کلمات طیبات“ اور ”حیات ولی“ میں موجود ہیں، فارسی میں آپ ”امین“ و ”غافل“ فرماتے تھے۔

آپ کیا تھے؟

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری فرماتے ہیں کہ:

”حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ سرزمین ہند کے ان اکابر میں سے ہیں، جن کی نظیر نہ صرف اپنے مصرع میں اور نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ بہت سے قرون اور ممالک اسلامیہ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، حضرت موصوف بقول حمۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے ان افراد میں سے ہیں کہ سرزمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لئے یہ فخر کافی تھا (الفرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۶۰)

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں: آيَةُ مِنَ الْاَيَاتِ وَاللَّهُ وَمُعْجَزَةُ نَبِيِّهِ الْكَرِيمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: شاہ صاحب اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کے نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہیں (ظفر المحصلین ص ۶۰) نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی انصاف النبلاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر وجود اور صدر اول در زمانہ ماضی ہی بود امام اگر شاہ صاحب کا وجود گذشتہ زمانہ میں صدر اول الامتہ و تاج المجتہدین شمر وہی شد (حوالہ بالا) میں ہوتا، تو امام الامتہ اور تاج المجتہدین شمار ہوتے علامہ شبلی فرماتے ہیں: ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ انہیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا، اس کے لحاظ سے یہ امید تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ صاحب جیسا شخص پیدا ہوا، جس کی نکتہ بینیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے (حوالہ بالا)

مفتی عنایت احمد کا کوروی فرماتے ہیں کہ: حضرت شاہ ولی اللہ کا حال اس شجرہ طوئی کا سا ہے جس کی جڑ شاہ صاحب کے گھر میں ہے، اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں میں ہیں، مسلمانوں کا کوئی گھر اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس شجرہ طوئی کی کوئی شاخ نہ ہو، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کی جڑ کہاں ہے؟ (العون الکبیر ص ۱۶)

اور آپ کے مدنی استاذ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم گردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّهُ لَيَسْبِدُ عَنِ اللَّفْظِ وَ كُنْتُ اَصْحَحُّ شَاہِ وَلِی اللہ مجھ سے الفاظ حدیث کی سند ملاتے تھے
مِنْہُ الْمَعْنٰی (العون الکبیر ص ۱۶) اور میں ان سے حدیث کی تصحیح کرتا تھا

یہ تمام احوال اور فضائل الفوز الکبیر کی شرح العون الکبیر، الفوز العظیم، مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی کی

ظفر المحصلین اور الفرقان بریلی کے شاہ ولی اللہ نیر سے ماخوذ ہیں، اور اسی شاہ ولی اللہ نیر کی ایک نظم پر امام اکبر، محدث اعظم، مفسر قرآن، اصول تفسیر اور اسرار شریعت کے مجدد و مدون، مجدد وقت، مفکر ملت، حکم الامت، جامع شریعت و طریقت، آیہ من آیات اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرہ کے فضائل کا تذکرہ ختم کیا جاتا ہے۔

مجدد وقت

تو مُبْلَغ تھا حدیثِ فخر موجودات کا
تو مفسر بھی محدث بھی، فقیہ و شیخ بھی
تیری فطرت بے نیاز درگہ شاہ و وزیر
میں سمجھتا ہوں، مشیت کا وہی مضمون تھا
عقل و مذہب کو سمویا تو نے اس انداز سے
تیرے ارشادات میں سامان تسکین ضمیر
سادگی اسلام کی پھر سے نمایاں ہو گئی
تیرے وارث ہیں تیرے نور ہدایت کی شبیہ

تیرے آتے ہی جنازہ اٹھ گیا بدعات کا
کون اندازہ لگائے تیرے محسوسات کا
تجھ کو دنیا میں بھروسہ تھا خدا کی ذات کا
تو نے جو مطلب لیا قرآن کی آیات کا
صبح میں جیسے نمایاں ہو دھند کا رات کا
روح ایمان نقطہ نقطہ تیرے ملفوظات کا
نور جب پھیلا جہاں میں تیری ”قیمتات“ کا
اب بھی چرچا ہے جہاں میں تیری تعلیمات کا
(ماہر القادری، حیدر آباد، دکن)

شاہ صاحب کی ایک قیمتی وصیت

اس تعارف کے آخر میں مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی ایک اہم وصیت ذکر کی جاتی ہے، تاکہ آپ اس پر عمل کر کے نزول قرآن اور بعثت رسول کے مقصد کو تقویت اور شاہ صاحب کی روح کو راحت پہنچائیں، وصیت حسب ذیل ہے:

اول وصیت اس فقیر: چنگ زدن است بہ کتاب و سنت در اعتقاد و عمل، و پیوستہ بہ تدبیر و ہر دو مشغول شدن، و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن، و اگر طاقت خواندن ندارد و ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن ترجمہ: اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ: اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب و سنت (قرآن وحدیث) کو نہایت مضبوطی سے پکڑے، اور برابر دونوں میں تدبیر (نور و فکر) جاری رکھے، اور ہر روز دونوں کا کچھ حصہ پڑھے، اور اگر پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو کسی دوسرے سے کم از کم ایک ورق دونوں کا ترجمہ ہی سن لیا کرے۔



حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ

کا

کلامی اور فقہی مسلک

مُسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بارے میں اصحابِ ظواہر (غیر مقلدین) کا خیال ہے کہ آپ تقلیدِ ائمہ سے عام طور پر، اور حنفیت سے خاص طور پر بیزار تھے۔ ان کے خیال میں شاہ صاحب مسلکِ اہل حدیث پر تھے یعنی غیر مقلد تھے۔ چنانچہ وہ اپنا انتساب آپ کی طرف کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر بھی کچھ گفتگو ہو جائے:

کلامی مسائل میں اہل حق کی تین جماعتیں:

علمِ کلام میں یعنی عقائد کے باب میں اہل حق کی تین جماعتیں ہیں: اشاعرہ، ماتریدیہ اور سلفیہ (یا حنابلہ) ۱۔ اشاعرہ: وہ حضرات ہیں جو شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (۲۶۰-۳۲۴ھ) کی پیروی کرتے ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری چونکہ شافعی تھے۔ اس لئے یہ کتبِ فکر شوافع میں مقبول ہو، یعنی حضرات شوافع عام طور پر کلامی مسائل میں اشعری ہوتے ہیں۔

۲۔ ماتریدیہ: وہ حضرات ہیں جو شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۳ھ) کی پیروی کرتے ہیں۔ امام ماتریدی چونکہ حنفی تھے اس لئے یہ کتبِ فکر احناف میں مقبول ہوا۔ احناف عام طور پر کلامی مسائل میں ماتریدی ہوتے ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان بارہ مسائل میں اختلاف ہے، جو سب فروغی (غیر اہم) مسائل ہیں۔ بنیادی کسی مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔^۱

۳۔ ان بارہ مسائل کو غلام احمد بن سلیمان معروف بہ ”ابن کمال پاشا“ رحمہ اللہ (متوفی ۹۴۰ھ) نے ایک رسالہ میں جمع کروایا ہے۔ یہ رسالہ مطبوعہ ہے، مگر عام طور پر علماء اس سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے وہ رسالہ ذیل میں لین دین یا جاتا ہے تاکہ وہ علماء تک پہنچ جائے:

رسالة الاختلاف بين الأشاعرة والماتریدیة

فی اثنتی عشر مسئلة للمحقق ابن کمال پاشا

←

→

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قال الأستاذ: اعلم أن الشيخ أبا الحسن الأشعري إمام أهل السنة، ومقدمهم؛ ثم الشيخ أبو المنصور الماتريدي؛ وأن أصحاب الشافعي وأتباعه تابعون له - أي لأبي الحسن الأشعري - في الأصول، وللشافعي في الفروع؛ وأن أصحاب أبي حنيفة تابعون للشيخ أبي منصور الماتريدي في الأصول، ولأبي حنيفة في الفروع؛ كذا أفاد بعض مشايخنا رحمه الله تعالى.

ولا نزاع بين الشيخين إلا في اثني عشر مسألة:

الأولى: قال الماتريدي: التكوين صفة أزلية، قائمة بذات الله تعالى، كجميع صفاته، وهو غير المكوّن، ويعلق بالمكوّن من العالم، وكل جزء فيه، بوقت وجوده، كما أن إرادة الله تعالى أزلية، يعلق بالمرادات بوقت وجودها، كذا قدرته تعالى الأزلية مع مقدوراتها.

وقال الأشعري: إنها صفة حادثة، غير قائمة بذات الله تعالى، وهي من الصفات الفعلية عنده، لا من الصفات الأزلية. والصفات الفعلية كلها حادثة، كالتكوين والإيجاد، ويتعلق وجود العالم بخلق: "كن".

المسألة الثانية: قال الماتريدي: كلام الله تعالى ليس بمسموع، وإنما المسموع الدال عليه. وقال الأشعري: مسموع، كما هو المشهور من حكاية موسى عليه السلام.

وقال ابن فورك: المسموع عند قراءة القاري شينان: صوت القاري وكلام الله تعالى. وقال القاضي الباقلاني: كلام الله غير مسموع على العادة الجارية، ولكن يجوز أن يسمع الله تعالى من شاء من خلقه، على خلاف قياس العادة، من غير واسطة الحروف والصوت، وقال أبو إسحاق الإسفرائني ومن تبعه: إن كلام الله تعالى غير مسموع أصلاً، وهو اختيار الشيخ أبي منصور الماتريدي، كذا في البداية.

المسألة الثالثة: قال الماتريدي: صانع العالم موصوف بالحكمة، سواء كانت بمعنى العلم، أو بمعنى الأحكام. وقال الأشعري: إن كانت بمعنى العلم فهي صفة أزلية، قائمة بذات الله تعالى، وإن كانت بمعنى الأحكام فهي صفة حادثة، من قبيل التكوين، لا يوصف ذات الباري بها.

المسألة الرابعة: قال الماتريدي: إن الله يريد بجميع الكائنات: جوهرًا أو عرضًا، طاعة أو معصية، إلا أن الطاعة تقع بمشيئة الله، وإرادته، وقضائه، وقدرته، ورضائه، ومحبه، وأمره، وأن المعصية تقع بمشيئة الله تعالى، وإرادته، وقضائه، لا برضائه، ومحبه، وأمره.

وقال الأشعري: إن رضا الله تعالى ومحبه شامل بجميع الكائنات، كإرادته.

المسألة الخامسة: تكليف ما لا يطاق ليس بجائز عند الماتريدي، وتحصيل ما لا يطاق عنده جائز؛ وكلاهما جائز عند الأشعري.

المسألة السادسة: قال الماتريدي: بعض الأحكام المتعلقة بالتكليف معلوم بالعقل، لأن العقل ←

۳۔ سلفیہ: وہ حضرات ہیں جو صفاتِ خداوندی کی تاویل کے عدم جواز میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱۶۳-۲۴۱ھ) وغیرہ کے مسلک پر ہیں۔ چونکہ صفات کے تعلق سے یہ ذوقِ اسرافِ کرام کا تھا اس لئے یہ حضرات سلفیہ کہلائے۔ اس جماعت کو کتابوں میں حنابلہ بھی کہا گیا ہے۔ مگر چونکہ فقہی جنہلیت سے اشتباہ ہوتا تھا اس لئے رفتہ رفتہ یہ اصطلاح متروک ہو گئی۔ مسئلہ طلاق قرآن میں یہی نام سلفیہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نیز اس مسلک کو مسلکِ محدثین بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ امام مالک، سفیان ثوری وغیرہ حضرات محدثین سے صفاتِ تشابہات کے بارے میں یہی نقطہ نظر مروج ہے۔ اور اس زمانہ میں جو سلفیت کو کبھی ظاہریت یعنی عدم تقلید ائمہ استعمال کیا جاتا ہے وہ تلمیس ہے اور

→ أَلَا يُدْرِكُ بَهَا حُسْنُ بَعْضِ الْأَشْيَاءِ وَقُبْحُهَا، وَيَهَادِرُكَ وَجُوبُ الْإِيمَانِ، وَشُكْرُ الْمَعْمُورِ، وَإِنْ الْمَعْرُوفُ وَالْمَوْجُوبُ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى، لَكِنْ بِوَاسِطَةِ الْعَقْلِ، كَمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعْرُوفُ الْوَجُوبِ، وَالْمَوْجُوبُ الْحَقِيقِيُّ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى، لَكِنْ بِوَاسِطَةِ الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، حَتَّى قَالَ: لَا عَدْرَ لِأَحَدٍ فِي الْجَهْلِ بِخِلَافِهِ، أَلَا يَرَى خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ؟! وَلَوْ لَمْ يُعْثَرْ رَسُولًا لَوَجِبَ عَلَى الْخَلْقِ مَعْرِفَتُهُ بِعُقُولِهِمْ.

وقال الأشعري: لَا يَنْجِبُ شَيْءٌ وَلَا يَحْرُمُ إِلَّا بِالْشَّرْعِ، لَا بِالْعَقْلِ، وَإِنْ كَانَ لِلْعَقْلِ أَنْ يُدْرِكَ حُسْنَ بَعْضِ الْأَشْيَاءِ، وَعَدَدُ الْأَشْعَرِيِّ: جَمِيعُ الْأَحْكَامِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالتَّكْلِيفِ مُلْقَاةٌ بِالسَّمْعِ.

المسألة السابعة: قال الماتريدي: قد تَسْعَدُ الشَّقِيُّ، وَقَدْ يَشْقَى السَّعِيدُ. وقال الأشعري: لَا اعتبار بالسعادة والشقاوة إلا عند الخاتمة والعاقبة.

المسألة الثامنة: العفو عن الكفر ليس بحائز، وقال الأشعري: يجوز عقلاً، لَا سَمْعًا.

المسألة التاسعة: قال الماتريدي: تخليد المؤمن في النار، وتخليد الكافر في الجنة لَا يجوز عقلاً وسَمْعًا؛ وعند الأشعري: يجوز.

المسألة العاشرة: قال بعض الماتريديين: الاسم والمسمى واحد، وقال الأشعري: بالتغاير بينهما، وبين التسمية، ومنهم من قسم الاسم إلى ثلاثة أقسام: قسمٌ عنه، وقسمٌ غيره، وقسمٌ ليس بعينه ولا بغيره. والاتفاق على أن التسمية غيرهما، وهي ما قامت بالمسمى، كذا في بداية الكلام.

المسألة الحادية عشر: قال الماتريدي: الذكورة شرط في النبوة، حتى لَا يجوز أن تكون الأنثى نبياً، وقال الأشعري: ليست الذكورة شرطاً فيها، والأنوثة لاتنافيها، كذا في بداية الكلام.

المسألة الثانية عشر: قال الماتريدي: فعلُ العبد يسمى كَسْبًا، لَا خَلْقًا؛ وفعلُ الحقِّ يسمى خَلْقًا، لَا كَسْبًا؛ والفعلُ يتناولهما. وقال الأشعري: الفعلُ عبارة عن الإيجاد حقيقةً، وَكَسْبُ العبد يسمى فعلاً بالمجاز، وَقَدْ تَقَرَّرَ القادرُ خَلْقًا، وَلَا يجوز نفرد القادر به كَسْبًا.

(تمت الرسالة الشريفة لابن كمال باشا رحمه الله تعالى)

(یہ رسالہ کتب خانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۳۳ھ میں متفرق، ضمن ”مجموعہ رسائل“ میں ہے)

لفظ کا غیر معروف معنی میں استعمال ہے۔

اور سلفیوں کا اشاعرہ اور ماترید یہ سے اختلاف صرف ایک معمولی بات میں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صفات متشابہات: استواء علی العرش، ید، وجہ وغیرہ کی تاویل جائز ہے یا نہیں؟ سلفیوں کے نزدیک تاویل ناجائز ہے اور باقی دونوں مکاتب فکر کے نزدیک تاویل جائز ہے۔ چنانچہ حنابلہ قرآن کریم کو جو اللہ کی صفت کلام ہے مطلقاً، بلا تاویل قدیم کہتے ہیں۔ اور اشاعرہ اور ماترید یہ کلام نفی کی تاویل کرتے ہیں اور اس کو قدیم کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مسلک محدثین کے خلاف لفظی مافقرآن حادث کہہ دیا تھا تو حنابلہ نے جن کے سرخیل امام ذہلی تھے، ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

غرض علم کلام میں یہی تین جماعتیں برحق ہیں۔ دیگر تمام فرق اسلامیہ جیسے معتزلہ، جہمیہ، کرنامیہ وغیرہ گمراہ فرقے ہیں۔ یہی فرقے اہل السنۃ والجماعہ کے خصم (مقابل) ہیں اور درختار کے مقدمہ میں ہے کہ: اِذَا سُئِلْنَا عَنْ مُعْتَزَلٍ وَمُعْتَقِدٍ مَعْنَاهُ، قُلْنَا وَجُوبًا: الْحَقُّ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ، وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ خُصُوصًا۔

شاہ صاحب کلام میں اشعری تھے:

کلامی مسائل میں حضرت شاہ صاحب اشعری تھے۔ بخاری شریف کے ایک قلمی نسخہ پر، جس کا تذکرہ آگے آتا ہے، شاہ صاحب نے بلفہم خود اپنے کو ”اشعری“ لکھا ہے۔ تاہم صفات کی تاویل کے مسئلہ میں آپ محدثین کرام یعنی اسلاف کے مسلک کو بھی برحق سمجھتے تھے۔ اور صفات کی تاویل کو آپ ناپسند کرتے تھے مگر بایں ہمہ آپ نے صفات کی تاویل کی بھی ہے۔ اسی جلد میں بحث خامس کے باب (۴) میں جو صفات الہیہ پر ایمان لانے کے بیان میں ہے، آپ نے پہلے صفات کے بارے میں دشواریوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر اس کا حل پیش کیا ہے۔ پھر یہ بات بیان کی ہے کہ صفات پر دلالت کرنے والے الفاظ بعینہ استعمال کئے جائیں، اور استعمال سے زیادہ کھود کرید نہ کی جائے۔ پھر صراحت یہ بات بیان فرمائی ہے کہ صفات کے بارے میں محدثین کا موقف صحیح ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”صفات کی تاویل میں گھسنے والوں نے محدثین کی جماعت کو بدنام کیا ہے۔ وہ ان کو مُعَصِّمَہ اور مُشَبِّہہ کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ بلا کیف کے پردہ میں چھپنے والے ہیں۔ اور مجھ پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ ان کی یہ زباں درازی کچھ بھی نہیں۔ اور وہ اپنی باتوں میں نقلاً بھی اور عقلاً بھی غلطی پر ہیں۔ اور انھوں نے جو ہدایت کے پیشواؤں پر اعتراضات کئے ہیں: وہ اس میں خطا کار ہیں“

پھر معاً بعد آپ نے صفات الہیہ کے معانی تفصیل سے بیان کئے ہیں یعنی ان کی تاویلات کی ہیں۔ اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم صفات کی ایسی معانی سے تشریح کریں، جو اظہار حقیقت میں ان تاویل کرنے والوں کی باتوں سے اقرب اور زیادہ ہم آہنگ ہیں۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ اشعری

ضروریں: صفات کی تاویل کو جائز رکھتے ہیں مگر ساتھ ہی اسلاف کے مسلک کو بھی برحق خیال کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فروعات میں حنفی تھے:

حضرت شاہ صاحب مقلد اور عملاً حنفی تھے۔ جیسا کہ انھوں نے خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے۔ یہ تحریر خدا بخش لاہوری میں صحیح بخاری کے ایک نسخہ پر ہے، جو حضرت شاہ صاحب کے زیرِ درس رہا ہے۔ اس میں آپ کے ایک تلمیذ محمد بن پیر محمد بن شاہ ابی الفتح نے پڑھا ہے۔ تلمیذ مذکور نے درس صحیح بخاری کے ختم کی تاریخ ۶ شوال ۱۱۵۹ھ لکھی ہے، جتنا ندی کے قریب جامع فیروز میں کتاب ختم ہونا لکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے اپنی سند امام بخاری تک لکھ کر تلمیذ مذکور کے لئے سند اجازت تھیڈ لکھی ہے اور آخر میں اپنے نام کے ساتھ یہ کلمات لکھے ہیں: العُمریُّ نسباً، الذَّہلویُّ وطناً، الأشعریُّ عقیدۃً، الصوفیُّ طریقۃً، الحنفیُّ عملاً، والحنفیُّ الشافعیُّ تدریساً، خادِم التفسیر والحَدیث والفِہ والفِہ العربیۃ والکلام ۲۳ شوال ۱۱۵۹ھ

اس تحریر کے پیچھے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے یہ عبارت لکھی ہے کہ: ”بیشک یہ تحریر بالامیرے والد محترم کے قلم کی لکھی ہوئی ہے“

علاوہ ازیں تقلید کی ضرورت پر بحث فرماتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے جبہ اللہ الباز کی قسم اول کے تحت کی آخری فصل میں تصریح فرمائی ہے کہ: ”مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز پر کل امت مرحومہ یا اس کے ممتد حضرات کا اجماع ہو چکا ہے اور تقلید ائمہ میں کھلی مصالح شرعیہ موجود ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں کہ ہمتیں کوتاہ ہیں، ہوائے نفسانی کا غلبہ ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے“

پھر اس پر مفصل بحث کی ہے کہ ابن حزم ظاہری نے جو تقلید کو حرام کہا ہے اور اس پر دلائل قائم کئے ہیں، وہ صرف ان لوگوں کے حق میں صحیح ہو سکتا ہے:

۱۔ جو خود اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اور احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پورا پورا رکھتے ہوں اور ناخن و منوخ وغیرہ امور سے واقف ہوں۔

۲۔ یا اُن جابلوں کے حق میں صحیح ہو سکتا ہے جو کسی کی تقلید اس عقیدہ سے کرتے ہوں کہ اس شخص سے کوئی غلطی اور خطا ممکن نہیں۔ اور وہ اس کی تقلید کسی بھی مسئلہ میں چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں، خواہ اس کے خلاف بڑی سے بڑی دلیل بھی کیوں نہ آجائے۔

۳۔ یا اُس شخص کے حق میں صحیح ہے جو مثلاً حنفی ہونے کی وجہ سے کسی شافعی سے مسائل در یافت کرنا جائز نہ سمجھتا ہو یا اس کے برعکس۔ یا حنفی: شافعی امام کے پیچھے اقتداء کو جائز نہ سمجھتا ہو یا اس کے برعکس۔

لیکن تقلید کو اس شخص کے حق میں نادرست نہیں کہہ سکتے جو دینی امور کا ماخذ نبی اکرم ﷺ کے اقوال کو سمجھتا ہو، اور حلال و حرام صرف ان ہی چیزوں کو سمجھتا ہو جن کو خدا و رسول ﷺ نے حلال و حرام کیا ہے۔ ایسا شخص اگر بے علمی کی وجہ سے کسی عالم کو عالم و دین و تبع سنت سمجھ کر اتباع کرے، اور غلطی کی صورت میں صحیح بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے تو ایسے شخص کی تقلید پر نگیں کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ افتاء اور استفتاء کا طریقہ عہد نبوت سے اب تک برابر چلا آ رہا ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ ہم کسی فقیہ کو موجی الیہ یا معصوم نہ سمجھیں۔

شاہ صاحب قدس سرہ کی یہ ساری گفتگو جو ان شاء اللہ جلد دوم میں آئے گی، تقلید کے ثبوت پر ایک ناطق شہادت ہے، علاوہ انہیں اس جلد میں بھی بحث خاص کے باب دوم میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مجتہدین کی طرف سے دفاع کیا ہے کہ ان کی تقلید غیر اللہ کو رب بنانا نہیں۔

تدریساً حنفی شافعی ہونے کا مطلب

اور تدریساً یعنی سبق پڑھانے کے اعتبار سے حنفی شافعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سبق میں۔ اور تصنیف بھی تدریس ہی ہے۔ شاہ صاحب اس کے پابند نہیں کہ ہر مسئلہ میں حنفیت ہی کو ترجیح دیں۔ آپ کے نزدیک ظاہر و لائل سے جو مذہب رائج ہوتا ہے، اس کو ترجیح دیتے ہیں، مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وارا علوم دیوبند کے بعض بڑے اساتذہ کا بھی یہی مزاج تھا۔ آپ سبق آزاد ہو کر پڑھاتے تھے، مگر جب عمل کرتے یا فتویٰ لکھتے تو حنفیت کے دائرہ میں رہتے۔

اور اس کی وجہ خود شاہ صاحب نے اپنی بعض تالیفات میں بیان کی ہے کہ:

کسی مذہب کے حق ہونے کے دو معنی ہیں:

ایک یہ کہ وہ مذہب قرآن وحدیث کے نصوص کے ظاہری معنی کے موافق ہے۔

دوم یہ کہ وہ مذہب نصوص کے مقصود و مظان کے موافق ہے۔

چنانچہ آپ نے کسی جگہ مذہب شافعی کو ترجیح دی ہے تو وہ پہلے معنی کے اعتبار سے ہے اور حق اس مسئلہ میں بھی مذہب حنفی میں ہوتا ہے دوسرے معنی کے اعتبار سے۔ اس کی تفصیل مولانا سندھی رحمہ اللہ کی کتاب إلهام الرحمن فی تفسیر القرآن (۲۳۱-۲۳۳) میں ہے۔

علاوہ انہیں، شاہ صاحب قدس سرہ حنفی تھے، شافعی تھے یا مالکی تھے، کچھ بھی تھے مگر غیر مقلد ہرگز نہیں تھے۔ یہ ظاہریت تو ایک باطل مکتب فکر ہے کیونکہ اس کی بناء انکار اجتماع و قیاس پر ہے۔ شاہ صاحب نے عقد الجید میں اور جتہ اللہ البانی کی قسم اول کے تتمہ میں اس کی صراحت کی ہے واللہ یہدی السبیل!

حجۃ اللہ البالغہ

(مطبوعہ اور مخطوط نسخہ)

مشہور ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ، حجۃ اللہ البالغہ کی تمیز نہیں کر پائے تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ نے کتاب کا مسودہ چھوڑا تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۴۰ کے حاشیہ میں ہے ومن ہینا یعلم ان المصنف رحمہ اللہ لم یتسر لہ النظر الثانی فی ہذا الكتاب، کما هو مشہور عند الناس اھ۔ من ہامش الاصل یعنی جس نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں لکھی، بلکہ کسی مخطوط نسخہ کے حاشیہ سے نقل کی ہے۔ مگر یہ بات صحیح نہیں۔ حجۃ اللہ کی تصنیف شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات سے بہت پہلے مکمل ہو گئی تھی۔ اور طلبہ نے یہ کتاب آپ سے بار بار پڑھی بھی ہے۔ اور تفہیمات میں شاہ صاحب نے متعدد جگہ اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مثلاً:

تفہیمات جلد اول، صفحہ ۵۱ تفہیم نمبر ۱ میں، اور جلد دوم، صفحہ ۲۰۵ تفہیم ۲۰۲ میں اور جلد دوم، صفحہ ۲۳۵ تفہیم ۲۲۷ میں اور جلد دوم، صفحہ ۲۳۹ تفہیم ۲۳۱ میں شاہ صاحب نے حجۃ اللہ کا حوالہ دیا ہے۔

اور تفہیمات جلد اول، صفحہ ۳۰۹ تفہیم ۷۷ میں ہے کہ حافظ عبد الرحمن بن حافظ نظام الدین نقوی نزیل دہلی نے شاہ صاحب سے حجۃ اللہ بھی پڑھی ہے۔

مطبوعہ نسخہ

① — حجۃ اللہ البالغہ: پہلی مرتبہ حضرت مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۱۲ھ) کی تصحیح و تعلق کے ساتھ مولانا محمد منیر کے مطبع صدیقی بریلی میں، بترجیک وقانون فاضل گرامی جناب مفتی محمد جمال الدین صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۹ھ) مدار البہام ریاست بھوپال طبع ہوئی تھی۔ تاریخ طبع حجة اللہ البالغہ مکملہ ہے جس سے ۱۳۸۶ھ نکلتا ہے۔ مولانا نانوتوی نے متعدد قلمی نسخوں سے مقابلہ کر کے کتاب کی تصحیح اور تعلق کی ہے۔ کتاب کے آخر میں ان نسخوں کا تذکرہ ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا احمد سن مراد آبادی، حضرت مولانا محمد سعد اللہ صاحب مراد آبادی،

حضرت مولانا محمد ریاض الدین کاکوروی، اور حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مہمدی رام پوری کے مخطوطہ نسخوں سے کتاب اشاعت کے لئے تیار کی ہے۔ یہ پہلا ایڈیشن جہازی سائز کے ۳۹۶ صفحات میں مکمل ہوا ہے اور ایک ہی جلد میں ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں یہ نسخہ موجود ہے۔

مولانا نانوتویؒ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات سے ایک سو دس سال بعد جب کتاب طبع کرنے کا بیڑ اٹھایا، تو اس وقت کتاب کے قلمی نسخے بڑی تعداد میں ملک کے طول و عرض میں موجود تھے۔ آپ نے محنت شاقہ اٹھا کر بڑی جانکاہی سے کتاب کا صحیح ترین نسخہ تیار کیا۔ چنانچہ مطبوعہ صدیقی تمام مطبوعہ نسخوں میں صحیح ترین نسخہ ہے۔ مگر اس میں بھی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں جو کتاب فنی میں سزاوارہ ہوتی ہیں۔

مطبوعہ صدیقی میں مختصر تعلیقات کے علاوہ، عبارت میں ضروری اعراب بھی لگائے گئے ہیں، جن سے کتاب فنی میں بڑی مدد ملتی ہے پہلے خیال تھا کہ یہ تعلیقات اور اعراب مولانا نانوتویؒ نے لگائے ہیں۔ مگر جب مخطوطہ کاپی کا فوٹو آیا، جو خود شاہ صاحب کے سامنے پڑھا گیا ہے، تو یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ ضروری اعراب یا تو خود معنف نے لگائے ہیں، یا پڑھتے وقت ان کے علاوہ نہ لگائے ہیں اور بعض خواہشی بھی اس میں موجود ہیں۔ اور بین السطور میں ترکیب کے بعض اشارے بھی ہیں۔ اور ضائر کے مراجع کی تعیین کے لئے نمبر بھی ڈالے گئے ہیں۔ غرض یہ ضروری اعراب کتاب فنی کے لئے نہایت کارآمد چیز ہیں۔ یہ چھوٹی موٹی شرح کا کام دیتے ہیں۔ میں نے وہ اعراب نہ صرف یہ کہ باقی رکھے ہیں، بلکہ اس میں ضروری اضافہ بھی کیا ہے۔

(۲) — پھر اس مطبوعہ صدیقی سے بہ عنایت نواب صدیقی حسن خاں صاحب بھوپالی (متوفی ۱۴۱۰ھ) اور بہ مسارف حکومت بھوپال حجۃ اللہ مصر کے مطبوعہ خیر یہ میں ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوئی۔ اس طبع میں ناشر نے کتاب کو پہلی بار دو جلدوں میں تقسیم کیا اور جلد دوم بے جوڑ جگہ سے شروع کی۔ علاوہ ازیں حجۃ اللہ مصر میں دوسرے بار بھی شائع ہوئی ہے ان میں سے ایک مرتبہ مطبع امیر یہ بلاق میں طبع ہوئی ہے۔ مطبوعہ مصر میں اعراب نہیں ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں ناسپ میں اعراب کی سہولت عام نہیں تھی، اور اہل لسان کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ بغیر ضروری اعراب کے طبع کرنے سے کتاب فنی کی راہ میں دشواری پیدا ہوگئی۔ اس وقت ہندوپاک میں مطبوعہ مصر کے فوٹو شائع ہو رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں ہیں۔

(۳) — ماضی قریب میں مصری سے قاہرہ کے دارالکتب الحدیث اور بغداد کے مکتبۃ البیہ کی اشتراک سے سید سابق (مؤلف فتح السنہ) کی تحقیق و مراجمت سے حجۃ اللہ دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ مگر یہ کوئی اہم نسخہ نہیں ہے۔ محقق کا نام بس برائے بیت ہے۔ انھوں نے کتاب میں مقدمہ کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ بس عبارت کے حیرا گراف بنادئے ہیں۔ غالباً ناشرین نے طباعت کا جواز پیدا کرنے کے لئے موصوف کا نام استعمال کیا ہے۔

کتاب کے خطوط

① — خطوط کراچی: کراچی (پاکستان) میں جناب خالد اسحاق ایڈوکیٹ صاحب کا ایک نہایت نادر کتب خانہ ہے۔ اس میں جتہ اللہ کا ایک ایسا خطوط ہے جو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے سامنے پڑھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دارین میں جزائے خیر عطا فرمائیں میرے دوست، فاضل محترم، ڈارالینس ڈیوبند کے سابق استاذ، جناب مولانا عبدالرؤف صاحب افغانی دام لطفہ حال استاذ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی و مدیر ماہنامہ الینات کراچی (عربی) کو کہ انھوں نے اس نسخہ کی کھوج لگائی اور جناب خالد اسحاق صاحب سے ملاقات کی، موصوف نے خندہ پیشانی سے اس کا فوٹو عنایت فرمایا۔ فجزاھما اللہ تعالیٰ خیراً فی الدارين (آمین)

یہ خطوط حضرت شاہ صاحب کی وفات سے سترہ سال پہلے ۱۱۵۹ھ میں لکھا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں اس کی صراحت ہے۔ پھر یہ نسخہ طلبہ نے مصنف سے پڑھا ہے۔ کتاب کے شروع میں یہ تحریر ہے: ”پیش حضرت شیخ مصنف بطریق تعلیم شروع نمودہ شد، اللہ سبحانہ توفیق اتمام دہا، و تحقیق بآس علوم میسر کناد“ پھر اس تحریر کے بازو میں اسی قلم سے لکھا ہے: ”تا شعبان ۱۱۶۲ھ تا آخر پیش حضرت مشر شہزادہ شہداء اللہ تعالیٰ تحقیق میسر کناد“ اور کتاب کے آخر میں لکھا ہے: ”تم الکتاب: الحجة البالغة“ بید الفقیر الحقیر بندہ کریم: ہر کہ خواند عا طبع دارم۔ زانکہ من بندہ کنگارم در ۱۱۵۹ھ ہجری المقدس“ یہ نسخہ ۳۷۵ اوراق میں ہے۔ اور دو تحریروں میں لکھا گیا ہے ۷۵ اوراق خط نسخ میں ہیں اور باقی خط نستعلیق میں ہیں۔ قسم اول کے آخر میں جو تہ ہے وہ اس نسخہ میں نہیں ہے۔ یہ مضامین شاہ صاحب نے بعد میں بڑھائے ہیں۔ کتاب میں کئی جگہ حک و فک ہے بعض عبارتیں قلم زد کردی گئی ہیں۔ یہ خطوطات میں صحیح ترین نسخہ ہے اور کتاب کی تصحیح میں اس سے بڑی مدد ملی ہے۔

② — خطوط پٹنہ: بانگی پور، عظیم آباد کی خدائیش لائبریری میں بھی جتہ اللہ کا ایک خطوط ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں میرے دوست جناب مولانا ثناء الہدی ویشاوی زید لطفہ (مؤلف تفہیم السنن) کو کہ انھوں نے نہ صرف اس نسخہ کا پتہ چلایا، بلکہ اس کی فلم بھی حاصل کر لی، جس کو فاضل محترم، صدیق مکرم جناب مولانا افتخار حسین صاحب کٹیہاری قاسمی استاذ مدرسہ امینیہ دہلی نے کاغذ پر منتقل کروایا۔ اللہ تعالیٰ دونوں دوستوں کو دارین میں ان کی محنت کی جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کو ترقیات سے نوازیں (آمین)

یہ نسخہ ۳۷۵ اوراق میں نہایت خوشخط ہے۔ ۱۲۴۰ھ میں لکھا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں ہے: ”تمت: تمام شد این کتاب بموجب فرمائش جناب منشی محمد حسن صاحب دام اقبالہ بتاریخ دوازدہم ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۴۰ھ مطابق ہجری ۱۲۴۰ھ فقط“۔ صحت میں اس کا دوسرا مقام ہے۔ جو مضامین خطوط کراچی میں نہیں ہیں ان کی تصحیح اسی نسخہ سے کی گئی ہے۔

(۱) — مخطوطہ برلین: جرمنی کے مشہور شہر برلین (Berlin) کی لائبریری میں بھی جیہ اللہ کا ایک مخطوطہ ہے۔ اس کا فوٹو برادر مکرم محترم جناب مولانا اسماعیل صاحب سیدات امام مسجد قبا اسٹافورٹیل لندن کی عنایت سے اور فاضل گرامی حضرت مولانا محمد شمیم صاحب باگیا مقیم لندن کی سعی جمیل سے اور محبت محترم، برادر مکرم جناب حافظ عبد الرحیم ماما صاحب (تاجر شہر لندن) کے تعاون سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں دوستوں کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں (آمین)

یہ نسخہ سب سے زیادہ واضح اور صاف ہے۔ ۵۳۹ صفحات میں ہے۔ مگر بے حد غلط ہے۔ کسی طرح بھی قابل اعتناء نہیں، میں نے دیگر نسخوں کی تائید کے بغیر صرف اس نسخہ سے کتاب میں کوئی تصحیح نہیں کی۔

(۲) — جیہ اللہ کا ایک نسخہ محدث محبت اللہ صاحب العلم کے کتب خانہ میں ہے یہ ضلع حیدرآباد سندھ کے موضع چیر جھنڈا میں ہے۔ جو ۱۱۹۳ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب شیخ محمود بن محمد سندھی ہیں۔ یہ نسخہ ۱۱۳۴ھ و راق میں ہے۔ دلائل نامام مصطفیٰ قاسمی صاحب نے تفہیمات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ”اس کا خط عمدہ ہے، نسخہ صحیح شدہ ہے، حضرت امام سندھی رحمہ اللہ کے مطالعہ میں رہ چکا ہے“۔ غالباً مولانا سندھی رحمہ اللہ کی تقریر میں جو تصحیحات ہیں وہ اس نسخہ سے کی گئی ہیں۔ میں نے یہ نسخہ تلاش کیا مگر وسائل کی کمی اور ملک دوسرا ہونے کی وجہ سے مجھے اب تک کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

علاوہ ازیں جیہ اللہ البالذ کے اور بھی متعدد مخطوطے ہیں حضرت مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی زید مجدہ نے بتلایا کہ جیہ اللہ البالذ کے آٹھ قلمی نسخے موجود ہیں۔ جن میں سے ایک حرم مکی کے مکتبہ میں ہے جو حضرت مولانا اسحاق صاحب محدث دہلوی کے مطالعہ میں رہا ہے۔ (مولانا کی بات پوری ہوئی) اور مجھے اس مخطوطہ کی تلاش ہے جس میں قسم اول کے آخر کا تہہ ہے۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے مطبوعہ صدیقی میں تہہ کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ صرف ایک مخطوطہ میں تھا جس کی بناء پر اس کو کتاب میں لیا گیا ہے۔ مجھے جو تین مخطوطے حاصل ہوئے ہیں ان تینوں میں یہ تہہ نہیں ہے۔ اس لئے مجھے ہنوز اس مخطوطہ کی تلاش ہے جس میں یہ تہہ ہے۔ اگر کوئی قاری اس سلسلہ میں میرا تعاون اور اوراد نمائی کر سکتے ہوں تو درغی نہ کریں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي فطر الانام على ملة الاسلام والاعتداله وجعلهم
على اللغة الخفيفة السهلة البيضاء ثم انهم غشيم الجمل وقوم
اسفل السافلين وادركهم الشقاء فوجههم ولطف بهم وبغيت اليهم
الانبياء ليخرج بهم من الظلمات الى النور ومن البضيظ الى الافضاء
وجعل طاعته منوطة بطاعتهم فيا للفرح والعلامة ثم وثقت من اتباعهم
لحتمل علومهم وفهم اسرار شرايعهم من شاء فاصبحوا بنعمة الله
حايذين لاسرارهم فايذين بانوارهم وناصينك به من علياء وفضل
الرجل منهم على الف عابد وسموا في الملكوت عظماء وصاروا حيث
يدعولهم خلق الله حتى الجحيمان في جوف الماء فصل اللهم وسلم
عليهم وعلى من يتبعهم ما دامت الارض والسماء وخص من بينهم
سيدنا محمداً المؤيد بالآيات الواضحة الغراء بافضل الصلوات
صلى الله عليه وسلم

مخطوط کراچی کے پہلے صفحہ کا عکس۔ یہ سنہ ۱۱۵۹ھ میں لکھا گیا ہے اور شاہ صاحب کے سامنے پڑھا گیا ہے



اے اللہ! تجی قدرت نام علی قرآن سلوہ والاسند، وحکم علی اللہ الخفیۃ السمۃ السورۃ السجدۃ علیہم
 فیہ لعلہ یوقوا اسل السافین، واولیہم لیسوا فرحمہم ولطیت بہم وجبت الیم الانبیاء الخرج بہم من
 اللات الی البزخ من المینق الی النضا وجعل ثلثہ منولہ بطاعتہم فی الفخر والعلم فدی من
 انبائہم لعلہ یوقوا اسل السافین من نارا صہو اجفہ اللہ جازق لاسرارہم فایز من باقوار
 نامیک بن علیا، وفضل الیہم علی الف عابد وسمو فی المکوت عطا، وصاروا بحبیب یوموہم
 خلق اللہ حتی اعتیان فی حوت الماء فضل الیم وسلم علیہم ورتسم اوست الارض والماء خص من
 بیہم سیدنا محمد بالآیات الواسعۃ الفراء، بفضل الصوت واکرم الحات واسفی ان صلتا
 واسل علی الود اصحاب سائب رنواک وجاہہم احسن الجزاء، ویقول العبد الفقیر العلیل
 اکویم ام اللہ مولی اللہ من عبد الرحیم جالبنا اللہ تعالیٰ بفضلہ العظیم وجعل الیم النعم العظیم ان عمہ
 للعلوم والیقینہ واسا وضمنی القرآن الذی فیہ واسا سبنا نوحہم کتب الہی یدکر فیہ واسد

مخطوطہ پٹنہ (خدا بخش اور فضل پیک لاہوری پٹنہ) کے پہلے صفحہ کا کس، یہ نسخہ ۱۲۴۰ھ میں لکھا گیا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَتَمَّ بِاَحْسَنِ

الحمد للہ الذی فطر الانام علی ملۃ الاسلام والابتداء وجلبہم علی الملۃ الخفیۃ السخیۃ البیضاء ثم انہم غشیہم الجبل ووقعوا اسفل السافلین وادبرکھم الشقاء فخرجہم ولطف بہم ولعیت الیہم الانبیاء لینخرجہم من الظلمات الی النور ومن المضیق الی الفضاء وجعل بسوطہ بطاعتہم فی الفخر والعلام ثم وفق من اتبعہم تحل علومہم وفہم اسرار شریعہم مشاء فاصبحوا بنعمۃ جبارین الاسرارہم فایزین بانوارہم علیہم من علیاء وفضل ازل منہم علی الف عابد وسموا فی الملکوت عطاء فصاروا بحیث یدعونہم خلق اللہ الحیات فی جوف الماء فضل اللہ وسلم علیہم وعلی ورثتہم ما دامت الارض والسماء وخص من بینہم سیدنا محمد المودیا بالایات الواضحة الغراء بافضل الصلوات واکرم الخصال واجبى الاطفال وامطر علی آلہ واصحابہ شامیہ صواعک جاز بہم حسن الجزاء اما بعد فبقول العبد الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم احمد المدعو بولی النہدین عبد الرحیم عالمہ اللہ تعالیٰ بفضلہ العظیم وجعل آلمہ النعم المغم أن عمدة العلوم البقیۃ ورثہا وبعث فی القبول اللہ واساسہا یخو علم الحدیث الذی یدکر فیہ باصدر من فضل المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ جمعین من قول وفعل وتقویر فی مصابیح الدجی ومعالجہ الہدی بمنزلہ البد الخیر من القاد لہا ودعی فقد رشد وابتدی وادالی الخیر الکثیر ومن عرض وتولی فخذ

مخطوطہ برلین کے پہلے صفحہ کا عکس۔ اس نسخہ پر تاریخ کتابت موجود نہیں ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُس سے لڑی فطر لانامہ علی ملہ لاملاہم والاضداد وجہاہم علی الملہ بحفیۃ السوۃ السہلۃ البقاء ثم انہم
 غشیہم بحمل ووقعوا اسفل السافین وادھرکہم الشفا فرجمہم ولطفہم ولبت الہیم لا بدایا لخرجہم من الظلم
 الی النور ومن المضیق الی الفضاء وجعل طاعۃ منوطۃ بطاعۃہم فی اللہ والعداۃ ثم وقن من اتباعہم لیفعل علو منہم
 فہم اسرارہم من شاموا فصحو ابتعاۃ اللہ حائزین لاسرارہم فائزین بانوارہم وناہبک بہ من علیہ
 وفضل الرجل منہم علی الف عابد وسمو فی اللکوت عطاء وصاروا بحیث یدعوہم خلق اللہ حتی الحیات فی جنۃ
 اللہ فصل النہم رسولہ علیہم وعلی ورتبہم ما دامت الارض والسما وخص من بنیہم سیدنا محمد المولی
 بالایات الواضحة الغراء بافضل الصلوات واکرم التحیات واصفی الاصطفاء وامطر علیہ واحسانا شایب
 رضوانک وجارہم احسن الخیراء **ما بعد فیقول العبد الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم رحمۃ اللہ علیہ**
 بن عبد الرحیم عاملہما اللہ تعالیٰ بفضلہ العظیم وجعل ما لہما النعمۃ المقیم ان عمدة العلوم یقینۃ وراسما
 ومبني الفنون الدینیۃ واساسہا هو علم الحدیث الذی یدلک فیہ ماصد من افضل المرسلین صلی اللہ علیہ
 وعلى آلہ واصحابہ اجمعین من قول او فعل او تقریر فقی مصابیح الدجی ومعالر الہدی وبمیزانہ البدل المتدر
 من نقادہا وروی فقد رشد واهدی وادی الخیر الكثير ومن امر من ونولہ فقد غوی وھوی وما زاد
 نفسه لا تحسب فانہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی واکرم وانزل وبشر وقایب الامثال وذکامنا لمثل القرآن او اکثر وان
 هذا العلم لہ طبقات ولا حجاب فیما بینہم درجات ولہ فتوح داخلہا کد
 العلماء ورحمہم اللہ فی اکثر الابواب فانقص یدلہ لا ولید وتدل بہ ہر
 معرفۃ لایا حدیث صوحۃ وضفۃ واستفانۃ وغرۃ وصدی لہ جہانۃ
 من المقدمۃ

فن حکمت شرعیہ (علم اسرار الدین) (تعریف، موضوع، غرض و غایت)

اگرچہ یہ باتیں آگے مقدمہ میں ضمناً آرہی ہیں مگر یہاں مستقلاً ان کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام سے علم اسرار الدین کی جو تعریف مفہوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

حکمت شرعیہ کی تعریف ہو علمہ یُبحث فیہ عن حکم الأحکام و لُثمَّاتِہا، و أسرار خواص الأعمال و نکاتِہا یعنی حکمت شرعیہ وہ فن ہے جس میں احکام شرعیہ کی حکمتوں اور علتوں سے اور اعمال اسلامیہ کی خصوصیات کے رموز و نکات سے بحث کی جاتی ہے۔ حکمت اور علت میں چند وجوہ فرق ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ علم اسرار الدین میں احکام کی علتوں اور حکمتوں کے بارے میں جستجو کی جاتی ہے۔ اور اعمال کی خصوصیات مثلاً نماز قرب الہی کا ذریعہ ہے اور روزہ گناہوں سے بچنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ ان خصوصیات کا راز کیا ہے؟ پہلے بل کی پہلی خصوصیت اور دوسرے عمل کی دوسری خصوصیت کیوں ہے؟ ان امور سے علم اسرار الدین میں بحث کی جاتی ہے۔

اور چہ اللہ الباذ مطبوعہ صدیقی کے شروع میں تنبیہ کے عنوان سے یہ تعریف بیان کی گئی ہے۔

وَأَمَّا حُدُّهُ: فہو علمُ يعرف بہ حکمۃ وضع القوانين الدینیۃ، و حفظ النسب الشرعیۃ بأسرها یعنی حکمت شرعیہ: وہ فن ہے جس کے ذریعہ قوانین دینیہ (احول اسلام) کی وضع کی حکمت معلوم ہوتی ہے، اور تمام احکام شرعیہ کی نگہداشت کا طریقہ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ نسب: نسبت کی جمع ہے۔ حکم شرعی میں مبہوض و معمول کے درمیان جو نسبت حکمیہ ہوتی ہے، وہی دراصل حکم ہوتی ہے۔ اور احکام پانچ ہیں: وجوب، استحباب، اباحت، کراہت اور حرمت۔ یہ پانچوں نسبتیں ہیں۔ غرض دین اسلام دو باتوں کا مجموعہ ہے: اصول اور فروع۔ جو اصول تجویز کئے گئے ہیں ان کی حکمت کیا ہے اور جو فروع مقرر کئے گئے ہیں ان کے مراتب (وجوب وغیرہ) کی نگہداشت کیسے کی جائے کہ مستحب فرض نہ بن جائے اور فرض استحباب کے درجہ میں نہ آئے۔ انہی امور سے فن حکمت شرعیہ میں بحث کی جاتی ہے۔

حکمت شرعیہ کا موضوع: ہر فن کا موضوع اس کی تعریف سے اخذ کیا جاتا ہے اور اس کو حیثیت کی قید کے ساتھ متعین کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب کے کلام سے جو تعریف مفہوم ہوتی ہے اس سے یہ موضوع اخذ کیا جائے گا:

موضوعہ: الأحکام الشرعیۃ من حیث الحکم و اللُثمَّات، و الأعمالی الأسلامیۃ من حیث الأسرار و الخصائص یعنی فن حکمت شرعیہ کا موضوع احکام شرعیہ ہیں: حکمتوں اور علتوں کی رُو سے، اور اعمال اسلامیہ ہیں: اسرار و خواص کی جست سے۔ اس فن میں انہی دو چیزوں کے مذکورہ احوال سے بحث کی جاتی ہے۔

اور مذکورہ دوسری تعریف کی رو سے اس فن کا موضوع درج ذیل ہے:

وَأَمَّا مَوْضُوعُهُ: فَهُوَ النِّظَامُ النَّشْرِيُّ الْمُحَمَّدِيُّ الْحَنِيفِيُّ عَلَى صَاحِبِهِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ، مِنْ حَبْسِ الْمَصْلُحَةِ وَالْمُسْقُوفَةِ، بِأَنَّ اسْ فَنَ كَامَوْضُوعُ نِظَامِ تَرْثِي مُحَمَّدٍ صُنِّي (شریعت اسلامیہ) ہے، مصالح و مفاسد کی زد سے یعنی مأمورات میں کیا خوبیاں ہیں اور منہیات میں کیا مفاسد ہیں۔ انہی امور سے اس فن میں بحث کی جاتی ہے۔

فن کی غرض و غایت: تمام فنون دینیہ کی دو غرض و غایت ہیں: ایک عام دوسری خاص:

عام غرض و غایت: جو تمام فنون دینیہ کی مشترک غرض و غایت ہے، وہ سعادت و دارین ہے۔ دینی تعلیم خواہ قرآن کی ہو، حدیث کی ہو یا فقہ وغیرہ کی ہو، دونوں جہاں کی نیک بختی کا ذریعہ ہے۔ مومن کو اگر وہ دینی تعلیم سے واقف ہے، دنیا میں بھی چین کی زندگی نصیب ہوتی ہے، اور آخرت میں بھی سرخ رُوئی حاصل ہوتی ہے۔

خاص غرض و غایت: شریعت مصطفویہ میں بالبصیرت ہونا ہے۔ جو مومن حکمت شرعیہ سے واقف ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں کوئی جھگی محسوس نہیں کرتا۔ اس میں انقیاد تام پیدا ہوتا ہے۔ دین پر کمال و ثوق اور اطمینان کلی نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ شریعت اسلامیہ کی اس طرح نگہداشت کرتا ہے کہ اس کا نفس بالکلیہ اس کی طرف کھینچ جاتا ہے۔ اور اس راہ کے خلاف کسی اور راہ کی طرف نفس مائل نہیں ہوتا۔ اور کسی متشکک اور ہیکانے والے کا اس پر دائر نہیں چلتا۔ حجۃ اللہ مطلوبہ صدیقی کے دیباچہ میں ہے:

وَأَمَّا غَايَتُهُ: فَهُوَ عَدَمُ وَجْدَانِ الْحَرَجِ فِيمَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ. وَالْإِقْبَادُ التَّامُّ لِلْأَحْكَامِ الْإِلَهِيَّةِ، وَكَمَالُ الْوُثُوقِ وَالْإِطْمِنَانِ بِهَا، وَالْمَحَافَظَةُ عَلَيْهَا بِحَيْثُ تَنْجَلِبُ إِلَيْهَا النَّفْسُ بِالْكَلْبَةِ. وَلَا تَمِيلُ إِلَى خِلَافِ مَسْلُكِهَا.

ترجمہ: رہی فن حکمت شرعیہ کی غایت: تو وہ جھگی نہ پانا ہے ان باتوں میں جن کا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے اور احکام خداوندی کی مکمل فرمانبرداری کرتا ہے۔ اور ان پر کمال اعتماد اور پورا اطمینان کرتا ہے۔ اور ان کی اس طرح نگہداشت کرتا ہے کہ نفس ان احکام کی طرف بالکلیہ کھینچ جائے اور ان کی راہ کے برخلاف راستہ کی طرف نفس مائل نہ ہو۔

غرض یہ فن نہایت درجہ سودمند ہے، مگر دقیق بھی اسی قدر ہے۔ اس کے مبادی تمام علوم شرعیہ ہیں۔ آدی جب تک تمام فنون دینیہ سے واقف نہ ہو یہ فن گرفت میں آنا مشکل ہے۔ نیز ذہن رسا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس فن سے بہرہ ور فرمائیں۔ (آمین)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَطَرَ الْأَنْسَامَ عَلَى مِلَّةِ الْإِسْلَامِ وَالْإِهْتِدَاءِ، وَجَبَّلَهُمْ عَلَى الْمِلَّةِ الْحَنِيفَةِ السَّمْحَةِ السَّهْلَةِ الْبَيضَاءِ؛ ثُمَّ إِنَّهُمْ عَشِيَهُمُ الْجَهْلُ، وَوَقَعُوا أَسْفَلَ السَّافِلِينَ، وَأَدْرَكَهُمُ الشَّقَاءُ؛ فَارْحَمَهُمْ، وَلَطَّفْ بِهِمْ، وَبَعَثْ إِلَيْهِمُ الْأَنْبِيَاءَ، لِيُخْرِجَ بِهِمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ، وَمِنَ الْمَظْطَبِ إِلَى الْفَضَاءِ؛ وَجَعَلَ طَاعَتَهُ مَنْوُطَةً بِطَاعَتِهِمْ، فَيَا لَلْفَخْرِ وَالْعُلَاةِ!

ثُمَّ وَفَّقَ مِنْ أَتَابِعِهِمْ لِنَحْمَلِ عُلُومَهُمْ، وَفَهِمَ أَسْرَارِ شَرَائِعِهِمْ مِنْ شَاءَ، فَأَصْبَحُوا - بِنِعْمَةِ اللَّهِ - حَائِزِينَ لِأَسْرَارِهِمْ، فَائِثِينَ بِأَنْوَارِهِمْ؛ وَنَا هَيْكَلَهُ مِنْ عُلَيَاءِ! وَفَضَّلَ الرَّجُلَ مِنْهُمْ عَلَى أَلْفِ عَابِدٍ، وَسُمُّوا فِي الْمَلَكُوتِ عُظَمَاءَ؛ وَصَارُوا بِحَيْثُ يَدْعُو لَهُمْ خَلْقُ اللَّهِ، حَتَّى الْحَيَاتَانِ فِي جَوْفِ الْمَاءِ.

فَصَلِّ - اللَّهُمَّ - وَسَلِّمْ عَلَيْهِمْ، وَعَلَى وَرَثَتِهِمْ مَا دَامَتِ الْأَرْضُ وَالسَّمَاءُ؛ وَخُصِّ مِنْ بَيْنِهِمْ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا الْمُرْتَدَّ بِالْآيَاتِ الْوَاضِحَةِ الْغَرَاءِ، بِأَفْضَلِ الصَّلَوَاتِ وَأَكْرَمِ التَّحِيَّاتِ، وَأَصْغَى الْإِضْطِفَاءِ، وَأَمْطُرْ عَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ شَائِبَ وَضْوانِكَ؛ وَجَاوِزِهِمْ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مکلف مخلوق (جن و انس) کو مذہب اسلام اور راہ یابی پر پیدا کیا۔ اور سیر بھی، نرم، آسان اور روشن ملت پر ان کی تخلیق فرمائی پھر ان پر نادانی چھا گئی، اور وہ انتہائی پستی میں جا پڑے۔ اور بدبختی نے ان کو دو بوجھ لیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی، اور ان کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا، اور ان کی طرف حضرات انبیاء کو مبعوث فرمایا، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو تارکیوں سے روشنی کی طرف، اور تنگی سے کشادگی کی طرف نکالیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی فرماں برداری کو انبیاء کی فرماں برداری کے ساتھ معلق کر دیا۔ پس کیا کہنے (انبیاء کی) بزرگی اور بلندی کے!

پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے تابعین میں سے جس کو چاہا ان کے علوم کو اٹھانے کی، اور ان کی شریعتوں کے رموز کو سمجھنے کی توفیق بخشی، چنانچہ وہ بفضل تعالیٰ انبیاء کے بھیدوں کو سیٹھ والے، اور ان کے انوار کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس سے بڑی سربلندی اور کیا ہو سکتی ہے؟! اور اللہ تعالیٰ نے وارثین علوم نبوت میں سے ایک ایک کو نثار

ہزار عابدوں پر برتری بخشی، اور وہ حضرات فرشتوں کی دنیا میں ”بڑے لوگ“ کہلائے۔ اور وہ حضرات اس قدر بلند رتبہ تک پہنچے کہ تمام خلق خدا جتنی کہ چھپائیاں پائی ہیں، ان کے لئے دعا گو گئیں۔

پس خدا یا ہے پایاں رحمتیں اور ساقی نازل فرما ان انبیاء پر اور ان کے وارثین پر، جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں، اور ان میں سے مخصوص فرما ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کو جو روشن اور واضح معجزات کے ساتھ قوی کئے گئے ہیں، بہترین درودوں کے ساتھ اور عمدہ سلاموں کے ساتھ اور برگزیدہ مقبولیت کے ساتھ؛ اور ہر سآپ کے خاندان پر اور آپ کے ساتھیوں پر اپنی خوشنودی کی موسلا دھار بارش اور ان کو بہترین صلہ عطا فرما (آمین)

لغات:

قوله فطر الأنام إلخ فطر (ان ش) فطرًا الأمر: پیدا کرنا، شروع کرنا، الانام: زمین کی تمام مخلوقات، ما ظہر علی الأرض من جمیع الخلق (انسان العرب) خاص طور پر جن و انس کو بھی انام کہا جاتا ہے والحن والانس، وبہ فسر قوله تعالیٰ ﴿وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ﴾ وهما الثقلان (تاج العروس) کتاب میں یا تو مکلف مخلوقات (جن و انس) مراد ہیں یا صرف انسان مراد ہیں کیونکہ آگے انسانوں ہی کا تذکرہ ہے۔ ملة ائت میں روشن اور طریقہ کو کہتے ہیں قال أبو اسحق: الملة فی اللغة: سُنَّتُهُمْ وطریقَتُهُمْ (انسان العرب) ... اہتداء حاصل مصدر بمعنی راہ پائی۔ یہ لفظ اسلام کا ہم معنی ہے اہتدی اہتداء: راہ راست پانا۔

قوله: جبہم إلخ الحنیفۃ میں یا نیست کی ہے اور حنیف کے معنی ہیں، تمام باطل چیزوں سے رخ پھیر کر اور کنارہ کشی اختیار کر کے دین حق کی طرف مائل ہونے والا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب بھی ہے ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِنْ يَرَوْهُ غَيْرَ اهْتِمَامٍ كَانَ أَهْمَةً قَائِنًا لِلَّهِ، حَنِيفًا﴾ (آئل ۱۲۰) بیشک ابراہیم بڑے مقتدا تھے، اللہ کے فرماں بردار تھے، بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے (قانونی) اور الملة الحنیفۃ: وہ ملت ہے جس میں باطل کی ندائیں طرف سے گنجائش ہو، نہ بائیں طرف سے۔ اس کی برکات مستحکم اور مضبوط ہوں۔ السمحة مؤنث السمح کا بمعنی نرم اور ملت سہلہ، وہ ملت ہے جس میں عمل کے اعتبار سے آسانیاں ہوں اور ملت سحر: وہ ملت ہے جس میں فکری سادگی ہو، اس کی تعلیمات میں کوئی پیچیدگی نہ ہو البیضاء مؤنث الأبیض، بمعنی سفید، روشن اور ملت بیضاء: وہ ملت ہے جس کا ہر معاملہ جلی اور روشن ہو، اس کی تعلیمات قابل فہم ہوں، ان میں سادگی ہو، ہر شخص اس کو بوجھ سکتا ہو۔

تشریح:

ان دو جملوں میں ارشاد نبوی کل مولود یولد علی الفطرة کی طرف تلخیص (اشارہ) ہے، فطرة کے مشہور معنی اسلام کے ہیں و أشهر الأقوال: ان المراد بالفطرة الإسلام، قال ابن عبد البر: وهو المعروف عند عامة السلف (فتح

الہامی ج ۳ ص ۲۸۸) یعنی ہر انسان دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے کوئی بچہ کسی باطل دین پر پیدا نہیں ہوتا، پھر ماحول یعنی جن باتوں میں بچہ پلتا بڑھتا ہے: اس کو لگا کر دیتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہماری یہ دنیا عالم اجساد ہے، انسان اس دنیا میں نیا پیدا نہیں ہوا، بلکہ تمام انسان پہلے عالم ارواح میں پیدا ہو چکے ہیں، وہاں سے مقررہ وقت پر اس عالم میں منتقل ہوتے ہیں۔ سورۃ الاعراف آیت ۷۲ میں اور اس کی تفسیر میں جو احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں ان میں عالم ارواح کے اس واقعہ کا مفصل تذکرہ موجود ہے کہ تخلیق آدم کے بعد ان کی ساری ذریت چھوٹی چھوٹی حیوینوں کی شکل میں وجود پذیر کی گئی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا درس دیا پھر امتحان لیا اور پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے بیک زبان اقرار کیا: کیوں نہیں! یعنی آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ غرض عہد الست میں سب انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے اور اسی صلاحیت پر انسان اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر دنیا میں آنے کے بعد بہت سے لوگوں کو ماحول لگا کر دیتا ہے اور وہ اپنی اس فطری صلاحیت کو برباد کر دیتے ہیں اور اللہ کی معرفت سے اس درجہ جاہل ہو جاتے ہیں کہ جانوروں کو جس درجہ کی معرفت حاصل ہے اتنی بھی انکے پاس باقی نہیں رہتی، اس وقت ان کو بدبختی آچکرتی ہے اور وہ اسفل السافلین میں جا پڑتے ہیں۔

غرض ان دونوں جملوں میں اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام پر ان کی حمد و ستائش کی گئی ہے کہ انھوں نے مکلف مخلوقات (جن وانس) پر یہ عظیم احسان فرمایا کہ ان کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے اپنی پہچان کرائی اور درس معرفت دیکر ان کی ہدایت کا سامان کیا **فلله الحمد والمنة!**

نوائد:

① عربی میں جس طرح مصدر معلوم اور مصدر مجهول میں امتیاز نہیں ہوتا اسی طرح مصدر اور حاصل مصدر میں بھی امتیاز نہیں ہوتا دونوں کے لئے ایک ہی صیغہ مستعمل ہے اور قرآن سے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ مصدر معروف ہے یا مجهول اور مصدر ہے یا حاصل مصدر مثلاً **نصرو ینصرون** کے بعد جو **نصرو** آتا ہے وہ مصدر معروف ہے جس کا ترجمہ ”مد و کرنا“ ہے اور **نصرو ینصرون** کے بعد جو **نصرو** آتا ہے وہ مصدر مجهول ہے اور اس کا ترجمہ ”مد کیا جانا“ ہے اسی طرح **اہتداء مصدر** کے معنی ہیں راہ پانا اور **اہتداء حاصل مصدر** کے معنی ہیں راہ دیاہی۔ کتاب میں حاصل مصدر استعمال ہوا ہے کیونکہ وہ اسلام یا ملت اسلام کے ہم معنی استعمال کیا گیا ہے۔

② شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک خاص عادت شریفہ ہے اس سے واقف رہنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ مترادفات اور ہم معنی الفاظ استعمال کرتے ہیں ایک لفظ کے بدل دوسرا لفظ لاتے ہیں اور جملہ ناقصہ کے ہم معنی دوسرا جملہ ناقصہ لاتے ہیں اور جملہ تامہ کی وضاحت کے لئے دوسرا جملہ تامہ لاتے ہیں جس کے ذریعہ سابقہ مضمون کو بالفاظ دیگر

سمجھاتے ہیں مثلاً ملت اسلام اور اعتدال نام معنی ہیں اور جملہ فطر الخ اور جملہ جبل الخ ایک ہی مضمون ادا کرتے ہیں۔

لغات:

قوله: غشيهم الخ غشي يَغْشِي غَشْيًا وَغَشَايَةَ الْأَمْرِ فَلَانَا: ڈھانکنا، چھایا جاتا .. شفاء (حاصل مصدر) بدبختی .. خروج بہ (متعدی بہ حرف جر) نکالنا، نکلنے پر مستقر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرح راجع ہے .. المضيق تنگ جگہ، گھٹائی .. القضاء: وسیع زمین، میدان، جمع انقضاء .. منوطه (اسم مفعول) انا طه بكذا: لڑکانا، معلق کرنا (ماده ان و ط) .. باللفحور میں یا حرف نداء لام الاستغاثہ (برائے تحفیز) فخور مع معطوف مستغاث، لفظی ترجمہ: کہاں ہے بزرگی اور بلندی؟

مطلب:

جب لوگ دنیا میں پہنچ کر اپنی فطری صلاحیت کھو بیٹھے اور گمراہی کے دلدل میں پھنس گئے اور پستی کی نہایت کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ نبوت و رسالت کا سلسلہ شروع فرمایا، وحی بھیجی، کتابیں نازل فرمائیں اور لوگوں کو دوبارہ اپنی معرفت کا درس دیا اور ان کو اپنی مرضیات سے واقف کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کا درجاس کا درجاس قدر بلند فرمایا کہ خود ہی اعلان فرمایا ﴿مَنْ يُطِيعِ الْمُسْلِمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (التہ ۸۰) یعنی جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حالانکہ بات کا فطری نچ یہ تھا کہ کہا جاتا: جو اللہ تعالیٰ کے اطاعت شعار بندے ہیں وہ اللہ کے فرستادوں کی بھی اطاعت کرتے ہیں اور جو نافرما ہیں وہ روگردانی کرتے ہیں۔ مگر تاکید و مبالغہ کے لئے اور رسولوں کی قدر افزائی کے لئے تعبیر وہ اختیار فرمائی جو اوپر گزری یعنی اللہ کے اطاعت شعار بندے وہی ہیں جو رسولوں کی اطاعت کرتے ہیں، رسولوں کی اطاعت کے بغیر اطاعت خداوندی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا پس کیا کہتے انبیاء کی بزرگی، شرف اور سر بلندی کے!

لغات:

قوله ثم وفق الخ فتحملہ: اشھانا حاز (ن) خَوَّذْنَا الشَّيْءَ: اکٹھا کرنا، جمع کرنا ناھنی (اسم فاعل) روکنے والا علیہا مؤنث الاعلیٰ کا بمعنی بہت بلند، لفظی ترجمہ: روکنے والا نبیوں میں آپ کو اس نعمت کے ذریعہ دیگر سر بلند نبیوں سے یعنی حیرے لئے یہ نعمت کافی ہے، تو کسی دوسری سر بلندی کے چکر میں مت پڑیا ایسا ھیک اسم فعل بمعنی بکھٹک ہے سُمُوا (فعل ماضی مجہول) نام رکھے گئے وہ ملکوت، مُلُک (فرشتہ) سے بنا ہے فرشتوں سے تعلق رکھنے والے تمام معاملات کو ملکوت کہتے ہیں۔ عالم ملکوت فرشتوں کی دنیا عظماء جمع ہے عظیم کی اور یہ مفعول ثانی ہے۔

قولہ: فضل الرجل الخ میں تلخیص (اشارہ) ہے مشہور ضعیف حدیث کی طرف کہ ایک فقیہ (دین کا ماہر) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے (مشکوٰۃ حدیث ۳۱۷) یعنی فقیہ کو گمراہ کرنا شیطان کے لئے آسان نہیں، اسے ہزار گنا سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے نیز عباد کی عبادت سے وہ اتنا ذلیل نہیں ہوتا جتنا فقیہ کا وجود اس کے لئے سوبان روح ہوتا ہے۔

قولہ: سُمُوا الخ میں تلخیص ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس ارشاد کی طرف جس کو علامہ ابن عبد البر مالکی قرطبی رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم وفضلہ (ص ۶ ج ۲) میں نقل کیا ہے کہ من علم وعمل فذلک یدعی عظیمًا فی ملکوت السموات یعنی جس نے علم دین حاصل کیا اور اس پر عمل کیا اور وہ علم دوسروں کو سکھایا تو وہ شخص فرشتوں کی دنیا میں ”بڑا آدمی“ کہلاتا ہے۔

قولہ: یدعواہم الخ میں تلخیص ہے مشہور حدیث شریف کی طرف کہ عالم کے لئے وہ تمام مخلوقات و عمارتیں مقرر کر تی ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور چھیلیاں بھی پانی کے اندر (مشکوٰۃ حدیث ۲۱۲ کتاب العلم فصل ۲)

مطلب:

دنیا سے انبیاء کی تشریف بری کے بعد ان کے وارثین (علمائے امت) ان کے جانشین ہوتے ہیں وہ نبیوں کے علوم کو حاصل کرتے ہیں، ان کی لائی ہوئی شریعتوں کے اسرار و رموز سمجھتے ہیں اور وہ اس مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ علمائے امت کے لئے یہی سربلندی سب سے بڑی چیز ہے ان کا مرتبہ ہزار عابدوں سے بھی برتر ہے۔ وہ حضرات فرشتوں کی دنیا میں ”بڑے لوگ“ کہلاتے ہیں، دنیا میں گوان کی قدر نہ پہچانی جائے مگر قدر شناس ان کی قدر پہچانتے ہیں اور ساری مخلوقات تا آنکہ سمندر کی چھیلیاں بھی ان کے حق میں دعا گو ہیں۔

قولہ: فصل الخ خص فعل امر ہے خصّ (ان) خصّا فلاناً بالشیء: خاص کرنا..... المؤید (اسم مفعول) توی کیا ہوا المؤید صفت ہے محمد کی اور بالآیات متعلق ہے المؤید سے اور بالفضل الخ متعلق ہے خصّ سے شایب جمع ہے شُؤبُوْب کی جس کے معنی ہیں موسلا دھار بارش وخصّ کا عطف صلّ و سلم پر ہے۔

قولہ: مادامت الخ یہ بادیت کے لئے محاورہ ہے کیونکہ جب ہم طویل سے طویل مدت کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے لحاظ سے بڑی سے بڑی مدت یہی خیال میں آتی ہے چنانچہ ﴿مادامت السماوات والارض﴾ (جب تک آسمان و زمین قائم رہیں) وغیرہ الفاظ محاورات عرب میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں (فوائد عثمانی سورہ ہود آیت ۱۰۷) پس طلبہ کو یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی زبان کے محاورات کا لفظی ترجمہ کرنا اور اسی پر انک کر رہ جانا اور اسی کو مطلب قرار دینا بنیادی غلطی ہے، محاورات کا ہمیشہ مفہوم اور محل استعمال سمجھا جاتا ہے ان کا لفظی ترجمہ مراد نہیں ہوتا ﴿مادامت السماوات والارض﴾ بھی زمانہ جاہلیت سے ایک محاورہ چلا آ رہا تھا اس کا مفہوم

دوام اور ابدیت تھا اور یہ ایسا ہی محاورہ ہے جیسا اردو میں کہا جاتا ہے کہ: ”جب تک شب و روز کا چکر چلتا رہے گا یہی ہوتا رہے گا“ یہاں یہ احتمال کہ شب و روز کا چکر تو بہر حال ایک دن ختم ہونے والا ہے کسی طرح مضرب نہیں، اسی طرح ﴿مادامت السماوات والأرض﴾ کے محاورہ کو سمجھنا چاہئے۔



[علوم الحديث ومكانة علم أسرار الدين منها]

أما بعد: فيقول العبد الفقير إلى رحمة الله الكريم، أحمد المدعو بولي الله بن عبد الرحيم — عاملهما الله تعالى بفضل العظم وجعل مآلهما النعيم المقيم — إن عمدة العلوم اليقينية ورأسها، ومبنى الفنون الدينية وأساسها، هو علم الحديث، الذي يُذكر فيه ما صدر من أفضل المرسلين — صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه أجمعين — من قول، أو فعل، أو تقرير؛ فهي مصابيح الدُّجى، ومعالم الهدى، وبمنزلة البدر المنير؛ من انتقادها ووعى فقد رشد واهتدى، وأوتى الخير الكثير؛ ومن أعرض وتولى فقد غوى وهوى، وما زاد نفسه الا التخصير؛ فإنه صلى الله عليه وسلم نهى وأمر، وأنذر وبشّر، وضرب الأمثال، وذكر، وإنها لمثل القرآن أو أكثر.

فنون حدیث میں حکمت شرعیہ کا مقام و مرتبہ

ترجمہ: حمد و صلوة کے بعد، خداوند کریم کی رحمت کا محتاج بندہ احمد جو ولی اللہ کے نام سے پکارا جاتا ہے، ولد عبد الرحیم، اللہ تعالیٰ و دونوں کے ساتھ اپنے بڑے فضل کا معاملہ فرمائیں اور ان کا ٹھکانہ دائمی نعمتوں کو بنائیں کہتا ہے کہ علوم یقینیہ (دینیہ) میں قابل اعتماد اور ان کا سرور اور فنون دینیہ کا پایہ اور ان کی بنیاد علم حدیث ہی ہے، جس میں افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ اجمعین کے ارشادات، آپ کے کئے ہوئے کام اور تائیدات بیان کی جاتی ہیں۔ پس احادیث شریفہ تیار رکھی میں روشن چراغ اور ہدایت کی واضح علامات اور (تمام علوم میں) بمنزلہ چودھویں کے چاند کے ہیں۔ جس نے ان کا اتباع کیا اور انھیں محفوظ کیا اس نے رشد و ہدایت کی راہ پائی۔ اور وہ بے حساب بھلائی سے سرفراز کیا گیا۔ اور جس نے اعراض کیا اور روگردانی کی وہ گمراہ ہوا اور گھڑے میں جاگرا، اور خسران و نقصان کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ کیونکہ آنحضور ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے اور امر فرمایا ہے اور روایا ہے اور خوش خبریاں سنائی ہیں اور (مضمون جنہی کے لئے) مثالیں بیان فرمائی ہیں اور نصیحتیں کی ہیں اور ان کی مقدار قرآن کریم کے بقدر ہے یا اس سے بھی فزوں تر!

لغات:

الفقير بالغ صفت ہے العبدکی ... الى رحمة الخ متعلق ہے الفقير سے . المدعو: بلایا ہوا، پکارا ہوا مصنف قدس سرہ کا اصل نام احمد ہے اور شہرت ولی اللہ سے ہے، چونکہ ولی اللہ میں تزکیہ کا پہلو تھا جو ارشاد باری ﴿فَلَا تُسْأَلُونَ عَنْ نَفْسِكُمْ﴾ (البقرہ ۳) کے خلاف ہے اس لئے المدعو کی تعبیر اختیار فرمائی عاملہ: معاملہ کرنا . العمیم: ہر وہ چیز جو اکٹھی ہو اور کثیر ہو ... العدة: وہ چیز جس پر بھروسہ کیا جائے، جس پر تکیہ کیا جائے ماصدر الخ موصول صلیب کر ید کھ کر نا ب فاعل ہیں۔

تقریر کے معنی ہیں برقرار رکھنا، تائید کرنا اور فن حدیث میں تقریر نبوی کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے رو برو کسی مسلمان نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپؐ نے اس کو روکا تو کانٹیں یا آپؐ کے زمانہ میں کسی مسلمان نے کوئی کام کیا اور آپؐ نے باوجود علم و اطلاع کے کثیر نہیں فرمائی تو وہ تقریر نبوی کہلاتی ہے (تحفۃ الدرر ص ۴۶)

المدحی: شب تار، امرا، لودرات جس میں چاند نظر آئے نہ تارے سواد اللیل مع غیم، وان لا تری نجمًا ولا قمرًا (لسان). دجا (ان) ذخوا اللیل، رات کا تاریک ہونا۔ معالہ جمع ہے معلّم کی جس کے معنی ہیں راستہ کے نشانات وعی یعنی وغیا الشی: جمع کرنا وعی الحدیث: یاد کرنا ... الخیر الکثیر مفعول ثانی ہے اوتی کا اور اس میں تاجح ہے آیت پاک ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ، وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ کی طرف، کیونکہ حکمت کی مشہور تفسیر السنۃ ہے یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کی بھی مشہور تفسیر یہی ہے۔ غوی یغوی غیا: گمراہ ہونا ... هو ی یغوی ہو ی: اوپر سے نیچے کرنا۔

قواعد:

① "علوم شرعیہ میں سب سے بلند مرتبہ علم حدیث کا ہے" اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ سب سے بلند مرتبہ تو علم تفسیر کا ہونا چاہئے کیونکہ فن تفسیر کلام ربانی کی تہمین و تشریح ہے اور قاعدہ ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام (شاہوں کا کلام، کلام کا شاہ ہوتا ہے) پس اللہ تعالیٰ کے کلام کا مرتبہ بہر حال بلند و بالا ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فن تفسیر تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے (۱) کلام پاک (۲) تشریحات نبوی اور تفسیرات صحابہ و تابعین (۳) مفسرین کرام کی وضاحتیں۔ ان تین میں سے اول تو کوئی فن نہیں، بلکہ کلام ربانی تو تمام فنون دینیہ کا سرچشمہ ہے اور دین و شریعت کی اصل و اساس ہے، اور دوسری چیز فن حدیث میں داخل ہے۔ اب رہ گئی تیسری چیز تو وہ فن حدیث سے برتر تو کیا مساوی بھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ مفسرین کا کلام ہے اس لئے شاہ صاحبؒ کا ارشاد بجا ہے کہ علوم شرعیہ میں سب سے بلند مرتبہ فن حدیث کا ہے۔

② قدیم زمانہ سے ایک گمراہی یہ چلی آ رہی ہے کہ کچھ لوگ صرف قرآن کریم کو حجت مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول کا کام بس قرآن کو پہنچانا ہے اور قرآنی احکام ہی کی تعمیل ضروری ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز حجت نہیں حتیٰ کہ رسول کا قول و فعل بھی حجت اور واجب الاتباع نہیں۔

یہ فرقہ اپنے آپ کو ”اہل قرآن“ کہتا ہے مگر حقیقت میں یہ ”منکرین حدیث“ ہیں۔ یہ لوگ حدیث شریف کی تاریخی حیثیت کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی حیثیت کا انکار کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس گمراہ فرقہ کے وجود کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ یہ ارشاد پاک نقل کرتے ہیں:

”ہرگز میں تم میں سے کسی کو اپنے چھپر کھٹ پر لٹکائے ہوئے نہ پاؤں، جسے میرے اوامر میں سے کوئی امر پہنچے، یا نواہی میں سے کوئی نہی پہنچے، بس وہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا، ہم جو احکام قرآن میں پاتے ہیں اس کی پیروی کرتے ہیں“ (مشکوٰۃ شریف حدیث ۱۲۴ باب الاعتصام فصل ۲)

اور حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد پاک مروی ہے کہ:

أَلَا بَنِي أَوْثَبُ الْقُرْآنِ وَمِثْلَهُ مَعَهُ، أَلَا يَسُوبُكَ رَجُلٌ شُبْعَانٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ: عَلَيْكَ بِهَذَا الْقُرْآنِ، فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حِسَالٍ فَأَجْلُوهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ، وَإِنْ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۳)

سنو! میں قرآن کریم دیا گیا ہوں اور اس کے مانند اس کے ساتھ (دیا گیا ہوں) سنو! ایک عظم سیر آدمی اپنے چھپر کھٹ پر بیٹھا کہے گا کہ تم یہ قرآن مضبوط پکڑو، جو اس میں حلال ہے اس کو طلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو، حالانکہ جو چیزیں اللہ کے رسول نے حرام کی ہیں وہ بھی ویسی ہی حرام ہیں جیسی اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔

اور حضرت عمر باض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

أَيَحْسَبُ أَحَدُكُمْ مَتَكُنَّا عَلَى أَرِيكَتِهِ، يُنْظَنُ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا إِلَّا مَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ؛ أَلَا إِنِّي — وَاللَّهِ! — قَدْ أَمَرْتُ وَوَعِظْتُ، وَنَهَيْتُ عَنْ أَشْيَاءَ، إِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْآنِ أَوْ أَكْثَرُ (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۳)

کیا تم میں سے ایک شخص اپنے چھپر کھٹ پر لٹکائے گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بس وہی چیزیں حرام کی ہیں جو اس قرآن میں حرام ہیں؟ سنو! بخدا! میں نے بھی احکامات دیے ہیں، اور نصیحتیں کی ہیں اور بہت سی باتوں سے روکا ہے بیشک وہ قرآن کے بقدر ہیں یا اس سے بھی زیادہ

در اصل حجت حدیث کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو رسول کی حیثیت سے واقف نہیں اور اس کا صحیح مقام نہیں پہچانتے۔ قرآن کریم میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت صرف ایک پیغامبر اور واکا کی کی نہیں ہے بلکہ وہ طاع، متبوع، امام، ہادی، قاضی، حاکم اور حکم وغیرہ بہت سی صفات کے حامل ہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ دین کے سلسلہ

میں رسول اللہ ﷺ کا ہر امر و نہی، ہر حکم و فیصلہ اور ہر قول و عمل ناطق، واجب التسلم اور لازم ہے۔ شاہ صاحبؒ نے زیر تشریح عبارت میں حجت حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔



چار فنون حدیثؐ

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عرف عام میں فن حدیث روایت حدیث کا نام ہے، پھر فن اصول حدیث میں اس کی بہت سی انواع کی گئی ہیں۔ مگر شاہ صاحب رحمہ اللہ عرف عام سے ہٹ کر فن حدیث کی چار قسمیں کرتے ہیں: پہلی قسم: فن روایت حدیث ہے جس میں احادیث مع سند روایت کر کے ہر حدیث کا درجہ متعین کیا جاتا ہے کہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، مشہور ہے یا غریب، مُسنَد ہے یا مُرسل، مرفوع ہے یا مقوف وغیرہ، اس فن میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، تفصیل کے لئے محمد بن جعفر سبکی رحمہ اللہ (۱۲۷-۱۳۴۵ھ) کی کتاب الرسالة المستطرفة دیکھیں۔ دوسری قسم: فن غریب الحدیث ہے جس میں احادیث کے نامائوس الفاظ کے معانی اور مشتبہ کلمات کا اعراب بیان کیا جاتا ہے، اس فن کی مشہور کتابیں یہ ہیں:

- (۱) ابوعبید قاسم بن سلّام ہروی (۱۵۷-۲۴۴ھ) کی غریب الحدیث۔
 - (۲) علامہ محمود بن عمر زحّری (۳۶۷-۵۳۸ھ) کی الفائق فی غریب الحدیث۔
 - (۳) ابن الاثیر مجد الدین مبارک جزری (۵۴۳-۶۰۶ھ) کی النہایۃ فی غریب الحدیث والآخر۔
 - (۴) شیخ محمد بن طاہر خنی گجراتی (۹۸۶ھ) کی مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار۔
- تیسری قسم: فقہ السنہ ہے جس میں احادیث شریفہ سے مستنبط ہونے والے مسائل شرعیہ بیان کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی تقریباً تین سو آیات سے جو مسائل شرعیہ مستنبط ہوتے ہیں، اس فن کا نام احکام القرآن ہے اور تقریباً تین ہزار احادیث شریفہ سے جو احکام دینیہ مستنبط ہوتے ہیں، اس فن کا نام فقہ السنہ ہے اور ان دو کے علاوہ جو احکام فقہیہ قرآن و حدیث اور اجماع امت سے بذریعہ قیاس مستنبط کئے جاتے ہیں اس کا نام علم الفقہ ہے۔ بعد میں یہ قیول فن یکجا کر دیئے گئے اور اب اسی مجموعہ کا نام علم الفقہ ہے، کیونکہ بڑا حصہ اس میں تیسرے علم کا ہے۔ چوتھی قسم: علم اسرار الدین ہے، جس میں اعمال اسلامیہ اور احکام دینیہ کے رموز و اسرار بیان کئے جاتے ہیں، جسے عرف عام میں فن حکمت شرعیہ کہتے ہیں۔

۱؎ یہ عنوان اور مخنون دونوں آئندہ عبارت کا خلاصہ ہیں اسی طرح آئندہ عربی عبارت سے پہلے اس کی تشریح دی جائے گی ۱۲

پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے وقت و افادیت کے لحاظ سے مذکورہ فنون اربعہ میں ترتیب قائم فرمائی ہے کہ آسان ترین علم: فنِ روایت الحدیث ہے اور اس سے مشکل اور مفید علم: فنِ عریب الحدیث ہے اور تیسری قسم کو تو عام طور پر احادیث کا خلاصہ، نیوڑ اور مغز سمجھا جاتا ہے، مگر شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک فنون حدیثیہ میں دقیق ترین اور مفید ترین قسم: چوتھی ہے۔

اور شاہ صاحب نے اس انواع میں درجہ بندی ایک مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے فرماتے ہیں: بھل کے بالکل اوپر کے چھلکے سے متصل چھلکا، جو سب سے کم کارآمد ہوتا ہے، فنِ روایت حدیث کی مثال ہے، اور اس سے اندر کا چھلکا، جو زیادہ کارآمد ہوتا ہے، کیونکہ وہ کھایا بھی جاتا ہے: فنِ عریب الحدیث کی مثال ہے۔ اور پھل کا گود اور مغز، جو اصل مقصود ہوتا ہے۔ یہ فقہان کی مثال ہے مگر درحقیقت مغز اور موتی علم اسرار الدین ہے۔

وإن هذا العلم له طبقات، ولأصحابه فيما بينهم درجات، وله قشور إذا خُلِجَتْ لُبٌّ، وأصداف، وسطحها ذُرٌّ، وقد صنَّف العلماء — رحمهم الله — في أكثر الأبواب ما تُقتَصَص به الأوابد، وتُدَلَّل به الصُّعَابُ.

وإن أقرب القشور إلى الظاهر فنُّ معرفة الأحاديث، صحةً وضعفاً، واستفاضةً وغرابةً؛ وتصدَّى له جهابذةُ المحدثين، والحفاظ من المتقدمين.

ثم يتلوهُ: فن معاني غريبها، وضبط مُشْكِلِهَا؛ وتصدَّى له أئمةُ الفنون الأدبية، والمتقنون من علماء العربية.

ثم يتلوهُ: فن معانيه الشرعية، واستنباط الأحكام القرعية، والقياس على الحكم المنصوص في العبارة، والاستدلال بالإيماء والإشارة، ومعرفة المنسوخ والمحکم، والمرجوح والمُتَّبِع؛ وهذا بمنزلة اللب والذُر عند عامة العلماء؛ وتصدَّى له المحققون من الفقهاء.

هذا؛ وإن أدقَّ الفنون الحديثية بأسرها عندي، وأعَمَّقُهَا مَحْتَدِي، وأرفعها مَنَارًا، وأولى العلوم الشرعية عن آخرها فيما أرى، وأعلاها منزلَةً، وأعظمها مقدراً، هو علم أسرار الدین الباحث عن حُكْمِ الأحكام ولَمَيَّاتِهَا، وأسرارِ خواص الأعمال ونِكَاتِهَا.

ترجمہ: اور علم حدیث کے مختلف طبقات ہیں اور حاملین حدیث کے مختلف درجات ہیں۔ اور اس علم کے چھلکے ہیں جن کے اندر مغز ہے اور سپایاں ہیں جن کے اندر موتی ہیں اور علما کرام رحمہم اللہ نے اس کے اکثر ابواب میں تصانیف فرمائی ہیں، جن کے ذریعہ وحشی جانور شکار کئے جاسکتے ہیں اور سرکش سوار یوں کو سدھایا جاسکتا ہے۔

اور سب سے اوپر کے چھلکے سے قریب تر چھلکا احادیث کو پہچاننے کا فن ہے کہ وہ صحیح ہیں یا ضعیف، مشہور ہیں یا غریب؟

اور اس فن کی طرف تاقدرین حدیث نے اور متقدمین میں سے حفاظ حدیث نے توجہ فرمائی ہے۔

اور اس کے بعد درجہ ہے احادیث کے مشکل الفاظ کے معانی کو پہچاننے کا، اور شعبہ کلمات کی حرکات و سکنات اور اعراب کو ضبط کرنے کا اور اس فن کی طرف ائمہ فنون ادبیہ نے اور علوم عربیہ میں راسخ قدم رکھنے والے علماء نے توجہ دی ہے۔

پھر اس کے بعد درجہ ہے حدیث کے معانی شرعیہ کو پہچاننے، اور احکام فقہیہ کو مستنبط کرنے، اور عبارت انص میں مصرح حکم پر قیاس کرنے، اور انصوں کے اشارات و ایماہات (مفہوم مخالف) سے استدلال کرنے، اور محکم و منسوخ اور مرجوح و مہرم کے پہچاننے کا۔ اور اکثر علماء کے نزدیک یہ فن بمنزلہ فخر و موقی کے ہے۔ اور متقدمین فقہاء نے اس کی طرف توجہ مبذول فرمائی ہے۔

یہ بات (تو آپ نے جان لی) اور میرے نزدیک تمام فنون حدیث میں دقیق ترین اور گہری جڑیں رکھنے والا اور سب سے زیادہ بلند منارہ کے اعتبار سے، اور میری رائے میں تمام علوم شرعیہ میں سب سے برتر اور سب سے بلند درجہ اور عظیم المرتبت علم، علم امیر الدین ہی ہے جو احکام شرعیہ کی حکمتوں اور علانوں سے اور اعمال اسلامیہ کی خصوصیات کے رموز و نکات سے بحث کرتا ہے۔

لغات:

اصدا ف، صدف کی جمع ہے، سیپی کا خول، سیپی ایک قسم کی دریائی چیز ہے جس کے اندر سے موتی نکلتے ہیں ... وسط کے بارے میں یہ قاعدہ یاد رکھیں کہ جہاں لفظ وسط کی جگہ لفظ یسین رکھ سکتے ہوں تو وہ ساکن الاوسط ہوتا ہے ورنہ متحرک الاوسط (مصحح) اور ساکن الاوسط کا ترجمہ ہے درمیان اور متحرک الاوسط کا ترجمہ ہے معتدل جیسے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا ... داخلہا اور وسطہا منصوب بزعم نافض ہیں ای فی داخلہا و فی وسطہا ... اقتص الطیر: پرندہ کو شمار کرنا۔ ... الاواباد مع آبدہ کی: وحشی جانور (الوحشی الثور) آبدہ انڈا: جنگلی ہونا۔ ... الصعاب: جمع صعب: سرکش سواری۔ ... استفاض الخیر: خبر کا پھیلنا بعض حضرات کے نزدیک حدیث مشہور اور متفقہ ایک ہی ہیں اور بعض نے مستفیض میں اتنی قید زائد کی ہے کہ ہر طبقہ میں راویوں کی تعداد یکساں ہو (تحتہ الدرر ص ۱۱) نصدی لہ: درپے ہونا کسی چیز کے پیچھے پڑنا، متوجہ ہونا۔ ... جہاں بڈہ جمع جھنڈ کی: پرکھنے والا

المستقن (اسم فاعل) اتقن الامر: مضبوط کرنا۔ ... فی العبارة متعلق ہے المنصوص سے۔ ... منبرم مترادف ہے محکم کا بزم الحبل اور ابرم الحبل کے معنی ہیں رسی کو بٹنا۔ ... هذا متشکل جملہ ہے ای الامر هذا، یا مضی هذا یا علمت هذا اور یہ اما بعد کی طرح کلام کا رخ بدلنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ سورہ ص آیت ۵۵ میں اسی مقصد کے لئے هذا آیا ہے وقال ابن الاثیر: هذا فی هذا المقام من الفصل الذی هو خیر من الوصل، وہی علاقۃ وکیدۃ بین الخروج من الکلام الی کلام آخر (جملہ ص ۵۸۱)

ادق: باریک ترین اعتمیق: عمیق ترین بأسرہ اور عن آخر ہا کے معنی ہیں جمیعاً المنحد: اصل کہا جاتا ہے ہو کریم المنحد: وہ کریم الأصل ہے، منحد الطبع: شریف الطبع، يقال: رجع إلى محدہ ای إلى اصلہ، حند (س) حنذاً: شریف الأصل ہونا فہو حنذاً وہی حنذاً۔ المنار: روشنی کی جگہ، وہ امامت جو راستہ میں راہ نمائی کے لئے لگائی جائے۔ مسجد کا منارہ بھی مسجد کی علامت ہوتا ہے اس لئے وہ منارہ کہلاتا ہے۔ حکم بنت حکمہ کی لمعیات جمع لمعیۃ کی، اس میں ی نسبت کی ہے اور لم کے معنی علت کے ہیں۔

حکمت شرعیہ کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت

هو علم ینحی فیہ عن حکم الأحکام ولمعیاتہا، و اسرار خواص الأعمال ونکاتہا یعنی حکمت شرعیہ وہ فن ہے جس میں احکام شرعیہ کی حکمتوں اور علتوں سے بحث کی جاتی ہے اور اعمال اسلامیہ کی خصوصیات کے رموز و نکات کے سلسلہ میں گفتگو کی جاتی ہے۔

حکمت اور علت: میں بچہ و چوہ فرق ہے، مثلاً:

(۱) حکمت کے ساتھ حکم کا طرد و کس نہیں ہوتا اور علت کے ساتھ ہوتا ہے۔ طرد کے معنی ہیں دور کرنا طردہ من بلادہ: جلا وطن کرنا، علت باقی نہ رہنے پر حکم کو ہٹا دینا طرد کہلاتا ہے اور جب علت لوٹ آئے تو حکم کو واپس لے آنا کس کہلاتا ہے۔ مثلاً اشیاء سے کسی حدیث میں تقاضل اور تسبیح کی حرمت کی علت قدر مع جنس ہے یعنی مکملی یا موزونی چیز ہونا اور ہم جنس ہونا پس جس نطفے میں کیا تول کر بیجا جاتا ہے وہاں کیا ابغوض کیا اکم و بیش بیچارہ بوا ہے اور جہاں گن کر فروخت کیا جاتا ہے وہاں کیلا ربوی چیز نہیں۔

اور ڈاڑھی رکھنے کی حکمت اغیار سے امتیاز ہے، یعنی یہ اسلامی یونیفارم ہے۔ پس اگر اغیار بھی بالکل اسلامی طرز کی ڈاڑھی رکھ لیں تو یہ حکم ختم نہیں ہوگا، کیونکہ حکمت میں طرد و کس نہیں ہوتا۔

(۲) علت ایک ہوتی ہے، متعدد نہیں ہو سکتیں — البتہ مجتہدین میں علت کے استخراج میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر یہ علت کا تعدد نہیں — اور کثرتیں متعدد ہو سکتی ہیں۔

غرض علم اسرار الدین میں ایک تو احکام شرعیہ کی حکمتوں اور علتوں کی جستجو کی جاتی ہے، دوسرے اعمال اسلامیہ کی خصوصیات کے بارے میں گفتگو کی جاتی ہے۔ مثلاً نماز قرب الہی کا ذریعہ ہے، روزہ تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، حج محبت الہی پیدا کرتا ہے، زکوٰۃ غم خواری کا جذبہ بھارتی ہے اور خود غرضی کی بڑکائی ہے، ان اعمال اسلامیہ کی ان خصوصیات کا راز کیا ہے؟ یہ مخصوص اعمال مخصوص آثار کیوں پیدا کرتے ہیں؟ فن حکمت شرعیہ میں اس سے بحث کی جاتی ہے۔

فائدہ:

نکات جمع ہے لکن کئی جس کے معنی ہیں: مزے دار اور دلچسپ بات اور نقاطہ جمع ہے نقطہ کی جس کے معنی ہیں بنیادی بات، کسی بحث کا مرکزی مضمون۔

حکمت شرعیہ کا موضوع: ہر فن کا موضوع تعریف سے اخذ کیا جاتا ہے، جیسے علم نحو کی تعریف ہے: علم باصول یعرف بہا احوال او اخر الکلم الثلاث، من حیث الإعراب والبناء، و کیفیۃ ترکیب بعضها مع بعض (ہدایہ انجو) اس تعریف سے نحو کا موضوع کلمہ اور کلام متعین کیا گیا ہے۔ پس حکمت شرعیہ کا موضوع احکام شرعیہ اور اعمال اسلامیہ ہیں، انہی دو چیزوں کے احوال سے اس فن میں بحث کی جاتی ہے۔

بالفاظ دیگر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فن حکمت شرعیہ کا موضوع شریعت مصطفویہ ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا پورا دین، جو آج ہمارے پاس قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہے، وہی اس فن کا موضوع ہے اور اسی کے احوال سے اس فن میں بحث کی جاتی ہے۔

غرض وعایت: تمام علوم شرعیہ اور فنون دینیہ کی غرض وعایت ایک ہے یعنی سعادت و دارین حاصل کرنا۔ دنیا کی سعادت نیک نامی ہے اور آخرت کی سعادت حصول جنت اور رضاے خداوندی ہے۔ اور خصوصی غرض وعایت: دین میں بصیرت حاصل کرنا ہے۔



فن حکمت شرعیہ کے تین فائدے

آگے شاہ صاحب نے فن حکمت شرعیہ کے تین اہم فوائد بیان فرمائے ہیں۔

① یہ فن قاری کو دین و شریعت میں با بصیرت بناتا ہے، جس طرح فن عروض کا ماہر شعراء کے کلام کو، علم منطق کا ماہر حکماء کے دلائل و براہین کو، علم نحو کا ماہر فصحاء عرب کے کلام کو اور اصول فقہ کا ماہر جزئیات فقہیہ کو بصیرت کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، اسی طرح حکمت شرعیہ کا ماہر پورے دین کو عملی ویدہ بصیرت سمجھ سکتا ہے۔

② علم اسرار الدین سے واقف شخص علمی لغزشوں سے اور اندھا و ہند قیاس آرائیوں سے محفوظ رہتا ہے، وہ رات میں سوختہ چمکنے والے کی طرح نہیں ہوتا کہ بھلے برے کی تمیز نہ کر سکے، وہ نالے کے پانی میں موتیوں کی تلاش میں غوطہ لگانے والے کی طرح بھی نہیں ہوتا کہ کوڑا کرکٹ کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے اور ساری محنت رائیگاں جائے، نالے میں موتی کہاں رکھے ہیں۔ وہ رتوندی اوٹنی کی طرح ٹاسک ٹوئیاں بھی نہیں مارتا، نہ وہ اندھی اوٹنی کی پیٹھ پر سواری کرنے

والے کی طرح ہوتا ہے۔ نہ وہ اس کمپاؤنڈر کی طرح ہوتا ہے، جس نے ڈاکٹر کو دیکھا کہ وہ کسی کو سب کھانے کا مشورہ دے رہا ہے۔ پس اس نے ایسے ہی دوسرے مریش کو اندر آئے کھانے کا مشورہ دیا، کیونکہ سب اور اندر آئے ہم شکل ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ دین کے بارے میں جو بھی بات کہتا ہے پوری بصیرت کے ساتھ کہتا ہے۔

(۳) حکمت شرعیہ جاننے سے دین و شریعت کا ایتقان بڑھ جاتا ہے یعنی احکام شریعہ کی حکمتیں اور غلطیوں جانتے سے مومن کا یقین بالائے یقین ہو جاتا ہے، جیسے کسی کو خبر صادق نے بتایا کہ زہر جالستان ہے اس نے یہ بات مان لی، پھر فن طب کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ زہر میں گرمی اور خشکی غایت درجہ کی ہیں، جو انسان کے مزاج کے بالکل منافی ہیں چنانچہ اس شخص کا خبر صادق کی بات پر یقین اور پختہ ہو گیا۔

غرض مذکورہ فوائد کی وجہ سے یہ علم اس بات کا حقدار ہے کہ جس میں بھی اس فن کو حاصل کرنے کی صلاحیت ہو، وہ اپنی زندگی کے قیمتی اوقات اس علم میں نہ صرف کرے اور فرائض و واجبات اور منہجہ و احکام کے بعد اس علم کی تحصیل کو سعادت سمجھے اور اس کو اپنی آخرت کے لئے زاد راہ بنائے اور نفل عبادات پر اس علم کو ترجیح دے۔

فهو — واللہ! — احق العلوم بان يصرف فيه من اطاقه نفائس الاوقات، ويتخذہ غُذً لمعادہ، بعد ما فرض عليه من الطاعات؛ إذ:

[۱] به بصیر الإنسان علی بصیرة فيما جاء به الشرع؛ وتكون نسبتہ بتلك الأخبار كنسبة صاحب العروص بدواوين الأشعار، أو صاحب المنطق ببراهین الحکماء، أو صاحب النحو بکلام العرب العُرباء، أو صاحب أصول الفقه بفتاوی الفقهاء.

[۲] وبه یأمن من أن يكون كحاطب لیل، أو كغائص سبل، أو یخبط خطب عشواء، أو یركب من عمباء؛ كمثل رجل سمع الطیب یأمر بأكل التفاح، ففاس الحنظلۃ علیہ، لمشاکلة الأشباح.

[۳] وبه بصیر مؤمناء علی بیئہ من ربہ، بمنزلہ رجل أخبره صادق: أن السم قاتل، فصدقه فیما أخبره وبین، ثم عرف بالقرائن: أن حرارته ویوسه مفرطان، وأنهما تبانیان مزاج الإنسان، فازداد یقینا الی ما یقین.

ترجمہ پس اسرار الدین — سچ خدا! — تمام علوم میں سے اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ جو انسان اس کی طاقت (اہلیت) رکھتا ہے وہ اپنے قیمتی اوقات اس فن (کی تحصیل) میں صرف کرے، اور اس علم کو اپنی آخرت کے لئے زاد راہ بنائے، ضروری عبادات کی ادائیگی کے بعد، کیونکہ:

(۱) اس علم سے انسان شریعت کی تعلیمات میں بال بصیرت ہوتا ہے، اور احادیث سے اس کا تعلق ایسا ہو جاتا ہے

جیسا فن عروض جاننے والے کا شعراء کے دواوین سے، یا منطقی کا فلاسفہ کے دلائل و براہین سے، یا فنی کا فصحاء عرب کے کلام سے، یا اصول فقہ کے ماہر کا فقہ کی جزئیات سے۔

(۲) اور اس علم سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے رات میں لکڑیاں چننے والے کی طرح ہونے سے، یا سیلاب میں غوطہ لگانے والے کی طرح ہونے سے، یا ٹانگ ٹوٹیاں مارے وہ رتو تندی اونٹنی کی طرح، یا اندھی اونٹنی پر سواری کرے، جیسے کسی نے دیکھا کہ حکیم نے کسی کو سیب کھانے کا مشورہ دیا، پس اس نے ہم شکل ہونے کی وجہ سے اندرائن کو سیب پر قیاس کیا (اور اس نہایت کڑوی چیز کو کھانا شروع کر دیا)

(۳) اور اس علم سے انسان کا مومن اور اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوتا ہے، جیسے کسی کو کسی سچ آدمی نے بتایا کہ زہر جاں ستاں ہے، پس اس نے اس منجر صادق کی بات کی تصدیق کی، پھر قرآن و شاہد سے جانا کہ زہر میں حرارت اور یوسٹ حد درجہ ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں مزاج انسانی کے برخلاف ہیں، پس اس کا یقین بالائے یقین ہو گیا۔

حل لغات:

قوله: بعد ما فرض الخ ای بعد اداء ما فرض الخ بیان بصرف الخ أحق سے متعلق ہے اور من اطاقه فاعل ہے بصرف کا اور نفس الخ مفعول بہ ہے۔ عده: تیاری، ساز و سامان کہا جاتا ہے کونوا علی عده: تیار ہو، یہاں آخرت کے سفر کا سامان اور زاد راہ مراد ہے۔

علم العروض: وہ علم جس میں اشعار کے اوزان بیان کئے جاتے ہیں۔ العرباء: خالص عرب مراد فصحاء عرب بخط اور برکب کا عطف یکون پر ہے۔ عشواء: رتو تندی اونٹنی، شب کو، وہ اونٹنی جس کو رات میں نظر نہ آئے۔ فنن جمع متون: پیڑ۔ فن میں جو کتابیں ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتی ہیں وہ بھی متون کہلاتی ہیں۔ الحنظلة: اندرائن، ایک جنگلی پھل جو کڑوا ہونے میں ضرب المثل ہے۔ اشباح مفرد شبح و شبح: نظر آنے والی صورت۔ وبہ بصیر مؤننا الخ بصیر فعل ناقص، ضمیر مستتر اس کا ام جو انسان کی طرف راجع ہے اور مؤننا خیر اول اور علی بنہ خبر ثانی ہے۔



فن حکمت شرعیہ کی مضبوط بنیاد ہے، مگر اچھوتا فن ہے

فن حکمت شرعیہ ایک اچھوتا فن ہے۔ شاہ صاحب قدس سرہ سے پہلے کسی نے اس فن میں کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا مگر بایں ہمہ یہ فن بے اصل نہیں ہے نہ اس کی تدوین بدعت یا فراق اجماع ہے کیونکہ اس کی اصل موجود ہے احادیث نبویہ میں اس فن کی اصولی باتوں کا تذکرہ بھی آیا ہے اور فروعی باتوں کا بھی۔ نیز صحابہ کرام اور تابعین عظام نے

بھی احکام شرعیہ کی حکمتیں کبھی مفصل، کبھی جمل بیان فرمائی ہیں۔ پھر مجتہدین عالی مقام نے ہر باب میں مصالح و مصلحت کی تشریح کی ہے اور ان کے نقش قدم پر چل کر ان کے تبعین نے اس فن کے اہم نکات بیان کئے ہیں۔

مگر یہ سب مواد منتشر تھا، کسی ایک کتاب میں مجتمع نہ تھا۔ نہ کسی نے اس کو فی شکل دی تھی مگر چونکہ مواد سارا موجود تھا اس لئے اگر آج کوئی شخص اس کو مدون کرتا ہے تو وہ خرق اجماع نہیں کرتا اس کو نہ تو بدعت کہا جا سکتا ہے نہ بے بصیرتی والا اقدام، وہ حیران کن معاملہ میں کو نہ بھی نہیں، بلکہ ایک ممکن الحصول بات کی کوشش کرنا اور واضح نشانات والے راستہ کو طے کرنا ہے۔

اور اب تک یہ فن اس لئے مدون نہیں کیا گیا کہ متقدمین کو تو اس کی حاجت نہیں تھی اور متاخرین میں ہر کوئی اس کو مدون کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ جو شخص شیر پر سوار ہوا اس کے پیچھے پیٹھ کی ہمت کون کر سکتا ہے؟ اس فن کو مدون کرنا نہایت دشوار کام تھا، ہر ایک کے بس کا کام نہیں تھا۔ مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

[عِلْمُ أَسْرَارِ الدِّينِ ذُو أَصْلٍ وَأَصْلُهُ وَلَكِنَّهُ أَتَفَّ]

وهو وإن أثبت أحاديث النبي صلى الله عليه وسلم فروغ و أصوله، وبين آثار الصحابة والتابعين إجماله وتفصيله، وانتهى إمعان المجتهدين إلى تبين المصالح المريعة في كل باب من الأبواب الشرعية، وأبرز المحققون من أتباعهم نكتها جليلة، وأظهر المدققون من أشياهم جملها جزيلة، وخرج — بحمد الله — من أن يكون التكلم فيه خرقاً لإجماع الأمة، أو افتحاماً في غمبه وغممة، ولكن قل من صنف فيه، أو خاض في تأسيس مبانيه. أرتب منه الأصول والفروع، أو أنى بما يسمن أو يغنى من جوع؛ وحقق له ذلك، ومن المثل السائر في الوری: ومن الرديف وقد ركب غصنقر؟!!

ترجمہ: فن حکمت شرعیہ مضبوط بنیاد رکھتا ہے، مگر یہ اچھوتا فن ہے: اور علم اسرار الدین: اگرچہ احادیث شریفہ نے اس کے اصول و فروع واضح کر دیے ہیں اور صحابہ و تابعین کے ارشادات نے اس کے اہمال و تفصیل کو بیان کر دیا ہے اور مجتہدین کا غور و فکر ان مصالح کی وضاحت تک پہنچ گیا ہے جو ابواب شرعیہ کے ہر باب میں ملحوظ ہیں۔ اور ان کے تبعین میں محققین نے اہم نکتے ظاہر کر دیے ہیں اور ان کے پیروؤں میں سے مدققین نے اچھی خاصی مقدار منضہ شہود پر جلوہ گر کر دی ہے۔ اور یہ علم محمد اللہ اس بات سے تو نکل گیا ہے کہ اس کے سلسلہ میں گفتگو کرنا خرق اجماع ہو، یا بے بصیرتی اور حیرانی کے کام میں چھلانگ لگانا ہو۔ لیکن بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے اس علم میں تصنیف کی ہے یا اس کی بنیادیں قائم کرنے کے لئے میدان میں اترے ہیں یا اس فن کے اصول و فروع مرتب کئے ہیں یا کوئی ایسی چیز پیش کی ہے جو غرہ کرے یا کم از کم بھوک

منائے۔ اور اس فن کے لئے بھی سزاوار ہے اور مخلوق میں چلی ہوئی کہاوتوں میں سے نئے تو یا میں شیر پر سوار ہوں، تیرے یا میرے پیچھے بیٹھنے کی ہمت کون کر سکتا ہے؟

لغات:

الأُنف من الریاض: وہ سرسبز و شاداب کیاری جس کو کسی جانور نے چرانہ ہو، کاس أنف: وہ پیالہ جس سے کسی نے پیا نہ ہو۔ وھو کا مرجع علم اسرار الدین ہے حاشیہ میں جو مرجع بتایا ہے وہ صحیح نہیں۔ انتھسی السی کذا: بچھنا... محقق (اسم فاعل) مسئلہ کو دلیل سے ثابت کرنے والا، حقیق الأمر: چنتہ کرنا۔ مدقق (اسم فاعل) دلیل کو دلیل سے ثابت کرنے والا یعنی دلیل کی بھی دلیل پیش کرنے والا، دقق الشی: باریک کرنا مدقق کا مرتبہ محقق سے اوپر ہے۔ نکت جمع ہے نکتہ کی: مزے دار بات، دلچسپ بات۔ اشیاع جمع شیعہ کی: پیر و۔ جمل جمع جملہ کی ای مفدازا کما فی: جزیلہ ای کثیرہ۔ افصح الأمر: کسی معاملہ میں زبردستی گھٹنا، بے سوچے سمجھے کسی معاملہ میں داخل ہو جانا۔ عنة بصیرت کا فقدان الغنة: حیرت، یقال: هو فی غنۃ من امرہ: وہ حیرت میں ہے۔ حاض (ن) حوض الماء: پانی میں داخل ہونا أنس البیت: بنیاد رکھنا مبانی جمع ہے مبنی کی: بنیاد، حقی گو معروف و مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، حق (ض) حقیقاً علیہ کذا: واجب ہونا کہا جاتا ہے، حق لك أن تفعل کذا: اس کا کرنا آپ کے لائق ہے..... و کست کو واحد شکلم بھی پڑھ سکتے ہیں، اس صورت میں ترجمہ ہوگا "میں شیر پر سوار ہوں، تیرے پیچھے بیٹھنے کی ہمت کون کر سکتا ہے؟" اور واحد کر حاضر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا "تو شیر پر سوار ہے، تیرے پیچھے بیٹھنے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔"

دقت فن کی مزید وضاحت

آئندہ عبارت میں دقت فن کی مزید وضاحت ہے کہ یہ ایک نہایت مشکل فن ہے، ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس کو مدون کرے۔ اس فن کی تدوین کے لئے گونا گوں صلاحیتوں اور اعلیٰ قابلیت کی ضرورت ہے، جو مشکل ہی سے کسی میں جمع ہوتی ہیں۔ اس فن میں تصنیف کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں:

(۱) تمام علوم شرعیہ میں اعلیٰ درجہ کی مجتہدانہ صلاحیت۔

(۲) علم لدنی کا وافر حصہ۔

(۳) اعلیٰ درجہ کی ذہانت، رسا ذہن، تقریر و تحریر میں مہارت اور بات کہنے کا سلیقہ۔

(۴) اصول و فنون کی تنقیح کا سلیقہ اور قواعد کو مدلل کرنے کا ڈھنگ۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام صلاحیتیں صدیوں میں کسی میں جمع ہوتی ہیں، اور ایسا یگانہ روزگار ہستی سے کسی محیر العقول کا نام نہ کی

امید باندھی جاسکتی ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے توری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کیف؟ ولا تبین اسرارہ إلا لمن نمکن فی العلوم الشرعیۃ بأسرها، واستبد فی الفنون الإلهیۃ عن آخرها، ولا یصفو مشربہ إلا لمن شرح اللہ صدوہ لعلم لدنی، وملا قلبہ بسر وھی؛ وکان مع ذلك وفاد الطبیعة، سیال القریحة، حاذقا فی التقریر والتحریر، باوعا فی التوجیہ والتجہیر؛ قد عرف کیف یوصل الأصول، وتبسی علیہا الفروع، وکیف یمهد القواعد، ویاتی لها شواہد المعقول والمسموع.

ترجمہ: کیسے (ہر کس ونا کس اس فن میں گفتگو کر سکتا ہے؟) دراصل ایک اس علم کے اسرار اسی پر کھلتے ہیں جو تمام علوم شرعیہ میں قدم راسخ اور تمام فنون دیدہ میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔ اور اس علم کی گھاٹ اس شخص کے لئے تھری ہوتی ہے جس کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی کے لئے کھول دیا ہو۔ اور اسرار وہی سے اس کے قلب کو بھر دیا ہو۔ علاوہ ازیں وہ تیز ذہن، رواں طبیعت، تقریر و تحریر کا ماہر اور توجیہ و تبیین کلام میں یگانہ روزگار ہو۔ اور اچھی طرح جانتا ہو کہ اصول کس طرح بنائے جاتے ہیں اور کس طرح ان پر فروع تعمیر کی جاتی ہیں۔ اور ضوابط کیسے تیار کئے جاتے ہیں اور کس طرح ان کے لئے عقلی اور نقلی دلائل و شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

لغات:

تمکن من الامور: قادر ہونا۔ استبد بالامور: دکنٹر ہونا، قادر مطلق ہونا (مادہ ب ود)۔ صفا (ان) صفوا: صاف ہونا، گدلانہ ہونا۔ مشرب: پانی پینے کی جگہ، گھاٹ جمع مشارب ... لدنی کے آخر میں یا نسبت کی ہے، لدنی کی طرف منسوب ہے مراد: وہی علوم ہیں اور یہ محاورہ و علمناہ من لدنا علما (انکب ۶۵) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ہم نے حضرت کو اپنے پاس سے خاص طور کا علم سکھایا تھا۔ وفاد (اسم مبالغہ) بہت روشن۔ وقد (ض) وقدا: روشن ہونا۔ سیال (اسم مبالغہ) بہت بہتہ والا۔ القریحة: طبیعت۔ بارع: فائق بسر: علم یا فضیلت یا ہمتال میں غالب ہونا۔ توجیہ: بات کو قریب الغمب بنا کر پیش کرنا اور اس انداز سے پیش کرنا کہ کوئی اشکال باقی نہ رہے (تفصیل کے لئے دیکھئے العون الکبیر) جسر الکلام: عمدہ بنانا۔ افضلہ: جز والا بنانا، اصل بیان کرنا، اصول وضع کرنا یمهد الفرائض: بستر بچھنا مہمد الامور: درست و ہموار کرنا۔

تشریح:

گھاٹ کا ستھرا ہونا کنایہ ہے پسندیدہ کام سے، اگر تالاب یا ندی کا گھاٹ گدلانہ ہو تو وہاں سے صاف پانی ملے گا۔

اور جس گھاٹ کو پانی لینے والوں نے پاپینے والوں نے گدلا کر رکھا ہو وہاں سے گدلا پانی ملے گا۔ علم اسرار الدین کا گھاٹ اسی کے لئے ستھرا ہوتا ہے جس کو قدرت نے علوم وہی سے وافر حصہ عنایت فرمایا ہو، اور اس کے جسم کا رواں رواں اس علم سے سرشار ہو۔ اور وہی علوم حاصل کرنا کسی کی قدرت میں نہیں۔ قسام ازل جسے بخش دے وہی خوش نصیب ہے۔ تقریر کے معنی ہیں مافی الضمیر کو زبان سے یا قلم سے ظاہر کرنا اور تحریر کے معنی ہیں بات کو حشو و زائد سے پاک کر کے خوبصورت طریقہ پر پیش کرنا۔



تقریب تدوین حکمت شرعیہ

آگے شاہ صاحب قدس سرہ وہ امور ذکر فرماتے ہیں جو تدوین فن اور تصنیف کتاب کا باعث بنے۔ طویل عبارت کا خلاصہ چند امور ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت شاہ صاحب کو اس فن کی وافر صلاحیت عطا فرمائی تھی، پس اس کی نعمت کا شکریہ ہے کہ ان علوم کو ظاہر کیا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَأَنفُ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہئے)

(۲) ایک مکاشفہ ذکر فرمایا ہے کہ آپ ایک دن عصر کی نماز کے بعد اللہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے تھے کہ ایک آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح ظاہر ہوئی اور اس نے شاہ صاحب کو کسی چیز سے ڈھانک دیا، جیسے کوئی کپڑا اوڑھا دیا جاتا ہے اور اس مکاشفہ کے دوران ہی شاہ صاحب کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ دین کی خاص قسم کی تشریح کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) ایک الہام ذکر فرمایا ہے کہ قلم تقدیر نے شاہ صاحب کے لئے یہ بات لکھ دی ہے کہ آپ اپنی حیات میں کسی وقت کوئی ایسا کارنامہ ضرور انجام دیں گے کہ اس کے ذریعہ اللہ کی زمین نور حق سے منور ہو جائے اور دور آخر میں دین پر شابھ چھا جائے اور شریعت مصطفویٰ استدلال کے پیکر میں رونما ہو۔

(۴) ایک خواب ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حسنین رضی اللہ عنہما نے شاہ صاحب کو ایک قلم یہ کہہ کر عنایت فرمایا کہ: ”یہ ہمارے نانا جان کا قلم ہے“ اس خواب کی تعبیر واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے دین کی کوئی قلمی خدمت لیں گے۔

(۵) بار بار دل میں یہ خیال انگڑائیاں لیتا تھا کہ علم اسرار الدین میں کوئی ایسی کتاب لکھنی چاہئے جو خاص و عام کیلئے مفید ہو، مگر کچھ اندیشے مانع بنتے تھے، قلت بضاعت کا خیال اور معاونین کی کمی ارادہ کو تکمیل کا جامع پہنچانے میں سد راہ بنتی تھی۔

(۶) آپ کے ماموں زاد بھائی اور تلمیذ رشید شیخ محمد عاشق بھلقی رحمہ اللہ میں اس فن کو حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور

۷۰۔ قابلِ استاذ کی تلاش میں نکلے اور ناکام ہو کر اور تھک بار کر شاہ صاحب پر انکی نظر پڑ گئی۔ انھوں نے بے حد اصرار کیا کہ شاہ صاحب اس فن میں کتاب لکھیں، کیونکہ عاشق کی نظر میں شاہ صاحب کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جو یہ کارنامہ انجام دے سکے۔

(۷) مولانا محمد عاشق صاحب نے شاہ صاحب کو حدیث الحام یا دولائی، وہ حدیث شریف یہ ہے:

مَنْ سَمِعَ عَنْ عِلْمٍ عَلَيْهِ ثُمَّ جَسَّ عَنْهُ لَمْ يَكُنْ يَكُونُ لَهُ حَقٌّ فِيهِ
 كَتَمَهُ، أَلْجَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ
 مَنْ نَارٍ (مشکوٰۃ ج ۲۲۳)

جس شخص سے کسی ایسے علم کے بارے میں دریافت کیا گیا جسے وہ جانتا تھا پھر اس نے اس کو چھپایا تو وہ بروز قیامت آگ کی لگام دیا جائیگا۔

(۸) مذکورہ حدیث شریف سننے کے بعد شاہ صاحب مجبور ہو گئے۔ آپ کے پاس کوئی بہانہ اور رد فرما باقی نہ رہی تو استخارہ مسنونہ کر کے کام کا آغاز کر دیا۔

[أسباب تصنيف الكتاب وتدوين الفن]

وإن من أعظم نعم الله عليّ: أن آتاني منه حظًا، وجعل لي منه نصيبًا؛ وما أنفك أعتز بتقصيري وأبوء، وما أبرئ نفسي، إن النفس لأمارة بالسوء!

وبينا أنا جالس ذات يوم بعد صلاة العصر متوجهاً إلى الله، إذ ظهرت روح النبي صلى الله عليه وسلم، وعشيتني من فوقني بشئ خيل إلي أنه ثوب ألقى عليّ، ونفث في روعي في تلك الحالة: أنه إشارة إلى نوع بيان للدين؛ ووجدت عند ذلك في صدري نورًا، لم يزل بنفسج كل حين.

ثم ألهمني ربي بعد زمان: أن مما كتبه عليّ بالفلم العليّ: أن أنتهض يومًا لهذا الأمر الخليّ؛ وأنه أشرفت الأرض بنور ربها، وانعكست الأضواء عند مغربها؛ وأن الشريعة المصطفوية أشرقت في هذا الزمان. عليّ أن تبرز في قميص سابعة من البرهان.

ثم رأيت الإمامين الحسن والحسين في منام — رضى الله عنهما — وأنا يومئذ بمكة، كأنهما أعطاني قلمًا، وقالوا: هذا قلم جدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ولطالما أحدثت نفسي: أن آذون فيه رسالة، تكون بصرة للمبدي، ونذكرة للمنتهي، يستوى فيه الحاضر والباد، ويتجاوز المجلس والناد؛ ثم يعوقني أني لا أجد عندي ولذتي، ولا أرى من خلفي وبين يدي، من أراجع في المشتبهات: من العلماء المنصفين النقات، وبطنني فصور باع في العلوم المنقولة مما كان عليه الفروع المقبولة، ويُفلسني أني في زمان الجهل والعصية واتباع الهوى، وإعجاب كل امرئ بآرائه الرديّة، وأن المعاصرة أصل المنافرة، وأن

من صَنَّفَ فقد اسْتَهْدَفَ.

فیما أنا فی ذلك، أقدم رجلا أو آخر أخرى، وأجرى شوطاً ثم أرجع فقهري، اذ تفتن أجل إخواني لدي، وأكرم خلأني علي: محمد المعروف بالعاشق، لازال محفوظاً من كل طارق وغاسق، بمنزلة هذا العلم وفضائله، وألهم أن السعادة لا تيم إلا بتتبع دقائقه وجلالته، وعرف: أنه لا يتيسر له الوصول إليه إلا بعد مجاهدة الشكوك والشبهات، ومكابدة الاختلاف والمناقضات؛ ولا يستتب له الخوض إلا بسعي رجل، يكون أول من قرع الباب، وكلما دعا لباه الأوابد الصعاب؛ فطاف ما قدر عليه من البلاد، وبحث من توسم فيه الخير من العباد، وتفتحص سينهم وشينهم، وسبر غنهم وسمينهم، فلم يجد من يتكلم منه بنافعة، أو يأنى منه بجذوة ساطعة.

فلما رأى ذلك ألح علي وززاني، ولبيني وأمسكني، وصار كلما اعتذرت ذكرني حديث الإلجام، فافحمني أشد الإفحام، حتى أغيت بي المذاهب، وسألت بمعاذيري المشاعب، وأبقت أنها إحدى الكبائر، وأنها لما كنت ألهمت صورة من الصور، وأنه قد سبق علي الكتاب، وأنه أمر قد توجه من كل باب.

فتوجهت إلى الله واستخرته، ورغبت إليه واستعنته، وخرجت من الحول والقوة بالكلية، وصرت كالملت في يد العسل في حركاته القسرية، وشرعت فيما نذبتني إليه، وعطفتني عليه، وتضرعت إلى الله: أن يصرف قلبي من الملامى، وأن يريني حقائق الأشياء كما هي، ويسد جناي، ويفصح لساني، ويفصيني فيما افتحمه من المقال، ويوفقي لصدق اللهاجة في كل حال، ويعينني في إبراز ما يختلج في صدري، ويعالجه فكري، إنه قريب مجيب.

ترجمہ: اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس فن میں سے کچھ حصہ یا بڑا حصہ عطا فرمایا اور میرے لئے اس علم میں سے کچھ حصہ یا بڑا حصہ گردانا، اور میں ہمیشہ اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں اور اپنے نفس کو پاک نہیں گردانتا کیونکہ نفس برائیوں کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے۔ (باقی ترجمہ آگے آرہا ہے)

لغات:

نعم جمع ہے نعمت کی..... منہ کی ضمیر کا مرجع علم اسرار الدین ہے..... حظاً اور نصیباً کی تثنیہیں تَقْلِيل کے لئے بھی ہو سکتی ہیں اور تعظیم کے لئے بھی..... بَاء (ن) بَوءُ بالحق أو بالذنب: اقرار کرنا۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو فن حکمت شریعہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا جس پر ان کی یہ کتاب شاہِ عدل ہے مگر اس کا اظہار بڑا بول تھا اس لئے وما انفک الخ سے استدراک کیا ہے کہ میں اپنی کوتاہی اور بیچ مدافعی کا ہمیشہ ہی اقرار کرتا رہا ہوں یعنی مذکورہ بات فخر اور بڑائی کے طور پر میں نے نہیں کہی، بلکہ ضرورت کی وجہ سے کہنی پڑی ہے، پھر فرمایا کہ ہاں اس معذرت خواہی میں بھی نفس کی شرارت ہو سکتی ہے، کیونکہ اس کا تو کام ہی برائیوں پر اکسانا ہے۔

باقی ترجمہ: اور دریں اثنا کہ میں ایک روز عصر کی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا تھا: یکا یک آنحضرت ﷺ کی روح (پرفوج) ظاہر ہوئی اور اس روح نے مجھے اوپر سے اس طرح کسی چیز سے ڈھانک لیا جیسے کوئی کپڑا مجھ پر ڈال دیا گیا ہو۔ اور اسی حالت میں میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ دین کی خاص قسم کی توضیح و تشریح کی طرف اشارہ ہے۔ اور میں نے اس وقت اپنے سینہ میں ایک نور محسوس کیا جو برابر ہر آن بڑھتا گیا (یعنی اس مکاشفہ کے بعد جوں جوں وقت گذرتا گیا وہ نور دل میں برابر بڑھتا رہا، مانند نہیں پڑا)

لغات:

عَشِیْتُ کا فاعل ضمیر مؤنث ہے جو روح کی طرف راجع ہے اور لفظ دوح مذکر مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے
خِیْلَ الیہ: تو ہم ہونا کہ ایسا ہے... الوُوع: دل کا سیاہ نقطہ، اندرون قلب الفسح المکائن: کشادہ ہونا۔ انفسح صدرہ: کشادہ دل ہونا۔

باقی ترجمہ: پھر کچھ عرصہ بعد میرے پروردگار نے مجھے الہام فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو باتیں قلم بالا کے ذریعہ میرے ذمہ لکھ چکے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں کسی نہ کسی دن اس اہم کام کے لئے اٹھوں گا اور یہ کہ زمین اپنے پروردگار کے نور سے منور ہو جائے گی اور روشنیاں بوقت غروب پلٹ جائیں گی، اور یہ کہ شریعت مصطفویٰ اس زمانہ میں چمک جائے گی اس طرح کہ وہ استدلال کے کامل لباس میں ظاہر ہوگی۔

لغات:

الْعَلِیُّ: بلند، اعلیٰ، شریف جمع عَلِیُّونَ اور عَلِیَّةٌ کہا جاتا ہے ہم عَلِیَّةُ الْقَوْمِ: وہ قوم کے سردار اور اشراف ہیں... انھض انتھاضاً: کھڑا ہونا، اٹھنا... الْحَلِیُّ: واضح، روشن... اُشرق اِشراقاً: چمکانا، روشن ہونا... انعکس انعکاساً: پلٹ جانا... معر مہما کی ضمیر شمس کی طرف عائد ہے... ہرز ہرزاً: ظاہر ہونا۔

تشریح:

بارہویں صدی ہجری میں زمانہ کروٹ لے رہا تھا، عقلیت پسندی کا دور شروع ہو رہا تھا۔ اس لئے ضروری ہو گیا تھا کہ

دین اسلام کو زمانہ کے تقاضوں کے مطابق پیش کیا جائے اس وقت شاہ صاحب قدس سرہ کو یہ بات الہام کی گئی کہ اب زمین اللہ کے نور سے روشن ہونے والی ہے، دین کا بول بالا ہونے والا ہے۔ شریعت محمدؐ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نبی شان سے جلوہ گر ہوگی، مسائل شرعیہ دلائل دہرین کا کل لباس پہن کر لوگوں کے سامنے آئیں گے اور جس طرح سورج کے غروب ہونے کے بعد روشنی تیز ہو جاتی ہے اسی طرح اس آخری دور میں بھی اسلام نبی شان سے ابھرے گا اور قلم تقدیر یہ بات لکھ چکی ہے کہ یہ کام بہر حال شاہ صاحب قدس سرہ سے لیا جائے گا۔ اسی الہام کی تعبیر یہ کتاب حجتہ اللہ الباقیہ ہے۔

باقی ترجمہ: پھر میں نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا۔ اور یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جب میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا۔ گویا ان دونوں حضرات نے مجھے کوئی قلم عطا فرمایا اور ان دونوں نے فرمایا: ”یہ ہمارے نانا جان حضرت رسول خدا ﷺ کا قلم ہے“

تنبیہ: حضرات حسین رضی اللہ عنہما کے اسمائے گرامی کے ساتھ لفظ ”امام“ کا استعمال حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خطبات جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں بھی فرمایا ہے جبکہ ان کی امامت کا عقیدہ شیعوں کا ہے اور یہ غدر کہ شاید لغوی معنی میں استعمال کیا ہوا اس لئے درست نہیں کہ خلفائے راشدین کے ناموں کے ساتھ یہ لفظ استعمال نہیں فرمایا جبکہ وہ زیادہ حقدار تھے۔ اسی طرح بہت سے مصنفین کے قلم سے ان بزرگوں کے نام کے ساتھ ”علیہ السلام“ نکل جاتا ہے جو اہل اللہ کے نزدیک کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ بارہ اماموں کی نبوت اور عصمت کا عقیدہ شیعوں کا ہے۔

ریاض سے غیر مقلدین کے اہتمام سے بخاری شریف کا جو نسخہ دارالسلام نے طبع کیا ہے اس میں ص ۶۳ پر باب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کے ساتھ علیہا السلام لکھ دیا ہے جو قطعاً خطا ہے اور بخاری کے ہندی نسخہ میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

اسی طرح ابوداؤد و شریف کا جو نسخہ شیخ محمد محی الدین عبدالحمید کی مراجعت اور ضبط و تعلیق سے شائع ہوا ہے اس میں جلد ۳ صفحہ ۳ کتاب الطب کے دوسرے باب میں حدیث شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام طبع ہوا ہے جبکہ ابوداؤد کے ہندی نسخہ میں یہ لفظ نہیں۔

غرض اس قسم کی چیزیں یا تو الحاقی ہوتی ہیں یا شعبی اثرات کا نتیجہ ہوتی ہیں، یا نیت محبت میں بے خبری میں ایسی باتیں قلم سے نکل جاتی ہیں، اس لئے اس معاملہ میں احتیاط ضروری ہے۔

باقی ترجمہ: اور میں عرصہ دراز سے سوچتا تھا کہ اس فن میں کوئی ایسا رسالہ لکھوں جو مبتدیوں کے لئے راہ نما، اور کالمین کے لئے یادداشت ہو جس سے شہری اور دیہاتی یکساں طور پر مستفید ہوں اور اہل مجالس و محافل اس کو دست پہ دست پس پھر مجھے یہ چیز روکنی تھی کہ میں اپنے پاس اور اپنے قریب نہیں پاتا تھا، اور اپنے پیچھے اور اپنے سامنے نہیں دیکھتا تھا ایسے انصاف پسند ثقہ علماء کو جن کی طرف میں اچھے ہوئے مسائل میں رجوع کروں اور قرون مقبولہ کے لوگوں کو علوم

تقلید میں جس قسم کی دسترس حاصل تھی اس کی اپنے اندر کی بھی مجھے باز رکھتی تھی اور یہ باتیں بھی مجھے بہت زیادہ بہت کر تھیں کہ میں جہالت، عنصیت، اتباع ہوئی اور ہر شخص کے اپنی غی رائے پر اترنے کے زمانہ میں پیدا ہوا ہوں اور یہ کہ معصری باہمی نفرت کی جڑ ہے اور یہ کہ جو تعینف کرتا ہے وہ نشانہ بنایا جاتا ہے۔

لغات:

تبصرة: آنکھیں کھولنے والا، راہ نما۔ مستدی کم سواد ہے استعداد۔ تذكرة یادداشت، نوٹ بک۔ منہی: کامل، مابرفن۔ فیہ کی ضمیر رسالہ کی طرف لٹتی ہے بتاویل کتاب..... الباد کے آخر سے یا محذوف ہے البادی: دیہاتی۔ الناد کے آخر سے بھی یا محذوف ہے البادی: انجمن..... نعاور یتعاور القوم الشی: دوست بدست لینا۔ عاقہ: روکنا، باز رکھنا..... قبطہ (ان) لقطاعن الامر: روکنا، باز رکھنا۔ باع: باہ، دونوں باتوں کو پھیلانے کی مقدار۔ باقی ترجمہ: پس دریں اشاکہ میں انہی حالات میں تھا، ایک قدم بڑھاتا تھا تو دوسرا پیچھے ہٹاتا تھا، اور ایک پھر لگاتا تھا تو پھر اگلے پاؤں لوٹ آتا تھا (یعنی شش و پنج میں مبتلا تھا) کہ اچانک میرے عظیم المرتبت بھائی اور مخلص دوست محمد نے جو عاشق کے نام سے مشہور ہیں، ہمیشہ وہ آفات ناگہانی سے محفوظ رہیں، اس علم کے مرتبہ اور فضائل کو بھانپ لیا اور وہ یہ الہام کئے گئے کہ سعادت (نیک بختی) اس علم کی مشکل باتوں اور اہم پہلوؤں کا متبع کرنے ہی سے پایہ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے اور ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ شکوک و شبہات سے نکلے کر ہی اور اختلاف و تناقضات کی خفیاں چھیل کر ہی اس علم تک رسائی ممکن ہے اور وہ ایک ایسے شخص کے تعاون ہی سے اس فن میں صحیح طریقہ پر داخل ہو سکتے ہیں جس نے سب سے پہلے اس فن کا دروازہ کھٹکھٹایا ہو، اور (وہ اس شان کا آدمی ہو کہ) جب بھی وہ (مضامین کو) پکارتے تو تمام سرکش وحشی جانور لبیک کہیں، چنانچہ وہ حسب مقتدرت شہروں میں گھومے اور ان لوگوں کو جانچا جن میں خیر کے آثار محسوس کئے اور انکے بھلے برے کی تفتیش کی اور ان کے بے بلہ مولے کو آڑ مایا تو ان کو کوئی بھی ایسا آدمی نہ ملا جو اس فن میں کوئی کارآمد بات کہتا ہو یا اس فن میں کوئی بھڑکتا ہوا شعلہ سامنے لاتا ہو۔

لغات:

خلان جمع خلیل: خالص دوست۔ طارق: رات میں آنے والا، جمع طروق مراد رات میں آنے والا دشمن۔ غاسق رات جبکہ تاریکی بڑھ جائے..... دقائق مفرد دقیقه مذکر دقیق: مشکل معاملہ..... جلالنل مفرد جلیلة مذکر جلیل: بڑا معاملہ..... کساید الامر: مشقتیں برداشت کرنا..... استنب الامر: درست کرنا..... لبی ثلبیہ: جواب دینا لبیک کہنا..... نوسم الشی: فراست سے معلوم کرنا، پہچاننا، علامت طلب کرنا..... تفحص عنه: کھود کر یہ کرنا..... نافعة: کارآمد بات۔

تشریح:

یہ جو فرمایا کہ شکوک و شبہات سے کمر لے کر ہی اور اختلاف و تناقضات کی سختیاں چھیل کر ہی اس علم تک رسائی ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمت شرعیہ کی گہرائیوں میں وہی شخص پہنچتا ہے جو شکوک و شبہات کی دلدل سے گذرتا ہے یعنی جسے طرح طرح کے اشکالات پیش آتے ہیں اور جسے نصوص میں تعارض و تناقض نظر آتا ہے وہی منزل مقصود تک پہنچتا ہے بشرطیکہ فہم سلیم ہو اور حکمت شرعیہ کو سمجھنے کی صلاحیت اور استعداد رکھتا ہو اور اسے کوئی صحیح راہ نما بھی مل جائے، ورنہ وہ دلدل ہی میں پھنس کر رہ جائے گا۔

باقی ترجمہ: جس جب میرے بھائی نے یہ صورت حال دیکھی تو مجھ سے اصرار کیا اور مجھے پکڑ لیا، اور میرا گریبان پکڑ کر کھینچا اور مجھے تمام لیا اور جب بھی میں معذرت کرتا تو وہ مجھے لگام دینے کی حدیث یاد دلاتا۔ پس اس نے مجھے دلیل سے پوری طرح خاموش کر دیا، یہاں تک کہ میرے لئے تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ اور میرے تمام بہانے پر نالے بہا لے گئے۔ اور میں نے یقین کر لیا کہ وہ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے (یعنی آئی بھاری آفت!) اور یہ کہ وہ مجھے پہلے جو لہام کیا گیا تھا اس کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے اور یہ کہ تقدیر الہی میں میرے لئے یہ چیز مقدر ہو چکی ہے اور یہ کہ وہ ایک ایسی بات ہے جس نے ہر چار جانب سے مجھے گھیر لیا ہے۔

لغات:

رُذَاةُ يَوْمِ رُذَاةٍ: جس قدر بھلائی حاصل کر سکتا ہو کر لینا ہی اصاب منہ خیراً مَّا كَانَ (لسان)۔ لُبَّ فُلَانٍ: گریبان پکڑ کر کھینچنا۔ اَفْهَمَهُ: دلیل دیکر خاموش کر دینا۔ اَعْمَى المَاشِي: چلنے والے کا ٹھکانا۔ مَذَاهِبُ جَمْع مَذْهَبٍ کی بمعنی راہ۔ مَعَاذِ جَمْعِ مَعْدَاةٍ کی بمعنی عذر، بہانہ۔ مَتَاعِبُ جَمْعِ مَتْعَبٍ کی بمعنی پر نالہ۔

باقی ترجمہ: جس میں اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کی (استحارہ کیا) اور میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کی اور ان سے مدد طلب کی۔ اور میں طاقت و قوت سے پوری طرح نکل گیا۔ اور نہلانے والے کے ہاتھ میں لاش کی طرح ہو گیا، لاش کی غیر اختیاری حرکات میں، اور میں نے وہ کام شروع کیا جس کی اس (بھائی) نے مجھے دعوت دی، اور جس کی طرف میری توجہ موڑی۔ اور میں نے بارگاہ خداوندی میں گڑا گڑا کر دعا کی کہ وہ میرے دل کو لبو و لعب سے پھیر دے اور اشیاء کی حقیقتیں جیسی وہ ہیں مجھ پر واضح کر دے اور میرے دل کو درست رکھے۔ اور میری زبان کو گویا کرے اور جس کام کو میں شروع کر رہا ہوں اس میں مجھے لغزشوں سے بچائے۔ اور مجھے ہر حال میں سچی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان باتوں کو ظاہر کرنے میں میری مدد فرمائے جو میرے سینہ میں کھلتی ہیں اور جن کی میرا سوچ چارہ سازی کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ قریب ہیں اور دعا میں قبول فرمائے والے ہیں۔

لغت : عالجهء معالجه: تدبیر کرنا، چارہ سازی کرنا، علاج معالجہ کرنا۔

تشریحات :

(۱) لاش کی غیر اختیاری حرکات میں یعنی جس طرح نہلانے والے چاہتے ہیں لاش کو اٹھتے پلٹتے ہیں لاش کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا اسی طرح میں دست قدرت کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا کہ وہ جو چاہا میں مجھ سے کام لیں۔

(۲) ابو وعب سے پھیر دے یعنی اوقات ضائع کرنے سے میری حفاظت فرمائے کیونکہ انسان زندگی کا بہت بڑا حصہ بے خبری میں ضائع کر دیتا ہے جس شخص نے وقت کی قدر پہچان لی وہ ضرور کوئی اہم کارنامہ انجام دے گا اور جس کی زندگی کی گھڑیاں یونہی براہ ہوتی رہیں وہ غرور و فخر کا بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

(۳) کماھی (جھکی کہ وہ ہیں) یعنی انسان بہت سی مرتبہ چیزوں کی حقیقتیں صحیح طور پر نہیں سمجھتا، وہ غلط فہمی کا شکار رہتا ہے، ایک چیز ہوتی کچھ ہے اور وہ اس کو سمجھتا کچھ ہے۔ قَالَ: اِنَّهُ ضَلَّ مِنْ فَوَازٍ (المنزل) والے واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اسی حقیقت سے آشنا کیا تھا چنانچہ وہ فوراً مظاہر پرستی سے دست بردار ہو کر اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی اور اپنی سابقہ غفلت والی زندگی پر پشیمان ہوئی۔ غرض حقائق کا واشگاف ہونا بہت بڑا علم ہے۔

(۴) گویا کرے یعنی طاقت گفتار دے، میں جو بات سمجھانا چاہوں اس کو دلنشین طریقہ پر سمجھا سکوں۔

(۵) میرے سینہ میں کھلتی ہیں یعنی جو میرے خدا داد علوم ہیں۔

(۶) جن کی میرا سوچ چارہ سازی کرتا ہے یعنی جو باتیں میں نے غور و فکر سے سمجھی ہیں۔



کتاب کا انداز

آگے شاہ صاحب قدس سرہ خاکساری سے فرماتے ہیں کہ میں زور بیان سے محروم ہوں، مقابلہ کے میدان میں سابق غایات ہونے کی مجھ سے امید نہ رکھی جاتے۔ میرے پاس مہاد بھی کچھ نہیں۔ اور خوالوں کی بھر مار بھی میرے بس کی بات نہیں کیونکہ آپ کا دل تصوف کے مشاغل میں اس درجہ مہمک تھا کہ کتابوں کی بہت زیادہ ورق گردانی کرنے کی آپ کو فرصت نہ تھی۔

نیز فرماتے ہیں کہ اساتذہ سنی ہوئی ساری باتیں یاد کرنا، پھر ان کو بیان کر کے لوگوں کا دل لہانا میرے بس کی بات نہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک یہ چیز ایک طرح کی بناوٹ اور ناپسندیدہ بات تھی اس لئے اس قسم کی باتوں کی بھی قارئین

شاہ صاحب سے امید نہ رکھیں۔

شاہ صاحب کی کتاب میں جو کچھ ہے وہ ان کا اپنا ذاتی سرمایہ ہے۔ انھوں نے اپنے ہی علوم کو اکٹھا کر کے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ نیز وہ علوم نہ مطالعہ کے مرہون منت ہیں نہ اکابر سے سنے ہوئے ہیں، بلکہ وہ آپ کے وارداتِ قلبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر کھولا ہے اور آپ کے نصیب میں رکھا ہے اسی کو امت کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اور آخر میں قارئین کرام سے معذرت کی ہے کہ میں تو اپنے روکے ہوئے کو غنیمت سمجھنے والا ہوں اگر آپ بھی اس پیکے دسترخوان پر قناعت کرنا چاہیں تو حَبْلُ الْمَوْفَاقِ! اور اگر آپ مزے دار دسترخوان کے خواہاں ہیں اور کوئی بڑھیا کتاب کے مستلاشی ہیں تو آپ خود مختار ہیں جو چاہیں سو کریں۔

[منہج الكتاب]

وَقَدَّمْتُ إِلَيْهِ أَلْفَ سَكِينٍ نَادَى الْبَيَانِ، ضَالَعُ حَلْبَةِ الرُّهَانِ، وَأَنَّى مَتَعُوقٌ مِرْمَاةٍ، وَذُو بَضَاعَةٍ مُرْجَاةٍ، وَأَنَّهُ لَا يَتَأَنَّى مَنَى الْإِمْعَانِ فِي تَصَفُّحِ الْأَوْرَاقِ، لَشُغْلِ قَلْبِي بِمَا لَيْسَ لَهُ فَوَاقٍ، وَلَا يَبْسُرُ لِي الْفَاضِي فِي حِفْظِ الْمَسْمُوعَاتِ، لَا تَشَدُّقٌ بِهَا عِنْدَ كُلِّ جَاءٍ وَآتٍ، وَإِنَّمَا أَنَا الْمُتَفَرِّدُ بِنَفْسِهِ، الْمُسْتَجْتَمِعُ لِرَفْسِهِ، الَّذِي هُوَ ابْنُ وَقْتِهِ، وَتَلْمِيزُ بَيْخَتِهِ، وَأَسِيرُ وَارِدِهِ، وَمَغْتَمٌ بِأَرْدِهِ، فَمَنْ سَرَّهُ أَنْ يَفْنَعَ بِهَذَا فَلْيَقْنَعْ، وَمَنْ أَحَبَّ غَيْرَ ذَلِكَ فَأَمْرُهُ بِيَدِهِ، مَا شَاءَ فَلْيُضْمَعْ!

ترجمہ: کتاب کا انداز اور میں نے ان کو (محمد عاشق بھٹلی صاحب کو) پہلے یہ بات بتادی کہ میں محفل بیان کا خاموش آدمی (گوٹکا) ہوں۔ ریس کے گھوڑوں میں لنگڑا گھوڑا ہوں اور یہ کہ میں کھریہ سے گوشت کھریج کر کھانے والا ہوں اور روی پونجی والا ہوں اور یہ کہ میرے لئے کتابوں کی بہت زیادہ ورق گردانی کرنا آسان نہیں کیونکہ میرا دل ایک ایسے امر میں مشغول ہے جس سے مجھے ذرا فرصت نہیں اور میرے لئے اساتذہ سے سنی ہوئی باتوں کو یاد رکھنے میں آخری حد تک جانا بھی آسان نہیں تاکہ میں اس کے ذریعہ ہر آنے جانے والے کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں کروں۔ اور میں تو اپنی ذات کے ساتھ تنہا ہوں والا ہوں، اپنی ہی قبر کی مٹی کو جمع کرنے والا ہوں۔ میں تو اپنے وقت کا بندہ اور اپنے نصیب کا شاگرد ہوں اور اپنی واردات کا پابند اور اپنی ٹھنڈی روٹی کو غنیمت سمجھنے والا ہوں۔ پس جو شخص خوش ہو کہ میری اس ناقص پونجی پر قناعت کرے تو کرے، اور جسے اس کے سوا پسند ہو تو اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے، پس وہ جو چاہے سو کرے!

لغات:

قَدَّمْتُ إِلَيْهِ: اس کی طرف آگے کیا یعنی اس کو پہلے بتادیا..... بَسْكِينٌ (اسم مبالغہ) بہت چپ رہنے والا، خاموش آدمی..... ضَالَعٌ (صفت) ضلع (ف) ضَلَعًا الشَّيْءُ: نیزھا ہوجانا..... الْحَلْبَةُ: گھوڑے جو دوڑانے کے لئے جمع

کے جائیں جمع حَبَنَات، حَلَاب۔ واھنہ وھانا علی العبل: گھوڑے دوڑانے کے لئے شرط لگانا۔ مُتَعَرِّق (اسم فاعل) ہڈی پر سے دانوں کے ذریعہ گوشت نوق کرکھانے والا..... مَرْمَۃً: کھر..... بِضَاعۃً: سرمایہ، پونجی۔ مُزْجَافۃً: جھوڑی چیز، روی چیز نہ کر مَزْجَی تاتقی الامر: آسان ہونا۔ اَمْعَنَ فِی الطَّلَب: ڈھونڈنے میں بہت مبالغہ کرنا۔ تَصَفَّحَ الشَّیْءَ: دیر تک دیکھنا۔ فَوَاقِ: اُنٹنی کو دوسرے دوہنے کے درمیان کا وقفہ، بہت قبل۔ وَقْدَ تَسَاھِی: انتہا کو پہنچنا۔ تَطْلُقُ: یہ تکلف فصاحت ظاہر کرنے کے لئے پانچیں کھولنا۔ تَفَرَّدَ بِالْأَمْرِ: بغیر نظیر کے تبا ہونا، تنہا کام کرنا۔ مُنْتَحَمٌ: جمع کرنے والا، اکٹھا کرنے والا۔ دُمَس: قبر کی مٹی..... بَعَثَ: نصیب۔ فَاَرِی کلمہ ہے اس کے لئے فصیح لفظ حظ ہے۔ مُعْتَمِدٌ: غنیمت سمجھنے والا۔

نوٹ: ذوبضاعۃ مزجافۃ اصل میں یعنی مطبوعہ مندرجہ بریلی میں اور کراچی کے مخطوط میں ہے مطبوعہ مصر میں یہ جملہ چھوٹ گیا ہے۔



کتاب کی وجہ تسمیہ

اس کتاب کا نام شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ (کامل برہان الہی) لکھا ہے۔ یہ نام سورۃ الانعام آیت ۱۲۹ سے ماخوذ ہے اس لئے وجہ تسمیہ سمجھنے کے لئے پہلے آیات ۱۲۸ و ۱۲۹ کی تفسیر سمجھنی ضروری ہے۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا: لَوْلَئِنَّ اللَّهَ مَا أَشْرَحْنَا وَلَا آتَاوُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِن شَيْءٍ﴾ یعنی جو کچھ ہو رہا ہے مشیت ایزدی سے ہو رہا ہے ان کی مرضی کے خلاف یہ بھی نہیں بل سکتا۔ ہمارا اور ہمارے اسلاف کا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور سائبہ، بحیرہ وغیرہ جانوروں کو حرام ٹھہرانا سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے، پس رسول کا یہ مطالبہ کہ ہم شرک چھوڑ دیں اور جانوروں کی تحریم سے توبہ کر لیں کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ہم ایسا کرنے پر قادر نہیں مرضی معمولی کے خلاف ہم کوئی راہ کیونکر پاسکتے ہیں؟

کفار کی یہ رائے یہاں تک بڑھی کہ خود مسئلہ رسالت یعنی اللہ تعالیٰ کو رسولوں کو مبعوث فرمانا اور تکالیف شرعی یعنی لوگوں کو احکام کا مکلف بنانا اور مجازات یعنی ایچھے برے اعمال پر جزاء و سزا دینا اور اللہ تعالیٰ کا شریعتوں کو نازل فرمانا اور احکام خداوندی میں غصعتوں اور حکمتوں کا مضمحل ہونا، یہ سب کفار کے خیال میں خام خیالی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، ان کے خیال میں جو کچھ ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا تھا اور بندے جو کچھ کر رہے ہیں اس کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرنے پر قادر نہیں۔

اللہ پاک جواباً ارشاد فرماتے ہیں ﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا﴾ یعنی رسولوں کی تکذیب آج کوئی نئی بات نہیں گزشتہ کفار نے بھی اسی طرح تکذیب کی تھی مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ مذاب خداوندی کا کواڑ ان پر برسنا اور وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے ہیں آج کے کمذبین گزشتہ لوگوں کے انجام سے سبق کیوں نہیں لیتے!

آگے ارشاد ہے ﴿قُلْ: هَلْ عِندَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخَرَّجُوهُ لَنَا؟﴾ یعنی اگر تمہارے پاس اپنی بات کی کوئی ٹھوس دلیل ہو تو پیش کرو تا کہ دیکھا جائے کہ وہ کہاں تک مدعی ثابت کرتی ہے؟ مگر کہاں سے پیش کریں وہ تو محض خیالی باتوں پر چلتے ہیں اور بالکل انکل کے تیر چلاتے ہیں ﴿إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ، وَإِنَّ أَنتُمُ الْآفَكُورُونَ﴾

اس کے بعد ارشاد ہے ﴿قُلْ: فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (آپ کہئے کہ حجت پوری بس اللہ کی ہے) یعنی مشرکین کے پاس تو کوئی دلیل نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے پاس نہایت قوی، مضبوط اور ٹھوس دلیل ہے اس آیت میں جس برہان الہی کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ مشیتِ ایزدی سے ہو رہا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوقات سے زیادہ صلاحیتیں دی ہیں۔ ان کو کامل عقل، وافر فہم، بینا آنکھیں اور شنوا کان دیئے ہیں۔ ان کو خیر و شر میں انتخاب کرنے کی قدرت بخشی ہے اور ان کو ایک جزوی اور جزلی اختیار دیا ہے وہ اپنی مرضی سے ایک وقت میں ایک چیز کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو دوسرے وقت میں اس کو چھوڑ دینے کا تہیہ بھی کرتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسے پتھر کی طرح بالکل بے اختیار، بے بس اور مجبور پیدا نہیں کیا۔

غرض انسان کو اسی جزوی اختیار کی بنیاد پر مکلف بنایا گیا ہے اور اسی بنیاد پر اس کو اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے اور اس کی راہ نمائی کے لئے رسولوں کو مبعوث فرمایا گیا ہے اور اس کو شریعت دی گئی ہے جس کے ذریعہ ایسے مفید کاموں کا اس کو حکم دیا گیا ہے جو دنیا اور آخرت میں اس کے لئے مفید ہیں اور ایسی بری باتوں سے اس کو روکا گیا ہے جو دارین میں اس کے لئے ضرر رساں ہیں۔ امام رازی تفسیر کبیر (ص ۲۲۶ ج ۱۳) میں تحریر فرماتے ہیں:

قال تعالى: ﴿فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ وذلك من وجهين: (الوجه الأول) أنه تعالى أعطاكم عقولاً كاملة، وأفهاماً وافية، وآذاناً سامعة، وعيوناً باصرة؛ وأفادكم على الخير والشر، وأزال الأعذار والموانع بالكلية، فإن شئتم ذهبتم إلى عمل الخيرات، وإن شئتم إلى عمل المعاصي والمنكرات، وهذه القدرة والتمكن معلومة الثبوت بالضرورة، وزوال الموانع والعوائق معلوم الثبوت أيضاً بالضرورة؛ وإذا كان الأمر كذلك كان ادعاءكم: أنكم عاجزون عن الإيمان والطاعة، دعوى باطلة، فثبت بما ذكرنا: أنه ليس لكم على الله حجة بالغة، بل لله الحجة البالغة عليكم۔

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انسان کو مجبور بھی پیدا کر سکتے تھے کیونکہ وہ بے اختیار ہیں اس صورت میں سب انسان راہِ یاب ہوتے۔ کوئی گمراہ نہ ہوتا ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَدَيْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ مگر ان کی حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ انسان کو اشرف کائنات بنایا

جائے جس کے لئے امتحان کی گھنٹی سے گزرنے کا ضروری تھا تا کہ اس کا استحقاق علی رؤس الشہداء ثابت ہو جائے۔
 عرض ارشاد بانی ﴿فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ میں تکلیف کے راز، مجازات کی حکمت اور احکام شریعہ کے مبنی بر حکمت و مصالح ہونے کی طرف اشارہ ہے اور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس کتاب میں بھی اسی قسم کے مضامین ہیں اس لئے اس کا نام حجۃ اللہ البالغہ (کامل برہان الہی) رکھا گیا ہے۔ اور شرح کا نام بھی آیت ۱۴۷ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَزَقْنَاكَ فَأَنْتَ أَكْرَمُ الْأَعْيُنِ عَيْنًا وَرَحْمَةً وَاسِعَةً﴾ سے ماخوذ ہے (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ: ۳۸: ۲۸)

[وجه تسمیۃ الكتاب]

ولما كانت وقعت الإشارة إلى سر التكليف والمجازاة، وأسرار الشرائع المنزلة إلى الرحمة المهداة، بقوله تعالى: ﴿فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ وهذه الرسالة شعبة منها نابعة، وبدور من أفقها بازغة، حسن أن تسمى ﴿حجة الله البالغة﴾ بحسبى الله، ونعم الوكيل، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلى العظيم.

ترجمہ: کتاب کی وجہ تسمیہ: اور چونکہ ارشاد باری ﴿فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (پس حجت پوری اللہ تعالیٰ ہی کی رہی) میں اشارہ آیا ہے مکلف بنانے کے راز کی طرف، اور اعمال کے اچھے برے بدلہ کی حکمت کی طرف اور ہدیی کی ہوئی مہربانی (یعنی ذات نبوی) کی طرف نازل کردہ شریعت کے رموز کی طرف اور یہ کتاب اسی سے پھوٹنے والی ایک شئی ہے اور اسی کے افق سے طلوع ہونے والے چاند ہیں تو اس کتاب کا نام حجۃ اللہ البالغہ (کامل برہان الہی) رکھنا مناسب علوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہیں۔ اور وہ بہترین کارساز ہیں اور اللہ تعالیٰ برتر و بالا کے سوا کوئی طاقت و قوت نہیں ہے!

لغات:

بقوله تعالى متعلق ہے وقعت سے۔ شُعْبَةُ شَيْءٍ مَجَّعُ شُعْبٍ..... نَابِغَةُ اِزْ نَبِغٍ (فَضْلٌ) نَبِغًا وَنَبِغًا الشَّيْءُ: نَكْطًا، ظَاهِرٌ يَبْهَتُ..... بازغة از بھغت الشمس: طلوع ہونا۔ حسن (ک) حسنًا: خوبصورت ہونا، اچھا ہونا۔ حجة اللہ البالغة مفعول ثانی ہے تسمی کا۔ البالغة اى البينة الواضحة التى بلغت غاية المتانة والقوة على الإنبات (روح المعانی) یعنی صاف اور واضح دلیل جو نہایت درجہ قوی اور اعلیٰ درجہ کی مثبت مدعی ہو۔۔۔ الرحمة المهداة سے مراد ذات نبوی ہے آپ حسب ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ رحمت کا نبات ہیں۔ مہداتہ (اسم مفعول) ہدیی کی ہوئی چیز، آپ ﷺ کی ذات آپ کی امت کے لئے ایک قیمتی ہدیہ ہے جو بلا استحقاق دیا گیا ہے پس امت کو اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے اور آپ کی تعظیم اور پیروی میں ذرا کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔





[من قال: إن الأحكام الشرعية غير متضمنة لشيء من المصالح، فقل له باطل]

قد يُظَنُّ أن الأحكام الشرعية غير متضمنة لشيء من المصالح، وأنه ليس بين الأعمال وبين ما جعل الله جزاءً لها مناسبة، وأن مثل التكليف بالشرائع كمثل سيّد أراد أن يختار طاعة عبده، فأمره برفع حجر، أو لمس شجرة، مما لا فائدة فيه غير الاختيار، فلما أطاع أو عصى جوزى بعمله؛ وهذا ظنٌ فاسدٌ، تُكذِّبه السنة، وإجماع القرون المشهود لها بالحير.

ومن عجز أن يعرف:

[١] أن الأعمال مُعْتَبَرَةٌ بالنيّات والهيئات النفسانية التي صدرت منها، كما قال النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ وقال الله تعالى: ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَائُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾

[٢] وأن الصلوة تُسرعت لذكر الله ومناجاته، كما قال الله تعالى: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ ولتكون مُعَدَّةً لرؤية الله تعالى، ومشاهدته في الآخرة، كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ﴿سَتَرُونَ رِئَاسَكُمْ كَمَا تَرُونَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَاهُ، فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَعْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِهَا، فَافْعَلُوا﴾

[٣] وأن الزكوة تُسرعت دفعاً لرد ذيلة البخل، وكفاية لحاجة الفقراء، كما قال الله تعالى في مانعي الزكوة: ﴿وَلَا يَحْسِنُ الَّذِينَ يَنْخَلِئُونَ رِئَايَاهُمْ لِلَّهِ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ، سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ وكما قال النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، فَتُرَدُّ عَلَىٰ فُقَرَائِهِمْ﴾

[٤] وأن الصوم يُسرّع لِقَهْرِ النفس، كما قال الله تعالى: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾، وكما قال النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿إِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وَجَاءٌ﴾

[٥] وأن الحج يُسرّع لتعظيم شعائر الله، كما قال الله تعالى: ﴿إِنْ أَوَّلَ نَيْبٍ وَضَعَ لِلنَّاسِ

لَلَّذِي ﴿الْآيَةُ﴾ وَقَالَ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾

[۶] وَأَنَّ الْقَصَاصَ شُرْعٌ وَاجِبٌ عَنِ الْقَتْلِ، كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حِكْمَةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾

[۷] وَأَنَّ الْحُدُودَ وَالْكَفَّارَاتِ شُرْعَتْ زَوَاجِرٌ عَنِ الْمَعَاصِي، كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾

[۸] وَأَنَّ الْجِهَادَ شُرْعٌ لِإِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللَّهِ، وَإِزَالَةِ الْفِتَنِ، كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾

[۹] وَأَنَّ أَحْكَامَ الْمَعَامَلَاتِ وَالْمَسَاكِمَاتِ شُرْعَتْ لِإِقَامَةِ الْعَدْلِ فِيهِمْ.

إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ، مِمَّا دَلَّتِ الْآيَاتُ وَالْأَحَادِيثُ عَلَيْهِ، وَلَهِيَ بِهِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي كُلِّ قَرْنٍ.

فَإِنَّهُ لَمْ يَمَسَّهُ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا كَمَا يَمَسُّ الْإِبْرَةَ مِنَ الْمَاءِ، حِينَ تُغْمَسُ فِي الْبَحْرِ وَتَخْرُجُ وَهُوَ بَانَ يَبْكِي عَلَى نَفْسِهِ أَحَقُّ مِنْ أَنْ يُعْتَدَّ بِقَوْلِهِ!

یہ خیال باطل ہے کہ احکام شرعیہ کی مثال پر مشتمل نہیں

ترجمہ: بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ احکام شرعیہ قطعاً حکمتوں اور صلحتوں پر مشتمل نہیں۔ اور اعمال اور ان کی اس جزاء کے درمیان جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے کوئی مناسبت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آقائے اپنے غلام کی فرماں برداری کا امتحان کرنے کے لئے اس کو کسی پتھر کے اٹھانے کا حکم دیا ہو جس میں امتحان کے علاوہ کوئی فائدہ نہ ہو۔ پھر جب غلام نے فرماں برداری یا نافرمانی کی تو اس کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا۔ یہ خیال سراسر فاسد ہے، احادیث نبویہ اور قرون مشہود دہا بالتحیر کا اجماع اس خیال کی تردید کرتا ہے۔

بھلا جو شخص یہ تک نہ سمجھ سکتا ہو کہ:

(۱) اعمال نیتوں اور کیفیات قلبیہ کے ساتھ موازنہ کئے ہوئے ہیں، جن سے وہ اعمال صادر ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے“ (متفق علیہ مشکوٰۃ حدیث ۱) اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اللہ کو قربانیوں کا گوشت ہرگز نہیں پہنچتا، نہ ان کا خون پہنچتا ہے بلکہ ان کے پاس تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے“ (سورۃ الحج ۳۷)

(۲) اور نماز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے اور ان کے ساتھ سرگوشی کے لئے مشروع کی گئی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: میری یاد کے لئے نماز قائم کیجئے“ (سورۃ طہ ۱۳) نیز نماز اس لئے مشروع کی گئی ہے کہ آخرت میں دیدارِ خداوندی اور

مشاہدہ حق کی آدمی میں استعداد پیدا ہو، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ”تم غنیمت اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اس کے دیکھنے میں دھکا کی نہیں کرتے، پس اگر تمہارے بس میں یہ بات ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے والی نمازوں میں قلوب نہ ہو جاؤ، تو ایسا کرو“ (مشفق علیہ مشکوٰۃ شریف حدیث ۵۶۵۵ باب رؤیہ اللہ تعالیٰ)

(۳) اور زکوٰۃ روزیہ بخل کے ازالہ کے لئے اور غرباء کی حاجت روائی کے لئے مشروع کی گئی ہے، جیسا کہ زکوٰۃ دینے والوں کے حق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ”ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جو ایسی چیز میں بخلی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی ہوگی، بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے، وہ لوگ قیامت میں اس کا طوق پہنائے جائیں گے جس میں انھوں نے بخل کیا ہے“ (آل عمران ۱۸۰) اور جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ: ”پھر آپ (یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ) لوگوں کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالداروں سے وصول کی جائے گی اور غرباء پر خرچ کی جائے گی“ (مسلم شریف مصری ص ۲۰۰ ج ۱ مشکوٰۃ ۱۷۷۲)

(۴) اور روزہ فقس کو مغلوب کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تا کہ تم پر بیہ زگار بنو“ (البقرہ ۱۸۳) اور جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ: ”روزہ جو ان آدمی کے لئے آٹھنکی (خُصی ہوتا) ہے“ (مشکوٰۃ ۳۰۸)

(۵) اور حج شعائر خداوندی کی تعظیم کے لئے مشروع کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ”یقیناً وہ گھر جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا ہے، البتہ وہ مکان ہے“ آخر آیت تک پڑھیے۔ (آل عمران ۹۶) اور ارشاد فرمایا کہ: ”بیشک صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں“ (البقرہ ۱۵۸)

(۶) اور قصاص لوگوں کو قتل سے روکنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ”اے فہیم لوگو! قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے“ (البقرہ ۱۷۹)

(۷) اور حدود و کفارات لوگوں کو گناہوں سے جھڑکنے کے لئے مشروع کئے گئے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تا کہ وہ اپنی حرکت کا وبال چکھے“ (المائدہ ۹۵)

(۸) اور جہاد اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کے لئے اور فتنہ کا سد باب کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور تم اُن (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے“ (انفال ۳۹)

(۹) اور معاملات یعنی لین دین کے احکام اور شادی بیاہ کے مسائل لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے مشروع کئے گئے ہیں۔

اور دیگر بہت سے امور (یعنی مذکورہ بالا احکام کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام ہیں) جن کے حکمتوں اور مصلحتوں پر

مشتمل ہونے پر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں۔ اور ہر زمانہ میں متعدد علماء کرام نے ان مصالح کو بیان کرنے میں دلچسپی لی ہے۔

پس (جو شخص ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتا) اسے علم نے بس اتنا ہی چھو یا ہے جتنا سوئی کو پانی چھوتا ہے، جب وہ سمندر میں ڈبو کر نکالی جاتی ہے اور ایسا شخص اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے علم کا ماتم کیا جائے نہ کہ اس کی بات پر کان دھرا جائے۔

لغات:

تَضَمَّنَ الشَّيْءُ: مشتمل ہونا۔ مَا جَعَلَ الْمَخَ فِي عَالَمٍ مَحْذُوفٍ ہے اِی مَا جَعَلَهُ اللهُ اور لَهَا فِي تَضَمِّنِ الْاَعْمَالِ کی طرف لُوٹتی ہے مناسباً م مَوْخَر ہے لیس کا۔ كَذَّبَتْ: جھوٹا بنانا، جھوٹ کی طرف نسبت کرنا۔ مُغْتَبَرَةٌ (اسم مفعول) موازنہ کیا ہوا اعتبار الشَّيْءِ بِالشَّيْءِ اِی اسْتَدِلَّ بِهِ عَلَيْهِ۔ هَيِّنَاتٌ جَمْعُ هَيْئَةٍ کی محنت کی کیفیت، نفسانیۃ اِی قَلِیَّة، الْهَيِّنَاتُ النَّفْسَانِیَّةُ عام ہے النِّیَّاتِ سے کیونکہ تقویٰ کیفیات قلبیہ میں سے ہے اور نیت سے مختلف چیز ہے۔ مُعَدَّة (اسم فاعل) اِزْ اَعْدَه: تیار کرنا۔ لَا تَصْأَمُونَ اِزْ تَصْأَمُ الْقَوْمُ اِی اِنْضَمَّ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ یعنی بچھا کرنا، دھکا مٹا کرنا۔ غَلَبَ عَلَيْهِ (ممرؤف) جیتنا اور غُلِبَ عَلَيْهِ (مجهول) ہارنا۔ زَجَرَهُ عَنْ كَذَا: روکنا، ڈانٹنا، چلا کر ڈھکنا۔ زَوَا جَرَعَ زَا جَرَةً کی محنت کی ڈانٹنے والی۔ لَهَجَ (س) لَهَجًا بِالشَّيْءِ: شیشہ ہونا، ولد اوہ ہونا۔ مَسَّ (س ن) مَسَّ الشَّيْءُ: چھوٹا، پہنچنا۔ اِغْتَضَ: شمار ہونا، کرنا کہا جاتا ہے هَذَا شَيْءٌ لَا يُغْتَضُ بِهِ: یہ ایسی چیز ہے جس کا شمار نہیں کیا جاتا یعنی اس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا۔

تشریح:

مذکورہ متن کا مدعی واضح ہے، کسی تشریح کی حاجت نہیں۔ اس لئے ذیل میں چند متفرق باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) اعمال خواہ نیک ہوں یا بد، ان کی جو جزا مقرر کی گئی ہے وہ اٹکل ٹپ مقرر نہیں کی گئی بلکہ گہری حکمتوں پر مبنی ہے، جس کی تفصیل کتاب میں جا بجا آپ کو ملے گی لہذا یہ خیال مہمل ہے کہ اعمال اور ان کے بدلہ کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔

(۲) عمل کا مداریت پر ہے یعنی جیسی نیت ویسا عمل، نیت نیک تو عمل نیک، نیت بد تو عمل بد، نیت دینی تو عمل دینی اور نیت دنیوی تو عمل بھی دنیوی۔ پھر نیک عمل میں جس درجہ اخلاص ہوگا عمل اسی کے بقدر قیمتی ہوگا۔ یہ بات حدیث شریف کے اگلے جملے میں سمجھائی گئی ہے فرمایا: **إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ** ﴿۱﴾ (شخص کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا) مثلاً ہجرت ایک عمل ہے، یہ عمل تین شخص کرتے ہیں اور ان کی نیتیں مختلف ہیں تو ان کا عمل بھی مختلف ہوگا: ایک شخص اس لئے ہجرت کرتا ہے کہ اسلام ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہا ہے ابھی اس کو مسلمانوں کی مدد کی ضرورت ہے اس لئے وہ وطن ترک

کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کرتا ہے تاکہ اسلام کا تعاون کرے۔ دوسرا اس لئے ہجرت کرتا ہے کہ مدینہ میں آبادی کے بڑھنے سے کاروبار کا اچھا موقع نہ نکل آیا ہے اور تیسرا کسی خاتون سے نکاح کرنے کے لئے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آیا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ ایک ہی عمل کیا ہے مگر صرف اول شخص کی ہجرت دینی عمل ہے باقی دو کی ہجرت محض دنیوی عمل ہے۔

غرض یہ حدیث اعمال صالحہ یا اعمال مباحہ کے بارے میں ہے معاصی کے بارے میں نہیں کیونکہ زنا چوری وغیرہ معاصی ہمیشہ معاصی ہی رہتے ہیں، گو وہ اچھی نیت سے کئے جائیں۔ اچھی نیت سے وہ نیک عمل نہیں بنتے۔

(۳) تقویٰ دل کی کیفیت کا نام ہے اور قربانیاں ظاہری اعمال ہیں اور آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ سب لوگوں کی قربانیاں یکساں نہیں ہیں اور تفاوت کا مدار گوشت پوست اور خون پر نہیں بلکہ تقویٰ پر ہے یعنی کیفیات نفسانیہ کے تفاوت سے قربانیوں کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔ یہی اعمال کا بنیاد نفسانیہ کے ساتھ موازنہ کرنا ہے۔

(۴) نماز کی مشروعیت اللہ کا یاد کرنے کے لئے ہے سورۃ العنکبوت آیت ۴۵ میں بھی اس کا تذکرہ ہے، ارشاد ہے: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ، إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ، وَلَذِكْرِ اللَّهِ الْكِبَرُ﴾ (نماز کی پابندی کیجئے، نماز بے حیائی اور ناجائز کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے) یعنی نماز کا مقصد غفلت اور چھوٹا فائدہ یہ ہے کہ وہ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی نماز کی نصیحت نہ سنے، جیسے ناہنجا رہنا باپ کی نصیحت نہیں سنتا اور نماز کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی یاد کا ذریعہ ہے۔ اکبر کا مفضل منہ خاص یا عام محذوف ہے ای اکبر من الفائدة الاولى یا اکبر من کل شیء ای من الفوائد الاخر ايضا۔

(۵) حدیث مسنونہ درہم الخ میں روایت باری تعالیٰ کی خبر دیتے ہوئے دو نمازوں کے اہتمام کا امر فرمایا ہے۔ اس خاص موقع پر اس عمل کی تاکید کرتا صاف دلالت کرتا ہے کہ نماز کا رویت باری میں خاص دخل ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز انسان میں دیدار خداوندی کی صلاحیت پیدا کرتی ہے اور فجر اور عصر کی تخصیص اس لئے فرمائی گئی ہے کہ فجر غفلت کا وقت ہے اور عصر مشاغل کا پس جو شخص ان دو نمازوں کا اہتمام کرے گا وہ باقی تین نمازوں کا ضرور اہتمام کرے گا۔ غرض پانچویں نمازیں آدمی میں دیدار خداوندی کی قابلیت پیدا کرتی ہے۔

(۶) بل هو شولہم سے نکل کا ردیہ (برہنہ) ہونا ثابت ہوتا ہے اور ما بخلوا بہ سے مستفاد ہوا کہ زکوٰۃ ردیہ نکل کا علاج ہے۔

(۷) لعلکم تنفون اس پر دلالت کرتا ہے کہ روزہ آدمی میں گناہوں سے نکل لینے کی قوت پیدا کرتا ہے کیونکہ پرہیز گاری کا حاصل یہی ہے کہ آدمی کے ہاتھ میں نفس کی لگام رہے۔

(۸) شعائر اللہ میں مجاز بالخلف ہے ای شعائر دین اللہ (دین کی امتیازی نشانیاں) یعنی وہ تمام چیزیں جن کو دیکھتے ہی لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ چیزیں دین اسلام سے تعلق رکھنے والی ہیں جیسے مسجدیں، اذان، قرآن، کعبہ، رسول اللہ

ﷺ وغیرہ (شعائر اللہ کا بیان رحمۃ اللہ: ۴۰۳ میں ہے)

(۹) قصاص میں جانوں کا بچاؤ ہے کیونکہ جب قاتل قصاصاً قتل کیا جائے گا تو مقتول کے ورثاء کا دل ٹھنڈا ہوگا اور آگے ناحق قتل کا سلسلہ رک جائے گا۔ ورنہ عرصہ دار تک بائتم قتل کا تبادلہ ہوتا رہے گا اور سنگڑوں آدنی لقمہ اجل بن جائیں گے۔
(۱۰) احکام معاملات کی مشروعیت عدل والصفاف کو بروئے کار لانے کے لئے ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی معین آیت یا حدیث نہیں، متعدد نصوص سے یہ بات اخذ کی گئی ہے اور ان سب کا یہاں حوالہ موجب طوالت تھا، اس لئے یہ مضمون مدلل نہیں کیا گیا، آگے کتاب میں یہ اباحت آ رہی ہیں۔

(۱۱) لیج بہ الخ ہر زمانہ میں متعدد علمائے کرام کا احکام کے مصالح و حکم کو بیان کرنے میں دلچسپی لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ احکام شرعیہ مصلحتوں پر مشتمل ہیں۔



[لم یزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، والصحابۃ، ومن بعدهم یُعَلِّوْنَ الْأَحْکَامَ بِالْمَصَالِحِ]

ثم إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین أسرارَ تعین الأوقات فی بعض المواضع، كما:

[۱] قال فی أربع قبل الظهر: ﴿إنها ساعةٌ تُفتحُ فیها أبوابُ السماء، فأحبُّ أن یصعدَ لی فیها عملٌ صالحٌ﴾

[۲] وروى عنه صلی اللہ علیہ وسلم فی صوم یوم عاشوراء: أن سبب مشروعیتہ نجاتُ موسی وقومه من فرعون فی هذا الیوم؛ وأن سبب مشروعیتہ فینا اتباعُ سنۃ موسی علیہ السلام. و بین أسباب بعض الأحکام:

[۱] فقال فی المستقیظ: ﴿فانه لا یدری أين باتت یدہ﴾

[۲] وفي الاستنثار: ﴿فإن الشیطانَ یبیتُ علی خیشومہ﴾

[۳] وقال فی النوم: ﴿فانه إذا اضطجع استرحت مفاصلہ﴾

[۴] وقال فی رمی الجمار: ﴿إنه لإقامة ذکر اللہ﴾

[۵] وقال: ﴿إنما جعل الاستئذان من أجل البصر﴾

[۶] وفي الهرة: ﴿إنها لیست بنجس، إنما هی من الطوائفین علیکم أو الطوائف﴾

وبین فی مواضع:

[۱] أن الحکمة فیها دفعُ مفسدة، کالنهی عن الغیلة، إنما هو مخافةُ ضرر الولد.

[٢] أو مخالفةً فرقةً من الكفار، كقوله صلى الله عليه وسلم: ﴿فإِنهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْيَتِي الشَّيْطَانِ، وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكَفَّارُ﴾

[٣] أو سدُّ باب التحريف، كقول عمر رضي الله عنه لمن أراد أن يُصَلَّ النافلة بالفريضة: بهذا هلك من قبلكم: فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿أَصَابَ اللَّهُ بِكَ يَابْنَ الْخَطَّابِ﴾

[٤] أو وجودُ حرج، كقوله صلى الله عليه وسلم: ﴿أَوْ لَكُمْ ثَوْبَانِ؟﴾ وكقوله تعالى: ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ، فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ﴾

وَيَبِّينُ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ أَسْرَارَ التَّرهيبِ والتَّرهيبِ، وَرَاجَعَهُ الصَّحَابَةُ فِي الْمَوَاضِعِ الْمُسْتَهْجَةِ، فَكُشِفَ شُبُهَتُهُمْ، وَرَدَّ الْأَمْرُ إِلَى أَصْلِهِ:

[١] قال: ﴿صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ، وَصَلَاتِهِ فِي سُوْقِهِ، خَمْسًا وَعَشْرِينَ دَرَجَةً؛ وَذَلِكَ: أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَوَضَّأَ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ، لَا يَرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ﴾ الحديث.

[٢] وقال: ﴿فِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ﴾ قالوا: يارسول الله! أَيَأْتِي أَحَدُنَا شَهْوَتُهُ، وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ قال: ﴿أَرَأَيْتُمْ لَوْ رَضَعَهَا فِي حَرَامٍ، لَكَانَ عَلَيْهِ فِيهِ وَزْرٌ؟ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي حَالٍ، كَانَ لَهُ أَجْرٌ﴾

[٣] وقال: ﴿إِذَا التَّقِيُّ الْمُسْلِمَانِ سَيِّفَيْهِمَا، فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ﴾ قالوا: هَذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بِالْمَقْتُولِ؟ قال: ﴿إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ﴾ إلى غير ذلك من الْمَوَاضِعِ الَّتِي يُعَسِّرُ إِحْصَاؤُهَا.

وَيَبِّينُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سِرَّ مَشْرُوعِيَةِ غَسْلِ الْجُمُعَةِ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ سَبَبَ النِّهْيِ عَنْ بَيْعِ الثَّمَارِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، وَيَبِّينُ ابْنُ عُمَرَ سِرَّ الْاِقْتِصَارِ عَلَى اسْتِثْلَامِ رَكْنَيْنِ مِنْ أَرْكَانِ الْبَيْتِ.

ثُمَّ لَمْ يَزَلِ التَّابِعُونَ، ثُمَّ مِنْ بَعْدِهِمُ الْعُلَمَاءُ الْمُجْتَهِدُونَ يَعْلَمُونَ الْأَحْكَامَ بِالصَّالِحِ، وَيُفْهَمُونَ مَعَانِيَهَا، وَيُخْرِجُونَ لِلْحُكْمِ الْمَنْصُورِ مِنْهَا مَنْاسِبًا، لِدَفْعِ ضَرِّهِ أَوْ جَلْبِ نَفْعِهِ، كَمَا هُوَ مَبْسُوطٌ فِي كُتُبِهِمْ وَمَذَاهِبِهِمْ.

ثُمَّ أَتَى الْغَزَالِيُّ وَالْحَطَّابِيُّ وَابْنُ عَبْدِ السَّلَامِ وَأَمْثَالُهُمْ — شَكَرَ اللَّهُ مَسَاعِيَهُمْ — بِنُكْتٍ لَطِيفَةٍ، وَتَحْقِيقَاتٍ شَرِيفَةٍ.

آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور بعد کے حضرات

میشہ احکام کی مصلحتیں بیان کرتے رہے ہیں

ترجمہ: پھر آنحضرت ﷺ نے بعض مواقع میں تعین اوقات کے رموز بیان فرمائے، مثلاً:

- (۱) ظہر کے فرضوں سے پہلے چار سنتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ”یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اس لئے مجھے یہ بات پسند ہے کہ اس گھڑی میں میرا کوئی نیک عمل اوپر جائے“ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ۱۱۶۹)
- (۲) اور آنحضرت ﷺ سے محرم کی دسویں تاریخ کے روزے کے بارے میں مروی ہے کہ اس کی مشروعیت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ اور ہمارے لئے اس کی مشروعیت کی وجہ سنت موسوی کی پیروی ہے۔ (مشفق ملیہ مشکوٰۃ حدیث ۲۰۶ باب صیام (تلووع))
- اور آنحضرت ﷺ نے بعض احکام کے اسباب بیان فرمائے (مثلاً)

(۱) نیند سے بیدار ہونے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ”وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے“ (مشفق ملیہ مشکوٰۃ ۳۹۱ باب سنن الوضوء) یعنی نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں پڑا یہ بات اسے معلوم نہیں لہذا تعین بار ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالے۔

(۲) اور (سوکراٹھنے کے بعد وضو کرتے وقت) ناک جھاڑنے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ”بیشک شیطان اس کے تھنوں پر شب باشی کرتا ہے“ (مشفق ملیہ مشکوٰۃ ۳۹۳ باب سابق)

(۳) اور نیند کے (ناقض وضوء ہونے کے) بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ”جب آدمی پہلو کے بل لیٹتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں“ (رواہ الترمذی و ابوداؤد مشکوٰۃ ۳۱۸ باب ما یوجب الوضوء)

(۴) اور (منی میں حج کے موقع پر) رمی جہار کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ”یہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر پر پا کرنے کے لئے ہے“ (رواہ الترمذی و الدارمی مشکوٰۃ ۶۲۳ باب رمی الجمار)

(۵) اور ارشاد فرمایا کہ: ”کسی کے گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنا نگاہ کی وجہ سے ہے (پس اجازت ملنے سے پہلے گھر میں نہیں جھانکنا چاہئے)“ (مشفق ملیہ بخاری شریف حدیث ۶۲۴۱ کتاب الاستبذان باب المسلم شریف ج ۱۳)

ص ۳۶ مصری کتاب الادب باب تحریر الطوفان فی بیت غیرہ)

(۶) اور بلی کے (جھوٹے) بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ”وہ ناپاک نہیں کیونکہ بلی ہر وقت گھر میں آنے جاتے والے لوگوں میں سے یا جانوروں میں سے ہے“ (رواہ مالک و الترمذی و ابوداؤد وغیرہم مشکوٰۃ ج ۸۸۲ باب المیاء)

اور متعدد مواقع میں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ:

(۱) اُن مواقع میں حکمت کسی خرابی کو دور کرنا ہے، جیسے ایام رُضاعت میں دودھ پلانے والی عورت سے ہمسری کی ممانعت۔ بچے کو ضرر پہنچنے کے اندیشہ سے ہے (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ حدیث نمبر ۳۱۹۶ باب المباشرة)

(۲) یا دھصلحت کافروں کے کسی گروہ کی مخالفت ہے، جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”سورج شیطان کے دوستوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں“ اس لئے اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے (رواہ مسلم مشکوٰۃ حدیث نمبر ۴۰۲۰ باب اوقات النهی)

(۳) یا دھصلحت تحریف فی الدین کا سد باب ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس شخص سے کہنا جو فرض نماز کے بعد متصل نفل نماز پڑھنا چاہتا تھا کہ: ”اسی وجہ سے پچھلی آیتیں ہلاک ہوئی ہیں!“، پس آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اے ابن الخطاب! اللہ آپ کو صائب المرأے بنائے!“ (رواہ ابوداؤد ح ۱۰۰۷ باب فی الرجل ینتطوع فی مکانہ)
(۴) یا دھصلحت کسی تنگی کا پایا جانا ہے، جیسے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”کیا شخص کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟“ (یعنی نہیں ہوتے، پس ایک کپڑے میں بھی نماز درست ہے) (متفق علیہ ورواہ مالک فی الموطا ص ۱۳۰ ج ۱) اور جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کر کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تم پر توبہ فرمائی اور تم سے درگزر کیا“ (البقرہ ۱۸۷)

اور بعض مواقع میں آنحضرت ﷺ نے ترفیع وتر ہیبت کے اسرار بیان فرمائے، اور اشکال کی جگہوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا اور آپ نے ان کے اشکالات دور فرمائے اور معاملہ کو اس کی اصل کی طرف لوٹا یا یعنی صحیح صورت حال سمجھائی (مثلاً):

(۱) ارشاد فرمایا کہ: ”آدمی کی باجماعت نماز گھر کی نماز سے اور دکان کی نماز سے پچیس گنا بڑھ جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضو کرتا ہے پس بہترین وضو کرتا ہے، پھر مسجد میں آتا ہے اور نماز کے علاوہ اس کی کوئی نیت نہیں ہوتی۔ آخر تک حدیث پڑھئے (متفق علیہ مشکوٰۃ ۲۰۲ باب المساجد)

(۲) اور ارشاد فرمایا کہ: ”بیوی سے مباشرت کرنے میں بھی ثواب ہے“ صحابہ نے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ! ہم اپنی شہوت بجھائیں اور اس میں بھی اجر و ثواب؟“ آپ نے ارشاد فرمایا: ”اگر حرام جگہ شہوت رانی کی جاتی تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ (ضرور ہوتا) پس اسی طرح جب حلال جگہ اسے صرف کیا تو ضرور ثواب ملے گا“ (رواہ مسلم ج ۷ ص ۹۲)

(۳) اور ارشاد فرمایا کہ: ”جب دو مسلمان تلواریں لے کر باہم بھڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں“ صحابہ نے عرض کیا کہ قاتل کا جہنمی ہونا تو واضح ہے، مقتول کیوں جہنمی ہے؟ (وہ تو مظلوم ہے!) آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل کا حریص تھا“ (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۳۵۳۸ باب قتل اهل الزدۃ)

اور دیگر بہت سے مواقع جن کا شمار سخت و شوار ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے منسل جعد کی مشروعیت کی مصلحت بیان کی (رواہ ابوداؤد و جامع الاصول ج ۸ ص ۲۰۱) اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پھلوں کو کراہد ہونے سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کی وجہ بیان کی (رواہ البخاری و ابوداؤد و جامع الاصول ج ۱ ص ۳۹۲) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبہ شریف کے چار گولوں میں سے صرف دو کو چھونے پر اکثفا کرنے کا مجید واضح کیا (رواہ مسلم و ابوداؤد و جامع الاصول ج ۳ ص ۱۲)

پھر تابعین کرام پھر ان کے بعد علمائے مجتہدین برابر احکام کی مصلحتیں بیان کرتے رہے اور احکام کے وجوہ و معانی سمجھاتے رہے اور منصوص حکم کے مناسب علت نکالتے رہے ہیں، کسی ضرور کو ہٹانے کے لئے، یا کسی منفعت کو حاصل کرنے کے لئے، جیسا کہ یہ سب باتیں ان کی کتابوں میں اور ان کے مذاہب میں مفصل موجود ہیں۔

پھر امام غزالی، امام خطابی اور علامہ ابن عبد السلام اور ان جیسے حضرات نے دلچسپ نکات اور عمدہ تحقیقات پیش کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی محنت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں (آمین)

لغات:

غُلِّلَ الشَّيْءُ: علت بیان کرنا، دلیل سے ثابت کرنا عَلِّلَ بالمصالح: مصالح کے ساتھ مدلل کرتا۔ . الحَبْشُوم: ناک کی جڑ جمع حباشم..... أن الحكمة فيها میں خیر کا مرجع مواضع ہے..... الغَيْلَةُ اسم ہے الغِيلِ جس کے معنی ہیں ایامِ رضاءت میں دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ شوہر کا ہمستری کرتا۔ اسی طرح بحالت حمل بچے کو دودھ پلانا بھی غَيْل ہے وهو أن يجامع الرجل زوجته وهي مُوضع؛ وكذلك إذا حملت وهي موضع (نہا) الغيلة کے دوسرے معنی ہوگا، غفلت سے مار ڈالنا بھی ہیں، کہا جاتا ہے قَتَلَهُ غَيْلَةً: دھوکے سے مار ڈالا، یہاں یہ معنی مراد نہیں..... أصاب الله بك کے دوسرے معنی ہیں (۱) اللہ آپ کو صائب الرائے بنا کر میں بلغك الله الصواب (۲) اللہ آپ کو خیر کی توفیق دیں أَرَادَ اللَّهُ بِكَ الْخَيْرِ والهداية (بذل الحجب ورجع ۵ ص ۳۵۴ مصری)۔ . راجعه فی الامر: دوسرے سے کسی معاملہ میں بات چیت کرنا۔ . المشبهة: شہ کی جگہ قابلِ اعتراض موقع۔ . أفهم إفهامًا: سمجھانا معانی جمع معنی کی بمعنی وجہ..... شكرو (ان) شُكْرًا: شکر یہ ادا کرنا۔ بہتر سلوک پر تعریف کرنا اور کہا جاتا ہے شکر الله سبعك: اللہ تمہاری کوشش کی جزائے تیریں۔

تشریح:

عبارت کا مدعی تو وہ ہے جس کا تذکرہ پیچھے سے چلا آ رہا ہے کہ احکام شرعیہ حکمتوں اور فواید پر مشتمل ہوتے ہیں اور یہ خیال غیر واقعی ہے کہ احکام میں مصالح کی رعایت نہیں۔ عبارت واضح ہے کہ کسی تفریح کی محتاج نہیں اس لئے ذیل میں چند متفرق فوائد ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) تعیین اوقات کے رموز یعنی یہ بات کہ فلاں وقت میں فلاں عمل کیوں تجویز کیا گیا ہے؟ اس میں کیا حکمت اور کیا راز ہے؟ مثلاً ظہر سے پہلے چار سنتیں کیوں ہیں؟ اور اُسے آنحضور ﷺ زوال کے ساتھ ہی کیوں پڑھا کرتے تھے؟ محرم کی دس تاریخ کو روزہ کیوں رکھا جاتا ہے؟ وغیرہ۔

(۲) رمی جمار کا عمل اللہ کا ذکر برپا کرنے کے لئے ہے اس کا مشاہدہ موقعہ پر ہی کیا جاسکتا ہے۔ تین دن تک منی میں حجرات کے پاس ذکر الہی کا وہ زمزمہ بلند ہوتا ہے کہ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

(۳) من الطوافین علیکم أو الطوافات کی روایت نسائی شریف (ج ۱ ص ۵۵ مصری) میں او کے بجائے واو کے ساتھ ہے اس لئے یہ اتولوج کا بھی ہو سکتا ہے اور ہر وقت گھر میں آنے جانے والے لوگوں سے مراد خدام، نوکر چاکر اور غلام باندی ہیں۔ اور جانوروں سے مراد سواکن البیوت (گھر میں رہنے والے جانور وغیرہ) ہیں۔

(۴) ایام رضاعت میں ہمستری کرنے کی ممانعت منسوخ ہے اور ناسخ حضرت خذام بنت وہب رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَنَسٍ، وَهُوَ يَقُولُ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَهْبِي عَنِ الْغُبْلَةِ، فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَالْفَارِسِ، فَبَازَاهُمْ يَغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ، فَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذَلِكَ شَيْئًا (رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۳۱۸۹ باب الباشرة) حضرت خذامہ کہتی ہیں کہ میں چند لوگوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور انحالیکہ آپؐ فرما رہے تھے: ”بخدا! میں نے ایام رضاعت میں شوہر سے ہمستری کرنے سے منع کرنے کا ارادہ کیا تھا، پھر میں نے روم اور فارس کے احوال پر نظر ڈالی تو وہ ایام رضاعت میں ہمستری کرتے ہیں اور یہ چیز ان کی اولاد کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچاتی۔“ البتہ یہ ہمستری علق کا باعث ہو سکتی ہے اور بحالت حمل بچے کو دودھ پلانا مضر ہے مگر حمل کے بالکل ابتدائی دنوں میں مسخر نہیں البتہ جب عورت کے دودھ میں تغیر آجائے تو رضاعت موقوف کر دینی چاہئے۔

(۵) نماز باجماعت کی فضیلت والی روایت کا باقی حصہ یہ ہے: ”تو وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے اس کی وجہ سے ایک درجہ بڑھتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو جب تک مسجد میں رہتا ہے برابر فرشتے اس کے لئے دعا میں کرتے رہتے ہیں: اے اللہ! اس پر بے پایاں رحمتیں نازل فرما! اے اللہ! اس پر مہربانی فرما! اور (اگر جلدی مسجد میں پہنچ جاتا ہے تو) جب تک وہ نماز کا انتظار کرتا ہے برابر نماز میں رہتا ہے۔“ غرض مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے والے کو نماز کے علاوہ بھی متعدد فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ نماز تنہا پڑھی جانے والی نماز سے بچیں گنا بڑھ جاتی ہے۔

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غسل جمعہ کی مشروعیت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ابتدا میں لوگ اپنے کام خود کرتے تھے، اُن کا لباس پہنتے تھے، پیچ پر بوجھ ڈھوتے تھے، مسجد تک تھی، چمت نچتی تھی گویا چھو بیڑا تھا۔ گرمی کے ایک دن میں آنحضور ﷺ نماز جمعہ پڑھانے تشریف لائے تو دیکھا کہ پسینہ کی بدبو جھیل رہی ہے اور لوگ اذیت

میں ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ: ”جب یہ دن آئے تو نہاد اور گھر میں جو عمدہ تیل خوشبو ہو وہ لگاؤ (پھر نماز کے لئے آؤ)۔“ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا، لباس بدل گیا، کام کاغذ نوکر چاکر کرنے لگے اور مسجد بھی کشادہ ہو گئی اور وہ وجہ فی الجملہ ختم ہو گئی جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی تھی (لہذا اب جمعہ کے دن غسل لازم نہیں)

(۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بُذُو صَلاَح سے پہلے پھلوں کی فروختگی کی ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ در نبوی میں لوگ کھجور کے باغوں کے سودے کرتے تھے پھر جب کھجوریں اترتیں تو باغ کا مالک رقم طلب کرتا۔ خریدار عذر کرتا کہ پھلوں میں فلاں فلاں بیماریاں آگئی تھیں، باغ والا کہتا کہ میں کیا جانوں؟ پھر فریقین جھگڑا لیکر دربار نبوی میں فیصلہ کے لئے آتے تھے۔ جب اس قسم کے جھگڑے بہت ہونے لگے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جب تم جھگڑوں سے باز نہیں آتے تو پھل کا رآمد ہونے سے پہلے مت بیچو“ یہ ارشاد ایک مشورہ تھا جو آپؐ نے لوگوں کو دیا تھا (کوئی حکم شرعی نہیں تھا)

(۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کے دو کونوں (رکن اسود اور رکن یرمائی) کے اسلام پر اکتفا کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہی دو کونے اپنی اصل بنیادوں پر ہیں۔ شام کی طرف کے دو کونے اپنی اصل بنیادوں پر نہیں ہیں کیونکہ عظیم کی جانب سے کعبہ شریف کا کچھ حصہ قریش نے باہر کر دیا ہے۔

(۹) قولہ: لَذْفَعُ ضَرْبِ الْخِ یہ عبارت تمام مطبوعہ اور مخطوط نسخوں میں اسی طرح ہے اور جارج رورسٹر جو ن سے متعلق ہیں۔ اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جہتہدین کرام اور علمائے عظام قرآن وحدیث میں جو مصرح احکام ہیں، ان کی دفع مضرت کی غرض سے یا جلب منفعت کے مقصد سے ایسی علتیں نکالتے ہیں، جنہں میں مذکور حکم کے مناسب حال ہوتی ہیں۔

(۱۰) جتہ الاسلام محمد بن محمد مغزالی رحمہ اللہ (ولادت ۳۵۰ھ وفات ۵۰۵ھ) پانچویں صدی کے مشہور عالم ہیں، تقریباً دو سو کتابوں کے مصنف ہیں مشہور کتابیں یہ ہیں (۱) احیاء علوم الدین (۲) المستصفی من علم الأصول (۳) المنحول من علم الأصول (۴) تنہافہ الفلاسفہ (۵) مقاصد الفلاسفہ اور مغزالی زاء کی تشدید کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح درست ہے۔ اول صناعة الغزل (اون کی کتابی) کی طرف نسبت ہے اور ثانی غزالۃ نامی ہستی کی طرف نسبت ہے جو طوس کے علاقہ میں ہے۔

(۱۱) ابوسلمیان محمد بن محمد خطابی ہستی (ولادت ۳۱۹ھ وفات ۳۸۸ھ) چوتھی صدی کے مشہور محقق محدث ہیں ہستی علاقہ کا کابل میں ہے آپ کے جد امجد زید بن خطاب (برادر عمر بن خطاب) ہیں آپ کی مشہور تصنیف معالم السنن شرح ابو داؤد ہے علاوہ ازیں بیان اعجاز القرآن اور اصلاح غلط الحدیث وغیرہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے بیک واسطہ شاگرد ہیں۔

(۱۲) علامہ عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام (ولادت ۵۷۷ھ وفات ۶۶۰ھ) ساتویں صدی کے بڑے محقق عالم

ہیں۔ سلطان العلماء کے لقب سے ملقب تھے۔ دمشق (شام) کے باشندے تھے آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں (۱) الامام فی اولیہ الاحکام (۲) قواعد الشریعہ (۳) قواعد الاحکام فی اصلاح الانام۔



اعمال کا حسن و فح نہ محض عقلی ہے نہ شرعی بلکہ بین بین ہے

لغت میں حسن کے معنی ہیں: خوبی، اچھائی اور مدگی — اور فح کے معنی ہیں: برائی اور خرابی — اور اصطلاح میں تین معنی ہیں:

(۱) صفت کمال اور صفت نقصان — یعنی جن امور میں کمال اور خوبی ہے وہ حسن ہیں اور جن میں نقصان اور خرابی ہے وہ فح ہیں۔ مثلاً ”سچ“ حسن ہے کیونکہ اس میں خوبی ہے اور ”جھوٹ“ فح ہے، کیونکہ اس میں خرابی ہے، جیسا مثال گئی اور زہر ہے۔

(۲) دنیوی مقاصد سے ہم آہنگ ہونا نہ ہونا یا کسی چیز کا نفع بخش یا ضرر رساں ہونا — یعنی جو کام دنیوی اغراض سے میل کھاتے ہیں وہ حسن ہیں اور جو ضرر رساں ہیں وہ فح ہیں مثلاً عالم حاکم کی موافقت یعنی اس کی ہاں میں ہاں ملانا، دنیوی فوائد کے لحاظ سے اچھا سمجھا جاتا ہے اور اس کی مخالفت کو ضرر رساں خیال کیا جاتا ہے اس لئے مفاد پرست اول کو اختیار کرتے ہیں اور ثانی سے بچتے ہیں۔

(۳) ثواب و عقاب کا حقدار بنانا — یعنی جن اعمال سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور آخرت میں ان اعمال پر ثواب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے وہ اعمال حسنہ ہیں اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتے ہیں اور آخرت میں ان پر سزا ملتی ہے وہ اعمال قبیحہ ہیں۔ مثلاً نماز اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے اور باعث اجر ہے اس لئے نفل حسن ہے اور زنا چوری وغیرہ اللہ کے نزدیک مغضوب اعمال ہیں اور آخرت میں ان پر سزا دی جائے گی اس لئے یہ اعمال قبیحہ ہیں، اسی طرح کبری اور خزیر کھانے میں فرق ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ پہلے دو معنی کے اعتبار سے اعمال کا حسن و فح عقلی ہے یعنی عقل بذات خود ان اعمال کی خوبی اور خرابی کا ادراک کر سکتی ہے، نزول شرع پر یہ چیز موقوف نہیں، البتہ تیسرے معنی کے اعتبار سے فرق اسلامیہ میں اختلاف ہے۔

اشاعرہ کہتے ہیں کہ اعمال کا حسن و فح محض شرعی ہے یعنی شریعت نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ اعمال حسنہ ہیں اور جن کاموں سے روکا ہے وہ اعمال قبیحہ ہیں اور یہ حسن و فح شریعت کے امر و نہی سے پیدا ہوا ہے، ورنہ اعمال

فی نفسہ نہ حسن ہیں نہ قبیح۔ مثلاً شارع نے نماز کا امر فرمایا تو نماز حسن ہو گئی اور نماز سے روکا تو وہ فعل قبیح ہو گیا، ورنہ ایجاب تحریم سے پہلے نماز اور نماز کا یکساں تھے یعنی نہ ان میں حسن تھا نہ قبیح، نہ ان کی وجہ سے ثواب کا استحقاق پیدا ہوتا تھا نہ عقاب کا۔ اگر بالفرض شریعت بالعکس معاملہ کرتی تو نماز فعل حسن ہوتا اور نماز امر قبیح۔

ماترید یہ: کہتے ہیں کہ اعمال میں حسن و قبیح من وجہ عقلی ہے اور من وجہ شرعی یعنی رو و شرع سے پہلے اعمال میں اپنی وضع کے اعتبار سے حسن و قبیح موجود ہوتا ہے مگر وہ فطری حسن و قبیح ثواب و عقاب کا حقدار نہیں بناتا، بلکہ نزول شرع کی وجہ سے اعمال موجب ثواب و عقاب بنتے ہیں۔ نزول شرع سے پہلے اگر کوئی ان کا مول کو کرے گا تو نہ ثواب کا حقدار ہوگا نہ عقاب کا، امر و نہی کے ذریعہ ہی استحقاق ثواب و عقاب پیدا ہوتا ہے۔ مگر امر و نہی ان اعمال میں کوئی حسن و قبیح پیدا نہیں کرتے بلکہ شریعت نازل ہو کر فطری خوبی و خرابی کو ظاہر کرتی ہے غرض شریعت فطری اور عقلی حسن پر مدار رکھ کر بعض اعمال کا حکم دیتی ہے تو وہ اعمال ثواب اور رضائے خداوندی کا استحقاق پیدا کرتے ہیں، اسی طرح فطری اور عقلی خرابی پر مدار رکھ کر شریعت بعض اعمال سے روکتی ہے تو وہ مراء اور غضب خداوندی کا سزاوار بناتے ہیں اور اس اعتبار سے اعمال کا حسن و قبیح شرعی ہے۔

اور یہ ضروری نہیں کہ شریعت تمام اعمال حسن کا امر فرمائے اور تمام اعمال قبیح کی نہی فرمائے، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، وہ کسی چیز کے پابند نہیں، جس چیز کے بارے میں چاہتے ہیں امر فرماتے ہیں، اور جس کے بارے میں چاہتے ہیں اس سے روک دیتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ حکم بہر حال انہی کاموں کا دیتے ہیں جو فطری طور پر حسن ہیں اور ممانعت انہی اعمال کی فرماتے ہیں جو اپنی وضع میں قبیح ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اعمال قبیحہ کا حکم دیدیں یا اعمال حسنہ سے روک دیں جن کاموں کا وہ حکم دیں گے وہ لامحالہ حسن ہوں گے، اور جن باتوں سے وہ روکیں گے وہ قبیح ہوگی۔

معتزلہ، امامیہ اور کرامیہ: کہتے ہیں کہ اعمال میں حسن و قبیح محض عقلی ہے، یعنی رو و شرع سے پہلے ہی سے اعمال میں حسن و قبیح موجود ہوتا ہے اور خاکم بدین اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ ہر اچھے کام کا حکم دیں اور ہر قبیح امر سے روکیں۔ اور شریعت خواہ نازل ہو یا نہ ہو ایمان، نماز وغیرہ اعمال صالحہ موجب اجر و ثواب ہیں اور کفر و نفاق وغیرہ اعمال قبیحہ سبب عقاب و موجب دخول نار ہیں، شریعت کا کام عقلی حسن و قبیح سے پردہ اٹھانا ہے جیسے حکیم طب کی کتاب میں جو خواص ادویہ بیان کرتا ہے وہ اپنے بیان کے ذریعہ اشیاء میں خواص پیدا نہیں کرتا بلکہ فطری خواص کو ظاہر کرتا ہے یہی حال شریعت کا ہے۔ شریعت نازل ہو کر نہ اشیاء میں حسن و قبیح پیدا کرتی ہے، نہ ثواب و عقاب کا حقدار بناتی ہے۔ بلکہ اگر شریعت نازل نہ بھی ہو تب بھی عقل احکام ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

علامہ محبت اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) نے مسلم الثبوت، مقالہ ثانیہ کے شروع میں ص ۱۴ میں یہ مذاہب خلاصہ بہت اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں شائقین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ معتزلہ کے خیال کی تردید کرتے ہیں کہ ان کا قول قطعاً باطل ہے، شریعت کا نزول بڑا

سبب ہے ثواب و عقاب کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے، سارا مدار فطری حسن و قبح پر نہیں۔ اور ان کے قول کے بطلان کی دلیل نقلی و حدیثی ہیں۔

پہلی حدیث: تراویح کے معاملہ میں دو دن یا جماعت نماز پڑھانے کے بعد، جب آپ ﷺ نے لوگوں کی بڑھتی ہوئی رغبت دیکھی تو تیسرے دن تشریف نہیں لائے اور ارشاد فرمایا کہ: ”مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے“، غور کیجئے! اگر تراویح میں حسن ہے اور اس درجہ ہے کہ اس کو فرض کیا جانا چاہئے تو بقول معترزلہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ اس کی فرضیت نازل فرمائیں، خواہ لوگوں میں دلچسپی پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ اس صورت میں شریعت اس کو فرض نہ کرے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تراویح میں اس درجہ کی خوبی نہیں تو شریعت اس کو فرض کر ہی نہیں سکتی، خواہ لوگوں میں کتنی ہی رغبت پائی جائے۔ حالانکہ حدیث شریف سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ شریعت تراویح کی فرضیت نازل کر بھی سکتی ہے اور نہیں بھی کر سکتی، تراویح کا فطری حسن کسی ایک بات کا لازمی تقاضا نہیں کرتا۔

دوسری حدیث: یہ ہے کہ ”مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا ہجر وہ مسلمان ہے جو کسی ایسی چیز کے بارے میں دریافت کرے جو حرام نہیں کی گئی، پھر وہ اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام کر دی گئی“ سوچیں! معترزلہ مذہب پر یہ بات کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟ اگر اس چیز میں اس درجہ خرابی ہے کہ اس کو حرام ہونا چاہئے تو اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ اس کو حرام کرے، خواہ کوئی دریافت کرے یا نہ کرے، اور اگر وہ چیز اس درجہ قبیح نہیں تو سوال سے کیا ہوتا ہے؟ شریعت اس کو حرام نہیں کر سکتی۔ حالانکہ حدیث شریف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوال کا نزول تحریم میں دخل ہے، معلوم ہوا کہ سارا مدار عقلی حسن و قبح پر نہیں۔

اور معترزلہ کے قول کے بطلان کی دلیل عقلی میں بھی دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی بات: شہید گرم موسم میں، ماہ رمضان المبارک میں ایک شخص A.C. میں سفر کرتا ہے اور دوسرا چلا پلاتی دھوپ میں کھیت میں مل چلا تا ہے یا اور کوئی پر مشقت کام کرتا ہے تو عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ اول کو روزہ نہ رکھنے کی سہولت نہ ملنی چاہئے کیونکہ سفر میں اسے کوئی پریشانی نہیں اور ثانی کو رخصت ملنی چاہئے، کیونکہ اس کے لئے اس مشقت کے ساتھ روزہ رکھنا سخت دشوار ہے۔ حالانکہ مسئلہ اس کے برعکس ہے، مسافر کے لئے رخصت ہے اور تیمم کے لئے نہیں، خواہ اسے کبھی ہی مشقت لاحق ہو، معلوم ہوا کہ احکام کا مدار محض عقلی حسن و قبح پر نہیں۔

دوسری بات: حدود کو لیجئے، ایک شخص صرف پانچ سو روپے کی چوری کرتا ہے اس کا معاملہ قاضی کے سامنے پہنچ جاتا ہے اور چوری ثابت ہو جاتی ہے تو اس کا ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا، صاحب مال بھی اس کو معاف نہیں کر سکتا کیونکہ یہ حد کا معاملہ ہے اور دوسرا شخص کسی کو عمدہ قتل کرتا ہے اور قاضی کے پاس اس کا قتل ثابت ہو جاتا ہے تو بھی مقتول کے ورثاء قصاص معاف کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ حد نہیں، جبکہ پانچ سو روپے کی چوری کا معاملہ اتنا سنگین نہیں، جتنا قتل عمد کا معاملہ۔

گلین ہے، پس اگر مدار عقل کے فیصلہ پر ہوتا تو چور کی معافی یہ بہت قاتل کے آسان تھی۔

فائدہ (۱) اشاعرہ کی رائے بھی بالکل صحیح نہیں۔ مگر شاہ صاحب نے اس کی تردید یا تو اس وجہ سے نہیں کی کہ مقصد مسئلہ کی تحقیق نہیں، بلکہ معتزلہ کی تردید ہے یا اس وجہ سے نہیں کی کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مذاہب میں توافق پیدا کیا جاسکتا ہے، یا شاید اس لئے نہیں کی کہ شاہ صاحب خود اشعری ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ (۲) یہ بحث یہاں اس لئے چھیڑی گئی ہے کہ احکام شرعیہ میں جو حکم و مصالح ہیں وہ نزول شرع سے پیدا نہیں ہوتے، بلکہ پہلے ہی سے وہ مکاتیب اور تہتیں اعمال میں موجود ہوتی ہیں، مگر محض ان کی وجہ سے ثواب و عقاب کا استحقاق پیدا نہیں ہوتا، نہ ان پر جزاء و سزا کا مدار ہے، ثواب و عقاب کا مدار نزول شرع پر ہے البتہ شریعت مصالح کا لحاظ کر کے احکام نازل کرتی ہے، پس یونہی اہل شپ احکام نازل نہیں کرتی۔

[من قال: إن حُسن الأعمال وقُبْحَهَا عقليان من كل وجه فقله باطل كذلك]

نعم، کما أوجبت السنة هذه، وانعقد عليها الإجماع، فقد أوجبت أيضاً: أن نزول القضاء بالإيجاب والتحریم سبب عظیم فی نفسه — مع قطع النظر عن تلك المصالح — لإثابة المطیع وعقاب العاصی؛ وأنه ليس الأمر على ما ظن من أن حُسن الأعمال وقُبْحَهَا — بمعنى استحقاق العامل الثواب والعذاب — عقليان من كل وجه، وأن الشرع وظیفته الإخبار عن خواص الأعمال على ما هي عليه، دون إنشاء الإيجاب والتحریم، بمنزلة طبيب یصف خواص الأدوية، وأنواع المرض: فإنه ظن فاسد، نَمَجُّهُ السنة بادی الرأی.

کیف؟ وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قیام رمضان: ﴿حتى خشیت أن یکتب علیکم﴾ وقال: ﴿إن أعظم المسلمین فی المسلمین جُرماً: من سأل عن شیء لم یُحرَمْ علی الناس، فُحرَمَ من أجل مستهل﴾ إلى غیر ذلك من الأحادیث.

کبف؟ ولو كان ذلك كذلك لَجَازَ إِفْطَارُ المَقِیمِ الذی یَتَعَانَى کَفَّابِی المَسَافِر، لمكان الحرج المبنی علیه الرُخص، ولم یَجْزُ إِفْطَارُ المَسَافِرِ المَتَرَفَةِ، وكذلك سائر الحدود التي حدَّها الشَّارع.

ترجمہ: یہ خیال بھی باطل ہے کہ اعمال کا حسن و قبح بہر حال عقلی ہے، ہاں، جس طرح احادیث نے یہ ثابت کیا ہے کہ احکام شرعیہ مصالح اور حکم پر مبنی ہیں (اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اسی طرح یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ایجاب و تحریم کے فیصلہ کا نزول بذات خود بہت بڑا سبب ہے اُن مصالح و حکم سے قطع نظر کرتے ہوئے فرماں بردار کے ثواب کے لئے،

اور نافرمان کے عذاب کے لئے اور یہ (بھی ثابت کیا ہے) کہ صورت حال وہ نہیں ہے جو سمجھی گئی ہے کہ اعمال کی خوبی اور خرابی بمعنی عمل کرنے والے کا ثواب یا عذاب کا حقدار ہونا بہر حال منتقلی ہے اور شریعت کا کام اعمال کی خصوصیات کے بارے میں، جیسی کہ وہ نفس الامر میں ہیں، خبر دینا ہے۔ ایجاب تحریم کو پیدا کرنا اس کا کام نہیں مثلاً حکیم دواؤں کی خصوصیات اور بیماریوں کی انواع بیان کرتا ہے (پیدا نہیں کرتا) غرض یہ خیال قطعاً باطل ہے احادیث شریفہ اس کو اول و ہلہ ہی میں بالکل مسترد کر دیتی ہیں۔

کیونکر (یہ گمان درست ہو سکتا ہے؟) جبکہ آنحضرت ﷺ نے تراویح کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ”یہاں تک کہ مجھے ائمہ یثرب ہو اس نماز کے تم پر فرض کئے جانے کا“ (متفق علیہ مشکوٰۃ ۱۲۹۵ باب قیام شبہ رمضان) اور ارشاد فرمایا کہ: ”مسلمانوں میں مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہیں کی گئی پھر اس کے سوال کی وجہ سے وہ حرام کر دی گئی“ (متفق علیہ مشکوٰۃ ۱۵۳ باب الاعتصام) اور دیگر بہت سی احادیث۔

کیونکر (یہ گمان درست ہو سکتا ہے؟) اگر معاملہ ایسا ہوتا جیسا کہ گمان کیا گیا ہے تو اس مقیم کے لئے رمضان میں روزہ نہ رکھنا جائز ہوتا جو مسافر کی طرح مشقت برداشت کرتا ہے، اس تنگی کی بناء پر جس پر رخصتوں کا مدار ہے اور شہادت سے سفر کرنے والے مسافر کے لئے افطار جائز نہ ہوتا اور اسی طرح تمام حدود شرعیہ (کا حال ہوتا) جو شارع نے مقرر کی ہیں۔

لغات:

أَوْ جِبَ الشَّيْءِ: واجب کرنا، ثابت کرنا۔ وَ طَبَقَةُ: خاص کام، معین عمل۔ مَخِ الشَّيْءِ: تھوک دینا، منہ سے پھینک دینا کھلی کر دینا اور بطور استعارہ کہا جاتا ہے هَذَا كَلَامٌ تَمَجُّهُ الْأَسْمَاعُ: یہ ایسا کلام ہے جس کو کان سننا نہیں چاہتے۔ بَسَادَى الرِّوَايِ: سرسری رائے، جس میں زیادہ غور و فکر نہ کیا گیا ہو۔ مُسْتَلْزَمَةٌ: حاصل مصدر بمعنی سوال و درخواست ہے۔



احکام پر عمل پیرا ہونا حکمتوں کے جاننے پر موقوف نہیں

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا حکمتیں اور مصلحتیں جاننے پر موقوف نہیں، اگرچہ احکام میں حکم و علیک اور حسن و قبح ملحوظ ہوتا ہے، مگر امتثال اس حسن و قبح کے جاننے پر موقوف نہیں، البتہ اس کی تحقیق ضروری ہے کہ وہ کلم قرآن و حدیث سے صراحتاً یا استنباطاً ثابت ہے یا نہیں؟ سورة الفرقان آیت ۳ میں ﴿عِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ (اللہ

کے مخصوص بندوں) کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب ان کو ان کے رب کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے، اس لئے احکام دین کا صرف مطالعہ یا غیر معتبر لوگوں سے سن لینا کافی نہیں، بلکہ پوری تحقیق کر کے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مگر جب حکم کی تحقیق ہو جائے تو اس پر عمل درآمد میں دیر بھی نہیں ہونی چاہئے۔ آج کل یورپ و امریکہ میں عام طور پر اور ہمارے ملک میں انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں خاص طور پر جو ذہنیت مفتی جا رہی ہے کہ حکم کی حکمت معلوم ہوگی اور اس پر ذہن مطمئن ہوگا تب عمل کرنے کے لئے سوچیں گے، یہ غیر دینی مزاج ہے، کیونکہ احکام شرعیہ کے مطلق و مبالغہ اور ذاتی حسن و قبح ہر انسان نہیں سمجھ سکتا۔ اور اسی وجہ سے ہمیشہ یہ علم (اسرار الدین) نااہلوں کو دینے میں چٹکچاہٹ محسوس کی گئی ہے اور ہر کس و نا کس کے سامنے احکام کی غلطیوں اور حکمتیں بیان کرنے میں تذبذب ہوتا ہے کہ معلوم نہیں وہ بات سمجھ سکے گا یا نہیں۔

بلکہ یہ علم اتنا دقیق ہے کہ اس کو بڑھانے کے لئے اور اس علم میں کتاب لکھنے کے لئے وہ تمام شرائط ہیں جو علم تفسیر کے لئے ہیں اور وہ علوم ضروری ہیں جو علم تفسیر کے لئے ضروری ہیں۔ اور جس طرح تفسیر بالرائی حرام ہے اسی طرح اس علم میں دلائل و قرآن کے بغیر اور آثار صحابہ و تابعین کے بغیر غور و فکر کرنا بھی حرام ہے۔

علاوہ ازیں مصالح و حکم کو جان کر عمل کرنا اتنی مضبوط بات نہیں جتنی اللہ و رسول کا حکم سمجھ کر عمل کرنا ہے۔ مؤمن کا اعتقاد عقل پر نہیں ہوتا اللہ و رسول کے حکم پر ہوتا ہے۔ عقل تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے اور اللہ کے رسول اللہ کے رسول ہیں، پس جب کوئی حکم رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو گیا تو آپ مؤمن کو کسی اور دلیل کی حاجت نہیں۔

[الْإِمْتِثَالُ لَا يُتَوَقَّفُ عَلَى مَعْرِفَةِ الْمَصَالِحِ]

وَأَوْجِبْتُ أَيْضًا: أَنَّهُ لَا يَجِبُ أَنْ يُتَوَقَّفَ فِي إِمْتِثَالِ أَحْكَامِ الشَّرْعِ — إِذَا صَحَّتْ بِهَا الرُّوَايَةُ — عَلَى مَعْرِفَةِ تِلْكَ الْمَصَالِحِ، لِعَدَمِ اسْتِفْلَالِ عُقُولِ كَثِيرٍ مِنَ النَّاسِ فِي مَعْرِفَةِ كَثِيرٍ مِنَ الْمَصَالِحِ؛ وَلِكَوْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْثَقَ عِنْدَنَا مِنْ عَقُولِنَا؛ وَلِذَلِكَ لَمْ يَزَلْ هَذَا الْعِلْمُ مَضْنُونًا بِهِ عَلَى غَيْرِ أَهْلِهِ؛ وَيُفْتَضَرُّ لَهُ مَا يَشْتَرُطُ فِي تَفْسِيرِ كِتَابِ اللَّهِ، وَيَحْتَوُمُ الْخَوْضُ فِيهِ بِالرَّأْيِ الْخَالِصِ، غَيْرِ الْمُسْتَنَدِ إِلَى السَّنَنِ وَالْأَثَارِ.

ترجمہ: احکام پر عمل حکمتوں کے جاننے پر موقوف نہیں: اور احادیث نے یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں — جبکہ وہ صحیح روایت سے ثابت ہو جائیں — ان کی مصلحتوں کے جاننے تک توقف کرنا جائز نہیں، کیونکہ بہت سے انسانوں کی عقلیں بہت سی حکمتوں کو بطور خود نہیں سمجھ سکتیں اور نبی کریم ﷺ کی ذات ہمارے

نزدیک ہماری عقلوں سے کہیں زیادہ قابل اعتماد ہے اور اسی وجہ سے ہمیشہ یہ علم (اسرار الدین) نااہلوں کو دینے میں بخلی کی گئی اور اس کے لئے دو شرائط ہیں جو کتاب اللہ کی تفسیر کے لئے ہیں اور اس علم میں محض ایسی رائے سے جو احادیث اور صحابہ و تابعین کے ارشادات سے مؤید نہ ہو، غور و خوض کرنا حرام ہے۔

لغات: استقل بواہ: رائے میں مغرور ہونا، اکیلا ہونا، کسی کو شریک نہ کرنا.... حُضْنٌ بِالْشَيْءِ: بخل کرنا۔ مَضُونٌ بہ (اسم مفعول) وہ چیز جس کے دینے میں بخلی کی جائے۔

نوٹ: تفسیر کے لئے پندرہ علوم ضروری ہیں۔ جن کا بیان سیوطی رحمہ اللہ کی الاتقان فی علوم القرآن میں ہے۔ اور روح المعانی کے مقدمہ میں بھی ہے اور اس میں بعض چیزوں کے ضروری ہونے پر نقد بھی ہے۔



تکلیف شرعی کی صحیح مثال

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا ہے معتزلہ نے پہلے اس کی یہ مثال دی ہے کہ ”ایک آقا نے اپنے غلام کی فرماں برداری کا امتحان کرنے کے لئے، اس کو کسی پتھر کے اٹھانے کا حکم دیا، جس میں امتحان کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں، پھر جب غلام نے فرماں برداری کی یا نافرمانی کی تو آقا نے اس کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا“

یہ مثال معتزلہ نے اپنے اس دعوے کی دی ہے کہ (۱) احکام شرعیہ میں مصالح ملحوظ نہیں (۲) اور اعمال اور ان کی جزا کے درمیان کچھ بھی مناسبت نہیں — معتزلہ کی یہ مثال صحیح نہیں، بلکہ تکلیف شرعی کی صحیح مثال یہ ہے کہ ایک آقا کے غلام بیمار پڑے، کسی و با کا شکار ہو گئے، آقا نے ایک واکٹر مقرر کیا جو ان کی دوا دارو کرے، پس جو غلام واکٹر کی بات مانے گا اور دوا پیئے گا وہ درحقیقت آقا کی بات مانے گا اور شفا یاب ہوگا اور آقا اس سے خوش ہوگا اور جو غلام واکٹر کی بات نہیں مانے گا اور دوا پیئے سے انکار کرے گا، وہ درحقیقت آقا کی نافرمانی کرے گا اور بیماری میں سترے گا، اور آقا کی ناراضگی مول لے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بیمار انسانوں کے معالجہ کے لئے انبیاء کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعہ شفا بھیجا۔ اب جو لوگ انبیاء کی اطاعت کریں گے اور نسخہ شفا استعمال کریں گے اور نسخہ شفا استعمال کریں گے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے اور شفا یاب ہوں گے اور ان کا مولیٰ ان سے راضی ہوگا اور دارین میں ان کو بہترین صلہ عطا فرمائے گا، اور جو انبیاء کی نہیں سنے گا وہ دنیا میں بھی تباہ ہوگا اور اس کا مولیٰ اس سے ناخوش ہوگا اور وہ آخرت میں جہنم کا عیدھن بنے گا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے ذریعہ جو احکام بھیجے ہیں وہ بے فائدہ نہیں، بلکہ لوگوں کے لئے ان میں عظیم فوائد ہیں اور معتزلہ کی مثال غلط اس لئے ہے کہ وہ بے دلیل ہے، وہ شخص ان کی ذہنی اوج ہے اور شاہ صاحب نے جو مثال دی ہے

وہ درج ذیل روایات سے مستفاد ہے۔

پہلی روایت: فرشتوں نے آنحضور ﷺ کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص نے ایک شاندار حویلی بنائی اور اس کے افتتاح میں ایک پر تکلف دعوت کا انتظام کیا، پھر لوگوں کو دعوت دینے کے لئے ایک شخص کو بھیجا، پس جو شخص داعی کی بات مان کر دعوت میں آئے گا وہ مزے دار کھانا کھائے گا اور مالک اس سے خوش ہوگا کہ اس نے اس کی خوشی میں شرکت کی۔ اور جو داعی کی بات قبول نہیں کرے گا اور دعوت میں حاضر نہ ہوگا وہ محروم رہے گا اور جب صاحب خانہ کو پتہ چلے گا کہ فلاں شخص نے افتتاح میں شرکت کی دعوت قبول نہیں کی تو اس کی طرف سے اس کا دل میلانے لگا۔

اسی طرح اللہ پاک نے ایک حویلی بنائی ہے اور وہ جنت ہے اور اس کی نعمتیں خوان یغما ہیں اور داعی رسول اللہ ﷺ ہیں، پس جو آپ کی دعوت قبول کرے گا اور جنت میں پہنچے گا وہ اس کی سدا بہار نعمتوں سے لطف اندوز ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مزید برآں ہوگی۔ اور جو داعی کی بات رد کرے گا اور حویلی میں نہیں پہنچے گا، وہ نہ صرف یہ کہ جنت کی نعمتوں سے محروم رہے گا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی بھی مول لے گا اور اس کی پاداش بھگتے گا۔

اس حدیث میں غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی مثال قطعاً درست نہیں، تکلیف شرعی بے فائدہ برگزشتہ نہیں، بلکہ اس میں انسانوں کے لئے بے شمار فوائد ہیں۔

دوسری روایت: خود آنحضور ﷺ نے اپنی اور اپنے لائے ہوئے دین کی یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص قوم کو دشمنی کے خطرہ کی وارننگ دیتا ہے، پس جو لوگ یہ خبر سن کر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے وہ بال بال بچ جائیں گے اور جو لوگ اس خبر پر کان نہیں دھریں گے وہ تباہ ہونگے، اسی طرح جو لوگ نبیوں کی بات سنیں گے وہ نجات پائیں گے اور جو جھٹلائیں گے وہ جہنم رسید ہوں گے اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کی مثال صحیح ہے اور حق تعالیٰ کی مثال غلط ہے۔

تیسری روایت: آگے باب گیارہ میں تفصیل سے آ رہی ہے کہ لوگوں پر دنیا میں جو الامیں جو الامیں، آفتیں اور بھیتیں آتی ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”وہ تمہارے اعمال ہیں جو تمہاری طرف پھیرے جاتے ہیں“ اس حدیث سے بھی یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اعمال اور ان کے بدلے کے درمیان گہرا ربط ہے، کیونکہ اعمال سیئہ پر جو سزائیں ملتی ہیں وہ بس یونہی الہی نپ نہیں مانتیں بلکہ ان میں گہری مناسبت ہوتی ہے۔ یہی حال اعمال صالحہ اور ان کی برکات کا ہے۔

[المثال الصحيح للتكليف الشرعي]

و يظهر مما ذكرنا أن الحق في التكليف بالشرائع: أن مثله كمثل سيّد، مرض عبده، فسقط

عليهم رجلا من خاصته، لِيَسْقِيَهُمْ دَوَاءً؛ فَإِنْ أَطَاعُوا لَهُ أَطَاعُوا السَّيِّدَ، وَرَضِيَ عَنْهُمْ سَيِّدُهُمْ، وَأَتَانِيهِمْ خَيْرًا؛ وَنَجَّوْا مِنَ الْمَرَضِ؛ وَإِنْ عَصَوْهُ غَضَوُ السَّيِّدَ، وَاحْطَأَ بِهِمْ غَضَبُهُ، وَجَازَأَهُمْ أَسْوَأَ الْجِزَاءِ، وَهَلَكُوا مِنَ الْمَرَضِ؛ وَإِلَى ذَلِكَ أَشَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ رَاوِيًا عَنْ الْمَلَائِكَةِ: ﴿أَنْ تَفْلَهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا، وَجَعَلَ فِيهَا مَأْذِبَةً، وَبَعَثَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ، وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْذِبَةِ؛ وَمَنْ لَمْ يَجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْذِبَةِ﴾^۱ وحيث قال: ﴿إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا، فَقَالَ: يَا قَوْمُ! إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ يُبْعِثُنِي، وَإِنِّي أَنَا السَّنْذِيرُ الْعَرَبِيَّ، قَالَ السَّخَاةُ النِّجَاءَ!! فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ، فَأَذْلَجُوا، فَانْطَلَقُوا عَلَى مَهْلِهِمْ، فَجَاءُوا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ، فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ، فَأَهْلَكَهُمْ، وَاجْتَنَحَهُمْ﴾^۲ وقال رَاوِيًا عَنْ رَبِّهِ: ﴿إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ تَرُدُّ عَلَيْكُمْ﴾

ترجمہ: تکلیف شرعی کی صحیح مثال: مذکورہ بالا کلام سے یہ امر واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا ہے تو اس کی مثال بالکل اس آقا جیسی ہے جس کے بہت سے غلام بیمار پڑے ہوں پس آقا نے ان پر اپنے مخصوص لوگوں میں سے ایک آدمی کو مقرر کیا تاکہ وہ ان کو دوا پلائے، اب اگر غلام اس شخص کی بات مانیں گے تو وہ آقا کے فرماں بردار شاہروں گے اور آقا ان سے خوش ہوگا، اور ان کو اچھا ہل دے گا اور وہ بیماری سے نجات پائیں گے۔ اور اگر غلام اس آدمی کی بات نہیں مانیں گے تو وہ آقا کے نا فرمان شاہروں گے اور آقا کی ناراضگی ان کو گھیر لے گی اور وہ ان کو سخت سے سخت سزا دے گا اور وہ بیماری سے ہلاک ہو جائیں گے اور اس مثال کی طرف آنحضور ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ آپؐ نے فرشتوں کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”آپ ﷺ کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے کوئی مکان تعمیر کیا اور اس میں حیافت کا انتظام کیا اور دعوت دینے والے کو بھجوا، پس جس نے داعی کی بات پر لبیک کہا وہ گھر میں آیا اور دسترخوان سے کھایا اور جس نے داعی کی بات پر لبیک نہ کہا وہ نہ گھر میں آیا نہ دسترخوان سے کھایا“ (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۴۴ باب الاعتصام الخ)

(اور ایک اور ارشاد میں بھی آپؐ نے اس مثال کی طرف اشارہ فرمایا ہے) چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ: ”میری اور اس دین کی مثال جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس شخص جیسی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا۔ اور کہا: اے میری قوم! میں نے دشمن کا ایک لشکر جہاز اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں تنگ ڈرانے والا (یعنی بڑے خطرے سے صاف آگاہ کرنے والا) ہوں، پس بچو! پس قوم میں سے ایک گروہ نے اس کی بات مانی چنانچہ وہ شروع رات ہی میں چل پڑے اور آہستہ آہستہ رات بھر چلتے رہے پس وہ پہنچ گئے اور ایک گروہ نے اس شخص کی تکذیب کی اور وہ اسی جگہ ٹھہرے رہے پس ان پر دشمن نے شب خون مارا اور ان کو ہلاک کر دیا اور صفحہ ہستی سے مٹا دیا“ (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱۳۸)

باب الاعتصام الخ) اور آپ ﷺ نے اپنے پروردگار سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”وہ (آفات و بلیات اور مظالم) تمہارے اعمال ہی میں جو تم پر لوٹائے جا رہے ہیں“ (رواہ مسلم ج ۶ ص ۱۳۳ مصری ابواب البر والصلة، یہاں یہ روایت مختصر اور بالمتنی آئی ہے، آگے باب لصوق الأعمال بالنفس میں مفصل اور بلفظ آ رہی ہے)

لغات:

الحق: سچائی، راستی۔ سلطه عليه: قدرت و بنا، قابض بنانا۔۔۔ الخاصۃ: عامۃ کی ضد، وہ چیز جس کو کوئی اپنے لئے خاص کر لے، خاصۃ الملك: بادشاہ کے مقرب لوگ۔ السأذیة: وہ کھانا جو دعوت کے لئے تیار کیا جائے۔ النذیر العریان: ننگا ڈرانے والا، قدیم عربوں میں دستور تھا کہ جب کوئی خطرناک خبر دینی ہوتی تو وارننگ دینے والا بالکل مادر زاد ننگا ہو کر اعلان کرتا۔ اس سے النذیر العریان کا محاورہ بن گیا۔ اب ایسا کرنا ضروری نہیں، اب جو بھی دو ٹوک وارننگ دے وہ النذیر العریان کہلائے گا۔۔۔ ادلج اذلاجا القوم: رات بھر چلنا یا آخری رات میں چلنا۔۔۔ السفہل: نرمی، آہستگی۔۔۔ صبح: صبح کے وقت آنا، شب خون مارنا یعنی رات کے پچھلے حصہ میں یا صبح سویرے حملہ کرنا۔۔۔ اجتاحہ: جڑ سے اکھاڑنا، ہلاک کرنا۔



اہل فترت اور پہاڑوں پر رہنے والوں کا حکم

اہل فترت اور اہل جاہلیت: دونوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں، جب ایک نبی کی دعوت ختم ہو جائے یعنی ان کا لایا ہوا صحیح دین و دنیا میں باقی نہ رہے اور اگلا نبی ابھی نہ آیا ہو تو اس درمیانی وقفہ کے لوگوں کو اصحاب فترت اور اہل جاہلیت کہتے ہیں۔

اور سکن شوانق جہاں: پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسنے والے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن تک نبی کی دعوت نہیں پہنچی یعنی وہ کسی ایسے دور دراز خطے میں بستے ہیں کہ اللہ کے دین کے داعی وہاں تک نہیں پہنچ سکے، نہ کسی اور ذریعہ سے اللہ کے دین کی بات ان کے کان میں پڑی۔

مذکورہ دونوں قسم کے لوگوں کا اخروی انجام کیا ہوگا؟ ناجی ہوں گے یا ناری؟ یہ کانٹا بھرا مسئلہ ہے، کیونکہ ان کے بارے میں دلائل متعارض ہیں:

(۱) سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا ﴿۱۵﴾ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہ معذب نہ ہوں گے، ناجی ہوں گے، حالانکہ اس آیت میں دنیوی عذاب (سزا) کا ذکر ہے جو حق و باطل کی کشمکش کے

آخر میں، عملی فیصلہ کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے، آخرت کے عذاب سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔

(۲) اور ابن ماجہ میں سند صحیح سے حدیث (نمبر ۱۵۷۷) ہے کہ ایک دیہاتی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ابا صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور فلاں فلاں اعمال صالحہ کرتے تھے، اب مرنے کے بعد وہ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو یہ بھی حکم دیا کہ ﴿حَيْثُمَا مَرَدْتُ بِقَبْرِ مِثْلِكَ فَبَشِّرْهُ بِالنَّارِ﴾ (تم جس کا فری بھی قبر پر گزر دو، اس کو جہنم کی خوش خبری دو) اس سائل کا باپ اصحابِ فترت میں سے تھا اور وہ اصحابِ قبور بھی اہل فترت میں سے تھے پس اس روایت سے ان کا معذب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

الغرض یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے، اس مسئلہ میں درج ذیل آراء پائی جاتی ہیں۔

(۱) شیخ محمد الدین ابن عربی (۵۶۰-۶۳۸ھ) جو سواتیس صدی کے مشہور بزرگ اور صوفی ہیں فتوحات مکہ میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف میدانِ محشر میں نبیِ مبعوث کئے جائیں گے، جو لوگ ان کی اتباع کریں گے وہ ناجی ہوں گے اور جو ان کا انکار کریں گے وہ ناری ہوں گے۔ مگر یہ بات بے دلیل ہے اور یومِ قیامت دارِ عمل نہیں، بلکہ دارِ جزاء ہے۔

(۲) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبد اللہ احمد ہندی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) جو حضرت شاہ صاحب سے تقریباً ایک صدی پہلے گزرے ہیں، مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۱۵۹ میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو ان کے برے اعمال کی جو سزا دینی ہے وہ میدانِ محشر میں دیدی جائے گی، پھر ان کو دیگر حیوانات کی طرح مٹی بنا دیا جائے گا اور مجدد صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے یہ رائے تمام انبیاء کی محفل میں پیش کی، تو سب نے میری رائے پسند کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔ یہ کوئی مکاشفہ ہے اور انبیاء کے علاوہ کسی کا بھی کشفِ حجت شرعیہ نہیں، وہ محض ظن پیدا کرتا ہے، حکم شرعی ثابت کرنے کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

(۳) مفسرین کی ایک رائے یہ ہے کہ وہ لوگ اعراف میں رہیں گے، جو جنت اور جہنم کے بیچ میں ایک مقام ہے۔ مگر یہ رائے بھی درست نہیں، کیونکہ اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، تمام اہل اعراف آخر میں جنت میں منتقل کروئے جائیں گے۔

(۴) اصولیوں کی عام رائے یہ ہے کہ اعمال کا حسن و قبح من و عقیلی ہے یعنی اعمال کی وضع ہی میں خوبیاں اور خرابیاں رکھی گئی ہیں مگر یہ فطری حسن و قبح انسان سمجھ نہیں سکتا اس لئے نزولِ شرع ضروری ہے۔ البتہ اللہ کی معرفت کا حسن اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی برائی انسان نزولِ شرع کے بغیر بھی اپنی خدا و اوائل سے سمجھ سکتا ہے، باقی اعمال کے حسن و قبح کا عقل اور اک نہیں کر سکتی، شریعت نازل ہو کر جب احکام دیتی ہے، تبھی اعمال کا حسن و قبح معلوم ہوتا ہے۔

پس وہ اعمال جن کا حسن و قبح انسان عقل سے نہیں سمجھ سکتا ان پر نزولِ شرع سے پہلے مداخلہ نہ ہوگا اور تو حید و شرک پر

جزاؤں سے مرتب ہوگی، علامہ محبت اللہ بہار سی رحمہ اللہ نے مسلم الثبوت (ص ۱۶) میں امام اعظم رحمہ اللہ سے یہی روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے: روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لا غدر لأحد في الجهل بخالفه لما يرى من الدلائل بغير علمه اس روایت میں ایک قید بڑھائی ہے اور مذکورہ مسئلہ اس روایت پر مقرر کیا ہے، لکھتے ہیں:

أقول: لعل المراد بعد مُضيّ مدة التأمل، فإنه بمنزلة دعوة الرسل في تنبيه القلب بذلك، وتلك المدة مختلفة، فإن العقول متفاوتة، وبما حرّروا من المذاهب

يتفرع عليه مسألة البالغ في شاطئ الجبل الخ

اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور احسان مندی کا حسن اور شرک اور احسان فراموشی کی برائی کا عقل سے اس لئے سمجھی جاسکتی ہے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ نے پچھلی زندگی میں سمجھا کر انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کل مولد یولد علی الفطرة: ہر بچہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں نہیں پیدا ہوتا، اس دنیا میں صرف انسان کا جسم نیا بنتا ہے کیونکہ یہ عالم اجساد ہے اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جا چکی ہے اور تمام روحیں عالم ارواح میں موجود ہیں، وہاں سے وہ روح عظیم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۷۲ ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ أَشْهَدُ أَنْ لَا تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ۔

یہ عہدالست اور عالمِ دُر کا واقعہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلیبی اولاد پیدا ہوئی گئی جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلادیا یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح حیدر اکرا کر اپنی معرفت اور پہچان کرائی، پھر ان سے پوچھا: ”کیا میں تمہارا رب نہیں؟“ سب نے کہا! کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں۔ یہ مضمون مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۲ اور مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۴۲ کی روایت میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

پھر وہ روحیں اصحاب میں واپس نہیں کی گئیں بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، بخاری شریف میں روایت ہے: **الْأَرْوَاحُ جُودَةٌ مُجَدَّدَةٌ** عالم ارواح میں روحیں خاص ترتیب سے جیسے کہ فوج کی کمانڈیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں پھر ماکدر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لاکر فرشتہ بھونکتا ہے۔

الغرض معرفت خداوندی اور ربوبیت کی گواہی ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اور اس دنیا میں آنے کے بعد انسان کو اس عہد کی تفصیلات بھول گیا ہے مگر اصل استعداد موجود ہے اس لئے ایمان و توحید اور اس کی ضد شرک و کفر بالکل عقلی مسئلہ ہے، ان کا حسن و قبح انسان اپنی عقل و فطرت سے سمجھ سکتا ہے باقی اعمال حسنہ نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ کا حسن اور اعمال سیئہ زنا چوری شراب نوشی وغیرہ کا قبح انسان اپنی عقل سے نہیں سمجھ سکتا، نزول شرع کے بعد ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس وجہ سے ایمان و کفر کی وجہ سے اہل فترت اور سکان شوائق جہاں کو جزا و سزا ہوگی باقی اعمال کی وجہ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے گزشتہ بحث اچھی طرح سمجھ لی ہے تو اہل جاہلیت کے بارے میں جو متعارض دلائل ہیں ان میں آپ تطبیق دے سکتے ہیں۔ تطبیق کس طرح ہوگی؟ یہ بات حضرت نے تشبیہ چھوڑ دی ہے، بظاہر تطبیق یہ ہے کہ جن اعمال کا حسن و قبح عقل و فطرت سے سمجھا جاسکتا ہے ان پر مواخذہ ہوگا، باقی اعمال جن کا حسن و قبح انسانی عقل اور اک نہیں کر سکتی، نزول شرع کے بعد ہی اس تک رسائی ہو سکتی ہے ان پر مواخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ اعمال کا حسن و قبح من کل الوجوہ نہ عقلی ہے نہ شرعی، بلکہ من وجہ عقلی ہے اور من وجہ شرعی۔ پس ایمان و کفر میں عقلی پہلو کا اعتبار ہوگا اور باقی اعمال میں شرعی پہلو ملحوظ رکھا جائے گا۔

وبما ذکرنا من أنَّ ههنا أمرًا بين الأمرين، وأن لكل من الأعمال ونزول القضاء بالإيجاب والحریم اثرًا فی استحقاق الثواب والعقاب، یُجمَعُ بین الدلائل المتعارضة فی أهل الجاهلیة، یُعَذَّبُونَ بما عملوا فی الجاهلیة أم لا؟

ترجمہ: اور ان باتوں سے جو ہم نے ذکر کیں ہیں کہ: ”یہاں معاملہ دو امور کے درمیان ہے اور یہ کہ اعمال اور ایجاب و تحریم کے فیصلہ کے نزول میں سے ہر ایک کا اثر ہے ثواب و عقاب کا حقدار بنانے میں“ تطبیق دی جاسکتی ہے اہل جاہلیت کے بارے میں متعارض دلائل ہیں کہ وہ ان اعمال کی وجہ سے جن کو انھوں نے ایام جاہلیت میں کیا ہے، عذاب دے جائیں گے یا نہیں؟



فن حکمت شرعیہ کی تدوین اور اس کے فوائد

بعض حضرات درج ذیل دو باتیں تسلیم کرتے ہیں:

- (۱) احکام معلل بالمصالح ہیں یعنی احکام میں علتیں اور حکمتیں ملحوظ ہیں، پس ان کو سمجھ کر نکالا جاسکتا ہے۔
- (۲) اور اعمال پر جزا کا ترتیب بایں وجہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی نیتوں سے صادر ہوتے ہیں جو جس کو سنوارتی بھی ہیں اور

بگارتی بھی ہیں۔ ایک حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ ارشاد ہے:

”بدن میں ایک بوٹی ہے، جب وہ سنور جاتی ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے (اور اس سے اعمال صالحہ صادر نہ ہوتے لگتے ہیں) اور جب وہ گبز جاتی ہے تو سارا جسم گبز جاتا ہے (اور ہر عضو سے برے اعمال صادر ہونے لگتے ہیں) سنو! وہ بوٹی دل ہے“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال کا صدور اچھی بری کیفیات کے مطابق ہوتا ہے یعنی جیسی نیت ہوگی ویسے اعمال صادر ہوں گے۔ اور جب اعمال اچھے برے ہوئے تو ان کے مطابق جزاء سزا کا ہونا ایک معقول امر ہے، پس اعمال اور ان کی جزاء کے درمیان مناسبت ہے۔

مگر بایں ہمہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ فن حکمت شرعیہ کی تدوین یعنی اصول طے کر کے اس پر جزئیات متفرع کرنا ناممکن ہے اور وہ لوگ:

دلیل عقلی یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ بہت دقیق فن ہے، اس کے مسائل نہایت باریک ہیں، پس اس فن کی تدوین جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

اور دلیل نقلی کی وہ دو طرح تقریر کرتے ہیں:

(۱) یہ فن سلف نے مدون نہیں کیا، حالانکہ ان کا زمانہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے قریب تھا وہ خیر القرون کے لوگ تھے اور ان کے پاس شریعت کا علم بھی ہم سے زیادہ تھا، پھر بھی انھوں نے یہ فن مدون نہیں کیا تو گویا قرون مشہود ہمارا بخیر کا اس فن کی عدم تدوین پر اجماع ہو گیا، پس اگر آج کوئی شخص اس فن کی تدوین کا بیڑا اٹھاتا ہے تو وہ خرق ایماں کرتا ہے۔

(۲) اس فن کی تدوین میں کوئی قابل لحاظ فائدہ نہیں، کیونکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا کشتیں اور سختیں جانے پر موقوف نہیں، پس اس فن کی تدوین کرنا اور احکام شرعیہ کے اسرار جاننے کے لئے محنت کرنا بے فائدہ کام ہے؟ اور حدیث شریف میں ہے کہ:

من حُسنِ اسلام المرأة تَرَكُهُ مَالًا يَغْنِيهِ (مسکوٰۃ ج ۲ ص ۲۸۳) آدمی کے دین کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کام چھوڑ دے غرض دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ یا تو یہ فن مدون ہی نہیں کیا جاسکتا یا نہیں کرنا چاہئے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ گمان فاسد ہے، یہ فن مدون کیا جاسکتا ہے اور اس میں بے شمار فوائد ہیں، اس لئے مدون کرنا چاہئے تفصیل آگے آرہی ہے۔

[تدوین علم اسرار الدین ممکن، وفيه فوائد جمة]

ومن الناس من يعلم في الجملة: أن الأحكام معللة بالمصالح، وأن الأعمال يترتب عليها

الجزء من جهة كونها صادرة من هيات نفسانية، تصلح بها النفس وتفسد، كما أشار إليه النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال: ﴿أَلَا وَإِنْ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ﴾

لكنه يَظُنُّ أَنَّ تَدْوِينَ هَذَا الْفَنِّ، وَتَرْتِيبَ أَصُولِهِ وَفُرُوعِهِ، مِمْتَنِعٌ، إِمَّا:

[۱] عَقْلًا، لِخَفَاءِ مَسَائِلِهِ، وَغُمُوضِهَا.

[۲] أَوْ شَرْعًا، لِأَنَّ السَّلَفَ لَمْ يُدَوِّنُوهُ مَعَ قُرْبِ عَهْدِهِمْ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَزَاةِ عِلْمِهِمْ، فَكَانَ كَالِاتِّفَاقِ عَلَى تَرْكِهِ.

[۳] أَوْ يَفْضُلُ: لَيْسَ فِي تَدْوِينِهِ فَائِدَةٌ مُتَعَدَّةٌ بِهَا؛ إِذْ لَا يَتَوَفَّفُ الْعَمَلُ بِالشَّرْعِ عَلَى مَعْرِفَةِ الْمَصَالِحِ. وَهَذِهِ ظَنُونٌ فَاسِدَةٌ أَيْضًا.

ترجمہ: فن حکمت شرعیہ کی تدوین ممکن ہے اور اس میں بڑے بڑے فوائد ہیں بعض لوگ کسی درجہ میں یہ بات جانتے ہیں کہ احکام معلل بالمصالح ہیں (پس ان میں سے حکمتیں نکالی جاسکتی ہیں) اور اعمال پر جزا اس اعتبار سے مرتب ہوتی ہے کہ وہ ایسی کیفیات قلبیہ سے صادر ہوتے ہیں، جن سے نفس سنورتا ہے یا بگڑتا ہے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ:

”سنو! جسم کے اندر ایک ایسا گوشت کا لقمہ ہے کہ جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے، اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، سنو! وہ لقمہ ذرا دل ہے“

مگر وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس فن کی تدوین اور اس کے اصول و فروع کو مرتب کرنا، ناممکن ہے، یا تو

(۱) عقلاً ناممکن ہے، کیونکہ اس فن کے مسائل نہایت باریک اور غامض ہیں۔

(۲) یا شرعاً ناممکن ہے، کیونکہ سلف صالحین نے یہ فن مدون نہیں کیا، حالانکہ ان کا زمانہ دور نبوی سے قریب تھا اور

ان کا علم بھی زیادہ تھا، پس ان کا مدون نہ کرنا گویا اس فن کو مدون نہ کرنے پر اجماع ہے۔

(۳) یا وہ یہ کہتا ہے کہ اس فن کی تدوین میں کوئی قابل لحاظ فائدہ نہیں ہے، کیونکہ شریعت پر عمل کرنا حکمتوں کے

جانتے پر موقوف نہیں۔

اور یہ خیالات بھی (مذکورہ باتوں کی طرح) غلط ہیں۔

لغات:

الجملة: مجموعہ، فی الجملة: مجموعہ میں شامل، اور محاورہ میں ترجمہ ہے: کسی درجہ میں، کچھ نہ کچھ..... صلح (کٹ

(ن) ضلّاخا: درست ہونا۔ فسّداً (ن) شرک: فسادِ اُخراب ہونا، بگڑ جانا۔ فضعفاً: گوشت وغیرہ کا کمزرا جمع موضع
عُضْفًا: پویشیدہ ہونا۔ غمض (ن) ک: عُفُوْضًا کلام کا دقیق ہونا۔ غَزُوْ (ک) غزارة الماء وغیرہ: پانی ونیہ کا
کثیر ہونا۔



مذکورہ خیال باطل کی تردید

دلیل عقلی کا جواب: یہ ہے کہ فن حکمت شرعیہ کے مسائل میں بیشک خفا اور دقت ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس فن کی تدوین ممکن نہیں، درست نہیں، مسائل فن کی پوشیدگی اور باریکی سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جاسکتا، کیونکہ یہ بات درست نہیں ہے کہ جس فن کے بھی مسائل دقیق اور خفی ہوں اس کو کوئی بھی باتھ نہیں لگا سکتا۔ دیکھئے ایک فن علم اسرار الدین سے بھی زیادہ دقیق ہے اور وہ علم کلام ہے، جس کو علم الذات والصفات اور علم التوحید بھی کہتے ہیں اس فن میں اللہ کی ذات و صفات سے بحث کی جاتی ہے (اور مذاہب قبر سے آخر تک جو مسائل ہیں وہ علم کلام کے اصلی مسائل نہیں، بلکہ اس کے متعلقات ہیں یعنی وہ اصول اسلام ہیں)

اور علم کلام کے مسائل اذق اس لئے ہیں کہ اس میں ذات باری اور اس کی صفات سے بحث کی جاتی ہے، جو در، اور اوراء ہے، عقل اپنی کمند و ماں تک نہیں پھینک سکتی، نہ اس کی تفصیلات کا احاطہ کر سکتی ہے کیونکہ وہ غیر متناہی ذات ہے، مگر جب ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے ایسے علماء پیدا کئے جنہوں نے اس علم کو پوری طرح مدون کر دیا اور اس کی تفصیلات اس درجہ بیان کر دیں کہ اب اس پر کوئی اضافہ ممکن نہیں، پس جب اتنا دقیق علم مرتب کیا جاسکتا ہے تو فن حکمت شرعیہ جو نسبتاً آسان ہے اس کو کیوں مرتب نہیں کیا جاسکتا؟!

اصل بات یہ ہے کہ ہر فن شروع میں مشکل نظر آتا ہے، اور ایسا خیال گذرتا ہے کہ اس سے بحث کرنا ناممکن ہے اور اس کی تفصیلات کو احاطہ تحریر میں لانا محال ہے مگر جس طرح اللہ بے پھرے کوہل میں چلنے کے لئے لکڑی لاشی اور بجوے کے ذریعہ سدھایا جاتا ہے یا جیسے شیر ہاتھی کو سرکس میں کرتب دکھانے کے لئے اذیت رساں آلات کے ذریعہ ٹرینڈ کر لیا جاتا ہے اسی طرح فن کے مقدمات و آلات کے ذریعہ جب کسی علم کو سدھایا جائے اور اس فن کی باتوں کو آہستہ آہستہ سمجھنے کی کوشش کی جائے تو وہ قابو میں آ جاتا ہے اور اس کے اصول وضع کرنا اور اس کی جزئیات و متعلقات کو طے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ یہ علم کسی درجہ میں مشکل ضرور ہے مگر دشوار سے دشوار کام کو بھی کوئی نہ کوئی انجام دینے والا

ضرور پیدا ہوتا ہے اور اسی کا نامہ سے معاصرین پر اس کی برتری ثابت ہوتی ہے، جو شخص خطروں میں بے خطر کود پڑتا ہے وہی مقصد حاصل کرتا ہے، موتیوں کے متلاشی کو سمندر کی غوطہ زنی کرنی ہی پڑتی ہے اور عقل کو مشقت میں ڈال کر اور فہم کو انتہائی درجہ استعمال کر کے ہی علوم و فنون کے کندھوں پر سواری کی جاسکتی ہے۔ غرض ہمت مردانہ و خدا! اگر حوصلہ اور ذوق منمل ہو تو بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دیا جاسکتا ہے۔ الحاصل مسائل کی باریکی فن کی تدوین کے لئے مانع نہیں۔

[الرَّدُّ عَلَى الظَّنِّ الْفَاسِدِ]

[۱] قوله: لَحَقَاءَ مَسَائِلِهِ وَغَمُوضِهَا.

[قلنا:] إِنْ ارَادَ بِهِ أَنَّهُ لَا يُمَكِّنُ التَّدْوِينَ أَصْلًا، فَحَقَّاءَ الْمَسَائِلِ لَا يُفِيدُ ذَلِكَ، كَيْفَ؟ وَمَسَائِلُ عِلْمِ التَّوْحِيدِ وَالصِّفَاتِ أَعَمُّ مُذَرِّكًا، وَأَبْعَدُ إِحَاطَةً، وَقَدْ يَسَّرُهُ اللَّهُ لِمَنْ شَاءَ؛ وَكَذَلِكَ كُلُّ عِلْمٍ يُضَرِّأُ سَادَى الرَّأْيِ: أَنَّ الْبَحْثَ عَنْهُ مُسْتَحْبِلٌ، وَالْإِحَاطَةُ بِهِ مَمْتَنَعَةٌ، ثُمَّ إِذَا ارْتَبَضَ بِأَدَوَاتِهِ، وَتَدَرَّجَ فِي فَهْمِ مَقْدَمَاتِهِ حَصَلَ التَّمَكُّنُ فِيهِ، وَتَيَسَّرَ تَأْسِيسُ مَبَانِيهِ، وَتَفَرُّعُ فُرُوعِهِ، وَذَوِيهِ؛ وَإِنْ ارَادَ الْعُسْرَ فِي الْجُمْلَةِ، فَمُسْلَمٌ، لَكِنَّهُ بِالْعُسْرِ يَظْهَرُ فَضْلُ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ عَلَى بَعْضٍ، وَأَنْ يُلَوِّغَ الْآمَالَ فِي رُكُوبِ التَّمَشَّاقِ وَالْأَهْوَالِ، وَأَنَّ اتِّعَازَ غَارِبِ الْعُلُومِ بِتَحْتُمِ الْعُقُولِ وَابْعَانِ الْفُهْمِ.

ترجمہ: خیالِ باطل کی تردید (۱) قائل کا قول: فن کے مسائل کے پوشیدہ اور غامض ہونے کی وجہ سے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس شخص نے مسائل کے خفا اور غموض سے یہ مراد لی ہے کہ اس فن کی تدوین قطعاً ممکن نہیں تو مسائل کی پوشیدگی کا یہ مفاد نہیں ہے، کیسے (یہ مفاد ہو سکتا ہے؟) جبکہ علم التوحید والصفات کے مسائل مآخذ کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ گہرے ہیں، اور احاطہ کے اعتبار سے بعید تر ہیں، باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہا اس کو آسان کر دیا۔ اسی طرح ہر فن سرسری نظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بحث کرنا ناممکن ہے اور اس کا احاطہ کرنا محال ہے مگر جب اس کے اوزاروں کے ذریعہ اس کو سدھالیا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی تمہیدی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس میں ہمء حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی بنیادوں کو قائم کرنا اور اس کی جزئیات و متعلقات کی تفریع کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اور اگر اس شخص کی مراد فی الجملہ (کسی درجہ میں) دشواری ہے تو یہ بات بجا ہے، مگر بعض علماء کی بعض پر برتری کام کے مشکل ہونے ہی سے ظاہر ہوتی ہے، اور مشقتوں اور خطروں پر سوار ہو کر ہی آرزوں تک پہنچا جاسکتا ہے، اور عقل کو مشقت میں ڈال کر اور فہم کو گہرائی میں اتار کر ہی علوم و فنون کے کندھوں پر سواری کی جاسکتی ہے۔

لغات:

مُدْرَك (اُمّ ظرف) پانے کی جگہ یعنی مسائل کا مأخذ ادرک ادرکاً: پانا، چائنا، پہنچنا۔ سراہی: دکھنا، ظاہر ہونا، کہا جاتا ہے نراء ی لسی أن الأمر کھٹ و کھٹ: میرے لئے یہ ظاہر ہوا کہ معاملہ ایسا ہے۔ ارفیض (فعل ماضی مجہول) ارتاض المہر: پھنڑے کا سدھ جانا۔ آدوات جمع ہے ادا کی یعنی آلہ، اوزار۔ انسس البیت: بنیاد رکھنا مہسانی جمع ہے مہسنی کی یعنی بنیاد۔ ذوی جمع ہے ذوا کی جس کے معنی ہیں خروڑہ یا گھوڑ وغیرہ کا چمکا، یہاں مراد محتات شئی ہیں۔ آمال جمع ہے امل کی یعنی آرزو۔ مشاق جمع ہے مشق کی، جس کے معنی ہیں دشواری محنت۔۔۔۔۔ احوال جمع ہے هول کی یعنی خوف۔۔۔۔۔ اقتعد الدابة: چوپایہ کو سواری بنانا۔۔۔۔۔ الصغاب: کندھا، ہیر چڑ کا اعلیٰ حصہ۔۔۔۔۔ تجسم الامر: مشقت جھیلنا۔۔۔۔۔ امعن النظر: معاملہ کی گہرائی تک پہنچنا۔



دلیل نقلی کی پہلی تقریر کا جواب

اور معترض کی دلیل نقلی کی پہلی تقریر کا جواب یہ ہے کہ اگر معترض کی بات مان لی جائے تو تمام فنون اسلامیہ کی تدوین بدعت قرار پائے گی اور ہر علم شرعی کی تدوین خرق اہتمام ہو کر رہ جائے گی، کیونکہ تمام فنون دینیہ: علم فقہ، علم حدیث، علم فقه وغیرہ قرون مابعد میں مدون ہوئے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ بدعت ہونے نہ ہونے کا مدار اس پر نہیں کہ وہ کام خیر القرون میں ہوا ہے یا نہیں؟ بلکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ اس کی اصل خیر القرون میں موجود تھی یا نہیں؟ اگر اصل موجود تھی اور شاخصین بعد میں پھونٹیں اور برگ و بار لائیں تو وہ بدعت ہرگز نہیں، ہاں جس کام کی اس مبارک زمانہ میں اصل ہی موجود نہ ہو، اس کا سارا وجود ہی مابعد زمانہ میں ہوا ہو تو وہ بیشک بدعت ہے۔ حدیث متفق علیہ ہے کہ:

من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ فہو ردّ۔۔۔۔۔ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۰)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو چھٹی صدی کے مشہور مالکی فقیہ اور محدث ہیں اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اسلام میں کوئی ایسی بات نکالنا جس کی کتاب و سنت سے سند نہ ہو، نہ واضح نہ خفی، نہ مصرح نہ مستبط کردہ، وہ مردود ہے۔ قال القاضی: المعنی: من أحدث فی الإسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاہر أو خفی، ملفوظ أو مستبط، فہو مردود علیہ (مرقات ج ۱ ص ۲۱۵ طبع لبنان)

الغرض غیروین کو دین میں داخل کرنا بدعت ہے، دین کے کسی امر کی تفصیل و تکمیل کرنا بدعت نہیں، مثلاً میلاد و مروجہ بدعت ہے، کیونکہ اس کا ردائو پانچویں صدی میں ملک اربل کے زمانہ سے ہوا ہے، پانچ سو سال تک نہ کسی کا یوم پیدائش منایا جاتا تھا نہ یوم وفات، اسی طرح اب جو برتھ ڈے، برسی، اور عرس کا ردائو چل پڑا ہے یہ بھی بدعات و رسوم ہیں۔

اور جس چیز کی اصل قرون ثلاثہ میں موجود ہو، اور اس کی تفصیلات بعد میں طے کی جائیں یا زمانہ کے تقاضے سے اس کی شکل بدل جائے تو وہ امور بدعت نہیں، مثلاً نزول قرآن کے زمانہ سے دین کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے، خود رسول اللہ ﷺ کے فرائض منعمی میں تعلیم قرآن داخل ہے، اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے تعلق سے فرمایا ہے وہ ”تفسیر“ ہے اسی طرح صحابہ کرام نے بھی قرآن پاک کی بہت سی باتوں کی وضاحت کی ہے، وہ بھی ”تفسیر“ ہے۔ بعد میں ”علم تفسیر“ مدون ہوا، پس یہ بدعت اور خرق اجماع نہیں۔

اسی طرح آج کے رائج مدارس کی اصل اصحابِ حدیث کا مدرسہ ہے، گواہ اس کی شکل اور ہیئت بالکل بدل گئی ہے مگر چونکہ اس سلسلہ کی اصل ہے اس لئے مدارس اسلامیہ، ان کے نصاب اور نظام الاوقات وغیرہ کو بدعت کے زمرہ میں نہیں لایا جاسکتا۔ اسی طرح علم اسرار الدین کا معاملہ ہے، چونکہ اس کی جڑ بنیاد قرون مشہودہا بالظہیر میں موجود تھی، اس لئے بارہویں صدی میں اس کی تدوین نہ بدعت ہے نہ خرق اجماع۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس فن کے اصولوں کی طرف اشارے فرمائے ہیں اور اس کی جزئیات کو صراحتہ بیان فرمایا ہے۔ آپ کے بعد فقہائے صحابہ جیسے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے نقش قدم پر چل کر شریعت کے حکم و اسرار سے بحث کی ہے اور اس کے متعدد پہلو ظاہر فرمائے ہیں۔ پھر ما بعد زمانہ میں جب کسی حکم شرعی کی حکمت و مصلحت بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو علمائے دین اپنی ادا و اوصالیات میں سے اس کی حکمت و مصلحت ظاہر فرماتے رہے۔ متفکرین کے ساتھ مختلف مباحثوں میں اس کی نوبت آتی رہتی تھی مگر یہ مواد منتشر تھا۔ اب اس کو کسی ایک کتاب میں مدون کر دینا بدعت نہیں، بلکہ بے حد مفید کام ہے۔

سوال: ٹھیک ہے، آج اس علم کی تدوین بدعت نہیں، مگر جب گیارہ سو سال تک اس فن کی ضرورت نہیں تھی تو اب بارہویں صدی میں اس کی تدوین کیوں ضروری ہوئی؟ اب تک جس طرح امت کی گاڑی بغیر اس فن کے چل رہی تھی آگے بھی چلتی رہے گی، اس فن کے بغیر گاڑی رکنے والی نہیں، پھر اس محنت کا کیا حاصل؟

جواب: ضرورت ایجاد کی ماں ہے، جب کسی چیز کی ضرورت پیش آتی ہے تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ ضرورت کیسے پوری کی جائے؟ اس وقت سمجھ دار لوگ مختلف راہیں نکالتے ہیں اور عام لوگ جو نفع صورت سامنے آتی ہے اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ تمام ایجادات اور تمام علوم و فنون کا یہی حال ہے۔ علم اسرار الدین کی بھی

پہلے ضرورت نہیں تھی، اب ضرورت سامنے آئی ہے اس لئے اب اس کی تدوین ضروری ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ متقدمین کو درج ذیل وجوہ سے فن حکمت شرعی کی حاجت نہ تھی:

(۱) ان حضرات کے عقائد زمانہ نبوت کے قرب کی وجہ سے اور صحبت نبوی کی برکت سے صاف سترے تھے۔

(۲) ان کے زمانہ تک امت میں اختلافات بھی کم رونما ہوئے تھے۔

(۳) ان کا مزاج مخصوص باتوں میں خواہ بخواہ مویشگافی کرنے کا نہیں تھا نہ وہ معقول کو معقول کے مطابق کرنے کے

چکر میں پڑتے تھے، اس وجہ سے ان کے دلوں کو دولت الطمینان نصیب تھی۔

(۴) اس زمانہ میں قابل اعتماد علماء موجود تھے لوگ دقیق مسائل میں ان کی طرف رجوع کر لیتے تھے۔

مذکورہ بالا وجوہ سے اسلاف کرام کو علم اسرار الدین کی حاجت نہ تھی، جس طرح ان کو فن حدیث کی حاجت نہ تھی یعنی

فن غریب الحدیث، فن اسما، الرجال، مراتب عدالت روات، فن مشکل الحدیث، اصول حدیث، فن مختلف الحدیث، فقہ

الحدیث اور صحیح و ضعیف اور موضوع و ثابت میں امتیاز کرنے والے فن کی حاجت نہ تھی، کیونکہ ان کا زمانہ اگلے عربوں سے

قریب تھا، اس وجہ سے ان کو زبان فہمی کی دشواری پیش نہیں آتی تھی، نیز ان کا زمانہ روات حدیث کے زمانہ سے متصل تھا،

وہ راویوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنتے تھے اس وجہ سے ان کے احوال سے وہ

واقف تھے، نیز وہ ثقہ راویوں سے حدیث لینے پر قادر تھے، ضعفاء سے حدیثیں لینے کی ان کو ضرورت نہ تھی، اور احادیث

میں اختلافات بھی رونما نہیں ہوئے تھے اور احادیث گھڑنے کا کاروبار بھی زور و شور سے شروع نہیں ہوا تھا اس لئے تمام

فنون حدیث کی ان کو مطلق حاجت نہ تھی۔ مگر بعد میں جب ضرورت کھڑی ہوئی اور دین کی اور مسلمانوں کی خیر خواہی مذکورہ

فنون حدیث پر موقوف ہو گئی تو محدثین کرام نے یہ سب فنون مدون کئے، اسی طرح علم اسرار الدین کی بھی پہلے حاجت نہ

تھی، مگر اب اس کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، اب اس کی تدوین وقت کا اہم تقاضا ہے۔

سوال: فن حکمت شرعیہ کی تدوین اب کیوں ضروری ہے؟

جواب: سلف کا دور گزرنے کے بعد تین نئی باتیں پیدا ہوئیں، جس کی وجہ سے اس فن کی تدوین ضروری ہوئی، وہ

تین باتیں یہ ہیں:

۱۔ فقہاء میں اختلاف کی کثرت ہوئی، اور یہ اختلاف احکام کی علتوں میں اختلاف پر مبنی تھا، مثلاً اشیائے ستہ میں

ربو کی علت احناف کے نزدیک قدر یعنی مکلیلی یا موزونی ہونا، اور اس کے ساتھ ہم جنس ہونا شرط ہے اور شوافع کے

ز نزدیک طعم (کھانے کی چیز ہونا) اور شمیت (کرنی ہونا) ہے اور ہم جنس ہونا شرط ہے اور مالکیہ کے نزدیک اقیات

(کھانے کی چیز ہونا) اور افخار (قابل ذخیرہ ہونا) ہے اور حنابلہ کے نزدیک قدر یعنی مکلیلی یا موزونی ہونا، طعم (کھانے

کی چیز ہونے) کے ساتھ علت ہے۔ اسی طرح حق شفعہ کی علت احناف کے نزدیک ضرر جوار (پڑوس کی اذیت)

سے بچنا ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضرر قسمت (ہو ارے کے مصارف) سے بچنا ہے۔ اور جب علموں میں اختلاف ہو تو فروعات میں اختلاف ناگزیر ہے۔ جو بھی شخص فقہائے اربعہ کی فقہی کتابوں میں باب الربوا کا مطالعہ کرے گا اس کے سامنے کثرت اختلاف کی حقیقت واضح کاف ہو جائے گی۔

پھر علموں میں اختلاف کے بعد یہ بحث چل پڑی کہ کس کی سمجھی ہوئی علت ان حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق ہے جن کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے؟ ہر جماعت اپنی بات کو موجہ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس لئے ضروری ہو گیا کہ حکمتوں اور علموں پر مستقل کام کیا جائے۔

۲- بہت سے دینی مسائل میں عقلی دلائل سے استدلال شروع ہو گیا، مثلاً صاحب ہدایہ علی بن ابی بکر مرغینانی رحمہ اللہ (۵۳۰-۵۹۳ھ) جو چھٹی صدی کے مایہ ناز فقیہ ہیں، معاملات کے بیشتر مسائل میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں، اس لئے ضروری ہو گیا کہ نصوص پر دلائل عقلیہ قائم کئے جائیں، اور منقول کی معقول کے ساتھ تطبیق دکھائی جائے، نیز اسلاف سے مروی باتوں کو عقلی باتوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

۳- اصول اعتقاد یہ اور عملیہ میں شکوک و شبہات کا سلسلہ چل پڑا تو ضروری ہوا کہ تمام اصول کو موجہ کر دیا جائے اور ان کی مضبوط بنیادوں کو نکھار دیا جائے۔

غرض مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر ضروری ہوا کہ فن حکمت شریعہ مدون کر لیا جائے، اس سے دین کو بڑی مدد ملے گی اور یہ فن مسلمانوں کے اشتراک و ختم کرنے میں بڑا امد و معاون ثابت ہوگا۔ اب یہ فن اہم عبادت اور اعلیٰ درجہ کی طاعت ہے۔

[۲] قولہ: لأن السلف لم يدونوه.

قلنا: لا يَصْنَعُ عَدَمُ نَدْوِينَ السَّلَفِ إِيَّاهُ، بَعْدَ مَا مَهَّدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصُولَهُ، وَقَرَّعَ فِرْعَوْنَهُ، وَاقْتَفَى آخِرَهُ فَقَهَاءُ الصَّحَابَةِ، كَأَمِيرِي الْمُؤْمِنِينَ: عُمَرُ وَعَلِيٌّ، وَكَزَيْدُ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَعَالِشَةُ، وَغَيْرُهُمْ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ: يَبْحَثُوا عَنْهُ، وَأَلْبَرُوا وَجُوهًا مَنَهُ؛

ثُمَّ لَمْ يَزَلْ عِلْمَاءُ الدِّينِ، وَسَالِكُ سَبِيلِ الْيَقِينِ، يُظْهِرُونَ مَا يَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ، مِمَّا جَمَعَ اللَّهُ فِي صُدُورِهِمْ؛ كَانَ الرَّجُلُ مِنْهُمْ إِذَا بَنَى بِمَنْظَرَةٍ مِنْ يُؤَيِّرُ فِتْنَةَ التَّشْكِيكِ، يُجَرِّدُ سَيْفَ الْبَحْثِ وَيَنْهَضُ، وَيُصْنَعُ الْعَزْمُ وَيَنْصَحُ، وَيُسَمَّرُ عَنْ سَاقِ الْحَدِّ وَيَخْبِرُ، وَيَهْزِمُ جُوشَ الْمُبْتَدِعِينَ وَيَكْسِرُ.

ثُمَّ رَأَيْنَا بَعْدَ: أَنْ نَدْوِينَ كِتَابٍ، يَحْتَوِي عَلَى جُمْلَةِ صَالِحَةٍ مِنْ أَصُولِ هَذَا الْفَنِّ أَجْدَى مِنْ تَفَارِيقِ الْعَصَا، وَكُلِّ الصِّيدِ فِي جَوْفِ الْفَرَا.

وَكَانَ الْأَوَّلُ لَصَفَاءِ عِفَائِهِمْ، بِرُكَّةِ صَحْبَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقُرْبِ عَهْدِهِ، وَقَلْبَةِ وَفُوعِ الْإِخْتِلَافِ فِيهِمْ، وَأَطْمَئِنَّانِ قُلُوبِهِمْ، بِتَرْكِ التَّفَنُّيشِ عَمَّا ثَبَتَ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وسلم، وعدم التفاتهم إلى تطبيق المنقول بالمعقول، وتمكنهم من مراجعة النقائت في كثير من العلوم الغامضة، مستغنين عن تدوين هذا الفن؛

كما أنهم كانوا بسبب قرب عهدهم من العرب الأول، واتصال زمانهم برجال الحديث، وكونهم منهم بصرى ومنسجم، وتمكنهم من مراجعة النقائت، وقلّة وقوع الاختلاف والوضع، مستغنين عن تدوين سائر الفنون الحديثية، كشرح غريب الحديث، وأسماء الرجال، ومراتب عدالتهم، ومشكل الحديث، وأصول الحديث، ومختلف الحديث، وفقه الحديث، وتمييز الضعيف من الصحيح، والموضوع من الثابت.

وكلّ فنّ من هذه لم يُقدّر بالتدوين، ولم ترتّب أصوله وفروعه، إلا بعد قرون كثيرة، ومُدد متطاولة، لَمَّا عَنَبَ الحاجة إليه، وتوقّف نُصَحُ المسلمين عليه.

ثم إنه كثر اختلاف الفقهاء، بناءً على اختلافهم في علل الأحكام، وأفضى ذلك إلى أن يتباخضوا عن تلك العلل من جهة إفضائها إلى المصالح المعتبرة في الشرع، ونشأ التسلّك بالمعقول في كثير من المباحث الدينية، وظهرت تشكيكات في الأصول الاعتقادية والعملية، فآل الأمر إلى أن صار الانتهاض لإقامة الدلائل العقلية، حسب النصوص النقلية، وتطبيق المنقول بالمعقول، والمسموع بالمفهوم، نصراً مؤزّراً للذّنين، وسعيًا جميلًا في جمع شمل المسلمين، ومعدودًا من أعظم القربات، ورأسا لرؤس الطاعات.

ترجمہ: (۲) قائل کا قول: اس لئے کہ سلف نے اس کو مدون نہیں کیا۔

ہم کہتے ہیں: سلف کا اس فن کو مدون نہ کرنا کچھ مضرت نہیں، جبکہ آنحضور ﷺ نے اس فن کے اصولوں کی راہ ہموار کر دی ہے اور اس کی جزئیات کو مستطہ پر لایا ہے۔ اور فقہائے صحابہ نے، جیسے امیر المؤمنین حضرت عمر، امیر المؤمنین حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔ ان سب حضرات نے اس علم کے بارے میں کھود کرید کی ہے اور اس کے متعدد پہلو ظاہر کئے ہیں۔

پھر علمائے دین اور سالکین راہ یقین ہر زمانہ میں لوگوں کو جن باتوں کی ضرورت پیش آتی تھی ان کو ظاہر کرتے تھے، ان علوم کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سینوں میں جمع کئے تھے، جب ان میں سے کوئی شخص کسی ایسے شخص کے ساتھ مناظرہ میں پھنس جاتا، جو تفکیک کے فتنہ کو ہوا دے رہا ہوتا تھا، تو وہ بحث کی کھوار تان لیتا، اور اٹھ کھڑا ہوتا، اور (مقابلہ کا) عزیمت کر لیتا، اور خالص خیر خواہی کرتا، اور کوشش کی پنڈلی سے پانچواں چڑھا لیتا اور اس کو کھول لیتا (یعنی محنت تیز کر لیتا) اور گمراہوں کے لشکر کو شکست دیتا، اور ان کو توڑ کر رکھ دیتا۔

پھر بعد ازیں ہماری سمجھ میں آیا، کہ ایک ایسی کتاب کو مدون کرنا جو اس فن کے اصول کی اچھی خاصی مقدار پر مشتمل ہو، لاٹھی کے ٹکڑوں سے بھی زیادہ مفید ہے، اور سارے شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہیں۔

اور اگلے لوگ اس فن کی تدوین مستغنی تھے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کے عقائد صاف ستھرے تھے اور وہ عہد رسالت سے قریب تھے، اور ان میں اختلاف بھی بہت کم واقع ہوئے تھے، اور ان کے دل مطمئن تھے، کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ سے ثابت چیزوں کے بارے میں تفتیش نہیں کرتے تھے اور وہ منقول کو معقول کے ساتھ منطبق کرنے کے چکر میں بھی نہیں پڑتے تھے، اور وہ بہت سے دقیق مسائل میں قابل اعتماد علماء کی طرف رجوع کرنے پر قادر تھے۔

جس طرح وہ اگلے عربوں کے زمانہ سے قریب ہونے کی وجہ سے، اور روایت حدیث کے زمانہ کے ساتھ ان کے زمانہ کے متصل ہونے کی وجہ سے، اور ان روایات کے ان کی آنکھوں اور کانوں کے سامنے ہونے کی وجہ سے، اور قابل اعتماد روایات حدیث کی طرف مراجعت پر قدرت ہونے کی وجہ سے، اور حدیثوں میں اختلاف اور وضع کا سلسلہ کم واقع ہونے کی وجہ سے، تمام علوم حدیث کی تدوین سے بے نیاز تھے، مثلاً فن غریب الحدیث، فن اسما الرجال، روایات کی عدالت کے مراتب کی تعیین کا فن، فن مشکل الحدیث، اصول الحدیث، فن مختلف الحدیث، فقہ الحدیث اور ضعیف حدیثوں کو صحیح حدیثوں سے، اور موضوع روایات کو ثابت روایات سے جدا کرنے کا فن۔ اور ان فنون میں سے ہر فن صدیوں کے بعد اور مدتہائے مدید گزر جانے کے بعد علیحدہ مرتب کیا گیا ہے اور اس کے اصول و فروع تجویز کیے گئے ہیں جب اس کی ضرورت پیش آئی اور مسلمانوں کی خیر خواہی اس پر موقوف ہو گئی۔

پھر فقہاء میں اختلاف کی کثرت ہوئی، اور یہ اختلاف احکام کی ملتوں میں اختلاف پر مبنی تھا، اور یہ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ حضرات ان ملتوں کے بارے میں اس حیثیت سے بحث کرنے لگے کہ کیا وہ ان مصالح تک پہنچاتی ہیں جن کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے؟ اور بہت سے دینی مسائل میں دلائل عقلیہ سے استدلال شروع ہو گیا، اور اصول اعتقاد اور عملیہ میں شکوک و شبہات کا سلسلہ چل پڑا، تو انصوح پر دلائل عقلیہ قائم کرنے کے لئے، اور مقولات کو مقولات کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے، اور اسلاف سے مروی باتوں کو عقلی باتوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لئے، اٹھ کھڑا ہونا، دین کی بڑی مدد اور مسلمانوں کے انتشار کو ختم کرنے کی زبردست محنت، اور بڑی عبادتوں میں سے ایک عبادت اور اہم طاعات میں سے اعلیٰ و برجہ کی طاعت شمار ہونے لگا۔

لغات:

سَلَاكُ جمع ہے سالک کی: راہِ تَرَو... فَحَضْ (ف) الْوُذُ اَوْ النُّصْح: دوستی یا خیر خواہی خالص کرنا... اُجْدَى (اسم تفضیل) زیادہ مفید اُجْدَى اِجْدَاءُ الْأُمُ: نفع دینا، کہا جاتا ہے مَا يُجْدِي عَنْكَ هَذَا: یہ چیز تم کو فائدہ نہیں دے گی

التفاریق بکڑے، تھوڑا، کہا جاتا ہے: صَمَّ تفاریق متاعہ: اس نے متفرق سامان کو اکٹھا کیا اخذ حَقُّہ بالتفاریق : اس نے اپنا حق تھوڑا تھوڑا کر لیا تفاریق العصا: لاشی کے ٹکڑے ... الفَرَا: جُنگلی گدھا، گورخر، جمع افراء، اور کہاوت کل الصيد الخ بغیر، جزو کے ہے یہ کہاوت وہ شخص بولتا ہے جس کی بہت سی حاجتیں ہوں اور ان میں سے بڑی حاجت پوری ہو جائے تو وہ شخص یہ کہاوت بولتا ہے یعنی باقی حاجتوں کے فوت ہونے کی پرواہ نہیں (تاج العروس ۹۲۱) ... مستغنین خبر ہے مکان الاول کی عَنْ (ن بن) عَنْ اَلِه السَّيِّ: سامنے ظاہر ہونا، پیش آنا اُزِدْ فَلَانَا: قوی کرنا الشَّمْل: امر مجتمع اور امر متفرق (ضد) کہا جاتا ہے جمع اللہ شَمْلُهُم: اللہ ان کے متفرق امور کو جمع کر دے فَرَّقَ اللہ شَمْلُهُم: اللہ ان کے اجتماع کو توڑ دے۔

تشریح:

۱- اَجْدَى من تفاریق العصا (لاشی کے ٹکڑوں سے بھی زیادہ کارآمد) ایک کہاوت ہے، کسی چیز کا بے حد نافع ہونا ظاہر کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ عرب کی ایک دیہاتن غنہ نے سب سے پہلے اپنے بیٹے کے حق میں یہ جملہ استعمال کیا تھا، اس کا لڑکا بدخلق، لوگوں کے ساتھ بد معاملہ، کمزور بدن اور باریک ہڈیوں کا ڈانچا تھا، قبیلہ کے ایک جوان نے اس پر حملہ کیا اور اس کی ناک کاٹ دی، اس کی ماں نے ناک کی دیت وصول کی، جس سے اس کی غریبی دور ہو گئی، پھر کسی اور جوان نے اس پر حملہ کیا اور کان کاٹ دیا، پھر تیسرے نے حملہ کیا اور اس کا ہونٹ کاٹ دیا، ماں ہر جنایت کی دیت لیتی رہی اور خوب ٹھاٹھ کرتی رہی، اس نے بیٹے کے حق میں چند اشعار کہے ہیں ان میں سے ایک شعر یہ ہے

أحلف بالمرودة حقا والصفاء إنك خير من تفاریق العصا

ترجمہ: میں مناد مردہ کی قسم کھاتی ہوں کہ تو لاشی کے ٹکڑوں سے بھی زیادہ نفع بخش ہے۔

لاشی کے کیا کیا ٹکڑے ہو سکتے ہیں اور وہ کیا کیا کام آ سکتے ہیں، اس کی وضاحت ایک عرب دیہاتی نے کی ہے، قاموس میں اس کا قول نقل کیا گیا ہے، خواہش مند حضرات مراجعت کریں (تاج العروس ۷۴۷ ماہدہ رق)

۲- کل الصيد فی جوف الفراء (تمام شکار گورخر کے پیٹ میں ہیں) یہ بھی ایک کہاوت ہے اس کی صورت یوں سمجھنی چاہئے کہ دو شکاری شکار کے لئے نکلے، ایک نے دن بھر میں پانچ کبوتر، دس گوربا، دس فاختہ، دو خرگوش شکار کئے اور دوسرے نے صرف ایک گورخر مارا، جب دونوں شکاری ملے تو پہلے نے کہا کہ میں نے دن بھر میں ستائیس شکار کئے: تو نے ایک ہی کیا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ تیرے سارے شکار میرے گورخر کے پیٹ میں ساجائیں گے، میں نے اتنا بڑا شکار کیا ہے، اس لئے میرے لئے شرم کی کوئی بات نہیں۔

۳- فمن حدیث کی اتنی (۸۰) سے زائد انواع کی گئی ہیں، اور ہر نوع میں مصنفین نے تعنیفات کی ہیں مگر بعد میں

بعض کو بعض میں ضم کر دیا گیا مثلاً فقہ الحدیث، مشکل الحدیث اور مختلف الحدیث کو شروع حدیث میں لے لیا گیا اور روایات کی عدالت کے مراتب کی تعیین کا بیان اسی طرح جرح کے مراتب کی تعیین کا بیان اسامیٰ رجال میں شامل کر لیا گیا اور صحیح وضعیف اور موضوع و ثابت روایات میں امتیاز کرنے کا فن روایت حدیث کی کتابوں میں سے لے لیا گیا اور غریب الحدیث اور اصول الحدیث مستقل فن ہیں۔



دلیل نقلی کی دوسری تقریر کا جواب اور فن حکمت شرعیہ کا پہلا فائدہ

معرض نے دلیل نقلی کی دوسری تقریر یہ کی تھی کہ چونکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا مصالح و حکم کے جاننے پر موقوف نہیں، اس لئے فن حکمت شرعیہ کی تدوین بے فائدہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بھی واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ اس فن میں بڑے بڑے فائدے ہیں، مثال کے طور پر چند فوائد ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلا فائدہ: فن حکمت شرعیہ کی مدد سے رسول اللہ ﷺ کے تجربات میں سے ایک اہم معجزہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور وہ معجزہ آپ کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ ہے، اگر آپ کی لائی ہوئی شریعت (مجموعہ قوانین) میں غور کیا جائے تو آپ کا نبی برحق ہونا سمجھ میں آجائے گا کیونکہ کوئی بھی انسان قوانین کا کوئی ایسا مجموعہ پیش نہیں کر سکتا جس میں اس درجہ حکمتوں اور مصلحتوں کی رعایت کی گئی ہو، جتنی شریعت اسلام میں ملحوظ رکھی گئی ہے، یہ بات انسانوں کی مقدرت سے باہر ہے، یہ خالق کائنات کا کام ہے پس اللہ ہی کی طرف سے یہ مجموعہ قوانین آنحضور ﷺ پر نازل کیا گیا ہے جس کو آپ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے مگر اس کے ادراک کے لئے فن حکمت شرعیہ سے واقفیت ضروری ہے، اس فن کے بغیر ان حکم و مصالح کو نہیں سمجھا جاسکتا جن پر شریعت مشتمل ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مُعْجَزَة صفت ہے آبدی، پھر صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا ہے یعنی موصوف کے معنی بھی صفت میں لے لئے گئے ہیں نیز لفظ مُعْجَزَة (جہم کے زیر کے ساتھ) اسم فاعل واحد مؤنث ہے اُعْجَزَہ سے جس کے معنی ہیں عاجز کرنا، روک دینا پس معجزہ کے معنی ہیں ”عاجز کرنے والی نشانی“، یعنی وہ نشانی جس کے مانند کو پیش کرنے سے لوگ عاجز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو سندنہوت کے طور پر بے شمار نشانیاں عطا فرمائی ہیں، ان میں سب سے بڑی نشانی قرآن عظیم ہے قرآن میں لوگوں کو بار بار چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر کسی کو قرآن کے منزل امن اللہ ہونے میں شک ہو تو وہ اپنے حمایتیوں کو ساتھ لے کر قرآن جیسی ایک سورت بنا کر دکھا دے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے اور ہرگز نہیں کر سکے گا تو اس کو

سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن واقعی کسی انسان کی کاوش نہیں، بلکہ کلام الہی ہے، پس اس کو انکار کر کے جہنم کا اندھن نہیں بننا چاہئے۔ سورۃ البقرہ آیات ۲۳ و ۲۴ میں یہ مضمون آیا ہے۔

ربا یہ سوال کہ قرآن مجید (عاجز کرنے والا) کیوں ہے؟ اس میں وہ کیا مہرِ خُباب کا پر لگ رہا ہے کہ تمام فصحاءِ کربھی ایسا کلام نہیں بنا سکتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگلے عرب یعنی نزولِ قرآن کے وقت جو لوگ موجود تھے وہ تو اپنی فطرت اور زبان کی مہارت کی وجہ سے جانتے تھے کہ قرآن میں وہ کیا خوبیاں ہیں مگر بعد میں جب عربی کی استعداد کمزور پڑی نیز اسلام غربوں سے بڑھ کر خمیہوں میں پہنچا تو ضروری ہوا کہ وجودِ اعجاز کی وضاحت کی جائے چنانچہ سب سے پہلے تیسری صدی میں ابو عبد اللہ محمد بن زید واسطی (متوفی ۳۰۷ھ) نے اعجازِ القرآن نامی کتاب لکھی جس کی شیخ عبدالقادر جرجانی (متوفی ۷۴۷ھ) نے شرح لکھی، پھر چوتھی صدی میں اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ علامہ محمد بن محمد خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸-۴۱۹ھ) نے بیانِ اعجازِ القرآن لکھی جو چھپ گئی ہے۔ علی بن عیسیٰ ابوالحسن رُمانی (۲۹۶-۳۸۳ھ) نے التلکث فی اعجازِ القرآن لکھی ہے یہ بھی مطبوع ہے قاضی ابوبکر محمد بن طیب بالقوافی رحمہ اللہ (۳۳۸-۴۰۳ھ) نے اعجازِ القرآن لکھی، یہ بھی طبع ہو چکی ہے پھر چھٹی صدی میں امام فخر الدین محمد بن عمر رازی (۵۴۳-۶۰۶ھ) نے نہایۃ الإیحاز فی درایۃ الإعجاز لکھی، یہ بھی مطبوع ہے۔ اور بھی متعدد حضرات نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

ان سب حضرات نے وجوہِ اعجازِ قرآن کے بیان کئے ہیں اور لوگوں کو سمجھایا ہے کہ قرآن کے مثل انسان کیوں نہیں لاسکتا؟ اسی طرح آنحضور ﷺ نے جو شریعت لوگوں کے سامنے پیش کی ہے وہ ساری تمام شرائع سے کامل تر ہے اور آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے، کیونکہ اس میں ایسی باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مجموعی طور پر ان سب باتوں کا لحاظ وضعی قوانین میں رکھا ہی نہیں جاسکتا۔ اور یہ بات دورِ اول کے لوگ اپنی فطرتِ سلیمہ، صحبتِ نبوی کی برکت، استعداد کی پختگی اور علم کی فراوانی سے، خود بخود سمجھتے تھے، اس کو سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کی تقریروں میں اور باہمی گفتگوؤں میں اس کی صاف جھلک ملتی ہے مگر بعد میں یہ صورت حال باقی نہیں رہی اس لئے ضروری ہوا کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت میں جو وجوہِ اعجاز ہیں اس کی وضاحت کی جائے۔ اسی مقصد کے لئے فنِ حکمتِ شرعیہ کی تدوین ضروری ہوئی۔

رہی یہ بات کہ ”شریعتِ محمدیہ تمام شرائعِ سابقہ سے کامل تر ہے“، یہ مضمون بہت سی روایات سے ثابت ہے مثلاً امام تہجدی رحمہ اللہ نے دلائل اللہ و میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہٴ تبوک کے موقع پر جو طویل خطاب فرمایا تھا اس میں یہ جملہ معروف ہے کہ خَبَرُ الْمَسَلِّ مِلَّةُ إِبْرَاهِيمَ تمام شرائع میں بہترین ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے اور سورۃ النحل آیت ۱۲۳ میں ہے کہ

فَمَنْ أَوْحَشْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقہ پر چلے، جو کہ بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے

حقیقاً

غرض آپ کی ملت، ملت ابراہیمی کا کامل و مکمل ایڈیشن ہے۔ اور ملت ابراہیمی تمام ملتوں میں بہترین ہے پس عابت ہوا کہ آپ کی شریعت تمام شرائع سے کامل تر ہے۔

اور آپ ﷺ جیسے امی یعنی لوگوں سے نہ پڑھے ہوئے شخص کا ایسی کامل و مکمل شریعت پیش کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ شریعت آپ کی کاوش کا نتیجہ ہرگز نہیں۔ جب دنیا کے تمام پڑھے لکھے انسان مل کر بھی ایسا مجموعہ قوانین تیار نہیں کر سکتے، تو ایک امی سے یہ بات کیوں کر متصور ہے؟ یقیناً یہ رب العالمین کا نازل کردہ قانون ہے۔

غرض آپ کی شریعت آپ کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے، مگر اس کا دلیل ہونا اس وقت سمجھ میں آ سکتا ہے جب آدمی یہ جانے کہ اس شریعت میں کن کن مصلحتوں کی رعایت کی گئی ہے؟ اور یہ بات فن حکمت شرعیہ کے ذریعہ ہی جانی جاسکتی ہے، اس لئے اس فن کی تدوین بے فائدہ نہیں، بلکہ اس میں یہ ایک عظیم فائدہ ہے۔

[۳] قوله: ليس في تدوينه فائدة.

قلنا: ليس الأمر كما زعم، بل في ذلك فوائد جلية:

منها: إيضاح معجزة من معجزات نبينا صلى الله عليه وسلم؛ فإنه صلى الله عليه وسلم كما أتى بالقرآن العظيم، فأعجز بلفاء زمانه، ولم يستطع أحد منهم أن يأتي بسورة من مثله؛ ثم لما انقرض زمان العرب الأول، وخفي على الناس وجوه الإعجاز، قام علماء الأمة، فاضحوا، ليذكر من لم يبلغ مبلغهم؛ فكذلك أتى من الله تعالى بشريعة هي أكمل الشرائع، مُتَّصِنَةٌ لمصالح يعجز عن مراعاة مثلها البشر، وعرف أهل زمانه شرف ما جاء به، بنحو من أنحاء المعرفة، حتى نطق به السنتهم؛ وبقي في خطتهم ومحاوراتهم؛ فلما انقضى عصرهم، وجب أن يكون في الأمة من يوضح وجوه هذا النوع من الإعجاز.

والأنار الدالة على أن شريعته صلى الله عليه وسلم أكمل الشرائع، وأن إتيان مثله بمنتهى معجزة عظيمة، كثيرة مشهورة لاجابة إلى ذكرها.

ترجمہ: قائل کا قول: اس فن کی تدوین میں کوئی فائدہ نہیں۔

ہم کہتے ہیں: واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا قائل نے خیال کیا ہے بلکہ اس فن کی تدوین میں بہت سے بڑے بڑے فائدے ہیں۔

ان میں سے ایک فائدہ آنحضور ﷺ کے معجزات میں سے ایک بڑے معجزہ کی وضاحت کرنا ہے، کیونکہ آنحضور ﷺ جس طرح قرآن عظیم لائے، اور اس نے آپ کے زمانے کے ہر باب بلاغت کو عاجز کر دیا، اور ان میں سے کسی

میں بہت نہ ہوئی کہ قرآن جیسی کوئی سورت بنا لائے۔ پھر جب اگلے عربوں کا زمانہ بیت گیا اور لوگوں پر انبیاء کی وجہ مخفی ہو گئیں تو علمائے امت اٹھے، اور انھوں نے وجوہ انبیاء کی وضاحت کی، تاکہ وہ لوگ بھی جو اگلے عربوں جیسی استعداد کے مالک نہیں ہیں، قرآن کے انبیاء کو سمجھ سکیں۔ اسی طرح آنحضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک شریعت (مجموعہ قوانین) لائے ہیں، جو تمام شریعتوں میں کامل تر ہے، جو ایسی مصلحتوں پر مشتمل ہے کہ اس جیسی حکمتوں کی رعایت کرنے سے انسان قاصر ہیں، اور آپ کے زمانہ کے لوگ آپ کی لائی ہوئی شریعت کی برتری کو سمجھتے تھے، سمجھنے کی مختلف صورتوں میں سے کسی صورت کے ذریعہ، چنانچہ ان کی زبانوں سے وہ حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں، اور ان کی تقریروں اور باہمی گفتگوؤں میں وہ واضح ہوئی ہیں۔ پھر جب ان کا زمانہ گزر گیا تو ضروری ہوا کہ امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو انبیاء کی اس خاص قسم کی وضاحت کریں۔

اور وہ روایات جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے کامل تر ہے اور یہ بات کہ آپ (جیسے) (ای شخص) کا اس جیسی (کامل ترین) شریعت کو پیش کرنا ایک بہت بڑا معجزہ ہے، ایسی روایات بہت ہیں اور مشہور ہیں، ان کو ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔

لغات:

أَوَّلُ مَجْعِ أَوَّلِي، مَوْثِدٌ أَوَّلُ، العرب بتاویل قبیلہ مَوْثِد اور معنی جمع ہے اس لئے صفت أَوَّلُ لائی گئی ہے
حاور مَحَاوِرَةٌ و حَوَارِ: گفتگو کرنا، جواب دینا۔ کثیر خبر ہے الانباء متداکی۔

تشریح:

معرفت یعنی بات سمجھنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً پڑھنے کے ذریعہ، مطالعہ اور غور و فکر کے ذریعہ، صحبت کے ذریعہ، تجربہ کے ذریعہ وغیرہ، دورانوں کے حضرات شریعت میں طوائف حکمتوں اور مصلحتوں کو خوب سمجھتے تھے اس بات کا اندازہ ہمیں ان کی تقریروں اور باہمی گفتگوؤں سے ہوتا ہے، رہی یہ بات کہ انہوں نے یہ باتیں کیسے سمجھیں تو یہ بات ہم نہیں بنا سکتے۔ بس اتنا ہم جانتے ہیں کہ وہ حضرات یہ باتیں سمجھے ہوئے تھے۔
نوٹ: جلیلہ مطبوعہ نسخہ میں جلیبہ ہے، جس کے معنی ہیں: واضح، صیح، مخلوط کراچی سے کی ہے۔



فن حکمت شرعیہ کا دوسرا فائدہ

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ آنحضور ﷺ جو دین و شریعت لائے ہیں وہ سچا دین اور سچی شریعت ہے، اگر اس

ایمان کے ساتھ مومن شریعت کی حکمتیں اور حقیقت بھی جان لے تو اس کو مزید اطمینان قلبی حاصل ہوگا، اور یہ طمانیت شرعاً مطلوب ہے۔ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یہ درخواست کی تھی کہ ان کو احیائے موتی کا مشاہدہ کرایا جائے، دریافت کیا گیا کہ: ”کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں؟“ آپ نے جواب دیا: ”کیوں نہیں؟“ مگر میں آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ مزید اطمینان قلبی حاصل ہو، چنانچہ اللہ پاک نے ان کو احیائے موتی کا مشاہدہ کرایا۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۶۰ میں اس کی تفصیل ہے۔ اسی طرح شریعت کی حقانیت پر یقین کے ساتھ اگر احکام شرعیہ کے رموز و اسرار بھی جان لئے جائیں تو اس سے مزید اطمینان قلبی حاصل ہوگا اور یہ اس فن کا نہایت اہم فائدہ ہے۔

اور اسرار و رموز جاننے سے ایمان میں اضافہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مسئلہ کے ثبوت کے لئے ایک دلیل کافی ہوتی ہے لیکن اگر کسی مسئلہ میں دلائل کا انبار لگ جائے اور مختلف راہوں سے مسئلہ کا علم حاصل ہو جائے تو شرح صدر ہوتا ہے اور دل کا اضطراب دور ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر حکم شرعی کی حکمت، اور اس کا دنیوی یا اخروی فائدہ معلوم ہو جائے تو یہ بات مزید طمانیت کا باعث ہوتی ہے۔

ومنها: انه يحصل به الاطمئنان الزائد على الإيمان، كما قال ابراهيم الخليل عليه الصلوة والسلام: ﴿بَلَىٰ، وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ وذلك: ان تظاهر الدلائل، وكثرة طُرُق العلم، يُلْجِئَانِ الصِّدْرَ، وَيُزِيلَانِ اضْطِرَابَ الْقَلْبِ.

ترجمہ: اور ان (فائدوں) میں سے ایک یہ ہے کہ اس علم کی بدولت ایمان سے زائد اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ”کیوں نہیں، مگر اس لئے درخواست کرتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے“ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ (کسی مسئلہ پر) دلائل کا توجہ جمع ہونا، اور علم کی راہوں کا زیادہ ہونا سینہ کو شہدائے کرتا ہے اور دل کی بے چینی کو دور کرتا ہے۔
لغت: اُتْلُجَّتْ نفسی بہ: مطمئن ہونا، خوش ہونا۔



فن حکمت شرعیہ کا تیسرا فائدہ

ساکل یعنی درجہ احسان کا طالب نوافل عبادات میں محنت کر کے مطلوب تک پہنچتا ہے، اگر وہ عبادات کے اسرار و رموز جان کر محنت کرے اور عبادتوں کی روح اور ان کے انوار کی نگاہداشت کرے مثلاً ساکب جواز کا کرتا ہے ان کی

خاصیت بھی جان لے اور پوری توجہ سے ذکر کرے اور اس کی خاصیت کی تحصیل کی کوشش کرے تو تھوڑی عبادت بھی بہت زیادہ نفع بخش ثابت ہوگی اور وہ اندھا دھند سفر جاری رکھنے سے محفوظ رہے گا۔ اسی وجہ سے امام غزالی رحمہ اللہ نے سلوک کی کتابوں میں عبادتوں کے اسرار و رموز بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

ومنها : أن طالب الإحسان إذا اجتهد في الطاعات، وهو يعرف وجه مشروعيته، ويُقَيِّد نفسه بالمحافظة على أرواحها وأنوارها، نفعه قليلها، وكان أبعد من أن يخطئ خطب عشواء؛ ولهذا المعنى: اعتنى الإمام الغزالي في كتب السلوك بتعريف أسرار العبادات.

ترجمہ: اور ان (فائدوں) میں سے ایک یہ ہے کہ احسان (تقوٰف) کا طالب جب عبادتوں میں محنت کرتا ہے دراصل ایک وہ ان کی مشروریت کی وجہ جانتا ہے اور اپنے آپ کو پابند بناتا ہے عبادتوں کی ارواح اور ان کے انوار کی نگاہداشت کا، تو تھوڑا عمل بھی اس کو نفع پہنچاتا ہے اور وہ رتوں کی اونٹنی کی طرح ٹانگ ٹوٹیاں مارنے سے بالکل بچ جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے امام غزالی رحمہ اللہ نے تقوٰف کی کتابوں میں عبادتوں کے رموز بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

فائدہ: (۱) احسان باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں بکرو (دوران) (عمدہ بنانا) اور ہر چیز کو عمدہ کرنا لازم ہے مسلم شریف میں حدیث ہے:

إن الله تبارك وتعالى كعب الإحسان
على كل شيء، فإذا قلتم فاحسنوا
القلبة، وإذا ذهبت فاحسنوا اللبح،
وليُجِدْ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِخْ ذِيحَتَهُ
انہی چھری خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔
(مشکوٰۃ حدیث نمبر ۳۷۴)

اور جب ہر چیز میں احسان (کنو کردن) فرض ہے تو عبادات جو کہ اہم امور میں سے ہیں ان میں تو احسان بدرجہ اولیٰ مطلوب ہوگا، عبادات کو عمدہ بنانے کا طریقہ حدیث جبریل میں یہ آیا ہے:۔

أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم
تكن تراه فإنه يراك (مشکوٰۃ ج ۲)
اس طرح عبادت کرو، کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، پس اگر تم
اس کو نہیں دیکھ رہے، تو وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

احسان عمل کا پہلا درجہ جو اعلیٰ درجہ ہے وہ تصحیح نیت، استحضار اور نسبت یادداشت کو توئی کر کے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے اور یہ درجہ حاصل کرنے میں سب سے زیادہ موثر فرائض ہیں، پھر نوافل اعمال کا درجہ ہے، مسند احمد (۲۵۶:۶) میں

حدیث ہے:

ماتقربُ اِلٰی عبدی بمثل اداء بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ جتنا قرب حاصل کرتا ہے، وہ اور طریقہ الفرائض وما يزال العبد بفقرب سے حاصل نہیں دوتا، اور بندہ فوافل عبادات کے ذریعہ برابر قرب حاصل اِلٰی بالنوافل حتیٰ اُجبہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں

پس جو شخص درجہ احسان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ درجہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اسکو فرائض کے بعد نوافل اعمال میں محنت کرنی چاہئے۔ یہی شخص سالک (راہِ رد) کہلاتا ہے اور اسی محنت کا نام تصوف ہے۔

فائدہ (۲) تصوف کے لئے احادیث میں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ایک احسان دوسرا زہد۔ پہلا لفظ تو صرف حدیث جبرئیل میں آیا ہے اور دوسرا لفظ متعدد احادیث میں آیا ہے المعجم المفہوس للفاظ الحدیث الشریف میں زہد، زہد، زہد اور زہادۃ کی مراجعت کی جائے تو بہت سی حدیثوں کے حوالے مل جائیں گے۔ غرض پہلے لفظ کو رواج عام حاصل نہیں ہوا، دوسرا لفظ ہی اسلامی لٹریچر میں عام طور پر استعمال کیا جاتا تھا، حدیث کی بنیادی کتابوں میں بھی اسوا ب الزہد ہی کا عنوان آتا ہے اور الزہد والرفاق کے عنوان سے مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ کی کتاب الزہد والرفاق طبع بھی ہوئی ہے۔

اور زہد کے معنی ہیں دنیا سے بے رغبتی، اور زہاد چونکہ دنیا کی رعنائیوں سے دور رہتے تھے اور صوف (اونی کپڑے) پہنتے تھے اس لئے ان کے لئے لفظ صوفی (اونی کپڑا پہننے والا) اور فن کے لئے لفظ تصوف چل پڑا اور اب وہی لفظ زبان زد ہے۔ غرض احسان، زہد اور تصوف ایک ہی چیز ہیں اور یہ چیز بے اصل نہیں بلکہ نصوص سے ثابت ہے اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

پھر بعد میں تصوف میں غبی اثرات کی آمیزش ہو گئی اور عبادت کے غیر شرعی طریقے رواج پا گئے تو اکابرین نے جیسے علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم رحمہما اللہ نے غبی تصوف پر سخت تنقید کی۔ یہ حضرات نفس تصوف کے منکر نہیں تھے، اس کی گڑبی ہوئی صورت پر انکار کرتے تھے۔ جناب گرام مولانا ملک عبد الحفیظ کی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ وغیرہ سات اکابرین علمائے سلفیہ کی کتابوں سے تصوف کے مضامین ملحدہ کر کے ایک کتاب بدنام موقف ائمنۃ الحرکۃ السلفیہ من التصوف والصوفیہ مرتب کی ہے اور وہ طبع بھی ہو چکی ہے۔ اسی طرح ان کے تلمیذ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام ہروی رحمہ اللہ کی منازل المسافرین اِلٰی رب العالمین کی چار جلدوں میں مداوح السالکین کے نام سے شرح لکھی ہے جو مطبوعہ ہے۔

علمائے دیوبند نے تصوف میں سے غبی صورتات اور غیر شرعی چیزوں کو حتی الامکان نکال دیا ہے یہ حضرات فن کو نکھار کر شریعت کے دائرہ میں لا کر اس پر عمل کرتے ہیں۔

غرض حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اپنی تصانیف میں عام طور پر اور حجۃ اللہ میں خاص طور پر لفظ تصوف استعمال

نہیں کرتے بلکہ اصل اصطلاح احسان استعمال کرتے ہیں۔ جلد ثانی میں بھی ابواب الاحسان کا عنوان قائم کیا ہے۔



فن حکمت شرعیہ کا چوتھا فائدہ

فقہائے کرام میں فروعی مسائل میں اختلافات ہوئے ہیں۔ اور یہ اختلافات علتوں کے اختلاف پر مبنی ہیں، یعنی نص میں مذکور حکم کی علت سمجھنے میں اختلاف ہوا ہے، اس لئے فروعی مسائل میں اختلاف ہو گیا ہے۔ مثلاً اشیائے ستہ کی حدیث میں ربوا کی علت کے استخراج میں اختلاف ہوا ہے تو اب کی جزئیات میں بھی اختلاف ہو گیا ہے اب یہ فیصلہ کرنا کہ کسی کی بھیجی ہوئی علت درست ہے، اس کے لئے فن حکمت شرعیہ کی ضرورت ہے۔ اب اس فن میں مذکور حکمتوں اور علتوں کے ساتھ فقہاء کی نکالی ہوئی علتوں کا موازنہ کر کے دیکھا جائے گا اور جو علت مصالح و حکم سے ہم آہنگ ہوگی اس کو ترجیح دی جائے۔

وهنھا : انه اختلف الفقهاء في كثير من الفروع الفقهية، بناء على اختلافهم في العلل المخرجة المناسبة؛ وتحقيق ما هو الحق هنالك لا يتم الا بكلام مستقل في المصالح.

ترجمہ: اور ان میں سے ایک (فائدہ) یہ ہے کہ بہت سی جزئیات فقہیہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے اور یہ اختلاف علتوں میں اختلاف پر مبنی ہے، جو احکام کے مناسب نکالی گئی ہیں۔ اب اس اختلاف میں صحیح بات کی تحقیق مصالح پر مستقل گفتگو کے بغیر ممکن نہیں۔
ترکیب: تحقیق: مہتاب ہے اور لا ینم الخ خبر ہے۔



فن حکمت شرعیہ کا پانچواں فائدہ

گمراہ فرقوں کو شریعت کے بہت سے مسائل میں شک ہے، ان کے خیال میں وہ سب مسائل خلاف عقل ہیں۔ اور جو چیز خلاف عقل ہو اس کو رد کر دینا یا تاویل کرنا ضروری ہے مثلاً معتزلہ کو عذاب قبر میں شک ہے، وہ کہتے ہیں کہ عذاب قبر مشاہدہ اور عقل کے خلاف ہے۔ ہم میت کو سالوں سرد خانہ میں رکھے رہتے ہیں، اس پر کوئی عذاب مشاہدہ میں نہیں آتا۔ ذہن کے بعد قبر کھود کر دیکھئے وہاں نہ کوئی بچھو ہے نہ سانپ، وہ کہتے ہیں کہ جو مر گیا، مر گیا، اب میت کو تکلیف کیسی؟! ہم بکری ذبح کر کے گوشت پکا کر کھاتے ہیں تو کیا بکری کو تکلیف ہوتی ہے؟

اسی طرح قیامت کے میدان میں حساب و کتاب اور اعمال تو لے کر معاملہ ہے۔ معترض کہتے ہیں کہ حساب آڈیٹ وہ کرتا ہے جو حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہیں انھیں حساب لینے کی اور اعمال تو لے کر کیا ضرورت ہے؟! اسی طرح پل صراط کا معاملہ لیجئے۔ معترض کہتے ہیں کہ یہ نامعقول بات ہے کہ پل صراط کی مسافت پانچ سو سال کی بھی ہو اور وہ بال سے زیادہ بار یک بھی ہو، یہ تشاؤ نہیں تو کیا ہے؟!۔

غرض اس قسم کے مسائل کا اگر وہ احادیث میں مذکور ہوتے ہیں تو معترضہ افکار کرتے ہیں اور قرآن کریم میں مذکور ہوتے ہیں تو دور دراز کی تاویلیں کرتے ہیں اور بعض فقہ پر داز تو لوگوں میں شک کا بیج بوتے ہیں۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ ۲۹ رمضان یا ۳۰ رمضان کا روزہ تو فرض ہو اور یکم شوال کا حرام یہ کیا بات ہے؟ کل اور آج میں کیا فرق پڑ گیا؟! اسی طرح قرآن وحدیث میں جو ترشبی یا ترہیبی مضامین ہیں گمراہ لوگ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ یہ سب طفلانہ تسلیاں اور خواہ مخواہ کا ذرا واہ ہے۔ ان کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں۔ حتیٰ کہ معترضہ میں سے سب سے زیادہ بد بخت ابوالحسن ابن الرادندی نے تو ایک حدیث گھڑ ڈالی کہ الباذ نحاتا لفا اکل لہ (یعنی جس مقصد کے لئے کھایا جائے وہ مقصد پورا ہوگا) وہ یہ حدیث بھولے بھالے مسلمانوں میں رائج کر کے چوٹ کرنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں نہ تو عقل ہے نہ تمیز، ایک بے گن چیز کو اتنا کارآمد بنا کر پیش کیا جائے کہ وہ آب زمزم کے برابر ہو جائے تو بھی وہ اس بات کو بے تکلف مان لیں گے، کیونکہ وہ حدیث کے نام پر پیش کی گئی ہے۔

اس صورت حال کا سد باب کیا ہے؟ بس یہی ہے کہ احکام شرعیہ کے حکم و مصالح بیان کئے جائیں، اور اس مقصد کے لئے قواعد و ضوابط منضبط کئے جائیں۔ پھر ان پر متفرع کر کے تمام احکام کی حکمتیں اور صلیحتیں بیان کر دی جائیں تاکہ شک کرنے والوں کا شک دور ہو جائے اور فتنہ اٹھانے والوں پر روک لگے چنانچہ شاہ صاحب نے اس کتاب کی دو قسمیں کی ہیں پہلی قسم میں قواعد و ضوابط منضبط کئے ہیں اور دوسری قسم میں احکام کے اسرار و حکم بیان کئے ہیں۔

غرض جس طرح قرآن میں مذکور فنِ ماصد کے اصول و قواعد طے کئے گئے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ باطل فرقوں سے نسا جا سکے اسی طرح فنِ حکمت شرعیہ کی تدوین بھی ضروری ہے تاکہ اس کی مدد سے فتنوں کا سد باب کیا جاسکے۔

اور اب دور جدید میں تو تشکیک کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں اور یورپ اور امریکہ میں ہر مسلمان ہر بات پر معلوم کرتا ہے کہ یہ حکم کیوں ہے؟ اس لئے اب ہر عالم کو یہ فن پڑھنا ضروری ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو احکام شرعیہ کے بارے میں مطمئن کر سکے اور فتنہ پر دازوں کو ناکامی کا مزہ دکھا سکے۔

نوٹ: عربی میں بدعت کہتے ہیں فکری گمراہی کو اور مبتدع کہتے ہیں گمراہ شخص کو جیسے شیعہ معترضہ وغیرہ اور اردو میں بدعت کہتے ہیں عملی گمراہی کو اور بدعتی کہتے ہیں عملی خرافات میں مبتلا شخص کو۔ کتاب میں یہ معنی مراد نہیں بلکہ پہلے معنی مراد ہیں۔

ومنها: أن المبتدعين شككوا في كثير من المسائل الإسلامية: بأنها مخالفة للعقل، وكل ما هو مخالف له يجب رده أو تأويله، كقولهم في عذاب القبر: إنه يكذبُه الحس والعقل، وقالوا في الحساب والصراف والميزان نحو: من ذلك، فطَقُّوا يُوَوِّلُونَ بتأويلات بعيدة. وأشارت طائفة فتنة الشك، فقالوا: لم كان صوم آخر يوم من رمضان واجبا، وصوم أول يوم من الشوال ممنوعا عنه؟ ونحو ذلك من الكلام؛ واستهزأت طائفة بالترغيبات والترهيبات، طائفتين أنهما لمجرد الحث والتحريض، لا ترجع إلى أصل أصيل، حتى قام أشقى القوم، فوضع حديث "بإذننا لنأكل له" يعرض بأن أضرب الأشياء لا يتميز عند المسلمين من النافع. ولا سبيل إلى دفع هذه المفسدة إلا بأن تُبين المصالح، وتؤسس لها القواعد، كما فعل نحو من ذلك في مخاصمات اليهود والنصارى والدَّهْرِيَّةِ وأمثالهم.

ترجمہ: اور ان میں سے ایک (فائدہ) یہ ہے کہ گمراہ لوگوں نے بہت سے اسلامی مسائل میں یہ کہہ کر شکوک و شبہات ابھارے ہیں کہ وہ خلاف عقل ہیں، اور جو بھی چیز خلاف عقل ہو اس کو رد کر دیا یا اس کی تاویل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً عذاب قبر کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور عقل عذاب قبر کی تکذیب کرتے ہیں اور ان لوگوں نے حساب، پل صراط اور میزانِ عمل کے بارے میں بھی اسی قسم کی باتیں کہی ہیں۔ اور وہ نصوص میں دو دروازے کی تاویل میں لگے ہیں۔ اور ایک فرقہ نے تو نظریک کے فتنہ کو اس طرح ہوا دی ہے کہ آخراں میں کیا راہ ہے کہ رمضان کی آخری تاریخ کا روزہ تو فرض ہو اور شوال کی پہلی تاریخ کا روزہ حرام ہو؟ اور اس قسم کی دیگر ہرزہ سراہیاں!

اور ایک جماعت نے ترغیبات اور ترہیبات (کی نصوص) کا مستحکمہ اڑایا ہے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ چیزیں محض ابھارنے اور جوش دلانے کے لئے ہیں، کسی مستحکم اصول پر ان کی بنیاد قائم نہیں۔ اور یہ سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ معجزہ میں سے بد بخت ترین شخص (ابن الرومی) کھڑا ہوا اور اس نے حدیث گھڑ ڈالی کہ "تین جس مقصد کے لئے کھایا جائے وہ پورا ہوگا" وہ چوتھ کر رہا ہے کہ مسلمان حضرت رسال اور نفع بخش چیزوں میں تیز نہیں کر سکتے۔

اس قسم کے مفاسد کو دفع کرنے کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ مصالح کی وضاحت کی جائے اور ان کے لئے قواعد مضبوط کیے جائیں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور دہریوں وغیرہ باطل فرقوں کے مقابلہ کے لئے ایسا کیا گیا۔



فن حکمت شرعیہ کا چھٹا فائدہ

فقہاء نے ایک قاعدہ بنایا ہے کہ ”جو حدیث ہر طرح سے خلاف قیاس ہو اس کو رد کر دینا جائز ہے“ یہ قاعدہ اپنی جگہ صحیح ہے، کیونکہ صریح نص اور صحیح عقل کے درمیان تعارض نہیں ہو سکتا، اگر کسی جگہ نص اور عقل میں تعارض نظر آئے تو یا تو روایت موضوع یا ضعیف ہوگی یا عقل فاسد ہوگی۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک عمدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے موافقة صریح المعقول بصحیح المنقول یہ کتاب منہاج السنہ کے حاشیہ پر بھی طبع ہوئی ہے اور مستقل بھی چھپ گئی ہے۔

غرض قاعدہ صحیح ہے مگر تمام قواعد کلیہ عسکارۃ الغنیان (اندھے کی لاشی) ہوتے ہیں، اندھے کا عصا صحیح جگہ بھی ٹک سکتا ہے اور غلط جگہ بھی پڑ سکتا ہے اسی طرح قواعد کلیہ کے اجراء میں غلطی بھی ہو جاتی ہے چنانچہ بعض حضرات نے یہ قاعدہ حدیث مضمرات کے ساتھ جوڑ دیا کہ یہ روایت ہر طرح سے قیاس کے خلاف ہے اس لئے مردود ہے، اسی طرح بعض نے یہ قاعدہ قلیسین کی حدیث سے جوڑ دیا، حالانکہ یہ دونوں حدیثیں مطابق قیاس ہیں، اسی طرح اور حدیثوں کو بھی خواہ مخواہ اس قاعدہ کی لپیٹ میں لایا گیا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ تمام نصوص کی حکمتیں بیان کی جائیں تاکہ اگر کوئی شخص مذکورہ قاعدہ کسی نص کے ساتھ غلط طور پر جوڑ دے تو اس کو سمجھایا جاسکے کہ یہ قاعدہ اس نص میں جاری نہیں ہوتا، اس نص میں مذکور حکم کی حکمت اور حکمت یہ ہے۔

عاوہ ازیں اس فن کی تدوین میں اور بھی فوائد ہیں، جن کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ اور حدیث مصرات یہ ہے ﴿مَنْ اشْتَرَى شِصَةً مُصَرَّافَةً بِالْخَبَارِ ثَلَاثَةَ أَهَامٍ، فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، لَا سُمْرَاءَ﴾ (مشکوٰۃ ج ۲۸) جس نے کوئی ایسی بکری خریدی جس کے قصن میں دودھ روک کر شتر کی کوڑھو کر دیا گیا ہو تو اس کو تین دن تک اختیار ہے، پھر اگر وہ بکری واپس کر دے تو اس کے ساتھ ایک صاع (تین کلو ایک سواڑ تا لیس گرام میں پونخت) غنہ بھی دے، گیسوں دینا ضروری نہیں۔

اور حدیث قتلین یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا جو چٹیل زمین میں ہوتا ہے اور جس پر چرو پائے اور دودھے باری باری آکر پانی پیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ﴿إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلْتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثُ﴾ (مشکوٰۃ ج ۴۷) جب پانی دو مکے ہو جائے تو وہ گندگی کو (سر پر) نہیں اٹھاتا یعنی ناپاکی پر کرجلی جاتی ہے۔

نوٹ: حدیث مصرات پر تفصیلی کلام، کتاب کی قسم دوم میں باب البیوع المصبیٰ عنہا (رحمۃ اللہ: ۵۷۹) میں آئے گا۔ اور حدیث قتلین پر کلام ابواب الطہارۃ، باب احکام المیاء (رحمۃ اللہ: ۳۵۷) میں آئے گا۔

و منها: انما جماعۃ من الفقہاء زعموا انه يجوز رد حدیث بخالف القیاس من کل وجه فتنطرق

الْخَلَلُ إِلَى كَثِيرٍ مِنَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ، كَحَدِيثِ الْمُبْرَافَةِ، وَحَدِيثِ الْقَلْبَيْنِ، فَلَمْ يَجِدْ أَهْلُ
الْحَدِيثِ سَبِيلًا فِي الزَّوَامِهِمُ الْحَقَّةَ، إِلَّا أَنْ يُبَيِّنُوا أَنَّهَا تَوَافَقُ الْمَصَالِحَ الْمَعْتَبَرَةَ فِي الشَّرْعِ.
إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْفَوَائِدِ الَّتِي لَا يَنْبَغِي بِإِحْصَانِهَا الْكَلَامُ

ترجمہ: اور ان میں سے ایک (فائدہ) یہ ہے کہ فقہاء کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ جو حدیث ہر طرح سے
قیاس کے خلاف ہو اس کو رد کرنا جائز ہے، چنانچہ بہت سی صحیح حدیثوں کی طرف خرابی نے راہ بنائی، جیسے دودھ روکی ہوئی
گہری کی حدیث اور دو مشکوں والی روایت۔ اب محدثین کے لئے اُن فقہاء پر حجت قائم کرنے کی اس کے علاوہ کوئی راہ
نہیں کہ وہ بتائیں کہ یہ حدیثیں ان مصالح کے موافق ہیں جو شریعت میں معتبر ہیں۔

وغیرہ وغیرہ بہت سے فوائد ہیں، جن کا احاطہ کرنے پر کلام قادر نہیں ہے۔
لغات: تطرّق: راستہ تلاش کرنا وقی: یعنی وفاء بہ: پورا کرنا



شاہ صاحبؒ کے تفروقات کی وجہ

کتاب میں بعض جگہ قاری کو مصنف علیہ الرحمۃ کے تفروقات ملیں گے، یعنی بعض ایسی آراء سامنے آئیں گی جن کے
جمہور علمائے کلام قائل نہیں ہیں۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہی ان باتوں کے قائل ہیں، مثلاً
(۱) معصود (میدان حشر اور آخرت) میں اللہ تعالیٰ کا مختلف صورتوں میں تجلی فرمانا، جبکہ جمہور علماء اللہ تعالیٰ کو شکل
و صورت سے پاک مانتے ہیں۔

(۲) عام طور پر دو ہی عالم مانے جاتے ہیں دنیا اور آخرت، مگر شاہ صاحبؒ ایک تیسرے عالم کے بھی قائل ہیں، جو
غیر مادی ہے، جہاں معنویات اور اعمال کو بھی ان کی صفت (حالت) کے لحاظ سے جسم ملتا ہے اور حوادث و واقعات اس
عالم میں رونما ہونے سے پہلے اُس عالم میں پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح اس دنیا سے ناپید ہونے کے بعد بھی اُس عالم
میں باقی رہتے ہیں، جس کا نام عالم مثال ہے۔

(۳) عام طور پر جزاء و سزا کا سبب اعمال کو سمجھا جاتا ہے، مگر شاہ صاحبؒ کے نزدیک کیفیات قلبیہ مجازات کا اصلی
سبب ہیں، جن کے ساتھ اعمال جڑے ہوئے ہوتے ہیں یعنی اعمال ان کے پیکر ہائے محسوس ہوتے ہیں۔

(۴) عام علماء و تقدیر کی دو قسمیں کرتے ہیں: تقدیر مطلق اور تقدیر مقبوم، مگر شاہ صاحبؒ کے نزدیک تقدیر صرف مقبوم
اور ملزوم ہی ہوتی ہے۔

شاہ صاحب قدس سرہ نے اس قسم کے تفردات بس یونہی سرسری طور پر اختیار نہیں فرمائے، بلکہ گہرے غور و فکر کے بعد جب دیکھا کہ بہت سی آیات و احادیث اور صحابہ و تابعین کے ارشادات اس کی پشت پر ہیں، اور گویا عام علماء اس کے قائل نہیں ہیں مگر محققین اور وہ بڑے علماء جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی علم عطا فرمایا ہے اس کے قائل رہے ہیں تو شاہ صاحبؒ ان باتوں کے قائل ہوئے ہیں۔

[وجہ تفرُّدات المصنف]

وَسَجَدْنِي إِذَا غَلِبَ عَلَيَّ شَفِيقَةُ الْيَانِ، وَأَمَعْتُ فِي تَهْيِيدِ الْقَوَاعِدِ غَايَةَ الْإِمْعَانِ، وَبِمَا أَوْجِبُ الْمَقَامَ أَنْ أَقُولَ بِمَا لَمْ يَقُلْ بِهِ جُمُهورُ الْمُنَاطِرِينَ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ؛ كَسَجَلَى اللَّهِ تَعَالَى فِي مَوَاطِنِ الْمَعَادِ بِالْصُّورِ وَالْأَشْكَالِ، وَكَإِثْبَاتِ عَالَمٍ لَيْسَ عَنصرِيَا، يَكُونُ فِيهِ تَجَسُّدُ الْمَعَانِي وَالْأَعْمَالِ بِأَشْبَاحٍ مُنَاسِبَةٍ لَهَا فِي الصِّفَةِ، وَتُخْلَقُ فِيهِ الْحَوَادِثُ قَبْلَ أَنْ تُخْلَقَ فِي الْأَرْضِ؛ وَارْتِبَاطُ الْأَعْمَالِ بِهَيئَاتٍ نَفْسَانِيَّةٍ، وَكَوْنُ تِلْكَ الْهَيئَاتِ فِي الْحَقِيقَةِ سَبَبًا لِلْمَجَازَةِ فِي الْحَيَوةِ الدُّنْيَا وَبَعْدَ الْمَمَاتِ، وَالْقَوْلُ بِالْقَدْرِ الْمُتَّوَمِّ، وَنَحْوِ ذَلِكَ.

فَاعْلَمْ أَنِّي لَمْ أَجْتَرِءْ عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ أَنْ وَابَتْ الْآيَاتُ وَالْأَحَادِيثُ وَأَثَارُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ مَتَظَاهِرَةً فِيهِ، وَرَأَيْتُ جَمَاعَاتٍ مِنْ خَوَاصِّ أَهْلِ السُّنَّةِ، الْمُتَمَيِّزِينَ مِنْهُمْ بِالْعِلْمِ اللَّدُنِّيِّ يَقُولُونَ بِهِ، وَيَتَّبِعُونَ قَوَاعِدَهُمْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور عنقریب آپ مجھے پائیں گے جب مجھ پر زور بیان غالب آئے گا اور میں قواعد تیار کرنے میں بہت زیادہ گہرائی میں اتروں گا، تو کبھی مقام متقاضی ہوگا کہ میں وہ بات کہوں جو علمائے کلام میں سے جمہور مناظرین نے نہیں کہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا عقل و صورت کے ساتھ تجلی فرمانا، آخرت کے مواقع میں، اور جیسے ایک ایسے عالم کو ثابت کرنا جو مادی نہیں ہے، جس میں معنویات اور اعمال جسم اختیار کرتے ہیں، ایسی اشکال کے ساتھ، جو ان معانی اور اعمال سے حالت میں مشابہت رکھتے ہیں، اور اس میں واقعات پیدا کئے جاتے ہیں، زمین میں پیدا کئے جانے سے پہلے، اور اعمال کا کیفیات قلبیہ (نیوٹن) کے ساتھ تجاویز ہونا اور ان ہیئات کا درحقیقت جزاء و سزا کا سبب ہونا، دنیا کی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، اور تقدیر مہرّم کا قائل ہونا اور اس طرح کے دیگر مسائل۔ پس یہ بات جان لیں کہ میں نے دلیری نہیں کی ہے ان باتوں پر مگر یہ دیکھنے کے بعد کہ آیات و احادیث اور صحابہ و تابعین کے ارشادات اس مسئلہ میں ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں، اور میں نے اہل السنہ کے مخصوص لوگوں میں سے متعدد حضرات کو دیکھا جو ان میں

سے علم لدنی کے ساتھ ممتاز ہیں، وہ ان باتوں کے قائل رہے ہیں اور وہ ان باتوں پر اپنے قواعد کی بنیاد رکھتے ہیں۔

لغات

الشَّفَقَةُ: بوقتِ مستی اونٹ کے منہ کا جھاگ ج شفا شق اور فصیح کے لئے کہا کرتے ہیں هَدَرْتُ شَفَقَتُهُ اس کا فصل ہے شَفَقْتُ الْحِمْلُ شَفَقَتُهُ: اونٹ کا بلبلانا اَمْعَنُ فِي الْأُمُورِ: معاملہ کی گہرائی میں پہنچنا اَمْعَنُ هِي الطَّلَبُ: ڈھونڈنے میں بہت مہاذب کرنا أَوْجِبُ: واجب کرنا مُنَاطِرُ (اسم فاعل) مناظرہ مُنَاطَرَةٌ: بحث کرنا، مباحثہ میں علم کا کام کے بڑے علماء کو ”مناظر“ کہا جاتا تھا مواطِنُ کا مفرد موطن: وطن، مقام، جگہ المَعَاد: لوٹنے کی جگہ، آخرت جنت فَحْشِدٌ: جسم والا ہونا، تناور ہونا أَشْبَاحُ کا مفرد الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ: شخص، صورت، بیکر، محسوس اشباح السَّالِ: نظر آنے والا مال جیسے اونٹ گائے بکری وغیرہ مُلْزِمٌ (اسم فاعل) الزم الشئ: لازم کرنا اجْتَرَا: دلیر ہو جانا جَرَّوْا ذَاكَ (جرّاء ذُو): دلیری کرنا صفت جَرَّيْ مَنَظَاهِرَةٌ (اسم فاعل) مَنَظَاهِرُ الْقَوْمِ: ایک دوسرے کی مدد کرنا۔



اہل حق کون لوگ ہیں اور حق کا معیار کیا ہے؟

یہ بحث یہاں دفعِ دخل و مقدر کے طور پر چھیڑی گئی ہے، یہ بحث بہت اہم اور نہایت مفید ہے، طلبہ اس کو غور سے پڑھیں۔ پیچھے بعض مسائل میں شاہ صاحب کے تفردات کا ذکر آیا تھا، اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شاہ صاحب بعض کلامی مسائل میں اہل السنۃ والجماعہ سے متفرد ہیں تو آپ اہل حق میں داخل کہاں رہے؟ اس تفرد سے تو آپ اہل بدعت یعنی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گئے اور بن ذیل عبارت میں اس کا جواب ہے کہ علم کلام میں جو مکاتب فکر ہیں ان میں سے کسی معین مکتب فکر کا نام اہل السنۃ والجماعہ نہیں ہے کہ جو اس کے عقائد مانے وہ اہل السنۃ میں شمار ہو، اور جو کسی بات میں اختلاف کرے وہ اہل حق سے خارج ہو جائے، بلکہ اس کا مدار مسائل پر ہے، بعض منصوص مسائل ہیں، جن کو بلا تاویل ماننا ضروری ہے، ان کا جو انکار کرے گایا تاویل کرے گا وہ اہل حق میں شامل نہ ہوگا، شاہ صاحب قدس سرہ نے ایسے کسی بھی مسئلہ میں تفرد اختیار نہیں کیا۔

اور بعض مسائل غیر اہم اور غیر منصوص ہیں، وہ اہل حق ہونے کا معیار نہیں ہیں، ان کو ماننے والے اور نہ ماننے والے سب اہل السنۃ والجماعہ میں شامل ہیں، شاہ صاحب قدس سرہ نے اس دوسری قسم کے بعض مسائل میں متقدمین سے اختلاف کیا ہے، جو کسی طرح بھی مغضوب نہیں، کیونکہ ایسا کرنے کا ہر ایک کو حق ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل قبلہ یعنی مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تمام ضروریات دین کو بلا تاویل تسلیم کرے، جو شخص ان میں سے کسی بھی بات کو نہیں مانتا یا تاویل کرتا ہے وہ اہل قبلہ میں شامل نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص نماز کو بہ ہیئت کذا فی فرض نہیں مانتا، یا یہ کہتا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں، پس دعا کرنا فرض ہے تو وہ شخص دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔

اسی طرح عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے، پس جو شخص اس عقیدہ کا قائل نہیں ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو آخری پیغمبر نہیں مانتا یعنی آپ کے بعد ہر قسم کی نبوت کے بند ہونے کا قائل نہیں ہے بلکہ آپ کے بعد بھی نبوت کے جاری رہنے کا قائل ہے یا یہ کہتا ہے کہ ختم کے معنی مہر کرنے کے ہیں اور آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مہر یعنی اتباع سے آپ کے بعد بھی نیا نبی آ سکتا ہے، تو ایسا شخص کا فرما مرہمہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔

اور ضروریات دین کے معنی ہیں ”دین کی بدیہی باتیں“ یعنی دین اسلام کی وہ موٹی موٹی باتیں جن کو دین سے واقف ایک عام مسلمان بھی جانتا ہے، جیسے نماز کی ہیئت کذا فی، پانچ نمازیں، نمازوں کا فرض ہونا، رکوع، روزے اور حج کی فرضیت، قرآن کا کتاب اللہ ہونا، رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا وغیرہ دین کی بدیہی باتیں ہیں۔ یہ ضروریات دین کہلاتی ہیں۔

غرض جو لوگ تمام ضروریات دین کو مانتے ہیں وہی اہل قبلہ یعنی مسلمان ہیں، پھر اہل قبلہ میں اختلافات ہوئے اور علحدہ علحدہ فرقے اور مختلف جماعتیں بن گئیں۔ ان میں جن مسائل میں اختلافات ہوئے ہیں وہ دو قسم کے مسائل ہیں۔ پہلی قسم: وہ مسائل ہیں جو قرآن وحدیث سے صراحۃً ثابت ہیں اور سلف صالحین یعنی صحابہ و تابعین ان کے قائل رہے ہیں، مثلاً قبر میں سوال وجواب کا ہونا، قیامت کے دن اعمال کا ٹلنا، پل صراط پر گزرنا، جنت میں اللہ کا دیدار ہونا، اور اولیائے کرام سے کرامتوں کا ظاہر ہونا۔ یہ سب باتیں قرآن وحدیث سے واضح طور پر ثابت ہیں اور سلف صالحین ان سب باتوں کے قائل رہے ہیں پھر جب خود رائی کا زمانہ آیا اور کچھ لوگوں کے گمان میں مذکورہ مسائل خلاف عقل ثابت ہوئے تو انھوں نے یا تو ان مسائل کا انکار کر دیا یا ان میں تاویل شروع کر دی۔

اور امت کے سوا اعظم نے قرآن وحدیث کے ظاہر سے جو کچھ سمجھ میں آتا تھا اس کو لے لیا، اور انھوں نے اس کی قطعاً پرواہ نہ کی کہ وہ عقل کے موافق ہیں یا مخالف، اگر انھوں نے کسی مسئلہ میں دلائل عقلیہ سے بحث کی بھی تو وہ یا تو مخالفین پر الزام قائم کرنے کے لئے کی یا ان کو جواب دینے کے لئے یا مزید اطمینان قلبی کے لئے کی، ان سے عقائد کو ثابت کرنے کے لئے گفتگو نہیں کی بلکہ دلائل عقلیہ پر اعتقاد کیا اور سلف کے عقائد کو دانتوں سے مضبوط پکڑا، یہی حضرات اہل السنۃ یعنی اہل حق ہیں۔

غرض معقولہ وغیرہ نے جب ان عقائد کو اصول عقلیہ کے خلاف گمان کیا تو تاویل شروع کر دی اور نصوص کو ظاہر سے پھیر دیا۔ اور ان لوگوں نے عقائد کو ثابت کرنے کے لئے اور ان کی نفس الامری حالت کو واضح کرنے کے لئے دلائل

عقلیہ سے بحث شروع کر دی اور سارا مدِ عقل پر رکھ دیا۔

اور کچھ بے بصیرت لوگ اس کے قائل ہوئے کہ یہ باتیں اگرچہ سمجھ میں تو نہیں آتیں، مگر عقل ان کی شہادت دیتی ہے پھر بھی ہم بغیر سمجھان کو مانتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارا ان سب باتوں پر علی وجہ البصیرت ایمان ہے، وہ سب باتیں ہمارے نزدیک عین عقل کے مطابق ہیں (باقی آگے)

[من هم أهل السنة؟]

ولست "السنة" اسما في الحقيقة لمذهب خاص من الكلام، ولكن المسائل التي اختلف فيها أهل القبلة، وصاروا لأجلها فرقا متفرقة، واحزابا متحزبة، بعد انقيادهم لضروريات الدين، على قسمين :

[۱] قسم نطقوا به الآيات، وصحّت به السنة، وجرى عليه السلف من الصحابة والتابعين؛ فلما ظهر إعجاب كل ذي رأي برأيه، وتشعبت بهم السبل، اختار قوم ظاهر الكتاب والسنة، وعصّوا بنواجذهم على عفائد السلف، ولم يُبالوا بموافقتها للأصول العقلية، ولا لمخالفتها لها؛ فبان تكلموا بمعقول فلا لزوم الخصوم والرد عليهم، أو لزيادة الطمأنينة، للاستفادة العقائد منها، وهم أهل السنة.

وذهب قوم إلى التأويل والصرف عن الظاهر، حيث خالفت الأصول العقلية بزعمهم، فتكلموا بالمعقول لتحقيق الأمر وتبيينه على ما هو عليه.

فمن هذا القسم: سؤال القبر، ووزن الأعمال، والمروء على الصراط، والورؤية، وكرامات الأولياء؛ فهذا كله ظهر به الكتاب والسنة، وجرى عليه السلف، ولكن ضاق نطاق المعقول عنها بزعم قوم، فأنكروها أو أوّلوها.

وقال قوم منهم: آمنا بذلك وإن لم ندر حقيقته، ولم يشهد له المعقول عندنا.

ونحن نقول: آمنا بذلك كله على بينة من ربنا، وشهد له المعقول عندنا.

ترجمہ: اور "السنة" درحقیقت علمِ کام کے کسی خاص کتب فکر کا نام نہیں ہے، بلکہ جن مسائل میں اہل قبلہ نے اختلاف کیا ہے، اور وہ ان مسائل کی وجہ سے متفرق جماعتیں اور علحدہ علحدہ گروہ بن گئے ہیں، دین کی بدیلی باتوں کی تابعداری کرنے کے بعد وہ دو قسم کے مسائل ہیں:

(۱) کچھ مسائل وہ ہیں جن کی آیات کریمہ نے صراحت کی ہے، اور ان کے ساتھ احادیث ثابت ہوئی ہیں (یعنی وہ

مسائل صحیح احادیث سے ثابت ہیں) اور ان پر سلف یعنی صحابہ و تابعین چلے ہیں (یعنی وہ ان باتوں کے قائل رہے ہیں) پھر جب ہر صاحب رائے کا اپنی رائے پر اترنا ظاہر ہوا (یعنی خود رائے کا زمانہ آیا) اور راستے لوگوں کو الگ الگ گھاٹیوں میں لے گئے (یعنی وہ مختلف راستوں پر پڑ گئے) تو کچھ لوگوں نے کتاب و سنت کے ظاہر کو اختیار کیا، اور انھوں نے سلف کے عقائد کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑا۔ اور انھوں نے کچھ پرواہ نہ کی ان مسائل کے اصول عقلیہ کے موافق ہونے کی، اور نہ ان کے ان اصول کے خلاف ہونے کی، پھر اگر ان لوگوں نے دلائل عقلیہ سے گفتگو کی تو وہ مقابل پر الزام قائم کرنے کے لئے کی اور ان کو جواب دینے کے لئے کی یا مزید اطمینان قلبی حاصل کرنے کے لئے کی، ان دلائل عقلیہ سے عقائد کو حاصل کرنے کے لئے نہیں کی۔ اور یہی حضرات اہل السنۃ ہیں۔

اور ایک قوم تاویل کی طرف اور (نصوص کو) ظاہر سے پھیرنے کی طرف گئی، جہاں بھی وہ عقائد ان کے گمان میں اصول عقلیہ کی خلاف نظر آئے، چنانچہ ان لوگوں نے دلائل عقلیہ سے گفتگو کی معاملہ (عقائد) کا لٹین کرنے کے لئے اور ان کی وضاحت کرنے کے لئے اس طور پر جس طور پر وہ عقائد ہیں (یعنی ان لوگوں نے عقائد کے اثبات کے لئے دلائل عقلیہ سے گفتگو کی)

پس اس قسم کے مسائل میں سے ہیں: قبر کا سوال، اعمال کا ثلثا، پل صراط پر گزرتا، رویت باری تعالیٰ، اور اولیاء کی کرامتیں؛ پس یہ تمام باتیں کتاب و سنت نے واضح طور پر ثابت ہیں اور ان پر سلف چلتے رہے ہیں، مگر ایک قوم کے گمان میں عقل کا پکا ان عقائد سے ٹک ہو گیا (یعنی وہ مسائل ان کی عقل کی سمائی میں نہیں آئے) پس ان لوگوں نے ان عقائد کا انکار کیا یا ان کی تاویل کی۔

اور ان میں سے ایک قوم نے کہا کہ ہم ان باتوں کو مانتے ہیں، اگرچہ ہم ان کی حقیقت نہیں سمجھتے اور نہ ان کے لئے ہمارے نزدیک عقل گواہی دیتی ہے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ ہم ان سب باتوں پر ہمارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور ان کے لئے ہمارے نزدیک عقل گواہی دیتی ہے (یعنی وہ مسائل دلائل عقلیہ سے بھی ثابت ہیں)۔

تشریح:

۱۔ مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہوتا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃ اور رسول کریم ﷺ کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں (معارف القرآن، صفحہ ۲۳۶، کراچی)

۲۔ پہل صراط پر گزرنے کا تذکرہ سورہ مریم آیت ۱۰ میں اشارۃً اور بے شمار احادیث میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔

۳۔ روایت باری کا تذکرہ بہت سی آیات میں صراحۃً اور اشارۃً آیا ہے مثلاً سورۃ القیامہ آیت ۲۳ اور احادیث میں بھی یہ بشمول بکثرت وارد ہوا ہے۔

۴۔ متعدد کرامات اولیاء کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے مثلاً پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو لانے کا تذکرہ سورہ النمل آیات ۳۸-۴۰ میں ہے اور کھجور کے تیر کو پکڑ کر ہلانے سے خرموں کا جھڑنا سورہ مریم آیت ۳۵ میں مذکور ہے اور احادیث میں صحابہ کرام کی بے شمار کرامتوں کا تذکرہ آیا ہے۔
لغات: اتحقق الرجل الامر: یقین کرنا۔ قنین الشمس: واضح کرنا۔



دوسری قسم کے مسائل وہ ہیں جو نہ تو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہیں، نہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہیں، نہ ان کے سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے لب کشائی کی ہے، بلکہ وہ مسائل ان کے پیچوں پر لپٹے رکھے تھے، تا آنکہ کچھ اہل علم آئے، جنہوں نے ان مسائل کو چھیڑا، اور ان میں اختلاف ہوا۔ اس قسم کے اجتہادی مسائل کسی کو بھی اہل السنہ سے خارج نہیں کرتے، شاہ صاحب قدس سرہ کا تفرہ داسی قسم کے مسائل میں ہے۔

رہی یہ بات کہ جب ان مسائل کو سلف نے نہیں چھیڑا تھا تو متاخرین نے ان کو کیوں چھیڑا؟ تو اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ متاخرین نے وہ مسائل تین وجوہ سے چھیڑے ہیں۔

پہلی وجہ: متاخرین نے وہ مسائل دلائل نقلیہ سے یعنی قرآن وحدیث سے مستنبط کئے ہیں۔ یعنی جب بعد کے علما، نے آیات واحادیث کی تفسیر کی اور تمام محتمل مسائل مستنبط کئے تو وہ مسائل زیر بحث آئے اور ان میں اختلاف ہو گیا، جیسے انبیاء کا مانگہ سے افضل ہونا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہونا۔

دوسری وجہ: علم کلام میں بعض مسائل اہل علم نے اس لئے چھیڑے ہیں کہ ان کو اسلامی مسائل کا موقوف علیہ سمجھ لیا گیا ہے یعنی یہ خیال کیا گیا ہے کہ جب تک وہ مسائل طے نہیں ہوں گے اسلامی مسائل ثابت نہیں ہوں گے، جیسے اور عامہ کے تمام مسائل اور جوہر و عرض کے بعض مسائل، پھر شاہ صاحب نے اس قسم کے مسائل کی چار مثالیں دی ہیں۔

تیسری وجہ: جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ امت کو پہنچی ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے، مگر اس کی تفصیل وتفسیر میں اختلاف ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں صفات باری تعالیٰ کے تعلق رکھنے والے تین مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

[۲] وقسم لم ينطق به الكتاب، ولم تستفيض به السنة، ولم يتكلم فيه الصحابة، فهو مَطْوِيٌّ على غَرَّة، فجاء ناس من أهل العلم فتكلموا فيه، واختلفوا، وكان خوضهم فيه:

[الف] إما استنباطاً من الدلائل النقلية، كفضل الأنبياء على الملائكة، وفضل عائشة على فاطمة رضي الله عنهما.

[ب] وإما لتوقف الأصول الموافقة للسنة عليه، وتعلقها به بزعمهم: كمسائل الأمور العامة، وشيئ من مباحث الجواهر والأعراض؛ فإن القول يحدث العالم يتوقف على إبطال التهيؤ إلى والباب المجزء الذي لا يتجزئ؛ والقول بخلق الله تعالى العالم بلا واسطة يتوقف على إبطال القضية القائلة بأن الواحد لا يصدر عنه إلا الواحد؛ والقول بالمعجزات يتوقف على إنكار النزوم العقلي بين الأسباب ومسبباتها، والقول بالمعاد الجسماني يتوقف على إمكان إعادة المعدم؛ إلى غير ذلك مما شَحَنُوا به كُتُبَهُمْ.

[ج] وإما تفصيلاً وتفسيراً لما تَلَفُّوه من الكتاب والسنة، فاختلفوا في التفصيل والتفسير بعد الاتفاق على الأصل.

كما اتفقوا على إثبات صفتي السمع والبصر، ثم اختلفوا: فقال قوم: هما صفتان واجعتان إلى العلم بالمسموعات والمبصرات؛ وقال آخرون: هما صفتان على حدة تهما؛ وكما اتفقوا على أن الله تعالى حيٌّ، عليم، مُرِيدٌ، قدير، متكلم، ثم اختلفوا: فقال قوم إنما المقصود إثبات غايات هذه المعاني من الآثار والأفعال، وأن لا فرق بين هذه السبع وبين الرحمة والغضب والجود في هذا وأن الفرق لم تُثبته السنة؛ وقال قوم: هي أمور موجودة قائمة بذات الواجب.

واتفقوا على إثبات الاستواء على العرش، والوجه، والضحك، على الجملة، ثم اختلفوا: فقال قوم: إنما المراد معانٍ مناسبة: فالاستواء، هو الاستيلاء والوجه الذات؛ وطَوَّاهَا قوم على غَرَّةَها، وقالوا: لا ندرى ماذا أريد بهذه الكلمات؟

ترجمہ: اور دوسری قسم: وہ مسائل ہیں جن کی قرآن کریم نے صراحت نہیں کی، نہ ان کے ساتھ حدیثیں مشہور ہوئیں یعنی احادیث مشہورہ میں بھی وہ باتیں نہیں آئیں ہیں اور نہ ان کے سلسلہ میں صحابہ نے گفتگو کی ہے، پس وہ باتیں پڑی رکھی تھیں ان کے پیچ پر، پھر آئے کچھ اہل علم پس انھوں نے ان مسائل میں گفتگو کی، اور ان میں اختلاف ہوا، اور ان کا ان مسائل میں گھسنا تھا:

(الف) یا تو دلائل تقلید سے استنباط کرتے ہوئے، جیسے انبیاء کی برتری ملامت پر، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برتری حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر۔

(ب) اور یا اہل حق کے موافق اصول کے موقف ہونے کی وجہ سے ان مسائل پر، اور ان اصول اسلام کے جو سے ہوئے ہونے کی وجہ سے ان مسائل کے ساتھ، ان حضرات کے گمان میں، جیسے امور عامہ کے مسائل اور جو بر و عرض کے کچھ مباحث، پس بیشک عالم کے حادث ہونے کا قول موقوف ہے بیوی کے ابطال پر اور جزا استغفری کے اثبات پر، اور اللہ تعالیٰ کے عالم کو بلا واسطہ پیدا کرنے کا قول موقوف ہے اس ضابطہ کے توڑنے پر کہ ”واحد سے واحد بنی صادر ہو سکتا ہے“ اور معجزات کا عقیدہ موقوف ہے اسباب اور ان کے مسببات کے درمیان لزوم عقلی نہ ہونے پر، اور معاد جسمانی کا عقیدہ موقوف ہے معدوم کے اعادہ کے ممکن ہونے پر، وغیرہ وغیرہ مسائل، جن سے علماء نے اپنی کتابیں بھری ہیں۔

(ج) اور یا چھیڑے گئے ہیں وہ مسائل تفصیل و تفسیر کرتے ہوئے، اس کتاب و سنت کی جس کو لوگوں نے حاصل کیا ہے، پس علماء نے اصل باتوں پر اتفاق کرنے کے بعد ان کی تفصیل و تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ جیسے تمام علماء اللہ تعالیٰ کے لئے صفت سمع اور صفت بصر ثابت کرنے پر متفق ہیں، پھر ان میں اختلاف ہوا، پس کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ دو صفیں ہیں لوٹنے والی ہیں مسوعات اور مصرات کو جاننے کی طرف، اور دوسروں نے کہا کہ وہ دو علمدہ صفیں ہیں۔

اور جیسے تمام علماء متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہیں، جاننے والے ہیں، ارادہ کرنے والے ہیں، پوری قدرت رکھنے والے ہیں اور کلام فرمانے والے ہیں، پھر ان میں اختلاف ہوا، پس کچھ لوگوں نے کہا کہ مقصود ان صفات کے معانی کے نتائج کو یعنی ان کے آثار و افعال کو ثابت کرنا ہے (یعنی بذات خود یہ صفات ثابت کرنا مقصود نہیں) اور (انہوں نے) یہ بھی کہا کہ ان سات میں اور صفت رحمت و غضب و جود (وغیرہ صفات فعلیہ) میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں (یعنی سب سے مقصود غایت کا اثبات ہے) اور یہ بھی کہا کہ ان کے درمیان احادیث نے کوئی فرق ثابت نہیں کیا۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ ساتوں صفات امور موجودہ ہیں، واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

اور جیسے تمام علماء اللہ تعالیٰ کے لئے بالا جمال یعنی بلا تفصیل عرش پر استواء (قرار یکساں) اور چہرہ اور ہنسا ثابت کرنے پر متفق ہیں، پھر ان میں اختلاف ہوا، پس کچھ لوگوں نے کہا کہ مراد اللہ کے شایان شان معانی ہیں، پس استواء بمعنی غلبہ ہے اور چہرہ سے مراد ذات ہے اور کچھ لوگوں نے ان صفات متشابہات کو ان کے بیچ پر پلیٹ دیا، اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ ان کلمات سے کیا مراد ہے؟

① انسان افضل ہیں یا ملائکہ؟ سورۃ البقرہ آیات ۳۰-۳۳ میں انسان کی خلافت ارضی کا ذکر آیا ہے، اس موقع پر ملائکہ نے خود کو خلافت ارضی کے لئے پیش کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ: ”میں اس بات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے“ پھر اللہ تعالیٰ نے سب کو معرض امتحان میں کھڑا کیا تھا، ملائکہ اشیاء عالم کی حقیقت نہیں بتا سکے تھے اور حضرت

آدم علیہ السلام نے سب باتیں فر فر جادی تھیں، پھر حضرت آدم علیہ السلام کو مجبور ملائکہ بنایا تھا اور مجبور، ساجد سے افضل ہوتا ہے، پس اس واقعہ سے انسان کی پاک از کم انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ﴿وَالْوَسِيلُ لَهُمْ خَيْرُ الْوَسِيلَةِ﴾ سے بھی انسان کی فضیلت پر استدلال کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۰ میں ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ خَضَعْنَا لِابْنِ آدَمَ﴾ (ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی) اس سے بھی انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور چونکہ انبیاء تمام انسانوں سے افضل ہیں اس لئے وہ تمام فرشتوں سے بھی افضل ہوئے۔

مگر پہلی دلیل پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ مجبور ہونے سے فضیلت ثابت نہیں ہوتی، ہاں مجبور ہونا فضیلت پر دلالت کرتا ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام کو مجبور نہیں بنایا گیا تھا، کیونکہ غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں، ان کو صرف قبلہ توجہ بنایا گیا تھا اور سجدہ یعنی عبادت در حقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے تھی، پس جس طرح کعبہ شریف کو قبلہ توجہ بنا کر انبیاء کرام بھی نماز پڑھتے ہیں، مگر کعبہ شریف (عمارت) انبیاء سے افضل نہیں، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو مجبور ملائکہ بنانے سے ان کا ملائکہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

اور دوسری دلیل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ البریۃ مراد صرف زمینی مخلوقات ہیں، ملائکہ ان میں شامل نہیں اور لَفْظُ خَضَعْنَا استدلال آخر آیت سے متعارض ہے، کیونکہ علیٰ مَکْبُورِ قَبْدِ ملائکہ کو نکالنے کے لئے ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ﴾ (الانبیاء ۲۶) وغیرہ آیات ملائکہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں، جس کی تفصیل کتب تقابیر میں مذکورہ بالا آیات کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

غرض کسی نے انسان کی اور کسی نے انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت آیات سے مستطیل کی ہے، اور کسی نے اس کے برعکس ملائکہ کی فضیلت ثابت کی ہے، اور ہر فریق کے استدلال میں گونہ محقولیت ہے۔ اور اس سلسلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ:

”عام مؤمنین صالحین جیسے اولیاء اللہ وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اور خواص ملائکہ جیسے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل وغیرہ عام مؤمنین صالحین سے افضل ہیں۔ اور خواص مؤمنین جیسے انبیاء کرام وہ خواص ملائکہ سے بھی افضل ہیں، اور کفار و فجار فرشتوں سے تو کیا افضل ہوتے، وہ تو جانوروں سے بھی اصل مقصد فلاح و نجات میں افضل نہیں، بلکہ کفار تو چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں“ (مظہری)

② حضرت عائشہؓ افضل ہیں یا حضرت فاطمہؓ؟ یہ کانٹوں بھرا مسئلہ ہے، کیونکہ روایات مختلف وارد ہوئی ہیں، بعض سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، بعض سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی، بعض سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور بعض سے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) بخاری شریف میں روایت ہے کہ خیر نساہنا مریم، وخیر نساہنا خدیجہ (حضرت مریمؑ اپنے زمانہ کی عورتوں سے افضل ہیں، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانہ کی عورتوں سے افضل ہیں) اس حدیث سے حضرت

خدیجہؓ کی حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما پر برتری ثابت کی گئی ہے۔

(۲) بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: فاطمۃ نضعۃ منی (فاطمہ میرا کلو اے) اور آپؐ افضل کائنات ہیں پس آپؐ کے جسم کا کلو ابھی یقیناً افضل ہوگا، پس حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام خواتین سے افضل ہوئیں۔

اور بخاری شریف میں یہ روایت بھی ہے کہ فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنة (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں) اس سے بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اولئض حضرات پہلی حدیث سے صرف آپؐ کی صاحبزادیوں پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت کرتے ہیں، حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما پر ترجیح نہیں دیتے مگر دوسری حدیث فضیلت کلی میں صریح ہے۔

(۳) بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثريد علی سائر الطعام (عائشہ کی برتری دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی برتری دوسرے تمام کھانوں پر) اس حدیث میں لفظ نساء عام ہے پس حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما پر بھی حضرت عائشہؓ کی برتری ثابت ہوئی۔

مگر یہ بھی احتمال ہے کہ الف لام عہد کا ہو، اور معبود بوقت ارشاد موجودہ ازاواج مطہرات ہوں، پس اس حدیث سے حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ پر برتری ثابت نہ ہوگی۔

(۴) نسائی شریف میں بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ افضل لساء اہل الجنة خدیجۃ و فاطمۃ و مریم و آسیۃ اس روایت میں حضرت عائشہؓ کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں۔

اور علامہ ابن عبد البر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: سیدۃ نساء العالمین مریم، ثم فاطمۃ، ثم خدیجۃ ثم آسیۃ مگر حافظ ابن حجر مستطانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ الحدیث الثانی الدال علی الترتیب لیس بثابت وأصلہ عندابی داود والحاکم بغير صیغۃ ترمیم (فتح ۱۳۶: ۷)

غرض یہ بہت الجوابوا مسئلہ ہے، اس میں کوئی قطعی فیصلہ یا ترجیح ممکن نہیں، اور اس کی ضرورت بھی نہیں اس لئے توقف بہتر ہے والعلم عند اللہ، وهو أعلم بعبادہ۔

(۳) امور عامہ: وہ مفاتیح ہیں جو موجودات ثلاثہ (واجب، جوہر اور عرض) میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں ہیں، خواہ وہ تینوں اقسام کو شامل ہوں جیسے وجود (پایا جانا) وحدت (اکائی) کیونکہ ہر وجود خواہ وہ کتنا ہی کثیر ہو اس کے لئے کسی نہ کسی اعتبار سے اکائی ہوتی ہے جیسے انسان باوجود کثرت کا ثرہ کے سب انسان ہیں۔ یا ان میں سے دو قسم کو شامل ہوں، جیسے امکان خاص، حدوث، وجوب بالغیر، کثرت، معلولیت، یہ سب مفاتیح جوہر و عرض میں مشترک ہیں۔

جوہر: حکماء کے نزدیک وہ ممکن ہے جو بغیر محل کے پایا جاسکے یعنی وہ اپنے وجود میں کسی محل کا محتاج نہ ہو، جیسے تمام

اجسام متکلمین کے نزدیک جو ہر وہ حادث (نوید) ہے جو بذات خود متمیز ہو اور تمیز کے معنی ہیں کسی مکان میں ہونا، پس واجب تعالیٰ جو ہر نہیں، کیونکہ وہ متکلم ہیں نہ حادث۔

عرض: جو ہر کا مقابل ہے، حکماء اس کی تعریف کرتے ہیں: وہ ممکن جو بغیر محل کے نہ پایا جاسکے، یعنی وہ اپنے وجود اور قیام میں کسی محل کا محتاج ہو جیسے تمام صفات اور کیفیات وغیرہ، اور متکلمین کے نزدیک عرض وہ حادث ہے جو بذات خود متمیز نہ ہو سکے، پس اللہ تعالیٰ عرض بھی نہیں۔

فائدہ: یہ علم کلام کی ابحاث کی طرف اشارہ ہے، قاضی عنود الدین امینی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۶ھ) نے جو اٹھویں صدی کے علم کلام کے ماہر عالم ہیں، اپنی کتاب الموافق کے موافقہ ستہ میں سے دوسرا موقف امور عامہ میں اور تیسرا موقف عرض کے بیان میں، اور چوتھا موقف جو ہر کے بیان میں لکھا ہے۔ علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱۶ھ) نے اس کی عمدہ شرح لکھی ہے، جو شرح الموافق کے نام سے مشہور ہے اور مطبوعہ ہے، اور علم کلام کی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ امور عامہ کی یہ تمام ابحاث اور جو ہر و عرض کے بعض مسائل علم کلام کی کتابوں میں اس لئے چھڑے گئے ہیں کہ ان کو مسائل اسلام کا موقوف علیہ سمجھا گیا ہے اور اس سلسلہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چار مثالیں دی ہیں، ان کی وضاحت درج ذیل ہے:

پہلی مثال: فلاسفہ کے نزدیک جزلاتجری باطل ہے اور یہی ثابت ہے اس لئے عالم قدیم ہے اور متکلمین کے نزدیک جز ثابت ہے اور یہی باطل ہے اس لئے عالم حادث (نوید) ہے۔ غرض یہی کہ ابطال اور جزلاتجری کا اثبات علم کلام میں اس لئے کیا جاتا ہے کہ حدوث عالم کا اثبات اس پر موقوف سمجھا گیا ہے، تفصیل کے لئے معین الفلسفہ دیکھیں۔

دوسری مثال: متکلمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کو بذات خود بلا واسطہ پیدا کیا ہے اور حکماء کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ صرف عقل اول کو پیدا کیا ہے اور باقی عالم کو عقول عشرہ کے توسط سے پیدا کیا ہے، ان کے نزدیک عقول عشرہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح خالق ہیں، اس کی تفصیل بھی معین الفلسفہ میں دیکھیں۔

اور فلاسفہ نے دسائیکہ کا سہارا اس لئے لیا ہے کہ ان کے خیال میں واحد حقیقی سے یعنی اس ذات سے جو ہمہ وجود واحد و یگانہ ہے جس میں کسی بھی اعتبار سے کثرت اور دوئی نہیں ہے، اس سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے، اگر اس سے متعدد چیزیں صادر ہونگی تو نسبتوں میں تعدد پیدا ہو جائے گا، جو وحدت پر اثر انداز ہوگا اور وہ ذات واحد حقیقی نہ رہے گی، واحد اعتباری ہو کر رہ جائے گی، جو تو حید کی منافی ہے۔

اور اسلامی نقطہ نظر سے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، صفت خلق میں ان کا کوئی شریک و ہمہ نہیں، سارا عالم اللہ تعالیٰ نے بذات خود بلا واسطہ پیدا کیا ہے، متکلمین کے نزدیک فلاسفہ کا مذکورہ قاعدہ سرے سے باطل ہے، ان کے نزدیک جہتوں اور نسبتوں کا تعدد تو حید کے منافی نہیں، جس طرح صفات الہیہ کا ثبوت اور تعدد تو حید کے منافی نہیں، کیونکہ صفات نہ عین

ذات ہیں نہ غیر ذات، اگر وہ بہرہ و جوہ متغائر ہوتیں تو توحید کے منافی ہوتیں، اسی طرح صفت خالق کی نسبتوں کا تعدد یعنی اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کو پیدا کرنا، زمین کو پیدا کرنا، انسان کو پیدا کرنا وغیرہ یہ نسبتوں کا تعدد بھی توحید پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس لئے مشکک مبین، فلاسفہ کے مذکورہ قاعدہ الواحد لا یصدر عنہ إلا الواحد کو باطل کرتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ خلاق عالم ہونا ثابت کیا جاسکے۔

تیسری مثال: یہ دنیا دارالاسباب ہے یعنی یہاں ہر چیز سبب و مسبب کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے، کوئی چیز اس کے دائرہ سے باہر نہیں اور معجزہ اس خرق عادت معاملہ کا نام ہے جس میں بظاہر سبب و مسبب کا سلسلہ نظر نہیں آتا، پس معجزات کا ثبوت اس امر پر موقوف ہے کہ پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ اسباب و مسببات کے درمیان عقلاً لزوم نہیں، صرف عادت ہے یعنی عام طور پر مسببات، اسباب کے نتائج ہوتے ہیں اور اسباب کے بعد مسببات وجود پذیر ہوتے ہیں مگر عقلاً ایسا ہونا ضروری نہیں، اسباب کے بغیر بھی مسببات وجود پذیر ہو سکتے ہیں، کیونکہ اسباب صرف اسباب ہیں، خدا انہیں جن کے مسببات محتاج ہوں، مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں، اسی طرح اسباب سے مسببات مختلف بھی ہو سکتے ہیں، جیسے ابراہیم علیہ السلام کو آگ کا نہ جلانا بلکہ برد و سلام بن جانا۔

چوتھی مثال: قیامت کے دن جو شخصاً قانیہ ہوگی وہ صرف روحانی نہیں ہوگی، بلکہ جسمانی ہوگی یعنی وہی جسم جو پہلی زندگی میں تھا، اس کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا، بشر کا نہ، طحیثہ اور فلسفیانہ ذہن اس کو قبول نہیں کرتا، وہ کہتے ہیں کہ جو چیز معدوم ہوگی وہ دوبارہ سابق حالت کی طرف کیسے لوٹائی جاسکتی ہے؟ ان کے خیال میں معدوم کا اعادہ محال ہے، پس معاد جسمانی کا اثبات اس پر موقوف ہے کہ اعادہ معدوم کے استحالة کو باطل کیا جائے تاکہ معاد جسمانی کا امکان ثابت ہو سکے۔ اور صفات باری تعالیٰ کے تعلق سے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تین مسائل ذکر کئے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

صفت وہ لفظ ہے جو کسی ذات کے بعض احوال پر دلالت کرے، جیسے سرخ، سیاہ، نیک و بد وغیرہ صفات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو اسمائے حسنی (ایچھے نام) بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اور احادیث شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا تذکرہ آیا ہے، ان میں سے سات صفتیں صفات ازلیہ اور صفات ھقیقیہ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں (۱) حیات (۲) علم (۳) قدرت (۴) ارادہ (۵) سمیع (۶) بصر (۷) کلام۔ ان کو صفات ذاتیہ بھی کہتے ہیں یعنی وہ صفات جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کیا جاتا ہے اور ان کی اضداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف نہیں کیا جاسکتا۔ باقی صفتیں صفات فعلیہ ہیں یعنی ان کے ساتھ بھی اور ان کی اضداد کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کو متصف کیا جاتا ہے، جیسے رضی (خوش ہونا) اور سخط (ناخوش ہونا) رحمت اور غضب وغیرہ۔ صفات فعلیہ کو صفات اضافیہ بھی کہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات ایسی بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے مخلوق کے مشابہ ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ یہ صفات تشابہات یعنی مخلوق سے ملتی جلتی صفات کہلاتی ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا عرش (تخت) پر استواء یعنی جہ کر بیٹھنا، جو قرآن

پاک کی سات سورتوں میں مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ کا آسمان دیا پر نزول (اترنا) جس کا صحیح حدیث میں ذکر ہے اور اللہ کا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ ہونا جن کا تذکرہ قرآن میں بھی ہے اور بے شمار احادیث میں بھی۔ یہ سب صفات متشابہات کہلاتی ہیں۔

اس تہدید کے بعد جاننا چاہئے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے صفات کے تعلق سے جو تین مسائل بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں: پہلا مسئلہ: صفت بمع (سنانا) اور صفت بصر (دیکھنا) بے شمار آیات و احادیث سے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور تمام مسلمان ان کو مانتے ہیں، پھر ان میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں صفات حقیقیہ ہیں یا اعتباریہ؟ یعنی دونوں مستقل صفتیں ہیں یا صفت علم کی طرف راجع ہیں؟ ابوالحسنین بصری، فلاسفہ اور کعفی کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں صفات اعتباریہ ہیں، مسموعات یعنی قابل سماعت چیزوں کے جاننے کا نام صفت بمع ہے اور مضررات یعنی قابل رویت چیزوں کے جاننے کا نام صفت بصر ہے۔ غرض حقیقی صفت علم ہے اور مخصوص چیزوں کے جاننے کا نام بمع و بصر ہے پس یہ دونوں صفتیں حقیقی نہیں ہیں، محض اعتباری ہیں اور جمہور کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھی صفت علم کی طرح مستقل اور حقیقی صفتیں ہیں۔

دوسرا مسئلہ: بعض صفات اضافہ کا ان کے حقیقی معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر اطلاق درست نہیں، جیسے صفت رحمان اور رحیم، رحمت سے مشتق ہیں اور رحمت کے معنی رقت قلب (دل کا لچھینا) اور انعطاف (مائل ہونا) ہیں اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ اس لئے انہی صفات کا ذات باری پر اطلاق ان کے حقیقی معنی کے اعتبار سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کے معانی کی غایات یعنی نتائج و آثار کے اعتبار سے اطلاق کیا جاتا ہے۔ رقت قلب اور انعطاف کا نتیجہ اور اثر انعام و احسان ہے پس اللہ کے رحمان و رحیم ہونے کا مطلب ہے انعام و احسان فرمانے والا۔

اس تہدید کے بعد جاننا چاہئے کہ تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے لئے صفت حیات، علم، ارادہ، قدرت اور کلام (اور بمع و بصر) مانتے ہیں، پھر ان میں اختلاف ہوا ہے کہ کیا ان صفات کے حقیقی معنی مراد ہیں یا ان کے معانی کی غایات یعنی نتائج و آثار مراد ہیں؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صفات اضافہ رحمت و غضب اور جو دو سختی طرح مذکورہ بالا ساتوں صفات حقیقیہ کے بھی حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ ان کی غایات یعنی آثار و افعال مراد ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان ساتوں صفات کے حقیقی معنی مراد ہیں اور وہ معانی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، اگر غایات مراد لی جائیں گی تو وہ صفات حقیقیہ نہیں رہیں گی اضافہ ہو جائیں گی یعنی مخلوق کے ساتھ ان کا تعلق ہو جائے گا جیسے انعام و احسان کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے۔

تیسرا مسئلہ: استواء علی العرش یعنی تخت شاهی پر جم کر بیٹھنا اور چہرہ اور ہنسا وغیرہ صفات متشابہات کو تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرتے ہیں، کیونکہ بے شمار نفوس سے یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں، پھر علماء میں اختلاف ہوا ہے، بعض لوگوں نے سلف کا طریقہ اختیار کیا اور وہ طریقہ تزیین مع الوضو یعنی یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا استواء، چہرہ اور ہنسا مخلوق کی صفات کی طرح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مانند ہونے سے پاک ہیں، پھر ان صفات کا کیا مطلب ہے؟ تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دی جائے کہ ہم ان کلمات کی حقیقت نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ ان کی

یہ صفات کسی ہیں اور ان کلمات کی کیا مراد ہے۔

اور بعض لوگوں نے خلف کا طریقہ بتایا اور وہ طریقہ تشریح التاویل ہے یعنی یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں، اور استواء بمعنی استیلاء اور غلبہ ہے یعنی چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے بذات خود ان کا کنٹرول سنبھالا اور چہرہ سے مراد ذات، اور ہاتھ سے مراد قوت و نصرت اور ہنسی سے مراد خوشی اور نزول سے مراد عنایات کا متوجہ ہونا ہے۔

لغات:

استفاض استفاضة الخیر: پھیلنا، حدیث مستفیض حدیث مشہور کو کہتے ہیں..... الغز (مصدر) کپڑے یا کھال کی شکن، کہا جاتا ہے طوبیٰ علی غزہ یعنی میں نے کپڑے کو اس کی پہلی سلوٹ پر پھیلا۔ علی حدہ اور علی جذئہ کے معنی ہیں علی حدہ حد کے معنی ہیں دو چیزوں کے درمیان روک۔



خلاصہ کلام: یہ ہے کہ اس دوسری قسم کے مسائل میں اگر کوئی شخص اختلاف کرتا ہے اور فرد اختیار کرتا ہے تو وہ اہل السنہ سے خارج نہیں، اس لئے کہ اگر صحیح بات پوچھتے ہو تو وہ یہ ہے کہ ان مسائل میں سرے سے گفتگو ہی نہ کی جائے۔ جب صحابہ کرام کا ایمان ان مسائل کو چھیڑے بغیر کامل بلکہ اکمل تھا تو آج ان مسائل میں گفتگو کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر حالات متقاضی ہیں کہ ان مسائل کو چھیڑا جائے تو پانچ باتیں ذہن میں رکھ لی جائیں:

(۱) یہ ضروری نہیں کہ انھوں نے جو کچھ قرآن و حدیث سے مستنبط کیا ہے وہ صحیح یا راجح ہو، بلکہ بعد کے علماء کے استنباطات بھی صحیح یا راجح ہو سکتے ہیں۔

(۲) متکلمین نے جس مسئلہ کو کسی چیز پر موقوف سمجھا ہو، ضروری نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی اس پر موقوف ہو، یہ صرف ان کا خیال بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) اسی طرح جو بات متکلمین کے نزدیک مردود ہے، ضروری نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی مردود ہو، یہ صرف ان کی رائے بھی ہو سکتی ہے۔

(۴) اسی طرح ہر وہ مسئلہ جس میں علماء نے یہ سمجھ کر غور و فکر نہیں کیا کہ وہ بہت مشکل اور لائشل ہے، ضروری نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی مشکل ہو۔ دوسرے حضرات غور و فکر کر کے وہ مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔

(۵) اسی طرح بعض علماء نے آیات و احادیث کی جو تفصیل و تفسیر کی ہے، ضروری نہیں کہ وہ دوسروں کی تفصیل و تفسیر سے زیادہ قابل قبول ہو، علم پر کسی کی اجارہ داری نہیں اور فطرت کُلّی ذی علم غلبہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

فائدہ: چونکہ اہل حق ہونے نہ ہونے کا مدار پہلی قسم کے مسائل پر ہے، دوسری قسم کے مسائل پر نہیں، اس وجہ سے علمائے اہل سنت یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ قسم ثانی کے بہت سے مسائل میں باہم مختلف ہوئے ہیں۔ اور ماہر علماء ہر زمانہ میں ایسے حقائق و دقائق بیان کرتے رہے ہیں جو سنت کے یعنی اہل حق کے عقائد کے خلاف نہیں، چاہے متقدمین ان کے قائل نہ رہے ہوں۔

فائدہ: شاہ صاحبؒ نے دوسری قسم کے مسائل میں، اگر وہ مختلف قیہ ہیں، تو کسی کی تقلید نہیں کی، بلکہ جادہ اعتدال اپنایا ہے اور میانہ راستہ اختیار کیا ہے۔ غرض آپ نے خود اپنی راہ بنائی ہے، کسی کی راہ نہیں لی۔

وهذا القسم لست أَسْتَصْحُحُ تَرْفَعُ إِحْدَى الْفَرَفَرَيْنِ عَلَى صَاحِبِهَا بِأَنهَا عَلَى السَّنَةِ؛ كَيْفَ؟
وإن أريد فُحَّ السَّنَةِ فهو تركُ الخوض في هذه المسائل رَأْسًا، كما لم يَخْضُ فيها السلفُ.
ولمَّا أن مُسَبِّحَ الْحَاجَةِ إِلَى زِيَادَةِ الْبَيَانِ، فَلَيْسَ كُلُّ مَا اسْتَبْطَوْهُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسَّنَةِ صَحِيحًا
أَوْ رَاجِحًا، وَلَا كُلُّ مَا حَسِبَهُ هَؤُلَاءُ مُتَوَفِّقًا عَلَى شَيْءٍ مُسَلَّمٍ التَّوَقُّفُ، وَلَا كُلُّ مَا وَجَّهَ لَهُ مُسَلَّمُ
الرَّدِّ، وَلَا كُلُّ مَا مَاتَعْتَرَا مِنَ الْخَوْضِ فِيهِ اسْتِغْنَاءًا لَهُ صَغْبًا فِي الْحَقِيقَةِ، وَلَا كُلُّ مَا جَاوَزَهُ مِنَ
التَّفْصِيلِ وَالتَّفْسِيرِ أَحَقُّ مِمَّا جَاءَ بِهِ غَيْرُهُمْ.
ولمَّا ذَكَرْنَا مِنْ أَنَّ كَوْنَ الْإِنْسَانِ سُنِّيًّا مُعْتَبَرٌ بِالْقِسْمِ الْأَوَّلِ، دُونَ الثَّانِي، تَرَى عُلَمَاءَ السَّنَةِ
يَخْتَلِفُونَ فِيهَا بَيْنَهُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الثَّانِي، كَالْأَشَاعِرَةِ وَالتَّامَرِيْدِيَّةِ؛ وَتَرَى الْحَدَاقَ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي
كُلِّ قَرْنٍ لَا يَحْتَجِزُونَ مِنْ كُلِّ دَقِيقَةٍ لِاتِّخَالْفِهَا السَّنَةَ، وَإِنْ لَمْ يَقْلُ بِهَا الْمُتَقَدِّمُونَ.
وَسَتَجِدُنِي إِذَا تَسَعَّثَتْ بِهِمُ السُّبُلُ فِي الْفُرُوعِ وَالْمَذَاهِبِ، وَتَفَرَّقَتْ بِهِمُ الْمَوَارِدُ فِيهَا
وَالْمَشَارِبُ، لِحُجَّتِ بِالْجَادَةِ الْجَلِيَّةِ، وَحَقَّقَتِ الْقَارِعَةُ الْقَوِيَّةَ، وَصَوَّتْ لِأَلْوَى عَلَى الْأَطْرَافِ
وَالْحَافَاتِ، وَكُنْتُ فِي صَمَمٍ مِنَ التَّفَارِيعِ وَالتَّخْرِيجَاتِ.

ترجمہ: اور یہ (دوسری) قسم: ہمیں درست سمجھتا میں کہ برتر بناوے دو جماعتوں میں سے ایک کو اس کی سبیلی پر بایں طور کہ وہ سنت پر یعنی حق پر ہے، یہ بات کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اگر آپ خالص سنت یعنی بالکل حق بات چاہتے ہیں تو وہ مصرے سے ان مسائل میں نہ گھسنا ہے، جیسا کہ سلف ان مسائل میں نہیں گھسے ہیں۔

اور جب مزید وضاحت کی ضرورت پیش آئی (اور یہ مسائل چھپے گئے) تو (۱) نہیں ہے ہر وہ بات جو ان لوگوں نے قرآن وحدیث سے مستطیل ہے کہ صحیح یا راجح ہو (۲) اور نہ ہر وہ بات جس کو ان لوگوں نے کسی چیز پر موقوف سمجھا اس کا موقوف ہونا مسلم ہو (۳) اور نہ ہر وہ بات جس کو رد کرنا ان لوگوں کے نزدیک ضروری ہے اس کا مردود ہونا مسلم ہو (۴)

اور نہ ہر وہ مسئلہ جس میں گھسنے سے وہ لوگ بازر رہے ہیں، اس کو دشوار خیال کرتے ہوئے وہ حقیقت میں دشوار ہو (۵) اور نہ ہر تفصیل و تفسیر جو وہ لوگ لائے ہیں، دوسرے لوگوں کی تفصیل و تفسیر سے زیادہ مقدار ہو۔

اور اس بات کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ آدمی کا سنی یعنی اہل حق ہونا قسم اول کے مسائل کے ساتھ موازنہ کیا ہوا ہے، قسم ثانی کے مسائل کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے اس وجہ سے آپ دیکھیں گے اہل حق کو کہ وہ باہم مختلف ہوئے ہیں دوسری قسم کے مسائل میں سے بہت سے مسائل میں جیسے اشاعرہ اور ماترید یہ کا باہمی اختلاف، اور آپ دیکھیں گے ہر زمانہ میں ماہر علماء کو کہ وہ بازنائیں رہے ہیں ایسی باریک باتیں بیان کرنے سے جو طریقہ سنت کے خلاف نہیں ہیں، اگرچہ اگلے لوگ ان کے قائل نہ رہے ہوں۔

اور غفر یہ آپ مجھ کو پائیں گے جب راہیں اور طریقے لوگوں کو جزئیات میں مختلف کر دیں گے، اور گناہیں اور پانی پینے کی جگہیں لوگوں کو فرقہ و مات میں متفرق کر دیں گی تو میں واضح راستہ سے چکا رہوں گا اور مضبوط روڈ کے بالکل بیچ میں چلوں گا اور بالکل نہیں مڑوں گا اطراف اور کناروں کی طرف، اور بہرہ بن جاؤں گا اصول سے نکالی ہوئی جزئیات اور تفریعات سے (یعنی اختلافی مسائل میں میانہ راستہ اختیار کروں گا اور افراط و تفریط سے بچ کر چلوں گا اور کسی کی تقلید نہیں کروں گا)

لغات:

اَنْصَحُ الْكَلَامَ: صحیح پانا۔ اَنْصَحُ: مضارع واحد متکلم ہے۔ تَوْفِيعٌ: کمی ضمیر: القسم کی طرف عائد ہے، اور یہ قسم چونکہ بہت سے مسائل کا مجموعہ ہے، اس لئے فعل مؤنث لایا گیا ہے، بتاویل اقسام۔ ... السَّخَرُ: خالص، کہا جاتا ہے اعرابی سَخَرٌ و اعرابیة فَحْشَةٌ: خالص عرب و یہیاتی اور دیباقتن معتبر اسم مفعول ہے اعصابہ: قیاس کرنا، موازنہ کرنا۔ اشاعرة: شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۴ھ) کے قبعین کو کہتے ہیں اور ماتریدیدہ: شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ (متوفی ۳۳۳ھ) کے قبعین کو کہتے ہیں، ماترید ایک گاؤں کا نام ہے اور یہ دونوں علم کلام میں اہل حق کے مکاتب فکر ہیں، ان میں باہم قسم ثانی کے چند مسائل میں اختلاف ہے۔ ... اخْتَصَرَهُ: بہ، کرکنا، بازر ہونا۔ ... لَمَّا ذَكَرْنَا مِنْ اَنْ الْفَحْشِ مِنْ بَيَانِ مَا كَانِ يَأْتِي ... السَّبِيلُ: جمع ہے السبیل کی بمعنی راہ اور المذاهب جمع ہے المذہب کی اس کے معنی بھی ہیں جانے کا راستہ اور المذہب کا السبیل پر عطف ہے۔ ... تَشَعَّبَ السَّبِيلُ: راستوں نے ان کو متفرق کر دیا یعنی لوگ مختلف راہوں پر پڑ گئے۔ ... الْمَوَادِّعُ: جمع ہے المودد کی جس کے معنی ہیں گناہ، پانی کی طرف کا راستہ۔ ... فِيهَا كِي ضَمِيرُ فِرْعَوْنَ کی طرف عائد ہے۔ ... لَحَ: بہ، لازم رہنا۔ ... الْحَادَّةُ: مُرَكَّبٌ کا درمیان۔ ... الْجَلِيَّةُ: واضح۔ ... حَقَّقْتُ: حقائق الطریق سے ہے جس کے معنی ہیں راستہ کا بیچ پس حَقَّقْتُ کے معنی ہیں روڈ کے بیچ میں چلنا۔ ... الْقَارِعَةُ: عام راستہ القویہ صفت ہے القارِعَةُ: صِدْرَتُ فَعْلٍ ناقص ہے۔ ... لَوْ يَلُوْهُ لِيَا عَلَيْهِ: مَرْنَا۔ ... اطراف جمع ہے طرف کی

یعنی کنارہ اور الحافظات جمع ہے الحافظہ کی، اس کے معنی بھی کنارہ کے ہیں حافظ اللسان: طَرَفُہ (لسان العرب)۔۔۔۔۔ صَم (س) صَمَمًا: بہرہ ہوتا۔۔۔۔۔ تفاریع جمع ہے التفریع کی جس کے معنی ہیں اصول سے متفرع ہونے والا جزئیہ یہی معنی التفریع کے ہیں۔



ہر فن کی ایک خصوصیت اور ہر مقام کا ایک تقاضا ہوتا ہے

اور

دوسرے فن والوں پر اس فن کی قابل اعتماد بات کی پیروی ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ ہر فن کی کوئی خصوصیت ہوتی ہے، جس کا فن میں لحاظ رہنا چاہئے یعنی ہر فن میں وہی باتیں مناسب ہوتی ہیں جو اس فن سے تعلق رکھتی ہیں، ایک فن میں دوسرے فن کی غیر متعلقہ بحثیں پیچیدہ دینا مناسب نہیں، کیونکہ ہر بات کا ایک موقع ہوتا ہے اور موقع ہی پر بات مناسب ہوتی ہے، مثلاً فن غریب الحدیث میں جو شخص کتاب لکھ رہا ہے اس کو حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی ہی بیان کرنے چاہئیں، حدیث کی صحت و ضعف سے بحث نہیں کرنی چاہئے اور ایک محدث جو فن حدیث میں کتاب لکھ رہا ہے اس کو حدیث کی اسانید اور ان کی صحت و ضعف ہی سے بحث کرنی چاہئے، اس کو مسائل فقہیہ اور ان کی ترجیحات سے بحث نہیں کرنی چاہئے۔

اسی طرح جو شخص فن حکمت شریعیہ میں کتاب لکھ رہا ہے اس کو مذکورہ امور میں سے کسی چیز سے بحث نہیں کرنی چاہئے اس کی پوری توجہ ان اسرار و رموز کی طرف دینی چاہئے جو احادیث میں مذکور احکام میں ملحوظ ہیں، خواہ حدیث میں مذکور حکم معمول بہ ہو یا منسوخ ہو گیا ہو، یا اس حکم کے معارض کوئی دوسری دلیل آگئی ہو جس کی وجہ سے فقہیہ نظر میں وہ حکم مروج قرار پایا ہو، مثلاً مامست النار سے وضو کی روایت منسوخ ہے مگر یہ منسوخ حکم بھی کسی زمانہ میں معمول بہ رہا ہے، اس لئے علم اسرار الدین میں اس حکم کی حکمت بھی بیان کی جائے گی۔

البتہ جب ایک فن والا دوسرے فن سے استفادہ کرے تو ضروری ہے کہ اس فن میں جو بات رائج ہو اس کی پیروی کرے مثلاً ایک مفسر یا فقہ اپنی کتاب میں کوئی حدیث نقل کرے تو وہی حدیث نقل کرے جو محدثین کے نزدیک قابل استدلال ہے، موضوع یا نہایت ضعیف روایت سے تمسک نہ کرے، اسی طرح فن حکمت شریعیہ کے مصنف کو اپنی کتاب میں وہی حدیثیں لانی چاہئیں، اور انہی حدیثوں کے اسرار و رموز بیان کرنے چاہئیں جو محدثین کے نزدیک صحیح یعنی قابل استدلال ہیں، موضوع روایات اور نہایت ضعیف روایات کو نہیں لینا چاہئے۔

رہی یہ بات کہ کوئی روایت کیسی ہے؟ اس سے فن حکمت شرعیہ میں بحث نہیں کرنی چاہئے، اس بارے میں فن حدیث کے ماہرین کی آراء کی پیروی کرنی چاہئے۔ لیکن اگر کہیں ضمننا اس قسم کی کوئی بات آجائے تو اس میں حرج بھی نہیں، اسی طرح اگر کہیں ضمننا مسائل فقہیہ زیر بحث آجائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ اقرب الی الحق کی تحقیق اہل علم کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں، نہ اس کا مقصد کسی پر طعن ہے۔ آخر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے پیش نظر حتی الامکان اصلاح ہے مگر یہ بات توفیق خداوندی کے ذریعہ ہی ممکن ہے اس لئے میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور انہیں کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

فائدہ: فن حدیث میں سب سے زیادہ قابل اعتماد وہ کتابیں ہیں جو تواتر وین حدیث کے تیسرے دور میں تیار ہوئی ہیں، یعنی صحاح ستہ، مسند احمد وغیرہ، کیونکہ یہ کتابیں اس حدیث کی تصحیح کر کے مرتب کی گئی ہیں یعنی یہ جاننے کے بعد تیار کی گئی ہیں کہ کس روایت کا متابع ہے اور کون حدیث مفترود ہے، کس روایت کے روایت زائد ہیں اور کس کے کم، اور کس روایت کے روایت قوی ہیں اور کس کے ضعیف یہ تمام باتیں جان کر یہ مجموعے علی جب البصیرت مرتب کئے گئے ہیں، اس لئے یہی کتابیں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں، اور انہی کتابوں کی حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں سندیں حذف کر کے لی گئی ہیں، اس لئے شاہ صاحب نے زیادہ تر حدیثیں مشکوٰۃ شریف سے لی ہیں۔

[لکل فن خاصۃ، ولکل مقام مقال، وعلی غیرہم اتباع باحق ماہالک]

فاعلم أن لكل فن خاصۃ، ولكل موطن مقتضى، فكما أنه ليس لصاحب غريب الحديث أن يبحث عن صحة الحديث وضعفه، ولا لحافظ الحديث أن يتكلم في الفروع الفقهية، وإثارة بعضها على بعض، فكذلك ليس للباحث عن أسرار الحديث أن يتكلم بشئ من ذلك، إنما غاية همته ومطمح بصره هو كشف السر الذي قصده النبي صلى الله عليه وسلم فيما قال، سواء بقي هذا الحكم محكما، أو صار منسوخا، أو عارضه دليل آخر، فوجب في نظر الفقيه كونه مرجوحا.

نعم، لا مخلص لكل خائض في فن أن يعتصم بأحق ما هنالك بالنسبة إلى ذلك الفن، وإنما الأقرب من الحق باعتبار فن الحديث: ما خُصَّ بعد تدوين أحداث البلاد، وآثار فقهاءها، ومعرفة المتابع عليه من المتفرد به، والأكثر رواية والأقوى رواية مما هو دون ذلك.

على أنه إن كان شئ من هذا النوع استطرادا، فليس البحث عن المسائل الاجتهادية، وتحقيق الأقرب منها للحق، بذعا من أهل العلم، ولا طعنا في أحدهم ﴿إِنْ أَرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ، مَا اسْتَطَعْتُ، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

ترجمہ: ہر فن کی ایک خصوصیت اور ہر موقعہ کے مناسب ایک بات ہوتی ہے اور دوسروں پر اس فن میں جو سب سے زیادہ قابل اعتماد بات ہے اس کی پیروی ضروری ہے: پھر جان لیجئے کہ ہر فن کی کوئی خصوصیت ہوتی ہے اور ہر جگہ کا کوئی تقاضا ہوتا ہے، پس جس طرح یہ بات ہے کہ فن غریب الحدیث کے مصنف کے لئے مناسب نہیں کہ وہ حدیث کی صحت و ضعف سے بحث کرے، اور نہ ایک محدث کے لئے مناسب ہے کہ وہ مسائل فقہیہ کے بارے میں، اور بعض روایات کو بعض پر ترجیح دینے کے لئے گفتگو کرے، پس اسی طرح حدیث کے اسرار و رموز سے بحث کرنے والے کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسی بھی چیز کے بارے میں گفتگو کرے، اس کی پوری توجہ اور اس کے پیش نظر اس راز کو کھولنا ہی ہونا چاہئے جس کا نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں قصہ فرمایا ہے، خواہ وہ حکم محکم (معمول بہ) باقی ہو یا منسوخ ہو گیا ہو، یا اس کے معارض کوئی اور دلیل آگئی ہو جس کی وجہ سے مجتہد کی نظر میں وہ روایت مرجوح قرار پائی ہو۔

ہاں کوئی مفتر نہیں کسی بھی فن میں گھسنے والے کے لئے اس بات سے کہ وہ اس چیز کو مضبوط پکڑے جو اس فن میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے، اس فن کی یہ نسبت: اور سب سے زیادہ قابل اعتماد فن حدیث کے اعتبار سے، وہی روایات ہیں جو چھٹ گئی ہیں علاقوں کی حدیثیں اور ان کے فقہاء کے فتاویٰ مرتب کرنے کے بعد، اور یہ جاننے کے بعد کہ کس روایت کی متابعت موجود ہے اور کوئی روایت مفتر ہے اور کس کے روایات زیادہ ہیں اور کوئی روایت کے روایات زیادہ قوی ہے، ان سے جو اس سے فروتر ہیں (یعنی کس حدیث کے روایت کم ہیں، اور کس کے روایات ضعیف ہیں)

حالا وہ ازیں اگر اس نوع کی کوئی بات ضمنتاً چھڑ جائے تو مسائل اجتہاد یہ سے بحث کرنا اور ان میں حق سے زیادہ قریب کی تحقیق کرنا اہل علم کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں ہے، اور نہ وہ ان علماء میں سے کسی پر اعتراض کرنا ہے، میرا ارادہ اصلاح ہی کا ہے، جہاں تک میرے بس میں ہے اور مجھے اس کی توفیق اللہ کی مدد سے ہو سکتی ہے، انہی پر میں بھروسہ کرتا ہوں، اور انہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

لغات:

الموطن: جگہ جمع المساوطن . الہمة: قصد، ارادہ، خواہش . الغایة: آخری حد . المصطح: نگاہ پڑنے کی جگہ . المحیص: بھاگنے کی جگہ، علحدہ ہونے کی جگہ خاص (ن) عس کذا: الگ ہونا، ہٹ جانا . اعنصم بہ: ہاتھ سے پکڑنا خلص (ن) خلوصاً: خالص ہونا استطراد: کام کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسرا کام لازم آئے البذع: انوکھا۔

تشریح:

(۱) کوئی انوکھی بات نہیں یعنی علما، ضمنتاً دوسری بحثیں کرتے ہی رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں۔

(۲) نہ وہ کسی پر اعتراض کرنا ہے مثلاً تسمیہ علی النوضہ کی روایت کے بارے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس باب میں محدثین کے نزدیک کوئی روایت صحیح نہیں، تو یہ بات وجوب تسمیہ کے قائلین پر اعتراض کرنے کے لئے نہیں لکھی بلکہ اپنی تحقیق پیش کرنا مقصود ہے، اسی طرح کسی روایت کے تحت کوئی فقہی بحث چھڑ جائے اور فقہاء کی آراء میں سے کسی رائے کو شاہ صاحب ترجیح دیں تو وہاں بھی محض اپنی تحقیق پیش کرنا مقصود ہوتا ہے، کسی پر طعن مقصود نہیں ہوتا۔

(۳) علاقوں کی حدیثیں اور ان کے فقہاء کے فتاویٰ مرتب کرنے کے بعد یعنی پہلے علاقہ وار روایتیں مرتب کی گئی تھیں اور ہر علاقہ کے فقہاء کے فتاویٰ بھی ان کے ساتھ شامل کر لئے گئے تھے، بعد میں چھان بین کر کے حدیث ثریف کے موجودہ مجموعے مرتب کئے گئے ہیں۔



مقدمۃ الکتاب کی آخری بات

دوسرے یہ بحث چل رہی ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اس کتاب میں جو تصرفات اختیار کئے ہیں وہ یہاں قسم کے مسائل میں نہیں ہیں، دوسری قسم کے مسائل میں ہیں، اب فرماتے ہیں کہ اگر خدا نخواستہ پہلی قسم کے مسائل میں کسی آیت کے خلاف، یا معمول پر حدیث کے خلاف یا قرون ثلاثہ کے اجماع کے خلاف یا اہل السنۃ والجماعہ کے مسلک کے خلاف کوئی بات قلم سے نکل گئی ہو تو میں اس بات سے براءت ظاہر کرتا ہوں اور جو مجھے خواب غفلت سے بیدار کرے اس کے لئے دعا گو ہوں۔

البتہ متاخرین میں جو آپس میں بحثیں ہوئی ہیں اور ان میں اختلافات ہوئے ہیں تو ہم اس کے پابند نہیں کہ انہی کی کبیر بحثیں، اور کیوں بحثیں؟ وہ بھی تو انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں، ان میں کوئی سرخاب کا پر نہیں لگ رہا، دوسری قسم کے مسائل میں ان کی رائے بھی صحیح ہو سکتی ہے اور ہماری رائے بھی۔ کیونکہ معاملہ ہمارے اور ان کے درمیان کنوئیں کے ڈول کی طرح ہے، کبھی انہوں نے پہلے پانی بھر لیا تو کبھی ہم نے، کسی مسئلہ میں ان کی رائے بھی ہو سکتی ہے تو کسی میں ہماری، اس لئے دوسری قسم کے مسائل میں ہمارے ذمہ لازم نہیں کہ ہم ہر بات میں ان کی موافقت کریں۔

وہا أنا برئ من کل مقالۃ صدرت مخالفة لآیۃ من کتاب اللہ، أو سنۃ قائمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، أو إجماع القرون المشہود لها بالخیر، أو ما اختاره جمهور المجتہدین ومُعظم سواد المسلمین؛ فإن وقع شیء من ذلك، فإنه خطأ، ورحم اللہ تعالیٰ من أیظنا، من سنننا أو نھننا من غفلتنا.

اما هؤلاء الباحثون بالتخريج والاستنباط من کلام الأوائل، المنحلون مذهب المناظرۃ

والمجادلة، فلا يجب علينا أن نوافقهم في كل ما يتفوهون به، فنحن رجال وهم رجال، والأمر بينا وبينهم سجال.

ترجمہ: اور سو، میں بری ہوں ہر اس بات سے جو قلم سے نکل گئی ہے کتاب اللہ کی کسی آیت کے خلاف، یا رسول اللہ ﷺ کی کسی معمول بہ حدیث کے خلاف، یا ان قرون کے اجماع کے خلاف جن کیلئے خیریت کی گواہی دی گئی ہے، یا اس رائے کے خلاف جس کو جمہور مجتہدین نے اور مسلمانوں کے سوا و اعظم نے اختیار کیا ہے؛ پس اگر ایسی کوئی بات نکل گئی ہو تو وہ چوک ہے، اللہ اس شخص پر مہربانی فرمائے جو ہمیں اوگھ سے بیدار کرے اور ہماری غفلت پر ہمیں متنبہ کرے۔ رہے یہ لوگ جو بحثیں کرنے والے ہیں متقدمین کے کلام سے تخریج و استنباط کے ذریعہ، جو مناظرہ اور مجادلہ کی راہ اپنانے والے ہیں، تو ہم پر ضروری نہیں کہ ہم ان کی ہر اس بات میں موافقت کریں جو انھوں نے کہی ہے پس ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں اور معاملہ ہمارے اور ان کے درمیان کنوئیں کی طرح ڈول ہے۔

لغات:

ہا حرف تنبیہ ہے جیسے ﴿هَآ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ﴾ (سورہ محمد آیت ۳۸) ... قائمۃ: کھڑی ہونے والی، ہر قدر یعنی معمول بہا، غیر منسوخ ... المشہود لہا بالخیر میں متفق علیہ حدیث کی طرف اشارہ ہے یعنی خیر امتی قرنی ثم الذین یسلوہم، ثم الذین یلونہم الخ (مشکوٰۃ ج ۱۰۰۰) ... مُعْظَمُ الشَّیْءِ: چیز کا بڑا حصہ جمع معاطم ... السواد: بہت تعداد ... النحل مذهب کذا: منسوب ہونا، اختیار کرنا ... المناظرۃ یہاں بمعنی المجادلۃ ہے یعنی حق یا ناحق اپنی بات پر اڑا رہنا ... تَفْوُّہَ بکذا: بولنا۔

تشریح:

پرانے زمانہ میں گاؤں کے کنوئیں پر ایک دو بالیاں رکھی رہتی تھیں جو شخص پہلے کنوئیں پر پہنچتا وہ پہلے پانی بھرتا اور جو بعد میں آتا وہ انتظار کرتا، اسی طرح کسی مسئلہ میں دوسرے علماء کی رائے صحیح ہو سکتی ہے تو کسی مسئلہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے صحیح ہو سکتی ہے۔



کتاب کے مضامین کی اجمالی فہرست

بہت قدیم زمانہ میں کتابوں میں فہرست مضامین لکھنے کا طریقہ نہیں تھا، کئی کئی جلدوں پر مشتمل کتابیں فہرست مضامین سے خالی ہوتی تھیں، وہ کتابیں ساری پڑھنی پڑتی تھیں، اور مسائل کا موقع محل یاد رکھنا پڑتا تھا۔ پھر ترقی ہوئی اور مصنفین

مقدمہ الکتاب لکھنے لگے، جس میں علاوہ دیگر باتوں کے مختصر فہرست مضامین بھی ہوتی تھی، جس سے گونہ سہولت ہوگئی اور مطلوبہ مسئلہ نکالنا آسان ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی مقدمہ الکتاب کے آخر میں کتاب کے مشمولات کی اجمالی فہرست دے رہے ہیں۔

پھر اور ترقی ہوئی اور اردو کتابوں کے شروع میں اور عربی کتابوں کے آخر میں مصنفین یا ناشرین مستقل تفصیلی فہرست مضامین شامل کتاب کرنے لگے۔ جس سے بہت سہولت ہوگئی، پھر مزید ترقی ہوئی اور متنوع فہارس مرتب ہونے لگیں جیسے فہرست آیات، فہرست احادیث، فہرست اشعار، فہرست اشخاص، فہرست اماکن اور فہرست مضامین وغیرہ تا آنکہ فہرستوں کی بھی فہرست ضروری ہوگئی اور بعض عربی کتابوں میں تو مور سے ذم بڑھ گئی، یہ سب انڈس غیر ضروری ہیں، ان سے خواہ مخواہ کتاب کی قیمت بڑھ جاتی ہے، انکو ڈسک میں رکھ دینا چاہئے، ہاں ضروری فہرستیں ناگزیر ہیں، جیسے تفصیلی فہرست مضامین جو پوری کتاب کا آئینہ ہو، اسی طرح متنوع اور متفرق مضامین والی کتاب میں حروف ابجد سے فہرست مضامین وغیرہ۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ عام طور پر مقدمہ الکتاب میں سادہ انداز میں مجمل فہرست مضامین دی جاتی ہے کہ اس کتاب میں اتنے ابواب، اتنی فصول اور یہ یہ مضامین ہیں، مگر بڑوں کی بات اور ہے، شاہ صاحب فہرست ابواب بھی مدلل بیان کر رہے ہیں، اس لئے پہلے سادہ طریقہ پر فہرست مضامین دی جاتی ہیں، پھر شاہ صاحب کی بات پیش کی جائے گی۔

حجۃ اللہ الباقی مقدمہ الکتاب کے علاوہ دو قسموں پر مشتمل ہے قسم اول میں قواعد کلیہ ہیں اور قسم ثانی میں احادیث کے اسرار و رموز کا بیان ہے اور قسم اول میں سات مباحث اور ایک تتمہ ہے، جن میں چورامی ابواب اور بحث خاص کے شروع میں ایک مقدمہ ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

مبحث اول: تکلیف و مجازات کے اسباب کے بیان میں ہے یعنی اللہ نے اپنی بے شمار مخلوقات میں سے انسان ہی کو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا ہے؟ اور انسان ہی کے لئے جزا و سزا کیوں ہے؟ اس بحث میں تیرہ ابواب ہیں۔

مبحث ثانی: دنیا اور آخرت میں مجازات کی کیفیت کے بیان میں ہے یعنی دنیا میں، قبر میں، میدان حشر میں اور آخرت میں جزا و سزا کی کیا شکلیں ہوں گی؟ اس بحث میں چار ابواب ہیں۔

مبحث ثالث: ارتقاات کے بیان میں ہے یعنی دنیا میں آسائش کے ساتھ رہنے کے لئے کیا کیا تدبیرات نافذ اور مفید اسیکسیں ہو سکتی ہیں، اس بحث میں گیارہ ابواب ہیں۔

مبحث رابع: سعادت (نیک بختی) کے بیان میں ہے یعنی نوع انسانی کی نیک بختی کیا ہے؟ اور اس کے لئے کیا کیا اعمال ضروری ہیں؟ اور شقاوت (بد بختی) کیا ہے؟ اور وہ کن باتوں کا نتیجہ ہوتی ہے؟ اس بحث میں سات ابواب ہیں۔

مبحث خامس: نیکی اور گناہ کی حقیقت کے بیان میں ہے۔ اس بحث کے شروع میں ایک مقدمہ ہے اور اس میں

سترہ ابواب ہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ جلد اول میں انہی پانچ مباحث کی شرح آئی ہے) بحث سادس: ملی سیاست کے بیان میں ہے یعنی مذہبی حکومت کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں؟ وہ لوگوں کو کس کس طرح سنوارے گی؟ اس بحث میں انکس ابواب ہیں۔

بحث سابع: احادیث سے قوانین شرعیہ مستنبط کرنے کے بیان میں ہے، یعنی قانون اسلامی قرآن و حدیث سے کیسے مستنبط کیا جاتا ہے؟ اس کے لئے اصول و ضوابط کیا ہیں؟ اور طریقہ کار کیا ہے؟ اس بحث میں سات ابواب ہیں۔ آخر میں تتمہ ہے، جس میں شاہ صاحبؒ نے اپنا رسالہ الإنصاف فی سبب الاختلاف پورا درجہ کر دیا ہے یہ رسالہ عمدہ و بھی طبع ہو چکا ہے اور بعض مضامین اپنے ایک اور رسالے عقد الجند فی الاجتهاد و التقليد سے لئے ہیں اور بعض مضامین نئے ہیں، اس تتمہ میں چار ابواب ہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ کی جلد دوم میں ان شاء اللہ ان دو مباحث کی شرح آئے گی)

اور قسم ثانی میں احادیث کی شرح کی ہے، مگر یہ شرح رموز و اسرار کی حد تک محدود ہے، سب سے پہلے ابواب الایمان کی حدیثوں کی شرح کی ہے، پھر ابواب الاعتصام بالکتاب والسنة کی، پھر ابواب الطہارہ کی، پھر ابواب الصلاۃ کی، پھر ابواب الزکاۃ کی، پھر ابواب الصوم کی، پھر ابواب الحج کی، پھر ابواب الاحسان یعنی ابواب الزہد (تصوف) کی، پھر ابواب ابغاء الرزق (ابواب المعاملات) کی، پھر ابواب تدبیر المنزل کی، پھر ابواب سیاست المؤمنین کی، پھر ابواب المعاشیہ کی اور آخر میں سیرت نبویؐ، فقہن اور مناقب کی روایات کی شرح کی ہے۔

اب شاہ صاحب رحمہ اللہ کی بات شروع کی جاتی ہے: فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب دو قسموں پر تقسیم کی ہے، پہلی قسم میں قواعد کلیہ اور ضوابط عامہ کا بیان ہے۔ قاعدہ: اس اصل کو کہتے ہیں جو ایک باب کے مضامین اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو اور قاعدہ کلیہ اس اصل کو کہتے ہیں جو مختلف ابواب کے مسائل کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو، بالفاظ دیگر: قاعدہ دو چار جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے اور قاعدہ کلیہ کے تحت بہت سی جزئیات آتی ہیں۔

غرض قسم اول میں قواعد کلیہ کا بیان ہیں، اگر ان کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو شرائع یعنی قوانین خداوندی میں جو کچھ نہیں اور ضابطہ ٹیوٹ ہیں وہ مرتبہ شکل میں ذہن فہم ہو جائیں گی اور ان کے اسرار و رموز کو بہت آسانی سے سمجھا جاسکے گا۔

دوسری بات کہ ان قواعد کلیہ کا ماخذ کیا ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ ان میں سے بیشتر قواعد تو نزول قرآن کے وقت موجود مذاہب و ملل والوں کے درمیان مسلم تھے، ان کے بارے میں اہل ملل میں کوئی اختلاف نہیں تھا یعنی یہ سب اجماعی قاعدے ہیں، اور اجماع بذات خود ایک ماخذ ہے، اور یہ ضوابط اتنے مشہور تھے کہ صحابہ کو ان کے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی، اس لئے آپ ﷺ نے وہ ضابطے بیان نہیں فرمائے، بلکہ ان ضابطوں کو بنیاد بنا کر ان پر مسائل منفرع فرمائے ہیں۔ البتہ جزئیات بیان کرتے وقت ان اصولوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جیسے ملی کے حصوں کے حکم بیان کرتے ہوئے

ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّمَا مِنَ الطَّوَافِينَ عَلَيْكُمْ أَوْ الطَّوَافَاتِ﴾ (جلی ہر وقت گھر میں آنے جانے والے لوگوں میں سے ہے یا فرمایا کہ وہ ہر وقت گھر میں آنے جانے والے جانوروں میں سے ہے)

اس ارشاد میں اس ضابطہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ”حرج اور تنگی سے احکام میں سہولت پیدا ہوتی ہے“ (المشفقة تخلص التيسير) غرض جزئیات بیان کرتے ہوئے جس طرح طے شدہ ضوابط کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اسی طرح آپ ﷺ بھی اصول کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور صحابہ دوسری جزئیات کو اس ضابطہ کی طرف لٹکا دیتے تھے کیونکہ عربوں میں، جو ملت اسماعیلیہ کی طرف منسوب تھے، اور یہود و نصاریٰ اور مجوس میں ان کی انظار رائج تھیں اور صحابہ ان سے واقف تھے اور ان کو اس کی خوب مشق تھی، اس لئے ان اصول کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی، بس آنحضور ﷺ کا اشارہ کافی تھا۔

آگے فرماتے ہیں کہ جب میں نے غور کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ قوانین شرعیہ کی حکمتیں سمجھنے کے لئے پہلے دو بنیادی باتیں سمجھنی ضروری ہیں:

ایک: نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ جب تک ان دو باتوں کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی احکام کے اسرار و رموز نہیں سمجھ سکتے۔

دوسری: مذہبی حکومت کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں؟ کیونکہ قوانین شرع کا بڑا احصاء ہی سے متعلق ہے۔

اس لئے قسم اول میں یہ دو بحثیں ضروری ہوئیں ایک بحث البر والاعمال دوم: بحث سیاست ملیہ۔

پھر میں نے غور کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے تین چیزیں سمجھنی ضروری ہیں۔ اول: مجازات کی بحث یعنی انسانوں ہی کے لئے جزا و سزا کیوں ہے؟ کیونکہ جب مجازات کی وجہ سمجھ میں آئے گی تبھی نیکی اور گناہ کا سوال پیدا ہوگا، اگر مجازات نہ ہو تو تمام اعمال یکساں ہوں گے، جیسے جانوروں کے لئے نہ کوئی نیکی ہے نہ کوئی گناہ۔

دوم: ارتقا قات کی بحث یعنی آسائش سے زندگی گزارنے کے لئے مفید تدبیریں کیا ہیں اور مضر باتیں کیا ہیں؟ جو مفید باتیں ہیں وہ نیکی کے دائرہ میں آتی ہیں اور مضر باتیں امور گناہ و ظہر تے ہیں۔

سوم: سعادت نوعیہ کی بحث یعنی نوع انسانی کی نیک بختی کیا ہے اور بد بختی کیا ہے؟ نیک بختی کن باتوں سے حاصل ہوتی ہے اور بد بختی تک کوئی باتیں پہنچاتی ہیں؟ دارین کی فلاح و نجات کیسے حاصل کی جائے اور خسران سے کیسے بچا جائے؟ جو باتیں سعادت کا سبب ہیں وہی نیک کام ہیں اور اسباب شقاوت گناہ ہیں۔

پھر میں نے غور کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہ پانچوں مباحث چند ایسے مسائل پر موقوف ہیں جن کو اس فن میں آنکھ بند کر کے مان لینا چاہئے، ان کی علتوں سے بحث نہیں کرنی چاہئے، ورنہ بات بہت دور چاڑھ لے گی۔ اور ان کو چند وجوہ

مانا جاسکتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

- (۱) یا تو وہ باتیں اس لئے مان لی جائیں کہ تمام مل و مذاہب والے ان متفق ہیں، اور اس درجہ متفق ہیں کہ وہ باتیں ”مسلمات مشہورہ“ میں داخل ہوگئی ہیں، پھر ان کے دلائل وطلل اور لہجہ سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
- (۲) یا وہ باتیں اس لئے مان لی جائیں کہ جس معلم نے وہ باتیں ہمیں سکھائی ہیں اس کے ساتھ حسن ظن ہے کہ وہ سچا ہے، وہ غلط بات بیان نہیں کر سکتا یعنی وہ باتیں قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں آئی ہیں، جن کے صدق پر ہمارا ایمان ہے۔
- (۳) یا وہ باتیں اس لئے مان لی جائیں کہ وہ ایک دوسرے فن میں، جو اس فن سے اعلیٰ ہے، مدلل ہو چکی ہیں یعنی وہ مسائل فلسفہ تصوف میں زیر بحث آچکے ہیں اور وہاں وہ مدلل کئے جا چکے ہیں، پس جسے دلائل دیکھنے ہوں وہاں دیکھے، یہاں تو ان کو مسلم باتوں کی طرح ذکر کیا جائے گا۔

غرض اس قسم کے تمام مسائل بحث اول میں ذکر کئے جائیں گے مگر نفیس اور اس کے احوال سے تفصیلی بحث نہیں کی جائے گی، کیونکہ فلسفہ تصوف میں اس پر میر حاصل بحث ہو چکی ہے اور دیگر مسائل بھی تفصیل سے ذکر نہیں کئے جائیں گے، صرف وہ باتیں بیان کی جائیں گی جو دوسرے علماء کی کتابوں میں یا تو سرے سے نہیں ہیں یا اس ترتیب سے نہیں ہیں اور وہ تفریعات نہیں ہیں جو شاہ صاحب نے ذکر کی ہیں، اسی طرح مسلم باتوں میں سے بھی صرف وہ باتیں بیان کی جائیں گی جن سے دوسرے علماء نے تعرض نہیں کیا، اسی طرح ان مسائل کے دلائل نقلیہ بیان کرنے کا بھی بہت زیادہ اہتمام نہیں کیا۔

الغرض یہ بحث اول کے مسائل ہیں، پھر بحث دوم میں مجازات کی کیفیت کا بیان ہے اور بحث سوم میں ارفاقات کی بحث ہے اور چہارم میں انسان کی نوعی سعادت و شقاوت کا بیان ہے اور پنجم میں نیکی اور گناہ کے اصول ذکر کئے گئے ہیں اور ششم میں سیاست ملی کا بیان ہے اور بحث ہفتم میں نصوص سے قوانین مستنبط کرنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے۔

اوتھم دوم میں احادیث کے اسرار و رموز ذکر کئے گئے ہیں، پہلے باب الایمان کی احادیث کی شرح کی گئی ہے، پھر ابواب العلم کی (غالباً یہ سبقت قلم ہے کیونکہ کتاب میں ابواب العلم کی احادیث کی شرح نہیں ہے بلکہ ابواب الاعتصام کی احادیث کی شرح ہے) پھر ابواب الطہارۃ کی الخ۔

اب مقدمۃ الکتاب کے مضامین پورے ہوئے، آگے کتاب شروع ہوگی۔

ثم انی جعلت الكتاب علی قسمین:

أحدهما: قسم القواعد الكلية، التي ننظم بها المصالح المربعية في الشرائع؛ وأكثرها كانت مسلمة بين الجلل الموجودة في عهد النبي صلى الله عليه وسلم، ولم يكن فيها اختلاف بينهم، وكان الحاضرون مستغنين عن سؤالها، فبئ النبي صلى الله عليه وسلم عليها، كما بينه على الأصول المفروغ عنها عند إفادة الفروع، فتمكن السامعون من إرجاع الفروع إليها، لما مارسوا

من نظائرہا فی العرب المنتسبین الی الملة الاسماعیلیة، والیہود والنصارى والمجوس۔

ورأیت أن تفاصيل أسرار الشرائع ترجع إلى أصلین: مبحث البر والاثم، ومبحث السياسات الملية.

ثم رأیت البر والاثم لا تُكتَمَ حقیقتُهما إلا بأن يُعرف قبلُهما مباحث المجازاة والارتفاقات والسعادة النوعية.

ثم رأیت هذه المباحث تتوقف علی مسائل، تُسلم فی هذا العلم، ولا یُبحث عن لَئیَها، فإما أن تُصدَّق بها لاتفاق الملل علیها، حتی صارت من المشهورات، أو لحسن الظن بالمعلم، أو لدلائل تُذكر فی علم أعلى من هذا العلم.

وأعرضت عن الإطالة فی إثبات النفس وبقائها، وتنعمها وتألمها بعد مفارقة الجسد، لأنه مبحث مفروغ عنه فی كتب القوم.

وما ذكرت من هذه المباحث إلا ما رأیت الكتب التي وقعت إلیّ خالیة عن الكلام فیہ أصلاً، أو عن التفريع والترتيب الذین وُقِلت لاستخراجهما، ولا من المسلمات إلا ما رأیت القوم لم یعرضوا له، ولا لإيراد الدلائل السمعية علیه كثير تعرض.

فلا جرم أني أذكر فی هذا القسم مسائل، یجب أن تُصدَّق بها فی هذا الفن من غیر تعرض للیمیئها، ثم کیفیة المجازاة فی الحیوة وبعد الممات، ثم الارتفاقات التي تُجبل علیها بنو آدم، ولم یُهمَلْها قط عربهم ولا عجمهم، من جهة ما أوجبه عقولُهم، ثم بیان سعادة الإنسان وشقاوته بحسب النوع، وبحسب ما یظهر فی الآخرة، ثم أصول البر والاثم التي توارد علیها أهل الملل، ثم ما یجب عند سياسة الأمة من ضرب الحدود والشرائع، ثم کیفیة استنباط الشرائع من كلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وتلقيها عنه.

والقسم الثاني فی شرح أسرار الأحادیث من أبواب الإیمان، ثم من أبواب العلم، ثم من أبواب الطهارة، ثم من أبواب الصلاة، ثم من أبواب الزكاة، ثم من أبواب الصوم، ثم من أبواب الحج، ثم من أبواب الإحسان، ثم من أبواب المعاملات، ثم من أبواب تدبیر المنازل، ثم من أبواب سياسة المُدُن، ثم من أبواب آداب المعیسة، ثم من أبواب شتی؛ وهذا أوائل الشروع فی المقصود، والحمد لله أولاً وآخراً.

ترجمہ: بحر بیگم میں نے کتاب کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے:

ان میں سے ایک: ان قواعد کا یہ کہ قسم ہے جن کے ذریعہ مرتب ہو جاتی ہیں وہ مصلحتیں جو احکام خداوندی میں ملحوظ ہیں، اور ان میں سے بیشتر تسلیم شدہ تھیں اُن مذاہب کے درمیان جو نبی کریم ﷺ کے دور میں موجود تھے۔ اور ان میں ان قواعد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا، اور موجودین بے نیاز تھے ان کے بارے میں سوال کرنے سے، پس تنبیہ کی نبی کریم ﷺ نے ان قواعد پر جس طرح تنبیہ کی جاتی ہے جزئیات بیان کرتے وقت ان اصول پر جن سے بحث ہو چکی ہو۔ پس سننے والے قادر ہو گئے جزئیات کو ان قواعد کی طرف لوٹانے پر، ان میں مہارت پیدا ہو جانے کی وجہ سے ان کے نظائر سے جو ان عربوں میں رائج تھیں جو ملت اسماعیلیہ کی طرف منسوب تھے اور یہود و نصاریٰ اور مجوس میں رائج تھیں۔ اور دیکھا میں نے کہ قوانین شریعہ کے رموز کی تفصیلات دو دنیاؤں کی طرف لٹوتی ہیں ایک نیکی اور گناہ کی بحث دوسری مذہبی سیاست کی بحث۔

پھر دیکھا میں نے کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت نہیں سمجھی جاسکتی مگر اس طرح کہ ان دونوں بحثوں سے پہلے پہچان لی جائے مجازات کی بحث اور اتفاقات کی بحث اور سعادت نوعید کی بحث۔

پھر دیکھا میں نے کہ یہ مباحث موقوف ہیں چند ایسے مسائل پر جو مان لئے جائیں اس علم میں، اور نہ بحث کی جائے ان کی علت سے، پس یا تو یہ کہ ان کو مان لیا جائے مذاہب کے ان پر اتفاق کرنے کی وجہ سے، یہاں تک کہ ہو گئے ہیں وہ مشہور باتوں میں سے، یا معلم کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر، یا ایسے دلائل کی وجہ سے جو ذکر کئے گئے ہیں ایک ایسے علم میں جو اس علم سے برتر ہے۔

اور میں نے اعراض کیا ہے لمسی گفتگو کرنے سے نفس کے اثبات میں، اور جسم سے جدا ہونے کے بعد اس کے باقی رہنے میں اور راتیں پانے میں اور تکلیفیں اٹھانے میں، اس لئے کہ اس بحث سے نمٹنا چاہکا ہے علماء کی کتابوں میں۔

اور نہیں ذکر کیا ہے میں نے ان مباحث میں سے مگر ان باتوں کو کہ دیکھا میں نے ان کتابوں کو جو مجھ تک پہنچی ہیں بالکل خالی ان مسائل میں گفتگو سے، یا اس تفریع و ترتیب سے خالی جن کو نکالنے کی مجھے توفیق دی گئی ہے، اور مسلمہ باتوں میں سے نہیں ذکر کیا ہے میں نے مگر ان باتوں کو کہ دیکھا میں نے علماء کو کہ نہیں تعرض کیا ہے انہوں نے ان باتوں سے، اور ان مسائل پر دلائل تھلہ پیش کرنے سے بھی میں نے بہت زیادہ تعرض نہیں کیا۔

پس البتہ ذکر کروں گا میں اس قسم میں (یعنی بحث اول میں) ایسے مسائل کو جن کو مان لینا ضروری ہے اس فن میں، ان کی وجہ سے تعرض کئے بغیر، پھر ذکر کروں گا میں دنیوی زندگی میں اور مرنے کے بعد جزا و سزا کی کیفیت کو، پھر ان اتفاقات کو جن پر انسانوں کی تخلیق ہوئی ہے (یعنی وہ انسان کی فطرت میں داخل ہیں) اور کبھی بھی ان مفید اکیسوں کو بے کار نہیں چھوڑا عربوں نے اور نہ عجمیوں نے، اس وجہ سے کہ ان مفید اکیسوں کو ان کی عقلوں نے ثابت کیا ہے، پھر ذکر کروں گا میں انسان کی سعادت و شقاوت کی تفصیل کو، نوع کے اعتبار سے، اور آخرت میں ظاہر ہونے کے اعتبار

سے، پھر نئی اور گناہ کے وہ اصول بیان کروں گا جن پر تمام مذاہب متفق ہیں، پھر وہ باتیں بیان کروں گا جو ملک کے نظم و انتظام کے لئے ضروری ہیں یعنی سزائیں اور قوانین مقرر کرنا، پھر حضور اکرم ﷺ کے کلام سے قوانین شرعیہ کو مستنبط کرنے کا طریقہ ذکر کروں گا اور ان قوانین کو حضور سے حاصل کرنے کا طریقہ سمجھاؤں گا۔

اور دوسری قسم ان احادیث کے رموز کی وضاحت میں ہے جو ایمان سے تعلق رکھتی ہیں، پھر ان حدیثوں کی وضاحت ہے جو علم سے تعلق رکھتی ہیں، پھر پاکی سے تعلق رکھنے والی، پھر نماز، پھر زکوٰۃ، پھر روزہ پھر حج پھر تصوف پھر معاملات پھر گھریلو زندگی پھر شہری سیاست پھر معیشت پھر متفرق مضامین سے تعلق رکھنے والی روایات کی شرح ہے۔

اور یہ مقصود کو شروع کرنے کا وقت آگیا اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ابتداء میں بھی اور انتہاء میں بھی۔

لغات:

اِنْتَظَمَ اللُّوْلُو: ترتیب وار ہونا اِنْتَظَمَ الامر: منضبط ہونا۔ المرعۃ عام مفعول ہے، ملحوظ رکھی ہوئی، رعایت کی ہوئی..... مارس میرا سا و ممارسۃ الامر: مشق کرنا، مہارت پیدا کرنا..... اِتَّخَذَ الشَّيْءُ حَقِيقَتًا کو پہنچنا... لا حُجْم اور لا حُجْم تحقیق کے لئے آتے ہیں بمعنی البتہ، یاقیناً، اور کبھی قسم کیلئے ہوتے ہیں..... ساس یسوس بیاسة الدواب: دیکھ بھال رکھنا، سدھانا ساس القوم: امور کی تدبیر و انتظام کرنا السياسات الصلیۃ: مذہبی حکومت، حکومت الہیہ۔



پہلی قسم

قواعد کلیہ کے بیان میں

مبحث اول

تکلیف شرعی اور جزا و سزا کے بیان میں

مبحث اول

تکلیف شرعی اور جزاء و سزا کے بیان میں

- | | |
|----------|-----------------------------------------------------|
| باب (۱) | صفت ابداع، خلق اور تدبیر کا بیان |
| باب (۲) | عالم مثال کا بیان |
| باب (۳) | ملا اعلیٰ (مقرب فرشتوں) کا بیان |
| باب (۴) | سنت الہی کا بیان |
| باب (۵) | روح کی حقیقت و ماہیت کا بیان |
| باب (۶) | انسان کے مکلف ہونے کا بیان |
| باب (۷) | انسان کا مکلف ہونا عالم کی پلاننگ میں داخل ہے |
| باب (۸) | تکلیف شرعی جزا و سزا کو چاہتی ہے |
| باب (۹) | اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت مختلف بنائی ہے |
| باب (۱۰) | عمل کا باعث بننے والے خیالات کے اسباب |
| باب (۱۱) | عمل کا نفس سے وابستہ ہونا اور اس کا ریکارڈ کیا جانا |
| باب (۱۲) | اعمال کا ملکات سے جوڑ |
| باب (۱۳) | مجازات کے اسباب کا بیان |

پہلی قسم

قواعد کلیہ کا بیان

پہلے قاعدہ اور قاعدہ کلیہ کا مطلب بیان کیا جا چکا ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ حجۃ اللہ کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم میں وہ قواعد کلیہ بیان کئے گئے ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر احکام شرعیہ میں ملحوظ مصلحتوں کو سمجھا جاسکتا ہے اس قسم میں سات مباحث اور ستر باب ہیں۔

سوال: یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے؟ قسم اول میں تو چوراسی ابواب ہیں اور بحث خامس کے شروع میں ایک مقدمہ اور تہہ کے آخر میں ایک طویل فصل بھی ہے پس کل چھیالیس ابواب ہوئے؟

جواب: شروع میں شاہ صاحب کا ارادہ اتنے ہی ابواب لکھنے کا ہوگا، بعد میں ابواب بڑھ گئے، علاوہ ازیں تہہ بعد میں بڑھایا ہے پس اس کے چار ابواب اور ایک فصل اس میں شامل نہیں، مگر پھر بھی اتنی یا ایک سی ابواب ہوتے ہیں۔ پس اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ بعض فصلوں کو اور بعض ذیلی مضامین کو باب بنادیا گیا ہے اس لئے یہ تعداد بڑھ گئی ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

سوال: ٹھیک ہے بعد میں ابواب بڑھ گئے، مگر چھپے لکھا ہوا مصنف نے کاٹ کر ٹھیک کیوں نہیں کیا؟

جواب: کہتے ہیں کہ شاہ صاحب قدس سرہ نے کتاب کا مسودہ چھوڑا تھا، مہیضہ تیار کرنے کا آپ کو موقعہ نہیں ملا تھا، اگر تمہیں کرتے تو ضرور اصلاح کرتے مگر اس کا موقعہ نہیں ملا، اس لئے پہلے جو لکھ دیا وہی رہ گیا۔

مگر یہ جواب کمزور ہے، کیونکہ یہ بات صحیح نہیں کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کتاب کا مسودہ چھوڑا تھا اور کتاب کی تمہیض کا موقعہ آپ کو نہیں ملا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ کراچی کا مخطوطہ ۱۱۵۹ھ کا مرقومہ ہے، اور طلبہ نے اس کو شاہ صاحب رحمہ اللہ سے پڑھا ہے اور ۱۱۶۲ھ میں درس پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ نیز قسم اول کے آخر میں تہہ اور کتاب کے آخر میں ابواب ششٹی آپ نے بعد میں بڑھائے ہیں۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ شاہ صاحب نے کتاب کا مسودہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ تہہ کے ابواب تو اس میں شامل نہیں اور کتاب نے یا ناشر نے بعض ذیلی مضامین کو مستقل باب بنادیا اس لئے تعداد بڑھ گئی مثلاً بحث خامس کا باب (۱۵) مخطوطہ برلین اور پٹنہ میں باب (۱۳) میں داخل ہے اور مطبوعہ نسخہ میں اس کو مستقل باب بنایا گیا ہے۔

مبحث اول

تکلیف شرعی اور جزا و سزا کے اسباب کا بیان

اس بحث میں تیرہ ابواب ہیں اور اس پورے بحث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک: انسان کو مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟ اس کے اسباب اور وجوہ کیا ہیں؟ اللہ کی بے شمار مخلوقات زمین میں پھیلی ہوئی ہیں، کسی کو مکلف نہیں بنایا، صرف انسانوں کو کیوں مکلف بنایا؟

دوسری: انسان جو بھی کام کرے گا، اچھا یا برا اس کا بدلہ ضرور ملے گا، اچھا کرے گا انعام پائے گا، برا کرے گا سزا پائے گا، یہ مجازات انسان ہی کے لئے کیوں ہے؟ اس کے اسباب و وجوہ کیا ہیں؟

مذکورہ دو باتیں بظاہر دو باتیں ہیں، مگر وہ درحقیقت ایک ہی مسئلہ ہیں، انسان کو کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ کاموں سے روکا گیا ہے، دیگر مخلوقات کو اس طرح کے احکام نہیں دئے گئے، پھر انسان کو بعض کاموں کے کرنے کو نہ کرنے پر انعام سے نوازا جاتا ہے اور دوسرے بعض کاموں کے کرنے کو نہ کرنے پر سزا دی جاتی ہے، کیونکہ اس کو مکلف بنایا گیا ہے، دیگر مخلوقات کے لئے جزا و سزا نہیں، کیونکہ وہ مکلف نہیں، آخر یہ فرق کیوں ہے؟ اس کے اسباب و وجوہ کیا ہیں؟ اسی کا اس بحث میں ذکر ہے، جب اس بحث کے تمام ابواب مکمل ہو جائیں گے تب یہ بات واضح ہو جائے گی، ایک دو باب پڑھ کر یہ مضمون سمجھ میں نہیں آئے گا۔

باب — ۱

صفت ابداع، خلق اور تدبیر کا بیان

اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفتیں اور بے شمار اسمائے حسنیٰ ہیں، اور ہر صفت کا دائرہ کار الگ ہے مثلاً صفت غفور کا تعلق مؤمن کے ساتھ ہے، مشرک کے ساتھ نہیں اور مستقیم کا تعلق کافر کے ساتھ ہے مؤمن کے ساتھ نہیں اسی طرح اس عالم کے ساتھ تین صفات کا تعلق ہے یعنی یہ عالم انہی تین صفات کی کرشمہ سازی ہے اور ان تین صفات کا کام ترتیب دار ہے۔

پہلی صفت: ابداع ہے، ابداع باب افعال کا مصدر ہے، اس کا مجرد تدع (ف) بذعاً ہے جس کے معنی ہیں گھڑنا،

بغیر نمونہ کے کوئی چیز بنانا، ابتداء کرنا، ایجاد کرنا اور باب کرم سے سدع کے معنی ہیں بے مثال ہونا، انوکھا ہونا پس ابداع کے معنی ہیں عدم محض سے یعنی سابق مادہ کے بغیر کسی چیز کو وجود پذیر کرنا اور یہ اللہ ہی کا کام ہے وہ نیست سے هست کرتے ہیں، مادہ اور مثال کے بغیر انکھ طریقے پر پیدا کرتے ہیں۔ ارشاد ہے: ﴿يَسْمِعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (البقرہ ۷۷) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے موجد ہیں، انوکھے طریقے پر پیدا کرنے والے ہیں۔

اور بخاری شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اہل یمن خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِي الدِّينِ، وَلِنَسْأَلَكَ عَنْ أَوَّلِ هَذَا الْأَمْرِ، مَا كَانَ؟ قَالَ: لَمْ يَأْتِ بَيْنَ كَسَانِ الْمَلَأَةِ وَكَسَانِ الْمَلَأَةِ شَيْءٌ قَبْلَهُ كَرِئْتَ كَمَا كَسَانَتْكَ أَرْضُكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَمَّا الْإِلَهُ تَعَالَى فَهُوَ الَّذِي خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (۱۱۰۳۲)

یہی روایت کتاب بذء الخلق کے شروع میں ص ۳۵۳ پر بھی ہے اس کے الفاظ ہیں کسان الملاء ولم یکن شیء غیرہ (اللہ پاک تھے اور ان کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے: فیہ دلالة علی أنه لم یکن شیء غیرہ، لا الماء ولا العرش ولا غیرهما، لأن کل ذلك غیر الله تعالیٰ.

اس روایت سے ثابت ہوا کہ کائنات کی ابتداء میں کچھ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ عالم بغیر مادہ اور مثال کے پیدا کیا ہے اور اس کائنات کی ابتدا صفت ابداع سے ہوئی ہے۔

دوسری صفت: خالق ہے، خلق (ن) حلقہ کے معنی ہیں پیدا کرنا، عدم سے وجود میں لانا یعنی مادہ سے کوئی چیز بنانا، سابق نمونہ کے مطابق کوئی چیز بنانا، جیسے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، اور جنات کے جدا جدا جان کو آگ کے آمیزہ سے بنایا۔

سوال: قرآن کریم میں آسمانوں اور زمین کے تعلق سے جہاں لفظ بدیع استعمال کیا گیا ہے، وہیں خلق السموات والأرض بھی بار بار آیا ہے اور ان دونوں لفظوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ پس صحیح صورت حال کیا ہے؟ آسمان و زمین بغیر مادہ کے پیدا کئے گئے ہیں یا مادہ سابق سے پیدا کئے گئے ہیں؟

جواب (۱) خلق بمعنی ابداع ہے اور جس طرح ایمان و اسلام کی حقیقتیں الگ الگ ہیں مگر خصوص میں ایک کی جگہ دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اداء اور قضاء کے معنی الگ الگ ہیں اور ایک کی جگہ دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے اسی طرح خلق کا لفظ بمعنی ابداع استعمال کیا گیا ہے اور آسمان و زمین بغیر مادہ اور مثال سابق کے انوکھے طور پر پیدا کئے گئے ہیں۔

(۲) یا یہ کہا جائے کہ آسمان و زمین کا مادہ جو دو خان کی صورت میں تھا وہ صفت ابداع کی کرشمہ سازی ہے، پھر اس مادہ سے آسمانوں اور زمین کی ہیئت کدائی بنائی گئی یہ صفت خلق کی مہربانی ہے۔

القسم الأول

في القواعد الكلية التي تُستَبط منها المصالحُ المَرعيةُ في الأحكام الشرعية

سبعةٌ مباحثٌ في سبعين باباً

المبحث الأول: في أسباب التكليف والمجازاة

باب الإبداع والخلق والتدبير

اعلم أن لله تعالى بالنسبة إلى إيجاد العالم ثلاث صفات مترتبة:

أحدها: الإبداع، وهو إيجاد شيء لا من شيء: فيُخرج الشيء من كُثم العدم بغير مادة، وسئل

رسولُ الله صلى الله عليه وسلم عن أول هذا الأمر؟ فقال: ﴿كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ﴾

والثانية: الخلق، وهو إيجاد الشيء من شيء، كما خلق آدم من التراب ﴿وَوَلَّيْنَا الْجَانَّ مِنْ

مَادَرَجٍ مِنْ نَارٍ﴾

ترجمہ: پہلی قسم ان قواعد کلیہ کے بیان میں ہے جن کے ذریعہ وہ مصلحتیں نکالی جاسکتی ہیں جو احکام شرعیہ میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

قسم اول میں سات مباحث ہیں ستر بابوں میں۔

پہلا بحث: تکلیف شرعی اور جزا و سزا کے اسباب کے بیان میں ہے۔

باب (۱) صفت ابداع، خلق اور تدبیر کے بیان میں ہے۔

جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عالم کی ایجاد کے تعلق سے تین صفتیں ہیں، ترتیب وار۔

ان میں سے ایک ابداع ہے، اور وہ کسی چیز کو بغیر کسی چیز کے یعنی بغیر مادہ کے پیدا کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ بغير مادہ

کے پردہ عدم سے چیزوں کو نکالتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ سے اس کائنات کے آغاز کے بارے میں دریافت

کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تھے اور ان سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی“

اور دوسری صفت خلق ہے، اور وہ کسی چیز سے یعنی مادہ سے کوئی چیز بنانا ہے، جس طرح آدم علیہ السلام کو مٹی سے

بنایا اور جہاں کو آگ کے آمیزہ سے بنایا۔



اللہ تعالیٰ نے عالم کی تشکیل کس طرح فرمائی ہے؟

منطق میں آپ نے پڑھا ہے کہ جنس وہ کلی ہے جو بہت سی ایسی چیزوں پر بولی جائے جن کی حقیقتیں جدا جدا ہوں، جیسے حیوان، جسم نامی وغیرہ اور نوع وہ کلی ہے جو ایسی بہت سی چیزوں پر بولی جائے جن کی حقیقت ایک ہو، جیسے انسان، زید، عمر وغیرہ بہت سے ایسے افراد پر بولا جاتا ہے جن کی حقیقت ایک ہے۔

نیز منطق میں آپ نے یہ بھی پڑھا ہے کہ اجناس کی ترتیب نیچے سے اوپر کی طرف ہے یعنی خصوص سے عموم کی طرف، اور انواع کی ترتیب اوپر سے نیچے کی طرف ہے یعنی عموم سے خصوص کی طرف، کیونکہ نوع اور جنس میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، نوع خاص ہے اور جنس عام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نوع کے مزاج میں خصوصیت ہے اور جنس کے مزاج میں عمومیت، پس اہل درجہ کی نوع وہ ہے جو شخص ترین ہو، اور اہل درجہ کی جنس وہ ہے جو اعم ترین ہو، سب سے ادنیٰ نوع کو نوع الانواع کہتے ہیں اور سب سے اہل جنس کو جنس الانجناس۔ مثلاً سب سے نیچے کی جنس ہے حیوان، اس کے اوپر جسم نامی، اس کے اوپر جسم مطلق، اس کے اوپر جوہر اور آخری جنس وجود ہے۔ پس وجود جنس الانجناس ہے اور انواع میں سب سے نیچے انسان ہے اس کے اوپر حیوان ہے، اس کے اوپر جسم نامی ہے، اس کے اوپر جسم مطلق ہے، اس کے اوپر آخری اضافی نوع جوہر ہے، پس انسان نوع الانواع ہے اور نوع الانواع اور جنس الانجناس کے درمیان جو انواع و اجناس ہیں ان کو متوسطات یعنی بین بین کہتے ہیں۔ وہ من حیچہ جنس ہیں اور من حیچہ نوع۔

نوٹ: مناطق نے وجود کو نہیں لیا انہوں نے آخری جنس جو ہر کو قرار دیا ہے، وہ جو کو حضرت نانو تو ی قدس سرہ نے بڑھایا ہے۔ (نوٹ ختم ہوا)

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہاں کو انواع و اجناس کی شکل میں پیدا کیا ہے، کچھ چیزوں کو جنس بنایا ہے اور کچھ چیزوں کو نوع، جو عام ہے وہ جنس ہے اور جو خاص ہے وہ نوع ہے، جیسے حیوان، انسان سے عام ہے پس وہ جنس ہے اور انسان حیوان سے خاص ہے پس وہ نوع ہے۔

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے انواع و اجناس کی تشکیل کس طرح فرمائی ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ خصوصیات کے ذریعہ انواع و اجناس متعین کی گئی ہیں، نوع کی الگ خصوصیت رکھی ہے اور جنس کی الگ، مثلاً حیوان (جانور، جاندار) کی خصوصیات ہیں: حساس ہونا، متحرک بالا راہ ہونا، جس مخلوق میں یہ خصوصیات پائی جائیں گی وہ حیوان کہلائے گی، پھر حیوان کی انواع بتائیں، اس طرح کہ ان میں خصوصیات و خصوصیات پیدا کیں مثلاً انسان ایک جانور ہے اس میں حیوان کی سبھی خصوصیات موجود ہیں پھر اس میں مزید خصوصیات پیدا کیں کہ وہ عقل و فہم کی بنیاد پر بولتا ہے، سوچ کچھ کر بات چیت کرتا ہے، اس کی کھال بالوں سے ڈھکی ہوئی نہیں ہوتی، بعض حصے جیسے سر وغیرہ اگر چہ بالوں سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں، مگر سارا جسم

بالوں سے ڈھکا ہوا نہیں ہوتا، اس کا تہ سیدھا ہوتا ہے دوسرے حیوانات کی طرح چار پیروں پر ٹھیل کی طرح پڑا ہوا نہیں ہوتا اور وہ دوسروں کی باتوں کو سمجھتا ہے۔ یہ سب انسان کی خصوصیات ہیں۔ یہ خصوصیات جس حیوان میں پائی جائیں گی وہ انسان کہلائے گا۔

اسی طرح گھوڑا بھی ایک جاندار ہے، اس میں حیوان کی کبھی خصوصیات موجود ہیں، مزید خصوصیات اس میں یہ ہیں کہ وہ نہ جہنا تا ہے، اسکی کھال بالوں سے ڈھکی ہوئی ہے، اس کا جسم چار پیروں پر میز کی طرح بچھا ہوا ہے اور وہ باوجود زیر کی کے دوسروں کا مافی الضمیر سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا، نہ وہ اپنا مافی الضمیر دوسروں کو سمجھا سکتا ہے، ان خصوصیات زائدہ کی وجہ سے فرس حیوان کی ایک الگ نوع بن گیا۔

اسی طرح زہری کی خصوصیت ہے کہ جو اسے کھائے اس کو وہ ہلاک کر دے، سوکھ کی خاصیت گرمی اور خشکی ہے اور کانور کی خاصیت برودت ہے، یہی حال تمام حدیثیات و نباتات اور حیوانات کا ہے جنسی خصوصیت کی وجہ سے وہ اجناس یعنی وحاشات، گھاس اور جانور ہیں، پھر نوعی خواص کی وجہ سے وہ مختلف انواع بن جاتے ہیں۔

اب خلاصہ کے طور پر تین باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

① اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہ چل رہی ہے کہ اللہ نے جس چیز کی جو خصوصیت پیدا کی ہے، وہ کبھی اس چیز سے جدا نہیں ہوتی، آگ کی خاصیت جلانا ہے پانی کی خاصیت بجھانا اور سیراب کرنا ہے، یہ آگ اور پانی سے کبھی جدا نہیں ہوتی، انسان کی خصوصیات انسان سے اور گھوڑے کی خصوصیات گھوڑے سے کبھی جدا نہیں ہوتیں، فوس فلی ہذا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ پاک ان خصوصیات کو جدا نہیں کر سکتے، اللہ پاک سب کچھ کر سکتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ سنت اللہ یونہی جاری ہے۔

② جس طرح اجناس میں خصوصیت و خصوصیت پیدا کرنے سے انواع بنتی ہیں، اسی طرح انواع میں خصوصیت و خصوصیت پیدا کرنے سے انواع کے افراد بنتے ہیں، مثلاً زید میں حیوان کی کبھی خصوصیات پائی جاتی ہیں نیز انسان کی بھی کبھی خصوصیات موجود ہیں اور مزید باتیں یہ ہیں کہ اس کا رنگ ایسا ہے، ناک نقشہ ایسا ہے، بولنے کا انداز ایسا ہے وغیرہ وغیرہ مشخصات کی وجہ سے وہ انسان کا ایک فرد بن گیا ہے۔

③ اوپر سے لے کر نیچے تک مرتب انواع و اجناس کی خصوصیات بظاہر گھٹ بڑھتی ہیں، پھر عقل کے ذریعہ ان کا فرق پہچانا جاتا ہے اور ہر خاصہ کو ذی خاصہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثلاً زید میں جو ہر کی جسم مطلق کی جسم نامی کی، حیوان کی اور انسان کی کبھی خصوصیات مجتمع ہیں اور ساتھ ہی فرد کی خصوصیات بھی، پھر عقل تعین کرتی ہے کہ زید جو اپنے قیام میں کسی محل کا محتاج نہیں ہے جو ہر کا خاصہ ہے اور اس میں جو ابعاد ثلاثہ (طول عرض اور ثقی) پائے جاتے ہیں وہ جسم مطلق کا خاصہ ہیں اور نشو و نما جسم نامی کا خاصہ ہے اور اس کی حساسیت حیوان کا خاصہ ہے اور اس کا ناطق ہونا انسان کا

خاصہ ہے اور اس کا تشخص جو اس کو عمر بھر سے ممتاز کرتا ہے فرو کا خاصہ ہے۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے دلائل عقلیہ اسی کے ساتھ ہیں، یعنی وہ سب باتیں عقل کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں اور اس کے دلائل نقلیہ درج ذیل احادیث ہیں۔

(۱) متفق علیہ حدیث ہے کہ تَلْبِیْئَةُ (مجوسی، دودھ اور شہد کا حریرہ) بیمار کے دل کو راحت پہنچاتا ہے اور کچھ حزن و ملال دور کرتا ہے (مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ حدیث ۴۷۹)

(۲) متفق علیہ حدیث ہے کہ ”کلو نجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفا ہے“ (مشکوٰۃ کتاب الطب حدیث ۴۵۲۰) کلو نجی: ایک کالا دانہ ہے، جو اچار میں بھی ڈالا جاتا ہے۔

(۳) مسند احمد (۲۹۳:۱) میں روایت ہے کہ اونٹوں کے پیہ شاپ اور دودھ میں ان (غونین) کے فساد وعدہ کا علاج ہے۔ (۴) ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے خُبْرُم کا مسبل لیا (خُبْرُم ایک دانہ ہے پنے کی طرح، بہت گرم، اس کا پانی دوا کے طور پر پیتے ہیں) تو آپؐ نے فرمایا کہ ”وہ گرم انگار ہے“ پھر انھوں نے مسنا کا مسبل لیا تو آپؐ نے فرمایا کہ: ”اگر کسی چیز میں موت کا علاج ہے تو سنا میں ہے“ (مشکوٰۃ کتاب الطب حدیث ۴۵۳۷)

مذکورہ بالا روایات میں اور ان کے علاوہ بہت سی روایات میں نبی کریم ﷺ نے بہت سی چیزوں کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں اور آثار کو اشیاء کی طرف منسوب کیا ہے، پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چیزوں میں خصوصیات رکھی ہیں۔ یہی خصوصیات ان کو دوسری چیزوں سے ممتاز کرتی ہیں۔

وقد دلّ العقل والنقل على أن الله تعالى خلق العالم أنواعاً وأجناساً، وجعل لكل نوع وجنس خواص؛ فنوع الإنسان—مثلاً—خاصته: النطق، وظهور البشورة، واستواء القامة، وقهيم الخطأ؛ ونوع الفرس خاصته: الصهيل، وكون بشوره شعراء، وقامته غوجاء، وأن لا يفهم الخطاب؛ وخاصة السهم: إهلاك الإنسان الذي يتناول؛ وخاصة الزنجبيل: الحرارة واليوسة؛ وخاصة الكافور: البرودة؛ وعلى هذا القياس جميع الأنواع من المعدن والنبات والحيوان. وجرت عادة الله تعالى أن لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها؛ وأن تكون مشخصات الأفراد خصوصاً في تلك الخواص، وتعيّن لبعض مُحتملاً لها؛ فكذاك مُميزات الأنواع خصوصاً في خواص أجناسها؛ وأن تكون معاني هذه الأسماء المترتبة في العموم والخصوص—كالجسم، والنامي، والحيوان، والإنسان، وهذا الشخص—متمازجة متشابهة في الظاهر، ثم يترك العقل الفرق بينها، ويضيف كل خاصة إلى ما هي خاصة له. وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم خواص كثير من الأشياء، وأضاف الآثار إليها، كقوله

صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿التَّائِبَةُ مُجِمَّةٌ لِقَوَادِ الْمَرِيضِ﴾ وقوله: ﴿فِي الْحَبَةِ السُّودَاءِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ﴾ وقوله: ﴿فِي أَبْوَالِ الْإِبِلِ وَالْبَائِهَا شِفَاءٌ لِلدَّرَرَةِ بِطَوْنِهِمْ﴾ وقوله في الشُّبْرُم: ﴿حَارٌّ جَارٌّ﴾

ترجمہ: اور عقل و نقل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں کو انواع و اجناس کی شکل میں پیدا کیا ہے۔ اور ہر نوع اور ہر جنس کے لئے خصوصیتیں گردانی ہیں۔ پس نوع انسانی کی خصوصیت۔ بطور مثال۔ یا معنی بات بولنا، کھال کا کھلا ہوا ہونا، قد کا سیدھا ہونا اور بات کو سمجھنا ہے۔ اور نوع فرس کی خصوصیت: ہنہانا، اس کی کھال کا بالوں سے ڈھکا ہوا ہونا، اس کے قد کا ٹیڑھا ہونا ہے اور یہ بات ہے کہ وہ بات کو نہ سمجھے۔ اور ہر کا خاصہ اس شخص کو ہلاک کرنا ہے جو اس کو استعمال کرے۔ اور سوکھ کا خاصہ گرمی اور خشکی ہے اور کافور خوشنڈا ہوتا ہے۔ اور اسی انداز پر معدنیات، نباتات اور حیوانات کی تمام انواع ہیں۔ اور اللہ کی عادت یہ چل رہی ہے کہ:

(۱) خواص جدا نہ ہوں اس چیز سے جس کے لئے ان کو خواص گردانا گیا ہے۔

(۲) اور یہ کہ افراد کو متعین کرنے والی چیز ان خصوصیات میں تخصیص ہو (اجناس کے افراد انواع ہوں اور انواع کے افراد ان کی جزئیات۔ پس اجناس و انواع کی خصوصیات میں مزید تخصیص کر کے ان کے افراد متعین کئے جاتے ہیں) اور ان افراد کے بعض احتمالات کی تعیین ہو (مثلاً انسان کے ہر فرد میں متعدد احتمال ہیں، وہ زید جیسا بھی ہو سکتا ہے، عمر و جیسا بھی اور بکر وغیرہ جیسا بھی، ان احتمالات میں سے بعض کی تعیین کرنے سے زید بن جاتا ہے) پس اسی طرح انواع کو جدا کرنے والی چیز ان کی اجناس کی خصوصیات میں مزید تخصیص ہوتی ہے۔

(۳) اور یہ کہ ان ناموں کے معانی (یعنی خصوصیات) جو عموم و خصوص میں ترتیب وار ہیں — جیسے جسم مطلق، جسم نامی، حیوان، انسان اور یفرد — (ان الفاظ کے معانی) بظاہر گتھے ہوئے اور گنڈے ہوں، پھر عقل ان کے درمیان فرق پہچانے اور ہر خاصہ کو اس چیز کی طرف منسوب کرے جس کا وہ خاصہ ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے بہت سی چیزوں کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں، اور آثار کو ان چیزوں کی طرف منسوب کیا ہے، جیسے آپ کا ارشاد ہے کہ: ”ودودھ کا حریرہ بیمار کے دل کو سکون پہنچاتا ہے“ اور آپ کا ارشاد ہے کہ: ”گلجلی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے“ اور آپ کا ارشاد ہے کہ: ”اونٹوں کے پیشاب اور دودھ میں ان لوگوں کے معدے کی خرابی کا علاج ہے“ اور شُبْرُم کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ ”وہ گرم انگار ہے“

لغات:

شخص الشیء: تعین کرنا، تمیز کرنا، اور اسی سے اطباق کی اصطلاح تشخیص امراض ہے اور اسی سے مناطق کی اصطلاح

کا کام ہے۔ اور یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں، روزِ حوادث میں کسی کو بچا لیا جاتا ہے تاکہ امرِ مقدر پر وئے کار آئے۔

(۳) حضرت ایوب علیہ السلام بیمار پڑ گئے، ان کے جسم میں فاسد مادہ پیدا ہو گیا، علاج کی کوئی صورت نہ تھی اور ان کے حق میں مقدر یہ تھا کہ وہ شفا یاب ہوں تو اللہ تعالیٰ نے زمین سے ایک چشمہ نکالا، جس میں نہا کر اور پانی پی کر آپ صحت مند ہو گئے۔ یہ سب انتظام بابِ تدبیر سے تھا۔

(۴) بعثت نبوی کے وقت عالم کی صورت حال وہ تھی جس کا نقشہ سورۃ البینہ کے شروع میں کھینچا گیا ہے سارا عالم گمراہی کی دلدل میں پھنس چکا تھا، چاروں طرف گھناؤں تاریکی چھا گئی تھی، جو معمولی چراغوں سے بٹنے والی نہیں تھی، جب تک آفتابِ نبوت طلوع نہ ہو گا کم بینے والا نہیں تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے سید الاولین والآخرین، محبوب رب العالمین خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی تعلیمات کے ذریعہ عالم کی اصلاح فرمائی۔ یہ سب اللہ کی صفت تدبیر کی کرشمہ سازی ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں سے اللہ کی صفت تدبیر کے شئون سمجھے جاسکتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے صفتِ ابداع سے عالم کا مادہ بنایا، پھر صفتِ خلق سے اس مادہ سے موالید مثلاً کو وجود بخشا، پھر صفت تدبیر نے اس کا نظم و انتظام سنبھالا۔

وَالثَّالِثَةُ: تَدْبِيرُ عَالَمِ الْمَوَالِيدِ؛ وَمَرْجَعُهُ إِلَى تَصْوِيرِ حَوَادِثِهَا مُوَافَقَةً لِلنِّظَامِ الَّذِي تَرْتَضِيهِ حَكْمَتُهُ، مَفْضِيَةً إِلَى الْمَصْلُحَةِ الَّتِي اقْتَضَاهَا جُودُهُ؛ كَمَا أَنْزَلَ مِنَ السَّحَابِ مَطَرًا، وَأَخْرَجَ بِهِ نَبَاتَ الْأَرْضِ، لِأَيَّامٍ مِنْهُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ، فَيَكُونُ سَبِيلًا لِحَيَاتِهِمْ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ؛ وَكَمَا أَنَّ إِبْرَاهِيمَ — صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ — أُلْقِيَ فِي النَّارِ، فَجَعَلَهَا بَرْدًا وَسَلَامًا، لِبَقِي حَيَاةٍ؛ وَكَمَا أَنَّ أَيُّوبَ — عَلَيْهِ السَّلَامُ — كَانَ اجْتَمَعَ فِي بَدَنِهِ مَادَّةُ الْمَرَضِ، فَأَنْشَأَ اللَّهُ تَعَالَى عَيْنًا، فِيهَا شِفَاءُ مَرَضِهِ؛ وَكَمَا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ، فَمَقَتَهُمْ: عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ، فَأَوْحَى إِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُنْذِرَهُمْ، وَيُجَاهِدَهُمْ لِيُخْرِجَ مِنْ شَاءَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ.

ترجمہ: اور تیسری صفت عالمِ موالید کا انتظام کرنا ہے اور اس کا خلاصہ: عالمِ موالید میں رونما ہونے والے واقعات کو اس نظام سے ہم آہنگ بنانا ہے جس کو اللہ کی حکمت پسند کرتی ہے، اور اس مصلحت تک پہنچانے والا بنانا ہے جس کو اس کا گرم چاہتا ہے، جیسے اللہ نے بادل سے بارش برسائی، اور اس کے ذریعہ زمین کا سبزہ اگایا، تاکہ اس کو لوگ اور چوپائے کھائیں، پس وہ مقررہ وقت تک ان کے زندہ رہنے کا سبب بنے؛ اور جیسے یہ بات ہے کہ حضرت ابراہیم — ان پر اللہ کی بے پایاں مہربانیاں ہوں — آگ میں ڈالے گئے، پس اللہ نے اس آگ کو کھنڈی بے گزند بنادیا تاکہ وہ زندہ رہیں؛ اور جیسے یہ بات ہے کہ حضرت ایوب — ان پر سلامتی ہو — کے بدن میں بیماری کا مادہ اکٹھا ہو گیا، پس اللہ نے ایک

ایسا چشمہ پیدا کیا جس میں ان کی بیماری کی شفقتی اور جیسے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر نظر ڈالی، پس ان سے سخت ناراض ہوئے، عربوں سے بھی اور عجمیوں سے بھی، پس وحی بھیجی اپنے پیغمبر ﷺ کی طرف کہ وہ ان کو ڈرائیں اور ان پر تن تو زحمت کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں تارکیوں سے روشنی کی طرف نکالیں۔

تشریح:

موالید مولود کی جمع ہے اور موالید ثلاثہ معدنیات، نباتات اور حیوانات ہیں، چونکہ یہ تینوں چیزیں عناصرِ اربعہ سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے ان کو موالید کہا جاتا ہے۔

معدنیات: وہ مرکبات ہیں جن میں احساس اور نشو و نما نہیں ہوتا۔ معدنیات، معدن کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کھان، جس سے دھاتیں نکلتی ہیں۔

نباتات: وہ مرکبات ہیں جن میں نشو و نما ہوتا ہے، مگر احساس اور ارادہ نہیں ہوتا، نباتات، نبات کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں سبزی۔

حیوانات: وہ اجسام ہیں جو بڑھنے والے، احساس کرنے والے اور بالارادہ حرکت کرنے والے ہیں۔

لغات: المر جمع: لوشے کی جگہ، یہاں بمعنی خلاصہ ہے..... مَقْطُ (ن) مقنا: بہت بغض رکھنا۔



صفت تدبیر کی مزید وضاحت

صفت تدبیر کا خلاصہ یہ بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم موالید میں رو نما ہونے والے واقعات کو اس نظام سے ہم آہنگ کرتے ہیں جس کو ان کی حکمت پسند کرتی ہے اور واقعات کو اس انداز پر ڈھالتے ہیں کہ وہ اس مصلحت تک پہنچا دیتے ہیں جس کو ان کا کرم چاہتا ہے۔ اب اس کی تفصیل کر رہے ہیں تفصیل میں جانے سے پہلے دو باتیں سمجھ لی جائیں۔

① یہ عالم موالید جو اہر و اعراض کا مجموعہ ہے، کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک یہی اجناسِ عالیہ ہیں، ان سے اوپر کوئی ایسا عام مفہوم نہیں جو دونوں کو شامل ہو۔ اور جو ہر: وہ ممکن ہے جو محل کے بغیر موجود ہو سکے، جیسے کپڑا، کتاب، قلم وغیرہ بے شمار چیزیں جو ہری وجود رکھتی ہیں۔ اور عرض: وہ ممکن ہے جو کسی محل میں پایا جائے یعنی وہ پائے جانے میں، باقی رہنے میں، اور ممکن ہونے میں کسی ایسے محل کا محتاج ہو جو اس کو سہارا دے، جیسے کپڑے کی سیاہی سفیدی وغیرہ عرضی وجود رکھتے ہیں۔ پھر جو اہر کی تو کچھ خاص اقسام نہیں مگر اعراض کی نو قسمیں ہیں: کم، کیف، آئین، مسمی، اضافت، مملک، وضع، فعل اور انفعال۔ ان کی تفصیلات معین الفلسفہ میں دیکھیں۔

یہ جو اہر و اعراض موالید شلائش میں رکھی ہوئی قدرتی صلاحیتوں سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ صلاحیتیں موالید سے کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ جب ان صلاحیتوں میں باہم کشش اور مکرر پیدا ہوتا ہے تو حکمت خداوندی مختلف انداز و اطوار کو پیدا کرتی ہے، ان میں سے بعض جو اہر ہوتے ہیں اور بعض اعراض، پھر اعراض کی متعدد اقسام ہیں جیسے جانداروں کے افعال، اخلاق اور ان کے ارادے اور ان کے علاوہ دیگر چیزیں جیسے کسی جگہ میں ہونا (اُئین) اور کسی زمانہ میں ہونا (معی) ہے۔

(۲) اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے وہ حکمت اور مصالح عالم کے اقتضا سے بنایا ہے، اس لئے ہر چیز اپنی ذات میں ایک حسن رکھتی ہے، کوئی چیز فی نفسہ بری نہیں، سورہ سجدہ آیت ۷ میں ہے ﴿الَّذِي أَحْسَنَ نَسْجَ السَّيِّدِ﴾ اللہ نے جو بھی چیز بنائی خوب بنائی اس ارشاد میں تمام جو اہر و اعراض داخل ہیں، جن کی اخلاق سیدہ، غصہ، حرص، شہوت، بخل وغیرہ بھی اپنی ذات سے برے نہیں، برائی ان کو بے اندازہ اور بے محل استعمال کرنے میں ہے۔

غرض جب ہر چیز کو اس کے مقصد تخلیق کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھا جائے تو وہ حسن ہوگی، کسی بھی چیز میں دو معنی کے اعتبار سے کوئی شر نہیں: ایک: اس اعتبار سے کہ سبب جو کچھ چاہے وہ صادر نہ ہو، دوسرے: اس اعتبار سے کہ سبب جو کچھ چاہے اس کی ضد صادر ہو، جیسے چاقو کا کام کاٹنا اور زہر کا کام مارنا ہے، پس بہترین چاقو وہ ہے جو خوب چلے اور عمدہ زہر وہ ہے جو فوراً کام تمام کر دے، اگرچہ اس اعتبار سے کہ ایک انسان مر گیا یہ آثار شر ہیں۔

البتہ دوسرے دو اعتباروں سے شر پایا جاتا ہے ایک: اس اعتبار سے کہ کسی سبب سے وہ چیز پیدا ہو کہ اگر وہ پیدا نہ ہوتی تو بہتر ہوتا دوسرے: کسی سبب سے وہ چیز پیدا نہ ہو جس کے آثار و نتائج اچھے ہیں۔ ان دو اعتباروں سے عالم میں شر پایا جاتا ہے، جیسے ابراہیم خلیل اللہ کو آگ جلاؤ اُتتی تو وہ آگ کی خوبی ہوتی، کیونکہ آگ کا کام ہی جلا نا ہے، وہ اسی مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے، مگر یہ بات مقصد عالم اور مفاد کلی سے ہم آہنگ نہ ہوتی اور اس کے آثار و نتائج کبھی اچھے نہ ہوتے اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کا جلا نا شر ہے۔

اب صفت تدبیر کی کارفرمائی ملاحظہ فرمائیے: جب کسی ایسے واقعہ کے رونما ہونے کے تمام اسباب مہیا ہو جاتے ہیں جس میں آخری دو معنی کے اعتبار سے شر ہوتا ہے یعنی وہ واقعہ نظام کلی کے منافی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت تدبیر اپنا کام کرتی ہے۔ اور چار طرح سے تصرف کر کے اس واقعہ کو ہونے سے روک دیتی ہے، تاکہ نظام عالم متاثر نہ ہو۔ اور وہ چار صورتیں یہ ہیں:

پہلی صورت: اسباب میں رکھی ہوئی تاثیر کو منکیر دیا جاتا ہے اور چیزوں کی صلاحیتوں کو سمیت لیا جاتا ہے، جیسے دجال ایک مومن بندے کو قتل کرے گا، پھر سب لوگوں کے سامنے اس کو زندہ کرے گا۔ اور اس سے اپنی الوہیت کا اقرار لے گا، وہ بندہ اقرار نہیں کرے گا تو پھر دوبارہ دجال اس کو قتل کرنا چاہے گا، مگر اہل قتل نہیں کر سکتے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قتل پر قدرت نہیں دیں گے، حالانکہ اس کا قتل کرنے کا ارادہ بالکل سچا ہوگا، آلات قتل بھی صحیح سلامت ہوں گے مگر قتل نہیں

کر سکے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ وہاں کی قتل کرنے کی صلاحیت قبض کر لیں گے۔ یہ واقعہ مسلم شریف میں ہے (مشکوٰۃ باب ذکر الدجال ج ۲ ص ۵۴۷)

دوسری صورت: چیزوں کی صلاحیتوں کو بڑھا دینا، ثقیل میں اضافہ کر دینا۔ پہلی مثال: جیسے ایوب علیہ السلام کے ٹھوکر مارنے سے زمین کے سوتوں کا ٹوٹ جانا اور چشمہ کا پھوٹ نکلنا، حالانکہ ایک بیمار نحیف و زار آدمی کے ایزی مارنے سے چشمہ نہیں پھوٹتا، درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی ٹھوکر میں ربط کر دیا، اس میں اتنی طاقت پیدا کر دی کہ اس نے زمین کا جگر چاک کر دیا اور چشمہ بہ پڑا۔

فائدہ: اور یہ جو مشہور ہے کہ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایزیاں رگڑنے سے نمودار ہوا ہے، یہ بے اصل بات ہے۔ بخاری شریف کتاب أحادیث الانبیاء باب ۹ حدیث ۳۳۶۲ میں صراحت ہے کہ فیذا ہی بالملک عند موضع زمزم قُبْحَتْ بعقبه أو قال: بجناحه حتى ظهر الماء (پس اچانک زمزم کی جگہ کے پاس حضرت ہاجرہؑ نے فرشتہ کو دکھا، پس اس نے اپنی ایزی سے کریدایا فرمایا کہ اپنا پر مارا یہاں تک کہ پانی ظاہر ہوا) جس وقت زمزم ظاہر ہوا اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کئی گز کے فاصلہ پر ایک بڑے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں صراحت ہے۔

سوال: کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایزیاں رگڑنے سے زمزم ظاہر نہیں ہو سکتا؟

جواب: ہو سکتا ہے، اور ہزار بار ہو سکتا ہے، جب ایوب علیہ السلام کے ٹھوکر مارنے سے چشمہ نمودار ہو سکتا ہے تو اسماعیل علیہ السلام کے ایزیاں رگڑنے سے زمزم کیوں نمودار نہیں ہو سکتا؟ مگر بات امکان کی نہیں، وقوع کی ہے کہ کیا ایسا ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت نہیں اور ایوب علیہ السلام کے واقعہ کا قرآن کریم میں ذکر ہے (فائدہ تمام ہوا)

دوسری مثال: اللہ کے بعض بندوں نے بعض جنگوں میں وہ کارنامے انجام دیے ہیں کہ عقل باور نہیں کرتی کہ ایک شخص تو کیا، کئی شخص مل کر بھی وہ کام انجام نہیں دے سکتے، پھر یہ کیسے ممکن ہوا؟ اس طرح کہ اللہ نے اس بندے کی صلاحیتوں کو بڑھا دیا۔

حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ آپ نے جنگ خیبر میں تنہا قلعہ کا دروازہ اکھاڑ دیا تھا مگر یہ واقعہ چونکہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا، اس لئے شاہ صاحب نے نام نہیں لیا۔

تیسری صورت: چیزوں کی صلاحیتوں میں تبدیلی کر دینا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس آگ میں جھونکا گیا تھا اللہ نے اس آگ کی تاثیر بدل دی اور اس کو بجائے گرم کے ٹھنڈا کر دیا اور آگ نے وہ کام کیا جو برف کرتا ہے۔

چوتھی صورت: دل میں خیر کی بات ڈالنا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو تین کام کئے ہیں وہ الہام خداوندی سے کئے ہیں، اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے دریائے نیل میں الہام خداوندی سے ڈالا تھا، اسی طرح

انبیائے کرام پر آسمانی کتابوں اور قوانین کا نزول بھی باب الہام سے ہے، کیونکہ دل میں خیر کی بات ڈالنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ کوئی بھلائی کا مشورہ دے، خود سوچنے سے کوئی بھلائی کی بات ذہن میں آجائے، کوئی نبی آواز سن لے، کوئی اچھا خواب دیکھ لے، وحی تشریف یا غیر تشریف نازل ہو کر کوئی بات بتا دے یہ سب صورتیں الہام میں شامل ہیں۔

فائدہ: الہام ہمیشہ صاحب معاملہ ہی کو نہیں ہوتا، کبھی صاحب معاملہ کے فائدہ کے لئے دوسرے کو بھی ہوتا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے فائدہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو الہام فرمایا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی صفت تدبیر کے مختلف پہلو قرآن کریم میں اتنی تفصیل سے مذکور ہیں کہ ان پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا لہذا قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت اس مضمون پر غور کریں۔

وتفصیلُ ذلك: ان القوى المُؤدَّعة في المواليد، التي لا تسفلُ عنها، لما نزلت حمت ونصادت، أو جيت حكمه الله حدوث أطوارٍ مختلفةٍ: بعضها جواهر، وبعضها أعراض، والأعراض: إما أفعال أو إرادات من ذوات الأنفس، أو غيرهما.

وتلك الأطوار لا شرف فيها بمعنى عدم صدور ما يقتضيه سببه، أو صدور ضد ما يقتضيه؛ والشبي إذا اعتبر بسببه المقتضى لوجوده كان حسناً لا مخالفة، كالقطع حسن من حيث أنه يفتضيه جواهر الحديد، وإن كان قبيحاً من حيث فوت بنية إنسان؛ لكن فيها شر بمعنى حدوث شبي غيرهِ أو فتن بالمصلحة منه، باعتبار الآثار، أو عدم حدوث شبي آثاره محموداً.

وإذا تهيأت أسباب هذا الشر أفضت رحمة الله بعباده، وطفه بهم، وعموم قدرته على الكل، وشمول علمه: أن ينصرف في تلك القوى، والأمور الحاملة لها، بالقبض والبسط والإحالة والإلهام، حتى تفضي تلك الجملة إلى الأمر المطلوب.

أما القبض: فمثاله ما ورد في الحديث: أن الدجال يريد أن يقتل العبد المؤمن في المرة الثانية، فلا يقدِّره الله تعالى عليه، مع صيحة داعية القتل، وسلامة أدواته.

وأما البسط: فمثاله: أن الله تعالى أنبع عبداً لأيوب — صلوات الله عليه — برخصه الأرض؛ وليس في العادة أن تفضي الرخصة إلى بُوع الماء، وأقتر بعض المخلصين من عباده في الجهاد على ما لا يتصوره العقل من مثل تلك الأبدان، ولا من أضعافها.

وأما الإحالة: فمثالها: جعل النار هواء طيبة لإبراهيم عليه الصلوة والسلام.

وأما الإلهام: فمثاله: قصة خرق السفينة، وإقامة الجدار، وقتل الغلام، وإنزال الكتب

والشرائع على الأنبياء عليهم السلام.

والإلهام: تارة يكون للمبتلى، وتارة يكون لغيره لأجله، والقرآن العظيم بين أنواع التدبير بما لا مزيد عليه.

ترجمہ: اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ موالید میں جو صلاحیتیں امانت رکھی ہوئی ہیں، جو ان سے جدا نہیں ہو سکتیں، جب ان میں کشمکش ہوئی اور وہ باہم ٹکرائیں تو اللہ کی حکمت نے مختلف انداز کے پیدا کرنے کو واجب کیا، ان میں سے بعض خواہر ہیں اور بعض اعراض۔ اور اعراض یا تو جانداروں کے افعال ہیں یا ارادے ہیں یا ان دونوں کے علاوہ ہیں۔ اور ان انداز میں کوئی برائی نہیں ہے بایں معنی کہ وہ چیز صادر نہ ہو جس کو اس کا سبب چاہتا ہے، یا اس چیز کی ضد صادر ہو جس کو وہ سبب چاہتا ہے اور کوئی بھی چیز جب دوازدہ کی جائے اس کے اس سبب کے ساتھ جو اس کے وجود کو چاہتی ہے تو وہ چیز لامحالہ اچھی ہوگی، جیسے (چاقو تلوکار کا) کاٹنا اچھا ہے اس اعتبار سے کہ وہ لوہے کی دھات کا متقاضی ہے، اگرچہ یہ چیز بری ہے انسان کے جسم کے برباد ہو جانے کے اعتبار سے، البتہ اُن اطوار میں شر ہے بایں معنی کہ ایسی چیز پیدا ہو، جس کا غیر مصلحت سے زیادہ ہم آہنگ ہو اس چیز سے آثار کے اعتبار سے، یا کسی ایسی چیز کا نہ پیدا ہونا جس کے نتائج محمود ہوں۔

اور جب اس شر کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں تو بندوں پر اللہ کی مہربانی، اور بندوں پر اللہ کا لطف، اور اللہ کی قدرت کا ہر چیز کو نام ہونا، اور اللہ کے ظلم کا ہر چیز کو شامل ہونا چاہتا ہے کہ اللہ ان صلاحیتوں میں اور ان اعضاء میں جو ان صلاحیتوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں تصرف کریں، قبض و بسط اور احوالہ الہام کے ذریعہ، تاکہ یہ سب (یعنی چاروں صورتیں) امر مطلوب تک پہنچا دیں۔

ربا قبض: تو اس کی مثال وہ ہے جو حدیث میں آئی ہے کہ دجال ایک مؤمن بندے کو دوسری مرتبہ قتل کرنا چاہے گا پس اللہ تعالیٰ اس کو اس کی قدرت نہیں دیں گے، قتل کے ارادے کے کچے ہونے اور آلات قتل کے درست ہونے کے باوجود۔ اور ربسط: تو اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ نکالا حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے۔ اللہ کی بے پایاں رحمتیں ہوں ان پر۔ ان کے زمین پر ٹھوکر مارنے کے ذریعہ، حالانکہ عام طور پر ٹھوکر مارنا پانی پھوٹنے تک نہیں پہنچاتا اور اللہ نے اپنے بعض مخلص بندوں کو جنگ میں ایسے کام کی قدرت دی جو عقل میں نہیں آتی، اس جیسے بدلوں سے، اور نہ اس کے دو چند بدلوں سے۔

اور رب احوالہ: تو اس کی مثال: آگ کو عمدہ ہونا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے۔ اور رب الہام: تو اس کی مثال: کشتی کو چھاڑنے، دیوار کو سیدھا کرنے اور لڑکے کو قتل کرنے کے واقعات ہیں۔ اور کتبوں اور قوانین کو انبیائے کرام پر اتارنا ہے۔

اور الہام: کبھی مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے فائدے کے لئے اس کے ملاوہ کو ہوتا ہے۔ اور قرآن عظیم نے تدبیر خداوندی کی انواع بیان کی ہیں اتنی تفصیل سے کہ ان پر اضافہ ممکن نہیں۔

لغات:

الغوی جمع ہے القوۃ کی بمعنی طاقت، صلاحیت..... طُور (مصدر) بیت، حال، اندازہ جمع اطوار کہا جاتا ہے الناس اطوار یعنی لوگ مختلف قسم کے اور مختلف حالات کے ہیں..... لانحالة من الامر: ضروری، بیشک البتة: ڈھانچہ بنیۃ الکلمۃ صیغہ، مادہ... قبض (ن) قبضۃ الشیء: سمیٹنا..... بسط (ن) بسطاً: پھیلانا، بڑھانا، کشادہ کرنا..... احوال إحالة: ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا..... اَلْهَمَّ إِلَھامًا: وحی کرنا، سکھانا، توفیق دینا، دل میں ڈالنا۔

باب — ۲

عالم مثال کا بیان

عالم کے لغوی معنی ہیں: وہ چیز جس سے کوئی چیز جانی جائے، جیسے خاتمہ: وہ چیز جس سے مہر لگائی جائے اور عرف میں عالم کہتے ہیں اس چیز کو جس سے اللہ تعالیٰ کو جانا جائے اور ساری مخلوقات کی یہی شان ہے یعنی کائنات کے ذرہ ذرہ سے خالق کو پہچانا جاسکتا ہے۔ اس لئے عالم کا اطلاق مجموعہ کائنات پر بھی ہوتا ہے اور اس کے اجزاء پر بھی بلکہ کائنات کے ہر فرد پر بھی اس کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، جیسے عالم زید، عالم بکر وغیرہ۔ تفسیر روح المعانی میں ہے والعالم کمال خاتم، اسم لما یعلم بہ، وغلب فیما یفعل بہ الخالق تعالیٰ شأنہ، وهو کل ما سواہ من الجواهر والأعراض، ویطلق علی مجموع الأجسام، وهو الشائع، كما یطلق علی واحد منها فصاعداً (۷۸:۱)

اور اجزائے عالم پر عالم کا اطلاق مختلف اعتبارات سے کیا جاتا ہے مثلاً:

- (۱) کوئی عالم کی دو قسمیں کرتا ہے روحانی اور جسمانی۔
- (۲) کوئی عناصر کی دنیا کو عالم سفلی اور عالم کون و فساد کہتا ہے اور افلاک اور ان کے اندر کی چیزوں کو عالم علوی کہتا ہے۔

- (۳) کوئی حواس سے محسوس ہونے والی چیزوں کو عالم شہادت اور محسوس نہ ہونے والی چیزوں کو عالم غیب کہتا ہے۔
- (۴) کوئی ان چیزوں کو جو غیر متعین مدت کے لئے مادہ کے بغیر پیدا کی گئی ہیں، جیسے عقول عشرہ اور نفوس، ان کو عالم امر، عالم ملکوت اور عالم غیب کہتا ہے اور جو چیزیں مادہ سے اجل مقرر کے لئے پیدا کی گئی ہیں، جیسے موالید خلا شان کو عالم خلق اور عالم شہادت کہتا ہے۔

(۵) کوئی عالم کی دو قسمیں کرتا ہے: عالم ارواح اور عالم اجسام۔

(۶) کوئی عالم کو غاہر و باطن میں تقسیم کرتا ہے۔

(۷) اور رب العالمین کی تفسیر میں مفسرین ہر جنس کو علیحدہ عالم قرار دیتے ہیں، جیسے عالم انفس، عالم جن، عالم ملائکہ، عالم طیور، عالم وحش وغیرہ اور اگر نیچے اتر کر انواع کے اعتبار سے عالم کی تقسیم کی جائے تو بے شمار عالم ہو جائیں گے۔

(۸) اور عرف عام میں عالم کی دو قسمیں کی جاتی ہیں: دنیا اور آخرت۔ اور برزخ جس کا دوسرا نام عالم قبر ہے وہ اسی دنیا کا حصہ ہے جس میں آخرت کے احکام مترشح ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ ایک نیا عالم ثابت کرتے ہیں اور اس کا نام عالم مثال رکھتے ہیں۔ مثال کے معنی ہیں مانند، ایک جیسی چیز، یہی معنی مثل کے بھی ہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ حضرت فرماتے ہیں کہ بہت سی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ کائنات میں ایک ایسا عالم بھی پایا جاتا ہے جو:

(۱) غیر مادی ہے یعنی عناصر ربوہ سے نہیں بنا۔

(۲) اس عالم میں معانی یعنی حقائق کے لئے بھی جسم ہیں اور یہ اجسام مثالی ہیں ہر معنی کو اس کی حالت کا لحاظ کر کے جسم دیا جاتا ہے مثلاً ہر ذی کو فرگوش کا اور دنیا کو ایسی بوڑھی عورت کا جس کے سر کے بال کچھڑی ہو رہے ہوں۔

(۳) اس دنیا میں چیزیں پائے جانے سے پہلے عالم مثال میں پائی جاتی ہیں، وہاں ان کا تحقق مخصوص نوعیت کا ہے۔

(۴) پھر جب وہ چیزیں اس دنیا میں یعنی خارج میں پائی جاتی ہیں تو یہ اور وہ ایک ہوتی ہیں رہی یہ بات کہ اتحاد کی کیا نوعیت ہے؟ تو اس کی تعیین مشکل ہے، اتحاد کی مختلف صورتوں میں سے کوئی صورت ہوتی ہے۔

(۵) اور بہت سی چیزیں وہ ہیں جن کے لئے عوام کے نزدیک جسم نہیں اور وہ عالم مثال میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہیں، اور اترتی چڑھتی ہیں اگرچہ لوگ ان کو نہیں دیکھتے۔

سوال: یہ عالم کہاں ہے؟

جواب: یہ عالم جس طرح مادی نہیں، مکانی اور زمانی بھی نہیں، اس لئے اس کی جگہ متعین نہیں کی جاسکتی، بس اتنا کہا جائے گا کہ ایسا عالم موجود ہے۔

سوال: اُس عالم کا نام عالم مثال کیوں تجویز کیا گیا ہے؟

جواب: چونکہ عالم مثال میں دنیا و آخرت کی تمام چیزیں مثالی صورت میں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کو عالم مثال نام دیا گیا ہے۔ مثال کے لئے دوسرا لفظ ظل (سایہ) بھی استعمال کر سکتے ہیں یعنی عالم مثال میں تمام دنیوی اور اخروی چیزوں کے اظلال پائے جاتے ہیں، نمونے پائے جاتے ہیں اور صوفی کی اصطلاح میں مثال کے معنی عینیت کے ہیں (کشاف اصطلاحات الفنون ۲: ۱۳۴۱) پس عالم مثال کو اس وجہ سے بھی عالم مثال کہا جاتا ہے کہ اس عالم کی چیزیں اور اس

دنیا کی چیزیں بینہم ایک ہیں۔

﴿باب ذکر عالم المثال﴾

إعلم أنه دلت أحاديث كثيرة على أن في الوجود عالماً غيرَ عَصْرِيٍّ، تَمَثَّلُ فِيهِ الْمَعَانِي بأجسام مناسبة لها في الصفة، وَتَتَحَقَّقُ هُنَاكَ الْأَشْيَاءُ قَبْلَ وجودها في الأرض، نَحْوًا مِنْ التَّحَقُّقِ؛ فَبِإِذَا وَجَدَتْ كَانَتْ هِيَ هِيَ، بِمَعْنَى مِنْ مَعَانِي هُوَ هُوَ، وَأَنْ كَثِيرًا مِنَ الْأَشْيَاءِ، مِمَّا لَا جِسْمَ لَهَا عِنْدَ الْعَامَّةِ، تَنْتَقِلُ وَتَنْزِلُ، وَلَا يَرَاهَا جَمِيعُ النَّاسِ.

ترجمہ: عالم مثال کا تذکرہ: یہ بات جان لیجئے کہ بہت سی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک ایسا عالم بھی موجود ہے جو مادی نہیں ہے، معانی اس عالم میں پائے جاتے ہیں ایسے جسموں کے ساتھ جو ان معانی کے ساتھ حالت میں مناسبت رکھنے والے ہیں اور چیزیں وہاں پائی جاتی ہیں، ان کے زمین میں پائے جانے سے پہلے، پائے جانے کی کسی نوعیت سے، پھر جب وہ چیزیں اس دنیا میں پائی جاتی ہیں تو وہ وہی ہوتی ہیں، اتحاد کے معانی میں سے کسی معنی کے اعتبار سے اور (احادیث اس پر بھی دلالت کرتی ہیں) کہ بہت سی چیزیں، ان چیزوں میں سے جن کے لئے عوام کے نزدیک جسم نہیں ہے، منتقل ہوتی ہیں اور اترتی ہیں دراصل ایک ان کو سب لوگ نہیں دیکھتے۔

تشریح:

(۱) عُنْصُرِ عَرَبِيٍّ زَبَانٍ كَالْفَرْقِ هُوَ اس کے لغوی معنی ہیں اصل۔ اور اصطلاح میں عنصر اس بے صفت (غیر مرکب) اصل کو کہتے ہیں جس سے تمام مرکبات ترکیب پاتے ہیں۔ قدیم فلاسفہ کے نزدیک عناصر چار تھے، یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی، انہی کو اربعان اور اصول کون و فساد بھی کہتے ہیں۔ قدیم فلاسفہ نے استقراء سے یہی چار عناصر دریافت کئے تھے۔ ان کے نزدیک موالید ثلاثہ انہی عناصر بعد سے مرکب ہیں جدید نظریہ کے لئے میری کتاب معین الفلاسفہ دیکھیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عالم مثال مادی عالم نہیں یعنی وہ عناصر بعد سے مرکب نہیں۔

(۲) وجود کی دو قسمیں ہیں: خارجی اور نفس الامری، پس موجود کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) موجود خارجی: یعنی وہ موجود جس کا ہمارے ذہن سے باہر خارج میں وجود ہے، جیسے زید، عمر، بکر کا وجود۔
(ب) موجود نفس الامری یعنی وہ موجود جس کا واقعی وجود ہے یعنی کسی کے ماننے پر موقوف نہیں، جیسے چار کھٹ ہونا اور پانچ کا غلط ہونا اور طلوع شمس اور وجود مہار کے درمیان تلازم: یہ سب واقعی چیزیں ہیں، خواہ اس کو ماننے والا کوئی ہو یا نہ ہو، اور خواہ کوئی اس کو مانے یا نہ مانے، وہ ایک حقیقت ہیں، اعتبار معتبر پر موقوف نہیں۔

شاہ صاحب قدس سرہ وجود خارجی کے لئے ”وجود“ کا مادہ استعمال کرتے ہیں، اور وجود نفس الامری کے لئے

تحقق اور تمثیل کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(۳) معانی، معنی کی جمع ہے۔ معنی کے لغوی معنی ہیں: بمقصد اور مراد، اور اصطلاح میں حقیقت و ماہیت اور عقلی مفہوم کو بھی معنی کہتے ہیں۔ اور حقیقت و ماہیت ماہیہ النسی ہو ہو کو کہتے ہیں جیسے انسان کی ماہیت ہے حیوان ناطق کیونکہ اس سے انسان کا قوام ہے اور حیوان ناطق ایک عقلی مفہوم ہے، خارج میں مستقلاً اس کا وجود نہیں۔ صرف عام میں حقائق و معانی کو ”معنویات“ سے تعبیر کرتے ہیں۔

غرض عالم مثال میں جس طرح اس دنیا کی مادیات (موجودات خارجیہ) کا مثالی وجود ہے، حقائق و معانی کا بھی وہاں مثالی وجود ہے ہر حقیقت و معنی کو اس کی صفت اور حالت کا لحاظ کر کے وہاں مثالی جسم دیا جاتا ہے جیسے موت کو مینڈھے کا جسم اور دنیا کو بوڑھی عورت کی شکل دی گئی ہے۔

(۴) نَحْوُ امِّن التَّحْقِیْقِ کا مطلب یہ ہے کہ عالم مثال میں اشیاء کا پایا جانا بالکل اس دنیا میں پائے جانے کی طرح نہیں ہے، البتہ اس کی پوری تفصیل ہم نہیں جانتے، بس اجمالاً اتنا کہیں گے کہ وہاں تحقق ہوتا ہے۔

(۶) مذکر کے لئے ہو ہو، اور مؤنث کے لئے ہی ہی، دو چیزوں میں اتحاد بتانے کے لئے محاورہ ہے ملکہ سہا نے یہ محاورہ استعمال کیا ہے ﴿قَالَ لَنْ نَحْكُمَ هُوَ﴾ (انہل ۴۲) اور جنت میں اہل جنت یہ محاورہ استعمال کریں گے ﴿قَالُوا: هَذَا الَّذِي رَفَعْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ (البقرہ ۲۵) اور دو چیزوں میں اتحاد میں کل الوجود میں ہو سکتا، ورنہ وہ کہاں رہیں گی؟ من وجہ یہی اتحاد ہو سکتا ہے، شیخ محمد اعلیٰ تھانویؒ نے کشاف اصطلاحات الفنون میں اس اتحاد کی متعدد صورتیں بیان کی ہیں، مثلاً:

(۱) ذاتی اتحاد، یعنی حمل ایجابی ہو سکے، جیسے ذیذہن انسان، پس زید اور انسان ایک ہی چیز ہیں۔

(۲) اتحاد فی المفہوم، جیسے اسد اور غضب کا ایک ہی مفہوم ہے، پس یہ دونوں متحد ہیں۔

(۳) متعدد چیزیں کسی خاص اعتبار سے متحد ہوں، جیسے افراد انسانی انسان ہونے کے اعتبار سے متحد ہیں۔

غرض اس عالم کی چیزیں اور عالم مثال کی چیزیں وجود میں تو متحد نہیں، ورنہ وہ متعدد کیسے ہوں گی؟ پھر اتحاد کی کیا صورت ہے؟ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اتحاد کی مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت ہوتی ہے، اس کی تعین مشکل ہے۔



عالم مثال پر دلالت کرنے والی روایات

اب ذیل میں شاہ صاحب رحمہ اللہ انیس (۱۹) نصوص پیش کرتے ہیں، جو عالم مثال کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، ان کی شرح ترجمہ کے ساتھ کر دی جائے گی، اور طریق استدلال شاہ صاحب بعد میں خود ہی ذکر فرمائیں گے۔ یہ تمام

روایات بلفظ نہیں ہیں، بلکہ روایات کا خلاصہ ہیں۔

[الأحاديث الدالة على عالم المثال]

[۱] قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿لَمَّا خُلِقَ اللَّهُ الرَّحْمَ قَامَتْ، فَقَالَتْ: هَذَا مَقَامُ الْعَانِدِ مِنَ الْقَطِيعَةِ﴾

[۲] وَقَالَ: ﴿إِنَّ الْبَقْرَةَ وَآلَ عَمْرَانَ تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، كَانَهُمَا غَمَامَتَانِ، أَوْ غَيَاتَانِ، أَوْ فُرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافٍ، تُحَاجَّانِ عَنْ أَهْلِهِمَا﴾

[۳] وَقَالَ: ﴿تَجِبِي الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: فَتَجِبِي الصَّلَاةَ، ثُمَّ تَجِبِي الصَّدَقَةَ، ثُمَّ تَجِبِي الصِّيَامَ الْحَدِيثَ

[۴] وَقَالَ: ﴿إِنَّ الْمَعْرُوفَ وَالْمُنْكَرَ لَخَلِيقَتَانِ، تُنْصَبَانِ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: فَأَمَّا الْمَعْرُوفُ فَيُشِيرُ أَهْلَهُ، وَأَمَّا الْمُنْكَرُ فَيَقُولُ: إِلَيْكُمْ! إِلَيْكُمْ!!، وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُ إِلَّا لَزُومًا﴾

[۵] وَقَالَ: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُنْعِثُ الْأَيَّامَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا، وَيَبْعَثُ الْجُمُعَةَ زَهْرَاءَ مُبِيرَةً﴾

[۶] وَقَالَ: ﴿يُؤْتَى بِالْدُّنْيَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صُورَةِ عَجُوزٍ شَمْطَاءٍ، زُرْقَاءَ، أُنْيَابُهَا بَادِيَةٌ مُشَوَّهَةٌ خَلْقُهَا﴾

[۷] وَقَالَ: ﴿هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى؟ فَإِنِّي لِأَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بَيْوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ﴾

[۸] وَقَالَ فِي حَدِيثِ الْإِسْرَاءِ: ﴿فَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ: نَهْرَانِ بَاطِنَانِ، وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ؛ فَقُلْتُ: مَا هَذَا يَا جَبْرِيلُ؟ قَالَ: أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَفِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالْنَّهْلُ وَالْفُرَاتُ﴾

[۹] وَقَالَ فِي حَدِيثِ صَلَاةِ الْكُسُوفِ: ﴿صُوِّرَتْ لِي الْجَنَّةُ وَالنَّارُ﴾ وَفِي لَفْظٍ: ﴿بَيْنِي وَبَيْنَ جِدَارِ الْقِبْلَةِ﴾ وَفِيهِ: ﴿أَنَّهُ بَسَطَ يَدَهُ لِيَتَنَاوَلَ عُقُقُودًا مِنَ الْجَنَّةِ، وَأَنَّهُ تَكَعَّكَعَ مِنَ النَّارِ، وَنَفَخَ مِنْ حَرِّهَا، وَرَأَى فِيهَا سَارِقَ الْحَجِيجِ، وَالْمَرْأَةَ الَّتِي رُبَطَتِ الْهَرَّةُ حَتَّى مَاتَتْ، وَرَأَى فِي الْجَنَّةِ امْرَأَةً مَوْسِمَةً، سَقَتِ الْكَلْبَ﴾ وَمَعْلُومٌ أَنَّ تِلْكَ الْمَسَافَةَ لَا تَنْتَسِعُ لِلْجَنَّةِ وَالنَّارِ، بِأَجْسَادِهِمَا الْمَعْلُومَةِ عِنْدَ الْعَامَةِ

[۱۰] وَقَالَ: ﴿خُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ، وَحَفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، ثُمَّ أَمَرَ جَبْرِيلُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِمَا﴾

[۱۱] وَقَالَ: ﴿يَنْزِلُ الْبَلَاءُ فَيُعَالِجُهُ الدُّعَاءُ﴾

[۱۲] وَقَالَ: ﴿خُلِقَ اللَّهُ الْعَقْلُ، فَقَالَ: أَقْبَلْ، فَأَقْبَلَ، وَقَالَ لَهُ: أَدْبِرْ فَأَدْبَرَ﴾

[۱۳] وَقَالَ: ﴿هَذَانِ كِتَابَانِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ الْحَدِيثَ

[۱۴] وَقَالَ: ﴿يُؤْتَى بِالْمَوْتِ كَأَنَّهُ كَبْشٌ، فَيَذْبَحُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ﴾

[۱۵] وقال تعالى: ﴿فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَمَثَلْ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾

[۱۶] واستفاض في الحديث:

[الف] أن جبریل كان يظهر للنبي صلى الله عليه وسلم، ويترآى له، فيكلمه، ولا يراه سائر الناس.

[ب] وأن القبر يُفسح سبعين ذراعًا في سبعين، أو يُضَمُّ حتى تختلف أضلاع المقبور،

[ج] وأن الملائكة تنزل على المقبور، فتسأله،

[د] وأن عمله يتمثل له.

[هـ] وأن الملائكة تنزل إلى المحتضر، بأيديهم الحرير أو المنسج؛

[و] وأن الملائكة تضرب المقبور بمطرقة من حديد، فيصيح صيحة يسمعها ما بين المشرق والمغرب.

[۱۷] وقال النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿لَيْسَ لَط عَلَى الْكَافِرِ فِي قَبْرِهُ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ نَيِّبًا، تَنْهَسُهُ وَتَلْدَغُهُ حَتَّى تَقْرُمَ السَّاعَةَ﴾

[۱۸] وقال: ﴿إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوبِهَا، فَيَجْلِسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ، وَيَقُولُ: دَعُونِي أَصْلِي﴾

[۱۹] واستفاض في الحديث:

[الف] أن الله تعالى يتجلى بصور كثيرة لأهل الموقف.

[ب] وأن النبي صلى الله عليه وسلم يدخل على ربه، وهو على كرسيه؛

[ج] وأن الله تعالى يكلم ابن آدم شفاهًا؛ — إلى غير ذلك مما لا يحصى كثرة

حدیث (۱) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جب اللہ تعالیٰ نے ”ناتے“ کو پیدا کیا، تو وہ کھڑا ہوا، اور اس نے کہا کہ یہ قطع رحمی سے آپ کی پناہ چاہنے والے کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ جو تجھے کاٹے، میں اس کو اپنے سے کاٹوں، اور جو تجھے جوڑے میں اس کو اپنے سے جوڑوں؟ ناتے نے جواب دیا: ”میں اس پر راضی ہوں“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”جایہ تیرے لئے ہے“، یعنی میں اس کی گارنٹی دیتا ہوں (مشکوٰۃ باب البر والصلہ حدیث ۴۹۱۹)

تقریح: یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ رحم (بچہ دانی) یعنی دوھیالی اور نضیالی رشتہ داری۔ رحم نے کھڑے ہو کر رحمان کی کمر میں کوئی بھری تھی، رحمان نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تب اس نے مذکورہ جملہ کہا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ جس طرح پناہ لینے کے لئے ماں کی کمر میں کوئی بھرتا ہے، رحم نے بھی کوئی بھری اور قطع رحمی سے پناہ چاہی، جس پر اس

سے مذکورہ مدہ کیا گیا۔ غور کیجئے، تاہا ایک معنوی چیز ہے اس کا جسم نہیں ہے، مگر حدیث اس کے جسم دار ہونے پر اہمیت کرتی ہے، یہ جسم مثالی جسم ہے جو اس کو عالم مثال میں ملا ہے۔

حدیث (۲) اور فرمایا کہ زُھرا وین (دو ورثن سورتیں) بقروہ اور آل عمران پڑھا کرو، وہ دونوں قیامت کے دن سفاشی بن کر حاضر ہوگی، گویا وہ دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں یا صاف بستہ اڑنے والے پرندوں کی دو قطاریں ہیں۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی (یہ روایت مسلم و ترمذی وغیرہ بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے، دیکھئے الدر المنثور ۱: ۱۸ مشکوٰۃ شریف فضائل القرآن حدیث ۲۱۲۰)

لغات: الغمام: بادل، اور ایک ٹکڑے کو غمامۃ کہتے ہیں، جمع غمامہ ... الغری: ہر چیز کا ٹکڑا..... صوائف جمع ہے صاف (اسم فاعل) کی بمعنی صاف بستہ۔ جیسے سائبان، چھتری، بادل وغیرہ۔

حدیث (۳) اور ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اعمال حاضر ہوں گے، پس (سب سے پہلے) نماز آئے گی، پھر خیرات آئے گی، پھر روزہ آئے گا (آخر تک حدیث پڑھیے) یہ لمبی حدیث ہے، مسند احمد ۲: ۲۶۳ مشکوٰۃ کتاب البراق حدیث ۵۲۲۳ دیکھیں۔ یہاں تو صرف اتنی بات سے غرض ہے کہ یہ اعمال جو جسم دار نہیں ہیں، قیامت کے دن اپنے مثالی اجسام کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

حدیث (۴) اور ارشاد فرمایا کہ معروف (اللہ کی مرضی کے موافق قول و فعل) اور منکر (اللہ کی مرضی کے خلاف قول و فعل) دو مخلوق ہیں، قیامت کے دن دونوں لوگوں کے لئے کھڑی کی جائیں گی۔ پس معروف اپنے لوگوں کو خوش خبری دے گا اور با منکر تو وہ کہے گا: ”ہٹو بچو“ مگر لوگ اس سے چپکتے ہی چلے جائیں گے (کنز العمال حدیث ۳۰۴۰۰) حدیث (۵) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو اٹھائیں گے، جیسے وہ ہیں، اور جمعہ کو اٹھائیں گے روشن چمکتا (متدرک حاتم ۱: ۷۷ کنز العمال حدیث ۲۰۹۱۰)

حدیث (۶) حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”دنیا قیامت کے دن لاٹی جائے گی، ایسی بڑھیا کی شکل میں جس کے سر کے بال کچھڑی ہو رہے ہوں گے، جس کی آنکھیں نینگوں ہوگی، جو دانت پھاڑ رہی ہوگی جو نہایت بد شکل ہوگی۔ وہ مخلوقات کو جھانک کر دیکھے گی۔ لوگوں سے دریافت کیا جائے گا: ”اے جاننے ہو؟ لوگ جواب دیں گے: پناہ بخدا! جو ہم اسے جانتے ہیں! انہیں بتایا جائے گا: یہ وہ دنیا ہے جس کی خاطر تم باہم جھگڑتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، ایک دوسرے پر جلتے تھے اور باہم بغض و نفرت رکھتے تھے اور دھوکے میں رہتے تھے! پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ پکارے گی: ”میرے رب! میرے پیرو اور میرے چیلے کہاں ہیں؟“ اللہ عز وجل حکم دیں گے کہ اس کے مریدوں اور چیلوں کو اس کے ساتھ ملا دو!“ (احیاء العلوم ۱: ۱۸۶)

تشریح: دنیا کو کی حسی اور جسم دار چیز نہیں، وہ اس عالم کی حقیقت ہے، مگر قیامت کے دن وہ بڑھیا کی شکل میں آئے

گی، یہ عالم مثال میں اس کو ملی ہوئی شکل ہے۔

لغات: شَطَطاً مؤنث الشَّطَطُ، شَمَط (س) شَمَطاً میں کھجوری بالوں والا ہونا۔ زُرْقَاءُ مؤنث الزُرْقُ کا، جس کے معنی ہیں نیل گوں، آسانی رنگ جیسا..... اُنْثِيَاءُ جمع ثَابِت کی، بمعنی دانت... مُشَوَّهٌ بِشَكْلِ شَوْءٍ مُشَوَّهٌ بِشَكْلِ شَيْءٍ ہونا... خلقی: بناوٹ۔

حدیث (۷) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قلعوں میں سے کسی قلعہ پر چڑھے اور فرمایا کہ کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں! آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے گھر میں میں بارش کی طرح فتنوں کو گرتے دیکھ رہا ہوں (متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب الفتن حدیث ۵۳۸۷) فتنے بھی معنوی چیز ہیں اور ان کا بارش کی طرح برساتا ہی جسم کے ساتھ تھا۔

حدیث (۸) اور معراج کی روایت میں فرمایا ہے کہ اچانک چار نہریں سامنے آئیں، دو باطنی یعنی بہر جنت میں جاری تھیں، اور دو ظاہری یعنی بہر باہر آ رہی تھیں آنحضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں نیل فرات ہیں (متفق علیہ، مشکوٰۃ فی المعراج حدیث ۵۹۲۷)

تشریح: دریائے نیل وسطی افریقہ سے نکلتا ہے اور مصر میں داخل ہو کر بحراء ارض متوسطہ میں گرتا ہے اور فرات عراق میں ہے جو جلد میں شامل ہو کر فلیج فارس میں گرتا ہے۔ غرض یہ دونوں زمین کے دریا ہیں مگر حضورؐ نے ان کو عالم بالا میں دیکھا ہے، یہ ان کی مثالی صورتیں تھیں۔

حدیث (۹) اور سورج گہن کی تمنازی کی روایت میں ارشاد فرمایا ہے کہ جنت و جہنم میرے لئے مصور کی گئیں اور ایک روایت میں ہے کہ میرے اور جہاد قبیلہ کے درمیان میں اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے ہاتھ بڑھایا تاکہ جنت سے انگور کا خوشہ لے لیں اور یہ بھی ہے کہ آپؐ دوزخ کی وجہ سے رک گئے اور گرمی سے چوک ماری اور آپؐ نے جہنم میں حاجیوں کا سامان چرانے والے کو دیکھا، اور اس عورت کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ کر بھوکے مار دیا تھا۔ اور آپؐ نے جنت میں ایک بدکار عورت کو دیکھا جس نے پیاسے کو پانی پلا یا تھا — اور یہ بات بدیہی ہے کہ اس مسافت میں (یعنی آپؐ کے اور جہاد قبیلہ کے درمیان میں) جنت و جہنم کی اس مقدار (طول و عرض) کے ساتھ جو عام لوگ بھی جانتے ہیں سوائے کہاں؟! (یہ مضمون مختلف حدیثوں کا خلاصہ ہے، جو صحاح میں وارد ہوئی ہیں)

حدیث (۱۰) اور ارشاد فرمایا کہ جنت ناگواریوں سے گھیری گئی ہے، اور جہنم خواہشات کے ساتھ گھیری گئی ہے، پھر جبرئیل کو حکم دیا کہ وہ دونوں کو دیکھیں (مشکوٰۃ کتاب الرقاق حدیث ۵۱۶۰) مکار وہ خواہشات بھی معنویات ہیں مگر ان کی باڑ باندھی گئی ہے اور حضرت جبرئیل نے ان کو دیکھا بھی ہے، یہ سب کچھ مثالی اجسام کے ذریعہ ہوا ہے۔

حدیث (۱۱) اور فرمایا کہ بلا ارتقی ہے تو اس سے دعا کشتی لڑتی ہے یعنی دونوں میں کشمکش ہوتی ہے (دواء البوار والطبری

والحاكم، وقال صحيح الاسناد الترغيب والترہیب (۴۸۳:۲)

حدیث (۱۲) اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا، پھر اس سے کہا: ”سامنے آ“ تو وہ سامنے آئی اور اس سے فرمایا کہ پیچھے پھیر، تو اس نے پیچھے پھیر لیا، پھر اللہ نے فرمایا: میری عزت کی قسم! میں نے تجھ سے زیادہ پسندیدہ مخلوق پیدا نہیں کی، تیری وجہ سے میں لوٹا گا اور دو لگا اور تیری وجہ سے ثواب ہے اور تجھ پر سزا ہے، رواہ الطبرانی فی الکبیر وال الأوسط، وفیہ عمر بن ابی صالح، قال الذہبی: لا یعرف (مجمع الزوائد ۸: ۲۸)

حدیث (۱۳) اور فرمایا: یہ دو کتابیں (رجز) ہیں رب العالمین کی جانب سے (حدیث آخر تک پڑھیے) امام احمد، نسائی اور ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے (فتح الباری ۱۱: ۲۸۸) ایک رجز میں تمام جنتیوں کے نام تھے اور دوسرے میں دوزخیوں کے، اور آخر میں نوٹ تھا، جس میں کمی بیشی کا امکان نہیں۔

حدیث (۱۴) اور ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت و دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کر دیا جائے گا (مشفق علیہ مسلم شریف کتاب الوصیۃ ۱۷: ۸۳ مصری)

آیت (۱۵) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ہم نے مریم کے پاس اپنی روح بھیجی، پس وہ ایک درست انسان کی طرح اس کے سامنے ظاہر ہوئی، (سورہ مریم آیت ۱۷) عام منسیرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں مگر شاہ صاحب رحمہ اللہ روح سے جان مراد لیتے ہیں جو ایک امر رب اور معنوی چیز ہے، جس نے درست انسان کی شکل اختیار کی، یہی مثال جسم ہے۔

حدیث: (۱۶) اور بکثرت احادیث میں مضمون آیا ہے کہ:

(الف) حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے سامنے ظاہر ہوتے تھے، اور وہ آپ کو نظر آتے تھے، پس آپ ان سے باتیں کرتے تھے، اور ان کو دیگر لوگ نہیں دیکھتے تھے۔

(ب) اور یہ کہ قبر کشادہ کی جائے گی ستر در ستر ہاتھ (یعنی طول بھی ستر ہاتھ اور عرض بھی اتنا ہی) اور ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، پس مرنے لیا ہوا ہزار چھپس فٹ ہوگا۔ اور یہ کشادگی نیک آدمی کے لئے ہوگی (یا قبر ملائی جائے گی، اخی کہ میت کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جائیں گی) (قبر کا یہ پھینچنا برے شخص کے لئے ہوگا)

(ج) اور یہ کہ فرشتے میت کے پاس آتے ہیں، پس اس سے سوالات کرتے ہیں۔

(د) اور یہ کہ میت کا عمل منتقل ہو کر اس کے سامنے آتا ہے۔

(ه) اور یہ کہ فرشتے آتے ہیں قریب المرگ کے پاس، ان کے ہاتھوں میں ریشم ہوتا ہے یا ناٹ ہوتا ہے۔

(و) اور یہ کہ فرشتے میت کو لوہے کے گرز سے مارتے ہیں، پس وہ ایسی چیخ مارتا ہے جس کو ساری مخلوق ملتی ہے۔

حدیث: (۱۷) اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر فر پر اس کی قبر میں نانوے اڑھے مسلط کئے جاتے ہیں،

جو قیامت تک اس کو نوچتے اور دُستے رہتے ہیں۔

حدیث: (۱۸) اور فرمایا: جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو سورج اس کے لئے غروب کے وقت کی طرح متزلزل ہوتا ہے، پس وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور آنکھیں ملتا ہے اور کہتا ہے: ”مجھے چھوڑو، میں نماز پڑھ لوں“ (حدیث نمبر ۱۶) سے یہاں تک تشریحی روایات ہیں ان کو سیوطی رحمہ اللہ کی شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور اور اس کی تلخیص بشری الکتاب بلغاء الحبيب میں دیکھا جاسکتا ہے)

حدیث: (۱۹) اور احادیث میں یہ مضمون بھی بکثرت آیا ہے کہ:

(الف) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میدان محشر میں مختلف صورتوں میں تجلی فرمائیں گے۔

(ب) اور یہ کہ آنحضور ﷺ بارگاہ رب العالمین میں تشریف لے جائیں گے، درانحالیکہ اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے۔

(ج) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے رو بہ دکلام فرمائیں گے — وغیرہ وغیرہ اُن روایات میں سے جن کا شمار بوجہ کثرت ممکن نہیں۔

لغات: صَوْرُهُ: تصویر بنانا..... تَحْكُمُ: حکم کرنا..... المومِنة: بدکار و فاجرہ عورت اَوَمَسَّتِ المرأةُ: بدکار ہونا حَفَّتِ الشَّيْبُ: گھیرنا..... مَكَارِهِ: جمع مَكْرَہ کی: ناگوار خاطر بات عَالَجَہ: مشق کرنا، علاج کرنا اِقْبَالَ: سامنے سے آنا..... اِدْبَارَ: پیٹھ پھیر کر جانا..... قَرَأَیْ وَكُنْہَا..... تختلف: دائیں طرف کی پسیلیوں کا ٹوٹ کر بائیں طرف کی پسیلیوں میں گھس جانا اور اس کے برعکس..... مقبور: دفن کیا ہوا یعنی میت..... الممسح: مٹا المطرقة: ہتوڑا، روٹی ڈھنکے کا ڈنڈا..... التَّيْنِ: زبر پلا اڑوہا..... نَهَسَ اللحمَ گوشت کو اگلے دانتوں سے نوچنا۔



مذکورہ روایات میں غور کرنے کے تین طریقے

مذکورہ بالا روایات میں غور کرنے کے تین طریقے ہیں:

① اُن روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے یعنی بظاہر اُن کا جو کچھ مفہوم ہے اس کو مان لیا جائے، اس صورت میں عالم مثال کو ماننا پڑے گا، کیونکہ ان روایات کی توجیہ عالم مثال کو مانے بغیر ممکن نہیں، عالم مثال کو مان کر یہ توجیہ ہوگی کہ مذکورہ بالا روایات میں بیان فرمودہ تمام باتیں واقعی و نفس الامری ہیں، اور ان کے اجسام ان کے مثالی پیکر ہیں۔ محدثین کرام کا اصول اسی بات کو متفقہی ہے کہ ان روایات کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے، ان کی کوئی تاویل نہ کی جائے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے اس قاعدہ پر تنبیہ کی ہے اور شاہ صاحب کا مزاج بھی یہی ہے۔ چنانچہ آپ نے انہی روایات کی بنیاد پر عالم مثال کو ثابت کیا ہے۔

(۲) ان روایات کی یہ تاویل کی جائے کہ وہ صرف آدمی کا احساس ہے، خارج میں ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں، نیسے خواب دیکھنے والا جو امور خواب میں دیکھتا ہے وہ صرف اس کا احساس ہوتا ہے، ان میں سے کوئی چیز خارج میں موجود نہیں ہوتی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی قسم کی توجیہ درج ذیل آیت میں کی ہے۔ سورۃ الدخان آیت ۱۰۱ میں ارشاد ہے۔

فَإِذَا تَقَاسَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْغُلَامُ أَنَّهُمْ كُنُوا أَزْوَاجًا
مُتَبَايِنِينَ، يُغْفِشُ النَّاسَ، هَذَا عَذَابٌ
أَلِيمٌ

سو آپ (کفار مکہ کے لئے) اس دن کا انتظار کیجئے جبکہ آسمان ایک
واضح دھواں لے آئے، جو ان سب لوگوں پر نام ہو جائے۔ =
وردناک سزا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ نشانی پائی جا چکی ہے مکہ میں سخت قحط پڑا، لوگوں نے مردار، چمڑے اور ہڈیاں تک کھا کیں اور صورت حال یہ ہو گئی کہ جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے، ان کو دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، آسمان نظری نہیں آتا تھا۔ حالانکہ خارج میں کوئی دھواں نہیں تھا، یہ صرف ان بھوکوں کا احساس تھا۔ یہ روایت الدر المنثور ج ۶ ص ۲۸ میں ہے۔

اور محدث کبیر ابن الماشون رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جن احادیث میں اللہ تعالیٰ کا میدان حشر میں اترنا اور قیامت کے روز بندوں کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا مروی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی نگاہوں میں تغیر کر دیں گے، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کو اترتا، تجلی فرماتا، مخلوق سے سرگوشی کرتا اور باتیں کرتا دیکھیں گے، مگر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی، نہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا اس لئے کریں گے تاکہ بندے جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنہ (۸: ۳۱۵) باب آخر من یخرج من النار (میں عبد العزیز بن ابی سلمہ الماشون کا یہ قول ذکر کیا ہے انکے الفاظ میں: إِنْ اللَّهُ لَيْسَ بِتَغْيِيرِ عَظَمَتِهِ، وَلَكِنْ عَيْنَاكَ يَغْيِيرُ هَمَّا حَتَّى تَرَاهُ كَيْفَ شَاءَ اھ

(۳) یا ان روایات کو مضمون نبی کے لئے پیرایہ بیان قرار دیا جائے، مثلاً قبر میں پہنچنے والی تکلیف اور راحت کو مختلف ملہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ نشانی ابھی ظاہر نہیں ہوئی، قیامت کے قریب ظاہر ہوگی، واقعی دھواں آسمان کو ڈھک لے گا، اور چالیس دن تک یہ کیفیت رہے گی۔ دیکھئے الدر المنثور آیت مذکورہ کی تفسیر ۱۲

ملہ ماشون: ماہگوں کا معرب ہے محدث عبد العزیز بن عبد الملک بن ابوسلمہ کے دادا ابوسلمہ بہت سرخ تھے، اس لئے ان کا یہ لقب ہو گیا تھا پھر یہ پورے خاندان کا لقب ہو گیا ۱۲

انداز سے سمجھایا گیا ہے کہ سوال و جواب ہوں گے کوئی صحیح جواب دے گا اور کوئی باہا کر کے رہ جائے گا، کسی کو قبر بھیجے گی تو کسی کے لئے ۷۰x۷۰ کسٹادہ کی جائے گی، کسی کے لئے جنت کی طرف درپے کھولا جائے گا تو کسی پر فرشتے گرز بجا میں گئے اور اس کو سانپ بچھو تو جیس گئے اور ڈسیں گے۔ یہ سب قبر میں پیش آنے والے رنج و راحت کو سمجھانے کے لئے ہیرا یہ بیان ہے اور بس۔

مگر شاہ صاحب کے نزدیک جو شخص صرف یہ تیسری توجیہ کرتا ہے وہ اہل حق میں سے نہیں، گمراہ ہے۔ باطل فرقتے انصوح کی اسی طرح تاویل کیا کرتے ہیں۔

والناظر فی هذه الأحادیث بین إحدى ثلاث:

[۱] إما أن يُقرَّ بظاهرها، فيضطرُّ إلى إثبات عالم، ذكرنا شأنه؛ وهذه هي التي تقتضيها قاعدة أهل الحديث؛ بَلَّه على ذلك الشَّوْطِي — رحمه الله تعالى — وبها أقول، وإليها أذهب.

[۲] أو يقول: إن هذه الوقائع تَنَزَّاهُ عن إحساس الرائي، وتمثل له في بصره، وإن لم تكن خارج حَسِّه؛ وقال بنظير ذلك عبد الله بن مسعود في قوله تعالى: ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾: إِنَّهُمْ أَصَابَهُمْ جَذْبٌ، فَكَانَ أَحَدُهُمْ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ، فَبَرَى كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجَوْعِ؛ وَيُذَكِّرُ عَنْ ابْنِ الْمَاجِشُونِ: أَنَّ كُلَّ حَدِيثٍ جَاءَ فِي النُّقْلِ وَالرُّوْيَةِ فِي الْمُحْشَرِّ، فَمَعْنَاهُ: أَنَّهُ يَغْيَرُ أَبْصَارَ خَلْقِهِ، فَبَرَوْنَهُ نَازِلًا مُتَجَلِّبًا، وَيَسْأَجِي خَلْقَهُ وَيُخَاطِبُهُمْ، وَهُوَ غَيْرُ مُتَغَيِّرٍ عَنْ عَظَمَتِهِ، وَلَا مُنْتَقِلٍ، لِيَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

[۳] أو يجعلها تمثيلًا لَتَفْهِيمٍ مَعْنَى أُخْرَى؛ وَلَسْتُ أَرَى الْمُقْتَصِرَ عَلَى الثَّلَاثَةِ مِنْ أَهْلِ الْحَقِّ.

ترجمہ: اور ان حدیثوں میں غور کرنے والا تین صورتوں میں سے کسی ایک کے درمیان ہے:

(۱) یا تو یہ کہ وہ ان احادیث کے ظاہر کا اقرار کرے، تو وہ مجبور ہوگا ایک ایسے عالم کو ثابت کرنے کی طرف جس کا حال ہم نے (باب کے شروع میں) ذکر کیا ہے۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جس کو محدثین کا قاعدہ چاہتا ہے، سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر تنبیہ کی ہے، اور اسی کا میں قائل ہوں اور اسی کی طرف میں جاتا ہوں۔

(۲) یا وہ یہ کہے کہ یہ واقعات دیکھنے والے کے حواس کو دکھتے ہیں، اور وہ دیکھنے والے کی نگاہ میں مشکل ہوتے ہیں، اگرچہ اس کے حواس سے باہر وہ واقعات موجود نہیں ہیں اور اسی قسم کی بات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائی ہے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ کی تفسیر میں کہ ان کو قحط سالی پہنچی، پس ان میں سے ایک شخص آسمان کی طرف دیکھتا تھا، پس وہ بھوک کی وجہ سے دھوئیں جیسا دیکھتا تھا۔ اور ابن الماجشون (تابعی) سے نقل

کیا جاتا ہے کہ ہر وہ حدیث جو وارد ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کے منتقل ہونے کے بارے میں اور میدان قیامت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بارے میں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی نگاہوں میں تہدیلی کر دیں گے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کو اترتا، تجلی فرماتا دیکھیں گے اور اللہ اپنی مخلوق سے سرگوشی فرمائیں گے اور ان سے بات چیت کریں گے دراصل ایک وہ اپنی عظمت سے نہیں بدلیں گے، نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوں گے۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

(۳) یا ان روایات کو پیرایہ بیان گردانے، دوسرے معانی کو سمجھانے کے لئے اور میں اس تیسری توجیہ پر اکتفا کرنے والے کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا۔

تصحیح: لفہم معانِ اُخری: مطبوعہ نسخہ میں لفہم الغ تھا، تصحیح مخطوط کراچی سے کی ہے۔



امام غزالی رحمہ اللہ کا تائیدی حوالہ

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء علوم الدین (۳: ۴۲۷) میں عذاب قبر کی بحث میں نصوص کی توجیہ کے یہ تین طریقے بیان کئے ہیں آپ نے پہلے قبر میں پہنچنے والی رنج و راحت کی روایات لکھی ہیں، پھر ارشاد فرمایا ہے کہ ان روایات کے ظاہری معنی درست ہیں اور ان میں مخفی راز ہیں، جو اہل بصیرت پر واضح ہیں، اس لئے عوام کی سمجھ میں اگر ان کی حقیقتیں نہ آئیں تو بھی ان کے ظاہری معنی کا انکار نہیں کرنا چاہئے، ایمان کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ ان کو مان لیا جائے۔

سوال: یہ روایات ہم کیسے مان لیں، یہ روایات تو مشاہدہ کے خلاف ہیں؟! بعض لاشیں عرصہ دراز تک کسی مصلحت سے محفوظ رکھی جاتی ہیں، ان کو دفن نہیں کیا جاتا، جمی کر کے ان کو رکھا جاتا ہے، یا سرد خانہ میں پڑی رہتی ہیں، مگر وہاں نہ تو کوئی سانپ ہوتا ہے، نہ بچھو، پھر ہم مشاہدہ کے خلاف عذاب قبر کی یہ روایات کیسے مان لیں؟! جواب: اس قسم کی روایات کو ماننے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت: جو زیادہ واضح، زیادہ صحیح اور زیادہ محفوظ ہے وہ یہ ہے کہ عذاب قبر کی تمام روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے، اور مان لیا جائے کہ یہ تمام معاملات قبر میں پیش آتے ہیں، گو ہمیں نظر نہیں آتے؟ اس لئے کہ ہماری یہ آنکھیں غزالی میں اختلاف ہے کہ لفظ زاء کی تشدید کے ساتھ غزالی ہے یا تخفیف کے ساتھ غزالی ہے؟ اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ سوت کا سنے کی طرف نسبت ہے تو تشدید کے ساتھ ہے، اس صورت میں یہ جہۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد طوسی رحمہ اللہ (۳۵۰-۵۰۵ھ = ۱۰۵۸-۱۱۱۱ء) کا خاندانی لقب ہے۔ خود امام صاحب نے سوت نہیں کا تا اور اگر یہ طوسی (امیران) کے قریب غزالی نامی گاؤں کی طرف نسبت ہے تو زاء کی تخفیف کے ساتھ ہے ۱۲

عالم مشاہدہ کی چیزوں کو دیکھنے کے لئے ہیں، دوسرے عالم کی چیزوں کا یہ آنکھیں مشاہدہ نہیں کر سکتیں، جیسے مجلس ذکر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور اہل مہفل کو گھیر لیتے ہیں، مگر وہ ہمیں نظر نہیں آتے، کیونکہ فرشتے دوسرے عالم کی مخلوق ہیں۔ اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضور ﷺ کے پاس تشریف لاتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو مانتے تھے، اگرچہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نہیں دیکھتے تھے اور وہ یہ بھی مانتے تھے کہ آنحضور ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نظر آ رہے ہیں۔

اور اگر کوئی اس بات کو جسے صحابہ مانتے تھے، نہیں مانتا تو اس کو اپنے ایمان کی خبر لینی چاہئے، اس کا وحی اور فرشتوں پر ایمان ہی صحیح نہیں، اور جو شخص اسے مانتا ہے اور یہ بات اس کے نزدیک ممکن ہے کہ آنحضور ﷺ کو وہ چیزیں نظر آئیں جو عام امت کو نظر نہ آئیں تو پھر عذاب قبر میں وہ یہ بات کیوں نہیں مانتا؟! غرض قبر میں جو عذاب ہوتا ہے اور جو راحتیں پہنچتی ہیں، وہ واقعی چیزیں ہیں، مگر وہ دوسری دنیا کی چیزیں ہیں، اس لئے وہ ہمیں نظر نہیں آتیں۔

دوسری صورت: قبر میں پیش آنے والے معاملات اگرچہ خارج میں موجود نہیں ہوتے مگر میت کو وہ محسوس ہوتے ہیں، جیسے خواب کا معاملہ ہے، کوئی خواب میں بادشاہ بنایا جاتا ہے، ٹھاٹھ سے حکومت کرتا ہے اور کوئی جیل میں پہنچایا جاتا ہے، پولیس والے اس پر ڈنڈے بجاتے ہیں، اور وہ بری طرح چلاتا ہے مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ خواب تھا حقیقت کچھ بھی نہیں تھی۔

مگر خواب کا خواب ہونا آنکھ کھلنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے، خواب (نیند) میں تو آدمی پیش آنے والے واقعات کو حقیقت سمجھتا ہے، اسی طرح قبر کا معاملہ ہے مگر قبر میں قیامت تک آنکھ نہیں کھلے گی، اس لئے وہ واقعات حقیقت ہی رہیں گے۔

غرض خواب میں جس طرح خواب دیکھنے والے کے دل و دماغ میں یہ کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے اور خارج میں اُن چیزوں کا جو نہیں ہوتا، اسی طرح عذاب قبر کا معاملہ ہے، اور جس طرح خواب دیکھنے والے کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو کچھ نظر نہیں آتا، اسی طرح زندوں کو میت کے پاس کچھ نظر نہیں آتا مگر میت کے احساس میں سب کچھ ہوتا ہے۔

تیسری صورت: عذاب قبر کی روایات کو ایک پیرایہ بیان قرار دیا جائے، ان روایات سے مقصود یہ مضمون سمجھنا ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں میت کس قسم کی تکالیف سے دوچار ہوتی ہے اور مقصود صرف پیرایہ بیان نہیں، بلکہ وہ حقیقت مقصود ہے جس کو سمجھانے کے لئے یہ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ جیسے سانپ کا کاٹنا اصل مقصود نہیں، بلکہ اس کے کاٹنے سے جو زہر بدن میں سرایت کرتا ہے وہ مقصود ہے۔ بلکہ زہر بھی اصل مقصود نہیں، مقصود وہ تکلیف ہے جو زہر کی وجہ سے محسوس ہوتی ہے، بعض لوگ اپنے بدن کو مختلف تدابیر سے ”زہرِ دُف“ بنالیتے ہیں، پھر وہ سانپ پالتے ہیں، ان کو اہل تو سانپ کاٹتے نہیں، اور کاٹیں تو ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، ان کے حق میں سانپ کا کاٹنا کاٹنا برا ہوتا ہے۔

اس کے بالمتقابل اگر کسی کو زہر کا انجکشن دیدیا جائے اور اس کو سانپ کے کاٹنے جیسی تکلیف ہو، تو یہ انجکشن دینا بھی سانپ کا کاٹنا ہے، اگرچہ اس کو سانپ نے نہیں کاٹا، مگر اس کو سمجھانے کے لئے سانپ کے کاٹنے، اور اڑاڑیوں کے ڈسنے اور نوچنے کا پیرایہ بیان اختیار کرنا ضروری ہوگا، جیسے ”جماع کی لذت“ سمجھانے کے لئے ”صحبت“ کا پیرایہ بیان اختیار کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح تمام ”اسباب“ مقصود نہیں ہوتے، مقصود ان کا ”نتیجہ“ ہوتا ہے، جیسے کھانے سے مقصود حکم سیری ہے اور پانی پینے سے مقصود سیرابی ہے اگر کوئی کھائے بغیر حکم میر ہو جائے یا پانی پیے بغیر سیراب ہو جائے یا صحبت کے بغیر اس کو لذت جماع حاصل ہو تو مقصود حاصل ہو گیا، اگرچہ صورت نہیں پائی گئی، صوم وصال کی حدیث میں ارشاد نبوی ہے ﴿إِنَّ رَبِّي يَطْعَمُنِي وَيَسْقِينِي﴾ اس میں یہی حقیقت سمجھائی گئی ہے۔ اسی طرح سانپوں کا کاٹنا جو سبب الم ہے وہ مقصود نہیں، مقصود اس کا نتیجہ ہے جو عذاب قبر کی صورت میں موجود ہے، گو صورت موجود نہیں۔

سوال: قبر میں جو رنج و راحت پہنچتی ہے، اس کا راز کیا ہے؟ یعنی اس کا سبب کیا ہے؟

جواب: انسان کی خوبیاں قبر میں راحتوں کی مختلف شکلیں اختیار کر لیتی ہیں، اور بری صفات: تباہ کن اور تکلیف دہ عذاب کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں پس دنیا میں اعمال صالحہ کر کے خوبیاں پیدا کر لی جائیں تاکہ وہ قبر میں راحتوں کا سبب بنیں۔ اور برے اعمال سے بچنا چاہئے تاکہ بری صفات پیدا نہ ہوں جو عذاب قبر کا سبب بن جائیں۔

وقد صور الإمام الغزالي في عذاب القبر تلك المقامات الثلاث، حيث قال:

أمثال هذه الأخبار لها ظاهرٌ صحيحٌ، وأسرارٌ خفيةٌ، ولكنها عند أرباب البصائر واضحة؛ فمن لم تنكشف له حقائقها فلا ينبغي أن ينكر ظواهرها، بل أقل درجات الإيمان: التسليم والتصديق.

فإن قلت: فنحن نُشاهد الكافر في قبره مدة، ونُراقبه، ولا نشاهد شيئاً من ذلك، فما وجه التصديق على خلاف المشاهدة؟

فاعلم أن لك ثلاث مقامات في التصديق بأمثال هذا:

أحدها— وهو الأظهر والأصح والأسلم — أن تُصدّق بأنها موجودة، وهي تلدغ الميت. ولكنك لا تشاهد ذلك، فإن هذه العين لا تصلح لمشاهدة الأمور المملوكة تبة، وكل ما يتعلق بالآخرة فهو من عالم المملوكات، أما ترى الصحابة — رضي الله عنهم — كيف كانوا يؤمنون بنزول جبريل عليه السلام وما كانوا يشاهدونه، ويؤمنون بأنه عليه السلام يشاهده؛ فإن كنت لاتؤمن بهذا فتصحح أصل الإيمان بالملائكة والوحي أهم عليك؛ وإن كنت آمنت به،

وَجَوَزْتُ أَنْ يَشَاهِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا تُشَاهِدُهُ الْأُمَّةُ، فَكَيْفَ لَا تَجُوزُ هَذَا فِي الْمَيِّتِ؟ وَكَمَا أَنَّ الْمَلَكَ لَا يُشَبِّهُ الْأَدَمِيَّينَ وَالْحَيَوَانَاتِ، فَالْحَيَاتُ وَالْعُقَابُ الَّتِي تُلْدَغُ فِي الْقَبْرِ لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ حَيَاتٍ عَالَمَنَا، بَلْ هِيَ جِنْسٌ آخَرٌ، وَتُدْرِكُ بِحَاسَةِ أُخْرَى، الْمَقَامِ الثَّانِي: أَنَّ تَدْنُجُ أَمْرَ النَّاتِمِ، وَأَنَّهُ قَدْ يَرَى فِي نَوْمِهِ حَيَةً تُلْدَغُهُ، وَهُوَ يَتَأَلَّمُ بِذَلِكَ، حَتَّى تَرَاهُ رِبْسًا يَصِيحُ وَيَعْرِقُ جَبِينَهُ، وَقَدْ يَزْعَجُ مِنْ مَكَانِهِ؛ كُلُّ ذَلِكَ يُدْرِكُهُ مِنْ نَفْسِهِ، وَيَتَأَذَى بِهِ كَمَا يَتَأَذَى الْيَقْظَانُ، وَهُوَ يَشَاهِدُهُ، وَأَنْتَ تَرَى ظَاهِرَهُ سَاكِنًا، وَلَا تَرَى حَوَالِيَهُ حَيَةً وَلَا عَقْرَبًا؛ وَالْحَيَةُ مُوجُودَةٌ فِي حَقِّهِ، وَالْعَذَابُ حَاصِلٌ، وَلَكِنَّهُ فِي حَقِّكَ غَيْرُ مُشَاهِدٍ؛ وَإِذَا كَانَ الْعَذَابُ فِي أَلَمِ اللَّدَغِ، فَلَا فَرْقَ بَيْنَ حَيَةٍ تَتَخِيلُ أَوْ تُشَاهِدُ

الْمَقَامِ الثَّلَاثِ: إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّ الْحَيَّةَ بِنَفْسِهَا لَا تُؤَلِّمُ، بَلِ الَّذِي يُلْقَاكَ مِنْهَا هُوَ أَلَمُ السَّمِّ؛ ثُمَّ السَّمُّ لَيْسَ هُوَ الْأَلَمُ، بَلِ عَذَابُكَ فِي الْأَثَرِ الَّذِي يَحْصُلُ فِيكَ مِنَ السَّمِّ، فَلَوْ حَصَلَ مِثْلُ ذَلِكَ الْأَثَرِ مِنْ غَيْرِ سَمِّ، لَكَانَ الْعَذَابُ قَدْ تَوَفَّرَ؛ وَكَانَ لَا يُمْكِنُ تَعْرِيفُ ذَلِكَ النَّوعِ مِنَ الْعَذَابِ إِلَّا بِأَن يُضَافَ إِلَى السَّبَبِ الَّذِي يُقْضَى إِلَيْهِ فِي الْعَادَةِ؛ فَإِنَّهُ لَوْ خُلِقَ فِي الْإِنْسَانِ لَذَةُ الْوَقَاعِ — مِثْلًا — مِنْ غَيْرِ مُبَاشَرَةٍ صُورَةِ الْوَقَاعِ، لَمْ يُمْكِنَ تَعْرِيفُهَا إِلَّا بِالْإِضَافَةِ إِلَيْهِ، لِتَكُونَ الْإِضَافَةُ لِلتَّعْرِيفِ بِالسَّبَبِ؛ وَتَكُونَ ثَمَرَةُ السَّبَبِ حَاصِلَةً، وَإِنْ لَمْ تَحْصُلْ صُورَةُ السَّبَبِ، وَالسَّبَبُ يُرَادُ لَثْمَتُهُ، لِأَلَذَّتِهِ، وَهَذِهِ الصِّفَاتُ الْمَهْلَكَاتُ تَنْقَلِبُ مَوْذِبَاتٍ وَمَوْلَمَاتٍ فِي النَّفْسِ عِنْدَ الْمَوْتِ، فَيَكُونُ آلَامُهَا كَأَلَامِ لَدَغِ الْحَيَاتِ مِنْ غَيْرِ وَجُودِهَا (انتهی)

ترجمہ: اور امام غزالی رحمہ اللہ نے عذاب قبر کے بیان میں ان تینوں موافق کو خوب کھول کر سمجھایا ہے، جہاں وہ فرماتے ہیں:

اس قسم کی روایتوں کے ظاہری صحیح معنی ہیں، اور مخفی راز ہیں مگر وہ ارباب بصیرت پر واضح ہیں، پس جس پر ان روایات کی حقیقت متکشف نہ ہو، اس کے لئے زیبا نہیں کہ وہ ان روایات کے ظاہری معنی کا انکار کرے، بلکہ ایمان کا کم سے کم درجہ تسلیم کرنا اور مان لینا ہے۔

پس اگر آپ پوچھیں کہ ہم ایک کافر کو مدت تک اس کی قبر میں دیکھتے ہیں، اور ہم اس کی گمراہی کرتے ہیں، اور ہم اُن چیزوں میں سے (جن کا روایات میں تذکرہ آیا ہے) کچھ بھی نہیں دیکھتے، پھر مشاہدہ کے خلاف ماننے کی کیا صورت ہے؟ تو آپ جان لیں کہ آپ کے لئے اس قسم کی روایتوں کے ماننے کی تین طریقے ہیں:

ان میں سے ایک — اور وہی واضح تر، صحیح تر، اور محفوظ تر ہے — یہ ہے کہ آپ مان لیں کہ وہ چیزیں موجود ہیں،

اور وہ میت کو ڈس رہی ہیں، مگر آپ کو وہ چیزیں نظر نہیں آ رہیں، کیونکہ یہ آنکھیں ”ملکوتی امور“ کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، اور ہر وہ چیز جو دار آخرت سے تعلق رکھتی ہے وہ عالم ملکوت کی چیز ہے۔ کیا آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح ایمان رکھتے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اترنے پر، حالانکہ وہ ان کو نہیں دیکھتے تھے، اور صحابہ یہ بھی مانتے تھے کہ آنحضور ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے ہیں۔ پس اگر تیرا اس پر ایمان نہیں ہے تو لانا کہہ دو اور وحی پر ایمان کی بنیاد کو صحیح کرنا تیرے لئے زیادہ اہم ہے (عذاب قبر کی بحث میں الجھنے سے) اور اگر تو اس پر ایمان رکھتا ہے اور اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ان باتوں کو دیکھیں، جن کو امت نہیں دیکھتی، تو پھر یہ بات میت کے حق میں کیوں جائز نہیں سمجھتا؟ اور جس طرح یہ بات ہے کہ فرشتہ انسان اور حیوان کے مشابہ نہیں، اسی طرح قبر میں جو سانپ اور کچھوڑوڑے ہیں وہ بھی ہماری دنیا کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں، بلکہ وہ اور جنس ہیں، اور ان کا ادراک اور حائے سے کیا جاتا ہے (حواس خمسہ سے ان کا ادراک نہیں کیا جاتا)

دوسرا مقام: یہ ہے کہ آپ سونے والے کا معاملہ سوچیں، اور یاد کریں کہ وہ خواب میں کبھی ایسے سانپ دیکھتا ہے جو اس کو ڈستے ہیں، اور وہ اس ڈسنے سے تکلیف اٹھاتا ہے حتیٰ کہ آپ دیکھیں گے کہ وہ کبھی چلاتا ہے، اس کی پشٹانی پسینہ آلود ہو جاتی ہے اور کبھی وہ اپنی جگہ سے گھبرا اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں سونے والا بذات خود محسوس کرتا ہے اور اس سے ویسی ہی تکلیف اٹھاتا ہے جیسی بیدار آدمی اٹھاتا ہے، اور وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے، اور آپ اس کے ظاہر کو پُر سکون دیکھتے ہیں اور آپ کو اس کے ارد گرد نہ کوئی سانپ نظر آتا ہے، نہ کوئی کچھو، حالانکہ سانپ اس کے حق میں موجود ہیں، اور اس کو عذاب ہو رہا ہے، مگر وہ آپ کے حق میں مشاہدہ (نظر آنے والا) نہیں ہے۔ اور جب سزا سانپ کے کاٹنے کی تکلیف میں ہے تو پھر خیالی سانپ میں اور نظر آنے والے میں کیا فرق ہے؟!

تیسرا مقام: یہ ہے کہ آپ جاننے ہیں کہ سانپ بذات خود تکلیف دہ نہیں، بلکہ تکلیف دہ وہ زہر ہے جو سانپ میں سے آپ سے ملاقات کرتا ہے، پھر زہر بھی تکلیف دہ نہیں، بلکہ تیری سزا اس اثر میں ہے جو زہر کی وجہ سے تیرے اندر پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر اس قسم کا اثر زہر کے بغیر پایا جائے تو سزا یقیناً کامل و مکمل ہوگی۔

چوتھا مقام: ہم اس سبب کی طرف منسوب کر کے جو عاقل اس سزا تک پہنچاتا ہے، مثلاً انسان میں ہمارے اختیار کے بغیر ہمارے اختیار کی لذت پیدا کی جائے تو اس کو سمجھنا ممکن نہیں، مگر ہمارے اختیار کی طرف منسوب ملہ آخرت فی الحال موجود ہے اور عام لوگ جو سمجھتے ہیں کہ آخرت، دنیا ختم ہونے کے بعد قائم ہوگی، یہ خیال صحیح نہیں، فی الحال

دو درموجود ہیں، ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہ وارد دنیا ہے اور فرشتے اور جنت و جہنم جس دار میں ہیں، وہ دار آخرت ہے ملہ ملکوت، فرشتوں سے تعلق رکھنے والے معاملات کو کہا جاتا ہے اور چونکہ فرشتوں کا تعلق دار آخرت سے ہے۔ اس لئے آخرت سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں ملکوتی کہلاتی ہیں ۱۲

کرنے کے ذریعہ (یعنی تنقیم کے لئے یہ چیز ایہ بیان اختیار کرنا پڑے گا) تاکہ یہ منسوب کرنا سبب کے ذریعہ بات سمجھانے کے لئے ہواور (اس صورت میں) سبب کا شمرہ موجود ہوگا، گو سبب کی صورت موجود نہ ہو۔ اور سبب شمرہ ہی کے لئے مقصود ہوتا ہے، فی نفسہ مقصود نہیں ہوتا۔

اور یہ تباہ کن صفات، نفس کے لئے موت کے وقت تکلیف دہ اور رنج دہ ہو جاتی ہیں، پس ان صفات کا تکلیف دینا سانیوں کے ڈسنے کی تکلیف رسانی کی طرح ہو جاتا ہے، سانیوں کے وجود کے بغیر (امام غزالی رحمہ اللہ کی بات پوری ہوئی) خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر کی روایات کو یا تو ظاہر پر محمول کیا جائے اور یہی سب سے بہتر صورت ہے، یا ان کو رانی یعنی میت کا احساس کہا جائے یا ان کو قبر کی رنج و راحت سمجھانے کا پیرایہ بیان قرار دیا جائے۔ یہی تین تو جہیں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے باب کے شروع میں مذکور روایات کی کی ہیں۔

نوٹ: امام غزالی رحمہ اللہ کی عبارت میں دو تصحیحات احیاء العلوم سے کی گئی ہیں: (۱) فسلو حصل حجة الله میں فاذا حصل تھا (۲) تنقلب مؤذبات و مؤلمات حجة الله میں تنقلب مہلکات مؤذبات و مؤلمات تھا۔



باب — ۳

مَلَأَ اَعْلٰی (مقرب فرشتوں) کا بیان

مَلَأَ اسم جمع ہے، اس کی جمع اَمْلَاءٌ ہے۔ مَلَأَ کے لغوی معنی ہیں بھرنا اور اصطلاح میں قوم کے سرداروں کو کہا جاتا ہے، کیونکہ قوم کا سردار جب میر محفل ہوتا ہے تو لوگوں کے دلوں کو بیعت و عظمت سے، اور آنکھوں کو اپنے حسن و جمال سے بھر دیتا ہے، کسی جمع میں جب کوئی عام آدمی آتا ہے تو کوئی اس کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، مگر جب کوئی اہم آدمی آتا ہے تو سارا مجمع جھٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا ہے۔

قرآن کریم میں فرعون کے قصہ میں یہ لفظ بار بار آیا ہے اور وہاں ”ارکان دولت“ مراد ہیں، اسی طرح انبیاء کی اقوام کے سرداروں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اور چونکہ یہ لفظ اسم جمع ہے اس لئے قوم کی جماعت اور اشراف قوم کے لئے مستعمل ہوتا ہے، ایک فرد کے لئے مستعمل نہیں ہوتا۔

قرآن کریم اور احادیث میں یہ لفظ فرشتوں کے لئے بھی آیا ہے۔ سورہ ص آیت ۶۹ میں اور ترمذی شریف کی ایک حدیث میں جس کو شاہ صاحب رحمہ اللہ ذکر فرمائیں گے، یہ لفظ عالم بالا کے معزز فرشتوں کے معنی میں آیا ہے، پس ملا اعلیٰ کے معنی ہیں ”عالم بالا کے معزز فرشتے“ اور ہر فرشتہ معزز ہوتا ہے پس یہ وصف صفت کا حصہ ہے اس کا مقابل ملا سفلی ہے،

اس کے معنی ہیں آسمانوں اور زمین کے چھوٹے درجے کے فرشتے، عالم زیریں کے فرشتے۔ شاہ صاحب آگے بتائیں گے کہ ملائکہ مقررین کے لئے یہ لفظ باہمی اجتماع کی وجہ سے استعمال کیا جاتا ہے جیسے مجلس شوریٰ، اور ایوان بالا وغیرہ۔

ملائکہ کا انسان سے خاص تعلق ہے، فرشتے انسان کی مصلحت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، آگے کتاب میں یہ مضمون تفصیل سے آ رہا ہے، یہ دنیا انسان کے فائدہ کے لئے انسان کے وجود سے بہت پہلے پیدا کر دی گئی تھی تاکہ جب انسان وجود میں آئے تو اس دنیا سے فائدہ اٹھائے۔ غرض دین کے اسرار و رموز جاننے کے لئے فرشتوں کے احوال سے اور ان کی ذمہ داریوں سے واقفیت ضروری ہے۔ حضرت شاہ رحمہ اللہ پہلے ایک آیت اور چند احادیث ذکر فرماتے ہیں، جن میں ملائکہ مقررین کے کاموں کا ذکر ہے، پھر ان نصوص کی روشنی میں بات آگے بڑھائیں گے۔

﴿باب: ذکر الملائکۃ﴾

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ، وَيُؤْمِنُونَ بِهِ، وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا، رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا، فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ، وَقِهِمْ عَذَابَ الْحَجِيمِ، رَبَّنَا وَآذْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَذْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ، وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ، إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ، وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ، وَمَنْ نَبِيَ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَاهُ، وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

ترجمہ: ملائکہ کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: جو فرشتے عرش الہی اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو فرشتے اس کے گرد و گرد ہیں (یہی ملائکہ ہیں) وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لئے استغفار کیا کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے (پس اہل ایمان پر درجہ اولیٰ رحمت ہوگی) سوائے ان لوگوں کو جنہیں دیکھتے و سمجھتے جنہوں نے توبہ نہ کر لی ہے اور آپ کے راستے پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اسے ہمارے پروردگار! اور ان کو ہمیشہ رہنے کے باغات میں داخل کیجئے، جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان کو بھی جوان کے ماں باپ، بیویوں اور اولاد میں سے اس کے لائق ہوں، بیشک آپ زبردست، حکمت والے ہیں۔ اور (قیامت کے دن) ان کو حکالیف سے بچائیے، اور جس کو آپ اس دن حکالیف سے بچالیں تو یقیناً آپ نے اس پر مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے (سورۃ المؤمن - ۹)

تفسیر: حالین عرش فرشتے اب چار ہیں، اور قیامت کے دن آٹھ ہوں گے (الحاقۃ آیت ۷۱) اور عرش کے گرد کتنے فرشتے ہیں، ان کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ ملائکہ اصطلاح میں ”گروہی“ کہے جاتے ہیں یہ سب عالم بالا کے مقرب فرشتے ہیں، اس آیت میں ان کا کام یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ ہر وقت تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔ نیز وہ ”مؤمنین

کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جب ملائکہ کی شان میں یفعلون ما یأمرون فرمایا گیا ہے تو ثابت ہوا کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہیں۔ مظرف بن عبد اللہ بن النخعی کہتے ہیں کہ اللہ کے بندوں میں سے مؤمنین کے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ فرشتے ہیں (معارف القرآن)



آگے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن سے ملائگی کے وجود اور ان کے کاموں پر روشنی پڑتی ہے پہلے وہ حدیثیں دی جاتی ہیں پھر ترجمہ کے ساتھ ضروری تشریح کر دی جائے گی۔

[۱] وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ﴿إِذَا قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ، ضَرَبَتْ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنَحِيهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ صَلَصةٌ عَلَى صُفْوَانٍ؛ فَإِذَا فُرِعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ، قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا:— لِلَّذِي قَالَ— الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾

[۲] وفي رواية: ﴿إِذَا قَضَى أَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ، ثُمَّ يَسْبَحُ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، حَتَّى يَبْلُغَ التَّسْبِيحُ أَهْلَ هَذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا، ثُمَّ قَالَ الَّذِينَ يَلُونُ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ فَيُخْبِرُونَهُمْ مَاذَا قَالَ، قَالَ: فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ أَهْلِ السَّمَاوَاتِ بَعْضًا، حَتَّى يَبْلُغَ الْخَبْرُ أَهْلَ هَذِهِ السَّمَاءِ﴾

[۳] وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ﴿إِنِّي قِمْتُ مِنَ اللَّيْلِ، فَتَوَضَّعْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قَدَّرَ لِي، فَتَعَسَّتُ فِي صَلَاتِي حَتَّى اسْتَقَلْتُ، فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! قُلْتُ: لِيكَ رَبِّ! قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ قُلْتُ: لَا أَدْرِي! قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ: فَرَأَيْتَهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيْ. حَتَّى وَجَدَتْ بَرْدَ أَنَا مَلَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ، وَعَرَفْتُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، قُلْتُ: لِيكَ رَبِّ! قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ قُلْتُ: فِي الْكُفَرَاتِ، قَالَ: وَمَا هُنَّ؟ قُلْتُ: مَشَى الْأَقْدَامُ إِلَى الْجَمَاعَاتِ، وَالْجُلُوسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ، وَإِسْبَاغُ الْوُضُوءِ حِينَ الْكُرْبَاهَاتِ، قَالَ: ثُمَّ فِيمَ؟ قَالَ: قُلْتُ: فِي الدَّرَجَاتِ، قَالَ: وَمَا هُنَّ؟ قُلْتُ: إِطْعَامُ الطَّعَامِ، وَلَبْسُ الْكَلَامِ، وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسِ نِيَامٌ﴾

[۴] وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ﴿إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَقَالَ: إِنِّي أَحِبُّ فُلَانًا فَاجِئْهُ، قَالَ: فَيُجِئُهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ ينادي فِي السَّمَاءِ، فيقول: إِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ فُلَانًا فَاجِئُوهُ، فَيُجِئُهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوَضِّعُ لَهُ الْقُبُولَ فِي الْأَرْضِ؛ وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ،

فَيَقُولُ: إِنِّي أَبْغَضُ فَلَانًا فَأَبْغَضُهُ، قَالَ: فَيَبْغِضُهُ جِبْرِئِيلُ، ثُمَّ يَنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ فَلَانًا فَأَبْغِضُوهُ، قَالَ: فَيَبْغِضُونَهُ، ثُمَّ يَوْضَعُ لَهُ الْبِغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ ﴿٥﴾
 [۵] وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿الْمَلَائِكَةُ يَصْلُونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، يَقْرَأُونَ: اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ! اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ! اللَّهُمَّ تُبَّ عَلَيْهِ! مَا لَمْ يُؤْذِ فِيهِ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ﴾
 [۶] وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا وَمَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكَ تَلْفًا﴾

ترجمہ: حدیث (۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی کام کا حکم فرماتے ہیں تو فرشتے اپنے پر راتے ہیں (یعنی ڈرتے اور کانپتے ہیں) حکم الہی کی ہیبت سے، اور اللہ کا وہ حکم گویا زنجیر ہے صاف پتھر پر (یعنی) صاف چکنے پتھر پر کوئی زنجیر کھینچی جائے تو اس کی سلسل آواز ہوتی ہے، اسی طرح اس حکم الہی کی آواز سنائی دیتی ہے) پھر جب ان فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ (بڑے فرشتوں سے) پوچھتے ہیں: تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں — اس حکم کے بارے میں جو اللہ نے دیا: — برحق فرمایا، اور وہ برتر و بالا ہیں! (یعنی حکم الہی بتانے کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم برحق ہے اور وہ برتر و بالا ہیں، پس وہ جو چاہیں حکم دیں) (یہ حدیث بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں ہے دیکھئے مشکوٰۃ باب الکہانہ ج ۲ ص ۴۶۰)

حدیث (۲) اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرماتے ہیں تو عرش برادر فرشتے قیام پڑھتے ہیں پھر اس آسمان والے فرشتے قیام پڑھتے ہیں جو عرش برادر فرشتوں سے متصل ہیں۔ یہاں تک کہ قیام کا یہ سلسلہ اس سماء دنیا تک پہنچتا ہے، پھر عرش برادر فرشتوں سے متصل فرشتے، عرش برادر فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا؟ پس وہ ان کو بتلاتے ہیں جو اللہ نے فرمایا آنحضور ﷺ نے فرمایا، پھر بعض آسمانوں والے بعض سے دریافت کرتے ہیں یہاں تک کہ اطلاع اس آسمان والوں تک پہنچ جاتی ہے (یہ حدیث ترمذی ۵۴۰۲ وغیرہ میں ہے)

حدیث (۳) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں رات میں اٹھا، وضو کیا، اور جتنا میرے نصیب میں تھا نماز پڑھی، پھر میں نماز میں اٹھنے لگا حتیٰ کہ میں بو جھل ہو گیا (یعنی اونگھ گھری ہو گئی) پس اچانک میں نے اپنے پروردگار کو بہترین صورت میں دیکھا۔ اللہ نے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کی: حاضر ہوں، اے میرے رب! اللہ نے دریافت کیا: ملا علی کس معاملہ میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: مجھے معلوم نہیں! — اللہ تعالیٰ نے یہ بات تین بار دریافت کی — آنحضور ﷺ نے فرمایا: پھر میں نے اللہ پاک کو دیکھا، اللہ نے اپنی جھلسلی میرے دونوں شانوں کے درمیان (پینچ پر) رکھی، یہاں تک کہ میں نے اللہ کے پوروں کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی، پس میرے لئے ہر چیز واضح ہو گئی (یعنی ملا علی کی پوری گفتگو واضح ہو گئی) اور میں نے جان لیا (کہ ملا علی کس مسئلہ میں گفتگو

کر رہے ہیں) پھر اللہ نے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں، اے میرے رب! اللہ نے دریافت کیا، کس بارے میں ملا اعلیٰ گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: گناہ منانے والے کاموں کے بارے میں، اللہ نے دریافت کیا: وہ کام کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا (۱) پیروں سے چل کر جماعت میں شریک ہونا (۲) نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھنا (۳) ناگواریوں کے وقت میں وضو، کامل کرنا، اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا: پھر کن باتوں میں؟ حضور نے فرمایا: میں نے عرض کیا: درجے بلند کرنے والے کاموں میں، اللہ تعالیٰ نے پوچھا: وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا: (۱) (مختا جوں کو) کھانا کھلانا (۲) (لوگوں سے) نرم بات کرنا (۳) اور رات میں (تہجد کی) نماز پڑھنا جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (یہ حدیث امام احمد، ترمذی، طبرانی، حاکم وغیرہ کی کتابوں میں ہے الدر المنثور ۵: ۱۳۹)

حدیث (۳) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آواز دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں پس آپ بھی اس سے محبت کریں، آنحضور ﷺ نے فرمایا: پس جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان میں صدا دیتے ہیں، پس کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں، پس تم بھی اس سے محبت کرو، پس اس سے آسمان والے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر رکھی جاتی ہے اس کے لئے قبولیت (محبت) زمین میں (یعنی جن وانس اس سے محبت کرنے لگتے ہیں) اور جب بغض رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی بندے سے تو جبرئیل کو پکارتے ہیں، پس فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے بغض رکھتا ہوں پس آپ بھی اس سے بغض رکھیں۔ حضور نے فرمایا: پس جبرئیل اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان والوں میں پکارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے بغض رکھتے ہیں پس تم بھی بغض رکھو، حضور نے فرمایا: پس آسمان والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کے لئے عداوت زمین میں رکھی جاتی ہے (یعنی جن وانس اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں رواہ مسلم مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ الخ حدیث ۵۰۰۵)

حدیث (۵) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے تم میں سے ایک کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ اپنی اس جگہ میں رہتا ہے، جس میں اس نے نماز پڑھی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ اس پر مہربانی فرما! اے اللہ! اس کی بخشش فرما! اے اللہ! اس کی طرف نظر عنایت فرما! جب تک وہ اس مجلس میں کسی کو ستاتا نہیں، جب تک وہ اس مجلس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کرتا (یعنی رنج خارج نہیں کرتا مشکوٰۃ باب المساجد حدیث ۷۰۲)

حدیث (۶) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی ایسا دن نہیں آتا جس میں بندے صبح کریں مگر (یعنی ہر صبح کو) دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! (تیری راہ میں) خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ روکنے والے کے مال کو تباہ فرما (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب الاتفاق الخ حدیث ۱۸۶۰)



ملا اعلیٰ کے سلسلہ میں سات باتیں

مذکورہ آیت اور احادیث کی روشنی میں جاننا چاہئے کہ اسلامی تعلیمات میں درج ذیل سات باتیں درجہ شہرت و پہنچی ہوئی ہیں:

① اللہ کے کچھ بندے — جو بڑے درجے کے مقرب فرشتے ہیں — برابر بھلے لوگوں کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں، اور بُرے لوگوں پر لعنتیں بھیجتے رہتے ہیں۔ اور بھلے لوگ وہ ہیں جو خود کو بھی سنوارتے ہیں اور دوسروں کو بھی سنوارنے کی محنت کرتے ہیں، اور بُرے لوگ وہ ہیں جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اور دنیا میں بگاڑ پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ملائکہ کی دعاؤں سے بھلے لوگوں پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں، اور ان کی بددعاؤں کے نتیجہ میں ایک طرف تو ان کے دلوں میں حسرت و ندامت پیدا ہوتی ہے، جس سے وہ تنگ گزران جیتے ہیں اور پریشان رہتے ہیں، دوسری طرح ملا سافل کے دلوں میں خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں کہ وہ اس شخص سے شدید نفرت کریں اور اس کے ساتھ بد معاہلی کریں، یا تو دنیا کی زندگی میں یا موت کے بعد۔

جتنے بُرے لوگ ہیں: زانی، شرابی، چور، ڈاکو، اگر ان کے دل چیر کر دیکھے جائیں تو ان میں پریشانیوں اور خود سے شدید نفرت کا لالہ ابھرتا ہوا ملے گا، وہ ہمیشہ اس الجھن میں رہتے ہیں کہ وہ کس معیشت میں پھنس گئے، مگر چارہ کار بھی نہیں ہوتا، وہ ان برائیوں سے نکل نہیں سکتے، یہ سب ملا اعلیٰ کی پینہ کار کا اثر ہے۔

ملا اعلیٰ کی لعنتوں کا دوسرا شرملا سافل پر پڑتا ہے، وہ اس شخص سے شدید نفرت کرنے لگتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ بدسلوکی کریں پھر اگر اسباب مانع نہیں ہوتے تو وہ شخص دنیا کی زندگی ہی میں بلاؤں اور آفتوں میں پھنسا دیا جاتا ہے اور اگر اسباب مانع ہوتے ہیں تو موت کے بعد وہ ملا سافل کی نفرتوں کا مزہ چکھتا ہے۔

② مقرب فرشتے اللہ اور بندوں کے درمیان وساطت کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اللہ کے پیغامات بندوں تک پہنچاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے وہ بددعا کام کریں یہ بات بندوں کی سکت سے باہر ہے ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ﴾ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے (شوری ۵۱) اس لئے اللہ تعالیٰ جب کوئی بات بندوں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ملائکہ مقررین کو سفیر بنا کر بھیجتے ہیں۔

③ ملا اعلیٰ لوگوں کے دلوں میں بھلائیاں ڈالتے ہیں، جیسے شیاطین لوگوں کے دلوں میں برائیاں ڈالتے ہیں یعنی ملا اعلیٰ لوگوں کے دلوں میں اچھائیاں پیدا ہونے کا سبب بنتے ہیں، بری یہ بات کہ وہ کیسے سبب بنتے ہیں؟ تو اس کی بہت سی شکلیں ہو سکتی ہیں کوئی ایک شکل متعین نہیں۔

④ مقرب فرشتوں کے باہمی اجتماعات ہوتے ہیں، وہ مل کر باہم مشورہ کرتے ہیں اور اہم امور طے کرتے ہیں، اوپر

فِيهِ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى والی روایت میں ایسے ہی ایک اجتماع کا ذکر ہے، جس میں کفار و درجہات طے کئے گئے ہیں۔ اور اسی اجتماع کے اعتبار سے ان کو ملا اعلیٰ (بڑے لوگوں کی جماعت، اکابر کا اجتماع) الرفیق الاعلیٰ (اوپر چڑھے درجے کے ساتھی بھائی) اور اندی الا علی (اوپر چڑھے درجہ کی انجمن) کہا جاتا ہے۔ جیسے مجلس شوریٰ نام ہے مشورہ کے لئے اکٹھا ہونے کے اعتبار سے، اور ایم پی نام ہے پارلیمنٹ میں شرکت کے اعتبار سے۔ ری یہ بات کہ یہ اجتماع کہاں ہوتا ہے؟ اور کب ہوتا ہے؟ اس کو اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں، جب اور جہاں وہ چاہتے ہیں مقررین بارگاہ اکٹھا ہوتے ہیں۔

(۵) ملا اعلیٰ (اکابر کی جماعت) میں صرف فرشتے ہی نہیں، اوپر چڑھے درجے کے انسان بھی ہیں جیسے انبیاء اور اولیاء: دنیا سے گذرنے کے بعد اس کے ممبر بن جاتے ہیں ﴿فَاذْخُلُوا فِي عِبَادِي﴾ (پس میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا) میں اسی شمولیت کی طرف اشارہ ہے اور اخضر ریلنگ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھا ہے، یہ ملا اعلیٰ کے ساتھ پرواز ہے۔

(۶) اللہ کا جو فیصلہ زمین میں نازل ہوتا ہے وہ پہلے ملا اعلیٰ کے پاس پہنچتا ہے، وہاں اس کی تفصیلات طے ہوتی ہیں پھر وہ کام معاملہ کار کنوں کو سپرد کیا جاتا ہے۔ سورۃ الدخان آیت ۴ میں ہے کہ ایک برکت والی رات میں ہر حکمت بھرا معاملہ اللہ کے حکم سے طے ہوتا ہے۔ یہ حکمت بھرا معاملہ شب قدر میں ملا اعلیٰ کے اجتماع میں طے ہوتا ہے۔

(۷) مختلف زمانوں میں جو شریعتیں نازل ہوئی ہیں، وہ بھی پہلے ملا اعلیٰ میں آکر ٹھہرتی ہیں، پھر وہاں سے انبیاء پر نازل ہوتی ہیں، جیسے بجلی گھر سے بجلی آکر پہلے پاور ہاؤس میں جمع ہوتی ہے، پھر وہاں سے سپلائی ہوتی ہے۔ روایات میں ہے کہ پورا قرآن یکبارگی شب قدر میں سمائے دنیا پر اتارا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال میں زمین پر اترا۔

اعلم أنه قد استفاض من الشرع:

[۱] أن لله تعالى عبادة هم أفاضل الملائكة، ومقرَّبوا الحضرة لا يزالون يدعون لمن أصلح نفسه وهديها، وسعي في إصلاح الناس، فيكون دعاؤهم ذلك سبب نزول البركات عليهم؛ ويلعنون من عصي الله، وسعي في الفساد، فيكون لعنهم سببا لوجود حسرة وندامة في نفس العامل، وإلهامات في صدور الملأ السافل: أن يَغضوا هذا المسعى، وَيَبْتَئُوا إليه: إما في الدنيا، أو حين يتخفف عنه جلابُ بدنه بالموت الطبيعي.

[۲] وأنهم يكونون سُفراء بين الله وبين عباده.

[۳] وأنهم يُلهمون في قلوب بني آدم خيرا؛ أي يكونون أسبابا لحدوث خواطر الخير فيهم، بوجه من وجوه السببية.

[۴] وأن لهم اجتماعات، كيف شاء الله، وحيث شاء الله، يُعبرُ عنهم باعتبار ذلك بالرفيق

الأعلى، والندى الأعلى، والملا الأعلى.

[۵] وأن لأرواح أفاضل آدميين دخولاً فيهم، ولحوقاً بهم، كما قال الله تعالى: ﴿بِأَيُّهَا الشُّفُوسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي، وَادْخُلِي جَنَّاتِي﴾ وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ﴿رَأَيْتُ جَعْفَرَ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مُلْكًا يَطِيرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ بِجُحَّاحِينَ﴾

[۶] وأن هنالك ينزل القضاء، ويتعين الأمر المشار إليه بقوله تعالى: ﴿فِيهَا يُقَرَّبُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾

[۷] وأن هنالك تنقرر الشرائع بوجه من الوجوه.

ترجمہ: جان لیجئے کہ شریعت میں درجہ شہرت تک پہنچی ہوئی ہے یہ بات کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص بندے ہیں۔ وہ اونچے درجے کے بارگاہ خداوندی میں مقرب فرشتے ہیں۔ وہ برابر ان شخص کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں جس نے اپنی اصلاح کر لی اور خود کو سنوار لیا اور وہ لوگوں کو سنوارنے کی بھی منت کرتا ہے، پس ان کی وہ دعائیں اُس پر نزولِ برکات کا سبب بنتی ہیں؛ اور لعنت بھیجتے رہتے ہیں اس پر جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اور پگاڑ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس ان کی بد دعائیں ہدکار کے دل میں حسرت و ندامت پیدا ہونے کا سبب بنتی ہیں، اور مسافروں کے سینوں میں الہام کا سبب بنتی ہیں کہ وہ اس ہدکار سے شدید نفرت کریں اور اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کریں۔ خواہ دنیا میں یا جب طبعی موت سے اس سے اس کے بدن کی چادر ہلکی پڑ جائے۔

(۲) اور یہ بات کہ وہ حضرات اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان سفیر (واسطہ) ہوتے ہیں۔

(۳) اور یہ بات کہ وہ حضرات انسانوں کے دل میں خیر کی بات ڈالتے ہیں، یعنی وہ حضرات لوگوں میں اچھے خیالات کے پیدا ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ سمیت کی مختلف شکلوں میں سے کسی شکل کے ذریعہ۔

(۴) اور یہ بات کہ ان حضرات کے اجتماعات ہوتے ہیں، جس طرح اللہ چاہتے ہیں اور جہاں اللہ چاہتے ہیں، ان حضرات کو اس اجتماع کے اعتبار سے الوفیق الاعلیٰ (اونچے درجے کے ساتھی بھائی) الندی الاعلیٰ (مجلس بالا) اور الملا الاعلیٰ (اکابرین کی جماعت) کہا جاتا ہے۔

(۵) اور یہ بات کہ بڑے درجے کے انسانوں کی ارواح کے لئے اُن میں شمولیت ہے، اور اُن کے ساتھ ملتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کی طرف چل، خوش خوش، اور وہ بھی تجھ سے خوش خوش، پھر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا“ (انفجر ۲۷-۳۰) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جعفر طیار کو فرشتہ کی شکل میں جنت میں فرشتوں کے ساتھ دو پروں سے اڑتے دیکھا

(ترمذی و حاکم و قال: صحیح فیض اللہ ۸۰۴)

(۶) اور یہ بات کہ وہاں فیصلہ بخداوندی اترتا ہے اور وہاں وہ معاملہ طے پاتا ہے جس کی طرف اشارہ اللہ کے اس ارشاد میں ہے کہ ”اس بابر کت رات (شب قدر) میں ہر حکمت بھر معاملہ طے کیا جاتا ہے“ (الدخان ۴)

(۷) اور یہ بات کہ وہاں شریعتیں ثابت ہوتی ہیں، تقرر کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ذریعہ۔

تشریح:

”جب ہلکی پڑ جاتی ہے اس سے اس کے بدن کی چار طبعی موت کے ذریعہ، یعنی انسان مر جاتا ہے۔ موت کے لئے شاہ صاحب یہ تعبیر اختیار فرماتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان درحقیقت روح کا نام ہے، بدن صرف لبادہ ہے جو روح نے اس عالم اجساد میں اوڑھ لیا ہے، ورنہ وہ عالم ارواح میں عبد الست سے اس دنیا میں آنے تک موجود تھا، اور مرنے کے بعد بھی عالم برزخ میں اس جسم کے بغیر موجود رہتا ہے اور اس عالم اجساد میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی حادثہ میں ہاتھ یا پیر کٹ جاتا ہے اور جسم آوصارہ جاتا ہے تاہم آدمی پورا موجود رہتا ہے اور موت کے بعد لاش رکھی ہوئی ہوتی ہے اور آدمی گزر جاتا ہے، یہ سب اس بات کے واضح قرائن ہیں کہ انسان درحقیقت روح کا نام ہے مگر انسان جب تک عالم اجساد میں ہے، جسم کا لبادہ اوڑھنے کی وجہ سے کچھ احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔

اور ”موت طبعی“ استرازا ہے مَوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا والی روایت سے یعنی انسان زندہ ہوتے ہوئے نفس کو مار دے۔ یہ موت مرانہیں، بلکہ حقیقی موت مراد ہے۔ اور مَوْتُوْا الْخِصْوَفِ کا کلام ہے، حدیث نہیں (کشف الخفا، ۲، ۳۸۳)

اور ہلکی پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد روح کا بدن سے بالکل یہ تعلق منقطع نہیں ہوتا، نسمہ کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے جس کی تفصیل آگے موت کے بیان میں آئے گی۔

لغات:

استفاض الخبر: پھیلتا فَاَضَ (ض) قِيَصًا: کثرت سے ہونا..... قولہ: الہامات کا عطف وجود پر ہے.....
التَّذْيِىْۃُ الْاَلَدِيَّةُ اور التَّذْيِىْۃُ تَمِجْ اَلَدِيَّةُ اور تَوَاد: مجلس جب تک کہ لوگ اس میں موجود ہیں، نَدَا يَنْدُوْا قَدْوَا الْقَوْمُ: جمع ہونا، مجلس میں حاضر ہونا الندوة جماعت، مجلس..... نَقَرُوْا نَقْرًا: بٹھہرنا۔



ملا اعلیٰ میں تین قسم کے نفوس شامل ہیں

ملا اعلیٰ تین قسم کے نفوس سے تشکیل پاتا ہے یعنی تین قسم کے نفوس اس میں شامل ہیں:

۱۔ نورانی فرشتے: علم الہی میں یہ بات تھی کہ انسان کی مصلحت ملائکہ کے وجود پر موقوف ہے، چنانچہ انسان کو وجود بخشنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا فرمایا، تاکہ جب انسان پیدا ہو تو ملائکہ کے ذریعہ اس کی مصلحت کی تکمیل ہو،

یہ ملائکہ دو قسم کے ہیں۔ نوری اور عنصری یا عرشی اور فرشی:

نوری فرشتے: وہ ہیں جن کے اجسام نور سے بنا کر ان میں اعلیٰ درجہ کی ارواح پھونکی گئی ہیں، یہ نورانی نفوسِ مَآ اعلیٰ ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور گاہے وہ زمین پر بھی اترتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح کوئی بڑا مہمان آنے والا ہوتا ہے تو پہلے سے ساز و سامان اور تیاری کی جاتی ہے، اسی طرح قدرت الہی نے انسان کی ضرورت اور حاجت کے لئے ملائکہ کو ہزاروں سال پہلے پیدا کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ زمین میں نظامِ خیر کے لئے ان فرشتوں کا وجود ضروری ہے اور نورانی اجسام کو شاہِ صاحب نے ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو طور پر جو آگ نظر آئی تھی وہ آگ نہیں تھی، بلکہ تجلی تھی، نور تھا، جو آگ کی صورت میں نظر آتا تھا، یعنی اس نور نے جسم کی شکل اختیار کی تھی جس کی وجہ سے وہ نظر آنے لگا تھا۔

۲۔ اعلیٰ درجے کے عنصری فرشتے: جن کے اجسام نور سے نہیں، بلکہ عناصرِ اربعہ کے بخار (بھاپ) سے بنائے گئے ہیں پھر جب عناصر کے لطیف بخار سے وہ اجسام تیار ہو گئے تو ان میں بہترین ارواح پھونکی گئیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح عناصرِ اربعہ سے مادرِ شکم میں ہمارے اجسام تیار ہوتے ہیں اور ان میں روح پھونکی جاتی ہے، جس سے انسان موجود ہو جاتا ہے، اسی طرح نوری فرشتوں کے اجسام جب نور سے تیار ہوتے ہیں تو ان میں ارواح پھونکی جاتی ہیں، پس وہ ملائکہ، جو پذیر ہو جاتے ہیں، اسی طرح عناصرِ اربعہ سے جو بخارات اٹھتے ہیں، جب ان کا آمیزہ تیار ہوتا ہے یعنی ان عناصر کا باہمی تضاد اور متخالف ختم ہو جاتا ہے اور ان میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے، جس کا نام ”مزاج“ ہے، تو اللہ اس مزاج میں اعلیٰ درجہ کی روح پھونکتے ہیں، یہی مزاج ان کے اجسام ہوتے ہیں اور یہ عنصری فرشتے کہلاتے ہیں۔ یہ فرشتے کبھی گندگیوں سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی قسم اول میں تو گندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ نورانی نفوس ہیں مگر اس دوسری قسم کے فرشتوں میں اس کا احتمال تھا اس لئے وضاحت کی کہ عناصر کے لطیف بخارات سے پیدا ہونے کے باوجود وہ کبھی گندگیوں سے پاک ہوتے ہیں۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ انسان عناصرِ اربعہ سے پیدا ہوا ہے، مگر اس میں خاک کا غلبہ ہے، اس لئے وہ خاکِ مخلوق کہلاتا ہے۔ سورۃ المؤمنون آیت ۱۲ میں ہے کہ:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ

اور جنات بھی عناصرِ اربعہ سے پیدا کئے گئے ہیں، مگر ان میں آگ کا غلبہ ہے، اس لئے وہ ناری مخلوق کہلاتے ہیں، سورۃ الرحمن آیت ۱۵ میں ہے کہ جان (جنات کے جدا احمد) کو اللہ نے ایک آمیزہ سے، آگ سے پیدا کیا ہے۔

۳۔ موج کے معنی میں اشتقاق کا مفہوم ہے۔ آگے آیت ہے مَوْجِ الْبُخْرَيْنِ اور مَوْجِ الشَّيْءِ بالشَّيْءِ کے معنی ہیں مَآ اعلیٰ، پس من مَآ ج کے معنی ہیں آمیزہ سے یہ آمیزہ عناصرِ اربعہ کا ہے اور من مَآ ج کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غالب عنصر آگ کا ہے ۱۲

اور فرشتی ملائکہ بھی عناصرِ ربیعہ سے پیدا کئے گئے ہیں، مگر وہ براہِ راست عناصرِ ربیعہ سے نہیں پیدا کئے گئے، نہ ان میں کسی خاص عنصر کا غلبہ ہے، بلکہ چاروں عناصر سے جو لطیف بخار اٹھتا ہے، باہم ملنے کے بعد جب اتفاقاً ان میں مزاج پیدا ہو جاتا ہے تو ان میں اعلیٰ درجہ کی ارواح پھونک دی جاتی ہے، جو فرشتی ملائکہ، ملائسافل اور رجال الغیب کہلاتے ہیں۔ ان کو رجال اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اجسام عناصرِ ربیعہ کے لطیف بخار سے بنے ہیں، جس طرح انسان کے اجسام براہِ راست عناصرِ ربیعہ سے بنتے ہیں، اور غیب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عام طور پر نظر نہیں آتے، کیونکہ عناصرِ ربیعہ تو نظر آتے ہیں، مگر ان کی بھاپ نظر نہیں آتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی، جس عبد صالح (خضر) سے ملاقات اور ہم رکابی ہوئی تھی، وہ فرشتوں کی اسی قسم سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ کوئی انسان نہیں تھے، تفصیل کے لئے میری تفسیر ہدایت القرآن ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ اعلیٰ درجہ کے انسانی نفوس: یعنی اونچے درجہ کے انسان، جیسے انبیاء اور اولیاء جو دنیا میں صلاحیتوں کے لحاظ سے ملاءِ اعلیٰ کے لگ بھگ ہوتے ہیں، اور وہ دنیا میں ایسے کام کرتے رہتے ہیں جو آخرت میں نجات بخش اور ملاءِ اعلیٰ سے ملانے والے ہوتے ہیں، جب وہ اس دنیا سے گزر جاتے ہیں تو ان کی ارواح کو ملاءِ اعلیٰ میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ میں نے طالس علی کے زمانہ میں اساتذہ سے ایک خواب سنا ہے۔ کسی نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ عرش الہی کا پایہ پکڑ کر دعا کر رہے ہیں: ”اللہ! ہندوستان سے انگریز کو نکال دے“ یہ گو خواب ہے مگر اذقیل بمشرات ہے، اس لئے اس سے مسئلہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

واعلم ان الملاء الاعلیٰ ثلاثۃ اقسام:

[۱] قسمٌ علم الحق ان نظام الخیر یتوقف علیہم؛ فخلق اجساماً نوریۃ، بمنزلۃ نار موسیٰ،

فتفخ فیہا نفوسا کریمۃ.

[۲] وفسمُ اتفق حدوث مزاج فی البخارات اللطیفۃ من العناصر، استوجب فیضان نفوس

شاہقۃ، شدیدۃ الرّفص للؤلؤ البہیمۃ.

[۳] وفسمُ ہم نفوس إنسانیۃ، قریۃ الماخذ من الملاء الاعلیٰ؛ ما زالت تعمل اعمالاً منجیۃ،

تفید اللحوق بہم، حتی طرحت عنہا جلابیب ابدانہا، فانسلکت فی سلبکھم، وعُدّت منہم.

ترجمہ: اور جان لیجئے کہ ملاءِ اعلیٰ تین قسموں پر ہیں:

پہلی قسم: حق تعالیٰ نے جانا کہ خیر کا نظام ان (ملاءِ اعلیٰ) پر موقوف ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نورانی اجسام پیدا کئے

جیسے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو نظر آنے والی آگ، پھر اللہ نے ان نورانی اجسام میں اعلیٰ درجہ کی ارواح پھونکی۔

اور دوسری قسم: عناصر اربعہ کے لطیف بخارات میں اتفاقاً مزاج پیدا ہو گیا، جس نے اونچے درجے کی ارواح کے فیضان کو واجب جانا (یعنی ضروری قرار دیا، لازم سمجھا) جو بہت زیادہ چھوڑنے والی ہیں یہی گندگیوں کو۔ اور تیسری قسم: وہ انسانی ارواح ہیں، جو صلاحیتوں کے اعتبار سے ملا اعلیٰ کے لگ بھگ ہوتی ہیں۔ وہ لوگ برابر ایسے کام کرتے رہتے ہیں کہ جو آخرت میں نجات بخشنے والے اور ملا اعلیٰ کے ساتھ ملنے کا فائدہ دینے والے ہیں، یہاں تک کہ جب ان نفوس سے ان کے اجسام کی چادریں پھینک دی جاتی ہیں تو وہ ملا اعلیٰ کی لڑی میں منسلک ہو جاتے ہیں اور ان میں شمار ہونے لگتے ہیں۔

لغات: استوجب الشيء: مستحق ہونا، واجب و لازم جانا۔ شقيق (فرض) شہوفا الجبل: بلند و نا الماخذ: لینے کا راستہ یا طریقہ یا وقت یا وہ جگہ جہاں سے کوئی چیز لی جائے۔ محاورہ میں: معنی صلاحیت جمع مآخذ: منسلک: بار کا دھاگا۔

تشریح: (۱) شاید عبارت میں علیٰ رہ گیا ہے اصل عبارت ان الملاء الاعلیٰ علی ثلاثة اقسام ہونی چاہئے مگر علی کے بغیر بھی عبارت صحیح ہے۔

(۲) نفید الخ اعمالا کی صفت ثانیہ ہے۔

(۳) استوجب کا مطلب یہ ہے کہ جب عناصر کے لطیف بخارات میں ایک خاص قسم کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ایسے نفوس کے فیضان کو واجب کر لیتا ہے یعنی ان کا فیضان ضروری ہو جاتا ہے، جو بلند رتبہ اور حیوانی گندگیوں سے نہایت بیزار ہوں۔



ملا اعلیٰ کے تین کارنامے

ملا اعلیٰ کے درج ذیل تین کام ہیں:

اول: وہ پوری توجہ سے اللہ پاک کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اور وہ توجہ اتنی گہری ہوتی ہے کہ کسی بھی چیز کی طرف التفات اس توجہ میں خلل نہیں ڈالتا۔ باب کے شروع میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس میں ارشاد ہے کہ حاملین عرش اور جو فرشتے ان کے ارد گرد ہیں وہ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح و تہلیل میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کے یقین میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ زبان سے بالفعل خواہ تسبیح میں مشغول ہوں، یا کسی اور کام میں، ان کی توجہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی ہے وہ ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔

دوم: زمین میں جو نظام چل رہے ہیں ان میں سے کونسا نظام اللہ کو پسند ہے اور کونسا ناپسند، اس کا علم ملا اعلیٰ کو اللہ کی طرف سے دیدیا جاتا ہے، جیسے ایمان اور اعمال صالحہ کا نظام اللہ کو پسند ہے ﴿وَأَن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ اور کفر اور کفار کا طریقہ اللہ کو ناپسند ہے ﴿وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ اور جب ملا اعلیٰ کو یہ علم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ نظام صالح کے لئے دعائیں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دنیا میں خیرات و برکات اور آخرت میں بخشش کا اتقاق پیدا ہوتا ہے۔ یہ نیک وعائیں اللہ کے دریائے کرم کو جو جزن کرتی ہیں اور نظام صالح والے نہال ہو جاتے ہیں۔ مذکورہ آیت میں ﴿يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ میں اسی کا بیان ہے۔

اسی طرح ملا اعلیٰ نظام طالح کے لئے بد دعائیں کرتے ہیں، ان پر لعنتیں بھیجتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ دنیا میں یا آخرت میں مصائب و آلام سے دوچار ہوتے ہیں اور ان پر غضب الہی نازل ہوتا ہے۔
سوم: ملائکہ میں جو اونچے درجے کے فرشتے ہیں، ان کے انوار اس روح اعظم کے پاس جمع ہوتے ہیں، جس کے بے شمار منہ ہیں اور وہ بہت سی زبانیں بولتی ہے، ملائکہ کے انوار وہاں جمع ہو کر شی واحد بن جاتے ہیں جس کا نام حظیرۃ القدس (بارگاہ مقدس) ہے۔

حظیرہ کے معنی ہیں باڑہ، گھر کا صحن، مکان کے آگے کی وہ جگہ جہاں مسافر آتے وقت سامان رکھتا ہے اور قدس کے معنی ہیں پاکیزہ، پس حظیرۃ القدس کے معنی ہیں پاکیزہ باڑہ۔ اردو میں اسی کو در بار اور بارگاہ عالی کہتے ہیں اور کبھی در بار اور بارگاہ عالی بول کر اللہ کی ذات کو بھی مراد لیتے ہیں۔

مسنود احمد (۵: ۲۵۷) میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت ہے، اس کا ایک جزء یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے خوف سے شراب چھوڑ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی عزت کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ ان کو حظیرۃ القدس سے سیراب کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ حظیرۃ القدس کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ روح اعظم کے پاس جس کے بہت سے منہ اور بہت سی زبانیں ہیں، جب افضل ملائکہ کے انوار وہاں پہنچ کر اکٹھا ہوتے ہیں اور شی واحد بن جاتے ہیں تو اس کو حظیرۃ القدس کہتے ہیں۔ مگر یہ روح اعظم والی مرفوع روایت تو مجھے ملی نہیں۔ البتہ الدر المنثور (۳: ۲۰۰) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے، جس کے ستر ہزار (یعنی بہت سے) منہ ہیں، اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں، اور ہر زبان ستر ہزار بھاشائیں بولتی ہیں وہ فرشتہ ان تمام زبانوں سے خدا کی تسبیح کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتے ہیں جو قیامت کے دن تک فرشتوں کے ساتھ اڑتا رہتا ہے۔

مکرر روح المعانی (۱۵: ۱۵۲) میں ہے وَتُغْفَبُ هَذَابَانَهُ لَا يَصِحُّ عَنْ عَلَى حُزْمِ اللَّهِ وَجْهَهُ، وَطَعَنَ الْإِمَامُ لُحْيَ ذَلِكَ بِمَا طَعَنَ (اور اس روایت پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اور امام رازی رحمہ اللہ نے اس پر جو اعتراض کئے ہیں وہ کئے ہیں) امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر (۲۱: ۲۹) میں اس پر تین اعتراض

کئے ہیں۔ اس حدیث کی اسناد کیسی ہے؟ یہ بھی معلوم نہیں، کیونکہ یہ روایت غیر معروف کتابوں میں ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس راویات بیان نہیں کرتے تھے، اس لئے اس روایت کو شاہ صاحب نے غالباً حکماً مرفوع مانا ہے مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علوم و کوششوں نے برباد کر دیا ہے، خود ساختہ روایتیں ان کے نام سے چاڑی ہیں، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہر روایت کی اسناد کی تحقیق ضروری ہے۔

غرض خلیفۃ القدس کی حقیقت جو بھی ہو، کبھی اُس بارگاہِ عالی میں یہ سٹے پاتا ہے کہ دنیا میں لوگوں کو دینی اور دنیوی تباہی سے بچانے کے لئے کوئی تدبیر کرنی چاہئے، چنانچہ اس وقت زمین میں جو لوگ موجود ہوتے ہیں ان میں سے بہترین شخص کو اس کام کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور اس کا آوازہ پھیلا یا جاتا ہے اور اس کا معاملہ لوگوں میں چلایا جاتا ہے۔ اور اُس اجماع کی وجہ سے تین باتیں وجود میں آتی ہیں:

(۱) جن لوگوں میں صلاحیت ہوتی ہے ان کے دلوں میں الہام کیا جاتا ہے کہ وہ اُس شخصیت کی پیروی کریں اور اس کے ساتھ چل کر ایک ایسی جماعت بنیں جو لوگوں کے فائدہ کے لئے کام کرے۔

(۲) اس شخصیت کے دل میں وحی سے یا خواب سے یا نبی آواز سے ایسے علوم متحمل ہوتے ہیں، جن میں قوم کی بھلائی اور راہِ تمائی ہوتی ہے اور کبھی ملائکہ اس شخصیت کو نظر بھی آتے ہیں، اور اس سے زور و روایت کرتے ہیں۔

(۳) اس شخصیت کے فحمن کی مدد کی جاتی ہے اور ان کو ہر خیر سے قریب کیا جاتا ہے اور جو لوگ راہِ خدا سے روکتے ہیں ان پر لعنت کی جاتی ہے اور ان کو ہر تکلیف سے قریب کیا جاتا ہے۔

اور یہ نبوت کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے یعنی نبوت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے پھر اس کا عالمہ بڑھتا جاتا ہے اور خلیفۃ القدس کا اجماع مستمر (مسلل اتفاق) روح القدس کی تائید کہلاتا ہے اور اس اجماع کی وجہ سے ایسی ایسی برکات وجود میں آتی ہیں جو عام طور پر نہیں پائی جاتیں، یہی برکات معجزات کہلاتی ہیں۔

وَالْمَلَأُ الْعَالِي : شَأْنُهَا :

[۱] أَنَهَا تَنْوَجُهُ إِلَى بَارِنِهَا تَوْجُّهًا مُنْعِنًا لَا يَصُدُّهَا عَنْ ذَلِكَ النَّفَاتُ إِلَى شَيْءٍ؛ وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِهِ

تَعَالَى: ﴿يَسْبَحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ، وَيُؤْمِنُونَ بِهِ﴾

[۲] وَتَتَلَقَّى مِنْ رَبِّهَا اسْتِخْسَانِ النِّظَامِ الصَّالِحِ، وَاسْتِهْجَانِ خِلَافِهِ، فَيَقْرَعُ ذَلِكَ بَابًا مِنْ أَبْوَابِ

الْجُودِ الْإِلَهِيِّ؛ وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾

[۳] وَأَفَاضْلُهُمْ تَجَمُّعُ أَنْوَارِهِمْ، وَتَدَاخُلُ فِيمَا بَيْنَهَا، عِنْدَ الرُّوحِ الَّذِي وَصَفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَثَرِ الْوَجْهِ وَالْأَلْسِنَةِ؛ فَتَصِيرُ هُنَالِكَ كَشَيْءٍ وَاحِدٍ، وَتُسَمَّى حَظِيرَةُ الْقُدُسِ،

وَرَبَّمَا حَصَلَ فِي حَظِيرَةِ الْقُدُسِ إِجْمَاعٌ عَلَى إِقَامَةِ حِيلَةٍ لِنَجَاتِ بَنِي آدَمَ مِنَ الدَّوَاهِي الْمَعَاشِيَةِ

والمعادية، بتكميل أركي خلق الله يومئذ، وتمشية أمره في الناس، فيوجب ذلك الإلهامات في قلوب المستعدين من الناس: أن يتبعوه، ويكونوا أمةً أخرجت للناس؛ ويوجب تمثيل علوم — فيها صلاح القوم وهداهم — في قلبه وحيًا، ورؤيًا، وحنفًا، وأن تتراءى له، فتكلمه شفاهًا، ويوجب نصر أحبائه، وتقريبهم من كل خير، ولعن من صد عن سبيل الله، وتقريبهم من كل ألم.

وهذا أصل من أصول النبوة، ويسمى إجماعهم المستبصر بتأييد روح القدس، وتضمن هنالك بركات لم تعهد في العادة، فتسمى بالمعجزات.

ترجمہ: اور ملا اعلیٰ کا کام:

- (۱) یہ ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ رہتے ہیں، ایسی گہری توجہ کے ساتھ کہ کسی بھی چیز کی طرف التفات ملا اعلیٰ کو اس توجہ سے نہیں روکتا اور یہی مطلب ہے ارشاد باری تعالیٰ ﴿يَسْبُحُونَ﴾ الآية کا۔
- (۲) اور وہ اپنے رب کی طرف سے نظام صالح کی پسندیدگی حاصل کرتے ہیں، اور اس کے برخلاف کی ناپسندیدگی (یعنی یہ علم ان کو القا کیا جاتا ہے) پس یہ القا جو الہی کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھلکھاتا ہے، اور یہی مطلب ہے ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ﴾ کا۔
- (۳) اور افاضل ملائکہ کے انوار اکٹھا ہوتے ہیں، اور وہ آپس میں مکمل مل جاتے ہیں، اس روح کے پاس جس کو متصف کیا ہے نبی کریم ﷺ نے بہت سے مہبوں اور زبانوں کے ساتھ، پس وہ انوار وہاں شئی واحد بن جاتے ہیں، اور وہ انوار خلیق القدس کہلاتے ہیں۔

اور کبھی حظیرۃ القدس میں اجماع (اتفاق) ہوتا ہے انسانوں کو اخروی اور دنیوی تباہیوں سے بچانے کے لئے کسی تدبیر کرنے کے ذریعہ: اس زمانہ میں مخلوق میں جو سب سے زیادہ ستر شخص ہوتا ہے اس کی تکمیل کرنے، اور لوگوں میں اس کا عاملہ چلانے کے ذریعہ، پس یہ اجماع باصلاحیت لوگوں کے دلوں میں الہام کو واجب کرتا ہے کہ وہ اس شخصیت کی پیروی کریں اور وہ ایک ایسی جماعت بنیں جو لوگوں کے مفاد کے لئے کام کرے۔

اور وہ اجماع واجب کرتا ہے ایسے علوم کے تمثيل ہونے کو۔ جس میں قوم کی صلاح و فلاح اور ہدایت ہوتی ہے — اس شخصیت کے دل میں: دوحی کے ذریعہ، یا خواب کی صورت میں یا غیبی آواز کی شکل میں، اور اس بات کو (بھی) کہ وہ فرشتے اس شخصیت کو نظر آتے ہیں، پس وہ اس سے زور و زبات کرتے ہیں۔

اور وہ اجماع واجب کرتا ہے اس شخصیت سے محبت کرنے والوں کی مدد کو، اور ان کو ہر خیر سے قریب کرنے کو، اور ان لوگوں پر لعنت کو جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور ان کو ہر تکلیف سے نزدیک کرنے کو۔

اور یہ ملا اعلیٰ کا اجماع نبوت کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے یعنی نبوتوں کا آغاز اسی طرح ہوتا تھا۔ اور ملا اعلیٰ کا

اجماعِ مستمر (مسلل اتفاق اور عزم) روح القدس کی تائید و تقویت کہلاتا ہے اور وہاں (یعنی اجماع ہونے پر) ایسے بارکات و ثمرات پیدا ہوتے ہیں جو عادتاً جانے پہچانے ہوئے نہیں، پس وہ ثمرات معجزات کہلاتے ہیں۔

لغات:

الشان: بڑے بڑے امور و احوال، معاملہ، حالت جمع شئون ... شانہا میں ملا اعلیٰ کی طرف مؤنث ضمیر لونا کی ہے
بتاویل جماعت اور طائفہ اور آگے افاضلہم میں مذکر ضمیر استعمال کی ہے ذوی العقول ہونے کی وجہ سے الْمُصْنَع
(اسم فاعل) اَنْعَمَ فِي الْأَمْرِ: معاملہ کی گہرائی میں پہنچنا تَلَقَّى الشَّيْءَ: ملنا، استقبال کرنا اسْتَهْجَنَ فَعْلَهُ: قبیح سمجھنا
..... نَدَاخَلَهُ: گھل مل جانا وَصَفَ يَصِفُ وَصْفًا وَصَفَةً: حالت بیان کرنا الدَّاهِيَةُ: مصیبت جمع ذَوَاهِ، داهيةٌ
ذَهْبَاءُ: سخت مصیبت ذَوَاهِي الدَّهْرِ: زمانہ کے حوادث ... المعاش: زندگی کا ذریعہ، مراد دنیا ... المعاد: لوٹنا دوبارہ
پیدا ہونا، مراد آخرت قَمِئِلٌ: پایا جانا۔

تشریح:

”نبوت کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے، یعنی نبوت کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے اور ملا اعلیٰ کی جو نصرت نبی کے ساتھ مسلسل رہتی ہے اس کو قرآن میں روح القدس کی تائید کہا گیا ہے، اور اجماع اور تائید کی وجہ سے نبی کے ہاتھ سے ایسے ایسے کام ظاہر ہوتے ہیں جو عام طور پر جانے پہچانے ہوئے نہیں: وہ نبی کے معجزات کہلاتے ہیں۔



ملا سافل اور ان کے کام

ملا اعلیٰ سے کم رتبہ ملا سافل ہیں۔ جب عناصر و اربعہ کے لطیف بخارات میں معتدل مزاج پیدا ہوتا ہے تو وہ روح کے فیضان کو چاہتا ہے، جس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے۔ اور جب اس مزاج میں ارواح کریمہ کا فیضان کروایا جاتا ہے تو ملا سافل وجود پذیر ہو جاتے ہیں، یہ فرشتے آسمانی فرشتوں سے کم رتبہ ہیں۔ ان کا کمال اور خوبی یہ ہے کہ وہ ہر وقت عالم بالا سے ملنے والے احکامات کا انتظار کرتے ہیں، جو نبی قابل کی استعداد اور فاعل کا تاثیر کے مطابق ان پر کوئی حکم مترشح ہوتا ہے، تو وہ اس کی تعمیل کے لئے اس طرح اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جس طرح پرندے اور چوپائے فطری جذبات اور طبعی تقاضوں سے کام کرتے ہیں، ان ملائکہ کو تعمیل حکم کے علاوہ کوئی فکر و امن گیر نہیں ہوتی، وہ کھانے پینے کے جھیل نہیں رکھتے، وہ ذاتی تقاضوں سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں، ان کا محض نظر بس ان احکام کی تعمیل ہوتا ہے جو ان کو انہام کئے جاتے ہیں۔

یہ فرشتے انسانوں اور چوپایوں کے دلوں میں اثر ڈالتے ہیں جس سے اُن کے ارادے اور خیالات امر مطلوب کے مطابق ہو جاتے ہیں اور جو کچھ منشأ خداوندی ہوتا ہے وہ بروئے کار آتا ہے۔ اور یہ اثر ڈالنے کی طرح سے ہوتا ہے، مثلاً: ۱۔ بعض قدرتی چیزوں میں ملائکہ اثر ڈالتے ہیں، ان کی حرکات و تغیرات کو متاثر کرتے ہیں، جیسے کوئی پتھر لڑھکایا گیا، ملائکہ نے اس میں ایسا اثر پیدا کر دیا جس کی وجہ سے وہ اپنی طبعی رفتار سے کہیں زیادہ تیز ہو گیا، ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا شہادت الوجہ افرا مٹھی بھڑمٹی پھینکا اور اس کا ہر ہر کفری آنکھ میں پہنچ جانا، اور خطبہ جمعہ کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بنسادی الجبل فرمانا اور اس آواز کا نہاوند پہنچ جانا یا حضرت مریم کا کھجور کے تنے کو بلانا اور کھجوروں کا گرنا اسی قبیل سے ہے۔

۲۔ ایک شکاری ندی نہر میں جال کاٹنا پھینکتا ہے، فرشتوں کی فوجیں آتی ہیں، وہ مچھلیوں کے دلوں میں الہام کرتی ہیں: کچھ مچھلیاں جال میں گھس جاتی ہیں اور کاٹا کھڑ لیتی ہیں اور کچھ بھاگ نکلتی ہیں اور وہ نہیں جانتی کہ وہ یہ کام کیوں کر رہی ہیں، بس فرشتوں کے الہام کی اتباع کرتی ہیں، چنانچہ دو شکاری ایک ہی ندی نہر میں ایک ہی تسم کا جال کاٹنا ڈالتے ہیں ایک کا جال بھرا ہوا نکلتا ہے اور دوسرے کا خالی، یہ اسی الہام کا نتیجہ ہے۔

۳۔ دُگر وہ باہم بھڑتے ہیں، فرشتے آتے ہیں، ایک گروہ کے دل میں شجاعت اور جوانمردی کے خیالات پیدا کرتے ہیں اور موقع کے مناسب ایسی باتیں اور ایسے خیالات دل میں پیدا کرتے ہیں کہ ان میں بہادری کی روح دوڑ جاتی ہے اور یہ فرشتے فتح و ظفر کے وسائل اور تدبیریں بھی القاء کرتے ہیں، ان کے تیر و تکتب اور اسلحہ جات میں قوت بھی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے اور دوسرے گروہ کے دل میں اس کے برخلاف جذبات ابھارتے ہیں تاکہ جو کچھ منشأ خداوندی ہوتا ہے وہ پورا ہو۔ جنگ بدر کی پوری تاریخ اس کی واضح مثال ہے۔ سورۃ الانفال کی آیات ۴۱-۴۴ پڑھیں۔

۴۔ کبھی عالم بالا سے ملا سافل پر یہ مترشح ہوتا ہے کہ کسی شخص کو تکلیفیں یا رنجشیں پہنچائی جائیں، ملا سافل اس سلسلہ میں بھی اپنی دلی پوری کوشش کرتے ہیں اور ہر ممکن راہ اپناتے ہیں تاکہ عالم بالا کی مراد پوری ہو۔

وَدُونَ هَؤُلَاءِ نَفُوسٌ اسْتَوْجِبَ فِصَالُهَا حَدُوثَ مَزَاجٍ مُعْتَدِلٍ فِي بَخَارَاتٍ لَطِيفَةٍ، لَمْ تَنْبَلِّغْ بِهِمُ السَّعَادَةَ مُبْلَغَ الْأَوَّلِينَ، فَصَارَ كَمَا لَيْهِمْ أَنْ تَكُونَ غَارَةً لَا تَنْتَظَرُ مَا يَتَرَشَّحُ مِنْهَا فِيهَا، فَإِذَا تَرَشَّحَ شَيْءٌ بِحَسَبِ اسْتِعْدَادِ الْقَابِلِ، وَتَأَثَّرَ الْفَاعِلُ، انْبَعَثُوا إِلَى تِلْكَ الْأُمُورِ، كَمَا تَنْبَعِثُ الطُّيُورُ وَالْبَهَائِمُ بِالدَّوَاعِي الطَّبِيعِيَّةِ، وَهَمَّ فِي ذَلِكَ فَاوَنَ عَمَّا يَرْجِعُ إِلَى أَنْفُسِهِمْ، بِأَقْوَنَ بِمَا أَلْهَمُوا مِنْ فَوْقِهِمْ، فَيُؤَثِّرُونَ فِي قُلُوبِ الْبَشَرِ وَالْبَهَائِمِ، فَتَنْقَلِبُ إِزَادَاتُهَا وَأَحَادِيثُ نَفُوسِهَا إِلَى مَا يَنْسَبُ الْأُمُورَ الْمَرَادَ.

وَيُؤْتِرُونَ فِي بَعْضِ الْأَشْيَاءِ الطَّبِيعِيَّةِ فِي تَضَاعُيفِ حَرَكَاتِهَا وَتَحَوُّلَاتِهَا، كَمَا يُدْخِرُ حَجَرٌ، فَأَثَرٌ فِيهِ مَلَكٌ كَرِيمٌ عِنْدَ ذَلِكَ، فَمَشَى فِي الْأَرْضِ أَكْثَرَ مِمَّا يُتَصَوَّرُ فِي الْعَادَةِ؛
 وَرَبَّمَا أَلْقَى الصَّيَادُ شَبَكَةً فِي النِّهَرِ، فَجَاءَتْ أَفْوَاجٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، تُلْهِمُ فِي قَلْبِ هَذِهِ السَّمَكَةِ
 أَنْ تَفْتَسِحَ، وَهَذِهِ أَنْ تَهْرُبَ، وَتَقْبِضَ حَبْلًا، وَتَسْبُطَ أُخْرَى، وَهِيَ لَا تَعْلَمُ لِمَ تَفْعَلُ ذَلِكَ؟ وَلَكِنْ
 تَتَّبِعُ مَا أَلْهِمَتْ.

وَرَبَّمَا تَقَاتَلَتْ فِتْنَانٌ، فَجَاءَتْ الْمَلَائِكَةُ تُزَيِّنُ فِي قُلُوبِ هَذِهِ الشَّجَاعَةِ وَالشَّابِّ بِأَحَادِيثِ
 وَخِيَالَاتٍ يَقْتَضِيهَا الْمَقَامُ، وَتُلْهِمُ حَيْلَ الْغَلِيَةِ، وَتَزِيدُ فِي الرَّمْيِ وَأَشْبَاهِهِ، وَفِي قُلُوبِ تِلْكَ
 أَضْدَادُ هَذِهِ الْخِصَالِ، لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا.
 وَرَبَّمَا كَانَ الْمَتَرَشِّحُ إِيْلَامَ نَفْسٍ إِنْسَانِيَّةٍ أَوْ تَنْعِيمِهَا، فَسَعَتْ الْمَلَائِكَةُ كُلَّ سَعْيٍ، وَذَهَبَتْ
 كُلُّ مَذْهَبٍ مِمَّا كَانَ.

ترجمہ: اور ان حضرات سے کم درجہ کچھ ایسے نفوس ہیں، جن کے فیضان کو لطیف بخارات میں معتدل مزاج کے پیدا
 ہونے نے واجب جانا ہے، ان کو نیک بختی نے پہلے حضرات کے درجہ تک نہیں پہنچایا، پس ان کا کمال یہ ہے کہ وہ اس چیز
 کے انتظار کے لئے فارغ رہتے ہیں جو ان پر ان کے اوپر سے نکلتی ہے، پس جب کوئی چیز قابل کی استعداد اور فاعل کی
 تاثیر کے مطابق نکلتی ہے تو وہ فرشتے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ان کاموں کی تعمیل کے لئے جیسے پرندے اور چوپایہ فطری
 تقاضوں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور وہ ان کاموں میں (ایسے منہمک ہو جاتے ہیں کہ وہ) فتا ہونے والے ہیں (یعنی
 بے خبر ہیں) اُن باتوں سے جو ان کی ذات کی طرف لوثی ہیں۔ باقی رہنے والے ہیں اُن باتوں کے ساتھ جو وہ مالم بالا
 سے الہام کی گئی ہیں، پس وہ انسانوں اور چوپایوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، پس ان کے ارادے اور ان کے
 دلوں کی باتیں (یعنی خیالات) اس چیز کی طرف پلٹ جاتے ہیں جو امر مطلوب کے مناسب ہوتی ہے۔

اور وہ بعض قدرتی اشیاء میں اثر ڈالتے ہیں، ان کی حرکات و تغیرات کے ضمن میں، جیسے کوئی پتھر لڑھکایا جاتا ہے۔
 پس اس کے لڑھکنے میں محرز فرشتہ اثر ڈالتا ہے، پس وہ زمین میں اس سے زیادہ چلتا ہے جو عادیہ متصور ہوتا ہے۔
 اور کبھی شکاری نہر میں جا ڈالتا ہے، پس فرشتوں کی فوجیں آتی ہیں، اس پھٹکی کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ جال
 میں گھسے، اور اُس کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ بھاگے۔ اور ایک کے دل میں ڈالتے ہیں کہ کاٹنا پکڑے اور دوسری کے
 دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ کاٹنا چھوڑ دے، اور وہ پھیلیاں نہیں جانتی کہ وہ یہ کام کیوں کر کر رہی ہیں؟ لیکن وہ پیروی کر رہی
 ہیں اس بات کی جو وہ الہام کی گئی ہیں۔

اور کبھی وہ گروہ باہم لڑتے ہیں، پس فرشتے آتے ہیں، اس جماعت کے دل میں بہادری اور ثابت قدمی کو مزین

کرتے ہیں ایسی باتوں اور ایسے خیالات کے ذریعہ جن کا موقعہ متقاضی ہوتا ہے، اور غلبہ کی تدبیریں الہام کرتے ہیں اور تیرہ بیٹکنے میں اور اس جیسی چیزوں میں تقویت پہنچاتے ہیں، اور اُس گروہ کے دل میں ان باتوں کے برخلاف باتیں مزین کرتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ طے کر دیں اس بات کو جو ہونے والی ہے۔

اور کبھی شکنے والی بات کسی انسان کو تکلیف پہنچانا یا اس کو راحت پہنچانا ہوتا ہے، پس فرشتے اپنی والی ہر کوشش کرتے ہیں اور وہ ہر ممکن راہ پر چلتے ہیں (تاکہ عالم بالا کا مقصود پورا ہو)

تشریح:

قابل کی استعداد اور فاعل کی تاثیر: جیسے پڑھانے والے استاد فاعل ہیں اور پڑھنے والے طلبہ قابل ہیں اور ہر استاد کا فیض یکساں نہیں ہوتا بلکہ قوت تاثیر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک استاد سے پڑھے ہوئے طلبہ بڑے ہونہار ہوتے ہیں اور دوسرے استاد کے پڑھائے ہوئے اس درجہ ہونہار نہیں ہوتے یہ فاعل کی تاثیر کا فرق ہے۔ اسی طرح ایک استاد کے طلبہ بھی یکساں نہیں ہوتے یہ قابل کی استعداد کا فرق ہے اسی طرح ملاء اعلیٰ فاعل ہیں اور ملاء سافل قابل، اور فاعل کی تاثیر کی قوت و ضعف اور قابل کی استعداد کی قوت و ضعف احکام کے ترشح میں اور ان کے اخذ میں تفاوت پیدا کرتے ہیں۔



حزب مخالف کا بیان

فرشتوں کے مقابلہ میں ایک اور جماعت ہے یہ شیاطین کی جماعت ہے۔ شیاطین عقل کے اوچھے، طیش کے تپتے اور برے خیالات کا سرچشمہ ہوتے ہیں، خیر اور نیکی سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ جب عناصر اور جہ کے ظلمانی (تاریک) بخارات میں سڑاؤ اور تعفن پیدا ہوتا ہے تو وہ نفوس کا تقاضا کرتا ہے، چنانچہ اس میں ارواح ڈال دی جاتی ہے پس شیاطین وجود میں آ جاتے ہیں، جیسے گندی نالی کی مٹی میں جب سڑاؤ پیدا ہوتا ہے تو اس میں ارواح ڈال دی جاتی ہیں اور نالی کے کیڑے اور کبھی مچھر پیدا ہو جاتے ہیں۔ شیاطین کی کوششیں ہمیشہ فرشتوں کی کوششوں کے برخلاف ہوتی ہیں، وہ لوگوں کے دلوں میں نافرمانی کے خیالات ابھارتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں انسان کی تباہی کا سامان کرتے ہیں۔

وبازاء اولئک آخرون اولو خفیۃ و طیش، وافکار مضادۃ للخیر، او جب حدودہم تعفن بخارات ظلمانیۃ، ہم الشیاطین، لایزالون یسعون فی ارضنا ما سعت الملائکۃ فیہ، واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور ان لوگوں کے مقابلہ میں دوسرے لوگ ہیں، ہلکا پن والے اور اوچھا پن والے، اور خیر کے برخلاف

سوچ و چاروالے، ان کے پیدا ہونے کو واجب جانا ہے تاریک بخارات کی شرانند نے، یہی شیاطین ہیں، برابر کوشش کرتے ہیں وہ ان کا من کے برخلاف کاموں میں جن میں فرشتے کوشش کرتے ہیں واللہ اعلم۔

لغات: الحَقَّة: ہاکا پن، خواہ عقل میں ہو یا جسم میں یا عمل میں، یہاں اول مراد ہے..... طیش: ہلکی، او چھاپن۔
نوٹ: اس باب میں شاہ صاحب قدس سرہ نے بعض باتیں وجدانی بیان کی ہیں، یعنی شاہ صاحب ایسا سمجھتے ہیں، نصوص سے ان کے دلائل ماننا مشکل ہیں۔

باب — ۴

سنتِ الہی کا بیان

سورۃ الاحزاب آیت ۲۶ میں، سورۃ فاطر آیت ۴۳ میں، اور سورۃ الفتح آیت ۲۳ میں ارشاد پاک ہے ﴿وَلَسَنَ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (اور آپ دستور خداوندی میں رد و بدل نہ پائیں گے) ان آیات میں جس سنت الہیہ کی طرف اشارہ ہے وہ کیا ہے؟ اس باب میں اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔ خیال رہے کہ اس باب میں صرف ”سنت الہیہ“ کا بیان ہے، اس کے غیر متبدل ہونے کا بیان نہیں۔

جاننا چاہئے کہ جہاں میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے کام ہیں، مگر سب کام اللہ تعالیٰ براہ راست نہیں کرتے، اللہ کے کچھ کام اشیائے عالم میں رکھی ہوئی صلاحیتوں پر متفرع ہوتے ہیں یعنی اسباب میں اللہ تعالیٰ نے تاثیرات رکھ دی ہیں، اور انہی تاثیرات سے مسببات وجود میں آتے ہیں، جیسے ہم کھاتے ہیں تو شکم سیر ہوتے ہیں، پیتے ہیں تو سیراب ہوتے ہیں، یہ کھانے پانی میں اللہ کی رکھی ہوئی صلاحیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اشیاء میں رکھی ہوئی صلاحیتوں پر اللہ کے کام کیسے مرتب ہوتے ہیں؟ تو اس کی تفصیل ضروری نہیں، اس کی جو بھی شکل ہو، بہر حال ترتیب اسی پر ہوتا ہے۔

یہ اسباب پر متفرع ہونے والے کام بھی حقیقت میں اللہ ہی کے کام ہیں، کھانے کے بعد وہی حکم سیر کرتے ہیں، پینے کے بعد وہی سیراب کرتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے سامنے اللہ رب العالمین کا تعارف اس لئے نص کا جو مقصدی مضمون یا مرکزی نقطہ ہوتا ہے وہ عبارت اللہ نص کہلاتا ہے۔ ان آیات کا مقصدی مضمون یہ ہے کہ قانون قدرت ہمیشہ یکساں رہتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور نص کے کسی لفظ کے لغوی معنی سے یا عرفی معنی سے یا ازہمی معنی کے طور پر جو بات سمجھی جائے وہ اشارۃ اللہ نص کہلاتی ہے چنانچہ ان آیات میں جو ”سنت اللہ“ کا لفظ آیا ہے اس سے یہ مضمون سمجھا یا گیا ہے کہ کوئی قانون قدرت بھی ہے، اس کا اس باب میں ذکر ہے ۱۲

طرح کر آیا ہے ﴿وَالَّذِي يُطْعَمُنِي وَيَسْقِينِي﴾ (اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے) ﴿وَإِذَا مَرَضْتُ فَلَهُ يَسْقِينِي﴾ (اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے) (سورۃ الشرا، ۹، ۸۰ء)

اور مذکورہ بات دلائل عقلیہ اور نقلیہ دونوں سے ثابت ہے:

دلائل عقلیہ: (۱) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی کی ایک ایسی مٹھی سے پیدا کیا ہے جس کو اللہ نے پوری زمین سے بھرا ہے، پس اولاد آدم مٹی کے موافق وجود میں آئی، کوئی ان میں سرخ ہے، کوئی سفید، کوئی سیاہ اور کوئی سچ بیج اور کوئی ان میں سے نرم خوبے اور کوئی سخت خواہ کوئی ناپاک (گندہ) ہے اور کوئی ستھرا (اسمہ، ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ باب الایمان باللہ، حدیث ۱۰۰)

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ انسانوں میں رنگ کا ظاہری تفاوت اور اخلاق کا باطنی تفاوت ان کے خمیر میں رکھی ہوئی صلاحیتوں کے تفاوت کی بنیاد پر ہے۔ اللہ نے مٹی میں مختلف صلاحیتیں رکھی ہیں، جن کی بنیاد پر انسانوں میں ظاہری اور باطنی تفاوت رونما ہوتا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے کبھی ماں کے، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کرتا ہے تو مرد مشابہت کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کرتا ہے تو عورت مشابہت کھینچ لیتی ہے (بخاری شریف، فضائل الانصار، باب الفتح الباری ۷: ۲۷۲، مشکوٰۃ باب المعجزات، فصل اول حدیث ۵۸۷۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذہنیاتی اور نفسیاتی مشابہت کا مدار مرد و زن کے مادوں کی کیفیت کے تعلق پر ہے، جس کا مادہ قوی ہوتا ہے اس کی طرف مشابہت کھینچ جاتی ہے پس یہ مشابہت بھی مادہ میں رکھی ہوئی صلاحیت پر متفرع ہوتی ہے۔ اور دلیل عقلی یہ ہے کہ مقتول کی موت کو ہر کوئی تلوار کی مار اور بندوق کی گولی کی طرف اور خودکشی کرنے والے کی موت کو زہر کھانے کی طرف منسوب کرتا ہے، حالانکہ مارنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، لوگ یہ نسبت سبب پر مسبب کے تشبہ کی وجہ سے کرتے ہیں سب جانتے ہیں کہ اللہ نے تلوار، گولی اور زہر میں مار ڈالنے کی صلاحیت رکھی ہے، پس تلوار وغیرہ کا مارنا بھی درحقیقت اللہ کا مارنا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی غرض جانتا ہے کہ مادر شکم میں مادہ بچنے کے بعد ہی بچہ پیدا ہوتا ہے اور بوائی، بیڑ، جمائی اور سینچائی کے بعد ہی غلہ اور درخت پیدا ہوتے ہیں، حالانکہ یہ سب کام اللہ کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اسباب کے محتاج نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اشیائے عالم میں تاخیرات رکھ دی ہیں اور کچھ چیزوں کو اسباب و مسببات کی زنجیر میں جکڑ دیا ہے، اس لئے وہ چیزیں اشیائے عالم میں رکھی ہوئی صلاحیتوں پر متفرع ہوتی ہیں اور اسباب و مسببات کے دائرہ میں وجود پذیر ہوتی ہیں۔

میں ہے یہ بات بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ انسان مکلف کیوں ہے اور دیگر حیوانات مکلف کیوں نہیں؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں مکلف ہونے کی صلاحیت و قابلیت پیدا کی ہے اور دیگر حیوانات میں یہ صلاحیت نہیں رکھی۔ اس لئے انسان مکلف ہے اس کو احکامات دیئے گئے ہیں اور اس کو اعمال کا اچھا برا بدلہ دیا جائے گا۔ غرض تکلیف شرعی انسان میں رکھی ہوئی صلاحیت پر مقرر ہے۔

باب ذکر "سنة الله" التي أشير إليها في قوله تعالى: ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾

اعلم أن بعض أفعال السنة تعالى ترتب على القوى المودعة في العالم، بوجه من وجوه الترتب، شهد بذلك النقل والعقل:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ﴿إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قُبْضَةٍ قَبْضُهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدَرِ الْأَرْضِ: مِنْهُمْ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ، وَالسَّهْلُ وَالْحَرُّ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ﴾

وسأله عبد الله بن سلام: ما ينزع الولد إلى أبيه، أو إلى أمه؟ فقال: ﴿إِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتْ﴾

ولا أرى أحداً يشك في أن الامانة تستند إلى الضرب بالسيف، أو أكل الشجر، وأن خلق الولد في الرحم يكون عقيب صب المنى، وأن خلق الحبوب والأشجار يكون عقيب البذر والغرس والسقي؛ ولأجل هذه الاستطاعة جاء التكليف وأمرها ونهوها، وجوزوا بماعملوا.

ترجمہ: اس سنت الہیہ کا بیان جس کا ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ میں تذکرہ آیا ہے۔

جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ کام ان تو قوتوں (صلاحیتوں) کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، جو اللہ نے عالم کے اندر ودیعت فرمائی ہیں، ترتب کی شکلوں میں سے کسی شکل کے ذریعہ، اور عقل و نقل دونوں اس کی شہادت دیتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس مشی مئی سے پیدا کیا ہے جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی، چنانچہ انسان مختلف قسم کے پیدا ہوئے، کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی کالا تو کوئی ان کے بیچ کی رنگت کا اور کوئی خوش طبع تو کوئی سراپا حزن و ملال، اور کوئی خبیث تو کوئی طیب۔

اور حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسی چیز بچے کو باپ کی طرف یا ماں کی طرف جذب کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: جب مرد کا مادہ عورت کے مادہ سے سبقت کرتا ہے تو باپ اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور جب عورت کا مادہ مرد کے مادہ سے سبقت کرتا ہے تو ماں اپنی طرف جذب کر لیتی ہے۔

اور میں کسی کو نہیں پاتا جس کو اس امر میں تردد ہو کہ قتل کی نسبت تلوار کی مار کی طرف ہوتی ہے یا زہر کھانے کی طرف ہوتی ہے اور نہ اس بات میں کسی کو تردد ہے کہ رحم کے اندر بچے کی تخلیق مٹی میں ہونے کے بعد ہوتی ہے اور نہ اس بات میں کسی کو شک ہے کہ غلہ اور درختوں کی پیداوار بوائی، پیڑ جمانی اور سنبھالنے کے بعد ہوتی ہے۔ اور اسی استطاعت (صلاحیت) کی بناء پر تکلیف شرعی آئی ہے اور انسان حکم دینے گئے ہیں اور روکے گئے ہیں اور نیک و بد کی جزا و سزا دئے جائیں گے۔



کائنات میں چھ مکنوں صلاحیتوں کا بیان

قدرت نے کائنات میں جو قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، جن پر افعال الہی مرتب ہوتے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

اول: عناصر اربعہ میں سے ہر عنصر کی الگ ماہیت اور جدا خاصیت ہے، پس جس مرکب میں جو عناصر ہوں گے، اس میں ان عناصر کے خواص ضرور پائے جائیں گے۔ جیسے مفرد اودیہ میں الگ الگ خواص ہیں، پس متجون مرکب میں مفردات کے خواص مجتمع ہوں گے۔

طبیعت اور ماہیت مابہ الشیء ہو ہو کو کہتے ہیں یعنی جو چیز آگ کو آگ، پانی کو پانی، انسان کو انسان، اور گھوڑے کو گھوڑا بناتی ہے وہی اس کی ماہیت اور طبیعت ہے اور خاصہ وہ چیز ہے جو ماہیت سے خارج ہو اور وہ مابہ الامتیاز ہے، جیسے صاحبك انسان کا خاصہ ہے۔

آگ کی خصوصیت حرارت اور استعلاء ہے جب بھی آگ جلائی جائے گی وہ بلندی کی طرف جائے گی، الا یہ کہ قسر قاصر سے اسے نیچے موڑ دیا جائے۔ اور پانی کی خصوصیت بردوت اور پھیلنا ہے، پانی تا بہ حد امکان پھیلتا ہی چلا جاتا ہے الا یہ کہ آڑ بٹا کر روک دیا جائے۔ اور ہوا کا خاصہ بیسوت و نفوذ ہے، ہوا ہر خالی جگہ کو بھر دیتی ہے۔ حکماء غلاء کو محال مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہر مکان بھرا ہوا ہے، اگر کسی چیز نے نہیں بھرا تو ہوائے اس کو بھر رکھا ہے۔ اور مٹی کا خاصہ بخل و امساک ہے، زمین میں جو بھی چیز دبا دی جاتی ہے، زمین اس کو روک لیتی ہے، پس قیامت کے دن ہی وہ اپنا بوجھ نکالے گی۔ غرض عناصر کی یہ ماہیات و خواص کائنات میں رکھی ہوئی مکنوں صلاحیتیں ہیں، مرکبات میں ان کا پایا جانا ضروری ہے۔

دوم: جسم طبیعی میں ہولی اور صورت جسمیہ کے علاوہ ایک جوہری جزاء اور بھی ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اجسام طبعیہ نوع

بنوع تقسیم ہوتے ہیں، یہی جو ہری جز صورت نوعیہ کہلاتا ہے۔ جیسے جسم کی انواع: حیوانات، نباتات اور جمادات میں پھر ہر ایک کی انواع ہیں، یہ سب تقسیم صورت نوعیہ کا کرشمہ ہے، مثلاً آسمان و زمین اور انسان اور فرس و بقر جس چیز کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں وہ ان کی صورت نوعیہ ہیں، اور ہر صورت نوعیہ کے الگ احکام ہیں، جس کی تفصیل آگے باب دسکو طبعی من اسرار الوقائع الحشریہ (رحمۃ اللہ: ۳۹۹) میں آ رہی ہے۔ یہ صورت نوعیہ اور ان کے احکام بھی کائنات میں رکھی ہوئی مکینوں صلاحیتیں ہیں۔ ہر نوع میں اس کے نوعی احکام ضرور پائے جاتے ہیں، وہ اس سے منفک نہیں ہو سکتے۔

سوم: عالم مثال کا تذکرہ پہلے آچکا ہے، زمینی وجود سے پہلے اشیاء کا عالم مثال میں وجود ہوتا ہے، پھر وہ چیزیں زمین میں موجود ہوتی ہیں، اس لئے اُس عالم کے احوال اور وہاں کے وجود کے خواص بھی قوی (صلاحیتوں) میں داخل ہیں مثلاً یورپ کا کوئی شخص ایشیا میں آئے یا اس کا برکس ہو، تو سابقہ بر اعظم کے مخصوص احوال خطہ بدلنے سے ختم نہیں ہوتے، بلکہ کچھ نہ کچھ باقی رہتے ہیں۔

چہارم: ملاء اعلیٰ کی دعائیں بھی مکینوں صلاحیتیں ہیں۔ ملاء اعلیٰ نفوس قدسیہ کے لئے اور مصلحین قوم و ملت کے لئے نیک دعائیں کرتے ہیں اور جو لوگ قوم و ملت کی اصلاح کی راہ میں روڑا بننے میں اور دنیا میں شر و فساد پھیلاتے ہیں ان کے لئے بد دعائیں کرتے ہیں۔ یہ بھلی بری دعائیں بھی مکینوں صلاحیتیں ہیں، جیسے کوئی شخص خوش حال ہوتا ہے یا بد امر تب پاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ماں باپ کی یا استاذ کی دعائیں اس کے شامل حال ہیں، اسی طرح ملاء اعلیٰ کی دعائیں بھی اشیائے عالم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

پنجم: مختلف زمانوں میں جو مختلف شریعتیں نازل ہوئی ہیں، جن میں کچھ چیزیں ضروری اور کچھ چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کا بھی جزا و سزا میں دخل ہے مثلاً آدم علیہ السلام کی شریعت میں، بہن سے نکاح جائز تھا اور یوسف علیہ السلام کی شریعت میں عمدہ تجبیہ درست تھا اس لئے ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں تھا، اب یہ دونوں کام حرام ہیں، پس وہ باعث عقاب ہیں۔ غرض یہ بھی اعمال میں دوایت کی ہوئی صلاحیتیں ہیں، پہلے مباح ہونے کی وجہ سے ان اعمال میں سزا کی صلاحیت نہیں تھی اور اب حرام قرار دینے کے بعد ان میں عقاب کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

ششم: دو چیزوں میں تلازم بھی قوی (صلاحیتوں) میں شمار ہوتا ہے۔ مثلاً طلوع شمس اور وجود نہار میں تلازم ہے، پس جب بھی طلوع (طلوع شمس) پایا جائے گا تو لازم (نہار) ضرور پایا جائے گا، کیونکہ جب قدرت نے ان دو چیزوں میں لزوم کا تعلق رکھا ہے تو اب اس نظام کو برہم کرنا قرین مصلحت نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے کسی سر زمین میں موت کا فیصلہ کرتے ہیں، تو وہاں پہنچنے کی کوئی نیکوئی صورت پیدا کر دیتے ہیں (رواہ احمد و الترمذی، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر حدیث ۱۱۰) کیونکہ وہاں مرنے اور وہاں پہنچنے کے درمیان تلازم ہے، پس اس کے تحقق کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا کر دی جاتی ہے۔

غرض مذکورہ تمام باتیں دلائل نقلیہ سے ثابت ہیں اور دلائل عقلیہ بھی اس کی پشت پر ہیں۔ بدیہی دلائل سے وہ تمام باتیں ثابت ہیں۔

فَنَلِكُ الْقَوَى:

منہا: خواص العناصر، وطبائعہا.

ومنہا: الأحكام التي أودعها الله في كل صورة نوعية.

ومنہا: أحوال عالم المثال، والوجود المَقْضَى به هنالك قبل الوجود الأرضي.

ومنہا: ادعية الملائكة الأعلى بِجَهْدِ هَمَمِهِمْ لِمَنْ هَذَبَ نَفْسَهُ، أو سعى في إصلاح الناس،

وعلى من خالف ذلك.

ومنہا: الشرائع المكتوبة على بنى آدم، وَتَحَقُّقُ الإيجاب والتحریم، فإنها سبب نواب

المطيع وعقاب العاصي.

ومنہا: أن يَقْضَى الله تعالى بَشْيءٍ، فَيَجْزُ ذلك الشئ شيئا آخر، لانه لازمه في سنة الله،

وَحَرْمُ نظام اللزوم غَيْرُ مرضي؛ والأصل فيه: قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿إِذَا قَضَى اللَّهُ لَعِبْدِ

أَن يَمُوتَ بَارِضٌ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً﴾

فكل ذلك نطق به الأخبار، وأوجبه ضرورة العقل.

ترجمہ: پس وہ صلاحیتیں (درج ذیل ہیں):

ان میں سے ایک: عناصر کی خصوصیات اور ان کی ماہیات ہیں۔

اور ان میں سے ایک: وہ احکام ہیں جو اللہ نے ودیعت رکھے ہیں ہر صورت نوعیہ میں۔

اور ان میں سے ایک: عالم مثال کے اور اس وجود (پائے جانے) کے احکام ہیں، جس کا وہاں فیصلہ کیا گیا ہے،

و جو دارضی سے پہلے۔

اور ان میں سے ایک: نلاً اعلیٰ کی دعائیں ہیں، ان کی پوری توجہ سے (یعنی دل کی گہرائی سے) اس شخص کے لئے

جو خود کو ستوار لے یا لوگوں کو ستوار نے کی محنت کرے اور ان لوگوں کے لئے بد دعائیں ہیں جو اس کے برخلاف کام

کرتے ہیں۔

اور ان میں سے ایک: وہ قوانین ہیں جو انسانوں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور ایجاب و تحریم کا پایا جانا ہے، کیونکہ

یہ چیزیں فرمانبردار کے ثواب کا اور نافرمان کے عقاب کا سبب ہیں۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ فرماتے ہیں، پس گھنٹی ہے وہ چیز دوسری چیز کو، اس لئے کہ وہ دوسری چیز پہلی چیز کے لئے دستور خداوندی میں لازم ہے، اور لزوم کے نظام میں سوراخ کرنا یعنی درہم برہم کرنا پسندیدہ نہیں اور اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے کسی سرزمین میں موت کا فیصلہ کرتے ہیں، تو اس کے لئے اس زمین کی طرف کوئی ضرورت پیدا کر دیتے ہیں۔“

غرض یہ سب باتیں روایات میں وارد ہوئی ہیں اور بڑا بہت عقل نے ان کو ثابت کیا ہے۔



تعارض اسباب اور وجہ ترجیح

جب اُن اسباب میں تعارض ہوتا ہے، جن پر حسبِ حادث فیصلہ خداوندی مرتب ہوتا ہے یعنی مسببات وجود میں آتے ہیں۔ اور تمام اسباب کے تقاضوں کا یعنی مسببات کا پایا جانا ممکن نہیں ہوتا تو حکمت خداوندی اس سبب کو ترجیح دیتی ہے جو خیرِ کامل یعنی مفادِ عامہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوتا ہے یعنی جس سبب کا پایا جانا قریبِ مصلحت ہوتا ہے اس کو وجود بخشا جاتا ہے۔

متفق علیہ حدیث ہے کہ اللہ کے ہاتھ میں ترازو ہے، وہ پلڑے کو بلند بھی کرتے ہیں اور جھکاتے بھی ہیں (ترغیب و ترہیب ۸: ۲۸۸) ۸: ۳۵۲) اس میں لفظ میزان سے یہی بات مراد ہے کہ بوقت تعارض اسباب اللہ تعالیٰ نافع تر سبب کو بروئے کار لاتے ہیں اور دیگر اسباب کا عمل موقوف کرتے ہیں، سورۃ الرحمن میں جو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتے ہیں، اس کام سے بھی مراد یہ ہے کہ بوقت تعارض اسباب اللہ تعالیٰ بعض اسباب کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔

پھر ترجیح مختلف وجوہ سے دی جاتی ہے، کبھی قوتِ سبب کی بناء پر ترجیح دی جاتی ہے، یعنی تعارض اسباب میں سے جو سبب قوی ہوتا ہے اس کو کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور کبھی آثار کو ملحوظ رکھ کر ترجیح دی جاتی ہے یعنی جس سبب کے آثار و نتائج مفید ہوتے ہیں اس کو بروئے کار لایا جاتا ہے اور کبھی صفتِ تدبیر کا عمل موقوف کر کے صفتِ خلق کام کرتی ہے مثلاً ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا، آگ کا کام جلانا ہے، اللہ کی صفتِ تدبیر نے اس میں یہ تاثیر رکھی ہے مگر ملاحظہ کی دعائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شامل حال تھیں، ان دعاؤں کا تقاضا تھا کہ آگ نہ جلائے، چنانچہ صفتِ تدبیر کا عمل موقوف کر کے صفتِ خلق نے آگ کو خشک بے ضرر بنا دیا۔

اس قسم کی اور بھی وجوہ ترجیح ہیں مگر ہمارا علم تمام اسباب کا احاطہ نہیں کر سکتا، نہ ہم بوقت تعارضِ اہق (زیادہ ہتھکڑ) سبب کو پہچان سکتے ہیں، البتہ اتنی بات ہم یقین سے جانتے ہیں کہ جو چیز موجود ہوتی ہے وہ موجود ہونے ہی کے لائق ہوتی ہے۔ جو ان باتوں کا پختہ یقین کر لے گا اس کا بہت سے اشکالات سے بچھا چھوٹ جائے گا۔

واعلم أنه إذا تعارضت الأسباب التي يترتب عليها القضاء بحسب جري العادة، ولم يمكن وجود مقتضياتها أجمع، كانت الحكمة حينئذ مراعاة أقرب الأشياء إلى الخير المطلق؛ وهذا هو المعبر عنه بالميزان في قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿بيده الميزان، يرفع القسط ويخفضه﴾ وبالشأن في قوله تعالى: ﴿كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾

ثم الترجيح يكون تارة بحال الأسباب، أيها أقوى؟ وتارة بحال الآثار المترتبة، أيها أنفع؟ وينتدفع باب الخلق على باب التدبير؛ ونحو ذلك من الوجوه؛ فنحن وإن قصر علمنا عن إحاطة الأسباب، ومعرفة الأحق عند تعارضها، نعلم قطعاً: أنه لا يوجد شيء إلا وهو أحق بأن يوجد؛ ومن أيقن بما ذكرنا استراح عن إشكالات كثيرة.

ترجمہ: اور جان لیجئے کہ جب ان اسباب میں تعارض ہو جاتا ہے جن پر فیصلہ خداوندی مرتب ہوتا ہے، عادت جاری ہونے کے اعتبار سے، اور تمام اسباب کے تقاضوں کا پایا جانا ممکن نہیں ہوتا، تو حکمت اس وقت خیر کامل (یعنی مفاد عالم) سے نزدیک تر چیز کی رعایت کرتا ہے، اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو میزان سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضور ﷺ کے اس ارشاد میں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ترازو ہے، کبھی پلڑا اٹھاتے ہیں اور کبھی جھکاتے ہیں، اور اسی کو ”اہم کام“ سے تعبیر کیا گیا ہے ارشاد باری ﷻ ﴿كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (الزلزلہ آیت ۲۹) میں۔

پھر ترجیح کبھی ہوتی ہے اسباب کی حالت دیکھ کر کہ ان میں سے کون توی تر ہے؟ اور کبھی اسباب پر مرتب ہونے والے آثار (سببات) کی حالت دیکھ کر کہ ان میں سے کون مفید تر ہے؟ اور (کبھی) صفت خلق کی کارفرمائی کو مفت تدبیر کی کارفرمائی پر مقدم کر کے۔ اور اس قسم کے دیگر وجوہ ترجیح سے، پس اگرچہ ہمارا علم کوتاہ ہے اسباب کا احاطہ کرنے سے، اور اسباب کے تعارض کے وقت احق (زیادہ حقدار) کو پہچاننے سے (تاہم) یقینی طور پر ہم جانتے ہیں کہ نہیں پائی جاتی کوئی چیز مگر وہ پائے جانے کی زیادہ حقدار ہوتی ہے اور جو شخص مذکورہ باتوں کا یقین کر لے وہ بہت سے اشکالات سے آرام پا جائے گا۔



علویات کے سرفلیات پر اثرات

(کو اکب کی تاثیر کا بیان)

اوپر یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیائے کائنات میں صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں اور اسباب میں تاثیرات

رکھی ہیں، اب اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب دیا جاتا ہے۔

سوال: کیا کواکب کی شکلوں (مقرب، جدی، دُلو، حوت، میزان، ثریا، حمل وغیرہ) میں اللہ تعالیٰ نے سفلیات پر اثر انداز ہونے کی صلاحیتیں رکھی ہیں؟ علم نجوم والے اس کے قائل ہیں، شریعت اس سلسلہ میں کیا کہتی ہے؟

جواب: کواکب کی بعض تاثیرات بدیہی ہیں، مثلاً سورج کے احوال کے اختلاف سے سردی گرمی کے موسموں کا بدلنا اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا اور چاند کی کشش کی وجہ سے سمندر میں بڑا رہنا اٹھنا وغیرہ۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ (سنت الہی یہ ہے کہ) جب ثریا ستارہ طلوع ہوتا ہے تو کھجور کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں (ردو احمد کنز العمال حدیث نمبر ۲۱۱۲ کشف الخلاء ۱۱۰۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ثریا ستارے کے سفلیات پر اثرات پڑتے ہیں۔

ری یہ بات کہ بالمداری اور غریبی، خوش حالی اور خشک سالی اور دیگر انسانی واقعات پر کواکب کی حرکتوں کے اثرات پڑتے ہیں یا نہیں؟ تو یہ بات نہ تو بدیہی ہے، نہ دلیل نقلی سے ثابت ہے اور ہمیں اس میں غور کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے حدیث شریف میں ہے کہ "جس نے علم نجوم کا کوئی حصہ حاصل کیا اس نے اتنا ہی محرک حصہ حاصل کیا، اور جس نے زیادہ حاصل کیا اس نے اتنا ہی زیادہ چادہ سیکھا" (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب الکہانہ حدیث ۳۵۹۸) یعنی جس طرح سحر سیکھنا حرام ہے علم نجوم سیکھنا بھی حرام ہے اور جو لوگ بارش ہونے کو نہ چھتروں کی طرف منسوب کرتے ہیں حدیث متفق علیہ میں ان پر سخت نکیر آئی ہے (مشکوٰۃ باب الکہانہ حدیث ۳۵۹۶)

سوال: تو کیا ہم یہ بات سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ علویات کے اس قسم کے اثرات سفلیات پر نہیں پڑتے؟ اس لئے علم نجوم کی تحصیل سے روکا گیا ہے اور مَطْوَعاً بِنَوْء کذا کہنے والوں پر نکیر آئی ہے۔

جواب: نہیں، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ شریعت میں کواکب کی اس قسم کی تاثیرات کی صراحت نفی آئی ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں ایسی خصوصیات رکھی ہوں کہ وہ زمینی واقعات کو متاثر کرتے ہوں، اور اس کی شکل یہ ہوتی ہو کہ ستاروں کے اثرات اولیٰ اذان کے ماحول (ارگرد) پر پڑتے ہوں، پھر رفتہ رفتہ ہوا کے توسط سے یہ اثرات سفلیات تک پہنچتے ہوں اور زمینی واقعات کو متاثر کرتے ہوں، جیسے عطریات اور گندگیاں پہلے اپنے ارد گرد کی ہوا کو متاثر کرتی ہیں، پھر وہ اثرات رفتہ رفتہ دور تک پھیل جاتے ہیں۔

سوال: اگر کواکب میں اس قسم کے اثرات ہیں یا ہو سکتے ہیں تو پھر شریعت نے علم نجوم کی تحصیل سے کیوں روکا ہے؟ اس صورت میں تو علم نجوم کی تحصیل جائز ہونی چاہئے تاکہ اس کے ذریعہ جلب منفعت یا دفع مضرت کیا جاسکے، یہ ممانعت تو اس پر صاف دلالت کرتی ہے کہ علویات میں اس قسم کے اثرات نہیں ہیں۔

جواب: ممانعت کی وجہ تو اور بھی ہو سکتی ہیں، مثلاً:

① شریعت نے کہانت (جنات سے خبریں لے کر بتانے) سے سختی سے روکا ہے، مسلم شریف میں حدیث ہے کہ

حضرت معاذ بن انجم رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں چند کام کرتے تھے، ہم کانہوں کے پاس جاتے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ فلا تاتوا الکھان (اب کانہوں کے پاس مت جایا کرو) (مشکوٰۃ باب الکھانہ حدیث ۴۵۹۲) اور جو کانہ کے پاس جاتا ہے اور اس سے غیب کی باتیں پوچھتا ہے، پھر وہ جو جاتا ہے اس کو مانتا ہے تو آپ نے اس شخص سے بے تعلقی کا اعلان فرمایا ہے (احمد، ابوداؤد، ترمذی مشکوٰۃ باب الکھانہ حدیث ۴۵۹۹)

مگر جب آپ سے کانہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے بتلایا کہ فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں اور آسمانوں میں جو معاملہ طے پاتا ہے اس کا چرچا کرتے ہیں، شیاطین وہاں سے کوئی بات چر لاتے ہیں اور جس کانہ کے تابع ہوتے ہیں اس کو وہ احادیث کی بات پہنچا دیتے ہیں، کانہ اس میں سو جھوٹ ملا کر بات مکمل کرتا ہے اور پیشین گوئی کرتا ہے، جب وہ ایک بات صحیح نکلتی ہے تو لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں، مگر نہیں سوچتے کہ اس کی بتائی ہوئی ننانوے باتیں تو جھوٹی نکلیں (رواہ البخاری مشکوٰۃ باب الکھانہ حدیث ۴۵۹۴، ۴۶۰۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کانہوں کی بعض باتیں صحیح ہوتی ہیں، تاہم کھانت سیکھنے سے، اس پر عمل کرنے سے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے منع کیا گیا، حدیث میں ہے کہ جو عزّاف کے پاس گیا اور اس سے کوئی بات معلوم کی تو اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کی جائے گی (رواہ مسلم مشکوٰۃ حدیث ۴۵۹۵) پس ممکن ہے کہ کو اکب میں بھی تاثیرات ہوں مگر کسی مصلحت سے شریعت نے علم نجوم پڑھنے سے اور کو اکب کی طرف نسبت کرنے سے منع کیا ہو۔

② سورہ آل عمران آیت ۱۵۶ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ منافقین جیسی باتیں نہ کریں۔ منافقین اپنے بھائی بندوں سے کہتے تھے، جبکہ وہ کسی سرزمین میں سفر کرتے تھے، یا جہاد کے لئے نکلتے تھے کہ: ”اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے“ حالانکہ یہ بات کہنا ہی نفسہ ممنوع نہیں، لوگ اس قسم کی بات کہا ہی کرتے ہیں، جب کوئی شخص خطرہ کے کام میں کودتا ہے تو اس کی متعلقین اس کو سمجھاتے ہیں کہ بھئی! یہ سفر مت کر، یہ خطرے کا کام مت کر، مگر جب وہ نہیں مانتا اور لقمہ اجل بن جاتا ہے تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہماری نہیں مانی، اس لئے یہ نوبت آئی۔

غرض اس قسم کی باتیں ممنوع نہیں، مگر منافقین اس قسم کی باتیں اہل ایمان کو جہاد سے روکنے کے لئے اور ان میں بزدلی پیدا کرنے کے لئے کہا کرتے تھے، اس لئے اہل ایمان کو اس قسم کی باتیں کہنے سے منع کیا گیا۔

③ اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ کسی کا بھی عمل اس کو جنت میں نہیں لے جایگا، جو بھی جنت میں جائے گا، بفضل باری سے جائے گا (فتح ۱۰: ۱۷۵) مسلم کتاب صفات المنافقین ۱۷: ۱۶۱) حالانکہ آدمی اعمال صالحہ حصول جنت ہی کے لئے کرتا ہے اور قرآن کریم بھر پڑا ہے کہ اعمال صالحہ کی جزاء جنت ہے، پس اس حدیث کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ دخول جنت کا حقیقی سبب فضل الہی ہے اور اعمال بس ظاہری سبب ہیں۔

④ حضرت ابو رمیہ رضی اللہ عنہ کے والد نے مہر نبوت دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں حکیم ہوں، آپ کے اس

پھوڑے کا علاج کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا: ”تم بد رو ہو اور اللہ حکیم ہیں“ (مشکوۃ کتاب القصاص حدیث ۳۴۷۱ مسند احمد: ۱۶۳) حالانکہ دنیا علاج کرنے والے کو حکیم، ڈاکٹر کہا کرتی ہے پس اس حدیث میں جوئی ہے وہ کسی اور صحت سے ہے۔
 خلاصہ یہ کہ کبھی ایک امر واقعی سے رہنا، مصلحت روکا جاتا ہے، پس ممکن ہے کہ علم نجوم حاصل کرنے کی ممانعت بھی اسی قبیل سے ہو اس ممانعت سے کو اکب کی تاثیر کی نفی نہیں ہوتی، واللہ اعلم بالصواب (تفصیل کے لئے رحمۃ اللہ ۵۳۲ دیکھیں)

أَمَّا هَيَاتِ الْكَوَاكِبِ، فَمِنْ تَأْوِيلِهَا: مَا يَكُونُ ضَرُورِيًّا، كَاخْتِلَافِ الصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ، وَطُولِ النَّهَارِ وَقِصَرِهِ بِاخْتِلَافِ أَحْوَالِ الشَّمْسِ، وَكَاخْتِلَافِ الْجُزُرِ وَالْمَدَّ بِاخْتِلَافِ أَحْوَالِ الْقَمَرِ؛ وَجَاءَ فِي الْحَدِيثِ: ﴿إِذَا طَلَعَ النَّجْمُ ارْتَفَعَتِ الْعَامَّةُ﴾، يَعْنِي بِحَسَبِ جَرَى الْعَادَةِ.

لَكِنْ كَوْنُ الْفَقْرِ وَالْغِنَى، وَالْجَذْبِ وَالْخَصْبِ، وَسَائِرُ حَوَادِثِ الْبَشَرِ بِسَبَبِ حَرَكَاتِ الْكَوَاكِبِ، فَمِمَّا لَمْ يَثْبُتْ فِي الشَّرْعِ؛ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَوْضِ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ: ﴿مَنْ أَقْبَسَ شُعْبَةً مِنَ النُّجُومِ أَقْبَسَ شُعْبَةً مِنَ السَّحَرِ﴾، وَشَدَّدَ فِي قَوْلٍ: ”مُطَرْنَا بَلَاءٌ كَذَا“.

وَلَا أَقُولُ: نَصَّتِ الشَّرِيعَةُ عَلَى أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَجْعَلْ فِي النُّجُومِ خَوَاصَّ، تَتَوَلَّدُ مِنْهَا الْحَوَادِثُ، بِوَسْطَةِ تَغْيِيرِ الْهَوَاءِ الْمُكْتَنَّبِ بِالنَّاسِ، وَنَحْوِ ذَلِكَ.

وَأَنْتَ خَبِيرٌ، بِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْكِهَانَةِ، وَهِيَ الْإِخْبَارُ عَنِ الْجِنِّ، وَبَرِيءٌ عَمَّنْ أَتَى كَاهِنًا وَصَدَّقَهُ، ثُمَّ لَمَّا سُئِلَ عَنْ حَالِ الْكُهَّانِ، أَخْبَرَ: أَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانَ، فَتَذَكَّرُ الْأَمْرَ الَّذِي قُضِيَ فِي السَّمَاءِ، فَتَسْتَرْقِ الشَّيَاطِينَ السَّمْعَ، فَتُوجِّهُهُ إِلَى الْكِهَانِ، فَيَكْذِبُونَ مَعَهُ مَائَةَ كَذِبَةٍ؛ وَأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا، وَقَالُوا لَا خَافِيهِمْ إِذَا صُرُّوا فِي الْأَرْضِ، أَوْ كَانُوا غُرًّا: لَوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا﴾، وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿لَنْ يَدْخُلَ أَحَدُكُمْ الْجَنَّةَ عَمَلُهُ﴾؛ وَقَالَ: ﴿إِنَّمَا أَنْتَ رَفِيقٌ، وَالطَّبِيبُ اللَّهُ﴾، وَبِالْجُمْلَةِ فَالْنَهْيُ بِدَوْرِ عَلَى مَصَالِحَ كَثِيرَةٍ؛ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: بری ستاروں کی شکلیں، تو ان کی تاثیرات میں سے بعض وہ ہیں جو بدیہی ہیں، جیسے جائزے گرمی کا اختلاف، اور دن کا لمبا مختصر ہونا، سورج کے احوال کے اختلاف سے اور جیسے سمندر کے اتار چڑھاؤ کا اختلاف چاند کے احوال کے اختلاف سے اور حدیث میں آیا ہے کہ: ”جب ثریا ستارہ طلوع ہوتا ہے (یعنی صبح صادق کے وقت نظر آتا ہے) تو (کھجور کی) پھاریاں ختم ہو جاتی ہیں“، یعنی سنت الہی اسی طرح چل رہی ہے۔

الیتہ غریبی اور مالدارمی اور خشک سالی اور خوش حالی اور دیگر انسانی واقعات کا ستاروں کی حرکت کی وجہ سے ہونا، پس

یہ ان باتوں میں سے ہے جو شریعت میں ثابت نہیں، اور نبی کریم ﷺ نے اس میں گھسنے سے منع کیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ: ”جس نے علم نجوم کا کوئی حصہ حاصل کیا، اس نے علم حرام کا ایک حصہ حاصل کیا“ اور یہ کہنے پر سخت نکیر کی گئی ہے کہ: ”ہم فلاں پختہ کی وجہ سے بارش دے گئے“

اور میں یہ نہیں کہتا کہ شریعت نے اس کی صراحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں ایسی تاثیرات نہیں رکھیں، جن سے زمینی واقعات پیدا ہوں، اس ہوا میں تغیر واقع ہونے کے ذریعہ جو لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے اور اس قسم کی کسی اور صورت سے۔ اور آپ خوب واقف ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کہانت سے روکا ہے اور کہانت جنات سے باتیں لے کر تلاتا ہے — اور بے تعلقی ظاہر فرمائی ہے اس شخص سے جو کہ بن کے پاس جاتا ہے اور اس کی بات مانتا ہے، پھر جب آپ سے کانہوں کے احوال دریافت کئے گئے تو بتلایا کہ فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں، پس اس بات کا چرچا کرتے ہیں جو آسمان میں طے پائی ہے، پس شیاطین بات چڑا لیتے ہیں، پھر وہ بات کانہوں کو پہنچا دیتے ہیں، پس وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو کہ کافر ہیں (یعنی دل میں) اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت، جبکہ وہ لوگ کسی سر زمین میں سفر کرتے ہیں یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے“ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”ہرگز نہیں داخل کرے گا تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں“ اور آپ نے فرمایا ہے: ”تم نرم برتاؤ کرنے والے (یعنی ہمدرد) ہی ہو۔ اور حکیم تو اللہ پاک ہیں“ اور خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت بہت سی مصلحتوں پر موقوفی ہے، واللہ اعلم۔

فوائد

① جہاں اسباب و مسببات کے درمیان تعلق واضح ہو وہاں سبب کی طرف نسبت درست ہے، جیسے یہ کہنا درست ہے کہ فلاں طبیب سے علاج کرایا، اس سے مریش کو شفا ہو گئی۔ اور جہاں تعلق خفی ہو، عام لوگ اس کا ادراک نہ کر سکتے ہوں وہاں شریعت نسبت کی اجازت نہیں دیتی، کیونکہ اس سے شرک کا راستہ کھلتا ہے، پس یہ کہنا درست نہیں کہ فلاں ستارہ طلوع ہوا اس لئے ایسا ہوا فلاں نہ جھنڈا لگا اس لئے بارش ہوئی البتہ اگر کسی ستارہ کا اثر عام و خاص جانتے ہوں تو نسبت درست ہے، جیسے یہ کہنا کہ سورج نکلا اس لئے گرمی شروع ہوئی، حدیث میں ثریا کے طلوع کی جو بات کہی گئی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

اور اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ امور عادیہ میں غیر اللہ سے استعانت درست ہے، کسی سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ذرا میرا یہ بوجھ میرے سر پر رکھ دو، کیونکہ اس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، مگر امور غیر عادیہ میں غیر اللہ سے استعانت حرام ہے۔ جیسے کسی پیرونی سے اولاد مانگنا حرام ہے، کیونکہ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے۔

② حضرت ابورمضہ رضی اللہ عنہ کے والد پہلی بار حاضر خدمت ہوئے تھے اور ابھی ابھی انہوں نے ایمان قبول کیا تھا،

جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پر مہربوت دیکھی، تو انھوں نے اس کو پھوٹا سمجھا، اور دوسری سے مانع کرنے کی اجازت چاہی آنحضور ﷺ نے ان کی ہمدردی کی قدر کی اور یہ فرما کر بات ٹال دی کہ حقیقی مانع اللہ تعالیٰ ہیں۔

باب ۵ —

روح کی حقیقت و ماہیت کا بیان

روح کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے، دفع و ظل مقدر کے طور پر، دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

① آیت کریمہ ﴿وَمَا أَوْفَيْنَاهُم مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی حقیقت نہیں سمجھی جاسکتی، کیونکہ ہر مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ذہن کی ایک سطح اور ظہن کی ایک مقدار ضروری ہے، روح کا مسئلہ نہایت دقیق ہے، اس کو سمجھنے کے لئے جو علمی مستوی چاہئے وہ انسان کو حاصل نہیں آیت کریمہ میں اس کی نفی ہے، پھر یہ بحث کیوں چھیڑی جا رہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ آیت میں خطاب یہود سے ہے، جنہوں نے روح کے متعلق سوال کیا تھا، ان کا علمی مستوی اتنا بلند نہیں تھا کہ وہ روح کی حقیقت سمجھ سکتے، اور اس کی دلیل امام سلیمان اعلم رحمہ اللہ کی قراءت ہے جو وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کر سکتے ہیں، ان کی قراءت میں ﴿وَمَا أَوْفَيْنَاهُم﴾ ہے اور مختلف قراءتیں بمنزلی مختلف آیات کے ہوتی ہیں اور قرآن قرآن کی تفسیر کرتا ہے، پس ثابت ہوا کہ ﴿وَمَا أَوْفَيْنَاهُم﴾ میں بھی خطاب یہود سے ہے، پس اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کی امت کے پاس بھی وہ علمی سطح نہیں کہ وہ روح کی حقیقت سمجھ سکیں۔

فائدہ: مذکورہ قراءت بخاری شریف کتاب العلم باب (۴۷) حدیث ۱۲۵ میں ہے۔ مگر حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ قراءت نہ تو سات قراءتوں میں سے ہے نہ اس کے علاوہ مشہور قراءتوں میں سے ہے۔ (فتح ۳۲۴:۱) یعنی یہ قراءت شاذہ ہے، جس کا اعتبار نہیں، اور جمہور مفسرین خطاب کو عام مانتے ہیں اور قرطبی رحمہ اللہ نے ایک مرفوع روایت بیان کی ہے جس میں صراحت ہے کہ آیت میں خطاب عام ہے (تفسیر قرطبی ۳۲۴:۱۰)

② دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر روح کی حقیقت سمجھی جاسکتی ہے تو قرآن نے سکوت کیوں کیا؟ قرآن کریم کو روح کی حقیقت بیان کرنی چاہئے تھی، یہود نہ سمجھتے نہ سمجھتے امت محمدیہ تو سمجھتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم جمہور (عام لوگوں) کی استعداد پیش نظر رکھ کر نازل کیا گیا ہے، قرآن کریم میں ایسے دقیق مضامین نہیں لئے گئے، جو عام لوگوں کے لئے معمہ بن جائیں، اور عام لوگ چونکہ روح کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اس لئے قرآن نے سکوت اختیار کیا مگر یہ سکوت اس پر دلالت نہیں کرتا کہ روح کی حقیقت کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

فائدہ: روح کے بارے میں جتنی بات بتلانی ضروری تھی، اور وہ عام لوگوں کی سمجھ میں آسکتی تھی وہ قرآن کریم نے بتلا دی ہے اور روح کی تمام حقیقت اس لئے بیان نہیں کی گئی کہ وہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں،

کوئی دینی کام یا دنیوی معاملہ اس کی حقیقت سمجھنے پر موقوف نہیں۔

روح کے بارے میں آیت کریمہ میں بس اتنا بتلایا گیا ہے کہ وہ ایک چیز ہے، جو اللہ کے حکم سے بدن میں پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے حیوان جی اٹھتا ہے۔ اور جب وہ چیز بدن سے نکل جاتی ہے تو جاندار مر جاتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ سورۃ الاعراف آیت ۵۴ میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿اَلَا لَہُ الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ﴾ (سنو خلق پیدا کرنا) اور امر (حکم دینا) دونوں ہی اللہ کے لئے ہیں) اس آیت میں خلق کو امر کے مقابل رکھا گیا ہے۔ خلق پیدا کرنے یعنی ڈھانچہ بنانے کا نام ہے، پھر حکم ہوتا ہے کہ ”ہوجا“ ﴿مَنْ﴾ پس وہ چیز ہوجاتی ہے۔

اب روح کی حقیقت یہ واضح ہوئی کہ وہ ایک غیر مادی چیز ہے، جس کو ”وجود“ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، جب کسی جاندار کا ڈھانچہ بن کر تیار ہوجاتا ہے یعنی خلق کا کام مکمل ہوجاتا ہے تو اللہ کا حکم ہوتا ہے، جس سے اس ڈھانچہ میں ایک وجود پیدا ہوجاتا ہے، وہی روح ہے اور جب وہ ”وجود“ اس ڈھانچہ سے نکال لیا جاتا ہے تو اس کا نام موت ہے۔

آیت کریمہ میں ﴿الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ کہہ کر یہی بات مختصر اور واضح انداز میں بیان کی گئی ہے۔ باقی تفصیلی گفتگو آگے آ رہی ہے۔

﴿باب حقیقۃ الروح﴾

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوْحِ؟ قُلِ: الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ، وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ وقرأ الأعمش من رواية ابن مسعود: ﴿وَمَا اُوْتُوا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ وُیَعْلَمُ مِنْ هَذَا: أَنَّ الْخُطَابَ لِلْيَهُودِ السَّائِلِينَ عَنِ الرُّوْحِ؛ وَلَيْسَتْ الْآیَةُ نَصًّا فِیْ اَنَّهُ لَا یَعْلَمُ اَحَدٌ مِنَ الْاُمَمَةِ الْمَرْحُومَةِ حَقِیْقَةَ الرُّوْحِ، كَمَا یُظَنُّ؛ وَلَيْسَ كُلُّ مَا سَكَتَ عَنْهُ الشَّرْعُ لَا یُمْكِنُ مَعْرِفَتُهُ اَلْبَتَّةَ، بَلْ کَثِیْرًا مَا یُسْكَتُ عَنْهُ لِاَجْلِ اَنَّهُ مَعْرِفَةُ دَقِیْقَةٍ، لَا یُصْلِحُ لِتُعَاطِیْهَا جُمْهُورُ الْاُمَمَةِ، وَاِنْ اُمْكِنَ لِبَعْضِهِمْ.

ترجمہ: روح کی ماہیت کا بیان: اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ”اور لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں؟ آپ جواب دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے (ایک چیز) ہے اور تم کو بس تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے“ اور اعرش رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے پڑھا ہے: ”اور نہیں دئے گئے وہ (یعنی یہود) علم میں سے مگر تھوڑا“ اور یہاں سے جانا گیا کہ خطاب اُن یہود سے ہے جنہوں نے روح کے بارے میں سوال کیا تھا۔ اور آیت صریح نہیں ہے اس بارے میں کہ امت مرحومہ میں سے کوئی بھی روح کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا، جیسا کہ گمان کیا گیا ہے اور یہ بات درست نہیں ہے کہ: ”جس بات سے بھی شریعت خاموشی اختیار کرے اس کا سمجھنا قطعاً ممکن نہیں“، بلکہ بارہا شریعت کسی بات سے خاموشی اس لئے اختیار کرتی ہے کہ وہ ایک باریک علم ہوتا ہے جس کی تحصیل عام امت کے بس کی بات نہیں

ہوتی، اگرچہ اس کی تحصیل کچھ افراد کے لئے ممکن ہوتی ہے۔

لغات:

المسرحومة: مہربانی کی ہوئی، یہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مخصوص لقب ہے..... معرفۃ (مصدر): علم، عَرَفَ (ض) مَعْرِفَۃً: پہچانتا، جانتا۔ تَعَاطَى تَعَاطِيًا الشَّيْءَ: لینا۔



روح کیا چیز ہے؟

روح کی حقیقت اول وبلہ میں یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مبدأ حیات یعنی سرچشمہ زندگی کا نام روح ہے، جس کے جسم میں آنے سے حیوان (جاندار) زندہ ہو جاتا ہے، اور جس کے بدن سے جدا ہونے سے جاندار مر جاتا ہے۔ پھر جب مزید غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ روح ایک لطیف بھاپ ہے، جب وہ جسم میں پیدا ہوتی ہے تو جسم زندہ ہو جاتا ہے۔

اب تین سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) یہ بھاپ کہاں پیدا ہوتی ہے؟ (۲) کس چیز سے پیدا ہوتی ہے؟ (۳) اور کہاں رکتی ہے؟

جواب:

(۱) یہ بھاپ دل میں پیدا ہوتی ہے۔

(۲) اور غلاط ار بعد یعنی خون، بلغم، سودا اور صفرا کے خلاصے (نچوڑ) سے پیدا ہوتی ہے، اور اس میں احساس کرنے کی، بدن کو حرکت دینے کی اور کھائی ہوئی غذا کے نظم و انتظام کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، جیسے انجن میں کوئلے اور پانی سے جوا شمیم تیار ہوتی ہے، اس میں پرزوں کو حرکت دینے کی صلاحیت ہوتی ہے، اسی طرح دل میں جوا شمیم تیار ہوتی ہے اس میں مذکورہ بالا تینوں صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ اور ظلم طب میں اسی بھاپ کے احوال سے بحث کی جاتی ہے، کیونکہ عام طور پر جسم بیمار نہیں ہوتا، بلکہ اس بھاپ میں خلل پڑتا ہے، جس کی وجہ سے اعضاء کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور جب دواؤں سے بھاپ صحیح ہو جاتی ہے تو سارے اعضاء صحیح کام کرنے لگتے ہیں۔

(۳) یہ بھاپ بدن کے ہر ہر جزء میں ہوتی ہے، جیسے عرق گلاب، گلاب کے پھول کی پتکڑیوں کے ہر ہر جز میں ہوتا ہے اور آگ انگارے کے ہر ہر جز میں ہوتی ہے۔

اور تجربے سے تین باتیں معلوم ہوئی ہیں:

(۱) اُس شمیم کے احوال یعنی پتلا گاڑھا ہونا اور صاف گدلا ہونا، انسان کے قومی اور ان سے سرزد ہونے والے اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں، اسی لئے شریعت نے اکل حلال پر بہت زور دیا ہے، کیونکہ جب اُس شمیم صحیح پیدا ہوگی، جبھی

اعمال درست ہوں گے۔

- (۲) اگر بھاپ کے سرچشمہ پر کوئی آفت طاری ہوتی ہے اور بھاپ بننا بند ہو جاتی ہے یا کسی عضو پر کوئی آفت نازل ہوتی ہے اور اس عضو کی طرف بھاپ کی سپائی بند ہو جاتی ہے تو انسان یا تو مر جاتا ہے یا وہ عضو بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔
- (۳) اس آئینہ کا بننا زندگی کو، اور اس کا تحلیل ہو جانا موت کو چاہتا ہے۔
- غرض سرسری نظر میں یہی بھاپ روح ہے، اور گہری نظر میں یہ روح کا نچلا درجہ ہے، اصل روح اس سے اوپر ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور اس روح کو کُسمہ، روح ہوائی اور روح حیوانی بھی کہتے ہیں۔

واعلم أن الروح أول ما يذرك من حقيقتها: أنها مبدأ الحياة في الحيوان، وأنه يكون حينئذ ينفخ الروح فيه، ويكون ميتاً بمفارقته منه.

ثم إذا أمعن في التأمل ينجلي أن في البدن بخاراً لطيفاً، متولداً في القلب من خلاصة الأخطاط، يحمل القوى الحساسة، والمحركة، والمدبرة للغذاء، يجري فيه حكمُ الطب.

وتكثيف التجربة: أن لكل من أحوال هذا البخار: من رقيقته، وغلظه، وصفائه، وتكثوره أثراً خاصاً في القوى والأفاعيل المُنبجسة من تلك القوى؛ وأن الآفة الطارئة على كل عضو، وعلى توليد البخار المناسب له، تُفسد هذا البخار، وتُشوّس أفاعيله؛ ويستلزم تَكَوُّنُهُ الحياة، وتحلُّهُ الموت؛ فهو الروح في أول النظر، والطبقة السفلى من الروح في النظر المُتمعن؛ ومثله في البدن كمثل ماء الورد في الورد، وكمثل النار في الفحم.

ترجمہ: اور جان لیجئے کہ روح کی حقیقت کے بارے میں سب سے پہلے جس چیز کا ادراک ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ روح جاندار میں سرچشمہ حیات ہے، اور یہ کہ جاندار زندہ ہو جاتا ہے اس میں روح چھوٹنے سے، اور مردہ ہو جاتا ہے روح کے اس سے جدا ہونے سے۔

پھر جب مزید غور و فکر کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے، جو اخلاط کے خلاصہ سے دل میں پیدا ہوتی ہے، جو احساس کرنے والے، حرکت دینے والے اور غذا کا انجم و انتظام کرنے والے قوی (صلاحتوں) کی حامل ہے، علم طب کے احکام اسی میں جاری ہوتے ہیں۔

اور تجربہ کھولتا ہے کہ اس بھاپ کے احوال یعنی پتلا ہونے اور گاڑھا ہونے اور صاف ہونے اور گدلا ہونے میں سے ہر ایک کے لئے مخصوص اثر ہے قوی میں، اور ان قوی سے چھوٹنے والے اعمال میں، اور یہ کہ کسی بھی عضو پر اور اس کے مناسب بھاپ کی تولید پر پڑنے والی آفت، اُس بھاپ کو بگاڑ دیتی ہے اور اس کے اعمال کو پراگندہ کر دیتی ہے اور

اس کا پیدا ہونا زندگی کو اور اس کا تحلیل ہو جانا موت کو چاہتا ہے۔

پس وہ بھاپ ہی سرسری نظر میں روح ہے، اور گہری نظر میں روح کا نچلا درجہ ہے، اور بدن میں اس کا حال عرق گلاب کی طرح ہے، گلاب کے پھول میں، اور آگ کی طرح ہے انکارے میں۔

لغات

أَمْعَنَ فِی کے ساتھ بھی مستعمل ہے اور بغیر فی کے بھی یعنی گہرا غور و فکر کیا۔ اسی معنی میں ہے: اَنْعَمَ النّظَرُ: اچھی طرح غور کیا..... اِنْجَلَى: ظاہر ہونا..... خلاصہ: ہر وہ چیز جو دوسری چیز میں سے خالص کر لی جائے۔ خلاصۃ الکلام: بات کا چوڑا... اَفَاعِلُ جمع الفاعل کی..... اَنْجَسَ المَاءُ: پانی جاری ہونا، بہنا..... اِسْتَلْزَمَ الشَّيْءُ: لازم سمجھنا، چاہنا۔



اصل روح، روح ربانی ہے

مزید غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصل روح یہ بخار لطیف یعنی نسمہ نہیں ہے، یہ تو اصلی روح کی سواری ہے اور اس کا بدن سے تعلق جوڑتی ہے، جیسے گوند دو چیزوں کو جوڑتا ہے، اسی طرح نسمہ اصلی روح کا جسم سے تعلق جوڑتی ہے۔ اصل روح، روح ربانی ہے، جو روح الہی، روح قدسی روح فوقانی اور نفسِ ناطقہ بھی کہلاتی ہے، اور یہی روح کا اعلیٰ درجہ ہے۔

اور دلیل یہ ہے کہ جس طرح انسان بدن کا نام نہیں، اسی طرح نسمہ کا نام بھی نہیں، کیونکہ جس طرح بدن میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اسی طرح نسمہ بھی بدلتا رہتا ہے، اور بدلنے والی چیز معین انسان نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ تو غیر متبدل حقیقت ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ زید بدن کا نام نہیں، بدن تو ایک لبادہ ہے جو روح نے اس عالم اجساد میں اوڑھ لیا ہے، کیونکہ بدن ہو یا نہ ہو زید بہر حال موجود رہتا ہے، اسی طرح اس عالم اجساد میں بھی بعض مرتبہ جسم کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے پھر بھی زید، تمامہ موجود رہتا ہے، اسی طرح بچپن سے بوڑھا ہے تک بدن میں بے شمار تغیرات ہوتے ہیں پھر بھی زید بحال رہتا ہے۔

اسی طرح نسمہ میں بھی بار بار تبدیلیاں آتی ہیں مگر زید بحال رہتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، وہ خواہ بچہ ہو یا جوان، ادھیڑ ہو یا بوڑھا، چھوٹا ہو یا بڑا، سیاہ ہو یا سفید، عالم ہو یا جاہل، وہ زید ہی رہتا ہے، اور یہ تمام تبدیلیاں بدل، نور نسمہ میں آتی ہیں۔ زید میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

اور اگر مختلف ادوار کی تبدیلیوں میں کوئی اشکال ہو تو ہم ایک ہی حال میں مثلاً بچپن میں یہ تبدیلیاں فرض کر سکتے ہیں یا ہم یہ کہیں گے کہ زید کے اوصاف کا ایک حال پر برقرار رہنا یقینی نہیں، اور زید کا ایک حال پر باقی رہنا یقینی ہے، اس لئے زید کے اندر ایک ایسی حقیقت ماضی پڑے گی، جس میں کوئی تبدیلی نہ آئے، اور وہی درحقیقت زید ہو، اسی حقیقت کا نام روح ربانی ہے۔

غرض زید کی ماہیت نسمہ نہیں، نہ بدن اس کی حقیقت ہے، نہ اس کے تخصصات اس کی ماہیت ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں، اور جو اس کو بکر، عمر، خالد سے ممتاز کرتے ہیں، بلکہ اس کی ماہیت یعنی عاہہ الشیء ہو جو روح ربانی ہے۔

روح ربانی کیا چیز ہے؟ روح ربانی درحقیقت ایک بسیط چیز ہے اور نورانی نقطہ ہے، اس کا انداز نسمہ کے انداز سے بالکل مختلف ہے نسمہ کے انداز تو باہم متضاد بھی ہیں اور بدلتے بھی رہتے ہیں، ان میں سے بعض جواہر ہیں، بعض اعراض، مگر روح ربانی کی صورت حال یہ نہیں، وہ ہمیشہ یکساں اور ایک حال پر رہتی ہے، انسان خواہ بچہ ہو یا بوڑھا، کالا ہو یا سفید، عالم ہو یا جاہل، روح ربانی ایک ہی حال پر رہتی ہے اور اس کا براہ راست تعلق نسمہ کے ساتھ ہوتا ہے، بدن کے ساتھ نہیں ہوتا، بدن کے ساتھ اس کا تعلق بالواسطہ ہوتا ہے یعنی بدن چونکہ نسمہ کی سواری ہے اور نسمہ روح ربانی کی، اور سواری کی سواری سواری ہوتی ہے اس طرح بدن بھی روح ربانی کی سواری بن جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ روح ربانی عالم بالا کی طرف سے کھلنے والا ایک روزن (در پچہ، کھڑکی) ہے، اس سوار رخ سے انسان پر برہ چیز اترتی ہے جس کی نسمہ میں استعداد ہوتی ہے، جیسے دھوپ، دہو بی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کو سفید کرتی ہے، مگر دھو بی دھوپ میں کھڑے کھڑے کالو ہو جاتا ہے، گھر کے صحن میں پڑا ہوا کالا تو دھوپ سے نہیں چمکتا مگر آئینہ جگمگا اٹھتا ہے اور میں جو یہ سبق پڑھا رہا ہوں اس کو بعض طلبہ پوری طرح سمجھ رہے ہیں بعض کچھ سمجھ رہے ہیں اور بعض کچھ سمجھ ہی نہیں سمجھ رہے۔ یہ سب استعداد کا فرق ہے، اسی طرح جس نسمہ میں جیسی استعداد ہوتی ہے، ویسا عالم بالا سے اس پر فیض اترتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زید میں جو تبدیلیاں آتی ہیں وہ استعداد ارضی کا نتیجہ ہوتی ہیں، چونکہ اس کا بدن اور نسمہ مٹی سے تیار ہوا ہے، اس لئے اس میں تغیرات ہوتے ہیں اور روح ربانی چونکہ عالم بالا کی چیز ہے، اس لئے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اشکال: روح کی اس بحث پر اشکال یہ ہے کہ نسمہ کے وجود میں آنے سے پہلے بدن میں اخلاط کون تیار کرتا ہے؟ ان کا خلاصہ کون نکالتا ہے؟ دل کو متحرک کون کرتا ہے جس سے بھاپ تیار ہوتی ہے؟ یہ کام تو طبیعت مدبرہ کے ہیں اور وہ ابھی وجود پذیر نہیں ہوئی۔ اسی طرح شاہ صاحب نے روح ربانی صرف انسان میں مانی ہے، جیسا کہ آگے آگے، دیگر حیوانات میں شاہ صاحب صرف نسمہ مانتے ہیں، حالانکہ دلیل دیگر حیوانات میں بھی جاری ہو سکتی ہے، اور حیوان حیوان میں فرق کسی نے نہیں کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ثم إذا أمعن في النظر أيضًا انجلي أن هذا الروح مطبئة للروح الحقيقية، ومادة لتعلقها؛ وذلك أنا نرى الطفل يشب ويثقب، وتبدل أحوالاً بدنه، والروح المتولدة من تلك الأحوال، أنحسر من ألف مرة، ويصغر تارة ويكبر أخرى، ويسود تارة ويبيض أخرى، ويكون جاهلاً مرة وعالماً أخرى، إلى غير ذلك من الأوصاف المتبدلة والشخص هو هو.

وإن نوقش في بعض ذلك، فلنا أن تفرض تلك التغيرات، والطفل هو هو، أو نقول: لانحزم ببقاء تلك الأوصاف بحالها، ونحزم ببقائه، فهو غيرها.

فالشئ الذي هو به هو، ليس هذا الروح، ولا هذا البدن، ولا هذه المشخصات التي نعرف ونرى بادی الرأي؛ بل الروح في الحقيقة: حقيقة فردانية، ونقطة نورانية، يجل طورها عن طور هذه الأطوار المتغيرة المتغيرة، التي بعضها جواهر وبعضها أعراض؛ وهي مع الصغير كما هي مع الكبير، ومع الأسود كما هي مع الأبيض، إلى غير ذلك من المتقابلات، ولها تعلق خاص بالروح الهوائي أولاً، وبالبدن ثانياً، من حيث أن البدن مطبئة النسمه؛ وهي كوة من عالم القدس، ينزل منها على النسمه كل ما استعدت له؛ فالأمور المتغيرة إنما جاء تغيرها من قبل الاستعدادات الأرضية، بمنزلة حر الشمس: يبيض الثوب، ويسود القصار.

ترجمہ: پھر جب مزید گہرا غور و فکر کیا گیا تو واضح ہوا کہ یہ روح (یعنی نسمہ) روح حقیقی کی سواری ہے، اور اس کے (بدن کے ساتھ) جڑنے کا مادہ ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم بچہ کو دیکھتے ہیں کہ جوان ہوتا ہے اور بوڑھا ہوتا ہے، اور اس کے بدن کے اخلاط اور ان اخلاط سے جو روح پیدا ہوتی ہے اس میں تبدیلی آتی ہے، ہزار بار سے زیادہ، اور وہ کبھی چھوٹی ہوتی ہے اور کبھی بڑی، کبھی سیاہ ہوتی ہے اور کبھی سفید، کبھی جاہل ہوتی ہے اور کبھی عالم، وغیرہ وغیرہ بار بار بدلنے والے اوصاف میں سے، درنحالیہ وہ آدمی بنتی رہتا ہے۔

اور اگر جھٹلایا جائے اس کے بعض میں، تو ہم ان تغیرات کو فرض کر سکتے ہیں درنحالیہ بچہ بچہ ہو، یا ہم کہیں گے کہ ہمیں ان اوصاف کے ایک حال پر باقی رہنے کا یقین نہیں ہے اور ہمیں اس شخص کے ایک حال پر باقی رہنے کا یقین ہے، پس وہ شخص ان اوصاف کا غیر ہے۔

پس وہ چیز جس کی وجہ سے وہ چیز وہ چیز ہے، وہ روح (نسمہ) نہیں ہے، اور نہ یہ بدن ہے، اور نہ یہ شخصیات ہیں، جو جانے جاتے ہیں اور اول و بدلہ میں دیکھے جاتے ہیں، بلکہ روح حقیقت میں ایک بسیط باہیت ہے اور نورانی نقطہ ہے، برتر ہے اس کا انداز، ان بدلنے والے باہم متضاد اوصاف کے انداز سے، جن میں سے بعض جوہر ہیں اور بعض عرض؛ اور وہ نورانی نقطہ ہے چھوٹے کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا بڑے کے ساتھ۔ اور کالے کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا سفید

کے ساتھ، وغیرہ وغیرہ متقابل باتوں میں سے، اور اس نورانی نقطہ کا اولا (یعنی بالذات) ایک خاص تعلق ہے روح ہوائی کے ساتھ اور بدن کے ساتھ تعلق ہے ثانیاً (یعنی بالواسطہ) اس اعتبار سے کہ بدن نسمہ کی سواری ہے اور وہ نوارنی نقطہ عالم بالا کا ایک روزن ہے، اس روزن سے نسمہ پر نازل ہوتی ہیں وہ چیزیں جن کی نسمہ میں استعداد ہوتی ہے۔ پس بدلنے والی چیزیں: ان میں تبدیلی استعداد اور خفی ہی کی جانب سے آتی ہے، جیسے سورج کی گرمی کپڑے کو سفید کرتی ہے اور دھوپ کو سیاہ کرتی ہے۔

لغات

مَطْلَبَةُ: سواری جمع مَطْلَبَا وَمَطًى۔ سَبَّ (ض) العَلامُ: جوان ہونا۔۔۔ شَابَ نِيشَبُ: بوڑھا ہونا۔۔۔ جَلَى (ض) جَلَا: بڑے مرتبہ والا ہونا۔۔۔ الطَّوَرُ: انداز جمع أَطْوَارٌ۔۔۔ الْكُوْفُ: روشن دان جمع كُوفٌ، كُؤَاءٌ بَشْطَه: سفید کرنا۔



چند فوائد

روح کی حقیقت کا بیان تمام ہوا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روح: سرسری نظر میں نسمہ کا نام ہے، اور حقیقت میں روح ربانی کا نام ہے، جو نسمہ پر سوار ہوتی ہے، اور جو عالم بالا کی ایک چیز ہے۔ اب باب کے ختم پر شاہ صاحب رحمہ اللہ چند فوائد ذکر فرماتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ: موت سے نسمہ کا تعلق: بدن سے منقطع ہوتا ہے:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وجدان صحیح سے میرے نزدیک یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ موت و حیات کا تعلق نسمہ سے ہے، روح ربانی سے نہیں یعنی جب تک نسمہ کا تعلق بدن سے جڑا رہتا ہے جاندار زندہ رہتا ہے اور جب لاغر کرنے والے امراض کی وجہ سے بدن میں نسمہ پیدا کرنے کی استعداد باقی نہیں رہتی تو نسمہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کا بدن سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے، اس وقت جاندار مر جاتا ہے۔ مگر دونوں حالتوں میں روح ربانی کا تعلق نسمہ سے برقرار رہتا ہے، منقطع نہیں ہوتا۔

سوال: جب نسمہ پیدا کرنے والا کارخانہ ہی درہم برہم ہو گیا تو نسمہ بھی ختم ہو گیا، پھر روح ربانی کا اس کے ساتھ تعلق کیسے برقرار رہتا ہے؟

جواب: مرنے سے نسمہ بالکل ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کی اتنی مقدار باقی رہ جاتی ہے جس کے ساتھ روح ربانی کا تعلق قائم رہ سکے، اس کو ایک مثال سے سمجھئے:

ایک بوتل لیجئے، اس میں سے منہ سے ہوا چوسے، جوں جوں ہوا نکلتی رہے گی، بوتل میں باقی ہوا منہ خلخل ہو کر بوتل کو بھر دے گی، یہاں تک کہ ایک مرحلہ ایسا آئے گا جس کے بعد ہوائیں چوس سکتے۔ ورنہ بوتل اتنی زور سے ٹوٹے گی جیسے ہم پھنستا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بوتل ہوا سے خالی ہو جائے اور اندر خلا ہو جائے تو باہر سے جو منوں ہوا کا دباؤ پڑتا ہے وہ بوتل کو توڑ دے گا۔ یہ تو اندر کا ملاء ہے جو باہر کے دباؤ کی مقاومت کرتا ہے۔ جیسے گیہوں سے بھری ہوئی پوری پر دسیوں پوریاں رکھ دیجئے، کچھ انٹرنیٹس پڑے گا، کیونکہ اندر کا ملاء باہر کے دباؤ کی مقاومت کر رہا ہے، لیکن اگر پوری میں سے کچھ گیہوں نکال دیئے جائیں تو پوری پچک جائے گی، یہی حال بوتل کا ہے۔

بہر حال بوتل میں ہوا کی جو تھوڑی مقدار باقی رہ گئی ہے، وہ منہ خلخل ہو کر ساری بوتل کو بھر دیتی ہے، اسی طرح جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا نسمہ تحلیل ہو جاتا ہے مگر اس کی تھوڑی مقدار باقی رہ جاتی ہے، جس میں خلخل ہوتا ہے اور وہ حسب سابق مکمل نسمہ بن جاتا ہے، اور اسی کے ساتھ روح ربانی کا تعلق برقرار رہتا ہے۔

وقد تحقق عندنا بالوجدان الصحيح: أن المورث انفكاك النسمه عن البدن، لفقد استعداد البدن لتوليدها، لانفكاك الروح القدسي عن النسمه؛ وإذا تحللت النسمه في الأمراض المُدْنِفَة، وجب في حكمة الله: أن يبقى الشيء من النسمه، بقدر ما يصح ارتباط الروح الإلهي بها؛ كما أنك إذا مَصَّصْتَ الهواء من القارورة، تَخْلُخَلُ الهواء، حتى تبلغ إلى حد لا تخلخل بعده، فلا تستطيع المص، أو تنفخ في القارورة؛ وما ذلك إلا لبسنا شيء من طبيعة الهواء، فكذاك سوف في النسمه وحدها، لا يجاوز هما الأمر.

ترجمہ: اور ہمارے نزدیک وجدان صحیح سے یہ بات محقق ہو گئی ہے کہ موت نسمہ کا بدن سے جدا ہونا ہے، بدن میں نسمہ کو پیدا کرنے کی استعداد کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے، موت روح قدسی کا نسمہ سے جدا ہونا نہیں ہے۔ اور جب لاغر کرنے والی بیماریوں کی وجہ سے نسمہ تحلیل ہو جاتا ہے تو حکمت خداوندی میں ضروری ہوتا ہے کہ نسمہ کی اتنی مقدار باقی رہ جائے کہ اس کے ساتھ روح الہی کا جزا درست ہو: جیسے جب آپ بوتل سے ہوا چوسیں تو باقی ہوا تحلیل جائے گی تا آنکہ ایسی حد آجائے کہ اس کے بعد خلخل نہ ہو سکے، پس آپ چوس نہ سکیں گے یا بوتل ٹوٹ جائے گی، اور نہیں ہے یہ بات مگر ایک راز کی وجہ سے، جو ہوا کی ماہیت سے پیدا ہوتا ہے، پس اسی طرح نسمہ میں بھی ایک راز ہے اور اس کی تحلیل کے لئے ایک حد ہے، معاملہ ان دونوں سے آگے نہیں بڑھتا۔

لغات:

وَجَدَان: (صدر) پانا اور اصطلاح میں نفس اور باطنی قوت کو کہتے ہیں وجدانی: ہر وہ چیز جس کو انسان اپنے نفس

سے محسوس کرے، جو چیزیں باطنی قوتوں سے محسوس ہوں جمع و جملہ انیسات۔ پھر اگر بے دلیل مفروضہ ہے تو وہ وجدان فاسد ہے اور اگر کبھی ہوئی بات کسی دلیل پر مبنی ہے تو وہ وجدان صحیح ہے۔ اَذْلَفَ الْمَرِيضُ: قریب المرگ کر دیا۔



دوسرا فائدہ: موت کے بعد نسمة کی زندگی:

موت کے بعد نسمة کو کئی زندگی ملتی ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد روح ربانی نسمة کی تربیت کرتی ہے اور اس میں جو سب مشرک باقی رہ گئی ہے اس کو عالم مثال سے کمک پہنچاتی ہے، جس سے اس کو نشأت ثانیہ ملتی ہے اور اس میں ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سنہ، دیکھتے اور بات کرنے کے قابل ہو جاتی ہے اور عالم مثال کی کمک سے مراد وہ قوت ہے جو بحر اور محسوس کے بین بین الفاظ میں شئی واحد کی طرح بکھری ہوئی ہے (یعنی وہ قوت نہ بالکلیہ مجرد ہے نہ مادی، بلکہ بین بین ہے)

اور جب نسمة کو کئی زندگی مل جاتی ہے تو کبھی اس میں جسم دار ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اس وقت نسمة کو عالم مثال کی مدد سے نورانی یا ظلمانی مثالی جسم دیدیا جاتا ہے پھر عالم برزخ کے حیرت زا واقعات شروع ہو جاتے ہیں، قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے، سوال و جواب ہوتے ہیں، عذاب قبر کی مختلف شکلیں رونما ہوتی ہیں اور قبر میں راحتوں کا سامان شروع ہو جاتا ہے۔

تیسرا فائدہ: صورت پھونکنے کے بعد کے احوال:

جب پہلی بار صورت پھونکا جائے گا تو ہر چیز ختم ہو جائے گی، پھر جب فیصلہ خداوندی ہوگا تو وہ بارہ صورت پھونکا جائے گا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فیضان عام ہوگا، جیسا ابتدائے آفرینش کے وقت ہوا تھا، جب اجسام میں رحمتیں پھونکی گئی تھیں، اور عالم موالید کی بنیاد قائم کی گئی تھی، ویسا ہی فیضان قیامت کے دن بھی ہوگا، جس سے سب لوگوں کو کئی زندگی مل جائے گی۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ روح ربانی کے فیضان سے نسمة کو خالص مادی یا مادہ اور مثال کے بین بین جسم مل جائے گا اور میدان قیامت کے وہ تمام واقعات شروع ہو جائیں گے جس کی صادق و مصدق ﷺ نے خبر دی ہے۔

چوتھا فائدہ: ملکیت و بہیمیت

انسان میں تین چیزیں ہیں، سب سے نیچے جسم ہے، درمیان میں نسمة، اور اوپر روح ربانی ہے، پس نسمة کا جو رخ جسم کی طرف ہے اس کا نام بہیمیت ہے، اور اس کا جو رخ روح ربانی کی طرف ہے اس کا نام ملکیت ہے۔ یعنی جسم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے جو برے اثرات نسمة میں پیدا ہوتے ہیں اس کا نام بہیمیت (وحشی پن) ہے اور روح ربانی کے

ساتھ تعلق کی وجہ سے جو اچھے اثرات نسۃ میں پیدا ہوتے ہیں اس کا نام ملکیت (فرشتہ پن) ہے۔

یا نچوال فائدہ: روح کی پوری حقیقت بیان نہیں کی گئی:

اس باب میں روح کے تعلق سے جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ صرف تمہیدی باتیں ہیں، اور اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ آپ کتاب ملی وجہ تعمیرت پر جس اور اس پر مسائل کو تفرع کریں، روح کی پوری حقیقت سے پر وہ ایک دوسرے علم میں اٹھایا جاسکتا ہے، جو اس علم سے برتر ہے یعنی وہاں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کی جاسکتی ہے، یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے زیادہ مناسب نہیں۔ ورنہ بات دور جا پڑے گی، اور وہ دوسرا علم فلسفہ تصوف ہے، وہاں زیادہ بحث مناسب ہے۔

وَإِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ كَانَ لِلنَّسْمَةِ نَشْأَةٌ أُخْرَى، فَيُنْبَشِئُ فَيْضُ الرُّوحِ الْإِلَهِيِّ فِيهَا قُوَّةً، فَيَمَّا بَقِيَ مِنَ الْحَسَنِ الْمَشْتَرَكِ، تَكْفِي كِفَايَةَ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالْكَلامِ بِمَدَدٍ مِنْ عَالَمِ الْمَثَالِ، أَعْنَى الْقُوَّةِ الْمُتَوَسِّطَةِ بَيْنَ الْمَجْرُودِ وَالْمَحْسُوسِ، الْمُنْتَهَى فِي الْأَفْلاكِ كَشْفِيٍّ وَاحِدٍ، وَرَبِّمَا نَسْتَعِدُّ النَّسْمَةَ حَيْثُ نَدَّ لِلْبَاسِ نُورَانِي أَوْ ظُلْمَانِي بِمَدَدٍ مِنْ عَالَمِ الْمَثَالِ؛ وَمِنْ هُنَاكَ تَتَوَلَّدُ عَجَائِبُ عَالَمِ الْبَرَزَخِ.

ثم إِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ، أَيْ جَاءَ فَيْضٌ عَامٌّ مِنْ بَارِئِ الصُّورِ، بِمَنْزِلَةِ الْفَيْضِ الَّذِي كَانَ مِنْهُ فِي بَدْءِ الْخَلْقِ، حِينَ نَفَخَتْ الْأَرْوَاحُ فِي الْأَجْسَادِ، وَأَسَّسَ عَالَمُ الْمَوَالِيدِ، أَوْ جَبَّ فَيْضُ الرُّوحِ الْإِلَهِيِّ: أَنْ يَكْتَسِبَ لِبَاسًا جِسْمَانِيًّا، أَوْ لِبَاسًا بَيْنَ الْمَثَالِ وَالْجِسْمِ، فَيَتَحَقَّقُ جَمِيعُ مَا أَخْبَرَهُ الصَّادِقُ الْمُصْطَرَفِيُّ، عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَآيَمُنُ التَّحِيَّاتِ.

ولما كَانَتِ النَّسْمَةُ مُتَوَسِّطَةً بَيْنَ الرُّوحِ الْإِلَهِيِّ وَالْبَدَنِ الْأَرْضِيِّ، وَجَبَ أَنْ يَكُونَ لَهَا وَجْهٌ إِلَى هَذَا، وَوَجْهٌ إِلَى ذَلِكَ؛ وَالْوَجْهَ الصَّائِلَ إِلَى الْقُدْسِ هُوَ الْمَلَكِيَّةُ، وَالْوَجْهَ الصَّائِلَ إِلَى الْأَرْضِ هُوَ الْبَهِيمِيَّةُ.

وَنُفِصَتْ مِنْ حَقِيقَةِ الرُّوحِ عَلَى هَذِهِ الْمَقْدَمَاتِ، لِيُتَسَلَّمَ فِي هَذَا الْعِلْمِ، وَتُقَرَّرَ عَلَيْهَا التَّفَارِيعُ، قَبْلَ أَنْ يَنْكَشِفَ الْحِجَابُ فِي عِلْمِ أَعْلَى مِنْ هَذَا الْعِلْمِ؛ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور جب انسان مر جاتا ہے تو نسۃ کو نشأت ثانیہ ملتی ہے، پس روح ربانی کا فیضان اس میں ایک قوت پیدا کرتا ہے، جس مشترک کے باقی ماندہ میں، (پس) وہ (جس مشترک) سننے، دیکھنے اور بات چیت کرنے کا کام کرنے لگتی ہے، عالم مثال کی ملک سے، مراد لیتا ہوں میں اس قوت کو جو مجرد محسوس کے بین بین ہے، جو افلاک میں شیء واحد کی

طرف بکھری پڑی ہے۔

اور اس وقت کبھی نسمہ میں نورانی یا ظلمانی لباس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، عالم مثال کے تعاون سے، اور اُس جگہ سے عالم برزخ کے عجائبات شروع ہو جاتے ہیں۔

پھر جب صورت پھوٹا جائے گا یعنی صورتیں پیدا کرنے والے کی طرف سے فیضان عام ہوگا، اُس فیضان جیسا جو اللہ کی طرف سے ابتدائے آفرینش میں ہوا تھا، جب اجسام میں روئیں پھونکی گئی تھیں، اور عالم موالید کی بنیاد رکھی گئی تھی، تو وہاں جب کیا روح ربانی کے فیضان نے کہ نسمہ جسمانی یا مثال و جسم کے بین بین لباس پہن لے، پس پائی جائیں گی وہ تمام باتیں جن کی اطلاع دی ہے صادق و مصدوق نے، ان پر بہترین درود نازل ہو اور بارگاہِ سلامت سلام!

اور جب نسمہ روح ربانی اور بدن خاکی کے بین بین ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک رخ اس کی طرف ہو اور ایک رخ اُس کی طرف ہو، اور جو رخ عالم بالا کی طرف مائل ہے وہ ملکیت ہے اور جو رخ زمین کی طرف ہے وہ بھیمیت ہے۔ اور ہمیں روح کی حقیقت کے سلسلہ میں ان تمثیلی باتوں پر اکتفا کرنی چاہئے تاکہ یہ باتیں اس علم میں مان لی جائیں، اور ان پر مسائل متفرع کئے جائیں۔ اس سے پہلے کہ پردہ اٹھے ایک ایسے علم میں جو اس سے برتر ہے واللہ اعلم۔

لغات:

اَنْشَاءٌ اِنْشَاءً: پرورش کرنا، نیا پیدا کرنا۔ كَفَى يَكْفِي كَفَايَةً الشَّيْءُ: کافی ہونا، تکفیی کفایۃ کذا: اس جیسا کام کرنے لگنا۔ اِخْتَسَلَى: لباس پہننا۔ صَادِقٌ سِجَاً: مَصْدُوقٌ سِجَاً کیا گیا یعنی جس کی صداقت کو لوگ تسلیم کر لیں۔ قَوْلُهُ بَمَدَدٍ مُتَعَلِّقٌ بِهٖ بِنَشْئِیْ: اور دوسرا بمدد متعلق ہے تستعد سے۔

تشریح:

(۱) حس مشترک: وہ باطنی قوت ہے جو جو اس ظاہرہ کی حاصل کی ہوئی صورتوں کو قبول کرتی ہے (دیکھئے معین الفلفیہ

ص ۱۴۳)

(۲) فلسفہ تصوف کو علم الحقائق بھی کہتے ہیں، یہ علم تصوف کا نظری حصہ ہے، جس میں ذات و صفات، و قیاس و ادرات و تجلیات، رابط الحوادث بالقدیم، وجود اعیان ثابتہ، تنزلات ست، روح، عالم مثال، ظاہر الوجود، باطن الوجود اور دیگر حقائق سے بحث کی جاتی ہے۔ اور تصوف کا عملی پہلو جس میں قرب خداوندی حاصل کرنے کا طریقہ اور عبادت و ریاضت کی مختلف شکلیں اور واردات کو جذب کرنے کی صورتیں بیان کی جاتی ہیں، وہ علم سلوک کہلاتا ہے (الطاف القدس مترجم کا حاشیہ ص ۲۲)



باب — ۶

انسان مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟

(دلیل نقلی)

اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو مکلف کیوں بنایا ہے؟ دیگر مخلوقات مکلف کیوں نہیں بنائی گئیں؟ انسان کی تکلیف کا راز، علت اور وجہ کیا ہے؟ یہ سوال بہت سے لوگوں کے ذہن میں انگڑائی لیتا ہے۔ اس باب میں اسی کا بیان ہے۔

مکلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احکامات دیئے ہیں اور ان کی تعمیل یا عدم تعمیل پر جزا و سزا رکھی ہے، ورنہ صرف احکام تو اللہ نے تمام مخلوقات کو دیئے ہیں، اور ہر مخلوق تعمیل حکم میں لگی ہوئی ہے، سورج کو طلوع و غروب ہونے کا حکم ملا ہے، ہواؤں کو چلنے کا، بادلوں کو برسنے کا، چڑیوں کو چھپانے کا کام سونپا گیا ہے۔ قس علی ہذا اور کسی مخلوق میں حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کی طاقت نہیں، مگر ان کے لئے تعمیل حکم پر کوئی ثواب نہیں رکھا گیا، اس کے برخلاف انسان کی صورت حال یہ ہے کہ وہ مامور بھی ہے اور حکم کی تعمیل یا عدم تعمیل کا اختیار بھی رکھتا ہے اور اس کے لئے جزا و سزا بھی مقرر کی گئی ہے، اسی کا نام تکلیف شرعی ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ پہلے یہ مسئلہ دلیل نقلی سے سمجھاتے ہیں، پھر دلیل عقلی بیان کریں گے، سورۃ الاحزاب کی بالکل آخری آیات (۷۲، ۷۳) میں ہے کہ ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ (إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى) وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے سامنے ”امانت“ پیش فرمائی۔ امانت کے معنی ہیں ذمہ داری جیسے مدرس اور ملازم کی ایک ذمہ داری ہوتی ہے، جس کے پاس کوئی چیز برائے حفاظت رکھی جاتی ہے اس کی ایک ذمہ داری ہوتی ہے، ملک کے سربراہ کی ایک ذمہ داری ہے، اسی طرح تکلیف بھی ایک ذمہ داری ہے، جو احکام بجالاتا ہے وہ ذمہ داری پوری کرتا ہے، اور جو تعمیل حکم نہیں کرتا وہ ذمہ داری میں خلل ڈالتا ہے۔

یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے سامنے پیش کی ہے، مگر آیت میں بڑی بڑی تین مخلوقات کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنی آسمان، زمین اور پہاڑوں کا، کیونکہ جب آدمی سر اوپر اٹھاتا ہے تو آسمان نظر آتا ہے، ذرا جھکاتا ہے تو پہاڑ سامنے ہوتے ہیں، اور بالکل نگاہ نیچے کر لیتا ہے تو زمین کو دیکھتا ہے، اس لئے انہی تین مخلوقات کا تذکرہ فرمایا ہے، ورنہ ذمہ داری تمام مخلوقات کے سامنے پیش کی گئی تھی، کیونکہ جب وہ بڑی مخلوقات کے سامنے پیش کی گئی تو چھوٹی مخلوقات کے سامنے تو بدرجہ اولیٰ پیش کی گئی۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہر مخلوق کو دیا گیا تھا، اور صرف فرشتوں کا ذکر اس لئے

کیا گیا ہے کہ اس وقت میں وہی سب سے اشرف مخلوق تھے اور جب اشرف مخلوق مامور ہوئی تو دیگر مخلوقات بدرجہ اولیٰ مامور ہو گئی، جب کسی کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے تو خود بخود تعظیم و احترام کی ضرورت پڑے گی بلکہ پورے ملک کے باشندوں کے لئے ہو جاتا ہے۔ اور اس کی دلیل شیطان کا ابا اور اس کا مردود ہونا ہے، یہ بات اسی وقت معقول ہو سکتی ہے جبکہ وہ بھی سجدے کا مامور ہو (جیسا کہ سورۃ الکہف میں آیا ہے) حالانکہ مامورین میں صراحۃً جنات کا ذکر نہیں ہے۔ غرض جس طرح تمام مخلوقات سجدہ کرنے کی مامور تھیں، بار امانت بھی تمام مخلوقات کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

تمام مخلوقات نے بار امانت اٹھانے سے انکار کر دیا، وہ بار امانت دیکھ کر گھبرا گئے، یہ پیش کش اور انکار فطری تھا، حسی اور قوی نہیں تھا یعنی جس طرح جانور کے سامنے گھاس چارہ پیش کرتے ہیں اس قبیل سے نہیں تھا، اور نہ مخلوقات نے زبان سے انکار کیا تھا، سورۃ النحل آیت ۱۸ میں صراحت ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر تمام مخلوقات اللہ کے سامنے منقاد ہیں بلکہ پیش کرنے کا مطلب ان مخلوقات کی صلاحیتوں کے ساتھ موازنہ (Comparison) کرنا ہے یعنی ان کی صلاحیتوں کے ساتھ برابر کر کے دیکھنا ہے، جیسے مشین کا اسکر (Screw) ٹوٹ جاتا ہے تو دوکان پر لیجاتے ہیں، دوکاندار دوسرے اسکرز سے موازنہ کر کے دیکھتا ہے، کوئی چھوٹا ہوتا ہے، کوئی بڑا، اور کوئی بالکل برابر دوکاندار وہ گاہک کو دیتا ہے، اسی طرح مخلوقات کی صلاحیتوں سے امانت کا موازنہ کر کے دیکھا گیا تو مطابقت نظر نہ آئی، یہی عدم مطابقت ان کا انکار ہے اور سمجھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ قطعاً مطابقت نہیں پائی گئی، ان میں بالکل ہی صلاحیت نظر نہ آئی، مخلوق کی استعدادوں میں اور امانت میں کوئی جوڑ نظر نہ آیا۔

اور جب امانت کا انسان کی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو پوری پوری مطابقت نظر نہ آئی، یہی مطلب ہے انسان کے امانت کو اٹھانے کا۔ اور انسان میں وافر صلاحیت کے موجود ہونے کی دلیل اس کا ظلم و جہول ہونا ہے۔ ظلم و جہول مبالغہ کے صیغے ہیں اور ظالم و جاہل وہ ہوتا ہے جس میں جاننے اور انصاف کرنے کی صلاحیت ہو، مگر نہ جاننے یا انصاف نہ کرے، چنانچہ دیوار اینٹ، پتھر کو ہم نہ ظالم کہہ سکتے ہیں نہ جاہل، کیونکہ ان میں انصاف کرنے کی اور جاننے کی صلاحیت نہیں۔ اور انسان نہ صرف یہ کہ عالم و عادل ہو سکتا ہے، بلکہ وہ علیم و عدول بھی ہو سکتا ہے، اسی طرح وہ نہ صرف ظالم و جاہل ہو سکتا ہے بلکہ ظلم و جہول بھی ہو سکتا ہے۔

غرض انسان میں دونوں طرح کی وافر صلاحیتیں موجود ہیں اور انسان کے علاوہ فرشتے ہیں ان میں صرف ایک طرف صلاحیت ہے، وہ ظلم و جہول نہیں ہو سکتے، اور بہائم میں عالم و عادل ہونے کی صلاحیت نہیں۔

یہاں سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ انسان نے کام وہ کیا جو کوئی نہیں کر سکا، اور صلہ یہ ملا کہ وہ ظلم و جہول ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم و جہول صرف صفات ذم نہیں، ان میں صفات مدح بھی مضمر ہیں، یعنی اگر وہ چاہے تو علیم و عدول بھی ہو سکتا ہے، اس میں اس کی بھی وافر صلاحیت موجود ہے اور نہ چاہے تو ظلم و جہول ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ انسان نے جو یہ بار امانت اٹھایا ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشرک مردوزن اور منافق مردوزن سزا پائیں گے، اور اہل ایمان منظور نظر بنیں گے، اور ان کی معمولی کوتاہیوں سے درگزر کیا جائے گا۔ لیٰعذب میں لام، لام عاقبت ہے یعنی انجام یہ ہوگا جیسے سورۃ القصص آیت ۸ میں لام عاقبت ہے کہ فرعون کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا تا کہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں یعنی ان لوگوں نے اس غرض کے لئے نہیں اٹھایا تھا، بلکہ اٹھانے کا نتیجہ یہ نکلے گا۔

یہ لام، لام علت نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ثواب و عقاب کی غرض سے انسان کو پیدا نہیں کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، ان کے کاموں میں حکمت تو ضرور ملحوظ ہوتی ہے، مگر ان کے کام معلل بالاعراض نہیں ہوتے یعنی وہ کوئی بھی کام کسی غرض سے نہیں کرتے، کیونکہ کسی غرض کے لئے کام کرنا خود غرضی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔

یہاں سے یہ سوال بھی مل ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ثواب و عقاب کے لئے انسانوں کو بار امانت اٹھوایا ہے، تو منشا خداوندی ضرور پورا ہوگا، پھر بے چارے انسان کا کیا قصور؟ جواب یہ ہے کہ یہ سوال لام علت ہونے کی صورت میں متوجہ ہوگا، لام عاقبت ہونے کی صورت میں سرے سے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوگا۔

اور لام عاقبت کی مثال یہ ہے کہ دنیا کے تمام تعلیمی ادارے اعلیٰ تعلیم دینے کے لئے قائم کئے جاتے ہیں، طلبہ کو فیمل کرنے کے لئے کوئی ادارہ قائم نہیں کیا جاتا، مگر نتیجہ بہر حال دونوں طرح کا سامنے آتا ہے، بدشوق طلبہ فیمل ہو جاتے ہیں، مگر ادارہ ان کو فیمل کرنے کے لئے قائم نہیں کیا گیا۔ اسی طرح سورۃ الملک آیت ۲ میں اور سورۃ الکہف آیت ۷ میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کارخانہ حیات ان لوگوں کو الگ کرنے کے لئے قائم کیا ہے جو بہترین کام کرتے ہیں گو نتیجہ یہ نکلے گا کہ کچھ لوگوں سے جہنم بھردی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں:

(۱) امانت سے مراد تکلیف کی ذمہ داری سنبھالنا، تکلیف کا پٹہ گلے میں ڈالنا اور ثواب و عقاب کے خطرہ کے

دور پے ہونا ہے۔

(۲) اور عرض (پیش کرنے) سے مراد مخلوقات کی استعدادوں سے موازنہ کرنا ہے۔

(۳) اور اباء (انکار کرنے) سے مراد لیاقت و استعداد کا فقدان ہے۔

(۴) اور حمل (اٹھانے) سے مراد انسان میں لیاقت کا ہونا ہے۔

(۵) اور ظہوم و جہول ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان میں مکلف ہونے کی وافر صلاحیت موجود ہے۔

(۶) اور لیٰعذب میں لام، لام عاقبت ہے، لام علت و غایت نہیں۔

اور سب باتوں کا پتھر یہ ہے کہ مکلف ہونے کی صلاحیت صرف انسان میں ہے، اس لئے اسی کو مکلف بنایا گیا ہے اور دیگر

مخلوقات کو مکلف اس لئے نہیں بنایا گیا کہ ان میں تکلیف کی سرے سے صلاحیت ہی نہیں اور انسان بھی اس وقت مکلف ہوتا ہے جب کہ اس میں کامل صلاحیت پائی جائے پھر بلوغ سے پہلے مکلف نہیں ہوتا کیونکہ صلاحیت کامل نہیں ہوتی اسی طرح مجنون اور جس کی بے ہوشی طویل ہو جائے مکلف نہیں رہتا کیونکہ ان دونوں حالتوں میں صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔

﴿باب سرِّ التکلیف﴾

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ، فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا، وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا، وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ، إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا، لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ، وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ، وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾
 ثبہ الغزالی والبضاوی وغیرہما علی أن المراد بالأمانة تفقُّد عہدۃ التکلیف، بأن نعرض لخطر الشواب والعقاب، بالطاعة والمعصية؛ وبعرضها عليهن اعتباراً بها بالإضافة إلى استعدادهن؛ وبإبائهن الإباء الطبيعي، الذي هو عدم اللياقة والاستعداد؛ وبحمل الإنسان قابليته واستعداده لها.
 أقول: وعلى هذا فقولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ خرج مخرج التعليل، فإن الظلوم: من لا يكون عادلاً، ومن شأنه أن يعدل، والجهول: من لا يكون عالماً، ومن شأنه أن يعلم، وغير الآدمي: إما عالم عادل، لا يتطوَّف إليه الظلم والجهل، كالملائكة؛ وإما ليس بعادل ولا عالم، ولا من شأنه أن يتكبَّسَهما، كالبهائم؛ وإنما يليق بالتكليف، ويستعذله: من كان له كمال بالقوة، لا بالفعل؛ واللام في قوله تعالیٰ: ﴿لِيُعَذِّبَ﴾ لام العاقبة، كأنه قال: عاقبة حمل الأمانة التعذيب والتعميم.

ترجمہ: باب: مکلف بنانے کا راز: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”بیٹک ہم نے یہ امانت آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی، موانہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا، اور وہ اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بیٹک وہ ہذا ظالم، بڑا نادان ہے، تاکہ (یعنی انجام یہ ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ منافقین اور منافقات کو اور مشرکین اور مشرکات کو سزا دے، اور وہ زمین اور مینات پر توجہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ بے حد مغفرت فرمانے والے نہایت مہربان ہیں۔“

امام غزالی، قاضی بیضاوی اور ان دونوں کے علاوہ نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ امانت سے سزا و تکلیف کی ذمہ داری سنبھالنا ہے (تکلیف کا پتہ گلے میں ڈالنا ہے) بایں طور کہ مخلوقات فرماں برداری کر کے، یا نافرمانی کر کے ثواب و عقاب کے خطرہ کے سامنے آئے (یعنی خطرہ مول لے) اور مخلوقات کے سامنے امانت کو پیش کرنے کا مطلب: امانت کا موازنہ کرنا ہے، مخلوقات کی استعداد کی نسبت سے، اور مخلوقات کے انکار کرنے سے سزا: ان کا فطری انکار ہے، جو لیاقت اور استعداد نہ ہونے کا نام ہے اور انسان کے اٹھانے کا مطلب: اس کا قابل ہونا اور اس میں اس امانت کی استعداد کا ہونا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اس تفسیر میں ارشاد باری تعالیٰ ﴿إِنَّهُ كَانَ عَلَوْنًا جَهُولًا﴾ حکم سابق کی علت (دلیل) کے طور پر بیان ہوا ہے اس لئے کہ ”علو“ وہ شخص ہے جو عادل نہ ہو، اور اس کے حال میں سے یہ ہو کہ وہ انصاف کرے اور ”جهول“ وہ شخص ہے جو عالم نہ ہو، اور اس کی شان میں سے یہ ہو کہ وہ جانے، اور انسان کے علاوہ: یا تو عالم و عادل ہیں: ظلم و جہالت کا ان تک گزر رہی نہیں، جیسے فرشتے، یا نہ عادل ہیں نہ عالم اور نہ اس کی شان ہے کہ وہ ان دونوں کو حاصل کر سکیں، جیسے چوپایے۔

اور تکلیف کے لئے سزاوار اور مکلف ہونے کی استعداد انہی میں ہوتی ہے جس کو کمال بالقوہ حاصل ہو، بالفعل حاصل نہ ہو اور ارشاد باری تعالیٰ: يُعَذِّبُ مِثْلَ لَامٍ، لام عاقبت ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ امانت اٹھانے کا اشیاء: تعذیب و محسم (سزا دینا اور راحت پہنچانا) ہوگا۔

تشریح:

(۱) قوت کے معنی ہیں کسی چیز کا حاصل ہو سکتا اور فعل کے معنی ہیں حاصل ہونا یعنی کسی چیز میں کسی وصف کا موجود ہونا فعل ہے اور محض استعداد اور صلاحیت کا ہونا اور وصف کا متوقع الوجود ہونا قوت ہے، جیسے پیدا ہوتے ہی انسان میں ”لکھنے“ کی صلاحیت ہوتی ہے، اس کو بالقوہ سے تعبیر کرتے ہیں، کہتے ہیں: انسان کا تب بالقوہ ہے، پھر جب بڑا ہو کر مشق کر کے کا تب بن جاتا ہے تو اس کو بالفعل سے تعبیر کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ زید کا تب بالفعل ہے۔

(۲) ”میں کہتا ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ اوپر کی باتیں تو دوسرے حضرات نے بیان کی ہیں، اب آگے مزید دو باتیں شاہ صاحب پڑھاتے ہیں۔

(۳) کتاب کے نسخوں میں ان یکسبھا ہے یعنی واحد مؤنث کی ضمیر ہے، مگر یہ تعحیف ہے، صحیح حثنیہ کی ضمیر ہے۔ محظوظ کراچی اور محظوظ برلین میں حثنیہ کی ضمیر ہے۔

لغات: تَقَلَّدَ تَقَلَّدًا: بارہا پینا — تَعَرَّضَ لِلْأَمْرِ: درپے ہونا۔



انسان مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟

(دلیل عقلی)

پہلے اس بات کی دلیل نقلی بیان کی گئی ہے کہ انسان ہی مکلف کیوں ہے؟ اب دلیل عقلی بیان کرتے ہیں، مگر پہلے

ملائکہ، بہائم اور انسان کے احوال پر نظر ڈال لینی چاہئے۔

① ملائکہ غیر مادی مخلوق ہیں، وہ عناصر اور اجزاء سے نہیں بنے یعنی وہ یا تو نور سے بنے ہیں یا عناصر اور اجزاء کے بھاپ سے بنے ہیں، بلا واسطہ عناصر اور اجزاء سے ان کی تخلیق نہیں ہوئی، اس لئے ان میں نہ نسمہ (روح حیوانی) ہے نہ ہیئت، ان میں صرف ملکیت ہے، اور قوت بیکہ کی کمی کی سے جو احوال پیدا ہوتے ہیں، مثلاً بھوک، پیاس، ڈر اور غم، ان سے ملائکہ پاک ہیں، اسی طرح قوت بیکہ کی زیادتی سے جو احوال پیدا ہوتے ہیں، مثلاً جماع کی خواہش، غصہ، اور عجب (تکبر) ان سے بھی ملائکہ پاک ہیں۔ ان کو تغذیہ، حمیہ اور ان کے متعلقات کی بھی فکر نہیں ہوتی کیونکہ وہ کھانے پینے کے جمالیوں سے اور نشوونما کی فکر سے آزاد ہیں۔ وہ ہر وقت عالم بالا کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور حکم کا انتظار کرتے ہیں، جو نبی اوپر سے کوئی حکم ملتا ہے، اس کی تعمیل کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور اس میں ان کی اپنی کوئی غرض نہیں ہوتی، بس عالم بالا کا مقصود ان کا مقصود ہوتا ہے۔

② اور جو پائے عناصر سے بنے ہیں اس لئے ان میں نسمہ (روح حیوانی) اور ہیئت ہوتی ہے روح ربانی ان میں نہیں ہوتی، چنانچہ وہ ہر وقت ملکی حالت میں، اور گندگیوں میں لت پت رہتے ہیں، وہ ہر وقت اپنی طبیعت کے تقاضوں پر شیفہ اور اسی میں فنا رہتے ہیں، اور ہمیشہ وہی کام کرتے ہیں جس میں ان کا نفع ہوتا ہے، یا وہ ان کا فطری تقاضا ہوتا ہے۔

③ اور انسان بھی عناصر اور اجزاء سے بنا ہے مگر اس میں روح ربانی بھی ہے، اس لئے وہ قوت ملکی اور قوت بیکہ کا سنگم ہے۔ قوت ملکی روح ربانی کا فیض ہے، اور قوت بیکہ روح حیوانی (نسمہ) کا اثر ہے، دونوں قوتوں کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

قوت ملکی: یہ قوت اس روح کا فیضان ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے، دیگر حیوانات میں وہ روح نہیں ہوتی، یعنی جب روح ربانی کا فیضان اُس نسمہ پر ہوتا ہے جو سارے بدن میں سرایت کرنے والا ہے، اور نسمہ اس فیضان کو قبول بھی کر لیتا ہے اور اس کا تابعداری کرتا ہے تو انسان میں ملکیت پیدا ہو جاتی ہے۔

قوت بیکہ: یہ قوت نسمہ کا اثر ہے، نسمہ تمام حیوانات میں، بشمول انسان، ہوتا ہے، یہ قوت نسمہ کے تمام قوی کے ساتھ دراز ہوتی ہے، مگر مستقل بالذات ہوتی ہے جب اس کا حکم روح ربانی مان لیتی ہے اور اس کا تابعداری کرتی ہے تو انسان میں قوت بیکہ پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد تین باتیں جان لینی چاہئیں:

① ملکیت اور ہیئت میں ہمیشہ کشمکش رہتی ہے، ملکیت انسان کو بلندی کی طرف کھینچتی ہے، اور ہیئت پستی کی طرف، اور جب ہیئت غالب آ جاتی ہے تو ملکیت دب جاتی ہے اور ہیئت کا راج ہوتا ہے، اور جب ملکیت غالب آ جاتی ہے تو ہیئت ذمہ داری سے اور ملکیت کا حکم چلتا ہے۔

(۲) دنیا کوئی نظام ہو، بھلا ہو یا بُرا، اللہ تعالیٰ کی عنایات اس پر مبدل رہتی ہیں، وہ ہر استعداد پر، بھلی ہو یا بری، فطری ہو یا کسائی، جو دو کم فرماتے ہیں۔ اگر انسان بیکسی حالت کا اکتساب کرتا ہے تو اس میں تعاون کیا جاتا ہے اور اس کے لئے مناسب سامان مہیا کیا جاتا ہے جس سے وہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ ملکی حالت کا اکتساب کرتا ہے تو اس میں بھی تعاون کیا جاتا ہے، اور اس کے لئے مناسب سامان مہیا کیا جاتا ہے، جس سے وہ کام آسان ہو جاتا ہے، سورۃ اللیل آیات (۵-۱۰) میں ارشاد ہے کہ ”جس نے راہ خدا میں خرچ کیا اور وہ اللہ سے ڈرا، اور کلمہ حسنیٰ کی تصدیق کی، تو ہم اس کے لئے آسان چیز کے لئے آسانی کر دیتے ہیں، اور جس نے نکل کیا، اور بے پروا ہوا، اور کلمہ حسنیٰ کو جھٹلایا تو ہم اس کے لئے سخت چیز کے لئے آسانی کر دیتے ہیں“ اور سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۰ میں ارشاد ہے کہ ”ہم ہر ایک کی، ان کی بھی اور ان کی بھی، امداد کرتے ہیں، آپ کے پروردگار کے عطیہ سے“

(۳) ملکی اور بیکسی قوتوں میں سے ہر ایک کو بعض چیزوں میں مزہ آتا ہے اور بعض چیزوں سے کلفت ہوتی ہے، جب کوئی قوت ایسی چیز کا ادراک کرتی ہے، جو اس کے مناسب حال ہوتی ہے، تو اس کو لطف آتا ہے، اور جب ایسی چیز کا ادراک کرتی ہے جو اس کے ناموافق ہوتی ہے تو اس کو رنج پہنچتا ہے، مثلاً ملکیت کو عبادت میں مزہ آتا ہے اور فواحش سے تکلیف ہوتی ہے اور برہمیت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

رہا یہ سوال کہ انسان میں یہ دو متضاد قوتیں جمع کیسے ہوتی ہیں؟ یہ تو آگ اور پانی کا اجتماع ہے تو اس کو دو مثالوں سے سمجھئے: پہلی مثال: جب کوئی چھوٹا آپریشن کیا جاتا ہے تو موقع پر سُن کرنے والی دوا لگادی جاتی ہے، پھر چیر پھاڑ شروع کی جاتی ہے، مریض دیکھتا رہتا ہے اور کام ہوتا رہتا ہے اور مریض کو بالکل تکلیف محسوس نہیں ہوتی، حالانکہ نفس الامر میں تکلیف ہو رہی ہے، چنانچہ دوا کا اثر ختم ہوتے ہی شدت کا درد اٹھتا ہے، جس پر ڈاکٹر دواؤں کے ذریعہ قابو پاتا ہے۔ پس جس طرح اس مثال میں درد ہو بھی رہا اور نہیں بھی ہو رہا ہے، اسی طرح انسان میں بھی دو متضاد قوتیں جمع ہیں۔

دوسری مثال: اطباء کہتے ہیں کہ گلاب کے پھول میں تین متضاد قوتیں ہیں:

(۱) قوت ارضی: جب گلاب کے پھول کو خوب باریک چس کر کسی پھوڑے بھنسی پر لپ کیا جائے، تو وہ خشک ہونے پر پتھر جیسا ہو جائے گا، یہ عنصر ارض کا اثر ہے۔

(۲) قوت مائی: جب گلاب کے پھولوں کو نچوڑ کر پیا جائے، تو وہ بالکل پانی ہوگا، یہ عنصر ماء (پانی) کا اثر ہے۔

(۳) قوت ہوائی: جب گلاب کا پھول ناک کے قریب لے جاتے ہیں، تو دور سے ہی خوشبو محسوس ہوتی ہے، یہ عنصر ہوا کا اثر ہے۔

وسیل عقلی: اس طولانی تمہید سے معلوم ہوا کہ مکلف ہوتا انسان کا نوعی اقتضاء ہے وہ اپنی استعداد کی زبان سے بارگاہ خداوندی میں درخواست کرتا ہے کہ اس کی دونوں قوتوں کی رعایت ملحوظ رکھی جائے اور دونوں کا تقاضا پورا کیا جائے یعنی

قوت ملکیت کے مناسب حال جو چیزیں ہیں، وہ اس پر واجب کی جائیں اور ان کی بچا آوری پر صلہ دیا جائے، اور قوت ہیمیمہ میں منہک ہونے کو اس پر حرام کیا جائے، اور اس کی خلاف ورزی پر، اس کو سزا دی جائے، یہی تکلیف شرعی ہے اس کی مزید تفصیل اگلے باب میں آ رہی ہے۔

وإن شئت أن تستجلي حقيقة الحال، فعليك:

[۱] أن تصوّر حال الملائكة في تجرّدها، لا يُزْعِجُهَا حالة ناشئة من تفریط القوة الهيميمية، كالجوع والعطش والخوف والحزن؛ أو إفراطها، كالشُبْق والغضب واليأس، ولا يُهْمُّهَا التغذية والنسمة ولو أحقهما، وإنما تبقى فارغة لا تنتظر ما يرد عليها من فوقها، فإذا ترشّح عليها أمر من فوقها: من إجماع على إقامة نظام مطلوب، أو رضا من شيء، أو بغض شيء، امتلأت به، وانقادت له، وانبعثت إلى مقتضاه، وهي في ذلك فانية عن مراد نفسها، باقية بمراد ما فوقها.

[۲] ثم تصوّر حال البهائم في تلطّحها بالهيات الخسيسة، لا تزال مشغوفة بمقتضيات الطبيعة، فاية فيها، لا تنبثق إلى شيء إلا أنبعاثا بهيميا، يرجع إلى نفع جسديّ واندفاع إلى ما تعطيه الطبيعة فقط.

[۳] ثم تعلم أن الله تعالى قد أودع الإنسان بحكمته الباهية قوتين:

[الف] قوة ملكية، تنشعب من فيض الروح المخصوصة بالإنسان، على الروح الطبيعية السارية في البدن، وقبلها ذلك الفيض، وانقهارها له.

[ب] وقوة بهيمية: تنشعب من النفس الحيوانية، المشترك فيها كل حيوان، المتشبهة بالقوى القائمة بالروح الطبيعية، واستقلالها بنفسها، وإذعان الروح الإنسانية لها، وقبلها الحكم منها.

ثم تعلم:

[۱] أن بين القوتين تزاوجا وتجادبا، فهذه تجذب إلى العلو، وتلك إلى السفلى؛ وإذا برزت الهيميمية، وغلبت آثارها، كسنت الملكية، وكذلك العكس.

[۲] وأن للبشري جل شأنه عناية بكل نظام، وجوذا بكل ما يسأله الاستعداد الأصلي والكسبي؛ فإن كسب هيات بهيمية أمد فيها، ويسر له ما يناسبها؛ وإن كسب هيات ملكية أمد فيها، ويسر له ما يناسبها، كما قال الله تعالى: ﴿فَأَمَّا مَن آعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ،﴾

فَسُبِّرُوهُ لِلْبُسْرِ، وَأَمَّا مَنْ سَحِلَ وَاسْتَعْنَى، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى، فَسَنُيِّرُوهُ لِلْعُسْرَى ﴿۱﴾ وَقَالَ ﴿كَلَّا نُمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ، وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا﴾

[۲] وَأَنْ لِّكُلِّ فَوْهٍ لَذَّةٌ وَالْمَاءُ، فَاللَّذَّةُ: إِدْرَاكُ مَلَايِلِهَا، وَالْأَلَمُ: إِدْرَاكُ مَا يَخَالِفُهَا؛

وَمَا أَشْبَهَ حَالِ الْإِنْسَانِ بِحَالِ مَنْ اسْتَعْمَلَ مُحْذَرًا فِي بَدَنِهِ، فَلَمْ يَجِدْ لَفْخِ النَّارِ، حَتَّى إِذَا صُغِفَ أَثَرُهُ، وَرَجَعَ إِلَى مَا تَعْطِيهِ الطَّبِيعَةُ، وَجَدَ الْأَلَمَ أَشَدَّ مَا يَكُونُ.

أَوْ بِحَالِ الْوَزْدِ، عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْأَطْبَاءُ: أَنَّ فِيهِ ثَلَاثَ قُوَى: قُوَّةُ أَرْضِيَّةٍ تَظْهَرُ عِنْدَ السَّخَقِ وَالطَّلَاءِ، وَقُوَّةُ مَائِيَّةٍ تَظْهَرُ عِنْدَ الْعُضْرِ وَالشُّرْبِ، وَقُوَّةُ هَوَائِيَّةٍ تَظْهَرُ عِنْدَ الشَّمِّ.

فَتَبِينُ أَنَّ التَّكْلِيفَ مِنْ مُقْتَضِيَاتِ النَّوْعِ، وَأَنَّ الْإِنْسَانَ يَسْأَلُ رَبَّهُ بِلِسَانِ اسْتِعْدَادِهِ أَنْ يُوَجِبَ عَلَيْهِ مَا يُنَاسِبُ الْقُوَّةَ الْمَلَكِيَّةَ، ثُمَّ يُثَبِّتَ عَلَى ذَلِكَ، وَأَنْ يُحَرِّمَ عَلَيْهِ الْإِتِهَامَ فِي الْبَهِيمَةِ، وَيُعَافِ عَلَى ذَلِكَ: وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ: اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ حقیقت حال واضح ہو جائے تو آپ پر لازم ہے کہ:

(۱) آپ فرشتوں کی اور ان کی ماہ سے مجروح ہونے کی حالت سوچیں، ان کو برا ہیچ نہ سمجھیں کرتی قوت بھیمہ کی کمی سے پیدا ہونے والی حالت، جیسے بھوک، پیاس، ڈر اور غم، اور نہ قوت بھیمہ کی زیادتی سے پیدا ہونے والی حالت، جیسے جامعت کی شدید حرص، غصہ اور کُجَب و غرور، اور نہ ان کو کُجَر مند بنانا ہے تغذیہ، تنمیر اور ان کے تعلقات، وہ بس فارغ رہتے ہیں اس چیز کے انتظار میں جو ان پر ان کے اوپر سے وارو ہوتی ہیں، پس جب گنتی ہے ان پر کوئی چیز ان کے اوپر سے، جیسے مطلوبہ نظام کے برپا کرنے کا پختہ ارادہ، یا کسی چیز سے خوشنودی، یا کسی چیز سے شدید نفرت، تو وہ اس سے لبریز ہو جاتے ہیں اور اس کی تابعداری کرتے ہیں، اور اس کے مقتضی کی طرف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، درانحالیکہ وہ اس بارے میں اپنے نفس کی مراد سے یکسر نکل جانے والے ہوتے ہیں، اور عالم بالا کی مراد کے ساتھ باقی رہنے والے ہوتے ہیں۔

(۲) پھر آپ چوپایوں کی اور ان کی خسیں حالتوں میں ملوث ہونے کی حالت سوچیں، وہ ہر طبیعت کے تقاضوں پر شیفٹ رہتے ہیں اور اسی میں فارغ رہتے ہیں، وہ کسی چیز کی طرف نہیں اٹھتے مگر یہی انداز کا اٹھنا، جس کا مال جسمانی نفع ہوتا ہے، یا اس چیز کی طرف بہ جانا ہوتا ہے، جو صرف ان کی طبیعت کی دین ہے۔

(۳) پھر آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت غالب سے انسان کے اندر دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔

(الف) ملکی قوت: وہ اس روح کے فیضان سے پھوٹتی ہے، جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے (یعنی روح ربانی کے فیضان سے) اور یہ فیضان اس فطری روح پر ہوتا ہے جو تمام بدن میں سرایت کرنے والی ہے (یعنی روح حیوانی پر) اور اس طبعی روح کے اس فیضان کو قبول کرنے کی وجہ سے، اور فطری روح کے تابعدار ہونے کی وجہ سے روح ربانی کے (قوت

ملکیہ پیدا ہوتی ہے)

(ب) اور قوت بہیمیہ: وہ اُس نفس حیوانی (نسمہ) سے چھوٹی ہے، جس میں تمام حیوان مشترک ہیں، یہ قوت، فطری روح (نسمہ) کے ساتھ قائم قوی کے ساتھ دراز ہونے والی ہے، اور اس کے مستقل بالذات ہونے کی وجہ سے، اور روح انسانی (یعنی روح ربانی) کے تابع دار ہونے کی وجہ سے نسمہ کے، اور روح ربانی کے اس کا حکم ماننے کی وجہ سے (یہ قوت بہیمیہ پیدا ہوتی ہے)
پھر آپ جان لیں کہ:

(۱) دونوں قوتوں کے درمیان کشش اور سرکش رہتی ہے، پس یہ (یعنی ملکیت) کھینچتی ہے بلندی کی طرف، اور وہ (یعنی بہیمیت) پسپائی کی طرف، اور جب بہیمیت سرابھارتی ہے اور اس کے آثار کا غلبہ ہوتا ہے تو ملکیت دب جاتی ہے، اور اسی طرح برعکس معاملہ ہے۔

(۲) اور یہ کہ اللہ جل شانہ کی اس دنیا کے ہر نظام پر ایک خاص عنایت ہے، اور وہ جو دو کرم فرماتے ہیں ہر وہ چیز عنایت فرما کر جو انسان کی اصلی اور کسی استعداد مانگتی ہے۔ چنانچہ اگر انسان بھیگی حالتوں کا اکتساب کرتا ہے تو اس میں مدد پہنچائی جاتی ہے، اور اس کے لئے وہ چیزیں آسان کی جاتیں ہیں، جو ان حالتوں کے مناسب ہوتی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”سو جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا، اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی قصد لی کی، تو ہم اس کو آسان چیز کیلئے سامان دیتے ہیں، اور جس نے بغل کیا، اور بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات کو بھٹلایا، تو ہم اس کو سخت چیز کے لئے سامان دیتے ہیں“ اور ارشاد فرمایا: ”ہر ایک کی، ان کی بھی اور ان کی بھی، تیرے رب کی بخشش سے ہم امداد کرتے ہیں“ (۳) اور یہ کہ ہر قوت کے لئے ایک لذت ہے اور ایک رنج ہے، پس لذت: اس چیز کا اور اک ہے جو اس قوت کے مناسب ہے اور اُلم: اس چیز کا اور اک ہے جو اس کے ناموافق ہے۔

اور انسان کی حالت کس قدر مشابہ ہے اُس شخص کی حالت کے (یعنی یہ کتنی فٹ مثال ہے کہ) جس نے جسم میں کوئی سن کرنے والی دواء استعمال کی ہو، پس وہ نہیں پاتا آگ کی سوزش کو، تا آنکہ جب اس دواء کا اثر کمزور پڑتا ہے اور وہ اپنی طبعی حالت پر لوٹ آتا ہے تو شدت سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔ یا کس قدر مشابہ ہے انسان کی حالت گلاب کے پھول کی حالت کے، اہلباء کے بیان کے مطابق کہ اس میں تین قوتیں ہیں (۱) قوت ارضی: جو گرہنے اور لپ کرنے سے ظاہر ہوتی ہے (۲) اور قوت مائی: جو چوڑھنے اور پینے کے وقت ظاہر ہوتی ہے (۳) اور قوت ہوائی: جو سگھنے کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔

پس واضح ہوا کہ تکلیف شرعی نوع کے تقاضوں میں سے ہے، اور یہ بھی واضح ہوا کہ انسان اپنے رب سے اپنی استعداد کی زبان سے درخواست کرتا ہے کہ اس پر وہ چیزیں واجب کی جائیں جو قوت ملکیت کے مناسب ہیں، پھر اس کو ان پر بدلہ دیا جائے، اور اس پر بہیمیت میں انہماک کو اللہ تعالیٰ حرام کریں، اور اس پر سزادیں واللہ اعلم۔

لغات:

استجلی الشی: ظاہر کرنے کو کہنا۔ اُزَعَجَہ: بے قرار کرنا اُزَعَجَہُ إِلَى الْمَعْصِیَةِ: گناہ پر ابھارنا۔ شَقِ (س) شَبَقًا: بہت شہوت والا ہونا، صفت شَبَقٌ مَرْمُوثٌ شَبَقًا۔ اَلْهَيْه: ڈیگ، غرور، جِثَّہ (ن) هُمَا: فکر مند بنانا، رنجیدہ کرنا اَلْهَمَّ کے بھی یہی معنی ہیں، پس مجرور اور مزید دونوں سے پڑھ سکتے ہیں..... اِلْبَدَقُ الشَّيْلُ: زور سے بہنا۔ اِنْشَبَّ اَعْصَانُ الشَّجَرَةِ: جڑ سے شاخیں لٹکنا۔ اِلْاَنْفَهَارُ: مطبخ ہونا... تَشْبَعُ الْحَرْبَاءُ عَلَى الشَّجَرَةِ: گرگٹ کا دراز ہونا۔

تشریح:

تغذیہ: جب بدن کے بعض اجزاء تحلیل ہو کر زائل ہو جاتے ہیں تو ان کی خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے تغذیہ کی ضرورت پیش آتی ہے غُذٰی تَغْذِیۃ کے معنی ہیں غذا دینا، پرورش کرنا اور قوت غازیہ چار آلات کے ذریعہ کام کرتی ہے یعنی قوت جاذبہ، قوت ماسک، قوت باضمدہ اور قوت دافعہ کے ذریعہ اپنے افعال انجام دیتی ہے، تفصیل میری کتاب معین الفلاسف ص ۱۳۹ میں ہے۔

تنمیه: حصول کمال کے لئے نباتات کی طرح حیوانات میں بھی تنمیه (بڑھوتری) کی قوت ولایت کی گئی ہے، جو قوت باضمدہ کے طاقت ور ہونے کا دوسرا نام ہے، اس کی تفصیل بھی معین الفلاسف ص ۱۳۹ اور ۱۴۰ میں ہے۔

تصحیح: فِهْذِه تَحْذِبُ اِلَى الْعُلُوِّ، وَتَلْکُ اِلَى السُّفْلِ مطبوعہ نسخہ میں فِهْذِه تَحْذِبُ اِلَى الْعُلُوِّ دُونَ تَلْکُ اِلَى السُّفْلِ ہے۔ صحیح مطبوعہ صدیقی اور مخطوطہ کراچی سے کی گئی ہے۔



باب — ۷

انسان کا مکلف ہونا عالم کی پلاننگ میں داخل ہے

تقدیر اور قدر کے معنی ہیں اندازہ کرنا، اسکیم بنانا، پلاننگ کرنا، جس طرح آدمی حویلی بناتا ہے تو پہلے نقشہ بناتا ہے پھر اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے، یہی تقدیر کے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی علم ازلی میں اس عالم کے لئے پلاننگ کی ہے، جس میں انسان کا مکلف ہونا شامل ہے، پس انسان مکلف نہ ہوا یہاں نہیں ہو سکتا، اسی طرح دیگر مخلوقات کا مکلف نہ ہونا بھی پلاننگ میں داخل ہے، پس دیگر مخلوقات مکلف ہوں، یہ بات ممکن نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرنے سے

یہ سب باتیں عیاں ہو جاتی ہیں، اور سمجھ میں آ جاتا ہے کہ اللہ نے انسان کو جو تکلف بنایا ہے وہ ٹھیک ہی بنایا ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی شہادت دیتا ہے۔ آپ پہلے نباتات میں غور کریں، پھر حیوانات میں، پھر انسان کے حالات میں، ان تین مخلوقات میں غور کرنے سے اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ نے مخلوق کو کامل سے کامل تر پیدا کیا ہے اور ان میں سب سے اکمل انسان ہے۔

نباتات کے احوال میں غور

آپ درختوں کو، ان کے پتوں کو، ان کے ٹکڑوں کو، اور ان کے پھلوں کو دیکھیں، اور ان میں جو نظرات آنے والی، چمکی جانے والی، چھوٹی جانے والی، سوکھی جانے والی اور ٹوٹی جانے والی کیفیات ہیں، ان کو بھی ملاحظہ کریں؟ آپ دیکھیں گے کہ قدرت نے ہر نوع کے لئے مخصوص شکل کے پتے، خاص رنگ کے پھول، اور جدا جدا ذائقے دار پھل بنائے ہیں اور انہی چیزوں کے ذریعہ جانا پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں قسم کا درخت اور پھل ہے۔

اور یہ تمام چیزیں صورت نوعیہ کے تابع اور اس کے ساتھ لپٹی ہوئی ہیں اور جہاں سے صورت نوعیہ آئی ہے، وہیں سے یہ سب چیزیں آئی ہیں۔ اور اللہ کا یہ فیصلہ کہ یہ ماڈہ — مثال کے طور پر — کھجور کا درخت بنے، اس میں یہ سب باتیں آ جاتی ہیں کہ اس کا پھل ایسا ہو اور اس کے پتے ایسے ہوں۔

اور نوع کی بعض خصوصیتیں سمجھ کر آدمی سمجھ سکتا ہے، اور بعض صرف ذہین اور زیرک ہی سمجھ سکتا ہے، مثلاً یا قوت کی یہ خصوصیت ہے کہ جو اس کو اپنے پاس رکھے گا اس کو فرحت حاصل ہوگی اور وہ بہادر بنے گا مگر کونسا پتھر یا قوت ہے، وہ ہیروں کا ماہر ہی جان سکتا ہے۔

اسی طرح نوع کی بعض خصوصیتیں ہر ہر فرد میں پائی جاتی ہیں، اور بعض مخصوص افراد میں پائی جاتی ہیں، جیسے ہلیہ کا کوئی دانہ ایسا ہوتا ہے کہ جو اس کو ہاتھ میں پکڑے رکھے اس کا قبض ٹوٹ جاتا ہے، مگر یہ خاصیت ہلیہ کے ہر دانہ میں نہیں ہوتی، کسی دانہ میں ہوتی ہے اور وہ بہت کمیاب ہے اور اس کو ماہر ہی پہچان سکتا ہے۔

پس یہاں یہ سوال کرنے کا کسی کو حق نہیں کہ کھجور کا درخت ایسا کیوں ہے؟ یہ سوال سرے سے غلط ہے، کیونکہ ماہیت کے لوازم کا ماہیت کے ساتھ پایا جانا ضروری ہے، جیسے سورج نکلنے کے لئے وجود نماں لازم ہے اور انسان ہونے کے لئے ناطق و ضاحک ہونا ضروری ہے، پس ”کیوں؟“ سے سوال باطل ہے۔

باب إنشاق التکلیف من التقدير

إعلم أن لله تعالى آيات في خلقه، يهدي الناظر فيها، إلى أن الله له الحجة البالغة في تكليفه

لعباده بالشرائع:

فانظر إلى الأشجار وأوراقها وأزهارها وثمراتها، وما في كل ذلك من الكيفيات المُبصرة والمذوّقة وغيرها، فبانه جعل لكل نوع أوراقا بشكل خاص، وأزهارا بلون خاص، وثمارا مختصة بطعوم؛ وبذلك الأمور يُعرف أن هذا الفرد من نوع كذا وكذا.

وهذه كلها تابعة للصورة النوعية، مُنسوبة معها، إنما حجب من حيث جاءت الصورة النوعية؛ وقضاء الله تعالى بأن تكون هذه المادة نُحْلَةً — مثلاً — مشتبك مع قضائه التفصيلي بأن تكون ثمرتها كذا، وخواصها كذا.

ومن خواص النوع: ما يُدركه كلُّ من له بَالٌ، ومن خواصه: ما لا يُدركه إلا الأُلَمْعِيُّ الفطنُ، كتأثير الباقوت في نفس حامله بالغريخ والتشجيع؛ ومن خواصه: ما يُعْمُ كلُّ الأفراد، ومن خواصه: ما لا يوجد إلا في بعضها، حيث تستعدُّ المادة، كالإِهْلِيح الذي يُسهل بطن من قبض عليه بده.

وليس لك أن تقول: لِمَ كانت ثمرة النخل على هذه الصفة؟ فإنه سؤال باطل، لأن وجود لوازم الماهيات معها لا يُطلب بـ "لِمَ؟".

ترجمہ: باب: تکلیف شرعی کا تقدیر الہی سے ٹکنا: جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کائنات میں نشانیاں ہیں، جن میں غور کرنے والا اس بات کی طرف راہ پاتا ہے کہ اللہ نے جو اپنے بندوں (یعنی انسانوں) کو شرعیات کا مکلف بنایا ہے تو اس کی خدا کے پاس برہان کامل (زبردست دلیل) ہے:

پس آپ درختوں میں اور ان کے پتوں میں اور ان کے پھولوں میں اور ان کے پھلوں میں غور کیجئے، اور ان چیزوں میں غور کیجئے جو ان میں سے ہر ایک میں ہیں: مشاہدہ میں آنے والی اور چھٹی جاننے والی اور ان کے علاوہ کیفیات میں سے، پس بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کے لئے خاص شکل کے پتے، اور خاص رنگ کے پھول اور مڑوں کے ساتھ مختص پھل بنائے ہیں اور انہی چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فرملاں فلاں قسم کا ہے۔

اور یہ تمام چیزیں صورت نوعیہ کے تابع اور اس کے ساتھ لپٹی (چٹنی) ہوتی ہیں، وہیں سے آئی ہیں جہاں سے صورت نوعیہ آئی ہے۔ اور اللہ کا یہ فیصلہ کہ یہ مادہ — مثال کے طور پر — کھجور کا درخت بنے، اُن کے تفصیلی فیصلے کے ساتھ ملا جلا ہے کہ اس کے پھل ایسے ہوں اور اس کے پتے ایسے ہوں۔

اور نوع کی کچھ خصوصیتیں وہ ہیں جن کو پایا ہے: وہ شخص جس کے پاس دل ہے، اور اس کی خصوصیتوں میں سے بعض وہ ہیں جن کو نہیں پاتا گمراہ زریک؛ بین شخص، جیسے یا قوت کی تاثیر، اس کو ساتھ رکھنے والے کے دل میں خوش کرنے اور بیدار بنانے کی۔ اور نوع کی خصوصیات میں سے بعض وہ ہیں جو تمام افراد کو عام ہیں، اور اس کی بعض خصوصیات وہ ہیں جو نہیں پائی جا تیں مگر ان کے بعض میں، جہاں مادہ میں استعداد پیدا ہوتی ہے، جیسے وہ بلیہ جو اس شخص کے پیٹ کو نرم

کرتا ہے، جو اس کو اپنے ہاتھ میں پکڑے رہتا ہے۔

اور آپ کو حق نہیں کہ آپ پوچھیں کہ کھجور کا پھل ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ یہ سوال ہی غلط ہے، اس لئے کہ مایتوں کے لوازم کا پایا جانا مایتوں کے ساتھ نہیں طلب کیا جاتا ”کیوں؟“ کے ذریعہ۔

لغات:

إِنْشَقَّ الشَّيْءُ: پھٹنا، انْشَقَّ الفَجْرُ: فجر کا طلوع ہونا..... إِنْشَقَّكَ: مغلط ہونا، بعض کا بعض میں داخل ہونا..... الخوص: کھجور کے پتے، مفرد نحو صۃ... البال: دل، کہا جاتا ہے ما خطر بآلئ: میرے دل میں نہیں گزرا۔ الألمع والألمعی: تیز ذہن، تیز فہم، الألمعیۃ: ذکاوت۔



حیوانات کے احوال میں غور

اب آپ حیوانات کی مختلف اقسام پر نظر ڈالیں۔ نباتات میں جو جو باتیں پائی جاتی ہیں، وہ سب باتیں آپ کو حیوانات میں ملیں گی، آپ دیکھیں گے کہ ہر نوع کی الگ شکل اور جدا بنانا ہے، مزید برآں حیوانات اپنے اختیار سے حرکت کرتے ہیں، اور ان کو فطری الہامات ہوتے ہیں ان کی سرشت میں زندگی گزارنے کی تدبیریں رکھ دی گئی ہیں۔ اور وہ انہی چیزوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔ مثلاً پالتو چوپائے گھاس کھاتے ہیں اور جنگلی کرتے ہیں، گھوڑے، گدھے اور فخر گھاس تو کھاتے ہیں مگر جنگلی نہیں کرتے، درندے گوشت کھاتے ہیں۔ پرندے ہوا میں اڑتے ہیں اور پھٹی پانی میں تیرتی ہے، اسی طرح حیوانات کی ہر نوع کی الگ آواز ہے، ہر مادہ کے ملنے کا الگ طریقہ ہے، اور اولاد کی پرورش کا الگ ڈھنگ ہے، جس کی تفصیل غیر ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی ہر نوع کو وہ علوم الہام فرمائے ہیں جو اس کے مزاج کے مناسب ہیں، اور جو اس نوع کے لئے کارآمد ہیں، اور یہ سب الہامات حیوانات کی انواع پر خالق تعالیٰ کی طرف سے صورت نوعیہ کے روزن سے ہوتے ہیں، جیسے پھولوں کے مختلف ذریعہ اُن اور پھلوں کے مزے صورت نوعیہ کے ساتھ گڈ ہیں۔

اور حیوانات کی انواع کے بعض احکام تمام افراد کو عام ہوتے ہیں، اور بعض احکام صرف بعض افراد میں پائے جاتے ہیں، جہاں مادہ میں استعداد ہوتی ہے اور اتفاقاً اسباب جمع ہو جاتے ہیں، اگرچہ نفس استعداد سب میں ہوتی ہے، جیسے شہد کی ہر کھی یغسوب (شہد کی کھیوں کا سردار) نہیں بنتی، کوئی ہی بنتی ہے، اور انسان کی آواز کی نقل ہر پرندہ نہیں کر سکتا، طوطا ہی کرتا ہے۔

ثم انظر إلى أصناف الحيوان، تجد لكل نوع شكلاً وخلقة، كما تجد في الأشجار، ونجد مع ذلك لها حر كات اختيارية، والهامات طبيعية، وتد بواب جليئة، يمتاز كل نوع بها؛ فبهيمة الأنعام نرعى الحشيش ونَجَرُ، والفرس والحصار والبغل نرعى الحشيش ولا نَجَرُ، والسباع تأكل اللحم، والطيور بطير في الهواء، والسمك يسبح في الماء؛ ولكل نوع من الحيوان صوتٌ غير صوت الآخر، ومساهلة غير مساهلة الآخر، وحضانة للأولاد غير حضانة الآخر؛ وشرح هذا يطول.

وما ألهم الله نوعاً من الأنواع إلا علوماً تناسب مزاجه، وإلا ما يصلح به ذلك النوع؛ وكل هذه الإلهامات تشرح عليه من جانب بارئها، من كوة الصورة النوعية؛ ومنهها كمثل تخاطب الأزهار وطعوم الثمرات في تشابكها مع الصورة النوعية.

ومن أحكام النوع: ما ينعم الأفراد، ومنها: ما لا يوجد إلا في البعض، حيث تستعد المادة، وتنفق الأسباب، وإن كان أصل الاستعداد بنعم الكل، كالغسوب من بين النخل، والنبع: يتعلم محاكاة أصوات الناس بعد تعليم وتمرين.

ترجمہ: پھر آپ حیوانات کی اقسام کو دیکھیں، آپ ہر نوع کے لئے ایک شکل اور ایک، ناوٹ پائیں گے، جیسا آپ نے پایا ہے درختوں میں، اور آپ اس کے ساتھ پائیں گے حیوانات کے لئے اختیاری حرکتیں، فطری الہامات اور جلی تدبیریں، جن کے ذریعہ ہر نوع ممتاز ہوتی ہے، مثلاً پالتو چوپائے گھاس چرتے ہیں اور چگالی کرتے ہیں اور گھوڑے، گدھے اور شجر گھاس چرتے ہیں اور چگالی نہیں کرتے، اور درندے گوشت کھاتے ہیں، اور پرندے ہوا میں اڑتے ہیں، اور پھلی پانی میں پیرتی ہے، اور حیوان کی ہر قسم کے لئے ایک آواز ہے دوسرے کی آواز کے مغائر، اور جنسی کا طریقہ ہے دوسرے کی جنسی کے طریقہ کے مغائر، اور اولاد کی پرورش کا طریقہ ہے دوسرے کے طریقہ کے مغائر، اور اس کی تفصیل لمبی ہو جائے گی۔

اور اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی انواع میں سے ہر نوع کو وہی علوم الہام فرمائے ہیں جو اس کے مزاج کے مناسب ہیں، اور جن کے ذریعہ وہ نوع سنور سکتی ہے۔ اور یہ سب الہامات نوع پر مکتبے ہیں انواع کو پیدا کرنے والے کی جانب سے، صورت نوعیہ کے سوراخ سے، اور ان علوم کا حال شکوفوں کی لکیروں اور پھلوں کے مزوں جیسا ہے، ان کے غنماط ہونے میں صورت نوعیہ کے ساتھ۔

اور نوع کے احکام میں سے بعض وہ ہیں جو تمام افراد کو عام ہوتے ہیں، اور ان میں سے بعض صرف بعض افراد میں پائے جاتے ہیں، جہاں مادہ میں استعداد پیدا ہوتی ہے اور اتفاقاً اسباب جمع ہو جاتے ہیں، اگرچہ نفس استعداد سب میں ہوتی ہے، جیسے یعسوب (شہد کی مکھیاں کا بادشاہ) شہد کی مکھیوں کے درمیان میں سے، اور طوطا لوگوں کی آوازوں کی نقل کرنا سیکھتا ہے تعلیم و تمرین کے بعد۔

لغات:

إِجْتَرَّ الْعَبْرُ: دگالی کرنا، اِجْتَرَّ الشَّيْءَ: کھینچنا۔ مَسَافَذَ الذَّكْرَ اِنھاء مَسَافَذُهُ: جھنکی کرنا الحضانة: پرورش
..... قولہ: وَاِلَّا مَا يَصْلُحُ بِهِ اسْتِثْنَاءٌ، دَرِ اسْتِثْنَاءِ ہے..... خَطَطُ: لکیریں کھینچنا تَخَاطَيْطُ: لکیریں، ڈیزائن، کیونکہ وہ
لکیروں سے بنتی ہے..... اِسْتَعْدَّ لِلْأَمْرِ: تیار ہونا۔



انسان کے احوال میں غور

اب آپ نوع انسانی کو دیکھیں، نباتات اور حیوانات میں جو جو باتیں ہیں، وہ سب انسان میں موجود ہیں، انسان بھی دیگر حیوانات کی طرح کھانسا، انگڑائی لیتا، ڈکار لیتا، فضلات کو دفع کرتا اور پیدا ہوتے ہی پستان چوستا ہے، مزید برآں انسان میں چند ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے، مثلاً:

① وہ بات چیت کرتا ہے، دوسروں کا کلام سمجھتا ہے، بدیہی باتیں مرتب کر کے نئے علوم پیدا کرتا ہے، اسی طرح تجربات، جائزے اور زیرکی سے بھی علوم پیدا کرتا ہے۔

② وہ ایسی باتوں کا اہتمام کرتا ہے، جن کو وہ عقل سے اچھا سمجھتا ہے، اگرچہ جو اس اور قوتِ واہمہ سے ان کی خوبی سمجھ میں نہ آئے جیسے نفس کو سنوارنا اور ممالک کو زیر نگین کرنا۔

اور ان امور کے نوعی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام اہلیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہنے والے بھی، ان کی بنیادی باتوں پر متفق ہیں اور یہ بات بلاوجہ نہیں ہو سکتی، اس میں گہرا راز ہے، جو صورت نوعیت کی جڑ سے پھوٹتا ہے۔

اور وہ راز یہ ہے کہ مزاج انسانی کا مقتضی یہ ہے کہ عقل دل پر، اور دل نفس پر غالب رہے، اسی لئے وہ نفس کے تقاضوں کو دل کے فیصلہ پر دیا جاتا ہے، اور دل کی چاہتوں کا عقل کے فیصلہ کے سامنے خون کر دیتا ہے۔

ثم انظر إلى نوع الإنسان، تجد له ما وجدته في الأشجار، وما وجدت في أصناف الحيوان، كالسعال، والتمطى، والجشاء، ودفع الفضلات، ومص الثدي في أول نشأته؛ وتجد مع ذلك فيه خواص، يمتاز بها من سائر الحيوان:

منها: النطق، وفهم الخطاب، وتوليد العلوم الكسبية من ترتيب المقدمات البدئية، أو من التجربة، والاستقراء، والحدس.

ومنها: الاهتمام بأمور يستحسنها بعقله، ولا يجدها بحسّه ولا واهمه، كتهذيب النفس،

وتسخير الأقالیم تحت حکمه.

ولذلك يتوارد على أصول هذه الأمور جميع الأمم، حتى سكّان شواطئ الجبال؛ وما ذلك إلا لیسرنا شی من جذر صورته النوعية؛ وذلك السر: أن مزاج الإنسان يقتضى أن يكون عقله فاهراً على قلبه، وقلبه فاهراً على نفسه.

ترجمہ: پھر دیکھئے آپ نوع انسانی کی طرف، پائیں گے آپ اس میں وہ چیزیں جو آپ نے پائی ہیں درختوں میں، اور جو پائی ہیں آپ نے حیوانات کی اقسام میں، جیسے کھانسا اور انگڑائی لینا اور ڈکار لینا اور فطالت کو دفع کرنا، اور پستان چوسنا اپنی پیدائش کے آغاز میں، اور آپ پائیں گے اس کے ساتھ انسان میں چند ایسی خصوصیتیں جن کی وجہ سے وہ دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔

ان میں سے ایک: بات چیت کرنا ہے، اور دوسرے کی بات سمجھنا ہے اور بدیہی باتوں کو ترتیب دے کر علوم اکسابی پیدا کرنا ہے، یا تجربے سے اور جائزے سے اور زیرکی سے (علوم اکسابی پیدا کرنا ہے)

اور ان میں سے ایک: ایسی باتوں کا اہتمام کرنا ہے، جن کو وہ اپنی عقل سے اچھا سمجھتا ہے، اور اپنے حواس سے اور اپنے وہم سے ان کی خوبی نہیں سمجھتا، جیسے نفس کو سنوارنا اور ممالک کو اپنے حکم کے تحت منسخر کرنا۔

اور اسی وجہ سے متفق ہیں ان باتوں کی بنیادوں پر، تمام لوگ، حتیٰ کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے بھی، اور نہیں ہے یہ بات مگر ایک ایسے راز کی وجہ سے جو صورت نوعیہ کی جڑ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ راز یہ ہے کہ انسان کا مزاج چاہتا ہے کہ اس کی عقل غالب رہے اس کے دل پر، اور اس کا دل غالب رہے اس کے نفس پر۔

لغات:

الحدس: دانائی، زیرکی، اور اصطلاح میں حدس کے معنی ہیں مقدمات کو ترتیب دینے بغیر متوجہ تک پہنچ جانا۔ وهذا حواس خمسہ باطنہ میں سے ایک حاسہ ہے، اس کا کام محسوس چیزوں کی ان معنوی باتوں کا ادراک کرنا ہے جو حواس ظاہرہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں، جیسے بچہ قابل محبت ہے اور شیر قابل خوف ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے معین الفلذ ص ۱۳) تصحیح: دوسرا منہا تمام نشوونما میں من ہے، مگر یہ تصحیف ہے، تصحیح منقوط کراچی سے کی ہے۔



اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظم و انتظام کس طرح فرمایا ہے؟

اب تک کیف خلق اللہ الخلق؟ کی تفصیل تھی کہ قدرت نے یہ کارخانہ کس ڈھب سے بنایا ہے، نباتات کی،

حیوانات کی اور انسان کی صورت حال کیا ہے؟ اب کیفِ ذہنِ اللہ المخلوق کا مضمون شروع ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کائنات کا کیا انتظام کیا ہے؟ پہلے آپ نباتات اور حیوانات کا انتظام دیکھیں، پھر انسان کی تدبیر کا بیان آئے گا۔

نباتات میں چونکہ حس و حرکت نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو جڑیں دی ہیں، جن سے وہ انرجی (Energy) حاصل کرتی ہیں جڑیں زمین سے مادہ چوتی ہیں اور صورت نوعید کی دین کے مطابق ٹہنیوں، پتوں، پھولوں اور پھولوں کو سپلائی کرتی ہیں، اس طرح تمام نباتات نشوونما پاتے ہیں۔ اور حیوانات میں چونکہ حس و حرکت ہے، اس لئے ان کو جڑیں نہیں دیں، بلکہ ان کو مکلف کیا کہ وہ گھاس، دانہ اور پانی ان کے ٹھکانوں سے حاصل کریں، نیز ان کو دیگر مرافق زندگی بھی الہام کئے۔

اور جو حیوانات کیڑوں کی طرح پیدا نہیں ہوتے، ان میں افزائش نسل کا یہ انتظام کیا کہ ان کو آلات تناسل دیئے، اور مادہ میں رطوبت پیدا کی، جس سے جنین کی پرورش ہوتی ہے، پھر وہی رطوبت خالص دودھ بن جاتی ہے، اور نو زائیدہ بچے کو الہام کیا کہ وہ پستان چوسے، اور جو دودھ منہ میں آئے اس کو نگل جائے۔

اور مرغی میں بھی رطوبت پیدا کی، جس سے انڈے تیار ہوتے ہیں، پھر جب مرغی تمام انڈے دے چکتی ہے تو اندر ایسی خشکی اور خلاء پیدا ہو جاتا ہے جو اس کو پاگل سا بنا دیتا ہے اور وہ دوسری مرغیوں سے دور بھاگتی ہے، اور کوئی چیز دبا کر بیٹھنا چاہتی ہے تاکہ اندر کے خلاء کو بھر کرے۔

اور کبوتر کے جوڑے میں الفت رکھی اور انڈوں سے فارغ ہونے کے بعد ان کو سینے کی وجہ وہی ہے جو مرغی میں ہے، پھر جب چوزے نکل آتے ہیں تو بوسیدہ رطوبت بہ تکلف قی کا سبب بن جاتی ہے، اور اللہ نے کبوتر کی دل میں چوزوں کی محبت رکھی، جو پرانی رطوبت کے ساتھ مل کر قی کا سبب بنتی ہے، جس سے نلہ پانی نکلتا ہے اور اس کو چوزے کھاتے ہیں، اور باہمی انسیت کی وجہ سے مزبھی مادہ کی نقل کرتا ہے، جس سے چوزوں کو نڈا فراہم ہوتی ہے، اور چوزوں میں بھی رطوبت پیدا کی ہے، جو بعد میں پڑوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور ان سے بچے اڑنے لگتے ہیں اور اپنی غذا خود حاصل کرتے ہیں۔

ثم انظر إلى تدبير الحق لكل نوع، وتربيته إياه، ولطفه به؛ فلما كان النبات لا يُحس ولا يشعرك، جعل له عروقاً، تَمُصُّ المادةَ المجتمعَةَ من الماء والهواء ولطيف التراب، ثم يُفرِّقها في الأغصان وغيرها، على تقسيم تعطيه الصورة النوعية.

ولما كان الحيوان حساساً، منحرًا بالإرادة، لم يجعل له عروقاً، تَمُصُّ المادةَ من الأرض، بل ألهمه طلب الحبوب والحشيش والماء من مَظَانِّهَا، وألهمه جميع ما يحتاج إليه من الارتفاقات. والنوع الذي لا يتكوّن من الأرض تَكَوَّنَ الديدان منها، ذُبرَ الله تعالى له، بأن أودع فيه قُوَى

النَّسَاسِلَ، وَخَلَقَ فِي الْأَنْفَى رَطْبَةً، يَصِرُ فِيهَا إِلَى تَرْبِيَةِ الْجَنِينِ، ثُمَّ حَوَّلَهَا لِبَنَائِهَا خَلَصًا، وَالْهَيْمَ الْمَتَوَلِّدَ مَصَّ اللَّدَى وَازْدَادَ اللَّبَنَ.

وَجَعَلَ فِي الدِّجَاجَةِ رَطْبَةً، يَصِرُ فِيهَا إِلَى تَكُونِ الْبَيْضِ؛ فَإِذَا بَاضَتْ أَصَابَهَا بُيُوسٌ وَخُلُوعٌ جَوْفٌ، بِحِمْلَاتِهَا عَلَى جَنُونٍ، يَسْتَدْعِي تَرْكُ مَخَالِطَةِ بَنَى نَوْعِهَا، وَاسْتِحَابَ حِضَانَةِ شَيْءٍ، تُسَدُّ بِهِ جَوْفَهَا. وَجَعَلَ مِنْ طَبَعِ الْحَمَامَةِ الْأَنْسَ بَيْنَ ذَكَرِهَا وَأُنْثَاهَا، وَجَعَلَ خُلُوعَ جَوْفِهَا هُوَ الْحَامِلُ عَلَى حِضَانَةِ الْبَيْضِ، ثُمَّ جَعَلَ رَطْبَتَهَا الْبَالِيَةَ تَنْوِجُهُ إِلَى التَّهْوُّعِ، وَجَعَلَ لَهَا رَحْمَةً عَلَى الْقَرْخِ، وَجَعَلَ رَحْمَتَهَا مَعَ الرُّطْبَةِ الْبَالِيَةِ سَبَبَ لَنْهَوِّعُهَا، وَدَفَعَ الْجَوْبَ وَالْمَاءَ إِلَى جَوْفِ قَرْخِهَا؛ وَجَعَلَ الذَّكْرَ مِنْهَا بِسَبَبِ الْأَنْسِ يَقْلُدُ أُنْثَاهَا؛ وَخَلَقَ لِلْفَرَّاحِ مَزَاجًا رَطْبًا، ثُمَّ حَوَّلَ رَطْبَتَهَا رِيَشًا تَطْيِيرُ بِهِ.

ترجمہ: پھر آپ ہر نوع کے لئے حق تعالیٰ کے نظم و انتظام کو، اور اس کی پرورش کو اور اس پر لطف و کرم کو دیکھئے، پس جب نباتات احساس نہیں رکھتے تھے اور حرکت نہیں کرتے تھے تو ان کے لئے جڑیں بنائیں، جو اس مادہ کو چومتی ہیں جو پانی، ہوا اور مٹی کے لطیف اجزاء سے اکٹھا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس مادہ کو شاخوں وغیرہ میں بانٹ دیتے ہیں، اس انداز سے کہ مطابق صورت نوعیہ دیتی ہے۔

اور جب حیوان احساس کرنے والا اور بالارادہ حرکت کرنے والا تھا تو اس کے لئے ایسی جڑیں نہیں بنائیں جو زمین سے مادہ کو چومیں، بلکہ ان کو غلہ، گھاس اور پانی کو ان کے ٹھکانوں سے ڈھونڈنے کا الہام کیا، اور ان کو الہام کیں وہ تدبیرات نافذ جن کے وہ محتاج ہیں۔

اور حیوانات کی جو قسم مٹی سے پیدا نہیں ہوتی، کیڑوں کے مٹی سے پیدا ہونے کی طرح، ان کا یہ انتظام کیا کہ ان میں نسل بڑھانے والی صلاحیتیں وسیعت فرمائیں، اور مادہ میں ایک رطوبت پیدا کی، جس کو اللہ تعالیٰ پیٹ کے بچے کی پرورش میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کو خالص دودھ میں تبدیل کر دیا، اور نوزائیدہ بچے کو پستان چوسنے کا اور دودھ نگھنے کا الہام فرمایا۔

اور اللہ تعالیٰ نے مرغی میں رطوبت پیدا کی، جس کو وہ اندے بننے میں خرچ کرتے ہیں، پھر جب مرغی اندے سے دے چکتی ہے تو اس کو ایسی نگھنی اور باطن کا خانی ہونا پتہ چلتا ہے جو وہ دونوں اس کو ایسے پاگل پن پر ابھارتے ہیں کہ وہ انانے نوع سے اغلاط کو ترک کر دینا چاہتی ہے۔ اور کسی ایسی چیز کے سینے کو پسند کرتی ہے، جس سے وہ اپنے اندر کے خلاء کو بھرے۔ اور کبوتر کی فطرت میں فروادہ میں انسیت رکھی، اور اس کے اندر کے خلاء ہی کو انڈوں کے سینے پر ابھارتے والا بنایا، پھر اس کی بوسیدہ رطوبت کو بے تکلف فی کرنے کی طرف متوجہ کر دیا اور اللہ نے کبوتر کی میں چوزے پر سہم رکھی ہے، اور اس کی مہر کو پرانی رطوبت کے ساتھ ملا کر بے تکلف فی کا اور غلہ پانی کو چوزے کے پیٹ میں پہنچانے کا سبب بنایا اور اللہ

نے اس کے نر کو — بوجہ انیسیت کے — اس کی مادہ کا مقلد بنایا، اور چوزوں میں مرطوب مزاج پیدا کیا، پھر ان کی رطوبت کو ایسے پر بنادیا، جس سے وہ اڑنے لگے۔

لغات:

مَظَانٌّ جمع ہے مَظْنَعٌ کی، جس کے معنی ہیں ٹھکانہ یعنی وہ جگہ جہاں کسی چیز کے موجود ہونے کا گمان ہو، جیسے کوئی بازار سرمدہ دانی لینے جاتا ہے، تو وہ ہر دوکان پر دریافت نہیں کرتا بلکہ جہاں سرمدہ دانی ملنے کا احتمال ہوتا ہے وہیں رکھتا ہے۔ یہ لفظ شاہ صاحب آگے بار بار استعمال کریں گے اس لئے اس کا مفہوم یاد رکھیں:..... اور تصافات جمع ہے از تصاف کی، از تصاف کہ معنی ہیں نفع اٹھانا، یہ بھی شاہ صاحب کی خاص اصطلاح ہے، اس کا مفہوم ہے آرام سے زندگی گزارنے کی تدبیریں، مفید اسکیمیں، اس کی مزید وضاحت بحث ثالث کے شروع میں آئے گی..... اِذْ وَرَدَ اللَّفْظَةُ: التمرہ کو جلدی سے لگانا.... تَهَوَّعَ فَهَوَّعًا: تکلف سے قی کرنا۔



انسان کی تربیت و تدبیر کا بیان

پروردگار عالم نباتات اور حیوانات کی پرورش کس طرح کرتے ہیں؟ قدرت نے ان کا نظم و نسق کس طرح کیا ہے؟ یہ مضمون آپ پڑھ چکے، اب انسان کی تربیت و تدبیر کا بیان شروع ہوتا ہے۔ انسان میں نباتات اور حیوانات کی سب خصوصیتیں موجود ہیں، وہ نشو و نما پاتا ہے، احساس رکھتا ہے، ارادے سے حرکت کرتا ہے، جبلی الہامات قبول کرتا ہے اور اس کو فطری علوم بھی عطا کئے گئے ہیں، مزید برآں اس کو اور خصوصیات سے بھی نوازا گیا ہے، اس کو عقل وافر دی گئی ہے اور وہ اکسائی علوم پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، اس لئے قدرت نے اس کے لئے سامان زندگی تیار نہیں کیا، بلکہ خود اس کو اسباب حیات پیدا کرنے کا حکم دیا ہے، اس کو کھیتی باڑی، باغبانی، تجارت اور معاملات کا مکلف کیا ہے تاکہ وہ محنت کر کے اپنے لئے اسباب بقا فراہم کرے۔

صلاحتوں کا فرق: پھر تمام انسان ایک درجہ کے نہیں، کوئی فطری طور پر آقا ہے تو کوئی اتفاق سے (By Chance) آقا بن گیا ہے، کوئی فطری طور پر غلام ہے تو کوئی اتفاقاً غلام بن گیا ہے، کوئی بادشاہ ہے تو کوئی رعایا، کوئی دانشمند ہے تو کوئی غبی، اور دانشمند بھی ایسا کہ حکمت الہی، علم طبعی، علم ریاضی اور حکمت عملی میں گل افشانی کرتا ہے، اور جو غبی ہے وہ مذکورہ علوم کی طرف کسی کی تقلید کے بغیر راہ نہیں پاتا۔

یہ سب انسان کی فطری باتیں ہیں، چنانچہ تمام انسان، خواہ وہ بادیہ نشیں ہوں یا شہری، ان باتوں میں متفق ہیں۔ اور یہ انسان کی ظاہری خصوصیات اور نظم و نسق کا بیان ہے، جس کا تعلق انسان کی قوت دیمہیہ اور دنیوی تدبیرات نافعہ سے ہے۔

قوت ملکیہ سے تعلق سے انسان کے احوال: اب آپ قوت ملکیہ کے تعلق سے انسان کے احوال میں غور کریں۔ انسان دیگر حیوانات کی طرح نہیں، اس کو حیوانات سے اشرف علم و ادراک دیا گیا ہے، اور انسان کے وہ مخصوص علوم جن پر انسان کے تمام افراد متفق ہیں، یہ ہیں:

① وہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور کیوں پیدا کیا ہے؟ اور اس کا پیدا کرنے والا اس کی پرورش کیوں کر رہا ہے؟

② وہ جاننا چاہتا ہے کہ کائنات کا نظم و انتظام کون کر رہا ہے؟ جو خود اس شخص کا بھی خالق و رازق ہے۔

③ انسان بصیرت اور پوری توجہ سے اپنے پیدا کرنے والے اور پرورش کرنے والے کی بندگی کرنا چاہتا ہے، اس کے سامنے گزرنا چاہتا ہے، جس طرح وہ اور تمام حیوانات زبان حال سے دائمی طور پر تضرع لگاتے ہیں۔

زبان حال سے تضرع: دنیا کی تمام مخلوقات: انسان و حیوانات، اشجار و احوار وغیرہ، اکل و شرب، افزائش نسل اور دیگر مادی ضروریات کی حد تک، جتنی کے ساتھ قوانین الہی کے پابند ہیں، اور یوں بنیادی طور پر تمام مخلوقات عاجزی کرنے والی ہیں، اور یہی ان کا زبان حال سے تضرع (گزرگزارنا) ہے، البتہ انسان روحانی طور پر بھی مسلمان ہونے کی اہلیت رکھتا ہے، اسلام کے معنی میں بغیر خارجی و باء کے اللہ کی حاکمیت کے آگے سر جھکانا، انسان پر اس معاملہ میں کوئی جبر نہیں، جو خوشی سے سر جھکتا ہے، جنت کا حقدار ہوتا ہے۔ اور جو سرتابی کرتا ہے، سزا پاتا ہے، سورۃ الحج آیت ۱۸ میں ارشاد ہے: ”کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں، جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن پر (بوجہ مفاد نہ ہونے کے) عذاب ثابت ہو گیا“

کیا نباتات کا ہر جز اس نفس نباتیہ کے سامنے ہر وقت ہاتھ پیارے ہوئے نہیں، جو درختوں کی تدبیر کرتا ہے؟ کیا درختوں کی ٹہنیاں، پتے، پھول وغیرہ ہر وقت نفس نباتیہ سے فیضان کی بھیک نہیں مانگتے؟ یہ نفس نباتیہ کس نے پیدا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، پس یہی نباتات کی زبان حال سے عاجزی ہے۔ پس اگر نباتات میں کامل عقل ہوتی تو ان کا ہر جز نفس نباتیہ کی ایسی تعریف کرتا جو دوسرے جز کی تعریف سے مختلف ہوتی۔ اور اگر ان میں فہم و شعور ہوتا تو اس زبان حال سے ہاتھ پیارے کان کے علم پر اثر پڑتا اور وہ علم و بصیرت اور پوری توجہ سے بھی ہاتھ پیارے لگتے، ہمیں سے یہ بات سمجھ لیجئے کہ انسان چونکہ تیز عقل رکھتا ہے اس لئے اس کا دل تکلف حالی کے مطابق تکلف علمی سے بھر گیا ہے اور اس کے نفس میں زبان حال سے دست طلب پھیلانے کی طرح علم و بصیرت سے دست طلب دراز کرنے کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔

انسان کی چند اختصاصیات: انسان میں دو خصوصیتیں اور بھی ہیں:

پہلی خصوصیت: نوع انسانی میں کچھ ایسے کامل افراد ہوتے ہیں جن کی خالص توجہ علوم عقلیہ کے سرچشمہ کی طرف رہتی ہے، وہ ان علوم کو اس سرچشمہ سے بذریعہ فنی یا حدس یا خواب حاصل کرتے ہیں، اور کچھ دوسرے لوگ ہوتے ہیں جو اس کامل انسان میں رشد و برکت کے آثار محسوس کرتے ہیں، چنانچہ وہ ادا و ادوائی میں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اول انبیائے کرام ہیں اور دوم ان کی امتیں ہیں اور اگرچہ خواب، رائے، شبہی آواز اور فرست کے ذریعہ غیب کی طرف خالص توجہ کرنے کی نفس صلاحیت سب لوگوں میں ہوتی ہے، مگر سب انسان برابر نہیں ہوتے، کوئی کامل ہوتا ہے اور کوئی ناقص، اور ناقص ہمیشہ کامل کا محتاج رہتا ہے، غرض ہر شخص بذات خود غیب سے علوم حاصل نہیں کر سکتا، عام لوگوں کو اس سلسلہ میں کامل کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔

دوسری خصوصیت: انسان کو اللہ تعالیٰ نے چند ایسی صفات سے بہرہ ور کیا ہے، جن کا انداز جانوروں کی صفات کے انداز سے برتر ہے۔ وہ صفات یہ ہیں (۱) خشوع (۲) لطافت (۳) عدالت (۴) سماعت (۵) ملکوت و جبروت کی روشنیوں کا ظاہر ہونا یعنی دعاؤں کا قبول ہونا، کرامتوں کا ظاہر ہونا، اور احوال و مقامات کا پیش آنا۔ جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

ولما كان الإنسان مع إحساسه وتحركه، وقبوله للإلهامات الجبلیة والعلوم الطبیعیة، ذاعقل وتولید للعلوم الکسییة، ألهمه الزرع، والغرس، والتجارة، والمعاملة؛ وجعل منهم السید بالطبع والاتفاق، والعبد بالطبع والاتفاق، وجعل منهم الملوك والرعية، وجعل منهم الحكيم المتكلم بالحكمة الإلهیة، والطبیعیة، والرياضیة، والعملیة، وجعل منهم الغبی الذي لا یهتدی لذلك إلا بضرب من تقلید؛ ولذلك ترى أئمة الناس من أهل البوادی والحضر منوارین علی هذه.

وهذا كله شرح الخواص والتدبیرات الظاهرة، المتعلقة بقوته البهیمة، وارتفاقاته المعاشیة، ثم انقل إلى قوته الملكية واعلم أن الإنسان لیس كسائر أنواع الحيوان، بل له إدراك أشرف من إدراكاتهم.

ومن علومه التي يتوارد عليها أكثر أفراد، غير من عصت ماؤته أحكام نوعه:

[۱] التفتيش عن سبب إيجاده وتربيته.

[۲] والتنبية بإثبات مدبر في العالم، هو أوجده ورزقه.

[۳] والتضرع بين يدي بارئه ومدبره بهمته وعلمه، حسب ما يتضرع إليه هو وجميع أبناء

جنسہ دائمًا سرمدًا بلسان الحال، وهو قوله تعالى: ﴿لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ، وَالشَّجَرُ وَالنَّخْلُ وَالسُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالْدُّوَابُّ، وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، وَكَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ﴾

الیس أن كل جزء من الشجرة، من أغصانها، وأوراقها، وأزهارها، مُتَكَفِّفٌ يذہ إلى النفس النباتية، المدبرة في الشجرة دائمًا سرمدًا؟ فلو كان لكل جزء منها عقل، لُحَمِدَ النفس النباتية حمدًا غَيْرَ حمد الآخر؛ ولو كان له فُهِمَ لَانطَبَحَ التكفُّفُ الحالِي في علمه، وصار تَكَفُّفًا بالهمة؛ فَاَعْلَمُ من هنالك: أن الإنسان لما كان ذا عقل ذَكِيَّ انطبع في نفسه التكفُّفُ العلمي حسب التكفُّفُ الحالِي.

ومن خواصه أيضا:

[۱] أن يكون في نوع الإنسان من له خلوص إلى منبع العلوم العقلية، يُلَقِّها منه وحيا، أو خدسا، أو رؤيا؛ وأن يكون آخرون قد تَفَرَّسُوا من هذا الكامل آثار الرشد والبركة، فانقادوا له فيما يأمر وينهى.

وليس فرد من أفراد الإنسان إلا له قوة التخلُّص إلى الغيب، برؤيا يراها، أو برأي يَبْصُرُه، أو هتيف يَسْمَعُه، أو خدس يَنْقُطُنْ له؛ إلا أن منهم الكامل، ومنهم الناقص، والناقص يحتاج إلى الكامل.

[۲] وله صفات يَجِلُّ طورُها عن ظُور صفات البهائم كالخشوع، والنظافة، والعدالة، والسماحة، وكظهور بوارق الجبروت والملكوت: من استجابة الدعاء وسائر الكرامات والأحوال والمقامات.

ترجمہ: اور جب انسان اس کے حساس ہونے اور متحرک ہونے اور جبلی الہامات اور فطری علوم قبول کرنے کے ساتھ، عقل والا اور انسانی علوم پیدا کرنے والا تھا تو اس کو کیمیائی باڑی، باغبانی، تجارت اور معاملات کا الہام فرمایا۔ اور ان میں سے بعض کو فطری طور پر یا اتفاق سے آقا بنایا، اور بعض کو فطری طور پر یا اتفاق سے غلام بنایا۔ اور بعض کو بادشاہ اور بعض کو رعایا بنایا، اور بعض کو ایسا دانشمند بنایا، جو حکمت الہیہ، علم طبعی، علم ریاضی اور حکمت عملی میں گفتگو کرتا ہے اور بعض کو ایسا غبی بنایا جو ان علوم کی رائے نہیں پاتا مگر ایک طرح کی تقلید سے، اور اسی وجہ سے دیکھیں گے آپ لوگوں کے مختلف گروہوں کو، بادیہ نشینوں میں سے اور شہریوں میں سے، ان باتوں پر شفق (باقی ترجمہ آگے آ رہا ہے)

تشریح:

(۱) ”فطری طور پر یا اتفاق سے“ یعنی کسی میں آقا بننے کی فطری صلاحیت ہوتی ہے، وہ باکمال، صاحب ثروت اور فہم و بصیرت کا مالک ہوتا ہے، اور کسی کو ان باتوں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا مگر اتفاق سے وہ آقا کا لڑکا ہوتا ہے، اس لئے آقا بن جاتا ہے۔

اسی طرح کسی میں فطری طور پر غلام بننے ہی کی صلاحیت ہوتی ہے، وہ ماتحت ہی بن سکتا ہے، بالادست نہیں ہو سکتا اور کوئی اتفاق سے یعنی کسی جنگ میں گرفتار ہونے کی وجہ سے یا غلام بننا ہونے کی وجہ سے غلام بن جاتا ہے۔

(۲) علم الہی (آیات) وہ حکمت نظری ہے جس میں ایسے موجودات و واقعیہ کے احوال سے بحث کی جاتی ہے، جن کو وجود میں لانا ہمارے بس کی بات نہیں، اور وہ دونوں وجودوں (وجود خارجی اور وجود ذاتی) میں مادہ کے محتاج نہیں ہوتے، جیسے اللہ تعالیٰ، کہ وہ خارج میں بھی بلا مادہ موجود ہیں اور جب ان کا تصور کیا جاتا ہے تو بھی بلا مادہ ہوتا ہے (مزید تفصیل کے لئے معین الفلاس ص ۳۵ دیکھیں)

(۳) علم طبیعی: وہ حکمت نظری ہے جس میں ایسے موجودات و واقعیہ کے احوال سے بحث کی جاتی ہے، جن کو وجود پذیر کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے اور وہ چیزیں دونوں وجودوں میں مادہ کی محتاج ہوتی ہیں۔ جیسے انسان، کہ اگر خارج میں پایا جائے گا تو گوشت پوست اور ہڈیوں کی مخصوص شکل میں ہوگا، اور اگر اس کا تصور کیا جائے گا تو بھی اسی شکل میں ہوگا، مادہ سے مجرد کر کے ہم انسان کا تصور نہیں کر سکتے۔ یہی حال تمام اشیائے کونیہ اور مرکبات عنصریہ کا ہے (معین الفلاس ص ۳۳)

(۴) علم ریاضی: وہ حکمت نظری ہے جس میں ایسے موجودات و واقعیہ سے بحث کی جاتی ہے، جن کو موجود کرنا ہماری قدرت و اختیار میں نہیں ہے اور وہ چیزیں وجود ذاتی میں تو کسی مخصوص مادہ کی محتاج نہیں، مگر وجود خارجی میں مخصوص مادہ کی محتاج ہیں، جیسے اعداد اور علم ہندسہ کی اشکال، کہ ان کا تصور تو مخصوص مادہ کے بغیر کیا جاسکتا ہے، مگر خارج میں مادہ کے بغیر موجود نہیں ہو سکتیں (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں معین الفلاس ص ۳۴)

(۵) حکمت عملیہ: جن موجودات حقیقیہ کو وجود پذیر کرنا ہماری قدرت اور اختیار میں ہے، ان کے واقعی احوال کو اس حیثیت سے جاننا کہ ان پر عمل کرنے سے ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے گی، حکمت عملیہ ہے، جیسے اعمال شریعہ: نماز، روزہ وغیرہ اور افعال حسہ اور سبہ کی معرفت اور ان پر عمل پیرا ہونا۔ پھر حکمت عملیہ کی تین قسمیں ہیں: تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ (تفصیل کے لئے دیکھیں معین الفلاس ص ۳۲)

باقی ترجمہ: اور یہ سب تفصیل ان خصوصیات کی اور تدابیر ظاہرہ کی ہے، جس کا تعلق انسان کی قوت ہیمنہ سے اور اس کی دنیوی تدبیر استنا نافعہ سے ہے۔ اور جان لیجئے کہ انسان، حیوانات کی دیگر اقسام کی طرح نہیں، بلکہ اس کو حیوانات کے اور اک سے بہتر ادراک حاصل ہے۔

اور انسان کے اُن علوم میں سے، جن پر اس کے اکثر افراد متفق ہیں، مادہ اس شخص کے جس کے مادہ نے اس کی نوع کے احکام کی تافرمانی کی ہے۔ (بعض یہ ہیں:)

(۱) اپنی ایجاد اور تربیت کے سب کے بارے میں سوال کرنا۔

(۲) مدبر عالم کے ثبوت سے واقف کرنا، جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور روزی پہنچا رہا ہے۔

(۳) اور اپنے پیدا کرنے والے اور تدبیر کرنے والے کے سامنے، پوری توجہ اور علم سے عاجزی کرنا، جس طرح دانگی اور ابدی طور پر زبان حال سے وہ خود بھی اور اس کی جنس کے تمام بیٹے (یعنی تمام حیوانات) عاجزی کرتے رہتے ہیں، اور یہی مطلب ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کا کہ:

”کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہیں، جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور سورج اور چاند، اور ستارے اور پہاڑ، اور درخت، اور جو پائے اور بہت سے انسان، اور بہت سوں پر عذاب ثابت ہو گیا۔“

کیا یہ بات نہیں ہے کہ درخت کا ہر جزو، خواہ چنبی، جو، یا پتہ، یا پھول، دانگی اور ابدی طور پر، اپنا ہاتھ پیارے ہوئے ہے اس نفس نباتیہ کے سامنے جو درخت کی تدبیر کرتا ہے؟ پس اگر جوتی درخت کے ہر جزو میں عقل تو وہ نفس نباتیہ کی ایسی تعریف کرتا، جو دوسرے جز کی تعریف سے مختلف ہوتی، اور اگر ہوتا ہر جزو کے لئے فہم تو پھپھ جاتا زبان حال سے یہ ہاتھ پیارنا اس کے علم میں، اور وہ تکلف حالی پوری توجہ سے ہاتھ پسا رہا ہو جاتا۔ پس یہاں سے سمجھ لیجئے کہ انسان جب تیز عقل والا تھا تو اس کا دل بھر گیا تکلف علمی سے، تکلف حالی کے مطابق۔

اور انسان کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے:

(۱) کہ نوع انسانی میں ایسا شخص ہو، جس کی خالص توجہ علوم عقلیہ کے سرچشمہ (یعنی عالم غیب) کی طرف ہو، وہ علوم کو اس سرچشمہ سے حاصل کرے، وحی سے، یا فراست سے، یا خواب سے۔ اور یہ کہ کچھ دوسرے لوگ ہوں، جو اس کامل میں رشد و برکت کے آثار مٹا لیں۔ پس وہ اس کے منقاد ہو جائیں اُن باتوں میں جو وہ حکم دے یا روکے۔

اور انسان کے افراد میں کوئی ایسا فرد نہیں مگر وہ صلاحیت رکھتا ہے غیب کی طرف خالص توجہ کرنے کی، کسی ایسے خواب سے جس کو وہ دیکھے، یا کسی ایسے رائے سے جو وہ قائم کرے، یا کسی ایسی فیہی آواز سے جو وہ سنے، یا ایسی فراست سے جس کو وہ تاڑ لے، مگر انسانوں میں سے بعض کامل ہوتے ہیں اور بعض ناقص اور ناقص کامل کا محتاج ہوتا ہے۔

(۲) اور انسان کے لئے کچھ ایسی صفات ہیں جن کا انداز چوپایوں کی صفات کے انداز سے برتر ہے (یعنی یہ صفات چوپایوں میں نہیں پائی جاتی ہیں) جیسے خشوع، لطافت، عدالت، اور سُماحت اور جیسے جردت و ملکوت کی بکلیوں کا ملہ، مولد کی ہر نوع میں کچھ بے کار افراد ہوتے ہیں یعنی ان میں نوع کی خصوصیات مفقود ہوتی ہے، جیسے ایک بھینس ہے مگر ہاتھ ہے، ایک انسان ہے مگر پاگل ہے، ایسے افراد کو نکالنے کے لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ مخصوص تعبیر ہے ۱۲

ظاہر ہوتا یعنی دعا کی قبولیت اور دیگر کرامات و احوال و مقامات۔

تشریح:

(۱) خشوع یعنی اللہ کے سامنے نیاز مندی۔ عفاف یعنی پاکی، عدالت یعنی انصاف اور ساحت یعنی عالی ظرفی، یہ چار صفات انسان کی مخصوص صفات ہیں۔ ان کی پوری وضاحت بحث رابع کے باب رابع (رحمۃ اللہ: ۵۲۰) میں ہے۔
(۲) جبروت: اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلقات رکھنے والے معاملات، ملکوت: فرشتوں سے تعلق رکھنے والے معاملات، ناسوت: ناس یعنی انسان سے تعلق رکھنے والے معاملات۔ مقامات و احوال: احسان (قصوف) کے ثمرات و نتائج، جیسے اللہ کی محبت، اللہ پر اعتماد و کلی وغیرہ جن کی تفصیل جلد دوم میں ابواب الاحسان کے تحت المصفات والاحوال کے عنوان سے آ رہی ہے (دیکھیں رحمۃ اللہ: ۳۱۳-۵۱۴)

(۳) انسان کی مابیت حیوان ناطق ہے۔ اس میں حیوان جنس ہے، پس جو مخلوقات حیوانیت میں شریک ہیں وہ سب انسان کی جنس کے بیٹے ہیں۔ اور ناطق فصل ہے، جو نوح بناتی ہے، پس جسے افراد ناطق ہیں وہ سب انسان کی نوع کے بیٹے ہیں، اول کو "بنائے جنس" اور دوم کو "بنائے نوع" کہتے ہیں۔

لغات:

فَشَّ وَفَشَّ عَنْهُ: سوال کرنا، بحث کرنا۔ لَبَّيْهُ: واقف کرنا، جلتانا۔ ذَكِيَّ (صفت) تیز ذہنی بذکی ذكاء: تیز خاطر ہوتا۔ خَلَصَ (ن) خُلُوْضًا: خالص ہونا، مخلص من كذا إلى كذا: منتقل ہونا۔ تَقَرَّسَ: علامات سے کوئی چیز پہچاننا۔ هَيِّفَ: فَعِيلٌ بِمَعْنَى فَعَالٍ، خَافَ (اسم فعل) جس کی آواز سنائی دے، اور بولنے والا دکھائی دے۔ فطن (ن س ک) اور اک کرنا، سمجھنا۔ جَلَّى جَلَلًا: بڑے مرتبہ والا ہونا۔
تصحیح: له قوة التخلص مطبوعه في نسخة من النسخة، تصحیح منظومہ کراچی سے کی ہے۔



انسانی امتیازات کا خلاصہ

انسان کی امتیازی صفات، جن کی وجہ سے وہ دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے، بہت ہیں مگر ان کا خلاصہ اور چھوڑ دو باتیں ہیں (۱) قوت عقلیہ کی فراوانی (۲) اور قوت عملیہ کی برتری، پھر ہر ایک کے دو دو پہلو ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:
① قوت عقلیہ کی زیادتی: قوت عقلیہ اللہ نے ہر حیوان کو دی ہے، تمام جانور اپنا نفع و نقصان سمجھتے ہیں، ہمینس چرتے چرتے کوئی گھاس چھوڑ دیتی ہے، وہ جانتی ہے کہ وہ گھاس اس کے کھانے کی نہیں مگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے قوت عقلیہ وافر مقدار میں بخشی ہے اور یہی اس کا امتیاز ہے پھر انسان کی قوت عقلیہ کے دو پہلو ہیں:

(الف) عقل معاش: یعنی دنیوی عقل، یہ وہ عقل ہے جو دنیا کے گورکھ دھندوں میں لگی رہتی ہے، ہر وقت راحت و سمانی کے سامان ایجاد کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہے، اور ارتقا قات کی باریکیاں تلاش کرتی رہتی ہے یعنی نت نئی ایجادات کی دھن میں لگی رہتی ہے۔

(ب) عقل معاد: یعنی اخروی عقل، یہ وہ عقل ہے جو علوم شرعیہ میں مشغول رہتی ہے۔ یہ علوم اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس کی اخروی بھلائی کے لئے بخشے ہیں۔

نوٹ: انسان کا کمال عقل کے دونوں پہلوؤں کو ملتا چلنے لے کر چلنا ہے، عقل کو صرف دنیا کے پیچھے لگا دینا کسی طرح قرین عقل نہیں۔

(۲) قوت عملیہ کی برتری: اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیوانات سے کچھ زائد قوت عمل نہیں دی، ہاتھی، گھوڑے، بیل، جھو نے انسان سے زائد کام کرتے ہیں، بلکہ انسان کا امتیاز قوت عملی کی برتری، فوقیت اور مزیت ہے۔ قوت عملی کے بھی دو پہلو ہیں:

(الف) انسان کا اختیار و ارادہ کے گلے کی راہ سے اعمال کو نگل لینا — انسان اور جانوروں کے اعمال میں فرق یہ ہے کہ حیوانات اپنے کئے ہوئے اعمال کے اثرات کو قبول نہیں کرتے، ان کے اعمال ان کے نفس کی تھاہ میں نہیں پہنچتے، نہ ان کے نفوس اعمال کی روح سے رنگین ہوتے ہیں۔ اور انسان اپنے کئے ہوئے اعمال کا عرقِ نچوڑ کر پی لیتا ہے، اس کا دل اس کے اعمال سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے جانور ایک ہی غلطی بار بار کرتا ہے، اور انسان ایک بار غلطی کرنے کے بعد سنبھل جاتا ہے مثلاً بھینس میڑک جاتی ہے اور اپنی جولانی میں کسی کو زخمی کر دیتی ہے یا مار دیتی ہے تو اس کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا، چنانچہ وہ یہی غلطی دو بارہ کر سکتی ہے۔ مگر انسان اسے اگر یہ غلطی ہو جائے تو وہ نہایت پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ وہ آئندہ کبھی یہ غلطی نہیں کرے گا۔

یہی حال اعمال صالحہ کا ہے، جانور کو کسی بھی عمل صالح سے خوشی نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے دل نے اس عمل کا اثر قبول نہیں کیا، ایک شیر نے ایک صحابی کو اپنی پشت پر بٹھا کر قافلہ تک پہنچا دیا تھا، مگر وہ اپنے اس کارنامہ کی اہمیت سے ناواقف تھا، اگر یہی کارنامہ کوئی انسان انجام دیتا تو پھولا نہ سالتا، بلکہ وہ کارنامہ اس کی سواخ میں لکھا جاتا۔

غرض حیوانات کے اعمال وجود پذیر ہو کر روح ہوائی یعنی نسہ کے ٹوٹی سے چپک جاتے ہیں، پھر فنا ہو جاتے ہیں، اس لئے وہی عمل دوبارہ کرنے میں حیوان کو کوئی ہاک محسوس نہیں ہوتا۔ اور انسان کے اعمال بھی اگرچہ وجود پذیر ہو کر ختم ہو جاتے ہیں مگر ان کی روح نفس پی لیتا ہے اس لئے اچھے اعمال سے نفس میں نور، اور برے اعمال سے نفس میں تاریکیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اس کے بعد دفعِ مقرر کے طور پر ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حیوانات کے اعمال اور انسان کے اعمال میں جو فرق بیان کیا ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ انسان کو اس کے ہر عمل پر جزاء یا سزا ملے، خواہ اس نے وہ فعل اختیار و ارادہ سے کیا ہو یا جبر و اکراہ سے، یا بھول چوک سے، کیونکہ اس کے ہر فعل کی روح اور اسپرٹ نفس میں ضرور پہنچتی ہے، اس لئے کہ یہی انسانی اعمال کا امتیاز ہے، حالانکہ روایات میں صراحت ہے کہ بھول سے یا چوک سے یا اکراہ سے جو کام کر لیا جاتا ہے اس پر مواخذہ نہیں، مواخذہ کے لئے شرط ہے کہ انسان نے وہ عمل ارادہ و اختیار سے کیا ہو۔

جواب: پہلے دو باتوں میں فرق سمجھ لیں۔ ایک ہے کسی چیز کا فی نفسہ حکم، دوسری ہے اس چیز کا ثمرہ اور نتیجہ، جیسے طعام و شراب کی فی نفسہ خاصیت شکم سیر کرنا اور سیراب کرنا ہے۔ رہی یہ بات کہ کھانے پینے سے کب روزہ ٹوٹے گا اور کب نہیں ٹوٹے گا؟ یہ طعام و شراب کا نتیجہ ہے، شریعت نے روزہ ٹوٹنے کے لئے تعمّد کو شرط قرار دیا ہے، پس ناسیا کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر شکم سیر اور سیراب تو اس صورت میں بھی ہو جاتا ہے۔ یعنی جو طعام و شراب کا فی نفسہ حکم ہے وہ تو پایا جائے گا۔

دوسری مثال: ابلواء کہتے ہیں کہ زہر جان بچا ہے اور تریاق نفع بخش ہے یعنی اس سے سانپ کا کاٹنا اچھا ہو جاتا ہے، یہ ان دونوں چیزوں کی فی نفسہ تاثیر کا بیان ہے، مگر ان کا ثمرہ ظاہر ہونے کے لئے اُن کا کھانا پینا شرط ہے شیشی میں رکھے ہوئے زہر سے کوئی نہیں مرتا، اور کٹورے میں دھرے تریاق سے کوئی سانپ کا کاٹنا شفا یاب نہیں ہوتا، مگر زہر کی فی نفسہ زہرناکی اور تریاق کا فی نفسہ نافع ہونا ان کے کھانے پینے پر موقوف نہیں۔

اسی طرح اعمال انسانی کی فی نفسہ تاثیرات وہ ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ رہی یہ بات کہ ان پر کب مواخذہ ہوگا اور کب نہیں ہوگا؟ اس کے لئے شریعت نے شرط لگائی ہے کہ جب انسان ان کو ارادہ و اختیار سے کرے گا تب مواخذہ ہوگا، ورنہ نہیں، مگر اعمال کی اپنی تاثیرات تو مواخذہ نہ ہونے کی صورت میں بھی موجود ہوں گی، مگر شریعت نے کسی مصلحت سے مواخذہ اٹھا دیا۔ (جواب پورا ہوا)

اور اوپر جو حیوانات اور انسان کے اعمال کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے اس کی واضح نشانی یہ ہے کہ ساری دنیا کے لوگ عبادتوں اور ریاضتوں کے قائل ہیں، کیونکہ وہ وجدانی طور پر ان کے انوار محسوس کرتے ہیں، اسی طرح معاصی اور منہیات سے احتراز کے بھی قائل ہیں۔ کیونکہ وہ وجدانی طور پر گناہوں کی سختی دل میں محسوس کرتے ہیں، پس ثابت ہوا کہ اعمال انسانی کا اثر درون پر پڑتا ہے، کیونکہ تمام لوگوں کا اتفاق بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔

(ب) انسان اپنی قوت عملیہ سے جو عبادتیں اور ریاضتیں کرتا ہے، اس سے احوال رفیعہ پیدا ہوتے ہیں جیسے اللہ کی محبت، اللہ پر اعتماد کا بڑھنا اور حیوانات کے اعمال سے اس قسم کے مطلق اثرات پیدا نہیں ہوتے۔ یہ انسان کی قوت عمل کی برتری ہے۔

والأموارُ التي يمتازُ بها الإنسانُ، من سائر أفراد الحيوان، كثيرةٌ جدًا، لكنَّ جماع الأمر وملاكه خصلتان:

أحدهما: زيادة القوة العقلية؛ ولها شعبتان:

[۱] شعبةٌ غائصةٌ في الارتفاقات لمصلحة نظام البشر، واستنباط دقائقها.

[۲] وشعبةٌ مستعدةٌ للعلوم الغيبية، الفائضة بطريق الوهب.

وثانيهما: براعة القوة العملية؛ ولها أيضًا شعبتان:

[۱] شعبةٌ هي ابتلاعُها للأعمال من طريق بلعُوم اختيارها وإرادتها؛ فالبهائمُ تفعل أفعالًا بالاختيار، ولا تدخل أفعالها في جذر أنفسها، ولا تتلون أنفسها بأرواح تلك الأفعال، وإنما تلتصق بالقوى القائمة بالروح الهوائي فقط، فيسهل عليها صدور أمثالها؛ والإنسان يفعل أفعالًا، فتفتني الأفعال، وتزع منها أرواحها، فتبلعُها النفس، فيظهر في النفس: إما نور، وإما ظلمة.

وقولُ الشرع: شرطُ المؤاخذه على الأفعال: أن يفعلها بالاختيار بمنزلة قول الطبيب: شرطُ التَّضَرُّر بالسَّهم، والانتفاع بالترياق أن يَدْخُلَ في البلعُوم، وينزل في الجوف.

وأما ردُّ ما قلنا: من أن النفس الإنسانية تَبْلُعُ أرواح الأعمال: ما اتفق عليه أئمُّمُ بنى آدم: من عمل الرياضات والعبادات، ومعرفة أنوار كُلِّ ذلك وجدانًا، ومن الكفِّ عن المعاصي والمنهيات، ورؤية قسوة كُلِّ ذلك وجدانًا.

[۲] وشعبةٌ هي أحوال ومقامات سنيَّة، كَمَحَبَةِ اللهِ، والتوكل عليه، مما ليس في البهائم جنبها.

ترجمہ: اور وہ باتیں جن کی وجہ سے انسان، حیوان کے دیگر افراد سے ممتاز ہوتا ہے، بہت زیادہ ہیں، مگر ان کا خلاصہ اور نچوڑ دو باتیں ہیں:

ان میں سے ایک: قوتِ عقلیہ کی زیادتی ہے، اور اس کی دو شاخیں ہیں:

ایک شاخ: انسانوں کے نظام کی مصلحت کے لئے تدبیراتِ نافعہ میں، اور اس کی باریکیاں مستطب کرنے میں ڈوبنے والی ہے۔

اور دوسری شاخ: ان علومِ غیبیہ (علومِ دینیہ) کے لئے مستعد ہے، جن کا فیضان بطور بخشش ہوتا ہے۔

اور ان میں سے دوسری: قوتِ عملیہ کی برتری ہے، اور اس کی بھی دو شاخیں ہیں:

ایک شاخ: قوتِ عملیہ کا اعمال کو ٹھنکانا ہے، اپنے اختیار اور اپنے ارادے کے گلے کی راہ سے، پس چوپائے اختیار سے

اعمال کرتے ہیں اور ان کے اعمال ان کے نفس کی جڑ میں داخل نہیں ہوتے، اور ان کے نفوس ان اعمال کی روح سے رگیں نہیں ہوتے۔ وہ اعمال بس ان نفوس کے ساتھ چپک جاتے ہیں جو فقط روح ہوائی (نفس) کے ساتھ قائم ہیں (حیوانات میں روح ربانی نہیں) چنانچہ ان سے ان کے مانند افعال کا صادر ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ اور انسان بھی اعمال کرتا ہے، پس وہ فنا ہو جاتے ہیں، اور ان میں سے اسپرٹ کھینچ لی جاتی ہے، پس اس کو نفس نکل لیتا ہے، چنانچہ نفس میں یا تو توریہ یا تار کی ظاہر ہوتی ہیں۔

اور شریعت کا ارشاد کہ: ”اعمال پر مواخذہ کے لئے شرط یہ ہے کہ آدمی نے وہ اعمال اختیار سے کئے ہوں“ یہ قول طبیب کے اس قول جیسا ہے کہ: ”زہر سے نقصان پہنچنے کے لئے، اور تریاق سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں گلے میں داخل ہوں اور پیٹ میں اتریں“

اور اس بات کی نشانی جو ہم نے کہی کہ: ”انسان کا نفس اعمال کی روح کو نگل لیتا ہے“ وہ ہے جس پر انسانوں کے تمام گروہوں نے اتفاق کیا ہے یعنی ریاضتیں اور عبادتیں کرنا، اور وجدان سے ان میں سے ہر ایک کے انوار کو پہچاننا، اور گناہوں اور منوعات سے رکنا اور وجدان سے ان میں سے ہر ایک کی سختی کو کھینا۔

اور دوسری شاخ: وہ بلند احوال و مقامات ہیں، جیسے اللہ کی محبت اور اللہ پر بھروسہ، ان احوال میں سے جو چوپایوں میں مطلق نہیں پائے جاتے۔

لغات:

الجماع (مصدر) جامع، ہر چیز کی جڑ حدیث میں ہے الخمر جماع الإنم: شراب گناہ کی جڑ بنیاد ہے۔ ملائک الامر: سبار، سرمایہ۔ عاص یغوص غوصاً فی الماء: پانی میں غوطہ لگانا۔ برع (نک) براۃ: علم یا فضیلت یا جمال میں کامل ہونا۔ بلع (ف) بلعاً و ابتلع الشئ: نگلنا۔ البلع و البلعوم: حلق جمع بلاعہ، بلعہ اللقمۃ: نگلنا۔ فبی و فبی یفنی فناء: معدوم ہونا۔ السنی عالی مرتبہ مکتبہ سنۃ، سنۃ: بلند مرتبہ ہوتا۔ ظلمۃ: تاریکی۔ تصرف: نقصان پہنچنا۔ افاڑۃ مبتدا ما اتفاق خبر۔ جنسہا بہائم سے بدل ہے یعنی بہائم میں یہ باتیں مطلق نہیں پائی جاتیں۔

تصحیح: وإما ظلمۃ مطبوعہ نفسہ میں وإما ظلم (جمع) ہے تصحیح مخطوطہ کراچی سے کہ من أن النفس الإنسانية تبلى أرواح الأعمال مطبوعہ نسخہ میں أن النفس الإنسانية تبلى من أرواح الأعمال تھا، یہ تصحیح بھی مخطوطہ کراچی سے کی ہے۔



انسان کی تربیت کے لئے شریعت ضروری ہے

کیف خلق الله الخلق؟ اور کیف ذہر الله الخلق؟ کی تفصیل گزر چکی۔ اب نیا عنوان شروع ہوتا ہے اور وہ ہے الإنسان یحتاج فی تربیته الی الشریعة یعنی انسان کی تربیت کے لئے ایک قانون ضروری ہے، کیونکہ انسان کے مزاج میں ایک خاص قسم کا اعتدال ہے، جو دیگر حیوانات کی بہ نسبت اکمل ہے۔ اور یہ مزاج کا اعتدال اس کی صورت نوعیہ کی ذین ہے یعنی انسان کا مزاج غایت درجہ معتدل اس لئے ہے کہ وہ ”انسان“ ہے۔

انسان کے مزاج کا یہ اعتدال چار چیزوں کا مرکب ہون منت ہے یعنی چار باتیں پائی جائیں گی تو اس کا مزاج معتدل رہے گا، ورنہ اعتدال باقی نہ رہ سکے گا۔ وہ چار باتیں یہ ہیں:

- (۱) انسان کے لئے کچھ ایسے علوم ضروری ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہوں، جن کو انبیائے کرام نے پوری توجہ سے حاصل کئے ہوں اور وہ دوسروں کو پہنچائے ہوں اور دوسروں نے ان علوم میں انبیاء کی تقلید کی ہو۔
- (۲) انسان کے پاس ایسی شریعت اور قانون ہو، جو علوم ربانیہ اور معارف الہیہ پر مشتمل ہو، اور اس قانون میں آرام سے زندگی گزارنے کی مفید تدبیریں بھی ہوں۔

(۳) انسان کے لئے ایسے قواعد و ضوابط ضروری ہیں، جو اس کے افعال اختیار یہ سے بحث کریں اور ان کو اقسام خمسہ: واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام میں تقسیم کریں، تاکہ انسان واجب، مستحب اور مباح پر درجہ بہ درجہ عمل کرے اور مکروہ اور حرام سے بچے۔

(۴) سلوک کی کچھ ابتدائی تمہیدی باتیں بھی اس کو بتلائی جائیں، جن میں احوال و مقامات کی وضاحت ہو۔

مذکورہ چاروں باتیں انسان کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے، اور پھر اس کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں، انہی امور اربعہ سے انسان کے مزاج میں وہ اعتدال پیدا ہوگا جو اس کی صورت نوعیہ کا مقتضی ہے۔ اس لئے حکمت خداوندی میں ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم ازیلی میں انسان کی قوت عقلیہ کی روزی کا سامان کریں۔ اور اس کو بہترین انسان پوری طرح متوجہ ہو کر حاصل کرے اور وہ علوم دوسروں کو پہنچائے، اور دوسرے لوگ ان علوم میں اس کی پیروی کریں یعنی سلسلہ نبوت کا آغاز کیا جائے اور مذکورہ علوم نازل کئے جائیں تاکہ انسان کی پرورش کا سامان ہو، غرض جس طرح شہد کی کھویوں کے نظم و انتظام کے لئے یعسوب کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح انسانوں کے لئے نبی کی شخصیت ضروری ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی گھاس خور مخلوق پیدا کریں تو ساتھ ہی ایسی چراگاہ بھی پیدا کرنا ضروری ہے جس میں وافر مقدار میں گھاس موجود ہو ایسی چراگاہ کے بغیر اس حیوان کی تربیت ناممکن ہے، کیونکہ گھاس کے بغیر وہ مخلوق کیسے جیے گی؟!

غرض چراگاہ کا وجود اس حیوان کی پلاننگ میں داخل ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور اس کو ایک مخصوص قسم کی صورت نوعیہ دی، جو خاص علوم کی مقتضی ہے تو ضروری ہوا کہ اس کو مذکورہ علوم دئے جائیں، خواہ بالا واسطہ یا بالواسطہ تاکہ وہ کمال مقدر حاصل کر سکے، کیونکہ ان علوم کے بغیر کمال مقدر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ غرض انسان کی پلاننگ میں اُن علوم کا دیا جانا بھی شامل ہے اور ان علوم پر عمل کرنے ہی کا نام ”تکلیف شرعی“ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کا مکلف ہونا اس کی پلاننگ کا ایک جزء ہے۔

واعلم أنه لما كان اعتدال مزاج الإنسان بحسب ما تعطيه الصورة النوعية، لا ينم إلا:

[۱] بعلوم يتخلص إليها أزكا هم، ثم يقلده الآخرون.

[۲] وبشرية نشتمل على معارف إلهية، وتدبيرات ارتفاقية؛

[۳] وقواعد تبحث عن الأعمال الاختيارية، وتقسّمها إلى الأقسام الخمسة: من الواجب،

والمندوب إليه، والمباح، والمكروه، والحرام.

[۴] ومقدّمات تُبين مقامات الإحسان.

وجب في حكمة الله تعالى، ورحمته، أن يُهيئ في غيب قدمه رزق قوّته العقلية، يخلص إليه أذكاهم، فيتلّفه من هنالك، وينقاد له سائر الناس، بمنزلة ما تروى في نوع النحل من يعسوب يدبّر لسائر أفرادها.

لولا هذا التلقّي بواسطة، ولا بواسطة، لم يكمل كماله المكتوب له؛ فكما أن المستبصر إذا رأى نوعاً من أنواع الحيوان لا يتعشّش إلا بالحشيش، استيقن أن الله دبر له مرعى، فيه حشيش كثير، فكذلك المستبصر في صنع الله يستيقن أن هنالك طائفة من العلوم، يسدّ بها العقل خلته، فيكمل كماله المكتوب له.

ترجمہ: اور جان لیجئے کہ جب صورت نوعیہ کی دین کے موافق انسان کے مزاج کا اعتدال تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا تھا، مگر: (۱) ایسے علوم کے ذریعہ جن کی طرف انسانوں میں سے نہایت ستر انسان پوری طرح متوجہ ہو، پھر دوسرے اس کی پیروی کریں۔

(۲) اور ایسی شریعت کے ذریعہ جو معارف ربانیہ اور تدبیرات نافعہ پر مشتمل ہو۔

(۳) اور ایسے قوانین کے ذریعہ جو انسان کے اعمال اختیاریہ سے بحث کریں، اور ان کو اقسام خمسہ: واجب، مندوب، مکروہ، اور حرام کی طرف تقسیم کریں۔

(۴) اور ایسی تمہیدی باتوں کے ذریعہ جو سلوک کے مقامات کی وضاحت کریں۔

انسان کی تربیت کے لئے پانچ علوم ضروری ہیں

انسان کی تربیت و تکمیل پانچ علوم پر موقوف ہے، جو درج ذیل ہیں۔

① توحید و صفات کا علم: یعنی یہ جاننا ضروری ہے کہ معبود صرف ایک ہستی ہے، بندگی اسی کا حق ہے، کوئی اور بندگی کا سزاوار نہیں اور اُس معبود میں یہ یہ صفات تین یعنی وہ ہستی اِن ان خوبیوں کی مالک ہے اور وہ ہر طرح کے فحائش سے پاک ہے۔

اور یہ علم اس لئے ضروری ہے کہ انسان مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہیں، مخلوق اگر خالق کو نہ پہچانے تو وہ کیا کمال حاصل کر سکتی ہے؟ اور صرف پہچاننا بھی سودمند نہیں، اپنی تمام نیاز مندیاں اس کے لئے مخصوص کرنا ضروری ہے، ورنہ در بدر کی شوکریں کھانے کے سوا حاصل کیا ہوگا؟ اسی طرح صفاتِ حُسن کا علم بھی ضروری ہے، کیونکہ انسان کی تربیت کا تعلق صفات سے بھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو عظیم و خیر مانے کا بھی خلوت و جلوت میں اس کے احکام کی تعمیل کرے گا۔ وہ اللہ کی رزاقیت پر مطمئن ہونے کے بعد ہی ناخداؤں سے رشتہ توڑے گا۔ غرض صفات جاننے پر یہ بات موقوف ہے کہ بندوں کو اللہ کے ساتھ کس قسم کا معاملہ کرنا چاہئے۔

مگر ذات و صفات کا علم و قیق ترین علم ہے کیونکہ انسان معنویات کو بھی محسوسات کے ذریعہ سمجھنے کا عادی ہے اور ذات و صفات و راء الوارہ ہیں، محسوسات سے ان کی کوئی مشابہت نہیں، پھر انسان سمجھے تو کیسے سمجھے! مگر بہر حال ان کی معرفت بھی ضروری ہے اور شخص کے لئے ضروری ہے، اس لئے قرآن وحدیث میں یہ مسئلہ نہایت وضاحت سے سمجھایا گیا ہے۔

پہلے دو مختصر جملوں میں ساری بات سمجھادی ہے، فرمایا سبحان اللہ وبحمدہ (اللہ پاک ہیں اور خوبیوں کے ساتھ متصف ہیں) یعنی ان کی ذات ہر نقص و عیب اور ہر کمی سے پاک ہے، اس میں تمام صفاتِ سلبیہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ اپنی تعریف کے ساتھ ہیں، اور تعریف اس ہستی کی جاتی ہے جو خوبیوں کے ساتھ متصف ہو، پس یہ تمام صفاتِ شوبہ کی طرف اشارہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے وہ صفات ثابت کیں، جو انسانوں میں صفاتِ مدح سمجھی جاتی ہیں مثلاً زندگی، سنا، دیکھنا، قادر ہونا، ارادہ کرنا، بات کرنا، غصہ ہونا، ناراض ہونا، مہربانی کرنا، بادشاہ ہونا، بے نیاز ہونا وغیرہ۔ اور ساتھ ہی یہ ضابطہ سمجھا دیا کہ ”اللہ کے مانند کوئی چیز نہیں“ تاکہ اللہ کی صفات کو سمجھنے میں انسان غلطی نہ کرے، پھر اس ”مانند نہ ہونے“ کو بھی کھول کر سمجھایا کہ وہ جانتے بیشک ہیں، مگر ان کا جاننا ہمارے جاننے کی طرح نہیں۔ وہ بارش کے قطروں کی گنتی، پیابان کے ریت کی تعداد، درختوں کے پتوں کا شمار اور حیوانات کے سانسوں کی گنتی بھی جانتے ہیں۔ وہ دیکھتے ضرور

ہیں، مگر ان کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں، وہ تاریک رات میں چوٹی کے ریگڑے کو بھی دیکھتے ہیں، وہ سنتے یقیناً ہیں مگر ان کا سننا ہمارے سننے کی طرح نہیں، وہ کہہ اڑ بھڑے ہوئے کمروں میں لحافوں کے نیچے دلوں کی دھڑکن کو بھی سنتے ہیں۔ اسی طرح دیگر صفات میں بھی عدم مماثلت واضح فرمادی تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات جیسا نہ سمجھ بیٹھے۔ شرک کی دلدل یہیں سے شروع ہوتی ہے، مشرکین اللہ کی صفات کا کما حقہ ادراک نہیں رکھتے، اس لئے وہ شرک کی گندگی میں مبتلا ہیں۔

(۲) عبادتوں کا علم: یعنی بندوں کو پروردگار کی بندگی کس طرح کرنی چاہئے؟ اس کی درست صورتیں کیا ہیں؟ اور غلط طریقے کیا ہیں؟ کیونکہ غلط طریقوں سے بندگی کرنے سے بجائے قرب کے دوری پیدا ہوتی ہے۔

(۳) تدبیرات نافعہ کا علم: انسان کو اللہ کی بندگی اور آخرت کے کاموں کے لئے پیدا کیا گیا ہے، مگر اسے ایک وقت تک دنیا میں رہنا ہے اس لئے ارتقا قات کا علم بھی ضروری ہے، جیسے مدارس عربیہ کے طلبہ کا مقصد حیات دین پڑھ کر دین کی خدمت کرنا ہے، مگر ان کو دنیا سے بھی سابقہ پڑتا ہے، اس لئے ضروری و دنیوی علوم، بالخصوص رائج زبانوں کا علم ضروری ہے، تاکہ دنیوی زندگی میں ان کو کسی الجھن سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

(۴) استدلال کا علم: یعنی جب کسی اسلامی مسئلہ میں معمولی لوگوں کو شبہات پیش آئیں اور وہ اسلام پر اعتراضات کریں تو ان کی عقدہ شکنی کیسے کی جائے؟ قرآن کریم میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے شکوک و شبہات کا قلع قمع کیا گیا ہے۔ یہ استدلال کا علم بھی انسان کے لئے ضروری ہے۔

(۵) پند و موعظت کا علم: لوہے کی طرح دل بھی زنگ آلود ہوتا ہے، دنیا کی مشغولیوں سے دل سخت ہو جاتا ہے، اس لئے وقتاً فوقتاً پند و موعظت ضروری ہے، قرآن بھی درمیان درمیان کلام میں یہ کام کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی وقتاً فوقتاً وعظ کہتے تھے اور پند و موعظت تین قسم کے مضامین سے کی جانی چاہئے:

(۱) انسان کو اللہ کی نعمتیں یاد دلانی جائیں۔ مشہور مقولہ ہے الإنسان عبد الإحسان یعنی احسان مند ہونا انسان کی خصوصیت ہے اس لئے جب اس کو اللہ کی نعمتیں یاد دلانی جائیں گی تو اس میں خرد و شکرگزاری کا جذبہ پیدا ہوگا۔

(۲) وہ واقعات بیان کئے جائیں جو حق و باطل کی کشمکش کے نتیجہ میں پیش آئے ہیں، جن میں اہل حق کو نجات ملی ہے اور اہل باطل تباہ ہوئے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا سمندر سے پار ہونا، اور فرعونین کے قہر و عذاب سے بچ جانا، اور فرعون کا لاؤ الشکر سمیت غرقاب ہو جانا اور غوغا عسفی سے مٹ جانا۔ غرض اس قسم کے واقعات بھی پند و موعظت میں مفید ہیں، کیونکہ انسان کے سامنے جب عواقب اعمال کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں تو اس کا دل پکھل جاتا ہے۔

(۳) مرنے کے بعد قبر میں، پھر قیامت کے میدان میں جو احوال پیش آئیں گے۔ اسی طرح جہنم اور اس کی ہولناکیوں کا تذکرہ کرنے سے بھی دل متاثر ہوتا ہے، اور آدمی میں آخرت کے لئے تیاری کرنے کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

و تلك الطائفة:

منها : علم التوحيد والصفات: ويجب أن يكون مشروحا، بشرح يناله العقل الإنساني بطبيعته، لا مُغلَقا لابنائه إلا من يَنْذُرُ وجودَ مثله؛ فَتُشْرَحُ هذا العلم بالمعرفة المشابهة إليها بقوله: "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ" فأثبت لنفسه صفات يعرفونها ويستعملونها بينهم: من الحياة والسمع، والبصر، والقدرة، والإرادة، والكلام، والغضب، والسخط، والرحمة، والملك، والعِصَى؛ وأثبت مع ذلك: أنه ليس كمثله شيء في هذه الصفات، فهو حيٌّ لا كحياتنا، بصير لا كبصيرنا، قدير لا كقدرتنا، مريد لا كإرادتنا، متكلم لا ككلامنا، ونحو ذلك؛ ثم فُسِّرَ عدم المماثلة بأمور تَسْتَعْبِذُهَا في جنسها، مثل أن يقال: يعلم عدد قطر الأمطار، وعدد رمل الفيافي، وعدد أوراق الأشجار، وعدد أنفاس الحيوانات، ويصُرُ ذئب النمل في الليلة الظلماء، ويسمع ما يتوسَّس به تحت اللُحَف، في البيوت المُغلَقَة عليها أبوابها، ونحو ذلك.

ومنها: علم العبادات.

ومنها: علم الارتقاات.

ومنها: علم المخاصمة، أعنى: أن النفوس السَّفَلِيَّة إذا نُوِّدَتْ بينها شُبُهَات، تُدافع بها الحق، كيف يُحل تلك العُقَد؟

ومنها: علم التذكير بآلاء الله، وبأيام الله، وبوقائع البرزخ والحشر.

ترجمہ: اور وہ مجموعہ علوم یہ ہیں:

ان میں سے ایک: توحید و صفات کا علم ہے، اور ضروری ہے کہ اس کی اس طرح وضاحت کی جائے کہ انسانی عقل اپنی فطری صلاحیت سے سمجھ لے، ایسا مفلح انداز بیان نہ ہو کہ جسے وہ لوگ، ہی سمجھ سکیں جن کے مانند کا پایا جانا تو رہے (یعنی شاہ و نادر لوگ، ہی سمجھ سکیں) چنانچہ اس علم کی تشریح کی اُس معرفت کے ذریعہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے سبحان اللہ و بحمدہ سے، پس اللہ نے اپنے لئے وہ صفات ثابت کیں جن کو لوگ جانتے ہیں، اور جن کو باہم استعمال کرتے ہیں یعنی زندہ ہونا، سننا، دیکھنا، قادر ہونا، ارادہ کرنا، بات کرنا، غصہ ہونا، ناراض ہونا، مہربانی کرنا، بادشاہ ہونا اور بے نیاز ہونا، اور اسی کے ساتھ ثابت کیا کہ اللہ کے مانند ان صفات میں کوئی چیز نہیں۔ پس وہ زندہ ہیں مگر ہمارے زندہ ہونے کی طرح نہیں، وہ دیکھنے والے ہیں مگر ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں، وہ قدرت والے ہیں مگر ہماری قدرت کی طرح نہیں، وہ ارادہ کرنے والے ہیں مگر ہمارے ارادہ کرنے کی طرح نہیں، وہ بات کرنے والے ہیں مگر ہمارے بات کرنے کی طرح نہیں، اور اس کے مانند، پھر اس "مانند نہ ہونے" کی تفسیر کی گئی ایسی چیزوں کے ذریعہ جن کو ہم مستبعد سمجھتے ہیں

ہماری جنس میں (یعنی انسانوں میں) جیسے یہ کہا جائے کہ وہ پارش کے قطروں کی تعداد، جنگل کے درختوں کی مقدار، درختوں کے پتوں کا شمار، اور حیوانات کے سانپوں کی گنتی جانتے ہیں۔ اور وہ تاریک رات میں چیونٹی کے ریگنے کو دیکھتے ہیں اور وہ ان باتوں کو سنتے ہیں جن کے سوسے گزرتے ہیں، الجافوں کے نیچے، ایسے گھروں میں جن کے دروازے بکھرے ہوئے ہیں، اور اس کے مانند تعبیرات۔

اور ان میں سے ایک: عبادتوں کا علم ہے۔

اور ان میں سے ایک: تدبیرات نافعہ کا علم ہے۔

اور ان میں سے ایک: جھگڑا کرنے کا علم ہے، میری مراد یہ ہے کہ معمولی درجہ کے لوگوں کے دلوں میں جب شبہات جنم لیں، جس سے وہ حق کا مقابلہ کریں، تو ان گروہوں کو کیسے کھولا جائے؟

اور ان میں سے ایک: اللہ کی نعمتوں، اللہ کے دنوں اور پرزخ اور حشر کے واقعات سے نصیحت کرنے کا علم ہے۔

تصحیح: نستعدها فی جنسنا مطبوعہ نسخہ میں مستعده فی جنسنا تھا، تصحیح منقوط کراچی سے کی ہے۔



علم ازل میں علوم خمسہ کی تعیین

اوپر جن علوم خمسہ کا ذکر آیا ہے، جو انسانوں کی تربیت کے لئے ضروری ہیں، وہ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین ﷺ تک سبھی امتوں کے لئے ضروری ہیں، ہر زمانہ میں یہی علوم نازل کئے گئے ہیں، البتہ ہر زمانہ کے لوگوں کی استعداد ملحوظ رکھ کر ان کی شرح کی گئی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں چند باتوں پر نظر ڈالی:

ایک: نوع انسانی پر جو آئندہ وجود میں آنے والی ہے۔

دوسری: انسانوں کی اس استعداد پر جو ان میں برابر چلتی رہے گی، اور ایک دوسرے کا وارث ہوتا رہے گا۔

تیسری: انسانوں کی قوت ملکیہ پر، کیونکہ اس کی غذا بھی فراہم کرنی ضروری ہے۔

چوتھی: اس تدبیر پر جو انسانوں کی اصلاح کے لئے ضروری ہے، یعنی مذکورہ علوم خمسہ ضروری ہیں جن کی ہر زمانہ کی

استعداد کے مطابق شرح کی گئی ہے۔

مذکورہ چاروں باتوں پر نظر ڈال کر اللہ پاک کی ذات میں مذکورہ علوم خمسہ محد دو متعین ہو کر متمثل ہو گئے یعنی ایک گونہ

ان کا وجود ہو گیا، علوم خمسہ کا یہی وجود شاعرہ کی اصطلاح میں ”کلام نفسی“ کہلاتا ہے اور وہ اسی کو قدیم مانتے ہیں اور یہی

اللہ کی صفت کلام ہے جو اللہ کی صفات علم و ارادہ اور قدرت کے علاوہ ہے۔

فَنَظَرَ الْحَقُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْأَزَلِ إِلَى نَوْعِ الْإِنْسَانِ، وَإِلَى اسْتِعْدَادِهِ الَّذِي يَتَوَارَثُهُ أَبْنَاءُ النَّوْعِ، وَنَظَرَ إِلَى قُوَّتِهِ الْمَلَكِيَّةِ، وَالتَّوْبِيرِ الَّذِي يُضَلِّحُهُ مِنَ الْعُلُومِ الْمَشْرُوحَةِ حَسَبَ اسْتِعْدَادِهِ، فَسَمَّيْتُمْ تِلْكَ الْعُلُومَ كُلَّهَا فِي غَيْبِ الْغَيْبِ مَحْدُودَةً وَمُحْصَاةً؛ وَهَذَا الصَّمْلُ هُوَ الَّذِي يُعْبَرُ عَنْهُ الْأَشَاعِرَةُ بِالْكَلَامِ النَّفْسِيِّ؛ وَهُوَ غَيْرُ الْعِلْمِ، وَغَيْرُ الْإِرَادَةِ وَالْقُدْرَةِ.

ترجمہ: پس حق تبارک و تعالیٰ نے ازل میں دیکھا نوع انسانی کو، اور اس کی اُس استعداد کو جس کے وارث ہوتے رہیں گے انہائے نوع (یعنی جو استعداد انسانوں میں مسلسل چلتی رہے گی) اور اس کی قوت ملکیہ کو دیکھا، اور اس تدبیر کو دیکھا جو نوع انسانی کی اصلاح کرنے والی ہے یعنی وہ علوم (خمسہ) جن کی (ہر زمانہ میں) انسان کی استعداد کے موافق شرح کی گئی ہے، پس وہ تمام علوم مقررہ متعین ہو کر منتشل ہو گئے (یعنی یک گونہ وجود ہو گئے) غیب کے غیب میں (یعنی اللہ کے علم ازلی میں) اور اسی توشل کو اشاعرہ ”کلام نفسی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور وہ علم کے علاوہ اور ارادہ و قدرت کے علاوہ مغفّت ہے۔

لغات:

تَوَارَثَ الْقَوْمُ: ایک دوسرے کا وارث ہونا... تَمَثَّلَ لَهُ الشَّيْءُ: تصور ہونا... مَحْدُودَةٌ: حد کیا ہوا، احاطہ کیا ہوا... أَحْصَى الشَّيْءُ: شمار کرنا۔

تشریح:

کلام نفسی وہ معنی ہیں جو متکلم کے دل میں ہوتے ہیں، جن پر الفاظ یا لکھنا یا اشارہ کرنا دلالت کرتا ہے، اَحْطَلٰ کہتا ہے: **إِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ، وَإِنَّمَا لُجْعِلَ اللَّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيلًا** اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اور قرآن کریم کے قدیم ہونے کی بحث طویل ہے، شائقین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ کی کتاب **مُهَيْدُ الْمُسْقَلِ فِي تَنْوِيهِ الْمَعْنَى وَالْمَثَلِ وَدِكْحِيَّاتِ**، یا علم کلام کی بڑی کتابیں دیکھیں، دستور العلماء (۱۵:۳) میں بھی مختصر گفتگو ہے۔



علوم خمسہ کا پہلا ظلی روحانی وجود

پھر جب کائنات کا آغاز ہوا، اور ملائکہ کی تخلیق کا وقت آیا، تو حق تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات تھی کہ افراد انسان کی یہودی کے لئے ملائکہ کا وجود ضروری ہے۔ ملائکہ کا تعلق انسانوں سے اتنا گہرا ہے جتنا ہمارے قوی عقیدہ کا ہم سے۔ انسان: انسان ہی عقل و فہم سے ہے، عقل نہ رہے تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ غرض جتنی اہمیت عقل و فہم کی ہے اتنی

ہی اہمیت انسان کے تعلق سے ملائکہ کی ہے چنانچہ افراد انسانی پر مہربانی فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو کلمہ ”کن“ سے پیدا فرمایا، اور ان کے سینوں میں ان علوم خمسہ کا پڑھنا امانت رکھ دیا، جو علم ازلٰی میں مقرر و متعین ہو کر متمثل ہو چکے تھے، اس طرح علوم خمسہ روحانی صورت میں متصور ہو گئے۔ اور ان ملائکہ کا ذکر الذین یَحْمِلُونَ الْاَیَۃِ میں آیا ہے۔ یہ آیت پہلے ملائکہ کے باب میں گزر چکی ہے۔

ثم لما جاء وقت خلق الملائكة، عَلِمَ الْحَقُّ أَنَّ مَصْلَحَةَ أَفْرَادِ الْإِنْسَانِ لَا تَكْمُلُ إِلَّا بِنُفُوسٍ كَرِيمَةٍ، يَنْسِبُهَا إِلَى نَوْعِ الْإِنْسَانِ كُنْسِبَةِ الْقَوَى الْعَقْلِيَّةِ فِي الْوَاحِدِ مَنَا إِلَى نَفْسِهِ، فَأَوْجَدَهُمْ بِكَلِمَةٍ: ﴿كُنْ﴾ بِمَخْصَصِ الْعِنَايَةِ بِأَفْرَادِ الْإِنْسَانِ، فَأَوْدَعَ فِي صُدُورِهِمْ ظُلُمًا مِنْ تِلْكَ الْعُلُومِ الْمَحْدُودَةِ الْمُخَصَّصَةِ فِي غَيْبٍ غَيْبِهِ، فَتَصَوَّرَتْ بِصُورَةٍ رُوحِيَّةٍ، وَإِلَيْهِمُ الْإِشَارَةُ فِي قَوْلِهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْغُرُشَ وَمَنْ حَوْلَهُ﴾ الْآيَةَ.

ترجمہ: پھر جب ملائکہ کی تخلیق کا وقت آیا تو حق تعالیٰ نے جانا کہ افراد انسانی کی مصلحت مکمل پذیر نہیں ہو سکتی، مگر چند ایسے نفوس کریمہ کے ذریعہ، جن کا تعلق نوع انسانی کے ساتھ ایسا ہے، جیسا ہم میں سے ایک آدمی کے قوی عقلیہ کا تعلق اس کی ذات سے، پس اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کو پیدا فرمایا کلمہ ”کن“ سے، بعض انسان کے افراد پر مہربانی فرماتے ہوئے، پھر ان کے سینوں میں امانت رکھا ان علوم کے پڑھنا، جو مقرر و متعین ہو چکے تھے غیب الغیب میں، پس وہ علوم روحانی صورت میں متصور ہو گئے، اور انہی ملائکہ کی طرف اشارہ ہے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْغُرُشَ وَمَنْ حَوْلَهُ﴾ اِلٰی آخِرِ الْآیَةِ میں۔

لَقَدْ تَصَوَّرَ لَهُ النَّبِيُّ: اس کے ذہن میں صورت آگئی۔



علوم خمسہ کا دوسرا روحانی وجود

پھر جب وہ ادوار آتے ہیں، جن کا تقاضا ہوتا ہے کہ ملتوں اور حکومتوں میں تبدیلی آئے تو ان علوم خمسہ کو دوسرا روحانی وجود دیا جاتا ہے اور یہ موجودات و شرح ہوتا ہے یعنی اُن ادوار کے موافق ان علوم خمسہ کی شرح و تفصیل کر دی جاتی ہے، پھر وہاں سے وہ علوم ہر زمانہ کے نبی پر نازل ہوتے ہیں، جیسے خاتم النبیین ﷺ کا دور آیا تو پورا قرآن ایک ساتھ لوح محفوظ سے سائے دنیا پر، شب قدر میں نازل کیا گیا سورۃ الدخان آیات (۲۴) میں اس کا تذکرہ ہے یہ شریعت محمدیہ کا دوسرا روحانی وجود ہے، اسی طرح ہر پیغمبر کے زمانہ میں اس نبی کی شریعت کو پہلے دوسرا روحانی وجود بخشا جاتا ہے پھر وہ

شریعت اُس زمانہ کے پیغمبر پر نازل کی جاتی ہے۔

ثم لما جاء بعض القِرَآنَاتِ الْمُقْتَضِيَةِ لِتَغْيِيرِ الدُّوَلِ وَالْمَلِكِ، قَضَى بِوُجُودِ رُوحَانِيٍّ آخَرٍ لَتَلِكِ الْعِلْمِ، فَصَارَتْ مَشْرُوحَةً مُفَصَّلَةً بِحَسَبِ مَا يَلِيْقُ بِتِلْكَ الْقِرَآنَاتِ، وَإِلَيْهَا الْإِشَارَةُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ، إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ، فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾

ترجمہ: پھر جب بعض قرآنات (زمانے) آتے ہیں جو ملتوں اور حکومتوں میں تبدیلی کے مقتضی ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن علوم کے ایک دوسرے روحانی وجود کا فیصلہ فرماتے ہیں، پس وہ علوم اُن قرآنات کے حسب حال مفصل و شرح ہو جاتے ہیں۔ اور انہی قرآنات کی طرف اشارہ آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ میں کہ: ”بیشک ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان و تیار) ایک برکت والی رات (یعنی شب قدر میں) اتارا ہے، بیشک ہم آگاہ کرنے والے ہیں، اُس رات میں (اس میں اشارہ ہے ادوار کی طرف) ہر حرکت والا معاملہ حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے۔“

تشریح:

(۱) دُوَلِ اور دُوَلِ جمع ہیں دُوَلَةُ کی، جس کے معنی ہیں اولے بدلنے والی چیز، جو کبھی ایک کے پاس ہو تو کبھی دوسرے کے پاس، جیسے مال اور حکومت وغیرہ۔ یہاں حکومتیں مراد ہیں۔ اور الملک جمع ہے الملکِ کی، جس کے معنی ہیں مذہب، شریعت۔

(۲) قِرَآنَاتِ جمع ہے قِرْآنَةُ کی علم نجوم کی اصطلاح میں جب دو ستارے ایک برج میں ایک درجہ میں جمع ہوتے ہیں تو اس اجتماع کو قِرْآن اور نَظَر کہتے ہیں (دستور العلماء ۳: ۳۷۳ مادہ نظرات الکواکب) پہلے باب رابع (سنت اللہ کے بیان) میں اس پر مفصل گفتگو گزری ہے کہ علویات کے سفلیات پر اثرات پڑتے ہیں یا نہیں، شاہ صاحب رحمہ اللہ کا رجحان ثبوت کی طرف ہے قرآنات کا ذکر اسی نقطہ نظر سے سمجھنا چاہئے۔ حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے بھی ﴿فَلَا أَقْسَمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَلَّيْكُمْ عَظِيمٌ﴾ (سورۃ الواقعة آیات ۷۵ و ۷۶) کی تفسیر میں علویات کی سفلیات پر تاثیر مانی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

”سفلیات را اگر ہر افعال نہادہ اند، علویات را جلوة افعال داوہ اند، ہر تفسیر سے انقلاب کے درخاکدان زمین زوی دہ، منشا آن در عالم اسباب ہمیں کو اکب اند، کہ باطوار مختلف فی آئینہ دی روند،

”عہدہ تغیرے و زمین انقلاب کے کہ پس از“ انقلاب ظہور قدیم با کینہہ حدوث“ بروزے کا رآمد، نزول قرآنی است۔
نظر بریں زانچہ ایں انقلاب از جملہ ذانچہا برتر باشد، و نقشہ این اجمال کہ از اجتماع جملہ نجوم بہیت مخصوصہ ظہور فرمودہ،
از جملہ نقشہا کے کہ در حوادث جلوه گیر ہا دارند احسن و اعلیٰ باشد۔ بدیں وجہ نقشہ دیگر حوادث کہ مقسم بہ خداوندی گردیدہ

- اند، بدیں نقشہ نہ رسد، بدیں سبب موصوف بہ قسم عظیم گرویدہ“ (اسرار قرآنی ص ۴۲ جواب سوال دوم)
- (۳) بعض لوگ ”بایرکت رات“ سے شب براءت (پندرہویں شعبان) مراد لیتے ہیں۔ یہ نہایت ضعیف اور شاذ تفسیر ہے۔ قابل اعتنا نہیں۔
- (۴) المقصیۃ تمام نحووں میں المقصیۃ تھا، تصحیح مخطوطہ کراچی سے کی ہے۔



علوم خمسہ کا انبیاء پر نزول

علوم خمسہ کو دوسرا روحانی وجود دینے کے بعد حکمت خداوندی کسی عظیم شخصیت کے پائے جانے کا انتظار کرتی ہے، جس میں وحی قبول کرنے کی استعداد ہو، جس کی رفعت شان کا حظیرۃ القدس میں فیصلہ کیا جا چکا ہو۔ پھر جب ایسی شخصیت موجود ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو برگزیدہ کر لیتے ہیں، اور اس کو اپنے کام کے لئے خاص کر لیتے ہیں اور اس پر کتاب نازل فرماتے ہیں اور لوگوں پر اس کی اطاعت ضروری قرار دیتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں سورہ طہ آیت (۴۱) میں آیا ہے کہ: ”میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا“ اور آیت (۱۳) میں فرمایا گیا ہے کہ: ”میں نے تم کو (نبی بنانے کے لئے) منتخب فرمایا ہے، پس (اس وقت) جو کچھ وحی کی جارہی ہے اس کو سن لو“ ان آیات میں یہی مضمون ہے، اور یہی معاملہ ہرنبی کے ساتھ پیش آتا ہے یعنی کار نبوت کے لئے اس کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

ثم انتظرت حکمۃ اللہ لوجود رجل زکی، يستعد للوحی، قد قضی بعلو شأنه وارتفاع مکانہ، حتی إذا وجد اصطنعہ لنفسه، واتخذہ جارحۃ لإتمام مراده، وانزل علیہ کتابہ، وأوجب طاعته علی عبادہ، وهو قوله تعالیٰ لموسیٰ علیہ السلام: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِی﴾

ترجمہ: پھر حکمت خداوندی انتظار کرتی ہے کسی ایسی اچھی نشوونما پانے والی شخصیت کے وجود کا، جو وحی کے لئے تیار ہو، جس کی بلندی شان اور رفعت مکانی کا فیصلہ ہو چکا ہو، یہاں تک کہ جب ایسی شخصیت پائی جاتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنے کام کے لئے منتخب فرما لیتے ہیں، اور اس کو اپنی مراد کی تکمیل کے لئے عضو (وسیلہ) بنا لیتے ہیں اور اس پر اپنی کتاب نازل فرماتے ہیں۔ اور اس کی فرمانبرداری کو اپنے بندوں پر واجب کرتے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ پاک کا یہی ارشاد ہے کہ: ”میں نے آپ کو منتخب فرمایا ہے“



باب کا خلاصہ

باب کے تفصیلی مضامین کا ماحصل یہ ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ کے علم ازل میں مذکورہ علوم خمسہ کی تعیین، نوع انسانی پر مہربانی کی وجہ سے ہوئی ہے (۲) اور علم اعلیٰ کی تخلیق کا تقاضا: نوع انسانی کی حاجت و ضرورت نے کیا ہے (۳) اور ادوار اور زمانے بدلنے پر نئی شریعتوں کا اصرار نوع انسانی کے احوال نے کیا ہے — پس انسانوں کو مکلف بنانا بلاوجہ نہیں، ان کا فطری تقاضا ہے۔ اور مخلوق کے فطری تقاضوں کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ یہی تکلیف شرعی کی مضبوط دلیل ہے۔

اب یہ سوال کہ انسان پر نماز پڑھنا کیوں ضروری ہوا؟ اور رسول کی فرمانبرداری کیوں ضروری ہوئی؟ اور زنا، چوری وغیرہ کیوں حرام ہوئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح چوپایوں پر گھاس کھانا ضروری ہے، اور گوشت کھانا حرام ہے۔ اور درندوں پر گوشت کھانا ضروری ہے اور گھاس کھانا حرام ہے، اور شہد کی مکھیاں پر یعسوب کی اطاعت ضروری ہے، اور یہ سب باتیں فطرت کے تقاضے ہیں، اسی طرح انسان پر مذکورہ باتیں ضروری ہیں۔ وہ سب باتیں بھی انسان کی فطرت کے تقاضے ہیں۔ بس فرق اتنا ہے کہ حیوانات کا آدمعلوم فطری الہامات سے حاصل کرتے ہیں، اور انسان وحی کے ذریعہ یا دوسروں کی پیروی کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، یا غور و فکر سے معلوم کر لیتا ہے۔

فما اوجب تعيين تلك العلوم في غيب الغيب إلا العناية بالنوع، ولا سأل الحق فيضاً نفوس الملائكة إلا استعداد النوع، ولا أُلح عند القرائات بسؤال تلك الشريعة الخاصة إلا أحوال النوع؛ فلله الحجة البالغة؛

فإن قيل: من أين وجب على الإنسان أن يُصلّى؟ ومن أين وجب عليه أن يتفاد للرسول؟ ومن أين حرم عليه الزنا والسرقه؟

فالجواب: وجب عليه هذا، وحرم عليه ذلك، من حيث وجب على الهائم أن توّعى الحشيش، وحرم عليه أكل اللحم، ووجب على السّاع أن تاكل اللحم، ولا توّعى الحشيش. ومن حيث وجب على النّحل أن يتبع اليعسوب؛ إلا أن الحيوان استوجب تلقّي علومها إلهاماً جبليّاً، واستوجب الإنسان تلقّي علومه كسباً ونظراً، أو تقليداً واللّه أعلم.

ترجمہ: پس نہیں واجب کیا غیب الغیب (یعنی علم باری تعالیٰ) میں ان علوم کی تعیین کو، مگر نوع انسانی پر مہربانی نے۔ اور حق تعالیٰ سے نہیں درخواست کی ملاء علی کی ارواح کے فیضان کی، مگر نوع انسانی کی استعداد نے۔ اور باصرار سوال نہیں کیا مختلف ادوار میں خاص شریعتوں کا، مگر نوع انسانی کے احوال نے، پس کامل برہان اللہ ہی کے لئے ہے!

پس اگر سوال کیا جائے کہ کہاں سے انسان پر واجب ہوا کہ وہ نماز پڑھے؟ اور کہاں سے اس پر واجب ہوا کہ وہ رسول کی اطاعت کرے؟ اور کہاں سے اس پر زنا اور چوری ہوئے؟

تو جواب یہ ہے کہ اس پر یہ چیز واجب، اور وہ چیز حرام ہوئی ہے، جہاں سے چوپایوں پر گھاس چرنا واجب ہوا ہے، اور ان پر گوشت کھانا حرام ہوا ہے۔ اور درندوں پر گوشت کھانا واجب ہوا ہے اور یہ بات ضروری ہوئی ہے کہ وہ گھاس نہ چریں، اور جہاں سے شہد کی مکھیوں پر واجب ہوا ہے کہ وہ اپنے سردار کی اتباع کریں۔ البتہ حیوان جبلی البہام سے اپنے علوم کو حاصل کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے، اور انسان غور و فکر سے یا وحی سے یا تقلید سے اپنے علوم کو حاصل کرنے کا مستحق ہوتا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

فائدہ: کسب لغوی معنی میں نہیں ہے، بلکہ یہ منطق کی اصطلاح ہے اور نظر کی مترادف ہے۔ اور آخر میں واللہ اعلم مخطوطہ کراچی سے بڑھایا ہے۔

باب ۸ —

تکلیف شرعی جزاؤں کو چاہتی ہے

اور

مجازات کی چار وجوہ ہیں

انسان کو اس کے اعمال کا اچھا یا برا بدلہ ضرور ملنے والا ہے، جیسی کرنی ویسی بھرنی! اور مجازات چار وجوہ سے ہوگی:

- (۱) مجازات انسان کی صورت نوعیہ کا تقاضا ہے۔
 - (۲) مجازات ملاطفت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔
 - (۳) مجازات نازل کردہ شریعت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔
 - (۴) مجازات تعلیمات انبیاء کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔
- مذکورہ بالا مجازات کی وجوہ اربعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی وجہ: مجازات صورت نوعیہ کا تقاضا ہے

انسان چونکہ انسان ہے اس لئے اس کے اعمال کا اچھا یا برا بدلہ ملنا ضروری ہے، اگر وہ کوئی اور جانور ہوتا تو مجازات

نہ ہوتی، مثلاً چوپایہ اگر گھاس چرے اور درندہ گوشت کھائے تو دونوں تندرست رہتے ہیں کیونکہ یہی ان کی صورت نوعیہ کا مقتضی ہے اور اگر معاملہ برعکس ہو جائے تو دونوں بیمار پڑ جاتے ہیں، اسی طرح انسان اگر ایسے اعمال کرے جن کا منجور، خلاصہ اور روح، اخلاق عالیہ اور صفات حسنہ ہوں تو اس کا ملکی مزاج درست رہے گا اور بصورت دیگر اس کا ملکی مزاج بگڑ جائیگا اور جب تک وہ بقید حیات رہے گا اعمال بد کا اثر ظاہر نہ ہوگا، مگر جب علاقہ جسمانی سے ہٹا ہو جائیگا یعنی وفات پا جائے گا تو اس کو پورا احساس ہوگا کہ اس نے دنیا میں جو کام کئے تھے وہ اس کی ملکیت کے موافق نہیں تھے جس طرح جسم کو سن کر کے آپریشن کیا جائے تو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، مگر دوا کا اثر زائل ہوتے ہی شدت کا درد اٹھتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی غفلت، احساس نہیں ہونے دیتی، یہ غفلت دور ہوتے ہی احساس شروع ہو جائے گا۔

اور اخلاق عالیہ چار ہیں: (۱) پاکی، اور اس کی ضد ناپاکی (۲) اخبات یعنی بارگاہ خداوندی میں نیاز مندی، اور اس کی ضد اللہ اور دین حق کے سامنے کمزاری (۳) سماعت یعنی سیر چشمی اور عالی ظرفی، اور اس کی ضد شح یعنی انتہائی درجہ کی تجلی (۴) انصاف، اور اس کی ضد انصافی۔ ان کا مفصل بیان آگے بحث چہارم کے باب چہارم میں اور ابواب الاحسان کے بالکل شروع میں آئے گا۔

﴿باب اقتضاء التکلیف المجازاة﴾

اعلم: أن الناس مجزؤون بأعمالهم: إن خيراً فخير، وإن شراً فشر، من أربعة وجوه:
أحدها: مقتضى الصورة النوعية: فكما أن البهيمة إذا غلفت الحشيش، والسبع إذا علف اللحم، صَحَّ مزاجهما؛ وإذا غلفت البهيمة اللحم، والسبع الحشيش، فسد مزاجهما؛ فكذلك الإنسان إذا باشر أعمالاً: أرواؤها الخشوع لجناب الحق، والطهارة، والسماحة، والعدالة: صلح مزاجه الملكي؛ وإذا باشر أعمالاً، أرواؤها أضداد هذه الخصال، فسد مزاجه الملكي؛ فإذا تخفف عن ثقل البدن أحسَّ بالملء مة والمنافرة، شبه ما يحسُّ أحدنا من ألم الاحتراق.

ترجمہ: باب: تکلیف شرعی کا مجازات کو چاہنا: جان لیجئے کہ لوگوں کو ان کے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا، اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ، چار وجوہ سے:

ان میں سے ایک: صورت نوعیہ کا تقاضا ہے، پس جس طرح چوپایہ گھاس چرتا ہے اور درندہ گوشت کھاتا ہے تو دونوں کا مزاج درست رہتا ہے اور جب چوپایہ گوشت کھاتا ہے اور درندہ گھاس، تو دونوں کا مزاج بگڑ جاتا ہے، اسی طرح جب انسان ایسے کام کرتا ہے جن کی روح بارگاہ خداوندی میں عاجزی، پاکی، عالی ظرفی اور عدالت ہوتی ہے تو اس کا ملکوتی مزاج درست رہتا ہے اور جب وہ ایسے کام کرتا ہے جن کی روح مذکورہ اعمال کی ضد ہوتی ہے تو اس کا ملکوتی مزاج

گزر جاتا ہے۔ پھر جب وہ بدن کے بوجھ سے ہکا ہو جاتا ہے یعنی مرجا تا ہے تو اس کو مناسب ہونے اور نامناسب ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے، جیسے (سُن کرنے والی دوا کا اثر ختم ہونے کے بعد) ہم میں سے ہر شخص جلنے کی تکلیف محسوس کرنے لگتا ہے۔

تصحیح: لجناب الحق: مطبوعہ نسخوں میں بجناب الحق تھا، صحیح منقولہ کراچی سے کی ہے۔



دوسری وجہ: مجازاتِ ملا اعلیٰ کی وجہ سے بھی ہوتی ہے

جس طرح فرمانبردار، خدمت گزار اولاد کی خوش حالی ماں باپ کی دعاؤں کا ثمرہ ہوتی ہے اور نافرمان، ناپسندیدہ اولاد کی تنگ حالی اور پریشان حالی، ماں باپ کی آہوں کا اثر ہوتی ہے، اسی طرح جزا، سزا کا ایک سبب ملا اعلیٰ کی دعائیں اور لعنتیں بھی ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ملا اعلیٰ کا تعلق انسانوں سے بالکل ایسا ہے جیسا ہمارے قوی اور اکیہ (عقل و فہم) کا ہم سے ہے، اگر ہمارا پاؤں چنگاری یا برف کے ٹکڑے پر پڑتا ہے تو دماغ میں امانت رکھے ہوئے قوی اور اکیہ، اس کا فوراً ادراک کر لیتے ہیں، ٹھیک اسی طرح ہمارے اچھے برے اعمال کا ملائکہ فوراً ادراک کر لیتے ہیں۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ کلی طبعی کے بارے میں متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ وہ خارج میں نہیں پائی جاتی، مستقلاً اور نہ اپنے افراد کے ضمن میں، خارج میں صرف کلی طبعی کے افراد پائے جاتے ہیں، اور اسی کو مجازہ کلی طبعی کا پایا جانا کہہ دیتے ہیں (دلیل کے لئے محتاج التہدیب ص ۴۹ دیکھیں)

مگر عالم ملکوت میں تمام انواع پائی جاتی ہیں، نوع انسانی کی صورت بھی وہاں متفق ہے، جس کو ”انسان اکبر“ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مہربانی نے اس صورت نوعیہ کے لئے خدام پیدا کئے ہیں، اور وہ ملائکہ ہیں، کیونکہ جس طرح انسان قوی اور اکیہ (عقل و فہم) کے بغیر سنور نہیں سکتا، اسی طرح ملائکہ کے بغیر بھی اس کی گاڑی نہیں چل سکتی۔

غرض جب کوئی انسان اچھا کام کرتا ہے تو وہ خدام اس کا ادراک کر لیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، اور جب برا کام کرتا ہے تو اس کا بھی ادراک کرتے ہیں اور ناخوش ہوتے ہیں، پھر اس خوشی اور ناخوشی کی لہریں چلتی ہیں اور اس عامل کے دل میں حلول کرتی ہیں، جس سے اس کے دل میں بہجت و سرور یا وحشت و نفرت پیدا ہوتی ہے، یہی اعمال کی جزا و سزا ہے، اسی طرح وہ لہریں ملا سافل کے دلوں میں بھی حلول کرتی ہیں یا بعض لوگوں کے دلوں میں اترتی ہیں اور وہ الہام بن جاتی ہیں کہ وہ حضرات اس عمل کرنے والے سے محبت کریں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں یا اس سے نفرت و بغض رکھیں

اور اس کے ساتھ برا سلوک کریں۔

اور یہ بات ایک مثال سے سمجھئے: اگر ہمارا بھرپور چنگاری پر پڑتا ہے تو ہمارے قوی اور اکیہ جلنے کا احساس کرتے ہیں، پھر دماغ سے لہرس اٹھتی ہیں اور دل میں پہنچتی ہیں تو دل ملول ہوتا ہے اور طبیعت میں پہنچتی ہیں تو آدمی فکر مند ہو جاتا ہے اسی طرح فرشتے بھی ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اور ہمارے اور اذکار کا تعلق احساسات کی اثر اندازی کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی تکلیف یا رسوائی کا یقین ہو جاتا ہے تو اس کے شانے کا گوشت کپکپانے لگتا ہے، رنگ پیلا پڑ جاتا ہے، بدن کمزور ہو جاتا ہے اور کبھی آدمی نامرد ہو جاتا ہے، اس کا پیشاب سرخ ہو جاتا ہے اور کبھی وہ پیشاب کر دیتا ہے یا استنجا خطا ہو جاتا ہے، یہ سب قوی اور اکیہ کے طبیعت پر مرتب ہونے والے اثرات ہیں، قوی طبیعت کو وحی کرتے ہیں اور طبیعت اس کی تعمیل کرتی ہے اور قوی طبیعت پر غالب ہوتے ہیں اس لئے طبیعت متاثر ہوتی ہے۔

اسی طرح جو ملائکہ انسان اکبر کی خدمت کے لئے مامور ہیں، ان کی طرف سے بھی فطری الہامات اور طبعی تغیرات انسانوں پر ایسا مداخلت پر شکستے ہیں، کیونکہ افراد انسان بمنزلہ طبیعت ہیں اور ملائکہ بمنزلہ قوی اور اکیہ کے ہیں اور قوی اور اکیہ کے اثرات طبیعت پر لا محالہ پڑتے ہیں۔

اور جس طرح یہ لہرس نیچے کی طرف اترتی ہیں ان کا ایک رنگ عالم بالا کی طرف بھی چڑھتا ہے اور وہ حظیرۃ القدس میں پہنچ کر رحمت و رضا یا غضب و لعن کا سبب بنتا ہے، جیسے آگ سے پانی کا قرب اس میں گرم ہونے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، اور قیاس میں مغربی کبریٰ نتیجہ کو تیار کرتے ہیں اور دعائیں خوب گزر کر اگر اللہ سے مانگنا قبولیت کو تیار کرتا ہے، اس طرح جبروت میں نئی صورت حال پیدا ہوتی ہے مثلاً بندے کے ناجائز کاموں سے خدا ناراض ہوتے ہیں، پھر جب بندہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ ناراضگی ختم ہو جاتی ہے اسی طرح بندوں کے اچھے اطوار سے اللہ تعالیٰ مہربان ہوتے ہیں، پھر جب لوگ اپنے احوال بدل لیتے ہیں تو وہ رحمت و نعمت سے بدل جاتی ہے سورۃ الرعد آیت ۱۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”پس اللہ تعالیٰ کسی قوم کو (اچھی) حالت میں تبدیلی نہیں کرتے جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی (اچھی) حالت کو بدل نہیں دیتے۔“

اور مضمون بالا کے دلائل وہ تمام روایات ہیں جن میں آنحضور ﷺ نے اطلاع دی ہے کہ فرشتے انسانوں کے اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ اور دن کے اعمال رات کے اعمال شروع ہونے سے پہلے ہی بارگاہ خداوندی میں پیش کر دئے جاتے ہیں۔ ان تمام روایات میں آنحضور ﷺ نے مضمون سمجھا یا ہے کہ انسانوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کی اس منجلی کے درمیان جو حظیرۃ القدس کے بیچ میں قائم ہے، فرشتوں کی ایک قسم کی وساطت پائی جاتی ہے۔

وثانيها: جهة الملائكة الأعلى: فكما أن الواحد منا له قُوَى إداركية، مُودَعَةٌ في الدماغ، يُحسُّ بها ما وقعت عليه قدمُه: من جُمرة أو تَلَجَّة، فكذلك لصورة الإنسان المتمثلة في الملكوت خدامٌ من الملائكة، أوجدها عناية الحق بنوع الإنسان، لأن نوع الإنسان لا يصلح إلا بهم، كما أن الواحد منا لا يصلح إلا بالقُوَى الإدارية.

فكلما فَعَلَ فرد من أفراد الإنسان فعلاً مُنْجِياً، خرجت من تلك الملائكة أشعةٌ بهجةٍ وسرورٍ؛ وكلما فَعَلَ فعلاً مُهْلِكاً، خرجت منها أشعةٌ نفرةٍ وبُغْضٍ؛ فَحَلَّتْ تلك الأشعة في نفس هذا الفرد، فأورثت بهجةً أو وحشةً؛ أو في نفوس بعض الملائكة، أو بعض الناس، فانهقد الإلهام أن يُجَبِّره ويُحسنوا إليه، أو يُبْغِضوه ويُسيئوا إليه؛ شَيْءٌ ما نرى من أن أحدنا إذا وقعت رجله على جمرة، أَحَسَّتْ قواه الإدارية بألم الاحتراق، ثم خرجت منها أشعةٌ، تَوَثَّرَ في القلب فَيَحْزَنُ، وفي الطبع فَيَحُمُّ.

وتأثير أولئك الملائكة فيما يَنْبَغِي بتأثير الإداركات في أبداننا؛ فكما أن الواحد منا قد يترفع السُّأْوُ دُلًّا، فَتَرْتَعِدُ قَرَانُصُه، وَيَضْمُرُ لَوْنُه، وَيَضْعُفُ جَسَدُه، وربما تسقط شهوته، وَيَحْمُرُ بَوْلُه، وربما بال أو خَرَّى من شدة الخوف؛ فهذا كُلُّه تأثير القُوَى الإدارية في الطبيعة، وَوَحْيُهَا إِلَيْهَا، وَقَهْرُهَا عَلَيْهَا، فكذلك الملائكة المُوَكَّلَةُ ببنَى آدم، يترشح منها عليهم، وعلى نفوس الملائكة السفلية، إلهاماتٌ جبيلية، وإحالاتٌ طبيعية؛ وأفراد الإنسان كُلُّها بمنزلة القُوَى الطبيعية لهذه الملائكة، وهذه الملائكة بمنزلة القُوَى الإدارية لهم.

وكما تهبط تلك الأشعة إلى السفلى، فكذلك يَصْعَدُ إلى حظيرة القدس منها لَوْنٌ، يُعَدُّ لفيضان هينة، تُسمى بالرحمة والرضا، أو الغضب واللعن، مثلُ إغدادٍ مجاورة النارِ الماءِ لَتَسْخِينِه، وإعدادُ المقدمات للنتيجة، وإعدادُ الدعاء للإجابة، فَيَتَحَقَّقُ التَّجَدُّدُ في الجبروت من هذا الوجه، فيكون غضبٌ ثم توبة، ويكون رحمةٌ ثم نقمة قال الله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

وقد أخبر النبي صلى الله عليه وسلم في أحاديث كثيرة: أن الملائكة ترفع أعمالَ بنى آدم إلى الله تعالى، وأن الله يسألهم: كيف تركتم عبادي؟ وأن عملَ النهار يُرْفَعُ إليه قبل عمل الليل، يَنْبَغِي صلى الله عليه وسلم على ضربٍ من تَوَسُّطِ الملائكة بين بنى آدم وبين نور الله القانم وَسَطُ حظيرة القدس.

ترجمہ: اور ان میں سے دوسری وجہ: ملّا اعلیٰ کی جہت ہے، پس جس طرح ہم میں سے شخص کے لئے ادراک کرنے والی صلاحیتیں ہیں، جو دماغ میں امانت رکھی ہوئی ہیں، جن کے ذریعہ آدمی اس چگاری یا برف کے ٹکڑے کو محسوس کر لیتا ہے جس پر اس کا چیر پڑتا ہے، پس اسی طرح نوع انسانی کی اس صورت کے لئے جو فرشتوں کی دنیا میں پائی جاتی ہے، فرشتوں میں سے خدام ہیں، جن کو نوع انسانی پر اللہ کی مہربانی نے پیدا کیا ہے، کیونکہ نوع انسانی ان کے بغیر سنو نہیں سکتی، جس طرح ہم میں سے کوئی شخص ادراک کرنے والی صلاحیتوں کے بغیر سنو نہیں سکتا۔

پس جب بھی انسان کا کوئی فرد کوئی نجات بخش کام کرتا ہے تو ان فرشتوں سے بہت وسرور کی لہریں نکلتی ہیں اور جب بھی وہ تباہ کن کام کرتا ہے تو ان سے نفرت و بغض کی شعاعیں نکلتی ہیں، پھر وہ شعاعیں اس فرد کے دل میں اترتی ہیں، پس وہ بہت یادداشت پیدا کرتی ہیں یا وہ بعض فرشتوں کے دلوں میں یا بعض لوگوں کے دلوں میں اترتی ہیں پس وہ الہام بن جاتی ہیں کہ وہ اس کے ساتھ محبت کریں اور اس کے ساتھ نیک سلوک کریں یا وہ اس سے بغض رکھیں اور اس کے ساتھ برا سلوک کریں۔ اور یہ بات اس صورت حال کے مانند ہے جو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص کا پاؤں جب کسی چنگاری پر پڑتا ہے تو اس کے قوی اور اکیہ جلنے کی تکلیف کا احساس کرتے ہیں، پھر ان قوی سے لہریں نکلتی ہیں جو قلب پر اثر انداز ہوتی ہیں، چنانچہ وہ غمگین ہو جاتا ہے، یا طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہیں تو وہ غم میں پڑ جاتا ہے۔

اور ان فرشتوں کی ہم میں اثر اندازی مشابہ ہے ہمارے اور اکائیت کی تاثیر کے ہمارے بدلوں میں، پس جس طرح ہم میں سے کسی شخص کو کسی تکلیف یا رسوائی کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے تو اس کے شانے کا گوشت لرزنے لگتا ہے، اس کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے، اس کا جسم کمزور ہو جاتا ہے، اور کبھی وہ نامرد ہو جاتا ہے، اس کا پیشاب لال ہو جاتا ہے، اور کبھی اس کا پیشاب نکل جاتا ہے یا شدت خوف سے استسجاء ہو جاتا ہے، پس یہ تمام طبیعت میں قوی اور ایک کی تاثیر ہے اور قوی کی وحی ہے طبیعت کی طرف، اور قوی کا غالبہ طبیعت پر، پس اسی طرح جو فرشتے انسانوں پر مامور ہیں، اُن سے انسانوں پر یا ملّا سافل پر فطری الہامات اور طبعی تعزیرات ٹپکتے ہیں۔ اور انسان کے تمام افراد بمذولہ قوی طبیعیہ کے ہیں ان فرشتوں کے لئے، اور وہ فرشتے بمنزلہ قوی اور ایک کے ہیں انسانوں کے لئے (اور قوی اور ایک کے اثرات لامحالہ قوی طبیعیہ پر پڑتے ہیں)

اور وہ شعائیں جس طرح بیچے کی طرف اترتی ہیں، ان کا ایک رنگ حظیرۃ القدس کی طرف چڑھتا ہے، جو کسی حالت کے فیضان کو تیار کرتا ہے، وہ حالت رحمت و خوشنودی کہلاتی ہے، یا غضب و لعنت کہلاتی ہے، جیسے آگ کا پڑ پوس پانی کو گرم ہونے کے لئے تیار کرتا ہے اور مقدّمات (صغریٰ، کبریٰ) نتیجہ کو تیار کرتے ہیں اور عاقبت کویت کو تیار کرتی ہے، پس اس طور سے جبروت میں تحدّد متحقّق ہوتا ہے، پس ناراضگی پائی جاتی ہے پھر توبہ اور مہربانی پائی جاتی ہے پھر سزا، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ”وَاقِظُوا لَِّ تَعَالَىٰ كَيْفَ قَوْمٍ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْمَوْتُ فَذُنُوبُهُمْ أَتَتْهُمْ أَوْ يَدُورُوا حَافِيًا فَسُيِّرُوا إِلَىٰ يَوْمِ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَأَبْجَادُهُمْ هُمْ وَأَصْوَادُهُمْ أَمْكَادًا“

اور نبی کریم ﷺ نے بہت سی حدیثوں میں خبر دی ہے کہ فرشتے انسانوں کے اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش

کرتے ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ اور یہ کہ دن کا نسل رات کے عمل سے پہلے بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دیا جاتا ہے (ان روایات میں) آنحضور ﷺ کا ایک قسم کے توسط پر تنبیہ فرما رہے ہیں، انسانوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے اس نور کے درمیان جو خفیۃ القدس کے درمیان میں قائم ہے۔

اغات:

السجدة: جانب، وہ گوشہ جس کی جانب توجہ کی جائے، جمع جہات حش (ض) حشا وأحسن الشئ وبالشیء: معلوم کرنا..... الشعاع، آفتاب کی کرن جمع أشعة وشعاع. بھج (س) بد: خوش ہونا حل (ن) ض) مخلوفاً: نازل ہونا، اترنا حسم الأمر فلاناً: غم میں ڈالنا تنويع الأمور: حاصل ہونے کی امید لگانا آی ينظرو قوعها، ويعلمه بالو فوع قطعاً ارتعد: کانپنا، حرکت کرنا. القرائن مفرد القربصۃ: پہلو اور موٹہ ہے یا پستان اور موٹہ ہے کے درمیان کا گوشہ، جو خوف کے وقت اچھلنے لگتا ہے خوی (س) خروء او خراء: ف: پانچاٹن کرنا نغم (ش) ونغم (س) نغمنا: مزادینا۔

تشریح:

(۱) فیکون غضب الخ میں کان نامہ ہے۔ اور قوی اور اکیہ سے مراد عقل و فہم اور نطق و کلام وغیرہ صلاحیتیں ہیں اور قوی طبعیہ سے مراد احساس، تمیز، جمع، بصر وغیرہ ہیں۔ ان قوی کو طبیعت بھی کہتے ہیں۔

(۲) تجدد کے معنی ہیں نیا ہونا، اور تحقق کے معنی ہیں پایا جانا، اس عبارت میں ایک سوال کا جواب ہے: سوال: رحمت و غضب اللہ تعالیٰ کی قدیم صفات ہیں، ان میں تبدیلی کیسے ہوتی ہے؟ یعنی پہلے رحمت تھی پھر قہر ہو گئی، پہلے غضب تھا پھر توبہ بن گئی؟ ایک آدمی مرحوم تھا پھر مقضوب ہو گیا، و كذلك العکس، یہ تبدیلی صفات قدیمہ میں کیونکر ہوتی ہے؟

جواب: یہ اوان کی تبدیلی ہے، صفات میں تبدیلی نہیں، بالفاظ دیگر یہ تعلقات میں تجدد ہے۔ صفات تو قدیمہ ہیں جیسے اللہ خالق و رازق ازل سے ہیں، مگر زید کے پیدا ہونے کا جب وقت آئے گا تو اس کے خالق ہوں گے، پھر اس کو روزی پہنچائیں گے تو اس کے لئے رازق ہوں گے۔ یہ تعلق حادث ہے اور صفات فی نفسہ ازلی ہیں۔

(۳) عرض اعمال کی روایات کے لئے دیکھیے مشکوٰۃ حدیث ۵۰۳۰، ۵۰۳۱ اور کیف تہکم عبادی؟ کی روایت بخاری شریف کتاب بدء الخلق باب (۵) میں ہے اور برفع الیہ عمل اللیل، الخ مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد ۲۹۵، ۳۰۱، ۳۰۵ میں ہے۔

تصحیح: (۱) لکھا اُن الواحد مناء لہ قوی ادراکیہ میں منا کے بجائے منہا تھا (۲) لصورة الإنسان مطبوعہ نسخہ میں بصورة الإنسان تھا (۳) احوالات مطبوعہ نسخہ میں حالات تھا (۴) وهذه الملائكة بمنزلة القوى الإدراكية ہم کے شروع میں وهذه الملائكة مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے (۵) ينشئه بنبأئير الإدراكات اصل میں نشیئة الخ تھا (۶) او غضب واللعن مطبوعہ میں او کے بجائے واو تھا — یہ تمام اصلاحات مخطوطہ کراچی سے کی گئی ہیں۔



تیسری وجہ: مجازات شریعت منزلہ کی وجہ سے بھی ہوتی ہے

مختلف شریعتیں جو مختلف زمانوں میں نازل کی گئی ہیں، وہ بھی جزا و سزا کا ایک سبب ہیں۔ اور اس مضمون کو سمجھنے کے لئے پہلے ایک مثال پیش ہے آپ کے اس ادارہ میں اس وقت دو قانون ہیں (۱) جو طالب علم پندرہ دن مسلسل غیر حاضر ہے گا اس کا نام کاٹ دیا جائے گا یعنی داخلہ ختم کر دیا جائے گا (۲) جس کی پورے سال کسی سبق میں کوئی غیر حاضری نہ ہوگی، اس کو سو روپے نقد انعام دیا جائے گا۔

یہ دونوں قانون پہلے نہیں تھے، اب حالات کے تقاضے سے یہ قوانین بنائے گئے ہیں، پہلے کوئی بھی طالب علم بغیر مذکر کے سبق سے غیر حاضر نہیں رہتا تھا، کیونکہ وہ پڑھنے کے جذبہ سے آتا تھا مگر اب صورت حال وہ نہیں رہی تو ترغیب ترہیب کے لئے مذکورہ قوانین بنائے گئے ہیں، اب جبکہ یہ دونوں قانون بن گئے تو ان کی وجہ سے جزا و سزا ہوگی، ۱۵ دن کی غیر حاضری پر دفتر تعلیمات داخلہ ختم کر سکتا ہے، کسی کو اعتراض یا احتجاج کا حق نہ ہوگا، اور حاضر باش انعام کا مستحق ہوگا اور وہ اپنے حق کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے۔ اور در اول میں جبکہ یہ قوانین نہیں تھے، نہ جزا تھی نہ سزا۔

اسی طرح آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا، کیونکہ اس وقت بہن کے علاوہ کوئی عورت نہیں تھی، حد کی شریعتوں میں بہن سے نکاح حرام ہو گیا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدہ تہنیمہ جائز تھا، ہماری شریعت میں حرام ہے اور بنی اسرائیل کی شریعت میں غنیمت حلال نہیں تھی، آسمان سے سفید آگ آتی تھی، اور اس کو جلا لیتی تھی، اب ہماری شریعت میں غنیمت حلال ہے۔

غرض مختلف زمانوں میں، اُن زمانوں کے تقاضوں کے مطابق جو شریعتیں یعنی احکام و قوانین نازل کئے گئے ہیں ان پر عمل درآمد ضروری ہے، اس کی تعمیل باعث اجر اور خلاف درزی باعث عقاب ہے، اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو ذامین بے فائدہ ہو کر رہ جائیں گے۔ شرائع منزلہ کے سبب مجازات ہونے کا یہی مطلب ہے۔

رہی یہ بات کہ مختلف زمانوں میں جو مختلف شریعتیں نازل کی جاتی ہیں، اس کی صورت کیا ہوتی ہے؟ شاہ صاحب س کی صورت بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح علویات کے سفلیات پر اثرات پڑتے ہیں یعنی جب ستاروں کی خاص

توجہات ہوتی ہیں تو ان سے ایک روحانیت یعنی ایک غیر مادی چیز وجود میں آتی ہے، جو مختلف ستاروں کی صلاحیتوں کا آمیزہ ہوتی ہے۔ یہ صلاحیت اولاً فلک کے کسی حصہ میں محقق ہوتی ہے، پھر فلک کا ڈاکیہ یعنی چاند اس روحانیت کو زمین کی طرف منتقل کرتا ہے تو عالم زیریں کی چیزیں اس سے متاثر ہوتی ہیں یعنی زمینی مخلوقات کے جذبات اور اروے اس روحانیت کے مطابق فعل جاتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص اللہ کے معاملہ کا علم رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ جب ایک خاص وقت آتا ہے، جس کو قرآن کریم میں ”مبارک رات“ کہا گیا ہے اور جس میں ہر دانشمندانہ معاملہ طے کیا جاتا ہے، اس رات میں فرشتوں کی دنیا میں ایک خاص روحانیت وجود میں آتی ہے، جو نوع انسانی کے احکام اور اس وقت کے تقاضوں سے مرکب ہوتی ہے، پھر وہ روحانیت الہام بن کر یعنی وحی کے ذریعہ ملکوت سے زمین پر اترتی ہے۔ اُس زمانہ میں جو سب سے زیادہ ذہین اور ستھرا شخص ہوتا ہے اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اس کے توسط سے وہ احکام دوسرے کم درجہ ذہین لوگوں تک پہنچتے ہیں، وہ لوگ سب سے پہلے اس دین و شریعت کو قبول کرتے ہیں، پھر عام طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ وہ اس دین کو پسند کریں اور اس کو قبول کریں۔ پس لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہونے لگتے ہیں اور اس دین کے انصار کو قوت پہنچائی جاتی ہے اور منافقین کو رسوائیوں سے دوچار کیا جاتا ہے، نیز مأسا فیل کو بھی الہام کیا جاتا ہے کہ اس دین کی تابعداری کرنے والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور منافقوں کے ساتھ برا معاملہ کریں۔ پھر مأسا فیل کے انوار کا ایک رنگ ملا اعلیٰ کی طرف چڑھتا ہے اور حظیرۃ القدس میں پہنچتا ہے، تو وہاں خوشنودی اور ناراضگی محقق ہوتی ہے۔ جن سے اللہ پاک خوش ہوتے ہیں ان کو جزائے خیر عطا فرماتے ہیں اور جن کے اعمال سے ناراض ہوتے ہیں ان کو سزا دیتے ہیں۔ اس طرح شرائع منزلہ جزا و سزا کا سبب بن جاتی ہیں۔

وَاللَّهِ: مقتضى الشريعة المكتوبة عليهم: فكما يعرف المَجْمُ: أن الكواكب إذا كان لها نَظَرٌ مِنَ النُّظَرَاتِ، حصلت روحانية ممتزجة من قواها، منمثلة في جزء من الفلك؛ فإذا نقلها إلى الأرض ناقل أحكام الفلكيات، أعنى القمر، انقلب خواطرهم حسب تلك الروحانية. فكذاك يعرف العارف بالله: أنه إذا جاء وقت من الأوقات — يُسمى في الشرع بالليلة المباركة، التي فيها يُفَرَّقُ كُلُّ أمر حكيم — حصلت روحانية في الملكوت، ممتزجة من أحكام نوع الإنسان، ومقتضى هذا الوقت، يترشح من هنالك إلهامات على أذكي خلق الله يومئذ، وعلى نفوس تليبه في الذكاء بواسطته، ثم يلهم سائر الناس قبول تلك الإلهامات، واستحسانها، ويؤيد ناصرها، ويخذل معاندها، وتلهم الملائكة السفلية الإحسان لطبيعتها، والإساءة إلى عاصيها، ثم يصعد منها لوث إلى الملاء الأعلى وحظيرة القدس، فيحصل هنالك رضا وسخط.

ترجمہ: ان میں سے تیسری وجہ: اُس شریعت کا تقاضا ہے جو ان پر فرض کی گئی ہے، پس جس طرح علم نجوم کو جاننے والا جانتا ہے کہ جب ستاروں کے لئے توجہات میں سے کوئی (مخصوص) توجہ ہوتی ہے تو ایک روحانی چیز وجود میں آتی ہے، جو ان ستاروں کی صلاحیتوں کا آمیزہ ہوتی ہے، جو فلک کے کسی حصہ میں پائی جاتی ہے، پس جب اس روحانیت کو زمین کی طرف منتقل کرتا ہے فلکیات کے احکام کو منتقل کرنے والا یعنی چاند، تو لوگوں کے ارادے اس روحانیت کے مطابق پلٹ جاتے ہیں۔

پس اسی طرح اللہ کے معاملات کو جاننے والا، جانتا ہے کہ جب اوقات میں سے کوئی خاص وقت آتا ہے۔ جو شریعت کی اصطلاح میں ”شب مبارک“ کہلاتا ہے، جس میں ہر دانشمندانہ معاملہ طے کیا جاتا ہے۔ تو فرشتوں کی دنیا میں ایک روحانی چیز وجود میں آتی ہے، جو نوع انسانی کے احکام کا اور اس وقت کے تقاضے کا آمیزہ ہوتی ہے (یعنی اس میں دونوں باتوں کا لحاظ ہوتا ہے) (پھر) وہاں سے الہامات مترشح ہوتے ہیں، اس زمانہ میں اللہ کی خلقت میں سب سے زیادہ ذہین شخص پر، اور اس کے واسطے سے دوسرے ایسے لوگوں پر جو ذہانت میں اس کے لگ بھگ ہوتے ہیں، پھر دوسرے لوگ الہام کئے جاتے ہیں، ان الہامات کو قبول کرنے کا اور ان کو پسند کرنے کا، اور ان الہامات کا مددگار تائید کیا جاتا ہے اور اس کا مخالف رسوا کیا جاتا ہے، اور نچلے فرشتے الہام کئے جاتے ہیں ان الہامات کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا، اور ان کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ براہمتاؤ کرنے کا، پھر ان ملائکہ سے ایک رنگا چڑھتا ہے ملائکہ اور حظیرۃ القدس کی طرف، پس وہاں خوشنودی اور ناخوشی وجود میں آتی ہے۔

لغات: معراج بہ: ملنا۔ ذِکْرٌ یَذْکُرُ ذِکْءًا: تیز خاطر ہونا، صفت ذِکْرٌ یُذْکِرُ ذِکْءًا... تَمَثَّلُ الشَّیْءُ: تصور ہونا یعنی تصور کے درجہ میں پایا جانا، نفس الامر میں پایا جانا۔ قولہ: یترشح۔ پچھلے بقدر ہے۔



چوتھی وجہ: مجازات تعلیمات انبیاء کی وجہ سے بھی ہوتی ہے

یہ مضمون بھی پہلے ایک مثال سے آسان طریقہ پر سمجھ لیں، انصاف میں دو قسم کی کتابیں ہیں:

(۱) مطالعہ کی کتابیں: طلبہ ان کتابوں کا اساتذہ کی نگرانی اور راہ نمائی میں مطالعہ کرتے ہیں، باقاعدہ وہ کتابیں پڑھائی نہیں جاتیں۔

(۲) درس کی کتابیں: جو باقاعدہ پڑھائی جاتی ہیں، اساتذہ انکے دقائق حل کرتے ہیں اور لفظ لفظ سمجھاتے ہیں۔

لہٰذا نظر اور قرآن مترادف لفظ ہیں اور یہ علم نجوم کی اصطلاحیں ہیں، جب دو ستارے کسی ایک برج میں ایک درجہ میں اکٹھا ہوتے ہیں تو اس کو قرآن اور نظر کہتے ہیں مزید تفصیل دستور العلماء، ۳: ۳۷۷ میں ہے ۱۲

امتحان دونوں قسم کی کتابوں کا ہوتا ہے مگر اول کا پرچہ آسان بنایا جاتا ہے اور جوابات کی جانچ بھی نرم کی جاتی ہے اور دوسری قسم کی کتابوں کا پرچہ بھی سخت بنایا جاتا ہے اور جانچ بھی کس کر کی جاتی ہے۔ نیز اول کے نمبرات ترتیبی ہوتے ہیں اور دوم کے بنیادی، ان پر ترقی اور منزل کا مدار ہوتا ہے، کیونکہ جو طالب علم اتنی محنت اور دلسوزی سے پڑھائی ہوئی کتاب کو کبھی یاد نہ کرے اور فہم نہ ہو جائے، اس کی سزا امتحان کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟

اسی طرح جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی مبذول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کے ساتھ خیر منظور ہوتی ہے اور اس قوم کی طرف نبی مبعوث کئے جاتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو خیر سے قریب کریں، اور نبی کی اطاعت ان پر فرض کی جاتی ہے تو جو علوم وحی کے ذریعہ اس نبی کو دیے جاتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ نبی قوم کی اصلاح کرے، وہ علوم متعین ہو جاتے ہیں، نبی کی توجہ، محنت اور دعائیں ان علوم کے ساتھ مل جاتی ہیں، اللہ کی نصرت کا فیصلہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ پس یہ سب چیزیں مل کر وہ علوم موکد و متحقق ہو جاتے ہیں اب جو لوگ ان علوم کو حاصل کرتے ہیں، ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہوتے ہیں اور جو اعراض کرتے ہیں وہ اپنی قسمت کو روکتے ہیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اس کی ہدایات کا ہر قسم کا سامان کر دیا، نبی کو بھیجا، اس پر علوم نازل کئے، پھر نبی نے بھی محنت کرنے میں کسر نہ چھوڑی، اسے بھی جو لوگ توجہ نہ کریں، ان ناخبرداروں کو سزا ملنی ہی چاہئے، اس طرح تعلیمات انبیاء بھی مجازات کا سبب بن جاتی ہیں۔

ورابعها : أن النبی إذا بُعث فی الناس ، وأراد اللّٰه تعالیٰ بِنُصْبِهِ لَطْفًا بِهِمْ ، ونَقَرَبًا لَهُمْ إِلَى الْخَیْرِ ، وأَوْجَب طَاعَتَهُ عَلَيْهِمْ ، صار العلم الذی یُوحى إلیه متشخصًا متممًا ، وامتزج بهمة هذا النبی ودعائه ، وقضاء اللّٰه تعالیٰ بالنصر له ، فَنَأْخُذُ وَنَحَقِّقُ .

ترجمہ: اور ان میں سے چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب پیغمبر لوگوں میں مبعوث کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نبی کی بعثت کے ذریعہ لوگوں پر مہربانی کرنا چاہتے ہیں اور ان کو ہدایتی سے قریب کرنا چاہتے ہیں اور نبی کی اطاعت لوگوں پر واجب کرتے ہیں تو وہ علم جو نبی کی طرف وحی کیا گیا ہے متعین ہو کر موجود ہو جاتا ہے اور وہ علم مل جاتا ہے اس نبی کی پوری توجہ کے ساتھ، اس کی دعاؤں کے ساتھ اور اس علم کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت کے فیصلہ کے ساتھ تو وہ علم موکد (پختہ) متحقق ہو جاتا ہے۔

لغات:

متشخصًا (اسم مفعول) : متعین ہونا، تمیز ہونا..... متممًا (اسم مفعول) : کتمل الشیء : تصور ہونا، اللہ الامر میں پایا جانا... ہمة: پوری توجہ، یہ شاہ صاحب کی خاص اصطلاح ہے..... نَأْخُذُ (فعل ماضی) : نَأْخُذُ وَنَقْطُ مضموط ہونا، ثابت ہونا..... نَحَقِّقُ (فعل ماضی) : نحقق الحقیقہ: ثابت ہونا۔

مجازات کی چاروں وجوہ کے احکام

اس باب میں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ مجازات، تکلیف شرعی کا مقتضی ہے یعنی انسان چونکہ احکام شرعیہ کا مکلف ہے اس لئے جزا کو سزا ضروری ہے۔ اور اوپر جو مجازات کی چار وجوہ بیان کی گئی ہیں، ان میں سے سوم و چہارم کو بیان کرنا اصل مقصود ہے۔ اول و دوم کا بیان تکمیل بحث کے لئے ہے۔ اب ذیل میں چاروں وجوہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

مجازات کی پہلی دو صورتوں کے بارے میں چار باتیں یاد رکھنی چاہئیں:

① مجازات کی پہلی دو صورتیں فطری ہیں یعنی صورت نوعیہ کے اقتضاء سے، اور ملّا اعلیٰ کی جہت سے، و مجازات انسان کی فطرت میں داخل ہے اور فطری امور بدلانا نہیں کرتے، اس لئے ان دو وجوہ سے جزا کو سزا ضرور ہوگی۔

② پہلی دو صورتوں کی وجہ سے مجازات بڑا واثم کی بنیادی اور کلی باتوں میں ہوتی ہے، فروعی باتوں میں اور احکام میں نہیں ہوتی۔ نیکی کیا ہے؟ اور گناہ کیا ہے؟ یہ بحث بحث خاص کے شروع میں آئے گی اور نیکی کے کاموں میں اصل الاصول چار باتیں ہیں (۱) توحید (۲) صفات الہیہ پر ایمان لانا (۳) قضاء و قدر پر ایمان لانا (۴) اس بات پر ایمان لانا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ یہ تمام باتیں چونکہ فطرت انسانی میں داخل ہیں، اس لئے ان پر جزا کو سزا ضرور ہوگی۔

③ بڑا واثم کی فطری باتیں دین کی بنیادی باتیں ہیں، زمانہ کی تبدیلی کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تمام انبیاء ان باتوں میں متفق ہیں۔ آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین ﷺ تک ایک ہی دین نازل ہوا ہے۔ سورۃ المؤمنون آیت ۵۲ میں ہے کہ: ”یہ تمہارا طریقہ ہے جو کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے“ یہ بات تمام پیغمبروں کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمائی گئی ہے، پس ثابت ہوا کہ دین ہمیشہ اسلام ہی نازل ہوا ہے ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ اختلاف جو کچھ ہے وہ شریعتوں میں ہے یعنی قوانین و احکام میں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”تمام انبیاء عظامی (باپ شریک) بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا باپ ایک ہے (مسلم شریف، کتاب الفضائل باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام ج ۱ ص ۱۱۹) اس حدیث میں باپ سے مراد دین ہے اور ماؤں سے مراد شریعتیں ہیں۔

④ پہلی دو وجوہ سے جزا کو سزا ایست انبیاء اور بلوغ دعوت پر موقوف نہیں، خواہ نبی کی دعوت پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو، برواٹم کی اصولی باتوں میں، جو فطری باتیں ہیں، جزا کو سزا ضرور ہوگی۔

اور مجازات کی تیسری وجہ کے بارے میں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں:

① تیسری وجہ سے جو جزا کو سزا ہوتی ہے، وہ زمانوں کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بہن سے نکاح باعث اجر تھا، اب یہ گناہ کبیرہ ہے۔ جس امت پر تین نمازیں اور تین روزے فرض تھے، ان کی

جزاؤ سزا اتنی ہی مقدار پر ہوگی اب پانچ نمازوں اور ایک ماہ کے روزوں پر جزا سزا مرتب ہوگی۔

(۴) زمانوں کا اختلاف ہی مختلف شریعتوں کے نزول کا سبب ہے، ورنہ آغاز انسانیت کے ساتھ ہی ایک مجموعہ قوانین نازل کر دیا جاتا ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی جاتی تو وہی شریعت قیامت تک چلتی رہتی مگر ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ احکام میں تبدیلی ضروری تھی، چنانچہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ انبیاء و رسل آتے رہے اور اپنی اپنی قوموں کو خواب غفلت سے جھجھوڑتے رہے، متفق علیہ حدیث میں اس کی طرف اشارہ آیا ہے (مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الاعتصام حدیث ۱۳۸) یہ حدیث آپ عبارت کے ترجمہ میں پڑھیں گے۔

اور چوتھی وجہ ہے جزاؤ سزا بعثت انبیاء کے بعد ہی ہوتی ہے۔ جب نبی مبعوث ہو کر لوگوں کے شہادت کھول دیتے ہیں، اور دین اچھی طرح ان کو پہنچا دیتے ہیں، پھر بھی جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

أما المجازاة بالوجهين الأولين ففطرة فطر الله الناس عليها، ولن تجد لفطرة الله تبديلاً؛ وليس ذلك إلا في أصول البر والإثم، وكتلياتها دون فروعها وحدودها؛ وهذه الفطرة هو الدين الذي لا يختلف باختلاف الأعصار؛ والأنبياء كلهم مُجمعون عليه، كما قال تبارك وتعالى: ﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ﴾ وقال صلى الله عليه وسلم: ﴿الأنبياء بنو علاتٍ: أبوهم واحد، وأمهاثهم شتى﴾، والمؤاخذه على هذا القدر متحققة قبل بعثة الأنبياء وبعدها سواء.

وَأما المجازاة بالوجه الثالث فمختلفة باختلاف الأعصار؛ وهي الحاملة على بعث الأنبياء والرسول، وإليها الإشارة في قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿إنما مَنَّلِيْ وَمَثَلٌ مَا بَعَثَ اللهُ بِهِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ أَنَّى قَوْمًا، فَقَالَ: يَا قَوْمُ! إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ يَبْعَثُ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعَرِيْضُ، فَالْنَّجَاءُ! النَّجَاءُ! فَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ، فَأَذْلَجُوا، فَانْطَلَقُوا عَلَى مَهْلِهِمْ فَتَجَرَّأُوا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ، فَاصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ، فَاهْلَكَهُمْ وَاجْتَأَتْهُمْ، فَكَذَلِكَ مَثَلٌ مِنْ أَطَاعَنِى فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ، وَمَثَلٌ مِنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ مَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ﴾

وَأما المجازاة بالوجه الرابع: فلا تكون إلا بعد بعثة الأنبياء، وكشف الشبهة، وصحة التبليغ ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ، وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ والله أعلم.

ترجمہ: رہی پہلی دو وجہوں سے مجازات تو وہ ایک فطری بات ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور آپ فطرت خداوندی کو ہرگز بدلتا ہوا نہیں پائیں گے — اور نہیں ہے وہ یعنی پہلی دو وجہوں سے مجازات مگر بڑا دشمن کی اصولی اور کنگلی باتوں میں، نہ کہ ان کی جزئیات و احکام میں — اور یہ فطرت تھی وہ دین ہے جو زمانوں کے اختلاف سے

باب — ۹

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت مختلف بنائی ہے

سب لوگوں کی جبلت اور فطرت یکساں نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے گلابائے رنگ رنگ سے چمن کو مزین کیا ہے اور جنتوں کے اس اختلاف سے انسانوں کے اعمال و اخلاق مختلف ہو گئے ہیں، نیز ان کے کمالات کے مرتبے بھی مختلف ہو گئے ہیں، کوئی عام انسانی مرتبہ پر ایک کر رہ جاتا ہے، اور کوئی اتنا اونچا اڑتا ہے کہ اس کی نہایت پائمانگی نہیں ہوتا یعنی کوئی آفاق میں گم ہے تو کسی میں آفاق گم ہے۔

فطرت اور جبلت کا یہ اختلاف درج ذیل دلائل سے ثابت ہے:

① حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے، تو تم اس خبر کو مان سکتے ہو، (کیونکہ پہاڑ کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا عقلاً متنع ہے نہ عادۃً، بلکہ ممکن ہے، تو دے اور پہاڑ کبھی بھی اپنی جگہ سے سرک جاتے ہیں) اور اگر تم کسی شخص کے بارے میں سنو کہ اس کی فطرت بدل گئی ہے، تو یہ بات مت مانو (کیونکہ فطرت میں تبدیلی کو عقلاً متنع نہیں مگر عادۃً تبدیلی نہیں ہوتی) (وہ شخص لامحالہ کسی نہ کسی دن اس جبلت کی طرف ضرور لوٹے گا جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے) (کیونکہ مشہور ہے کہ جیل گرد و جیل نمی گرد و! اور فی الحال جو اخلاق بدلے ہوئے نظر آ رہے ہیں تو وہ تربیت کا اثر ہے اور تعارض کے وقت فطرت تربیت پر غالب آتی ہے بادشاہ کی بلیوں نے جب چوہا دیکھی تھی تو وہ موم بتیاں پھینک کر چوہا پر جھپٹ پڑی تھیں)

② آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”سنو! انسان مختلف المراتب پیدا کئے گئے ہیں (مثلاً):

(الف) بعض مؤمن بنے جاتے ہیں (یعنی مسلمان والدین کے گھر میں یا اسلامی ماحول میں پیدا ہوتے ہیں) اور وہ مؤمن جیتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں — اور بعض کافر بنے جاتے ہیں، کافر جیتے ہیں، اور کافر مرتے ہیں — اور بعض مؤمن بنے جاتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں اور کافر مرتے ہیں — اور بعض کافر بنے جاتے ہیں، کافر جیتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں۔

(ب) اور آپ ﷺ نے غصہ کے درجات کا ذکر فرمایا کہ بعض کو غصہ جلدی آتا ہے، اور جلدی اتر جاتا ہے، پس ایک کی دوسرے سے تلافی ہو جاتی ہے — اور بعض کو غصہ دیر میں آتا ہے اور دیر میں اترتا ہے، پس ایک کی دوسرے سے تلافی ہو جاتی ہے — اور بہترین شخص وہ ہے جس کو غصہ دیر میں آئے اور جلدی اتر جائے — اور بدترین شخص وہ ہے جس کو غصہ جلدی آئے اور دیر میں اترے۔

(ع) اور آپ ﷺ نے قرض کے تقاضا کرنے کا ذکر فرمایا کہ بعض لوگ قرض کی ادائیگی میں اچھے ہوتے ہیں اور وصولی میں سخت ہوتے ہیں، پس ایک کی دوسرے سے تلافی ہو جاتی ہے۔ اور بعض ادائیگی میں برے ہوتے ہیں اور وصولی میں نرم ہوتے ہیں، تو بھی ایک کی دوسرے سے تلافی ہو جاتی ہے۔ اور بہترین شخص وہ ہے جو ادائیگی میں بھی اچھا ہو اور وصولی میں بھی نرم ہو۔ اور بدترین شخص وہ ہے جو ادائیگی میں برا ہو اور تقاضا کرنے میں بھی سخت ہو۔

یہ سب جبلت و فطرت کے اختلاف کا بیان ہے، اور بری عادت کو سنوارنے کی تعلیم ہے۔

(۳) آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں“، یعنی جس طرح سونے چاندی کی سب کانیں یکساں نہیں ہوتیں، لوگوں کی فطری صلاحیتیں بھی یکساں نہیں ہوتیں۔

(۴) اور اللہ پاک کا ارشاد ہے: ”کہنے کے ہر شخص اپنے ڈھنگ پر کام کرتا ہے“، یعنی ہر شخص کی ایک فطری عادت اور جبلت طبعیت ہوتی ہے، وہ اسی ڈھب پر کام کرتا رہتا ہے۔

ان تمام نصوص سے یہ مدعی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی فطرت مختلف بنائی ہے اور وہی اعمال و اخلاق کے اختلاف کا سبب ہے اور مراتب کمال کا بھی اسی پر انحصار ہے۔

﴿باب اختلاف الناس فی جبلتہم﴾

المستوجب لا اختلاف أخلافہم، وأعمالہم، ومرتائب کمالہم

والأصل فیہ : ما رَوَى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، أنه قال: ﴿إِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالٍ عَنْ مَكَانِهِ فَصَدِّقُوهُ، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ نَغَرَ عَنْ خَلْقِهِ فَلَا تَصَدَّقُوا بِهِ، فَإِنَّهُ یَصِیرُ إِلَى مَا جُبِلَ عَلَیْهِ﴾
وقال: ﴿إِنَّا إِنْسَانُ آدَمَ خُلِقُوا عَلَى طَبَقَاتٍ ثَلَاثٍ: فَمِنْهُمْ مَنْ بُورِكَ لَهُ مَوْلَانَا﴾ فذكر الحديث بطوله؛ وذكر طبقاتهم فی الغضب، وتقاضی الدین.
وقال: ﴿الناس معادنٌ كمعادن الذهب والفضة﴾
وقال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ﴾ أی طریفتہ النبی جُبِلَ علیہا.

ترجمہ: جبلت میں لوگوں کے مختلف ہونے کا بیان، جو ان کے اخلاق، اعمال اور کمال کے مرتبوں کے مختلف ہونے کا سبب ہے: اور بنیاد اس بارے میں وہ روایت ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جب تم کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ وہ اس کی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کو مان لو۔ اور جب تم کسی آدمی کے بارے میں سنو کہ اس کی فطرت بدل گئی ہے تو اس کو مت مانو، پس بیشک وہ لوٹنے والا ہے اس فطرت کی طرف جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔“

۱/۳۳: باب الایمان بالقدر، فیہ القدر: ۳۸۸ و هذا حدیث منقطع، فإن الزہری لم یدركه أباً الدرداء

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سنو! انسان مختلف طبقات پر پیدا کئے گئے ہیں، پس ان میں سے بعض مؤمن بنے جاتے ہیں“ پھر راوی نے لمبی حدیث ذکر کی اور غصے میں اور قرض کا تقاضا کرنے میں انسانوں کے طبقات کا ذکر کیا (مشکوٰۃ ۲: ۳۳۷ باب الامر بالمعروف)

اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”لوگ کانیں ہیں، سونے چاندی کی کانوں کی طرح“ (رواہ مسلم مشکوٰۃ کتاب العلم حدیث ۲۰۱) اور اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ”کہئے: ہر کوئی عمل کرتا ہے اپنے انداز پر“ یعنی اس طریقہ پر جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے (بنی اسرائیل آیت ۸۳)

لغات:

شَاكِلَة (اسم فاعل) فطری طریقہ اور روش۔ شَكْل سے ماخوذ ہے جس کے معنی میں مانند، نظیر، کہا جاتا ہے لَسْتُ مِنْ شَكْلِكُمْ وَلَا شَاكِلِيْكَ (تو نہ میری طرح ہے، نہ میری روش پر ہے) اس کا مترادف سَجِيَّة ہے جس کے معنی ہیں فطری عادت۔



ملکیت اور بحیثیت کے مختلف انداز

انسانوں میں جو فطری اختلاف پایا جاتا ہے وہ آپ نے دلائل نقلیہ سے سمجھ لیا، اب شاہ صاحب قدس سرہ اپنے انداز پر یہ بات سمجھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں جو دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں یعنی ملکیت اور بحیثیت، وہ دونوں قوتیں تمام انسانوں میں یکساں نہیں ہوتیں، نہ ان کا باہمی اجتماع ایک نچ پر ہوتا ہے، ملکیت کے بھی ہزار انداز ہیں، اور بحیثیت کے بھی، اور ان کا اجتماع بھی بی شمار طریقوں پر ہوتا ہے، اس وجہ سے ہر انسان کی افتاد طبع مختلف ہوتی ہے اور اعمال و اخلاق اور مراتب کمال میں تفاوت ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قوت ملکیت دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ مَلَاَ اَعْلٰی جِیسی ملکیت: جس شخص میں اس طرح کی ملکیت ہوتی ہے وہ مَلَاَ اَعْلٰی جیسے کام کرتا ہے۔ مَلَاَ اَعْلٰی کے چار

احوال ہیں:

(الف) وہ اسانے حسنی اور صفات باری تعالیٰ کے علوم سے رنگین رہتے ہیں، پس جن لوگوں میں مَلَاَ اَعْلٰی جیسی ملکیت ہوتی ہے وہ بھی اسماء و صفات کے علوم سے رنگین ہونے کی کوشش کرتے ہیں یعنی ان صفات کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کرتے ہیں۔

(ب) وہ جبروت کی باریکیوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق جو معاملات ہیں وہ جبروت

کہلاتے ہیں اور جبروت کی باریکیاں اسرار الہیہ کہلاتی ہیں، پس جن لوگوں میں ملا اعلیٰ جیسی ملکیت ہوتی ہے وہ بھی اسرار الہیہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ کو زمین میں جو نظام پسند ہے، ملا اعلیٰ اس کو تفصیل سے سمجھ کر حاصل کرتے ہیں، پس جن لوگوں میں ملا اعلیٰ جیسی ملکیت ہوتی ہے وہ بھی اللہ کی مرضی اور اللہ کے پسندیدہ نظام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ کا پسندیدہ نظام دین اسلام اور اعمال صالحہ والا نظام ہے۔

(۸) ملا اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظام کو وجود میں لانے کی طرف پوری توجہ مبذول کئے رہتے ہیں، پس ملا اعلیٰ جیسی ملکیت رکھنے والے حضرات بھی نظام اسلامی کو بروئے کار لانے کی ممتحنوں میں لگے رہتے ہیں، ان کی پوری توانائیاں اسی پر خرچ ہوتی ہیں، اور ان کی شب و روز کی ممتحنیں اسی نقطہ پر مرکوز رہتی ہیں۔

۲ — ملا سافل جیسی ملکیت: جن لوگوں میں اس طرح کی ملکیت ہوتی ہے، وہ ملا سافل والے کام کرتے ہیں۔ ملا سافل کے تین احوال ہیں:

(الف) ملا سافل پر عالم بالا سے ایک تقاضا مترشح ہوتا ہے، وہ اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، مگر وہ اس معاملہ کا پوری طرح احاطہ کئے ہوئے نہیں ہوتے، نہ ان کی پوری توجہ اس پر مجتمع ہوتی ہے، نہ وہ اس کی پوری تفصیلات جانتے ہیں، بس جو حکم ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں، مثلاً حق اور باطل کی جنگ ہو رہی ہے، اہل باطل نے اہل حق پر ہم پھینکا یا یہ اہل باطل، ملا سافل کو حکم ملتا ہے کہ اسے بے اثر کر دیں، وہ کوئی ایسی اڑ چن کھڑی کر دیتے ہیں کہ وہ نشانہ پر لگنے کے بجائے کہیں اور جگہ پر گرتا ہے، اور بے کار ہو جاتا ہے۔ مگر ملا سافل کو ہم اور میزائل رکوانے کے نتائج و عواقب کا پورا علم نہیں ہوتا نہ وہ جنگ کا نتیجہ جانتے ہیں، انہیں جو حکم ملا ہے بس وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں میں ملا سافل جیسی ملکیت ہوتی ہے، ان کو اکابر کی طرف سے جو دینی کام یا ذکر و عمل بتایا جاتا ہے وہ اس میں لگ جاتے ہیں، مگر وہ معاملہ کا پوری طرح احاطہ کئے ہوئے نہیں ہوتے، نہ ان کی پوری توجہ اس کام پر مجتمع ہوتی ہے، نہ وہ اس کی پوری تفصیلات جانتے ہیں، بس ان کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔

(ب) ملا سافل سر اپنا پورا ہوتے ہیں، پس ملا سافل جیسی ملکیت رکھنے والے حضرات بھی سر اپنا پورا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ج) وہ بیکہ آلائشوں سے پاک و صاف ہوتے ہیں، پس ان کے انداز کے لوگ بھی خود کو ایسی آلائشوں سے پاک رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور قوت بھی یہ بھی دو طرح کی ہوتی ہے:

۱ — نہایت تیز و تند بھی میت: جیسے اس مست قوی اونٹ کی حالت، جس کی پرورش وافر غذا اور مناسب انداز پر ہوتی ہو، چنانچہ وہ جسیم مضبوط، بلند آواز، سخت گیر، ارادہ نافذ نہ رکھنے والا، نہایت متکبر، قوی غیظ و غضب والا اور شدید حسد و کینہ

رکھنے والا، وافر قوت شہوانی رکھنے والا، مقابلہ میں غالب ہونے کا جذبہ رکھنے والا اور بہادر دل والا ہوتا ہے جس جن لوگوں میں اس قسم کی بہیمیت ہوتی ہے ان میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

۲۔ نہایت ضعیف بہیمیت: جیسے بدھیا، ناقص الخلقیت کی حالت، جس کی پرورش قحط سالی میں نہایت نامناسب انداز پر ہوتی ہو، چنانچہ اس کا جسم معمولی اور کمزور رہ گیا ہو، آواز تپتی، گرفت ڈھیلی، بزدل، بے ہمت اور مقابلہ پر غالب آنے کا کوئی جذبہ اس میں نہیں ہوتا، جن لوگوں میں ایسی بہیمیت ہوتی ہے وہ بھی بہیمی آلاتوں میں کم گھستے ہیں۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ ملکیت اور بہیمیت کے یہ دو دو انداز کچھ تو فطری ہوتے ہیں، جن کو آدمی بدل نہیں سکتا، مگر ان کو بنا لگاڑ سکتا ہے اور کچھ اس میں انسان کے آکساب کا دخل ہوتا ہے، بعض اعمال، ملکیت کو اور اس کے ایک رخ کو تقویت پہنچاتے ہیں اور بعض اعمال بہیمیت کو اور اس کے ایک رخ کو بڑھاوا دیتے ہیں، مثلاً اعمال صالحہ، نیک لوگوں کی معیت، ذکر واذکار اور اسرار الہیہ میں غور و فکر ملکیت کو قوی کرتے ہیں اور اس کو مدد پہنچاتے ہیں اور رفت و رفت آدمی میں اعلیٰ درجہ کی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے اور دنیوی عقلوں، معاصی اور برے اعمال کی صورت حال اس کے برعکس ہے۔

وَانْ شَنْتْ اَنْ تَسْتَجْلِيْ مَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰی فِیْ هٰذَا الْبَابِ وَفَهْمْنٰی مِنْ مَعَانِیْ هٰذِهِ الْاَحَادِیْثِ:

فَاعْلَمْ: اَنَّ الْقُوَّةَ الْمَلَكِيَّةَ تَخْلُقُ فِی النَّاسِ عَلٰی وَجْهَيْنِ:

اَحَدُهُمَا: الْوَجْهَ الْمُنَاسِبُ بِالْمَلَأِ الْاَعْلٰی؛ الَّذِیْنَ شَأْنُهُمُ الْاِنْتِبَاحُ بِعِلْمِ الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ، وَمَعْرِفَةُ دَفَاقِ الْجَبُرُوتِ، وَتَلَقُّیْ نِظَامِ عَلٰی وَجْهِ الْاِحَاطَةِ بِهِ، وَاجْتِمَاعِ الْهَمَّةِ عَلٰی طَلَبِ وَجُودِهِ.

وَالثَّانِی: الْوَجْهَ الْمُنَاسِبُ بِالْمَلَأِ السَّافِلِ: الَّذِیْنَ شَأْنُهُمُ اِنْبِعَاطُ بَدَايِعِ تَتَرَشَّحُ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوَاقِهِمْ، مِنْ غَيْرِ اِحَاطَةٍ، وَلَا اِجْتِمَاعِ الْهَمَّةِ، وَلَا الْمَعْرِفَةِ؛ وَنَوْرَانِيَّةٍ؛ وَرَفَضُ لِلْاَلْوَاتِ الْبَهیمیَّةِ.

وَكَذٰلِكَ الْقُوَّةُ الْبَهیمیَّةُ تُخْلَقُ عَلٰی وَجْهَيْنِ:

اَحَدُهُمَا: الْبَهیمیَّةُ الشَّدِیْدَةُ الصَّفِیْقَةُ، كَهِنَةُ الْفَحْلِ الْفَارِ، الَّذِیْ نَشَأُ فِیْ غَدَاةٍ غَزِیْرٍ وَتَدْبِیْرِ مُنَاسِبٍ، فَكَانَ عَظِیْمَ الْجِسْمِ، شَدِیْدَةً، جَهْوَرِیَّ الصَّوْتِ، قُوَّةَ الْبَطْشِ، ذَاهِمَةً نَافِذَةً، وَتَبِیْهِ عَظِیْمَ، وَغَضَبٍ وَحَسَدٍ قَوِیْنِ، وَشَبَقٍ وَافَرٍ، مُنَافَسًا فِی الْعِلْبَةِ وَالظُّهُورِ، شَجَاعَ الْقَلْبِ.

وَالثَّانِی: الْبَهیمیَّةُ الضَّعِیْفَةُ الْمُهْلَهْلَةُ، كَهِنَةُ الْخَصِیِّ الْمُخَذَّجِ، الَّذِیْ نَشَأُ فِیْ جَذَبٍ وَتَدْبِیْرِ غَیْرِ مُنَاسِبٍ، فَكَانَ حَقِیْرَ الْجِسْمِ، ضَعِیْفَةً، وَكِلَکَ الصَّوْتِ، ضَعِیْفَ الْبَطْشِ، جَبَانَ الْقَلْبِ، غَیْرَ ذِیْ هِمَّةٍ، وَلَا مُنَافَسَةٍ فِی الْعِلْبَةِ وَالظُّهُورِ.

وَالْقُوَّتَانِ جَمِیْعًا، لِهَمَّا جِلَّةٌ تَخْصُصُ اَحَدَ وَجْهَيْهَا، وَكَسْبُ يُوْنِدِهِ، وَنَفْوِيهِ، وَیُمْدُودِهِ.

ترجمہ: اور اگر آپ وہ بات واضح طور پر جانتا چاہتے ہیں، جو اللہ نے مجھ پر اس باب میں کھولی ہے، اور مجھے ان

حدیثوں کا جو مطلب سمجھا جائے تو جان لیجئے کہ قوتِ ملکیہ انسانوں میں دو طرح پر پیدا کی جاتی ہے۔

ان میں سے ایک: ملّا اعلیٰ کے مناسب رخ ہے، وہ ملّا اعلیٰ جن کا حال اسماء و صفات کے علوم سے رنگین ہوتا ہے، اور جبروت کی باریکیوں کو پہچاننے اور (عالمِ زیریں کے) نظام کو (عالمِ بالا سے) حاصل کرنا ہے، اس کا احاطہ کرنے کے طور پر، اور اس کے پائے جانے کو چاہنے پر پوری توجہ کو اکٹھا کرنا ہے۔

اور دوسرا: ملّا سفلی کے مناسب رخ ہے، وہ ملّا سفلی جن کا حال: اس داعیہ سے اٹھ کھڑا ہونا ہے، جو ان پر ان کے اوپر سے نکلتا ہے، اُن امور کا پوری طرح احاطہ کئے بغیر، اور پوری توجہ جمع کئے بغیر، اور اچھی طرح سے ان کی معرفت حاصل کئے بغیر، اور وہ سراپا نور ہیں: اور نیکی آلائشوں کو بالکلیہ چھوڑنے والے ہیں۔

اور اسی طرح قوتِ بسمیہ بھی دو طرح پر پیدا کی جاتی ہے:

ان میں سے ایک: سخت مضبوط بسمیت ہے، جیسے اُس قوی ساڈ کی حالت، جس نے بہت زیادہ غذا اور مناسب تدبیر میں پرورش پائی ہو پس وہ جسم مضبوط بدن والا، بلند آواز، سخت گیر، نافذ ارادے والا، نہایت متکبر و تیز غصہ والا ہے حدِ حسد کرنے والا، مجاہدت کی، بہت زیادہ خواہش رکھنے والا، غالب آنے اور جیتنے کی ریس کرنے والا اور بہادر دل والا ہو۔

اور دوسری: کمزور پتلی بسمیت ہے، جیسے اُس آختہ جانور کی حالت جو قہر از وقت پیدا ہو گیا ہو، جو قہر سالی اور نامناسب تدبیر میں پلا ہو، پس وہ معمولی اور کمزور جسم والا، پتلی آواز والا، کمزور گرفت والا، بزدل، بے ہمت اور غلبہ اور جیتنے کی بالکل ریس نہ کرنے والا ہو۔

اور دونوں ہی قوتیں: ان کے لئے ایک فطرت ہے، جو اس کے درخوں میں سے ایک کو مخصوص کرتی ہے اور اکتسابی اعمال میں جو اس ایک رخ کی تائید کرتے ہیں اور اس کو تقویت اور کمک پہنچاتے ہیں۔

لغات:

اِسْتَحْلَى الشَّيْءُ: واضح کرنے کو کہنا..... فَهَمَهُ وَاقْفَمَهُ: سمجھانا..... صَفَقَ الْعُوبُ: کپڑے کا گف یعنی خوب مضبوط بنا ہوا ہوتا الصفيق: نہایت ٹھوس مضبوط..... الْغَارَةُ: قوی، خوب کھانے والا، خوش عیش قُوَّةُ (ک) قُوَّةً: خوش ہونا، سبک ہونا..... غَزَبَ: بہت زیادہ غَطَرُ غَزَبَ: بہت بارش..... الْقِيَّةُ: ڈیگ، غرور..... الْمُهْلَهْلَةُ: باریک، کمزور هَلْهَلَّ النَّسَاجُ الْعُوبُ: کپڑے کو باریک بنانا..... مَخَذَجَ: وہ بچہ جو مدتِ حمل تمام ہونے سے پہلے پیدا ہو گیا ہو خَذَجَتِ النِّاقَةُ: اونٹنی کا قہر از وقت بچہ جانا، مَخَذَجَ (بکسر الدال) اونٹنی ہے اور مَخَذَجَ (فتح الدال) بچہ ہے۔
ترکیب: نور انیة اور رفض کا عطف انبعاث پر ہے۔



ملکیت اور ربہیمیت کا اجتماع

اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو متضاد قوتیں دویت فرمائی ہیں یعنی ملکیت اور ربہیمیت۔ ان دونوں قوتوں کے تقاضے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، پھر یہ دونوں قوتیں انسان میں جمع کیسے ہیں؟ شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں متضاد قوتیں انسان میں دو طرح پر جمع ہوتی ہیں: ایک باہمی کشمکش کے ساتھ، دوسرے مصالحت کے ساتھ، اگر دونوں قوتیں اپنے تقاضے کامل طور پر پورا کرنا چاہیں، تو ضرور دونوں میں رس کشی ہوگی، اور اگر ہر قوت اپنے کچھ تقاضے چھوڑ دے تو باہم موافقت ہو جائے گی۔

مثلاً دو مختلف طبیعت، مزاج، خواہش اور جذبات رکھنے والے زوجین ایک گھر میں جمع ہوں تو یہ اجتماع دو طرح پر ہوگا۔ اگر دونوں اپنی چلائیں گے تو منازعت ہوگی اور زندگی اجیرن ہو جائے گی اور مصالحت کر لیں گے یعنی ہر شریک حیات اپنے کچھ تقاضے اور مطالبات چھوڑ دے گا اور دوسرے کی موافقت کر لے گا تو زندگی خوش گوار بسر ہوگی اسی طرح ملکیت اور ربہیمیت کا اجتماع بھی انسان میں دو طرح پر ہوتا ہے:

۱۔ باہمی کشمکش کے ساتھ: ایسا اس صورت میں ہوتا ہے جب ہر قوت اپنے تقاضوں کو کامل طور پر پورا کرنا چاہے، ہر قوت کی نظر اس کی آخری حد کی طرف اٹھی رہے، اور ہر ایک اپنے فطری انداز پر چلنا چاہے تو یقیناً ان میں کھینچا تانی ہوگی۔ ملکیت کا کامل تقاضا اللہ سے ملنا اور ملنا اعلیٰ میں شامل ہونا ہے اور ربہیمیت کے پیش نظر مفاد پرستی، خود غرضی، دنیا پر رنجھنا اور حیوانی حالتوں پر شیفہ رہنا ہے۔ پھر اگر ملکیت غالب آ جاتی ہے تو ربہیمیت کے اثرات منقطع ہو جاتے ہیں، اور ربہیمیت غالب آتی ہے تو ملکیت کے آثار ماند پڑ جاتے ہیں۔

۲۔ مصالحت اور موافقت کے ساتھ: ایسا اس صورت میں ہوتا ہے کہ ملکیت اپنے اعلیٰ تقاضے سے ذرا نیچے اتر آئے، ملکیت کی پرواز وصول الی اللہ اور شمول مع الملأ الاعلیٰ تک ہے، وہ اس مطالبہ سے ذرا نیچے اتر آئے، اور ایسی باتوں پر قناعت کر لے جو خالص مطالبہ کے لگ بھگ ہیں، اور وہ یہ امور ہیں:

(۱) عقل کے مقتضی پر چلنا اور نفس، خواہش اور طبیعت کی پیروی نہ کرنا۔

(۲) سخاوت نفس سے کام لینا۔ سخاوت، انہی کی ضد ہے۔ سُخ کے معنی ہیں خود غرضی، پس سخاوت نفس یہ ہے کہ آدمی دوسروں کا بھلا چاہے، حدیث میں ہے کہ: ”وین خیر خواہی کا نام ہے“ پوچھا گیا: کس کی؟ فرمایا: ”اللہ کی، اللہ کی کتاب کی، اللہ کے رسول کی، مسلمانوں کے پیشواؤں کی اور تمام مسلمانوں کی“ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ حدیث ۴۹۶۶)

(۳) پاکدامنی اختیار کرنا، صرف ظاہری پاکدامنی نہیں، بلکہ طبیعت اور مزاج بھی پاک ہو جائے۔

(۴) عام لوگوں کے مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دینا، قرآن کریم میں انصار کی خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مہاجرین کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ ان کا فاقہ ہی کیوں نہ ہو (سورۃ الحبشہ آیت ۹)

(۵) آخرت پر نظر رکھنا، صرف دنیا پر نظر نہ روک لینا۔

(۶) تمام امور میں انصاف اور پاکیزگی کا خیال رکھنا۔

مذکورہ تمام امور ملکیت کے اعلیٰ تقاضے تو تھیں ہیں، مگر میں بہر حال ملکوتی اعمال، اس لئے ملکیت ان امور کی طرف اتر آئے اور بحیثیت اپنے خالص تقاضوں سے ذرا بلند ہو جائے اور ایسے کام کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے جو مفاد عامہ سے بعید ہوں نہ متضاد تو دونوں قوتوں میں مصالحت ہو جائے گی، اور ایک ایسا مزاج وجود میں آئے گا جس میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔

واجتماع القوتین فیہم ابضاً یکون علی وجہین:

فتارة: اجتماع بالتجاذب: تكون كل واحدة متوفرة في طلب مقتضياتها، طامحة في أقصى غاياتها، مريدة سننھا الطبيعي، فلا جرم أن يقع بينهما التجاذب؛ فإن غلبت هذه اضمحلت آثار تلك، وكذلك العكس.

وتارة: بالاضطلاح، بأن تنزل الملكية عن طلب حكمها الصراح إلى ما يقرب منه: من عقل، وسخاوة نفس، وعفة طبع، وإشراق النفع العام على انتفاع نفسه خاصة، والنظر إلى الآجل دون الاقتصار على العاجل، وحسب النظافة في جميع ما يتعلق به؛ وترقى البهيمية من طلب حكمها الصراح إلى ما ليس بعید من الرأى الكلى، ولا مضاد له، فتصطبحان، ويحصل مزاج لا تخالف فيه

ترجمہ: اور انسانوں میں دو قوتوں کا اکٹھا ہونا بھی دو طرح پر ہوتا ہے:

پس کبھی: دونوں اکٹھا ہوتی ہیں کشش کے ساتھ: ہر ایک اپنے تقاضوں کے مطالبہ میں ہمت صرف کرنے والی ہوتی ہے، اپنی آخری حد کی طرف نظر اٹھانے والی ہوتی ہے، اپنے فطری انداز کو چاہنے والی ہوتی ہے، پس یقیناً ان دونوں کے درمیان رستہ بھی ہوگی، پھر اگر یہ غالب آئے گی تو اس کے آثار ماند پڑ جائیں گے، اور اسی طرح برعکس۔

اور کبھی: مصالحت کے ساتھ (اکٹھا ہوتی ہیں) باس طور کہ ملکیت اس کے خالص حکم کے مطالبہ سے اتر آتی ہے، اُن چیزوں کی طرف جو اس خالص حکم سے نزدیک ہوتی ہیں یعنی عقل، دریا دلی، طبیعت کی پاکیزگی، عام لوگوں کے فائدے کو اپنے ذاتی نفع پر ترجیح دینا، مال (آخرت) کی طرف نظر رکھنا، دنیا پر نظر روک نہ لینا اور پاکیزگی کو پسند کرنا ان تمام چیزوں میں جو آدمی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بحیثیت اس کے خالص حکم کے مطالبہ سے اس چیز کی طرف چڑھے جو مفاد عامہ سے دور نہ ہو اور نہ اس کے مخالف ہو، پس دونوں قوتوں میں مصالحت ہو جائے گی اور ایک ایسا مزاج وجود میں آئے گا جس میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔

لغات:

تَوَقَّرَ عَلَى كَذَا: ہمت صرف کرنا ... طَمَحَ بَصْرُهُ إِلَيْهِ: نگاہ اٹھنا ... السَّنَنَ: طریقہ، ہدایت ... الصُّرَاحُ:

خاص ... اصطلاح القوم: رضامند ہونا الرأى الکلی: مفاد عامہ: یہ شاہ صاحب کی خاص اصطلاح ہے۔



ملکیت و ہیبت اور ان کے اجتماع کی اقسام

ملکیت کی دو جائیں ہیں: ایک اعلیٰ دوسری ادنیٰ، اور ایک ان کے بیچ کا نقطہ ہے، پھر بیچ کے نقطہ سے طرف اعلیٰ اور طرف ادنیٰ کی جانب یا بالفاظ دیگر اطراف سے بیچ کے نقطے کی طرف بہت سے نقطے ہوتے ہیں۔ یہی حال ہیبت کا بھی ہے اور یہی صورت حال دونوں قوتوں کے باہمی اجتماع کی بھی ہے یعنی اعلیٰ درجہ کا اجتماع، ادنیٰ درجہ کا اجتماع، اور بین بین صورت، پھر بین بین صورت اور اعلیٰ درجہ کے درمیان بھی درجے ہیں، اسی طرح بین بین صورت اور ادنیٰ درجہ کے درمیان بھی درجے ہیں

پھر جب ان کو باہم ضرب دیں گے تو بے شمار قسمیں پیدا ہوں گی، مگر ان میں سے آٹھ قسمیں بنیادی ہیں، ان کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں، اگر وہ احکام جان لئے جائیں تو باقی اقسام کے احکام خود بخود معلوم ہو جائیں گے۔ وہ آٹھ اقسام یہ ہیں:

- (۲۱) ملکیت عالیہ تجاوزات کے ساتھ جمع ہو ہیبت شدیدہ کے ساتھ یا ہیبت ضعیفہ کے ساتھ
(۲۲) ملکیت سافلہ تجاوزات کے ساتھ جمع ہو ہیبت شدیدہ کے ساتھ یا ہیبت ضعیفہ کے ساتھ
(۲۵) ملکیت عالیہ مصالحت کے ساتھ جمع ہو ہیبت شدیدہ کے ساتھ یا ہیبت ضعیفہ کے ساتھ
(۸۷) ملکیت سافلہ مصالحت کے ساتھ جمع ہو ہیبت شدیدہ کے ساتھ یا ہیبت ضعیفہ کے ساتھ

نقشہ یہ ہے

نمبر شمار	کیفیت ملکیت	کیفیت ہیبت	کیفیت اجتماع
۱	عالیہ	شدیدہ	تجاوزات
۲	عالیہ	ضعیفہ	تجاوزات
۳	سافلہ	شدیدہ	تجاوزات
۴	سافلہ	ضعیفہ	تجاوزات
۵	عالیہ	شدیدہ	مصالحت
۶	عالیہ	ضعیفہ	مصالحت
۷	سافلہ	شدیدہ	مصالحت
۸	سافلہ	ضعیفہ	مصالحت

ولكل من مرتبتي الملكية والبهيمية والاجتماع طرفان ووسطاً، وما يقرب من طرف أو وسطاً؛ وكذلك تذهب الأقسام إلى غير النهاية؛ إلا أن رؤوس الأقسام المنفردة بأحكامها، والتي يُعرف غيرها بمعرفتها، ثمانية، حاصلة من انقسام الاجتماع بالنجاذب إلى أربعة: ملكية عالية تجتمع مع بهيمية شديدة، أو ضعيفة، أو ملكية سافلة تجتمع مع بهيمية شديدة، أو ضعيفة؛ والاجتماع بالاصطلاح أيضاً إلى أربعة مثيلها؛ ولكل قسم حكم لا يختلف؛ من رُفُق لمعرفة أحكامها استخراج من تشويشات كثيرة.

ترجمہ: اور قوتِ ملکیہ اور قوتِ بہیمیہ اور ان دونوں کے اجتماع میں سے ہر ایک مرتبہ کے دو دوا اطراف ہیں، اور ایک درمیان ہے اور وہ درجات ہیں جو طرف یا وسط سے نزدیکی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، اور اس طرح قسمیں بے شمار حد تک چلی جاتی ہیں، لیکن بڑی اقسام، جو اپنے احکام کے ساتھ جدا ہونے والی ہیں، اور جن کے احکام معلوم ہونے سے دوسری قسموں کے احکام معلوم ہو جاتے ہیں، آٹھ ہیں، جو تجاذب کے ساتھ اجتماع کے چار صورتوں پر مشتم ہونے سے پیدا ہوتی ہیں (یعنی) ملکیتِ عالیہ اکٹھا ہو بہیمیتِ شدیدہ یا ضعیفہ کے ساتھ یا ملکیتِ سافلہ اکٹھا ہو بہیمیتِ شدیدہ یا ضعیفہ کے ساتھ؛ اور مصالحت کے ساتھ اجتماع بھی ایسی ہی چار قسموں کی طرف منقسم ہوتا ہے، اور ہر قسم کے لئے ایسے احکام ہیں جو مختلف نہیں ہوتے، جس شخص کو ان کے احکام جاننے کی توفیق مل گئی، وہ بہت سی پریشانیوں سے آرام پالے گا۔

لغات: المنفردة (ام فاعل) انْفَرَزَ عن الشيء: جدا ہونا استسراخ استسراخاً: آرام پانا... تشویش: پریشانی شوش الأمر: بے ترتیب کرنا۔



اقسام ثمانية کے ضروری احکام

پہلا حکم: ریاضاتِ شاکہ کی سب سے زیادہ ضرورت (۷۵، ۳۱) کو ہوتی ہے، جن کی بہیمیت بہت سخت ہوتی ہے کیونکہ بہیمیت کی تعدیل، بری حالت کو اچھی حالت سے بدلنا، اخلاق کو سنوارنا: عبادتوں میں محنت کرنے اور حقائق میں غور کرنے ہی سے ہو سکتا ہے، پھر ان میں سے بھی (۳۱) کو ریاضات کی بہت زیادہ ضرورت رہتی ہے، کیونکہ ان دو قسموں میں ملکیت اور بہیمیت میں باہم کشش ہوتی ہے، اس لئے بہیمیت کو لگام دینے کے لئے عبادات و ریاضات کی ضرورت ہوتی ہے۔

دوسرا حکم: کمالات سے حظ وافر وہ لوگ حاصل کرتے ہیں جن کی ملکیتِ عالیہ ہوتی ہے یعنی (۶۵، ۲۱) پھر (۶۵) جن کی ملکیت اور بہیمیت میں مصالحت ہوتی ہے عمل میں بہتر ہوتے ہیں اور وہ زیادہ سلیقہ مند ہوتے ہیں اور (۲۱) جن کی

ملکیت اور بھیمیت میں کشمکش ہوتی ہے، جب وہ بھیمیت کے چنگل سے نکل جاتے ہیں تو علم خوب حاصل کرتے ہیں، مگر عمل کی زیادہ پروا نہیں کرتے،

قیصرالحکم: اہم کام جیسے جہاد وغیرہ میں سب سے زیادہ بے رغبت وہ لوگ ہوتے ہیں، جن کی بھیمیت کمزور ہے، یعنی (۸۶، ۶، ۴، ۲) پھر (۶۲) جن کی ملکیت عالیہ ہے، سب کام چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور (۸۶، ۴) جن کی ملکیت سافلہ ہے جب وہ بھیمیت کے چنگل سے نکل جاتے ہیں، تو سب کچھ چھوڑ کر آخرت کی تیاری میں لگ جاتے ہیں اور اگر بھیمیت کے چنگل سے نہیں نکل پاتے، تو سستی اور آرام طلبی کے طور پر سب کچھ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

ونحن نذكرهمنا من ذلك ما نحتاج اليه في هذا الكتاب:

[۱] فأحوج الناس إلى الرياضات الشاقة: من كانت بهيميته شديدة، لاسيما صاحب التجاذب.

[۲] وأحفظهم بالكمال، من كانت ملكيته عالية، لكن صاحب الاضطلاح أحسنهم عملاً، وأدبهم؛ وصاحب التجاذب: إذا انقلبت من أسير البهيمية أكثرهم علماً، ولا يبالي بآداب العمل كثير مبالاة.

[۳] وأزهدهم في الأمور العظام: أضعفهم بهيمية، لكن صاحب العالية يترك الكل نفرغاً للنوجه إلى الله؛ وصاحب السافلة إن انقلبت يتركه للآخرة، ولا يتركه كسلاً ودعة.

ترجمہ: اور ہم یہاں ان احکام میں سے ان کو ذکر کرتے ہیں جن کی ہمیں اس کتاب میں ضرورت ہے:

(۱) پس لوگوں میں سب سے زیادہ محتاج پر مشقت ریاضتوں کے وہ لوگ ہیں جن کی بھیمیت سخت ہے، بالخصوص کشمکش والے۔

(۲) اور لوگوں میں سب سے زیادہ کمالات حاصل کرنے کی توفیق ان لوگوں کو ملتی ہے جن کی ملکیت عالیہ ہے، البتہ مصالحت والے ان میں عمل کے اعتبار سے اچھے ہوتے ہیں اور ان میں زیادہ شاکستہ اور مہذب ہوتے ہیں؛ اور کشمکش والے جب بھیمیت کی قید سے نکل جاتے ہیں تو وہ ان میں علم کے اعتبار سے زیادہ ہوتے ہیں اور وہ عمل کے آداب کی کچھ بہت زیادہ پروا نہیں کرتے۔

(۳) اور بڑے کاموں میں سب سے زیادہ بے رغبت وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی بھیمیت سب سے زیادہ کمزور ہوتی ہے، البتہ ملکیت عالیہ والے سب کچھ چھوڑ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے فارغ ہونے کے طور پر، اور ملکیت سافلہ والا اگر بھیمیت سے چھوٹ جاتا ہے تو سب کچھ چھوڑ دیتا ہے آخرت (کی تیاری) کے لئے، ورنہ سب

کچھ چھوڑ دیتا ہے، سنی اور آرام طلبی کے طور پر۔

لغات:

ریاضت: پر مشقت محنت ... الجبٹی: بزارتہ حاصل کرنے والا حظی (س) خطوۃ: حصہ پانا..... آذَبَ (اسم تفضیل) بزارشائستہ آذَبَ (ک) آذَبَا: صاحب ادب ہونا، مہذب اور شائستہ ہونا انفلت: تخلص نجات پانا، چھوڑنا ... دَغَةُ: استراحة.



چوتھا حکم: پر مشقت کاموں میں وہ لوگ زبردستی گتے ہیں جن کی بے بیعت سخت ہوتی ہے، یعنی (۴۰۱، ۵۰۵) بھر (الف) جن لوگوں کی ملکیت عالیسہ ہے یعنی (۵۰۳) وہ ریاست و حکومت کے کاموں کو بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں۔ (ب) اور جن کی ملکیت سافلہ ہے، یعنی (۴۰۳) وہ جنگ اور بوجھ و صونے کے کاموں کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ (ج) اور جن کی ملکیت اور بے بیعت میں تجاذب ہے، یعنی (۴۰۱) وہ جب بے بیعت کی طرف جھکتے ہیں تو صرف دنیوی کاموں کے ہو کر رہ جاتے ہیں، اور جب ملکیت کی طرف ترقی کرتے ہیں تو صرف دینی کاموں میں، نفس کو سنوارنے میں اور اس کو مادے سے مجرور کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

(د) اور جن کی ملکیت اور بے بیعت میں مصالحت ہے، یعنی (۵۰۵) وہ دین و دنیا کے کاموں میں ایک ساتھ مشغول ہوتے ہیں، اور دونوں باتوں کو ایک ساتھ لے کر چلتے ہیں وہ ”درکنے جام شریعت، درکنے سندان عشق“ پر عمل کرتے ہیں۔

[۴] وَأَشْدُّهُمْ اقْتِحَامًا فِي الْأُمُورِ الْعَظَامِ: أَشْدُّهُمْ بَهِيمِيَّةً، لَكِنَّ صَاحِبَ الْعَالِيَةِ أَقْوَمُهُمْ بِالرَّيَاسَاتِ، وَنَحْوَهَا مِمَّا يَنْسَبُ الرِّأْيَ الْكُلِّيَّ؛ وَصَاحِبَ السَّافِلَةِ أَشْدُّهُمْ اقْتِحَامًا فِي نَحْوِ الْقِتَالِ وَحَمْلِ الْأَثْقَالِ؛ وَصَاحِبَ النَّجَازِ إِذَا انْدَفَعَ إِلَى الْأَسْفَلِ اشْتَغَلَ بِالْأُمْرِ الدُّنْيَوِيِّ فَقَطْ، وَإِذَا تَرَقَّى إِلَى الْأَعْلَى اشْتَغَلَ بِالْأُمْرِ الدِّينِيِّ وَتَهَذَّبَ النَّفْسَ وَتَجَرَّبَهَا فَقَطْ؛ وَصَاحِبُ الْإِصْطِلَاحِ يَشْتَغَلُ بِهِمَا جَمِيعًا، وَيَقْصِدُهُمَا مَرَّةً وَاحِدَةً.

ترجمہ: (۴) اور ان میں سے بڑے کاموں میں اندھاؤند گھسنے والا، وہ شخص ہے جس کی بے بیعت ان میں سب سے زیادہ سخت ہے، البتہ ملکیت عالیہ والا حکومتوں اور ان کے مانند کاموں کو جو مفادات عامہ سے تعلق رکھتے ہیں، سرانجام دینے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے؛ اور ملکیت سافلہ والا ان میں زیادہ گھسنے والا ہوتا ہے جنگ اور بار برداری جیسے کاموں میں؛ اور کشش والا جب نیچے کی طرف بہتا ہے (یعنی بے بیعت کی طرف جھکتا ہے) تو صرف دنیوی کاموں میں مشغول ہوتا ہے اور

جب برتر کی طرف چڑھتا ہے تو صرف دینی کام میں اور نفس کو سنوارنے میں اور اس کو ماوے سے مجر و کرنے میں مشغول ہوتا ہے، اور مصالحت والادوں ہی کاموں میں مشغول ہوتا ہے، اور دونوں ہی باتوں کا ایک ساتھ ارادہ کرتا ہے۔
 لغات: اَفْتَحَمُ الامو: کسی معاملہ میں زبردستی داخل ہونا..... قَامَ بِالامو: انتظام کرنا..... اَنْذَفَعَ: بہنا۔
 تشریح: زندگی میں نفس مادہ سے مجر نہیں ہو سکتا، البتہ کمال تک تو اس کے درجہ میں اور موقوف قبل ان موقوفہ انداز پر مجر ہو سکتا ہے۔



پانچواں حکم: جن لوگوں میں ملکیت عالیہ ہوتی ہے یعنی (۱۵۵ و ۱۵۶) اگر ان کی ملکیت بہت ہی بلند ہوتی ہے تو وہ دین دنیا کی ایک ساتھ سرداری کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، وہ دین کے کاموں کو اوڑھنا بچھونا پالیتے ہیں اور نظام کلی جیسے خلافت اور ملت کی راہ نمائی کو بروئے کار لانے میں اللہ تعالیٰ کے دست و بازو بن جاتے ہیں۔ یہ حضرات انبیائے کرام، ان کے ورثاء، یگانہ روزگار شخصیات، سلاطین اسلام اور حکومت کے بڑے ذمہ دار ہیں۔
 چھٹا حکم: جن لوگوں میں ملکیت عالیہ ہوتی ہے اور ملکیت و بیعت میں اجتماع مصالحت کے ساتھ ہوتا ہے یعنی (۱۵۵) ایسے حضرات کی دین میں بیرونی واجب ہے۔

ساتواں حکم: جن لوگوں میں ملکیت سافلہ ہوتی ہے اور ملکیت و بیعت میں اجتماع مصالحت کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی (۱۵۷) ان لوگوں میں مذکورہ بالا حضرات کی بیروی کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ احکام شرعیہ کو ان کی شکلوں اور محسوس پیکر کے ساتھ حاصل کرتے ہیں یعنی ان کو جس طرح حکم دیا جاتا ہے اسی طرح اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔
 آٹھواں حکم: جن لوگوں کی ملکیت اور بیعت میں کشمکش ہوتی ہے وہ لوگ دین سے بہت دور ہوتے ہیں یعنی (۱۵۸ و ۱۵۹) کیونکہ یہ لوگ اگر طبیعت کی تاریکیوں میں پھنس جاتے ہیں تو راہ راست بھی چھوڑ دیتے ہیں اور جو لوگ طبیعت پر قابو پالیتے ہیں اگر ان کی ملکیت عالیہ ہوتی ہے یعنی (۱۶۰) تو وہ احکام شرعیہ کی روح سے چٹ جاتے ہیں مگر ظاہری شکلوں کو چھوڑ دیتے ہیں، جیسے مجاہد اہل اللہ، نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں، حالانکہ احکام کی ظاہری شکلیں بھی مطلوب ہیں، مگر یہ لوگ اس میں تسامح برتتے ہیں اور ان کی توجہ زیادہ تر تجروت کی باریکیاں سمجھنے میں اور اس کے لون سے رنگین ہونے میں رہتی ہیں وہ ہر وقت معرفت خداوندی میں مستغرق رہتے ہیں۔

اور جن لوگوں کی ملکیت فرفر ہوتی ہے یعنی (۱۶۱ و ۱۶۲) وہ ریاضتوں اور اوراد کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور ملکوت کے انوار میں گمن رہتے ہیں یعنی کشف و اشراق اور قبولیت دعا و غیرہ ہی کو بڑا کمال سمجھتے ہیں، وہ لوگ احکام شرعیہ کو دل کی تھام سے مضبوط نہیں پکڑتے، صرف طبیعت کو غلبہ کرنے اور انوار کو حاصل کرنے کی تدبیر کے طور پر اعمال اختیار کرتے ہیں۔

یہ آٹھ بنیادی احکام ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو عطا فرمائے ہیں، اگر ان کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو اہل اللہ کے احوال، ان کے کمالات کی نہایت، انہوں نے جو اپنے بارے میں اشارے کئے ہیں ان کا مطلب، اور ان کے مراتب سلوک کا اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا۔

[۵] وَمِنْ كَانَتْ عَالِيَتُهُ مِنْهُمْ فِي غَايَةِ الْعُلُوِّ، يَنْبَغُ إِلَى رِيَاسَةِ الدِّينِ وَالْدُنْيَا مَعًا، وَيَصِيرُ بَاقِيًا بِمِرَادِ الْحَقِّ، وَبِمَنْزِلَةِ الْجَارِحَةِ لَهُ فِي إِمْتَامِ نِظَامِ كُلِّي، كَالْخِلَافَةِ، وَإِمَامَةِ الْمِلَّةِ؛ وَأُولَئِكَ هُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَوَرَثَتِهِمْ، وَأَسَاطِينُ النَّاسِ وَسُلَاطِينُهُمْ، وَأُولُو الْأَمْرِ مِنْهُمْ.

[۶] وَالَّذِينَ يَجِبُ انْقِيَادُهُمْ فِي دِينِ اللَّهِ أَهْلُ الْإِصْطِلَاحِ، الْعَالِيَةُ مَلَكَتُهُمْ.

[۷] وَأُولَئِكَ هُمُ الْأُولَئِكَ أَهْلُ الْإِصْطِلَاحِ، الْمَسَافِلَةُ مَلَكَتُهُمْ، فَإِنَّهُمْ يَتَلَقَّوْنَ النُّوَامِيسَ بِأَشْبَاحِهَا وَهِيَئَاتِهَا.

[۸] وَأَطْرَفُهُمْ مِنْهُمْ: أَهْلُ التَّجَاذِبِ، لِأَنَّهُمْ إِمَامُ مَنْهُمْ فِي ظِلْمَاتِ الطَّبِيعَةِ، فَلَا يَقِيمُونَ السَّنَةَ الرَّاشِدَةَ، أَوْ قَاهِرُونَ عَلَيْهَا: فَإِنْ كَانُوا أَهْلُ عُلُوِّ عَضْوِ أَعْلَى أَرْوَاحِ النُّوَامِيسِ، وَكَانَتْ لَهُمْ مَسَامَحَةٌ فِي أَشْبَاحِهَا، وَكَانَ أَكْثَرُ هِمَّتِهِمْ مَعْرِفَةَ دَقَائِقِ الْجَبَرُوتِ، وَالْإِنْصِبَاحِ بِصِفَتِهَا؛ وَإِنْ كَانُوا دُونَ ذَلِكَ: اهْتَمَمُوا بِالرِّيَاضَاتِ وَالْأَوْرَادِ، وَأَعْجَبُوا بِإِبْرَارِ الْمَلَكَاتِ: مِنْ كَشْفِ وَإِشْرَافِ، وَاسْتِجَابَةِ دَعَاءِ، وَنَحْوِ ذَلِكَ؛ وَلَمْ يَعْضُوا مِنَ النُّوَامِيسِ بِجَذْرِ قُلُوبِهِمْ إِلَّا عَلَى حِيلٍ قَهْرِ الطَّبِيعَةِ، وَجَلَبِ الْأَنْوَارِ.

فَهَذِهِ أَصُولُ أُعْطَانِيهَا رَبِّي؛ مَنْ أَتَقَنَهَا اسْتَجَلَى أَحْوَالُ أَهْلِ اللَّهِ وَمَبْلَغَ كَمَالِهِمْ، وَمُطْمَحٍ بِإِشَارَتِهِمْ عَنْ أَنْفُسِهِمْ، وَخَرَجَ مَرَاتِبَ سُلُوكِهِمْ ﴿وَذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ، وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾

ترجمہ (۵) اور وہ شخص جس کی ملکیت عالیہ ان میں سے بہت ہی اونچی ہوتی ہے، وہ ایک ساتھ دین اور دنیا کی سرداری کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے ساتھ باقی رہنے والا ہوتا ہے (یعنی ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں لگا رہتا ہے) اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بمنزلہ ہاتھ کے ہو جاتا ہے نظام کلی، جیسے حکومت اسلامیہ اور ملت کی پیشوائی کی تکمیل میں۔ اور یہ لوگ وہ انبیاء، ان کے وارثین، لوگوں کی مرکزی شخصیات، لوگوں کے بادشاہ اور لوگوں میں سے حکومت کے بڑے ذمہ دار ہیں۔

(۶) اور وہ لوگ جن کی تابعداری اللہ کے دین میں واجب ہے، وہ مصالحت والے لوگ ہیں، جن کی قوت ملکیت

بلند ہوتی ہے۔

(۷) اور ان لوگوں کی (جن کا تذکرہ نمبر (۶) میں گزرا) زیادہ تابعداری کرنے والے، وہ مصالحت والے لوگ ہیں، جن کی ملکیت سافلہ ہوتی ہے، کیونکہ یہ لوگ احکام شرعیہ کو ان کے پیکر محسوس اور ان کی شکلوں کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔

(۸) اور لوگوں میں سب سے زیادہ (راہ راست سے) دور کشش والے لوگ ہیں، کیونکہ وہ یا تو طبیعت کی تاریکی میں منہمک ہوتے ہیں تو وہ راہ راست بھی نہیں اپناتے، یا وہ طبیعت پر غالب ہوتے ہیں، تو اگر وہ ملکیت عالیہ والے ہوتے ہیں تو وہ احکام شرعیہ کی روح کو دانتوں سے مضبوط پکڑتے ہیں اور وہ احکام کے پیکر بائے محسوس میں چشم پوشی برتتے ہیں، اور ان کی زیادہ توجہ جبروت کی باریکیاں پہچاننے کی طرف، اور ان کے رنگ میں رنگین ہونے کی طرف رہتی ہے۔ اور اگر وہ ملکیت عالیہ والوں سے فروتر ہوتے ہیں تو وہ ریاضتوں اور اواراد کا اہتمام کرتے ہیں اور وہ مگن رہتے ہیں ملکوت کی بجلیوں پر یعنی کشف و اشراق اور دعا کی قبولیت اور ان کے مانند چیزوں پر، اور وہ لوگ احکام شرعیہ کو اپنے دلوں کی جھر سے مضبوط نہیں پکڑتے، مگر طبیعت کو مغلوب کرنے اور انوار کو حاصل کرنے کی تدبیر کے طور پر۔

پس یہ بنیادی باتیں ہیں، جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہیں۔ جو شخص ان کو مضبوط کر لے گا وہ اہل اللہ کے احوال، ان کے کمال کی پہنچ اور انہوں نے جو اپنے بارے میں اشارے کئے ہیں ان کا مطلب، واضح طور پر جان لے گا۔ اور وہ ان کے سلوک کے متروک کی توجیہ کر لے گا۔ اور یہ ہم پر اور تمام لوگوں پر فضل خداوندی ہے، مگر بیشتر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔

لغات:

الْبَحَارَةُ: عضو انسانی، خصوصاً ہاتھ جمع جَوَاحِد..... اِنْسَام: پورا کرنا۔ یہ لفظ کتاب میں اِنْسَام تھا تصحیح مخطوطہ کراچی سے کی ہے..... اَسَاطِين: مفرد اَسْطُوَانَة ستون، مجازاً: یکتا، کہا جاتا ہے ہم اَسَاطِين الزمان: وہ لوگ زمانے کے یکتا ہیں..... اَلْوَامِس: مفرد اَلْوَامِس: اصل معنی رازدار، اصطلاحی معنی: احکام شرعیہ، دستور العلماء (۲۵۶:۳) میں ہے ہو فی الشَّرع: الذی شرعه اللہ تعالیٰ، اَعْنَى الإسلام اھناموس اکبر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہتے ہیں..... اَطُوف (اسم تفضیل) بہت زیادہ دور طرفہ عنہ: باز رکھنا، واپس کرنا..... السَّنة الواضدة: سیدھا راستہ، شرعی راستہ..... ہوارق: مفرد البارقة: بجلی والا بادل..... اَلْمَكْشُفُ: بغوی معنی کھولنا، پردہ اٹھانا، تصوف کی اصطلاح میں مغیبات پر اطلاع پانا..... اَلْاِشْرَاف مترادف ہے کشف کا یعنی مغیبات کو جھانک کر دیکھ لینا اَشْرَف علیہ: اوپر سے جھانکنا..... خَرَجَ الْمَسْئَلَةُ: مسئلہ کی توجیہ کرنا۔



باب — ۱۰

عمل کا باعث بننے والے خیالات کے اسباب

انسان کے دماغ میں اچھے برے خیالات بارش کی طرح برستے رہتے ہیں، جب وہافر مقدار میں جمع ہو جاتے ہیں تو ارادہ عمل جنم لیتا ہے، پھر اچھا یا برا عمل وجود میں آتا ہے۔ ان خیالات کے بھی اسباب ہیں، کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اس عالم میں سنت الہی یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے سبب ہو۔ اس باب میں خیالات کے اسباب کا بیان ہے۔ اور یہ اسباب جاننے اس لئے ضروری ہیں کہ انسان اچھے اسباب اختیار کرے تاکہ اچھے خیالات پیدا ہوں اور نیک عمل کا جذبہ ابھرے اور برے خیالات کے اسباب سے اجتناب کرے تاکہ برے خیالات پیدا نہ ہوں اور آدمی برے کام نہ کرے۔ غور و فکر اور تجربہ سے خیالات کے چند اسباب سمجھ میں آتے ہیں۔

پہلا سبب: جو سب سے بڑا سبب ہے، وہ انسان کی جبلت و فطرت ہے، جبلت وہ اصلی حالت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، ہر انسان کی الگ انداز پر تحقیق عمل میں آئی ہے، پہلے یہ مضمون حدیث شریف میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ایک جبلت بنائی ہے جو کبھی بدلتی نہیں، اگر کوئی خبر دے کہ فدا کی فطرت بدل گئی تو اس کی تصدیق نہ کرو، پس جس کی جیسی جبلت ہوگی ویسے خیالات آئیں گے۔ اچھی فطرت ہوگی تو اچھے خیالات دل میں پیدا ہوں گے اور آدمی اچھے اعمال کرے گا، اور فطرت بد ہوگی تو برے خیالات جنم لیں گے اور آدمی برے اعمال کرے گا۔

نوٹ: فطرت کو بنانا یا بدلنا تو انسان کے اختیار میں نہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کی جیسی طبیعت بنا دی، بن گئی، مگر جبلت کو سنوارنا اور بگاڑنا آدمی کے اختیار میں ہے، جیسا کہ ایمان و کفر، غصہ اور قرض کی وصولی کے درجات والی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

دوسرا سبب: انسان کا مادی مزاج ہے۔ یہ مزاج لوگوں میں مختلف ہوتا ہے اور اس کو مختلف کیا بھی جاسکتا ہے، کیونکہ یہ مزاج کھانے پینے کی چیزوں سے اور دوسری تدبیروں سے جو انسان کو گھیرے رہتی ہیں، وجود میں آتا ہے۔ آدمی جس قسم کی چیزیں کھاتا پیتا ہے، یا جو کچھ پڑھتا ہے یا جن لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے، ان کی وجہ سے یہ مزاج مختلف ہوتا ہے اسی وجہ سے شریعت نے حلال و طیب لقمہ کھانے پر، اچھی صحبت اختیار کرنے پر اور برے اشعار سے جوف کو محفوظ رکھنے پر زور دیا ہے۔

اور مادی مزاج خیالات کا سبب کیسے بنتا ہے؟ اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) بھوکا کھانا تلاش کرتا ہے، اس سے پوچھو کہ دو در دو کتنے ہوئے؟ تو وہ جواب دے گا: چار روٹیاں!

(۲) پیاسا پانی ڈھونڈھتا ہے، اس کو سراپ (چمکتی ریت) بھی پانی دکھائی دیتی ہے۔

(۳) شہوت پرست کو عورتوں کے خیالات آتے ہیں کچھ لوگ ایسی غذا استعمال کرتے ہیں جو قوتِ باہ کو بڑھاتی ہیں، وہ لوگ عورتوں کو تاکتے جھانکتے رہتے ہیں، دل ہر وقت عورتوں سے تعلق رکھنے والے خیالات سے بھرا رہتا ہے، اور ان کی طبیعت میں شہوانی افعال کے لئے یہ جان پڑھتا ہے۔

(۴) کچھ لوگ سخت غذا استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور ان میں قتل و غول ریزی کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کو بہت سی ایسی جگہوں میں غصہ آ جاتا ہے، جہاں دوسرے آدمی غصہ نہیں کرتے۔ مگر یہ دو شخص یعنی نمبر ۳ و ۴ اگر نماز روزے کی ریاضت کے ذریعے اصلاح کر لیں، یا بڑھے کھوسٹ ہو جائیں، یا کسی مدھال کرنے والی بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو ان کے بیشتر احوال بدل جاتے ہیں، دل نرم پڑ جاتا ہے اور نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے بوزھوں اور جوانوں کے احکام میں فرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بوزھ کو روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ لینے کی اجازت دی ہے اور جوان کو نہیں دی (رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ کتاب الصوم باب تنزیہ الصوم حدیث نمبر ۲۰۰۶)۔

تیسرا سبب عادت و مألوف ہے، جس شخص کو جس چیز کے ساتھ بہت زیادہ تعلق ہوتا ہے اس کو اس چیز سے تعلق رکھنے والی باتوں کا خیال آتا ہے، کیونکہ وہ چیز اس کے دل میں بیٹھی ہوئی ہے، پس اس کا بار بار خیال آنا ایک لازمی امر ہے مثلاً: جس کو چائے کی عادت ہے اس کو چائے کا خیال آئے گا، جو بیڑی، سگریٹ یا پان تبا کا کام دیتی ہے، اس کو ان چیزوں کا خیال آئے گا، جس کو شراب کی عادت پڑی ہوئی ہے اس کو شراب کا خیال آئے گا، جو نماز کا پابند ہے اس کا دل ہمیشہ مسجد میں اٹکا رہے گا، اور اس کو بار بار نماز کا خیال آئے گا، مألوف کے معنی ہیں دل پسند چیز، آدمی کو جس چیز سے الفت ہو۔ عادت و مألوف تقریباً مترادف الفاظ ہیں۔

چوتھا اور پانچواں سبب بعض اتفاقات ایسے یا برے خیالات کا سبب بن جاتے ہیں۔ مثلاً: ایک جیب کتر آکس دینی اجتماع میں اپنے مقصد سے گیا، وہاں اس نے کسی مقرر سے کوئی بھلی بات سنی، جو اس کے دل میں اتر گئی اور وہ اس کے لئے باعثِ انس بن گئی یا اس کی ساری زندگی بدل گئی، یا کوئی چور کسی بزرگ کے گھر میں چوری کرنے گھسا، وہاں اس نے بزرگ کی عبادت دیکھی، جس سے اس کی کایا پلٹ گئی، ڈاکوؤں کے سردار نے حضرت جیلانی قدس سرہ کے چاق سے حائر ہو کر توبہ کر لی تھی۔ اسی طرح ایک نیک آدمی بروں کی صحبت میں جا بیٹھا ان لوگوں نے اس کو ایسی چنی پڑھائی کہ اس کی ساری زندگی تباہ ہو گئی۔ غرض اس قسم کے اتفاقات بھی ایسے برے خیالات کا سبب بنتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ ان حضوں کو اپنے انداز پر سمجھاتے ہیں کہ انسان کا نفس ناظرہ کبھی بہیمیت کے پسند سے سے نکل جاتا ہے تو وہ اچانک ملاً اعلیٰ کی جگہ سے، حسب استعداد، نورانی صورتیں جھپٹ لاتا ہے، جو اس کے لئے سکون قلب کا سبب بنتی ہیں یا اس کی زندگی بدل دیتی ہیں، وہ ایسے اعمال شروع کر دیتا ہے اور ولی اللہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح بعض نفوس شیاطین سے متاثر ہو جاتے ہیں، خواہ وہ شیاطین الانس ہوں یا شیاطین الجن، ان شیاطین کا رنگ اس پر چڑھ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے برے خیالات آنے لگتے ہیں اور وہ برے اعمال شروع کر دیتا ہے۔

فائدہ: خوابوں کا معاملہ خیالات جیسا ہے یعنی جو خیالات کے اسباب ہیں وہی خوابوں کے بھی ہیں، ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں تو ایسے خواب نظر آتے ہیں اور برے اسباب جمع ہوتے ہیں تو برے خواب نظر آتے ہیں۔ البتہ خیالات اور خوابوں میں فرق یہ ہے کہ خیالات میں چیزیں متشکل نہیں ہوتیں اور خواب میں جو خیالات دل میں گزرتے ہیں وہ دل کی آنکھوں کے سامنے متشکل ہوتے ہیں۔

اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ بحالت بیداری جب آدمی کچھ خیال کرتا ہے تو دماغ اس میں مستغرق ہو کر نہیں سوچتا۔ کیونکہ بیداری کی حالت میں آنکھ کچھ دیکھ رہی ہے، کان کچھ سن رہا ہے، منہ میں کوئی چیز ہے جس کا مزہ زبان لے رہی ہے، ناک کوئی خوشبو یا بدبو سونگھ رہا ہے اور جسم سے جو چیز مس کر رہی ہے اس کا بھی ادراک ہو رہا ہے اور یہ تمام ادراکات دماغ کر رہا ہے۔ اس وجہ سے دماغ پوری طرح خیال کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ مگر جب آدمی سو جاتا ہے تو اس وقت بھی خیالات کا سلسلہ برابر چلتا رہتا ہے، البتہ جب تک فینڈ گہری ہوتی ہے، خواب یا دہشتیں رہتے، پھر جب فینڈ ہلکی پڑتی ہے تو دل میں جو خیالات گزرتے ہیں، دماغ ان میں پوری طرح مستغرق ہو کر سوچتا ہے، اس لئے وہ خیالات دل کی نگاہوں کے سامنے متشکل ہو کر نظر آتے ہیں۔

اور یہ تمام خوابوں کی حقیقت کا بیان نہیں، صرف ان خوابوں کا بیان ہے جو خیالات ہوتے ہیں، رہے ڈراؤنے خواب اور مبشرات تو ان کی حقیقت جدا ہے، ڈراؤنے خواب شیطان کا تماشہ ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے اپنا خواب سنایا کہ گویا ان کا سر قلم کر دیا گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: ”جب شیطان تم میں سے کسی کے ساتھ فینڈ میں کھیل کرے تو اس کو لوگوں میں بیان نہ کیا کرو“ (رواہ مسلم مشکوٰۃ کتاب الرد یا حدیث نمبر ۳۶۱۶) اور مبشرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں۔ خواب کی یہ تین قسمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں آئی ہیں۔ دیکھئے سنن داری ۲: ۱۲۵ ترمذی شریف ابواب الرد یا اور ابن سرین رحمہ اللہ جو بڑے تابعی ہیں، ان سے بھی مروی ہیں (خوابوں کی تفصیل کے لئے دیکھیں رحمہ اللہ: ۵۳۵-۵۳۸)

﴿باب فی أسباب الخواطر الباعثۃ علی الأعمال﴾

اعلم: أن الخواطر التي يجدها الإنسان في نفسه، وتبعته على العمل بموجبتها، لاجرم أن لها أسبابا، كسنة الله تعالى في سائر الحوادث. والنظر والتجربة يظهرون أن: منها: — وهو أعظمها — جيلة الإنسان التي خلق عليها، كما نبه النبي صلى الله عليه وسلم

فی الحدیث الذی رویناہ من قبل.

ومنها : مزاجہ الطبیعی، المستعیر بسبب التدبیر المحبط بہ: من الأكل والشرب وتحور ذلك، كالجائع بطلب الطعام، والظمآن بطلب الماء، والمغتلّم بطلب النساء، ورب إنسان يأكل غذاءً يُقوّی الباء فیمیل الی النساء، ویحدّث نفسه بأحادیث تتعلق بهن، وتصیر هذه مُهْجَةً له علی كثير من الأفعال؛ ورب إنسان یغتدی غذاءً شديداً فَبَقْسُوْ قلبه، ویجتري علی القتل، وبغضب فی كثير مما لا یعضب فیہ غیره؛ ثم إذا ارتاض هذان أنفسهما بالصيام والقيام، أو شایا وكبرا، أو مرضا مَوْضًا مُدْنَفًا، تَغَيَّرَ أَكْفَرُ مَا كَانَا عَلَيْهِ، وَرَغَّتْ قُلُوبُهُمَا، وَعَلَّتْ نَفْسُهُمَا، ولذلك ترى الاختلاف بين الشيوخ والشبان، ورخص النبي صلى الله عليه وسلم للشيخ فی القُبلة وهو صائم، ولم يرخص للشباب.

ومنها : العادات والمألوفات؛ فإن من أكثر ملايصة شيء، ونمكن من لوح نفسه ما يناسبه من الهیات والأشكال، مال إليه كثير من خواطره.

ومنها: أن النفس الناطقة فی بعض الأوقات، تنفلت من أسر البهيمية، فتختطف من خَيْرِ المألأ الأعلى مَا يَسُرُّ لَهَا من هيئة نورانية؛ فتكون نارة من باب الأنس والعُمانينة، ونارة من باب العزم علی الفعل.

ومنها: أن بعض النفوس الخميسة تتأثر من الشباطين، وتنصغ ببعض صيغهم، وربما اقتضت تلك الهيئة خواطر وأفعالا.

واعلم أن المنامات أَمْرُهَا كَأَمْرِ الْخَوَاطِرِ، غير أنها تنجرّد لَهَا النفسُ، فَتَشْبَحُ لَهَا صُورُهَا وَهَيَاتُهَا؛ وقال محمد بن سيرين: الرؤيا ثلاث: حديث النفس، وتخويف الشيطان، وبُشْرَى من الله.

ترجمہ: ان خیالات کے اسباب کا بیان جو اعمال کا باعث ہوتے ہیں: جان سمجھنے کہ وہ خیالات جن کو انسان اپنے دل میں پاتا ہے اور جو اس کو اپنے نقائص کے مطابق عمل کرنے پر ابھارتے ہیں، یقیناً ان کے لئے بھی اسباب ہیں، جیسا کہ اللہ کی سنت ہے دیگر حوادث (نئے پیدا ہونے والے واقعات) میں۔ اور غور و فکر اور تجزیہ ظاہر کرتے ہیں کہ:

ان میں سے ایک: — اور وہ اُن اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے — انسان کی وہ فطرت ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے، اس حدیث میں جس کو ہم نے پہلے (باب ۹) میں روایت کیا ہے۔

اور ان میں سے ایک: انسان کا مادی مزاج ہے، جو اس تدبیر کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے جو انسان کو گھیرے ہوئے

ہے یعنی کھانا پینا اور اس کے مانند، جیسے بھوکا کھانا چاہتا ہے، پیاسا پانی ڈھونڈھتا ہے، شہوت پرست عورتوں کو چاہتا ہے اور کچھ انسان ایسی غذا کھاتے ہیں جو قوتِ باہ کو قوتی کرتی ہے، پس وہ شخص عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور اپنے دل سے ایسی باتیں کرتا ہے جو عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ باتیں اس کو بہت سے کاموں پر برا بیچنے کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور کچھ انسان سخت غذا کھاتے ہیں، پس اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور وہ قتل پر جری ہو جاتا ہے اور وہ بہت سی ایسی جگہوں میں غصہ کرتا ہے، جہاں دوسرے کو غصہ نہیں آتا۔ پھر جب یہ دونوں اپنے نفس کو سدھالیتے ہیں (نفل) (روزوں اور نفل نمازوں سے یا بوڑھے ہو جاتے ہیں اور بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں، یا نڈھال کرنے والی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ان باتوں میں سے بیشتر باتیں بدل جاتی ہیں جو ان میں تھیں اور ان کے دل پتے ہو جاتے ہیں اور ان کے نفس پاکدامن ہو جاتے ہیں، اور اسی وجہ سے آپ بوڑھوں اور جوانوں کے درمیان (احکام میں) فرق پاتے ہیں اور اجازت دی نبی کریم ﷺ نے بوڑھے کو بوسہ لینے کی، روزے کی حالت میں، اور جوان کو اجازت نہ دی (آخر جہ مسائل فسی الموطا، جامع الاصول ۷: ۱۹۷)

اور ان میں سے ایک: عادات اور مألوفات ہیں، پس بیشک جس شخص کا کسی چیز کے ساتھ زیادہ تعلق ہوتا ہے اور اس کے دل کی تنگی میں اس چیز سے مناسبت رکھنے والی ہیئتیں اور شکلیں جم جاتی ہیں تو اس کی طرف اس کے بہت سے خیالات مائل ہو جاتے ہیں۔

اور ان میں سے ایک: یہ ہے کہ نفس ناخلاق بعض اوقات میں بے حیثیت کی قید سے چھوٹ جاتا ہے، پس وہ مآطی کی جگہ سے چھپٹ لیتا ہے وہ نورانی ہیئتیں جو اس کے لئے آسان کی جاتی ہیں، پس کبھی وہ انس وطمینت کے قبیل سے بن جاتی ہیں اور کبھی کام کا پختہ ارادہ کرنے کے قبیل سے ہو جاتی ہیں۔

اور ان میں سے ایک: یہ ہے کہ بعض نئے نفوس شیطانی سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کے کچھ رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں، اور کبھی یہ حالت خیالات اور اعمال کا تقاضا کرتی ہے۔

(فائدہ) اور جان لیجئے کہ خوابوں کا معاملہ خیالات کے معاملہ کی طرح ہے، البتہ خوابوں کے لئے نفس تنہا ہو جاتا ہے، پس خوابوں کی صورتیں اور ہیئتیں متشکل ہوتی ہیں۔ فرمایا حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے کہ خواب تین ہیں: دل کی باتیں (یعنی خیالات) اور شیطان کا ڈرانا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش خبری (حدیث متفق علیہ مشکوٰۃ کتاب الرؤیا حدیث نمبر ۴۱۳۱)

لغات:

الحواطر مفرد الخاطر: وہ امر یا تدبیر یا خیال جو دل میں گزرے اور کبھی دل اور نفس پر بھی مجازاً اطلاق کیا جاتا ہے۔

مؤجب: (صدر مبین) چاہتا، لازم ہونا، ثابت ہونا، موجب (اسم مفعول): جگم، تھانسا۔ جبلت: فطرت، طبیعت، جبلہ (ش
ن) جبلاً: پیدا کرنا۔ لا جرم اور لا جرم: یقیناً، ضروری۔ نظر: منطق کی اصطلاح ہے، معنی غور و فکر۔ مُغْتَلَم (صفت)
اغتم: شہوت پرست ہونا۔ الباءُ والہیئةُ والمُبوأُ والنباءُ: منزل، گھر، مجازی معنی: قوت، باہ، چونکہ گھر بسانے کے
لئے یہ قوت ضروری ہے۔ هیئۃ فیہا الشیء: ہر اشیئت کرنا، بھڑکانا۔ انماض المہر: بجھیرے کا سدھ جانا۔ شاب
یشیب شیباً: بوڑھا ہونا۔ کبوا (س) کبوا فی السن: عمر رسیدہ ہونا۔ اذلقہ العرض: بیماری نے اس کو لاغر کر دیا دلف
(س) السریض ذلقا: بیماری کا بڑھ جانا اور قریب المرگ ہونا۔ عفت (ض) عفتاً: پاک دامن ہونا۔ خیر: مکان، جگہ
جمع احیاز۔ تجرد: ننگا ہونا، تمام کاموں سے فارغ ہو کر مشغول ہونا۔
نوٹ: مخلوط کراچی اور مخلوط برلین میں یہ باب فصل کے عنوان سے ہے۔



باب — ۱۱

عمل کا نفس سے وابستہ ہونا اور اس کا ریکارڈ کیا جانا

انسان اور دیگر حیوانات میں فرق یہ ہے کہ انسان جب اپنے اختیار سے کوئی کام کرتا ہے، تو وہ عمل وجود میں آ کر شتم
نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے نفس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے یعنی دل میں اس کا اثر باقی رہتا ہے اور دیگر حیوانات کے
اعمال وجود پذیر ہو کر شتم ہو جاتے ہیں، ان کے دلوں میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ مثلاً ایک جانور بھاگتا ہے اور اپنی
جولان گاہ میں کسی کو ڈنخی کرتا ہے یا مار ڈالتا ہے تو اس کے دل کو اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی برا کام کیا۔ وہ
بار بار نقصان پہنچاتا ہے، اور اس کے نفس کا حال یکساں رہتا ہے۔ مگر انسان کی صورت حال جانوروں سے مختلف ہے۔
جب اس سے کوئی زیادتی ہو جاتی ہے تو اول و بلہ ہی میں وہ اپنے عمل سے متاثر ہوتا ہے، وہ نادم ہوتا ہے، اپنے آپ کو
ملامت کرتا ہے، اور کوشش کرتا ہے کہ وہ دوبارہ یہ غلطی نہ دہرائے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا کیا ہوا کام اس
کے نفس کے ساتھ چپک گیا ہے۔ اعمال صالحہ کا معاملہ بھی یہی ہے جانور اگر کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اسے کوئی خوشی
محسوس نہیں ہوتی اور انسان کا دل خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے، وہ پھولا نہیں سماتا، اس کے تن بدن میں شادمانی کی لہر دوڑ
جاتی ہے اور وہ متنا کرتا ہے کہ آئندہ بھی وہ ایسے اچھے کام کرتا رہے (رحمۃ اللہ علیہ ۲۷: ۲۸ پر یہ مضمون گذر چکا ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا ہر عمل خواہ نیک ہو یا بد، نفس کے دامن سے چٹ جاتا ہے اور وابستہ ہونے کے علاوہ اس
کو باقاعدہ ریکارڈ بھی کر لیا جاتا ہے۔ یہ سارا ریکارڈ محفوظ ہے، کل قیامت کے دن اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ سورۃ

الاسراء آیت ۳ میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ”اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا کر رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا نامہ اعمال اس کے سامنے کروں گے، جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا: پڑھو اپنا نامہ اعمال، آج تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے“

اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ: ”ہم نے ہر انسان کی گردن میں اس کا نامہ اعمال چپکا یا ہے“ یہ قرآنی تعبیر ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی کفّس کے دامن سے چپکنا کہا ہے۔ اور قیامت کے دن جو نامہ اعمال کھلی کتاب کی صورت میں اس کے سامنے رکھا جائے گا یہ وہی ریکارڈ ہے جو انسانی اعمال کا برابر تیار کیا جا رہا ہے۔

اور حدیث قدسی میں ہے کہ تم پر جو الائنس بلائیں اور خیرات و برکات نازل ہوتی ہیں: ”وہ تمہارے اعمال ہی ہیں، جو میں نے تمہارے لئے بیست کر رکھے ہیں، پھر میں وہ اعمال تم کو پورے پورے چکاؤں گا۔ پس جو شخص خیر پائے وہ اللہ کی تعریف کرے اور جو دوسری طرح کے احوال پائے وہ اپنے نفس ہی کو کہے“ کیونکہ وہ برے حالات تمہارے برے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اعمال بیست کر رکھے گئے ہیں، یہی اعمال کارڈ کیا جاتا ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: ”نفس آرزو کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق و تکذیب کرتی ہے“ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اعضاء کے رزاق کی خواہش اور تمنا دل کرتا ہے، معلوم ہوا کہ اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال کا تعلق دل سے ہے یہی اعمال کا نفس سے صادر ہونا ہے۔

﴿باب لُصُوقِ الْأَعْمَالِ بِالنَّفْسِ، وَإِحْصَائِهَا عَلَيْهَا﴾

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِيْ عُنُقِهِ، وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا، يَلْقَاهُ مَنْشُورًا، اقْرَأْ كِتَابَكَ، كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ حَسِيبًا﴾ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَؤُوسًا عَنْ رَبِّهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ، أَحْصَيْهَا عَلَيْكُمْ، ثُمَّ أَوْفَيْكُمْ بِهَا، فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللَّهَ، وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلْيَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ﴾ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿النَّفْسُ تَمْتَنِي وَتَشْتَبِي، وَالْفَرْجُ يَصْدُقُ ذَلِكَ وَيَكْذِبُهُ﴾

ترجمہ: نفس کے ساتھ اعمال کے چپکنے کا اور نفس کے خلاف ان کے ریکارڈ کئے جانے کا بیان: اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ”اور ہر انسان پر اس کی گردن میں اس کا پرندہ (اڑنے والا نامہ اعمال) ہم نے چپکا یا ہے، اور نکالیں گے ہم اس کے لئے قیامت کے دن ایک نوشتہ، ملاقات کرے گا وہ اس سے کھلے ہوئے ہوئے کی حالت میں، (کہا جائے گا) پڑھو تو تیرا نوشتہ، کافی ہے تو خود ہی آج تیرے خلاف حساب کرنے کے لئے“ — اور فرمایا نبی کریم ﷺ نے اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے: ”وہ (آفات و بلیات اور رحمت و برکات) تمہارے اعمال ہی ہیں،

سنت کر رکھ رہا تو میں ان کو تبارک خلاف، پھر پورا پورا چکاؤں گا میں تم کو وہ اعمال، پس جو شخص خیر پائے (یعنی اس کو ایتھے احوال پہنچیں) پس وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے، اور جو شخص اس کے علاوہ پائے (یعنی الایں پائیں اس کو پہنچیں) تو وہ ہرگز ملامت نہ کرے مگر اپنی ذات کو (رواہ مسلم ۱۳۳: ۱۶ مصری، مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب الاستغفار حدیث نمبر ۲۳۲۶) اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”نفس آرزو کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی تکذیب کرتی ہے، یعنی اگر شرمگاہ نے زنا کیا تو اس نے نفس کی خواہش پر صا کر دیا اور اگر نہ کیا تو اس نے نفس کی خواہش کو چھٹا دیا اور اس کی اطاعت نہ کی (حدیث شریف علیہ، مشکوٰۃ کتاب الایمان باب الایمان بالقدر حدیث نمبر ۸۶) لغات:

طاسو: اڑنے والا پرندہ، مراد نامہ اعمال، کیونکہ نامہ اعمال قیامت کے دن اڑائے جائیں گے حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کا مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہو، اور اس کو الفاظ کا جامہ آخضور ﷺ نے پہنایا ہو یعنی آپ نے اس مضمون کو اپنے الفاظ میں تعبیر فرمایا ہو اخصى الشیء شمار کرنا، گننا وفی توفیۃ اور اوفی ایفاء: پورا حق دینا۔



چار باتیں

اس باب میں شاہ صاحب چار باتیں بیان فرما رہے ہیں:

- (۱) اعمال و اخلاق کا نفس کی تھام سے پھوٹنا — انسان جو کام پوری سنجیدگی اور قصد و ارادہ سے کرتا ہے، اسی طرح اخلاق و صفات راخنی فی النفس، نفس ناطقہ کی جڑ سے پھوٹتے ہیں۔
- (۲) اعمال و اخلاق وجود پذیر ہو کر شتم نہیں ہو جاتے، بلکہ نفس کی طرف لوٹتے ہیں۔
- (۳) اختیاری اعمال و اخلاق نفس کی طرف لوٹ کر نفس کے دامن سے چٹ جاتے ہیں یعنی وابستہ ہو جاتے ہیں۔
- (۴) انسانی اعمال و اخلاق ریکارڈ کر لئے جاتے ہیں۔ ان کو سینٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔

۱۔ اعمال و اخلاق کا نفس کی جڑ سے اٹھنا

انسان جو کام پکے ارادے سے کرتا ہے، اسی طرح مکات راخنی فی النفس، جیسے بہادری و بزدلی اور سخاوت و بخلی وغیرہ، یہ سب نفس ناطقہ کی تھام سے اٹھتے ہیں۔ اوپر حدیث آئی ہے کہ زنا کی آرزو نفس کرتا ہے، اعضاء اس کی مطاعمت کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زنا جو ایک برا عمل ہے نفس ناطقہ کی جڑ سے ابھرتا ہے۔ یہی حال تمام نیک و بد اعمال کا ہے اور یہی معاملہ تمام اخلاق راخنی فی النفس کا ہے۔

انسان جوغل بھول، چوک، بغرض یا اکراہ کی وجہ سے کرتا ہے وہ بس سرسری اعمال ہوتے ہیں نفس ناطقہ کی تھاہ سے نہیں اٹھتے اسی طرح صفات عارضہ، جیسے کوئی خوش خبری سنی تو چہرہ دمک گیا یا کوئی رنج کی بات سنی تو تھوڑی دیر کے لئے چہرہ اتر گیا: یہ اعمال و اخلاق بھی نفس ناطقہ کی جڑ سے نہیں پھوٹتے۔

اور مذکورہ دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ آپ باب (۹) میں ملکیت اور بہیمیت اور ان کے باہمی اجتماع کی قسمیں پڑھ چکے ہیں اور قسم کا حکم بھی معلوم کر چکے ہیں۔ نیز باب (۱۰) میں خیالات کے اسباب سے بھی واقف ہو چکے ہیں کہ مادی مزاج کا غلبہ، ملائکہ یا شیاطین کا رنگ پکڑنا اور دیگر اسباب انسان کی جبلت اور فطری مناسبت کے مطابق عمل کرتے ہیں، پس ثابت ہوا کہ تمام اعمال و اخلاق کی کوٹھنے کی جگہ نفس ہے خواہ بلا واسطہ لوٹیں یا بالواسطہ، اگر اسباب کا لحاظ نہیں کریں گے تو تمام اعمال و اخلاق بلا واسطہ نفس کی طرف لوٹیں گے، اور اگر اسباب کا لحاظ کریں گے تو بالواسطہ (بواسطہ اسباب) لوٹیں گے۔

نباتات کا ماہر، پودا دیکھ کر ہی سمجھ جاتا ہے کہ آگے چل کر یہ کیسا درخت بنے گا۔ مثل ہے: ”ہو نہار پر دے کے چکنے چکنے پات“، یعنی جس پودے کے پتے خوب چکنے چکنے ہوں وہ آگے چل کر شامدار درخت بنتا ہے۔
جھوٹے کا بچپن ہی سے پتلا مزاج ہوتا ہے اور سمجھ دار لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اگر بچہ کا یہ مزاج جوان ہونے تک باقی رہا تو ضرور وہ عورتوں کی سی عادات اختیار کرے گا، ان کا سا پوشاک پہنے گا اور ان کی عادتیں اپنائے گا۔
ایک طبیب پچپان لیتا ہے کہ اگر فلاں بچہ اپنے فطری مزاج پر جوان ہوا اور کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئی تو وہ یا تو جوان رہنا ہوگا یا نحیف و زار ہوگا۔

یہ سب باتیں پہلے سے اس لئے معلوم ہو جاتی ہیں کہ درخت کی پوری صورت حال پوچھنے اور بیج سے نمودار ہوتی ہے، آدمی کی زندگی بھر کے احوال اس کی فطرت اور بچپن کے آثار ہوتے ہیں، ٹھیک اسی طرح اعمال و اخلاق کا منبع بھی نفس ہے، تمام اعمال و اخلاق نفس کی جڑ ہی سے ابھرتے ہیں۔

اعلم: أن الأعمال التي يقصدها الإنسان قصداً مؤكداً، والأخلاق التي هي راسخة فيه: تنبعث من أصل النفس الناطقة، ثم تعود إليها، ثم تتشعب بذليلها، وتخصني عليها.
أما الانبعاث منها: فلما عرفت: أن للملكية والبهيمة واجتماعهما أقساماً، ولكل قسم حكماً؛ وغلبة المزاج الطبيعي، والانصباع من الملائكة والشیاطین، ونحو ذلك من الأسباب، لاتكون إلا حسب ماتعطيه الجبله، ونحصل فيه المناسبه، فلذلك كان المرجع إلى أصل النفس، بوسط أو بغير وسط.

ألسن ترى المختص: فيخلق في أول أمره على مزاج ركيك، فيستدل به العارف على أنه إن شئت

علی مزاجہ، وجہ آن بغداد معادات النساء، ویتزکنا نزیہن، وینتجل رموہن و کذلک یدرک الطیب
آن الطفل إن شئت علی مزاجہ، ولم یفجأ عارض، کان قویا فارها، أو ضعیفا ضارعا۔

ترجمہ: یہ بات جان لیں کہ جو امثال انسان اپنے پختہ ارادے سے کرتا ہے اور جو اخلاق آدمی میں رائج ہوتے ہیں، ان کا ظہور نفسِ ناطق کی جڑ سے ہوتا ہے، پھر وہ نفس کی طرف لوٹتے ہیں، پھر وہ نفس کے دامن سے چٹ جاتے ہیں اور نفس کے خلاف سینت کر رکھتے جاتے ہیں۔

ربا نفس سے ظہور: تو اس کی دلیل وہ باتیں ہیں جو آپ جان چکے ہیں کہ قوتِ ملکہ اور قوتِ بہیمہ اور ان کے امتزاج کی مختلف قسمیں ہیں: اور ہر قسم کا حکم جدا ہے۔ اور (آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ) مادی مزاج کا غلبہ اور مانگہ اور شیطانی سے رنگ پکڑنا، نیز اس قسم کے دیگر اسباب نہیں ہوتے (یعنی عمل نہیں کرتے) مگر جبلت کے دینے اور آدمی میں مناسبت پیدا ہونے کے موافق، لہذا بالواسطہ یا بلا واسطہ نفس کی جڑ ہی مرجع (لوٹنے کی جگہ) ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بجز اشرار و عی سے کمزور مزاج پر پیدا کیا جاتا ہے، پس واقف کار اس مزاج سے اس بات پر استدلال کرتا ہے کہ اگر وہ اپنے مزاج پر جوان ہوا (اور اس کا کوئی علاج نہ ہوا) تو ضروری ہے کہ وہ عورتوں کی سی مادیتیں اپنائے، اور ان کی سی پوشاک پہنے، اور ان کے طور طریقوں کی طرف منسوب ہو۔

اور اسی طرح طیب سمجھ جاتا ہے کہ (فلاں) بچہ اگر اپنے مزاج پر جوان ہوا اور اچانک کوئی ماحض پیش نہ آیا تو وہ توانا قوی ہوگا یا کمزور لاغر ہوگا۔

لغات و ترکیب:

قصداً مؤکداً مرکب توصیفی، مفعول مطلق ہے۔ شئت حنیفاً و تشبہت بكذا: چھٹنا، متعلق ہونا غلۃ

المزاج الخ مبتدأ ہے اور لا ینکون الخ خبر ہے۔ مانعۃ میں ماضیہ ہے اور تحصیل کا تعطیہ پر عطف ہے
دیکھ: کمزور، ڈھیلا ڈھالا جمع رسکالہ، و رککۃ۔ تزی: آراستہ ہونا، تزیاً بنی القوم: قوم کا لباس پہننا الزی
ہیئت شکل، پوشش، کہا جاتا ہے اقبل بنی العرب: وہ عرب کے لباس میں آیا۔ انتحل: منسوب ہونا دوسرے کی چیز
اپنی طرف منسوب کرنا۔ الفارہ: خوب کھانے والا۔ حترع (ف، س، ک) کمزور ہونا۔

۲۔ اعمال و اخلاق کا نفس کی طرف لوٹنا

جب انسان کوئی کام بار بار کرتا ہے تو اس کی عادت پڑ جاتی ہے، پھر وہ کام سہولت ہونے لگتا ہے۔ اب اس کام کو کرنے کے لئے نہ بہت زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے نہ ارادہ و رحمت دینی پڑتی ہے، خود بخود آسانی سے وہ کام

ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کام وجود میں آکر بار بار نفس کی طرف لوٹتا ہے اور نفس اس کو قبول کرتا ہے تو نفس پر اس کا رنگ چڑھتا ہے اور رفتہ رفتہ نفس اس کام کے اثر سے رنگین ہو جاتا ہے، اس کو مشاق ہونا اور عادی ہونا بھی کہتے ہیں مثلاً ایک شخص نے آج قلم پکڑا ہے اور دوسرا شخص چھ ماہ سے کتابت سیکھ رہا ہے۔ آپ دونوں کو چار سطر میں کتابت کے لئے دیں، پہلا شخص آدھ گھنٹے میں کتابت کرے گا اور دوسرا پانچ منٹ میں لکھ دے گا اور اول سے بہتر لکھے گا، کیونکہ اس نے چھ ماہ تک جو کتابت کا فعل کیا ہے، وہ بار بار اس کے نفس کی طرف لوٹتا رہا ہے اور نفس اس سے متأثر ہوا ہے، اس وجہ سے اس کو کتابت کی مشق ہو گئی ہے۔

غرض ہم جنس اعمال کا نفس کی اثر پذیری میں دخل ہوتا ہے اگرچہ یہ دخل بوجھنی ہونے کے محسوس نہ ہو، اسی کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ فتنے دلوں پر اس طرح پیش کئے جاتے ہیں، جس طرح چٹائی بننے والا نکا نکا اٹھا کر رکھتا ہے اور تین چار گھنٹے میں چٹائی تیار ہو جاتی ہے، اسی طرح سارے فتنے دل پر ایک ساتھ بجوم نہیں کرتے، ایک ایک کر کے فتنے دل کو متاثر کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ دل مفتون ہو جاتا ہے۔

وَأَمَّا الْعُودُ إِلَيْهَا: فَلَا يَنْفَكُ الْإِنْسَانُ إِذَا عَمَلَ عَمَلًا، فَأَكْثَرَ مِنْهُ، اعْتَادَتْهُ النَّفْسُ، وَسَهْلٌ صَدُورُهُ مِنْهَا، وَلَمْ يَخْتِجْ إِلَى رَوْيَةٍ وَتَحْتَشِمُ دَاعِيَةً: فَلَا جَزَمَ أَنَّ النَّفْسَ نَافِثَةً مِنْهُ، وَقَبْلَ لَوْهٍ؛ وَلَا جَرَمَ أَنَّ لِكُلِّ عَمَلٍ مِنْ تِلْكَ الْأَعْمَالِ الْمُتَجَانِسَةِ مَدْخَلًا فِي ذَلِكَ النَّافِثِ، وَإِنْ ذَقَّ وَخَفِيَ مَكَانَهُ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ فِي قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿تُعْرَضُ الْقُلُوبُ عَلَى الْقَتَنِ عَلَى كَالْحَصْبِرِ عَوْذًا عَوْذًا، فَأَيُّ قَلْبٍ أَشْرَبَهَا نَكْتًا فِيهِ نَكْتَةُ سَوْدَاءٍ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نَكْتًا فِيهِ نَكْتَةُ بَيْضَاءٍ، حَتَّى تَصِيرَ عَلَى قَلْبَيْنِ: أَيْضٌ مِثْلَ الصَّفَا، فَلَا تَضُرُّهُ فَتْنَةُ مَادَامَتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضُ؛ وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًا كَالْكُوزِ مُجْتَحِيًا، لَا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا، وَلَا يَنْكُرُ مَنكَرًا، إِلَّا مَا أَشْرَبَ مِنْ هَوَاهُ﴾

ترجمہ: اور بار بار (اعمال کا) نفس کی طرف لوٹنا تو اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان جب کوئی کام کرتا ہے اور بار بار کرتا ہے تو نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس عمل کا نفس سے صادر ہونا آسان ہو جاتا ہے اور غور فکر اور ارادہ کو تکلیف دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، پس لامحالہ یہ بات ہے کہ نفس اس عمل سے متأثر ہوا ہے۔ اور نفس نے اس عمل کا رنگ قبول کر لیا ہے اور یقیناً یہ بات ہے کہ ان ایک جیسے اعمال میں سے ہر عمل کا اس اثر پذیری میں دخل ہے، اگرچہ وہ دخل باریک ہے اور اس کی جگہ پوشیدہ ہے (یعنی اس کا سمجھنا دشوار ہے) اور اسی دخل کی طرف اشارہ ہے اس ارشاد نبوی میں کہ: ”فتنۃ دلوں پر پیش کئے جاتے ہیں، چٹائی کی طرح تھکا تھکا کر کے، پس جودل بھی فتنے پلا دیا گیا ہے (یعنی فتنے اس میں بیوست ہو گئے ہیں فتنوں سے اس دل کو لچکسی ہو گئی ہے) اس دل میں ایک سیاہ دھبہ لگا دیا جاتا ہے۔ اور جودل فتنوں کو ناپسند کرتا ہے اس

میں ایک سفید نقطہ لگایا جاتا ہے، یہاں تک کہ دل و طرح کے ہو جاتے ہیں (ایک) سنگ سفید کی طرح سفید، پس اس کو کوئی قہر نہ رہے نہ پشیمان نہ چاہے ایک آسمان وزمین برقرار ہیں (یعنی تابد) اور دوسرا سیاہ بنیالا، اوندھی صراحی کی طرح وہ نہ کسی نیکی کو پہچانتا ہے اور نہ کسی برائی کو جانتا ہے، مگر وہی خواہش جو وہ پایا گیا ہے یعنی اس کی محبت میں اس کا دل گرفتار رہتا ہے (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، کتاب الفتن حدیث نمبر ۵۳۸۰)

لغات:

الروية: امور میں غور و فکر۔ نَحْشَمُ الْأَفْرَ: مشقت سے کام کرتا۔ غَوْذًا عَوْذًا: یوریل میں شکار ایک کے پیچھے ایک لگے جاتے ہیں، اسی طرح سے، اولں پر فتنے وارد ہوتے ہیں۔ اَرْسَدَ اِزْبَدَا، وَاَرْسَدَا اِزْبَدَا: خاکستری رنگ والا ہونا۔ مَحْشِيًّا (مفعول) مَحْشِيًّا (اسم فاعل) سرنگوں تجھی الکوز: سرنگوں ہونا، اوندھا ہونا، اوندھی کی ہوئی صراحی میں کچھ بھی نہیں بھرا جاسکتا، جو کچھ اس میں ڈالا جائے گا، وہ فوراً نکل جائے گا، اسی طرح اس دل میں بھی کوئی خیر کی بات نہیں ڈالی جاسکتی۔

۳۔ اعمال و اخلاق کا نفس کے دامن سے چمٹنا

اس مضمون کو سمجھنے کے لئے پہلے دو باتیں سمجھنی ضروری ہیں:

(۱) بچے کا نفس شروع میں بیوقوفانی ہوتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو آغاز میں اس کا نفس بیوقوفی جیسی کیفیت میں ہوتا ہے، جس طرح بیوقوفی میں کوئی صورت نہیں ہوتی مگر اس میں ہر صورت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اسی طرح بچے کے ذہن میں بھی کوئی صورت نہیں ہوتی مگر اس میں ہر صورت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، یا جیسے کوری تختی ہر نقش سے خالی ہوتی ہے مگر اس میں ہر نقش کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اس پر جو چاہیں لکھ سکتے ہیں، اسی طرح ابتدائے آفرینش میں بچہ کا ذہن کوراء ہر نقش سے خالی ہوتا ہے مگر اس میں ہر نقش کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ پھر بچہ جوں جوں بڑھتا ہے اس کے نفس میں صورتیں، معنی شروع ہو جاتی ہیں یہی نفس کا تدریجاً قوت سے فعل کی طرف نکلتا ہے۔

نوٹ: بیوقوفی یونانی زبان کا لفظ ہے، اس کے لغوی معنی اصل اور مادہ کے ہیں اور اصطلاح میں بیوقوفی: اجسام طبعیہ کا وہ جو ہری جزء ہے جو اتصال و انفصال کو قبول کرتا ہے۔ اور خود اس کی نہ کوئی خاص شکل ہوتی ہے نہ کوئی معین صورت، البتہ وہ ہر شکل اور ہر صورت کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے، جیسے موم، اس کی کوئی خاص صورت نہیں، مگر اس میں ہر صورت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ موم جب بھی پایا جائے گا کسی نہ کسی صورت میں پایا جائے گا، وہ گول ڈلی ہوگا، بیورتا ہوگا، چوکور ہوگا یا کسی اور صورت میں ہوگا، موم کسی معین صورت کے بغیر خارج میں نہیں پایا جاسکتا مگر وہ خاص صورت کا محتاج نہیں، یہی حال بیوقوفی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم مادی کی تمام چیزیں بیوقوفی سے بنائی ہیں وہ جسم کے دونوں جوہری اجزاء:

صورت جسمیہ اور صورت نوعیہ کے محل ہے، مزید تفصیل کے لئے زمین الفلسفہ دیکھیں۔

(۲) اعمال و اخلاق سلسلہ مُعَدَّات ہیں — مُعَد (اسم فاعل) کے لغوی معنی ہیں تیار کرنے والا، اور اصطلاحی معنی ہیں: ”وہ چیز جو موجود ہو کر ختم ہو جائے، تب دوسری چیز وجود میں آئے“ یہ علت ناقصہ کی ایک قسم ہے، جیسے اعداد سلسلہ مُعَدَّات ہیں، جب ایک عدد موجود ہو کر ختم ہو جاتا ہے تو اگلا عدد وجود میں آتا ہے، مثلاً پانچ اس وقت چھ بنتا ہے جب اس میں ایک شامل ہو جائے اور جب ایک شامل ہو گیا تو پانچ باقی نہیں رہا۔

اسی طرح چھ والے کے قدم سلسلہ مُعَدَّات ہیں، کیونکہ جب پیر اٹھتا ہے، اور موجودہ قدم ختم ہوتا ہے، تب اگلا قدم وجود میں آتا ہے۔

اور مُعَدَّات کے تمام افراد سلسلہ وار مرتب ہوتے ہیں، ان کا ہر فرد اپنی جگہ پر رہتا ہے، نہ مقدم مؤخر ہو سکتا ہے نہ مؤخر مقدم، زمانہ کے اعتبار سے ان میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی اور ہر مابعد فرد میں ماسبق افراد کا حکم موجود رہتا ہے، چھ میں پانچ موجود ہیں، اسی طرح کسی جگہ تک جس قدموں میں پہنچا جاتا ہے تو ہر مؤخر قدم میں پہلے والے اقدام کا حکم موجود ہوتا ہے اسی وجہ سے ان کو دوسرا، تیسرا، چوتھا قدم کہتے ہیں، اگر سابق افراد کا حکم موجود نہ ہوتا تو ہر قدم کو صرف قدم کہتے فلاں نمبر کا قدم نہ کہتے۔

غرض انسان کے اختیاری اعمال اور صفات و ملکات راسخہ بھی سلسلہ مُعَدَّات ہیں، ہر مابعد عمل میں اور ہر مابعد حالت میں سابق تمام افراد و احوال کا حکم موجود ہوتا ہے۔ فی الوقت کا تب جو کچھ لکھ رہا ہے یا فی الحال آدمی میں جو اچھی بری صفت موجود ہے، اس میں گزشتہ زمانہ میں جو کچھ لکھا ہے یا جو جو احوال پیش آئے ہیں ان سب کا اثر موجود ہے، اگرچہ موجودہ عمل میں اور موجودہ حالت میں مشغول ہونے کی وجہ سے ماسبق مُعَدَّات کے اثرات کے موجود ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ چھ میں پانچ کے موجود ہونے کا احساس کس کو ہوتا ہے؟ مگر چھ میں پانچ بہر حال موجود ہیں۔ یہی مطلب ہے اعمال و اخلاق کے نفس کے ساتھ چمٹنے کا، کیونکہ موجودہ عمل وجود میں آ کر نفس کی طرف لوٹتا ہے اور اس میں سابق تمام افراد کے اثرات موجود ہیں، پس تمام اعمال نفس سے چمٹے ہوئے ہیں، یہی صورت حال صفات کی ہے، موجودہ صفت کے بنانے میں سابق تمام احوال کا دخل ہے، آج آدمی جو بہادر ہے تو وہ گزشتہ تمام کارناموں کا نتیجہ ہے۔

مگر یہ اعمال و اخلاق جو نفس کے دامن سے وابستہ ہیں، کبھی چھوٹ بھی جاتے ہیں اور ایسا دوسو رنگوں میں ہوتا ہے: (الف) جب آدمی میں دھوت باقی نہ رہے جس سے برائی صادر ہوتی ہے۔ آدمی بوڑھا ہو جائے یا نڈھال کرنے والی بیماری میں مبتلا ہو جائے اور گناہ کرنے کی سکت باقی نہ رہے تو گزشتہ اعمال بد کے اثرات ختم ہو جائیں گے، آدمی میں بار بار گناہ کرنے سے جو ”لت“ پڑ جاتی ہے، جو گناہ کے لئے گدگداتی رہتی ہے اور جس میں گناہ کے سابقہ تمام افراد کے اثرات موجود ہوتے ہیں وہ ”لت“ ختم ہو جاتی ہے مگر ان کا جو ریکارڈ تیار ہوا ہے وہ باقی رہتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔

(ب) تقدیر الہی سے اچانک کوئی اچھی یا بری حالت پیش آجائے جو احوال کو بدل کر رکھ دے، جیسے کوئی ایسی بےی کرنے کی توفیق مل گئی: اسلام قبول کر لیا، یا حج کی توفیق مل گئی، جن سے سابقہ گناہ مٹ گئے جیسا کہ قرآن میں ضابطہ آیا ہے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور حدیث میں ہے کہ توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں یعنی سارا پکار ڈھل جاتا ہے اور وہ جن شرک میں مبتلا ہو جائے تو اس کے سابقہ تمام اعمال صالحہ کا رت ہو جاتے ہیں۔ غرض مذکورہ دو صورتیں مستثنیٰ کر کے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ انسان کے تمام اعمال و اخلاق نفس کے دامن سے وابستہ رہتے ہیں، وہ موجود ہو کر ختم نہیں ہو جاتے۔

وَأَمَّا التَّشَبُّهُ بِذِيلِهَا : فَلَأَنَّ النَّفْسَ فِي أَوَّلِ أَمْرِهَا تُخَلَقُ هَيُولًا لَّيْنَةً، فَارْعُذُ عَنْ جَمِيعِ مَا تَنْصَبُغُ بِهِ، ثُمَّ لَا تَزَالِ تَخْرُجُ مِنَ الْقُوَّةِ إِلَى الْفِعْلِ يَوْمًا فَيَوْمًا؛ وَكُلُّ حَالَةٍ مُتَاخِرَةٍ لَهَا مُعَدَّةٌ مِنْ قَبْلِهَا؛ وَالْمُعَدَّاتُ كُلُّهَا سِلْسَلَةٌ مَرْتَبَةٌ، لَا يَتَقَدَّمُ مُتَاخِرُهَا عَلَى مُتَقَدِّمٍ، مُنْتَضِحَةٌ فِي هَيْئَةِ النَّفْسِ الْمَوْجُودَةِ الْيَوْمَ حَكَمٌ كُلُّ مُعَدَّةٍ قَبْلِهَا، وَإِنْ خَفِيَ عَلَيْهَا بِسَبَبِ اشْتِغَالِهَا بِمَا هُوَ خَارِجٌ مِنْهَا؛ أَلَا أَنْ يَفْضِيَ حَامِلُ الْقُوَّةِ، الْمُنْتَعِنَةُ تِلْكَ الْأَعْمَالُ مِنْهَا، كَمَا ذَكَرْنَا فِي الشَّيْخِ وَالْمَرِيضِ، أَوْ نَهَضْتُمْ عَلَيْهَا هَيْئَةً مِنْ فَوْقِهَا، نُغَيِّرُ نِظَامَهَا كَالنُّغْيَرِ الْمَذْكُورِ، كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ وَقَالَ: ﴿لَنْ أَشْرَكَتَ لِيْخْبِطَنَّ عَمَلُكَ﴾

ترجمہ: اور بال نفس کے دامن کے ساتھ چمٹنا: تو اس کی دلیل یہ ہے کہ نفس ابتداءً آفرینش میں ہیولی جیسی حالت میں پیدا کیا جاتا ہے، دراصل ایک وہ ان تمام چیزوں سے خالی ہوتا ہے جن کے ساتھ (آئندہ) وہ رکن ہوتا ہے، پھر دن بہ دن نفس قوت (ہو سکنے) سے فعل (ہونے) کی طرف ہٹتا رہتا ہے اور ہر پچھلی حالت کے لئے ایک تیار کرنے والا ہے اس کے پہلے سے (یعنی معد کے تیار کرنے سے پہلے حالت موجود ہوتی ہے) اور معدات تمام کے تمام سلسلہ وار، مرتب ہوتے ہیں، ان کا پچھلا پہلے پر مقدم نہیں ہو سکتا، نفس کی آج موجودہ حالت ساتھ لینے والی ہے اس سے پہلے کے ہر معد کے حکم کو، اگرچہ نفس پر یہ بات پوشیدہ ہوتی ہے، اس کے اس عمل میں مشغول ہونے کی وجہ سے جو اس سے (فی الحال) صادر ہو رہا ہے۔ اے اللہ! مگر یہ کہ اس قوت کا حامل ہی ختم ہو جائے جس سے وہ اعمال ابھرنے والے ہیں، جیسا کہ ہم نے بوڑھے اور بیمار کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔ یا نفس پر ادھر سے کوئی ایسی حالت آدھیکے جو اس کے نظام کو تبدیل کر دے مذکورہ (شیخ اور مریض کی حالت کی) تبدیلی کی طرح، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”پیشک نیک کام (نام اعمال سے) برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں“ (ہودہ ۱۱) اور ارشاد فرمایا: ”(اے عام مخاطب!) اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا“ (الزمرہ ۶۵)

لغات: نَبَسْتُ بكذا: چمٹا، متعلق ہونا... استنصحبہ: ساتھ لینا۔ نَهَجَمَ عَلَى الشَّيْءِ: کسی چیز پر اچانک آپڑنا۔ هَيْئَةُ النَّفْسِ اِی صورتِهَا الْحَاصِلَةُ مِنْ اُورَاحِ الْاَعْمَالِ.

ترکیب:

کُلُّ حَالَةٍ مُنَاحِرَةٍ مُبْتَدَاً ہے، اور جملہ اِلْهَامُ مُعَدُّ قَبْرٌ ہے۔ لٰہِیَا خیر مقدم ہے اور مُعَدُّ مُبْتَدَاً مؤخر ہے۔ الْمَعْدَاتُ کُلُّهَا مُبْتَدَاً ہے، سلسلہ اِلْخِ بکلی خیر ہے، مَنَرِیۃً پہلی صفت ہے خیر کی اور جملہ لَا یَتَقَدَّمُ دوسری صفت ہے۔ مُنْصَصِبٌ (اسم فاعل) دوسری خبر ہے۔ مُنْصَصِبٌ (اسم فاعل) کا فاعل ہو ضمیر متستر ہے جو معدی طرف رابع ہے الموجودہ صفت ہے ہَبْنَةٍ اور اَلْیَوْمَ صفت کا ظرف ہے، حَکَمَ اِلْخِ مَفْعُولٌ ہے مُنْصَصِبٌ کا۔ ترجمہ: اور ہر پچھلی حالت اس کے لئے ایک مُعَدَّة (تیار کرنے والا) ہے اس کے ماقبل سے، اور تمام معدات ایک ترتیب وار سلسلہ ہیں، اس سلسلہ کا پچھلا احترام نہیں ہوتا پہلے والے پر، ساتھ لینے والا ہے وہ معدۂ آخِ نفس میں پائی جانے والی صورتِ حاصلہ میں ماسبق ہر معدہ کے حکم کو یعنی چھ ماہ کتابت سیکھنے کے بعد آج جو استعدادِ نفس میں پائی جاتی ہے اس میں چھ ماہ تک مسلسل لکھنے کا حکم موجود ہے۔ الْمُنْبَعِثَةُ صفت ہے الْفَوْذِ کی اور نِلَکَ الْاَعْمَالِ فاعل ہے الْمُنْبَعِثَةُ کا۔

۴ — اعمال و اخلاق کا ریکارڈ کیا جاتا

واقعہ یہ ہے کہ انسان کے تمام اعتیاداری اعمال اور تمام ہکات راسخہ ریکارڈ کئے جاتے ہیں، ہَبَاءٌ مُنْقُذٌ اَنْہِیْنِ ہو جاتے۔ نصوص میں اس کی طرف اشارے آئے ہیں۔ مثلاً یہ ارشاد کہ: ”انسان کوئی لفظ منہ سے نکالے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ایک تاک لگانے والا تیار ہے“ (ق ۱۸) اور یہ ارشاد کہ ”قیامت کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے“ (بس ۶۵) اور سورۃ الزلزال کی تفسیر میں ترمذی شریف میں صحیح حدیث مروی ہے کہ قیامت کے دن نبی آدم نے جو برے بھلے کام زمین پر کئے ہیں، زمین سب کو ظاہر کر دے گی، مثلاً کہے گی: فلاں نے مجھ پر نماز پڑھی تھی، فلاں نے چوری کی تھی، فلاں نے خون ناحق کیا تھا، وغیرہ لک۔ گویا آج کل کی زبان میں یوں کہیں کہ جس قدر اعمال زمین پر کئے جاتے ہیں، زمین میں ان سب کے ریکارڈ موجود رہتے ہیں، قیامت میں وہ پروں درگاہ کے حکم سے کھول دئے جائیں گے (فوائد عثمانی)

اب رہی یہ بات کہ ریکارڈ کرنے کی صورت کیا ہوتی ہے؟ تو نصوص میں اس کی وضاحت نہیں آئی۔ اور انسان کے لئے یہ بات چنداں اہمیت کی حامل بھی نہیں، کائنات کے تمام اسرار و رموز انسان کو سمجھنا ناممکن ہیں۔ انسان کے لئے تو بس اتنی بات کافی ہے کہ اس کو ہوشیار کر دیا جائے کہ تیرا ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے تاکہ وہ سنبھل کر زندگی گزارے، اور یہ بات بار بار مختلف ہیرایوں میں قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے۔

مگر شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ کتاب چونکہ اسرار و رموز سمجھانے کے لئے ہے، اس لئے آپ اپنے ذوق و وجدان سے اس کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ عالم بالا میں وہاں کے نظام کے مطابق ہر انسان کا ایک مثنیٰ (Duplicat) ہے، عہد الست میں انسانوں سے جو عہد و بیان لیا گیا ہے وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے یعنی وہ عہد و بیان انسانوں کے مثنیٰ سے لیا گیا تھا۔ پھر جب انسان اپنے وقت میں دنیا میں وجود پذیر ہوتا ہے تو وہ عالم بالا والا انسان ہی ہوتا ہے یعنی اُس کی صورت اس پر منطبق ہوتی ہے اور وہ اور یہ ایک ہوتے ہیں۔

غرض انسان کا یہ مثنیٰ شپ ریکارڈ ہے۔ دنیا میں جب بھی کوئی انسان کوئی اچھا یا برا عمل کرتا ہے تو فطری طور پر بے اختیار وہ مثنیٰ مندرج یا منقض ہوتا ہے، گویا انسان کے اعمال کی اُس بالائی صورت میں ریکارڈنگ ہو رہی ہے۔

یہی ریکارڈنگ میدان قیامت میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوگی، کبھی تو ایسا ظاہر ہوگا کہ سب کچھ عالم بالا میں محفوظ کر لیا گیا ہے چنانچہ نامہ اعمال تقسیم کئے جائیں گے، لوگ ان کو پڑھیں گے اور کبھی ایسا محسوس ہوگا کہ اعمال انسان کے اعضاء کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، چنانچہ میدان قیامت میں انسان کے ہاتھ پیر بولیں گے اور اعمال کی گواہی دیں گے۔

فائدہ: ہر عمل خود بخود بتا دیتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اس کی جزاء کیا ہے؟ امتحان میں پرچہ لکھنے کے بعد طالب عالم خود فیصلہ کر لیتا ہے کہ وہ کامیاب ہوگا یا فیل؟ چنانچہ فرشتے نامہ اعمال میں عمل کے ساتھ ساتھ اس کی جزاء بھی لکھتے جاتے ہیں، مگر بعض اعمال کی جزاء فرشتوں کی سمجھ میں نہیں آتی تو ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ بس عمل لکھ لو اور بدلہ کا خانہ خالی چھوڑ دو، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بذات خود اس کا بدلہ ظاہر فرمائیں گے، حدیث قدسی میں ہے کہ: ”بندے نے روزہ میرے لئے رکھا ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا“ یعنی فرشتے ہر شخص کے روزے کے ثواب کو نہیں سمجھ پاتے وہ صرف روزوں کو لکھ لیتے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کا ثواب بذات خود ظاہر فرمائیں گے اور اتنا ثواب دیں گے کہ بندہ خوش خوش ہو جائے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: ”روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک بوقت افطار دوسری اللہ سے ملاقات کے وقت (جب اس کو روزوں کا ثواب دیا جائے گا) (فائدہ ختم ہوا)

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اعمال کے ریکارڈ ہونے کی جو صورت بیان کی ہے، اس کی تائید میں امام غزالی رحمہ اللہ کی ایک عبارت لائے ہیں۔ امام غزالی نے ایک دوسرے مسئلہ میں اسی طرح کی بات کہی ہے جس طرح کی بات شاہ صاحب نے احصائے اعمال کے سلسلہ میں فرمائی ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ حج کا مکان و ما کیون لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ لوح کیا ہے؟ اور اس میں کس طرح لکھا ہوا ہے؟ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور حج کا مکان و ما کیون اس مخلوق کے دماغ میں محفوظ ہے، اس مخلوق کو قرآن میں کہیں لوح (مثنیٰ) کہیں کتاب مبین (واضح نوشتہ) اور کہیں امام مبین (واضح رجسٹر) کہا گیا ہے اور جو باتیں لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں وہ آنکھ سے نظر نہیں آسکتیں، کیونکہ وہ محنتی لکڑی کی یا لوہے کی یا ہڈی کی بنی ہوئی نہیں ہے اور وہ کتاب کا نند

یاچوں کی نہیں ہے، اس کو اس طرح سمجھئے کہ جس طرح اللہ کی ذات و صفات مخلوق کی ذات و صفات کے مشابہ نہیں، اسی طرح اللہ کی حقیقی مخلوق کی حقیقی کے مشابہ نہیں اور اللہ کی کتاب مخلوق کی کتاب کے مشابہ نہیں۔ پھر وہ کس طرح کی کتاب ہے؟ اور اس میں کس طرح لکھا ہوا ہے؟ امام غزالی رحمہ اللہ اس کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں کہ جس طرح حافظ قرآن کے دل و دماغ میں قرآن کے کلمات و حروف محفوظ ہوتے ہیں، اسی طرح ساری باتیں لوح محفوظ کے حافظ میں محفوظ ہیں۔ حافظ قرآن کے دماغ میں سارا قرآن لکھا ہوا ہوتا ہے، جب حافظ پڑھتا ہے تو اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ قرآن میں دیکھ کر پڑھ رہا ہے، لیکن اگر آپ حافظ قرآن کے دماغ کے ایک ایک جزء کا جائزہ لیں تو آپ کو کہیں کوئی حرف لکھا ہوا نہیں ملے گا۔ اسی انداز پر لوح محفوظ کو سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو باتیں طے فرمادی ہیں، اور جن باتوں کے فیصلے ہو چکے ہیں وہ ساری باتیں لوح محفوظ میں بھری ہوئی ہیں (امام غزالی کی بات پوری ہوئی)

اسی طرح انسان کا عمل بھی اُس کی اُس صورت میں جو عالم بالا میں پائی جاتی ہے ریکارڈ ہوتا رہتا ہے، مگر یہ ریکارڈ تنگ دنیا کی ریکارڈ تنگ کی طرح نہیں، بلکہ اس صورت کی قوت خیالیہ میں سب باتیں محفوظ ہوتی رہتی ہیں۔

اعمال کے ریکارڈ ہونے کی ایک اور دلیل: آدمی جو بھی اچھا برا عمل کرتا ہے وہ اس کو بھولتا نہیں، بار بار یاد کرتا ہے، اور اس کے اچھے برے بدلے کی توقع رکھتا ہے، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کا عمل ختم نہیں ہوا، بلکہ محفوظ ہے واللہ اعلم

وَأَمَّا الإِحْصَاءُ عَلَيْهَا: فَيُسْرُهُ عَلَى مَا وَجَدْتَهُ بِالذُّوقِ: أَنْ فِي الْحِزْنِ الشَّاهِقِ تَظْهِيرُ صُورَةٍ لِكُلِّ إِنْسَانٍ يَمَّا يَعْطِيهِ النِّظَامُ الْفَوْقَانِي — وَالَّتِي ظَهَرَتْ فِي قِصَّةِ الْمِثَاقِ شُعْبَةً مِنْهَا — فَبَإِذَا عَمِلَ عَمَلًا أَنْشَرَحَتْ هَذِهِ الصُّورَةُ بِذَلِكَ الْعَمَلِ انْشِرَاحًا طَبِيعِيًّا، بِإِلَّا اخْتِيَارًا مِنْهُ، فَرَبَّمَا تَظْهِرُ فِي الْمَعَادِ: أَنَّ أَعْمَالَهَا مُخَصَّصَةٌ عَلَيْهِمَا مِنْ فَوْقِهَا؛ وَمِنْهُ: قِرَاءَةُ الصُّحُفِ؛ وَرَبَّمَا تَظْهِرُ أَنَّ أَعْمَالَهَا فِيهَا؛ وَمُتَشَبِّهَةٌ بِأَعْمَالِهَا، وَمِنْهُ: نُطْقُ الْأَيْدِي وَالْأَرْجُلِ.

ثم كل صورة عمل مُفَصَّحَةٌ عَنْ ثَمَرَتِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ؛ وَرَبَّمَا تَتَوَقَّفُ الْمَلَائِكَةُ فِي تَصْوِيرِهِ، فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿اكْتُبُوا الْعَمَلُ كَمَا هُوَ﴾

قال الغزالي: كُلُّ مَا قَدَّرَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ ابْتِدَاءِ خَلْقِ الْعَالَمِ إِلَى آخِرِهِ مَسْطُورٌ وَمُثَبَّتٌ فِي خَلْقِي، خَلَقَهُ اللَّهُ تَعَالَى، يُعْبَرُ عَنْهُ نَارَةٌ بِاللُّوْحِ، وَنَارَةٌ بِالْكِتَابِ الْمُبِينِ، وَنَارَةٌ بِإِمَامٍ مُبِينٍ، كَمَا وَرَدَ فِي الْقُرْآنِ؛ فَجَمِيعٌ مَا جَرَى فِي الْعَالَمِ وَمَا سَجَرِي مَكْتُوبٌ فِيهِ، وَمَنْقُوشٌ عَلَيْهِ نَقْشًا لَا يُشَاهَدُ بِهِ الْعَيْنُ.

وَلَا تَطْغَنَنَّ أَنْ ذَلِكَ الْلُوحُ مِنْ خَشَبٍ أَوْ حَدِيدٍ أَوْ عَظْمٍ، وَأَنَّ الْكِتَابَ مِنْ كَاغَذٍ أَوْ وَرَقٍ؛ بَلْ يَنْبَغِي أَنْ تَفْهَمَ قَطْعًا: أَنَّ لَوْحَ اللَّهِ لَا يُشَبِّهُ لَوْحَ الْخَلْقِ، وَكِتَابُ اللَّهِ تَعَالَى لَا يُشَبِّهُ كِتَابَ الْخَلْقِ، كَمَا أَنَّ ذَاتَهُ وَصِفَاتِهِ لَا تُشَبِّهُ ذَاتَ الْخَلْقِ وَصِفَاتِهِمْ.

بل ان کست تطلب له مثلاً یقرُّبه اِلی فهمک فاعلم ان ثبوت المقادیر فی اللوح المحفوظ یضاهِی ثبوت کلمات القرآن وحروفه فی دماغ حافظ القرآن وقلبه، فانه مسطور فيه، حتی کانه حیث یقرأ یُنظر اِلیه؛ ولو قُتِشت دماغه جزءً اِجزءً، لم تُشاهد من ذلك الخط حرفاً؛ فمن هذا النمط ینبغی ان تفهم کون اللوح منقوشاً بجمیع ما قَدَّرَهُ اللهُ تَعَالَى وقضاهُ (انتهی) ثم کثیراً ما تذکر النفس ما عملته من خیر أو شر، وتتوقع جزاءً، فیکون ذلك وجهاً آخر من وجوه استقرار عمله، والله اعلم.

ترجمہ: اور ہائے نفس کے خلاف ریاکاروں کو بتانا تو اس کا راز اس طور پر جس کو میں نے ذوق سے پایا ہے یہ ہے کہ عالم بالائیں ہر انسان کی ایک صورت ظاہر ہوتی ہے، نظام فوقانی کی دین کے مطابق — اور وہ صورت جو میثاق کے واقعہ میں ظاہر ہوتی تھی وہ اسی کی ایک شاخ تھی — پھر جب یہ شخص پایا جاتا ہے تو وہ صورت اس پر منطبق ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ پھر جب یہ شخص کوئی (نیک) عمل کرتا ہے تو یہ (فوقانی) صورت اس عمل کی وجہ سے منشرح ہوتی ہے، فطری طور پر منشرح ہونا، اس کے اختیار کے بغیر، پس کبھی قیامت میں ظاہر ہوگا کہ اس صورت کے اعمال اس کے خلاف اس کے اوپر سے ریاکاروں کو دکھائے گئے ہیں اور نامہ اعمال کا پڑھنا اسی قبیل سے ہے، اور کبھی ظاہر ہوگا کہ اس کے اعمال اسی (نامہ اعمال) میں ہیں، اور اس کے اعضاء کے ساتھ چمٹنے والے ہیں۔ اور ہاتھوں اور پیروں کا بولنا اسی قبیل سے ہے۔

پھر عمل کی ہر صورت واضح کرنے والی ہے دنیا و آخرت میں عمل کے ثمرہ کو، اور کبھی ملائکہ ہچکچاتے ہیں عمل کی تصویر کشی میں (یعنی ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کتنا ثواب لکھیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”عمل کو جیسا وہ ہے لکھ لو“ (رداء احمد، ترقیب مندرجہ ۲: ۴۳۳)

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ تمام باتیں جو اللہ تعالیٰ نے طے فرمادی ہیں، عالم کی پیدائش کے آغاز سے اس کے آخر تک، سب لکھی ہوئی اور ثابت کی ہوئی ہیں ایک ایسی مخلوق میں جس کو اللہ تعالیٰ نے (اسی غرض سے) پیدا کیا ہے، جس کو کبھی لوح سے، کبھی کتاب میں سے، اور کبھی امام مبین سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے، پس تمام وہ باتیں جو عالم میں ہو چکی ہیں اور جو آئندہ ہوں گی، اس مخلوق میں لکھی ہوئی ہیں اور اس مخلوق پر نقش ہیں ایسے نقوش سے جو اس آنکھ سے نہیں دیکھے جاسکتے۔

اور آپ ہرگز گمان نہ کریں کہ وہ سختی گزری کی یا لوہے کی یا ہڈی کی ہے اور یہ کہ کتاب کا مذکب یا پتوں کی ہے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ قطعی طور پر اس طرح سمجھیں کہ اللہ کی سختی مخلوق کی سختی کے مشابہ نہیں ہے۔ اور اللہ کی کتاب مخلوق کی کتاب کے مشابہ نہیں ہے، جیسا کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات مخلوق کی ذات اور ان کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔

بلکہ اگر آپ لوح محفوظ کی کوئی ایسی مثال چاہتے ہیں جو اس کو آپ کے ذہن سے قریب کرنے تو جان لیں کہ طے کردہ باتوں کا ثبوت لوح محفوظ میں مشابہ ہے کلمات قرآن اور اس کے حروف کے ثبوت کے، حافظ قرآن کے دل و دماغ میں، پس یقیناً قرآن لکھا ہوا ہے حافظ کے دماغ میں، یہاں تک کہ گویا حافظ پڑھتا ہے دراصل ایک وہ دیکھ رہا ہے، اس لکھے ہوئے کو۔ اور اگر آپ اس کے دماغ کے ایک ایک جز کی تلاشی لیں تو آپ اس تحریر میں سے ایک حرف کو بھی نہیں دیکھیں گے۔ پس اسی انداز سے مناسب ہے کہ آپ سمجھیں لوح محفوظ میں ان تمام چیزوں کے لکھے ہوئے ہونے کو، جو اللہ تعالیٰ نے طے کی ہیں اور جن کا فیصلہ کیا ہے (تمام شد)

پھر بارہا نفس یاد کرتا ہے اُن بھلی بری باتوں کو جو اس نے کی ہیں، اور امید لگاتا ہے وہ اس کے بدلہ کی، پس ہوتی ہے وہ ایک دوسری وجہ اس کے کمل کے ثبوت کی وجہ میں سے، واللہ اعلم۔

لغات :

ذوق: کے لغوی معنی ہیں طبیعت کا اندازہ اور شاہ صاحب کی اصطلاح میں ایک مخصوص وہی علم کا نام ذوق ہے التفہیمات جلد دوم تنہیم ۱۲۲ میں ہے الذوق: وهو منصب الحكيم، وحده: العلم الذي ينزل عليه من حيث ينزل عليه سر وجوده. مولانا سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اعلم ان اصطلاح المصنف ان رؤية الشيء بالنور الحاصل من حظيرة القدس ومعرفته به يقال له: الذوق اه..... بمابعضہ میں مامود یہ ہے... مفصحة (اسم فاعل) أفصح عن الشيء: ظاہر کرنا، بیان کرنا..... قوله: مفصحة أي مظهرة، قال العلامة: تكتب الحفظة الأعمال بصورتها حتى يظهر من رؤيتها أن هذا الرجل ناج أو هالك، مثلاً زنى رجل بامراً، فيكتبون صورة الرجل والمرأة في حال زناهما، فيظهر منها أنهما معذبان؛ وهذه القاعدة كانت راجعة في الناس في الزمان الماضي، فمثلاً يصورون مجبى زيد في صورة زيد، وباب، حتى يعلم أنه جاء، وكذلك كانوا يكتبون جميع حاجاته.

قوله: في تصويره: قال العلامة: كانت قاعدة الكتابة في الزمان الماضي بالتصوير، فربما لا يمكن التصوير، مثلاً قال رجل: اللهم لك الحمد عدد أقطار الأمطار، فيقال لهم: اكتبوا العمل كما هو اه..... قوله: من ورق: پہلے پتوں پر بھی کتابیں لکھی جاتی تھیں۔

باب — ۱۲

اعمال کا ملکات سے جوڑ

ملکات جمع ہے مسلکۃً کی، جس کے معنی ہیں: وہ صفت جو نفس کے اندر راسخ ہو جائے، اور جب تک راسخ نہ ہو اسے ”حال“ کہتے ہیں۔ گزشتہ باب میں جو بیان کیا گیا تھا کہ انسان کے اختیاری اعمال نفس کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کے ساتھ چٹ جاتے ہیں۔ یہ اعمال نفس میں رفتہ رفتہ ایک حالت پیدا کرتے ہیں، جب تک وہ حالت عارضی رزقی ہے ”حال“ کہلاتی ہیں اور جب وہ راسخ ہو جاتی ہے تو اس کو ”ملکہ“ کہتے ہیں اخلاق حسہ اور سیئہ بھی اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب قدس سرہ نے ان ملکات کو حیثیات نفسانیہ کہا ہے۔ حیثیت کے معنی ہیں حالت، کیفیت، اس کی جمع حیثیات ہے اور نفسانی کے معنی ہیں اندرونی، قلبی، پس حیثیات نفسانیہ کے معنی ہیں کیفیات قلبیہ، مگر عارضی نہیں، بلکہ راسخ کیفیات مراد ہیں۔

ملکات اور اعمال کے درمیان چونی دامن کا ساتھ ہے۔ ملکات اور اخلاق کے مطابق اعمال وجود میں آتے ہیں ارشاد ہے: **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** اور ملکات و اخلاق اعمال کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً مسلسل مشق کر کے ایک شخص فن کتابت میں مہارت پیدا کرتا ہے، تو یہ ملکہ مسلسل لکھنے کا نتیجہ ہوتا ہے اور اسی ملکہ سے خوشنویس عمدہ تحریر لکھتا ہے۔ غرض اعمال و ملکات میں گہرا ربط ہے۔ اس باب میں اسی ارتباط کا بیان ہے، اگرچہ عرف عام میں دونوں کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا ہے یعنی عام لوگ ملکات کو اعمال ہی سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے روح اور بدن دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان میں ارتباط ہے مگر عام لوگ دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ وہ روح کو بھی بدن ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح عام لوگ ملکہ کا بھی ادراک نہیں کرتے وہ اعمال ہی کو اصل بلکہ سب کچھ سمجھتے ہیں۔

اس باب میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دو باتیں بیان کی ہیں:

(۱) اعمال، حیثیات نفسانیہ کے بیکر ہائے محسوس اور ان کی تشریحات ہیں یعنی ملکات ایک مخفی چیز ہیں، ایک ماہر خوشنویس بھی عام انسان کی طرح ہوتا ہے، مگر جب وہ قلم پکڑتا ہے تو اس کی مہارت اور بعقریت ظاہر ہوتی ہے، اس کی تحریر ہی اس کی مہارت فن کی نظر آنے والی صورت ہوتی ہے، اور وہی اس کی مہارت کی ترجمانی اور تشریح کرتی ہے۔

(۲) اعمال ایک جال ہیں، ملکات و اخلاق کو ان کے ذریعہ شکار کیا جاتا ہے، یعنی کوئی ملکہ اور مہارت پیدا کرنی ہو تو مسلسل عمل کر کے ہی پیدا کی جاسکتی ہے۔

اور یہ دونوں باتیں فطری اور صورت نوعید کی دین ہیں، انسان میں انسان ہونے کی وجہ سے یہ دونوں باتیں پائی

جاتی ہیں، دیگر حیوانات میں یہ صورت حال نہیں پائی جاتی۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب آدمی میں کسی کام کا داعیہ (نقضا) پیدا ہوتا ہے اور نفس اس کی مطاوعت (فرماں برداری) کرتا ہے تو داعیہ کو انشراح ہوتا ہے۔ اور نفس مطاوعت نہیں کرتا تو داعیہ کو انقباض ہوتا ہے، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ عمل کے پیچھے کوئی کیفیت نفسانیہ ہے، جس کی مطاوعت اور عدم مطاوعت کا داعیہ اور اس کے واسطے سے عمل پر اثر پڑتا ہے۔

پھر جب آدمی عمل کر چکتا ہے تو اس کا عمل جس قوت سے تعلق رکھتا ہے وہ قوت طاقت ور ہو جاتی ہے اور مقابل قوت دب جاتی ہے اور کمزور ہو جاتی ہے، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اچھے برے اعمال باطن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حدیث میں اس طرف اشارہ ہے، فرمایا: ”نفس گناہ کی آرزو اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے“، یعنی داعیہ کا پیکر محسوس شرمگاہ کا عمل ہے۔ اگر یہ عمل پایا جائے تو داعیہ واقعی ہے ورنہ بس وسوسہ ہے۔ لیکن اگر پیکر محسوس کسی مجبور کی وجہ سے نہ پایا جائے تو وہ مکلا ہما فی النار کا مصداق ہے۔ یعنی وہ داعیہ واقعی ہے اور اس پر مؤانذہ ہوگا۔ متفق علیہ روایت ہے کہ ”جب وہ مسلمان تلواریں لے کر بھڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں“ راوی نے دریافت کیا کہ قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آیا، مقتول جہنم میں کیوں گیا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ”وہ اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا“، یعنی وہ قتل کا عزم مصمم لے کر نکلا تھا، مگر اتفاق کہ وہ مار نہ سکا، مار گیا، پس وہ بھی جہنم رسید ہوگا (مشکوٰۃ کتاب القضاء باب قتل اہل الذمۃ حدیث نمبر ۳۵۲۸)

غرض ہر خلق اور ہر ملکہ کے لئے کچھ اعمال اور ظاہری صورتیں ہیں، جن کے ذریعہ اس ملکہ اور اس صفت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور اس ملکہ اور صفت کو ان کے ذریعہ تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ پیکر ہائے محسوس اس ملکہ اور صفت کو سمجھاتے ہیں۔ مثلاً آپ کہیں کہ فلاں آدمی بہادر یا سخی ہے اور کوئی دلیل پوچھتے تو آپ اس کے بہادرات کا ناموں کو اور داد و دوش کو بیان کریں گے، اسی طرح کوئی شخص بہادری اور سخاوت کو سمجھنا چاہے تو وہ بھی اعمال اور پیکر ہائے محسوس کو سہارا لے گا، جیسے ایک شخص نے کسی مولوی صاحب سے پوچھا کہ پرہیزگاری کیا ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا: فرض کر تم جوان رعنا ہوا کو کوئی عورت بھی جوان نہ جیوں ہو، تم دونوں کو ایک رات، ایک مکان میں تنہا بیٹھ کر دیکھو، مگر تمہارے دل میں برائی کا کوئی خیال تک پیدا نہ ہو تو یہ پرہیزگاری ہے۔ دیکھئے مولوی صاحب نے پرہیزگاری کو جو ایک ملکہ ہے، اس کے پیکر محسوس کے ذریعہ سمجھایا ہے۔

لطیفہ: پھر مولوی صاحب نے اس شخص سے پوچھا کہ سمجھ، تقویٰ کیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! سمجھ گیا، تقویٰ جبراً ہونے کا دوسرا نام ہے!

سوال: کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص بہادر یا سخی ہو اور زندگی بھر کوئی بہادرات کا نام نہ انجام نہ دے، نہ ایک پیسہ

خرچ کرے؟

جواب: ایسا ہو سکتا ہے، جب کوئی اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت کو بدل والے البتہ عام حالات میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے اندر کوئی ایسا ملکہ یا صفت پیدا کرنا چاہے، جو اس میں نہیں، مثلاً بہادری نہیں ہے، اور وہ بہادر بننا چاہتا ہے، یا سخاوت کی صفت نہیں ہے اور وہ سخی بننا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ بہادری اور سخاوت کے مواقع کا مستلاشی رہے، اور جب بھی موقع ملے بہ تکلف بہادری والے کام کرے اور زیادہ سے زیادہ سخاوت کرے تو رفتہ رفتہ بہادر اور سخی بن جائے گا یہی مطلب ہے اعمال کے جال سے ماکات کو خشکار کرنے کا، اسی طرح اس لائن کے جو اکابر گزرے ہیں ان کے واقعات کو پڑھنے یا سننے سے بھی اس صفت کو پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اگرچہ اعمال و ماکات دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور اصل ماکات ہیں، اعمال صرف مظاہر ہیں، مگر شریعت میں بحث اعمال سے اور ان کی ظاہری شکلوں سے کی جاتی ہے اور انہی کے احکام مقرر کئے جاتے ہیں، ان کے پیچھے جو ماکات ہیں ان سے شریعت کچھ زیادہ بحث نہیں کرتی، ان کے متعلق چند موٹی باتیں بتلا دی گئی ہیں اور ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، مثلاً:

(۱) اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الخ میں ماکات کی طرف اشارہ ہے اور یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ثواب کی کمی زیادتی اور اعمال کی قبولیت و عدم قبولیت کا انہی پر مدار ہے۔

(۲) سورۃ الحج آیت ۳۷ میں ہے ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا، وَلَا دِمَآؤُهَا، وَلَكِنْ بِنِيَّةِ الْمُتَّقِينَ﴾ یعنی حج کی قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا بلکہ ان کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے یعنی تم نے کیسی خوش ولی اور جوش محبت سے ایک قیمتی اور نفیس چیز، اس کی اجازت سے، اس کے نام پر، اس کے گھر کے پاس لے جا کر قربان کی ہے، گویا اس قربانی کے ذریعہ سے تم نے ظاہر کر دیا ہے کہ ہم خود بھی اللہ کی راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں، یہی وہ تقویٰ (دل کا ادب) ہے جس کی بدولت خدا کا عاشق اپنے محبوب حقیقی سے خوشنودی حاصل کرتا ہے۔ اس آیت میں جس کیفیت کو تقویٰ کہا گیا ہے اسی کو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ہیئت نفسانی اور ملکہ سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) مسلم شریف کی روایت ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِكُمْ، وَلَا اَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ اِلٰی قُلُوبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے، بلکہ وہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں (مشکوٰۃ کتاب الرقاق، باب الریاء حدیث نمبر ۵۳۱۲) اس حدیث میں اعمال کے ساتھ ماکات کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اور شریعت میں عام طور پر اعمال سے بحث اس لئے کی جاتی ہے کہ اعمال ہی مضبوط کئے جاسکتے ہیں، انہی کے لئے قواعد و ضوابط مقرر کئے جاسکتے ہیں، انہی کے اوقات و حدود متعین کئے جاسکتے ہیں، وہی نظر آتے ہیں اور دیکھتے ہیں، نقل بھی انہی کو کیا جاسکتا ہے، وہی قابلِ دکایت ہیں اور انسان کی قدرت و اختیار کے ماتحت بھی وہی آتے ہیں اور انہی کے

ذریعہ اور انہی پر مؤاخذہ کیا جاسکتا ہے مثلاً نماز کا عمل ہے، قربانی ہے، روزہ و زکات ہیں، انہی اعمال ظاہرہ کو منضبط کیا جاسکتا ہے اور انہی کے حدود کی تعیین کی جاسکتی ہے ان کے پیچھے جو ملکات ہیں ان کی کوئی تحدید و توقیت نہیں کی جاسکتی، کیونکہ وہ مخفی امور ہیں۔

﴿باب ارتباط الأعمال بالہیئات النفسانية﴾

اعلم: أن الأعمال مظاهرُ الهيئات النفسانية، وشرُوحُ لها، وشرُكاتُ لإفْتِنَاصِها، ومُتحدَّةٌ معها في العرف الطبعي، أي: يتفق جمهورُ الناس على التعبير بها عنها؛ بسبب طبعي تعطيهِ الصورة النوعية.

وذلك: لأن الداعية إذا انبعتت إلى عمل، فطاوعت لها نفسه انبسطت وانشرت؛ وإن امتنعت انقبضت وتقلصت؛ فإذا باشر العمل استبدَّ منبَعُهُ من ملكية أو بهيمية وقوى، وانحرف مقابلته وضعف؛ وإلى هذا الإشارةُ في قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿النفس تمني وتشتقي، والفرج يصدِّق ذلك، ويكذبه﴾.

ولن ترى خُلُقًا أولاه أعمالاً وهيئات، يُشار بها إليه، ويُعبر بها عنه، وتُمثِّلُ صورُها مكشافاً له؛ فلو أن إنساناً وصف إنساناً آخر بالشجاعة، واستُفسر، فَيُنَّ، لم يُبين إلا معالجاته الشديدة؛ أو بالسخاوة لم يبين إلا دراهم وذناتير يُبذلُّها، ولو أن إنساناً أراد أن يستحضر صورة الشجاعة والسخاوة، اضطر إلى صور تلك الأعمال؛ — اللهم! إلا أن يكون قد غيَّرَ فطرة الله التي فطرَ الناس عليها — ولو أن واحداً أراد أن يُخَصِّلَ خُلُقًا ليس فيه، فلا سبيل له إلى ذلك إلا الوقوعُ في مظانِّه، وتجشُّهُ الأعمال المتعلقة به، وتذكُّرُ وقائع الأقوياء من أهله. ثم الأعمال هي الأمور المضبوطة، التي تُقصد بالتوقيف، وتُرى وتُبصر. وتُحكى وتُؤثَرُ، وتدخل تحت القدرة والاختيار، ويُمكن أن يُؤاخذ بها وعليها.

ترجمہ: باب (۱۲) اعمال کا قلبی کیفیات سے جوڑ: جان لیں کہ اعمال، کیفیات قلبیہ کے پیکر ہائے محسوس اور ان کی تشریحات (وضاحتیں) ہیں، اور ان کو ذکر کرنے کے دام ہیں اور فطری عرف میں اعمال: کیفیات قلبیہ کے ساتھ متحد ہیں یعنی نام لوگوں کا اعمال کے ذریعہ کیفیات قلبیہ کو تعبیر کرنے پر اتفاق ہے (اور یہ بات) ایک ایسے فطری سبب سے ہے جو صورت نوعیہ کی ذمہ ہے۔

اور وہ بات اس لئے ہے کہ داعیہ (طبیعت کا تقاضا) جب کسی کام کے لئے اٹھتا ہے، پس آدمی کا نفس اس داعیہ کی

اطاعت کرتا ہے تو داعیہ خوش ہوتا ہے اور منتشر ہوتا ہے اور مخالفت کرتا ہے تو داعیہ مغضب ہوتا ہے اور سکتا ہے پھر جب آدمی عمل کر چکتا ہے تو ملکیت یا سببیت میں سے اس عمل کا سرچشمہ ڈکھتر اور قوی ہو جاتا ہے اور اس کا مد مقابل منحرف اور کمزور ہو جاتا ہے اور حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ: ”نفس تمنا کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی تکذیب کرتی ہے“ (مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، حدیث نمبر ۸۶)

اور آپ ہرگز کوئی خلق نہیں دیکھیں گے مگر اس کے لئے اعمال اور شکلیں ہوں گی، جن کے ذریعہ اس خلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور جن کے ذریعہ اس خلق کو تعبیر کیا جاتا ہے، اور جن کی صورتیں اس خلق کے لئے آئینہ کشف بن کر پائی جاتی ہیں، پس اگر کوئی شخص کسی دوسرے انسان کو بہادری کے ساتھ متصف کرے، اور اس سے اس کی وضاحت پوچھی جائے، پس وہ بیان کرے، تو نہیں بیان کرے گا وہ مگر اس کے سخت معرکوں کو یا کوئی شخص کسی کو سخاوت کے ساتھ متصف کرے تو نہیں بیان کرے گا وہ مگر ان درامہ و تانیہ کو جن کو وہ خرچ کرتا ہے، اور اگر کوئی انسان چاہے کہ حاضر کرے بہادری اور سخاوت کی صفت کو (یعنی اس کو سمجھنا چاہے) تو مجبور ہوگا وہ ان اعمال کی شکلوں کی طرف — اے اللہ! مگر یہ کہ اس نے اس فطرت کو بدل دیا ہو، جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے — اور اگر کوئی شخص چاہے کہ کسی ایسے خلق کو اپنے اندر پیدا کرے جو اس میں نہیں ہے، تو اس کی کوئی راہ نہیں مگر پہنچنا اس خلق کے مواقع میں، اور ان اعمال کو بہ تکلف کرنا جو اس خلق سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور اس خلق والوں میں سے قوی لوگوں کے واقعات کو یاد کرنا۔

پھر اعمال ہی وہ چیزیں ہیں جو ضبط کی ہوئی ہیں، جو اوقات کی تعیین کے ساتھ ارادہ کی گئی ہیں اور نظر آتی ہیں اور دیکھتی ہیں اور حکایت کی جاتی ہیں اور نقل کی جاتی ہیں اور قدرت و ارادہ کے تحت آتی ہیں، اور ان کے ذریعہ اور ان پر کچڑ کی جاسکتی ہے۔

لغات و ترکیب:

مَظْہَر: ظاہر ہونے کی جگہ۔ شَرْح: وضاحت۔ قِنَص و اقْنَص الطیر: شکار کرنا۔ قولہ: شرکات لاقتصاصھا ای شبکه لا صطیاد الہیئات یعنی یکون فی بعض الناس ملکہ الأعمال راسخۃ فی القلب۔ فیعمل الأعمال الموافقة لھا، فتکون الأعمال حینئذ مظاهر الملکات و شروحا لھا، واما اذا لم تکن ملکہ أعمال مخصوصۃ فی رجل، فهو یعمل أعمالاً مخصوصۃ مراراً کثیرۃ حتی تثبت ملکہ تلک الافعال فی نفسه، فحینئذ تکن الأعمال شبکه لا صطیاد الملکہ (سندی)۔ بسبب طبیعی تعلق مظاهر و شرکات ہونے کے ساتھ ہے۔ تجسّم العمل: بہ تکلف کرنا۔ قولہ: فی العرف الطبیعی ای فی العرف الذی تقتضیہ طبیعۃ الإنسان۔ قولہ: أن یأخذ بها ای علی فعلھا اذا کانت شراً، وعلیھا ای علی ترکھا اذا کانت حسنة مأمورة بها (سندی)

کسی کے ملکات زیادہ ریکارڈ کئے جاتے ہیں اور کسی کے اعمال

انسان کے اعمال و ملکات (کیفیات قلبیہ) دونوں ریکارڈ کئے جاتے ہیں، مگر احصاء میں لوگوں کے احوال مختلف ہیں، جو قوی استعداد کے لوگ ہیں۔ جیسے انبیائے کرام، ان میں اعمال سے زیادہ ملکات پائے جاتے ہیں اور کمزور استعداد کے لوگ ظاہری اعمال ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:

① قوی استعداد والوں میں اعمال سے ملکات زیادہ پائے جاتے ہیں، ان کا اصل کمال اخلاق و ملکات ہوتے ہیں مگر وہ اعمال بھی کرتے ہیں، کیونکہ اعمال، ملکات کے سانچے اور شکلیں ہیں اور اخلاق سانچوں میں ڈھلتے ہیں اور ظاہری شکلوں سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے یہ حضرات ظاہری اعمال سے بھی صرف نظر نہیں کرتے۔ ان حضرات کے اصل ملکات ریکارڈ کئے جاتے ہیں اور اعمال بھی ریکارڈ کئے جاتے ہیں مگر ان کا احصاء ضعیف ہوتا ہے، کیونکہ مقصود ملکات ہیں، اعمال تو مظاہر ہیں، مگر ضروری وہ بھی ہیں، جیسے خواب کی ظاہری شکل مقصود نہیں ہوتی اس کا ایک مطلب ہوتا ہے اور وہی مقصود ہوتا ہے، مگر وہ مطلب ظاہری شکل ہی سے سمجھا جاتا ہے، اس طرح وہ ظاہری شکل بھی مطلوب ہو جاتی ہے، مثلاً ایک شخص نے خواب دیکھا کہ وہ لوگوں کی مونہوں اور شرنگا ہوں پر مہر لگا رہا ہے، اس نے تعبیر کے امام حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ (۳۳-۱۱۰ھ) سے تعبیر معلوم کی۔ آپ نے فرمایا: تم مؤذن ہو اور (رمضان میں) وقت سے پہلے فجر کی اذان دیتے ہو (جسے سن کر لوگ سحری موقوف کر دیتے ہیں) اس خواب کی جو ظاہری شکل ہے وہ مراد نہیں، مراد وہ تعبیر ہے جو محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے دی، مگر وہ تعبیر مستفاد خواب کی ظاہری شکل ہی سے ہے۔

اور ملکات کے اقویٰ اور اعمال کے اضعف ہونے کی مثال یہ ہے کہ امتی، نبی سے اعمال کی مقدار میں تو بڑھ سکتا ہے، مگر امتی کی زندگی بھر کی نمازیں نبی کے دو گانہ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتیں، کیونکہ امتی کا ملکہ نبی کے ملکہ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا، اور عمل میں وزن نیت و کیفیت قلبی (ملکہ) سے پیدا ہوتا ہے۔

② اور ضعیف استعداد کے لوگ ظاہری اعمال ہی کو عین کمال سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے اعمال کے پیچھے جو ملکات ہیں وہ اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ عام لوگ ان کا ادراک بھی نہیں کر سکتے۔ ایک عام مسلمان سے پوچھو تو اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس کے عمل کے پیچھے کوئی ملکہ بھی ہے، وہ بس عمل کرتا ہے اور اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے، ایسے لوگوں کے اعمال اصلاً ریکارڈ کئے جاتے ہیں اور ملکات کا احصاء بس برائے نام ہوتا ہے۔

اور دنیا میں اسی قسم کے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، اس لئے ان لوگوں کی خاطر اعمال کی تعین و تحدید ضروری ہے، تاکہ وہ صحیح طور پر اعمال کو انجام دے سکیں، چنانچہ شرائع الہیہ میں ہمیشہ اصل زور اعمال پر دیا گیا ہے اور انہی کی اہمیت نمایاں کی گئی ہے اور انہی کی مکمل تفصیلات مرتب کی گئی ہیں۔

ثم النفوس ليست سواء في إحصاء الأعمال والملكات عليها:

فمنها: نفوس قوية تتمثل عندها الملكات أكثر من الأعمال، فلا يُعَدُّ من كمالها بالإحصاء إلا الأخلاق؛ ولكن تتمثل الأعمال لها، لأنها قواؤها وصورها، فيحصى عليها الأعمال إحصاءً أضعف من إحصاء الأخلاق، بمنزلة ما يتمثل في الرزيا من أشباح المعنى المراد، كالختم على الأفراس والفروج.

ومنها: نفوس ضعيفة، تحسب أعمالها عين كمالها، لعدم استقلال الهيئات النفسانية، فلا تتمثل إلا مضمحلة في الأعمال، فيحصى عليها أنفُسُ الأعمال؛ وهم أكثر الناس، وهم المحتاجون جدًا إلى التوفيق البالع؛ ولهذه المعاني عظم الاعتناء بالأعمال في النواميس الإلهية.

ترجمہ: پھر نفوس یکساں نہیں، ان کے اعمال و ملکات ریکارڈ کئے جاتے ہیں:

پس ان میں سے بعض قوی نفوس ہیں، ان میں ملکات، اعمال سے زیادہ پائے جاتے ہیں، پس ان کے کمالات میں سے اصالت نہیں شمار کئے جاتے مگر اخلاق، لیکن ان اخلاق کے لئے اعمال بھی پائے جاتے ہیں، کیونکہ اعمال، اخلاق کے سانچے اور شکلیں ہیں، پس ان کے اعمال ریکارڈ کئے جاتے ہیں ایسا ریکارڈ کیا جانا جو اخلاق کی ریکارڈنگ سے کمزور تر ہوتا ہے، جیسے وہ بات جو خواب میں پائی جاتی ہے، معنی مرادی کی شکلوں میں سے، جیسے منہبوں اور شرمگاہوں پر مہر لگانا۔ (قولہ: اکثر ای تمثلاً اکثر)

اور ان میں سے بعض کمزور نفوس ہیں، وہ اپنے اعمال ہی کو اپنا معیار کمال سمجھتے ہیں۔ ہینات تقسیمیہ (ملکات) کے مستقل بالذات نہ ہونے کی وجہ سے، پس نہیں پائی جاتیں وہ ہینات مگر اعمال میں متعطل ہو کر، پس ان کے اعمال ہی ریکارڈ کئے جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر یہی لوگ ہیں اور یہ لوگ بہت زیادہ محتاج ہیں مفصل توفیق کے، اور اسی وجہ سے شرانگ آتے ہیں اعمال کے ساتھ بہت زیادہ اعتناء کیا گیا ہے۔

بہت سے اعمال بذات خود مقصود ہوتے ہیں

ملکات کی اہمیت کے باوجود بہت سے اعمال بذات خود مقصود و موثر ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز کی ظاہری شکل مقصود ہے، اگر کوئی کہے کہ ”اللہ کی یاد“ مطلوب ہے، نماز کی ظاہری شکل مطلوب نہیں، تو وہ شخص گمراہ بلکہ کافر ہے، اسی طرح زنا، چوری کی ظاہری شکلوں سے بچنا ضروری ہے، اچھی نیت سے گناہ جانز نہیں ہو جاتا، پس اگر کوئی کہے کہ ”تقویٰ“ مقصود ہے، اگر کوئی شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور کسی اچھی نیت سے زنا یا چوری کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، ایسا شخص مردود و ملعون ہے۔

اور اعمال ہی مطلوب و مقصود اس وجہ سے ہو جاتے ہیں کہ وہ ملاً اعلیٰ میں پہنچ کر وہاں ثابت ہو جاتے ہیں اور ملکات

سے قطع نظر کر کے وہ اعمال ہی بالذات ملا اعلیٰ کو پسند یا ناپسند ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اچھے کام کرنا گویا ملا اعلیٰ کے الہام کی وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ یہ اعمال صالحہ کر کے ہماری نزدیکی حاصل کرو، ہم جیسے بخاور ہمارے انوار کو حاصل کرو اور اعمال سیئہ کا حال اس کے برعکس ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مدارس میں رات گیارہ بجے تک مطالعہ اور تکرار کے لئے بیٹھنا لازم ہے اور اس کا مقصد آمونیشن یاد کرنا ہے۔ اب اگر کوئی طالب علم کہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، مجھے مطالعہ اور تکرار کے بغیر ہی سبق یاد ہو جاتا ہے، تو اس کی یہ بات قابلِ سماعت نہیں، اسے بھی حسبِ دستور بیٹھنا ہوگا، کیونکہ اگر بابِ مدارس کے نزدیک یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ خواندہ یاد کرنے کے لئے یہ ظاہری شکل ضروری ہے۔ پس جو طالبِ عالم اس کا اہتمام کرے گا وہ نگران کے نزدیک پسندیدہ ہوگا اور جو غیر حاضر رہے گا، وہ تم کے نزدیک ناپسندیدہ ہوگا اور سزا کا مستحق ہوگا۔

اور ملا اعلیٰ میں اعمال کا ٹھہراؤ مجتہد وجوہ ہوتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا اعلیٰ کو یہ علم ہوتا ہے کہ انسانوں کا نظام فلاں فلاں کاموں کو انجام دینے کے ذریعے اور فلاں فلاں برائیوں سے بچنے کے ذریعہ سنور سکتا ہے۔ اس طرح وہ اعمال ملا اعلیٰ کے پاس متشکل ہو جاتے ہیں، پھر وہاں سے شرائعِ الہیہ میں ان کے احکام نازل ہوتے ہیں۔

(۲) لوگ اچھے برے اعمال کر کے جب عالمِ بالا میں پہنچتے ہیں تو ملا اعلیٰ کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی ان اعمال کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور جب ان پر عرصہ دراز گزر جاتا ہے تو وہ اعمال ملا اعلیٰ میں ٹھہر جاتے ہیں اور ان کی اہمیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے مدرسہ میں بعض طلبہ تقریر کی مشق کرتے ہیں، بعض مضمون نگاری کی، ان کا یہ عمل مہتمم مدرسہ کے علم میں مسلسل آتا رہتا ہے تو ایک عرصہ کے بعد مہتمم کے دل میں اس کی اہمیت پیدا ہوتی ہے اور وہ مدرسہ کی طرف سے طلبہ کے لئے تقریر تحریر کا انتظام کرتا ہے یہی صورت حال برائیاں کی ہے، جب بار بار برائیاں وجود میں آتی ہیں تو وہ اخراج کا قانون بنانے کا باعث بنتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جب اعمال ملا اعلیٰ میں ٹھہر جاتے ہیں تو ان کو اسی طرح کرنا ضروری ہے۔ اب ملکات پر مدد نہیں رہتا بلکہ وہ اعمال بذاتِ خود مقصود و مؤثر ہو جاتے ہیں۔ جیسے حقد میں سے جو متر مروی ہیں، ان کو اسی طرح کرنا ضروری ہے جس طرح وہ مروی ہیں۔ ہیئت بدل جائے گی تو تاثیر باقی نہیں رہے گی۔ مثلاً ڈاڑھ وغیرہ میں درد ہو تو یہ قیہ مروی ہے کہ کوئی تختی لیکر اس پر ریت یا مٹی پھیلائی جائے، پھر اس پر اسجد ہو و حطی لکھا جائے، خواہ ملا کر یا مفرد حروف، پھر مریض یا کوئی اور شخص درد کی جگہ کو پکڑ لے اور عامل کیل یا چاقو سے پہلا حرف دبائے اور سورہ فاتحہ پڑھے اور اس حرف کو چھوڑ دے، پھر دوسرا حرف دبائے اور سورہ فاتحہ پڑھے۔ دسویں حرف تک پہنچنے سے پہلے ان شاء اللہ درد ختم ہو جائے گا۔ یہی اسی طرح کرنا ضروری ہے۔ صرف دس بار فاتحہ پڑھنے سے فائدہ نہ ہوگا۔

ثم إن كثيراً من الأعمال تستقر في الملاء الأعلى، ويتوجه إليها استحسانهم أو استهجانهم بالإصالة، مع قطع النظر عن الهيئات النفسانية التي تصدر عنها، فيكون أداء الصالح منها بمنزلة قبول إلهام من الملاء الأعلى، في التقرب منهم، والتشبه بهم، واكتساب أنوارهم، ويكون اقتراف السيئة منها خلاف ذلك.

وهذا الاستقرار يكون بوجوه:

منها: أنهم يتلقون من بارئهم أن نظام البشر لا يصلح إلا بأداء أعمال، والكف عن أعمال، فمقتضى تلك الأعمال عندهم، ثم تنزل في الشرائع من هنالك.

ومنها: أن نفوس البشر التي مارست ولازمب الأعمال، إذا انتقلت إلى الملاء الأعلى، وتوجه إليها استحسانهم واستهجانهم، ومضى على ذلك القرون والدهور، استقرت صور الأعمال عندهم.

وبالجملة: فتؤثر الأعمال حينئذ تأثير العزائم والرؤى الماثورة عن السلف بهيئتها وصفاتها، والله أعلم.

ترجمہ: پھر بہت سے اعمال ملاء اعلیٰ میں ظہر جاتے ہیں اور ان کی طرف ملاء اعلیٰ کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی بالذات متوجہ ہوتی ہے، ان هیئات نفسانیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے جن سے وہ اعمال صادر ہوتے ہیں۔ پس ان میں سے نیک کاموں کا کرنا ملاء اعلیٰ کے إلهام کو قبول کرنے جیسا ہو جاتا ہے۔ ملاء اعلیٰ سے نزدیک ہونے میں، اور ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے میں اور ان کے انوار حاصل کرنے میں، اور ان میں سے برے اعمال کا ارتکاب کرنا اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ اور یہ ظہر ناچھند وجود ہوتا ہے:

ان میں سے ایک: یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف سے (یہ بات) حاصل کرتے ہیں کہ انسانوں کا نظام سنور نہیں سکتا مگر کچھ کاموں کے کرنے سے اور کچھ اعمال سے باز رہنے سے، پس وہ اعمال ملاء اعلیٰ کے پاس موجود ہو جاتے ہیں، پھر وہاں سے شرائع میں نازل ہوتے ہیں۔

اور ان میں سے ایک: یہ ہے کہ انسان کے وہ نفوس جو اعمال کی ہیئتگی کرتے رہے ہیں اور ان کے ساتھ چپکے رہے ہیں، جب وہ نفوس ملاء اعلیٰ کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ان نفوس کی طرف ملاء اعلیٰ کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی متوجہ ہوتی ہے اور اس پر زمانے اور صدیاں گزر جاتی ہیں تو ان اعمال کی صورتیں ملاء اعلیٰ کے پاس ظہر جاتی ہیں۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت اعمال اثر کرنے لگتے ہیں ان منتروں اور انسونوں کے اثر کرنے کی طرح، جو منتقدین سے منقول ہیں، ان کی شکلوں اور صفوں کے ساتھ۔ واللہ اعلم

مطلب اس کی جزاء کا احاطہ کرنا ہے۔ علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قولہ: واحاطت بہ خطیئہ الایۃ، اے

جزاؤں کا فی الدنیا من ندامۃ وحسرة والم وتمثل واقعات ایلام و اہانتہ وتہذیب فی المنام أو البقظۃ

مگر آیت کی صحیح تفسیر وہ ہے جو جمہور نے کی ہے کہ قصور کے احاطہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ اُس پر ایسا غلبہ کرے کہ کوئی جانب الہی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو، حتیٰ کہ دل میں ایمان کا تصدیق باقی ہوگی تو بھی احاطہ نہ ہو سکتا ہوگا۔ تو اب کافر ہی پر یہ صورت صادق آسکتی ہے (فوائد شیخ الہند)

غرض اس آیت میں تو صحیح تفسیر کے مطابق اس اصل کی طرف اشارہ نہیں، مگر سورۃ الزمر آیت ۵۶ میں یہ اصل صراحتہ مذکور ہے ارشاد ہے ﴿أَن تَقُولَ نَفْسٌ مِّنْ حَسْرَتِيْ عَلَى مَا فَعَلْتُ فِیْ حُسْبِ اللّٰهِ، وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّٰخِرِیْنَ﴾ (کہیں کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس میری اس کوتاہی پر، جو میں نے خدا کی جناب میں روا رکھی، اور میں تو (احکام خداوندی پر) بے تاب رہا، یہ حسرت مرگ بوقت بھی ہو سکتی ہے اور اس سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اور اس کے بعد قبر اور میدان قیامت میں بھی ہو سکتی ہے۔ یہ احساس برے عمل کا بدلہ ہے۔

دوسری اصل: حظیرۃ القدس کی توجہ یعنی فیصلہ خداوندی بھی سبب مجازات ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کو انسانوں کی کچھ کیفیات نفسانیہ، کچھ اعمال و اخلاق پسند ہیں اور کچھ ناپسند ہیں، ملاء اعلیٰ اپنے رب سے اصرار کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ اچھے لوگوں کو راجتیں پہنچائی جائیں اور برے لوگوں کو سزا دی جائے۔ ان کی یہ دعائیں بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوتی ہیں، اسی طرح ملاء اعلیٰ کی توجہات بھی انسانوں کو گھیر لیتی ہیں، ان دونوں باتوں کے نتیجہ میں لوگوں پر خوشنودی اور لعنت کی شکلیں نکلتی ہیں، جس طرح دیگر علوم نکلتے ہیں اور مجازات کی درج ذیل صورتیں متحقق ہوتی ہیں:

(۱) تکلیف دہ یا راحت رساں واقعات رونما ہوتے ہیں اور فرشتے اس حال میں نظر آتے ہیں جیسے دھماکا رہے ہوں یا بھس بھس کر رہے ہوں۔ قریب المرگ کے پاس اور قبر میں منکر و نگیر اسی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

(۲) نفس کبھی ملاء اعلیٰ کی ناراضگی سے متاثر ہوتا ہے تو بے ہوشی یا بیماری جیسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ قبل نبوت جب بنائے کعبہ کے موقع پر آپ ﷺ نے پتھر اٹھانے کے لئے کپڑا کھول کر کندھے پر رکھنے کا ارادہ کیا تھا تو فوراً بیہوشی طاری ہو گئی تھی۔ اسی طرح سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ ہے کہ نبوت سے پہلے آپ ﷺ قریش کی کسی شادی وغیرہ کی تقریب میں مجبوراً تشریف لے گئے تو وہاں پہنچتے ہی نیند طاری ہو گئی اور آنکھ اس وقت کھلی جب کھیل تمام ہو گیا تھا (دیکھئے البدایہ والنہایہ: ۲: ۲۸۷)

(۳) کبھی ملاء اعلیٰ کی نہایت قوی توجہ کمزور باتوں مثلاً خیالات وغیرہ پر پڑتی ہے تو وہ ملاء سافل یا انسانوں کے لئے الہام بن جاتی ہے کہ وہ اس اچھے یا برے عمل کرنے والے کے ساتھ اچھا یا برا سلوک کریں۔ یہ مضمون پہلے بار بار گزر چکا ہے، تم بوضوح له القبول فی الأرض اور تم بوضوح له البغضاء فی الأرض والی روایت باب ذکر الملا الاعلیٰ

کے شروع میں گزر چکی ہے وہ روایت اس کی دلیل ہے۔

(۴) کبھی آدمی کے مختلفات میں سے کوئی چیز سنور جاتی ہے یا بگڑ جاتی ہے اور راحتوں اور تکلیفوں کی شکلیں پیدا ہوتی ہیں، کوئی مر جاتا ہے یا کوئی بھاری مالی نقصان ہو جاتا ہے یا بیمار شفا یاب ہو جاتا ہے یا معمولی مال میں خوب برکت ہوتی ہے، جس سے رنج و راحت پہنچتی ہے، یہ بھی مجازات کی صورتیں ہیں۔ پہلے باب (۱۱) میں مسلم شریف کی روایت گزری ہے کہ لوگوں کو جو الائیس بلائیں اور خیرات و برکات پہنچتی ہیں وہ لوگوں کے اعمال کا ثمرہ ہیں یعنی جزاء و سزا کی شکلیں ہیں۔ اور یہ سب باتیں ملا علی کی دعاؤں کا لاگ رکھ کر کہی گئی ہیں، بالکل بے لاگ بات یہ ہے کہ تخلیق ارض و سماء کے وقت ہی، اللہ تعالیٰ کی عنایت نے یہ بات طے کر دی تھی کہ انسان کو شتر بے مہار نہیں چھوڑا جائے گا، اس کا اعمال پر مواخذہ کیا جائے گا یہ فیصلہ خداوندی مجازات کا اصل سبب ہے مگر چونکہ اس بات کا سمجھنا دشوار تھا اس لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرشتوں کی دعاؤں کو عنوان بنایا ہے۔ اور اس پیرایہ بیان میں مجازات کو سمجھایا ہے واللہ اعلم

اور اس اصل دوم کی طرف قرآن کریم میں اشارہ آیا ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت (۱۶۱) میں ہے: ”يَبْكَىٰ جَنَ لَوْغُوْنَ تَے اَنكَارِ كَیَا“ (یعنی اسلام نہیں لائے) اور وہ اسی حالت کفر پر مر گئے، تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، نہ اُن سے عذاب ہٹا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی“ اللہ کی یہ لعنت مجازات کی اصل ہے۔

﴿باب: أسباب المجازاة﴾

اعلم: ان أسباب المجازاة، وان كثرت، ترجع إلى أصليْن:

أحدهما: أن تُحسَّ النفسُ، من حيث قوتها الملكية، بعملٍ أو خُلُقٍ اكتسبته: أنه غير ملائم لها. فتنبُشُ فيها ندامة وحسرة وألم: ربما أوجب ذلك تَمَثُّلَ واقعاتٍ في المنام أو اليقظة، تشتمل على إيلام وإهانة وتهديد.

ورب نفس استعدت لإلهام المخالفة، فخطبت على السنة الملائكة: بأن تترأى له كسائر ما تستعدُّه من العلوم.

والى هذا الأصل وقعت الإشارة في قوله تعالى: ﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ، فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ، هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

والثاني: توجُّهُ حظيرة القدس إلى بنى آدم، فعند الملا' الأعلى هينات وأعمال وأخلاق، مرضية ومسخوطة، فتطلب من ربها طلباً قوياً تعيماً أهل هذه، وتعذيب أهل تلك، فيستجاب دعائهم، وتُحيط ببنى آدم هممهم، وتترشح عليهم صورة الرضا واللغة، كما تترشح سائر

العلوم: فَتَسْبُحُ واقعاتِ ایلامیہ اور انعامیہ، و نثرای المألی الأعلى مُهَدَّدَةٌ لَهُمْ، اَوْ مَبْسُطَةٌ لَهُمْ۔

وربما تأثرت النفس من سُخْطِهَا، فعرض لها كهينة الغشي، اَوْ كهينة المرض۔

وربما ترشح ما عندهم من الهمة المتأكدة على الحوادث الضعيفة، كالحواطر ونحوها، فألهمت الملائكة اوبو آدم ان يُحسنوا اَوْ يُسيئوا إليه۔

وربما أحيل أمر من ملايساته إلى صلاح اَوْ فساد، وظهرت تقریبات لتعبيه اَوْ تعذيبه۔

بل الحق الصُّراح: ان لله تبارك وتعالى عناية بالناس، يوم خلق السماوات والأرض، توجب ان لا يُهمل افراد الإنسان سُوءی، وان يؤاخذهم على مايفعلونه۔ لكن لدقة مُدركها جعلنا دعوة الملائكة عنوانا لها، والله اعلم۔

والی هذا الأصل وقعت الإشارة فی قوله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا، وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا، أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، خَالِدِينَ فِيهَا، لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ، وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ﴾

ترجمہ: مجازات کے اسباب کے بیان میں: جان لیں کہ مجازات کے اسباب، اگرچہ بہت ہیں (مگر) وہ لوہے میں دو اصولوں کی طرف:

ان میں سے ایک: یہ ہے کہ نفس قوتِ ملکیہ کی وجہ سے احساس کرے، کسی ایسے عمل یا اخلاق کے بارے میں جس کو اس نے اپنے اختیار سے کیا ہے کہ وہ (عمل یا خلق) نفس کے لئے نامناسب ہے، چنانچہ نفس میں ندامت، حسرت اور تکلیف پیدا ہو۔ وہ کبھی واجب کرے نیند میں یا بیداری میں ایسے واقعات کے پائے جانے کو جو تکلیف دینے، توہین کرنے اور دھمکانے پر مشتمل ہوں۔

اور بعض نفوس میں مخالفت کے بہام کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو وہ نفس گفتگو کئے جاتے ہیں ملائکہ کی زبانی، اس طور پر کہ دیکھتے ہیں فرشتے ان کو جیسے دوسرے وہ علوم جن کی نفس میں استعداد پیدا ہوتی ہے۔

اور اس اصل کی طرف اشارہ آیا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں: ”ہاں، جس نے اختیار سے کوئی برائی کی، اور اس کو اس کی برائی نے گھیر لیا، تو وہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اور دوسری اصل: انسانوں کی طرف حظیرۃ القدس کی توجہ ہے — پس ملائکہ کے نزدیک پسندیدہ اور ناپسندیدہ حیثیات نفسانیہ اور اعمال و اخلاق ہیں، پس وہ درخواست کرتے ہیں اپنے رب سے قوی درخواست کرنا، ان لوگوں کو راحت پہنچانے کی، اور ان لوگوں کو تکلیف پہنچانے کی، پس ان کی دعا قبول کر لی جاتی ہے اور انسانوں کو ملائکہ کی گہری توجہات گھیر لیتی ہیں اور لوگوں پر خوشنودی اور پھینکار کی صورت چمکتی ہے، جس طرح دیگر علوم چمکتے ہیں: پس پائے جاتے ہیں تکلیف وہ اور راحت رساں واقعات اور نظر آتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ ان کو دھمکانے والے ہیں یا

ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے بات چیت کرنے والے ہیں۔

اور کبھی نفسِ مَلَأَ اُطْلٰی کی ناراضگی سے متاثر ہوتا ہے، پس نفس کو بے ہوشی جیسی حالت یا بیماری جیسی حالت پیش آتی ہے۔

اور کبھی وہ گہری توجہ جو مَلَأَ اُطْلٰی کے پاس ہے مترشح ہوتی ہے، کمزور باتوں پر، جیسے خیالات وغیرہ پر تو مَلَأَ سَافِل یا انسان الہام کئے جاتے ہیں کہ وہ اس شخص سے اچھا معاملہ کریں یا برا معاملہ کریں۔

اور کبھی آدمی کے متعلقات میں سے کوئی چیز صلاح کی طرف یا فساد کی طرف بدل دی جاتی ہے۔ اور راحت رسانی یا تکلیف دہی کی تقریبات ظاہر ہوتی ہیں۔

بلکہ خالص حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لوگوں پر مہربانی ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو، جو واجب کرتی ہے اس بات کو کہ نہ مہمل (بے مقصد) چھوڑیں وہ انسانوں کو، اور اس بات کو کہ کچڑ کریں ان کی اُن کاموں پر جو وہ کریں۔ لیکن اس بات کو سمجھنے کی باریکی کی وجہ سے ہم نے ملائکہ کی دعاؤں کو مجازات کے لئے عنوان بنایا ہے، واللہ اعلم اور اس اصل کی طرف اشارہ آیا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں کہ: ”یٰٰیٰکَیْکَ جَنِّ لَوِغُوْنَ نَے اِنکار کیا اور مرے وہ بحالت انکار، تو ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی پھینکا رہے، ہمیشہ رہیں گے وہ اس سختی میں، نہیں ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب، اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے۔“

لغات:

اَحْسُ یُحْسِنُ اِحْسَانًا: احساس کرنا..... تَشَبَّحَ تَشْبِيْحًا: پایا جانا..... تَمَثَّلَ میں ایک ت محذوف ہے ... مخالفت یعنی عمل یا خلق کا ملکیت کے موافق نہ ہونا..... خَوَّطَ طَبَّ مَجْہُول ہے، خاصیتہ: باہم گفتگو کرنا..... حَظِیْرَةُ الْقَدَس سے ذات پاک مراد ہے..... هَدَّوْهُ: دھمکانا، ڈرانا..... اِنْسَطَ: پھیلنا، بے تکلف ہونا..... تَمَرَّشَ میں ایک ت محذوف ہے..... الْمَاعِکَةُ (ام مفعول) پختہ کی ہوئی..... الْحَوَادِثُ الضَّعیْفَةُ: کمزور واقعات یعنی وہ باتیں جن میں تبدیلی ہو سکتی ہے..... اَحْصَا اَحْصَاةً: تبدیلی کرنا..... مَلَأَ سَافِلَ جمع ہے مَلْءٌ اور مَلْءٌ جس کے معنی ہیں لباس، یہاں مراد متعلقہ چیزیں ہیں..... تَقَرَّبَ: لغوی معنی نزدیک کرنا، عرفی معنی کوئی موقعہ نکالنا..... مُدْرِكٌ (مصدر میس) بمعنی ادراک ہے۔

تشریح:

قولہ: من حیث المملکیۃ اٰی بوسیلۃ القوۃ المملکیۃ (سندی) قولہ: ملا بسانہ اٰی متعلقانہ من المال والاولاد وغیرہا فَتَنَنَّمْ اَوْ تَعَذَّبْ بصلاحهم اَوْ فسادهم، بخلاف الجزء الاول، لانه کان راجعا الی نفسه، بدون واسطه، ویمکن اَنْ یقال فی تفسیر اُجیل الخ اٰی غُیْرُ اَمْرٍ من الامور المتعلقة به الی صلاح اِنْ عَمِلَ صَالِحًا، کما غیرت النار الملائسۃ بایراہیم بالریح الطیبۃ، اَوْ اِلٰی فساد اِنْ عَمِلَ سَبَئًا، کما یكون عند دراهم اَوْ دنانیر فصارت رمادًا؛ وهذا التفسیر یفہم من الباب الآتی (سندی)

مجازات کی کوئی اصل کہاں کام کرتی ہے؟

مجازات کی اوپر جو دو اصلیں بیان کی گئی ہیں یعنی نفس کا احساس اور فیصلہ خداوندی، یہ دونوں اصلیں الگ الگ بھی کام کرتی ہیں اور دونوں جمع بھی ہوتی ہیں یعنی کسی جگہ مجازات دونوں بنیادوں کی وجہ سے ہو، ایسا ہو سکتا ہے۔ پھر ترکیب کے بھی مختلف درجات ہو سکتے ہیں، اس طرح کہ کوئی اصل زیادہ موثر ہے، پس اجتماع کی بہت سی صورتیں پیدا ہوں گی۔ علاوہ انہی مجازات کے سلسلہ میں نفس کی استعداد کے بھی مختلف درجات ہیں اسی طرح اعمال کی نوعیت بھی اچھے برے ہونے میں مختلف ہوتی ہے، پس جب دونوں اصولوں کے اجتماع کے مختلف درجات کو استعداد عمل کے مختلف درجات میں ضرب دیں گے تو بے شمار عجیب عجیب صورتیں پیدا ہوں گی، جن کے تفصیلی احکام کہ کہاں کوئی اصل کام کرے گی، بہت مشکل امر ہے، البتہ بالا ہمال قاعدہ سمجھ لیں:

اصل اول اُن اعمال و اخلاق میں کام کرتی ہے جن کا اثر خود عمل کرنے والے تک مقصور رہتا ہے، دوسروں تک متعدی نہیں ہوتا، جیسے کسی نے نماز نہیں پڑھی تو اس کا نقصان وہی بھگتے گا، دوسروں تک کوئی اہم ضرر نہیں پہنچے گا۔ اور جو لوگ نیک صالح اور قوی انفس ہوتے ہیں وہ اس اصل کا اثر جلد قبول کرتے ہیں، ان سے اگر برائی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ فوراً بے چین ہو جاتے ہیں۔ سورہ آل عمران آیت ۱۳۵ میں اس کا تذکرہ ہے کہ: ”مُتَّقِينَ وَهُلُوكَ بَيْنَ كَ جَب كُوفِي اِيَا كَام كَر كَز رَتَے جِو بَے حَيَا كَ كَا هُ يَا وَه اِپَنِي ذَوَات پَر زِيَادَتِي كَر تَے جِو تَو (فُورَا) اللہ تعالیٰ کو یاد كَر تَے جِو، پھر اِپَنے گناہوں كِي مَعَا فِي چَاہ تَے جِو، اور اللہ كے سوا كُون هَے جُوكُنَا هُؤ كُون جُشَے! اور وہ لوگ اِپَنے كُے پَر اُڑ تَے نَہِیں و رَا حَالِي كَ وَه جَا تَے هُؤ“ ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً﴾ الآية۔

اور اصل دوم اُن اعمال و اخلاق میں زیادہ موثر ہے جو مقنا و عامہ کے خلاف ہیں، یعنی خود عمل کرنے والے تک اس کا ضرر منحصر نہیں رہتا، بلکہ دوسروں تک اس کا ضرر متعدی ہوتا ہے اور انسانوں کے نظام کی صلاح سے جن چیزوں کا تعلق ہے وہ کام اس کے برخلاف ہے، جیسے زنا، چوری، سو خوری، ظلم و ستم، اتہام طرازی اور سابقہ کتب میں جو نبی آخر الزماں كِي صفَات مِیں اِن كُو چَھَا نَا وَغِیرَہ۔

جو لوگ دینی اعتبار سے کمزور اور بدکردار ہوتے ہیں وہ اس اصل کا اثر جلدی قبول کرتے ہیں۔ وہ جلدی مورد عتاب بنتے ہیں اور غضب خداوندی ان پر جلد نازل ہوتا ہے۔ سو ذخور کا خطی ہونا سورہ البقرہ آیت ۲۷۵ میں مذکور ہے اور اخضر نالہ کی صفات کو چھپانے والوں کا ملعون ہونا سورہ البقرہ آیت ۱۵۹ میں مذکور ہے اور پاک دامن عورتوں پر اتہام طرازی کرنے والوں کا دنیا و آخرت میں ملعون ہونا سورہ النور آیت ۲۳ میں مذکور ہے۔

وینر کب الاصلان، فیحدت من تو کبھما، بحسب استعداد النفس والعمل، صور کثیرہ عجبیہ۔

لَكِنَّ الْأَوَّلَ أَقْوَىٰ فِي أَعْمَالٍ وَأَخْلَاقٍ تُصْلِحُ النَّفْسَ أَوْ تُفْسِدُهَا؛ وَكَثُرَ النَّفُوسُ لَهُ قَبُولًا أَوْ كَاهَا وَأَقْوَاهَا؛
وَالثَّانِي أَقْوَىٰ فِي أَعْمَالٍ وَأَخْلَافٍ مَّنَاقِضَةٍ لِلْمَصَالِحِ الْكَلِيَّةِ، مُنَافِرَةٌ لِّمَا يَرْجِعُ إِلَىٰ صِلَاحِ نِظَامِ
بَنِي آدَمَ؛ وَكَثُرَ النَّفُوسُ لَهُ قَبُولًا أَوْ أَضْعَفُهَا وَأَسْمَحُهَا.

ترجمہ اور دونوں اصلیں مرکب ہوتی ہیں تو ان کے مرکب ہونے سے اور عمل اور نفس کی استعداد کے موافق بہت سی عجیب صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اصل اول اُن اعمال و اخلاق میں زیادہ موثر ہے جو نفس کو سوار تیا بگاڑتے ہیں اور لوگوں میں اس اصل کو زیادہ قبول کرنے والے زیادہ ستھرے اور زیادہ مضبوط نفوس ہیں۔

اور دوسری اصل اُن اعمال و اخلاق میں زیادہ موثر ہے جو مصالِحِ کلیہ (مخافہ عامہ) سے متصف ہیں۔ اور جوان باتوں کے برخلاف ہیں جن کا تعلق انسانوں کے نظام کی صلاح سے ہے۔ اور لوگوں میں اس اصل کو زیادہ قبول کرنے والے کمزور ترین اور بدترین نفوس ہیں۔

لغات:

مناقضۃ (اسم فاعل) ناقضۃ: مخالف ہونا۔۔۔ منافرة (اسم فاعل) نافرہ: خاصۃ: جھڑا کرتا یہاں بمعنی مخالفت ہے۔۔۔۔۔ از کسی (اسم تفضیل) زیادہ نیک و صالح لُحْزَا یُکُو زُکَا: نیک و صالح ہونا۔۔۔۔۔ اسمع (اسم تفضیل) زیادہ فتح سُمِعَ (ک) سماعت: فتح ہونا۔۔۔۔۔ قولہ: الناس اَفْوَی یعنی: القسم الثانی تاثیرہ اَفْوَی فی اعمال و اخلاق مخالفتہ لمصلحتہ عامۃ الناس، و فسادُہا یرجع الی نظام عامۃ الناس، کما إذا کان الرجل نَفَرَقَ بَیْنِ الْمُسْلِمِیْنَ، أَوْ یَقْضِبُ حَقَّ عَامَةِ النَّاسِ، وَ نَعُوْذُ بِذَٰلِکَ اِھ (سندی)

اسباب مجازات کے لئے موانع

مجازات کے دونوں سببوں کے لئے کچھ موانع ہیں، جو ایک خاص وقت تک ان اسباب کے احکام کو روک دیتے ہیں۔ مثلاً ایک عورت نے زنا کیا اور وہ زنا سے حاملہ ہے تو وضع حمل تک حد جاری نہیں ہوگی۔ اور موانع کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلے سبب کے لئے مانع ملکیت کا کمزور ہونا اور ہیبت کا زور آور ہونا ہے۔ جب ایسی صورت حال ہوتی ہے تو نفس سراپا ہیبت بن جاتا ہے، اس میں ملکیت کا کوئی شہ نہ باقی نہیں رہتا اور ملکیت کو جن چیزوں سے تکلیف پہنچتی ہے ان کا نفس کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔ ایسا شخص جب بھی کسی چادر یعنی بدن سے بٹکا ہو جاتا ہے یعنی مرجاتا ہے اور موت کے بعد ہیبت کی ملک کم ہو جاتی ہے، غذا وغیرہ سے اس کو مدد پہنچتی بند ہو جاتی ہے اور ملکیت کی بجلیاں اس پر پٹکتی ہیں تو اعمال و اخلاق کی ملامت اور منافرت کا احساس ہونے لگتا ہے، اور آہستہ آہستہ انعام و عذاب شروع ہوتا ہے۔

اور دوسرے سبب کے لئے مانع: مخالف اسباب کا تو یہ تو جمع ہونا ہے۔ یعنی بہت سے دوسرے اسباب، سبب

ثانی کے حکم کے خلاف جمع ہو جاتے ہیں تو سبب دوم کا اثر رک جاتا ہے، مگر جب اس کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو جزاؤں سے
موسلا دھار برسنے لگتی ہے، سورہ یونس آیت ۴۹ میں ہے کہ: ”ہر امت کے لئے مقررہ وقت ہے، جب ان کا وہ معین
وقت آپہنچتا ہے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں“

وَلِكُلِّ مِنَ السَّبِيحِ مَانِعٌ، يَصُدُّهُ عَنْ حَكْمِهِ إِلَى حِينَ:

فَالْأَوَّلُ: يَصُدُّ عَنْهُ ضَعْفُ الْمَلَكَیَةِ وَقُوَّةُ الْبَهْمِيَةِ، حَتَّى تَصِيرَ كَأَنَّهَا نَفْسٌ بِبَهْمِيَةِ لَفْظٍ،
لَا تَنَالِمُ مِنَ آلَامِ الْمَلَكَیَةِ، فَإِذَا تَخَفَّتِ النَّفْسُ عَنِ الْجَلْبَابِ الْبَهْمِيِّ، وَقُلْ مَدَدُهُ، وَبَرَقَتْ بَوَارِقُ
الْمَلَكَیَةِ، غُدِبَتْ أَوْ نُعِمَتْ شَيْئًا فَشَيْنًا.

وَالثَّانِي: يَصُدُّ عَنْهُ تَطَابِقُ الْأَسْبَابِ عَلَى مَا يُخَالِفُ حَكْمَهُ، حَتَّى إِذَا جَاءَ أَجَلُهُ الَّذِي قَدَّرَهُ
اللَّهُ، فَجَعَلَ عِنْدَ ذَلِكَ الْجَزَاءُ نُجْجًا، وَهُوَ قَوْلُهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ﴾، إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا
يَسْتَخْرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿﴾

ترجمہ: اور دونوں سببوں میں سے ہر ایک کیلئے مانع ہے، جو اس کو اس کے حکم سے ایک وقت تک روک دیتا ہے۔
پس پہلا سبب: ملکیت کا کمزور ہونا اور بھیت کا قوی ہونا اس کو اس کے حکم سے روک دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ نفس ہو جاتا
ہے گویا وہ صرف بھیم کی نفس ہے، وہ ملکیت کی تکلیفوں سے تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ پھر جب نفس بھیم کی چادر سے ہلکا ہو جاتا ہے
اور اس کی کمک کم ہو جاتی ہے اور ملکیت کی جگہاں کو ہند کی ہیں، تو آہستہ آہستہ وہ سزاویا جاتا ہے یا راحت پہنچایا جاتا ہے۔
اور دوسرا سبب: اس کو روک دیتا ہے اسباب کا اتفاق کرنا اس بات پر جو اس دوسرے سبب کے حکم کے خلاف ہے،
یہاں تک کہ جب اس کا وہ مقررہ وقت آ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے متعین کیا ہے تو اس وقت جزا موسلا دھار برسنے لگتی ہے
اور یہی ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ”ہر امت کے لئے ایک مقررہ وقت ہے، جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو ایک
گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں“

لغات:

تَأَلَّمَ: دیکھی ہونا۔۔۔ آلام: آلم کی جمع بمعنی تکلیف۔۔۔ تَطَابَقَ الْقَوْمُ: اتفاق کر لینا۔۔۔ فَجَّ الْمَاءُ: بہنا مطر
فَسَجَّ: بہت برسنے والی بارش۔۔۔ فَاَلْأَوَّلُ يَصُدُّ عَنْهُ أَصْلٌ مِّنْ بَصَدَهُ عَنْهُ تَضْمِيرُ كَسْتَحْتَجُّ عَلَيْهِ سَمْعُ هُوَ نَفْسُ
ہے۔ اور تینوں مظلوموں میں بھی اسی طرح ہے۔

اللہ کے فضل سے ۲۸ صفر ۱۴۲۰ھ کو بحث اول کی شرح تمام ہوئی

پہلی قسم

قواعد کلیہ کے بیان میں

مبحث دوم

دنیا میں اور موت کے بعد جزاء و سزا کی کیفیت کا بیان

مبحث دوم

دنیا میں اور موت کے بعد جزاء و سزا کی کیفیت کا بیان

باب (۱) دنیا میں جزائے اعمال کا بیان

باب (۲) موت کی حقیقت کا بیان

باب (۳) برزخی مجازات میں لوگوں کے مختلف احوال

کا بیان

باب (۴) قیامت اور اس کے بعد کے واقعات کے

کچھ اسرار و رموز کا بیان

مبحث دوم

دنیا میں اور موت کے بعد جزا و سزا کی کیفیت کا بیان

باب — ۱

دنیا میں جزائے اعمال کا بیان

(نقلی دلائل)

مبحث اول میں تکلیف شرعی اور جزائے اعمال کی بحث تفصیل سے گزر چکی ہے۔ اب اس دوسرے مبحث میں، دنیوی زندگی میں اور مرنے کے بعد جزا و سزا کی کیفیت کا بیان ہے کہ یہ مجازات کس طرح ہوتی ہے؟ یعنی اسکی کیا صورتیں ہوتی ہیں؟ مجازات: دنیوی زندگی میں، اور مرنے کے بعد قبر میں، میدان حشر میں، آخرت کے راستہ میں پل صراط پر، اور بالآخر آخرت میں جنت و جہنم کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور یہ جزا و سزا تدبیراً ہوتی ہے یعنی دنیا میں بہن برائے نام، بطور نمونہ ازخروارے، قبر میں اس سے سخت اور آگے اور سخت ہوتی جاتی ہے اور دنیا میں تمام اعمال کی جزا و سزا نہیں دی جاتی، بعض ہی اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے، مگر اس سلسلہ میں کوئی ضابطہ نہیں بتلایا گیا کہ کن اعمال پر دنیا میں مجازات ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بدلہ دنیا میں ضرور ملتا ہے، اسی طرح زنا بچیل جانے کی، ماں باپ کی نافرمانی کی، ناپ تول میں کمی کرنے کی اور سود کھانے کی سزا بھی دنیا میں ضرور ملتی ہے۔

اور دنیا میں اعمال صالحہ کی جو جزائے خیر ملتی ہے، وہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے، عمل کا بدلہ نہیں ہوتا اور ضروری نہیں کہ وہ رحمت سب کو پہنچے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں یہ رحمت پہنچاتے ہیں۔ سورہ یوسف آیت (۵۶، ۵۷) میں ہے کہ: "ہم جس پر چاہتے ہیں اپنی عنایت مہذول کرتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے، اور آخرت کا اجر کہیں بڑھ کر ہے، ایمان اور تقویٰ والوں کے لئے" ﴿لَنُصِيبَ بِهِ رَحْمَتًا مِّنْ لَّنَا﴾ ﴿لَا يَهْتَبِينَ﴾۔

اور مومن کو جو دنیا میں اعمال سیدہ کی سزا ملتی ہے، وہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اور آگے معاملہ صاف ہو جاتا

ہے بلکہ جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو غیر منظور ہوتی ہے، ان کو دنیا میں طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک صاف کر کے اٹھایا جاتا ہے۔ حدیثوں میں یہ مضمون آیا ہے۔

اور کافر کو جو دنیا میں مجازات ہوتی ہے تو اس میں ابتلاء (استحسان) کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ سورۃ الاعراف آیات (۹۵، ۹۴) میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ”ہم نے کسی ہستی میں کوئی نئی نہیں بھیجا عمر وہاں کے باشندوں کو ہم نے نہمتاجی اور بیماری میں پکڑا، تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جاویں، پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی، یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی! تو ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا دراصل ایک ان کو خبر تک نہ تھی“

شاہ صاحب قدس سرہ سب سے پہلے وہ دلائل نقلیہ لکھتے ہیں جن سے دنیا میں مجازات ثابت ہوتی ہے، پھر اپنی بات کہیں گے، ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے درگزر فرما دیتے ہیں“ (سورۃ الشوریٰ آیت ۳۰) اس آیت میں دنیوی مجازات کا بیان ہے۔

(۲) اور ارشاد فرمایا: ”اور اگر یہ لوگ (اہل کتاب) توریت کی، اور انجیل کی، اور اس کتاب کی جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے (یعنی قرآن کی) پوری پابندی کرتے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے (یعنی ہر طرف سے) خوب فراغت سے کھاتے“ (سورۃ المائدہ آیت ۶۶) اس میں بھی دنیوی برکات کا ذکر ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یمن کے شہر صنعاء کے قریب ایک باغ تھا، اس کا اصل مالک پیداوار سے اللہ کا حق دیا کرتا تھا، لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے بخل کی وجہ سے اللہ کا حق دینا بند کر دیا، تو اس باغ پر کوئی ناگہانی آفت نازل ہوئی اور وہ باغ بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ سورۃ القلم آیات (۱۷-۲۳) میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

”اور اللہ تعالیٰ نے ایک باغ والوں کی آزمائش کی، جبکہ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور اس کا پھل صبح کر توڑ لیں گے۔

اور انھوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا، سو اس باغ پر تیرے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا عذاب پھر گیا، اور وہ سورہ تھے پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا، جیسے کٹا ہوا کھیت۔ پس صبح کے وقت وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سو رہے چلو، اگر تم کو پھل توڑنا ہے۔ پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے آئے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے، اور اپنے کو محتاج کے نہ دینے پر قادر کچھ کر چلے، پھر جب اس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بیشک ہم راست بھول گئے، بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو اچھا آدمی تھا، کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم سے کہا تھا اس نتیجے کیوں نہیں کرتے!! سب کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے، بیشک ہم قصودار ہیں، پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر، باہم اِثْرَام دینے لگے، بیشک ہم حد سے نکلنے والے تھے! شاید ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ اس کے بدلے میں دیدے۔ ہم اپنے رب کی

طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس طرح (دنیا کا) عذاب ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی سخت ہے، کاش وہ لوگ جانتے!“

(۴) ترمذی شریف (۱۳۴:۲) میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد باری تعالیٰ: وَإِنْ تَبْذُلُوا الْفَلَاحَ (اور اگر ظاہر کرو تم ان باتوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں یا پوشیدہ رکھو، اللہ تعالیٰ تم سے ان کے بارے میں حساب لیں گے) اور ارشاد باری تعالیٰ: مَنْ يَعْمَلِ الْفَلَاحَ (جو شخص کوئی برا کام کرے گا، وہ اس کے بدلے میں سزا دیا جائے گا) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

”یہ (محاسبہ اور جزاء) اللہ تعالیٰ کا بندے پر عتاب ہے، بخار اور رنج سے جو اس کو پہنچتے ہیں، یہاں تک کہ پوچھی، جس کو وہ ٹھرتے کے جیب میں رکھتا ہے، پس وہ گم ہو جاتی ہے تو وہ اس کی وجہ سے غمگین ہوتا ہے، (تو اس سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں) یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے نکل جاتا ہے، جس طرح سرخ سونا بھی (سے) صاف (ہو کر) نکلتا ہے“ (مشکوٰۃ کتاب الجنائز، باب مایاؤۃ الریض، حدیث نمبر ۱۵۵)

مذکورہ آیات و احادیث اس باب میں صریح ہیں کہ مجازات اس دنیا میں بھی ہوتی ہے۔

المبحث الثانی

مبحث كيفية المجازاة في الحياة وبعد الممات

باب الجزاء على الأعمال في الدنيا

قال الله تعالى: ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ، وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ وقال: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ، لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمَنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ وقال الله تعالى في قصة أصحاب الجنة، حين منعوا الصدقة ما قال، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم في قوله تعالى: ﴿وَإِنْ تَبْذُلُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ، أَوْ تُخْفُوا بِحَاثِبِكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ وقوله تعالى: ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾: ”هذه معاتبۃ الله العبد بما يصيبه من الحمى والسكبة، حتى البضاعة يصنعها في بد قميصه، فيفقدوها، فيفزع لها، حتى إن العبد ليخرج من ذنوبه، كما يخرج النير الأحمر من الكبر“

ترجمہ: بحث دوم: دنیا میں اور مرنے کے بعد مجازات کی کیفیت کی بحث: دنیا میں اعمال پر جزاء کا بیان: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے کرو تلوں کی وجہ سے ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت سی باتوں سے درگزر فرماتے ہیں، اور ارشاد فرمایا: ”اور اگر وہ (اہل کتاب) تورات و انجیل اور اس قرآن پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتے

جوان کی طرف نازل کیا گیا ہے، تو ضرور کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے، اور اللہ تعالیٰ نے باغ والوں کے واقعہ میں ارشاد فرمایا، جب انھوں نے خیرات روک دی، وہ جو ارشاد فرمایا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد باری ﴿وَإِنْ تَبَدُّوا﴾ الخ (البقرہ ۲۸۲) اور ارشاد باری ﴿مَنْ يَعْمَلْ﴾ الخ (النساء ۱۲۳) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ: ”یہ اللہ تعالیٰ کا سرزنش فرماتا ہے بندے کی اس چیز کے ذریعہ جو اس کو پہنچتی ہے بخیر اور مصیبت میں سے، یہاں تک کہ پونجی، جسے رکھتا ہے بندہ اپنی قمیص کے ہاتھ میں (پہلے جیب آستین میں بنتی تھی) پس اس پونجی کو گم کرتا ہے، پس اس کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے (تو اس سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں) یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے نکل جاتا ہے، جیسا سرخ سونا، سنار کی بھٹی سے (صاف ہو کر) نکلتا ہے۔
نوٹ: کتاب میں معافیہ تھا۔ اصل مطبوعہ صدیقی، ترمذی شریف، اور مشکوٰۃ شریف سے تصحیح کی گئی ہے۔ مخلوط کراچی میں بھی اسی طرح ہے۔



دنیا میں جزائے اعمال کا بیان

(عقلی دلیل)

دنیا میں جزائے اعمال کی عقلی وجہ سمجھنے کے لئے پہلے تین باتیں سمجھ لیں:
پہلی بات: انسان میں اللہ تعالیٰ نے ملکیت اور بھیمیت کی دونوں قوتیں یکساں پیدا کی ہیں ﴿فَالْقِسْمَٰتُهَا فُجُوْزُهَا وَنَقْصُوهَا﴾ (پھر اللہ تعالیٰ نے نفس کو اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری الہام کی) مگر خارجی اثرات کی وجہ سے ایک دوسری پر غالب آتی ہے۔ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے عام طور پر ملکیت بھیمیت کے اثرات میں دبی رہتی ہے، کیونکہ بھیمیت کو کھانے وغیرہ سے مدد پہنچتی رہتی ہے مگر ملکیت کا بھی موقع آتا ہے۔ ایک دن وہ بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا دو صورتوں میں ہوتا ہے۔
(۱) جب آدمی طبی موت مر جاتا ہے تو بھیمیت کو خدا وغیرہ سے جو کمک پہنچتی رہتی ہے وہ بند ہو جاتی ہے۔ اور پہلے سے موجود مادہ تحلیل ہوتا رہتا ہے اور اس کو بدل ماحتمل میسر نہیں آتا۔ نیراب ہجوک، شکم سیری اور غصہ وغیرہ عوارض، نفس کو اکساتے بھی نہیں، تو اس وقت ملکیت پر عالم بالا سے ایک رنگ مترشح ہوتا ہے۔ اور جب ملکیت کو کمک پہنچتی شروع ہو جاتی ہے تو وہ قوی ہو جاتی ہے۔

(۲) جب آدمی ریاضتوں کے ذریعہ اور عالم بالا کی طرف مسلسل توجہ رکھنے کے ذریعہ نفس کشی کر لیتا ہے، جیسا کہ صوفیاء فرماتے ہیں: ﴿مَوْتُوا قَلِيلًا تَمُوتُوا﴾ (موت سے پہلے نفس کشی کرلو) جب آدمی یہ مرحلہ حاصل کر لیتا ہے تو نفس

پر ملکوت سے، بجلیاں کو نڈنی شروع ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے ملکیت قوی ہو جاتی ہے۔

دوسری بات: ملکیت اور بھیمیت میں سے ہر قوت کو ان اعمال و کیفیات نفسانیہ سے انشراح و انبساط حاصل ہوتا ہے جو اس کے مناسب حال ہیں، اور ہر قوت منقبض ہوتی ہے اور سکرتی ہے ان اعمال و کیفیات کی وجہ سے جو اسکے مناسب حال نہیں ہوتے۔ چنانچہ بھلے آدمی کو نیکیوں سے خوشی اور برائیوں سے شدید الجھن ہوتی ہے اور برے آدمی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔

تیسری بات: ہر تکلیف اور ہر لذت کا ایک پیکر محسوس ہے، جیسے جسم میں کہیں تکلیف دہ غلط جمع ہو جاتی ہے تو جھجھن ہونے لگتی ہے، جسم میں صفراء کی گرمی بڑھ جاتی ہے تو دل میں بے چینی اور لگی پیدا ہوتی ہے۔ اور خواب میں آگ اور شعلے نظر آتے ہیں اور بغم کی زیادتی ہو جاتی ہے تو سردی لگتی ہے اور خواب میں پانی اور برف نظر آتا ہے۔ اسی طرح ہر تکلیف کا اور ہر لذت کا ایک پیکر محسوس ہے۔

اب عقلی وجہ سمجھئے: جب ملکیت کو سر اٹھانے کا موقع ملتا ہے تو بیداری میں یا نیند میں انسیت اور سرور کی شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر اس نے نفاقت، طہارت، خشوع اور اخبات کی صفات پیدا کی ہیں تو یہ صفات مہر و محبت کی صورتوں میں نمودار ہوتی ہیں اور یہی ان اعمال صالحہ کی جزاء ہے۔ اور اگر مذکورہ صفات کی اضداد اپنے اندر پیدا کی ہیں تو وہ غیر معتدل کیفیات کی صورتوں میں نمودار ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں نیند یا بیداری میں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو توہین آمیز اور دھمکی پرشکل ہوتے ہیں۔ غصہ کاٹنے والے درندہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور بخل ڈنسنے والے سانپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اعلم:

[۱] اَنَ لِلْمَلَكِيَةِ بُرُوزًا بَعْدَ كُمُوتِهَا فِي الْبَهِيمِيَةِ، وَانْفِكَائًا بَعْدَ اشْتِبَاكِهَا بِهَا.
فتارة بالموت الطبيعي، فإنه حينئذ لا يأتى مدُّها من الغذاء، وتتحلَّل موادُّها لا إلى بدل، ولا تُهَيِّجُ النفسَ أحوالَ طارئة: كخروج وشبع وغضب، فيترشح لونها عالم القدس عليها.
وتارة بالموت الاختياري: فلا يزال يكسب بھيمية بريضة، واستدامة توجه إلى عالم القدس، فيبرِّق عليه بعضُ بوارق الملكية.

[۲] وَأَن لِّكُلِّ شَيْءٍ انْشِرَاحًا وَانْبِساطًا بِمَا يلائمه من الأعمال والهيئات، وانقباضًا وتقلُّصًا بِمَا يخالفه منها.

[۳] وَأَن لِّكُلِّ الْمَوْلِدَةِ شَبَاحًا يَتَشَبَّحُ بِهِ: فَشَبَّحُ الْخِلْطِ اللَّذَّاعِ النَّخَسُ؛ وَشَبَّحُ النَّادِي مِنْ حَرَارَةِ الصَّفَرَاءِ الْكَرْبُ وَالصَّبْرُ، وَأَن يَرَى فِي مَنَاءِ، النِّيرانَ وَالشُّعْلَ؛ وَشَبَّحُ النَّادِي مِنَ الْبَلْغَمِ مَقَاسَةُ الْبَرْدِ، وَأَن يَرَى فِي الْمَنَامِ الْمَيَاةَ وَالنَّجْلَ.

فبإذا برزت الملكية ظهر في اليقظة أو المنام أشباح الأوس والسرور، إن كان اكتسب

النظافة، والخشوع، وسائر ما يناسب الملكية؛ ويتشيع أضدادها في صورة كفيات مضادة
للاعتدال، وواقعات تشتمل على إهانة وتهديد، ويظهر الغضب في صورة سَبِّ نَفْسٍ،
والبخل في صورة حبة تلدغ.

ترجمہ: جان لیں:

(۱) کہ ملکیت کے لئے بہیمیت میں چھپنے کے بعد نمودار ہونا ہے، اور بہیمیت کے ساتھ اس کے گھسنے کے بعد جدا ہونا ہے۔
پس کبھی فطری موت سے ہوتا ہے، پس بیشک شان یہ ہے کہ اس وقت نہیں آتی بہیمیت کی ملک غذا سے، اور تحلیل
ہو جاتا ہے اس کا (سابق) مواد، بدل مانتھل کے بغیر، اور نہیں اُکساتے نفس کو پیش آنے والے حالات، جیسے بھوک،
شکم میری اور غصہ، پس عالم پاک (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) سے ایک رنگ اس پر نکلتا ہے۔

اور کبھی اختیاری موت سے ہوتا ہے، پس آدمی برابر اپنی بہیمیت کو توڑتا رہتا ہے ریاضت اور عالم پاک کی طرف
مسلل متوجہ رہنے کے ذریعہ، پس اس پر ملکیت کی کچھ بجلیاں چمکتی ہیں۔

(۲) اور یہ کہ (ملکیت و بہیمیت میں سے) ہر چیز کو انشراح اور انبساط ہوتا ہے اُن اعمال و ملکات کی وجہ سے جو اس
قوت کے مناسب ہیں اور انقباض اور سکڑنا ہے اُن اعمال و ملکات کی وجہ سے جو اس قوت کے برخلاف ہیں۔

(۳) اور یہ کہ ہر تکلیف اور ہر لذت کا ایک پیکر محسوس ہے، جس کے ساتھ وہ تکلیف یا لذت متشکل ہوتی ہے۔ پس
نہایت تکلیف وہ غلط کا پیکر محسوس جہیں ہے، اور صفراء کی گرمی سے تکلیف اٹھانے کا پیکر بے چینی اور تنگ دلی ہے اور یہ
بات ہے کہ وہ خواب میں آگ اور شعلہ دیکھے۔ اور فہم کی تکلیف اٹھانے کا پیکر، سردی کی تکلیف برداشت کرنا ہے اور یہ
بات ہے کہ وہ خواب میں پانی اور برف دیکھے۔

پس جب ملکیت نمودار ہوتی ہے تو بیداری میں یا خواب میں انیسیت اور خوشی کی شکلیں ظاہر ہوتی ہیں، اگر اس نے
نظافت، خشوع اور دیگر وہ صفات جو ملکیت کے مناسب ہیں حاصل کی ہیں۔ اور اُن صفات کی اضداد و متشکل ہوتی ہیں
اعتدال کے برخلاف کیفیات کی شکلوں میں اور ایسے واقعات نمودار ہوتے ہیں جو باہت اور دھمکی پر مشتمل ہوتے ہیں اور
غصہ ظاہر ہوتا ہے ایسے درد کے کی شکل میں جو کات ربا ہو، اور نکل ظاہر ہوتا ہے ایسے سانپ کی شکل میں، جو دُورس ربا ہو۔

لغات و ترکیب:

بَرَزُ بُرُوزًا: میدان کی طرف نکلتا۔ حَمَنَ (ن) حَمَرْنَا: چھپنا۔ اِطْبَقَ: غلط ہونا بعض کا بعض میں۔
داخل ہونا۔ هَيَّجَ: برا بھلا کرنا، بھڑکانا، اکسانا۔ تَفَلَّصَ: سکڑنا۔ نَحَسَ الدابة: جانور کے پہلو یا پچھلے حصہ پر
کلوی وغیرہ چھو کر اکسانا۔ اللذاع (اسم مبالغہ)، بہت تکلیف وہ لذع فلانا بلسانہ: زبان سے تکلیف پہنچانا۔

ضَجَرَ (س) ضَجْرًا: تنگ دل ہونا، رُج ہونا..... نَهَسَ (ف) نَهَسًا اللہم گوشت کو اگلے دانوں سے نوچنا.....
 اخْلَاطَ الجسد: خون، بِلغم، سودا، صفراء..... واقعات کا عطف اشباح پر ہے..... يَنْهَسُ کتاب میں ینہر تھا، مطبوعہ
 صدیقی اور مخطوطہ کراچی سے صحیح کی گئی ہے۔



خارجی جزاؤں کا ضابطہ

اعمال کی جزاؤں میں ایک تو اندرونی ہوتی ہے، جیسے نیکہ اعمال کی وجہ سے دل میں خوشی کا پیدا ہونا اور برے اعمال کی وجہ سے دل میں اندامت و حسرت کا پیدا ہونا، اس مجازات کا نظام عالم سے کوئی تعارض نہیں ہوتا، اس لئے یہ جزاؤں جزاؤں ہر حال ہوتی ہے، اس میں نظام عالم کے تقاضوں کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔

دوسری بیرونی مجازات ہے، جیسے نیکہ اعمال کی وجہ سے جان و مال میں برکت ہونا، عزت و راحت ملنا وغیرہ اور برے اعمال کی وجہ سے خوف اور فاقہ پیش آنا، جان و مال اور ثمرات کا گھٹ جانا وغیرہ۔ اس مجازات کا کبھی نظام عالم کے تقاضوں سے تعارض ہوتا ہے اس لئے یہ بیرونی مجازات نظام عالم کے اسباب کی رعایت کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ نظام عالم میں خلل نہ پڑے۔

پس جو شخص نظام عالم کے اسباب کا احاطہ کر لے اور اس نظام کو پیش نظر رکھے جو اسباب سے رونما (پیدا) ہوتا ہے تو وہ یہ بات قطعی طور پر جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو دنیا میں سزا دیے بغیر نہیں چھوڑے، مگر یہ سزا نظام عالم کی مصلحتوں کی رعایت کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں، جو درجہ ذیل ہیں:

① جب نظام عالم کے اسباب سکون ہوں یعنی ان کا کوئی تقاضا نہ ہو، تو آدمی کے اپنے اعمال کام کرتے ہیں یعنی ان کے مطابق جزاؤں سزا ہوتی ہے۔

② نظام عالم کے اسباب چاہتے ہیں کہ:

(۱) زید کو تکلیف پہنچے، اور وہ نیکہ آدمی ہوتا ہے، اور اس کی نیکی کے مقابل نظام عالم کے اسباب کو سکینہ لینا نامناسب نہیں ہوتا یعنی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی۔ تو نظام عالم کے اسباب کو سکینہ لیا جاتا ہے اور زید کے نیکہ اعمال کو کام کرنے دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کے اعمال صالحہ آنے والی بلاؤں کو ختم کرتے ہیں یا ان کو ہلکا کر دیتے ہیں۔

(۲) نظام عالم کے اسباب چاہتے ہیں کہ زید کو راتیں پہنچیں، اور وہ بدکار ہوتا ہے، اور اس کی بدکاری کے مقابلہ میں یہ بات تفصیل سے سمجھنا تو ممکن نہیں، رموز کا کائنات، خالق کائنات ہی جانتے ہیں، مگر ایک مؤمن بالاجمال اس بات کا

ادراک کر سکتا ہے ۱۲

نظام عالم کے اسباب کو کثیر لینا نامناسب نہیں ہوتا تو نظام عالم کے اسباب کو کثیر لیا جاتا ہے، اور زید کے برے اعمال کو کام کرنے دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کی بدکاریاں نعمتوں کو روک دیتی ہیں یا کم کر دیتی ہیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں گو بظاہر اعمال کا نظام عالم کے اسباب سے تعارض ہوتا ہے مگر حقیقی تعارض نہیں ہوتا اس لئے کہ نظام عالم کے اسباب کو کثیر لینا نامناسب نہیں ہوتا۔

(۳) اسباب کا تقاضا ہوتا ہے کہ زید کو تکلیف یا راحت پہنچے اور زید نیک یا بد ہوتا ہے یعنی نظام عالم کے اسباب کا تقاضا بھی وہی ہوتا ہے جو آدمی کے اپنے اعمال کا تقاضا ہوتا ہے تو شراب دوا تہہ ہو جاتی ہے یعنی جزا و سزا میرتر ہو جاتی ہے، اس کو خوب رانتیں میسر آتی ہیں یا سخت سزا ملتی ہے ٹیپہ نیک آدمی اچھے کام اور زیادہ کرنے لگتا ہے اور برا آدمی برائیوں میں اور بڑھ جاتا ہے۔

(۴) نظام عالم کے اسباب قوی ہوں اور ان کے تقاضوں کا پایا جانا زیادہ ضروری ہو، اور آدمی کے اپنے اعمال کے حکم کا پایا جانا اتنا ضروری نہ ہو، تو نظام عالم کے اسباب کی رعایت کی جاتی ہے اور آدمی کے اعمال کے تقاضوں کو روک دیا جاتا ہے۔ اور بدکار کو ذلیل دیدی جاتی ہے اور نیکو کار کو بظاہر تنگی پیش آتی ہے اور اس کی یہ تنگی اس کے نفس کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے اور اس کو یہ حقیقت سمجھا دی جاتی ہے، جیسے مریض کڑوی دوا رغبت سے پیتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میں اس کی شفاء ہے، اسی طرح نیک آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میری پریشانیاں میری ترقی کا سبب ہیں اور میری نیکیوں کا صلہ محفوظ ہے۔ متعلق علیہ حدیث میں ہے کہ مومن کا حال تردنا زہمکتی جیسا ہے، ہوا کے ذرا سے جھونکے بھی اس کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں، اسی طرح مومن پر پوری زندگی احوال آتے رہتے ہیں اور وہ کفار و سینات اور رفیع درجات کا سبب بنتے ہیں، جیسا کہ دوسری متعلق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اس سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

(۵) بعض علاقوں پر شیطان کی اطاعت غالب آ جاتی ہے، جیسے تمام کافر ممالک، بالخصوص یورپ اور امریکہ، اور وہاں کے باشندے سراپا بیہوشیت بن جاتے ہیں، تو ایک مدت تک بطور امتلا ان لوگوں کی سزا روک دی جاتی ہے۔ سورۃ الاعراف آیات (۹۱-۹۶) میں اس کا تذکرہ ہے کہ نبی کی بعثت کے بعد لوگوں کو سختیوں سے دوچار کیا جاتا ہے تاکہ وہ ذلیلے پڑیں، اگر وہ ڈھیلے نہیں پڑتے تو ان کو برکتوں سے نوازا جاتا ہے کہ شاید شکر گزار ہوں، اور جب اس کا بھی کوئی شرہ سامنے نہیں آتا تو دفعۃً ان کو پکڑ لیا جاتا ہے اور یہ برکتیں آزمائش کے لئے ہوتی ہیں، حقیقی نعمتیں اور برکتیں وہ ہیں جو ایمان اور اعمال صالحہ کے صلہ میں ملتی ہیں، مگر جب لوگ تکذیب پر تلے رہتے ہیں تو پاداشِ عمل کا قانون رول عمل آتا ہے اس کی مثال لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں کہ عرصہ تک وہ خوش حال رہیں مگر بالآخر وہ تباہ کر دی گئیں۔

اس آخری صورت کی مثال ایسی ہے کہ ایک آقا کے غلام شرارت پر اترے ہوئے ہیں، مگر کسی وجہ سے آقا کو سزا دینے کی فرصت نہیں، اس وجہ سے گدھے اصطبل میں لائیں چلا رہے ہیں، مگر جو نبی آقا فارغ ہوتا ہے تو ایسی سزا دیتا ہے کہ

سب کھا یا یا نکل جاتا ہے اسی طرح جب قیامت کا دن آئے گا تو ان لوگوں کو سڑا دیے گی، گویا اب اللہ تعالیٰ کو سزا دینے کی فرصت ملی۔ سورۃ الرحمن آیت ۳۱ میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ”اے جن وانس! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہو جاتے ہیں“ یعنی حساب و کتاب لینے والے ہیں۔ اور اس کو مجازاً فارغ ہونا فرمایا ہے۔ اس آیت میں کسی مصلحت سے ایک وقت تک جزاء کے مؤخر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

والضابطۃ فی المجازۃ الخارجیۃ: أنها تكون فی تضاعیف أسباب؛ فمن احاط بتلك الأسباب، وتمثل عنده النظام المنبعث منها، عليم قطعاً أن الحق لا يدع عاصياً إلا يجازیه فی الدنیا، مع رعیۃ ذلك النظام:

فیكون إذا هذات الأسباب عن تنعیمه وتعذیبه، نعم بسبب الأعمال الصالحة، أو عذاب بسبب الأعمال الفاجرة.

ویكون إذا أجمععت الأسباب علی إیلامه، وكان صالحاً، وكان قبضتها لمعارضۃ صلاحه غیر قبیح صرفت أعماله إلى رفع البلاء أو تخفیفه؛ أو علی إنعامه، وكان فاسقاً، صرفت إلى إزالة نعمته، وكان كالمعارض لأسبابها؛ أو أجمعت علی مناسبتہ أعماله أملاً فی ذلك إمداداً بیناً.

وربما كان حکم النظام أو جب من حکم الأعمال، فاستدرج بالفاجر، ویضیق علی الصالح فی الظاهر، ویصرف التضييق إلى کسر بهیمیته، ویفهم ذلك فیرضی، کالذی یشرب الدواء المر راغباً فیہ؛ وهذا معنی قوله صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿مَثَلُ الْمُؤْمَنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ، تُقَشِّئُهَا الرِّيحُ: تَصْرِعُهَا مَرَّةً، وَتَعْدِلُهَا أُخْرَى، حَتَّى يَأْتِيَهُ أَجَلُهُ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْأُرْوَةِ الْمُجْدِيَةِ، الَّتِي لَا بُصْبِيهَا شَيْءٌ، حَتَّى يَكُونَ الْجِعْفُافُ مَرَّةً وَاحِدَةً﴾ وقوله صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿مَنْ مَسْلَمٌ يَصِيبُهُ أَدَى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ، إِلَّا خَطَّ اللَّهُ بِهِ سَيِّئَاتِهِ، كَمَا تَخْطُ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا﴾

وَرُبُّ إِبْلِیمَ غَلِبَتْ عَلَيْهِ طَاعَةُ الشَّيْطَانِ، وَصَارَ أَهْلُهُ كَمَثَلِ النُّفُوسِ الْبَهِيمِيَةِ، فَتَقْلَصُ عَنْهُ بَعْضُ الْمَجَازَاةِ إِلَى أَجَلٍ، وَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْأَسَاءِ وَالضَّرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرَّعُونَ؛ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ، حَتَّى عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَاءُ وَالسَّرَاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ؛ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

وَبِالْجَمْلَةِ: فَالْأَمْرُ هَهُنَا يُشِيرُ بِحَالٍ سَيِّدٍ لَا يَتَفَرَّغُ لِلْجَزَاءِ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صَارَ كَأَنَّهُ تَفَرَّغَ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿سَفَرُغْ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ﴾

ترجمہ: اور بیرونی مجازات کے سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ وہ مجازات نظام عالم کے اسباب کے ضمن میں ہوتی ہے، پس جو شخص ان اسباب کا احاطہ کر لے اور اس کی نگاہوں کے سامنے وہ نظام موجود ہو جو ان اسباب سے اٹھتا ہے تو وہ بالیقین جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو دنیا میں سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتے، نظام عالم کی رعایت کے ساتھ۔

پس (کبھی) ہوتا ہے: جب نظام عالم کے اسباب آدمی کی تعظیم و تعذیب سے تقم جاتے ہیں: تو وہ اعمال صالحہ کی وجہ سے راحتیں پہنچایا جاتا ہے یا اعمال سیئہ کی وجہ سے تکلیف پہنچایا جاتا ہے۔

اور (کبھی) ہوتا ہے جب نظام عالم کے اسباب اس کو تکلیف پہنچانے پر مجتمع ہو جاتے ہیں، اور وہ نیک آدمی ہوتا ہے، اور اس کی نیکی کے مقابلہ میں نظام عالم کے اسباب کو سکینز ناغیر قبیح ہوتا ہے (یعنی ان کو سکیرا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا) تو اس کے اعمال کو بلاؤں کے ختم کرنے کی طرف یا ان کو ہلکا کرنے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ یا اسباب مجتمع ہوتے ہیں اس کی راحت و رسانی پر، اور وہ بدکار ہوتا ہے، تو اس کے اعمال اس کی نعمتوں کو ختم کرنے کی طرف پھیر دیئے جاتے ہیں۔ اور وہ بدکاری نظام عالم کے اسباب کے معارض جیسی ہو جاتی ہے۔ یا اسباب اکٹھا ہوتے ہیں اس کے اعمال کے حسب حال، تو ان اعمال میں مدد پہنچائی جاتی ہے واضح طور پر مدد پہنچانا۔

اور کبھی نظام عالم کے اسباب کا حکم آدمی کے اعمال کے حکم سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے، تو بدکار کو ڈھیل دی جاتی ہے، اور نیکو کار پر بظاہر تنگی کی جاتی ہے اور اس تنگی کو اس کی بہیمیت کے توڑنے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ اور وہ شخص سمجھا دیا جاتا ہے (یا سمجھ جاتا ہے) پس وہ راضی ہوتا ہے، اس شخص کی طرح جو کڑوی دوا پیتا ہے، اس میں رغبت کرتے ہوئے۔ اور یہی مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا کہ:

”مؤمن کا حال تردت زیادہ کبھی جیسا ہے، جس کو ہوائیں ہلاتی ہیں، کبھی اس کو پھپھارتی ہیں اور کبھی اس کو سیدھا کھڑا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ مؤمن کی موت آ جاتی ہے (یعنی چھوٹے بڑے حادثات اس پر آتے ہی رہتے ہیں جو کفارہ سینات بنتے رہتے ہیں)

اور منافق کا حال سیدھے کھڑے ہوئے درخت صنوبر جیسا ہے جس کو کوئی چیز نہیں پہنچتی (یعنی وہ کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا) یہاں تک کہ اس کا یکبارگی اکھڑنا ہوتا ہے (یعنی منافق پر حالات بہت ہی کم آتے ہیں اور وہ کفارہ سینات بھی نہیں بنتے) (مشکوٰۃ کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض حدیث نمبر ۱۵۳۱)

اور یہی معنی اس ارشاد نبوی کے ہیں کہ:

”جس کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے بیماری کی یا اس کے علاوہ تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی برائیوں کو جھاڑتے ہیں، جیسا درخت (پت جھڑ کے موسم میں) پتے جھاڑتا ہے (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۱۵۳۸ کتاب الجنائز)

اور بعض علاقوں پر شیطان کی فرمانبرداری غالب آ جاتی ہے، اور وہاں کے باشندے سراپا نیکی نفوس جیسے ہو جاتے

ہیں، تو اس خطہ سے کچھ مجازات ایک مقررہ وقت تک سٹر جاتی ہے، اور اسی کا تذکرہ اس ارشاد باری میں ہے:

”اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نگر پکڑا ہم نے اس کے باشندوں کو محتاجی اور بیماری میں، تاکہ وہ گزر گزائیں، پھر ہم نے اس بد حالی کو خوش حالی سے بدل دیا، یہاں تک کہ خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ: ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی (پس یہ کوئی قابلِ فکر بات نہیں) تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور ان کو غیر بھی نہ تھی اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال بدل دیے۔“ (سورۃ الاعراف ۹۳-۹۶)

خلاصہ: پس معاملہ یہاں اس آقا کے مشابہ ہے جو سزا دینے کے لئے فارغ نہ ہو، پس جب قیامت کا دن ہوگا تو صورت حال یہ ہوگی کہ گویا اللہ تعالیٰ فارغ ہو گئے، اور اس کی طرف اشارہ ہے اس ارشاد باری تعالیٰ میں کہ: ”اب ہم تمہارے لئے فارغ ہوتے ہیں، اے جن و انس!“

لغات:

الضابط والمضابطۃ: وہ قاعدہ کلیہ جو اپنی ساری جزئیات پر منطبق ہو۔ تضاعیف الشیء: ما ضَعَف منه (دو چند کیا ہوا) یعنی انسان کے اعمال کو بھی اسباب نظام عالم میں شامل کر لیا جاتا ہے اور ان کو دو چند کر کے پھر مہربانی کی رعایت کر کے مجازات ہوتی ہے..... احساط کے صلہ میں جب با آتی ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اچھی طرح سمجھ لینا، قرآن کریم میں ہے ﴿وَلَمْ يُحِطُوا بِهَا عِلْمًا﴾ (یونس ۳۹) (اپنے احاطہ طمی میں نہیں لائے) هَذَا (ف) هَذَا وَهَذُوْءٌ پر سکون ہونا .. اَوْجِبَ (اسم تفضیل) یعنی اکڈ استدرجہ الی کذا: آہستہ آہستہ قریب کرنا يُفْقَهُمْ تَفْهِمًا: سمجھانا اس کو یَفْقَهُمْ مجرور سے بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی وہ سمجھ جاتا ہے .. الخَامَةُ: تروتازہ گھاس، جمع خَامٌ وَخَامَاتٌ .. قِيَات الرياح العاصون: ہوا کا ٹہنیوں کو بلانا .. اُزْرَةُ: درخت صنوبر .. الْمُضْحِذَةُ: اچھی طرح سے کھڑا ہوا جَدًا (ن) حَذُوا الشجرة على الارض: اچھی طرح کھڑا ہونا یعنی مضبوط کھڑا ہونا .. انجففت الشجرة: جڑ سے اکھڑ جانا .. تَقْلَسُ: سٹر جانا۔

ترکیب:

فیکون ای فیکون تارۃ کذا..... نَعَمْ الخ جملہ جزائیہ ہے لمعارضۃ صلاحہ میں لام اجلیہ ہے قوله: وکان کالمعارض یعنی فکانہما ای الصالح والفاصل لم یُجازا (سندی) إذا کان یومُ القیامۃ میں کان تامہ اور جملہ صار الخ جملہ جزائیہ ہے قوله: الضابطۃ فی المجازۃ الخارجیۃ ای یُجازی الإنسان لامحالۃ علی أعمالہ بالمجازۃ الداخلیۃ من الندامۃ والحسرة، والرؤیا، وانبساط قلب وانبساطہ کما

تقدم، بلا نظر إلى الأسباب الموافقة للنظام الكلى أو المخالفة له، وأما المجازاة الخارجية فمبى على موافقة أسباب المجازاة لنظام العالم يعنى يُجازى الإنسان على أعمال حسنة أو سيئة في الدنيا لامحالة، لكن بحيث لا يتطرق الخلل في نظام العالم، لأن المجازاة لإقامة نظام العالم (سندى)
تصحیح: الضابطۃ اصل میں الضابط تھا، صحیح مخلوط کراچی سے کی ہے۔



مجازات کی پانچ صورتیں

دنیائیں مجازات کی پانچ شکلیں ہوتی ہیں:

(۱) روحانی مجازات، اس کو مجازات داخلیہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی اعمال صالحہ کی وجہ سے دل میں خوشی اور اطمینان کا پیدا ہونا، اور اعمال سیئہ کی وجہ سے دل میں انقباض اور گھبراہٹ کا پیدا ہونا۔ سورۃ طہ آیت ۱۲۳ میں ہے کہ: ”جو شخص میری نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا“ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ”دنیا میں تنگی باعتبار قلب کے ہے کہ بروقت دنیا کی حرص میں، ترقی کی فکر میں، کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے، گو کوئی کافر بے فکر بھی ہو، لیکن اکثر کی حالت یہی ہے“ (فوائد ترجمہ) اور نیک ایماندار کا حال اس کے برعکس ہے۔

(۲) جسمانی مجازات — جیسے نیک کام کرنے کی وجہ سے بیماری کا دور ہونا، صدقہ کی وجہ سے بیماریوں اور آفتوں کا ملنا اور برے کاموں سے بیمار پڑ جانا، غم کا چھا جانا اور خوف کا طاری ہونا وغیرہ۔ نبوت سے پہلے جب کعبہ کی تعمیر کی جارہی تھی اور آنحضور ﷺ اور عمر محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا کہ لنگی اتار کر اپنے کندھے پر ڈال لیجئے (چنانچہ آپ نے ایسا کرنا چاہا) تو فوراً زمین پر گر پڑے اور آسمان کی طرف تنگی بندھ گئی، پھر آپ نے فرمایا کہ میری لنگی مجھے دیدو، پھر آپ نے اس کو باندھ لیا (بخاری شریف کتاب الحج باب فضل مکہ، حدیث نمبر ۱۵۸۲) یہ واقعہ جسمانی مجازات کے قبیل سے ہے۔

(۳) متعلقات میں مجازات — جیسے اعمال صالحہ کی وجہ سے جان و مال اور اہل و عیال میں برکت کا ہونا اور بد اعمالیوں کی وجہ سے نقصانات کا ہونا۔

(۴) آفاقی مجازات — یعنی نیک لوگوں سے ملنا سائل کا اور عام لوگوں کا اور دینی مخلوقات کا محبت کرنا اور حسن سلوک کرنا اور برے لوگوں کے درپے آزار ہونا۔

(۵) اعمال میں مجازات — یعنی نیک کام کرنے کی وجہ سے مزید نیکیوں کی توفیق کا ملنا اور برے کاموں کی وجہ سے نقصانات کا ہونا۔

سے توفیق کا سلب ہونا اور مزید برائیوں میں پھنسنے چلے جانا حتیٰ کہ دل پر مہر لگ جانا غرض خیر و شر سے نزدیک کیا جانا بھی مجازات ہے۔ اور اس مجازات کی دوسو مرتبیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ مزید نیک کاموں کا اس کو الہام کیا جاتا ہے یا شیاطین کے وسوسے بڑھ جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آدمی کے احوال میں تبدیلی کردی جاتی ہے یعنی ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ آدمی نیک کاموں میں ترقی کرتا ہے یا برائیوں میں پھیر پھرتا ہے۔

فائدہ: جو شخص مذکورہ بالا مضامین کو اچھی طرح سمجھ لے، اور ہر بات کو اس کے موقع پر رکھے، تو وہ بہت سے اشکالات سے نجات پالے گا مثلاً:

(۱) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی سے روزی بڑھتی ہے اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں اجر ملے گا اور دنیا میں بلا نیکیں نیک لوگوں کو زیادہ پہنچتی ہیں۔

(۲) ایک حدیث کہتی ہے کہ بدی سے روزی گھٹتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ بدکاروں کو ان کی نیکیاں دنیا میں کھادی جاتی ہیں۔

تو اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ نیکی سے روزی بڑھتی ہے اور بدی سے گھٹتی ہے لیکن نظام عالم کے اسباب کی وجہ سے نیک لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے اور ان کی مصلحت کے لئے ان کی نیکیوں کا اجر آخرت میں محفوظ کیا جاتا ہے اور کافروں کے لئے چونکہ آخرت میں کچھ نہیں اس لئے ان کی نیکیوں کا صلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے تاکہ آخرت میں ان کا کوئی مطالبہ باقی نہ رہے۔ اور کبھی آزمائش کے لئے ان کی روزی گھٹادی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

ثم المجازاة:

تارة: تكون في نفس العبد بافاضة البسط والطمانينة، أو القبض والفزع.

وتارة: في بدنه، بمنزلة الامراض الطارئة: من هجوم غم أو خوف؛ ومنه وقوع النبي صلى الله عليه وسلم مغشياً عليه قبل نبوته، حين كشف عورته.

وتارة: في ماله وأهله.

وربما: ألهم الناس والملائكة والبهائم: أن يحسنوا إليه أو يُسيئوا.

وربما: قُرَّبَ إلى خير أو شر، بالهامات أو إحالات.

ومن فيهم ما ذكرناه ووضع كل شيء في موضعه، استراح من إشكالات كثيرة:

كمعارضة الأحاديث الدالة على أن البر سبب زيادة الرزق، والفجور سبب نقصانه؛ والأحاديث الدالة على أن الفجار يُعجل لهم الحسنات في الدنيا، وأن أكثر الناس بلاء الأمتل فالأمتل، ونحو ذلك، والله أعلم.

ترجمہ: پھر جزاؤ سزا:

کبھی: بندے کے دل میں ہوتی ہے، کشادگی اور اطمینان یا انقباض و گھبراہٹ کے فیضان کے ذریعہ۔
اور کبھی: بندے کے بدن میں ہوتی ہے، جیسے بے چینی یا خوف کے جہوم سے پیش آنے والی بیماریاں، اور اسی قبیل سے ہے: نبی کریم ﷺ کا نبوت سے پہلے بے ہوش ہو کر گر پڑنا، جب آپ نے اپنا ستر کھولا۔
اور کبھی: بندے کے مال میں اور اہل و عیال میں ہوتی ہے۔

اور کبھی: لوگ، فرشتے اور چوپایے الہام کئے جاتے ہیں کہ وہ اس بندے سے اچھا سلوک کریں یا برا سلوک کریں۔
اور کبھی: بندہ نزدیک کیا جاتا ہے خیر سے یا شر سے، الہامات کے ذریعہ یا تغیرات کے ذریعہ۔
فائدہ: اور جو شخص وہ باتیں سمجھ لے جو ہم نے ذکر کیں، اور ہر چیز کو اس کی جگہ میں رکھے (یعنی ہر روایت کا صحیح مطلب سمجھے) تو وہ شخص بہت سے اشکالات سے آرام پالے گا۔ جیسے اُن روایات کا تعارض جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نیک اعمال رزق کی فراخی کا سبب ہیں، اور برے اعمال رزق کی تنگی کا سبب ہیں، اور وہ روایات جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ گناہ گاروں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں جلد ہی دیدیا جاتا ہے، اور جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سب سے زیادہ آزمائش بڑے لوگوں کی ہوتی ہے، پھر درجہ بدرجہ اور اس قسم ن دیگر روایات واللہ اعلم

لغات:

بسطاً (ن) بَسَطَ الثَّوْبَ: پھیلا نا۔ بَسَطَ الرَّحْلَ: دول بڑھانا۔ بَسَطَ الْيَدَ: ہاتھ کشادہ کرنا یہاں مراد دل کی کشادگی، رِشاشت اور خوشی ہے۔ الطَّمَانِينَةُ: الاطمینان إحالة بتدلیلی تغییر۔ الامثل (اسم تفصیل): الافضل جمع امثال ومثل مؤنث مثلی، فعل مثل (ک) مَفَاةً: افضل ہونا۔ لَمَّا امثل میں ف ترتیب کے لئے ہے۔

تصحیح: ما ذکرناہ اصل میں ما ذکرنا بغیر ضمیر کے تھا، صحیح منقطع کر اچھی سے کی ہے۔

باب — ۲

موت کی حقیقت کا بیان

گذشتہ باب میں دنیوی مجازات کا ذکر تھا، آئندہ باب میں بروخی مجازات کی تفصیلات آ رہی ہیں درمیان میں موت کی حقیقت کا بیان ہے۔ کیونکہ موت ایک پل ہے، اس سے گزر کر ہی قبر کی زندگی تک پہنچا جاسکتا ہے، اس لئے پہلے موت کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے:

یہ نکتہ سیکھائیں نے بوالحسن سے کہ روح مرقی نہیں مرگ بدن سے
یعنی اشاعرہ کے امام، حضرت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے یہ بات واضح کی ہے کہ مرتا بدن ہے، روح نہیں مرقی۔
روح سے مراد روح انسانی ہے جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں اور یہ انسانوں کی مخصوص روح ہے، دیگر حیوانات میں یہ روح
نہیں ہوتی، ان میں صرف نسمہ ہوتا ہے جس کو روح ہوائی اور روح حیوانی کہتے ہیں، یہ نسمہ انسان میں بھی ہوتا ہے اور
نفس ناطقہ یعنی روح کا تعلق بدن انسانی سے اسی نسمہ کے واسطے سے ہوتا ہے جس کی تفصیل بحث اول، باب پنجم میں
گزر چکی ہے۔

موت کے وقت نسمہ کا بدن سے حقیقی تعلق ختم ہو جاتا ہے البتہ وہی (خیالی) تعلق باقی رہتا ہے، اور روح ربانی کا نسمہ
سے تعلق بحالہ قائم رہتا ہے، بلکہ روح ربانی کے فیضان سے اور عالم مثال کی امداد سے نسمہ پہلے سے زیادہ قوی ہو جاتا ہے
اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ماہر کا تپ ہو، کسی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تو بھی کتابت کا ملکہ ختم نہیں
ہو جاتا، بلکہ بحالہ قائم رہتا ہے، اسی طرح کوئی شخص چلنے کا ڈھنی ہو، ہر وقت چلتا رہتا ہو، اگر اس کے دونوں پیر کٹ جائیں یا
کوئی سمج و بصیر ہو، پھر وہ بہرہ و اندھا ہو جائے تو بھی اصل ملکہ اس میں بحالہ باقی رہے گا۔ اسی طرح روح ربانی کا تعلق بدن
سے منقطع ہو جاتا ہے تو بھی نسمہ سے اس کا تحقیقی تعلق باقی رہتا ہے اور بدن سے وہی تعلق برقرار رہتا ہے۔ اور یہ سمجھنا بالکل ہی
خام خیالی ہے کہ موت کے وقت روح ربانی کا بدن سے بالکلیہ تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

اور اس وہی تعلق کو ٹیلیفون کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، P.C.O. کا تعلق مقامی بستی کے ہر فون سے ہوتا ہے
S.T.D. کا تعلق پورے ملک کے ہر فون سے ہوتا ہے اور I.S.D. کا تعلق پوری دنیا کے فونوں سے ہوتا ہے، یہ تعلق
وہی ہے اور شہر کی مرکز مواصلات کی مشین سے تحقیقی تعلق ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے موت کی یہ حقیقت سمجھانے کے لئے لمبی تمہید قائم کی ہے، اس تمہید کو بھی سمجھنے کے
لئے تمہید ضروری ہے اس لئے درج ذیل معلومات پہلے ذہن نشین کر لیں، پھر شاہ صاحب کی بات پیش کی جائے گی۔

عنصر کے معنی ہیں اصل، اور اصطلاح میں عنصر اس بسیط (غیر مرکب) اصل کو کہتے ہیں جس سے تمام مرکبات
ترکیب پاتے ہیں۔ عناصر چار ہیں: آگ، پانی، ہوا، مٹی۔ ان کو ارکان اور اصول کون و فساد بھی کہتے ہیں۔
مرکب: وہ چیز ہے جو مختلف مابیت رکھنے والے اجسام (عناصر اربعہ) سے بنی ہو۔ مرکب کی دو قسمیں ہیں:
مرکب تام اور مرکب ناقص:

مرکب تام: چاروں عناصر یا ان میں سے بعض جب اس طرح پر جمع ہو جائیں کہ ہر ایک کی کیفیت دوسرے کی
مخالفانہ کیفیت کی تیزی کو توڑ دے، اور ایک نئی اعتدالی کیفیت (مزاج) پیدا ہو جائے، اور ان بساط کا ہیولی اپنی صورت

نوعیہ کو چھوڑ کر مبدأ فیاض سے ایک نئی صورت ترکیبی کے فیضان کے قابل ہو جائے، اور وہ نئی صورت نوعیہ اگر اس مرکب کی کافی عرصہ تک حفاظت کرے اور اس کو باقی رکھے تو وہ مرکب تام کہلاتا ہے۔ — استقراء سے مرکب تام کی تعداد تین تک دریافت ہوئی ہے یعنی معدنیات، نباتات اور حیوانات مرکب تام میں اگر نمو اور حرکت ارادیہ نہ ہو تو وہ معدنیات ہیں۔ اور اگر نمو تو ہو مگر حرکت ارادیہ متحقق نہ ہو تو وہ نباتات ہیں۔ اور اگر نمو اور حرکت ارادیہ دونوں متحقق ہوں تو وہ حیوانات ہیں۔

مرکب ناقص: بسا اظہار یہ اگر اس طور سے جمع ہو جائیں کہ مرکب میں بھی بسا اظہار کی صورت نوعیہ بدستور باقی رہیں، جیسے گارا: مٹی اور پانی کا مرکب ہے، اور ترکیب کے بعد بھی مٹی اور پانی کی صورتیں باقی ہیں، نئی صورت نوعیہ جلوہ گر نہیں ہوتی، یا نئی صورت ترکیبی پیدا تو ہو مگر، وہ مرکب کی کافی عرصہ تک حفاظت نہ کرے، بلکہ اس کا وجود وقتی اور عارضی ہو، جیسے شباب (نونا ہوا تارہ): ناؤہ کو نیا اور آگ کا مرکب ہے، اور ترکیب کے بعد نئی صورت کا فیضان بھی ہوا ہے، مگر وہ تھوڑی دیر کے لئے ہے، اسی طرح کبر اور شہم وغیرہ یہ سب مرکب غیر تام ہیں (معین الفلفص ۱۳۲)

و عن عناصر کے مرکبات: بخار (ہماپ): پانی اور آگ سے مرکب ہے، غبار: مٹی اور ہوا سے مرکب ہے۔ دخان: (دھواں) آگ اور ہوا سے مرکب ہے۔ غری (غناک مٹی): پانی اور مٹی سے مرکب ہے۔ ارض مٹھرۃ (جوتی ہوئی زمین): مٹی اور ہوا سے مرکب ہے۔ جو تنے سے زمین میں نخلخل ہوتا ہے اور ہوا اندر گھرتی ہے تو زمین ابھر جاتی ہے۔ تھرۃ (چنگاری): مٹی اور آگ سے مرکب ہے، سَعْفہ (آگ کی لپٹ): آگ اور ہوا سے مرکب ہے شعلہ: آگ اور ہوا سے مرکب ہے (سَعْفہ اور شعلہ ایک ہی چیز ہیں)

تین عناصر کے مرکبات: طین مخمور (مڑا ہوا گارا): پانی، مٹی اور ہوا سے مرکب ہے اور اس میں ہوا کے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس میں سے بدبو اُٹھتی ہے۔ طَحْلَب (کائی): پانی، مٹی اور ہوا سے مرکب ہے۔

چار عناصر کے مرکبات: تمام نباتات اور حیوانات (بشمول انسان) ہیں۔

فلکیات، کائنات الٰہی اور موالید: زمین سے انتہائی بلندی پر جو اجسام پائے جاتے ہیں وہ علویات اور فلکیات کہلاتے ہیں، جیسے آسمان (افلاک) ستارے اور سیارے، اور جو چیزیں زمین و آسمان کے بیچ میں پیدا ہوتی ہیں وہ کائنات الٰہی (فضائی مخلوقات) کہلاتی ہیں، جیسے بادل، بارش، برف وغیرہ، ان میں مزاج متحقق نہیں ہوتا اس لئے یہ جلد ختم ہو جاتی ہیں اور ان کو مرکب غیر تام کہتے ہیں۔ اور جو چیزیں زمین میں پیدا ہوتی ہیں وہ موالید کہلاتی ہیں، ان میں مزاج متحقق ہوتا ہے، اس لئے وہ عرصہ تک قائم رہتی ہیں اور مرکب تام کہلاتی ہیں۔ موالید تین ہیں معدنیات، نباتات اور حیوانات۔ معدنیات مختلف طرح کی ہوتی ہیں بعض ودعناصر سے مرکب ہوتی ہیں، بعض تین سے اور بعض چاروں عناصر سے اور تمام نباتات اور حیوانات عناصر اربعہ کے مرکبات ہیں۔

اس ضروری تمہید کے بعد اب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی تمہید ملاحظہ فرمائیں:

معدنیات، نباتات، حیوانات اور انسان سب عناصر راہِ بعد سے بنی ہوئی مخلوقات ہیں۔ اس لئے سب کی صورت حال بظاہر یکساں نظر آتی ہے، مگر حقیقت حال مختلف ہے، ہر ایک کی صورت نوعیہ کا فیضان الگ الگ مادوں پر ہوتا ہے، جس مادہ میں سونا بننے کی صلاحیت ہوتی ہے، اس پر سونے کی صورت نوعیہ سوار ہوتی ہے اور جس مادہ میں چاندی بننے کی صلاحیت ہوتی ہے، اس پر چاندی کی صورت نوعیہ طاری ہوتی ہے یہی حال تمام معدنیات، نباتات اور حیوانات کا ہے، مادے میں جو صلاحیت پیدا ہوتی ہے وہی صورت فائض ہوتی ہے۔ ہر صورت کی سواری الگ الگ ہونے کا یہی مطلب ہے۔

اسی طرح ہر صورت نوعیہ کا یعنی ہر نوع کا کمال اذلی الگ ہے، یعنی مبدأ فیاض سے ہر نوع کو جو کمال فطری طور پر ملتا ہے وہ الگ الگ ہوتا ہے، جیسے شہد کی مکھی کو الگ کمال ملتا ہے، گائے بھینس کو دوسرا کمال ملتا ہے، اونٹ کو الگ اور تیل کو جدا کمال ملتا ہے اور مخلوقات اکتساب یعنی اپنی محنت سے جو کمال حاصل کرتی ہیں وہ کمال ثانوی کہلاتا ہے، جیسے انسان لکھ پڑھ کر کمالات حاصل کرتا ہے یہ سب ثانوی کمالات ہیں اور انسان کو بحیثیت انسان جو صلاحیتیں ملی ہیں وہ اس کا کمال اولی ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عناصر جب نمین اور باریک ہوتے ہیں، اور قلت و کثرت کے اعتبار سے مختلف طرح پر باہم ملتے ہیں تو وہ عناصر والی مخلوقات، تین عناصر والی مخلوقات، اور چار عناصر والی مخلوقات وجود میں آتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیت الگ ہوتی ہے اور وہ اس کے اجزاء کی خصوصیات کا مجموعہ ہوتی ہے، ان کے علاوہ کوئی نئی چیز ان میں نہیں ہوتی۔ اس کی مثال طبیعوں کا مجموعہ ہے جو مفرد ادویہ سے مرکب ہوتا ہے۔ اور اس مجموعہ میں جو خاصیت پیدا ہوتی ہے، وہ مفردات کے خواص کا مجموعہ ہی ہوتی ہے، ان کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ پھر مفردات کی مقدار کی کمی بیشی سے بھی مجموعہ کے خواص میں فرق پڑتا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان تمام مرکبات کو کائنات الجو کا نام دیا ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان میں سے بعض کائنات الجو ہیں اور بعض موالید یعنی زمینی مخلوقات ہیں۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ عناصر کے باہم ملنے کے بعد جب کسی دھات کا مثلاً سونے کا یا چاندی کا مزاج پیدا ہوتا ہے تو اس کی صورت معدنیہ آکر اس مزاج پر سوار ہو جاتی ہے اور سونا یا چاندی موجود ہو جاتے ہیں، اور اس مادے میں سونے کی، یا چاندی کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ صورت معدنیہ ایک عرصہ تک اس مزاج کی حفاظت کرتی ہے اس لئے وہ سونا یا چاندی ہی رہتا ہے، کسی دوسری دھات وغیرہ میں بدل نہیں جاتا۔

اسی طرح جب کسی نبات کا مثلاً آم کا یا امرود کا مزاج پیدا ہوتا ہے تو اس نوع کی صورت نامیہ آکر اس جسم کو جو محفوظ المزاج ہے سواری بنا لیتی ہے۔ اور وہ صورت نوعیہ ایک ایسی طاقت بن جاتی ہے جو عناصر اور فضاء کے اجزاء کو اپنے ہم

مزاج بدلتی رہتی ہے، تاکہ اس نبات کے لئے جو کمال متوقع ہے اس کو وہ بالفعل حاصل کر لے، یعنی جتنا بڑا درخت بننا مقدر ہے اور جس قدر پھل دینا تقدیر الہی میں طے ہے وہ دیدے۔

اسی طرح جب کسی جسم میں روح ہوائی (نفس) تیار ہوتی ہے، جو تقدیر اور تمعید کی صلاحیتوں کی حامل ہوتی ہے، تو صورت حیوانیہ آکر اس روح ہوائی پر سوار ہو جاتی ہے، اور حیوانات کی وہ نوع وجود میں آ جاتی ہے۔ اور صورت حیوانیہ اس روح ہوائی کے اطراف میں تصرف شروع کرتی ہے، ان میں حس و حرکت اور ارادہ پیدا کرتی ہے، تاکہ وہ حیوان، مطلوب کی طرف اٹھے، گھاس دانہ وغیرہ خوراک تلاش کرے اور مہرب سے پیچھے ہٹے یعنی جو چیزیں اس کو ضرر پہنچانے والی ہیں ان سے بچے۔

اسی طرح جب بدن انسانی میں نفس تیار ہو جاتا ہے تو صورت انسانیہ آکر اس نفس کو سواری بنا لیتی ہے جو بدن میں متصرف ہے، اس طرح انسان کا ایک فرد موجود ہو جاتا ہے، پھر صورت انسانیہ ان اخلاق و ملکات کو سنوارتی ہے اور ان کی بہترین تدبیر کرتی ہے جو اقدام و انجام کی بنیاد ہیں، اور ان اخلاق کو ان علوم کے لئے اسٹیج بنا لیتی ہے جن کو وہ عالم بالا سے حاصل کرتی ہے۔

غرض موالید کی تمام انواع کا معاملہ اگرچہ سرسری نظر میں ملتا جلتا نظر آتا ہے، مگر گہری نظر ہر صورت نوعیہ کے آثار و احکام کو اس کے سرچشمہ کے ساتھ ملتی کرتی ہے اور ہر صورت کو اس کی سواری کے ساتھ سمجھ کر دیتی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تمام صورت نوعیہ کے قیام و بقاء کے لئے کوئی مادہ ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ صورت نوعیہ عرض ہے، وہ کسی جوہر کے ساتھ ہی قائم ہو سکتی ہے۔ اور ہر صورت کے لئے مادہ وہی چیز بن سکتی ہے جو اس کے مناسب ہو، غرض مادہ کے بغیر صورت نوعیہ نہیں پائی جاسکتی۔ جیسے موم گھر (Wax House) میں موم کی تمثالیں بنی ہوئی ہوتی ہیں، یہ صورتیں موم کے بغیر قائم نہیں ہو سکتیں یا بچوں کے کھلونوں کی صورتیں، میٹرل کے بغیر موجد نہیں ہو سکتیں، اسی طرح ہر صورت نوعیہ کو مادہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ نفس ناطقہ یعنی روح ربانی جو انسان کی مخصوص روح ہے، موت کے وقت مادہ سے الگ ہوا جاتی ہے: ان کا یہ قول انکل پچو کا تیر ہے۔ کیونکہ مادہ سے الگ ہو کر وہ قائم نہیں رہ سکتی، کپڑے کی سفیدی یا سیاہی مادہ سے الگ ہو کر کیسے برقرار رہ سکتی ہے! اور موت کے بعد روح کا بقا اسلامی عقیدہ ہے، جیسا کہ اشعریؒ نے فرمایا ہے۔

ہاں مادہ دو طرح کا ہوتا ہے: ایک بالذات دوسرا بالعرض۔ انسان کی صورت نوعیہ (روح ربانی) کا بالذات مادہ نفس ہے، جس کے ساتھ وہ براہ راست متعلق ہوتی ہے اور جسد خاکی بالعرض مادہ ہے، کیونکہ اس کے ساتھ صورت نوعیہ نفس کے توسط سے متعلق ہوتی ہے۔

پس موت کے وقت روح ربانی جسد خاکی سے جدا ہو جاتی ہے، مگر اس جدا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ وہ

نسمہ میں حسب سابق طول کئے ہوئے ہوتی ہے، جیسے کسی ماہر خوش نویس کے — جو خود اپنے فن پر غروریت ہو — دونوں ہاتھ کٹ جائیں، یکسی منگشت کے دونوں پیرکٹ جائیں یا کوئی شنوا، جینا، بہرہ اندھا ہو جائے تو بھی اصل ملکہ بدستور باقی رہتا ہے، اگر سر جری کر کے مصنوعی ہاتھ پیر لگا دئے جائیں تو ان سے وہ لکھنے اور گھومنے لگے گا، اسی طرح آپریشن کر کے یا آلہ لگا کر آدمی کو سندا دیکھتا کر سکتے ہیں۔

اسی طرح جسدِ خاکی سے نفسِ ناطقہ کے تحقیقی تعلق کے ختم ہونے کے بعد بھی وہی (خیالی) تعلق باقی رہتا ہے اور نسمہ سے تو حقیقی تعلق برقرار رہتا ہے، جو اس کے بقاؤ قیام کے لئے کافی سامان ہے۔

﴿باب ذکر حقیقۃ الموت﴾

اعلم ان لكل صورة من المعدنية، والناموية، والحيوانية، والإنسانية مَطِيَّةٌ غير مطية الأخرى، ولها كمالاً أولياً غير كمال الأخرى، وإن اشبه الأمر في الظاهر .
فالأركان إذا تَصَغَّرَتْ وامتزجت بأوضاع مختلفة، كثرة وقلة، حدثت ثنائيات: كالخيار، والغبار، والدخان، والثرى، والأرض المُنْثَارَة، والجَمْرَة، والسُّعْفَة، والشُّعْلَة، وثلاثيات: كالطين المَخْمَر، والطَّحْلَب؛ ورباعيات: نظائر ما ذكرنا؛ وتلك الأشياء لها خواصٌ مركبةٌ من خواص أجزائها، ليس فيها شئٌ غير ذلك؛ وتسمى بكانات الجبر .
فتأتى المعدنية، فتقتعد غارب ذلك المزاج، وتتخذ مطيةً، وتصير ذات خواصٍ نوعية، وتحفظ المزاج.

ثم تأتى الناموية، فتتخذ الجسم المحفوظ المزاج مطيةً، وتصير قوةً محولةً لأجزاء الأركان والكانات الجوية إلى مزاج نفسه، لتخرج إلى الكمال المتوقع لها بالفعل .
ثم تأتى الحيوانية، فتتخذ الروح الهوائية الحاملة لقوى التغذية والتنمية مطيةً، وتنفذ التصرف في أطرافها بالحس والإرادة، انبعاثاً للمطلوب، وانحناساً عن المهرب .

ثم تأتى الإنسانية، فتتخذ النسمة المتصرفة في البدن مطيةً، وتقصّد إلى الأخلاق التي هي أمهات الانبعاثات والانحناسات، فقَتَبَتِهَا، وتُحَسِّنُ سياستها، وتأخذها مَنْصَةً لما تتلقاه من فوقها .
فالأمر وإن كان مشتبهاً بآدى الرأى، لكن النظر المُمَعِن يُلْحَق كل آثار بمنبعها، ويُفَرِّز كل صورة بمطيتها .

وكل صورة لا يبدلها من مادة تقوم بها؛ وإنما تكون المادة ما يناسبها؛ وإنما مَثَلُ الصورة كمثل

خَلْقَةُ الْإِنْسَانِ الْقَالِمَةُ بِالشَّمْعَةِ فِي التَّمَالِ، وَلَا يُمْكِنُ أَنْ تَوْجِدَ الْخَلْقَةَ إِلَّا بِالشَّمْعَةِ؛ فَمَنْ قَالَ بَأَنَ
النَّفْسِ النُّطْقِيَّةِ، الْمَخْصُوصَةِ بِالْإِنْسَانِ، عِنْدَ الْمَوْتِ تَوْفُضُ الْمَادَّةَ مُطْلَقًا، فَقَدْ خَرَصَ.
نَعَمْ، لَهَا مَادَّةٌ بِالذَّاتِ وَهِيَ النَّسَمَةُ، وَمَادَّةٌ بِالْعَرَضِ وَهِيَ الْجِسْمُ الْأَرْضِيُّ؛ فَإِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ
لَمْ يَضُرْ نَفْسُهُ زَوَالُ الْمَادَّةِ الْأَرْضِيَّةِ، وَبَقِيَتْ حَالَةً بِمَادَّةِ النَّسَمَةِ، وَيَكُونُ كَالْكَاتِبِ الْمُجِيدِ،
الْمَشْغُوفِ بِكُتَابَتِهِ؛ إِذَا قُطِعَتْ يَدَاهُ وَمَلَكَهُ الْكِتَابَةُ بِحَالِهَا؛ وَالْمُسْتَهِتِرِ بِالْمَشْيِ؛ إِذَا قُطِعَتْ
رِجْلَاهُ؛ وَالسَّمِيعِ وَالْبَصِيرِ؛ إِذَا جُعِلَ أَصَمٌّ وَأَعْمَى.

ترجمہ: موت کی حقیقت کا بیان۔ جان لیجئے کہ جمادات، حیوانات اور انسانوں میں سے ہر صورت
کے لئے ایک سواری ہے دوسری کی سواری کے علاوہ، اور ہر صورت کے لئے کمال اولیٰ ہے دوسری کے کمال اولیٰ کے
علاوہ، اگرچہ معاملہ بظاہر متشابہ (کیسا، ہم شکل) ہے۔

پس جب عناصر راہِ چھوٹے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور باہم مختلف انداز سے ملتے ہیں، زیادہ ہونے اور کم ہونے
کے اعتبار سے، تو دو عناصر والی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، جیسے بھاپ، غبار، دھواں، نمناسک مٹی، جوتی ہوئی زمین، چنگاری،
آگ کی لپٹ اور شعلہ۔۔۔ اور تین عناصر والی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، جیسے خیرانمٹی ہوئی مٹی (سزا ہوا گارا) اور کائی (وہ
سبزی جو اکثر بند پانی کے اوپر یا برسات میں چوٹنے کی دیواروں پر جم جاتی ہے) اور چار عناصر والی چیزیں (پیدا ہوتی
ہیں) ان چیزوں کی طرح جو ہم نے ذکر کیں۔ اور ان چیزوں کے لئے خصوصیات ہیں، جو ان کے اجزاء کی خصوصیات
سے مرکب ہیں، ان میں کوئی چیز ان خصوصیات کے علاوہ نہیں، اور وہ ”فضائی چیزیں“ کہلاتی ہیں۔

پس صورت معدنیہ آتی ہے، اور اس مزاج کی گردن پر بیٹھ جاتی ہے، اور اس کو سواری بناتی ہے اور وہ صورت: نوعی
خصوصیات رکھنے والی بن جاتی ہے اور مزاج کی نگہداشت کرتی ہے۔

پھر صورت نباتیہ آتی ہے، پس وہ اس جسم کو سواری بناتی ہے جو محفوظ المزاج ہے اور وہ صورت ایک قوت (پاور) بن
جاتی ہے، جو تبدیل کرنے والی ہوتی ہے عناصر راہِ بعد کے اجزاء کو اور فضائی کائنات کے اجزاء کو، اس کے
اپنے مزاج کی طرف تاکہ وہ بالفعل نکلے اس کمال کی طرف جس کی اس کے لئے امید باندھی گئی ہے۔

پھر آتی ہے صورت حیوانیہ، پس وہ اس روح کو سواری بناتی ہے، جو تغذیہ اور حمیہ کی صلاحیتوں کی حامل ہوتی
ہے۔ اور وہ احساس اور ارادہ کے ذریعہ روح ہوائی کے اطراف میں آرڈر چلاتی ہے، تاکہ وہ مطلوب کی طرف اٹھے، اور
بھاگنے کی چیز سے دور پڑے۔

پھر آتی ہے صورت انسانیہ، پس وہ اس جسم کو سواری بناتی ہے، جو بدن میں تصرف کرنے والا ہے، اور وہ ان اخلاق کا
ارادہ کرتی ہے جو مطلوب کی طرف اٹھ کھڑے ہونے اور مہروب سے پیچھے ہٹ جانے کی بنیادیں ہیں، پس وہ صورت ان

ملکات کی پرورش کرتی ہے، اور ان کی بہترین تدبیر کرتی ہے، اور ان کو جلوہ گاہ بنالیتی ہے اُن باتوں کے لئے جن کو وہ اپنے اوپر سے حاصل کرتی ہے۔

پس معاملہ اگرچہ سرسری نظر میں یکساں دکھتا ہے، مگر گہری نظر تمام آثار کو ان کے سرچشموں کے ساتھ ملاتی ہے، اور ہر صورت کو اس کی سواری کے ساتھ جدا کرتی ہے۔

اور ہر صورت کے لئے ایک مادہ ضروری ہے، جس کے ساتھ وہ قائم ہو، اور مادہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو اس کے مناسب ہو۔ اور صورت نوعیہ کا حال تو بس انسان کی اس شکل جیسا ہے جو جسم میں موم کے ساتھ قائم ہے، اور حلیہ پایابی نہیں جاسکتا مگر موم کے ساتھ، پس جو شخص کہتا ہے کہ: ”نفس ناطقہ، جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے، بوقت مرگ بالکلیہ مادہ کو چھوڑ دیتا ہے“ تو اس نے اُنکل بچکے بانکا!

ہاں صورت نوعیہ کے لئے ایک مادہ بالذات ہے، اور وہ نسمہ ہے اور ایک مادہ بالعرض ہے، اور وہ جسد خاکی ہے۔ پس جب انسان مر جاتا ہے تو اس کو ضرورتیں پہنچاتا زمین مادہ کا زائل ہونا۔ اور باقی رہتی ہے صورت نوعیہ، نسمہ کے مادہ کے ساتھ حلول کئے ہوئے، اور ہوتا ہے اس ماہر کا تب کی طرح، جو اپنی کتابت کا دلدادہ ہو، جب اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں، دراصل ایک کتابت کا ملکہ بحال باقی رہتا ہے اور چلنے کا ذہنی، جب اس کے دونوں پیر کاٹ دیئے جائیں اور سننے والا اور دیکھنے والا جب بہرہ اندھا ہو جائے۔

نوٹ: اس بحث میں نفس ناطقہ اور انسان کی صورت نوعیہ: روح ربانی کے معنی میں استعمال کئے گئے ہیں۔

لغات:

لِساموہ اور نباتیہ مترادف الفاظ ہیں۔۔۔۔۔ اَوْضَاعٌ جمع ہے وَضْع کی، بمعنی حالت، یہ مقولات عرض میں سے ایک مقولہ ہے (دیکھئے معین الفلاسف ص ۸۲)۔۔۔۔۔ ثُمَّ بَار بَار تَرْتِيبَ ذِكْرِیْ کے لئے آیا ہے، جیسے سورۃ البلد آیت ۷ میں ثُمَّ اِیْ اِیْ معنی میں آیا ہے۔۔۔۔۔ الْمَحْفُوظُ الْمَزَاجُ احْتَزَازٌ ہے مرکب غیر تام کے عارضی مزاج سے، جو تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ اِقْتَنَى الْمَالُ: حاصل کرنا۔ اِقْتَنَى الْحَيَوانُ: پالنا، پرورش کرنا۔۔۔۔۔ مُجْبِدٌ (م فاعل) اَبْجَادٌ اِبْجَادَةٌ: عمدہ کرنا۔۔۔۔۔ اِسْتَهْتَرَ الرَّجُلُ بَكْلًا: بہت فریفتہ ہونا۔

تَصَحَّيْحُ: فَتْحَتْبِهَا اصل میں فَتْحَتْبِهَا تھا، جس کے معنی ہیں مزین کرنا۔ تصحیح تینوں منظموں سے کی ہے۔



لوگوں کی مختلف انواع

موت کے بعد عالم برزخ میں جو محازات ہوگی، اس کو سمجھنے کے لئے باب کے آخر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ بطور تمہید تین باتیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی بات: مختلف اعتبارات سے لوگ مختلف طرح کے ہوتے ہیں، مثلاً:

(۱) کوئی دل کے تقاضے سے اعمال کرتا ہے اور ملکات کو اپناتا ہے اور کوئی برادری کی موافقت میں، یا کسی خارجی دباؤ سے اعمال کرتا ہے، بشرطے کہ وہ عارض عادتِ ثانیہ نہ بن گیا ہو، ورنہ وہ عارض نہیں رہے گا، بلکہ دل کا داعیہ بن جائے گا۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو اپنا حال لکھا تھا کہ: ”عبادت عادت بن گئی ہے، یعنی دل کا تقاضا بن گئی ہے، عبادت کے لئے نہ تو تکلف کرنا پڑتا ہے، نہ دل کو آمادہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اس پر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے مبارک باد دی تھی۔

پہلی قسم کے لوگوں کو یعنی جو دل کے تقاضے سے اعمال کرتے ہیں اور ملکات کو اپناتے ہیں ان کو نگرانی کی ضرورت نہیں ہوتی، اگر ان کو کوئی باطل چھوڑ دیا جائے تب بھی وہ اعمال کرتے رہیں گے اور وضع قطع اور اخلاق کو سنبھالے رکھیں گے، اور دوسری قسم کے لوگ یعنی جو برادری کی موافقت میں یا کسی عارض سے اعمال کرتے ہیں، وہ جب تک عارض رہتا ہے اعمال کرتے ہیں اور اخلاق برتتے ہیں اور جب عارض ہٹ جاتا ہے تو اعمال میں سست پڑ جاتے ہیں اور اخلاق کو خیر یا کبر دیتے ہیں۔

جیسے بعض طلبہ فطری طور پر نیک طبع اور مسامحت روی کا مزاج رکھتے ہیں۔ وہ قلبی رغبت سے نیک لوگوں کی شکل و صورت، وضع قطع، اعمال صالحہ اور اخلاق حمیدہ اپناتے ہیں۔ مدرسہ میں ان کی نگرانی نہ بھی کی جائے تب بھی ان کی حالت درست رہتی ہے اور گھر لوٹنے کے بعد بھی ان کی وہی شکل و صورت برقرار رہتی ہے اور اعمال و اخلاق محفوظ رہتے ہیں۔ اور بعض طلبہ فطری طور پر لالچی، ابا، وابش ہوتے ہیں، وہ اعمال صالحہ اور نیک لوگوں کی شکل و صورت میں بے رغبت ہوتے ہیں مگر مدرسہ کی زندگی میں ان کو مجبوراً ماحول کی موافقت کرنی پڑتی ہے، ایسے طلبہ کی اگر پوری نگرانی نہ کی جائے یا جب وہ وطن لوٹ جاتے ہیں تو ان کے اعمال میں، اخلاق میں، شکل و صورت میں، حتیٰ کہ وضع قطع میں بھی فرق پڑ جاتا ہے (شاہ صاحب رحمہ اللہ کی دی ہوئی مثال کتاب میں آئے گی)

(۲) کچھ لوگ فطری طور پر بیدار طبیعت ہوتے ہیں، اور کچھ خوابیدہ طبیعت۔ پہلی قسم کے حضرات متعدد چیزوں کے درمیان جو امر جامع ہوتا ہے اس کو سمجھ لیتے ہیں، ان کا دل محکولات میں الجھنے کے بجائے علت کو ڈھونڈھتا ہے۔ وہ اعمال سے زیادہ ملکات کو اہمیت دیتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگوں کی صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے، وہ کثرت (متفرق چیزوں) میں الجھے رہتے ہیں، ان کی رسائی وحدت (امر جامع) تک نہیں ہوتی۔ وہ ملکات سے صرف نظر کر کے اعمال میں، اور اعمال کی بھی اسپرٹ کو نظر انداز کر کے ان کی ظاہری شکلوں میں مشغول رہتے ہیں۔

مثلاً ایک مدرسہ میں چندوں میں، طلبہ میں، بے راہ روی کے مختلف واقعات رونما ہوئے، کسی نے چوری کی، کوئی سنیما جی میں چلا گیا، کوئی جھگڑا کر بیٹھا اور کچھ واہ گردی کرنے لگے تو مجھدار متہتم ان متفرق واقعات کو اہمیت دینے کے بجائے ان کا اصل سبب تلاش کرے گا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ طلبہ میں بے راہ روی کی وجہ تربیت کا فقدان ہے، وہ فوراً تربیت

کا نظام مضبوط کرے گا تو واقعات خود بخود رک جائیں گے اور سادہ متمم واقعات میں الجھار پے گا، وہ کسی کا کھانا بند کرے گا، کسی کی پٹائی کرے گا، کسی کا اخراج کرے گا اور مرض بڑھتا رہے گا اور واقعات کا تسلسل جاری رہے گا۔

واعلم أن من الأعمال والهيئات ما يباشرها الإنسان بداعية من قلبه، فلو خُلِيَ ونفسه لانساق إلى ذلك، ولا تمنع من مخالفه؛ ومنها ما يباشره لموافقة الإخوان، أو لعارض خارجي؛ من جوع وعطش ونحوهما، إذا لم يصير عادة لا يستطيع الإقلاغ عنها، فإذا انفق العارض انحلت الداعية؛ فرب مستهتر بعشق إنسان، أو بالشعر، أو بشيء آخر، يضطر إلى موافقة قومه في اللباس والزئى، فلو خلى ونفسه، وتبدل زئيه، لم يجد في قلبه بأسا؛ ورب إنسان يحب الزئى بالذات، فلو خلى ونفسه، لما سمح بتركه.

وأن من الإنسان اليقظان بالطبع، يتفطن بالأمر الجامع بين الكثرات، ويمسك قلبه بالعلة، دون المعلولات، والملكمة دون الأفاعيل؛ ومنه الوسنان بالطبع، يبقى مشغولاً بالكثرة عن الوحدة، وبالأفاعيل عن الملكات، وبالأشباح عن الأرواح.

ترجمہ: اور جان لیں کہ بعض کام اور بعض مکات وہ ہیں جن کو انسان داعیہ قلب سے کرتا ہے، پس اگر وہ اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو بھی وہ ان کی طرف ہانکا جائے گا یعنی وہ ان کاموں کی طرف ہل رہے گا۔ اور اس کے برخلاف سے باز رہے گا۔ اور بعض اعمال و مکات وہ ہیں جن کو آدمی اختیار کرتا ہے برادری کی موافقت میں یا کسی بیرونی عارض (دباؤ) کی وجہ سے، جیسے بھوک، پیاس اور ان کے مانند، جب وہ عارض ایسی ناولت نہ بن جائے، جس کو چھوڑنا پس نہیں رہے، پس جب عارض پھوٹ جاتا ہے تو داعیہ کھل جاتا ہے یعنی جب وہ عارض ختم ہو جاتا ہے تو داعیہ بھی باقی نہیں رہتا — مثلاً بعض لوگ جو کسی کے عشق میں یا فن شاعری پر یا کسی دوسری چیز پر اترتے ہوتے ہیں (تہم) وہ لباس اور پوشاک میں اپنی قوم کی موافقت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پھر اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس کی پوشاک بدل جائے تو وہ اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرے گا — اور بعض لوگ کسی پوشاک کو بالذات پسند کرتے ہیں، پس اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو بھی وہ اس پوشاک کو چھوڑنے کا روادار نہیں ہوگا۔

اور یہ (بات بھی جان لیں) کہ بعض لوگ فطری طور پر بیدار (مغز) ہوتے ہیں، وہ اس امر جامع کو فوراً پالیتے ہیں جو بہت سی چیزوں میں (مشترک) ہوتا ہے، اور اس کا دل معلولات (نتائج و آثار) کو چھوڑ کر، علت (اور سبب) کو پکڑتا ہے اور اعمال کو چھوڑ کر، ملکہ کو پکڑتا ہے — اور بعض انسان فطری طور پر خوابیدہ (طبیعت) ہوتے ہیں، وہ وحدت (اکائی) کو چھوڑ کر کثرت میں، اور مکات کو چھوڑ کر اعمال میں، اور ارواح کو چھوڑ کر اشکال میں مشغول ہوتے ہیں۔

لغات: باشر الأمر: کسی کام کو خود کرنا ... إنساف: باناکا جانا..... أفلح عن كذا: چھوڑنا ... إنقفاً: پھوٹنا
إنحل: بکھل جانا..... الوشنان (صفت مذکر) او گھسنے والا۔ و سن و سنا: او گھٹنا۔



موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا یقین اور اعمال کا احساس ہونے لگتا ہے

دوسری بات: جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا کالبدِ خاکی گل سڑ کر ختم ہو جاتا ہے۔ مگر روح ربانی (نفسِ ناطقہ) کا روح حیوانی (نفس) کے ساتھ تعلق برقرار رہتا ہے۔ اور اب نفسِ ناطقہ پوری طرح فارغ البال ہو جاتا ہے اور ان تمام چیزوں سے دامن جھاڑ لیتا ہے جو دنیوی زندگی کی ضرورت سے تھیں، اور خود اس کے جوہر اصلی میں جو چیزیں محفوظ ہوتی ہیں ان میں مشغول ہو جاتا ہے اس وقت ملکیت سراہماری جاتی ہے اور بسیمیت کمزور پڑتی ہے، اور انسان کو اللہ تعالیٰ کا یقین ہونے لگتا ہے اور ان اعمال کا بھی یقین آنے لگتا ہے جو عالمِ بالا میں ریکارڈ کئے گئے ہیں۔ یہی احساس جزا و سزا میں جاتا ہے۔ راحت بخش احساسات جزائے خیر بننے میں اور تکلیف دہ احساسات باعثِ رنج و الم ہوتے ہیں۔

واعلم أن الإنسان إذا مات انفسخ جسده الأرضي، وبقيت نفسه النطقية متعلقة بالنسمة، متفرغة إلى ماعندها، وطرح عنها ما كان لضرورة الحياة الدنيا، من غير داعية قلبية، وبقي فيها ما كانت تمسكه في جذر جوهرها؛ وحينئذ تبرز الملكية، وتضعف البهيمية، ويترشح عليها من فوقها يقين بحظيرة القدس، وبما أخصى عليها هنالك، وحينئذ تنال الملكية أو تنعم.

ترجمہ: اور جان لیں کہ انسان جب مر جاتا ہے تو اس کا جسدِ خاکی ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ یعنی گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور اس کا نفسِ ناطقہ نفس کے ساتھ جڑا رہتا ہے، فارغ البال ہو کر اس چیز کے لئے جو اس کے پاس ہے، اور بھینک دیتا ہے اپنے سے وہ چیزیں جو قلبی داعیہ کے بغیر دنیوی زندگی کی ضرورت سے تھیں۔ اور باقی رہتی ہیں اس میں وہ چیزیں جن کو وہ اپنے جوہر (ذات) کی جڑ میں روکے ہوئے تھا۔ اور اس وقت ملکیت نمودار ہوتی ہے اور بسیمیت کمزور پڑتی ہے اور اس پر اس کے اوپر سے حظیرہ القدس (اللہ تعالیٰ) کا یقین نکلتا ہے اور ان اعمال کا (بھی) یقین نکلتا ہے، جو وہاں اس کے خلاف ریکارڈ کئے گئے ہیں اور اس وقت ملکیت رنجیدہ ہوتی ہے یا نعمت کی زندگی بسر کرتی ہے۔

ملکیت کے لئے مفید اور مضر چیزیں

تیسری بات: انسان میں قوتِ ملکیہ اور قوتِ بہیمیہ ایک ساتھ جمع ہیں، پس یہ تو ممکن نہیں کہ ایک پر دوسرے کا اثر

نہ پڑے۔ پھر بحیثیت کمالیت سے متاثر ہونا تو غیر محض ہے، البتہ ملکیت کا بحیثیت سے متاثر ہونا ہضر ہے، مگر تھوڑی مقدار میں اثر قبول کرنے میں کچھ حرج بھی نہیں، ہاں سخت نقصان دہ بات یہ ہے کہ ملکیت میں غایت درجہ ناموافق کیفیات پیدا ہو جائیں، اور نہایت مفید بات یہ ہے کہ اس میں غایت درجہ موافق و مناسب کیفیات جلوہ گر ہوں۔

ناموافق کیفیات درج ذیل ہیں:

(۱) مال اور اہل و عیال کی محبت میں آدمی یہاں تک گرفتار ہو جائے کہ اس کو ان چیزوں کے سوا، زندگی کا اور کوئی مقصد نظر نہ آئے اور یہ خیسی حیثیات اس کے نفس کی تھاہ میں جم جائیں، اور اس قسم کی دوسری چیزیں جو اس کو راحت سے دور کر دیں۔ اور راحت کے معنی ہیں: نفس کا ایسا ہو جانا کہ دو قوت بیکہ کی خواہشات کی اطاعت نہ کرے۔

(۲) آدمی ہر وقت نجاستوں میں لت پت رہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے منکبر ہو جائے، نہ تو کبھی اس کو جانے کی کوشش کرے، اور نہ کبھی اس کے سامنے عجز و انکساری کرے، اور اس قسم کی دوسری باتیں جو اس کو احسان سے دور کر دیں۔ اور احسان (کنو کردن) کے معنی ہیں: ہر کام اخلاص سے کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کرنا۔

(۳) آدمی کا رویہ اعانت حق کے سلسلہ میں، امر الہی کی تعظیم کے بارے میں، بشت انبیاء کے معاملہ میں، اور پسندیدہ نظام کے قیام کے سلسلہ میں مرضی خداوندی کے خلاف ہو جائے، یعنی بجائے اس کے کہ حق کی اعانت کرے، اس سے عداوت رکھنے لگے، اور بجائے اس کے کہ اوامر الہی کی تعظیم و توقیر کرے اور ان کو بجالائے، ان کی تحقیر و مخالفت کرنے لگے اور ان کے خلاف عمل کرنے لگے، اور بجائے اس کے کہ انبیاء کے کاذب تقویت پہنچائے، لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے لگے اور بجائے اس کے کہ نظام اسلامی کو دنیا میں پھیلانے، اس کے راستہ کار و راہن جائے، جس کی وجہ سے لاء اعلیٰ کی نفرتیں اور اعدائیں اس پر برسنے لگیں۔

اور موافق کیفیات درج ذیل ہیں:

(۱) آدمی ایسے کام کرنے لگے جن سے طہارت اور حضور خداوندی میں عجز و انکساری پیدا ہو، ملائکہ کے حالات یاد آئیں اور ایسے عقائد کی راہ ملے، جن کی وجہ سے انسان حیات دنیوی پر مطمئن نہ ہو بیٹھے۔

(۲) آدمی نرم دل ہو جائے، سخت گیری سے کام نہ لے، کیونکہ نرمی سے کام سنورتے ہیں، اور سختی سے کام بگڑتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ: ”تم زمین والوں پر مہربانی کرو، تم پر آسمان والا مہربانی کرے گا“ اور حدیث میں ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ نرم برتاؤ کرنے والے ہیں اور نرم برتاؤ کو پسند کرتے ہیں اور نرم برتاؤ پر وہ چیز عطا فرماتے ہیں جو نہ تو سخت برتاؤ پر عطا فرماتے ہیں، نہ کسی اور چیز پر“ (راہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۳۱ باب اللطف والرحماء)

(۳) آدمی ایسا پاکباز بن جائے کہ لاء اعلیٰ کی دعائیں اور ان کی خاص توجہات، جو نظام خیر کے لئے مخصوص ہیں،

اس کو نصیب ہوں۔

واعلم أن الملكية عند غرضها في البهيمية، وامتزاجها بها، لابد أن تدعن لها إذعانا ماء، وتتأثر منها أثرا ما، لكن الظار كل الضرر أن تتشبح فيها هينات منافرة في الغاية، والنافع كل النفع أن تتشبح فيها هينات مناسبة في الغاية.

فمن المنافات: أن يكون قوئ التعلق بالمال والأهل، لا يستيقن أن وراء هما مطلوب، قوئ الإمساك للبهينات الدنية في جذر جوهرها، ونحو ذلك مما يجمعه أنه على الطرف المقابل للسماحة، وأن يكون متلبسا بالتجاسات، مكبرا على الله، لم يعرفه، ولم يخضع له يوما، ونحو ذلك مما يجمعه أنه على الطرف المقابل للإحسان، وأن يكون ناقض توجهه حظيرة القدس في نصر الحق، وتنويه أمره، وبعثة الأنبياء، وإقامة النظام المرضي، فأصيب منهم بالغفلة واللغو.

ومن المناسبات: مباشرة أعمال تحاكي الطهارة والخضوع للباري، وتذكر حال الملائكة، وعقائد تنزعها من الاطمئنان بالحياة الدنيا، وأن يكون سمحا سهلا، وأن يغطف عليه أدعية الملائكة الأعلى، وتوجهاتهم للنظام المرضي، والله اعلم.

ترجمہ: اور جان لیں کہ جب ملکیت، بے حیثیت میں غوطہ لگاتی ہے اور اس کے ساتھ رمل مل جاتی ہے، تو ضروری ہے کہ وہ بے حیثیت کی کچھ نہ کچھ تابعداری کرے، اور اس سے کچھ نہ کچھ متاثر ہو (لیکن اتنی مقدار میں اثر قبول کرنا منہ نہیں) البتہ نہایت ضرور رساں امر یہ ہے کہ ملکیت میں ایسی ہیئتیں متشکل ہوں، جو غایت درجہ اس سے بے جوڑ ہوں، اور نہایت نافع امر یہ ہے کہ اس میں ایسی ہیئتیں متشکل ہوں جو غایت درجہ اس سے ہم آہنگ ہوں۔

پس ناموافق ہیئتوں میں سے یہ بات ہے کہ (۱) آدمی کا مال اور آل سے اس قدر مضبوط تعلق ہو جائے کہ اس کو یقین ہی نہ رہے کہ ان دونوں کے سوا کوئی اور مقصود بھی ہے، وہ مضبوطی سے تھامنے والا ہوائی ذات کی حطر میں رذیل ہیئتوں کو، اور اس قسم کی دوسری چیزیں ان چیزوں میں سے جو انسان کو اکٹھا کرتی ہیں کہ وہ سماحت کی مقابل جانب پر ہے (۲) اور یہ کہ وہ نجاستوں میں ملوث ہونے والا، اللہ تعالیٰ کے سامنے اکثرے والا ہو، وہ نہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہو، اور نہ اس نے کسی دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں بخرو و نکساری کی ہو، اور اس کے مانند دوسری چیزیں ان چیزوں میں سے جو اس کو اکٹھا کرتی ہیں کہ وہ احسان کی مقابل جانب پر ہے (۳) اور یہ کہ وہ دین حق کی مدد میں، دین حق کے معاملہ کو بہتم بالشان بنانے میں، انبیاء کی بعثت میں اور پسندیدہ نظام (نظام اسلامی) کو برپا کرنے میں حظیرہ القدس کی توجہ کو توڑنے والا ہو، پس وہ ماعلیٰ کی طرف سے نفرت اور عنایت پہنچایا گیا ہو۔

اور موافق ہیکوں میں سے: (۱) ایسے کاموں کا کرنا ہے جو پاک اور اللہ تعالیٰ کے لئے انکساری کے مشابہ ہوں، اور وہ ملائکہ کی حالت کو یاد دلانے والے ہوں (۲) اور ایسے عقائد ہیں، جو اس کو دنیوی زندگی پر مطمئن ہونے سے ہٹائیں (۳) اور یہ کہ وہ نرم خو، نرم مزاج ہو (۴) اور یہ کہ ملاحظی کی دعائیں اور ان کی پسندیدہ نظام کے لئے مخصوص توجہات اس پر مڑیں، واللہ اعلم

لغات و ترکیب:

غاص يغوص غوصاً: پانی میں غوطہ لگانا۔ امتزج به: ملنا۔ اذعن له: مطیع و فرمانبردار ہونا، فروتنی کرنا، اذعن بالحق: اقرار کرنا۔ تَوَدَّ تَوَدُّهَا الشَّيْءُ: بلند کرنا۔ حاسکی محاکاة: مشابہ ہونا۔ نذکر کا عطف تحاسکی پر ہے۔ عقائد کا عطف مباشرة پر ہے۔

باب — ۳

برزخی مجازات میں لوگوں کے مختلف احوال

لغت میں برزخ کے معنی ہیں: دو چیزوں کے درمیان کی روک، سورۃ الرحمن آیت ۲۰ اور سورۃ الفرقان آیت ۵۳ میں شیریں اور شور وریاؤں کے درمیان کے حجاب کو برزخ کہا گیا ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں برزخ کے معنی ہیں: مرنے کے وقت سے دوبارہ اٹھنے تک کا زمانہ، سورۃ المؤمن آیت ۱۰۰ میں برزخ کا لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔

عالم برزخ کو عالم قبر اور قبر کی زندگی بھی کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں قبر صرف مٹی کے گھرے کا نام نہیں بلکہ وہ ایک پوری دنیا (زندگی) ہے، اور جو بھی مرتا ہے وہ عالم قبر میں پہنچ جاتا ہے، خواہ وہ مٹی کے گھرے میں دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ کیونکہ مکرر انسان ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کا انتقال ہو جاتا ہے یعنی وہ اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور لاش (جسم) جو رہ جاتی ہے، وہ لاشی (کچھ بھی نہیں) ہوتا ہے۔ پس انسان یہاں سے جو اعمال کر کے لے گیا ہے، اسی کو برزخ کی زندگی میں بھگتنا ہے۔ اور اس دنیا میں اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے احوال اس قدر مختلف ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا، پس عالم برزخ میں مجازات بھی مختلف طرح سے ہوگی، بلکہ جتنے انسان ہیں، مجازات کی بھی اتنی ہی صورتیں ہوں گی۔ مگر مختلف چیزوں کو بھی بعض اعتبارات سے سمیٹا جاسکتا ہے، دارالعلوم دیوبند میں تین ہزار طلبہ ہیں، ان کو جماعتوں کے اعتبار سے یا صوبوں کے لحاظ سے سمیٹا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں اعمال کے اعتبار سے جو انسانوں کی سب سے چار قسمیں ہیں، ان کو اگر سمیٹا جائے تو ان کی بڑی قسمیں چار بنتی ہیں، پس برزخ میں ان کو مجازات بھی چار طرح سے ہوگی، تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی قسم

بیدار قلب لوگوں کی مجازات

جو لوگ اس دنیا میں بیدار قلب ہیں، ان کو برزخ میں موافق و ناموافق کیفیات کی وجہ سے مجازات ہوگی جو انہوں نے اس دنیا میں کمائی ہیں جن کی تفصیل گزشتہ باب کے آخر میں گزر چکی ہے یعنی مرنے کے بعد ان کو نیک و بد اعمال کا شدت سے احساس ہوگا۔ نیک اعمال کا تصور راحت پہنچائے گا، اور برے اعمال کے تصور سے سخت پریشانی لاحق ہوگی۔ یہی ان کی مجازات ہے۔ مثلاً دنیا میں آدمی اچھے کام کرتا ہے تو اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے، طالب عالم جماعت میں اول نمبر آتا ہے تو پھولا نہیں سکتا، یہی شادمانی اس کا سب سے بڑا انعام ہے۔ اور آدمی سے کوئی بری حرکت ہو جاتی ہے تو پیشانی اس کو گھیر لیتی ہے، امتحان میں ناکام ہوتا ہے اور بے حس نہیں ہوتا تو ڈوب مرتا ہے۔ یہی تحسُّر اس کی سب سے بڑی سزا ہے۔ سورۃ الزمر آیت ۵۶ میں اس مجازات کی طرف اشارہ آیا ہے۔ ارشاد ہے: ”کبھی (مرنے کے بعد) کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس میری اُس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں روا رکھی، اور میں تو (احکام خداوندی پر) ہنستا ہی رہا“۔ جناب باری تعالیٰ میں کوتاہی پر یہ تحسُّر ایک طرح کی سزا ہے۔

اور سورۃ الاعراف آیت ۴۳ میں نیک لوگوں کا یہ قول مذکور ہے: ”اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے، جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا، اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے، واقعی ہمارے رب کے پیغمبر بھی باتیں لے کر آئے تھے“ ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا﴾ الا یہ ایمان و اعمال صالحہ کی توفیق ملنے پر نیک لوگوں کی یہ شادمانی ایک طرح کا انعام ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنا ایک مکاففہ ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے بعض اہل اللہ کی ارواح کو موت کے بعد دیکھا کہ وہ سراپا نور بنی ہوئی تھیں، جیسے کسی کھڈے میں پانی بھرا ہوا ہو۔ اور پانی ایسا پرسکون ہو کہ ہوا بھی اس میں لہریں پیدا نہ کر رہی ہو، جب وہ پہر میں اس پر آفتاب کی شعائیں پڑتی ہیں تو کھڈا بقعہ نور بن جاتا ہے، اسی طرح ان اولیاء کرام کی ارواح سراپا نور بنی ہوئی تھیں، اور یہی ان کے اعمال صالحہ کی مجازات ہے۔

رہی یہ بات کہ وہ نور کس چیز کا تھا؟ تو اس میں تین احتمال ہیں:

- (الف) وہ اعمال صالحہ کا نور ہو سکتا ہے یعنی ان لوگوں نے زندگی بھر جو نیک اعمال کئے ہیں، ان سے یہ نور پیدا ہوا ہو۔
- (ب) یہ نعمت یا دولت کا نور بھی ہو سکتا ہے۔ یا دولت کے معنی ہیں: ہمہ وقت خدا کی طرف دھیان لگائے رکھنا

(تذکرہ الباری غرر اسنہ دایما سرمد ۱۱۱۱ھ سنہ ۱۱۱۱ھ) یعنی آدمی کوئی بھی کام کرے کسی بھی حال میں رہے، خدا کی یاد دل سے نہ جائے، ہمیشہ خدا اور اس کے احکام کو مد نظر رکھے اور زبان سے، یا پاس انفاس سے اللہ کو یاد کرتا رہے۔

اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی بہ یک وقت دو کام کرے۔ دنیوی کام بھی انجام دے اور ساتھ ہی خدا کی یاد بھی دل میں قائم رکھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل ممکن ہے، عاشق کے دل میں ہر حال میں معشوق رہتا ہے اور حسی مثال یہ ہے کہ سائیکل چلانے والا جب چلتے چلتے کسی سے باتیں کرتا ہے تو وہ باتوں کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے اور سائیکل کا توازن قائم رکھنے کی طرف بھی اس کا دھیان رہتا ہے۔ یہ بات اگرچہ شروع شروع میں کچھ مشکل نظر آتی ہے مگر بعد میں جب عادت ثانیہ بن جاتی ہے تو سوتے ہوئے بھی ذکر جاری رہتا ہے۔

(۵) یہ رحمت خداوندی کا نور بھی ہو سکتا ہے یعنی اعمال صالحہ کرنے پر، بندے کی طرف جو رحمت خداوندی متوجہ ہوتی ہے اس کا نور بھی ہو سکتا ہے

نوٹ: بیدار قلب اور موافق و ناموافق کیفیات کا بیان گذشتہ باب میں گزر چکا ہے۔

﴿باب اختلاف أحوال الناس في البرزخ﴾

اعلم أن الناس في هذا العالم على طبقات شتى، لأثر جی إحصاؤها، لكن رؤس الأصناف أربعة: [۱] صنف هم أهل القیظۃ؛ وأولئك یُعذبون ویبغمون بأنفس تلك المناطات والمناسبات؛ وإلى حال هذا الصنف وقعت الإشارة فی قوله تعالى: ﴿أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَرْتُنِي عَلَى مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ، وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ﴾

ورأيت طائفة من أهل الله صارت نفوسهم بمنزلة الجوابی الممثلة ماء اراكدا، لأتھبجھ الرياح، فضر بها ضوء الشمس فی الهاجرة، فصارت بمنزلة قطعة من النور؛ وذلك النور؛ إما نور الأعمال المرضية، أو نور الیاد دایم؛ أو نور الرحمة.

ترجمہ: برزخ میں (بسماء مجازات) لوگوں کے احوال کے مختلف ہونے کا بیان: جان لیں کہ اس دنیا میں لوگ (بامتناہی اعمال) اس قدر مختلف درجات میں ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ بڑی قسمیں چار ہیں:

(۱) ایک قسم: وہ بیداری والے ہیں؛ اور یہ لوگ سزا دیئے جائیں گے، اور راتیں پہنچائے جائیں گے، انہی ناموافق و موافق کیفیات کی وجہ سے (جن کا بیان گذشتہ باب کے آخر میں آیا ہے) اور اس قسم کی طرف اشارہ آیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ میں کہ مرنے کے بعد: ”کہیں کوئی شخص کہنے لگے کہ ہائے افسوس! اُس کو تابی پر جو میں نے اللہ کے پہلو میں روا رکھی، اور پیشک میں شمع اُکرنے والوں میں سے تھا!“

اور میں نے اہل اللہ کی ایک جماعت کو (کشف میں) دیکھا، اُن کی ارواح اُن گھڑوں جیسی ہو گئی ہیں جو ٹھہرے ہوئے پانی سے لبالب بھرے ہوئے ہوں، جن میں ہوائیں بھی پہچان نہ پیدا کر رہی ہوں، جب دو پہر میں ان پر سورج کی کرنیں پڑیں، تو وہ گھڑے نور کے ایک کٹڑے کی طرح سو جائیں — اور وہ نور یا تو پسندیدہ اعمال کا نور ہے، یا نسبت یا دداشت کا نور ہے، یا رحمت خداوندی کا نور ہے۔

دوسری قسم

خوابیدہ طبیعت لوگوں کی مجازات

جو لوگ ملاحتوں کے اعتبار سے تو پہلی قسم کے لوگوں کے لگ بھگ ہوتے ہیں، مگر وہ فطری طور پر خوابیدہ طبیعت ہوتے ہیں (جس کی تفصیل گذشتہ باب کے آخر میں گزری چکی ہے) ان لوگوں کو عالم برزخ میں مجازات بصورت ”خواب“ ہوتی ہے، مثلاً درندہ صفت آدمی عالم برزخ میں دیکھتا ہے کہ اس کو درندہ بچھاڑ رہا ہے، اور خیل آدمی دیکھتا ہے کہ اس کو سانپ کچھو ڈس رہے ہیں اور بالائی علوم کا نزول ایسے دو فرشتوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور آنحضور ﷺ کی زیارت کر اگر دریافت کرتے ہیں کہ اس ہستی کے بارے تو کیا کہتا ہے؟

غرض یہ لوگ بصورت خواب معذب ہوتے ہیں، مگر عالم برزخ میں ان کو جو خواب نظر آتا ہے، وہ صرف خواب کی صورت ہوتی ہے، حقیقۃً خواب نہیں ہوتا، بلکہ عالم خارجی میں مجازات ہوتی ہے، کیونکہ خواب کی حقیقت اس دنیا میں یہ ہے کہ ہماری قوت خیالیہ میں جو معلومات جمع ہوتی ہیں وہی نیند کی حالت میں نظروں کے سامنے آتی ہیں اور متشکل ہو کر نظر آتی ہیں، جب تک ہوائی جہاز کی ایجاد نہیں ہوئی تھی کسی نے خواب میں ہوائی جہاز اڑتے نہیں دیکھا تھا، کیونکہ اس وقت لوگوں کے خزانہ معلومات میں اس کی صورت نہیں تھی۔

غرض خواب: خیالات (حدیث النفس) ہیں۔ اور یہ خیالات بیداری میں بھی آتے ہیں، مگر بیداری کی حالت میں چونکہ حواس غصہ ظاہرہ اسنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں: کان کچھ سنتے ہیں، آنکھیں کچھ دیکھتی ہیں، قوس علیٰ ہذا اور ان سب چیزوں کا ادراک حس مشترک کرتی ہے، اسی طرح قوت تصرف کی کرشمہ سازی سے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کا ادراک بھی حس مشترک کرتی ہے، اس وجہ سے حس مشترک ان خیالات میں پوری طرح سے متفرق نہیں ہوتی، نیز بیداری میں یہ خیال بھی متحضر رہتا ہے کہ میں جو کچھ سوچ رہا ہوں وہ محض خیالات ہیں، اس وجہ سے وہ خیالات بیداری کی حالت میں متشکل ہو کر نگاہوں کے سامنے نہیں آتے، مگر جب آدمی سو جاتا ہے تو حواس اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں اور قوت تصرف جو خیالات پکاتی

ہے جس مشترک اس میں پوری طرح مستغرق ہو جاتا ہے اس لئے وہ خیالات متشکل ہو کر نظر آنے لگتے ہیں اور آدمی کو قطعاً اس بات میں شک نہیں رہتا کہ مجھے جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ حقیقت ہے، خیالات نہیں۔

بعض مرتبہ بیداری کی حالت میں بھی جب آدمی مراقبہ کرتا ہے یا خیالات میں کھو جاتا ہے تو تصورات متشکل ہو کر نظر آنے لگتے ہیں، اور بہت سوں کو اس سے جھوک بھی ہو جاتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے بیداری کی حالت میں فلاں متوفی سے ملاقات کی، حالانکہ وہ محض خیالات ہوتے ہیں جو بیداری میں متشکل ہوتے ہیں۔

خیالات کے علاوہ مخصوص مزاجی کیفیت کی وجہ سے بھی بعض خاص قسم کے خواب نظر آتے ہیں مثلاً صفراوی مزاج آدمی خواب میں آگ اور گرمی دیکھتا ہے اور باغی مزاج آدمی پانی اور سردی دیکھتا ہے اور جازز لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص کو اس کا تجربہ ہوتا ہے کہ قوت خیالیہ میں جو کچھ واقعات اور معلومات جمع ہیں وہ خواب میں ایسی درد انگیز یا راحت افزا شکلیں اختیار کرتے ہیں، جو ان معلومات سے بھی ہم آہنگ ہوتی ہیں اور خواب دیکھنے والے کی مخصوص ذہنی کیفیات سے بھی مناسب رکھتی ہیں۔ مثلاً ایک چرواہا یہ خواب دیکھے گا کہ دوسرے چرواہے اکٹھا ہو کر اس پر ڈنڈا بھارے ہیں یا وہ جنگلی بھیل کھارہا ہے اور خوش ہو رہا ہے۔ وہ یہ خواب نہیں دیکھے گا کہ کسی نے اس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا، یا وہ کسی مریض و ستر خوان پر چنیدہ میوے کھا رہا ہے۔ ایسا خواب ایک شہری دیکھے گا۔

اور خواب دیکھنے والے کو اس بات کا ادراک کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے خواب ہے اس وقت ہوتا ہے، جب وہ بیدار ہوتا ہے، بحالت خواب تو وہ اس کو حقیقت ہی سمجھتا ہے، اگر اس کی آنکھ نہ کھلے تو وہ کبھی بھی اس راز سے واقف نہیں ہو سکتا، اور عالم برزخ میں جو مجازات بصورت خواب ہوں گی، اس خواب سے آدمی قیامت کی صبح تک بیدار نہیں ہوگا، اس لئے اس کو خواب کہنے کے بجائے عالم خارجی میں مجازات کہنا قرین صواب اور حقیقت حال کو زیادہ بہتر واضح کاف کرنے والا ہے۔

[۲] وَصَنَّفَ قَرِيبُ الْمَأْخُذِ مِنْهُمْ، لَكُنْهُمْ أَهْلُ النَّوْمِ الطَّبِيعِيِّ، فَأَوْلَانِكَ تُصْبِحُهُمْ رُؤْيَا، وَالرُّؤْيَا فِينَا حُضُورٌ عُلُومٍ مَخْزُونَةٍ فِي الْحَسِّ الْمَشْتَرَكِ؛ كَانَتْ مَسْكَةَ الْبِقِظَةِ تَمْنَعُ عَنِ الْاسْتِغْرَاقِ فِيهَا، وَالذَّهْوَلُ عَنْ كَوْنِهَا خَيَالًا، قَلِمَا نَامَ لَمْ يَشْكُ أَنَّهَا عَيْنٌ مَا هِيَ ضُورُهَا.

وربما يرى الصفراوى أنه فى غَيْظَةٍ يَابَسَةٍ، فى يَوْمٍ صَائِفٍ وَسَمُومٍ، فَيَنْمُو هُوَ كَذَلِكَ إِذَا فَاجَأَتْهُ النَّارُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ، فَجَعَلَ يَهْرَبُ وَلَا يَجِدُ مَهْرَبًا، ثُمَّ إِنَّهُ لَفَحْتُهُ، فَقَاسَى الْمَا شَدِيدًا، وَبَرَى الْبُلْغَمَى أَنَّهُ فى لَيْلَةٍ شَاتِيَةٍ، وَنَهْرٍ بَارِدٍ، وَرِيحٍ زَمْهَرِيرِيَةٍ، فَهَاجَتْ بِسَفِينَتِهِ الْأَمْوَاجُ، فَصَارَ يَهْرَبُ وَلَا يَجِدُ مَهْرَبًا، ثُمَّ إِنَّهُ غَرِقَ، فَقَاسَى الْمَا شَدِيدًا؛ وَإِنْ أَنْتَ اسْتَقَرِيتَ النَّاسَ لَمْ تَجِدْ أَحَدًا إِلَّا وَقَدْ جَرَّبَ مِنْ نَفْسِهِ تَشْبُحَ الْحَوَادِثِ الْمُجْمَعَةِ بِتَنْعَمَاتٍ وَتَوَجُّعَاتٍ، مُنَاسِبَةٍ لَهَا وَلِلنَفْسِ الرَّائِيَةِ جَمِيعًا.

فهذا المبلى فى الرؤيا، غير أنها رؤيا لا يقظة منها إلى يوم القيامة، وصاحب الرؤيا لا يعرف

فی رؤیاء: انہا لم تكن أشياء خارجية، وأن التوَجُّع والتَنُّع لم يكن في العالم الخارجي؛ ولولا
يقطعة لم يتنبه لهذا السر؛ فعسى أن يكون تسمية هذا العالم عالماً خارجياً حقاً وأصح من
تسميته بالرؤيا، فربما يرى صاحب السُّبُعية أنه يُخَدِّشُه سُبُع، وصاحب البخل أنه تنهشه حيات
وعقارب، ويتشبح نزول العلوم الفوقانية بملكين يسألانه: من ربك؟ وما دينك؟ وما قولك في
النبي صلى الله عليه وسلم؟

ترجمہ: (۲) اور ایک (اور) قسم، جو صلاحیت میں پہلی قسم کے لوگوں کے قریب قریب ہیں، لیکن وہ فطری نیند والے
ہیں، پس ان لوگوں کو خواب دکھائی دیتے ہیں۔ اور خواب کی حقیقت ہمارے اندر حس مشترک میں بھرے ہوئے علوم کا
ہمارے سامنے حاضر ہونا ہے، بیداری کی بندش اُن علوم میں مستغرق ہونے سے، اور ان کے خیالات ہونے سے بے
ہوش (بے خبر) ہونے سے مانع بنی ہوئی تھی، پھر جب آدمی سو جاتا ہے تو اس میں کوئی تردد نہیں رہتا کہ نظر آنے
والی وہ صورتیں حقیقہ و ہیں امور ہیں جن کی وہ صورتیں ہیں۔

اور صفراوی مزاج کبھی (خواب میں) دیکھتا ہے کہ وہ گرمی اور بادِ موسم کے دن میں کسی خشک بیابان میں ہے، پھر
دریں اثنا کہ وہ اسی طرح ہوتا ہے، اچانک ہر چہار طرف سے اس کو آگ گھیر لیتی ہے، پس وہ ادھر ادھر بھاگنے لگتا ہے،
مگر اسے بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی، پھر آگ اس کو جلا ڈالتی ہے اور وہ اس سے سخت ترین تکلیف محسوس کرتا ہے
— اور باغی مزاج آدمی کبھی (خواب میں) دیکھتا ہے کہ وہ موسم سرما کی رات میں ٹھنڈی ندی میں سخت سرد ہوا میں ہے،
پس وہیں اس کی کشتی کو مضطرب کرتی ہیں، پس وہ ادھر ادھر بھاگنے لگتا ہے، مگر اسے بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی، پھر
وہ ڈوب جاتا ہے اور وہ اس سے سخت ترین تکلیف محسوس کرتا ہے — اور اگر آپ لوگوں کا جائزہ لیں تو آپ کسی کو کبھی
نہیں پائیں گے مگر اس حال میں کہ اس نے ذاتی تجربہ کیا ہوگا، نفس میں اکٹھا ہونے والے واقعات کے متشکل ہونے کا،
ایسی راحت انگیز اور دردناک صورتوں میں، جو ان واقعات سے اور خواب و یکینے والے شخص سے، دونوں ہی سے
مناسبت رکھنے والی ہیں۔

پس یہ شخص خواب میں معذب ہے، علاوہ ازیں کہ وہ ایسا خواب ہے، جس سے وہ شخص قیامت تک بیدار نہیں ہوگا، اور
(دنیا میں) خواب دیکھنے والا دورانِ خواب یہ نہیں جانتا کہ وہ چیز جو وہ دیکھ رہا ہے ان کا خارج میں وجود نہیں اور نہ وہ
یہ جانتا ہے کہ یہ تکلیف و راحت عالمِ خارجی میں موجود نہیں۔ اور اگر وہ شخص بیدار نہ ہو تو وہ اس راز سے کبھی بھی واقف نہ
ہوگا، پس شاید عالمِ برزخ (کے خواب) کو عالمِ خارجی نام دینا زیادہ قابلِ قبول ہو۔ اس کو خواب کہنے سے، اور زیادہ
اچھی طرح سے مراد کو ظاہر کرنے والا ہو — پس درندہ خصلت آدمی کبھی (عالمِ برزخ میں) دیکھتا ہے کہ اس کو کوئی درندہ
نوج رہا ہے، اور پھیل آدمی دیکھتا ہے کہ اس کو سانپ بچھوڑ رہا ہے۔ اور بالائی علوم کا نزول ایسے دو فرشتوں کی شکل

میں متمثل ہوتا ہے جو اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور نبی کریم ﷺ کی شان میں تو کیا کہتا ہے؟

لغات:

الْمَسْكَنَةُ: پانی روکنے کا بند، بندش، جمع فِلسَكٌ، فِلسَكٌ (ك) مَسَاكِنُ السَّقَاءِ: مشکیزہ کا پانی کو گرنے نہ دینا
ذہیل (س) دُھولاً: ہوش میں نہ رہنا... الغبضة: جھاڑی، جنگل... تَفْعَت (ف) السَّارِ: مجلس دینا... خَذَشَهُ (ض)
خَذَشًا: خراش لگانا... تَهَشَّدَ (ف ض) تَهَشَّاءُ: اگلے دانتوں سے کاٹنا، دانت سے کاٹ کر نشان لگانا۔

تشریح:

(۱) معلومات حس مشترک کے خزانہ میں یعنی خیال میں بھری ہوئی ہوتی ہیں، حس مشترک کا کام حواس ظاہرہ کی حاصل کی ہوئی صورتوں کو قبول کرنا ہے، پھر جب محسوسات حواس ظاہرہ کے سامنے سے غائب ہو جاتے ہیں تو حس مشترک ان کی صورتوں کو اپنے خزانہ میں جمع کر دیتا ہے، تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں اور حس مشترک کے خزانہ کا نام ”خیال“ ہے۔ مزید تفصیل معین الفلاسفہ ص ۱۴۳ میں دیکھیں۔

(۲) عین ماہی صَوْرَہَا یعنی خیالات ان چیزوں کا عین ہیں جن کی وہ صورتیں ہیں۔ مثلاً خواب میں اپنی بھینسوں کا خیال آتا ہے تو وہ خیال متشکل ہو کر سامنے آتا ہے اور آدمی خواب میں ان کو خیالات نہیں سمجھتا بلکہ اپنی واقعی بھینسیں سمجھتا ہے۔

(۳) صفراء مؤنث اصفراء: پتہ جو ایک غلط ہے، جس کی زیادتی سے ریتقان ہوتا ہے۔

(۴) المجمعۃ اسم مفعول ہے، بمعنی خیال میں اکٹھا حواث۔

(۵) هذا المبطلی فی الروایا مبتدا خبر ہیں، جیسے هذا الحال لزید۔ فی الروایا متعلق عام کائنات یا ثابت سے متعلق ہو کر خبر ہے یہ ترکیب مولانا سندھی رحمہ اللہ نے کی ہے، اور اسی ترکیب کو پیش نظر رکھ کر اوپر مطلب بیان کیا گیا ہے۔

(۶) اشیاء خارجہ تمام فنون میں اسماء خارجہ ہے، مگر یہ تعریف ہے، صحیح لفظ اشیاء ہے۔ یہ صحیح بھی مولانا سندھی رحمہ اللہ نے کی ہے۔ اور تینوں مخطوطوں میں بھی ایسا ہی ہے۔

(۷) نزول العلوم تمام فنون میں زوال العلوم ہے، مگر یہ بھی تعریف ہے صحیح لفظ نزول ہے اور یہ صحیح بھی حضرت علامہ عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے کی ہے اور اتنی اہم تصحیح ہے کہ شاید کوئی دوسرا شخص نہ کر سکے اور مخطوط کراچی اور مخطوط پٹنہ میں بھی یہی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

نزول العلوم کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دین نازل کیا ہے اور علوم دینیہ کا فیضان کیا ہے

شیاطین سے ملانے والے فطری اسباب: مزاج کا ایسا بگڑ جانا کہ وہ ایسی باتوں کو چاہے جو حق کے برخلاف اور منافقوں سے متصادم ہوں اور مکارم اخلاق سے کوسوں دور ہوں۔

شیاطین سے ملانے والے اکتسابی اسباب: خسیس ہیکٹوں اور فاسد خیالات کے ساتھ متعلّس رہنا، شیاطین کے دوسوں کی تابعداری کرنا اور لعنت کا ان کو گھیر لینا۔

مثال سے وضاحت: کبھی انسان لڑکے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے مگر اس کے مزاج میں تجوڑاپن اور زنانی حرکات کی طرف میلان ہوتا ہے مگر بچپن میں زنانی اور مردانی خواہشات متوازن نہیں ہوتیں، کیونکہ اس وقت کھیل کود اور کھانے پینے سے فرصت نہیں ہوتی، اُس بچہ کو جس پر روش پر چلنے کا حکم دیا جاتا ہے چلتا رہتا ہے، مگر جب وہ جوان ہوتا ہے اور وہ اپنی لا آہالی فطرت کی طرف لوٹتا ہے تو وہ زنانہ لباس پہن لیتا ہے اور عورتوں کی سی عادتیں اپنالیتا ہے اور اس میں مفعولیت کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہ مردوں کے زمرے سے نکل کر عورتوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح انسان جب تک زندہ رہتا ہے دنیوی زندگی کے جھیلوں میں گھرا رہتا ہے، مگر اس میں صلاحیتیں ملا سافل جیسی ہوتی ہیں، وہ ان کی طرف بہت زیادہ کشش رکھتا ہے یا وہ شیطان صفت ہوتا ہے، اس کو شیاطین سے بے حد مناسبت ہوتی ہے اس لئے جب وہ مر جاتا ہے اور موانع مرتفع ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی فطرت کی طرف لوٹ جاتا ہے، اگر وہ نیک ہوتا ہے تو فرشتوں کے ساتھ مل جاتا ہے اور اس کو ملائکہ جیسے الہامات ہونے لگتے ہیں اور وہ ان کاموں میں لگ جاتا ہے جو فرشتے کرتے ہیں اور بد کردار ہوتا ہے تو شیاطین کے ساتھ مل جاتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی طبرانی اور حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے اور مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہل بیت، فصل ثانی حدیث نمبر ۶۱۵۳ پر مذکور ہے۔ یہ روایت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ملا اعلیٰ کے ساتھ ملنے کی طرف مشیر ہے۔ اور تقابل سے دوسری قسم کے لوگوں کا شیاطین کے ساتھ ملنا مفہوم ہوتا ہے۔

ملائکہ سے ملنے والوں کے بعض احوال:

(۱) کبھی وہ لوگ اعلیٰ کلمۃ اللہ میں، ام حزب اللہ کی مدد کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، مولانا عبدالحق صاحب حقانی دہلوی رحمہ اللہ نے نعمۃ اللہ السابغی ترجمہ ج۱۵ اللہ المائدہ (ص ۱۱۱) میں لکھا ہے کہ جب روم اور روس میں سپہاسنوں کے قلعہ پر لڑائی ہوئی تو بہت سے اہل اللہ نے قہجد کے وقت مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تہنیر مارتے دیکھا، چنانچہ اسی روز صبح کو لشکر اسلام غالب آیا۔

(۲) کبھی وہ کسی انسان کو کچھ خیر پہنچاتے ہیں، بہت سے واقعات مروی ہیں کہ آڑے وقت میں کوئی نیک بندہ جو دنیا سے گزر چکا ہے، ظاہر ہوتا ہے اور مدد کرتا ہے۔

(۳) کبھی ان میں سے کوئی بندہ صورت جسمانی کا بے حد مشتاق ہوتا ہے اور یہ اشتیاق فطری ہوتا ہے پس عالم

مثال کی مدد سے اس کو نورانی جسم مٹاتا ہے۔

(۴) کبھی ان میں سے کسی کو کھانے وغیرہ کی خواہش ہوتی ہے تو ان کا یہ شوق بھی پورا کیا جاتا ہے۔ سورۃ آل عمران آیات ۱۶۹ تا ۱۷۱ میں شہداء کے بارے میں ہے کہ وہ ان کے پروردگار کے پاس روزی دینے جاتے ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرماتے ہیں اور مسلم شریف میں اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ شہداء کی روحمیں ہرے پرندوں کے پاؤںوں میں رقی ہیں، وہ جنت میں جہاں پائنتی ہیں چرتی چکتی ہیں اور وہ عرش سے بندگی ہوئی فاقوسوں میں، بئیرا کرتی ہیں (مشکوٰۃ کتاب الجہاد حدیث نمبر ۳۸۰۰)

شیاطین سے ملنے والوں کے بعض احوال:

(۱) وہ ظلمانی (تاریک سیاہ) لباس پہنائے جاتے ہیں۔

(۲) ان کے لئے ایسی چیزیں مشکل کی جاتی ہیں جن سے وہ خیس لذتوں میں سے بعض حاجات پوری کرتے ہیں جیسے جہنمیوں کو تو زم پیپ اور لہو کھانے کو دیا جائے گا اور جہنمیہ کو، اسی طرح عالم برزخ میں بھی انکی حاجت روائی کیا جاتی ہے۔

[۴] وَصَنَّفَ بِهِمِهِمْ وَمَلَكْنَهُمْ ضَعِيفَتَانِ، يَلْحَقُونَ بِالْمَلَائِكَةِ السَّافِلَةِ، لِأَسْبَابٍ جَلِيلَةٍ: بَانَ كَانَتْ مَلَائِكَتُهُمْ قَلِيلَةٌ أَلَا نَغْمَاسُ فِي الْبَهِيمِيَّةِ، غَيْرَ مَذْعَنَةِ لَهَا، وَلَا مَتَاثِرَةَ مِنْهَا، وَكَسْبِيَّةٌ: بَانَ لَا بَسْتَ الطَّهَارَاتِ بِدَاعِيَةِ قَلْبِيَّةِ، وَمَكْنَتُ مِنْ نَفْسِهَا لِإِلْهَامَاتِ وَبَوَاقِ مَلَائِكَةٍ.

فَكَمَا أَنَّ الْإِنْسَانَ رَسْمًا يُخْلَقُ فِي صُورَةِ الذُّكْرَانِ، وَفِي مَزَاجِهِ خُنُوثَةٌ وَمِيلٌ إِلَى هَيْئَاتِ الْإِنَاثِ، لَكِنَّهُ لَا يَتَمَيَّزُ شَهَوَاتِ الْأُنُوثَةِ مِنْ شَهَوَاتِ الذُّكُورَةِ فِي الصَّبَا؛ إِنَّمَا الْمُهْمُّ حِينُودَ شَهْوَةِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَحُبِّ اللَّعْبِ، فَيَجْرِي حَسْبَمَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ التَّوَسُّمِ بِسَمْتِ الرِّجَالِ، وَيَمْتَنِعُ عَمَّا يُنْهَى عَنْهُ مِنْ اخْتِيَارِ زُيِّ النِّسَاءِ، حَتَّى إِذَا شَبَّ وَرَجَعَ إِلَى طَبِيعَتِهِ الْمَاجَنَةِ، اسْتَبَدَّ بِاخْتِيَارِ زَيْهِنَّ، وَالتَّعَوُّدِ بِعَادَاتِهِنَّ، وَغَلَبَتْ عَلَيْهِ شَهْوَةُ الْأُنْثَى، وَفَعَلَ مَا يَفْعَلُهُ النِّسَاءُ، وَتَكَلَّمَ بِكَلَامِهِنَّ، وَاسْمَى نَفْسَهُ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَى؛ فَعِنْدَ ذَلِكَ خَرَجَ مِنْ حَيْزِ الرِّجَالِ بِالْكُلِّيَّةِ.

فَكَذَلِكَ الْإِنْسَانُ قَدْ يَكُونُ فِي حَيَاتِهِ الدُّنْيَا مَشْغُولًا بِشَهْوَةِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْغُلْمَةِ وَغَيْرِهَا مِنْ مَقْصُودَاتِ الطَّبِيعَةِ وَالرَّسْمِ، لَكِنَّهُ قَرِيبُ الْمَاخِذِ مِنَ الْمَلَأِ السَّافِلِ، قُوَى الْإِنْجَذَابِ إِلَيْهِمْ؛ فَبِإِذَا مَاتَ انْقَطَعَتِ الْعَرَاقَاتُ، وَرَجَعَ إِلَى مَزَاجِهِ، فَلَحِقَ بِالْمَلَائِكَةِ وَصَارَ مِنْهُمْ، وَأُلْهِمَ كِبَالَهُمُ، وَسَعَى فِيمَا يَسْعَوْنَ فِيهِ؛ وَفِي الْحَدِيثِ: «رَأَيْتُ جَعْفَرَ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مَلَكًا يَطِيرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ بِجَنَاحَيْنِ»

وَرَبَّمَا اشْتَغَلَ هُوَ لَا بِإِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللَّهِ، وَنَصْرِ حَزْبِ اللَّهِ؛ وَرَبَّمَا كَانَ لَهُمْ كَلِمَةُ خَيْرٍ بَيْنَ آدَمَ؛

وربما اشتاق بعضهم إلى صورة جسدية اشتياقا شديدا، ناشئان من أصل جبلته، ففزع ذلك بابا من المثال، واختلطت قوة منه بالنسمة الهوائية، وصار كالجسد النوراني؛ وربما اشتاق بعضهم إلى مطعوم ونحوه، فأُمِدَّ فيما انتهى، قضاء لشوقه؛ وإليه الإشارة في قوله تعالى: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا، بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ، فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ الآية.

وبإزاء هؤلاء قوم قريب المآخذ من الشياطين جبلّة: بأن كان مزاجهم فاسداً يستوجب آراء مناقضة للحق، منافرة للرأى الكلى، على طرف شاسع من محاسن الأخلاق؛ وكسبا: بأن لا يست هيئات خسية، وأفكاراً فاسدة، وانفادت لوسوسة الشياطين، وأحاط بهم اللعن؛ فإذا ما نوا لِحَقُوا بالشياطين، وألبسوا لباساً ظلمانياً، وصوّروا لهم ما يفضون به بعض طرهم من المَلَذَّةِ الخسية.

والأول بنعم بحدوث ابتهاج في نفسه، والثاني يعذب بضيق وغم، كالمخنث يعلم أن الخنثوية أسوأ حالات الإنسان، ولكن لا يستطيع الإقلاع عنها.

ترجمہ: (۳) اور ایک (اور) قسم جن کی قوت ملکیہ اور قوت بکیمیہ دونوں کمزور ہوتی ہیں، وہ لوگ (اگر نیک ہوتے ہیں تو) ملائکہ سافلہ کے ساتھ مل جاتے ہیں، فطری اسباب کی بناء پر: یا اس طور کہ ان کی قوت ملکیہ قوت بکیمیہ میں کم ڈوبنے والی ہو، بکیمیت کی تابعداری کرنے والی نہ ہو، نہ اس سے متاثر ہونے والی ہو۔ اور کسائی اسباب کی بناء پر، یا اس طور کہ نفس کا ظہنی تقاضے سے پاکیزگی کے ساتھ تعلق رہا ہو، اور آدمی نے اپنے نفس کو الہامات اور ملکی انوار کے قابل بنایا ہو۔

پس جس طرح یہ بات ہے کہ کبھی انسان مردانی صورت میں پیدا کیا جاتا ہے، اور اس کے مزاج میں فہم و اپن اور عورتوں کے اطوار کی طرف میلان ہوتا ہے، مگر بچپن میں زنانی خواہشات، مردانی خواہشات سے متاثر نہیں ہوتیں، اس وقت انہم چیز کھانے پینے کی خواہش اور کھیل کود کی محبت ہوتی ہے، اس لئے وہ بچہ جس طرح مردوں کی روش اپنانے کا حکم دیا جاتا ہے، چلتا رہتا ہے، اور اس کو زنانہ پوشاک اختیار کرنے سے روکا جاتا ہے تو وہ باڈر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ جوان ہو جاتا ہے اور وہ اپنی لاابالی طبیعت کی طرف لوٹ جاتا ہے تو وہ عورتوں کی پوشاک اختیار کرنے میں، اور ان کی عاداتیں اپنانے میں خود مختار ہو جاتا ہے، اور اس پر مفعولیت کی خواہش غالب آ جاتی ہے اور وہ عورتوں جیسے کام کرنے لگتا ہے، اور ان کے انداز پر بولنے لگتا ہے، اور اپنا نام عورتوں جیسا رکھ لیتا ہے، پس اس وقت وہ مردوں کے زمرہ سے بالکل نکل جاتا ہے۔

پس اسی طرح انسان کبھی اپنی دنیوی زندگی میں، کھانے پینے اور شہوت وغیرہ، فطرت و عادت کے تقاضوں میں

مشغول رہتا ہے مگر وہ صلاحیت کے اعتبار سے علم سافل کے لگ بھگ ہوتا ہے، اور وہ ان کی طرف بہت زیادہ کشش رکھتا ہے، پس جب وہ مر جاتا ہے تو مواعظ مرتفع ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنے مزاج کی طرف لوٹ جاتا ہے تو فرشتوں کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اور انہیں میں سے ہو جاتا ہے اور انہی جیسے الہامات کیا جاتا ہے، اور ان کاموں میں لگ جاتا ہے جو وہ فرشتے کرتے ہیں، اور حدیث میں آیا ہے کہ میں نے جعفرؑ بھی اللہ عزہ کو بصورت فرشتہ، جنت میں فرشتوں کے ساتھ دوپروں سے اڑتے دیکھا ہے۔

اور کبھی یہ لوگ علوائے کلمۃ اللہ میں اور حزب اللہ (اللہ کی جماعت) کی مدد کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، اور کبھی وہ حضرات کسی انسان کو کچھ خیر پہنچاتے ہیں، اور کبھی ان میں سے کوئی صورت جسمانی کا بے حد مشتاق ہوتا ہے، جو ان کی فطرت کی جڑ سے پیدا ہونے والا ہوتا ہے تو وہ اشتیاق عالم مثال کا ایک دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، اور عالم مثال کی ایک فوت روح ہوائی (نفس) کے ساتھ مل جاتی ہے، اور وہ نورانی جسم سی بن جاتی ہے۔ اور کبھی ان میں سے کوئی کھانے وغیرہ کی خواہش کرتا ہے، پس اس کے شوق کو پورا کرنے کے لئے اس کی خواہش میں کمک پہنچائی جاتی ہے، اور اس کی طرف اس ارشاد باری میں اشارہ آیا ہے: ”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، ان کے پروردگار کے پاس، روزی دیئے جاتے ہیں، وہ خوش ہوتے ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے“ (آخر آیت تک پڑھیے)

اور ان لوگوں کے بالقابل ایک اور قسم کے لوگ ہیں، جو صلاحیت کے اعتبار سے شیاطین سے لگ بھگ ہوتے ہیں، فطری طور پر اس طرح کہ ان کا مزاج ایسا فاسد ہوتا ہے، جو ایسی باتیں لازم جانتا ہے جو حق کے برخلاف ہوں، جو مفاد کلی سے متضاد ہوں، جو مکارم اخلاق سے کوسوں دور ہوں — اور انسانی طور پر اس طرح کہ وہ خسیس حالتوں سے اور فاسد خیالات سے تعلق رکھتے ہوں اور شیاطین کے وسوسوں کی تابعداری کرتے ہوں اور لعنت نے ان کو گھیر لیا ہو پس جب وہ مر جاتے ہیں تو شیاطین کے ساتھ مل جاتے ہیں اور وہ ظلمانی (تاریک) لباس پہنائے جاتے ہیں، اور ان کے لئے بعض وہ چیزیں منصوب کی جاتی ہیں جن کے ذریعہ وہ خسیس لذتوں میں سے اپنی کچھ حاجات پوری کرتے ہیں۔ اور قسم اول کے لوگ ان کے دل میں خوشی پیدا کرنے کے ذریعہ راحتیں پہنچائے جاتے ہیں، اور قسم دوم کے لوگ گھٹن اور غصہ کے ذریعہ تکلیف پہنچائے جاتے ہیں، جیسے قبچرا جانتا ہے کہ قبچرا پن انسان کی بدترین حالت ہے، مگر وہ اس سے باز نہیں آ سکتا۔

لغات:

ممكن من الشئ: قدرت دینا، جسنے دینا، جماؤ دینا..... نَوَسَم به: علامت بنانا، پہچان بنانا..... السمّت: راستہ اور اہل خیر و صلاح کی ہیئت، جیسے مَا أَحْسَنَ سَمْتُ فُلَانٍ: فلاں کی حالت کس قدر اچھی ہے..... مَجَن (ان) مُجَوَّنًا:

محول کرنا، بے حیا ہونا مفت مباح۔ الأبنۃ کے اصل معنی ہیں نیزہ کی لکڑی میں گاٹھ، یعنی عیب، یہاں مراد مفعولیت کی بری عادت ہے۔ الفلمۃ شہوت غلہ (س) غُلْمًا و غُلْمَةً و غُلْمًا شہوت پرست ہونا..... اللُثمۃ: کچھ اثر، جیسے أصابۃ لُثمۃ من الجن یعنی اس کو جنات کا کچھ اثر پہنچا..... ملأ جمع ملأ کی معنی لذتیں۔
تصحیح: بمتع عما ینہی اصل میں بمتع عما ینہی تھامنے عن الشیء کے معنی ہیں رکنا۔ تصحیح مخلوط کراچی و پٹنہ سے کی گئی ہے۔

تشریح:

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: آنحضور ﷺ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقیق بھائی ہیں اور ان سے دس سال بڑے ہیں، قدیم الاسلام ہیں، چھ بیسویں نمبر پر اسلام قبول کیا ہے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی آپ ہی کے دست مبارک پر حبشہ کے بادشاہ نجاشی رحمہ اللہ نے اسلام قبول کیا تھا، فتح خیبر کے موقعہ پر مدینہ کی طرف ہجرت کی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے بعد افضل الناس حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں ملک شام میں غزوہ موتہ میں چالیس سال کی عمر میں، اسی سے زیادہ زخم کھا کر شہادت پائی۔ جنگ میں آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں دو پر عنایت فرمائے، جن سے جہاں چاہیں اذکر تشریف لے جاتے ہیں، اس لئے جعفر طیار کہلاتے ہیں غریبوں کے بہت ہمدرد تھے، حضور ان کو ابوالسائین کہا کرتے تھے، آنحضور ﷺ سے اخلاق اور علیہ میں بہت زیادہ مشابہ تھے۔

چوتھی قسم

قوی بہیمیت اور ضعیف ملکیت والوں کی مجازات

جن لوگوں کی قوت بہیمیت قوی اور قوت ملکیت ضعیف ہوتی ہے، اور دونوں قوتوں میں باہم مصالحت و موافقت ہوتی ہے۔ اور دنیا میں بیشتر لوگ اسی قسم کے ہیں۔ ان کے اکثر معاملات اس دنیا میں نمہ (روح حیوانی) کے تابع ہوتے ہیں۔ نمہ کا جسم پر راج ہے، بدن سے اس کا تدبیری تعلق ہے، وہ بدن میں ہر قسم کا تصرف کرتا ہے، اور بدن کے روئیں روئیں میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اس کا جسم سے اس قدر قوی تعلق ہے کہ موت کے وقت بھی وہ تعلق بالکلیہ ختم نہیں ہوتا، صرف تدبیری طور پر ختم ہوتا ہے۔ اور وہی اور خیالی تعلق باقی رہتا ہے۔

یہ لوگ جب مر جاتے ہیں تو ان پر دوسری دنیا کی ہلکی سی روشنی چمکتی ہے، اور معمولی سے خیالات آنے لگتے ہیں، اور

عالم قبر میں مجازات کی شکلیں کبھی خیالی صورتوں میں اور کبھی مثالی صورتوں میں متحقق ہونی شروع ہوتی ہیں، اگر دنیا میں ان کا سکوئی اعمال سے تعلق رہا ہے تو وہ ملکیت کے موافق اعمال بوقت نزع یا قبر میں ایسے خوبصورت فرشتوں کی صورت میں سامنے آتے ہیں، جن کے ہاتھوں میں رشم ہوتا ہے، وہ نرم لہجے میں بات چیت کرتے ہیں، وہ ایسے خوبصورت ہوتے ہیں کہ ان کی دیدہی ہزار نعمتیں ہوتی ہے، وہ جنت کی طرف ایک دروازہ دکھا کر دیتے ہیں، جس سے جنت کی خوشبوئیں آنے لگتی ہیں — اور اگر ان لوگوں کا تعلق ملکیت کے برخلاف کاموں سے رہا ہوتا ہے، یا وہ موجب لعنت کام کرتے رہے ہیں تو یہ ملکیت کے ناموافق اعمال بوقت نزع یا قبر میں ایسے بدنما، سیاہ فرشتوں کی صورت میں سامنے آتے ہیں جن کے ہاتھوں میں بدبودار ثلث ہوتا ہے، وہ درشت لہجے میں بات چیت کرتے ہیں، اور ان کی صورت ایسی مکروہ ہوتی ہے کہ ان کی دیدہی بذات خود ایک عذاب ہوتی ہے — الغرض کچھ ملائکہ اسی کام کے لئے ہیں۔ ان کی فطری صلاحیت کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان کو ایسے مواقع پر مقرر کیا جائے، اور وہ سزاوی یا راحت رسانی کا فریضہ انجام دیں۔ ان ملائکہ کو اہل قبور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، گو وہ دنیا والوں کو نظر نہ آئیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ روح ہوائی (نسمہ) کا بدن سے مدبیری تعلق ہوتا ہے، جیسے بادشاہ کا ملک سے مدبیری تعلق ہے۔ اور روح حیوانی (نسمہ) کی وجہ سے بدن کو تین امتناعات حاصل ہوتے ہیں، یعنی امتناع تحریک، امتناع توازن اور امتناع تزویج، جب تک نسمہ کا بدن سے مدبیری تعلق باقی رہتا ہے، اس کا بدن گلتا سرتا نہیں، خواہ کتنا ہی عرصہ آدمی بے ہوش رہے، بدن صحیح سلامت رہتا ہے، اور اس کے مال کے مالک درجاء نہیں ہوتے، مال بدستور اس کی ملکیت میں رہتا ہے۔ اور اس کی ازواج سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا، وہ بدستور اس کے نکاح میں رہتی ہیں۔ اور جب روح حیوانی بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو یہ تینوں امتناعات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ مدبر بدن باقی نہیں رہا، بدن سترنے لگتا ہے، مال کے درجاء مالک ہو جاتے ہیں اور بیوی عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ جیسے بادشاہ جب تک موجود ہوتا ہے، ملک پر امن رہتا ہے اور اگر بادشاہ مر جائے اور کوئی اس کا قائم مقام نہ ہو، تو ملک کا امن و امان درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بادشاہ کی وفات کے بعد پہلے قائم مقام کا اعلان کیا جاتا ہے، پھر بادشاہ کی موت کا اعلان کیا جاتا ہے۔

غرض موت سے نسمہ کا بدن سے مدبیری تعلق ختم ہو جاتا ہے، مگر وہی یعنی خیالی تعلق باقی رہتا ہے، جیسے پیلیفون کا بے شمار نمبروں سے بیک وقت تعلق ہوتا ہے۔ یہ وہی تعلق کی مثال ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اس چوتھی قسم کے لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ روح اور جسم کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں اگر جسم کو روٹنا جائے یا کاٹا جائے تو وہ یہی خیال کرتے ہیں کہ یہ معاملہ روح کے ساتھ کیا گیا، بلکہ وہ جسم کو اصل سمجھتے ہیں اور روح کو بدن کا عین سمجھتے ہیں جیسے معتزلہ صفات باری کو عین باری تعالیٰ سمجھتے ہیں، یا روح کو ایک عارضی چیز سمجھتے ہیں، جیسے خوشی، غمی انسان کو عارض ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ روح کو کبھی ایک عرض خیال کرتے ہیں، جو اجسام پر طاری ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ زبان سے اساتذہ

کی تقلید میں یا معاشرہ کی ریت اور قوم کے مسلمات کے پیش نظر اس کے خلاف کہیں، یعنی یہ کہیں کہ انسان درحقیقت روح کا نام ہے، اور بدن تو محض روح کی سواری ہے، مگر ان کے دل کی تمنا میں وہی عقیدہ ہوتا ہے جو اد پر مذکور ہوا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان درحقیقت روح کا نام ہے، اور بدن اس روح کی سواری ہے، بعض مرتبہ حوادث میں جسم کا کافی حصہ ضائع ہو جاتا ہے، مگر آدمی بدستور باقی رہتا ہے، اسی طرح جب آدمی مر جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ گزر گیا، حالانکہ جسم گھر میں موجود ہے، جب آدمی کا انتقال ہو گیا یعنی دوسری جگہ منتقل ہو گیا تو یہ جسم کیا ہے؟ لوگ اس کو لاش کہتے ہیں یہ لفظ لاشۃ کا مخفف ہے یعنی یہ جسم کچھ بھی نہیں۔

غرض حقیقت حال تو یہ ہے مگر عام لوگ روح اور بدن میں فرق نہیں کرتے، وہ دونوں کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں، یہ سب چوتھی قسم کے لوگ ہیں، اور انہی کی مجازات کا بیان چل رہا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عالم (جہاں) دو ہیں، ایک ہمارا یہ جہاں، جہاں ہم اس وقت ہیں، دوسرا وہ جہاں، جہاں ہم قیامت کے بعد منتقل ہوں گے، جہاں جنت اور جہنم ہیں، یہ دونوں جہاں فی الحال موجود ہیں۔ اور ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، اور جب وہ مکان ہوتے ہیں تو ان کے درمیان حد فاصل بھی ہوتی ہے۔ جس کا نام عالم برزخ اور عالم قبر ہے۔ یہ حد فاصل طرفین کے احکام کا مجموعہ ہوتی ہے، جیسے دھوپ اور سایہ کے درمیان ایک نقطہ اشتراک ہے، جس میں سایہ کے بھی احکام ہوتے ہیں، اور دھوپ کے بھی — نیز حد فاصل کوئی مستقل چیز نہیں ہوتی، طرفین کا مجموعہ ہوتی ہے، البتہ طرفین میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کا قریبی تعلق ہوتا ہے۔ عالم برزخ کا بھی ہماری اس دنیا سے قریبی تعلق ہے، وہ اسی دنیا کا بقیہ اور شمیمہ ہے، اس لئے وہاں عالم آخرت کے احکام بہت خفیف ظاہر ہوتے ہیں، جیسے حکم مادر کی زندگی عالم ارواح اور ہمارے اس عالم اجساد کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے، مگر حکم مادر کی یہ زندگی عالم ارواح کا بقیہ (آخری حصہ) نہیں ہے، بلکہ ہمارے اس عالم اجساد کا ابتدائی حصہ ہے، اس وجہ سے عالم ارواح کے احکام وہاں بس برائے نام ظاہر ہوتے ہیں، وہاں پورے احکام ہماری اس دنیا کے ظاہر ہوتے ہیں، ماں جو کچھ کھاتی پیتی ہے، اور ہستی پہنچتی ہے، پڑھتی سوچتی ہے، اس سب کے اچھے برے اثرات جبین پر پڑتے ہیں۔ البتہ یہاں کے پورے احکام وہاں ظاہر نہیں ہوتے، پچھراہ راست غذائیں لے سکتا — اسی طرح عالم برزخ بھی دو جہانوں کے درمیان کی آڑ ہے اور وہ اس دنیا کا بقیہ یعنی شمیمہ ہے اس لئے عالم آخرت کے احکام وہاں بلکہ ظاہر ہوتے ہیں، اسی کو روایات میں جنت و جہنم کی طرف درجہ کچھ لے کر تعبیر کیا ہے اور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اسی کو ”پردہ کے چھپے سے معلوم مچکنے“ سے تعبیر کیا ہے۔

عالم برزخ اور عالم آخرت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جس طرح ہماری اس دنیا میں انفرادی احکام — جو ہر فرد کے ساتھ مختص ہیں — ظاہر ہوتے ہیں، اسی طرح عالم برزخ میں بھی انفرادی احکام ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ وہ عالم اسی عالم کا بقیہ ہے اور قیامت کے دن اور اس کے بعد نوعی احکام ظاہر ہوں گے۔ سورۃ یس آیت ۵۹ میں ہے ﴿وَافْضَاؤْا

الْيَوْمَ أَنهَا الْمَجْرُمُونَ ﴿۱﴾ (اور اے مجرمو! آج (اہل ایمان سے) الگ ہو جاؤ) کیونکہ اہل ایمان کو جنت میں بھیجنا ہے اور مجرموں کو دوزخ میں۔ سورہ مریم آیت ۸۵ میں ہے ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا﴾ (جس دن ہم متقیوں کو رحمان کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے) اور سورہ الزمر آیت ۱۷ میں ہے: ﴿يُكَافَرُونَ﴾ وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جائیں گے۔ اور آیت ۷۳ میں ہے: ﴿يُجْلَوْنَ﴾ اپنے رب سے ڈرتے تھے، وہ گروہ گروہ بنا کر جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے۔ ان آیات میں اشارہ ہے کہ قیامت میں اور اس کے بعد مجموعی احکام ظاہر ہوں گے، انفرادی احکام باقی نہیں رہیں گے، جیسے امتحان ہر طالب عالم کا الگ الگ لیا جاتا ہے، جوابات بھی الگ الگ جانچے جاتے ہیں، نمبرات بھی الگ الگ دیئے جاتے ہیں، مگر جب نتیجہ امتحان کا فیصد نکالا جاتا ہے تو مجموعہ کا لحاظ کر کے کہا کرتے ہیں کہ اتنے فیصد کامیاب ہوئے اور اتنے فیصد ناکام۔ اس کی مزید تفصیل اگلے باب میں آ رہی ہے۔

[۴] وصنف هم أهل الاصطلاح: قوية بهيمتهم، ضعيفة ملكيتهم؛ وهم أكثر الناس وجوداً، يكون غالب أمورهم تابعاً للصورة الحيوانية، المجدولة على التصرف في البدن، والانهماس فيه، فلا يكون الموت انفكاكاً لنفوسهم عن البدن بالكلية، بل تنفك تدبيراً، ولا تنفك وهماء، فتعلم علماً مؤقتاً — بحيث لا يخطر عندها إمكان مخالفه — أنها عين السجسد، حتى لو وطئ السجسد، أو قطع، لا يفتن أنه فعل ذلك بها؛ وعلاقتهم: أنهم يقولون من جلد قلوبهم: أن ارواحهم عين أجسادهم، أو عرض طار عليها، وإن نطقت ألسنتهم لتقليد أورشليم خلاف ذلك.

فأولئك إذا ماتوا يرق عليهم بارق ضعيف، وتراءى لهم خيال طفيف، مثل ما يكون هنا للمرتاضين، وتشبه الأمور في صور خيالية تارة، ومثالية خارجة أخرى، كما قد تشبه للمرتاضين؛ فإن كان لابس أعمالاً ملكية دس علم الملازمة في أشباح ملائكة حسان الوجوه، بأيديهم الحرير، ومخاطبات وهينات لطيفة، وفتح باب إلى الجنة، تأتي منه روائحها؛ وإن كان لابس أعمالاً منافرة للملكية، أو جالية لللعن، دس علم ذلك في أشباح ملائكة سود الوجوه، ومخاطبات وهينات عنيفة، كما قد يدس الغضب في صورة السباع، والجن في صورة الأرنب.

وهناك نفوس ملكية استوجب استعدادهم أن يؤكّلوا بمثل هذه المواطن، ويؤمروا بالتعذيب أو التعميم، فإرهم المبلى عياناً، وإن كان أهل الدنيا لا يرونهم عياناً. واعلم أنه ليس عالم القبر إلا من بقايا هذا العالم، وإنما يترشح هنالك العلوم من وراء حجاب؛

وإنما تظهر أحكام النفوس المختصة بفرد دون فرد بخلاف الحوادث الحشرية، فإنها تظهر عليها، وهي فانية عن أحكامها الخاصة بفرد فرد، باقية بأحكام الصورة الإنسانية، والله اعلم.

ترجمہ: (۳) اور ایک (اور) قسم ہے، وہ مصالحت والے لوگ ہیں: جن کی قوت بتہیہ قوی اور قوت ملکیہ ضعیف ہے، اور وہ بیشتر لوگ ہیں پائے جانے کے اعتبار سے۔ اُن کے اکثر امور (دنیا میں) اُس روح حیوانی کے تابع ہیں، جو بدن میں تصرف کرنے کے لئے اور بدن میں ڈوبنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پس موت کے وقت ان کی ارواح ان کے جسموں سے بالکلیہ جدا نہیں ہوتیں، بلکہ تدبیری طور پر جدا ہوتی ہیں، اور خیالی طور پر جدا نہیں ہوتیں۔ پس وہ نفوس پختہ طور پر جانتے ہیں۔ اس طرح کے اُس کے برخلاف کا امکان تک ان کے دل میں نہیں گزرتا۔ کہ وہ ارواح ایجنہ جسم ہیں، حتیٰ کہ اگر جسم روندا جاتا ہے یا کاٹا جاتا ہے، تو وہ لوگ یقین کرتے ہیں کہ یہ معاملہ ان کی ارواح کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور ان لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی تمنا سے کہتے ہیں کہ ان کی روحیں ایجنہ ان کے اجسام ہیں، یا (وہ ارواح) اعراض ہیں جو اجسام پر طاری ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ زبان سے تقلید کے طور پر یاریت رواں کی بنا پر اس کے برخلاف کہیں۔

پس جب یہ لوگ مر جاتے ہیں تو اُن پر خفیف سی روشنی چمکتی ہے، اور ہلکے سے خیالات ان کو نظر آتے ہیں، جیسا کہ بعض ریاضت کرنے والوں کو یہاں نظر آیا کرتا ہے۔ اور (عالم برزخ میں مجازات کے لئے) چیزیں کبھی خیالی صورتوں میں اور کبھی مثالی صورتوں میں متشکل ہوتی ہیں، جیسا کہ بعض ریاضت کرنے والوں کے لئے کبھی متشکل ہوتی ہیں۔ پس اگر اس شخص کا ملکوتی اعمال سے تعلق رہا ہوتا ہے تو موافقت کا علم ایسے خوبصورت فرشتوں کی شکل میں چھپایا جاتا ہے، جن کے ہاتھوں میں ریشم ہوتا ہے، جو نرم لہجے میں بات چیت کرتے ہیں، اور اچھی حیثیت میں نظر آتے ہیں، اور جنت کی طرف ایک دروازہ دکھایا جاتا ہے، جس سے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں۔ اور اگر اس شخص کا ملکیت کے برخلاف کاموں سے یا لعنت کو کھینچنے والے کاموں سے تعلق رہا ہوتا ہے تو اس علم کو سیاہ چہرے والے فرشتوں کی شکل میں چھپایا جاتا ہے، جو درشت لہجے میں بات چیت کرتے ہیں، اور کدوہ بینتوں میں نظر آتے ہیں، جیسا کہ کبھی (خواب میں) فتنہ درندوں کی شکل میں، اور بزدلی خروگوش کی صورت میں چھپائی جاتی ہے۔

اور وہاں (یعنی نفس الامر میں) ایسے ملکی نفوس ہیں، جن کی استعداد لازم جانتی ہے کہ ان کو اس جیسے مواقع میں مقرر کیا جائے۔ اور ان کو سزا دینے کا یا راتیں پہنچانے کا حکم دیا جائے، پس معذب آدمی اُن کو آنکھوں سے دیکھتا ہے، اگرچہ دنیا والے ان کو سزا کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

اور جان لیں کہ عالم قبری عالم کا بقیہ ہے۔ اور وہاں علوم (اور احکام) پردہ کے پیچھے سے نکلتے ہیں۔ اور نفوس کے صرف وہ احکام ظاہر ہوتے ہیں جو ہر فرد کے ساتھ مختص ہیں، قیامت کے واقعات کے برخلاف، پس وہ واقعات

انفوس پر ظاہر ہوں گے دراصل ایک وہ ہونا والے ہوں گے اپنے ان احکام سے جو ہر فرد کے ساتھ خاص ہیں، باقی رہنے والے ہوں گے نوع انسانی کی صورت کے احکام کے ساتھ، باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

تشریح:

(۱) عرض: وہ ممکن ہے جو کسی عمل میں پایا جائے یعنی وہ پائے جانے میں، باقی رہنے میں اور ممکن ہونے میں کسی عمل کا محتاج ہو، جیسے کپڑے کی سیاہی اور سفیدی وغیرہ۔ اعراض انہیں، جن کی تفصیل معین الغلظ ص ۹۷ میں ہے۔
شاہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ چوتھی قسم کے لوگ ارواح کو جو ہر نہیں مانتے، بلکہ عرض مانتے ہیں۔ جو قیام اور بقاء میں جسم کی محتاج ہوتی ہیں۔

(۲) مرتاض: وہ حضرات ہیں جو عبادات میں سخت محنت اور حقائق ایمانی میں غور و فکر کرتے ہیں، ان پر خفیف سی روشنی کس طرح چمکتی ہے؟ اور ان کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے بارے میں بلکے سے خیالات کیا آتے ہیں؟ اور عالم آخرت کے امور ان کے سامنے کس طرح متشکل ہوتے ہیں؟ یہ سب واردات ہیں، راہ خدا کے سالک کے علاوہ کس لئے ان کو سمجھنا اور سمجھنا نامشکل ہے، ایسی چیز مثال میں نہیں پیش کرنی چاہئے جو خود مسئلہ ہو، مثال تو مسئلہ کی وضاحت کے لئے ہوتی ہے، اس لئے میں نے یہ مثال نہیں چھیڑی۔

(۳) خیالی صورتیں: جیسے بیداری یا خواب کے تصورات جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا، اور مثالی خارجی (صورتیں) جیسے کوئی شخص سامنے آیا اور کچھ کہہ کر یا دکر کے ایک دم غائب ہو گیا، یہ مثالی صورت ہے اور وہ خارج میں پائی جاتی ہے مگر چونکہ وہ مادی نہیں، اس لئے غائب ہو جاتی ہے۔

(۴) دَسْ (ن) الشَّيْءِ نَحْتَ التَّرَابِ: دھنسانا، چھپانا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ آدمی نے دنیا میں جو اعمال کئے ہیں، وہ ملکیت کے شایان شان ہیں یا اس سے متضاد ہیں، یہ موافقت یا ناموافقت کا علم آدمی کو عالم برزخ میں ملائکہ کی شکنوں کے ذریعہ ہوتا ہے، ان کی صورتوں میں یہ علم چھپا دیا جاتا ہے، ان کو دیکھتے ہی آدمی سمجھ جاتا ہے کہ میں کس قسم کے کام کر کے آیا ہوں اور یہ اشارہ ہے بہت سی حدیثوں کے مضمون کی طرف کہ مومن کی روح قبض کرنے کے لئے فرشتے کس حال میں آتے ہیں اور کافر کے ساتھ ہر وقت فرشتے کیا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ حدیثیں مشکوٰۃ شریف کتاب البجائز، باب ما يقال عند من حضره الموت میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) اس عبارت میں چند تصحیحات کی گئی ہیں: (الف) فَتَعْلَمُ عَلَمًا مَوْكِدًا: اصل میں فَتَعْلَمُ عَلَمًا مَوْكِدًا: کذا تھا (ب) اِمْكَانٌ مَخَالِفَةٌ تھا (ج) طَارٍ: مطبوعہ میں طاری تھا (د) عَنِيفَةٌ: مطبوعہ میں عَنِيفَةٌ تھا (ه) عَنْ احْكَامِهَا سے پہلے واو تھا: یہ سب تصحیحات محوطہ کراچی سے ہیں۔

باب — ۴

قیامت اور اس کے بعد کے واقعات کے اسرار و رموز

حشر (ن بن) حشر کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا۔ اور اصطلاح میں یوم الحشر قیامت کے دن کو کہتے ہیں، کیونکہ اس دن میں اولین و آخرین جمع کئے جائیں گے۔ اس دنیا میں لوگ آزمائش (گروہ گروہ) آرہے ہیں۔ جب اس دنیا کا آخری دن (الیوم الآخر) آئے گا تو پہلے تمام مخلوقات ختم کر دی جائیں گی۔ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا جس تمام مخلوقات دوبارہ زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گی۔ محشر (شین کے زبر اور زیر کے ساتھ) لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ — شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حشر کا لفظ عام استعمال کیا ہے۔ دوبارہ زندہ ہونے سے لے کر جنت و جہنم کی ابدی زندگی تک سب کو لفظ حشر سے تعبیر کیا ہے۔ اس باب میں بھی تمہید ہے۔ پہلے پانچ باتیں بیان کی ہیں، پھر اصل مدع شروع کریں گے۔

پہلی بات

موت کے بعد انفرادی احکام ختم ہو جاتے ہیں، صرف نوعی احکام باقی رہتے ہیں مرنے کے بعد روجوں کا ایک مرکز ہے، جس کی طرف تمام روجیں مٹ جاتی ہیں، جیسے متناسطیں لوہے کو کھینچ لیتا ہے، وہ مرکز بھی روجوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، وہ مرکز حظیرۃ القدس (بارگاہ مقدس) ہے۔ وہاں نوع انسانی کی صورت پائی جاتی ہے، جس کے بہت سے منداورزبانیں ہیں، وہ مختلف بولیاں بولتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (دیکھئے بحث اول باب (۳) لما اُعلیٰ کا بیان) اس صورت کا نام ”انسان اکبر“ ہے اور ”روح اعظم“ بھی، اور روح اعظم کا یہ تمثیل (پایا جانا) یا تو عالم مثال میں ہے یا ذکر یعنی لوح محفوظ میں، آپ جو چاہیں تعبیر اختیار کریں۔ جب روجیں اجسام کی چادروں سے مجرد ہو جاتی ہیں تو وہ روح اعظم کے پاس پہنچ جاتی ہیں، وہاں پہنچنے کے بعد انفرادی خصوصیات ختم ہو جاتی ہیں، صرف نوعی خصوصیات یا نوعی خصوصیات جیسی خصوصیات باقی رہ جاتی ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی میں دو قسم کی چیزیں ہیں: انفرادی خصوصیات اور اجتماعی خصوصیات: انفرادی خصوصیات: وہ ہیں جن کی وجہ سے بعض افراد بعض سے ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کو شخصیات بھی کہتے ہیں، مثلاً ہر فرد کا ناک نقشہ، خدو خال، قد و قامت اور انداز مختلف ہوتا ہے، جو اس کو دوسرے افراد سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ سب انفرادی خصوصیات ہیں، جو مرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔

اجتماعی خصوصیات: وہ ہیں جو تمام افراد میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی چیزیں نوع کی وجہ سے ہو سکتی ہیں۔ حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ: ”ہر بچہ فطرت (اسلامی) پر پیدا ہوتا ہے“ یہ نوعی حکم کا بیان ہے، جو تمام افراد میں پایا جاتا ہے، کوئی فرد اس سے خالی نہیں (یہ حدیث بخاری شریف کتاب الجنازہ میں ہے فتح الباری ۳: ۲۳۶)۔ اور نوعی چیزیں دو قسم کی ہیں: ظاہری اور باطنی:

ظاہری چیزیں: جیسے ہر نوع کی بناوٹ مختلف ہے، رنگ، شکل اور جسم کی مقدار متفاوت ہے، اسی طرح ہر نوع کی آواز بھی علحدہ ہے۔ یہ تمام امور نوع کے ظاہری احکام ہیں یعنی نوع کا جو بھی فرد، نوع کی عطا کردہ ہیئت پر پایا جائے گا اس میں یہ باتیں ضرور ہوں گی، کوئی فرد ان باتوں سے خالی نہ ہوگا۔ البتہ اگر مادہ کے نقص کی وجہ سے کوئی فرد ناقص الخلقت پیدا ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ مثلاً انسان کا قد سیدھا ہوگا یعنی وہ دو پیروں پر کھڑا ہوگا، وہ ناقص ہوگا یعنی الفاظ کے ذریعہ مافی الضمیر سمجھ گا اور سمجھائے گا، اور اس کی جلد بالوں سے صاف ہوگی یعنی بھیڑ بکری کی طرح اس کا پورا بدن بالوں سے ڈھکا ہوا نہ ہوگا اور گھوڑا کج قامت ہوگا یعنی اس کا جسم شبل کی طرح چار پیروں پر بچھا ہوا ہوگا، وہ ہنہانے والا اور بال دار کھال والا ہوگا اور اسی طرح کی دوسری وہ چیزیں جن نوع کے افراد سے، مزاج کی درستگی کے وقت جدا نہیں ہوتیں۔

باطنی چیزیں: جیسے ہر نوع کا ادراک (سمجھنا) مختلف ہوتا ہے، معاش (زندگی گزارنے) کے طریقے جدا ہوتے ہیں اور اچانک پیش آنے والے واقعات سے شمنے کی شکلیں الگ الگ ہوتی ہیں، کوئی سیگنل مارتا ہے تو کوئی لات مارتا ہے، کوئی کاٹتا ہے تو کوئی ڈنک مارتا ہے، غرض ہر نوع اپنا طریقہ کدافت جانتی ہے اور وہ طریقہ ہر نوع کا مختلف ہے۔ شہد کی مکھیوں کے احوال میں نور مجتہبہ چیزوں کے احوال پر نظر ڈالیے تو آپ کو احوال کا یہ اختلاف عیاں نظر آئے گا۔ یہ تمام امور صورت نوعیہ کے تقاضے سے ہیں اور نوعی احکام ہیں۔

غرض موت کے بعد جب روحیں اپنی بارگاہ کی طرف سمت جاتی ہیں تو انفرادی احکام، جیسے ہر فرد کے تخصیصات، وہاں پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور نوعی احکام خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، وہاں پہنچنے کے بعد باقی رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ احکام جن پر نوع کی جانب غالب ہوتی ہے یعنی گو وہ نوعی احکام نہیں ہوتے، مگر عموماً لازم کی وجہ سے نوعی احکام جیسے ہو جاتے ہیں، جیسے مومنین کا ایمان اور کفار کا کفر اور منافقین کا نفاق، یہ نوعی احکام جیسے ہیں، یہ بھی باقی رہتے ہیں۔ نوٹ: روح اعظم کی طرف ارواح کا سمتنا جگہ کے اعتبار سے نہیں ہوتا، جیسا کہ تیسری بات کے ضمن میں تفصیل سے آ رہا ہے۔

﴿باب ذکر شئی من أسرار الوقائع الحشرية﴾

اعلم أن للآرواح البشرية حضرة تنجذب إليها انجذاب الحديد إلى المغناطيس؛ وتلك الحضرة هي حضرة القدس: محل اجتماع النفوس المتجردة عن جلايب الأبدان، بالروح

الأعظم الذي وصفه النبي صلى الله عليه وسلم بكثرة الوجوه والألسن واللغات؛ وإنما هو تشبُّعٌ لصورة نوع الإنسان؛ في عالم المثال، أو في الذكر — أيًا ما شئتَ فقل — ومحلُّ فئانها عن المتأكد من أحكامها الناشئة من الخصوصية الفردية، ويقانها بأحكامها الناشئة من النوع، أو الغالب عليها جانب النوع.

ونفصيلُهُ: أن أفراد الإنسان لها أحكام يمتاز بها بعضها من بعض، ولها أحكام تشترك فيها جسمانيَّتها، وتوارد عليها جميعها، ولا جرم أنها من النوع، وإليه الإشارة في قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿كل مولود يولد على الفطرة﴾ الحديث. وكل نوع يختص به نوعان من الأحكام:

أحدهما: الظاهرة، كالخلفة، أي اللون والشكل والمقدار، وكالصوت، أي فرد وجد منه على هيئة يعطيها النوع، ولم يكن مُخَدَّجًا من قِبَل عَصَائِبِ المادة، فإنه لا بدّ يتحقق بها، ويتوارد عليها؛ فالإنسانُ مستوى القامة، ناطق، بادي البَشَرَة؛ والفرسُ مُعَوَّجُ القامة، صاهِلٌ، أشعر، إلى غير ذلك مما لا ينفك عن الأفراد عند سلامة مزاجها.

وثانيهما: الأحكام الباطنة، كالإدراك والاهتداء للمعاش، والاستعداد لما يهْجُمُ عليها من الوقائع؛ فلكل نوع شريعة: ألا ترى النحل كيف أوحى الله تعالى إليها أن يتَّبَعَ الأشجار، فتأكل من ثمراتها، ثم كيف تتخذ بيتًا يجتمع فيه بنو نوعها، ثم كيف تجمع العسل هنالك؟ وأوحى إلى العصفور أن يورَغِبَ الذكر في الأنثى، ثم يتخذ أعشًا، ثم يَحْضُنُ النِيضَ، ثم يَرْفُفُ الفراخ، ثم إذا نهضت الفراخ علَّمها أين الماء؛ وأبى الحبوب؛ وعلَّمها ناصحها من عدوها، وعلَّمها كيف نفر من السنور والصيد؛ وكيف تنازع بنى نوعها عند جلب نفع أو دفع ضرر؟ وهل تُظَنُّ الطبيعة السليمة بتلك الأحكام أنها لا ترجع إلى اقتضاء الصورة النوعية؟

ترجمہ: واقعات حشر کے کچھ اسرار و رموز کا بیان: جان لیں کہ انسانی روحوں کے لئے ایک ایسی بارگاہ ہے، جس کی طرف رومیں کھینچ جاتی ہیں۔ متناطیس کی طرف لوہے کے گھچنے کی طرح، اور وہ بارگاہ، وہ حظیرۃ القدس ہے: جو بدن کی چادر سے منہ بردار (عفا) ہونے کے بعد روحوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ ہے، اس روحِ اعظم کے ساتھ جس کو متصف کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے بہت سے مؤمنوں، زبانوں اور بولیوں کے ساتھ۔ اور وہ روحِ اعظم نوعِ انسانی کی صورت کا تمثیل (پایا جاتا ہے، عالم مثال میں، یا ذرا یعنی لوح محفوظ میں — جو چاہیں آپ تعبیر اختیار کریں — اور وہ) حظیرۃ القدس (انفرادی خصوصیت سے پیدا ہونے والے احکام میں سے مؤکد (پختہ) احکام کے فن ہونے کی جگہ ہے، اور نوع

کی وجہ سے پیدا ہونے والے احکام، یا جن احکام پر نوع کی جبت غالب ہے، ان احکام کے ساتھ باقی رہنے کی جگہ ہے۔ اور اس کی (یعنی انفرادی اور نوعی احکام کی) تفصیل یہ ہے کہ انسانی افراد کے لئے کچھ احکام تو وہ ہیں جن کی وجہ سے بعض افراد بعض سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور ان کے لئے کچھ احکام وہ ہیں جن میں ان کے سارے افراد شریک ہوتے ہیں۔ اور ان احکام پر سارے افراد انسانی متفق ہوتے ہیں۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ وہ احکام نوع کی وجہ سے ہیں۔ اور اس کی طرف رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ: ”ہر پک فطر (اسلامی) پر پیدا ہوتا ہے“ حدیث آخر تک پڑھئے۔ اور ہر نوع کے ساتھ دو قسم کے احکام مخصوص ہوتے ہیں۔

ان میں سے ایک: ظاہری احکام ہیں، جیسے بناوٹ، یعنی رنگ، شکل اور مقدار، اور جیسے آواز: نوع کا جو بھی فرد، نوع کی عطا کردہ ہیئت پر پایا جائے گا، اور وہ بلاہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ناقص نہ ہوگا، تو وہ ضرور احکام ظاہرہ کے ساتھ پایا جائے گا، اور ان احکام پر متفق ہوگا، پس انسان سیدھے قد والا، ناطق اور کھلی کھال والا ہوگا۔ اور گھڑ کو کچھ قامت، ہنہانے والا اور بال دار کھال والا ہوگا، وغیرہ وغیرہ باتیں جو نوع کے افراد سے، مزاج کی درستگی کے وقت، جدا نہیں ہوتیں۔

اور ان میں سے دوسرے: باطنی احکام ہیں، جیسے ادراک (سمجھنا) اور معاش (زندگی گزارنے) کی راہ پانا اور ان واقعات کے لئے تیار ہونا جو اس پر اچانک آپڑتے ہیں۔ پس ہر نوع کے لئے ایک قانون ہے، کیا آپ شہد کی مکینوں کو نہیں دیکھتے، کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی ہے کہ وہ درختوں کو تلاش کریں پھر ان کے پھلوں میں سے کھائیں، پھر وہ کیسے بنائیں پھل، جس میں اس کی نوع کے افراد اکٹھا ہوں، پھر کیسے جمع کریں اس میں شہد؟۔۔۔ اور وحی کی اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کی طرف کہ، مزادہ کی طرف راغب ہو، پھر دونوں آشیانہ بنائیں، پھر دونوں انڈے بنائیں، پھر دونوں چوزوں کو چگائیں، پھر جب چوزہ اٹھ کھڑا ہو تو وہ اس کو سکھائیں کہ پانی کہاں ہے؟ اور نلکہ کہاں ہے؟ اور وہ اس کو سکھائیں کہ خیر خواہ کون ہے اور دشمن کون ہے؟ اور وہ اس کو سکھائیں کہ وہ بلی اور شکاری سے کس طرح بھاگے؟ اور جلب منفعت کے وقت یا دفع مضرت کے وقت وہ اپنی نوع کے افراد سے کیسے لڑے؟ اور کیا فطر سلیہ ان احکام کے بارے میں گمان کرتی ہے کہ وہ صورت نوعیہ کے چاہنے کی طرف نہیں لوٹتے؟

نکات:

جَذَبَهُ اِلَيْهِ، يَجْنِبُ، اِنْجَذَبَ، كَجَاجَانَا..... الْجُمْلَةُ مَجْمُوعَةٌ... رَقِ (ن) الطَّائِفُ فَرَحُهُ: چوزے کو چگاتا۔
حَضَنَ (ن) حَضَنًا وَحَضَانَةً الطَّيْرُ لِنِصْنِهِ: انڈے سینا (یا جمبول)
ترکیب: محل فنانہا کا محل اجتماع پر عطف ہے..... بقائہا ک فنانہا پر عطف ہے..... کل نوع مبتدأ اور جملہ بختن خبر ہے۔

دوسری بات

نوع کے افراد میں نوعی احکام کا پایا جانا کمال ہے

کسی بھی نوع کے افراد کی نیک بختی (کمال) یہ ہے کہ اس میں نوعی احکام پورے پورے پائے جائیں افراد کا مادہ نوع کے احکام کی نافرمانی نہ کرے، مثلاً عمدہ بھینس وہ ہے جو خوب دودھ دے، اچھا گھوڑا وہ ہے جس میں گھوڑے کی تمام خوبیاں پائی جائیں، اعلیٰ درجہ کی چھری تلوار وہ ہیں جو بہترین کاٹ کریں، اور کامل انسان وہ ہے جس میں کمال عبودیت ہو۔ فرض جس فرد میں جس قدر نوعی احکام پائے جائیں گے، وہ فرد اسی قدر کامل ہوگا۔ اور اگر کوئی فرد نوعی احکام سے خالی ہو، تو وہ بے کار فرد ہے۔ اور نوعی احکام میں کمی ہو تو اسی قدر ناقص ہے جیسے بھینس اگر بچہ اور دودھ نہ دے تو وہ کمیا کے قابل ہے، گھوڑے میں اس کی خوبیاں نہ پائی جائیں تو وہ گدھا ہے، چھری تلوار کاٹ نہ کریں تو ان کی جگہ ردی کی نوکری ہے اور انسان میں اگر عبودیت نہ ہو تو وہ جہنم کا ایندھن ہوگا۔

اسی طرح نوع کے افراد جب تک نوع کے اقتضا پر باقی رہتے ہیں، ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، نہ ان کو کوئی سزا دی جاتی ہے، مگر بعض مرتبہ عارضی اسباب کی وجہ سے افراد کی فطرت متغیر ہو جاتی ہے۔ اس وقت پریشانی کھڑی ہوتی ہے، جیسے جسم میں کہیں سوجن آ جاتی ہے، تو جسم بد نما ہو جاتا ہے اور تکلیف بھی ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں اس عارضی تبدیلی کی طرف اشارہ ہے فرمایا: ”ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے مال باپ (یعنی احوال جس میں وہ بچہ پلتا ہے) اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی (آتش پرست) بنا دیتے ہیں، یعنی عوارض فطرت کو بدل دیتے ہیں۔“

واعلم ان سعادة الافراد: ان تُمَكِّنَ منها احكام النوع و افرة كاملة، وان لاتنصبي مادتها عليه، ولذلك يختلف افراد الأنواع فيما يُعَدُّ لها من سعادتها أو شقاوتها، ومهما بقبت على ما يعطيه النوع لم يكن لها ألم، لكنها قد تُغَيَّرُ فطرتها بأسباب طارئة، بمنزلة الورم، وإليه وقعت الإشارة بقوله صلى الله عليه وسلم: ﴿ثم أبواه يهودانه، أو ينصرانه، أو يمجسانه﴾

ترجمہ: اور جان لیں کہ (کسی بھی نوع کے) افراد کی نیک بختی یہ ہے کہ قدرت دیں افراد اپنے اندر نوع کے احکام کو پورے پورے طور پر (یعنی ان افراد میں نوع کے احکام پورے پورے پائے جائیں) اور یہ بات ہے کہ افراد کا مادہ نوع کی نافرمانی نہ کرے۔ اور اسی وجہ سے نوع کے افراد مختلف ہوتے ہیں اُن باتوں میں جو افراد کی نیک بختی اور بد بختی میں سے شراک کی جاتی ہیں — اور جب تک افراد نوع کی دین پر باقی رہتے ہیں، ان کے لئے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، مگر کبھی عارضی اسباب کی وجہ سے افراد کی فطرت متغیر ہو جاتی ہے، جیسے سوجن، اور اسی (تبدیلی) کی طرف اشارہ

فرمایا ہے، آپؐ نے اپنے اس ارشاد میں کہ: ”پھر اس بچے کے ماں باپ اس کو یہودی یا مسیحی یا مجوسی بنادیتے ہیں“

تیسری بات

ارواح کا بارگاہ عالی کی طرف سمنٹا

حظیرۃ القدس کی طرف ارواح انسانی کا سمنٹا دو طرح پر ہوتا ہے:

اول: بصیرت و ہمت یعنی ایمان اور ذکر و فکر کے ذریعہ: جو بھی شخص بہیمیت کی آلودگیوں سے پاک صاف ہوتا ہے، اس کی روح بارگاہ عالی میں پہنچ جاتی ہے، اور اس بارگاہ کی کچھ باتیں اس پر منکشف ہوتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی پروردگار کے پاس بحث ہوئی (رواہ مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، حدیث نمبر ۸۱) اس حدیث میں اسی انجذاب کی طرف اشارہ ہے، دونوں حضرات کی ارواح بارگاہ عالی میں پہنچیں اور وہاں آپس میں گفتگو ہوئی۔ اور متعدد اسانید سے مضمون صراحتہ مروی ہے کہ نیک لوگوں کی روحتیں روح اعظم کے پاس اکٹھی ہوتی ہیں اور روح اعظم حظیرۃ القدس میں ہے، پس صراحتہ یہ بات ثابت ہوئی کہ کچھ ارواح ھقیقۃً اس بارگاہ کی طرف سمنٹ جاتی ہیں۔

دوم: تعلق قائم ہونے کے ذریعہ سمنٹا: موت کے بعد بارگاہ عالی کا ارواح کے ساتھ تکلیف دہی یا راحت رسانی کا تعلق قائم ہوتا ہے، یعنی حظیرۃ القدس کے آثار اُن ارواح میں نمودار ہوتے ہیں، یہ تعلق قائم ہونا بھی حکماً انجذاب (سمنٹا) ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قیامت کے دن جسموں کو جو دوبارہ بنایا جائے گا، اور ان میں ارواح کو لوٹایا جائے گا، تو وہ نئی زندگی نہ ہوگی، نہ جسم نئے ہوں گے، نہ روحتیں نئی ہوں گی، بلکہ وہ زندگی پہلی زندگی کا تتمہ ہوگی، روحتیں بھی وہی ہوں گی، اور اجسام بھی وہی ہوں گے۔ روحتیں تو موت سے فنا نہیں ہوتیں، بعینہ باقی رہتی ہیں۔ اور اجسام جو کس ستر کر ریزہ ریزہ ہو گئے ہیں ان کی نشاۃ ثانیہ ہوگی، یعنی جسم کے سابقہ اجزاء ہی سے تعمیر نو ہوگی، اس میں مٹی کے نئے اجزاء شامل نہیں ہوں گے۔ رہا یہ سوال کہ قیامت میں تو بہت لمبے چوڑے اجسام ہوں گے، ہر شخص کا قد سوا تھک کا ہوگا، سابقہ اجزاء، سے اتنا بڑا جسم کیسے تیار ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح گوندھے ہوئے آٹے کو کچھ دیر گرمی میں رکھ کر کیا کسی خوش چیز سے بھلا لیا جاتا ہے، تو آٹے میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی۔ اور تھمے (بدبضی) میں جو دافر مقدار میں فضلات خارج ہوتے: وہ سابقہ فضلات ہی ہوتے ہیں، اس میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح قیامت میں اجسام کے سابقہ اجزاء ہی سے عالم مثال کی مدد سے لمبے چوڑے اجسام تیار ہو جائیں گے، ان میں ذرا بھی غنی مٹی شامل نہ ہوگی۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر قیامت میں نئی مٹی سے اجسام تیار ہوں، اور ان کو جزا و سزا ہو تو یہ بات ولا تضر و لا تنذر و ذرِ اُخری کے خلاف ہوگی۔ بھلا یہ بات کیسے ممکن ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، اطاعت میں جن اجسام نے مشقت جمیلی، ان کو تو ثواب ملا نہیں، دوسرے اجسام لطف اندوز ہونے لگے! اسی طرح جن اجسام نے معاصی کئے ان کو تو کوئی سزا ملی نہیں، دوسرے اجسام نا کر وہ گناہ میں پکڑے گئے، بھلا ایسی نا انسانی اللہ کی بارگاہ میں کیونکر ممکن ہے۔ اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے کہ بارگاہ عالی کا تعلق ارواح کے ساتھ اور اجسام کے بوسیدہ ذرات کے ساتھ بدستور قائم ہو۔ یہ تعلق کا بقا بھی حکماً انجذاب ہے۔

واعلم أن الأرواح البشرية تنجذب إلى هذه الحضرة: تارة من جهة البصيرة والهمة، وتارة من جهة تشبُّح آثارها فيها، إيلامًا أو إنعامًا:
أما الانجذاب بالبصيرة: فليس أحد يتخفف عن ألوان البهيمية إلا وندحق نفسه بها، وينكشف عليها شيء منها، وهو المشار إليه في قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿اجتمع آدم وموسى عند ربهما﴾؛ وروى عنه صلى الله عليه وسلم من طرق شتى: أن أرواح الصالحين تجتمع عند الروح الأعظم.
وأما الانجذاب الآخر: فاعلم أن حشر الأجساد، وإعادة الأرواح إليها، ليست حياة مستأنفة، إنما هي تعمة النشأة المتقدمة، بمنزلة التخمّة لكثرة الأكل، كيف؟ ولولا ذلك لكانوا غير الأولين، ولَمَّا أخذوا بما فعلوا.

ترجمہ: اور جان لیں کہ انسانی ارواح اس بارگاہ کی طرف کبھی بصیرت و توجہ کی جہت سے کھینچی ہیں، اور کبھی ارواح میں تکلیف دہی یا راحت رسانی کے آثار متکمل ہونے (پائے جانے) کی جہت سے کھینچی ہے۔
رہا بصیرت کے ساتھ کھینچنا: پس جو بھی شخص بہیمیت کی آلودگیوں سے ہلکا (پاک) ہوتا ہے، اس کی روح اس بارگاہ کے ساتھ مل جاتی ہے، اور اس پر اس بارگاہ کی کچھ باتیں منکشف ہوتی ہیں۔ اور یہ (الحوق) ہی مشار الیہ ہے اس ارشاد نبوی میں کہ: "آدم اور موسیٰ علیہما السلام ان کے پروردگار کے پاس اکٹھا ہوئے" اور متعدد اسانید سے آپ ﷺ سے مروی ہے کہ نیک لوگوں کی ارواح، روح اعظم کے پاس اکٹھا ہوتی ہیں۔

اور رہا دوسرا کھینچنا: تو جان لیں کہ جسموں کا دوبارہ زندہ ہونا، اور رعوں کا ان کی طرف لوٹنا، نئی زندگی نہیں ہے، وہ پہلی زندگی کا تہمتی ہے، جیسے زیادہ کھانے کی وجہ سے بدضمی (اور وہ) نئی زندگی کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر وہ پہلے والے لوگ

الہ اجتمع کا لفظ تو کسی روایت میں یا نہیں پڑتا۔ حدیث میں اخنخ (بحث کی) آیا ہے، مگر اجتماع اس سے مفہوم ہوتا ہے ۱۲

نہ ہوں تو ان کے علاوہ ہوں گے اور البتہ نہیں پکڑے جائیں گے وہ ان کاموں کی وجہ سے جو اگلوں نے کئے ہیں۔

چوتھی بات

قیامت میں واقعات تمثیلی رنگ میں ظاہر ہوں گے

جس طرح خواب میں معنویات تمثیلی پیرایہ میں دکھائی جاتی ہیں، جیسے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ خانہ کعبہ پر کھڑے ہیں، اور آپ سے نہر میں نکل کر چاروں طرف پڑ رہی ہیں، اور مہر نے تعبیر دی تھی کہ آپ سے علم کا فیض جاری ہوگا، اسی طرح خارج میں بھی بعض مرتبہ معنویات تمثیلی رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں، مثلاً:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک کوتاہی فرشتوں کے مقدمہ کی شکل میں سامنے آئی تھی۔ یہ کوتاہی ”خود پستی“ تھی (من عُجِبَ عَجِبَ بِهِ مِنْ نَفْسِهِ، قالہ ابن عباس رضی اللہ عنہ) مگر اس آیت کی صحیح تفسیر ہے، جو مستدرک حاکم (۳۳۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے، اور اس کی تفصیل فوائد عثمانیہ میں سورۃ ص کی تفسیر میں ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جو تفسیر کی ہے وہ ایک دوسری روایت کے پیش نظر ہے، مگر وہ روایت صحیح نہیں، ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی نسبت لکھتے ہیں قد ذکر المفسرون ہنہا قصۃً، اکثرھا ماحوذ من الاسرائیلیات، ولم یثبت فیہا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ اھ۔ مگر مثال پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کوتاہی خواہ یہ ہو یا وہ، بہر حال وہ ایک معنوی چیز ہے، جو فریقین کے مقدمہ کی شکل میں نمودار ہوئی۔

(۲) شب معراج میں فطرت (اسلام) اور شہوت کو دودھ اور شراب کی شکل میں آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے دونوں کو دیکھا، پھر دودھ کو لے لیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: الحمد للہ الذی ہدانا للفقرة، لو أخذت الحمر غوثاً أنتک (اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو فطرت کی راہ دکھائی، اگر آپ شراب کو لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی) یہ روایت بخاری شریف میں، سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں ہے۔ اس میں ہدایت اور ضلالت کو، جو معنوی چیزیں ہیں، دودھ اور شراب کے محسوس پیکر میں پیش کیا گیا ہے۔ اور امت کے صالح افراد ہدایت کو قبول کریں گے، یا بہت دودھ کے انتخاب کی صورت میں ظاہر کی گئی ہے۔

(۳) بخاری شریف، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لو کنت متخذاً حلیلاً میں حدیث نمبر ۳۶۷ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ابرئیس نامی کنوئیں کی مینڈھ پر، پیر اندر لاکر تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کی دائیں جانب، کنوئیں میں پیر لاکر بیٹھ گئے، پھر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے وہ بائیں جانب، اسی طرح بیٹھ گئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آنحضور ﷺ کے پاس مینڈھ پر جگہ نہیں تھی اس لئے وہ مقابل جانب میں اکیلے بیٹھ گئے۔ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے، جو جلیل القدر تابعی ہیں، یہ روایت بیان کر کے ارشاد فرمایا: لَنْهَا قَبُورُهُمْ (میں نے اس کا مطلب ان حضرات کی قبریں لیا ہے) یعنی ان چاروں حضرات کی وفات کے بعد جس طرح ان کی قبریں بنیں، یہ واقعہ اس کا پیکر محسوس ہے کہ اول قین حضرات کی قبریں ایک ساتھ ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر علیہ السلام ہفت قبور میں ہے۔

اسی طرح قیامت میں جو واقعات پیش آئیں گے وہ بھی تمثیلی رنگ میں ہوں گے، مثلاً آنحضور ﷺ جو ہدایت لے کر تشریف لائے ہیں وہ میدان محشر میں حوض کوثر کی صورت میں نمودار ہوگی۔ اور صراط مستقیم پل صراط کی شکل اختیار کرے گی۔

واعلم أن كثير من الأشياء المنحقة في الخارج، تكون بمنزلة الرؤيا، في تشبه المعاني بأجسام مناسبة لها، كما ظهرت الملائكة لداود عليه السلام في صورة خصمين، ورفعت إليه القضية، فعرف أنه تشبّع لما فرط منه في امرأة أوريا، فاستغفر وأناب؛ وكما كان عرضُ قُدْحَى الخمر والبن عليه صلى الله عليه وسلم، واختياره اللبن تشبّعاً لعرض الفطرة والشهوات على أمته، واختيار الراشدين منهم الفطرة؛ وكما كان جلوسُ النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر، مجتمعين على فُفِّ البئر، وجلوسُ عثمان منفرداً منهم، تشبّعاً لما قدّر الله تعالى من حال قبورهم ومدافنهم، على ما أوله سعيد بن المسيّب، وناهيك به؛ وأكثر الوقائع الحشرية من هذا القبيل.

ترجمہ: اور جان لیں کہ بہت سی چیزیں جو خارج میں پائی جاتی ہیں، وہ خواب کی طرح ہوتی ہیں، معنویات کے پائے جانے میں ان سے مناسبت رکھنے والے اجسام کے ساتھ، جیسے فرشتے داؤد علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئے فرشتوں کی صورت میں۔ اور انھوں نے آپ کے سامنے قضیہ پیش کیا، پس داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ اُس کو تا ہی کی تمثیل ہے، جو ان سے اُو ریا کی بیوی کے معاملہ میں ہو چکی ہے، پس انھوں نے معافی طلب کی اور وہ رجوع ہوئے۔ اور جس طرح شراب اور دودھ کے دو پھالوں کا آپ ﷺ کے سامنے پیش کرتا اور آپ کا دودھ کو پسند کرنا فطرت اور شہوت کو آپ کی امت کے سامنے پیش کرنے اور امت کے نیک لوگوں کا فطرت کو پسند کرنے کی تمثیل تھا۔ اور جیسے نبی کریم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا کنوئیں کی مٹن پر اکٹھا بیٹھنا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ان سے علیحدہ بیٹھنا اُس بات کی تمثیل تھا، جو اللہ تعالیٰ نے ان کی قبروں اور ان کے دفن کی جگہوں کے بارے میں مقدر فرمائی تھی، جیسا

کہ اس روایت کا مطلب بیان کیا ہے حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے، اور کافی ہیں چچہ کو حضرت سعید (یعنی ان کا بیان کیا ہوا مطلب تیرے لئے کافی ہے، کسی اور سے اس کا مطلب دریافت کرنے کی ضرورت نہیں) اور قیامت کے بعد کے اکثر واقعات اسی قبیل سے ہیں۔

پانچویں بات

فوقانی علوم آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتے

علوم دو طرح کے ہیں: حسی علوم اور معنوی علوم:

حسی علوم: وہ ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ کی گرفت میں آتے ہیں، آنکھ سے دیکھ کر، کان سے سن کر، ناک سے سونگھ کر، زبان سے کچھ کر یا جسم سے ٹول کر ان کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ علوم منہ آسان ہوتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں عام طور پر یہی حسی (مادی) علوم پڑھائے جاتے ہیں۔

معنوی علوم: وہ ہیں جو حواس خمسہ باطنیہ یا عقل سے جانے جاتے ہیں، وہ حواس ظاہرہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ مدارس اسلامیہ میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں وہ اکثر اذقیل معنویات ہیں — پھر علوم معنوی دو طرح کے ہیں ایک وہ جن سے انسان کو کچھ نہ کچھ مناسبت ہوتی ہے۔ یہ وہ علوم ہیں جو خود انسان سے یا کائنات سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ عبادات کے اسرار و رموز۔ اسی طرح کو نسا معاملہ یعنی برائصاف ہے اور کو نسا یعنی بر ظلم؟ یہ سب علوم معنوی ہیں مگر انسان کو اس سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہے — دوسرے وہ علوم ہیں جن سے انسان کو بالکل مناسبت نہیں، یہ ذات و صفات کے علوم ہیں، اسی طرح آخرت کے معاملات اور ان کے اسرار و رموز کے علوم بھی غیر مانوس ہیں۔

دونوں قسم کے معنوی علوم نہایت مشکل علوم ہیں، آسانی سے ان کو نہیں سمجھا جاسکتا جیسے ماورزا و اندھا رنگ اور روشنی کو خیال میں نہیں لاسکتا۔ ان کی پوری حقیقت مدت دراز گزرنے کے بعد واقعات اور تمثیلات کے ضمن میں اس کی سمجھ میں آتی ہے۔ اسی وجہ سے مدارس اسلامیہ میں ایک ہی فن کی کتابیں ہر سال پڑھائی جاتی ہیں، فقہ کی مثال لیجئے: تعلیم الاسلام سے شروع کر کے ہدایہ تک پڑھایا جاتا ہے، پھر بھی جب قرآن و حدیث کا نمبر آتا ہے تو بہت سے طلبہ مسائل فقہیہ سے نااہل نظر آتے ہیں، پھر طالب علم افتاء کی تعلیم حاصل کرتا ہے، مگر اب بھی مسائل کا کما حقہ ادراک نہیں کر سکتا، پھر ایک لمبی زندگی فتویٰ نویسی کرتا ہے اور مطالعہ جاری رکھتا ہے، تب کہیں جا کر فقہ کی کچھ ہڈ بد ہوتی ہے — اور علوم معنوی کی دوسری قسم کا معاملہ تو اس سے بھی اہم ہے۔ اس لئے قیامت اور اس کے بعد کے واقعات کے جو اسرار و رموز آگے بیان کئے جا رہے ہیں، ان کو ابھی بس سرسری طور پر ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ جب وہ واقعات رونما ہوں گے اور اعمال

کے پیکر ہائے محسوس سامنے آئیں گے تب رفتہ رفتہ ان کی حقیقت واضح گف ہوگی۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حقائق فہمی کے لئے نفس ناطقہ کا التفات ضروری ہے، اور جس قدر التفات زیادہ ہوگا، بات اتنی جلدی سمجھ میں آئے گی۔ تجربہ ہے کہ جو طالب علم پڑھنے کا شوق رکھتا ہے اور سبق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ جلدی مسئلہ سمجھ جاتا ہے، اور جس کا ذہن کھیل کود میں لگا رہتا ہے، سبق کی طرف مانتقت نہیں ہوتا وہ کوراہ جاتا ہے۔ اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کے نفس ناطقہ کا تعلق رسمہ کے ساتھ نہایت پختہ ہوتا ہے، اور رسمہ مادہ کی پیداوار ہے، اس وجہ سے ان کا التفات مادیات کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور وہ مادی علوم آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ اور علوم فوقانی کی طرف چونکہ پورا التفات نہیں ہوتا، اس لئے وہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان معنویات کو بھی مادیات کے سہارے سمجھنے کا عادی ہے، اور علوم معنوی کی پہلی قسم کے لئے چونکہ سہارا موجود ہے، اس لئے وہ ان کو کسی نہ کسی صورت سے سمجھ لیتا ہے مگر علوم معنوی کی دوسری قسم چونکہ مادیات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی اس لئے اس کو خاص عقل سے سمجھنا ہوتا ہے، اور وہ مشکل ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ کی تنبیہ بھی اس لئے کرنی پڑی ہے کہ انسان ذات و صفات کو مادیات کے ساتھ موازنہ کر کے سمجھنے کی کوشش نہ کرے۔ ورنہ وہ جہل مرکب کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

واعلم أن تعلق النفس الناطقة بالنسمة أكيد شديد في حق أكثر الناس، وإتما مُثلها بالنسبة إلى العلوم البعيدة من مالوفها، كمثل الأكمة: لا يتخیل الألوان والأضواء أصلاً؛ ولا مطمع لها في حصول ذلك إلا بعد أحقاب كثيرة ومُدد متطاولة، في ضمن تشبہات ونمثلة.

ترجمہ: اور جان لیں کہ اکثر لوگوں کی یہ نسبت نفس ناطقہ (روح ربانی) کا تعلق رسمہ (روح حیوانی) کے ساتھ تعلق نہایت ہی پختہ ہے۔ اور نفس ناطقہ کا حال ان علوم کی بہ نسبت جن سے اس کو بالکل ہی مناسبت نہیں، مازاد اذہ سے کے حال جیسا ہے جو رنگوں اور روشنیوں کو بالکل خیال میں نہیں لاسکتا۔ اور نفوس کے لئے ان ناماقوس علوم کے حاصل ہونے کی کوئی امید نہیں ہے، مگر قرون کثیرہ اور مدتہائے دراز کے بعد، واقعات و تمثیلات کے ضمن میں۔



قیامت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کا بیان

مجازات کا سلسلہ دنیا سے شروع ہوتا ہے اور جنت و جہنم پر ختم ہوتا ہے۔ بعض اعمال کا اچھا برا بدلہ دنیائی میں دیدیا جاتا ہے، کفار کو ان کی نیکیاں دنیا ہی میں کھلا دی جاتی ہیں اور مؤمنین کے لئے بھی بعض پریشانیوں کو کفارہ سینات بنا دیا

جاتا ہے۔ پھر عذاب قبر اور قبر کی راحتوں کی صورت میں مجازات ہوگی، پھر میدانِ حشر میں، پھر جنت و جہنم کے راستے میں، اور آخر میں جنت و جہنم کی صورت میں مجازات ہوگی۔

جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے ان کو جلد سزا دیکر قصہ نمٹا دیا جاتا ہے۔ نیک لوگوں کو ان کی کوتاہیوں پر، دنیا ہی میں ابتلا میں ڈال کر، پاک صاف کر کے اٹھایا جاتا ہے۔ اور آخر حضور ﷺ کی امت کو زیادہ تر سزا قبر میں دیدی جاتی ہے، قیامت میں جب وہ انھیں گے تو گناہوں سے پاک صاف ہوں گے۔

پھر قیامت کے لمبے دن میں، پھر جنت و جہنم کے راستے میں مختلف لوگوں کو مختلف طرح سے بدلہ دیا جائے گا۔ کسی کا آسان حساب لیا جائے گا کسی کی سخت دار و گیر کی جائے گی۔ کوئی پل صراط پر سے فح کر پار ہو جائے گا، تو کسی کو آنکڑے زنجی کر کے جہنم میں کھینچ لیں گے۔ کچھ لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنے راہنماؤں کے پیچھے بولیں، پھر وہ راہنما تو ان کو جنت میں لے جائیں گے یا جہنم میں پہنچائیں گے۔ کسی کے حق میں اور کسی کے خلاف ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ دائیں والے اور بائیں والے اپنے اپنے نامہ اعمال پر حین گے، جس نامہ مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہوگی، اس کا وہ مال سامنے آئے گا، اور اس کو اس مال کے ذریعہ مختلف طرح سے سزا دی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ یہ سب واقعات ان اعمال کے پیکر ہائے محروس ہیں، جو لوگ دنیا سے کما کر لے گئے ہیں اور صورتِ نوعیہ کی دین کے مطابق جو تمثیل جس کے لئے مناسب ہوگی، وہ اس کے حق میں ظاہر ہوگی۔

اور دوسری زندگی میں کچھ چیزیں ایسی بھی پائی جائیں گی جن کا سب لوگ یکساں طور پر مشاہدہ کریں گے مثلاً ہدایتِ حوضِ کوثر کی صورت اختیار کرے گی، نامہ اعمال، وزن اعمال کی شکل میں سامنے آئیں گے اور جنت کی نعمتیں لذیذ کھانوں، خوشگوار مشروبات، پسندیدہ ازواج، چمکدار لباس اور خوبصورت مکاناتوں کے روپ میں متمثل ہوں گی۔

اور جو مؤمنین گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے وہ وہاں سے تدریجاً نکلیں گے۔ مسلم شریف میں اس آئی کا قصہ مروی ہے جو جہنم میں سے سب سے آخر میں نکلے گا، اس سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح آہستہ آہستہ نکلتا ہوگا۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف کتاب احوال القیامہ، باب الخوض والافتاحۃ۔ حدیث نمبر ۵۵۸۲ پر مذکور ہے۔

اور جنتیوں کی بعض خواہشات مام ہوگی، کیونکہ وہ نوعی تقاضا ہوں گی، جنت کی عام نعمتیں انہی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہوں گی، اور یہی جنت کی اصل نعمتیں ہیں۔ اور بعض خواہشات انفرادی ہوگی، یہ اول سے کم ترین۔ مگر جنتیوں کے لئے یہ بھی میاں کی جائیں گی۔ کنز العمال (۶۰، ۱۱) فضائلِ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۳۳۱۸ پر روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں جہاں سب حوریں (گوری عورتیں) ہیں، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی پسند کی گندی، سیاسی مائل سرخ ہونٹوں والی لڑکی پیدا کی ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف، کتاب احوال القیامہ، باب صفۃ الجنۃ، حدیث نمبر ۵۶۴۳ پر بحوالہ ترمذی شریف روایت ہے کہ جو شخص جنت میں گھوڑا سواری کرنا چاہے گا، اس کے لئے اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ اور مشکوٰۃ شریف

کے مذکورہ کتاب اور باب میں حدیث نمبر ۵۶۵۳ پر بحوالہ بخاری شریف روایت ہے کہ اگر کوئی جنت میں کھیتی کرتا چاہے گا تو اس کا بھی انتظام کرو دیا جائے گا۔

پھر آخر میں پروردگار عالم کا دیدار ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی خلقِ ظاہر ہوگی، اور بخفی مشک کے ٹیلوں پر بیٹھ کر جمالِ انور سے لطف اندوز ہوں گے، پھر اس کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس کا تذکرہ مناسب نہیں، کیونکہ شارعِ علیہ السلام نے سکوت فرمایا ہے، پھر دوسرا کیسے لب کشائی کر سکتا ہے۔

والنفوس أول ما تُبعث تُجازى بالحساب اليسير، أو العسير أو بالمرور على الصراط فاجباً ومخدوشاً، أو بأن يتبع كل أحد متبوعه فينجو أو يهلك، أو ينطق الأبدى والأرجل، وقرأة الصحف، أو سظهور ما بخل به، وحمله على ظهره، أو الكفى به؛ وبالجملة فتشبهات وتمثلات لما عدها، بما تعطيه أحكام الصورة النوعية.

وأيما رجل كان أوثق نفساً، وأوسع نسمةً، فالتشبهات الحشرية في حقه أتم وأوفر؛ ولذلك أخبر النبي صلى الله عليه وسلم: أن أكثر عذاب أمته في قبورهم

وهناك أمور متمثلة تتساوى النفوس في مشاهدتها، كالهداية المبسوطة ببعثة النبي صلى الله عليه وسلم وتشيع حوضاً؛ وتشيع أعمالها المحصاة عليها وزناً، إلى غير ذلك؛ وتشيع النعمة بمطعم هنبي، ومشرب مرفي، ومنكح شهي، وملبس وصي، ومسكن بهي.

وللخروج من ظلمات التخليط إلى النعمة تدريجات عجيبة، كما بينه النبي صلى الله عليه وسلم في حديث الرجل الذي هو آخر أهل النار خروجا منها؛ وإن للنفوس شهوات تتوارد عليها من نقاء نوعها، تتمثل بها النعمة؛ وشهوات دون ذلك، يتميز بها بعضها من بعض، وهو قول النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿دخلت الجنة فإذا جارية آدماء، لعناء؛ فقلت: ما هذه يا جبريل؟ فقال: إن الله تعالى عرف شهوة جعفر بن أبي طالب بالأدم اللعس، فخلق له هذه﴾ وقرله صلى الله عليه وسلم: ﴿إن الله أدخلك الجنة، فلا تشاء أن تحمل فيها على فرس من يافرة حمراء، يطير بك في الجنة حيث شئت، إلا فعلت﴾ وقرله: ﴿إن رجلاً من أهل الجنة استأذن ربّه في الزرع، فقال له: ألسنت فيما شئت؟ قال: بلى؛ ولكني أحب أن أزرع؛ فبذره، فبادر الطرف نباته واستأواه واسحصاه، فكان أمثال الجبال، فيقول الله تعالى: دونك يا ابن آدم فإنه لا يشبعك شيء﴾

ثم أخبر ذلك رؤية رب العالمين، وظهور سلطان التجليات في جنة الكتيب، ثم كائن بعد ذلك ما أسكت عنه، ولا أذكّره، اقتداء بالشارع صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد، سب سے پہلے آسمان حساب یا سخت حساب کے ذریعہ بدل دیئے جائیں گے یا پل صراط پر گزرنے کے ذریعہ، بچ جانے کے طور پر یا زخمی ہو جانے کے طور پر، یا یاس طور کوئی اپنے متبوع کی پیروی کرے، پھر وہ نجات پائے یا ہلاک ہو، یا ہاتھوں اور پیروں کے بولنے کے ذریعہ اور نامنا اعمال پڑھنے کے ذریعہ، یا اس مال کے سامنے آنے کے ذریعہ جس میں آدمی نے بخلی کی ہے (یعنی رکوع ادا نہیں کی) اور اس کو پیٹھ پر لادنے کے ذریعہ، یا اس سے داغ دینے کے ذریعہ۔ اور جامع بات یہ ہے کہ یہ تمام واقعات ان اعمال کی تمثیلات اور پیکر ہائے محسوس ہیں جو نفوس کے پاس ہیں، صورت و عیہ کے احکام کی دین کے مطابق۔

اور جو بھی شخص مضبوط نفس والا اور کشادہ سمہ والا ہے، قیامت میں تمثیلات اس کے حق میں زیادہ کامل اور زیادہ مکمل ہوں گی، اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کی امت کی سزا عام طور پر ان کی قبروں میں ہوگی (رواہ مسلم ۲۰۳۱)

اور وہاں (یعنی قیامت کے بعد) کچھ چیزیں ایسی پائی جائیں گی، جن کا کبھی لوگ یکساں مشاہدہ کریں گے۔ جیسے وہ ہدایت جو نبی ﷺ کی بعثت کے ذریعہ (عالم میں) پھیلانی گئی ہے، وہ حوض کوثر کی صورت میں متمثل ہوگی۔ اور وہ اعمال جو نفوس کے خلاف ریکارڈ کئے گئے ہیں، وہ وزن اعمال وغیرہ کی شکل میں متمثل ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں مزے دار کھانوں، خوش گوار مشروبات، پسندیدہ بیویوں، روشن پوشاک اور خوبصورت مکانوں کے روپ میں متمثل ہوں گی۔ اور نیکیوں کے ساتھ گناہوں کو مٹانے کی تاریکیوں سے نعت خداوندی کی طرف نکلنے میں بھی حیرت انگیز آہستگی ہوگی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو بیان فرمایا ہے، اُس آدمی کے قصہ میں جو جہنمیوں میں آخری شخص ہوگا جہنم سے نکلنے کے اعتبار سے۔

اور چونکہ نفوس کی کچھ خواہشات تو ایسی ہیں، جن پر وہ متفق ہیں، ان کی نوع کی جانب سے (یعنی نوعی تقاضا ہونے کی وجہ سے) اللہ کی نعمتیں ان خواہشات کے ساتھ متمثل ہوں گی۔ اور کچھ خواہشات اُن کے ورے ہیں (یعنی کم درجہ کی ہیں) جن کے ساتھ بعض افراد بعض سے ممتاز ہوتے ہیں (یعنی وہ خواہش کسی کسی کی ہوگی)۔ وہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے (یعنی اس حدیث میں اُسی انفرادی خواہش کا تذکرہ ہے) کہ میں جنت میں گیا، تو اچانک میں نے ایک گندم گوں، سیاہی مائل سرخ ہونون والی لڑکی دیکھی، پس میں نے پوچھا: جبرئیل! یہ کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا: ”اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو گندمی رنگ، سیاہی مائل سرخ ہونون والی عورتیں پسند ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ لڑکی ان کے لئے پیدا کی ہے۔“ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”چٹک اللہ تعالیٰ تجھ کو جنت میں داخل کریں گے، پھر اگر تو جنت میں پہنچ کر چاہے گا کہ سرخ یا قوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنت میں جہاں چاہے اڑتا پھرے، تو یہ بات بھی تجھ کو وہاں حاصل ہوگی۔“ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ایک جنتی نے اپنے رب سے کھتی کرنے کی اجازت

چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: کیا تجھ کو ہر نعمت میسر نہیں؟ اس نے جواب دیا: کیوں نہیں! مگر میں کبھی کرنا پسند کرتا ہوں۔ پس وہ بیج بوئے گا، تو کھیتی دیکھتے دیکھتے اُگ آئے گی، سیدھی کھڑی ہو جائے گی اور کٹ جائے گی، پس اناج کا پہاڑ جیسا ڈھیر لگ جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”اے ابن آدم! تیرا پسند کسی چیز سے نہیں بھرتا“

پھر ان سب چیزوں کے بعد پروردگار عالم کا دیدار ہوگا اور اللہ کی سب سے بڑی تجلی ظاہر ہوگی، مشک کے ٹیلوں والے باغ میں، پھر اس کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے، اس کے بارے میں، میں سکوت اختیار کرتا ہوں، اور میں اس کا تذکرہ نہیں کرتا۔ شارح مایہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے۔

لغات:

حَدَّثَهُ (خبر) خراش لگاؤ۔ تَخَوُّی یَتَخَوُّی تَخِيًا: لو ہے وغیرہ سے داغ دینا۔ اَوْثَقَ نَفْسًا: جس کا نفس ناطقہ (روح ربانی) مضبوط ہو۔ اَوْسَعَ نَسْمَةً: جس کا نسیم (روح حیوانی) زیادہ کشادہ ہو یعنی زیادہ مضبوط ہو یا کسی مضبوط نفس اور جسم والی گدشتہ آتشیں میں، میدانِ قیامت کے واقعات ان کے فتنے میں زیادہ ظاہر ہوں گے۔ امت محمدیہ کمزور جسم والی امت ہے اس لئے ان کا عذاب زیادہ تر قبر میں ہوگا مولانا سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قولہ: ایما دجل کان اوثق نفساً یعنی کل رجل وامرأة کان عظیم النفس، واسع النسمۃ، جسيم البدن، کالامم الماضیۃ، فالنشیحات الحشریۃ فی حقہم، اثم واعظم یعنی حیاتہم وعقاربہم وغیرہما اثم واوفر بالنسبۃ الی امۃ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولذا اخبر الخ ۱۵۔ اَلْهِنِي: خوش گوار ہنّا (ض، ف، ک) الطعام: خوش گوار ہونا۔ اَلْمَرِي: خوش گوار مَرَا الطعام: خوش گوار ہونا۔ مَنَحَ: نکاح کی جگہ یعنی عورت۔ اَلشَّيْبِي: مرغوب جیسے شیشی شہبی: لذیذ چیز... اَلْوَضِي: پاکیزہ و خوبصورت جمع وضاء۔ اَلنَّهْي: حسین و خوبصورت، مؤنث بَہِیَّة، نہا (ن، ہ، ک) بَہَاء: حسین و خوبصورت ہونا۔ تَوَارَدَ: متفق ہونا۔ آدم: گندم گوں، مؤنث اَدَمَاء جمع اَدَم۔ لَعَسَ (س) لَعَسَا: سیاهی مائل سرخ ہوٹ والا ہونا صفت اَلْعَسِ مؤنث لَعَسَاء جمع لَعَس۔

(بفضلہ تعالیٰ جمعہ ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۹۹ء کو بحث دوم کی شرح مکمل ہوئی)

پہلی قسم

قواعد کلیہ کے بیان میں

مبحث سوم

ارتقا قات کی بحث

مبحث سوم

ارتفاقات کی بحث

- | | |
|----------------------------------------|----------|
| ارتفاقات کو مستبط کرنے کا طریقہ | باب (۱) |
| ارتفاق اول میں شامل چیزیں | باب (۲) |
| فن آداب معاش کا بیان | باب (۳) |
| فن تدبیر منزل (خانگی انتظام) کا بیان | باب (۴) |
| فن معاملات کا بیان | باب (۵) |
| نظام حکومت کا بیان | باب (۶) |
| سربراہ مملکت کے لئے ضروری اوصاف | باب (۷) |
| سرکاری عملہ کے نظم و انتظام کا بیان | باب (۸) |
| خلاف کبریٰ کا بیان | باب (۹) |
| ارتفاقات کی بنیادی باتیں متفق علیہ ہیں | باب (۱۰) |
| لوگوں میں رائج طور و طریق کا بیان | باب (۱۱) |

مبحث سوم

ارتقاات کی بحث

ارتفاق: شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ شاہ صاحب اپنی تصنیفات میں یہ اصطلاح کثرت سے استعمال فرماتے ہیں، اس لئے اس کا مفہوم ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

اِرْتَفَقَ بہ کے معنی ہیں نفع اٹھانا۔ اس کا مادہ ہے رَفَعَ (ن، س، ک) رَفَعًا بہ ولہ وعلیہ: مہربانی کا برتاؤ کرنا — اور شاہ صاحب کے اصطلاحی معنی ہیں: آسائش سے زندگی بسر کرنے کی مفید تدبیریں۔ تدبیرات نافعہ، زندگی کی سہولتیں اور مفید اسکیمیں بھی اس کا ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت علامہ سندھی رحمہ اللہ وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں: ”جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کی ہیں، وہ انسان کے ساتھ خشونت سے پیش آتی ہیں، اور فائدہ دینے سے اباء کرتی ہیں، انسان اُن چیزوں کو نہایت نرمی سے تسخیر کر لیتا ہے، جیسے درخت کو آہستہ آہستہ نرمی سے کھپاڑی سے کاٹتا ہے“ (حاشیہ تقریر) اسی طرح زمین کو آہستہ آہستہ کھود کر اس میں سے مکھنوں پانی نکال لیتا ہے، پھجڑے کو نرمی سے سدھا لیتا ہے، ہاتھی کو رام کر لیتا ہے، گھوڑے کو لگام دیدیتا ہے، شیر کو کھنچہ میں کس لیتا ہے، قوس علی ہذا۔ انسان کا اسی قسم کا طریق کار اور یہی کاری گری ارتفاق کہلاتی ہے۔

باب — ا

ارتقاات کو مستنبط کرنے کا طریقہ

ارتقاات (تدبیرات نافعہ) فطری بھی ہوتے ہیں اور آکتابی بھی۔ انتفاع کے فطری طریقے قدرت نے تمام حیوانات کو الہام فرمائے ہیں۔ انسان بھی اس سے محروم نہیں۔ ان فطری طریقوں کو رائیگاں نہیں چھوڑنا چاہئے، استعمال کرنا چاہئے۔ اور آکتابی ارتقاات وہ ہیں جو انسان اپنی عقل سے مستنبط کرتا ہے۔ یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے دیگر حیوانات کو نہیں دی، صرف انسان کو بخشی ہے۔ انسان نے خدا کی بخشی ہوئی اس صلاحیت سے کام لے کر تمدن کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا ہے!

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قولہ: الارتقاات: جمع ارتفاق بمعنی الانتفاع برفق، والمواد طرق

الانفصاع، فالمعنى: هذا باب فى كيفية إيجاد طرق الانفصاع من الأشياء، واستعمالها إن كانت موجودة، ومعرفتها واستعمالها إن كانت جلية ۱ھ

آسائش سے زندگی بسر کرنے کے لئے ارتقا قات ضروری ہیں

انسان بھی دیگر حیوانات کی طرح بہت سی حاجتیں رکھتا ہے، وہ کھانے پینے کا، مباحثت کرنے کا، دھوپ اور بارش سے بچاؤ کرنے کا، مردی میں آگ یا کپڑوں سے گرمی حاصل کرنے کا، اور ان کے علاوہ بہت سی چیزوں کا محتاج ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے انسان کو فطری طور پر سمجھا دیا ہے کہ وہ ان حاجات کو رفع کرنے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کرے؟ اور جب یہ امور فطری ہیں تو ضروری ہے کہ تمام انسان اس سلسلہ میں برابر ہوں۔ ہاں اگر انسان کا کوئی فرد ناقص ہو، مثلاً نامرد ہو، تو اس کو نہ مباحثت کی حاجت ہوگی نہ اس کے لئے کوئی تدبیر کرنے کی ضرورت۔

اور ان فطری امور کا الہام صرف انسان کو نہیں کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کو ان کی ضروریات سمجھا دی ہیں۔ شہد کی مکھیاں اور چڑیوں کے احوال پر نظر ڈالنے سے یہ بات بخوبی آشکارہ ہو جاتی ہے۔ البتہ انسان کو چونکہ تمام انواع سے برتر صورت نوعیہ عطا فرمائی گئی ہے، یعنی وہ اشرف المخلوقات ہے، اس لئے وہ مذکورہ بالا فطری الہامات کے ساتھ تین چیزیں مزید ملتا ہے۔

اول: عقلی فائدے کے لئے کام کرنا: حیوانات ہمیشہ طبیعت کے تقاضے سے کام کرتے ہیں، جیسے بھوک، پیاس اور ثبوت وغیرہ حاجات کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، ان کو گھاس پانی نظر آتا ہے، یا خیال دوتا ہے کہ فلاں جگہ یہ چیزیں ملیں گی تو وہ فطری داعیہ سے اس کی طرف چل پڑتے ہیں۔ مگر انسان ہمیشہ طبیعت کا تقاضا ہی پیش نظر نہیں رکھتا، بلکہ وہ عقلی فائدے کے لئے بھی کام کرتا ہے۔ مثلاً ملک میں صالح نظام برپا کرنے کے لئے محنت کرتا ہے، اپنے اخلاق کی تکمیل اور نفس کو سنوارنے کے لئے کوششیں کرتا ہے، عذاب آخرت سے رستگاری کا سامان کرتا ہے۔ اور لوگوں میں اپنا سکہ بٹھانے کے لئے دھڑ دھوپ کرتا ہے، اور اسی قسم کے دوسرے کام کرتا ہے جن کا فائدہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہے۔

دوم: حاجت روائی کے ساتھ نفاست کا خیال رکھنا: حیوانات صرف حاجت برآری چاہتے ہیں، اس سے آگے ان کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ اور انسان چاہتا ہے کہ اسکی حاجتیں عمدہ طریقہ پر پوری ہوں۔ وہ تکمیل حاجت کے ساتھ آنکھ کی ٹھنڈک اور نفس کی لذت بھی چاہتا ہے۔ اس لئے وہ خوبصورت بیوی، لذیذ پکوان، عمدہ لباس اور شاندار کوٹھی کا خواہشمند ہوتا ہے۔

سوم: اُن میں عقل مندوں کا پایا جانا: انسانوں میں ایسے عقل مند اور بالبعیرت لوگ پائے جاتے ہیں، جو ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے بہترین اسکیمیں وجود میں لا سکتے ہیں، اور دوسرے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کو ضرورتوں کا

احساس تو ہوتا ہے مگر کسی وجہ سے وہ مفید تدبیریں نکال نہیں سکتے، مگر جب عقل مندوں کی نکالی ہوئی تدبیریں ان کے سامنے آتی ہیں تو وہ اس کو دل سے قبول کر لیتے ہیں، کیونکہ وہ ان کے دل کی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں۔

مثال سے وضاحت: فرض کیجئے، ایک شخص تمدن کے بالکل ابتدائی زمانہ میں ہے۔ اسے بھوک پیاس لگتی ہے، مگر وہ کوئی چیز کھانے پینے کے لئے نہیں پاتا، وہ بہت پریشان ہوتا ہے اور حاجت برآری کی شکلیں سوچتا ہے، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا، پھر اس کی کسی دانشمند سے ملاقات ہوتی ہے، جو اس کی طرح ان تکالیف سے دوچار ہو چکا ہے، چنانچہ اس نے کھانے کے لئے غلہ دریافت کر لیا ہے اور اس کو بوئے کاٹنے، گاہنے برسانے اور وقت حاجت کے لئے محفوظ کرنے کا طریقہ جان لیا ہے اور جو زمینیں مہروں اور چشموں سے دور ہیں ان کی آبپاشی کے لئے کنوئیں کھودنے کا طریقہ اور ممکنہ مشکلیں اور درہٹ کے پیالے بنانے کا طریقہ مستنبط کر لیا ہے پس وہ شخص اس دانشمند کے تمام طریقوں کو اپنالیتا ہے۔ یہ ارتقا قات (تدبیرات نافذہ) کا ایک باب ہے۔

پھر اس شخص نے غلہ تو اکالیا، مگر استعمال کا طریقہ نہیں جانتا، یونہی کچا چباتا ہے، اور سبزی ترکاری اور پھلوں کو کچا کھاتا ہے، اس لئے وہ مضم نہیں ہوتے اور پیٹ میں شکایت پیدا ہوتی ہے، اس لئے وہ کوئی مناسب تدبیر سوچتا ہے، مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا چنانچہ کسی دانشمند سے اس کی ملاقات ہوئی، جس نے پکانے بھننے، پیسنے اور روئی بنانے کا طریقہ جان لیا ہے، تو وہ شخص ان چیزوں کو بھی فوراً اپنالیتا ہے، اور یہ ارتقا قات کا دوسرا باب ہو جاتا ہے۔

یوں ہی غنی اسکیمیں وجود میں آتی رہتی ہیں اور تمدن ترقی کرتا رہتا ہے۔ دنیا کے احوال پر غور کریں، آج دنیا جہاں تک پہنچی ہوئی ہے، یک بارگی وہاں تک نہیں پہنچ گئی، مثلاً آگ پہلے صرف پتھر (چقن ماق) میں تھی یا بعض درختوں میں تھی، پھر انسان نے گندھک دریافت کر لی جس سے باجس بننے لگی، پھر مزید کھوج لگائی، تو برق (بجلی) ہاتھ آ گئی جس کی وجہ سے تمدنی ترقیات آسمان کو چھوئے لگیں۔

غرض ارتقا قات رفتہ رفتہ وجود میں آتے ہیں۔ پھر صدیوں تک لوگ ان کو اپنائے رہتے ہیں۔ اس طرح علوم الہامیہ کی اچھی خاصی مقدار جمع ہو جاتی ہے۔ تجربات اس کی افادیت پر صا د کرتے ہیں اور لوگ ان ارتقا قات کے ساتھ چلتے رہتے ہیں اور انہی پر ان کا مرتابینا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک فطری الہامات، دوسری مذکورہ تین چیزیں جو انسان کی امتیازی چیزیں ہیں ان دونوں کا حال سانس جیسا ہے۔ حیات انسانی کے لئے سانس ضروری ہے، جیسے نبض کی حرکت ضروری ہے، چنانچہ انسان کو فطری طور پر سانس لینے کا الہام کیا گیا ہے۔ قدرت نے اس کا علم انسان کی صورت نوعیہ میں سودیا ہے مگر سانس کو چھوٹا بڑا مگر انسان کے اختیار میں ہے، اسی طرح فطری علوم کو سنوارنا انسان کے اختیار میں ہے اور ان علوم کو سنوار کر ہی انسان آسائش کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

المبحث الثالث: مبحث الارتفاقات

باب كيفية استنباط الارتفاقات

اعلم أن الإنسان يوافق أبناء جنسه في الحاجة إلى الأكل والشرب، والجماع، والاستغلال من الشمس، والمطر، والاستدفاء في الشتاء وغيرها.

وكان من عناية الله تعالى به أن ألهمه: كيف يرتفق بإزاء هذه الحاجات إلهاماً طبيعياً من مقتضى صورته النوعية، فلا جرم يتساوى الأفراد في ذلك، إلا كلٌ مُخْلِجٌ عصت مادته؛ كما ألهم النحل: كيف تأكل الثمرات؟ ثم كيف تتخذ بيتاً يجتمع فيه أشخاص من بنى نوعها؟ ثم كيف تنقاد ليغسوبيها؟ ثم كيف نعلل؟ وكما ألهم العصفور: كيف يبتغي الحبوب الغذائية؟ وكيف يرد الماء؟ وكيف يفر عن السَّور والصيد؟ وكيف يقاتل من صده عما يحتاج إليه؟ وكيف يسافد ذكره الأنثى عند الشبق، ثم ينخذل عند الحمل؟ ثم كيف يتعاونان في حضانة البيض؟ ثم كيف يرقان الفراخ؟ وكذلك لكل نوع شريعة تُنفَّذ في صدور أفرادها من طريق الصورة النوعية.

وكذلك ألهم الإنسان: كيف يرتفق من هذه الضرورات؟ غير أنه انضَمَّ له مع هذا ثلاثة أشياء، لمقتضى صورته النوعية الروائية على كل نوع:

أحدها: الانبعاث إلى شئ من رأى كلى: فالبهيمة إنما تنبعث إلى غرض محسوس أو متوهم، من داعية ناشئة من طبيعتها، كالجوع والعطش والشبق، والإنسان ربما ينبعث إلى نفع معقول، ليس له داعية من طبيعته، فيقصد أن يحصل نظاماً صالحاً في المدينة، أو يكمل خلقه ويهذب نفسه، أو ينقضي من عذاب الآخرة، أو يُمَكِّنَ جاهه في صدور الناس.

والثاني: أنه يَضُمُّ مع الارتفاق الظرفية: فالبهيمة إنما تنبغي ما تَمُدُّ به حنيتها، وتدفع حاجتها فقط، والإنسان ربما يريد أن تَقَرَّ عينه، وتَلدَّ نفسه زيادةً على الحاجة، فيطلب زوجة جميلة، وطعاماً لذيذاً، وملبساً فاخراً، ومسكناً شامخاً.

والثالث: أنه يوجد منهم أهل عقل ودراية يستنبطون الارتفاقات الصالحة، ويوجد منهم من يختلج في صدره ما يختلج في صدور أولئك. ولكن لا يستطيع الاستنباط، فإذا رأى من الحكماء وسمع ما استنبطوه، تلقاه بقلبه، وغض عليه بنواجده، لِمَا وجدته موافقاً لعلمه الإجمالي.

فرب إنسان بجوع وبظمأ، فلا يجد الطعام والشرب، فيقاسى ألماً شديداً. حتى يجدهما،

فیحاول ارتفاعاً یزاء هذه الحاجة، ولا یهدى سیلاً، ثم یتفق أن یلقى حکیماء، أصابهم ما أصاب ذلك، فتعرف الحبوب الغاذية، واستنبط بذرها وحصادها ودياسها وتذريتها، وحفظها إلى وقت الحاجة، واستنبط حفر الآبار للبعيد من العيون والأنهار، واصطناع القلال والقرب والقصاع، فيتخذ ذلك باباً من الارتفاق.

ثم إنه یقضم الحبوب كما هي، فلا تنهضم في معدته، ویزرع الفواكه نبتة فلا تنهضم، فيحاول شينا یزاء هذه، فلا یهدى سیلاً فیلقي حکیماء استنبط الطبخ والقلي والطحن والخبز، فيتخذ ذلك باباً آخر؛ وقس على ذلك حاجاته كلها.

والمستبصر يشهد عنده لهذا ذكرنا حدوث كثير من المرافق في البلدان بعد ما لم تكن فمضى على ذلك قرون، ولم يزالوا يفعلون ذلك، حتى اجتمعت جملة صالحة من العلوم الإلهامية المؤيدة بالمكتسبة، ویتست عليها نفوسهم، وعليها كان محياهم ومماتهم. وبالجملـة: فحال الإلهامات الضرورية مع هذه الأشياء الثلاثة، كمثلي النفس: أصله ضروري بمنزلة حركة النبض، وقد انضم معه الاختيار في صغر الأنفاس وكبرها.

ترجمہ: بمبحث سوم: ارتفاعات کی بحث: باب: ارتفاعات کو مستبط کرنے (ٹکالنے، وجود میں لانے) کا طریقہ: جان لیں کہ انسان اس کے اینائے جنس کی طرح ہے، کھانے پینے، مباشرت کرنے، دھوپ اور بارش سے بچاؤ کرنے، سردی میں گرم ہونے اور ان کے علاوہ دیگر حاجات میں۔

اور انسان پر اللہ تعالیٰ کی عنایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو، اس کی صورت نوعیہ کے اقتضاء سے، فطری طور پر الہام فرمایا کہ وہ ان حاجات کو رفع کرنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرے۔ پس یہ امر یقینی ہے کہ ان امور میں تمام افراد انسانی برابر ہوں گے، ہاں ناقص الثقت انسان مشقی ہے، جس کے مادہ نے نافرمانی کی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہد کی کھینوں کو الہام فرمایا کہ وہ پھل کیسے کھائے؟ پھر وہ مہال کیسے بنائے جس میں اس کی نوع کے افراد کٹھا ہوں؟ پھر وہ اپنے سرداری کی اطاعت کس طرح کرے؟ پھر وہ شہد کیسے بنائے؟۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو الہام فرمایا ہے کہ وہ کھانا دانائیں کس طرح تلاش کرے؟ اور کس طرح وہ پانی پر پیچھے؟ اور کس طرح وہ بلی اور شکاری سے بھاگے؟ اور کس طرح وہ لڑے اس سے جو اس کی ضروریات سے روکے؟ اور یوقت شہوت اس کا زمامہ سے کس طرح جنتی کرے، پھر دونوں مل کر پہاڑ کی قریب (کس طرح) آشیانہ بنائیں؟ پھر انڈے سینے میں کس طرح ایک دوسرے کی معاونت کریں؟ پھر کس طرح دونوں چوزوں کو چکائیں؟ اور اسی طرح (حیوانات کی) ہر نوع کے لئے ایک قانون ہے، جو صورت نوعیہ کی راہ سے اس نوع کے افراد کے سینوں میں پھونکا گیا ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو الہام فرمایا کہ وہ ان ضروریات کی تکمیل کے لئے کیا مفید تدبیر اختیار کرے؟ مگر انسان کے لئے اس عام الہام کے ساتھ، تمام انواع پر اس کی برتر صورتِ نوعیہ کے تقاضے سے، تین چیزیں ملائی گئی ہیں: ان میں سے ایک: رائے کلی سے کسی چیز کے لئے اٹھ کھڑا ہونا۔ پس چوپائے اپنی طبیعت سے پیدا ہونے والے دامیہ سے کسی محسوس یا دمی مقصد ہی کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جیسے بھوک پیاس اور شہوت۔ اور انسان کبھی عقلی فائدے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس کام کے لئے اس کی طبیعت کا کوئی تقاضا نہیں ہوتا، پس وہ ملک میں صالح نظام قائم کرنے کا ارادہ کرتا ہے یا اپنے اخلاق کی تکمیل اور اپنے نفس کی تہذیب کرتا ہے، یا عذابِ آخرت سے رہنمائی کی فکر کرتا ہے، یا لوگوں کے سینوں میں اپنا دہ بھجواتا ہے۔

اور دوسری چیز: یہ ہے کہ انسان حاجت پوری کرنے کے ساتھ نفاست کو ملاتا ہے۔ پس چوپایہ صرف وہ چیز چاہتا ہے، جس سے وہ اپنی حاجت برآری کرے، اور صرف اپنی ضرورت کو بنائے۔ اور انسان کبھی چاہتا ہے کہ حاجت برآری کے علاوہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور اس کا نفس لطف اندوز ہو، اس لئے وہ خوبصورت بیوی، مزے دار کھانا، لباسِ فاخرہ، اور بلند مکان ڈھونڈھتا ہے۔

اور تیسری چیز: یہ ہے کہ انسانوں میں ایسے صاحب عقل و بصیرت پائے جاتے ہیں جو ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لئے مفید تدبیریں وجود میں لاسکتے ہیں۔ اور ان میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن کے سینوں میں وہ بات کھٹکتی ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں کھٹکتی ہے، مگر وہ مفید تدبیریں وجود میں نہیں لاسکتا۔ پھر جب وہ عقل مندوں کو دیکھتا ہے، اور ان مفید تدبیر کے بارے میں سنتا ہے، جو انہوں نے نکال رکھی ہیں، تو وہ اس کو دل سے قبول کر لیتا ہے اور اس کو اپنی ڈانٹوں سے مضبوط پکڑ لیتا ہے، اس لئے کہ اس نے ان تدبیرات کو اپنے علمِ اجمالی کے موافق پایا ہے۔

مثلاً ایک شخص بھوکا پیاسا ہوتا ہے، پس وہ کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں پاتا، پس وہ انتہائی تکلیف برداشت کرتا رہتا ہے تا آنکہ ان دونوں چیزوں کو پالے، پس وہ اپنی اس حاجت کو رفع کرنے کے لئے مفید تدبیریں سوچتا رہتا ہے، اور وہ اس کی کوئی راہ نہیں پایا، پھر اتفاقاً اس کی کسی دانشمند سے ملاقات ہوتی ہے، جو اسی کی طرح ان تکالیف سے دوچار ہو چکا ہے، پس اس نے کھانے کے لئے غلہ کو دریافت کر لیا ہے، اور اس نے اس غلہ کو بونے کاٹنے کا ہنر سیکھ لیا اور وقتِ حاجت کے لئے محفوظ رکھنے کا طریقہ نکال لیا ہے۔ اور چشموں اور نہروں سے دور مقامات کے لئے کنویں کھودے اور مکے منگینے اور (رہت کے) پیالے بنانے کا طریقہ مستنبط کر لیا ہے۔ پس وہ شخص اس کو تدبیراتِ نافعہ کا ایک باب بنالیتا ہے۔

پھر دیکھ کہ غلہ کو یونہی کچا چباتا ہے، پس وہ اس کے پیٹ میں ہضم نہیں ہوتا، اور وہ کپے ہی پھل کھاتا ہے، پس وہ ہضم نہیں ہوتے، پس وہ اس سلسلہ میں کوئی اچھی تدبیر چاہتا ہے اور وہ اس کی کوئی راہ نہیں پاتا، پس وہ کسی ایسے دانشمند سے ملتا ہے جس نے پکانے، پیسنے اور روئی بنانے کا طریقہ مستنبط کر لیا ہے، پس وہ اس کو ایک (دوسرا) باب بنالیتا ہے

اور اسی پر انسان کی تمام حاجات کو قیاس کر لیجئے۔

اور عقل مند آدمی کے سامنے، ان باتوں کے لئے جو ہم نے ذکر کیں گواہی دیتا ہے ممالک میں بہت سی تدبیرات نافذ کرنا پیدا ہونا جو پہلے نہیں تھیں، پس اس پر صدیاں گزریں، اور لوگ برا بروہ کام کرتے رہے یہاں تک کہ علوم الہامیہ کی ایسی اچھی خاصی مقدار جمع ہو گئی جو تجربات سے تائید یافتہ ہے۔ اور ان علوم پر لوگوں کے نفوس خشک ہو گئے (یعنی لوگوں کی محنتیں ان علوم پر ہوتی رہیں) اور اسی پر وہ مرتے جیتے رہے۔

اور خلاصہ یہ کہ ان تین چیزوں کے ساتھ ضروری الہامات کا حال ایسا ہے جیسے سانس کا معاملہ کہ اس کی اصل ضروری ہے جیسے نبض کی حرکت اور تحقیق اس کے ساتھ ملایا گیا ہے سانسوں کو چھوٹا بنا کر کرنے کا اختیار۔

لغات:

اِسْتَقْلَ مِنَ الشَّيْءِ: سایہ لینا..... اِسْتَدْلًا: گرم ہونا، گرم کپڑا پہننا..... اَلْيَغْسُوبُ: شہد کی زنگی، شہد کی کھیلوں کا بادشاہ..... سَافَدَ مُسَاوِدَةً: جھنکی کرنا..... اَلشَّبَقُ: دُور شہوت شَبَق (س) شَبَقًا: بہت شہوت والا ہونا..... اَلْمَرَايَةُ: برقر، ابھرنے والی زینا زینو رنَاء: زیادہ ہونا، بڑھنا..... حَصَلَ الشَّيْءُ: حاصل کرنا..... تَقَضَّى تَقَضًى: رہائی پانا..... سَدُّ (ن) سَدًّا: بند کرنا..... اَلْحَلَّةُ: حاجت..... حَبَزَ (ح) خَبَزًا: روٹی پکانا..... حَاوَلَ مُحَاوَلَةً: قصد کرنا..... رَقَعَ (ف) رَقْعًا: آسودہ زندگی بسر کرنا، یہاں پھل کھانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ پھل آسودہ لوگ کھاتے ہیں..... قَلَى بَقْلَى قَلْيًا: گوشت وغیرہ بھونا..... اَلْمَغَاذِيَةُ (اسم فاعل، واحد مؤنث) خوراک، عَدَا يَغْدُو عَدُوًّا الرُّجُلُ بِالطَّعَامِ: خوراک دینا۔

تصحیح: يَسْتَحِلُّ اصل میں تَشَبَّه تھا جس کے معنی ہیں لازم ہونا یعنی ان علوم کے ساتھ لوگوں کے نفوس چپٹے رہے۔ صحیح مخلوطات سے کی گئی ہے، تینوں مخلوطوں میں يَسْتَحِلُّ ہے۔

تشریح:

(۱) انسان کی حد تام ہے حیوان ناطق اس میں حیوان جنس ہے اور ناطق فصل۔ پس حیوان انسان کی جنس ہے، اور اس جنس کے جتنے افراد ہیں یعنی تمام حیوانات، وہ انسان کے ابنائے جنس ہیں۔ اور انسان خود حیوان کی ایک نوع ہے اس نوع کے جتنے افراد ہیں، وہ سب انسان کے ابنائے نوع ہیں۔

(۲) رائے کلی: یہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خاص اصطلاح ہے۔ اس کا مقابلہ رائے جزئی ہے۔ مولانا سندھی رحمہ اللہ نے رائے کلی کا مفہوم عقل تام اور فکر کامل بیان کیا ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ مفاد عامہ کے لئے کام کرنا رائے کلی ہے پس ذاتی اور شخصی غرض کے لئے کام کرنا رائے جزئی ہے۔



ارتقا قات مستنبط کرنے کا طریقہ

انسان کے جو تین امتیازی اوصاف ہیں یعنی رائے کلی کے پیش نظر اقدام کرنا، ضروریات کی تکمیل میں نفاس کا خیال رکھنا اور بعض لوگوں کا تدبیرات نافذ مستنبط کرنا اور دوسروں کا ان میں پیروی کرنا، ان تین باتوں میں تمام انسان برابر نہیں۔ لوگوں کے مزاج اور عقلیں متفاوت ہیں اور ان تین باتوں کا تعلق مزاج اور عقل سے ہے۔ نیز تمام لوگ ان تین باتوں میں غور و فکر کے لئے فارغ بھی نہیں، نہ سب لوگ عمرانیات (Sociology) کا پورا علم رکھتے ہیں، اس وجہ سے ارتقا قات کے دور رہتے ہو گئے:

پہلا درجہ: تمدن کا معمولی درجہ ہے، جیسے خانہ بدوش لوگوں کی تہذیب، پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسنے والوں کا تمدن اور زمین کے غیر آباد کناروں میں سکونت پذیر لوگوں کی معاشرت۔ تمدن کا یہ درجہ ارتقا قات اول یعنی تمدن کا ابتدائی درجہ (دیکھی تمدن) کہلاتا ہے۔

دوسرا درجہ: ترقی یافتہ تمدن، جیسے شہری لوگوں کا رہن بہن اور قابل رہائش خطوں کی آباد بستیاں کا تمدن۔ ایسے اجتماعات میں ضروری ہوتا ہے کہ دانشمند لوگ اور اخلاق فاضلہ کے حاملین پیدا ہوں۔ گنجان آبادی، ضرورتوں کی زیادتی اور تجربات کی فراوانی معیشت کے اعلیٰ طریقے مستنبط کرنے کا باعث ہوتی ہے اور لوگ ان طریقوں کو اپنا بھی لیتے ہیں۔ تمدن کا یہ درجہ ارتقا قات ثانی یعنی ترقی یافتہ تمدن یا شہری تمدن کہلاتا ہے پھر شہری تمدن کا بھی اعلیٰ درجہ شاہیوں کی معیشت ہے، ان کے دربار میں دنیا بھر کے دانشمند جمع ہوتے ہیں، اس لئے شاہ صاحبان ان سے معیشت کے بہترین طریقے اخذ کرتے ہیں اور ٹھانڈے سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

پھر جب ترقی یافتہ تمدن وجود پذیر ہو جاتا ہے تو تین وجوہ سے نظام حکومت ضروری ہوتا ہے:

(۱) جب لوگوں میں باہم معاملات ہوتے ہیں، تو ان میں کبھی حرص و حسد، حق ناہندگی اور جانتے ہوئے بھی حق کے انکار کی برائیاں در آتی ہیں، جس کی وجہ سے لوگوں میں اختلافات اور نزاعات جنم لیتے ہیں ان سے نمٹنے کے لئے نظام حکومت ضروری ہے۔

(۲) ہر بڑے اجتماع میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر روی خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے، یا ان میں فطری طور پر قتل و غارت گری کی جرات ہوتی ہے اور وہ بے باک ہوتے ہیں، ایسے لوگ معاشرہ کے لئے درد سر بن جاتے ہیں ان سے نمٹنے کے لئے نظام حکومت ضروری ہے۔

(۳) ترقی یافتہ تمدن میں کچھ ایسی مفید اسکیمیں ہوتی ہیں جن کا نفع عام ہوتا ہے، جیسے سڑکیں اور پل بنانا، ریل کا سلسلہ پھیلانا، پانی بجلی کا انتظام کرنا وغیرہ۔ یہ کام کوئی ایک شخص نہیں کر سکتا، یا کر سکتا ہے مگر آسان نہیں ہوتا یا وہ اس کے

لئے آمادہ نہیں ہوتا تو نظام حکومت ضروری ہے، جو ایسے کاموں کو انجام دے۔

غرض مذکورہ بالا تین ضرورتوں سے لوگ مجبور ہوئے کہ نظام حکومت قائم کریں، ہتا کہ سرکار لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرے، قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے، بے باک لوگوں کو لگام دے اور لوگوں سے محصول وصول کر کے اس کے مصارف میں خرچ کرے یعنی نفع عام کے کام کرے۔ نظام حکومت کا نام ارتفاق ثالث یعنی ترقی یافتہ تمدن پر کنٹرول کرنے والا نظام ہے۔

پھر جب علاقہ واری حکومتیں قائم ہو جاتی ہیں تو ایک مرکزی حکومت کا قیام ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ جب بہت سی حکومتیں قائم ہو جاتی ہیں اور ہر مملکت کے پاس خزانہ اور فوج جمع ہو جاتی ہے تو کبھی ان شاہوں میں خود غرضی اور حرص و کینہ در آتا ہے اور ان میں باہم اختلاف ہو جاتا ہے اور جنگ شروع ہو جاتی ہے، اس لئے خلیفہ (شہنشاہ) کا انتخاب ضروری ہو جاتا ہے یا پھر تمام بادشاہ کسی ایسی شخصیت یا حکومت کی اطاعت پر متفق ہو جائیں جو ان پر خلیفہ کی طرح مسلط ہو، جو سب شاہوں کو ان کے دائرہ میں رکھے، کسی کو کسی پر زیادتی نہ کرنے دے، جیسے اس زمانہ میں سپر پاور (طاقت بالا) یہ فریضہ انجام دیتا ہے۔ اس مرکزی نظام حکومت کا یا کسی بڑی حکومت کے بلاک میں شامل ہونے کا نام ارتفاق رابع یعنی مختلف ممالک پر کنٹرول کرنے والا نظام ہے۔

فوائد

(۱) خلیفہ سے مراد وہ شخص ہے جس کو اس درجہ شوکت و وہ بہ حاصل ہو کہ کوئی شخص اس کا ملک چھین نہ سکے، عادتاً یہ بات ناممکن نظر آتی ہو۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فیصلہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے ﴿تَكْمُ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةُ كَثِيرَةٍ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۲۳۹) (ہاں ہاں ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر خدا کے حکم سے غالب آ گئی ہے) اسی طرح بھاری فوج اور ڈھیروں مال خرچ کر کے بھی اس کو ہرا یا جاسکتا ہے، مگر اس پر مدد تہائے دراز میں کوئی ہی قادر ہوتا ہے۔

(۲) بادشاہ (حکومت) اور خلیفہ (مرکزی حکومت) کی ضرورت اشتخاص و عادات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔ جو اقوام سخت جنگجو اور تیز طبیعت ہوتی ہیں وہ بادشاہوں اور خلفاء کی زیادہ محتاج ہوتی ہیں ان اقوام سے جو حسد و عداوت میں فروتر ہوتی ہے۔

نوٹ: آئندہ ابواب میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے ارتفاقات کے اصول اور ان کے ابواب کے مسائل کی صرف فہرست بیان کی ہے، تفصیل نہیں کی، کیونکہ تفصیل طولانی ہے۔ اور یہ وہ اصول و مسائل ہیں جن کو اخلاق فاضلہ کی حامل امتوں نے مان لیا ہے اور ان کو مسلمہ طریقہ بنالیا ہے، ان میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، نہ قریب کے لوگوں کا نہ دور کے لوگوں کا یہ سب باتیں اجماعی اور متفق علیہ ہیں، لہذا آئندہ ابواب میں ان باتوں کو فور سے پڑھا جائے۔

شاہ صاحب کی اصطلاح میں بدوی معاشرت یعنی صحرائی رہن سہن ارتفاق اول ہے اور ترقی یافتہ تمدن یعنی شہری معاشرت ارتفاق ثانی ہے اور نظام حکومت ارتفاق ثالث ہے اور مرکزی نظام حکومت یعنی خلافت کبری ارتفاق رابع ہے۔

ولما كانت هذه الثلاثة لا توجد في جميع الناس سواءً، لاختلاف أمزجة الناس وعقولهم، الموجبة للابغاث من رأى كسلى، ولحُب الظرافة، ولاستبطاء الارتفاقات والافتداء فيها؛ واختلافهم في التفرُّغ للنظر، ونحو ذلك من الأسباب: كان للارتفاقات حدان:

الأول: هو الذى لا يمكن أن ينفك عنه أهلُ الاجتماعات القاصرة، كاهل البدو وسُكّان شواحق الجبال، والنواحي البعيدة من الأقاليم الصالحة؛ وهو الذى يُسميه بالارتفاق الأول.

والثاني: ما عليه أهل الحضرة والقرى العامرة من الأقاليم الصالحة، المستوجبة أن يُنشأ فيها أهل الأخلاق الفاضلة والحكماء، فإنه كثر هنالك الاجتماعات، وازدحم الحاجات، وكثرت التجارب، فاستبطنت سنن جزيلة، وعُضُوا عليها بالنواجذ؛ والطرف الأعلى من هذا الحد: ما يتعامله الملوك أهل الرفاهية الكاملة، الذين يردّ عليهم حكماء الأمم، فينتحلون منهم سنناً صالحة؛ وهو الذى نسميه بالارتفاق الثاني.

ولما كُمِّل الارتفاق الثاني أوجب ارتفاقاً ثالثاً، وذلك: أنهم لما دارت بينهم المعاملات، ودخلها الشُّحُّ والحسد والمُطْلُ والتجاهد، نشأت بينهم اختلافات ومنازعات؛ وأنهم نشأ فيهم من تَغَلَّب عليه الشهوات الرديئة، أو يُجْبَل على الجراة في القتل والنهب، وأنهم كانت لهم ارتفاقات مشتركة النفع، لا يطبق واحد منهم إقامتها، أو لا تسهّل عليه، أو لا تسمح نفسه بها؛ فاضطروا إلى إقامة مَلِك يقضى بينهم بالعدل، ويزجر عاصيهم، ويقاوم جريتهم، ويُنَجِّي منهم الخراج، ويصرفه في مصرفه.

وأوجب الارتفاق الثالث ارتفاقاً رابعاً، وذلك: أنه لما انفرد كل مَلِك بمدينته، وجبى إليه الأموال، وانضمَّ إليه الأبطال، ودخلهم الشُّحُّ والحرص والحقد، تشاجروا فيما بينهم وتقاتلوا، فاضطروا إلى إقامة الخليفة، أو الانقياد لمن تسلط عليهم تسلط الخلافة الكبرى.

واعنى بالخليفة: من يحصل له من الشوكة ما يرى معه كالمتمتع أن يسلبه رجل آخر ملكه؛ اللهم إلا بعد اجتماعات كثيرة، وبذل أموال خطيرة، لا يمكن منها إلا واحد في القرون المتطولة. ويختلف الخليفة باختلاف الأشخاص والعادات، وأى أمة طابعها أشدُّ أحد، فهي أحوَج

إلى الملوك والخلفاء ممن هي دونها في الشَّحْنَاءِ.

و نحن نريد أن نُنبِّهَكَ على أصول هذه الارتفاقات، وفهارس أربابها، كما أوجبه عقول الأمم الصالحة ذوى الأخلاق الفاضلة، واتخذوه سنة مسلمة، لا يختلف فيها أقاصيهم ولا أدانيهم، فاستمع لما يُتلى عليك.

ترجمہ: اور جب یہ تین چیزیں تمام انسانوں میں برابر درجہ میں نہیں پائی جاتیں، لوگوں کے مزاجوں اور عقولوں کے متفاوت ہونے کی وجہ سے، جو واجب کرنے والے ہیں رائے کلی سے اقدام کرنے کو اور نفاست پسندی کو اور تدبیرات نافعہ کے نکالنے کو اور ان میں پیروی کرنے کو، اور غور و فکر کرنے کے لئے فارغ ہونے میں لوگوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے، اور اس قسم کے دوسرے اسباب کی وجہ سے، تو ارتفاقات کی دو حدیں ہو گئیں:

پہلی حد: وہ ہے جس سے جدارہ ہی نہیں سکتے، اوئی درجہ کے تمدن والے (بھی) جیسے خاند بدش، پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسنے والے اور قابل رہائش علاقوں سے دور کناروں کے باشندے۔ اور یہی وہ حد ہے جس کو ہم ارتفاق اول کہتے ہیں دوسری حد: وہ ہے جس پر شہروں کے باشندے اور قابل رہائش خطوں کی آبادیستوں کے بسنے والے ہیں، جن خطوں کے لئے لازم ہے کہ ان میں دانشمند اور اخلاق فاضلہ والے لوگ پیدا ہوں، اس لئے کہ ایسی جگہوں میں لوگوں کا بڑا بھاری اجتماع رہتا ہے، اور ضرورتوں کی بھینچ ہوتی ہے اور تجربات کی کثرت ہوتی ہے، اس لئے وہاں اعلیٰ درجہ کے طریقے نکالے جاتے ہیں، اور لوگ ان کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑتے ہیں۔ اور اس حد کا اعلیٰ درجہ وہ ہے جس کو کامل شاھدہ کرنے والے بادشاہ برتتے ہیں، جن کے پاس اقوام کے حکماء جمع ہوتے ہیں، پس وہ ان سے مفید طریقے اخذ کرتے ہیں۔ اور یہی وہ حد ہے جس کو ہم ارتفاق ثانی کہتے ہیں:

اور جب ارتفاق ثانی مکمل ہو جاتا ہے تو وہ ارتفاق ثالث کو واجب کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جب لوگوں میں باہمی معاملات ہوتے ہیں اور ان میں خود غرضی، حسد، مال مثل اور حق کا انکار کرنا درآتا ہے تو لوگوں میں جھگڑے اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں؛ اور اس طرح کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جن پر ہلکی خواہشات غالب ہوتی ہیں، یا وہ قتل و غارت گری کی جرأت پر پیدائے جاتے ہیں؛ اور اس طرح کہ ان لوگوں کی کچھ ایسی مفید اسکیمیں ہوتی ہیں جن کا نفع عام ہوتا ہے، اور ان میں سے ایک شخص ان کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا، یا ایک شخص کے لئے وہ آسان نہیں ہوتیں یا ایک شخص ان کی فیاضی نہیں کرتا، تو لوگ مجبور ہوتے ہیں ایسے بادشاہ کو مقرر کرنے کی طرف جو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرے، اور ان کے نافرمان کو جھڑکے، اور ان کے بے باک کام مقابلہ کرے اور ان سے محصول وصول کرے، اور اس کو اس کے مصرف میں خرچ کرے۔

اور ارتفاق ثالث ارتفاق رابع کو واجب کرتا ہے، اور وہ اس طرح کہ جب ہر بادشاہ اپنی مملکت کے ساتھ جدا ہو جاتا

ہے، اور اس کے پاس مال جمع کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ بہادر لوگ مل جاتے ہیں، اور ان میں خود غرضی، حرص اور کینہ در آتا ہے، تو ان میں باہم اختلاف ہو جاتا ہے اور وہ آپس میں لڑتے ہیں، پس وہ مجبور ہوتے ہیں خلیفہ منتخب کرنے کی طرف، یا ایسے شخص کی اطاعت کرنے کی طرف جو ان پر خلافت کبریٰ کے مسلط ہونے کی طرح مسلط ہو۔

اور میں خلیفہ سے مراد لیتا ہوں ایسے شخص کو جس کو اس درجہ بدبہ حاصل ہو کہ اس کے ساتھ حال جیسا نظر آتا ہو کہ کوئی دوسرا شخص اس کے ملک کو چھین لے۔ اے اللہ! مگر بھاری اجتماع اور ذیہر سارا مال خرچ کرنے کے بعد، مگر اس پر مدتہائے دراز میں کوئی ایک ہی کامیاب ہوتا ہے۔

اور خلیفہ کی ضرورت اشخاص و عادات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔ اور جن اقوام کی طبیعتیں سخت اور تیز ہوتی ہیں وہ بادشاہوں اور خلفاء کی زیادہ محتاج ہوتی ہیں، ان اقوام سے جو خود غرضی اور عداوت میں فروتر ہوتی ہے۔

اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو ان ارتقاات کے اصولوں اور ان کے ابواب کی فہارس سے آگاہ کریں، جس طرح ان کو اخلاق فاضلہ رکھنے والی صالح امتوں کی عقلوں نے ثابت کیا ہے، اور ان کو مسلمہ طریقہ بتایا ہے، نہ ان میں قریب کے لوگوں کا اختلاف ہے نہ دور کے لوگوں کا۔ پس آپ وہ باتیں سماعت فرمائیں جو آپ کے سامنے (آئندہ ابواب میں) پیش کی جاتی ہیں۔

لغات:

اِنْتَحَلَ كَلِمًا: اپنی طرف منسوب کرنا..... فَاوَمَّ مَقَاوِمَهُ: مخالفت کرنا، مقابلہ کرنا..... جَبَانٌ (جَبَانٌ وَجَبَانٌ) جَبَانٌ: جمع کرنا..... كَانَتْ لِدَارِ تَفَاقَاتٍ جَزَاءً: لِمَا كَانَتْ هَذِهِ التَّلَاحَةُ اِلَعِیْ كِی..... اَنَّهُمْ نَشَافِیْهِمْ اور اَنَّهُمْ كَانَتْ لِهِمْ كَا عَطَفَ اَنَّهُمْ لِمَا دَارَتْ بِرَبِّهِ..... الشَّحْ (مَثَلُ الشَّحْنِ) اِنْجَابُیْ دَرَجَ كَا بَحْلٌ، خود غرضی..... اَفَاصِیْ اور اَفَاصِیْ جَمْعُ هِیْنَ اَلْاَفَاصِیْ (اسم تفصیل) کی، جس کے معنی ہیں بہت دور..... اَذَافِیْ اور اَذَانُ جَمْعُ هِیْنَ اَلْاَذَافِیْ (اسم تفصیل) کی جس کے معنی ہیں نزدیک..... فِہَارِسُ جَمْعُ هِیْ فِہَارِسُ کی اور یہ معرب ہے فہرست کا جو فارسی کلمہ ہے۔

تشریح:

اقایم صالحہ یعنی وہ علاقہ جو بودو باش کے لئے اچھا ہے۔ یہ خط جدی اور خط سرطان کے درمیان کا علاقہ ہے۔ اس خطہ میں موسم نہ بہت زیادہ گرم ہوتا ہے، نہ بہت زیادہ سرد اور شب دروز میں تفاوت بھی بہت زیادہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات بجلی (Electricity) اور بھاپ (Steam) کی دریافت سے پہلے کی ہے۔ اب لوگ مصنوعی زندگی (Artificial Life) گزارنے لگے ہیں، اس لئے پورا کرہ ارض بودو باش کے اعتبار سے کیساں ہو گیا ہے۔



باب — ۲

ارتفاق اول میں شامل چیزیں

ارتفاق اول یعنی دیہی تمدن میں بھی کم از کم گیارہ چیزیں ضرور پائی جاتی ہیں:

۱ — زبان یعنی بولی — انسانی معاشرہ خواہ کتنا ہی فروتر یعنی ابتدائی مرحلہ میں ہو، وہ کوئی نہ کوئی زبان ضرور بولتا ہے کیونکہ انسان حیوان ناطق ہے۔ ناطق کے معنی ہیں وہ جاندار جو الفاظ کی مدد سے اپنا مافی الضمیر سمجھاتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے، اس لئے کوئی انسانی معاشرہ بے زبان نہیں ہو سکتا — پھر زبان کی دو قسمیں ہیں اصلی اور فرعی۔ اصلی یعنی ام الا لہ وہ زبان ہے جو بذات خود وجود میں آتی ہے اور فرعی زبان وہ ہے جو دوسری زبانوں سے الفاظ مستعار لے کر بنائی جاتی ہے مثلاً اردو اور انگریزی فرعی زبانیں ہیں۔ عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت وغیرہ زبانوں سے الفاظ لے کر اردو بنی ہے اور انگریزی بہت سی یورپین زبانوں کا مجموعہ ہے اس میں عربی کے الفاظ بھی ہیں۔

اصلی زبانیں کیسے وجود میں آتی ہیں؟ اس بارے میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تین بنیادی باتیں بیان کی ہیں:

اول: جب کوئی جسم یا کوئی فعل یا کوئی حالت، مجاورت یا سببیت یا کسی اور طرح سے کسی آواز سے ملتا ہے، تو اس آواز کو بعینہ زبان میں نقل کر لیا جاتا ہے جیسے ٹھوس جسم جسم سے ملتا ہے تو ”کھٹ“ کی آواز، اور ہار ہار ملتا ہے تو ”کھٹ کھٹ“ کی آواز، اور تلو تلواریں متواتر چلتی ہیں تو ”چکا چک“ کی آواز پیدا ہوتی ہے اسی طرح کورے کپڑے بہن کر چلنے سے ”سر سر“ کی آواز، اور تیز ہوا کے چلنے سے ”سائیں سائیں“ کی آواز پیدا ہوتی ہے، اسی طرح صدمہ اور سخت افسوس کے وقت جو منہ سے تیز سانس نکلتا ہے اس سے ”آہ“ کی آواز پیدا ہوتی ہے، ان آوازوں کو زبان میں نقل کر لیا جاتا ہے یعنی یہی آوازیں الفاظ بن گئی ہیں۔ پھر مختلف معانی کے لئے اشتقاق کے ذریعہ مختلف الفاظ بنائے گئے ہیں، جیسے کھکا، کھکنا، کھکنا، کھکا لگا رہنا، کھکا لگنا، کھکا گزرنا، کھکا مٹنا، گھسکا (کھڑکا) کھکا ہونا وغیرہ۔ اسی طرح سر سر، سائیں سائیں، چکا چک اور آہ سے بھی مختلف الفاظ بنائے گئے ہیں۔

دوم: نگاہ کو متاثر کرنے والی چیز کو، اور نفس میں کوئی وجدانی کیفیت پیدا کرنے والی چیز کو قسم اول کے مانند قرار دے کر اس کے لئے بھی کوئی آواز یا تکلف بنائی جاتی ہے، جیسے سورج کی طرف تسلسل دیکھنے سے نگاہ پر جواثر پڑتا ہے اس کے لئے ”چکا چوندھ“ اور روشنی کے بار بار جلنے بجھنے سے جو وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے لئے ”جھپ جھپ“ کی آواز بنائی گئی، پھر اس میں اشتقاق کر کے بہت سے الفاظ بنائے گئے۔

سوم: علاقہ مشابہت یا مجاورت کی وجہ سے لفظ کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے یا کسی مناسبت سے لفظ کو کسی

دوسرے معنی میں نقل کیا جاتا ہے جیسے بے تمیز کے لئے ”گدھا“ اور بے وقوف کے لئے ”بیل“ اور موچی کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے خالد حذاء (موچی) مجازاً کہا جاتا ہے (خالد حذاء حدیث شریف کے ایک راوی ہیں) اور لفظ صلاۃ کو جس کے اصلی معنی دعا کے ہیں، نماز کے لئے نقل کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز بھی دعا پر مشتمل ہے۔

علاوہ ازیں زبان کے سلسلہ میں دیگر اصول بھی ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”ان کو آپ ہمارے کلام میں کہیں کہیں پائیں گے“ مگر حجتہ اللہ البالغہ میں تو کہیں ان کا تذکرہ نہیں آیا اور دیگر کتابوں میں بھی یاد نہیں پڑتا۔

اور یہ خیال بے دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھا دی تھیں اور اس سلسلہ میں ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ (سورۃ البقرہ ۳۱) سے استدلال اس لئے درست نہیں کہ مفسرین نے اسماء کی تفسیر میں کہا ہے کہ آیت متشابہ بن گئی ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اسماء سے مسمیات (چیزیں) مراد لی ہیں وہ فرماتے ہیں المراد بالاسماء صفات الاشیاء ونعوتها وخواصها، لانها علامات دالة علی ماہیاتھا فجاء ان یعبّر عنہا بالاسماء (روح المعانی: ۲۳۳)

۲ — دیہی تمدن میں بھی لوگ کھیتی باڑی، باغبانی، کنویں کھودنے، کھانا پکانے اور لاوان بنانے کا طریقہ جانتے ہیں۔

۳ — ظروف سازی اور چمڑے کی مٹکیں بنانے کے طریقے بھی لوگ جانتے ہیں۔

۴ — چوپایوں کو سدھانے اور پالنے کا بھی ان میں رواج ہوتا ہے تاکہ ان پر سواری کریں، ان کا گوشت استعمال کریں، ان کی کھالوں، بالوں اور اون سے کام لیں اور ان کے دودھ اور نسل سے منتفع ہوں۔

۵ — مکان بنانے کے طریقے بھی وہ لوگ جانتے ہیں تاکہ گرمی سردی میں ان میں ٹھکانہ حاصل کریں، خواہ وہ پہاڑوں کی غاریں یا چھوٹے کیچھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔

۶ — لباس جو انسان کے لئے زینت ہے اس سے بھی لوگ واقف ہوتے ہیں، خواہ وہ چوپایوں کے چمڑے کا ہو یا درختوں کے پتوں کا ہو یا انسانی مصنوعات کا۔

۷ — ان میں نکاح کا طریقہ بھی رائج ہوتا ہے یعنی عقد کے ذریعہ وہ زن منکوحہ کی تعیین کرتے ہیں، تاکہ کوئی دوسرا اس میں مزاحمت نہ کرے، جس سے وہ اپنی خواہش پورے کرے، نسل بڑھائے، خانگی ضرورتوں میں اس سے مدد لے اور اولاد کی تربیت اور پرورش میں اس سے اعانت حاصل کرے۔

اور انسان کے علاوہ دیگر حیوانات میں جوڑ مکھل اتفاق سے متعین ہوتا ہے یعنی اتفاقاً طور پر پروادہ ساتھ ہو جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ رہنے لگتے ہیں یا ایک ساتھ پیدا ہوتے ہیں یا انڈوں سے نکلنے ہیں اور بڑے ہونے تک ساتھ ساتھ رہتے ہیں تو بلوغ کے بعد ان کا جوڑا بن جاتا ہے اور اسی قسم کے دیگر اسباب کی وجہ سے ان کا جوڑا قائم ہوتا ہے۔

۸ — دیہی تمدن میں بھی لوگ وہ کارگریاں جانتے ہیں جن کے بغیر کھیتی باڑی، باغبانی، کنویں کی کھدائی اور مویشیوں کی تفسیر نہیں ہو سکتی جیسے بھادڑ، کدال، ڈول، رسی، ہل کا پھار وغیرہ چیزیں بنانا دیکھتے ہیں۔

۹۔ تبادلہ اشیاء کے طریقے اور بعض اہم کاموں میں تعاون باہمی کی شکلیں بھی ان میں رائج ہوتی ہیں۔ تبادلہ اشیاء کی تفصیل اسی بحث کے باب پنجم (معاملات کے بیان) میں آ رہی ہے۔

۱۰۔ ان میں قبائلی حکومت بھی ہوتی ہے۔ وہ شخص جو ان میں سب سے زیادہ صاحب الرائے اور مضبوط گرفت والا ہوتا ہے، وہ دوسروں کو مسخر کر کے سردار بن جاتا ہے اور کسی نہ کسی منہج سے ٹیکس وصول کر کے حکومت کا نظام چلاتا ہے۔

۱۱۔ ان میں ایسے مسلمہ قوانین بھی ہوتے ہیں جن سے باہمی نزاعات میں فیصلہ کیا جاتا ہے، ظالموں پر روک لگائی جاسکتی ہے اور جو ان سے سرسبز پیکار ہو اس سے نمٹا جاسکتا ہے۔

فائدہ: ہر قوم میں چار قسم کے لوگ ضرور ہوتے ہیں:

(۱) وہ لوگ جو اہم کاموں میں مفید اسکیمیں بنائیں، تاکہ دوسرے لوگ ان کی پیروی کریں اور ان کی اسکیم پر کار

بند ہوں۔

(۲) وہ لوگ جو کسی بھی طرح لطافت پسند، آسودگی کے خواہاں اور آرام طلب ہوں۔

(۳) وہ لوگ جو اپنے کمالات پر فخر کریں، جیسے بہادری، فیاضی، فصاحت اور زیرکی وغیرہ کمالات پر فخر کریں۔

(۴) وہ لوگ جو شہرت کے خواہاں ہوں اور اپنی عظمت و دیدہ کو بلند کرنا چاہتے ہوں۔

فائدہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ارتفاق اول میں پائی جانے والی باتوں کا الہام فرمایا ہے۔ شہری تمدن میں پائی جانے والی باتوں کا اور شاہوں اور امیروں کو جو نعمتیں بخشی ہیں ان کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ اللہ پاک جانتے ہیں کہ قرآن کریم اور اس کی ہدایت تمام انسانوں کے لئے ہے اور تمام لوگوں میں پائی جانے والی نعمتیں یہی ارتفاق اول کی نعمتیں ہیں، اس لئے سب لوگ انہی کو سمجھ سکتے ہیں واللہ اعلم

نوٹ: ارتفاق اول کے لئے بس یہی ایک باب ہے۔

﴿باب الارتفاق الأول﴾

منه : اللغة المعبرة عما في ضمير الإنسان؛ والأصل في ذلك : أفعال وهيئات وأجسام تلابس صوتاً، بالمجاورة أو التسبب أو غيرهما، فيُحكى ذلك الصوت كما هو، ثم يُنصرف فيه باشتقاق الصبغ، بإزاء اختلاف المعاني، ويُشَبَّه أمور مؤثرة في الأبصار، أو مُخْدِئَة لهيئات وجمادية في النفس بالقسم الأول، ويُكَلِّف له صوت كمثلها، ثم اتَّسعت اللغات بالنجْوُ، لمشابهة أو مجاورة، والنقل لعلاقة ما؛ وهنالك أصول أخرى سجدتها في بعض كلامنا.

ومنه: الزرع والغرس وحفر الآبار، وكيفية الطبخ والاندعام.

ومنہ: اصطناع الأواني والقرب.

ومنہ: تسخير البهائم واقتنائها، لیسٹعان بظهورها ولحومها وجلودها، وأشعارها، وأوبارها، وألبانها، وأولادها.

ومنہ: مسكن يؤويه من الحر والبرد، من الغيران والغشوش ونحوها.

ومنہ: لباس يقرم مقام الريش، من جلود البهائم، أو أوراق الأشجار، أو مما عملت أيديهم.

ومنہ: أن اهتمدى لتعيين منكوحة لايزاحمه فيها أحد، يدفع بها شبقه، ويذراً بها نسله، ويستعين بها في حوائجه المنزلية، وفي حضانة الأولاد وتربيتها؛ وغير الإنسان لايعينها إلا بنحو من الاتفاق، أو بكونهما توأمين أدركا على المرافقة، ونحو ذلك.

ومنہ: أن اهتمدى لصناعات لايتهم الزرع والعروس والحفر، وتسخير البهائم وغير ذلك إلا بها، كالمغول والدلو والسكة والحيال ونحوها.

ومنہ: أن اهتمدى لمبادلات ومعاونات في بعض الأمر.

ومنہ: أن يقوم أسدٌ هم راياء، وأسدٌ هم بطشاً، فيسخر الآخرين، ويرأس ويربغ، ولو بوجه من الوجوه.

ومنہ: أن تكون فيهم سنة مسلمة لفصل خصوماتهم، وكبح ظالمهم، ودفع من يريد أن يغزوهم. ولا بد أن يكون في كل قوم من يستنبط طرق الاتفاق فيما بينهم شأنه، فيفتدى به سائر الناس؛ وأن يكون فيهم من يحب الجمال والرأفاهية والدعة، ولو بوجه من الوجوه؛ ومن يباهي بأخلاقه: من الشجاعة والسماحة والفصاحة والكبس وغيرها؛ ومن يحب أن يطير صيته، ويرتفع جاهه.

وقد من الله تعالى في كتابه العظيم على عباده بالهام شعب هذا الاتفاق، لعلمه بأن التكليف بالقرآن يعم أصناف الناس، وأنه لايشملهم جميعاً إلا هذا النوع من الاتفاق؛ والله أعلم.

ترجمہ: ارتفاق اول کا بیان: اور اس میں سے وہ بولی ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے مافی الضمیر کو تعمیر کرتا ہے۔ اور زبان کی اصل: وہ افعال، کیفیات اور اجسام ہیں جو مجلہ رت یا سمیت یا ان کے علاوہ کسی اور طرح سے، کسی بھی آواز سے ملے ہیں، پس وہ آواز یعنی نقل کر لی جاتی ہے۔ پھر مختلف معانی کے مقابل صفی بنائے کا تعریف کیا جاتا ہے۔ اور لگا ہوں کو متاثر کرنے والی چیزوں کو، یا نفس میں وجدانی کیفیت پیدا کرنے والی چیزوں کو پہلی قسم کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، اور یہ مختلف اس کے لئے کوئی آواز بنائی جاتی ہے۔ پھر علاقہ مشابہت یا علاقہ مجاورت کی وجہ سے مجازی معنی لینے

سے اور کسی اور تعلق کی وجہ سے (لفظ کو ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف) نقل کرنے سے زبانیں بھلیتی ہیں — اور زبان کے بارے میں کچھ اور اصول بھی ہیں، جن کو آپ ہمارے کلام میں کہیں کہیں پائیں گے۔

اور اس میں سے: بھیتی باڑی، باغبانی، کنویں کھودنا اور پکانے اور لاون بنانے کا طریقہ ہے۔

اور اس میں سے: ظروف سازی اور مٹھکین بنانا ہے۔

اور اس میں سے: چوپایوں کو سدھانا اور ان کو پالنا ہے، تاکہ ان کی پیٹھ، گوشت، کھال، بال، اون، دودھ اور نسل سے کام لیا جائے۔

اور اس میں سے: مکان ہے، جس میں انسان گری سردی میں ٹھکانا حاصل کرے، خواہ وہ غاریں ہوں یا جھونپڑے یا اس قسم کی کوئی اور چیز۔

اور اس میں سے: لباس ہے، جو (ذہن میں) پرندوں کے پروں کے قائم مقام ہوتا ہے۔ خواہ وہ چوپایوں کی کھالوں کا ہو یا درخت کے پتوں کا یا انسانی مصنوعات کا۔

اور اس میں سے: یہ بات ہے کہ دیہی تمدن والوں نے (بھی) ایسی زن منکوحہ کی تعیین کی راہ پالی ہے، جس میں کوئی دوسرا اس سے مزاحمت نہ کرے، جس سے وہ اپنی خواہش پوری کرے، اور جس کے ذریعہ وہ اپنی نسل بڑھائے اور جس سے وہ اپنی خانگی ضرورتوں میں اور اولاد کی تربیت اور پرورش میں اعانت حاصل کرے — اور انسان کے علاوہ دیگر حیوانات اپنے جوڑے کو متعین نہیں کرتے مگر اتفاقہ طور پر، یا دونوں کے ایسے جڑواں ہونے کی وجہ سے جو ساتھ ساتھ بلوغ تک پہنچتے ہیں یا اس کے علاوہ دیگر اسباب کی وجہ سے (ان کا جوڑا قائم ہوتا ہے)

اور اس میں سے: یہ بات ہے کہ انسان نے ایسی کارگیریوں کی راہ پالی ہے جن کے بغیر بھیتی باڑی، باغبانی، کنویں کی کھدائی اور مویشیوں کو سدھانا وغیرہ کام تکمیل پذیر نہیں ہو سکتے، جیسے بھاؤڑا، ڈول، ہل کا پھار، رسیاں اور ان جیسی چیزیں۔

اور اس میں سے: یہ بات ہے کہ اس نے (یعنی دیہی تمدن والوں نے) تبادلاہ اشیاء کی اور بعض کاموں میں تعاون باہمی کی راہ پالی ہے۔

اور اس میں سے: یہ بات ہے کہ شخص اٹھے جو ان میں سب سے زیادہ صاحب الرائے ہو، اور مضبوط پکڑ والا ہو، جو دوسروں کو متحر کرے، اور سردار بنے اور کسی نہ کسی نہج سے نیکس وصول کرے۔

اور اس میں سے: یہ بات ہے کہ ان میں باہمی نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے، ظالم کو لگام دینے کے لئے اور جو شخص ان سے برسر پیکار ہو اس سے نمٹنے کے لئے کوئی مسلمہ طریقہ ہو۔

اور ضروری ہے کہ ہر قوم میں ایسے لوگ ہوں جو ان امور میں جن کا معاملہ لوگوں کو فکر مند بنائے ہوئے ہو، مفید اسکیمیں بناسکیں، پس دوسرے لوگ اس کی پیروی کریں اور یہ کہ ان میں ایسے لوگ ہوں جو کسی نہ کسی نہج پر لطافت پسند،

آسودگی کے خواباں اور آرام طلب ہوں اور ایسے لوگ ہوں جو اپنے کمالات پر فخر کریں، جیسے بہادر دی، فیاضی، فصاحت اور زیرکی وغیرہ اور ایسے لوگ ہوں جو چاہتے ہوں کہ ان کی شہرت پھیلے اور ان کا دبدبہ بلند ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں ارتفاق اول کے مشمولات کو الہام کرنے کے ذریعہ، اپنے بندوں پر احسان جتایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے ذریعہ احکام شرعیہ کا حکم ہر قسم کے لوگوں کو عام ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تمام لوگوں کو ارتفاق کی یہی قسم شامل ہے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

زنج (ف) القوم: چوتھائی آمدنی لینا۔ عرب میں اسلام سے پہلے قبائلی سردار آمدنی کا چوتھائی حصہ ٹیکس میں وصول کرتے تھے اس لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اب مطلق ٹیکس لینے کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، خواہ چوتھائی لیا جائے یا کم، ہمیشہ..... انضمام: سالن سے یا لاؤن سے روٹی کھانا۔ اذائم: سالن اور لاؤن، لاؤن وہ چیز ہے جس سے روٹی لگا کر کھائیں جیسے چٹنی اچار سرکہ اور جام وغیرہ.... قلوب: مشکیں، مفرد قلوبہ.... السوبر: اونٹ اور خرگوش وغیرہ کے بال اصل الوبر: دیہاتی لوگ۔ الغیران: پہاڑ میں کھو، مفرد غدار۔ الغشوش: گھونسلہ، آشیانہ، جھونپڑا، مفرد عشش اور عشش.... نوعم جوڑ وال بچہ.... اذرك الولد: لڑکا بالغ ہوا.... البعول: پھاوڑا.... السحجة: بل کا پھار۔ رأس (ش) رئاسة القوم: سردار قوم ہونا۔ کتب: چوپائے کو لگا کھینچ کر ٹھہرانا، باز رکھنا۔ هم (ن) همسا: ٹکر مند ہونا.... رفاهية: زندگی کا خوشگوار اور آسودہ ہونا.... دعة: سکون، راحت، تن آسانی.... باحاذی الحسن: حسن و خوبی میں مقابلہ پر فخر کرنا.... کھنس (مصدر) عقل، دانائی، زیرکی الکیس: دانا، سمجھدار۔ ترکیب: من الغیران الخ کائن مفرد سے متعلق ہو کر مسکن کی صفت ہے، یہی ترکیب من جلود البہائم الخ کی ہے، وہ لباس کی صفت ہے.... ان اھدی میں ان مختلف من المثلہ ہے۔ اس کی اصل اُنہ ہے۔

باب ۳

فن آداب معاش کا بیان

یہاں سے ارتفاق ثانی یعنی شہری تمدن کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے تین باب ہیں۔ آداب کے معنی ہیں قوانین۔ اور معاش بمعنی معاشرت ہے۔ یعنی مل جل کر زندگی بسر کرنا۔ اور اصطلاح میں فن آداب معاش: حکمت عملیہ کی وہ قسم ہے جس میں شہری زندگی یا ترقی یافتہ تمدن کی ضروریات سے بحث کی جاتی ہے۔ باب اول میں ارتفاق کے دور رہتے بیان کئے گئے ہیں۔ ارتفاق کا پہلا درجہ وہ ہے جو یہی تمدن میں پایا جاتا ہے اور دوسرا درجہ وہ ہے جو ترقی یافتہ تمدن میں پایا

جاتا ہے اور ارتفاق کے دونوں درجوں میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں، اس کی تفصیل پہلے گزری چکی ہے۔ غرض ارتفاق کے دوسرے درجے یعنی شہری تمدن کی جو ضروریات باب اول میں بیان کی گئی ہیں ان کے لئے تدبیرات نافذ کیا ہو سکتی ہیں؟ اس سے جس فن میں بحث کی جاتی ہے وہ فن آداب معاش ہے۔

اس فن میں بنیادی نقطہ یہ ہے کہ شہری تمدن کوئی مستقل تمدن نہیں، بلکہ وہی تمدن کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اور وہ اس طرح ترقی کرتا ہے کہ ارتفاق اول میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں ان کو تین معیاروں پر پرکھا جاتا ہے، جو باتیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں وہ لے لی جاتی ہیں اور جو باتیں اس معیار کے مطابق نہیں ہوتیں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور شہری زندگی کی ضروریات کی تکمیل کے لئے باقی مفید اسکیمیں بڑھا دی جاتی ہیں، اس طرح شہری تمدن کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ اور وہ تین معیار یہ ہیں:

(۱) ارتفاق اول میں رائج تدبیرات نافذ صحیح تجربات کی کسوٹی پر کسا جاتا ہے، یعنی ان کا تجربہ کر کے دیکھا جاتا ہے، اگر وہ باتیں ضرر سے بعید اور نفع سے قریب ہوں تو ان کو لے لیا جاتا ہے، ورنہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(۲) ارتفاق اول میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں اُن کا کامل مزاج رکھنے والوں کے اخلاق عالیہ سے موازنہ کیا جاتا ہے، اگر وہ باتیں اس مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہیں تو ان کو اختیار کر لیا جاتا ہے، ورنہ ترک کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً عقد کے ذریعہ زہن منکونہ کی تعین اخلاق فاضلہ کا بھی تقاضا ہے، مگر صحرائی تمدن میں اس کی جو شکلیں رائج ہیں، ضروری نہیں کہ وہ بلند اخلاق کے معیار پر بھی پوری اتریں۔

(۳) حسن معاشرت، بہترین جماعتی زندگی اور اس قسم کی دوسری باتیں جو عقل تام سے پیدا ہوتی ہیں، اُن کے ساتھ ارتفاق اول میں رائج امور کو ملا کر دیکھا جاتا ہے، جو باتیں مناسب ہوتی ہیں وہ لے لی جاتی ہیں، اور جو نامناسب ہوتی ہیں وہ چھوڑ دی جاتی ہیں۔

اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں: ۱- کھانے کے آداب ۲- پینے کے ضابطے ۳- چلنے کے طریقے ۴- بیٹھنے کے آداب ۵- سونے کے طریقے ۶- سفر کرنے کے مسائل ۷- چھوٹا بڑا استیفاء کرنے کے آداب ۸- بیوی سے مقاربت کے قواعد ۹- لباس کے مسائل ۱۰- رشتہ سب کے آداب ۱۱- نظافت اور پاکیزگی کے طریقے ۱۲- نزہت و عزیت کے مسائل ۱۳- باہمی گفتگو کا سلیقہ ۱۴- آفتوں اور بیماریوں میں دواؤں اور جھماڑ پھونک کے استعمال کے مسائل ۱۵- اجتماعی حوادث کو پہلے سے جان لینے کی شکلیں، مثلاً مانسون، دریائی طوفان، دریا میں باز آنے کا پہلے سے اندازہ کر لینا ۱۶- خوشی کے مواقع میں جیسے بچی کی ولادت، شادی، عید، مسافر کی حج وغیرہ کے سفر سے واپسی اور اس کے علاوہ دیگر مواقع میں دعوت کرنے کا بیان ۱۷- بوقت مصائب قائم کرنے کے طریقے ۱۸- بیمار پرستی کرنے کے آداب ۱۹- مردوں کو دفن کرنے کے مسائل (ان مسائل میں سے ہر مسئلہ ایک باب کا عنوان ہے، اس لئے شاہ

صاحب رحمہ اللہ نے اس باب میں ان مسائل کو ”باب“ سے تعبیر کیا ہے)

دس اجمالی باتیں

آبادخلوں میں بسنے والے اور صحیح مزاج رکھنے والے، قابل لحاظ حضرات دس باتوں پر متفق ہیں:

۱- گندہ کھانا نہ کھایا جائے، جیسے اپنی موت مرا ہوا جانور، گھاسڑا کھانا، اور وہ جانور جن کے مزاج میں اعتدال اور جن کے اخلاق میں باقاعدگی نہ ہو۔

۲- کھاتے وقت کھانا ہر تھوں میں رکھا جائے اور برتن دسترخوان پر رکھے جائیں۔

۳- کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھولے جائیں اور کھاتے وقت حماقت اور حرص کی شکلوں سے اور ایسی باتوں سے بچا جائے جو سہاقیوں کے دلوں میں محکوم پیدا کرتی ہیں۔

۴- بدبودار پانی نہ پیا جائے، نہ پانی کے برتن (مشک، مٹکے اور جگ وغیرہ) میں منہ لگا کر پیا جائے، نہ جانوروں کی طرح سانس لئے بغیر گٹ گٹ پیا جائے۔

۵- نظافت، پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام کیا جائے یعنی بدن، کپڑوں اور مکان کو دو چیزوں سے پاک صاف رکھا جائے ایک گھناؤنی بدبودار ناپاکیوں سے جیسے چشما، پاخانہ اور غلاظت وغیرہ کو دھو کر صاف کیا جائے دوسرے جسم میں طبعی طور پر پیدا ہونے والے میل پچیل سے، جیسے گندہ دہنی: اس کو مسواک سے دور کیا جائے اور بغل اور زیر ناف کے بال: ان کی صفائی کی جائے اور کپڑوں کا میلا ہونا: ان کو دھو کر صاف کیا جائے اور مکان کا کوڑے کرکٹ سے بھر جانا: اس کو جھاڑو دیکر صاف کیا جائے۔

۶- آدمی کو لوگوں کے درمیان نمایاں حالت میں رہنا چاہئے مثلاً لباس درست ہو، سر اور ڈاڑھی میں کنگھی کر رکھی ہو، اور منکوحہ عورت خضاب اور زیور سے آراستہ پیراستہ ہو۔

۷- ہر بنگی معیوب حالت ہے اور لباس زینت ہے اور سہیلین کا کھلنا عار کی بات ہے۔

۸- کامل لباس وہ ہے جو سارے جسم کو چھپائے اور شرمگاہ کو چھپانے والا کپڑا (پاجامہ) باقی بدن کو چھپانے والے کپڑے سے علاحدہ ہونا چاہئے، تاکہ اگر اتفاقاً اوپر کا کپڑا اکھل جائے تو بے پردگی نہ ہو۔

۹- کسی بھی طرح سے حوادث کی پیش بینی کر لینی چاہئے مثلاً خواب سے یا علم نجوم سے یا فال سے یا ٹھون، کہانت اور رمل وغیرہ سے۔ پیش بینی کے یہ مختلف طریقے لوگوں میں قدیم زمانہ سے رائج تھے۔ اب رصد گاہوں، پیشکش کے مختلف میٹروں اور راڈروں کے ذریعہ آنے والے حالات کا پہلے سے اندازہ کر لیا جاتا ہے۔

۱۰- فہیج گفتگو کرنی چاہئے یعنی الفاظ ثقیل اور غیر مانوس نہ ہوں، ترکیب عمدہ، مضبوط اور چست ہو اور اسلوب بیان

مرغوب، جاذب اور دلکش ہو۔ اور ایسا ہی شخص فصاحت کا معیار ہوتا ہے۔

اسی طرح مسائل باب کی مذکورہ فہرست کے ہر باب میں اجماعی اور مسلمہ مسائل ہیں۔ جن پر دنیا کے تمام لوگ متفق ہیں، البتہ قواعد و ضوابط کی ترتیب و تفصیل لوگ اپنے اپنے انداز پر کرتے ہیں۔ مثلاً ماہر طبعیات طب کے قواعد پیش نظر رکھتا ہے، نجومی ستاروں کے خواص کو ملحوظ رکھتا ہے اور مسلمان ماہر دینیات احسان (اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی) کی بنیاد پر قواعد تیار کرتا ہے، اور آپ کو یہ تمام باتیں ان کی کتابوں میں تفصیل سے مل جائیں گی۔ اور یہ اختلاف ایسا ہے جیسے ہر قوم کی پوشاک اور طور و طریق علیحدہ ہوتے ہیں اور وہی ان کی پہچان ہوتے ہیں۔ یہ اختلاف قوموں کے مزاج اور عادات کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے، اسی طرح فنِ آداب معاش کی تفصیلات کا اختلاف بھی سمجھ لیتا چاہئے۔

﴿باب فن آداب المعاش﴾

وهی الحکمة الباحنة عن كيفية الارتفاق: من الحاجات المبیّنة من قبل، علی الحدّ الثانی؛ والأصل فيه: أن یُعَرَضَ الارتفاق الأول علی التجربة الصحیحة فی کل باب، فاختار الهیئات البعیدة من الضرر، القریبة من النفع، ویترك ماسوی ذلك؛ وعلی الأخلاق الفاضلة التي یُجبل علیها أهل الأمیجة الکاملة، فیختار ما توجه و تقتضیه، ویترك ماسوی ذلك؛ وعلی حسن الصحبة بین الناس وحسن المشاركة معهم، ونحو ذلك من المقاصد الناشئة من الرأی الکلی.

ومعظم مسانله: آداب الأكل، والشرب، والمشي، والقعود، والنوم، والسفر، والعلاء، والجماع، واللباس، والمسكن، والنظافة، والزينة، ومراجعة الكلام، والتمسك بالأدوية والرقي فی المعامات، وتقديمة المعرفة فی الحوادث المجمعّة، والولائم عند عروض قرّح: من ولادة، ونكاح، وعید، وقدم مسافر، وغيرها، والمآثم عند المصائب، وعیادة المرضى، ودفن الموتی. فإنه أجمع من یعتقد به من أهل الأمیجة الصحیحة: سُكّان البلدان المعمورة، علی أن لا یزكّل الطعام الخبیث، كالمیت حتف أنفه، والمتعفن، والحيوان البعید من اعتدال المزاج وانتظام الأخلاق، ویستحبون أن یوضع الطعام فی الأوانی، وتوضع هی علی الشفر ونحوها، وأن ینظف الوجه والیدان عند إرادة الأكل، ویحترزّ عن هیئات الطییش، والشرة، والتي تورث الضغائن فی قلوب المشارکین، وأن لا یُشرب الماء الآجِن وأن یحترز من الكرّع والغب.

وأجمعوا علی استحباب النظافة: نظافة البدن والثوب والمكان عن شیین: عن النجاسات

الْمُنْتَنَةِ الْمُتَقَدَّرَةِ، وَعَنِ الْأَوْسَاحِ النَّابِتَةِ عَلَى نَهْجِ طَبِيعِي، كَالْبَحْرِ يُزَالُ بِالسَّوَاكِ، وَكَشْعَرِ الْإِنِّطِ وَالْعَانَةِ، وَكَتَوَسُّخِ الْغِيَابِ، وَاعْشِشَابِ الْبَيْتِ، وَعَلَى اسْتِحْبَابِ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ شَامَةً بَيْنَ النَّاسِ: قَدْ سَوَّى لِبَاسَهُ، وَسَرَّحَ رَأْسَهُ وَلَحِيَّتَهُ، وَالْمَرْأَةُ إِذَا كَانَتْ تَحْتَ رَجُلٍ تَنْزِيْثٍ بِخَضَابٍ وَخَلْبٍ وَنَحْوِ ذَلِكَ؛ وَعَلَى أَنْ الْغُرَى شَيْنٌ، وَاللِّبَاسُ زَيْنٌ، وَظُهُورُ السَّوَاتِينِ عَارٌ، وَأَنْ أَتَمَّ اللَّبَاسُ مَا سَتَرَ عَامَةَ الْبَدَنِ، وَكَانَ سَاتِرُ الْعَوْرَةِ غَيْرَ سَاتِرِ الْبَدَنِ؛ وَعَلَى تَقْدِیْمَةِ الْمَعْرِفَةِ بِشَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ: إِمَّا بِالرُّوْيَا، أَوْ بِالنَّجْمِ، أَوْ بِالطَّيْرَةِ، أَوْ الْعِیَافَةِ وَالْكِهَانَةِ وَالرَّمْلِ، وَنَحْوِ ذَلِكَ.

وَكُلٌّ مِنْ خُلُقٍ عَلَى مَزَاجٍ صَحِيحٍ وَذَوْقٍ سَلِیْمٍ یَخْتَارُ لَامِحَالَةً فِی كَلَامِهِ مِنَ الْأَفْظَاطِ كُلِّ لَفْظٍ غَیْرِ وَحْشِيٍّ، وَلَا تُثْقِلُ عَلَى اللِّسَانِ؛ وَمِنَ التَّرَاكِبِ كُلِّ تَرَكِیْبٍ مَتْنٍ حَیْثُ؛ وَمِنَ الْأَسَالِیْبِ كُلِّ أَسْلُوبٍ یَمِيلُ إِلَيْهِ السَّمْعُ، وَیَرْكَنُ إِلَيْهِ الْقَلْبُ. وَهَذَا الرَّجُلُ هُوَ مِزَانُ الْفَصَاحَةِ.

وَبِالْجُمْلَةِ فَفِی كُلِّ بَابٍ مَسَائِلُ إِجْمَاعِيَّةٌ مُسَلِّمَةٌ بَيْنَ أَهْلِ الْبِلَادَانِ، وَإِنْ تَبَاعَدَتْ، وَالنَّاسُ بَعْدَهَا فِی تَهْمِيدِ قَوَاعِدِ الْأَدَابِ مُخْتَلِفُونَ: فَالطَّبِيعِيُّ یَمْتَهِنُهَا عَلَى اسْتِحْسَانَاتِ الطَّبِّ، وَالْمَنْجَمُ عَلَى خَوَاصِ النُّجُومِ، وَالْإِلَهِيُّ عَلَى الْإِحْسَانِ، كَمَا تَجِدُهَا فِی كِتَابِهِمْ مَفْصَلَةً؛ وَلِكُلِّ قَوْمٍ زِيٌّ وَآدَابٌ یَتَمَیِّزُونَ بِهَا، یُوجِبُهَا اخْتِلَافُ الْأُمُزْجَةِ وَالْعَادَاتِ، وَنَحْوِ ذَلِكَ.

ترجمہ: فن آداب معاش کا بیان: فن آداب معاش وہ حکمت ہے جو حوثانی پر پہلے بیان کردہ ضروریات کی تدبیرات نافذ ہے بحث کرتی ہے۔ اور بنیادی بات اس فن میں یہ ہے کہ ارتفاق اول کو (فن آداب معاش کے) ہر باب میں صحیح تجربہ پر پیش کیا جائے، پھر وہ ٹیکس اختیار کی جائیں جو ضرر سے بچد اور نفع سے قریب ہوں اور ان کے علاوہ کو چھوڑ دیا جائے اور اُن اخلاق فاضلہ پر پیش کیا جائے جن پر کامل مزاج رکھنے والے لوگ پیدا کئے جاتے ہیں۔ پھر وہ باتیں لے لی جائیں جن کو اخلاق عالیہ ثابت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں، اور ان کے علاوہ کو چھوڑ دیا جائے — اور حسن معاشرت اور بہترین جماعتی زندگی پر اور اس قسم کے دیگر مقاصد پر جو رائے کلی سے پیدا ہوتے ہیں، پیش کیا جائے۔

اور اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں: کھانے، پینے، سونے، سفر کرنے، استیجاء کرنے، محبت کرنے، کپڑا پہننے، رہنے، پہننے، نظافت، زینت، باہمی گفتگو کرنے، آفتوں میں دواؤں اور منتروں کو استعمال کرنے، حوادث اجتماعیہ کو پہلے سے پہچاننے، اور خوشی پیش آنے پر، جیسے بچی کی ولادت، شادی، عید، مسافر کی واپسی وغیرہ کے موقعہ پر دعوت کرنے، مصائب کے وقت ماتم کرنے، بیمار پر سی کرنے اور مردوں کو فن کرنے کے آداب۔

پس ہینک آداب خطوں میں بسنے والے، صحیح مزاج رکھنے والے، قابل لحاظ لوگ:

۱:- اس پر متفق ہیں کہ گندہ کھانا نہ کھایا جائے، جیسے اپنی موت مرا ہوا جاتور، اور سڑا ہوا کھانا (گوشت وغیرہ) اور وہ جانور جن کا مزاج اعتدال سے دور ہے اور جن کے اخلاق میں باقاعدگی نہیں ہے۔

۲:- اور وہ پسند کرتے ہیں کہ کھانا برتنوں میں رکھا جائے، اور برتن دسترخوان وغیرہ (جیسے میز) پر رکھے جائیں۔

۳:- اور یہ بات کہ کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ اور منہ دھویا جائے، اور حماقت اور حرص کی شکلوں سے اور ایسی باتوں سے بچا جائے جو ساتھیوں کے دلوں میں مکدر پیدا کریں۔

۴:- اور یہ بات کہ بدبودار پانی نہ پیا جائے اور پانی کے برتن میں منہ لگا کر اور جانوروں کی طرح گھٹ گھٹ نہ پیا جائے۔

۵:- اور وہ لوگ نظافت کی پسندیدگی پر متفق ہیں یعنی بدن، کپڑوں اور مکان کو دو چیزوں سے پاک رکھا جائے (ایک) گھناؤنی بدبودار ناپاکیوں سے، (دوسرے) طبعی طور پر پیدا ہونے والے میل کچیل سے، جیسے گندہ دہنی کہ اس کو مسواک سے دور کیا جائے، اور جیسے نفل اور زیر ناف کے بال، اور جیسے کپڑوں کا میلا ہونا، اور گھر کا کوڑے سے بھر جانا۔

۶:- اور اس بات کی پسندیدگی پر کہ آدمی لوگوں کے درمیان نمایاں رہے: اس نے لباس درست کر رکھا ہو اور سر اور ڈاڑھی میں کنگھی کر رکھی ہو اور عورت جب کسی کے عقد میں ہو تو خضاب (منہدی) اور زیور وغیرہ سے آراستہ ہو۔

۷:- اور اس بات پر کہ برتن کی عیب ہے اور لباس زینت ہے اور دوشرمگاہوں کا کھلنا عار کی بات ہے۔

۸:- اور یہ کہ کامل لباس وہ ہے جو سارے جسم کو چھپائے۔ اور شرمگاہ کو چھپانے والا کپڑا، باقی بدن کو چھپانے والے کپڑے کے علاوہ ہو۔

۹:- اور کسی طرح سے پیش بینی کرنے پر، یا خواب سے یا ستاروں سے، یا فال سے، یا شگون سے اور کہانت سے اور زمل سے اور اسی قسم کی دوسری چیزوں سے۔

۱۰:- اور ہر وہ شخص جو صحیح مزاج اور سلیم ذوق پر پیدا کیا گیا ہے، لامحالہ اپنے کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرنا پسند کرتا ہے جو غیر مانوس اور نفیس نہ ہوں اور ایسی ترکیبیں استعمال کرنا پسند کرتا ہے جو عمدہ اور مضبوط ہوں، اور ایسا اسلوب بیان استعمال کرنا پسند کرتا ہے جس کی طرف کان مائل ہوں اور دل جھکیں، اور یہی شخص فصاحت کی میزان ہے۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ ہر باب میں ایسے مسائل ہیں جو مختلف ممالک کے لوگوں کے درمیان اجماعی اور مسلم ہیں، اگرچہ وہ علاقے ایک دوسرے سے کتنے ہی فاصلہ پر ہوں۔ اور لوگ اس کے بعد آداب کے قواعد تیار کرنے میں مختلف ہیں: علم طبعی کا یا علم طب کے مستحسانات (پسندیدہ باتوں) پر، اور علم نجوم کا یا ہر ستاروں کے خواص (خصوصیات) پر، اور فن انبیات کا یا ہر احسان (اللہ کی پسندیدگی) پر قواعد تیار کرتا ہے، جیسا کہ آپ ان تمام باتوں کو ان کی کتابوں میں مفصل طور پر پائیں گے۔ اور ہر قوم کی پوشاک اور طور و طریق ہے، جن کی وجہ سے وہ ممتاز ہوتے ہیں، جس کو مزاہوں اور عادتوں

وغیرہ کا اختلاف ثابت کرتا ہے۔

لغات:

صَجَب (س) صُجْبَةٌ: ایک ساتھ زندگی بسر کرنا..... شاد کہ: باہم شریک ہونا المشارک: ساجھی، حصہ دار
 واجعة الكلام: دوبارہ گفتگو کرنا، مراجعة الكلام: باہم گفتگو کرنا..... رُفِی، رُفِیَّةٌ کی جمع ہے بمعنی متر، توینہ قدم
 تقدمة: آگے کرنا..... الخفف: موت، خفف نفسه: اس کی ناک کی موت یعنی اپنی موت مرنا۔ جاہلیت میں عربوں کا
 خیال تھا کہ جو میدان کارزار میں مارا جاتا ہے اس کی روح تو منہ کے راستے سے نکلتی ہے، اور جو بزدل چارپائی پر مرتا ہے،
 اس کی روح کو نکلنے کے لئے منہ راستہ نہیں دیتا، اس لئے وہ ناک کے راستے سے نکلتی ہے۔ پھر یہ اپنی موت مرنے کے
 لئے محاورہ ہو گیا۔ اس کا مقابل مذکورہ جانور ہے۔... سُفْرٌ جمع ہے سُفْرَةٌ کی بمعنی دسٹر خوان طاش بطیش طیشا:
 اوجھا ہونا، عیش زائل ہونا..... سُفْرَةٌ (س) سُفْرُهَا إِلَى الطَّعَامِ: بہت حریص ہونا..... الضغائن جمع ہے الضغینہ کی
 بمعنی کینہ ضغن (س) ضغنا: کینہ رکھنا..... کوع (ف س) کوعًا: پانی یا برتن میں منہ لگا کر پینا..... غب (ن) غبًا
 الماء: جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پینا، (کوع کا مترادف) غب الماء: ڈول کا بھرتے وقت گڑ گڑانا، غب
 الماء: سانس لئے بغیر جلدی جلدی گٹ گٹ پینا..... فسانة کے اصل معنی ہیں تل، خال، چونکہ تل نمایاں ہوتا ہے اس
 لئے مجازاً بمعنی نمایاں آتا ہے الطیرۃ: شگون (اچھا یا برا) عرب پرندوں کو اڑا کر شگون لیتے تھے اس لئے طیر سے
 یہ لفظ بنایا گیا ہے الطیرۃ: ما یفاد ل به، او یتشاء م منه العیافۃ: پرندہ اڑا کر اس کے نام، آواز اور کس طرف
 جاتا ہے، اس سے اچھا برا شگون لینا العیافۃ: زجر الطیر، والتفاؤل بأسمانها وأصواتها ومعها (المعجم
 الوسیط)..... السکھانۃ: غیب کی باتیں بتلانا..... السرمیل: ایک علم کا نام ہے جس میں ہندوسوں اور خطوط وغیرہ کے
 ذریعہ غیب کی باتیں دریافت کرتے ہیں (فیروز اللغات)

ترکیب:

ہی الحکمة میں ہی ضمیر حکمت عملیہ کی طرف لوٹتی ہے علی الحد الثانی متعلق ہے المبنیہ سے۔ علی
 الأخلاق الفاضلة الخ اور علی حسن الصحبة الخ کا عطف علی التجربة پر ہے۔... علی أن العری الخ اور
 علی تقدمة المعرفة الخ کا عطف علی استحباب أن يكون الوجهل پر ہے۔
 نوٹ: کما تجدھا اصل میں کما تجدھم تھا، جو تعریف ہے، مخطوطہ کراچی سے تصحیح کی ہے۔



باب — ۴

خانگی انتظام کا بیان

فن تدبیر منزل: وہ علم ہے جو ترقی یافتہ تمدن میں، خاندانی تعلقات کی نگہداشت سے بحث کرتا ہے یعنی اس فن میں اُن مصلحتوں کو بیان کیا جاتا ہے جن کا تعلق ایک گھر میں بسنے والے افراد کی اجتماعی زندگی سے ہوتا ہے، تدبیر کے معنی ہیں انتظام کرنا، اور وجہ تسمیہ ظاہر ہے: اس علم سے گھر کا نظام سنورتا ہے۔ اس فن کا خلاصہ چار مسائل ہیں: ۱- نکاح (شادی بیاہ) ۲- ولادت (اولاد کے مسائل) ۳- ملکیت یعنی غلام اور آقا کے معاملات ۴- تعاون باہمی کی ضرورت اور اس کی شکلیں، تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا مسئلہ: شادی بیاہ

ہم بستر کی ضرورت نے مرد و زن میں رابطہ و رفاقت پیدا کی ہے، پھر اولاد پر شفقت و مہربانی نے ان کی پرورش میں تعاون باہمی کی ضرورت ثابت کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ خوبیاں مرد میں ہوتی ہیں اور کچھ عورت میں، اسی طرح کچھ توڑا مرد میں ہوتا ہے، اور کچھ عورت میں، اس لئے نکاح ضروری ہوتا کہ مرد کی خوبیوں سے عورت متمتع ہو اور اپنے نقصان کی تلافی کرے اور عورت کی خوبیوں سے مرد فائدہ اٹھائے اور اپنی کمی کو دور کرے، اور دونوں مل کر آسائش کی زندگی بسر کریں۔ عورت مرد کی پد نسبت اولاد کی پرورش کے طریقے بہتر جانتی ہے۔ وہ حیا دار ہوتی ہے، خانہ نشینی کی زندگی بسر کر سکتی ہے، گھر بیلو جیکے چھلکے کاموں میں ماہر ہوتی ہے، فطری طور پر اس میں تابعداری کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے مگر اس کی عقل خفیف، بدن ناتواں اور عزم و حوصلہ کمزور ہوتا ہے اور وہ محنت کے کاموں سے جی چراتی ہے۔

اور مرد نسبتاً صاحب الرائے ہوتا ہے، وہ حرم کی پوری طرح حفاظت کر سکتا ہے، محنت و مشقت کے کام خوب انجام دے سکتا ہے، اس میں غرور، تسلط، مناقشہ کی صلاحیت اور غیرت کامل ہوتی ہے اور بارہا ان صفات کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر اس میں اولاد کی پرورش کا سلیقہ نہیں ہوتا، نہ وہ ہر وقت گھر میں بیٹھا رہ سکتا ہے، معمولی کاموں سے اس کا جی اکتا ہے اور تابعداری کی پوری صلاحیت بھی اس کی فطرت میں نہیں۔ اس لئے عورت کی زندگی مرد کے بغیر ناقص رہتی ہے اور مرد کی عورت کے بغیر، اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے نکاح ضروری ہوا۔

اور عورتوں کے معاملہ میں مردوں میں رقابت اور غیرت کا جذبہ پایا جاتا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ گواہوں کے سامنے مرد کا کسی عورت کے ساتھ اختصاص صحیح طور پر طے ہو جائے۔ اور مرد کی عورت میں رغبت ہے یا نہیں؟ یہ بات جاننے

کے لئے مستغنی اور مہر کی ضرورت ہوئی۔ اور عورت ولی کو مزید ہوتی ہے اور وہ اس سے ہر دست درازی کو بھانتا ہے، اس لئے نکاح میں ولی کی رضا مندی بھی ضروری ہوئی۔

اور محارم سے نکاح اس لئے حرام ہوا کہ اس سے عورتوں کو بڑا ضرر پہنچ سکتا ہے، مثلاً:

۱- عورت جس مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہے، ولی (باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ) نہیں کرنے دے گا۔ خود کرنا چاہے گا، جس سے عورت کے جذبات کو شخص پہنچے گی۔

۲- اگر شوہر عورت کے حقوق ادا نہیں کرتا، تو عورت کی طرف سے اولیاء حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتے ہیں، کیونکہ عورت کمزور ہوتی ہے۔ وہ خود جھگڑا نہیں کر سکتی، اس لئے عورت اس کی محتاج ہے کہ ایسے مازک وقت میں اولیاء اس کی دست گیری کریں۔ مگر جب ولی خود شوہر بن جائے گا، اور عورت کی حق تلفی کرے گا تو عورت کی طرف سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کون کرے گا؟ کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہوگا، جس سے عورت کو ضرر عظیم پہنچے گا۔

۳- اگر ولی کے نکاح میں بہن، بیٹی کے علاوہ کوئی اور عورت بھی ہوگی تو جب سوکنوں میں جھگڑا ہوگا، اور شوہر دوسری عورت کا ہو کر رہ جائے گا تو قطع رحمی ہوگی۔

۴- سلیم الامراء لوگوں کی رغبت بیٹے، بیٹی اور بھائی بہن کی طرف نہیں ہوتی، اور بے رغبت نکاح بے فائدہ ہوتا ہے۔ نکاح کی عمر: جب لڑکا لڑکی بالغ ہو جائیں اور وہ صحبت کی ضرورت محسوس کریں تو نکاح کر دینا چاہئے۔ اور چونکہ ہم بستر کی خواہش کا اظہار بے شرعی کی بات ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بلوغ کے ضمن میں چھپا دیا ہے، کیونکہ بلوغ ہی بچے کے نشو و نما کا درجہ کمال ہے۔ اس کو بلوغ تک ضرور پہنچانا ہے۔ اور بلوغ کی علامتیں (مرد میں ڈاڑھی اور عورت میں چھاتی) ایسی واضح رکھی ہیں کہ ان کو چھپایا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ علامات دیکھتے ہی والدین پر اولاد کے نکاح کی فکر سوار ہو جاتی ہے۔

تقریب ولیمہ: جب عقد نکاح ہو جائے اور شوہر کا بیوی پر قبضہ تمام بھی ہو جائے یعنی وہ بیوی سے متمتع بھی ہو چکے تو اس کی لطیف انداز پر اور عمدہ طریقے سے تشہیر کرنے کے لئے تقریب ولیمہ ہونی چاہئے، جس میں لوگوں کو مدعو کیا جائے، صرف اہل خانہ بل کر نہ نکھائیں، ورنہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ اور ولیمہ کے موقع پر کچھ چہل پہل، کچھ شور، کچھ دھبہ ہارٹ ہونی چاہئے مگر اس میں حد و سہرے سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

وقت: (عربی میں وال کے پیش کے ساتھ اور اردو میں زیر کے ساتھ) ذی کو کہتے ہیں۔ یہ ایک ہاتھ سے بھانے کا قہا نما ایک باج ہے عرب میں شادی کے موقع پر اسکو بھانے کا رواج تھا۔ اسکے قائم مقام روشنی، جھنڈیاں وغیرہ بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ سب ولیمہ کے دن لڑکے کے گھر ہونا چاہئے۔ لڑکی کے باپ کے گھر عقد نکاح کے دن ان امور کا ثبوت نہیں۔

نکاح میں دس باتوں کا لحاظ: غرض مذکورہ بالا وجوہ سے، اور ان کے علاوہ بہت سی وجوہ سے، جن کا تذکرہ نہیں کیا گیا،

اف کیا وہ ان کو خود سمجھ لیں گے۔ معروف طریقہ پر نکاح ایک لازمی طریقہ، مسلمہ سنت اور فطری امر ہو گیا ہے، عرب و عجم میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور معروف طریقہ سے مراد یہ ہے کہ نکاح میں دس باتوں کا لحاظ رہنا چاہئے:

- ۱- غیر حرام سے نکاح کیا جائے، حرام سے نکاح کی حرمت ابھی اوپر گزر چکی ہے۔
- ۲- نکاح علی الاعلان ہونا چاہئے، مخفی طور پر نہیں ہونا چاہئے، نبی کریم ﷺ کو بچپن سے نکاح کرنا (نکاح الشر) ناپسند تھا (مسند احمد ۸: ۷۸) نیز حدیث شریف میں ہے کہ: ”نکاح میں حلال و حرام کے درمیان امتیاز شعور اور ذہنی سے ہوتا ہے“ (مشکوٰۃ کتاب النکاح، باب اعلان النکاح۔ حدیث نمبر ۳۱۵۳)

۳- نکاح میں مہر ضروری ہے۔ مہر عورت کا گراں قدر ہونا ظاہر کرتا ہے، بے قیمت چیز بے قدر ہوتی ہے، ہدایہ میں ہے ثم المنہر واجب شرعاً (ایمانۃ آی اظہاراً) لشرف المحلل ۱۵ (کتاب النکاح، باب المہر) نیز مہر (میم کے ذمہ کے ساتھ) مہر (میم کے زیر کے ساتھ بمعنی محبت) بھی پیدا کرتا ہے، نیز مہر کی رقم ناگہانی مصارف میں بھی کام آتی ہے۔ شوہر کا اچانک اشتغال ہو جائے اور ترکہ نہ ہو تو عدت میں اور نکاح خالی تک مہر کی رقم سے کام چل سکتا ہے، پس مہر معتد بہ رقم ہونی چاہئے۔

۴- شادی سے پہلے رگائی ہونی چاہئے یعنی لڑکے کی طرف سے لڑکی کو مانگنا چاہئے، اس سے بھی طلب اور عورت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ لڑکی کی طرف سے منگنی کا رواج عربوں میں نہیں تھا اور حدیث میں ہے کہ لا یخطب الرجل علی خطبۃ اخیه حتی ینکحہ او ینزلہ (مشکوٰۃ کتاب النکاح) یعنی کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی نہ بھیجے (بلکہ انتظار کرے) تا آنکہ وہ نکاح کرے یا چھوڑ دے، اس میں اشارہ ہے کہ منگنی لڑکے کی طرف سے جانی چاہئے۔

۵- نکاح میں کفائت (مساوات، برابری) کا لحاظ رہنا چاہئے، تاکہ نکاح پائندہ ہو اور کفائت میں ہر زمانہ میں اور ہر علاقہ میں رائج اقدار میں برابری دیکھنی چاہئے جن اقوام میں ذات برادری یا پیشوں کی اہمیت ہے وہاں اس کا بھی لحاظ رہنا چاہئے۔

۶- نکاح ولی کی رضامندی سے ہونا چاہئے، عورتیں اپنی مرضی سے نکاح کر لیں یہ نہایت معیوب بات ہے۔ حدیث میں ہے لا نکاح الا بولی یعنی ولی کی مرضی کے بغیر نکاح زیبا نہیں۔

۷- نزاف کے بعد دعوت و لیہ ہونی چاہئے۔ اور اس کی وجہ ابھی مذکور ہوئی۔

۸- نکاح کے بعد مرد، عورت کا قہو ام رہے یعنی گھریلو زندگی میں مرد کی بالادستی ہونی چاہئے، اگر اس کا برعکس ہو گیا دونوں آزاد ہوں گے، کسی کی کسی پر بالادستی نہ ہوگی تو اس گھر کا خدا حافظ!

۹- نکاح کے بعد مرد و عورت کی معیشت کا تکلیف ہو، یعنی عورت کا نان و نفقہ مرد کے ذمہ ہونا چاہئے۔ قرآن کریم میں مرد کی فکوحیت کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے ﴿وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء ۳۴) اور اس سبب سے کہ مردوں

نے اپنے مال (نہر نفقہ وغیرہ) خرچ کئے ہیں۔ یورپ و امریکہ میں جہاں مرد، عورت کی معیشت کا کفیل نہیں ہوتا، بلکہ عورت خود کفیل ہوتی ہے، وہاں عورتیں مردوں کے بالکل زیر اثر نہیں ہوتیں، اور ان کی فیملی لائف مہر و محبت سے بالکل خالی ہوتی ہے، بلکہ رشتہ ازدواج کے دھاگے کی مثال ہوتا ہے، صبح یا شام کسی بھی وقت ٹوٹ سکتا ہے۔

۱۰:- نکاح کے بعد عورت شوہر کی خدمت گزار، اطاعت شعار ہوا اور وہ اولاد کی پرورش کو اپنی ذمہ داری سمجھے۔

نکاح دائمی ہو: یعنی زوجین ایک دوسرے کو شریک حیات بنا کر ہمیشہ ساتھ رہنے کا عہد کریں۔ اس جذبہ کے بغیر تعاون باہمی کا مقصد پروان نہیں چڑھ سکتا اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے، جب ہر ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان سمجھے، اور یہ تصور نکاح میں پیشگی کے جذبہ کے بغیر ممکن نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ پچھنے والوں کو اور پچھنے والیوں کو پسند نہیں کرتے“ (کنز العمال، کتاب الطلاق حدیث نمبر ۷۸۷۵)

طلاق کی ضرورت: جب زوجین میں موافقت اور باہمی رضا مندی نہ رہے تو رستگاری کی راہ بھی ضروری ہے، گو وہ جائز کاموں میں کتنی ہی ناپسندیدہ ہو، اس لئے شرائط و قیود کے ساتھ اور عدت کی پابندی کے ساتھ طلاق مشروع ہوگی۔

عدت کی ضرورت: طلاق کے بعد اور شوہر کی وفات کے بعد، بچہ نہ ہو، وجہ عدت ضروری ہے:

۱:- عدت سے نکاح کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ عورت آج ایک کے ساتھ تھی، کل دوسرے کے یہاں چلی گئی، تو رشتہ ازدواج کی حیثیت کیا رہ گئی!

۲:- عدت کی صورت میں عورت شریک حیات کا کسی درجہ میں حق ادا کرتی ہے۔

۳:- عدت کے ذریعہ رفاقت کے عہد و بیان کو کسی درجہ میں پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۴:- عدت میں سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ نسب خلط ملط ہونے سے محفوظ رہتا ہے، کیونکہ عورت بوقت طلاق یا وفات حاملہ ہو سکتی ہے، اور چند روز کا حمل ہونے کی وجہ سے اس کا پتہ نہ چل سکا ہو ایسا ہو سکتا ہے۔ پس اگر طلاق کے بعد یا شوہر کی وفات کے بعد عورت فوراً دوسرا نکاح کر لے گی، تو کسی کا بچہ کسی کی طرف منسوب ہو جائے گا۔

نوٹ: اور مرد پر عام حالات میں عدت اس لئے نہیں کہ وہ مرد کو موضوع کے خلاف ہے اور اس کے مشاغل میں حارج ہے نیز عدت کی بنیادی غرض (استبہار رحم) اس میں نہیں پائی جاتی واللہ اعلم۔

۱۔ عام حالات میں اس لئے کہا کہ ایک صورت میں مرد پر بھی عدت (انتظار) لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی نے بیوی کو طلاق دی اور اب وہ اس بیوی کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو مطلق کی عدت پوری ہونے کے بعد ہی نکاح کر سکتا ہے اسی طرح کسی کے نکاح میں چار عورتیں تھیں اور وہ ایک کو طلاق دیدے تو اب کسی عورت سے نکاح اس مطلق کی عدت گزرنے کے بعد ہی کر سکتا ہے، ورنہ پہلی صورت میں جمع بین الاختین اور دوسری صورت میں پانچ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا لازم آئے گا، جو کہ حرام ہے۔ اور یہ بات باس وجہ لازم آئے گی کہ معتدہ کی عدت کے زمانہ تک نکاح فی الجملہ باقی رہتا ہے ۱۲

﴿باب تدبير المنزل﴾

وهو الحكمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع بين أهل المنزل، على الحد الثاني من الارتفاق؛ وفيه أربع جُملي: الزواج، والولاد، والملَكة، والصحة:

والأصل في ذلك: أن حاجة الجماع أو جبت ارتباطاً وأُصطحاباً بين الرجل والمرأة، ثم الشفقة على المولود أو جبت تعاوناً منهما في حضنته؛ وكانت المرأة أهدأهما للحضنة بالطبع، وأخفهما عقلاً، وأكثرهما احتياجاً من المشاق، وأتمهما حياةً ولزوماً للبيت، وأحدقهما سعيًا في محقرات الأمور، وأوفرهما أبقايا؛ وكال الرجل أسدًهما عقلاً، وأشدًهما ذنبًا عن الدمار، وأجرهما على الاقتحام في المشاق، وأتمهما تينهاً وتسلاًطاً ومناقشةً وغيره؛ فكان معاش هذه لاتتم إلا بذلك، وذلك يحتاج إلى هذه.

وأوجب مزاحمات الرجال على النساء، وغيرتهم عليهن، أن لا يصلح أمرهم إلا بتصحيح اختصاص الرجل بزوجه على رؤس الأشهاد.

وأوجب رغبة الرجل في المرأة، وكرامتها على وليها، وذُبه عنها: أن يكون مهرً، وخطبة، وتصد من الولي.

وكان لو فتح رغبة الأولياء في المحارم أفضى ذلك إلى ضرر عظيم عليها: من غَضلها عن ترغيب فيه، وأن لا يكون لها من يطالب عنها بحقوق الزوجية، مع شدة احتياجها إلى ذلك، وتكدير الرِّجَم بمنازعات الصُّرَات ونحوها؛ مع ما تقتضيه سلامة المزاج من قلة الرغبة في الذي نشأ منها، أو نشأت منه، أو كانا كغُصْنِي دُرَّة.

وأوجب الحياء عن ذكر الحاجة إلى الجماع: أن تجعل مدسوسةً في ضمن عروج يتوَّع لهما، كأنه الغاية التي وجدالها.

وأوجب التسلط في التشهير، وجعل السلاك المنزلي عروجاً: أن تجعل وليمة، يدعى الناس إليها، وذُف وطُرب.

وبالجملة: فلو جوه جمةً مما ذكرنا ومما حذفنا — اعتماداً على ذهن الأذكى — كان النكاح بالهيئة المعتادة — أعنى نكاح غير المحارم، بمحض من الناس. مع تقديم مهر وخطبة، وملاحظة كفاءه، وتصد من الأولياء، ووليمة، وكون الرجال قوامين على النساء، متكفلين

معاشین، وكونهن خادمات، حاضنات، مطيعات — سنة لازمة، وأمرًا مسلمًا عند الكافة، وفطرة فطر الله الناس عليها، لا يختلف في ذلك عربهم ولا عجمهم.

ولما لم يكن بذل الجهد منهما في التعاون، بحيث يجعل كل واحد صَرَزَ الآخر ونفعه كالراجع إلى نفسه، إلا بأن يُؤْتَنَا أنفسهما على إدامة النكاح؛ ولابد من إبقاء طريق للخلاص إذا لم يُطاعا ولم يتراضيا؛ وإن كان من أبغض المباحات؛ وجب في الطلاق ملاحظة قبود، وعدة، وكذا في وفاته عنها، تعظيمًا لأمر النكاح في النفوس، وأداءً لبعض حق الإدامة، ووفاءً لعهد الصحية، ولئلا نشبه الأنساب.

ترجمہ: خانگی تدابیر کا بیان: اور تدبیر منزل: وہ حکمت (عملیہ) ہے جو ارتفاق کی حد ثانی پر ایک گھر کے باشندوں میں پائے جانے والے رابط و تعلق کی نگہداشت کی کیفیت سے بحث کرنے والی ہے۔ اور اس فن میں چار جملے ہیں: ازدواج، ولادت، ملکیت اور رفاقت۔

اور بنیادی بات اس (ازدواج) میں یہ ہے کہ جماع کی ضرورت نے مرد اور عورت کے درمیان باہمی تعلق اور رفاقت ثابت کی ہے، پھر اولاد پر شفقت نے اس کی پرورش میں تعاون باہمی کو ثابت کیا ہے۔ اور عورت فطری طور پر اولاد کی پرورش میں دونوں میں زیادہ راہ یاب تھی اور عقل کے اعتبار سے بالکل تھی، اور محنت و مشقت کے کاموں سے زیادہ باز رہنے والی تھی، اور شرم اور خاندان نشینی کے اعتبار سے کامل تھی اور معمولی کاموں کو انجام دینے میں زیادہ ماہر تھی اور تابعداری میں زیادہ مکمل تھی — اور مرد دونوں میں زیادہ درست رائے والا تھا، اور عمار کی باتوں کو بیٹانے میں زیادہ مضبوط تھا، اور محنت و مشقت کے کاموں میں گھٹنے میں زیادہ دیر تھا۔ اور غرور، قبضہ، جھگڑا کرنے اور غیرت میں کامل تر تھا، اس لئے عورت کی زندگی مرد کے بغیر ناممکن تھی، اور مرد کو عورت کی احتیاج تھی۔

اور عورتوں پر مردوں کی مزاحمت (تعرض) اور غیرت نے ثابت کیا کہ مردوں کا معاملہ اسی وقت سنور سکتا ہے، جب گواہوں کے سامنے مرد کا اس کی بیوی کے ساتھ اختصاص (خاص ہونا) صحیح طور پر طے کر دیا جائے۔

اور عورت میں مرد کی رغبت نے، اور ولی کی نظر میں عورت کی عزت نے، اور عورت سے ولی کی مدافعت نے ثابت کیا کہ مہر منگنی اور ولی کی طرف سے آمادگی ہو۔

اور اگر محارم میں اولیاء کی رغبت کا دروازہ کھول دیا جاتا تو یہ چیز عورتوں کے حق میں ضرر عظیم کا باعث بنتی: یعنی عورت کو اس شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے روکنا، جس میں عورت رغبت رکھتی ہے اور یہ کہ عورت کے لئے کوئی ایسا شخص نہ رہے جو اس کی طرف سے زوجیت کے حقوق کا مطالبہ کرے، حالانکہ عورت اس چیز کی بہت زیادہ محتاج ہے، اور سونوں کے جھگڑوں سے خاندانی رشتہ داری کا مزہ کر کر دینا، اور اس قسم کے اور ضرر، اس امر کے ساتھ جس کو مزاج کی سلامتی چاہتی

ہے یعنی اس مرد میں رغبت نہ ہونا جو خود اس عورت سے پیدا ہوا ہو (یعنی بیٹے میں) اور وہ اس مرد سے پیدا ہوئی ہو (یعنی بیٹی میں) یاد دہانی ایک بڑے درخت کی دو شاخوں کی طرح ہوں (یعنی بھائی بہن ہوں)

اور جماع کی ضرورت کے تذکرہ سے شرم نے ثابت کیا کہ وہ ضرورت ایسے عروج (بلوغ) کے ضمن میں چھپا دی جائے، جس کی ان دونوں (لڑکے، لڑکی) کے لئے امید باندھی گئی ہو، گویا وہ آخری حد ہے جس تک پہنچنے کے لئے وہ دونوں پیدا کئے گئے ہیں۔

اور تشہیر میں لطیف انداز اختیار کرنے نے، اور گھر بلو قبضہ کے بام عروج تک پہنچ جانے نے ثابت کیا کہ ایسا ولید کیا جائے جس میں لوگوں کو دعوت دی جائے اور ذہنی اور خوشی ہو۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ وجوہ کثیرہ کی وجہ سے — جن میں سے بعض کو ہم نے ذکر کیا، اور بعض کا تذکرہ اذکیاء کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے چھوڑ دیا — معروف طریقہ پر نکاح — یعنی غیر محرم سے نکاح، لوگوں کی موجودگی میں، مہر اور متکفی کی پیش کش کے ساتھ، اور کفایت کا لحاظ رکھ کر، اور اولیاء کی آمادگی (رضامندی) سے، اور ولید کے ساتھ، اور عورتوں پر مردوں کی بالادستی کے ساتھ اور مردوں کے عورتوں کی معیشت کا تکلیف ہونے کے ساتھ اور عورتوں کے خدمت گزار، اطاعت شعار اور اولاد کی پرورش کرنے والیاں ہونے کے ساتھ — سب لوگوں کے نزدیک لازمی طریقہ، مسلم امرا اور ایسی فطری بات ہو گیا جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ جس میں نہ عربوں کا اختلاف ہے، نہ نجیوں کا۔

اور جب دونوں کا تعاون باہمی کی کوشش کر لے اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنی ذات کی طرف لوٹنے والے نفع و ضرر کی طرح سمجھ لے — ممکن نہیں تھا مگر اس طرح کہ دونوں خود کو نکاح ہمیشہ رکھنے پر آمادہ کر لیں (اس لئے نکاح میں دوام ضروری ہوا) اور جب دونوں میں موافقت اور باہمی رضامندی نہ رہے تو رستگاری کی کوئی راہ باقی رکھنی بھی ضروری تھی، اگرچہ وہ راہ جائز کاموں میں سب سے زیادہ نا پسندیدہ ہو، تو طلاق میں قبول کا لحاظ اور عدت ضروری ہوئی۔ اور اسی طرح عدت ضروری ہے جب مرد عورت کو چھوڑ کر وفات پا جائے: دونوں میں نکاح کے معاملہ کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اور شہرکی کا کچھ حق ادا کرنے کے لئے اور رفاقت کے عہد کو نبھانے کے لئے، اور تاکہ نسب میں اشتباہ پیدا نہ ہو۔

لغات:

إِصْطَحَبُوا: ایک دوسرے کے ساتھ ہونا..... إِنْحَجَمَ: باز رہنا حَجَمَ (ن) فَلَانَا عَنْ الْأَمْرِ: کُفَّهِ و صرّفہ جُمْلَلُ مَجْع ہے جُمْلَلُ کی اور یہ وہی لفظ ہے جو بِالْجُمْلَةِ میں ہے یعنی باب کا حاصل چار باتیں ہیں..... مَنَاقِبُ مَجْع ہے مَشَقَّة کی، بمعنی دشواری محنت الْبُذَامُ: حرم، ہر وہ چیز جس کی حمایت و حفاظت ضروری ہو..... الْبَيْتَةُ غُرُورُ نَاةٍ (ض) بَيْتُهَا: تکبر کرنا..... مَنَاقِشَةُ: جھگڑا کرنا..... مَلَاك: اقتدار، قبضہ المملک المَنْزِلُی محبت سے کنایہ ہے

وَعَنْ عَلِيٍّ الْأَمْرُ: آمَاة كَرَمًا، بِرَأْسِهِ كَرَمًا۔

ترکیب: علی الحد الثانی متعلق ہے الواقع سے۔

تصحیح: الذی نشأ منها اصل میں اور تمام مخطوطات میں النی نشأ منها ہے۔ یہ سبقت قلم ہے یا تسمیہ ہے، دلیل نشانہ کر کا صیغہ ہے۔

دوسرا مسئلہ: اولاد کے احوال

اولاد کے سلسلہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دو باتیں بیان کی ہیں:

اول: اولاد ابتداء میں ماں باپ کی محتاج ہوتی ہے، ان کی دیکھ بھال سے ہی پروان چڑھتی ہے نیز ماں باپ فطری طور پر اولاد پر مہربان ہوتے ہیں، اس لئے باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کی ایسی تربیت کرے جو آئندہ ان کے حق میں مفید ہو، پہلے اس کو دین کا ضروری علم سکھائے، کیونکہ دنیا و آخرت کی کامیابی اسی پر موقوف ہے۔ پھر بچہ کی صلاحیت اور رغبت دینی یا دنیوی تعلیم کی طرف ہو تو اعلیٰ تعلیم دلائے۔ صنعت و حرفت یا کاروبار کی طرف ہو تو اس راہ پر لگائے، مگر دینی تربیت کی طرف سے کبھی غفلت نہ برتے۔

دوم: تین وجہ سے ضروری ہے کہ اولاد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے:

(۱) ماں باپ بہر حال اولاد سے بڑے ہوتے ہیں، اولاد خواہ کتنی ہی عمر رسیدہ ہو جائے، ماں باپ ان سے کم از کم پندرہ بیس سال بڑے ہوتے ہیں، اس لئے عقل کی فراوانی اور تجربات کی زیادتی کی دولت ان کو حاصل ہوتی ہے۔ اور بڑوں کی عزت کرنا حسن سلوک کا ایک حصہ ہے۔

(۲) اخلاق عالیہ کا تقاضا یہ ہے کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے جب ماں باپ نے اولاد کے ساتھ ہر طرح سے بھلائی کی ہے تو ضروری ہے کہ اولاد بھی اس کا بدلہ بھلائی سے دے۔

(۳) ماں باپ نے اولاد کی پرورش میں جو تکالیف برداشت کی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں، پس جب ماں باپ جبری میں اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں تو ضروری ہے کہ اولاد ہر طرح سے ان کی خدمت کرے۔

تیسرا مسئلہ: ملکیت (نوکری اور غلامی)

ملکیت یعنی مالک ہونا دو طرح کا ہوتا ہے ایک ملکیت بمعنی ملازمت (نوکری) دوسرے ملکیت بمعنی تملک۔ دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

① تمام انسان یکساں استعداد کے مالک نہیں ہوتے، اس لئے کوئی فطری طور پر آقا (سیٹھ) ہے تو کوئی نوکر۔ جو

شخص کا رو باری ذہن رکھتا ہے متعلق معیشت (کاروبار) کا مالک ہے، فطری طور پر اس میں نظم و انتظام کی صلاحیت ہے، جو آسودہ حال ہے اور خوش گوار زندگی گزارتا ہے وہ آقا ہے، اور جو کاروبار میں بے وقوف ہے یا سرمایہ نہیں رکھتا اور اس میں تابعداری کا پورا جوہر موجود ہے اس طرح کہ اس کو جدھر کھینچا جائے کھینچے ہے۔ ایسا شخص دوسرے کے یہاں ملازمت کرتا ہے۔ غرض سیٹھ ملازموں کا محتاج ہے، ان کے تعاون کے بغیر اس کا کاروبار نہیں چل سکتا۔ اور ملازمین سیٹھ کے محتاج ہیں، آقا سے ان کی روزی روٹی کا مسئلہ وابستہ ہے۔ اس طرح ملکیت بمعنی ملازمت وجود میں آئی، اور آج ساری دنیا میں یہ ملکیت رائج ہے۔ بڑی بڑی ڈگریوں کے مالک ملازمت کے ذریعہ پیٹ بھرتے ہیں اور کوئی بڑا کاروبار ملازموں کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس رشتہ کو پاکیزہ بنایا جائے۔ سیٹھ خود کو ملازموں کا کفیل سمجھے، تنہا دولت کا مالک نہ بن جائے۔ اور ملازمین ہر طرح سے آقا کے اور اس کے کاروبار کے خیر خواہ رہیں۔ جمعی خوشی اور ناخوشی میں باہمی تعاون ممکن ہے۔

(۶) ملکیت بمعنی غلامی جنگوں کا پیدا کیا ہوا مسئلہ ہے۔ جب دو فریق لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے آدمیوں کو قید کرتے ہیں اور قیدیوں کا کوئی مناسب حل نہیں نکلتا تو قدیم زمانہ سے ساری دنیا میں اس کا یہ حل چلا آ رہا تھا کہ ان قیدیوں کو غلام بنالیا جائے اس طرح ملکیت بمعنی غلامی وجود میں آئی۔ غلامی کا مسئلہ اسلام کا پیدا کیا ہوا نہیں نہ اسلام کو اس پر اصرار ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کا مسئلہ مختلف طرح سے حل کیا جاسکتا ہے۔ یا تو قیدیوں کو تہ تیغ کر دیا جائے یا قیدیوں کا قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے۔ یا مفت چھوڑ دیا جائے یا جنگ کا حرجانہ (فدیہ) لے کر چھوڑا جائے یا جیل میں رکھ کر زندگی بھر کھلایا جائے۔ اگر یہ سب حل ممکن نہ ہوں یا مناسب نہ ہوں تو آخری حل یہ ہے کہ ان کو فوج میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور ہر فوج اپنے غلام کو اپنے گھر بھیج دے، وہاں وہ کام کرے اور کھائے۔

اسلام نے مسئلہ کے اس حل کو جو پہلے سے چلا آ رہا تھا اور ساری دنیا میں رائج تھا، باقی رکھا ہے۔ اس میں قیدیوں کا یہ فائدہ ہے کہ جب وہ اسلامی معاشرہ میں پہنچیں گے تو اسلامی تعلیمات سے روشناس ہوں گے اور دیر سویر ان کے سینے نور ایمان سے منور ہو جائیں گے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ اس کی بہترین مثال ہے۔ اور اسلام نے غلاموں کے لئے ایسے قواعد و ضوابط بنا دیئے ہیں جن سے ظلم و ستم کا سد باب ہو جاتا ہے، نیز غلامی سے نکلنے کی بہت سی راہیں بھی تجویز کر دی ہیں، تاکہ غلامی کا طوق ہمیشہ کے لئے گروں میں نہ پڑ جائے۔

پھر غلامی کا مسئلہ دنیا سے ختم نہیں ہوا۔ آج بھی مختلف ممالک میں، خاص طور پر یورپ و امریکہ میں غورتوں اور بچوں کی خرید و فروخت جاری ہے، مگر چونکہ یہ غیر قانونی کاروبار ہے اس لئے ان بے چاروں کے لئے نہ کوئی قانون ہے، نہ رہنمائی کی کوئی راہ!

و اوجبت حاجۃ الاولاد إلى الآباء، و حَدَّیْہِمْ عَلَیْہِمْ بِالطَّیْعِ: اُنْ یَکُونُ تَمْرِیْنُ الْاَوْلَادِ عَلٰی مَا یَنْفَعُہِمْ فَطَرَةً؛ و اوجب تقدُّمُ الآباءِ عَلَیْہِمْ، فَلَمْ یَکْبُرُوا الْاِلاَ وَ الْاَبَاءُ اَکْثَرُ عَقْلاً وَ نَجْرَیَّةً، مَعَ مَا یُوجِبُہُ صَحَّةُ الْاَخْلَاقِ مِنْ مَقَابِلَةِ الْاِحْسَانِ بِالْاِحْسَانِ، وَ قَدْ قَاسُوا فِی تَرْبِیَّتِہِمْ مَا لَا حَاجَۃَ اِلَیْہِ مُشْرَحًا: اَنْ یَکُونُ بِرُّ الْوَالِدِیْنِ سُنَّةً لَا زَمَّةً.

و اوجب اختلاف استعداد بنی آدم: اَنْ یَکُونُ فِیْہِمْ السَّیِّدُ بِالطَّیْعِ، وَ هُوَ الْاُکْبَسُ الْمُسْتَقِلُّ بِمَعِیْشَتِہُ، ذُو سَیَّاسَةِ وَ رِفَاحِیَةِ جَبَلِیْنِ، وَ الْعَبْدُ بِالطَّیْعِ، وَ هُوَ الْاُخْرَقُ النَّایِبِ، یَنْقَادُ کَمَا یُنْقَادُ؛ وَ کَانَ مَعَاشِ کُلِّ وَاحِدٍ لَا یَمْتَنِعُ اِلَّا بِالْاُخْرَ، وَ لَا یُمْکِنُ التَّعَاوُنُ فِی الْمُنْشَطِ وَ الْمَکْرَہِ اِلَّا بِاَنْ یُؤْتِنَا اَنْفُسُہُمَا عَلٰی اِدَامَةِ هَذَا الرِّبْطِ.

ثُمَّ اُوجِبَتْ اِتِّفَاقَاتُ اُخْرٰ: اَنْ یَاسِرَ بَعْضُہُمْ بِبَعْضًا، فَوْقَ ذَلِکَ مِنْہُمْ بِمَوْقِعٍ، وَ اَنْتَظَمَتْ الْمُلْکَۃُ؛ وَ لَا یَدُ مِنْ مِّنَۃٍ یُّؤْخِذُ کُلًّا وَاحِدٌ نَفْسَہُ عَلَیْہَا، وَ یَلَامُ عَلٰی تَرْکِہَا؛ وَ لَا یَدُ مِنْ اِبْقَاءِ طَرِیْقِ الْحِلَاصِ فِی الْجُمْلَةِ بِمَالٍ اَوْ بِدَرَنَہِ.

ترجمہ: اور آباء کی طرف اولاد کی احتیاج نے، اور اولاد پر آباء کی فطری مہربانی نے واجب کیا کہ اولاد کو ایسے امور کی تربیت دی جائے جو اولاد کے حق میں مفید ہو۔ اور اولاد سے آباء کے پہلے ہونے نے، پس نہیں بڑی ہوتی اولاد گمراہ حال میں کہ آباء کی عقل اور تجربہ زیادہ ہوتا ہے، اس چیز کے ساتھ جس کو اخلاق کی درنگی واجب کرتی ہے یعنی احسان کے مقابلہ میں احسان کرنا۔ اور تحقیق آباء نے اولاد کی پرورش میں جو تکلیفیں برداشت کی ہیں ان کی تفصیل کی حاجت نہیں (ان وجوہ ثلاثہ نے واجب کیا) کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ایک لازمی امر ہو۔

اور انسانوں کی استعداد کے اختلاف نے واجب کیا کہ ان میں (کچھ لوگ) فطری طور پر آقا (سیئہ) ہوں — اور وہ نہایت ذہین، اپنی مستقل معیشت رکھنے والا، فطری طور پر سیاست (بہترین نظم و انتظام جاننے) والا، آسودہ زندگی گزارنے والا شخص ہے — اور (کچھ لوگ) فطری طور پر غلام (نورک) ہوں — اور وہ بے وقوف فرمانبردار ہے، جو کچھ ہے جس طرح کھینچا جائے — اور ہر ایک کی معاش (گندہ رسر کا سامان) دوسرے کے بغیر تکمیل پذیر نہیں ہو سکتی۔ اور خوشی اور ناخوشی میں ایک دوسرے کا تعاون ممکن نہیں مگر اس طرح کہ دونوں اپنے آپ کو اس تعلق کو ہمیشہ رکھنے پر آمادہ رہیں۔

پھر کچھ دوسرے اتفاقات نے واجب کیا کہ بعض بعض کو قید کریں۔ پس یہ بات (یعنی ملکیت بمعنی غلامی) ان کو بہت ہی پسند آئی (یعنی قیدیوں کا ان کو یہ بہترین حل نظر آیا) اور ملکیت منظم ہو گئی (یعنی اس کا سلسلہ شروع ہو گیا) اور کوئی

ایسا طریقہ ہونا ضروری ہے جس کا ہر شخص خود کو پابند بنائے۔ اور وہ اس کے ترک پر ملامت کیا جائے۔ اور کسی نہ کسی طرح رستہ گاری کی راہ باقی رکھنی ضروری ہے۔ خواہ مال کے ذریعہ ہو یا بغیر مال کے (کسی اور طرح سے ہو، جیسے کفاروں میں غلاموں کو آزاد کرنا وغیرہ)

لغات:

حَدَبٌ عَلَيْهِ: مہربان ہونا حدب (س) حَدَبًا: گمراہ ہونا..... الْأَخْيَاسُ (اسم تفضیل) نہایت ذہین..... زَفَاهِيَةٌ: آسودگی خوش گوار زندگی..... الْأَخْرَقُ (اسم تفضیل) نہایت بے وقوف خرق (س) خِرَافَةٌ: بے وقوف ہونا..... الْفَنَسُطُ: خوش دلی..... الْخُفْرَةُ: ناراضی..... وَطَنٌ عَلَيْهِ: آمادہ کرنا، ہراچھیجھ کرنا۔

چوتھا مسئلہ: صحبت (رفاقت)

صحبت کے معنی ہیں ساتھی ہونا، ایک ساتھ زندگی بسر کرنا۔ انسان چونکہ مدنی الطبع ہے اس کی فطرت میں مل جل کر رہنے کا جذبہ ہے اس لئے صحبت و رفاقت کا مسئلہ پیدا ہوا یعنی آپس میں رشتہ الفت و موت قائم کرنا، اور اس کو ہمیشہ باقی رکھنا ضروری ہوا کیونکہ ہمارا ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ حاجتیں آوی پر ٹوٹ پڑتی ہیں، کوئی سخت بیماری آگھیرتی ہے یا ایسے حقوق لازم ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کے تعاون کے بغیر ان سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اور ایسی افتاد ہر کسی پر پڑ سکتی ہے، کوئی اس سے متشکی نہیں، اس لئے تعاون باہمی کی شکلیں ترقی یافتہ معاشرہ کی بنیادی ضرورت بن گئیں۔

اسی طرح مدد خواہوں کی مدد کے لئے اور مظلوموں کی اعانت کے لئے ایسے طریقے ہونے بھی ضروری ہیں جن کا ہر کسی سے مطالبہ کیا جاسکے، اور جو پیچھے ہے اس کو ملامت کی جاسکے۔

دو طرح کی حاجتیں: پھر انسانی حاجتیں دو طرح کی ہیں:

① نہایت اہم اور لمبی حاجتیں، جیسے بیوی کا نان و نفقہ، اولاد پر خرچ کرنا اور ان کی خبر گیری کرنا، ماں باپ پر خرچ کرنا اور ان کی خدمت گذاری۔ یہ حاجتیں اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں جب چار باتیں پائی جائیں۔

(۱) جب محتاج اور محتاج الیہ میں سے ہر ایک دوسرے کے نفع و ضرر کو اپنا نفع و ضرر سمجھے۔

(۲) جب ہر ایک دوسرے کی مدد کرنے میں انتہائی طاقت صرف کرے۔

(۳) جب ہر ایک دوسرے پر خرچ کرنے کو وا جب جائے۔

(۴) جب ہر ایک دوسرے کا وارث بنے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی کچھ حاجتیں نہایت اہم ہوتی ہیں اور وہ وقتی نہیں ہوتیں، بلکہ لمبے عرصہ تک ان حاجتوں میں تعاون ضروری ہوتا ہے، جیسے بیوی اس کی محتاج ہے کہ شوہر اس پر پوری زندگی خرچ کرے، شوہر اس کا محتاج

ہے کہ بیوی اس کی اولاد کی، پروان چڑھنے تک پرورش کرے اور تا زندگی اس کا گھر سنبھالے۔ اولاد اس کی محتاج ہے کہ پورے بچپن کے زمانہ میں ماں باپ ان کی دیکھ بھال کریں اور ان پر خرچ کریں۔ ماں باپ اس کے محتاج ہیں کہ پیری کے پورے زمانہ میں اولاد ان کا سہارا بنی رہے اور محتاجی کی صورت میں ان پر خرچ بھی کرے۔

یہ حاجتیں اہم ہونے کے ساتھ چونکہ لمبی ہیں اس لئے ان کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے کہ محتاج اور محتاج الیہ میں سے ہر ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان سمجھے۔ جب یہ تصور ہوگا تو جس طرح آدمی اپنی ذات پر لمبے عرصہ تک خرچ کرتا ہے، دوسروں پر بھی کرے گا، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ایک دوسرے کی مدد کرنے میں انتہائی طاقت صرف کرے، کیونکہ اس کے بغیر دوسرے کی لمبے عرصہ تک حاجت روائی ممکن نہیں۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس حاجت روائی کو شرعاً واجب سمجھے، کیونکہ لزوم شرعی کے تصور کے بغیر عمل دشوار ہوتا ہے۔ نیز توارث یعنی ایک دوسرے کا وارث ہونا بھی ضروری ہے، کیونکہ جب آج خرچ کیا ہے تو کل اس کا عوض بھی ملنا چاہئے۔ یہ کسی طرح قرین عقل نہیں کہ خرچ تو کوئی کرے اور مال کوئی لے اڑے۔ حدیث شریف میں ضابطہ کلیہ آیا ہے کہ الْمَغْنَمُ بِالْمَغْنَمِ یعنی نفع بعوض تادان ہے پس جس نے زندگی بھر خرچ کیا ہے اور ہر طرح دیکھ بھال اور خدمت کی ہے، میراث کا بھی وہی زیادہ حقدار ہے علاوہ ازیں انسان بامید نفع کام کرنے کا عادی ہے۔ پس وہ میراث کی لالچ میں حاجت روائی کے لئے تیار رہے گا ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ﴾ (البقرہ ۲۳۳) میں اس طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس پہلی قسم کی حاجتیں ایسی چیزوں ہی سے تکمیل پذیر ہو سکتی ہیں جو جائین سے لازم ہوں۔ اور اس درجے کے اقرباء زیادہ سزاوار ہیں یعنی انہی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی یہ حاجتیں پوری کریں، کیونکہ ان کا ایک دوسرے سے محبت کرنا اور ان کی باہمی صحبت و رفاقت فطری امر کی طرح ہے، اس لئے وہ لمبے عرصہ تک ایک دوسرے کی حاجتیں خوش دلی کے ساتھ پوری کر سکتے ہیں، دوسرے لوگوں کے لئے یہ بات دشوار ہے۔

(۲) ملکی اور وقتی حاجتیں: یہ ہر کوئی پوری کر سکتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں اہل مصائب کی ہمدردی کے لئے کوئی مسئلہ طریقتہ ہو، امداد باہمی کے ادارے ہوں، جو یہ کام انجام دیں۔

اور بوقت تعارض صلہ رحمی زیادہ مؤکداً اور مقدم ہے مثلاً ایک شخص کے پاس سو روپے ہیں، جس کی اس کو بال بچوں کے خرچ کے لئے ضرورت ہے اب ایک حاجت مند تعاون کا طالب ہوتا ہے، تو حاجت مند سے مؤکداً اور مقدم اولاد دے۔

وكان يتفق كثيراً أن تقع على الإنسان حاجات وعاهات: من مرض، وزمانة، ونحوه حق عليه، وحوادث يضعف عن إصلاح أمره معها إلا بمعاونة بني جنسه، وكان الناس فيها سواسية، فاحتاجوا إلى إقامة ألفه بينهم وإدامتها، وأن تكون لإغاثة المستغيث، وإعانة الملهوف سنة بينهم، يطالبون بها، ويلامون عليها.

ولما كانت الحاجات على حدّين:

حدّ لا يتم إلا بأن يُعَدَّ كُلُّ واحد ضرراً الآخر ونفعه راجعاً إلى نفسه، ولا يتم إلا ببذل كل واحد الطاقه في موالاة الآخر، ووجوب الإنفاق عليه، والتوارث؛ وبالجملة: فبأمور تلزمهم من الجانبين، ليكون الغنم بالغرم؛ وكان ألبق الناس بهذا الحد الأقارب، لأن تحاببتهم واصطحابهم كالأمر الطبيعي.

وحد ينشأ بأقل من ذلك، فوجب أن نكون مواساة أهل العاهات سنة مسلمة بين الناس، وأن تكون صلة الرحم أوكد وأشدّ من ذلك كلّهُ.

ترجمہ: اور ہا ہا ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ انسان پر حاجتیں اور آفتیں آن پڑتی ہیں، جیسے بیماری، لُٹپا پن یا کسی ایسے حق یا حاجتوں کا اس کی طرف متوجہ ہونا کہ شخص اُن حقوق و حاجات کے ساتھ، دوسروں کی دیکھ بھری کے بغیر، اپنے معاملہ کو سنوارنے میں کمزور پڑ جائے۔ اور لوگ حاجات میں یکساں تھے، پس لوگوں کو آپس میں رشیر الفت قائم کرنے کی، اور اس کو ہمیشہ باقی رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور یہ بھی ضروری ہوا کہ مدد خواہوں کی امداد کے لئے اور مظلوم کی اعانت کے لئے لوگوں میں کوئی ایسا طریقہ ہو، جس کا ہر ایک سے مطالبہ کیا جائے۔ اور اس کے ترک پر وہ شخص ملامت کیا جائے۔

اور جب انسانی ضرورتوں کے دودر ہے تھے:

ایک درجہ: وہ ہے جس کی تکمیل بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ہر انسان دوسرے کے نفع و ضرر کو اپنا نفع و نقصان تصور کرے۔ اور یہ بات بدوں اس کے مکمل نہیں ہو سکتی کہ ہر ایک دوسرے کی مدد کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرے، اور دوسرے پر خرچ کرنے کو اور ایک دوسرے کے وارث ہونے کو واجب جانے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اس درجہ کی تکمیل ایسی چیزوں سے ہو سکتی ہے جو لوگوں پر جائین سے لازم ہوں تاکہ نفع بعض نقصان ہو جائے۔ اور اس درجہ کے زیادہ سر اور رشتہ دار ہیں، اس لئے کہ ان کا ایک دوسرے سے محبت کرنا اور ان کی باہم رفاقت فطری چیز تھی ہے۔

اور دوسرا درجہ: وہ ہے جو اس سے کم میں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ لوگوں میں اہل مصائب کی ہمدردی ایک مسلمہ طریقہ ہو۔ اور یہ (بھی ضروری ہوا) کہ صلہ رحمی ان سب سے زیادہ مؤکداور زیادہ مضبوط ہو۔

لغات:

الْوَمَانَةُ: آفت، لُٹپا پن..... بنی جنسہ سے مراد بنی نوع ہیں یعنی انسان مراد ہیں، حیوانات مراد نہیں ہیں.....
اغاثہ اغاثۃ: مدد کرنا المستغیت: مدد طلب کرنے والا..... الْمَلْهُوف: مظلوم، غمگین لہف (س) لَهْفًا علی ما فات: غمگین ہونا لَهْف لَهْفًا: غم کیا جانا..... والی موالاة الرجل: مدد کرنا..... فبأمور متعلق ہے لایتم سے..... الغنم:

فیست، فائدہ..... الغرم: تاوان، وہ مال جس کا ادا کرنا ضروری ہو۔

فن کے مسائل

اس فن کے بڑے مسائل ہیں جو عبارت کے ترجمہ سے سمجھ میں آجائیں گے۔ ان میں سے ہر مسئلہ ایک پورا باب ہے۔ اور ان ابواب کی بنیادی باتوں کو دنیا کی تمام اقوام تسلیم کرتی ہے، اور ان کو رد و عمل لانے کی کوشش کرتی ہیں، خواہ ان کا کوئی بھی مذہب ہو اور خواہ وہ کسی ملک کے باشندے ہوں۔

وَمُعْظَمُ مَسَائِلِ هَذَا الْفَنِّ: مَعْرِفَةُ الْأَسْبَابِ الْمُنْفِضَةِ لِلزَّوْجِ وَتَرْكُهُ، وَسُنَّةُ الزَّوْاجِ، وَصِفَةُ الزَّوْجِ وَالزَّوْجَةِ، وَمَا عَلَى الزَّوْجِ: مِنْ حَسَنِ الْمَعَاشَرَةِ وَصِيَانَةِ الْحَرَمِ عَنِ الْفَوَاحِشِ وَالْعَارِ، وَمَا عَلَى الْمَرْأَةِ: مِنَ التَّعَفُّفِ وَطَاعَةِ الزَّوْجِ وَبَذْلِ الطَّاقَةِ فِي مَصَالِحِ الْمَنْزِلِ، وَكَيْفِيَّةُ صَلَاحِ الْمُتَنَاسِلِينَ، وَسُنَّةُ الطَّلَاقِ، وَإِحْدَاثُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجَهَا، وَحِضَانَةُ الْأَوْلَادِ، وَبُرُّ الْوَالِدَيْنِ، وَسِبَاسَةُ الْمَمَالِكِ وَالْإِحْسَانُ إِلَيْهِمْ، وَقِيَامُ الْمَمَالِكِ بِخِدْمَةِ الْمُوَلِيِّ، وَسُنَّةُ الْإِعْتِقَاقِ، وَصَلَةُ الْأَرْحَامِ وَالْجِيرَانِ، وَالْقِيَامُ بِمُوسَاةَ فَقَرَاءِ الْبَلَدِ، وَالتَّعَاوُنُ فِي دَفْعِ عَاهَاتِ طَارِئَةٍ عَلَيْهِمْ، وَأَدَبُ نَقِيبِ الْقَبِيلَةِ، وَتَعَهُدُهُ حَالَهُمْ، وَقِسْمَةُ التَّرِكَاتِ بَيْنَ الْوَرَثَةِ، وَالْمَحَافِظَةُ عَلَى الْأَسْبَابِ وَالْإِحْسَابِ.

فلن تجد أمة من الناس إلا وهم يعتقدون أصول هذه الأبواب، ويجتهدون في إقامتها على اختلاف أديانهم، وتبادل بلدانهم، والله أعلم.

ترجمہ: اور اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں: ۱- ان اسباب کو جاننا جو ازدواجی تعلق کو قائم کرنے یا ترک کرنے کے منتفی ہوتے ہیں ۲- نکاح کا طریقہ ۳- زوجین کے اوصاف یعنی شوہر کیسا ہونا چاہئے اور بیوی کیسی ہونی چاہئے؟ ۴- شوہر کے فرائض جیسے حسن معاشرت، بیوی کی فواحش اور ننگ و عار کی باتوں سے حفاظت ۵- عورت کے فرائض، جیسے پاکدامنی، شوہر کی فرماں برداری اور گھر کے مفادات میں پوری کوشش خرچ کرنا ۶- زوجین میں کشیدگی کی صورت میں مصالحت کا طریقہ ۷- طلاق دینے کا طریقہ ۸- خاوند کے مرنے کے بعد بیوی کا سوگ کرنا ۹- اولاد کی پرورش ۱۰- ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ۱۱- غلاموں اور مائتوں (نوکروں) کا نظم و انتظام اور ان کے ساتھ حسن سلوک ۱۲- غلاموں کا اپنے آقا کی خدمت کے لئے آمادہ رہنا ۱۳- غلاموں کو آزاد کرنے کا طریقہ ۱۴- رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا ۱۵- شہر کے غریبوں کی غم خواری کے لئے آمادگی ۱۶- لوگوں پر

ٹوٹ پڑنے والے مصائب کو ہٹانے کے لئے تعاون باہمی ۱۷۔ قبیلہ کے سردار کا احترام ۱۸۔ سردار قبیلہ کا لوگوں کی خبر گیری کرنا ۱۹۔ ورنہ کے درمیان ترک کی تقسیم ۲۰۔ حسب (خاندانی خوہوں) اور نسب کی حفاظت۔
پس لوگوں میں کوئی قوم آپ کو ایسی نہیں ملے گی، مگر وہ ان ابواب کی بنیادی باتوں کو ماننی ہوگی، اور ان کو رو بعل ل لانے کی کوشش کرتی ہوگی، ان کے مذاہب کے اختلاف اور ان کی آباویوں کے دوردراز ہونے کے باوجود۔ باقی اللہ بہتر جانتے ہیں۔

باب — ۵

فن معاملات کا بیان

یہ ارتفاق ثانی کا تیسرا اور آخری باب ہے۔ فن معاملات حکمت عملیہ کی ایک قسم ہے۔ فن معاملات: وہ علم ہے جس میں ترقی یافتہ تمدن میں متبادلہ اشیاء، تعاون باہمی اور ذرائع معاش کو جوہد پزیر کرنے کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ ذیل میں ان تینوں باتوں کی تفصیل ہے، پہلے متبادلہ اشیاء کا بیان ہے، پھر ذرائع معاش کا، پھر تعاون باہمی کی شکلوں کا۔

پہلی بات: متبادلہ اشیاء

مبادلہ: یعنی چیزوں کو چیزوں سے بدلنے کا رواج کیسے ہوا؟ اس کا رواج اس طرح ہوا کہ جب تمدن نے ترقی کی تو بے شمار ضرورتیں پیدا ہوئیں اور ہر ضرورت کی خاطر خواہ تکمیل بھی مطلوب ہوئی۔ مگر جب ایک شخص اپنی تمام ضرورتیں بہتر طریقے سے پوری نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ کسی کے پاس کھانے کا ذخیرہ موجود تھا تو پانی نہیں تھا، اور دوسرے کی صورت حال اس کے برعکس تھی۔ اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کو وہ چیز میسر آئے جو دوسرے کے پاس ہے۔ مگر اس کی کوئی صورت مبادلہ کے علاوہ نہیں تھی۔ اس طرح لوگوں میں متبادلہ اشیاء کا رواج چل پڑا۔ اور لوگوں نے طے کر لیا کہ ہر شخص کوئی ایک کام پکڑے، اور اس کو شاندار سے شاندار طریقہ پر انجام دے، اور اپنی باقی ضرورتیں مبادلہ کے ذریعہ پوری کرے۔

کرنی کا رواج کیسے پڑا؟ اس کا رواج اس طرح چلا کہ جب شخص نے ایک دھندا پکڑ لیا، اور اس نے اپنی مصنوعات تیار کیں۔ مثلاً کپڑا تیار کیا، مگر جب اس نے کپڑے کا اشیاء خوردنی سے متبادلہ کرنا چاہا، تو غلہ والا تیار نہیں ہوا، کیونکہ اس کو فی الحال کپڑے کی ضرورت نہیں، مکان بنانے کے لئے اینٹوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح غلہ والے نے گھوٹوں کا کپڑے سے متبادلہ کرنا چاہا، مگر کپڑے والا تیار نہیں ہوا، کیونکہ اس کو فی الحال گیہوں کی حاجت نہیں۔ اس دشواری کو حل کرنے کے لئے لوگوں نے سوچا کہ مبادلہ (چیزوں کو چیزوں سے بدلنے) میں کوئی واسطہ رکھا جائے، جس سے یہ دشواری حل ہو جائے، اُسی واسطہ کا نام کرنسی ہے اب کپڑے والا اپنا مال کرنسی میں فروخت کرتا ہے اور کرنسی وقت

ضرورت کے لئے محفوظ رکھ لیتا ہے۔ پھر جب بھی اس کو تلہ ترکاری کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس کرنسی سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ اسی طرح غلہ والے بھی اپنا اناج کرنسی میں بیچ دیتا ہے اور اس سے تمام حاجتیں پوری کرتا ہے۔ کرنسی کس چیز کی ہونی چاہئے؟ سونا چاندی تو ”مثنیٰ“ ہیں اور دوسری چیزیں لوگوں کے اتفاق سے یا حکومتوں کے پٹکن دینے سے کرنسی بنتی ہیں۔ سونے چاندی میں چار خوبیاں ہیں:

- ۱- وہ وزنی دھاتیں ہیں۔ سونا ہم مقدار پانی سے ۱۹ گنا بھاری ہے، اور چاندی ۱۱ گنا۔ اس لئے ان کو رکھنے میں سہولت ہے، وہ جگہ کم گھیرتے ہیں، اور پائینیم اگرچہ ۲۲ گنا بھاری ہے مگر وہ بہت ہی کمیاب دھات ہے۔
- ۲- سونے چاندی کے افراد یکساں ہوتے ہیں یعنی ان میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔ تفاوت اس وقت ہوتا ہے جب ان میں کھوت (دوسری دھات) ملتا ہے۔ اس لئے سونے چاندی کو کرنسی بنانے میں دھوکہ کم ہے۔
- ۳- سونا چاندی کھائے جاتے ہیں۔ زرکوب ان کو کوٹ کر ورق بناتے ہیں، جو طوایات اور تقویات میں پڑتے ہیں۔ اس لئے اگر کرنسی پڑی بھی رہی تو کھالی جائے گی۔

۴- سونے چاندی کے زیورات بنتے ہیں۔ اور یہ بھی ان کا نہایت اہم استعمال ہے۔

ماوہ ازیں سونے چاندی کا طبع بھی خوب ہوتا ہے، ان کو رنگ بھی نہیں لگتا۔ یہ بہت سخت بھی نہیں، ان کا مزاج نرمی اور نرمی میں معتدل ہے، اس وجہ سے ان پر ٹھیکہ خوب پڑتا ہے اور یہ اجلی اور اصل دھاتیں ہیں اور باقی رذیل دھاتیں ہیں، اس لئے یہ فطری طور پر شہن قرار پائیں یعنی گویا قدرت نے ان کو پیدا ہی کرنسی بننے کے لئے کیا ہے۔ آج بینک نوٹ کے زمانہ میں بھی ان کی اہمیت نہیں گھٹی، کاغذی کرنسی کا معیار سونا چاندی ہی ہیں۔ اور باقی چیزیں جیسے تانبا، پتیل اور کاغذ وغیرہ مصنوعی کرنسی ہیں، جب تک چلن ہے کرنسی میں اور جب چلن بند ہو جائے تو ان کی حیثیت ٹھپ ہو جاتی ہے۔

﴿باب فن المعاملات﴾

وهو الحکمة الباحثة عن كيفية إقامة المبادلات، والمعاونات، والأكساب على الارتفاق الثاني. والأصل في ذلك: أنه لما ازدحمت الحاجات، وطلب الإتيان فيها، وأن تكون على وجه ينقذ به الأغنياء، وتلذ به الأفسس: تعدل إقامتها من كل واحد؛ وكان بعضهم وجد طعاما فاضلا عن حاجته ولم يجد ماء، وبعضهم ماء فاضلا ولم يجد طعاما، فرغب كل واحد فيما عند الآخر، فلم يجدوا سبيلا إلا المبادلة، فوقع تلك المبادلة بموقع من حاجتهم، فاصطلحوا بالضرورة على أن يقبل كل واحد على إقامة حاجة واحدة، وإتقانها، والسمي في جميع أدائها، ويجعلها ذريعة إلى سائر الحوائج بواسطة المبادلات، وصارت تلك سنة مسلمة عندهم.

ولما كان كثير من الناس يرغب في شيء، وعن شيء، فلا يجد من يُعامله في تلك الحالة؛ اضطروا إلى تَقْدِيمَةِ وَتَهْنِئَةٍ، واندفعوا إلى الاصطلاح على جواهر معدنية تبقى زماناً طويلاً: أن تكون المعاملة بها أمراً مسلماً عندهم.

وكان الأليق من بينها الذهب والفضة، لِصَغَرِ حَاجَتِهِمَا، وَنَمَائِلِ أَفْرَادِهِمَا، وَعَظَمِ نفعِهِمَا في بدن الإنسان، وَلِتَأْتِيَ النجمل بهما، فكانا نقدين بالطبع، وكان غيرهما نقداً بالاصطلاح.

ترجمہ: فن معاملات کا بیان: وہ کمات: وہ حکمت ہے جو اتفاق ثانی (شہری زندگی) میں جواہر اشیاء، تعاون باہمی، اور ذرائع معاش کو ہر پا کرنے کے طریقوں سے بحث کرتی ہے۔ اور اس بارے میں (یعنی تینوں چیزوں کے بارے میں) اصل یہ ہے کہ جب ضروریات کی کثرت ہوئی، اور ان میں محتاجی مطلوب ہوئی۔ اور یہ (بھی مطلوب ہوا) کہ ان کی تحصیل اس طرح ہو کہ اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دل مسرور ہوں، تو ہر ایک کے لئے تنہا ان کی انجام دہی مشکل نظر آئی۔ اور بعض کے پاس ضرورت سے زائد کھانا تھا، مگر پانی نہیں تھا۔ اور بعض کے پاس زائد پانی تھا، مگر کھانا نہیں تھا، تو ہر ایک کی خواہش ہوئی کہ دوسرے کے پاس جو چیز موجود ہے، وہ اُسے بھی ملے، پس لوگوں کو تبادلہ کے علاوہ کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ پس یہ تبادلہ اُن کو رفع حاجت کے لئے بہت ہی پسند آیا۔ پس ضرورت کی وجہ سے لوگوں نے اتفاق کر لیا کہ ہر شخص ایک حاجت کے سرانجام دینے کی طرف، اور اس کو خوب مستحکم کرنے کی طرف، اور اس کے تمام وسائل مہیا کرنے کی طرف متوجہ ہو، اور اس کو یواسطہ مبادلہ اپنی تمام حاجات کی تکمیل کا ذریعہ بنائے۔ اور یہ چیز لوگوں کی نظر میں ایک ”مسلمہ طریقہ“ بن گئی۔

اور جب بہت سے لوگوں کو ایک چیز پسند تھی (یعنی اس کی ضرورت تھی) اور دوسری چیز ناپسند تھی (یعنی اس کی ضرورت نہیں تھی) پس اس کو ایسا کوئی شخص نہیں ملتا تھا جو اس سے اس حالت میں معاملہ کرے، تو لوگ پیش بندی اور پہلے سے تیار کرنے کی طرف مجبور ہوئے۔ اور ایسی دھاتوں پر اتفاق کرنے کی طرف جمل پڑے جو مدت طویل تک باقی رہتی ہوں، کہ ان دھاتوں سے معاملہ کرنا ان کے نزدیک ایک مسلمہ چیز ہو جائے۔

اور ان دھاتوں میں سے زیادہ موزون سونا اور چاندی تھے، کیونکہ ان کا خنجم چھوٹا اور افراد یکساں تھے اور وہ بدن انسانی کے لئے بے حد نافع ہیں، اور اس لئے کہ ان سے زینت حاصل ہوتی ہے، پس یہ دونوں دھاتیں خلقی شمن قرار پائیں، اور ان کے علاوہ دھاتیں اتفاق کرنے سے شمن ہوئیں۔

لغات:

قَدَم تقدمہ: آگے کرنا، پہلے کرنا..... هَبَاة تَهْنِئَة: تیار کرنا، پیش کرنا، درست کرنا یعنی مبادلہ کے لئے تیاری کر لی جائے

اور کوئی چیز آگے کر دی جائے تاکہ بوقت ضرورت اس کے ذریعہ مبادلہ کیا جاسکے، اسی کو ہم نے ”واسطہ“ سے تعبیر کیا ہے
 زغب فیہ زغبہ کرنا۔ خواہش کرنا۔ زغب عنہ: اعراض کرنا۔ اِنْدَفَع إِلَیْہ: ب جانا، چل پڑنا۔
 ترکیب: اضطر و اجزاء ہے لہذا کان کثیر کی اُن نِکون المعاملۃ بَدَل ہے جو اہر سے۔

دوسری بات: ذرائع معاش

ذرائع معاش دو طرح کے ہیں: اصلی اور فرعی۔ اصلی ذرائع معاش چار ہیں:

- (۱) کاشتکاری (باغبانی اس میں شامل ہے)
 - (۲) گلہ بانی یعنی مویشی: اونٹ، گائے، بھینسیں اور بھینز بکریاں پالنا، اور ان کے دودھ اور نسل سے فائدہ اٹھانا۔
 - (۳) خنکی اور تری میں سے مباح اموال جمع کرنا اور خود ان سے یا ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے فائدہ اٹھانا، خواہ وہ اموال از قبیل معدنیات ہوں، یا نباتات یا حیوانات۔
 - (۴) کارگیریاں، جیسے بڑھئی کا پیشہ، لوہاری، پارچہ بانی اور ان کے علاوہ وہ پیشے جو دھاتوں کو ایسا بنادیتے ہیں کہ ان سے مطلوب منفعت حاصل ہوتی ہے، جیسے سناری ظروف سازی وغیرہ۔
- اور فروچی پیشے بے شمار ہیں، چند درج ذیل ہیں:
- (۱) تجارت۔ حدیث شریف میں سچے دیانتدار تاجر کی بڑی فضیلت آئی ہے۔
 - (۲) ملکی مصالح کی انجام دہی یعنی سرکاری ملازمتیں۔
 - (۳) انسانی ضروریات میں سے کسی بھی ضرورت کی تکمیل کو ذریعہ معاش بنانا۔
 - (۴) جب لوگوں میں نزاکت آتی ہے اور وہ ہمیشہ پسند اور آسودگی کے طالب ہوتے ہیں تو طرح طرح کے ذرائع معاش وجود میں آتے ہیں۔

یہ بات کہ کس کے لئے کونسا پیشہ مناسب ہے؟ تو جانتا چاہئے کہ ہر شخص دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے پیش نظر کسی پیشے کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے۔ وہ دو چیزیں یہ ہیں:

- (۱) صلاحیتوں کے لحاظ سے کام سونپنا چاہئے جیسے بہادر آدمی جنگ اور فوج کے لئے موزوں ہے۔ ذہین مشبوط حافظہ کا آدمی حساب (Account) کے لئے مناسب ہے۔ طاقت ور آدمی بار برداری اور مشقت کے کاموں کے لئے بہتر ہے۔

(۲) جس کو جس پیشہ کا موقع مل جائے وہی اس کے لئے مناسب ہے۔ مثلاً لوہار کے لڑکے اور ہمسایے کے لئے لوہاری کا پیشہ جس قدر آسان ہے دوسرا کوئی پیشہ آسان نہیں، اور ان دونوں کے علاوہ کے لئے لوہاری کا پیشہ بہت مشکل

پیشہ ہے۔ اسی طرح ساحل سمندر کے باشندوں کے لئے مچھلیاں شکار کرنا آسان ہے، کوئی دوسرا کام ان کے لئے آسان نہیں۔ اور ساحل سے دور رہنے والوں کے لئے مائی گیری کا پیشہ مشکل پیشہ ہے ان کا پانی میں اترتے ہی دم ہوا ہو جاتا ہے۔

مضر پیشہ: کچھ لوگوں کو پیٹ پالنے کے لئے کوئی اچھا پیشہ نہیں ملتا، وہ لوگ ملک کو نقصان پہنچانے والے پیشہ اختیار کرتے ہیں، جیسے چوری، جوا اور بھیک مانگنا۔

نوٹ: مبادلہ اگر چیز کا چیز کے ساتھ ہو تو اس کا نام بیع (خرید و فروخت) ہے، اور اگر چیز کا منفعت کے ساتھ ہو تو اس کا نام اجارہ (مزوری) ہے۔

وأصول المكاسب: الزرع، والرَّغْيُ، والنَّقَاطُ الأموالِ المباحة من البر والبحر: من المعدن والنبات والحيوان، والصناعات: من نجارة، وحداثة، وحياكة، وغيرها، مما هو من جعل الجواهر الطبيعية بحيث يتأتى منها الارتفاق المطلوب؛ ثم صارت التجارة كسباً؛ ثم صار القيام بمصالح المدينة كسباً؛ ثم صار الإقبال على كل ما يحتاج الناس إليه كسباً؛ وكلما رُقِبَت النفوس، وأمعِنَت في حب اللذة والرَّفاة، تَفَرَّغَتْ حواشي المكاسب. واختصَّ كُلُّ رجلٍ بكسب لأحدِ شئين:

[۱] مناسبة القوى: فالرجل الشجاع يناسب الغزو، والكئيس الحافظ يناسب الحساب، وقوى البطش يناسب حمل الأثقال وشاق الأعمال.

[۲] واتفاقات توجد: فولدُ الحداد وجارهُ يتيسر له من صناعة الحدادة ما لا يتيسر له من غيرها، ولا لغيره منها؛ وقاطنُ ساحل البحر يتأتى منه صيدُ الحيتان، دون غيره، ودون غيرها؛ وبقيت نفوسٌ أَعْيَتْ بهم المذاهبُ الصالحة، فانسَحَدُوا إلى أكسابِ ضارَّةٍ بالمدينة، كالسِّقَّةِ والقمار، والتَّكْدِي.

والمبادلة: إما عين بعين، وهو البيع، أو عين بمنفعة، وهي الإجارة.

ترجمہ: اور بنیادی پیشے ہیں: کھیتی باڑی، گدہ بانی، جنگلی اور تری سے مباح اموال چننا (جمع کرنا) خواہ وہ معدنیات میں سے ہوں یا نباتات، یا حیوانات میں سے، اور کارگریاں، جیسے بڑھئی کا پیشہ، آگگری، پارچہ بانی، اور ان کے علاوہ ان پیشوں میں سے جو مادی دھاتوں کو ایسا بناتے ہیں کہ ان سے مطلوبہ منفعت حاصل ہوتی ہے۔ پھر تجارت پیشہ بن گئی، پھر ملکی مصالح کی انجام دہی پیشہ بن گئی، پھر حوائج انسانی میں سے کسی بھی چیز کی طرف متوجہ ہونا پیشہ بن گیا۔ اور

جوں جوں نفوس پتے بھرتے ہیں (یعنی نزاکت آتی ہے) اور نفوس لذت اور آسودگی کی محبت میں گہرے اترتے ہیں تو پیشوں کے تعلقات پھوٹتے ہیں (اور قسم قسم کے ذیلی پیشے وجود میں آتے ہیں)

اور ہر آدمی دو چیزوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے کسی پیشے کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے:

۱- صلاحیتوں کے لحاظ سے: جیسے بہادر آدمی جنگ کے لئے موزوں ہے، اور ذہین مضبوط حافظہ کا آدمی حساب کے لئے مناسب ہے، اور طاقت ور آدمی بار برداری اور مشقت کے کاموں کے لئے موزوں ہے۔

۲- اور اتفاق ہونا (یعنی موقع ملنا) جیسے لوہار کے لڑکے اور اس کے ہمسایے کے لئے لوہاری کا پیشہ جس قدر آسان ہے، دوسرا کوئی پیشہ اتنا آسان نہیں، اور اس کے علاوہ کے لئے لوہاری آسان نہیں۔ اور ساحل سمندر کا باشندہ مچھلیاں شکار کر سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی یہ کام نہیں کر سکتا، اور وہ اس کام کے علاوہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔

اور رہ گئے کچھ لوگ جن کو اچھی راہوں نے تھکا دیا (یعنی وہ کمائی کی اچھی راہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے) پس وہ ملک کو نقصان پہنچانے والے پیشوں کی طرف اتر پڑے، جیسے چوری، جوا، بھیک مانگنا۔

اور تبادلہ یا تو چیز کا چیز سے ہوگا اور وہ بیع ہے، یا چیز کا منفعت (نفع) سے ہوگا، اور وہ اجارہ ہے۔

لغات:

المکاسب جمع ہے المکسب کی، بمعنی کمائی، پیشہ..... من البر متعلق ہے النقاط سے اور من المعدن محذوف سے متعلق ہو کر الاصول کی صفت ہے..... جملہ توجہ صفت کا شفعہ ہے اتفاقات کی..... انحصار بستی کی طرف اترنا..... دون غیرہ کی ضمیر قاطن کی طرف لوتی ہے یعنی جو ساحل سمندر پر نہیں رہتا وہ مانی گیری کا کام نہیں کر سکتا دون غیرہ کی ضمیر صید (مصدر بمعنی شکار کرنا) کی طرف لوتی ہے یعنی ساحل سمندر کا باشندہ مانی گیری کے علاوہ کوئی کام نہیں کر سکتا اور صید الحینان بناوئل صناعة ہے اس لئے مؤنث کی ضمیر لوٹائی ہے یا مضاف نے مضاف الیہ سے تائید کا استفادہ کیا ہے واللہ اعلم۔

تیسری بات: تعاون باہمی

شہر (یعنی معاشرہ) کی درنگی کے لئے شہریوں میں الفت و مودت ضروری ہے۔ اور مودت بلا معاوضہ دینے پر مجبور کرتی ہے، یا موقوف ہوتی ہے۔ موطا ملک وغیرہ میں حدیث ہے کہ نَهَادُوا تَحَابُّوْا، وَتَذْهَبَ الشَّخْصَاءُ، ایک دوسرے کو بدیدہ دوس میں محبت کرنے لگو گے اور بغض و کینہ ختم ہو جائے گا (ترغیب ۳: ۴۴) اس طرح ہمد اور عاریت (برتنے کے لئے کوئی چیز دینے) کی شکلیں نکل آئیں۔ نیز الفت و مودت کے لئے غریبوں کی غم خواری بھی ضروری ہے اس لئے صدقہ و خیرات کا رواج ہو گیا۔

اور تمام انسان یکساں نہیں ہوتے: کوئی احمق ہوتا ہے، کوئی کارگر ار، کوئی مفلس ہوتا ہے، کوئی تو گھر، کوئی ردی کاموں سے باز رہنے والا ہوتا ہے کوئی عاقل کرنے والا، جیسے کمانا یعنی نئی صاف کرنا، کوئی مشاغل میں دبا ہوا ہوتا ہے کوئی فارغ البال، اس لئے ہر ایک کا کاروبار دوسرے کی معاونت کے بغیر تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا۔ اور باہمی تعاون کے لئے معاملہ کرنا، دفعات طے کرنا اور کسی طریقہ پر اتفاق کرنا ضروری ہے، اس طرح حرارت، مضاربت، اجارہ، شرکت اور وکالت کی صورتیں پیدا ہوئیں اور بعض ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں کہ قرض لینے کی اور امانت رکھنے کی نوبت آتی ہے اور تجربہ سے لوگوں میں خیانت، حق کا انکار، اور نادہنگی ثابت ہے اس لئے معاملات میں گواہ بنانا، دستاویزات لکھنا، گروی رکھنا، ضامن لینا اور حوالہ کرنا ضروری ہوا۔

اور جوں جوں لوگوں میں خوش حالی آتی ہے، تعاون باہمی کی نئی نئی شکلیں وجود میں آتی ہیں اور مذکورہ تمام معاملات پر ساری دنیا کے لوگ متفق ہیں، لوگوں کی تمام جماعتیں ان پر عمل پیرا ہیں اور عدل و انصاف کیا ہے اور ظلم و ستم کیا ہے، اس کو کبھی لوگ جانتے ہیں باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

ولما كان انتظام المدينة لا يتم إلا بإنشاء ألفة ومحبة بينهم، وكانت الألفة كثيرًا مانقضى إلى بذل المحتاج إليه بلا بدل، أو تتوقف عليه: انشعبت الهبة، والعارية؛ ولا يتم أيضًا إلا بمواساة الفقراء: انشعبت الصدقة.

وأوجبت المَعْدَّاتُ: أن يكون منهم الأخرق، والكافي، والمُثْلِق، والمُثْرَى، والمستنكف عن الأعمال الخسيسة، وغير المستنكف، والذي ازدحم عليه الحاجات، والمفرغ: فكان معاش كل واحد لا يتم إلا بمعاونة آخر، ولا معاونة إلا بعقد، وشروط، واصطلاح على سنة: فانشعبت المزارعة، والمضاربة، والإجارة، والشركة، والتوكيل؛ ووقعت حاجات تسوق إلى مُدَايِنَةٍ، ووديعَةٍ، وجَرَبُوا الخيانة، والجحود، والمطل، فاضطروا إلى إسهاد وكتابة وشائق، ودرهن، وكفالة، وحوالة؛ وكلما ترقّلت النفوس انشعبت أنواع المعاونات؛ ولن تجد أمم من الناس إلا ويباشرون هذه المعاملات، ويعرفون العدل من الظلم، والله أعلم.

ترجمہ: اور جب شہر کی درگئی شہریوں میں الفت و محبت پیدا کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اور بار بار الفت ضرورت کی چیزیں بلا معاوضہ خرچ کرنے تک پہنچاتی ہے، یا الفت بلا معاوضہ دینے پر موقوف ہوتی ہے، تو جبہ اور عاریت پھوٹ نکلتے، نیز الفت غرباء کی غم خواری کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تو صدقہ و خیرات نکل آئے۔

اور گذشتہ اسباب نے واجب کیا کہ لوگوں میں احمق، کارگر ار، مفلس، تو گھر، ردی کاموں سے باز رہنے والا، اور عار

نہ کرنے والا اور وہ جس پر ضرورتوں کا هجوم ہے اور فارغ البال ہوں، پس ہر ایک کی معیشت دوسرے کی معاونت کے بغیر مکمل پذیر نہیں ہو سکتی تھی، اور معاونت کے لئے عقد، شرطیں اور کسی طریقہ پر اتفاق ضروری تھا تو مزارعت، مضاربہ، اجارہ، شرکت اور توکیل (وکیل بنانے) کی صورتیں پیدا ہوئیں۔ اور کچھ ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں جو قرض لینے اور امانت رکھنے کی طرف ہانکتی ہیں۔ اور لوگوں نے خیانت، حق کا انکار، نال مثل کا تجربہ کیا تو لوگ گواہ بنانے، دستاویزات لکھنے، گروہی رکھنے، ضامن بنانے اور حوالہ کرنے کی طرف مجبور ہوئے۔ اور جوں جوں لوگ خوش حال ہوتے ہیں، تعاون باہمی کی نئی نئی شکلیں نکلتی ہیں۔ اور آپ لوگوں میں سے کسی گروہ کو نہیں پائیں گے مگر وہ ان معاملات پر عمل پیرا ہوں گے، اور وہ عدل کیا ہے اور ظلم کیا ہے اس کو جانتے ہوں گے، واللہ اعلم۔

لغات: اِنْتَظَمَ الامرُ: درست ہونا۔ المحتاج اليه: وہ چیز جس کی احتیاج ہے یعنی ضرورت۔ الْمُعْدَاتُ کی تشریح بحث اول باب (۱۱) میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔ یہاں مراد گذشتہ اسباب ہیں جو موجودہ حالت کا باعث بنے ہیں۔

باب ۶۔۔۔

نظام حکومت کا بیان

یہاں سے ارتفاق ثالث (نظام حکومت) کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اور یہ بیان بھی تین بابوں میں ہے۔ سیاست المدینہ: (نظام حکومت) وہ فن ہے جس میں ایک شہر یا ایک ملک کے لوگوں کے درمیان پائے جانے والے ربط و تعلق کو محفوظ رکھنے کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ سَاسُ الامرِ کے معنی ہیں انتظام کرنا اور سَاسُ القومِ کے معنی ہیں لوگوں کے امور کی تدبیر کرنا۔ اور مدینہ (شہر) سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں تعلقات پائے جاتے ہوں، جن میں باہم معاملات ہوتے ہوں اور جو جدا جدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں، خواہ ایک شہر اور ایک بستی میں رہتے ہوں یا مختلف بستیوں میں۔ پس ارتفاق ثالث نظام بلد یہ اور نظام مملکت دونوں کو شامل ہے۔

سربراہ مملکت کی ضرورت

دوجہ سے مملکت کے لئے سربراہ ضروری ہے:

(۱) مملکت کو اختلال سے بچانے کے لئے، اس کے امراض کا علاج کرنے کے لئے اور اس کی تندرستی کی حفاظت کرنے کے لئے سربراہ ضروری ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مملکت کے لوگوں میں باہم ارتباط ہوتا ہے، اس لئے وہ ایک شخص حکمی (Legal Person) ہے، جو چند اجزاء اور ایک ہیئت ترکیبی سے مرکب ہے۔ اور ہر مرکب کے مادہ میں یا صورت میں خلل واقع ہو سکتا ہے، نیز

اس کو صحت بھی لاحق ہو سکتی ہے اور بیماری بھی۔ مثلاً زید شخص حقیقی ہے، اور مرکب ہے، بسیط نہیں اس کے حقیقی اجزاء عناصر راہ ہیں اور مجازی اجزاء ہاتھ پاؤں، سر، سینہ وغیرہ ہیں اور ایک اس کی مجموعی ہیئت ہے۔ پس اس کے حقیقی اجزاء میں اختلال پیدا ہو سکتا ہے، اور اس وقت اس کا صحیح مزاج باقی نہیں رہے گا، اور اسی کا نام بیماری ہے، اور صحیح مزاج کا نام تندرستی ہے، اسی طرح زید کی ہیئت کدائی میں بھی خلل پڑ سکتا ہے، ٹانگ ٹوٹ سکتی ہے، ہاتھ شل ہو سکتا ہے اور کچھ بھی نقصان ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مملکت کا معاملہ سمجھنا چاہئے۔ اہل مملکت میں پائے جانے والے روابط کی وجہ سے پورا ملک ایک وحدت (اکائی) ہے، جو چند اجزاء سے مرکب ہے۔ اور ہر مرکب کے مادہ میں یا صورت میں خلل واقع ہو سکتا ہے، یا اسے مرض لاحق ہو سکتا ہے اور مرض سے مراد یہ ہے کہ مملکت کے لئے کوئی ایسی حالت رونما ہو جائے، جو باعتبار نوع کے لئے اس کے لئے مناسب و موزون نہ ہو اور مملکت کی تندرستی ایسی حالت ہے جو اس کو شاندار اور خوبصورت بنائے۔

(۲) لوگوں کو انصاف کی راہ پر قائم رکھنے کے لئے بھی سربراہ کی ضرورت ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شہر اور مملکت میں لوگوں کا اجتماع عظیم ہوتا ہے، اس لئے یہ بات ممکن نہیں کہ سب لوگ ”انصاف کی راہ“ پر قائم رہیں، اور ”انصاف کی راہ“ اپنانے والوں پر تکبر کرنے کے لئے منصب کی ضرورت ہے۔ منصب کے بغیر روک ٹوک کرنے سے بڑے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں، اس لئے شہر اور ملک کا معاملہ ایسے شخص کے بغیر منظم نہیں ہو سکتا، جس کو اہل حل و عقد نے متفق ہو کر پختا ہوا اور اس کے پاس ملک کو سنبھالنے کے لئے عہدہ بھی ہوا اور شان و شوکت اور وہ بد یہ بھی ہو۔

فائدہ: اور اسی بحث کے باب اول کے آخر میں فائدہ (۴) میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ جو لوگ زیادہ خود غرض، بہت تیز مزاج اور خون ریزی میں دلیر اور غصہ میں آپے سے نکل جانے والے ہوتے ہیں ان کو سربراہ کی اور سیاست کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

﴿باب سياسة المدينة﴾

وهی الحکمة الباحثة عن کيفية حفظ الربط الواقع بين أهل المدينة؛ وأعني بالمدينة جماعةً متقاربةً تجرى بينهم المعاملات، ویكونون أهل منازل شتى.
والأصل فی ذلك: أن المدينة شخص واحد من جهة ذلك الربط، مرکب من أجزاء وهیئة اجتماعية؛ وكلُّ مرکب یمكن أن یلحقه خللٌ فی مادته أو صورته، ویلحقه مرضٌ — أعني حالة

بسیط میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ۱۲ مثلاً زید کا غیر معمولی موٹا ہو جانا، باعتبار نوع انسان کے مناسب نہیں گواہی اور گیندے کے تقابل سے ٹھیک ہے ۱۲

غیرها اَلیقُ بہ باعتبار نوعہ — وصحة: اى حالة نَحْسُنُهُ وَتَجْمَلُهُ.

ولما كانت المدينة ذات اجتماع عظيم، لا يمكن أن يتفق رأيهم جميعا على حفظ السنة العادلة، ولا أن يُنكر بعضهم على بعض من غير أن يُمناز بمنصب، إذ يُفصى ذلك إلى مقالات عريضة: لم ينتظم أمرها إلا برجل اصطلاح على طاعته جمهور أهل الحل والعقد، له أعران وشوكة، وكل من كان أشج وأحد وأجرأ على القتل والغصب، فهو أشد حاجة إلى السياسة.

ترجمہ: ملکی سیاست کا بیان: اور سیاست مدنیہ: وہ علم ہے جو شہر والوں کے درمیان پائے جانے والے ربط و تعلق کی حفاظت کے طریقوں سے بحث کرنے والا ہے۔ اور ”شہر“ سے میری مراد وہ جماعت ہے جن میں باہمی تعلقات ہوں، جن میں معاملات چلتے ہوں اور جو جدا جدا مکاناتوں میں یوڈو باش رکھتے ہوں۔

اور اس بارے میں بنیادی بات یہ ہے کہ ”شہر“ باہمی ربط کی جہت سے ایک شخص (شکمی) ہے، جو چند اجزاء اور مجموعی ہیئت سے مرکب ہے۔ اور ہر مرکب کے لئے ممکن ہے کہ اس کے مادے میں یا صورت میں کوئی خلل پیدا ہو، یا اُسے کسی قسم کا مرض لاحق ہو — اور مرض سے میری مراد ایسی حالت ہے جس کے علاوہ حالت، باعتبار انواع کے، اس کے لئے زیادہ موزوں ہو — اور تدریسی لاحق ہو، یعنی وہ حالت جو اس کو شاندار اور خوبصورت بنا دے۔

اور جب ”شہر“ میں ایک اجتماع عظیم پایا جاتا ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کے تمام باشندے ”انصاف کی راہ“ کی حفاظت پر متفق ہو جائیں اور نہ یہ بات ممکن ہے کہ بعض بعض پر تکبر کرے، بغیر اس کے کہ وہ کسی منصب کے ساتھ ممتاز کیا جائے، کیونکہ یہ چیز لیے چوڑے جھگڑوں تک پہنچا دے گی (پس) شہر کا معاملہ ایسے شخص کے بغیر منتظم نہیں ہو سکتا، جس کی اطاعت پر جمہور اہل صل و عقد متفق ہو جائیں، جس کے پاس علم اور ود بہ ہو۔

اور جو بھی شخص بہت زیادہ خود غرض، بہت تیز مزاج اور خون ریزی اور غصہ کرنے میں بہت زیادہ دلیر ہوتا ہے، وہ سیاست کا سب سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔



نظام مملکت میں خلل ڈالنے والی چیزیں

ابھی گذرا کہ مملکت ایک شخص مرکب ہے، اس کے احوال میں کسی بھی وقت اختلال پیدا ہو سکتا ہے، اس لئے سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر وقت احوال پر نظر رکھے۔ اور کوئی خلل نظر آئے تو اصلاح کی کوشش کرے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ایسی آٹھ چیزیں بیان فرمائی ہیں جو حکومت کے نظام کو دہر ہم کرتی ہیں:

(۱) کبھی کچھ شریر لوگ، جن کو قوت و شوکت حاصل ہو جاتی ہے من مانی کرنے کا اور انصاف کے جادہ کو چھوڑ دینے کا

فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اور وہ یہ فیصلہ چند مقاصد سے کرتے ہیں (الف) لوگوں کے مال کی لالچ میں۔ یہ لوگ راہ زنی کرتے ہیں (ب) کسی عداوت کی بناء پر لوگوں کے درپے آزار ہو جاتے ہیں۔ اور طرح طرح سے لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں (ج) حکومت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے فساد پھیلاتے ہیں اور شرانگیزی کرتے ہیں — اس کا علاج یہ ہے کہ فوج کے ذریعہ ان سے نمٹا جائے۔ اور ان کا تفتیر و کیا جائے۔

(۲) کبھی کوئی ظالم کسی کو ظلماً قتل کرتا ہے یا زخمی کرتا ہے یا مارتا ہے یا اس کی فیملی میں دست درازی کرتا ہے مثلاً اس کی بیوی میں مزاحمت کرتا ہے یا اس کی بہن بیٹی کی ناحق طمع کرتا ہے یا مال میں ہاتھ ڈالتا ہے، مثلاً ذکیعت ڈالتا ہے یا خفیہ چوری کرتا ہے یا آبرو کے درپے ہوتا ہے یعنی اس پر کوئی تہمت لگاتا ہے یا اس کے ساتھ سخت کلائی سے پیش آتا ہے — ایسے لٹچوں اور فتنوں کا علاج یہ ہے کہ ان کو سخت سزا دی جائے تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آئیں۔

(۳) بعض کام درپردہ مملکت کو نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے جادو، اشیائے خوردنی میں زہریلی چیزوں کی آمیزش، لوگوں کو دنگ فساد کی تعلیم دینا، پبلک کو حکومت کے خلاف، نوکروں کو آقا کے خلاف، اولاد کو باپ کے خلاف اور بیوی کو شوہر کے خلاف ورغلا نا — اس قسم کے اعمال بھی مملکت کے لئے تباہ کن ہیں۔ سربراہ مملکت کو ایسی چیزوں پر کڑی نظر رکھنی چاہئے۔

(۴) بری عادتیں بھی نظام مملکت میں خلل ڈالتی ہیں۔ یہ بری عادتیں کئی طرح کی ہوتی ہیں (الف) بعض میں تدبیرات نافذ کی طرف سے لاپرواہی برتی جاتی ہے، جیسے انظام (نوکروں کے ساتھ بد فعلی کرنا) سقاقت (عورت کی عورت کے ساتھ مباشرت) چوپایوں سے بد فعلی، مشت زنی وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں نکاح سے روک دیتی ہیں (ب) بعض میں آدمی فطرت سلیمہ سے نکل جاتا ہے، جیسے مرد کا بیچرا بن جانا اور عورت کا مرد بن جانا (ن) بعض خصال بد لمبے چوڑے جھگڑوں کا باعث بنتی ہیں، جیسے کسی مشکوہ کے معاملہ میں، اس کے ساتھ کسی اختصاص کے بغیر، شوہر وغیرہ سے مزاحمت کرنا اور جیسے ہر وقت شراب کے نشے میں چور رہنا — ان بری عادتوں کی روک تھام بھی ضروری ہے، اور اس کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنی چاہئے۔

(۵) بعض معاملات بھی مملکت کو نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے جوا، چندور چند بڑھا ہوا سود — اور ہر سود چندور چند بڑھتا رہتا ہے — رشوت ستانی، ناپ تول میں کمی کرنا، مال تجارت کے عیب کو چھپانا، تجارتی قافلہ سے ماقات کرنا (یعنی جو مال ایک شہر سے دوسرے شہر میں فروخت کے لئے لے جایا جا رہا ہے، اس کو شہر سے باہر یا تاجروں سے خرید لینا تاکہ اونچے نرخ سے اس کو بیچ سکے) ذخیرہ اندوزی، خریداری کے ارادے کے بغیر، دوسرے کو پھنسانے کے لئے بیع کے دام زیادہ لگانا — ایسے ضرر رساں معاملات کی بھی روک تھام ضروری ہے۔

(۶) ایسے لالچے ہوئے نزاعات جن میں ہر فریق بگوس (Bogus) دلیل رکھتا ہے۔ اور اصل حقیقت واضح نہیں ایسے

جھڑے بھی خلل کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے نزاعات میں گواہوں سے، قسموں سے، دستاویزات (Documents) سے، قرائن احوال وغیرہ سے تمسک کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور مقدمہ کو مسلمہ طریقوں کی طرف لوٹانے کی ضرورت ہوتی ہے اور فیصلہ میں جیتریج ظاہر کرنی پڑتی ہے اور فیصلہ کرنے والے کو فریقین کی چالوں سے واقف رہنا ضروری ہوتا ہے۔

(۷) اگر شہر کے باشندے بادیہ نشین اختیار کر لیں اور دیہی تمدن پر قناعت کر لیں یا ایک شہر کے سارے باشندے کسی دوسرے شہر میں جا بسیں یا پیشوں کے اختیار کرنے میں ملکی مصالح کا خیال نہ رکھیں مثلاً ملک کی اکثر آبادی تجارت کی طرف متوجہ ہو جائے اور زراعت چھوڑ دے یا اکثر لوگ فوج میں ملازمت کو ذریعہ معاش بنالیں اور دوسرے ضروری کام کرنے والے نہ رہیں تو بھی ملک کا نظام مختل ہو جائے گا۔ یہاں ارباب حکومت کو یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسان بمنزلہ غذا ہیں اور کارگر، تاجر اور ملک کے محافظین بمنزلہ نمک ہیں جس سے غذا کی اصلاح ہوتی ہے، اس لئے حکومت کی پوری توجہ زراعت کو فروغ دینے کی طرف ہونی چاہئے۔

(۸) اگر حملہ آور درندوں کی کثرت ہو جائے یا موذی حشرات پھیل پڑیں تو اس سے بھی لوگ پریشان ہو جائیں گے۔ پس حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو نابود کرنے کی کوشش کرے۔

ومن الخلل: أن تجتمع أنفس شريرة، لهم منعة وشوكة، على اتباع الهوى، ورفض السنة العادلة؛ إما طمعاً في أموال الناس — وهم فطاع الطريق — أو إضراراً لهم بغضب، أو حقد، أو رغبة في الملك؛ فيحتاج في ذلك إلى جمع رجال، ونصب قتال.

ومنه: إصابتهم ظالم إنساناً بقتل، أو جرح، أو ضرب، أو في أهله: بأن يُزاحم على زوجته، أو يطمع في بناته وأخواته بغير حق؛ أو في ماله: من غصب جبهة، أو سرقة خفية؛ أو في عرضه: من نسبته إلى أمر قبيح يُلام به، أو إغلاظ القول عليه.

ومنه: أعمال ضارة بالمدينة ضرراً خفياً، كالسحر، وفس السهم، وتعليم الناس الفساد، وتخبيب الرعية على الملك، والعبد على مولاه، والزوجة على زوجها.

ومنه: عادات فاسدة، فيها إهمال للاتفاقات الواجبة، كاللواط، والسحاق، وإتيان البهائم؛ فإنها تُصد عن النكاح؛ أو السلاخ عن الفطرة السليمة، كالرجل يُؤث، والمرأة تُدْغِر؛ أو حدوث لمنازعات عريضة كالمزاحمة على الموطوءة من غير اختصاص بها، وكإدمان الخمر.

ومنه: معاملات ضارة بالمدينة، كالقمار والربا أضاعافاً مضاعفة، والرشوة وتطيفيف الكيل والوزن، والتدليس في السلعة، وتلفي الخلب، والاحتكار، والتجش.

ومنہ: خصوصیات مشکلة، يتمسك فيها كل بشعة، ولا تنكشف خلية الحال، فيحتاج الى الصمك بالبينات، والایمان، والوثائق، وقرائن الحال، ونحوها، وردّها إلى سنة مسلمة، وابداء وجه الترجيح، ومعرفة مكابد المنخاصمين، ونحو ذلك.

ومنہ: أن يندو أهل المدينة، ويكتفوا بالاتفاق الأول، أو يتمدّنوا في غير هذه المدينة، أو يكون تودّعهم في الإقبال على الأكساب بحيث ينظر بالمدينة: مثل أن يقبل أكثرهم على التجارة، ويندعوا الزراعة، أو يتكسّب أكثرهم بالغزو ونحوه؛ وإنما ينبغي أن يكون الزّراع بمنزلة الطعام والصنّاع والتّجار والحفظة بمنزلة الملح المصلح له.

ومنہ: انتشار السباع الضّارية، والهوام المؤذية، فيجب السعي في إفنائها.

ترجمہ: اور غل (پیدا کرنے والی چیزوں) میں سے یہ بات ہے کہ کچھ شیر لوگ، جن کو قوت و دبدبہ حاصل ہو گیا ہو، خواہشات کی پیروی کرنے پر اور انصاف کی راہ چھوڑنے پر مشتق ہو جائیں: یا تو لوگوں کے اموال کی لالچ میں — اور یہ لوگ راہ زن ہیں — یا کسی غصہ یا کینہ کی وجہ سے لوگوں کو نقصان پہنچانے پر یا ملک کی طمع میں۔ پس اس صورت میں لوگوں کو اکٹھا کرنے کی اور جنگ شروع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ (اور لوگوں کو اکٹھا کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) رائے عامہ کو ہموار کر کے جنگ شروع کی جائے (۲) جنگ کے لئے لوگوں کو اکٹھا کیا جائے۔ اور یہ بات اس زمانہ کی ہے جب حکومتوں کے پاس باقاعدہ فوج نہیں ہوتی تھی)

اور منجملہ اثر اس: کسی ظالم کا کسی انسان کو قتل کرنا، یا زخمی کرنا، یا بخلانی کرنا، یا اس کی فیملی میں ہاتھ ڈالنا ہے: یا اس طور کہ اس کی بیوی کے معاملہ میں مزاحمت کرے یا اس کی بہن بچی کی ناحق طمع کرے: یا اس کے مال میں دست درازی ہے: علانیہ چھین کر: یا چپکے سے چرا کر یا اس کی آبرو میں ہاتھ ڈالنا ہے، یعنی اس کو کسی ایسی بات کی طرف منسوب کرنا ہے جس کے ذریعہ وہ ملامت کیا جائے، یا اس کے ساتھ سخت کامی سے پیش آنا۔

اور منجملہ اثر اس: ایسے اعمال ہیں جو پوشیدہ طور پر شہر کو نقصان پہنچانے والے ہیں، جیسے جادو، زہری آمیزش، لوگوں کو فساد کی تعلیم دینا، پبلک کو بادشاہ کے خلاف، غلام کو آقا کے خلاف، اور بیوی کو شوہر کے خلاف ورغلامنا۔

اور منجملہ مازال: وہ بری عادات ہیں جن میں ضروری تدبیرات نافعہ کو رائگاں کرنا ہے، جیسے غلام چپٹی، چوپایوں سے بد فعلی، پس پیشک یہ سب امور نکاح سے روک دیتے ہیں۔ یا ان (بری عادتوں) میں فطرت سلبہ سے نکل جانا ہے، جیسے مرد کا بھڑوا بن جانا، یا عورت کا مرد بن جانا۔ یا ان میں لمبے چوڑے جھگڑوں کا پیدا ہونا ہے، جیسے کسی منکوحہ پر مزاحمت کرنا، اس کے ساتھ کسی اختصاص کے بغیر، اور جیسے ہر وقت شراب کے نشہ میں چورہنا۔

اور منجملہ اثر اس: شہر کو نقصان پہنچانے والے معاملات ہیں، جیسے جوا، چند در چند بڑھایا ہوا سود، رشوت ستانی، ناپ

قول میں کمی کرنا، مال تجارت کے عیب کو چھپانا، تجارتی قافلہ سے ملاقات کرنا، ذخیرہ اندوزی، گاہک کو پھنسانے کے لئے زیادہ دام لگانا۔

اور مثملہ ازاں: الجھے ہوئے جھگڑے ہیں، جن میں ہر فریق کسی لوگس دلیل سے استدلال کرتا ہے، اور اصل حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ پس گواہوں سے، قسموں سے، دستاویزات سے، صورت حال کے قرائن سے، اور اس طرح کی چیزوں سے تمسک کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور مقدمہ کو مسلمہ طریقت کی طرف لوٹانے کی، اور مہترجی ظاہر کرنے کی، اور فریقین کی چالیں جاننے کی اور اس قسم کی دوسری چیزوں کی (حاجت ہوتی ہے)

اور مثملہ ازاں: یہ بات ہے کہ شہر کے باشندے بادیہ نشینی اختیار کر لیں، اور ارتفاق اول پر استغنا کر لیں، یا وہ اپنے شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں جا بیٹیں، یا ان کا پیشوں پر متوجہ ہونے میں منقسم ہونا اس طرح پر ہو کہ وہ شہر کے لئے ضرر رساں ہو، جیسے اکثر لوگ تجارت کی طرف متوجہ ہو جائیں اور زراعت کو چھوڑ دیں۔ یا اکثر لوگ جہاد وغیرہ سے کمائی کرنے لگیں۔ اور مناسیب یہ ہے کہ کاشتکاروں کو بمنزلہ غذا کے قرار دیا جائے۔ اور کارنگروں، تاجروں اور محافظوں کو بمنزلہ نمک کے جس سے غذا کی اصلاح ہوتی ہے۔

اور مثملہ ازاں: حملہ آور درندوں کا، اور مومی حشرات الارض کا پھیلنا ہے، پس ان کو ناپود کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

لغات: دَمُ الشَّيْءِ تَحْتَ الصَّرَابِ، و فیه: چھپانا..... خَبْنَه: خراب کرنا، کہا جاتا ہے خَبَبَ عَلَى فُلَانٍ صَدِيقَهُ: اس نے فلاں کے دوست کو بگاڑ دیا..... أَثْنُ (ک) مَنَحْتُ هُوًا، أَثْنَةً: مَنَوْنْتُ، مَنَوْنْتُ بَنَانًا مَنَحْتُ بَنَانًا (بدان) بَذَاوَةُ: بادیہ میں اقامت اختیار کرنا..... وَزَعُ الْحَالِ عَلَيْهِمْ: تقسیم کرنا..... الصَّارِيَةُ: شکاری جانور ضَرِي يَضْرِي ضَرَاوَةً الْكَلْبُ بِالصَّيْدِ: شکار کا ٹوگر ہونا یعنی مع گوشت و خون کے چٹ کر جانا۔



ملک کی حفاظت کے لئے انتظامات

ملک کی حفاظت اور اس کی ترقی مختلف انتظامات سے ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چار قسم کے انتظامات کا تذکرہ فرمایا ہے:

① ایسی عمارتیں بنائی جائیں جن سے عام لوگ فائدہ اٹھائیں، جیسے شہر بنائیں (فصلیں، شہر کی چار دیواریں) سرحدی چوکیاں (وہ جگہ جہاں لشکر حفاظت سرحد کے لئے قیام کرے) قلعے (وہ محفوظ اور سنگین عمارتیں جن میں بادشاہ کی فیملی یا فوج رہے، جیسے لال قلعہ وغیرہ) سرحدیں (کنٹرول لائن) مارکیٹ اور پل وغیرہ۔

(۲) پینے اور آب پاشی کے لئے کنوئیں کھودے جائیں اور چشمے نکالے جائیں، اسی طرح پانی کے تالاب (Reservoir) اور قیم باندھے جائیں اور دریاؤں (پڑی ندیوں) پر کشتیاں تیار رکھی جائیں جو باڑ آنے پر لوگوں کی مدد کریں اور عام حالات میں لوگوں کو دریا پار کرنے میں مدد دیں۔

(۳) الف) ملک کی بنیادی ضرورت غذا اور اشیائے خوردنی ہیں، اگر ملک اس سلسلہ میں خود کفیل نہ ہو تو ملکی یا غیر ملکی تاجروں کو غلہ کی درآمد پر آمادہ کیا جائے، ملکی تاجروں کو سہولیات فراہم کی جائیں اور غیر ملکی تاجروں کو مانوس کیا جائے اور ان کی دلداری کی جائے۔ اور ملک کے باشندوں کو تاکید کی جائے کہ وہ ان پر دہشیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، اس سے غیر ملکی سواگروں کی آمد و رفت بڑھے گی اور ملک کو ضرورت کی چیزیں فراہم ہوں گی۔

(ب) نیز کاشتکاروں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کوئی زمین بے کار نہ چھوڑیں، زیادہ سے زیادہ کاشت کریں، تاکہ نہ صرف یہ کہ مملکت کی ضرورت پوری ہو، بلکہ مملکت غلہ برآمد کرنے کی پوزیشن میں آجائے۔

(ج) دستکاری اور صنعت و حرفت کو نہ صرف یہ کہ فروغ دیا جائے بلکہ متعلقہ لوگوں کو اس پر بھی آمادہ کیا جائے کہ وہ چیزوں کو عمدہ اور مضبوط بنائیں، تاکہ مارکیٹ میں ملک کی مصنوعات کو مقام حاصل ہو۔

(د) شہر کے باشندوں کو فضائل و کمالات کی تحصیل پر آمادہ کیا جائے، جیسے خوش نویسی، حساب و کتاب فن تاریخ، علم طب، اور پیش بینی صحیح طریقوں میں مہارت پیدا کرنے کی ترغیب دی جائے اور اس کے لئے ممکنہ وسائل فراہم کئے جائیں۔

(۴) شہر کے احوال کا تقصد کیا جائے تاکہ مفسد اور مملکت کے لئے خیر خواہ کا پتہ چلتا رہے، اول سے بچا جائے، اور اس کی ریشہ و انیوں پر نظر رکھی جائے۔ اور ثانی کو شریک کار بنایا جائے یا اس کی دلداری کی جائے۔ دوستوں کی دلداری بھی ضروری ہے۔

اسی طرح تقصد احوال سے محتاجوں کا پتہ چلے گا اور ان کی مدد کی جاسکے گی، اور عمدہ صنعت کاروں کا بھی پتہ چلے گا، اور ملک ان سے استفادہ کرے گا۔

ومن باب کمال الحفظ: بناء الأبنية التي يشتركون في الانتفاع بها، كالأسوار، والربط، والحصون، والثغور، والأسواق، والقناطر.

ومنه: حفر الآبار واستنباط الميعون، وتهيئة الشعن على سوا حل الأنهار.

ومنه: حمل التجار على الجيرة، بتأنيسهم وتالفهم، وتوصية أهل البلد أن يحسنوا المعاملة مع الغرباء، فإن ذلك يفتح باب كثرة ورودهم؛ وحمل الزراع على أن لا يترکوا أرضاً مهملة؛ والصناعات على أن يحسنوا الصناعات، ويقتنوها؛ وأهل البلد على اكتساب الفضائل، كالخط،

والحساب، والتاريخ، والطب، والوجوه الصحيحة من تقدمة المعرفة.

ومنه: معرفة أخبار البلد، لينمیز الذاعر من الناصح، وليعلم المحتاج قُبَعَان، وصاحبُ صنعة مرغوبة، فيستعان به.

ترجمہ: اور مملکت کی کامل حفاظت کے باب سے ایسی عمارتیں بنانا ہے جن سے فائدہ اٹھانے میں سب لوگ شریک ہوں، جیسے شہر بنائیں، مراٹھیں، قلعے، سرحدیں، بازار اور پل۔

اور ازاں جملہ: کنوئیں کھودنا، چشمے نکالنا اور دریائوں کے کناروں پر کشتیوں کو تیار رکھنا ہے۔

اور ازاں جملہ: تاجروں کو غلہ لانے پر آمادہ کرنا ہے، ان کو مانوس کر کے اور ان کی دلداری کر کے، اور اہل شہر کو تاکید کرنا ہے کہ وہ پردیسوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ پس یہ چیز سودا گروں کی آمد و رفت کا دروازہ کھولے گی — اور کاشتکاروں کو آمادہ کرنا ہے اس پر کہ وہ کوئی زمین بے کار نہ چھوڑیں — اور دستکاروں کو آمادہ کرنا ہے اس پر کہ وہ چیزوں کو عمدہ اور مضبوط بنائیں — اور شہر والوں کو فضائل کی تحصیل پر آمادہ کرنا ہے جیسے لکھنا، حساب، تاریخ، طب اور پیش بینی کے صحیح طریقے۔

اور ازاں جملہ: شہر کے احوال کا جاننا ہے تاکہ مفید، خیر خواہ سے ممتاز ہو جائے۔ اور تاکہ محتاج کا پتہ چلے، پس اس کی مدد کی جائے، اور کار آمد صنعت والے کا پتہ چلے تاکہ اس سے مدد لی جائے۔

لغات: السور: شہر پناہ جمع انسوار و مسواران..... الرباط: قلعہ یا وہ جگہ جہاں لشکر حفاظت سرحد کے لئے قیام کرے جمع رباط اور جو رباط بمعنی سرائے ہے اس کی جمع رباطات ہے..... الجبيرة: خوراک جس کو ذخیرہ کر کے رکھا جائے جمع ميرة..... الغرب: مسافر، اجنبی، وطن سے دور..... الذاعر: شہر پر مشیت جمع دُعاور.



ملک کی ویرانی کے بڑے اسباب

بارہویں صدی ہجری میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں مملکت کی ویرانی کے بڑے اسباب دو ہیں:

① سرکاری خزانے کا غیر ضروری مصارف کے بوجھ تلے دبا جانا — جیسے اس زمانہ میں جنگ لڑنے والے بیت المال کی کوڑریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں۔ علمائے دین بیت المال میں اپنا حق سمجھتے ہیں۔ بزرگوں اور شاعروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بادشاہی کی عادت ہے، اسی طرح اور لوگ بھی بادشاہوں سے مختلف طرح سے بھیک مانگتے ہیں۔ اور ان

سب لوگوں کا مقصد محض پیٹ پالنا ہے، وہ مملکت کی کوئی مصلحت پوری نہیں کرتے۔ یہ لوگ بار بار بادشاہوں کے پاس آتے ہیں، اور ان کی زندگی مکدر کئے رہتے ہیں اس طرح کہ ایک بادشاہ کے پاس سے ٹھٹھا بھی نہیں کہ دوسرا پہنچ جاتا ہے، اسی طرح بعض بعض کو تنگ کرتے ہیں اور مملکت پر بوجھ بنے رہتے ہیں۔

(۲) کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہوروں پر بھاری ٹیکس لگانا بھی ملک کی بربادی کا سبب ہے۔ اس سے خیر خواہوں کی تعداد گھٹ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ فرمانبردار ختم ہو جاتے ہیں۔ اور سخت جنگ جو لوگ قوت پکڑ لیتے ہیں اور وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

سب لوگوں کو یہ اہم نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ مملکت ملکہ ٹیکسوں اور بقدر ضرورت عملہ ہی سے سنور سکتی ہے۔

و غالب سب خراب البلدان فی هذا الزمان شینان:

أحدهما: تضيقهم على بيت المال. بأن يعتادوا التكسب بالأخذ منه، على أنهم من الغزاة، أو من العلماء الذين لهم حق فيه، أو من الذين جرت عادة الملوك بصلتهم، كالزهاد، والشعراء، أو بوجه من وجوه الكسب؛ ويكون العمدة عندهم هو التكسب، دون القيام بالمصلحة؛ فبدخل قوم على قوم، فَيَغْضُوكَ عليهم، وبصرون كلاً على المدينة.

والثاني: ضرب الضرائب الثقيلة على الزرايع والنجار والمتحرفة، والنشديد عليهم، حتى يُفَضَّى إلى إجحاف المطاوعين، واستصاالهم، وإلى تمنع أولى باس شديد، وبغفهم؛ وإنما تصلح المدينة بالجباية اليسيرة، وإقامة الحفظة بقدر الضرورة؛ فليتبه أهل الزمان لهذه النكتة، والله أعلم.

ترجمہ: اور اس زمانہ میں ملک کی ویرانی کے بڑے اسباب دو ہیں:

ان میں سے ایک: لوگوں کا بیت المال پر بوجھ بنتا ہے، اس طرح کہ لوگ بیت المال سے لینے کے ذریعہ کمائی کرنے کے عادی بن گئے ہیں، اس بنیاد پر کہ وہ غازیوں میں سے ہیں۔ یا اُن علماء میں سے ہیں جن کا بیت المال میں حق ہے۔ یا اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے ساتھ سلوک کرنا بادشاہوں کی عادت ہے، جیسے بزرگ لوگ اور شعراء، یا بھیک مانگنے کی صورتوں میں سے کسی اور صورت کے ذریعہ، اور ان لوگوں کا مقصد محض اپنا پیٹ پالنا ہے، بغیر اس کے کہ ان سے ملک کی کوئی مصلحت تکمیل پذیر ہو، پس ایک قوم دوسری قوم پر داخل ہوتی ہے (یعنی یہ تعاون کے خواہاں بادشاہوں کے پاس آتے ہیں) پس وہ اُن (بادشاہوں) کی زندگی مکدر کئے رہتے ہیں۔ اور وہ لوگ مملکت پر بار بن جاتے ہیں۔

اور دوسری: کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہوروں پر بھاری ٹیکس لگانا ہے، اور ان پر سختی کرنا ہے، تا آنکہ یہ چیز

فرمانبرداروں کو بہالے جاتی ہے اور ان کو جڑ سے منادیتی ہے۔ اور سخت جنگ جو لوگ قوت پکڑ لیتے ہیں، اور وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور مملکت ہلکے ٹیکسوں سے اور بقدر ضرورت محافطین (سرکاری عملہ، پولیس وغیرہ) مقرر کرنے ہی سے سنور سکتی ہے، اہل زمانہ کو اس اہم نکتہ سے آگاہ ہو جانا چاہئے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

تَحْشَبُ مَا لَا: کما فی کرتا..... نَقَضَ الْعِش: زندگی کدر کر دینا..... أَلْجَفَ السَّبِيلُ: بہالے جانا أَلْجَفَ الدَّهْرُ: ہلاک کرنا، جڑ سے منانا..... إِنْصَافَ الشَّيْءِ: جڑ سے اکھیرنا..... تَمَنَعَ بِقَوْمِهِ: قوت پکڑنا..... الْجَبَابَةِ: خراج ٹیکس جَبَابَ (ن) جَبَا وَجَبَى (ض) جَبَابَةُ: جمع کرتا۔

باب — ۷

سربراہ مملکت کے لئے ضروری اوصاف

سربراہ مملکت میں درج ذیل چودہ اوصاف ضروری ہیں:

- ۱۔ پسندیدہ اخلاق — اگر بادشاہ میں اخلاق حسنہ نہیں ہوں گے تو وہ مملکت پر بار ہو جائے گا۔
- ۲۔ بہادری — اگر بادشاہ میں شجاعت نہیں ہوگی تو وہ برسرِ پیکار لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکے گا، اور رعایا بھی اس کو تحارت کی نظر سے دیکھے گی۔
- ۳۔ بردباری — بادشاہ اگر حلیم نہیں ہوگا تو اپنے قہر و غضب سے لوگوں کو تباہ کر دے گا۔
- ۴۔ دانشمندی — دانشمند بادشاہ ہی ملک کے لئے تدبیرات نافعہ نکال سکتا ہے۔
- ۵۔ بادشاہ عاقل ہو، پاگل نہ ہو۔
- ۶۔ بادشاہ پالغ ہو، بچہ نہ ہو۔
- ۷۔ بادشاہ آزاد ہو، غلام نہ ہو۔
- ۸۔ بادشاہ مرد ہو، عورت نہ ہو، کیونکہ حکومت ایک بھاری ذمہ داری (Heavy Duty) ہے، جو عورت کے ناتواں کاندھوں پر نہیں رکھی جاسکتی۔ نیز عورت اپنی وضعِ باقی رکھتے ہوئے بڑی حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ بھی نہیں ہو سکتی۔

۹۔ بادشاہ ذمی رائے ہو، بے وقوف نہ ہو۔

۱۰۔ بادشاہ شہوا ہو، بہرہ نہ ہو۔

۱۱:- بادشاہ پیدا ہوا، اندھا نہ ہو۔

۱۲:- بادشاہ گویا ہو، گونگا نہ ہو۔

۱۳:- بادشاہ کی پشت (Back) مضبوط ہو یعنی لوگوں نے اس کی اور اس کی قوم کی بزرگی تسلیم کر رکھی ہو، اور اس کے اور اس کے اسلاف کے اچھے کارنامے دیکھ چکے ہوں۔

۱۴:- بادشاہ کو لوگوں کا اعتماد حاصل ہو یعنی لوگ اس کے بارے میں یقین رکھتے ہوں کہ وہ مملکت کی اصلاح میں ذرا کوتاہی نہیں کرے گا۔

مذکورہ تمام اوصاف کی ضرورت کو عقل تسلیم کرتی ہے اور دنیا کے تمام لوگ بھی اس پر متفق ہیں، حالانکہ ان کے ملک ایک دوسرے سے دور ہیں اور ان کے مذاہب مختلف ہیں۔ اور اس اتفاق کی وجہ یہ ہے کہ سب لوگوں کو احساس ہے کہ بادشاہ مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ مذکورہ اوصاف کے بغیر ممکن الحصول نہیں۔ چنانچہ اگر لوگ مذکورہ باتوں میں سے کسی بات کی بادشاہ میں کمی دیکھتے ہیں تو اس بادشاہ کو نامناسب تصور کرتے ہیں، اور اس کو ان کے دل ناپسند کرتے ہیں اور اگر خاموش رہتے ہیں تو ناراضگی کے ساتھ خاموش رہتے ہیں۔

نوٹ: اسلام نے خلیفہ کے لئے جو مسلمان مجتہد اور قرشی ہونے کی شرطیں بڑھائی ہیں۔ ان کا بیان جلد ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) میں ۲۲۰:۵ میں الخلافۃ کے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔

﴿باب سیرۃ الملوک﴾

یجب أن یکون المملک مُتَّصِفًا بِالْأَخْلَاقِ الْمَرْضِیَّةِ، وَإِلَّا کَانَ کَلًّا عَلَی الْمَدِیْنَةِ، فَإِنْ لَمْ یُکُنْ شُجَاعًا ضَعْفٌ عَنِ مَقَاوِمِ الْمُحَارِبِیْنَ، وَلَمْ تَنْظُرْ إِلَیْهِ الرِّعَیَّةُ إِلَّا بِعَیْنِ الْهَوَا؛ وَإِنْ لَمْ یُکُنْ حَلِیمًا، کَادَ یُهْلِكُهُمْ بِسَطَوْتِهِ؛ وَإِنْ لَمْ یُکُنْ حَکِیمًا، لَمْ یَسْتَبِطِ التَّدْبِیْرُ الْمُصْلِحُ؛ وَأَنْ یُکُونَ عَاقِلًا، بَالِغًا، خَرًّا، ذَکْرًا، ذَرَّایً، وَسَمِیعًا، وَبَصِیرًا، وَمَنْ سَلَّمَ النَّاسُ شَرْفَهُ وَشَرَفَ قَوْمِهِ، وَرَأَوْا مِنْهُ مِنْ آثَارِهِ الْمَائِثَةِ الْحَمِیدَةِ، وَعَرَفُوا أَنَّهُ لَا یَأْتُوا جُهْدًا فِی إِصْلَاحِ الْمَدِیْنَةِ.

هَذَا کُلُّهُ یدُلُّ عَلَیْهِ الْعَقْلُ، وَاجْمَعْتَ عَلَیْهِ أُمَمٌ بَنَى آدَمَ، عَلَی تَبَاعُدِ بُلْدَانِهِمْ وَاجْتِلَافِ أَدْبَانِهِمْ لِمَا أَحْسَوْا مِنْ أَنَّ الْمَصْلَحَةَ الْمَقْصُودَةَ مِنْ نَصَبِ الْمَمْلُکِ لَا تَتِمُّ إِلَّا بِهِ؛ فَإِنْ وَقَعَ شَیْءٌ مِنْ إِهْمَالِهِ رَأَوْهُ خِلَافَ مَا یَنْبَغِی، وَکَرِهَتْ قُلُوبُهُمْ، وَلَوْ سَکَنُوا سَکَنُوا عَلَی غِیْظٍ.

ترجمہ: سیرت بادشاہاں کا بیان: بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ پسندیدہ اخلاق سے متصف ہو، اگر ایسا نہ گاتو وہ شہر (مملکت) پر بوجھ ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ بہادر نہیں ہے، تو وہ ہر سر پیکار لوگوں سے مقابلہ میں کمزور پڑ جائے

گا۔ اور رعایا اس کو حقارت کی نظر ہی سے دیکھے گی۔ اور اگر وہ بردبار نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے قہر سے لوگوں کو ہلاک کر ڈالے۔ اور اگر وہ دانشمند نہیں ہے تو تدبیرات نافذ نہیں نکال سکے گا۔ اور بادشاہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عقل مند، بالغ، آزاد، مرد، ذی رائے، شنوا، بیباک، گویا ہو۔ (اور) ان لوگوں میں سے ہو جس کی اور جس کی قوم کی بزرگی لوگوں نے تسلیم کر رکھی ہو۔ اور اس کے اور اس کے اسلاف کے اچھے کارنامے لوگ دیکھ چکے ہوں اور لوگ جانتے ہوں کہ بادشاہ ملک کی اصلاح میں ذرا کوتاہی نہیں کرے گا۔

ان سب باتوں کے ضروری ہونے پر عقل دلالت کرتی ہے۔ اور اس پر انسانوں کے تمام گروہوں نے اتفاق کیا ہے، ان کے ملکوں کے ایک دوسرے سے دور ہونے، اور ان کے مذاہب کے مختلف ہونے کے باوجود، بایں وجہ کہ دنیا کی تمام اقوام کو اس کا احساس ہے کہ بادشاہ مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے، وہ ان امور کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ پس اگر بادشاہ (ان امور میں) کوئی فروگزاشت کرے گا تو لوگ اس کو نامناسب سمجھیں گے۔ اور اس بادشاہ کو ان کے دل ناپسند کریں گے۔ اور اگر وہ خاموش رہیں گے تو ناراضگی کے ساتھ خاموش رہیں گے۔

بادشاہ کے لئے حشمت کی ضرورت

بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ رعایا کے دلوں میں حشمت و عظمت اور دبدب پیدا کرے، پھر اس کی نگاہداشت کرے۔ اور حشمت کو نقصان پہنچانے والی کوئی بات پیش آنے تو مناسب تدبیر سے اس کی اصلاح کرے، اور کسی طرح حشمت و عظمت کو لوگوں کے دلوں سے زائل نہ ہونے دے۔

اور عظمت و حشمت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ خود کو ایسے اخلاق عالیہ سے مزین کرے جو ریاست کے شایان شان ہوں۔ مثلاً بہادری، دانشمندی، فیاضی، مخالفتوں سے درگزر کرنا، مفاد عامہ کے لئے کام کرنا وغیرہ۔ اور بادشاہ لوگوں کو رام کرنے کے لئے وہ انداز اختیار کرے جو شکاری جنگلی جانوروں کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔ جب کوئی شکاری ہرنوں کے شکار کے لئے نکلتا ہے۔ اور جنگل میں اس کو ہرن نظر پڑے ہیں تو وہ ان کے حسب حال ہیئت بنا لیتا ہے۔ ہاتھ زمین پر ٹیک کر چار پیروں سے، یا جھک کر جانوروں کی طرح چلتا ہے۔ اور دور سے ان کے سامنے نمودار ہوتا ہے، اور ان کی آنکھوں اور کانوں پر نظر جمائے رکھتا ہے۔ پھر جب بھی محسوس کرتا ہے کہ ہرنوں کو بھٹک پڑ گئی، اس کا رت و صامت کھڑا ہو جاتا ہے، گویا وہ کوئی بے جان چیز ہے، ذرا حرکت نہیں کرتا۔ اور جب ان کو غافل پاتا ہے تو ان کی طرف رینگنے لگتا ہے، اور سچی آنکھوں سے ان کو خوش کرتا ہے تو کبھی ان کے سامنے وہ چارہ ڈالتا ہے جو ان کو مرغوب ہوتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ طبعی طور پر صاحب کرم ہے اس لئے چارہ کھلا رہا ہے، اس کا مقصد ان کو شکار کرنا نہیں احسان: محسن کی محبت پیدا کرتا ہے اور محبت کی بیڑیاں لوہے کی بیڑیوں سے مضبوط ہوتی ہیں، چنانچہ ہرن شکاری کی جا

میں پھنس جاتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص پبلک لائف میں آنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسی حالت اختیار کرے جو لوگوں کو پسند ہو، پوشاک، بات چیت کا انداز اور سلیقہ ایسا اختیار کرے جو لوگوں کو مرغوب ہو، پھر ہنولے ہنولے لوگوں سے قریب ہو، اور خیر خواہی اور محبت کا مظاہرہ کرے، گھر بات انگل بچو نہ ہو، اور نہ کوئی ایسا قرینہ ظاہر ہونے دے جس سے پتہ چلے کہ وہ بس ”ہوٹ“ کا خواباں ہے۔ پھر وہ لوگوں کو یہ بات یاد کرائے کہ اُس جیسی شخصیت لوگوں کو ملنا مشکل ہے۔ اور یہ طرز عمل اس وقت تک جاری رکھے کہ اس کو اطمینان ہو جائے کہ لوگوں کے دل اس کی فضیلت و برتری سے مطمئن ہو گئے ہیں۔ اور ان کے سینے اس کی عظمت و محبت سے لبریز ہو گئے ہیں اور ان کے اعضاء اس کے سامنے خاکساری اور نیاز مندی کے عادی ہو چکے ہیں۔ پھر بادشاہ اپنے اس ویدیہ کی حفاظت کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس کی آڑ لے کر لوگ اس کی مخالفت پر اتر آئیں۔ اور خدا خواست بادشاہ سے کوئی کوتاہی اور لغزش سرزد ہو جائے تو لطف و احسان سے اس کا تدارک کرے اور لوگوں کو یہ بات سمجھائے کہ مصلحت کا تقاضا وہ تھا جو اس نے کیا۔ اور اس عمل سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، ضرر نہیں پہنچے گا۔

ولا بد للملک من إنشاء الجاه فی قلوب رعیتہ، ثم حفظہ، وتدارک الخادشات له بتدبیرات مناسبة.

ومن قصد الجاه فعلیه أن یحلی بالأخلاق الفاضلة مماناسب ریاستہ، کالشجاعة، والحکمة، والسخاوة، والعفو عن ظلم، وإرادة نفع العامة.

ویفعل بالناس ما یفعل الصیاد بالوحش: فکما أن الصیاد یدهب إلى الغیضة، فینظر إلى الطیاء، ویأمل الهیئة المناسبة لطباعها وعاداتها، فیتھیا بثلک الهیئة، ثم یرز لها من بعد، ویقصر النظر علی عیونها وآذانها، فمهما عرف منها تیقظا أقام بمکانہ، کما جماد، لیس به جراث، ومهما عرف منها غفلة دب إليها دبیبا، وربما أطربها بالنعم، وألقى إليها أطيأ ما ترومه من العلف، علی أنه صاحب کرم بالطبع، وأنه لم یقصد بذلک صیادها، والنعم تورث حب المنعم، وقید المحبة أوثق من قید الحديد.

فکذلک الرجل الذی یرز إلى الناس ینعی أن یؤثر هیئة ترغب فیها النفوس، من زئی، ومنطقی، وأدب، ثم یتقرّب منهم هونا، ویظهر إلیهم النصّح والمحبة، من غیر مجازفة ولا ظهور قرینة تدل علی أن ذلک لصددهم، ثم یعلمهم أن نظیره کالمتنع فی حقهم، حتی یری أن نفوسهم قد اطمأنت بفضلہ وتقدمه، وصدورهم قد امتلأت مودة وتعظیما، وجوارحهم تدأبت خشوعا وإخباتا، ثم لیحفظ ذلک فیهم، فلا یکن منه ما یختلفون به علیه، فإن فرط شیء من

ذَلِكْ فَلْيَنْتَظِرْ كَهْ بِلُطْفٍ وَاحْسَانٍ، وَإِظْهَارِ أَنْ الْمَصْلَحَةُ حَكْمَتْ بِمَافَعْلٍ، وَأَنَّهُ لَهُمْ، لَا عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کے دلوں میں دبدبہ پیدا کرے، پھر اس کی حفاظت کرے، پھر اس کو نقصان پہنچانے والی چیزوں کا مناسب تدبیروں سے تدارک کرے۔ اور جو شخص شہمت و دبدبہ چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ خود کو ایسے اخلاق عالیہ سے مزین کرے جو اس کی ریاست کے مناسب ہوں، جیسے بہادری، دانشمندی، فیاضی، گنہگار سے درگزر کرنا، اور عوام کا فائدہ چاہنا۔

اور وہ لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جیسا شکاری وحشی جانوروں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ پس جس طرح شکاری جھاڑی میں جاتا ہے، پس وہ ہرنوں کو دیکھتا ہے، اور ان کی طبیعتوں اور عادتوں کے مناسب ہیئت کو سوچتا ہے، اور ان کی ہیئت کے مطابق اپنی بھیبت بنالیتا ہے، پھر وہ دور سے ان کے سامنے آتا ہے۔ اور ان کی آنکھوں اور کانوں کی طرف اپنی نگاہ جمائے رکھتا ہے، پس جب جب وہ محسوس کرتا ہے کہ ہرن چونکا ہو گئے ہیں تو وہ اسی جگہ ٹھہر جاتا ہے، گویا وہ کوئی بے جان چیز ہے، اس میں ذرا حرکت نہیں ہوتی۔ اور جب جب ان کو غافل پاتا ہے تو ان کی طرف آہستہ آہستہ ریٹنگتا ہے۔ اور کبھی ان کو غموں (خوش کن آواز) سے خوش کرتا ہے، اور ان کے سامنے وہ چارہ ڈالتا ہے جو ان کو مرغوب ہوتا ہے، گویا وہ فطری طور پر صاحبِ جو دو کرم ہے، اور وہ اس ذریعہ سے ان کو شکار کرنا نہیں چاہتا۔ اور انعاماتِ شمع کی محبت پیدا کرتے ہیں۔ اور محبت کی بیڑی لوہے کی بیڑی سے زیادہ مضبوط ہے۔

پس اسی طرح جو شخص لوگوں کے سامنے نمودار ہونا چاہتا ہے، مناسب یہ ہے کہ وہ پوشاک، بات چیت اور اب و ہلیتہ کی ایسی حالت اختیار کرے جو لوگوں کو مرغوب ہو، پھر آہستہ آہستہ ان کے قریب ہو، اور ان کے سامنے خیر خواہی اور محبت کا اظہار کرے، لاف و گزاف سے بچتے ہوئے، اور کوئی ایسا قرینہ ظاہر نہ ہونے دے جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ وہ خیر خواہی کی باتیں ان کو شکار کرنے کے لئے ہیں۔ پھر ان کو بتلائے کہ اس جیسا شخص ان کے حق میں ناممکن ہے، یہاں تک کہ دیکھ لے کہ لوگوں کے دل اس کی فضیلت اور برتری پر مطمئن ہو گئے ہیں، اور ان کے سینے محبت و عظمت سے بھر گئے ہیں، اور ان کے اعضاء، انکساری اور نیاز مندی کے عادی ہو چکے ہیں۔ پھر وہ ان سب باتوں کی لوگوں میں حفاظت کرے، کوئی کام اس سے ایسا سرزد نہ ہونے پائے جس کی آڑ لیکر لوگ اس کی مخالفت پر اتر آئیں، پھر اگر اس معاملہ میں بادشاہ سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو بادشاہ کو چاہئے کہ مہربانی اور نیک سلوک سے اور یہ بات ظاہر کرے کہ اس کا تدارک کرے کہ مصلحت کا تقاضا وہ تھا جو اس نے کیا۔ اور یہ بات سمجھا کہ وہ کام ان کے مفاد میں ہے، ان کے لئے مفید نہیں ہے۔

لغات: عَذْبُهُ (ض) عَذْبًا: خراش لگانا، عیب لگانا..... الغِيْضَةُ: جھاڑی، پانی کی جگہ میں بہت درخت جمع غِيَاضٌ وَغِيْضَاتٌ، الْعَوَاك: حرکت، حَرَكٌ (ک) حَرَكًا وَحَرَكَةً: ہلنا..... ذَبٌّ (ض) ذَبًا وَذَبِيْنًا: ریٹنگنا، ہاتھوں اور پیروں کے بل چلنا..... زَامٌ (ن) زَوْماً الشَّيْءُ: ارادہ کرنا..... الْقَيْدُ: بیڑی، جانور کے پاؤں باندھنے کی رسی وغیرہ

قیدہ: بیڑی ڈالنا، روکنا۔۔۔ المجازفۃ: انکل پکچو، بے نیکی باتیں کرنا مجازفۃ: انکل سے خرید و فروخت کرنا۔
تدأب: بابت تفصیل کے معنی میں عادی ہونا۔ مآذہ: دأب ہے جس کے معنی میں حالت، عادت۔ یہ لفظ مخطوطہ کراچی میں
اعراب کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور بین السطور میں اس کا ترجمہ اعتادات بھی لکھا ہوا ہے۔ مطبوعہ میں یہ لفظ بگڑ گیا ہے۔



سربراہ مملکت کے لئے سات ضروری باتیں

سربراہ مملکت کے لئے درج ذیل سات باتیں ضروری ہیں:

① اپنی فرمانبرداری ثابت کرنے کے لئے بادشاہ کو چاہئے کہ بہترین کارکنوں کی ہمت افزائی کرے، اور تا کا رہ
افراد کی ہمت بخشنے کرے اور جو اس کی نافرمانی کرے اس کی سرزنش کرے مثلاً بادشاہ کسی شخص کی کسی جنگ میں یا خراج کی
تحصیل میں یا مملکت کے نظم و انتظام میں اچھی کارکردگی دیکھے تو بطور انعام اس کی تنخواہ میں اضافہ کرے، اس کا منصب
بلند کرے اور اس سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ اور اگر خیانت دیکھے یا دیکھے کہ وہ کام میں پیچھے رہتا ہے یا کھسک
جاتا ہے تو بطور سرزنش اس کی تنخواہ گھٹا دے، اس کا منصب پست کر دے اور اس سے روگردانی کرے۔

② بادشاہ کو دوسروں سے زیادہ دولت مند ہونا چاہئے۔ مگر اس کی مالدارمی ایسی چیزوں کے ذریعہ ہونی چاہئے جو
پبلک کے لئے تنگی کی باعث نہ ہوں۔ مثلاً ویران زمین کی آباد کاری کرنا یا کسی دور افتادہ علاقہ کو ترقی (Reserve Area)
بنانا اور اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا۔

③ بادشاہ کسی پر سخت گیری اس وقت کرے جب پہلے وہ ارکان دولت اور اکابر مملکت کی ذہن سازی کر لے۔ وہ
پہلے ان کے سامنے یہ بات ثابت کرے کہ وہ شخص مرزا کا مستحق ہے اور ملکی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی گوشائی کی
جائے۔ اس ذہن سازی کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بادشاہ کے اقدام سزا کے بعد لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوں گی تو ملک کا
یہ عالی دماغ طبقہ اس کو سنبھال لے گا، ورنہ یہ لوگ خود اس میں حصہ دار بن جائیں گے اور ملک میں خفاشا رہوگا۔

④ بادشاہ میں فرامست اور قیافہ شامی ضروری ہے، ہتا کہ وہ لوگوں کے دلوں کی خفگی یا توں کو تازہ کرے۔

⑤ بادشاہ نہایت زیرک ہونا چاہئے کہ اگر وہ کسی کے بارے میں انکل باندھے تو گویا اس نے اپنی آنکھوں سے
دیکھا ہے، اور کانوں سے سنا ہے۔

⑥ بادشاہ ضروری کاموں کو التوا میں نہ ڈالے، تاخیر سے بعض مرتبہ نقصان ہوتا ہے اور کاموں کا نجوم بھی

ہو جاتا ہے۔

⑤ اگر کوئی شخص دل میں بادشاہ سے عداوت رکھتا ہے تو بادشاہ اس کے معاملہ میں غفلت نہ برتے، بلکہ جب تک اس کے پروگرام کو پس نہیں نہ کر دے اور اس کے زور کو توڑ نہ دے چین سے نہ بیٹھے۔

والمملک مع ذلك يحتاج إلى إيجاب طاعته بالانتقام ممن عصاه، فلهما استشعر من رجل كفاية في حرب، أو جباية، أو تدبير، فليضاعف عطاءه، وليرفع قدره، وليسطر له بشره؛ ومهما استشعر منه خيانة، وتخلفا، وانسلا لا، فلينبقص من عطائه، وليخفض من قدره، وليطو عنه بشره؛ وإلى يسار أكمل من يسار الناس؛ وليكن ممالا يضيّق عليهم، كنواب نجيبه، وناحية بعيدة يخميها، ونحو ذلك؛ وإلى أن لا يبطش بأحد، إلا بعد أن يوضح على أهل الحل والعقد؛ أنه يستحقه، وأن المصلحة الكلية حاکمة به؛ ولا بد للملك من فراسة يتعرف بها ما أضمرت نفوسهم، ويكون ألعيا يظن بك الظن كأن قد رأى وقد سمع؛ ويحب عليه أن لا يؤخر ما لا بد منه إلى غده؛ ولا يضبر إن رأى منهم أحدا يضم عداوته دون فك نظامه، وإضعاف قوته، والله أعلم.

ترجمہ: اور بادشاہ ان (گذشتہ) باتوں کے ساتھ (مستزاد) اپنی فرمانبرداری ثابت کرنے کے لئے اس بات کا محتاج ہے کہ وہ اس شخص سے بدلے (یعنی سرزنش کرے) جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ پس جب بادشاہ کسی شخص کی کسی جنگ میں یا خارج کی تحصیل میں یا مملکت کی تدبیر میں کوئی اچھی کارکردگی محسوس کرے تو اس کی تنخواہ بڑھا دے، اور اس کا منصب بلند کرے، اور اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے، اور جب اس سے خیانت، پیچھے ہٹنا اور کھسک جانا دیکھے تو اس کی تنخواہ کم کر دے، اور اس کا منصب گھٹا دے، اور اس سے روگردانی کرے۔ اور بادشاہ ایسی مالدار کی کا بھی محتاج ہے جو عام لوگوں کی مالدار کی سے کامل تر ہو، اور چاہئے کہ وہ مالدار کی ان چیزوں کے ذریعہ ہو جو لوگوں پر تنگی نہ کریں، جیسے کوئی غیر آباد زمین جس کی آباد کاری کرے اور دور افتادہ علاقہ، جس کو جمی (محموظ عاقد) قرار دے، اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ اور بادشاہ اس کا بھی محتاج ہے کہ وہ کسی پر سخت گیری نہ کرے مگر ارباب صل و عقد کے سامنے یہ بات ثابت کرنے کے بعد کہ وہ شخص سزا کا مستحق ہے اور یہ کہ مصلحت کا مقتضی وارو گیر ہے۔ اور بادشاہ میں ایسی فراست ضروری ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی باتیں جان لے۔ اور بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ ائمہ معی (نہایت تریک) ہو، جو تیرے بارے میں اگر کوئی اٹکل باندھ تو گویا اس نے اپنی آنکھوں اور کانوں سے دیکھا اور سنا ہے۔ اور بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ ضروری کاموں کو آئندہ پر نہ ٹالے۔ اور اگر بادشاہ کسی کو دیکھے کہ وہ دل میں بادشاہ سے عداوت پوشیدہ رکھتا ہے تو اس کے نظام کو دور ہم برہم کئے بغیر، اور اس کی

قوت کو کمزور کئے بغیر چین سے نہ بیٹھے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

اِنْشَغَرَ مِنْهُ: محسوس کرنا، بھگ پڑنا... خَفِيَ يَخْفَى كَفَايَةً: کافی ہونا۔ یہاں کفایۃ کے معنی کارنامہ کے ہیں
تَخَلَّفَ عَنْهُ: پیچھے رہنا..... اِنْسَلَّ مِنْهُ: چپکے سے کھسک جانا۔ طَوَى يَطْوِي طَيًّا: لپیٹنا... اَخْبَاهُ: زندہ کرنا
اَخْبَا الارض: سرسبز بنانا۔ حَمَى (ض) حَمَلًا الشَّيْءَ مِنَ النَّاسِ: روکنا، بچانا الحمی: وہ چراگاہ جس میں دوسروں
کو جانور چرا جانے کی ممانعت ہو۔

باب — ۸

سرکاری عملہ کے نظم و انتظام کا بیان

یہ ارفاق ثالث کا تیسرا اور آخری باب ہے۔ اس باب میں سرکاری عملہ کے احوال مذکور ہیں:

عملہ کی ضرورت، شرائط اور برتاؤ: بادشاہ چونکہ بذات خود حکومت کے تمام کام سرانجام نہیں دے سکتا، اس لئے حکومت کے ہر کام کے لئے علیحدہ علیحدہ ہونا ضروری ہے۔ اور ملازمین کے لئے چار شرطیں تو لازمی ہیں، اور ایک شرط مستزاد ہے یا یہ کہیں کہ چار شرطیں مثبت ہیں اور پانچویں شرط منفی ہے:

۱- ایمان داری، فرض شناسی اور احساس ذمہ داری۔ کیونکہ اس کے بغیر کام یہ خوبی انجام نہیں پاسکتے۔

۲- جو کام کسی کے سپرد کیا جائے، اس کی انجام دہی کی اس میں پوری صلاحیت ہونی چاہئے۔ نااہل نہ صرف یہ کہ نا کام رہتا ہے بلکہ وہ سارا معاملہ بگاڑ دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے اِذَا وَضَدَ الْأَمْرَ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانظُرْ الْمُسَاعَدَةَ (بخاری کتاب العلم۔ باب دوم حدیث نمبر ۵۹) ترجمہ: جب کام نااہل کو سونپا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ قیامت کے دن تمام چیزیں نابود ہو جائیں گی۔ اسی طرح اب انتظار کرو کہ کب کام درہم برہم ہوتا ہے۔

۳- ملازمین میں بادشاہ کی معروف کاموں میں فرماں برداری ضروری ہے۔ اطاعت ہی سے نظم و ضبط (Discipline) پیدا ہوتا ہے اور کام سنور تے ہیں۔

۴- اور ملازمین میں ظاہر اور باطناً بادشاہ اور مملکت کی خیر خواہی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خیر خواہی کا نام ہی دین ہے (الدين النصيحة) پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کسی کی؟ ارشاد فرمایا: ”اللہ کی، اللہ کی کتاب کی، اللہ کے رسول کی، مسلمانوں کے پیشواؤں کی اور عام مسلمانوں کی“ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ کتاب الآداب، باب الشفقة، الف، حدیث نمبر ۴۶۶۶)

پس جس ملازم میں ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے، وہ برطرفی کا مستحق ہے۔ بادشاہ کو چاہئے کہ اس کو فوراً معزول

کردے، ورنہ مملکت کے ساتھ خیانت ہوگی اور بادشاہ اپنے حق میں کاٹنے بولے گا۔

۵:- اور مناسب یہ ہے کہ اس شخص کو ملازم نہ رکھا جائے جس کو بوقت ضرورت محضول کرنے میں دشواری پیش آئے۔ وہ خاندانی اثر و رسوخ رکھتا ہو یا اس کا بادشاہ پر شرف و شہرت داری وغیرہ کا حق ہو، پس اگر اس کو برطرف کیا جائے گا تو لوگ برا سمجھیں گے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی فتنہ کھڑا ہو۔

مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز: بادشاہ کو چاہئے کہ وہ اپنے محبت کرنے والوں میں امتیاز کرے کہ کون کس وجہ سے محبت کرتا ہے؟ کیونکہ بعض لوگ امید و بیم کی وجہ سے تعلق رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنا تو نہیں سمجھنا چاہئے، مگر ان کی دلدادگی اور کسی نہ کسی طرح ان کے ساتھ شاہ کرنا ضروری ہے، ایسے لوگوں سے بھی بگاڑا چھانٹیں۔ شہد چاہئے تو مہال کو لات نہیں مانی چاہئے۔ اور بعض لوگ بے غرض محبت کرتے ہیں، وہ بادشاہ کے نفع و ضرر کو اپنا نفع و ضرر سمجھتے ہیں، یہی مخلص دوست، واقعی بہی خواہ اور سچے بہادر ہیں، ان کی قدر کرنی چاہئے اور ہر طرح ان کی ہمت افزائی کرنی چاہئے۔

سوال: پہلی قسم کے لوگوں کی دلدادگی کیوں ضروری ہے؟ وہ تو خود غرض ہیں!

جواب: خود غرضی ان کی فطرت ہے، وہ بدل نہیں سکتی۔ لہذا بادشاہ کو ان سے زائد از فطرت بات کی خواہش نہیں کرنی چاہئے، بادشاہ کو اپنا مقصد جو کچھ ان کے پاس ہے، اسی سے نکال لینا چاہئے اسی کو نفیست سمجھنا چاہئے کہ وہ مخالف نہیں ہیں۔ عمل کی اقسام اور ان کا مقام: سرکاری ملازمین تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱:- دشمن کے شر سے ملک کی اور بادشاہ کی حفاظت کرنے والے، جیسے فوج، پولس اور بادشاہ کے باڈی گارڈ۔ ان لوگوں کا مقام وہ ہے جو جسم انسانی میں ہاتھوں کا ہے، جو تھک رہا تھا تے ہیں، اگر ہاتھ نہ ہوں تو آدمی اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔
۲:- ملک کا نظم و انتظام کرنے والا عملہ، جیسے انتظامیہ اور عدلیہ وغیرہ۔ یہ لوگ انسان کے فطری قوی کی طرح ہیں، جن کے بغیر انسان کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ پس ان لوگوں کی اہمیت قسم اول سے زائد ہے۔

۳:- مشیران مملکت، جیسے وزراء اور مفتی وغیرہ۔ یہ حضرات بمنزلہ عقل و حواس کے ہیں، جن کے بغیر انسان، انسان نہیں، پاگل ہے یا ناقص انسان (اندھا، بہرہ، گولگا) ہے، کامل نہیں، پس ان کی حیثیت سب سے بڑی ہوتی ہے۔
فائدہ: بادشاہ کے لئے عملہ کے احوال سے باخبر رہنا ضروری ہے، تاکہ اصلاحی یا تخریبی باتوں کا پتہ چلتا رہے اور بروقت مداوا کیا جاسکے۔

﴿باب سياسة الأعوان﴾

لما كان الملك لا يستطيع إقامة هذه المصالح كلها بنفسه، وجب أن يكون له بإزاء كل حاجة أعوان؛ ومن شرط الأعوان: الأمانة، والقدرة على إقامة ما أمروا به، وانقياد الملك،

والنصح له ظاهرًا وباطنًا؛ وكلُّ من خالف هذه الشريعة فقد استحقَّ العزل؛ فإن أهمل الملك عزله فقد خان المدينة، وأفسد على نفسه أمره.

وينبغي أن لا يتخذ الأعوان ممن يتعذر عزله، أو ممن له حقُّ على الملك: من قرابة، أو نحوها، فيَقْبَحُ عزله؛ وليُمَيِّزَ الملكُ بين محبيه: فمنهم من يحبه لرهبته أو لرغبته، فليُجِرْهُ إليه بحيلة، ومنهم من يحبه لذاته، ويكون نفعه نفعاً له، وضرره ضرراً عليه، فذلك المحبُّ الناصح؛ ولكل إنسان جبلَّةٌ جُبلٌ عليها، وعادةٌ اعتادها، ولا ينبغي للملك أن يَرْجُوَ من أحد أكثرَ مفاعده.

والأعوان: إما حَفَظَةُ من شر المخالفين، بمنزلة الديدن الحاملتين للسلاح من بدن الإنسان؛ وإما مدبِّرون للمدينة، بمنزلة الفُرى الطبيعية من الإنسان؛ أو المشاورون للملك، بمنزلة العقل والحواس للإنسان؛ ويجب على الملك أن يسأل كلَّ يوم ما فيهم من الأخبار، ويعلم ما وقع من الإصلاح، وضدّه.

ترجمہ: اہل کاروں کے ساتھ برتاؤ کا بیان: جب بادشاہ بذات خود حکومت کے تمام کاموں کو سرانجام نہیں دے سکتا، تو ضروری ہے کہ بادشاہ کے لئے ہر کام کے مقابل مددگار (اہل کار) ہوں۔ اور معاونین کے لئے شرط ہے: امانت داری اور اس کام کی انجام دہی کی قدرت جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے اور بادشاہ کی فرمانبرداری اور ظاہر و باطن میں بادشاہ کی خیر خواہی — اور ہر وہ کارکن جس میں یہ شرط نہ پائی جائے وہ یقیناً برطرفی کا مستحق ہے۔ پس اگر بادشاہ نے اس کو معزول نہ کیا تو اس نے مملکت کے ساتھ خیانت کی، اور خود اپنی ذات کے لئے خرابی پیدا کی۔

اور مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے ملازم نہ رکھے، جس کا معزول کرنا دشوار ہو، یا جس کا بادشاہ پر حق ہو، رشتہ داری کی وجہ سے، یا اس طرح کی کسی اور چیز کی وجہ سے، پس برا ہوگا اس کا برطرف نہ کرنا — اور چاہئے کہ بادشاہ اپنے محبین میں امتیاز کرے، کیونکہ بعض لوگ بادشاہ سے محبت کرتے ہیں اس کے خوف کی وجہ سے، یا اس سے کسی امید کی وجہ سے، پس چاہئے کہ بادشاہ اس کو کسی تدبیر سے اپنی طرف کھینچے۔ اور بعض لوگ بادشاہ سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ لوگ بادشاہ کا نفع اپنا نفع اور بادشاہ کا نقصان اپنا نقصان سمجھتے ہیں، پس یہی شخص ”مخلص دوست“ ہے — اور ہر انسان کی ایک فطرت ہوتی ہے، جس پر وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اور ایک عادت ہوتی ہے جس کا وہ عادی ہوتا ہے اور بادشاہ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی سے اس چیز سے زیادہ کی امید رکھے جو اس کے پاس ہے (یہ سوال مقدر کا جواب ہے)

اور عمل یا تو مخالفین کے شر سے محفوظ رکھنے والے لوگ ہیں۔ اور یہ لوگ بدن انسانی میں اُن باتھوں کی طرح ہیں جو ہتھیار اٹھانے والے ہیں — یا وہ شہر کا انتظام کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ انسان کے فطری قوی کی طرح ہیں — یا بادشاہ کے مشیر ہیں۔ یہ لوگ انسان کی عقل اور حواس کی طرح ہیں — اور بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ روزانہ وہ خبریں معلوم

کرتا ہے جو ان کارکنوں کی ہیں اور ان باتوں کو جانتا رہے جو اصلاح کے قبیل سے یا اس کی ضد کے قبیل سے پیش آتی ہیں۔
 لغات: السعون (مصدر) مدد کرنا، مددگار، خادم، اہل کار، ملازم، سرکاری عملہ کا آدمی (واحد جمع، مذکر و مؤنث سب کے لئے مستعمل ہے) جمع اغفوان .. الشریطۃ: الشرط قبح یاب کرم: برا ہونا ... جَزَن (کھینچنا، گھسیٹنا ... بحیلۃ اُمی یظہر رُعبہ لمن یحب رعبہ، ویرغب لمن یحبہ رعبہ، وینحسن الیہ اھ سندی۔



سرکاری عملہ کی تنخواہ اور نمسٹ کے ذمہ ہے اور سرکاری خزانہ کی فراہمی کا طریقہ

بادشاہ اور اس کے معاونین (سرکاری کارکن) مملکت کے لئے مفید کاموں میں مشغول رہتے ہیں اس لئے ان کی تنخواہ مملکت کے ذمہ ہے۔ عقل کا بھی تقاضا ہے اور شریعت کا بھی اصول ہے کہ جو شخص کسی کے حق میں مجبوس ہو، اس کے مصارف کا ذمہ دار حاکم (روکنے والا) ہوتا ہے، جیسے بیوی بچہ شوہر مجبوس ہوتی ہے اور قیدیوں کو حکومت جیل میں ڈالتی ہے، اس لئے ان کا خرچ شوہر اور حکومت کے ذمہ ہے۔

اور سرکاری خزانہ کی فراہمی کے لئے منصفانہ طریقہ ہونا چاہئے جو رعایا کے حق میں ضرر رساں نہ ہو اور مملکت کی ضروریات بھی پوری کر دے۔ یعنی ٹیکس اور لگان مقرر کرنے میں دونوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ پبلک پر بہت زیادہ بار بھی نہ پڑے اور ملک کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔ پس ہر شخص پر اور ہر قسم کے مال پر ٹیکس لگانا مناسب نہیں، آخر کوئی توجہ ہے کہ مشرق و مغرب کے سلاطین متفق ہیں کہ محصول اہل ثروت (دو تہندوں) سے اور گتے ہوئے ذہیروں (بڑی جمع شدہ دولت) سے اور اموال نامیہ (پڑھنے والے مالوں) سے لیا جائے۔

اموال نامیہ: جیسے افزائش نسل کے لئے پالے ہوئے چوپائے، کاشتکاری، باغبانی، تجارت و غیرہ — اور اگر اسٹے لگان سے مملکت کی ضرورت پوری نہ ہو تو پھر ہر سروروز گاروگوں پر ٹیکس لگایا جائے۔ ان کی آمدنیوں میں سے ایک حصہ لیا جائے، بے روزگار لوگوں کو جن کی کوئی معقول آمدنی نہ ہو ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

ولما كان الملك وأعوأه عاملين للمدينة عملاً نافعاً، وجب أن يكون رزقهم عليها؛ ولا بد أن يكون لجباية العشور والخراج سنة عادلة، لا تضرب بهم، وقد كتف الحاجة؛ ولا ينبغي أن يضرب على كل أحد، وفي كل مال؛ ولأمرئاً أجمعت ملوك الأمم من مشارق الأرض ومغاربها: أن تكون الجباية من أهل الدثور، والقناطير المقنطرة، ومن الأموال النامية، كماشية متناصلة، وزراعة، وتجارة؛ فإن احتيج إلى أكثر من ذلك فعلى رؤس الكاسبين.

ترجمہ: اور جب بادشاہ اور اس کے معاونین مملکت کے لئے مفید خدمات انجام دیتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کا روزیہ مملکت کے ذمہ ہو۔ اور ضروری ہے کہ عشر و خراج کی وصولی کے لئے کوئی منصفانہ طریقہ ہو، جو رعایا کے حق میں ضرر رساں نہ ہو، اور ضروریات مملکت کے لئے کافی ہو جائے۔ اور یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ہر شخص پر، اور ہر قسم کے مال پر لگان مقرر کیا جائے اور کوئی توجہ ہے کہ مشرق و مغرب کے بادشاہوں نے اتفاق کیا ہے کہ محصول اہل ثروت سے، اور لگے ہوئے ڈھیروں سے، اور بڑھنے والے اموال سے، جیسے افزائش نسل کے لئے پالے ہوئے مویشی، کھیتی باڑی اور تجارت میں سے وصول کیا جائے۔ پھر اگر اس سے زیادہ مال کی ضرورت پیش آئے تو باروزگار لوگوں پر ٹیکس لگایا جائے۔ ترکیب: سنۃ عادۃ: اسم ہے ان یکون کا۔ اور خبر کا فعل آگیا ہے اس لئے یکون مذکر ہے۔



عسکری تنظیم کی ضرورت

پہلے بادشاہ خود "سالار افواج" ہوتا تھا، اس لئے بادشاہ کے لئے اپنے لشکر کی تنظیم ضروری ہے۔ اور لشکر کی تنظیم کا طریقہ وہی ہے جو اہل بیچیرے کو سدھانے کا ہے۔ اس فن کا ماہر گھوڑے کی چالوں کو خوب جانتا ہے یعنی روار، دنگی، پو، سرپٹ وغیرہ اور گھوڑوں کی بری عادتوں سے بھی واقف ہوتا ہے یعنی آڑنا وغیرہ اور وہ طریقے بھی جانتا ہے جس سے گھوڑے کو خوب تنبیہ ہوتی ہے یعنی ڈانٹنا، لکڑی وغیرہ چھوٹا اور کوڑا استعمال کرنا۔ پھر جب وہ بیچیرے کو سدھانے کے لئے لے جاتا ہے تو اس پر برابر نظر رکھتا ہے۔ جب بھی گھوڑا کوئی ایسی حرکت کرتا ہے جو نا پسندیدہ ہوتی ہے یا وہ کسی پسندیدہ بات کو چھوڑتا ہے تو وہ شخص گھوڑے کو سخت تنبیہ کرتا ہے۔

اس طرح بار بار تنبیہ کرنے سے گھوڑے کی طبیعت مطیع ہو جاتی ہے اور اس کی تیزی ٹوٹ جاتی ہے۔ دوسرے کسرش جانور ہاتھی، شیر وغیرہ بھی اسی طرح مطیع بنائے جاتے ہیں اور ان کو مختلف کاموں کے لئے ٹرینڈ کیا جاتا ہے۔

اور ٹریننگ دینے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ گھوڑے کو کوئی ایسی تنبیہ نہ کرے، جس سے گھوڑے کا دل پرانگندہ ہو جائے اور وہ سمجھ نہ سکے کہ اس کو کیوں مارا؟ جو بھی تنبیہ کرے اس سے گھوڑے کی سمجھ میں آتا چاہئے کہ اس کو فلاں غلطی پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اور یہ بات اس کے دل میں بیٹھ جانی چاہئے کہ وہ جب بھی یہ غلطی کرتا ہے تو اس کو سزا ملتی ہے۔ اور سزا کا خوف اس کے دل میں مستقل رہنا چاہئے۔ پھر تدریس مکمل ہونے کے بعد بھی اس وقت تک ریہرسل (Rehearsal) جاری رہنی چاہئے کہ سکھائی ہوئی باتیں اس میں ملکہ راسخہ اور عادت ثانیہ بن جائیں۔ اور صورت حال ایسی ہو جائے کہ اگر گھوڑے کو تنبیہ نہ بھی کی جائے تب بھی وہ سکھائے ہوئے طریقہ کے خلاف ورزی نہ کرے۔

اسی طرح عسکری تنظیم کرنے والے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فوج کو کیا کام کرنے چاہئیں اور کیا کام نہیں

کرنے چاہئیں، اور وہ ان طریقوں کو بھی جانتا ہو جن سے فوج کو تنبیہ ہوتی ہے۔ نیز سالار افواج کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ برابر فوج سے رہبر سل کر اتارے، کسی وقت بھی ان کو بے کار نہ چھوڑے۔

ولابد للمملک من سياسة جنوده؛ وطریق السياسة ما یفعله الرانض الماهر بفرسه، حیث یَتَعَرَّفُ اصنافَ الحَرْبِ: من اِرْقَالٍ، وَهَرُولَةٍ، وَغَدُوٍّ، وَغیرها؛ والعادات الذمیمة: من حَرُونَةٍ، وَنَحْوِها؛ والامور الّتی تَنبِیْہُ الفرس تنبیها بلیغا کالْخُصِّ، وَالزَّجَرِ، وَالسُّوْطِ، ثُمَّ یرَاقِبُه، فَکَلِمَا فَعَلَ مَا لَا یرْتَضِیْهِ، اَوْ تَرَکَ مَا یرْتَضِیْهِ بُنْبَیْهَ بِمَا ینْقَادُ لَه طَبْعُه، وَتَنکَسِرُ بِهِ سَوْرَتُه، وَلِیَقْصِدَ فِی ذَلْکَ اَنْ لَا یشَوِّشَ خَاطِرُه، فَلَا ینْقَطِعَنَّ لِمَا ذَا ضَرْبِه؟ وَلَتَکُنْ صَوْرَةُ الْاَمْرِ الَّذِیْ یُلْقِیْهِ اِلَیْهِ مَتَمَثِّلَةً فِی صَدْرِه، مَنَعْقِدَةً فِی قَلْبِه، وَالْخَوْفُ مِنَ الْمَجَازَاةِ حَقِیْمًا فِی خَاطِرِه؛ ثُمَّ اِذَا حَصَلَ فَعْلُ الْمَطْلُوبِ، وَالْکَفُّ عَنِ الْمَهْرُوبِ، لَا ینْبَغِیْ اَنْ یَتَرَکَ الرِیَاضَةَ، حَتّٰی یرى اَنْ الطَّرِیْقَةَ الْمَطْلُوبَةَ صَارَتْ خُلْفًا لَه وَذِیْدًا، وَصَارَ بَحِثُ لَوْ لَا الزَّجْرُ لَمَارِکُنْ اِلَیْ خِلَافِهَا؛ فَکَذَلْکَ یَجِبُ عَلٰی رَانِضِ الْجُنُودِ اَنْ یَعْرِفَ الطَّرِیْقَةَ الْمَطْلُوبَةَ فِعْلًا وَکُفًّا، وَالْاُمُورَ الّتی یَقَعُ بِهَا تَنْبِیْهُهُمْ، وَلِتَکُنْ مِنْ شَانِه اَنْ لَا یَهْمِلَ شَیْئًا مِنْ ذَلْکَ اَبَدًا.

ترجمہ: اور بادشاہ کے لئے اپنے لشکر کی تنظیم ضروری ہے۔ اور تنظیم کا طریقہ وہ ہے جو پتھیرے کو سدھانے کا ماہر اپنے گھوڑے کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ وہ خوب پہچانتا ہے چال کی قسمیں یعنی پویہ (دبکی) تیز روی (رہوار) سرپٹ وغیرہ، اور (چانتا ہے گھوڑوں کی) بری عادتیں یعنی اڑنا اور اس کے مانند، اور ان باتوں کو جو گھوڑے کو خوب تنبیہ کرتی ہیں، جیسے (کڑی وغیرہ) چھوٹا، چھڑکنا اور کوڑا۔ پھر وہ گھوڑے کی نگرانی رکھتا ہے۔ پس جب بھی گھوڑا کوئی ایسی حرکت کرتا ہے جو اس کو ناپسند ہوتی ہے یا کوئی ایسی بات چھوڑتا ہے جو اس کو پسند ہوتی ہے تو وہ گھوڑے کو ایسی سخت تنبیہ کرتا ہے کہ گھوڑے کی طبیعت اس کی مطیع ہو جاتی ہے اور اس کی تیزی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور چاہئے کہ ٹریننگ دینے والا جو بھی تنبیہ کرے اس میں اس بات کا خیال رکھے کہ گھوڑے کا دل مشغول نہ ہو جائے کہ وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ سدھانے والے نے اس کو کیوں مارا؟ اور چاہئے کہ اس امر کی صورت جس کو وہ گھوڑے کی طرف ڈال رہا ہے (یعنی جس غلطی پر تنبیہ کر رہا ہے اس کی صورت) اس کے سینہ میں موجود ہو، اس کے دل میں بیٹھنے والی ہو (یعنی وہ خوب سمجھ رہا ہو کہ اسے فلاں غلطی پر مارا گیا) اور سرز کا خوف اس کے دل میں بیٹھا رہنا چاہئے (کہ وہ جب بھی یہ غلطی کرے گا پینا جائے گا)۔ پھر جب مطلوبہ کام کا کرنا اور جس بات سے بھاگا (بچا) جا رہا ہے اس سے رکنا حاصل ہو جائے تو مناسب نہیں ہے کہ رہبر سل چھوڑ دے (بلکہ قرین جاری رکھے) تا آنکہ دیکھ لے کہ مطلوبہ طریقہ گھوڑے میں ملکہ راسخ اور اس کا وطیرہ بن گیا ہے۔ اور گھوڑا ایسا

ہو چکا ہے کہ اگر جھڑکانہ بھی جائے تب بھی وہ اس کے (سکھلائے ہوئے طریقہ کے) خلاف کی طرف مائل نہ ہوگا۔ پس اسی طرح عسکری تنظیم کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کرنے اور نہ کرنے کے مطلوبہ طریقوں کو جانے اور ان امور کو بھی جانے جن کے ذریعہ فوج کو تنبیہ ہوتی ہے اور چاہئے کہ سالار افواج کی یہ حالت ہو کہ وہ ان باتوں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑے۔

لغات: رَاضٍ يَرْضُ رَوْضًا وِ رِياضَةً المَهْرُ: بچھیرے کو سدھانا، صفت رَاضٍ اَرْقُلُ: پوئیہ چلنا، گھوڑے کا درمیانی چال چلنا، جس میں ایک وقت میں تین پیراٹھے ہیں هَرْوَلَةٌ: تیز چلنا۔ حَرُونَ (ن، ک) حَرُونًا البعلُ: اڑ جانا، اڑیل ٹٹو فَحَسَّ الدَّائِنَةُ: جانور کے پہلو یا پچھلے حصہ پر گکڑی یا مہینہ چھو کر اکسانا الذَّبْدَنُ: العادة: فَعْلًا وَ كَفًّا تميز ہیں المطلوبہ کی۔



سرکاری عملہ کی تعداد

سرکاری عملہ کی تعداد کسی عدد میں محدود نہیں، مملکت کی ضرورت پر اس کا دار و مدار ہے۔ کبھی ایک کام کے لئے دو آدمی ضروری ہوتے ہیں۔ اور کبھی دو کام ایک ہی آدمی سے نکل سکتے ہیں۔ البتہ سرکاری ملازمین کے بڑے صیفے پانچ ہیں:

① قاضی: (عدلیہ) اور قاضی میں یہ صفات ضروری ہیں ۱-: آزاو ہو، غلام نہ ہو ۲-: مرد ہو، عورت نہ ہو ۳-: بالغ ہو بچہ نہ ہو ۴-: خالق ہو، پاگل نہ ہو ۵-: منصب کی ذمہ داری ادا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو، نا اہل نہ ہو ۶-: لوگوں میں ہونے والے معاملات کے طریقوں کو جانتا ہو، اور مقدمات میں فریقین کی چالوں کو سمجھ سکتا ہو، بے بصیرت نہ ہو ۷-: مضبوط آدمی ہو، دھکیوں سے ڈرنے والا نہ ہو، مگر ساتھ ہی ہر بار بھی ہو، ہجر کر جانے والا نہ ہو۔

اور قاضی (Judge) کو مقدمات میں دو باتوں پر غور کرنا چاہئے۔

اول: مقدمہ کی حقیقت حال کیا ہے؟ کیا وہ کوئی عقد ہے، جیسے خرید و فروخت، ہبہ، نکاح وغیرہ، یا وہ کوئی ظلم و زیادتی کا معاملہ ہے، جیسے قتل، چوری، تہمت، حق تلفی وغیرہ، یا فریقین میں کسی معاملہ میں ریس (Race) ہے کہ دیکھیں کون جیتتا ہے؟ دوم: قاضی یہ جانے کہ فریقین میں سے شخص اپنے مقابل سے کیا چاہتا ہے، اور کس کی خواہش پر حق اور لائق ترجیح ہے؟ اور قاضی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقدمہ کی نسل اچھی طرح پڑھے، اور دلائل کے وزن کا اندازہ کرے۔ کیونکہ بعض دلائل صاف اور کھرے ہوتے ہیں۔ ان میں ادنیٰ شک کی گنجائش نہیں ہوتی، وہ دونوک فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور بعض دلائل ایسے نہیں ہوتے۔ ان میں دونوک فیصلہ ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے قاضی کو خوب غور کر کے حسب دلائل فیصلہ کرنا چاہئے۔

(۲) سالار افواج: (وزیر دفاع، چیف آف آرمی، کمرل، میجر، کپتان وغیرہ) اس میں یہ صفات ضروری ہیں:-
جنگی ساز و سامان کی واقفیت-۲: فوج کے جوانمردوں اور بہادروں کی تالیف قلب کے طریقوں سے باخبر ہونا-۳:-
کون فوجی کس وجہ کارآمد ہے اس کی واقفیت-۴:- میدان جنگ میں لشکر کی ترتیب، تنظیم کے طریقے جاننا-۵:- دشمن کے
مکر و فریب کو جاننے کے لئے مخبر (Reporter) اور جاسوس (Spy) مقرر کرنے کی مہارت۔

(۳) منتظم مملکت: وزیر داخلہ، رئیس بلد یہ (Mayor) منصب کا پیئر مین۔ اور ان میں یہ صفات ضروری ہیں:-
۱:- مملکت اور شہر کو سنوارنے اور یگاڑنے والی چیزوں کی واقفیت-۲:- مضبوط ہونا-۳:- بردبار ہونا-۴:- ایسی قوم کا
فرد ہونا جو ناپسندیدہ باتوں کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے ہوں۔

اور منتظم مملکت کا طریقہ کار یہ ہونا چاہئے کہ وہ ہر قوم پر انہی میں سے ایک گمران (خیل، بکھیا) مقرر کرے جو ان
لوگوں کے احوال سے باخبر ہو۔ وہ اس چودھری کے ذریعہ لوگوں کے معاملات پر کنٹرول کرے۔ اور اگر اس قوم میں کوئی
شر و فساد پیدا ہو تو اس گمران سے باز پرس کرے۔

(۴) عامل: (وزیر مالیات، تحصیلدار وغیرہ) اور وہ ایسا شخص ہوتا چاہئے جو ٹیکس اور محصول جمع کرنے کی شکوہوں سے
اور سختیوں میں اس کو تقسیم کرنے کے طریقوں سے واقف ہو۔

(۵) وکیل (وہ شخص جس کو بادشاہ اپنے ذاتی کام سپرد کرے، پرائیویٹ سکریٹری) یہ شخص بادشاہ کے معاشی امور
سرا انجام دے گا۔ کیونکہ بادشاہ مملکت کے کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے اپنی ضروریات کا انتظام نہیں کر سکتا۔

ولیس للأعوان حصر فی عدد، لکنہ یدور علی دوران حاجات المدینة، فریما نفع الحاجة الی
اتخاذ عونین فی حاجة، وربما کفی عون لحاجتین، غیر أن رؤس الأعوان خمسة:

[۱] القاضي: ولیکن حرّاً، ذکراً، بالغاً، عاقلاً، کافياً، عارفاً بسنة المعاملات، وبمکاید
الخصوم فی اختصامهم، ولیکن ضلّياً، حلیماً، جامعاً للأمرین؛ ولینظر فی مقامین: أحدهما:
معرفةً جلیبةً الحال، وهی: إما عقد، أو مظلمة، أو مسابقة بینهما؛ وثانیهما: ما یرید کلّ واحد
من صاحبه: أئى الإرادتین أصوب؟ وأرجح؟ ولینظر فی وجه المعرفة: فهناک حجةً لا یربب فیها
الناس، تقتضی الحکم الصّراح، وحجةً لیست بذاک، تقتضی حکماً دون الحکم الأول.

[۲] وأمیر الغزاة: ولیکن من شأنه معرفةً عدّة الحروب، وتالیف الأبطال والشجعان، ومعرفةً
مبلغ کل رجل فی النفع، وکيفية تبغية الجیوش، ونصب الجواسیس والخبرة بمکاید الخصوم.

[۳] وسانس المدینة: ولیکن مجرباً، قد عرف وجوه صلاح المدینة وفسادها، ضلّياً،
حلیماً، ولیکن من قوم لا یسکتون إذا رأوا خلاف ما یرتضونه؛ ولینخذ لکل قوم نقیباً منهم،

عارفاً بأخبارهم، ينتظم به أمرهم، ويؤاخذ به عندهم.

[۴] والعامل: وليكن عارفاً بكيفية جباية الأموال، وتفريقها على المستحقين.

[۵] والوكيل: المتكفل بمعاش الملوك، فإنه مع ما به من الأشغال لا يمكن أن يتفرغ للنظر

إلى إصلاح معاشه.

ترجمہ: اور معاونین کی تعداد کسی عدد میں محدود نہیں ہے، بلکہ وہ مملکت کی ضرورتوں کے گھونٹنے کے ساتھ گھومتی ہے۔ پس کبھی ایک کام کے لئے دو ملازم رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور کبھی دو کاموں کے لئے ایک ملازم کافی ہو جاتا ہے۔ البتہ معاونین کے بڑے شعبے پانچ ہیں:

۱:- قاضی: اور چاہئے کہ وہ آزاد، مرد، بالغ، عاقل، منصب کی ذمہ داری پوری کرنے کی صلاحیت رکھنے والا، معاملات کے طریقہ کو اور لوگوں کے مقدمات میں فریقین کی چالوں کو جاننے والا ہو۔ اور چاہئے کہ وہ مضبوط اور ہر بار، دونوں باتوں کا جامع ہو۔ اور چاہئے کہ وہ مقدمات میں دو باتوں میں غور کرے اول: حقیقت حال سمجھے کہ کوئی عقد ہے یا زیادتی ہے یا کوئی دوش ہے۔ دوم: ہر شخص اپنے مقابل سے جو چاہتا ہے (اس کو سمجھے، نیز یہ جانے کہ) دونوں میں سے کس کا چاہنا ہر حق اور قابل ترجیح ہے۔ اور چاہئے کہ پہچاننے کی صورت میں غور کرے: پس وہاں کوئی حجت تو ایسی ہوتی ہے جس میں لوگوں کو کچھ شک نہیں ہوتا، جو خالص حکم چاہتی ہے اور دوسری دلیل ایسی نہیں ہوتی، وہ پہلے حکم سے فروتر حکم چاہتی ہے۔

۲:- اور سالار افواج: اور چاہئے کہ اس کے حال میں سے جو جنگی ساز و سامان کو پہچانا، اور جو ان مردوں اور بہادروں کی تالیف کے طریقوں کو جاننا۔ اور یہ جاننا کہ کس آدمی سے کس قدر نفع متوقع ہے۔ اور میدان جنگ میں لشکر کو مرجب کرنے کا طریقہ جانتا، اور دشمن کی غریب کاریوں کی خبر دینے والوں کو اور جاسوسوں کو مقرر کرنے کا طریقہ جانتا۔

۳:- اور منتظم شہر: اور چاہئے کہ وہ تجربہ کار ہو۔ شہر کی صلاح و فساد کی شکلوں کو خوب جانتا ہو، مضبوط اور ہر بار ہو، اور چاہئے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جو خاموش نہ رہ سکتے ہوں، جب وہ کوئی ایسی بات دیکھیں جو ان باتوں کے خلاف ہو، جو ان کو پسند ہیں (یعنی وہ ناپسندیدہ باتوں کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے ہوں) اور چاہئے کہ وہ ہر قوم پر انہی میں سے ایک گنراں مقرر کرے، جو ان لوگوں کے احوال سے باخبر ہو، جس کے ذریعہ ان لوگوں کے معاملات منظم ہوں۔ اور اس سے ان باتوں کا مؤاخذہ کرے جو اس قوم میں پیش آئیں۔

۴:- اور عامل: اور چاہئے کہ وہ اموال کا محصول جمع کرنے کے طریقوں کو، اور اس کو مستحقین میں تقسیم کرنے کی صورتوں کو جاننے والا ہو۔

۵:- اور وکیل: جو بادشاہ کے معاشی امور کا ذمہ دار ہو۔ پس بیشک بادشاہ کے لئے اپنے مشاغل کے ساتھ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کی اصلاح میں غور و فکر کرنے کے لئے وقت نکال سکے۔

لغات: الجلی: واضح موکث جلیہ، جلیۃ الأمر: کھلا ہوا معاملہ۔ غنائفۃ وتغینا الجيش للحرب: میدان جنگ میں لشکر کو مرتب کرنا۔

نوٹ: مُسَابَقۃ اصل میں اور تینوں مخطوطوں میں سَابَقۃ ہے جو تصحیف ہے۔ یہ تصحیح مولانا سندھی رحمہ اللہ کی تقریر سے کی گئی ہے۔

باب — ۹

خلافت کبریٰ کا بیان

ارتفاق رابع کے لئے صرف یہی ایک باب ہے۔ اور ارتفاق رابع سے مراد خلافت کبریٰ (مرکزی حکومت) کا نظام ہے۔ یہ بھی حکمت عملیہ کی ایک قسم ہے۔ اور یہ وہ فن ہے جو مختلف ممالک کے حکام اور فرمانرواؤں کے ساتھ برتاؤ، اور مختلف علاقوں (ممالک) کے درمیان پائے جانے والے روابط کی نگہداشت کے طریقوں سے بحث کرتا ہے۔

خلیفہ کی ضرورت: جب متعدد بادشاہ مستقل فرماں روا بن جاتے ہیں اور ان کے پاس خزانہ جمع ہو جاتا ہے اور فوج اکٹھا ہو جاتی ہے تو ان میں خرنشے شروع ہو جاتے ہیں۔ سب کی طبیعتیں اور استعدادیں یکساں نہیں ہوتیں، اس لئے نظم و زیادتی شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہ راہ راست چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض بعض کی مملکت کی آرزو کرنے لگتا ہے اور ایک دوسرے پر حسد شروع ہو جاتا ہے اور ذاتی مفادات کے لئے جنگ چھڑ جاتی ہے، جیسے غنیمت کی لاچ، ملک گیری کی ہوس، جہن، کینہ وغیرہ۔ جب اس قسم کی باتیں بادشاہوں میں بہت زیادہ ہو گئیں تو لوگوں نے خلیفہ کی ضرورت محسوس کی اور مرکزی حکومت کا قیام ضروری ہو گیا۔

اور خلیفہ سے مراد: وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا لشکر اور فوجی ساز و سامان ہو کہ دوسرا کوئی شخص اس کا ملک چھین لے یا بات بظاہر محال نظر آتی ہو، گو یہ بات فی نفسہ ممکن ہے، مگر عام شورش، بھاری کوشش، زبردست فوج اور اربوں کھربوں دولت خرچ کر کے ہی ممکن ہوتی ہے، جس کی ہمت کون کر سکتا ہے؟ عادیہ یا بات ناممکن ہے۔

﴿باب الارتفاق الرابع﴾

وهی الحکمة الباحثة عن سياسة حُکام المُدُن و ملوکها، و کیفیة حفظ الربط الواقع بین أهل الأقالیم؛ و ذلك: أنه لما انفرز کل مملک بمدينته، و نُجی إلى الأموال، و انصَمَّ إليه الأبطال، أو جب اختلاف أُمم جِهم، و تشبَّث استعدادهم: أن یكون فیهم الحُجُور، و ترك السنة الراشدة، و أن یطمع بعضهم فی مدينة الآخر، و أن یحاسدوا، و یتقاتلوا بآراء جزئية: من نحو

رغبة في الأموال والأراضي، أو حسد وحقْد؛ فلما كثر ذلك في الملوك اضطروا إلى العليفة؛ وهو: من حصل له من العساكر والعُدَد ما يرى كالممتنع أن يسلب رجل آخر مملكته؛ فإنه إنما يتصور بعد بلاء عام، وجهد كبير، واجتماعات كثيرة، وبذل أموال خطيرة، تنقاصر الأنفس دونها، وتُحيله العادة.

ترجمہ: ارتفاق رابع کا بیان: اور ارتفاق رابع وہ فن ہے جو مختلف شہروں کے حکام اور فرماں رواؤں کے ساتھ برتاؤ، اور مختلف ممالک کے درمیان پائے جانے والے رابطہ کی نگہداشت کے طریقوں سے بحث کرنے والا ہے۔ اور وہ (یعنی خلیفہ کی ضرورت) اس لئے ہے کہ جب ہر بادشاہ اپنی مملکت کے ساتھ عقدہ ہو گیا۔ اور اس کے پاس اموال جمع کئے گئے، اور اس کے ساتھ بہادر مل گئے، تو ان کے مزاجوں کے اختلاف نے اور ان کی استعدادوں کے تفاوت نے واجب کیا کہ ان میں ظلم اور راہ راست کا چھوڑنا پایا جائے۔ اور یہ کہ بعض بعض کی مملکت کی آرزو کریں، اور یہ کہ وہ ایک دوسرے پر حسد کریں اور ذاتی اغراض سے باہم لڑیں: جیسے اموال و آراضی کی خواہش یا جملن اور کیڑ جیسی چیزیں۔ پس جب یہ چیزیں بادشاہوں میں بہت زیادہ ہو گئیں تو وہ خلیفہ مقرر کرنے کی طرف مجبور ہوئے۔

اور خلیفہ مخفی ہے جس کے پاس اتنا لشکر اور ساز و سامان ہو کہ خیال جیسا نظر آتا ہو کہ کوئی دوسرا شخص اس کا ملک جیت لے۔ پس بیشک یہ بات عام آزمائش اور بھاری کوشش اور بڑے اجتماع اور ڈیر سالہ خرچ کرنے کے بعد ہی متصور ہے، جس کے ورے نفوس کوتاہ رہ جاتے ہیں، اور جس کو عادت محال سمجھتی ہے۔

لغات: المُنْدَن (وال کے چیش اور سکون کے ساتھ) المدینۃ کی جمع ہے۔ ذلک کا مشارالیه الارتفاق الرابع ہے۔ العُدَّة: سامان حرب وغیرہ جمع عُدَّة۔ ... البلاء: آزمائش، فتنہ، شورش..... فإنه إنما يتصور میں ضمیر سلب کی طرف لوثی ہے، جو سلب سے مفہوم ہے اور إنما مخطوط کراچی سے ہوا ہے۔ ہی الحکمة میں ضمیر ہی، الارتفاق الرابع کی طرف لوثی ہے، کیونکہ اس سے مراد خلافت ہے۔



خلافت کا فائدہ

خلافت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کے زیر سایہ خدا کے بندے اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ بتائے کی شعب الایمان میں حدیث ہے إن السلطان ظلُّ الله في الأرض يأوي إليه كلُّ مظلوم من عباده (مشکوٰۃ کتاب الإمامہ حدیث نمبر ۳۷۱۸) ترجمہ: بادشاہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے۔ اللہ کے بندوں میں جو بھی مظلوم ہوتا ہے وہ اس سایہ میں ٹھکانہ لیتا ہے۔ اور متفق علیہ روایت ہے کہ إنما الإمام جنة يقاتل من ورائه، ويُنتفى به (مشکوٰۃ کتاب الإمامہ حدیث نمبر ۳۶۶۱)

ترجمہ: امام ذہال ہے، اس کی آڑ میں لڑا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے جب خلیفہ پایا جاتا ہے اور وہ زمین میں اچھے انداز پر کام کرتا ہے اور سرکش لوگ اس کے سامنے سرگول ہو جاتے ہیں اور دوسرے بادشاہ اس کے فرمانبردار ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کامل ہو جاتی ہے۔

جنگ کی دو بنیادیں

خلیفہ کو دو وجہ سے جنگ چھیڑنی پڑتی ہے:

① دفاع کے لئے: جب درندہ صفت لوگ حملہ کرتے ہیں، لوگوں کے اموال لوٹتے ہیں، ان کے اہل و عیال کو قید کر کے لے جاتے ہیں، ان کی عزت کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور لوگوں کا ناک میں دم کر دیتے ہیں تو خلیفہ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ لوگوں سے ضرر ہٹانے کے لئے تلوار اٹھائے اور دشمنوں کا منہ کیل دے، ہاتھ توڑ دے اور پاؤں اکٹھا کر دے۔ بنی اسرائیل جب اس قسم کے حالات سے دوچار ہوئے تھے تو انھوں نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں (سورۃ البقرہ آیت ۲۴۶)

② اقدامی طور پر: جب خواہش پرست اور درندہ صفت لوگ بدرہی اختیار کرتے ہیں، زمین میں اُدھم مچاتے ہیں اور اللہ کی زمین کو فتنہ سے بھر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے توسط سے یا براہ راست خلیفہ کو الہام فرماتے ہیں کہ وہ ان شر پسندوں کی شوکت کو توڑ دے اور ان لوگوں کو تیغ کر دے جن کی اصلاح کی قطعاً کوئی امید نہیں، جو انسانوں میں سزا لگے ہوئے عضو کی طرح ہیں، جس کو کاٹ کر پھینک دینا ہی مصلحت ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۵۱ میں ہے ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ، وَلَئِنْ اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے ہیں تو زمین فساد سے بھرد جاتی، مگر اللہ تعالیٰ جہاں والوں پر بڑے فضل والے ہیں) اور سورۃ الحج آیت ۴۰ میں ہے: ”اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو بعض بعض کے ذریعہ دفع کرتے ہیں، تو (اپنے اپنے زمانہ میں) نصاریٰ کے غلوٹ خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے، اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم کر دیئے جاتے بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غالب والا ہے“ اور سورۃ البقرہ آیت ۱۹۳ میں ہے: ”ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد نہ رہے“ یہی مضمون سورۃ الانفال آیت ۳۹ میں بھی ہے ان تمام آیات میں جنگ کے اسی سبب کی طرف اشارہ ہے۔ غرض جب دین اور دعوت کی راہ میں دشمن رکاوٹ ڈالیں اور اسلام کی راہ میں اڑچن کھڑی کریں اور مسلمانوں کا جینا و دھج کر دیں تو خلیفہ کے لئے جنگ چھیڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔

وإذا وجد الخليفة، وأحسن السيرة في الأرض، وخضعت له الجبابرة، وانقاد له الملوك: تَمَّت النعمة، واطمأنت البلاد والعباد.
واضطر الخليفة إلى إقامة القتال:

[۱] دفعاً للضرر اللاحق لهم من النفس سَعِيَّة: تَنَهَبْ أَمْوَالَهُمْ، وَتَسْبِ ذُرَارِيَهُمْ، وَتَهْتِكْ حَرَمَهُمْ؛ وهذه الحاجة هي التي دعت بني إسرائيل إلى أن ﴿قَالُوا لَنَبِيِّ لَهُمْ: ائْتِنَا مَلَكًا نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [۲] وابتداءً، إذا أساءت أنفس شهوية أو سَعِيَّة السيرة، وفسدوا في الأرض، فالله سبحانه — إما بلا واسطة، أو بواسطة الأنبياء —: أَنْ يَسْلِبَ شَوْكَهُمْ، وَيَقْتُلَ مِنْهُمْ مَنْ لَا سَبِيلَ لَهُ إِلَى الْإِصْلَاحِ أَصْلًا، وَهُمْ فِي نَوْعِ الْإِنْسَانِ بِمَنْزِلَةِ الْعُضْوِ الْمُؤَوَّفِ بِالْأَكْلِ؛ وهذه الحاجة هي المشار إليها بقوله تعالى: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتَّتْ صُمُاعُ رَبِّعٍ﴾ الآية، وقوله تعالى: ﴿وَفَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِئْتَةٌ﴾

ترجمہ: اور جب خلیفہ پایا جاتا ہے، اور وہ زمین میں اچھی طرح کام کرتا ہے اور سرکش لوگ اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، اور تمام بادشاہ اس کے فرمانبردار ہو جاتے ہیں تو اللہ کی نعمت کامل ہو جاتی ہے۔ اور شیر اور بندے اطمینان کا سانس لیتے ہیں — اور خلیفہ جنگ چھیڑنے کے لئے مجبور ہوتا ہے:

۱- اس ضرر کو ہٹانے کے لئے جو لوگوں کو لاحق ہوتا ہے درندہ خوانوں کی طرف سے: جو لوگوں کے اموال لوٹتے ہیں۔ اور ان کے عیال کو گرفتار کرتے ہیں، اور ان کے ناموس کی پردہ دری کرتے ہیں۔ اور یہی وہ ضرورت ہے جس نے بنی اسرائیل کو اس بات کی طرف بلایا کہ: ”انھوں نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم راہ خدا میں لڑیں“

۲- اور ابتداءً، جب خواہش پرست اور درندہ صفت لوگ بدرای اختیار کرتے ہیں اور زمین میں بگاڑ پھیلاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ (خلیفہ) الہام فرماتے ہیں — یا تو بلا واسطہ یا انبیاء کے واسطہ سے — کہ وہ ان شریروں کی شوکت چھین لے، اور ان میں سے ان لوگوں کو قتل کر دے، جن کی اصلاح کی قطعاً کوئی امید نہیں رہی اور وہ نوع انسانی میں سزا لگے ہوئے ماؤف عضو کی طرح ہیں۔ اور یہی ضرورت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مشار الیہ ہے: ”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو، بعض کو بعض کے ذریعہ ہٹایا نہ کرتے تو خلوت خانے اور عبادت خانے وحادیئے جاتے“ آخر آیت تک پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ: ”لڑو ان سے تا آنکہ فتوۃ تم ہو جائے۔“

لغات: الْحَرَمَةُ: مَا لَا يَحِلُّ انْتِهَا كُهُ مِنْ ذِمَّةٍ، أَوْ حَقٍّ، أَوْ صَحْبَةٍ، أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ، وَالْجَمْعُ حَرَمٌ (المعجم

الوسيط)

خلیفہ اور جنگ

مختلف وجہ سے خلیفہ کو جنگ سے سائبہ پڑتا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں آئندہ باتیں یاد رکھنی چاہئیں:

① سرکش فرمانرواؤں سے نہرو آزمانی، اور ان کی شان و شوکت کی پامالی، بھاری خزانے اور عظیم افواج کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے خلیفہ کو ان دونوں چیزوں کی فراہمی کی طرف خاص طور پر متوجہ رہنا چاہئے۔

② دشمن سے کب جنگ مناسب ہے اور کب صلح اور کب ان کو زیرِ نگین کر کے خراج و جزیہ مقرر کرنا بہتر ہے؟ ان تینوں چیزوں کے اسباب کا جاننا خلیفہ کے لئے ضروری ہے۔ جب کوئی ملک فتح کر کے اس کے باشندوں کو زمینوں پر برقرار رکھا جاتا ہے تو زمین کا جو محصول ان سے لیا جاتا ہے، وہ ”خراج“ کہلاتا ہے۔ اور خود ان غیر مسلموں سے جو سالانہ رقم وصول کی جاتی ہے وہ ”جزیہ“ کہلاتی ہے۔ نو شیرواں کے وقت میں فوجی خدمات سے بچنے والوں سے یہ جزیہ لیا جاتا تھا۔ اور عہد اسلام میں صرف غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے، کیونکہ ان کو بھی فوجی خدمات سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے اور اسلامی حکومت غیر مسلم رعایا کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے، جو فوج اور پولس کے ذریعہ انجام دی جاتی ہے، اس لئے جزیہ کی رقم کا ایک حصہ اس مد میں خرچ کیا جاتا ہے۔

③ جنگ چھیڑنے سے پہلے جنگ کا مقصد متعین کر لینا چاہئے تاکہ مقصد برآری پر اکتفا کیا جائے اور مقصد سے تجاوز نہ کیا جائے، ورنہ ظلم و زیادتی ہوگی مثال کے طور پر جنگ کے چار مقاصد ہو سکتے ہیں:

(۱) کسی ظلم کے دفعیہ کے لئے جنگ چھیڑی گئی ہے، تو جب ظالم ظلم سے باز آ جائے اور اس کا اطمینان ہو جائے تو جنگ بند کر دینی چاہئے۔

(۲) اگر جنگ کا مقصد حیثیتِ فطرت، درندہ خو لوگوں کا قلع قمع ہے، جن کی اصلاح کی قطعاً کوئی امید نہیں تو ان کو بہر حال قتل کرنا چاہئے اس سے پہلے جنگ نہیں روکنی چاہئے۔

(۳) اگر گرم تر درجہ کے خلیفہ لوگوں کی شوکت و سطوت کا خاتمہ کر کے ان کو بچاؤ کا مقصد ہے تو اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔

(۴) اگر زمین میں شروفساد پھیلانے والوں کو نیست و نابود کرنا مقصود ہے تو ان کے ان مرداروں کو قتل کرنا چاہئے جو ان کے لئے پلائنگ کرتے ہیں، یا ان کو پاب نہی کر دینا چاہئے یا ان کے مال و متاع اور آراخی کی قُرتی کر لینی چاہئے یا رعایا کا رخ ان سے پھیر دینا چاہئے تاکہ وہ بے حیثیت ہو کر رہ جائیں۔

④ جنگ کوئی کھیل نہیں۔ جنگ سے زمین و دیراں، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ لہذا معمولی مقاصد کے لئے مثلاً مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ چھیڑنا مناسب نہیں، ہم نوادوں کی معتد بہ جماعت کو دنیا کی چند کڑیوں کے لئے فدا کر دینا کسی طرح بھی قرین صواب نہیں۔

(۵) خلیفہ کو یہ کام ضرور کرنے چاہئیں: (الف) پبلک کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا (ب) رعیت میں کون گھس کس درجہ کا آمد ہے، اس کو پہچاننا، تاکہ خلیفہ کسی سے اس کی حیثیت سے زیادہ توقعات وابستہ نہ کرے (ج) سرداروں اور زیرک و ذہین لوگوں کی قدر و منزلت بڑھانا (د) ترمذیہ و ترہیب کے ذریعہ لوگوں کو جنگ پر ابھارنا۔

(۶) جنگ میں خلیفہ کی اولین نگاہ مخالفین کی جمعیت منتشر کرنے کی طرف، ان کی دھار کو کند کرنے کی طرف اور ان کے دلوں کو خوفزدہ کرنے کی طرف ہونی چاہئے تاکہ دشمن خلیفہ کے سامنے دست بستہ حاضر ہو جائیں۔

(۷) جب جنگ میں خلیفہ ظفر یا ب ہو جائے تو دشمن کے معاملہ میں جنگ سے پہلے اس نے جو خیال قائم کیا ہے اس کو رو لعل لائے۔ سب کو محاف کر کے معاملہ رفع دفع نہ کر دے ورنہ ملک کا ذہین عنصر یہ خیال کرے گا کہ خلیفہ نے خواہ مخواہ جنگ لڑی ہے۔

(۸) اگر اندیشہ ہو کہ دشمن دوبارہ شرفساد پر آئے گا تو ان پر کمر توڑ خراج اور ناپود کرنے والا جزیہ مقرر کرے۔ ان کی گھڑیوں کو ڈھادے اور ان کو ایسا کر کے دکھ دے کہ وہ پھر سر نہ ابھار سکیں۔

وَلَا يُتَصَوَّرُ لِلْخَلِيفَةِ مَقَاتِلَةُ الْمُلُوكِ الْحَايَةِ، وَإِذَا لَمْ يَكُنْهُمْ، إِلَّا بِأَمْوَالٍ وَجَمْعِ رِجَالٍ؛ وَلَا يَدُ فِي ذَلِكَ مِنْ مَعْرِفَةِ الْأَسْبَابِ الْمَقْتَضِيَةِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْقِتَالِ، وَالْهَذْنَةِ، وَضَرْبِ الْخَرَاجِ، وَالْحِزْبَةِ؛ وَأَنْ يَتَأَمَّلَ أَوَّلًا مَا يَقْصُدُ بِالْمَقَاتِلَةِ: مِنْ دَفْعِ مَظْلَمَةٍ، أَوْ إِزْهَاقِ أَنْفُسٍ سَبْعِيَّةٍ خَبِيثَةٍ، لِأَيِّ رَجُلٍ صَلَاحُهَا، أَوْ كِبَرِ أَنْفُسٍ دُونَهَا فِي الْغَيْثِ بِإِزَالَةِ شَوْكِنِهَا، أَوْ كِبَرِ قَوْمٍ مُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ: بِقَتْلِ رءٍ وَسَهْمِ الْمَذْبُورِينَ لَهُمْ، أَوْ حَبْسِهِمْ، أَوْ حِيَاظَةِ أَمْوَالِهِمْ وَأَرَاضِيهِمْ، أَوْ صَرْفِ وَجْهِهِ الرِّعْيَةِ عَنْهُمْ.

وَلَا يَنْبَغِي لِخَلِيفَةٍ أَنْ يَقْتَحِمَ لِتَحْصِيلِ مَقْصِدٍ فِيمَا هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ، فَلَا يَقْصُدُ حِيَاظَةَ الْأَمْوَالِ بِإِغْنَاءِ جَمَاعَةٍ صَالِحَةٍ مِنَ الْمَوَافِقِينَ؛ وَلَا يَدُ مِنْ اسْتِمَالَةِ قُلُوبِ الْقَوْمِ، وَمَعْرِفَةِ مَبْلَغِ نَفْعِ كُلِّ وَاحِدٍ، فَلَا يَتَعَمَدُ عَلَى أَحَدٍ أَكْثَرَ مِمَّا هُوَ فِيهِ، وَالتَّوْبِيهِ بِشَانَ السَّرَاةِ وَالْذُّهَاءِ، وَالتَّحْرِيطِ عَلَى الْقِتَالِ تَرْغِيًا وَتَرْهِيًا، وَلَيْكِنْ أَوَّلُ نَظَرِهِ إِلَى تَفْرِيقِ جَمْعِهِمْ وَتَكْلِيلِ حُلَّتِهِمْ، وَإِخَافَةِ قُلُوبِهِمْ، حَتَّى يَتَمَثَّلُوا بَيْنَ يَدَيْهِ، لَا يَسْتَطِيعُونَ لِأَنْفُسِهِمْ شَيْئًا؛ فَإِذَا ظَفَرَ بِذَلِكَ فَلْيَتَحَقَّقْ فِيهِمْ ظَنَّهُ الَّذِي رَوَّهَ قَبْلَ الْحَرْبِ؛ فَإِنْ خَافَ مِنْهُمْ أَنْ يُفْسِدُوا تَارَةً أُخْرَى أَلْزَمَهُمْ خَرَا جًا مِنْهُمْ، وَجَزِيَّةً مُسْتَأْصَلَةً، وَهَذَمَ صِيَاصِيهِمْ، وَجَعَلَهُمْ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ لَهُمْ أَنْ يَفْعَلُوا فَعَلَهُمْ ذَلِكَ.

ترجمہ: اور خلیفہ کے لئے کمرش بادشاہوں سے جنگ کرنے کا اور ان کے وہ دبہ کو توڑنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا مگر

خزانہ اور فوج اکٹھا کرنے کے ذریعہ۔۔۔ اور جنگ کے سلسلہ میں ضروری ہے اُن اسباب کو چاہنا جو جنگ و مصالحت اور خراج و جزیہ کی تقرری میں سے ہر ایک کو چاہنے والے ہیں۔ اور یہ ضروری ہے کہ خلیفہ پہلے سوچے کہ جنگ سے کیا مقصد ہے؟ یعنی کسی ظلم کا دفعیہ یا ایسے خبیث درندہ صفت لوگوں کو نیست و نابود کرنا، جن کی اصلاح کی امید نہ رہی ہو، یا ان سے کم تر درجہ کے خبیث لوگوں کی شوکت کا خاتمہ کر کے ان کو ذلیل کرنا، یا زمین میں شرف و فساد پھیلانے والے لوگوں کو توڑنا: ان کے اُن سرداروں کو قتل کر کے جو ان کے لئے اسکیمیں بناتے ہیں، یا ان کو قید کر کے، یا اُن کے مال اور آراضی کی ضبطی کر کے یا رعایا کا رخ ان سے پھیر کر کے۔

اور خلیفہ کے لئے سزاوار نہیں کہ وہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسے کام میں گھسے جو اس سے زیادہ سخت ہے، پس وہ دولت سمیٹنے کا ارادہ نہ کرے ہم نوا لوگوں کی اچھی خاصی جماعت کو برباد کر کے۔ اور خلیفہ کے لئے ضروری ہے رعایا کے دلوں کو اپنی طرف جھکانا اور (پبلک میں سے) ہر ایک کے نفع کی مقدار کو پہچاننا، تاکہ کسی سے اس کی حیثیت سے زیادہ توقعات وابستہ نہ کرے اور سرداروں اور ذہین و چالاک لوگوں کی قدر و منزلت بلند کرنا، اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ جنگ پر لوگوں کو ابھارنا۔ اور چاہے کہ خلیفہ کی اولین نگاہ انھیں کی حیثیت کو منتشر کرنے کی طرف، ان کی دھار کو گھٹل کرنے کی طرف اور ان کے دلوں کو خوف زدہ کرنے کی طرف ہو، یہاں تک کہ وہ لوگ خلیفہ کے سامنے آ موجود ہوں، اس حال میں کہ وہ اپنے لئے کسی بات کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ پھر جب خلیفہ ان باتوں میں کامیاب ہو جائے تو ان لوگوں میں اپنا وہ مگان ثابت کرے جو اس نے جنگ سے پہلے قائم کیا ہے۔ پھر اگر ان سے دوبارہ شرف و فساد کا اندیشہ ہو تو ان پر بھاری خراج اور فتنہ کرنے والا جزیہ مقرر کرے، اور ان کی گھڑیوں کو ڈھاوے اور ان کو ایسا کر دے کہ ان کے لئے ممکن نہ رہے کہ وہ اپنی یہ حرکت پھر کریں۔

لغات:

اَزْهَقَ الْبَاطِلُ: باطل کو نیست و نابود کرنا۔۔۔۔۔ كَبَنَهُ: چھپاڑنا، توڑنا، رسوا کرنا۔۔۔۔۔ اِسْتَمَالَ اِسْتِمَالَةً: جھکانا، مائل کرنا، مہربان بنانا۔۔۔۔۔ نَوَّهَ تَوْبِهَا الشَّيْءُ: بلند کرنا۔۔۔۔۔ السَّرِيُّ: شریف خدی سرور، جمع سُرَاةٌ و سُرَاةٌ و سُرُوٌّ۔۔۔۔۔ الدَّاهِيَةُ: چالاک و ہوشیار مرد، اس میں تا مبالغہ کی ہے۔۔۔۔۔ تَحَلَّلَ السَّيْفُ: تلوار کو کند کرنا، گھٹل کرنا۔۔۔۔۔ تَحَقَّقَ الْخَبْرُ: ثابت ہونا تحقق الامر: ثابت کرنا اِیٰ اِنْ ظَهَرَ الْخَلِيفَةُ عَلَيْهِمُ، واطمان، فَلْيُثَبِّتْ فِيهِمُ الْمَقْصِدَ الَّذِي هِيَآهَ وَعَبْنَهُ قَبْلَ الْحَرْبِ، وقاتل لأجله، حتی لا یظن رؤساء الملک انا قتلناهم بلافائدة (سندی)۔۔۔۔۔ زَوْرَه: آراستہ کرنا اِیٰ هِیَاہ ورنہ (سندی)۔۔۔۔۔ مُنْهَكَ اِیٰ تھکلا اَنْهَکَ: سخت سزا دینا۔۔۔۔۔ اِسْتَفْصَلَ الشَّيْءُ: جُز سے اکھیرنا۔۔۔۔۔ الصِّصَصَةُ: و الصِّصَصِيَّةُ: قلعة، گھڑی، ہر پتہ لینے کی جگہ جمع صِیَاصِی۔

خلافت کے لئے ضروری چیزیں

خلیفہ کے لئے ضروری کام درج ذیل ہیں:

اول: چونکہ خلیفہ ایک بڑے ملک کا حاکم ہوتا ہے، اس کے ماتحت بے حد مختلف مزاج رکھنے والے لشکر ان ہوتے ہیں۔ اور وہ ان سب کا محافظ ہوتا ہے، اس لئے خلیفہ کا بیدار مغز، عالی دماغ اور ہوشیار ہونا ضروری ہے تاکہ وہ ماتحت ممالک کے نظام کو نفل سے بچا سکے اور ان ممالک کے حکمرانوں اور رعایا میں جو نزاعات پیدا ہوں ان کا مناسب حل نکال سکے، ورنہ خود خلیفہ کی حکومت متزلزل ہو جائے گی۔ اور خلیفہ مملکت میں ہر جانب جاسوس بھیاں اڈے اور مملکت کے احوال سے پوری طرح باخبر رہے اور جو خبریں اس کو پہنچیں ان میں فراست کا ملکہ اور قیافہ شناسی سے کام لے، دھوکہ نہ کھائے۔

دوم: اگر خلیفہ اپنی افواج میں بغاوت کے جراثیم محسوس کرے اور دیکھے کہ اس کی افواج میں کوئی جماعت اس کے خلاف بن رہی ہے تو وہ فوراً اس کے مقابلہ میں ایک اور ایسی ہی جماعت بنائے جو برگشتہ جماعت کا ٹکڑ کر مقابلہ کرے۔ اور خلیفہ یہ دوسری جماعت ایسے لوگوں کی بنائے جن کا عادیہ پہلی جماعت کے ساتھ موافقت کرنا ممکن نہ ہو۔

سوم: اگر خلیفہ محسوس کرے کہ کوئی دوسرا شخص خلافت کا خواہاں ہے، اور وہ اس کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہے تو اس کو قہراً واقعی سزا دے، اس کی شوکت و سطوت کو توڑ دے اور اس کی قوت کو پامال کر دے، جب تک خلیفہ یہ کام نہ کرے لے چین سے نہ بیٹھے۔ چہارم: خلیفہ اپنی اطاعت اور خیر خواہی کو لوگوں پر لازم کرے اور اس سلسلہ میں محض زبانی قبول کرنے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ اس قبولیت کے لئے کوئی ظاہری عداوت مقرر کرے، جس سے لوگوں کی اطاعت کا پتہ چلے اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں رعایا سے واروگیر کرے، مثلاً جمعہ وعیدین کے خطبوں میں خلیفہ کے لئے دعا کرنا اور بڑے اجتماعات میں خلیفہ کی رفعت شان کا اظہار کرنا۔

پنجم: خلافت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی خاص بیست کا لوگوں کو خوش کر بنائے۔ مثلاً سرکاری زبان کا مہود (Show) اور کرنسی، پاسپورٹ وغیرہ پر اتفاق کرنا وغیرہ۔

ولما كان الخليفة حافظاً لصحة مزاج حاصل من أخلاط متشاكسة جداً، و جب أن يكون متيقظاً، ويسعد عيوناً في كل ناحية، ويستعمل فراسة نافذة؛ وإذا رأى اجتماعاً منعقدًا من عساكره فلا صبر دون أن ينصب اجتماعاً آخر مثله ممن تحيل العادة مواطأتهم معهم؛ وإذا رأى من رجل التماس خلافة فلا صبر دون إيفاء جزائه، وإزالة شوكته، وإضعاف قوته؛ ولا بد أن يجعل قبول أمره، والاتفاق على مناصحته سنة مسلمة عندهم. ولا يكفي في ذلك مجرد القبول، بل لابد من أمارة ظاهرة للقبول، بهايؤخذ الرعية، كالدعاء له، والتبويه بشأنه في الاجتماعات

العظيمة، وأن يوطنوا أنفسهم على زِيٍّ وهينة أمر بها الخليفة، كالاصلاح على الدنيا
المنقوشة باسم الخليفة في زماننا، والله أعلم.

ترجمہ: اور جب خلیفہ ایسے مزاج کی درنگی کا محافظ ہے جو بہت ہی زیادہ متضاد عناصر سے مرکب ہے تو ضروری ہے کہ وہ بیدار مغز ہو، اور ملک کے ہر کونے میں جا سوس بھیجے اور فراست کا ملہ استعمال کرے — اور جب دیکھے کہ اس کی افواج ہی سے کوئی جماعت اس کے خلاف بن رہی ہے، تو اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھے جب تک کہ اس کے مقابلہ میں ایک اور ایسی جماعت نہ بنالے، ان لوگوں میں سے جن کا عادیہ مخالفین کے ساتھ اتفاق کر لینا محال ہو — اور جب خلیفہ دیکھے کہ کوئی دوسرا شخص خلافت کا خواہاں ہے تو یقین سے نہ بیٹھے جب تک اس کو قرار واقعی سزا نہ دے لے، اور اس کا بدبہ توڑ نہ دے اور اس کی قوت کو کمزور نہ کر دے — اور ضروری ہے کہ خلیفہ اپنے حکم کے قبول کرنے کو اور اپنی غیر خواہی پر لوگوں کے اتفاق کرنے کو، لوگوں کے نزدیک "لازمی طریقہ" بنائے۔ اور اس سلسلہ میں محض زبانی قبول کرنا کافی نہیں، بلکہ قبولیت کی کوئی ظاہری علامت بھی ضروری ہے، جس کے ذریعہ رعایا کی وارو گیر کر سکے۔ جیسے خلیفہ کے لئے دعا کرنا اور بڑے اجتماعات میں اس کی شان کی بلندی کا اظہار کرنا — اور یہ (بھی ضروری ہے) کہ لوگ خود کو کسی ایسی شکل اور ہیئت کا شوگر بنائیں، جس کا خلیفہ نے حکم دیا ہے، جیسے ہمارے زمانہ میں لوگوں کا ان اشرافیہ پر اتفاق کرنا جن پر خلیفہ کا نام کندہ ہوتا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

مُتَشَاكِسَةٌ أى متخالفة. تشاكس القوم: با هم مخالفت کرنا، کہا جاتا ہے الليل والنهار يتشاكسان: دن اور رات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ . . . واطأوا طأاً: صوافقت کرنا ایضاً: پورا دینا۔ . . . سنة مسلمة: مفعول جانی ہے يجعل کا۔ . . . الذی یہاں ہینہ کا مترادف ہے، بمعنی پوشاک نہیں ہے۔

باب — ۱۰

ارتقا قات کی بنیادی باتیں متفق علیہ ہیں

ارتقا قات اربعہ کا بیان مکمل ہو چکا۔ اب دو عام باب ہیں، جن کا تعلق چاروں ارتقا قات سے ہے۔ اس پہلے باب میں یہ مضمون ہے کہ ارتقا قات کی بنیادی باتیں متفق علیہ ہیں، گو فروعات اور رسوم میں اختلاف ہے۔ اور اس اتفاق کی وجہ بیان کی ہے کہ یہ ارتقا قات فطری امور ہیں اس لئے ان میں اختلاف نہیں۔ اور اس دعویٰ پر جو اشکالات وارد ہو سکتے ہیں، ان کا جواب دیا ہے۔

پہلے اصول اور رسوم میں فرق سمجھ لینا چاہئے۔ اصول از قبیل معنویات ہیں اور رسوم (اصول پر عمل کی صورتیں) ان کے بیکر ہائے مخصوص ہیں یعنی رسوم افعال ظاہرہ ہیں جو معنویات پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ”نکاح“ ارتفاق کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے اور معنوی چیز ہے اور اس کا طریقہ یعنی ایجاب و قبول، گواہ، لوگوں کا اجتماع اور دعوت ولیمہ وغیرہ رسوم (ریت رواج) ہیں جو نکاح پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کی عفت و کثرت کا ازالہ اور ان کے ستر کا چھپانا ارتفاق کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے اور دفن کرنا یا جلانا رسوم ہیں، قس علی ہذا۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ کوئی بھی انسانی معاشرہ ارتفاقات سے خالی نہیں ہو سکتا۔ آباد دنیا کی ہر بستی میں اور معتدل مزاج اور اخلاقی فاضل کی حامل ہر امت میں ارتفاقات کا وجود ضروری ہے۔ عہد آدم سے قیام قیامت تک یہی صورت چلی آ رہی ہے اور چلتی رہے گی۔ فرض کرو ایک انسان کسی ایسے بیابان میں پیدا ہوتا ہے اور چلتا بڑھتا ہے جو انسانی آبادی سے بہت دور ہے اور اس نے کسی سے زندگی کی کوئی ریت نہیں سیکھی۔ اس کو بھی یقیناً کچھ ضرورتیں پیش آئیں گی، جیسے بھوک، پیاس اور خواہش نفس وغیرہ۔ اور وہ ضرور کسی عورت کا مشتاق ہوگا۔ اور جب مرد و زن صحیح المزاج ہوں گے تو ان کے یہاں اولاد بھی ہوگی۔ اور رفتہ رفتہ بہت سے گھر آباد ہو جائیں گے، پھر ان میں باہمی معاملات ہوں گے تو ارتفاق اول اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ منظم ہو جائے گا۔ پھر جب لوگوں کی کثرت ہوگی تو ضروری ہوگا کہ ان میں ایسے اخلاق فاضل رکھنے والے لوگ پیدا ہوں جن میں مختلف قسم کے واقعات رونما ہوں جن کی وجہ سے بقیہ تمام ارتفاقات بھی معرض وجود میں آ جائیں گے۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ ارتفاقات کی اصولی اور بنیادی باتیں ہمیشہ مسلم اور متفق علیہ رہی ہیں۔ کبھی ان میں اختلاف نہیں ہوا۔ جمہور ہمیشہ ان لوگوں پر سخت نکیر کرتے رہے ہیں جو ارتفاقات کی خلاف ورزی کرتے ہیں مثلاً نکاح نہیں کرتے، مردوں کی لاشوں کو چھپاتے نہیں، کھانا پکا کر نہیں کھاتے، بس بوئیں کچا پھاں کھاتے ہیں وغیرہ اور لوگ ارتفاقات کو نہایت شہرت کی وجہ سے بدیہی امور سمجھتے ہیں، جو دلائل کے متنازع نہیں، صرف تنبیہ کافی ہوتی ہے۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ ارتفاقات کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ دنیا جہاں کے لوگ خواہ مخواہ، بلا کسی وجہ کے ان باتوں پر متفق ہو گئے ہیں، ایسا ہے جیسا مشرق و مغرب کے تمام لوگ ایک نڈا پر متفق ہو جائیں اور کوئی کدہ دے کہ یہ اتفاق خواہ مخواہ بلا وجہ ہے۔ بھلا اس سے بڑا مغالطہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ بغیر کسی وجہ کے یہ بات ممکن نہیں کہ دنیا کے سب لوگ ایک نڈا پر متفق ہو جائیں۔ اسی طرح ارتفاقات پر اتفاق بھی بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ مزاجوں کے تنوع، ممالک کے بعد اور مذاہب کے اختلاف کے ساتھ ارتفاقات پر کسی وجہ سے اتفاق ہو سکتا ہے یہی فطرت سلیمہ کا فیصلہ ہے۔

اور ارتفاقات پر لوگوں کا اتفاق تین وجوہ سے ہوتا ہے:

اول: ارتفاقات انسان کی صورت نوعیہ کا تقاضا ہیں۔ لوگوں کو ان سے فطری مناسبت ہے، کیونکہ اعمال و افعال

صورت نوعیہ میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر وہ افراد میں آتے ہیں، پھر وہ خارج میں پائے جاتے ہیں اور نوع کے تمام افراد کی فطرت ایک ہوتی ہے، اس وجہ سے امور ارتقا فیہ پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا ہے۔

دوم: ارتقا قات کی بنیاد ایسی بہ کثرت پیش آنے والی حاجتیں ہیں جن پر نوع انسانی کے افراد متفق ہیں یعنی کوئی فرد ان حاجتوں سے خالی نہیں، جیسے کھانا، پینا وغیرہ۔ اور جب حاجتیں عام ہیں تو ان کی تکمیل کی تدبیرات بھی عام ہوں گی۔ اسی وجہ سے لوگ ارتقا قات پر متفق ہیں۔

سوم: ارتقا قات کی بنیاد ایسے اخلاق و ملکات ہیں جن کو نوعی درستی افراد کے مزاج میں عایت کرتی ہے یعنی جب نوع کے افراد کے عقلی و غیرہ درست ہوں تو وہ افراد میں کچھ اخلاق و ملکات پیدا کرتے ہیں، جن سے اعمال صادر ہوتے ہیں، جو ارتقا قات کی بنیاد بنتے ہیں اور نوعی اخلاق ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں، اس لئے ان سے پھوٹنے والے اعمال میں بھی یکسانیت ہوتی ہے۔ اور یہی اعمال ارتقا کی اساس (Base) ہیں، اس وجہ سے لوگ ارتقا قات پر اتفاق رکھتے ہیں۔

سوال: (۱) ارتقا قات میں لوگوں کا اتفاق کہاں ہے؟ کوئی مردوں کو ذن کرنا پسند کرتا ہے، کوئی آگ میں جلانا، کوئی نکاح میں گواہوں کو اور ایجاب و قبول کو ضروری قرار دیتا ہے، کوئی ڈھول باجا، گانا سجاوٹ اور آرائش کو کافی سمجھتا ہے، کوئی زانی کو جرم کرتا ہے اور چور کا ہاتھ کاٹتا ہے اور کوئی دردناک مار بخت قید اور بھاری جرمانے کو کافی سمجھتا ہے؟

جواب: یہ ارتقا قات کے اصول (بنیادی باتیں) نہیں ہیں، بلکہ رسوم (تشکیلیں، صورتیں اور ریت و رواج) ہیں۔ اصول: مردوں کی بدبو کو دور کرنا اور ان کا ستر چھپانا، نکاح کی تشہیر کرنا اور بر ملا اس کو زنا سے ممتاز کرنا اور زانیوں اور چوروں کی سزا کا ضروری ہونا ہیں۔ اور ان پر سب لوگوں کا اتفاق ہے۔ اختلاف جو کچھ ہے وہ ارتقا قات کی شکلوں میں اور جزئیات میں ہے اور ہم نے دعویٰ اصول میں اتفاق کا کیا ہے، رسوم میں نہیں!

سوال: (۲) ارتقا قات میں لوگوں کا اتفاق کہاں ہے؟ اسحق لوگ کسی طریقہ کی پابندی نہیں کرتے، یہی حال فساد و فحار کا ہے، پھر سب کا اتفاق کہاں؟

جواب: تمنا، تو حیوانات کی مثل ہیں۔ سب کے نزدیک ان کا مزاج ناقص اور ان کی عقلیں ناکارہ ہیں۔ اور ان کی حماقت کی دلیل یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ارتقا قات کا پابند نہیں سمجھتے۔ رہے بدکار لوگ تو اگر ان کے دل ٹٹلے جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہ ارتقا قات کے معتقد ہیں۔ مگر ان پر خواہش نفس غالب آ جاتی ہے، اس وجہ سے وہ ارتقا قات کی خلاف ورزی کرتے ہیں، مگر وہ اپنے دل کی تھاہ میں ان کاموں کو بدکاری سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ اوروں کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ بدکاری کرتے ہیں، لیکن اگر ان کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ یہ حرکت کی جائے تو وہ غیظ و غضب سے پھٹ پڑتے ہیں، حالانکہ وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس جرم کے ارتکاب سے جو صدمہ اور رنج انہیں ہوا ہے، وہ دوسروں کو بھی

ہوتا ہے۔ تیز وہ یہ بات بھی جانتے ہیں کہ اس قسم کی بدکاریوں سے نظام مملکت درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مگر خواہش ان کو اندھا کر دیتی ہے یہی حال چوری، غصب وغیرہ برائیوں کا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ ارتفاقات سے متفق ہیں مگر ان پر عمل پیرا نہیں۔

نوٹ: اس باب کی تقریر بہتر ترتیب بدل کر کی گئی ہے۔ قارئین کرام مہارت سے تطبیق کے وقت اس کا خیال رکھیں۔

﴿باب اتفاق الناس على أصول الارتفاقات﴾

اعلم أن الارتفاقات لا تخلو عنها مدينة من الأقاليم المعمورة، ولا أمة من الأمم أهل الأمزجة المعتدلة والأخلاق الفاضلة، من لَدُنْ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَأَصُولُهَا مُسَلِّمَةٌ عِنْدَ الْكُلِّ، قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ، وَطَبَقَةً بَعْدَ طَبَقَةٍ، لَمْ يَزَالُوا يُنْكِرُونَ عَلَى مَنْ عَصَاهَا أَشَدَّ نَكِيرٍ، وَيُرُونَهَا أَمُورًا بِدِهيَّةٍ مِنْ شِدَّةِ شَهْوَتِهَا.

وَلَا يَصُدُّكَ عَمَّا ذَكَرْنَا اخْتِلَافُهُمْ فِي صُورِ الْارْتِفَاقَاتِ وَفُرُوعِهَا، فَاتَّفَقُوا——مِثْلًا—— عَلَى إِزَالَةِ نَسْنِ الْمَوْتَى وَسَبْرِ سَوَاقِبِهِمْ، ثُمَّ اخْتَلَفُوا فِي الصُّورِ: فَاخْتَارَ بَعْضُهُم الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ، وَبَعْضُهُم الْحَرْقَ بِالنَّارِ، وَاتَّفَقُوا عَلَى تَشْهِيرِ أَمْرِ النِّكَاحِ، وَتَمْيِيزِهِ عَنِ السَّفَاحِ عَلَى رءِ وَسِ الْأَشْهَادِ، ثُمَّ اخْتَلَفُوا فِي الصُّورِ: فَاخْتَارَ بَعْضُهُم الشُّهُودَ، وَالْإِجَابَ وَالْقَبُولَ وَالْوَلِيمَةَ، وَبَعْضُهُم الدُّفَّ وَالْغَنَاءَ، وَلَبَسَ ثِيَابَ فَخْرَةٍ، لَا تُبْلِسُ إِلَّا فِي الْوَلَانِمِ الْكَبِيرَةِ؛ وَاتَّفَقُوا عَلَى زَجْرِ الزُّنَاةِ وَالسَّرَاقِ، ثُمَّ اخْتَلَفُوا: فَاخْتَارَ بَعْضُهُم الرَّجْمَ، وَقَطَعَ الْيَدَ، وَبَعْضُهُم الضَّرْبَ الْأَلِيمَ، وَالْحَبْسَ الْوَجِيعَ، وَالْغَرَامَاتِ الْمُنْهِكَةَ.

وَلَا يَصُدُّكَ أَيْضًا مَخَالَفَةُ طَائِفَيْنِ:

أَحَدُهُمَا: الْبُذْءُ، الْمَلْتَحِقُونَ بِالْبَهَائِمِ، مِمَّنْ لَا يَشْكُ الْجُمْهُورُ أَنَّ أَمْرَ جَنَّتِهِمْ نَاقِصَةٌ، وَعَقُولُهُمْ مُخَذَّجَةٌ؛ وَصَارُوا يَسْتَدْلُونَ عَلَى بِلَاهَتِهِمْ بِمَا يَرُونَ مِنْ عَدَمِ تَقْيِيدِهِمْ أَنْفُسَهُمْ بِتِلْكَ الْقِيُودِ.

وَالثَّانِيَةُ: الْفَجَّارُ، الَّذِينَ لَوْ نَقَّحَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ظَهَرَ أَنَّهُمْ يَعْتَقِدُونَ الْارْتِفَاقَاتِ، لَكِنْ تَغْلِبَ عَلَيْهِمُ الشَّهَوَاتُ، فَيَعْصُونَهَا شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْفُجُورِ، وَيَزْنُونَ بِنَبَاتِ النَّاسِ وَأَخْوَاتِهِمْ، وَلَوْ زُنِّي بَيْنَاتِهِمْ وَأَخْوَاتِهِمْ كَادُوا يَتَمَيِّزُونَ مِنَ الْغَيْظِ، وَيَعْلَمُونَ قَطْعًا أَنَّ النَّاسَ يَصِيبُهُمْ مَا أَصَابَ أَوْلَاءَهُ، وَأَنَّ إِصَابَةَ هَذِهِ الْأُمُورِ مُخِلَّةٌ بِانْتِظَامِ الْمَدِينَةِ، لَكِنْ يُعْمِهُمُ الْهَوَى؛ وَكَذَلِكَ الْكَلَامُ فِي السَّرِقَةِ، وَالْغَصْبِ، وَغَيْرِهِمَا.

وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُظَنَّ أَنَّهُمْ اتَّفَقُوا عَلَى ذَلِكَ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ، بِمَنْزِلَةِ الْإِتِّفَاقِ عَلَى أَنْ يَتَعَذَّى بِطَعَامٍ وَاحِدٍ

أهل المشارق والمغرب كلهم، وهل سَفَسَطَةُ أَشَدُّ من ذلك؟ بل الفطرة السليمة حاكمة بأن الناس لم يتفقوا عليها، مع اختلاف أُممِهم، وتباعد بلدانهم، ونشت مذاهبهم وأديانهم، إلا لِمَناسِبَةِ فطرية منشعبَةٍ من الصورة النوعية، ومن حاجات كثيرة الوقوع، يتوارد عليها أفراد النوع، ومن أخلاقٍ توجيها للصحة النوعية في أمزجة الأفراد.

ولو أن إنساناً نشأ ببادية نائية عن البلدان، ولم يتعلم من أحد رسماً، كان له لاجرم حاجات من الجوع، والعطش، والغَلَمَة، واشتاق لِمَحَالَةٍ إلى امرأة، ولابد عند صحة مزاجهما أن يتولد بينهما أولادٌ، وَيُنْظَمُ أهلُ أبيات، وينشأ فيهم معاملات، فينظم الارتفاق الأول عن آخره، ثم إذا كثُرُوا لابد أن يكون فيهم أهلُ أخلاقٍ فاضلة، تنفع فيهم وقائع، تُوجب سائر الارتفاقات، والله أعلم.

ترجمہ: ارتفاقات کے اصولوں پر لوگوں کے اتفاق کا بیان: جان لیں کہ ارتفاقات سے خالی نہیں، آباد علاقوں کا کوئی شہر، اور نہ معتدل مزاج اور اخلاق عالیہ رکھنے والی امتوں میں سے کوئی امت، آدم علیہ السلام کے وقت سے قیامت کے دن تک۔ اور ارتفاقات کی بنیادی باتیں قرناً بعد قرن اور طبقہ بعد طبقہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہیں۔ لوگ برابر سخت نکیر کرتے رہتے ہیں ان لوگوں پر جو ارتفاقات کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور لوگ ارتفاقات کو ان کے نہایت مشہور ہونے کی وجہ سے، بدیہی چیزیں سمجھتے ہیں۔

اور ہرگز نہ روکے آپ کو ان باتوں کے تسلیم کرنے سے جو ہم نے ذکر کیں، لوگوں کا ارتفاقات کی شکلوں اور ہزنیات میں اختلاف کرنا۔ پس لوگ متفق ہیں مثلاً مردوں کی عفوت و در کرنے پر اور ان کے ستر کو چھپانے پر، پھر اس کی شکلوں میں لوگوں میں اختلاف ہے، بعض زمین میں دفن کرنا پسند کرتے ہیں، اور بعض آگ میں جلا کر پسند کرتے ہیں۔ اور لوگ نکاح کے معاملہ کی تشہیر کرنے پر، اور گواہوں کے رد پر و نکاح کو زنا سے ممتاز کرنے پر متفق ہیں۔ پھر اس کی شکلوں میں اختلاف ہے بعض لوگ گواہوں کو، ایجاب و قبول کو اور دعوت و لیمہ کو پسند کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ ذف (ذقی) اور گائے کو اور ایسے لباسِ فاخرہ کو پسند کرتے ہیں جو بڑی تقریبات ہی میں پہنا جاتا ہے اور لوگ زانیوں اور چوروں کو سزا دینے پر متفق ہیں۔ پھر ان میں اختلاف ہے، بعض سنگسار کرنے کو اور ہاتھ کاٹنے کو پسند کرتے ہیں، اور بعض دردناک مار، اور قید بامشقت اور کمر توڑ جرماتوں کو پسند کرتے ہیں۔

اور نیز ہرگز نہ روکے آپ کو دو جماعتوں کی مخالفت:

اول: احمق لوگ، جو جانوروں کے ساتھ ملنے والے ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ عام لوگوں کو اس میں ذرا شک نہیں کہ ان کے مزاج ناقص اور ان کی عقلیں ادھوری ہیں۔ اور عام لوگ ان کی بے وقوفی پر اس بات سے استدلال

کرتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں، یعنی ان کا خود کو ان قیود (ارتقا قات اور ان کے طریقوں) کا پابند نہ کرتا۔

اور دوم: بدکار لوگ، جن کے دلوں کی اگر تنقیح و تفتیش کی جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ ارتقا قات کے قائل ہیں، مگر ان پر شہوت غالب آجاتی ہے، پس وہ ارتقا قات کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ورنہ حالیکہ وہ اپنے اوپر بدکاری کا اقرار کر رہے ہیں (یعنی وہ ان کاموں کو بدکاری سمجھتے ہوئے کرتے ہیں) اور وہ لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ زنا کرتے ہیں اور اصران کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ زنا کیا جائے تو وہ قریب ہیں کہ غصہ سے پھٹ پڑیں۔ اور وہ خوب جانتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو بھی وہ صدمہ پہنچاتا ہے جو ان کو پہنچتا ہے، اور وہ یہ بات بھی جانتے ہیں کہ ان کاموں کا کرنا نظام مملکت کو درہم برہم کرتا ہے مگر خواہش ان کو اندھا کر دیتی ہے۔ اور اسی طرح چوری اور غصب اور ان کے علاوہ جرائم میں گفتگو ہے۔

اور مناسب نہیں ہے کہ گمان کیا جائے کہ لوگ اس بات (ارتقا قات) پر بغیر کسی سبب کے متفق ہو گئے ہیں، جیسے مشرق و مغرب کے تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق کرنا کہ وہ کوئی ایک غذا استعمال کریں۔ اور کیا اس سے بڑا بھی کوئی مغالطہ ہو سکتا ہے؟ بلکہ فطرت سلیمہ فیصلہ کرتی ہے کہ لوگ اس چیز (ارتقا قات) پر متفق نہیں ہوئے، ان کے مزاجوں کے اختلاف کے ساتھ، اور ان کے ممالک کے دور دراز ہونے کے ساتھ، اور ان کے مسالک و مذاہب کے مختلف ہونے کے ساتھ، مگر: - کسی فطری مناسبت کی وجہ سے جو صورت نوعید سے پھوٹنے والی ہے ۲:- اور ایسی کثیر الوقوع ضروریات کی وجہ سے جن پر نوع انسانی کے افراد متفق ہیں ۳:- اور ایسے اخلاق و ملکات کی وجہ سے جن کو نوعی درستی افراد کے مزاج میں ثابت کرتی ہے۔

اور اگر یہ بات ہو کہ کوئی انسان کسی ایسے بیابان میں پروان چڑھا ہو، جو شہروں سے دور ہو، اور اس نے کسی سے کوئی ریت نہ سیکھی ہو، تو اس کے لئے بھی یقینی بات ہے کہ کچھ ضرورتیں ہوں گی، جیسے بھوک، پیاس اور شہوت۔ اور وہ لامحالہ کسی عورت کا مشتاق ہوگا۔ اور مردوزن کے مزاج کی درستی کی صورت میں ضروری ہے کہ ان دونوں کے درمیان اولاد ہو۔ اور متعدد گھرانے باہم ملیں، اور ان میں معاملات وجود میں آئیں، پس ارتقا اول اس کے سارے اجزاء کے ساتھ منظم ہو جائے گا۔ پھر جب لوگ زیادہ ہو جائیں گے تو ضروری ہے کہ ان میں ایسے اخلاق و فاضلہ والے لوگ پائے جائیں جن میں (مختلف قسم کے) واقعات رونما ہوں، جو باقی (بیٹیوں) ارتقا قات کو ثابت کریں۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

الْبَلَّةُ: بے وقوف، ضعیف العقل، مفرد الانبلاء، مَوْنُثْ بَلَّهَاءُ فَعْلَ بَلَّهَ (س) بَلَّهَآ وَبَلَّهَآ: ضعیف العقل ہونا۔۔۔۔۔
الْإِسْفَاطَةُ: وہ استدلال و قیاس جس کی بنیاد مغالطہ پر ہے۔۔۔۔۔ النَّاقِي: دور مَوْنُثْ نَاقِيَةُ مَعْلُ نَاقَى بَنَی نَاقَا: دور ہونا۔
عن آخره بمعنی جمیعاً ہے یعنی ارتقا اول مع اس کی تمام جزئیات کے۔

باب — ۱۱

لوگوں میں رائج طور و طریق کا بیان

دُشوم: دُشَم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: طور و طریق ریت رواج اور عام معاملات، خواہ اچھے ہوں یا برے۔ اردو میں برے رواجوں کو رسوم کہتے ہیں۔ مگر عربی میں یہ لفظ عام ہے اس باب میں بھی عام معنی مراد ہیں۔

ارتقا قات ایک معنوی چیز ہیں، خارج میں ان کا وجود نہیں۔ خارج میں ”رسوم“ پائی جاتی ہیں۔ وہی ارتقا قات کے پیکر بنائے محسوس ہیں یعنی لوگوں میں جو طور و طریق رائج ہیں وہی ارتقا قات (مفید تدبیریں) ہیں۔ اس لئے اس آخری باب میں رسوم کی تفصیلات بیان کی جا رہی ہیں۔

رسوم کی اہمیت: لوگوں میں جو طور و طریق رائج ہوتے ہیں، ارتقا قات میں ان کی حیثیت وہی ہے جو بدن انسانی میں دل کی ہے، دل پر زندگی کا مدار ہے، دل سنورتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور دل بگڑتا ہے تو سارا جسم اور اس کے تمام احوال بگڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح رسوم ہی ارتقا قات کی بنیاد ہیں۔ معاشرہ میں رائج طور و طریق ہی سے ارتقا قات کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور اچھے طور و طریق سے معاشرہ شاندار بنتا ہے اور طور و طریق بگڑ جائیں تو معاشرہ بدما ہو جاتا ہے۔ اللہ کی شریعتیں بھی اولاً اور بالذات رسوم ہی کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ انبیائے کرام انہی کی اصلاح و تعدیل کرتے ہیں۔ قوانین شرعیہ میں بھی انہی سے بحث ہوتی ہے اور نصوص میں بھی انہی کی طرف اشارے آئے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل بحث سادس باب (۱۱) میں آئے گی۔

رسوم کے اسباب: لوگوں میں رائج رسوم چند اسباب سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً:

(۱) وہ ریت و آئینوں نے چلائی ہے، جیسے دیت کے اونٹ دس سے سو حضرت عبدالعظیم نے کئے تھے اور

قسام کا طریقہ ابو طالب نے چلایا تھا، ان دونوں طریقوں کو شریعت نے برقرار رکھا (بحث ۲ باب ۱۱)

(۲) وہ ریت اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے دل میں الہام کی ہے، جیسے ہندوستان پر انگریزوں کے قبضہ کے

بعد، اس زمانہ کے اہل اللہ کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ: ”چندے کے مدرسے“ قائم کئے جائیں، اسی سے دین کی حفاظت ہوگی۔ چنانچہ شدہ شدہ لاکھوں مدارس و مکاتیب اور جامعات و دارالعلوم قائم ہو گئے اور ملک ایمین اور روس کی مثال بننے سے بچ گیا۔

اور چند اسباب کی وجہ سے رسوم لوگوں میں پھیلتی ہیں، مثلاً:

(۱) وہ ریت کسی ایسے بڑے بادشاہ کی چلائی ہوئی ہوتی ہے جس کی عظمت و سطوت کے سامنے لوگوں کی گردنیں

جنگی ہوئی ہوتی ہیں، اس لئے لوگ تیزی سے وہ طریقہ اپنا لیتے ہیں، جیسے عشر و خراج کا طریقہ نو شیر و اس عادل نے چلایا تھا۔ اسلام نے کچھ ترمیم کے ساتھ اس کو باقی رکھا ہے۔ (بحث ۶ باب ۱۱)

(۲) لوگ اپنے دلوں میں اجمالاً ایک ضرورت محسوس کرتے ہیں، پھر کوئی ایسا طریقہ نکل آتا ہے جو اس اجمال کی تفصیل ہوتا ہے تو لوگوں کے دل گواہی دیتے ہیں کہ یہ ”اچھا طریقہ“ ہے، اس لئے لوگ اس کو قلبی شہادت سے قبول کر لیتے ہیں اور وہ طریقہ چل پڑتا ہے، جیسے قلم سے لکھنے اور کپڑے سینے کا طریقہ حضرت ادریس علیہ السلام سے چلا ہے۔ لوگ پہلے سے ضرورت محسوس کرتے تھے کہ کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے کہ بولے بغیر مافی الضمیر سمجھا جاسکے، اور موجودین کے علاوہ غیر موجودین تک بھی بات پہنچائی جاسکے، اور چادریں پہننے کے بجائے کپڑوں کو بدن کے مطابق ہی کر پہنا جائے مگر کوئی طریقہ کبھی کبھی نہیں آتا تھا، جب حضرت ادریس علیہ السلام نے یہ دونوں طریقے رائج کئے تو لوگوں نے ان کو اچھا سمجھ کر فوراً اپنا لیا اور وہ طریقے لوگوں میں رائج ہو گئے (فتح الباری ۱۳: ۲۳۶ بحوالہ لغات القرآن ۵۴: ۱)

اور کچھ اسباب کی وجہ سے لوگ رسوم کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑتے ہیں، مثلاً:

(۱) لوگوں کو بار بار تجربہ ہوتا ہے کہ جب کوئی ریت جان بوجھ کر یا بھول کر چھوڑ دی جاتی ہے تو قدرت کی طرف سے سزا ملتی ہے، اس لئے لوگ سزا سے بچنے کے لئے وہ ریت ضرور پوری کرتے ہیں۔ مثلاً بھوک (دیوتاؤں کا چڑھاوا) دینے کی بنیاد یہی ہے۔ مصریوں کو بار بار کا تجربہ ہوا کہ سال کی معین تاریخ میں ایک دو شیرہ دریائے نیل میں نہیں ڈالی جاتی تھی تو دریائے نیل گھٹ جاتی تھی اور نہریں خشک ہو جاتی تھیں، جس سے فصلیں تباہ ہو جاتی تھیں، چنانچہ وہ یہ رسم پابندی سے پوری کرتے تھے۔ طلوع اسلام کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نامہ مبارک بنام دریائے نیل سے یہ شیطانی حرکت موقوف ہوئی۔

یا جیسے بعض جاہلوں کو بار بار کا تجربہ ہوتا ہے کہ اگر وہ ”میلا درمہجہ“ نہیں کڑاتے تو جان یا مال میں نقصان ہو جاتا ہے، یا کسی ولی کی قبر پر حاضری نہیں دیتے تو نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چنانچہ وہ یہ بدعات و خرافات ضرور کرتے ہیں یا درکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بھی شیطانی حرکات اور قدرت کی طرف سے آزمائش ہے۔ اور دین وہ ہے جو اللہ نے بھیجا ہے، جو آج ہمارے پاس قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہے، باقی سب بکواس ہے۔

(۲) کسی ریت سے غفلت برتنے پر کسی لگاڑ کا پید اہونا۔ جیسے نکاح کا معروف طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو بڑا لگاڑ پیدا ہوگا اس لئے لوگ شادی بیاہ کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑ لے ہوئے ہیں۔

(۳) وہ ریت ایسی ہے جس کے ترک پر کچھ دار لوگوں نے یعنی انبیاء اور علماء نے سخت ملامت کی ہے۔ اس لئے لوگ اس کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں، جیسے تمام اسلامی طریقے انبیاء کے چلائے ہوئے ہیں اور شرعاً ان کے ترک کی گنجائش نہیں، اس لئے دیندار لوگ وہ سنتیں مضبوط پکڑے رہتے ہیں۔

اور مفکر و مبصر آدمی مذکورہ باتوں کی ان کی نظائر سے تصدیق کرے گا، یعنی مختلف ملکوں میں جو طریقے وجود میں آتے رہتے ہیں اور مستحکم رہتے ہیں وہ مذکورہ رسوم کی نظائر ہیں۔ ان پر نظر ڈال کر سمجھو دار آدمی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی باتوں کی تصدیق کر سکتا ہے۔

﴿باب الرسوم السائرة في الناس﴾

اعلم أن الرسوم من الارتفاقات هي بمنزلة القلب من جسد الإنسان، وإياها قصدت الشرائع أولاً وبالدات، وعنهما البحث في النواميس الإلهية، وإليها الإشارات؛ ولها أسباب: تنشأ منها، كاستنباط الحكماء، وإلهام الحق في قلوب المؤيدين بالنور الملكي. وأسباب: تنتشر بها في الناس، مثل كونها سنة ملك كبير، دانت له الرقاب، أو كونها تفصيلاً لما يجده الناس في صدورهم، فيتلقونها بشهادة قلوبهم. وأسباب: يعطون عليها بالنواجل لأجلها: من تجربة مجازاة غيبية على إهمالها، أو وقوع فساد في إغفالها، وكقائمة أهل الآراء الراشدة اللاتمة على تركها، ونحو ذلك. والمُسْتَبْصِر ربما يوفق لتصديق ذلك، من إحياء سنن وإماتتها في كثير من البلدان، بنظائر ما ذكرنا.

ترجمہ: جان لیں کہ رسوم کو ارتفاقات میں وہی حیثیت حاصل ہے جو جسم انسانی میں دل کو حاصل ہے۔ اور انہی کا اللہ کی شریعتیں اولاً اور بالذات ارادہ کرتی ہیں۔ اور انہی سے قوانین شریعیہ میں بحث کی جاتی ہے، اور انہی کی طرف اشارے ہیں۔ اور ان کے لئے:

کچھ اسباب ہیں جن سے وہ پیدا ہوتی ہیں، جیسے دانشمندیوں کا نکالنا۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کا الہام فرمانا اُن لوگوں کے دلوں میں جو نورِ ربی سے مؤید ہیں۔

اور کچھ اسباب ہیں جن کی وجہ سے وہ لوگوں میں پھیلتی ہیں، جیسے ان کا کسی بڑے بادشاہ کا طریقہ ہونا، جس کے سامنے گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ یا ان کا تفصیل ہونا اُس بات کی جس کو لوگ (بالا جمال) اپنے سینوں میں پاتے ہیں، پس لوگ ان کو دلی شہادت سے قبول کر لیتے ہیں۔

اور کچھ اسباب ہیں جن کی وجہ سے لوگ ان کو ڈانچوں سے مضبوط پکڑتے ہیں، جیسے ان کو جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑنے پر کسی نبی سزا کا تجربہ، یا ان سے غفلت برتنے کی صورت میں کسی فساد (ہلاکت) کا پیدا ہونا۔ اور جیسے نیک سمجھ رکھنے والوں کا ملامت کو قائم کرنا ان کو ترک کرنے پر، اور اس کے مانند۔

اور غور و فکر کرنے والا کبھی توفیق دیا جاتا ہے اُن باتوں کی تصدیق کرنے کی مختلف ملکوں میں سنتوں (طور و طریق) کو زندہ کرنے اور ان کو مارنے کے ذریعہ، ان باتوں کی نظائر سے جو ہم نے ذکر کیں۔

ترکیب:

اللائمة: مصدر بمعنی الملامة ہے اور إقامة کا مفعول یہ ہے ... من احياء الخ: اور بسطاط الخ و نون ظرف منصديق سے علی سبیل البدلیت متعلق ہیں یعنی دونوں ظرفوں کا ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ ہے کہ مختلف علاقوں میں جو نئے نئے طریقے نکلتے رہتے ہیں اور پرانے طریقے مٹتے رہتے ہیں، جو ہماری ذکر کردہ باتوں کی نظریں ہیں، ان میں غور و فکر کر کے فہم آوی ہماری باتوں کی تصدیق کر سکتا ہے۔



اچھی رسمیں ضروری ہیں

لوگوں میں رائج طور و طریق فی نفسہ اچھی چیزیں ہوتی ہیں۔ ان سے ارتقا قات صالحہ (مفید اسکیموں) کی حفاظت ہوتی ہے، وہ انسانوں کو علم و عمل میں کمال تک پہنچاتے ہیں۔ مثلاً پارگاہ خداوندی میں نیاز مندی (اخبات) اور ذکر الہی ارتقا قات صالحہ میں سے ہیں اور معنوی چیزیں ہیں۔ ان کا پیکر محسوس نماز وغیرہ عبادات کی مختلف شکلیں ہیں اور یہ رسوم ہی خارج میں پائی جاتی ہیں، جن سے ارتقا قات صالحہ (اخبات و ذکر) کی حفاظت ہوتی ہے اور انسان علم (ذکر و فکر) اور عمل میں درجہ کمال تک پہنچتا ہے۔

اگر رسوم یعنی مسلمہ طور و طریق نہ ہوں تو اکثر لوگوں کی زندگیاں چوپایوں جیسی ہو کر رہ جائیں مثلاً لوگ شریعت کے مطلوبہ طریقوں کے مطابق نکاح و معاملات کرتے ہیں، یہی رسوم انسان کو انسانیت کے دائرہ میں رکھتی ہیں۔ اگرچہ اکثر لوگ ان کی افادیت اور ضرورت سے واقف نہیں ہوتے۔ اگر آپ لوگوں سے پوچھیں کہ تم نکاح و طلاق اور دیگر معاملات کی قیود کی پابندی کیوں کرتے ہو؟ تو وہ اس کا بجز اس کے کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ یہ ہمارا قومی طریقہ ہے۔ مگر لوگ رسوم کی افادیت اجملاً ضرور جانتے ہیں، گو وہ زبان سے اس کو نہ سمجھا سکیں۔ اور جب وہ زبان سے رسوم کی افادیت سمجھانے پر قادر نہیں تو وہ اس کی بنیادیں کیسے سمجھا سکتے ہیں؟ مگر بہر حال رسوم کی پابندی ایسے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے ورنہ ان کا حال چوپایوں جیسا ہو کر رہ جائے گا۔

بري رسمیں کیسے وجود میں آتی ہیں؟

لوگوں میں رائج رسوم (طور و طریق) فی نفسہ اچھی ہوتی ہیں۔ مگر کبھی ان کے ساتھ غلط چیزیں مل جاتی ہیں تو وہ معاملہ

کو مشتبہ کر دیتی ہیں۔ جیسے غیر اسلامی معاشرہ میں ہونے والے معاملات میں سود کا اتنا عمل دخل ہو گیا ہے کہ بعض لوگ سود کی حرمت کے معاملہ میں تذبذب میں پڑ گئے ہیں، وہ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، مثلاً مباح جنی سود حرام ہے، تجارتی نہیں اضعافاً مضاعفۃً حرام ہے، ورنہ نہیں، غریبوں سے لینا حرام ہے، کیونکہ یہ حاجت مندوں کا خون چوسنا ہے۔ بنگلوں کا سود حرام نہیں، کیونکہ تک تو غریبوں کو خون سلائی کرتے ہیں، ان کی معمولی بچتوں کا ان کو منافع دیتے ہیں۔ یہ سب باتیں اس لئے کہی جاتی ہیں کہ ان لوگوں کی سمجھ ہی میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ سود کے بغیر بھی کاروبار چل سکتا ہے۔

اور رائج طور و طریق میں باطل چیزیں اس طرح ملتی ہیں کہ ایسے سرغنے، لیڈر اور سردار پیدا ہوتے ہیں، جن پر شخصی اور ذاتی مفاد کا غلبہ ہوتا ہے، وہ اپنا ہی فائدہ چاہتے ہیں، چاہے دنیا تباہ ہو کر رہ جائے۔ مفاد عامہ کا انہیں بالکل خیال نہیں آتا، وہ اپنے فائدہ کے لئے مختلف برے طریقے اختیار کرتے ہیں، مثلاً:

۱:- وہ درندگی والے کام کرنے لگتے ہیں، جیسے راہ زنی، چوری، غصب، قتل وغیرہ۔

۲:- وہ شہوانی بد اعمالیاں شروع کرتے ہیں، جیسے انعام، میکر او پن وغیرہ۔

۳:- وہ ایسے کام کرتے ہیں جو رائج معاش کو نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے سود خوری اور ناپ تول میں کمی کرنا۔

۴:- وہ رکن اکھن، اکھانے پینے، لباس اور تفریبات میں فضول خرچی شروع کرتے ہیں اور اتنی دولت اڑاتے ہیں جس کے لئے رات دن کمائی کرنی پڑتی ہے یا قرض لینا پڑتا ہے۔

۵:- وہ عیش و عشرت، رنگ رلیوں اور سامان تفریح کی طرف اتنے مائل ہو جاتے ہیں کہ دنیا و آخرت کے سارے کام چھوڑ بیٹھتے ہیں، جیسے ریڈیو، ہائے فائے، ٹی وی، ویڈیو، گانے باجے، بانسریاں، پتے، شطرنج، شکار، کبوتر بازی وغیرہ لغویات۔

۶:- وہ دوسرے ملکوں کے داروین پر کم توڑ ٹیکس لگاتے ہیں اور اپنی رعایا سے تباہ کن لگان وصول کرتے ہیں۔

۷:- ان میں باہم حرص و طمع اور بغض و عناد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

یہ تمام کام وہ ہیں جو ہر دس سالہ دوسروں کے ساتھ کرنا پسند کرتے ہیں، مگر وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ یہ حرکتیں ان کے ساتھ کی جائیں۔ اور جب ان کی جاہ و شہمت کی وجہ سے کوئی شخص ان کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا تو باقی لوگ تین طرح کے ہو جاتے ہیں:

۱:- جو لوگ بدکار ہوتے ہیں وہ ان سرغنوں کی پیروی کرتے ہیں، ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، ان کی نصرت و اعانت کرتے ہیں اور وہ ان برائیوں کی خوب اشاعت کرتے ہیں۔

۲:- وہ لوگ جن کے دلوں میں شوق اعمال صالحہ کی قوی رغبت ہوتی ہے، نہ اعمال طالحہ کی، وہ الناس علی دین ملوکہم کے قاعدے سے ان رؤساء کے نقش قدم پر چل پڑتے ہیں۔ اور کبھی وہ کمائی کرنے کے برے طریقے اس لئے

اختیار کرتے ہیں کہ اچھی راہیں ان کو تھکا دیتی ہیں یعنی کٹائی کی اچھی راہیں ان کے ہاتھ نہیں آتیں، اس لئے وہ غلط راہوں پر پڑ جاتے ہیں۔

۳۔ وہ لوگ جن کی فطرت میں سلامتی ہے، وہ غصہ بھرے خاموش رہتے ہیں، وہ ان کی ہمنوائی نہیں کرتے، مگر بے ہمتی سے ہونٹ بھی سی لیتے ہیں۔ اور جب کوئی بھی غلط طور و طریق پر کلیئر کرنے والا نہیں رہتا، تو برے طریقے و جوہر پذیر ہو کر پختہ اور محکم ہو جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو ان سے بڑا نایک بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔

والسِنَّةُ السَّائِرَةُ وَإِنْ كَانَتْ مِنَ الْحَقِّ فِي أَصْلِ أَمْرِهَا، لَكُونَهَا حَافِظَةً عَلَى الْارْتِفَاقَاتِ الْمَصَالِحَةِ، وَمُفْضِيَةً بِأَفْرَادِ الْإِنْسَانِ إِلَى كَمَالِهَا النَّظَرِي وَالْعَمَلِي، وَلَوْلَاهَا لَلتَّحَقُّقِ أَكْثَرِ النَّاسِ بِالْبِهَاتِمِ، فَكَمْ مِنْ رَجُلٍ يَبْشُرُ النِّكَاحَ وَالْمَعَامَلَاتِ عَلَى الْوَجْهِ الْمَطْلُوبِ، وَإِذَا سُئِلَ عَنْ سَبَبِ تَقْيِيدِهِ بِتِلْكَ الْقِيُودِ، لَمْ يَجِدْ جَوَابًا إِلَّا مُوَافَقَةَ الْقَوْمِ، وَغَايَةَ جَهْدِهِ عِلْمَ إِجْمَالِي، لَا يُغْرِبُ عَنْهُ لِسَانُهُ، فَضْلًا عَنْ تَمْهِيدِ ارْتِفَاقِهِ، فِهَذَا لَوْ لَمْ يَلْزَمْ سَنَةٌ كَادِيَةً لَتَحَقَّقَ بِالْبِهَاتِمِ.

لَكِنِّهَا قَدْ يَنْضَمُّ مَعَهَا بَاطِلٌ، فَيَلْبَسُ عَلَى النَّاسِ سَتْنَهُمْ، وَذَلِكَ بَأَن يَرَأْسَ قَوْمٍ يَغْلِبُ عَلَيْهِمُ الْآرَاءُ الْجَزَنِيَّةُ، دُونَ الْمَصَالِحِ الْكَلِيَّةِ، فَيُخْرِجُونَ إِلَى أَعْمَالٍ سُبُعِيَّةٍ، كَقَطْعِ الطَّرِيقِ وَالْغَضَبِ؛ أَوْ شَهْوِيَّةٍ، كَاللَّوْاطَةِ، وَتَأَثُّبِ الرِّجَالِ؛ أَوْ أَكْسَابِ ضَارَّةٍ، كَالرُّبَا، وَتَطْقِيفِ الْكَيْلِ وَالْوِزْنِ؛ أَوْ عَادَاتٍ فِي الرِّزْقِ وَالْوَلَامِ تُمِيلُ إِلَى الْإِسْرَافِ، وَتَحْتَاجُ إِلَى تَعَمُّقٍ يَبْلُغُ فِي الْأَكْسَابِ؛ أَوْ الْإِكْتَارِ مِنَ الْمُسْلِمَاتِ، بِحَيْثُ يَقْضَى إِلَى إِهْمَالِ أَمْرِ الْمَعَاشِ وَالْمَعَادِ، كَالْمَازِمِ، وَالشُّطْرَجِ، وَالصِّيدِ، وَاقْتِنَاءِ الْحَمَامِ، وَنَحْوِهَا؛ أَوْ جَوَابِيَّاتٍ مُنْهَكَةٍ لِأَبْنَاءِ السَّبِيلِ، وَخَرَاجِ مَسْأَصِلٍ لِلرَّعِيَّةِ؛ أَوْ التَّشَاحُّحِ وَالتَّشَاحُنِ فِيمَا بَيْنَهُمْ فَيَسْتَحْسِنُونَ أَنْ يَفْعَلُوا مَعَ النَّاسِ، وَلَا يَسْتَحْسِنُونَ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ مَعَهُمْ، فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ لِحَاجَتِهِمْ وَصَوْلَتِهِمْ، فَيَجِيئُ فُجْرَةُ الْقَوْمِ لِيَقْتَدُوا بِهِمْ، وَيَنْصَرُّوهُمْ، وَيَسْدُلُونَ السَّعْيَ فِي إِشَاعَةِ ذَلِكَ؛ وَيَجِيئُ قَوْمٌ لَمْ يَخْلُقْ فِي قُلُوبِهِمْ مِثْلُ قَوَى إِلَى الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ، وَلَا إِلَى أَضْدَادِهَا، فَيَحْمِلُهُمْ مَا يَرُونَ مِنَ الرُّؤْسَاءِ عَلَى التَّمَسُّكِ بِذَلِكَ، وَرَبَّمَا أُعِيتَ بِهِمُ الْمَذَاهِبُ الصَّالِحَةُ؛ وَيَبْقَى قَوْمٌ فَطَرْتُهُمْ سَوِيَّةٌ فِي أَخْرِيَّاتِ الْقَوْمِ، لَا يَخَالُطُونَهُمْ، وَيَسْكُنُونَ عَلَى غَيْظٍ، فَتَعْتَقِدُ سَنَةٌ سَيْنَةً وَتَتَكَاد.

ترجمہ: اور رائج طور و طریق: اگرچہ اپنی اصلیت کے لحاظ سے برحق ہوتے ہیں، کیونکہ وہ ارتقا قات صالحہ کے محافظ اور انسان کے افراد کو ان کے کمال علمی اور عملی تک پہنچانے والے ہیں۔ اگر ریت رواج نہ ہوں تو اکثر لوگوں کی

زندگیاں چوپایوں جیسی ہو کر رہ جائیں۔ پس بہت سے لوگ مطلوبہ شکل میں نکاح و معاملات کرتے ہیں، اور جب ان سے ان قیود کی پابندی کی وجہ دریافت کی جائے تو وہ قوم کی موافقت کے علاوہ کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور ان کی انتہائی کوشش ایک اجماعی علم ہے (یعنی وہ بہت کوشش کریں تو صرف اجماعاً جان سکتے ہیں) جس کو ان کی زبانیں تعبیر نہیں کر سکتیں۔ چہ جائے کہ وہ اس اتفاق کی تمہید بیان کریں۔ پس یہ شخص اگر کسی طریقہ کی پابندی نہیں کرے گا تو وہ چوپایوں کے ساتھ مل جائے گا۔

مگر کبھی رسوم کے ساتھ باطل چیزیں مل جاتی ہیں، پس وہ باطل، لوگوں پر ان کے (صحیح) طریقہ کو مشتتبہ کر دیتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ کچھ ایسے لوگ سرخند بن جاتے ہیں جن پر ذاتی مفادات کا غلبہ ہوتا ہے، وہ مصالح کلیہ (مفادات عامہ) ملحوظ نہیں رکھتے، پس وہ نکلتے ہیں ۱:- اور زندگی والے کاموں کی طرف، جیسے راہ زنی اور غضب ۲:- یا شہوانی کاموں کی طرف، جیسے اغلام اور بیخودا پن ۳:- یا ضرر رساں کمائیوں کی طرف، جیسے سود اور ناپ تول میں کمی کرنا ۴:- یا پوشاک اور تقریبات میں ایسی عاداتوں کی طرف جو فضول خرچی کی طرف مائل کرتی ہیں۔ اور جن کے لئے کمائیوں کا بہت زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے ۵:- یا سامان تفریح بہت زیادہ کرنے کی طرف، اس طرح کہ وہ دنیا و آخرت کے کاموں کو چھوڑنے کی طرف پہنچا دیتا ہے، جیسے بانسریاں، شطرنج، شکار، کبوتر پالنا، اور اس جیسی چیزیں ۶:- یا مسافروں پر کمزور ٹیکسوں کی طرف اور رعایا پر تباہ کن محصول مقرر کرنے کی طرف ۷:- یا باہمی حرص و طمع اور بغض و عناد کی طرف۔ پس وہ اچھا سمجھتے ہیں کہ یہ کام لوگوں کے ساتھ کریں۔ اور اس کو اچھا نہیں سمجھتے کہ یہ کام ان کے ساتھ کئے جائیں، پس ان کی جاہ و شہمت کی وجہ سے ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتا۔ پھر قوم کے بدکار لوگ آتے ہیں، پس وہ ان (سرخنوں) کی اقتدا کرتے ہیں، اور ان کی اعانت کرتے ہیں۔ اور ان برائیوں کی اشاعت کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کچھ اور لوگ آتے ہیں جن کے دلوں میں نہ تو اعمال صالحہ کی طرف قومی میلان پیدا کیا گیا ہے اور نہ ان کی اعداد کی طرف، پس ان کو ان برائیوں کے پکڑنے پر وہ چیز ابھارتی ہے جو وہ اپنے سرواروں سے دیکھتے ہیں۔ اور کبھی ان کو (کمائی کی) نیک راہیں تھکا دیتی ہیں۔ اور قوم کی آخری صفوں میں وہ لوگ رہ جاتے ہیں جن کی فطرت درست ہوتی ہے وہ ان کے ساتھ نہیں ملتے، اور غصہ میں بھرے ہوئے خاموشی اختیار کرتے ہیں، پس برے طریقہ وجود میں آتے ہیں اور مستحکم ہو جاتے ہیں۔

لغات:

لکنھا: استدراک ہے وان کانت من الحق سے..... یقرأش: باب تفعّل سے ہے بمعنی أن يجعل نفسه رئیساً المسلمین: سامان تفریح جو غم کو بھلا دے اسلی اسلاء عن همہ بے غم کر دینا۔ ... الشاحن: ایک دوسرے سے کینہ رکھنا۔

رسوم و بدعات کی اصلاح کرنا بہترین عمل ہے

جو لوگ ملت کے مفادات کے لئے کام کرتے ہیں اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ حق کی اشاعت و ترویج کے لئے اور باطل کو مٹانے اور روکنے کے لئے انتہائی جدوجہد کریں۔ اور یاد رکھیں کہ بدعات و رسوم جب کسی قوم میں جڑ پکڑ لیتی ہیں تو ان کو اکھاڑنا سخت دشوار ہوتا ہے۔ کبھی جھگڑوں اور لڑائیوں تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ یہ مصلحین کو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کبھی ہمت نہیں ہاری اور پھر نہیں ڈالی، پھر ان کے وارث کیوں پیچھے ہٹیں! یہ سب جھگڑے نیکی کے بہترین کاموں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ البتہ اپنی طرف سے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کوئی دنگا فساد نہ ہو، لوگوں کو پیار و محبت سے سنت کا راستہ بتایا جائے اور بدعات و رسوم کی قباحت سمجھائی جائے۔ لیکن اگر مقصدین و ننگے فساد پر اتر آئیں، تو اس کا بھی مردانہ و مارمقابلہ کیا جائے یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔

صحیح طریقہ چھوڑ کر غلط طریقہ کون اختیار کرتا ہے؟

جب کوئی اچھا طریقہ وجود پذیر ہو جاتا ہے، جیسے معبود طریقہ پر نکاح کرنا اور حرام سے نکاح نہ کرنا اسلامی طریقہ ہے۔ مسلمان ہر زمانہ میں اس کو مانتے رہے ہیں، اسی طریقہ پر مرتے جیتے رہے ہیں یعنی زندگیاں گزر گئیں اس طریقہ پر اور لوگوں کے نفوس و علوم اس پر خشک ہو گئے ہیں یعنی مسلمان ہمیشہ دل سے اس طریقہ کی حقانیت کے قائل رہے ہیں اور ان کے علماء و دلائل و براہین سے اس طریقہ کی افادیت اور اس کی خلاف ورزی کی قباحت سمجھتے رہے ہیں اور لوگ وجوداً اور عدماً اس طریقہ کو اصول ارتقا قات کے ساتھ لازم و ملزوم سمجھنے لگے ہیں یعنی اگر یہ طریقہ ہے تو ارتقا قات کی بنیادی باتیں حاصل ہیں، ورنہ نہیں۔ جب صورت حال ایسی ہو جائے تو اس سے نکلنے کا اور اس کی خلاف ورزی کرنے کا ارادہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کا نفس نہایت گندہ ہو، عقل اوچھی ہو، شہوت زور پر ہو اور اس کی گردن پر خوں بہش سوار ہو، پھر جب وہ صحیح طریقہ چھوڑ کر غلط طریقہ اختیار کر لیتا ہے، نکاح کے بجائے پرائیویٹ معاملہ کرتا ہے، بیٹی یا بہن سے نکاح کرتا ہے یا وہ بہنوں کو نکاح میں جمع کرتا ہے تو اس کا دل اقراری ہوتا ہے کہ وہ بدکاری کر رہا ہے اور اس کے اور مصلحت کلیہ کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ مصلحت کلیہ والا کام جو پوری سوسائٹی کے لئے مفید ہے چھوڑ کر، خواہش نفس کی تکمیل کرتا ہے، اور وہ ایسا کرنے میں بہت زیادہ قباحت محسوس نہیں کرتا، کیونکہ اس کے دل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اور جب وہ غلط روش پر پڑ جاتا ہے اور سمجھانے سے بھی باز نہیں آتا تو اس کا یہ عمل اس کے نفسانی مرض کا پیکر محسوس بن جاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ وہ بس نام کا مسلمان تھا۔ حقیقت میں دل ایمان سے خالی تھا۔ اور اس کا یہ عمل اس کے دین

میں دراز ڈال دیتا ہے یعنی رہی سی پونجی بھی برباد ہو جاتی ہے اور وہ بے دین، بلکہ بدوین ہو کر رہ جاتا ہے۔

صحیح اور غلط طریقہ اپنانے والوں کا انجام

جب لوگ صحیح طریقہ کے ساتھ مضبوطی سے چپے رہتے ہیں یا ڈھٹائی سے اس کو چھوڑ کر غلط طریقہ اپنالیتے ہیں تو اول کے حق میں اور ثانی کے خلاف ملا علی کی دعائیں اور التجائیں بلند ہوتی ہیں۔ اور وہ بارگاہ خداوندی میں پہنچتی ہیں اور وہاں اول کے حق میں خوشنودی اور ثانی کے حق میں ناراضگی وجود میں آتی ہے اور وہ مرحوم و مغفور ہوتے ہیں یا ملعون و مبغوض بنتے ہیں۔

سنتیں فطرت کب بنتی ہیں؟

جب سنت راشدہ لوگوں میں رائج ہو جاتی ہیں اور عصرِ بعد عصر لوگ اس کو تسلیم کر لیتے ہیں، اور اسی پر لوگ مرتے جیتے رہتے ہیں، اور لوگوں کے نفوس اور علوم اس پر خشک ہو جاتے ہیں اور اس سنت میں اور اصول ارتقا قات میں چولی دامن کا ساتھ ہو جاتا ہے تو وہ سنت فطرت بن جاتی ہے یعنی وہ لوگوں کی طبیعت میں رچ بس جاتی ہے۔ حدیث شریف میں جو س چیزوں کو امور فطرت میں شمار کیا گیا ہے (دیکھئے مشکوٰۃ، باب السواک، حدیث نمبر ۳۷۹) وہ انبیائے کرام کے چلائے ہوئے ایسے ہی طریقے ہیں جو قرنہا قرن سے لوگوں میں مسلم چلے آ رہے ہیں۔

و یجب بذل الجہد علی اہل الآراء الکلیۃ فی إشاعة الحق، وتمسک بہ، وإخمال الباطل وصدہ، فر بما لم یکن ذلک إلا بمحاصمات، أو مقاتلات، فَعِدُّ کُلُّ ذلک من أفضل أعمال البر.

وإذا انعقدت سنة راشدة، فسلّمها القوم، عصرًا بعد عصر، وعليها كان محياهم ومماتهم، وبسّست عليها نفوسهم وعلومهم، فظنّوها متلازمة للأصول وجودًا وعدمًا، لم تكن إرادة الخروج عنها وعصيانها إلا ممن سمجت نفسه، وطاش عقله، وفويت شهوته، وافتعد غاربه الهوى؛ فإذا باشر الخروج أضمر في قلبه شهادة على فجوره، وسُبل حجاب بينه وبين المصلحة الكلية؛ فإذا كَمَلَ فعله صار ذلك شرًّا لمرضه النفساني، وكان لُلمة في دينه.

فإذا تقرر ذلك تقررًا بينا ارتفعت أدعية الملائم الأعلى، وتضرعت منهم، لمن وافق تلك السنة، وعلى من خالفها، وانعقد في حظيرة القدس رضا وسخطٌ عن باشرها، أو عليه.

وإذا كانت السنن كذلك غذّت من الفطرة التي فطر الله الناس عليها، والله أعلم.

ترجمہ: اور واجب ہے، فادات عامہ کے لئے محنت کرنے والوں پر اجتہاد کی کوشش خرچ کرنا حق کی اشاعت میں اور

اس کو چلانے میں، اور باطل کو گناہ کرنے میں اور اس کو روکنے میں۔ پس کبھی یہ بات ممکن نہیں ہوتی مگر جھگڑوں اور لڑائیوں کے ذریعہ۔ پس شام کی جاتی ہیں یہ سب چیزیں (یعنی لڑائی، جھگڑے) نیکی کے بہترین کاموں میں۔

اور جب سنت راشدہ وجود میں آ جاتی ہے۔ پس اس کو لوگ عصر البعد عصر مان لیتے ہیں، اور اسی پر ان کا مرنا جینا ہوتا ہے۔ اور اس پر ان کی ارواح اور علوم خشک ہو جاتے ہیں۔ پس لوگ اس اچھے طریقے کو جو دوا و غذا اصول ارتقا قات کے ساتھ متلازم گمان کرنے لگتے ہیں۔ تو اس طریقہ سے نکلنے کا اور اس کی خلاف ورزی کرنے کا ارادہ وہی شخص کرتا ہے جس کا نفس قبیح ہوتا ہے اور جس کی عقل اوجھی ہوتی ہے اور جس کی شہوت قوی ہوتی ہے اور جس کی گردن پر خواہش سوار ہوتی ہے۔ پس جب وہ اس طریقہ سے نکلنے کا عمل اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں اپنی بدکاری کا اقرار چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور اس کے اوصلحت کلی کے درمیان پردہ لٹکا دیا جاتا ہے۔ پس جب اس کا (خروج کا) عمل مکمل ہو جاتا ہے تو وہ اس کے نفسانی مرض کا پیکر محسوس بن جاتا ہے اور وہ اس کے دین میں دراز ہوتا ہے۔

پھر جب یہ چیز واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے تو ما اعلیٰ کی دعائیں اور گزگز انہیں بلند ہوتی ہیں، ان لوگوں کے حق میں جو اس سنت کی موافقت کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے خلاف جو اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور بارگاہ مقدس میں خوشنودی اور ناراضگی وجود میں آتی ہے ان لوگوں سے جو اس طریقہ پر عمل کرتے ہیں یا ان لوگوں کے برخلاف جو اس طریقہ کی مخالفت کرتے ہیں۔

اور جب طریقہ ایسے ہو جاتے ہیں تو وہ اس فطرت میں شمار ہونے لگتے ہیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

(بفضلہ تعالیٰ آج ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۹۹۹ء بروز منگل بحث سوم کی شرح مکمل ہوئی)



پہلی قسم

قواعد کلیہ کے بیان میں

مبحث چہارم

سعادت کے بیان میں

مبحث چہارم

سعادت کے بیان میں

- | | |
|---------|--------------------------------------------------------------|
| باب (۱) | سعادت (نیک بختی) کی حقیقت کیا ہے؟ |
| باب (۲) | نیک بختی میں اختلاف درجات |
| باب (۳) | تحصیل سعادت کے مختلف طریقے |
| باب (۴) | وہ اصول جو سعادت حاصل کرنے کے طریق ثانی کی تحصیل کا مرجع ہیں |
| باب (۵) | خصال اربعہ کی تحصیل، تکمیل اور تلافی مافات کا طریقہ |
| باب (۶) | ظہور فطرت کے حجابات |
| باب (۷) | حجابات مذکورہ کو دور کرنے کا طریقہ |

مبحث چہارم

سعادت کے بیان میں

باب — ۱

سعادت کی حقیقت کیا ہے؟

اب تک تمہیدی مباحث تھے۔ اب اصل مقصود شروع ہوتا ہے۔ حیات انسانی کا بنیادی مقصد ”سعادت دارین“ حاصل کرنا ہے۔ یہ نعمت میسر آ جائے تو زبے قسمت! اور نہ کفِ افسوس ملنے کے سوا چارہ نہیں!

انسان میں انسانیت کے علاوہ حیوانیت، نباتیت اور جمادیت بھی پائی جاتی ہے یعنی ان کی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں، حیوان کی خصوصیت ہے حساس اور متحرک بالا راوہ ہونا، نباتات کی خصوصیت ہے پلٹنا بڑھنا اور نشو و نما پانا اور جمادات کی خصوصیت ہے قابلِ ابعاد و شلاش ہونا۔ یہ تینوں باتیں انسان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس لئے انسان دو قسم کے کمالات کا مجموعہ ہے:

① نوعی کمالات: یعنی وہ خوبیاں جو انسان میں انسان ہونے کی وجہ سے پائی جاتی ہیں، جیسے عمدہ اخلاق والا ہونا، تدبیرات نافذہ کے سہارے آسائش کی زندگی بسر کرنا، اعلیٰ صنعتیں وجود میں لانا اور عظیم و بد بہ کمال کھ ہونا۔ یہ تمام خوبیاں وہ ہیں جو انسان میں اس کی صورت نوعیہ کے اقتضاء سے پائی جاتی ہیں یعنی انسان چونکہ انسان ہے، اس لئے اس میں یہ خوبیاں ہیں۔ یہی انسان کے امتیازی اور انفرادی کمالات ہیں۔ کسی بھی اور مخلوق میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔

② جنسی کمالات: یعنی حیوانیت، نباتیت اور جمادیت والے کمالات، جمادات کی خوبیاں مثال کے طور پر قد کی درازی اور جسم کی بڑائی ہیں۔ نباتات کی خوبیاں مناسب نشو و نما، بہترین ذرائع یعنی خوبصورتی اور تروتازگی وغیرہ ہیں، حیوانات کی خوبیاں مضبوط پاؤں، آواز کی کڑھنگی، شہوت کی فراوانی، کھانے پینے کی زیادتی اور حسد و غصہ کی تیزی ہیں۔ یہ سب خوبیاں انسان میں بھی پائی جاتی ہیں اور کمالات شمار ہوتی ہیں۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ انسان کے اصل اور قابلِ لحاظ کمالات کیا ہیں؟ بدیہی بات ہے کہ وہ نوعی کمالات ہیں،

انہی کا فقدان انسان کو ضرر پہنچاتا ہے اور دنیا کے تمام عقلاء انہی کی تحصیل کا اہتمام کرتے ہیں۔ جنسی کمالات کو سمجھ دہ لوگ کوئی کمال ہی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ان خوبیوں میں انسان حیوانات، نباتات اور ہمدات سے باری جیت نہیں سکتا۔ زمین و آسمان اور پہاڑ وغیرہ انسان سے کہیں بڑی قد و قامت رکھتے ہیں۔ لالہ لوگلاب، نسرین، دیاسمین، ہزارہ و نرگس کا خوبصورتی میں جواب نہیں، گیند اور گدھا انسان سے کہیں زیادہ زور آور و شہوت پرست ہیں۔ پس یہ باتیں اگر انسان میں پائی جاتی ہیں تو وہ کوئی قابل تعریف خوبیاں نہیں۔

اب پھر غور طلب بات یہ ہے کہ انسان کے نوعی کمالات: اخلاق، مہذبہ اور ارتقا قات وغیرہ بذات خود کمالات ہیں یا کسی اور وجہ سے کمالات بنے ہیں؟ کیونکہ ان کی اصل حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ گور یا ایسا گھونسا بناتی ہے کہ انسان دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے، نجال چھتہ میں ایسا سدس گھر بناتی ہے کہ پُرکار سے بھی شاید ہی بنایا جاسکے۔ بلکہ بعض کاریگریاں حیوانات کی فطرت میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ انسان باوجود کوشش کے ایسا کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح بہادری کی اصل چار باتیں ہیں یعنی غصہ، انتقام کا جذبہ، مشکلات میں ڈٹ جانا اور خطرات میں بے خطر کوہ پڑنا۔ یہ سب باتیں حیوانات میں بھی پوری طرح موجود ہیں۔ مگر وہ بہادر نہیں کہلاتے۔ اور انسان صنعت کار اور بہادر کہلاتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان میں نفس ناطقہ (روح ربانی) نے ان باتوں کو ایسا سنوار دیا ہے کہ وہ مصلحت کلی کے تابع اور اقتضائے عقل کے مطابق ہو گئی ہیں۔ انسان کو غصہ موقع پر ہی آتا ہے اور جس سے جتنا انتقام لینا رہتا ہے اسی قدر انتقام لیتا ہے۔ جن مشکلات میں ثابت قدمی مصلحت ہوتی ہے یا جن خطرات میں کوئی ناطقہ عقل کا تقاضا ہوتا ہے وہیں انسان اقدام کرتا ہے، اس لئے وہ ”بہادر“ کہلاتا ہے، جانوروں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ معلوم ہوا کہ یہ تمام چیزیں بالذات کمالات نہیں، بلکہ بالعرض کمالات ہیں یعنی کوئی اور چیز ہے جو ان کمالات کو کمالات بناتی ہے اور وہ چیز ہے نفس ناطقہ کا ان کمالات کو سنوارنا اور ان کو مصلحت کلی کے مطابق بنانا۔ پس سعادت حقیقہ یہ ہے کہ:

بہمیت نفس ناطقہ کی مطیع ہو جائے، خواہش عقل کی فرمانبرداری قبول کر لے اور نفس ناطقہ بہمیت پر اور عقل خواہش پر غالب آجائے۔ ان کے علاوہ تمام باتیں نظر انداز کی ہوئی ہیں۔

﴿المبحث الرابع: مبحث السعادة﴾

باب حقيقة السعادة

اعلم ان للإنسان كمالاً نفعية الصورة النوعية، وكمالاً بقضية موضوع النوع: من الجنس القريب والبعيد، وسعادته التي يضره فقدها، وبفقدائها أهل العقول المستقيمة قصداً مؤكداً هو الأول.

وذلك: أنه قد يُمدح في العادة: بصفات يشارك فيها الأجسامُ المعدنيّة، كالطول، وعِظَم القامة، فإن كانت السعادة هذه فبالجبال أتم سعادة؛ وصفات يشارك فيها النبات، كالشمو المناسب، والخروج إلى تخاطيط جميلة وهيئات ناضرة، فإن كانت السعادة هذه فالشقائق والأوراد أتم سعادة؛ وصفات يشارك فيها الحيوان، كشدة البطش، وجَهْوِيَّة الصوت، وزيادة الشبق، وكثرة الأكل والشرب، ووفور الغضب والحسد، فإن كانت السعادة هذه فالحمار أتم سعادة؛ وصفات يختص بها الإنسان، كالأخلاق المهدّبة، والارتفاقات الصالحة، والصنائع الرفيعة، والجاه العظيم، فبادي الرأي: أنها سعادة الإنسان، ولذلك ترى كل أمة من أمم الناس، يستحب أتمها عقلاً، وأسوأها رأياً: أن يكتسب هذه، ويجعل ماسواها كأنها ليست صفات مدح.

ولكن الأمر إلى الآن غير منقّح، لأن أصل هذه موجود في أفراد الحيوان، فالشجاعة أصلها الغضب، وحب الانتقام، والنبات في الشدائد، والإقدام على المهالك، وهذه كلها مؤقّرة في الفحول من البهائم، لكن لأتسمى شجاعة إلا بعد ما يهذبها فيض النفس النطقية، فتصير منقادة للمصلحة الكلية، منبعثة من داعية معقولة؛ وكذلك أصل الصناعات موجود في الحيوان كالعصفور الذي ينسج العش، بل رب صنعة يصنعها الحيوان بطبيعته لا يتمكن منها الإنسان بتجشّم.

كلا، بل الحق أن هذه سعادة بالعرض، وأن السعادة الحقيقية هي: انقياد البهيمية للنفس النطقية، واتباع الهوى للعقل، وكون النفس الناطقة قاهرة على البهيمية، والعقل غالباً على الهوى؛ وسائر الخصوصيات مُلغاة.

ترجمہ: بحث چہارم: نیک بنتی کے بیان میں: نیک بنتی کی حقیقت کیا ہے؟ جان لیں کہ انسان کے کچھ کمالات ایسے ہیں جن کو صورت نوعیہ چاہتی ہے اور کچھ کمالات ایسے ہیں جن کو نوع کا موضوع یعنی ہنس قریب و بعید چاہتے ہیں۔ اور انسان کی وہ سعادت جس کا فقدان مضر ہے، اور جس (کی تحصیل) کا درست عقل رکھنے والے لوگ نہایت ہی اہتمام سے ارادہ کرتے ہیں وہ قسم اول کے کمالات ہیں۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ عادت انسان کی تعریف (بچند وجوہ) کی جاتی ہے: ۱- ایسی خوبیوں کی وجہ سے جن میں وہ اجسام معدنیہ (جمادات) کے ساتھ شریک ہوتا ہے، جیسے قد کی درازی، جسم کی بڑائی، پس اگر نیک بنتی ان چیزوں کا نام ہے تو پہلا انسان سے زیادہ نیک بنت ہے ۲- اور ایسی خوبیوں کی وجہ سے جن میں وہ نباتات کے ساتھ شریک ہوتا ہے، جیسے مناسب نشوونما اور خوبصورت ذرائع اور تروتازگی کی طرف نگاہ، پس اگر نیک بنتی ان چیزوں کا نام ہے تو کل لالہ اور

گل گلاب انسان سے زیادہ نیک بخت ہیں ۳:- اور ایسی خوبیوں کی وجہ سے جن میں وہ حیوانات کے ساتھ شریک ہوتا ہے، جیسے سخت گرفت یعنی مضبوط باؤی، کرخت آواز، شہوت کی زیادتی، بہت زیادہ کھانا پینا اور غصہ اور حسد کی فراوانی، پس اگر نیک بختی ان چیزوں کا نام ہے تو گدھا انسان سے زیادہ نیک بخت ہے ۴:- اور ایسی خوبیوں کی وجہ سے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے مہذب اخلاق، ارتقا قات صالحہ، اعلیٰ قسم کی صنعتیں اور عظیم و بڑے پس سرسری نظر میں انہی چیزوں کا نام ”سعادت انسانی“ ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ دنیا کی تمام اقوام کو دیکھتے ہیں کہ ان میں سے جو عقل میں کامل اور رائے میں درست ہے وہ انہی امور کی تکمیل کو پسند کرتا ہے۔ اور ان کے سامان خوبیوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا وہ قابلِ تعریف خوبیاں ہی نہیں۔

مگر معاملہ ابھی تک متح نہیں ہوا، کیونکہ ان صفات کی اصل تو دیگر حیوانات میں بھی موجود ہے۔ مثلاً بہادری کی اصل غصہ، انتقام کی خواہش، مشکلات میں ثابت قدمی اور خطرات میں پیش قدمی ہے۔ اور یہ تمام باتیں نر چوپایوں میں بھی پوری طرح موجود ہیں، مگر وہ ”بہادر“ نہیں کہلاتے، جب تک نفسِ ناطقہ کا فیضان ان کو ایسا نہ سنوار دے کہ وہ سراسر مصلحت کلی کے تابع ہو جائیں، اور اقتضائے عقل کے ماتحت وہ معرض وجود میں آئیں۔ اور اسی طرح کارگیر یوں کی اصل حیوانات کے اندر موجود ہے، جیسے وہ چیز جو آشیائے بُنی ہے۔ بلکہ بعض کارگیریاں ایسی ہیں جن کو حیوانات اپنی فطرت سے کرتے ہیں، انسان اُن کو اپنی پوری کوشش سے بھی انجام نہیں دے سکتا۔

ہرگز نہیں (یعنی یہ چیزیں بذات خود کمالات نہیں) بلکہ حق بات یہ ہے کہ یہ سب چیزیں بالعرض سعادت ہیں۔ اور سعادت ھیتیہ (بالذات سعادت) یہ ہے کہ سہمیت نفسِ ناطقہ کی مطیع ہو جائے۔ اور خواہش عقل کی فرمانبرداری قبول کر لے۔ اور نفسِ ناطقہ سہمیت پر اور عقل خواہش پر غالب آجائے۔ اور باقی خوبیاں نظر انداز کی ہوئی ہیں۔

تشریحات:

(۱) ”نوع“ اور ”نوع کا موضوع“، علم منطق کی اصطلاحات ہیں، جب فصلوں کے ذریعہ جنس کی تقسیم کی جاتی ہے تو پیدا ہونے والی اقسام اس جنس کی ”انواع“ کہلاتی ہیں۔ اور ہر نوع کی تعریف (حد و رسم) موضوع و محمول سے مرکب ہوتی ہے، جیسے انسان کی تعریف ہے حیوانِ فاطق۔ اس میں حیوان موضوع ہے۔ اور فاطق محمول۔ پھر محمول اگر کلی ذاتی ہے تو وہ تعریف ”حد“ کہلاتی ہے۔ اور اگر محمول کلی عرضی ہے تو وہ تعریف ”رسم“ کہلاتی ہے۔ اسی طرح موضوع اگر جنس قریب ہے تو اس کو حد نام اور رسم نام کہتے ہیں اور اگر موضوع جنس بعید یا بعید تر ہے تو اس کو حد ناقص اور رسم ناقص کہتے ہیں۔ پس انسان کی حد نام ہے حیوانِ فاطق اور حد ناقص نبات (جسم نامی) ناطق اور جسمنا (جسم منطق) ناطق۔ پس حیوان، نبات اور ہر جانور انسان کے موضوع ہیں اور جنس قریب ہے، دوم اور سوم جنس بعید ہیں۔

(۲) نخطیط، خط (لکیر) سے ہے۔ ڈیزائن چونکہ لکیروں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس لئے شکل بصورت اور ڈیزائن کو نخطیط کہتے ہیں۔

(۳) تین جگہ بشارت آیا ہے۔ اس کا فائل تعمیر مستتر ہے، جو انسان کی طرف راجع ہے۔
لغات: شَقَّانِقُ الثَّمَان: گہائے لالہ، واحد شقیقة الثمان گل لالہ: ایک قسم کا سرخ پھول، جس کے اندر سیاہ داغ ہوتا ہے..... وَرْد: گلاب کا پھول۔ مُلَغَاة (اسم مفعول) اَلْعَى الشَّيْ: باطل کرنا۔

حقیقی نیک بختی حاصل کرنے کا طریقہ

سعادت حقیقہ کیسے حاصل کی جائے؟ یعنی بہیمیت کو روح ربانی کے تابع کیسے کیا جائے؟ خواہش نفس پر عقل کی حکمرانی کیسے قائم کی جائے؟ اس سلسلہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کی لمبی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں انسان کو دو طرح کے کام ایک ساتھ کرنے ہوتے ہیں:

① امور معاش یعنی دنیوی مشاغل۔ یہ کام سعادت حقیقیہ کے لئے نہ صرف یک مفید نہیں، بلکہ بعض مرتبہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ان امور میں بقدر ضرورت ہی مشغول ہونا چاہئے۔

② عبادات و ریاضات جو بہیمیت کو ملکیت کے ماتحت کرتے ہیں۔ یہ کام حقیقی نیک بختی حاصل کرنے میں مدد معاون ہیں۔ اس لئے اس قسم کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔ ان شاء اللہ سعادت حقیقیہ حاصل ہوگی۔
اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو چونکہ دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرنی ہوتی ہے اس لئے دنیا کے بھیلوں سے اس کو مفر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ پیدا ہی ایسا کیا ہے کہ اس کو آخرت کی تیاری کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سامان بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے انسان کو دنیا میں دو طرح کے کام کرنے ہوتے ہیں:

① اپنی روزی روٹی کا انتظام کرنا۔ لیکن اگر انسان ان کاموں میں پوری طرح مشغول ہو جائے تو وہ حقیقی نیک بختی حاصل نہیں کر سکے گا۔ دنیا اپنی ظاہری کشش کی وجہ سے سد راہ بن جائے گی خاص طور پر ناقص انسان کے لئے جو ذاتی مفادات کے لئے دنیوی کاموں میں مشغول ہوتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مقصد کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، اسی طریقہ سے وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے، مثلاً آدمی بہادر اس وقت بنتا ہے جب مقابلوں کی نوبت آئے۔ غصہ بھڑکا کر اور مشتکی مار کر کوئی شخص بہادر نہیں بن سکتا، اسی طرح آدمی فصیح و بلیغ اس وقت بنتا ہے جب زبان و قلم کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔ اساتذہ سخن کا کلام اور شعلہ بیان مقررین کی تقریریں، یاد کر کے کوئی شخص فصاحت و بلاغت میں کمال پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح دانشمند تہذیبات نافذ اس وقت نکالتا ہے جب ضرورت پیش آتی ہے، ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اور صنعت و حرفت آلات (Tools) اور مادہ کی

متنازع ہے، ان کے بغیر صنعت کار کچھ نہیں کر سکتا۔

اسی طرح حقیقی نیکی بخشنی حاصل کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے، اسی ذریعہ سے نیک بخشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ دنیا کے گوگرد و ہندوں میں پھنسے ہوئے کو یہ دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دنیا کے مشاغل و دنیوی زندگی کے اختتام کے ساتھ ختم ہو جانے والے ہیں، وہ آخرت میں کیا کام آ سکتے ہیں؟

پھر یہ ناقص انسان اگر دنیا کے جمیل ہی میں چل بسا اور وہ فیاض و بخشنی تھا یعنی دنیا کی چیزوں میں اس کا دل انکا ہوا نہیں تھا تو وہ آخرت میں صرف نیک بخشنی سے عاری رہ جائے گا، اور کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اور اگر دنیا اس کے دل میں گھر کئے ہوئے تھی تو آخرت میں اس کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا (اس کی تفصیل آئندہ ابواب میں آ رہی ہے)

② عبادتیں اور ریاضتیں کرنا یعنی فرائض و نوافل اعمال میں خوب کوشش کرنا۔ یہ کام بھی انسان کو دنیوی مشاغل کے ساتھ کرنے پڑتے ہیں یہ اعمال اس اعتبار سے "عبادت" کہلاتے ہیں کہ یہ ملکیت کا اقتضاء ہیں۔ عبادت کے معنی ہیں بندگی یعنی وہ اعمال جن کے ذریعہ بندہ اپنے بندہ ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے اور یہی اعمال اس اعتبار سے "ریاضت" کہلاتے ہیں کہ یہ بہیمیت کو رام کرتے ہیں۔ ریاضت کے معنی ہیں نفس کشی یعنی ایسے کام کرنا جن کا ست، جوہر اور خلاء۔ دو چیزیں ہوں (الف) بہیمیت کی تابعداری یعنی بہیمیت، ملکیت کے اشاروں پر عمل پیرا ہوا اور بہیمیت پر ملکیت کا پوری طرح رنگ چڑھ جائے (ب) ملکیت، بہیمیت سے بری اور پیرا ہو جائے یعنی اس کا کنارنگ ملکیت قبول نہ کرے اور جس طرح موم پر انگلی کے نقوش ابھرتے ہیں ملکیت میں بہیمیت کے ردی نقوش نہ چھینیں۔

اور بہیمیت کو رام کرنے کا طریقہ: یہ ہے کہ ملکیت پوری سنجیدگی سے کوئی چیز چاہے، اور اس کی بہیمیت کی طرف وحی کرے۔ اور اس سے مطالبہ کرے اور بہیمیت اس کی تابعداری کرے، نہ سرکشی کرے نہ تعمیل حکم سے باز رہے۔ پھر اسی طرح بار بار ملکیت، بہیمیت کے سامنے اپنی خواہشات پیش کرتی رہے اور بہیمیت اس کو مانتی رہے، تا آنکہ بہیمیت اطاعت کی عادی، مشاق اور خوشگرو ہو جائے۔

اور بہیمیت کو سدھانے کے لئے ضروری ہے کہ ملکیت اس سے دو طرح کے کام کرائے (الف) وہ کام کرائے جن سے ملکیت کو انشراح اور بہیمیت کو انقباض اور تنگی لاحق ہو۔ اس قسم کے کام وہ ہیں جن سے عالم ملکوت کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ اور عالم جبروت کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ یہ کام ملکیت کا خاصہ ہیں اور بہیمیت ان سے کوسوں دور ہے۔ پس جب ملکیت بہیمیت سے اس قسم کے کام کرائے گی تو ملکیت کو انشراح، سرور اور انقباض حاصل ہوگا۔ اور بہیمیت کو انقباض، دل گرفتگی اور تنگی لاحق ہوگی (ب) بہیمیت جو کام چاہتی ہے، جن سے وہ لذت اندوز ہوتی ہے اور نشاط جوانی میں ان کی مشتاق ہوتی ہے یعنی شہوتِ طین اور شہوتِ فرج والے کام: ملکیت وہ کام بالکل چھوڑ دے، ان کو کرنے کی قطعاً روادار نہ ہو تو رفتہ رفتہ بہیمیت رام ہو جائے گی۔

خلاصہ: یہ ہے کہ حقیقی نیک بخشی عبادتوں اور یا خدمتوں کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اگر حاصل شدہ کمال ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو بھی دوبارہ اعمال ہی کے ذریعہ پکڑا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے مصلحت کلی بہانہ وکیل انسانوں کو پکارتی ہے اور تاکید کرتی ہے کہ وہ اپنے ثانوی وجہ کے کمالات میں یعنی ارتقا قات صالحہ اور صنائع عجیبہ میں بقدر ضرورت ہی مشغول ہوں اور اپنی اصل توجہ نفس کو سنوارنے کی طرف رکھیں اور وہ کام اختیار کریں جو ان کو ملامت علی جیسا کر دیں۔ اور ان میں جبروت و ملکوت کے انوار کے نزول کی استعداد پیدا ہو جائے اور بہیمیت، ملکیت کے ماتحت اور فرمانبردار بن جائے۔ اور ملکیت کے اضافے بہیمیت کے سٹیج سے ظاہر ہونے لگیں۔

واعلم: أن الأمور التي تشبك بالسعادة الحقيقية على قسمين:

قسم: هو من باب ظهور قيض النفس النطقية في المعاش بحكم الجبلة، ولا يمكن أن يُحصَلَ الخلق المطلوب بهذا القسم، بل ربما يكون الغوص في تلك الأفعال بزيئها - لا سيما بفكر جزءي، كما هو شأن الناقص - ضد الكمال المطلوب، كالذي يقصد تحصيل الشجاعة بإثارة الغضب والمصارعة، ونحو ذلك؛ أو الفصاحة بمعرفة أشعار العرب وخطبهم؛ والأخلاق لا تظهر إلا عند مزاحمة من بنى النوع؛ والاتفاقات لا تقتضى إلا بحاجات طارئة؛ والصناعات لا تتم إلا بالآلات ومادة؛ وهذه كلها منقضية بانقضاء الحياة الدنيا؛ فإن مات الناقص في تلك الحالة، وكان سَمَحًا، بقي عاريا عن الكمال وإن لرق بنفسه صور هذه العلاقات كان الضرر عليه أشد من النفع.

وقسم: إنما روحه حينئذ عان البهيمية للملكية: بأن تنصرف حسب وحيها، وتنصبغ بصبغها؛ وتمتع الملكية منها: بأن لا تقبل ألوانها الدنيوية، ولا تنطبع فيها نقوشها الخسيسة، كما تنطبع نقوش الخاتم في الشمعة.

ولاسبيل إلى ذلك إلا أن تقتضى الملكية شيئا من ذاتها، وتوحيه إلى البهيمية، وتقرحها عليها، فتعقاد لها، ولا تبغى عليها، ولا تتمتع منها، ثم تقتضى أيضا فتقاد هذه أيضا، ثم ونم. حتى تعتاد ذلك وتتمرن.

وهذه الأشياء التي تقتضيها هذه من ذاتها، وتُفسر عليها تلك، على رغم أنفها، إنما يكون من جنس مافيه الشراح لهذه، وانقباض لتلك؛ وذلك كالتشبُّه بالملكوت، والتطُّع للجبروت، فإنها خاصة الملكية، بعيدة عنها البهيمية غاية البعد، أو يترك ماتقتضيه البهيمية، وتستلذه، وتشتاق إليه في غلوها؛

وہذا القسم يسمى بالعبادات والرياضات، وهي شُرَكَاتُ تحصيلِ الفائق من الخُلُقِ المطلوب؛ فَالْ تحقيقُ المقام إلى أن السعادة الحقيقية لا تُقتَنَص إلا بالعبادات؛ ولذلك كانت المصلحة الكلية تُنادي أفرادَ الإنسان من كَوْنِ الصورة النوعية، وتأمُرُها أمراً مؤكداً: أن تجعلَ إصلاحَ الصفات التي هي كمالٌ لسان بقدرِ الضرورة، وأن تجعلَ غايةَ هممتها ومطمحِ بصرها تهذيبِ النفس، وتَحْلِيْلُهَا بهيئات تجعلُها شبيهة بما فوقها من المألأ الأعلى، مستعدةً لنزول ألوان الجبروت والملكوت عليها، وأن تجعلَ الهيمنةَ مُدْعَةً للملكية، مطعياً لها، مَنْصَةً لظهور أحكامها.

ترجمہ: اور جان لیں کہ جو چیزیں سعادتِ حقیقیہ کے ساتھ خلطِ مطظ ہیں۔ وہ دو قسم کی چیزیں ہیں: پہلی قسم کے اعمال وہ ہیں جو فطرت کے تقاضے سے معاش میں نفسِ ناطقہ کے فیضان کے ظہور کے قیل سے ہیں اور ممکن نہیں کہ مطلوبِ خلق (سعادتِ حقیقیہ) اس قسم (کے کاموں) کے ذریعہ حاصل کی جا سکے۔ بلکہ کبھی ان کاموں میں مشغول ہونا، ان کی ظاہری کشش کی وجہ سے — خاص طور پر جڑنی فکر یعنی ذاتی غرض سے، جیسا کہ وہ ناقص انسان کا حال ہے — کمالِ مطلوب (سعادتِ حقیقیہ) کے منافی ہوتا ہے۔ جیسے وہ شخص جو ”بہادری“ کی تحصیل کا ارادہ کرتا ہے غصہ بھڑکا کر اور کشتی مار کر، اور اس طرح کے کاموں سے۔ یا فصاحت حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے عربوں کے اشعار اور ان کی تقریروں کے جاننے کے ذریعہ۔ اور اخلاق نہیں ظاہر ہوتے مگر اپنا نئے نوع کے ساتھ مزاحمتوں کے وقت۔ اور ارتقاات شکا نہیں کئے جاتے مگر پیش آنے والی ضرورتوں کے ذریعہ۔ اور صنعتوں کی تکمیل نہیں ہوتی مگر آلات اور مادہ کے ذریعہ۔ اور یہ تمام چیزیں دنیوی زندگی کے اختتام کے ساتھ ختم ہو جانے والی ہیں۔ پس اگر ناقص انسان اس حال میں مر گیا اور وہ فیاض تھا تو وہ کمال سے عاری رہ جاتا ہے۔ اور اگر دنیوی تعلقات کی صورتیں اس کے نفس کے ساتھ چپکی ہوئی تھیں تو نفع سے زیادہ اس کو ضرر پہنچے گا۔

اور دوسری قسم کے اعمال وہ ہیں جن کی روح (الف) بہیمیت کی ملکیت کے لئے فرمانبرداری کی شکل ہی ہے: بایں طور کہ بہیمیت، ملکیت کے اشاروں کے مطابق کام کرے۔ اور بہیمیت اس کے رنگ میں رنگ جائے (ب) اور جس کی روح ملکیت کا بہیمیت سے بازر رہتا ہے بایں طور کہ ملکیت بہیمیت کا ذلیل رنگ قبول نہ کرے، اور ملکیت میں بہیمیت کے روی نقوش نہ چھپیں، جس طرح مہر کے نقوش موم میں چھپتے ہیں۔

اور اس کی (یعنی بہیمیت کو تابع کرنے کی)، بجز اس کے کوئی راہ نہیں ہے کہ ملکیت اپنی طرف سے کچھ چاہے، اور اس کی بہیمیت کی طرف وحی کرے، اور بہیمیت سے اس کا مطالبہ کرے، پس بہیمیت، ملکیت کی تابعداری کرے، اور اس کے خلاف سرکشی نہ کرے اور اس کا حکم ماننے سے انکار نہ کرے۔ پھر ملکیت کوئی اور چیز چاہے، پس اس میں بھی بہیمیت تابعداری کرے، پھر اور پھر (یعنی وقتاً فوقتاً ملکیت اپنی چاہت بہیمیت کے سامنے پیش کرتی رہے، اور بہیمیت اس کو ماننی رہے)

یہاں تک کہ وہ اس کی (یعنی اطاعت کی) عادی ہو جائے اور مشاق ہو جائے (یعنی نوکر ہو جائے) اور یہ چیزیں جن کو ملکیت اپنی ذات سے چاہتی ہے، اور وہ بہیمیت ان چیزوں پر مجبور کی جاتی ہے اس کی مرضی کے خلاف (الف) انہی چیزوں کے قبیل سے ہونی چاہئیں جن میں ملکیت کا انشراح ہو اور بہیمیت کا انقباض ہو، جیسے عالم ملکوت سے مشابہت پیدا کرنا اور جبروت کی طرف جھانکنا۔ پس بیشک یہ کام ملکیت کا خاصہ ہیں، بہیمیت ان سے بہت ہی دور ہے (ب) یا وہ چیزیں چھوڑ دی جائیں جن کو بہیمیت چاہتی ہے۔ اور ان سے لذت اندوز ہوتی ہے، اور جن کی اپنی نشاط جوانی میں مشاق ہوتی ہے۔

اور قیم عبادتیں اور ریاضتیں کہلاتی ہیں۔ اور وہ جال ہیں مطلوبہ اخلاق میں سے ہاتھ سے نکل جانے والے کو حاصل کرنے کے لئے، پس مقام (یعنی مسئلہ) کی تحقیق اس طرف لوٹی (یعنی گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا) کہ: "سعادت حقیقیہ عبادتوں کے ذریعہ ہی شکار کی جاسکتی ہے"۔ اور اسی وجہ سے مصلحت کلی (یعنی نوع انسانی کا مفاد) انسان کے افراد کو صورت نوعیہ کے رد و زن (سورخ) سے بیکار کرتی ہے، اور انہیں بے حد تاکید سے حکم دیتی ہے کہ وہ ان کمالات کی اصلاح کو جو کہ وہ ثانوی درجہ کے کمالات ہیں بقدر ضرورت گردانے۔ اور یہ کہ وہ گروانے اپنی توجہ کی آخری حد اپنی نگاہ کے گرنے کی جگہ، نفس کے سنوارنے کو، اور اس کے مزین کرنے کو ایسی شکلوں سے جو اس کو بالائی مخلوق ملامت سے مشابہ کر دیں، اس پر جبروت اور ملکوت کے گلوں کے نزول کے لئے تیار کر دیں۔ اور یہ کہ بہیمیت کو ملکیت کی فرمانبرداری، اور اس کی اطاعت شعاری اور اس کے احکام کے ظاہر ہونے کا اشتیاق ہو۔

ترکیب: ضد الکمال الخ بكون کی خبر ہے۔ الفصاحة کا عطف الشجاعة پر ہے۔ نفع میں ایک تہذیب ہے ہلہ الاشياء اور انما بكون خبر ہے

تصحیح: سمعنا (صفت) مطبوعہ میں سمعنا (جم کے ساتھ) ہے۔ اور حاشیہ میں اس کا ترجمہ زشت (برا) کیا ہے۔ مگر یہ تصحیف ہے تصحیح منقوطہ کراچی سے کی ہے۔ الوان العبروت اصل میں اسکان العبروت ہے یہ بھی تصحیف ہے اور یہ تصحیح بھی منقوطہ کراچی سے کی ہے۔

لغات: المغلواء: حد سے گزرنا آغاز جوانی، نشاط جوانی ... نحو: روزن، روشن دان، سورخ انصتہ: اشتیاق، اصل میں معنی میں: دلہن کے لئے آراستہ کیا ہوا کمرہ شادی کے وقت میاں بیوی کے بیٹھنے کے لئے سنوارا ہوا چھوڑا۔

سعادت حقیقیہ انسان کا فطری تقاضا ہے

ہر انسان سعادت حقیقیہ کا مشتاق ہے۔ وہ اس کی طرف ایسا کھینچا ہوا ہے جیسا لوہا مقناطیس کی طرف کھینچا ہوا ہے۔ بشرطیکہ اس کو نوعی تندرستی حاصل ہو یعنی اس میں کامل انسانیت پائی جاتی ہو، اور اس کا مادہ نوعی احکام کو کامل و مکمل ظاہر ہونے کا

موقع دے۔ یہ سعادت وہ اخلاق ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کی تخلیق فرمائی ہے۔ اور یہی انسانی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ معتدل امتوں میں ایسے لوگ ضرور پائے جاتے ہیں جو یہ حقیقی نیک بشری حاصل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو آخری اقبال مندی تصور کرتے ہیں۔ اور بادشاہ اور حکماء سے لے کر نیچے تک سب لوگ ان کو ”بزرگ“ تسلیم کرتے ہیں یعنی ان کو ایک ایسی نعمت حاصل کرنے میں کامیاب سمجھتے ہیں جو دنیا کی تمام سعادتوں سے بالاتر ہے، ان کو فرشتوں کے ساتھ ملنے والا اور ان کی لڑی میں پرویا ہوا تصور کرتے ہیں۔ ان سے برکتوں کے طالب ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ چیر چوستے ہیں۔ تو کیا عرب و عجم عادتوں اور مذہبوں کے اختلاف، اور علاقوں کے دور دراز ہونے کے باوجود کسی فطری مناسبت کے بغیر ایک چیز پر متفق ہو گئے ہیں؟ اور اتفاق بھی کیسا فطری باتوں جیسا؟ یہ بات ناممکن ہے، اس کا ضرور کوئی فطری سبب ہے۔

علامہ ازیں فطرت انسانی میں ملکیت موجود ہے اور بحث اول (باب ۹) میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ جن حضرات میں ملکیت نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، وہی اکابر اور بڑے مرتبہ والے ہیں۔ اور سعادت حقیقی ملکیت کو بلند سے بلند تر کرنے کی کا نام ہے۔ پس ثابت ہو کہ انسان کا سب سے بڑا کمال سعادت حقیقی کی تحصیل ہے۔ واللہ اعلم۔

وأفراد الإنسان عند الصحة النوعية، وتمكين المادة لظهور أحكام النوع كاملة وافرة: تشاؤن إلى هذه السعادة، وتنجذب إليها انجذاب الحديد إلى المغناطيس، وذلك خلق خلق الله الناس عليه، وفطرة فطرهم عليها.

ولهذا ما كانت في بني آدم أمة من أهل المزاج المعتدل إلا فيها قوم من عظمائهم يهتُمون بتكميل هذا الخلق، ويرونه السعادة القصوى، ويراهم الملوك والحكماء فمن دونهم فانزبن بما يجعل عن سعادات الدنيا كلها، ملتحقين بالملائكة، مُنْخَرِطِينَ فِي سِلْكِهِمْ، حتى صاروا يتبركون بهم، ويقبلون أيديهم وأرجلهم؛ فهل يمكن أن يتفق عربُ الناس وعجمهم، على اختلاف عاداتهم وأديانهم، وتباعُد مسكنهم وبلدانهم، على شيء واحد، وحدة نوعية، إلا لمناسبة فطرية؟ كيف لا، وقد عرفت أن الملكية موجودة في أصل فطرة الإنسان، وعرفت أفاضل الناس وأساطينهم من هم؟ والله أعلم.

ترجمہ: اور انسان کے افراد نوعی تندرستی کے وقت اور مادہ کے قدرت دینے کی صورت میں نوع کے احکام کو کامل و مکمل طور پر ظاہر ہونے کی، اس نیک بشری کی طرف مشتاق ہوتے ہیں۔ اور اس کی طرف کھینچے ہیں جس طرح لوہا ہتھکڑی کی طرف کھینچا ہے اور یہ وہ اخلاق (خوبی) ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کی تخلیق فرمائی ہے اور یہ وہ فطرت (بناوٹ)

ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

اور اسی وجہ سے (یعنی فطری امر ہونے کی وجہ سے) انسانوں میں معتدل مزاج لوگوں کا کوئی گروہ نہیں ہے، مگر ان میں ان کے بڑوں میں سے کچھ لوگ اس اخلاق کی تکمیل کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو سعادت کی آخری منزل تصور کرتے ہیں۔ اور بادشاہ اور دانشمند اور ان سے فروتر لوگ، اُن حضرات کو ایسی نعمت حاصل کرنے میں، جو دنیا کی تمام سعادتوں سے برتر ہے کامیاب، مانگنے کے ساتھ ملنے والا، اور ان کی لڑی میں پرویا ہوا سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان سے برکتیں حاصل کرنے لگے ہیں، اور ان کے ہاتھ پیر چومنے لگے ہیں۔ تو کیا یہ بات ممکن ہے کہ عرب کے لوگ اور عجم کے باشندے ان کی عادتوں اور مذاہب کے اختلاف، اور ان کے مکانات اور علاقوں کے دور دراز ہونے کے باوجود ایک چیز پر نوعی اتحاد کی طرح متفق ہو گئے ہوں بغیر کسی فطری مناسبت کے؟ فطری مناسبت کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے، دراصل ایک آپ جان چکے ہیں کہ ملکیت انسان کی اصل فطرت میں موجود ہے اور آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ افاضل واکابر کون لوگ ہیں؟ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

تصحیح: ! لا لمناسبة فطرية في الاضطراب كراچی سے بڑھایا گیا ہے۔

باب ۲ —

نیک بختی میں اختلاف درجات

اخلاق خواہ عالیہ ہوں یا سافلہ، تمام انسان اُن میں یکساں نہیں ہوتے۔ سخاوت، شجاعت امانت وغیرہ، اسی طرح بخیلی، بزدلی اور خیانت وغیرہ صفات میں لوگ متفاوت ہوتے ہیں۔ اسی طرح سعادت کے معاملہ میں بھی اختلاف درجات پایا جاتا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مثال کے طور پر وصف شجاعت میں لوگوں کے چار مختلف درجات بیان فرمائے ہیں:

① بعض لوگ شجاعت سے بالکل کورے ہوتے ہیں، اور ان میں اس وصف کی قابلیت ہی نہیں ہوتی، کیونکہ ان کی فطرت میں شجاعت کے عکس کیفیت موجود ہوتی ہے یعنی ان کے فیر میں بزدلی شامل ہوتی ہے اور ضدین کا اجتماع ہو نہیں سکتا، پھر ان میں بہادری کیونکر پائی جائے گی، جیسے ہجڑا اور نہایت درجہ بزدل آدمی بہادری کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں اور یہ وصف ان کے لئے متوقع بھی نہیں ہوتا۔

② بعض لوگوں میں فی الوقت تو شجاعت موجود نہیں ہوتی، مگر محنت کر کے پیدا کی جاسکتی ہے۔ اگر وہ بہادرانہ اقوال و افعال و احوال کی مشق و تمرین کریں، بہادروں سے یہ وصف حاصل کریں۔ بڑے بڑے بہادروں کے واقعات پڑھیں یا سنیں اور گزشتہ بہادران قوم پر جو احوال بتیے ہیں اور جس طرح وہ سختیوں میں ثابت قدم رہے ہیں اور خطرات

میں انھوں نے اقدامات کئے ہیں ان سب باتوں کو وہ یاد کریں تو رفتہ رفتہ بہادر بن سکتے ہیں۔

③ بعض لوگ فطری طور پر بہادر ہوتے ہیں۔ ان کا جوش اور جذبہ بار بار ابھرتا رہتا ہے۔ اگر ان کو جو انفرادی کے کاموں سے روکا جائے تو ان پر بہت شاق ہوتا ہے اور وہ غصہ کے ساتھ خاموش رہتے ہیں۔ اور اگر بہادری کے کام کرنے کے لئے کہا جائے تو ان کی مثال اس بارود کی سی ہوتی ہے جس کو آگ دکھائی جائے تو بھڑکنے میں دیر نہیں لگتی۔

④ بعض لوگوں میں بہادری کا جو مرکب کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اس وصف کے تقاضوں کی طرف خود بخود چل پڑتے ہیں۔ اگر ان کو نہایت سختی سے کم ہمتی کے کاموں کی طرف بلایا جائے تو وہ قبول نہیں کرتے۔ بہادرانہ کارنامے انجام دینا اور اس کے مناسب حال شکلیں پیدا کرنا ان کے لئے آسان ہوتا ہے۔ وہ نہ کسی ریت رواج کے محتاج ہوتے ہیں نہ ان کو جوش دلانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی لوگ بہادری کے وصف میں امام ہیں۔ ان کو کسی دوسرے امام کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اور جو لوگ بہادری میں ان سے فروتر ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ ان بہادروں کے طریقہ کو مضبوطی سے تھامیں، اور ان کی ریت کو دانتوں سے پکڑیں، ان کے طریقوں کی پختلاف نقل کریں اور ان کے واقعات کو پڑھیں یا سنیں، تاکہ جتنا مقدر میں ہو بہادری کا وصف ان کو بھی حاصل ہو۔

اسی طرح نیک سختی کے تعلق سے بھی لوگوں کے چار مختلف درجات ہیں:

① بعض لوگ سعادت کے وصف سے کورے ہوتے ہیں اور اس وصف کے سنورنے کی بھی ان کے لئے امید نہیں ہوتی، جیسے وہ لڑکا جس کو حضیر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا، اس کی سرشت ہی میں کفر تھا۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۸ میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ”وہ منافقین بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس وہ نہیں لوٹیں گے“ اس میں اسی قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

② بعض لوگوں میں فی الحال تو وصف سعادت نہیں ہوتا، مگر کوشش کر کے وہ لوگ نیک بخت بن سکتے ہیں۔ اگر وہ سخت ریاضتیں کریں، مسلسل اعمال صالحہ کا خود کو پابند رکھیں تو وہ فائز المرام ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ انبیائے کرام علیہم السلام و السلام کی پر جوش دعوت اور ان سے منقول طریقوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ دنیا میں پائے جانے والے بیشتر لوگ اسی قبیل سے ہیں اور انہی کی بعثت سے اولاد اور بالذات یہی لوگ مقصود ہیں۔ انہی لوگوں کی اصلاح کے لئے سلسلہ نبوت جاری کیا گیا ہے۔

③ بعض لوگ فطری طور پر نیک ہوتے ہیں۔ ان کے خمیر میں نیک سختی شامل ہوتی ہے۔ ان میں نیک سختی کی ترتیں ابھرتی رہتی ہیں۔ بار بار ان میں نیک کاموں کا ولولہ اٹھتا رہتا ہے۔ مگر وہ نیک سختی کے کاموں کی تفصیلات میں کسی امام کی راہ نمائی کے محتاج ہوتے ہیں۔ نیک سختی کے بہت سے کاموں میں، ان کے مناسب شکلوں کی تشکیل میں ان لوگوں کو امام کی ضرورت پڑتی ہے۔ سورۃ النور آیت ۳۵ میں نور ہدایت کی جو مثال آئی ہے کہ ”ایک طاق میں ایک چراغ رکھا

ہے، وہ چراغ ایک قدیل میں ہے، وہ قدیل ایسا ہے جیسا ایک چکدر استارہ، وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا گیا ہے یعنی زیتون کا درخت، جو نہ پورب رخ ہے نہ چچم رخ۔ اس کا تیل (اس قدر صاف اور سٹکنے والا ہے کہ) اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تب بھی وہ خود بخود جل اٹھتا ہے، یہ مثال اسی قسم کے لوگوں کی ہے۔ یہی لوگ اقبال مندی میں سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔

(۴) انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات قدسیہ ہیں۔ اُن کے لئے وصف سعادت کے کمال تک پہنچنا اور اس کی مناسب حال تشکیلیں اختیار کرنا آسان ہے۔ وہ فوت شدہ کی تحصیل کا طریقہ اور موجود کو باقی رکھنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ ان کو ناقص کی تکمیل کا ڈھنگ بھی معلوم ہے۔ اور وہ ان سب باتوں میں نہ کسی راہ نما کے محتاج ہیں، نہ ان کو کسی دعوت کی حاجت ہے۔ یہ حضرات اپنی فطرت کے مقتضی پر چلتے رہتے ہیں اور اس سے وہ سنیں منظم و متشکل ہو جاتی ہیں، جن کو لوگ یاد کرتے ہیں اور دستور زندگی بناتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے معمولی کام لوہاری، زرگری، سوداگری وغیرہ تقلید (پیروی) کے بغیر سرانجام نہیں پاسکتے۔ عام لوگوں کے لئے ان میں اسلاف سے منقول طریقوں کی پیروی ضروری ہوتی ہے، پھر دین اور نیک بختی کا وصف، جو باتو فیض لوگوں ہی کے حصہ میں آتا ہے، تقلید انبیاء کے بغیر کیسے ہمدست ہو سکتا ہے؟ اور ہمیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شہید ضرورت کیوں ہے؟ اور ان کی سنتوں کی پیروی اور ان کی باتوں سے احتمال رکھنا ضروری کیوں ہے؟ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں!

﴿باب اختلاف الناس فی السعادة﴾

اعلم ان الشَّجَاعَةَ وَسَائِرَ الْأَخْلَاقِ كَمَا يَخْتَلِفُ أَفْرَادُ الْإِنْسَانِ فِيهَا:
فَمِنْهُمْ: الْفَاقِدُ الَّذِي لَا يُرْجَى لَهُ حَصُولُهَا أَبَدًا، لِقِيَامِ هَيْئَةٍ مُضَادَّةٍ فِي أَصْلِ جَبَلَتِهِ،
كَالْمَحْتَضِّ، وَضَعِيفِ الْقَلْبِ جَدًّا بِالسَّنَةِ إِلَى الشَّجَاعَةِ.

وَمِنْهُمْ: الْفَاقِدُ الَّذِي يُرْجَى لَهُ ذَلِكَ بَعْدَ مِمَارَسَةِ أَعْمَالٍ، وَأَقْوَالٍ، وَهَيْئَاتٍ تَنَاسِبُهَا، وَتَلْقَى ذَلِكَ
مِنْ أَهْلِهَا، وَتَذْكُرُ أَحَادِيثَ أُنْمِيَّتِهَا، وَمَا جَرَى عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَوَادِثِ فِي الْأَيَّامِ، فَنَبَتْوا فِي الشَّدَائِدِ،
وَأَقْدَمُوا عَلَى الْمِهَالِكِ.

وَمِنْهُمْ: الَّذِي خُلِقَ فِيهِ أَصْلُ الْخُلُقِ، وَلَا تَنَزَالُ تَنْبَجِسُ فِيهِ فَلَنَاتٌ كُلُّ حِينٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِحَسْبِ
نَفْسِهِ عَنْهَا ضَاقَ عَلَيْهِ الْأَمْرُ، وَسَكَتَ عَلَى غَيْظٍ، وَإِنْ أُمِرَ بِمَا يَنَاسِبُ جَبَلَتَهُ كَانَ كَالْكَبِيرِ
يَتَصَلُّ بِه النَّارَ، فَلَا يَتْرَاحِي احْتِرَاقَهُ.

وَمِنْهُمْ: الَّذِي خُلِقَ فِيهِ الْخُلُقُ كَامِلًا وَأَفْرَأَ، وَيَنْدَفِعُ إِلَى مَقْتَضِيَاتِهِ ضَرُورَةً، وَإِنْ دُعِيَ إِلَى

الْجَنِّ — مثلاً — أَشَدَّ دَعْوَةً لَمْ يَقْبَلْ، وَيَتَسَّرُ لَهُ الْخُرُوجُ إِلَى أَعْمَالِ هَذَا الْخَلْقِ وَالْهَيْئَاتِ الْمُنَاسِبَةِ لَهُ بِالطَّعَمِ، مِنْ غَيْرِ رَسْمٍ وَلَا دَعْوَةٍ؛ وَهَذَا هُوَ الْإِمَامُ فِي هَذَا الْخَلْقِ، لَا يَحْتَاجُ إِلَى إِمَامٍ أَصْلًا، وَيَجِبُ عَلَى الَّذِينَ هُمْ دُونَهُ فِي الْخَلْقِ أَنْ يَتَمَسَّكُوا بِسُنَّتِهِ، وَيَعْضُوا بِأَوَاجِدِهِمْ عَلَى رِسْمِهِ، وَيَتَكَلَّفُوا فِي مَحَاكَاةِ هَيْئَتِهِ، وَيَتَذَكَّرُوا وَقَالَعَهُ، لِيُخْرِجُوا إِلَى الْكَمَالِ الْمَتَوَقَّعِ لَهُمْ مِنَ الْخَلْقِ، بِحَسَبِ مَا قَدَّرَ لَهُمْ.

فكَذَلِكَ يَخْتَلِفُونَ فِي هَذَا الْخَلْقِ الَّذِي عَلَيْهِ مَدَارُ سَعَادَتِهِمْ:

فَمِنْهُمْ: الْفَائِدُ الَّذِي لَا يَرْجِي صَلَاحَهُ، كَالَّذِي قَتَلَهُ الْخَضِرُ، طُعِعَ كَافِرًا، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿صُمُّ بَكْمٌ عُمِّي فِيمَ لَا يُرْجَعُونَ﴾

وَمِنْهُمْ: الْفَائِدُ الَّذِي يُرْجَى لَهُ ذَلِكَ بَعْدَ رِيَاضَاتٍ شَاقَّةٍ، وَأَعْمَالٍ دِيمَةٍ، يُوَازِلُهَا نَفْسُهُ، وَيَحْتَاجُ إِلَى دَعْوَةٍ حَثِيثَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَسُنَنِ مَأْثُورَةٍ مِنْهُمْ؛ وَهَؤُلَاءِ أَكْثَرُ النَّاسِ وَجُودًا، وَهُمْ الْمَقْصُودُونَ فِي الْبَعْثَةِ أَوَّلًا وَبِالذَّاتِ.

وَمِنْهُمْ: الَّذِي زُكِبَ فِيهِ الْخَلْقُ إِجْمَالًا، وَيَنْجِسُ مِنْهُ فَلَانَتُهُ، إِلَّا أَنَّهُ يَحْتَاجُ فِي التَّفْصِيلِ وَتَسْمِيَةِ الْهَيْئَاتِ عَلَى مَا يَنْسَبُ الْخَلْقِ فِي كَثِيرٍ مِمَّا يَنْبَغِي، إِلَى إِمَامٍ، وَفِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضَيُّ، وَلَوْ لَمْ تَنْسَسْهُ النَّارُ﴾ وَهُمْ السُّبَّاقُ.

وَمِنْهُمْ: الْأَنْبِيَاءُ، يَتَأْتِي لَهُمْ الْخُرُوجُ إِلَى كَمَالِ هَذَا الْخَلْقِ، وَاخْتِيَارُ هَيْئَاتٍ مُنَاسِبَةٍ لَهُ، وَكَيْفِيَّةِ تَحْصِيلِ الْفَائِدَةِ مِنْهُ، وَإِبْقَاءِ الْحَاضِرِ، وَإِتِمَامِ النَاقِصِ مِنْ غَيْرِ إِمَامٍ وَلَا دَعْوَةٍ، فَيَنْتَظِمُ مِنْ جَرِيَانِهِمْ فِي مَقْتَضَى جِبَلَتِهِمْ سُنَنٌ، يَتَذَكَّرُهَا النَّاسُ، وَيَتَّخِذُونَهَا دَسْتُورًا، كَيْفَ، وَلَمَّا كَانَتْ الْحَدَادَةُ، وَالتَّجَارَةُ، وَأَمْتَالُهُمَا، لَا تَتَأْتِي مِنْ جَمْهُورِ النَّاسِ، إِلَّا بِسُنَنِ مَأْثُورَةٍ عَنْ أَسْلَافِهِمْ، فَمَا ظَنُّكَ بِهَذِهِ الْمَطَالِبِ الشَّرِيفَةِ الَّتِي لَا يَهْتَدِي إِلَيْهَا إِلَّا الْمُؤَقَّفُونَ؟ وَمِنْ هَذَا الْبَابِ يَنْبَغِي أَنْ يُعْلَمَ شِدَّةُ الْحَاجَةِ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَوُجُوبُ اتِّبَاعِ سُنَنِهِمْ، وَالِاشْتِغَالُ بِأَحَادِيثِهِمْ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: نیک تحقیق میں اختلاف درجات کا بیان: جانتا چاہئے کہ بہادری اور دیگر اخلاق میں جس طرح افراد انسانی مختلف ہوتے ہیں:

پس منجملہ ازاں: (وصف شجاعت کو) ایسا گم کرنے والا ہے، جس کے لئے اس کے حصول کی کبھی امید نہیں کی جاتی، اس کی اصل قطر میں شجاعت کے برعکس کیفیت (ہزولی) کے موجود ہونے کی وجہ سے، جیسے ہجر اور وہ شخص جو بہادری کے وصف کے تعلق سے نہایت ہی کمزور دل ہے۔

اور منجملہ ازاں: (وصف شجاعت کو) ایسا گم کرنے والا ہے، جس کے لئے اس وصف کی امید ہوتی ہے۔ ایسے افعال و اقوال و احوال کی مہارت (مشق) کے بعد جو وصف شجاعت کے مناسب ہوں۔ اور یہ وصف بہادریوں سے حاصل کرنے کے بعد، اور بہادری کے پیشواؤں کے واقعات یاد کرنے کے بعد، اور وہ باتیں یاد کرنے کے بعد جو ان حضرات پر گزشتہ زمانہ میں گزری ہیں، پس وہ غصوں میں ثابت قدم رہے اور خطرات میں انہوں نے اقدامات کئے۔

اور منجملہ ازاں: وہ شخص ہے جس میں اصل ملکہ شجاعت پیدا کیا گیا ہے اور برابر ہر لحظہ اس کے اندر شجاعت کی ترنگیں ابھرتی رہتی ہیں پس اگر وہ حکم دیا جائے کہ وہ خود کو جو اندری کے کاموں سے روکے تو اس پر یہ بات نہایت شاق گذرتی ہے اور وہ غصہ سے بھرا ہوا خاموش رہتا ہے۔ اور اگر اس کو اس کی جہالت کے مناسب حال حکم دیا جائے تو وہ اس گندھک کی طرح ہوتا ہے جس کو آگ لگتی ہے، تو اس کے بھڑکنے میں ذرا دیر نہیں لگتی۔

اور منجملہ ازاں: وہ شخص ہے جس میں وصف شجاعت وافر و کامل پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ اس وصف کے تقاضوں کی طرف خود بخود دچلتا ہے اور اگر وہ — بطور مثال — بزدلی کی طرف نہاست حتیٰ سے بلایا جائے تو وہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ اور اس کے لئے بغیر کسی ریت اور دعوت کے فطری طور پر آسان ہے اس وصف (شجاعت) کے کاموں کی طرف، اور اس کے مناسب حال شکوک کی طرف نظر آتا۔ اور یہی شخص اس وصف میں ”پیشوا“ ہے اُسے قطعاً کسی دوسرے پیشوا کی ضرورت نہیں۔ اور ان لوگوں پر جو اس وصف میں اس سے فروتر ہیں واجب ہے کہ وہ اس کے طریقہ کو مضبوط تھامیں، اور اس کی ریت کو دانٹوں سے پکڑیں۔ اور اس کی ہیکوں کی بکلف نقل کریں، اور اس کے واقعات کو یاد کریں، تاکہ وہ اس کمال کی طرف نگھیں جس کی ان کے لئے امید باندھی گئی ہیں، بہادری میں سے، جتنی ان کے لئے مقدر کی گئی ہے۔

پس اسی طرح لوگ مختلف ہیں اس اخلاق میں (یعنی بہیمیت کو نفس تاطفہ کا مطیع بنانے میں، اور خواہش پر عقل کی فرماں روائی قائم کرنے میں) جس پر لوگوں کی سعادت (نیک بخشی) کا مدار ہے:

پس منجملہ ازاں: (وصف سعادت کو) ایسا گم کرنے والا ہے، جس کے لئے اس وصف کے سنورنے کی (یعنی حاصل ہونے کی) امید نہیں، جیسے وہ لڑاکا جس کو خضر نے قتل کیا تھا، وہ کافر پیدا کیا گیا تھا، اور اس قسم کی طرف اس ارشاد باری میں اشارہ ہے کہ: ”بہرے، گو گئے، اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں لوٹیں گے“

اور منجملہ ازاں: (وصف سعادت کو) ایسا گم کرنے والا ہے جس کے لئے اس وصف کی امید ہے خستہ ریاضتوں کے بعد، اور مسلسل ایسے اعمال کرنے کے بعد، جن سے وہ اپنے نفس کی دار و گیر کرتا رہے۔ اور شخص انبیاء کی پر جوش دعوت اور ان سے منقولی سنتوں کا تاج ہے۔ اور دنیا میں پائے جانے والے بیشتر لوگ اسی قبیل سے ہیں۔ اور بعثت انبیاء سے اولاً اور بالذات یہی لوگ مقصود ہیں۔

اور منجملہ ازاں: وہ شخص ہے جس میں اجمالاً یہ وصف ترکیب دیا گیا ہے۔ اور اس سے اس وصف کی ترنگیں ابھرتی رہتی

ہیں مگر وہ اس وصف کی تفصیلات میں، اور اس کی شکلوں کو تیار کرنے میں اس انداز پر جو اس وصف کے مناسب ہیں، بہت سی باتوں میں جو اس وصف کے مناسب ہیں، کسی امام کا محتاج ہے، اور اسی کے حق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ”اس کا تخیل قریب ہے کہ روشن ہو جائے، اگرچہ اس کو آگ نے نہ چھو یا ہو“ اور یہی لوگ سابق نایات ہیں۔

اور مجملہ ازاں: انبیاء ہیں۔ ان کے لئے آسمان ہے (۱) اس اخلاق کے کمال کی طرف نکلتا اور اس کے مناسب حامل شکلوں کو اختیار کرنا (۲) اور اس وصف میں سے جو قوت ہو جائے اس کو دوبارہ حاصل کرنے کا طریقہ نکالنا (۳) اور موجود کو باقی رکھنا (۴) اور ناقص کی تکمیل کا طریقہ اختیار کرنا۔ کسی پیشوا اور کسی دعوت کے بغیر۔ پس ان حضرات کے اپنی فطرت کے مقتضی پر چلتے رہنے سے مشکل ہوتی ہیں وہ نہیں جن کو لوگ یاد کرتے ہیں اور جن کو دستور زندگی بناتے ہیں۔ اور لوگ ان کو دستور زندگی کیوں نہ بنائیں جبکہ لوہاری، سوداگری اور ان کے مانند کام، عام لوگوں سے حاصل نہیں ہوتے مگر ان کے اسلاف سے منقول طریقوں (کی بیروی) سے، پس آپ کا کیا خیال ہے ان شریف (نہایت اعلیٰ) مقاصد کے بارے میں، جن کی راہ کا توفیق لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں پاتا؟ اور اسی باب سے مناسب ہے کہ جان لی جائے انبیاء کی شدید ضرورت، اور ان کی سنتوں کی بیروی اور ان کی باتوں میں مشغول ہونے کا وجوب، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

الخلق والخلق: طبعی خصلت، عادت جمع اخلاق انبجس الماء: پانی جاری ہونا، بہنا الفلق: غور و فکر کے بغیر کیا ہوا کام، ترک، جوش، ولولہ الدینمہ: مسلسل عمل، اصل معنی ہیں مسلسل بارش جس میں چمک و گرج نہ ہو الخبیثہ: تیز برا بیعت کرنے والی حشہ علی الامر: آسانا، برا بیعت کرنا۔

باب — ۳

تحصیل سعادت کے مختلف طریقے

بہیمیت کو روح ربانی کے تابع کرنا، خواہش نفس پر عقل کی حکمرانی قائم کرنا اور بہیمیت پر نفس طالعہ کو اور خواہشات پر عقل کو غالب کرنا حقیقی نیک نیتی ہے۔ یہ نیک نیتی دو طریقوں سے حاصل کی جاسکتی ہے:

اول: نفس کشی کے ذریعہ یہ سعادت حاصل کی جائے۔ مگر یہ نہایت مشکل طریقہ ہے، نفس کو کچلنا آسان نہیں۔ اور اس طریقہ میں کامیابی کا تناسب بھی ایک فی صد سے زیادہ نہیں۔ اشرافی حکماء، مجذوب صوفیاء، سادھو سنت اور عیسائی زہبان یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اور بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔

دوم: نفس کی اصلاح کر کے یہ سعادت حاصل کی جائے۔ یہ ایک بے خطر راہ ہے اور اس طریقہ میں کم مایابی بھی صد فی صد ہے۔ اور یہ راہ ہر کسی کے لئے آسان ہے، اس لئے انبیاء کے ذریعہ یہی طریقہ لوگوں کو سکھایا گیا ہے، اور پہلے طریقہ کی طرف صرف اشارے کئے گئے ہیں۔ یہ اس باب کا خلاصہ ہے۔ اب تفصیل پیش کی جاتی ہے:

حقیقی نیک بختی و طریقوں سے حاصل کی جاسکتی ہے:

پہلا طریقہ: آدمی بہیمیت سے بالکل جدا ہو جائے۔ خواہشات نفس کو یکدل دے۔ زاہدانہ زندگی اختیار کرے۔ اور نفس بیکہ کی کمی چاہتوں پر اپنی پیچیدہ دے تو نیک بختی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور نفس کو کچلنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی تدبیریں اختیار کرے جن سے بہیمیت کے احکام و تقاضے رک جائیں، نفس کی تیزی ٹوٹ جائے اور اس کے علوم و حالات کی لٹیں بجھ جائیں۔ اور جبروت یعنی ذات باری کی طرف، جو مارائے جہات ہستی ہے، توجہ مرکوز کر دے۔ اور نفس کو ایسے علوم حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرے جو زمان و مکان کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔ زمان و مکان کا دائرہ ہمارے اس مادی عالم تک ہے۔ پس آدمی دنیوی علوم سے دست بردار ہو کر لائق بنے (ذات و صفات کے) علوم میں پوری طرح مشغول ہو جائے اور ایسی لذتوں میں دلچسپی لینے لگے جو لذائذ نفسانی کے قابل سے نہیں ہیں، بلکہ روحانی لذتیں ہیں۔ اور لوگوں سے قطعاً میل جول چھوڑ دے، حتیٰ کہ اہل و عیال کے خرخشوں سے بھی آزاد ہو جائے۔ اور انسانی مرغوبات سے بے رغبت ہو جائے اور ملکوتی رفعتوں کو اپنی رغبتیں بنالے۔ اور فقر و بیماری اور بے عزتی و بے وقاری کے جو اندیشے لوگوں کو گھیرے رہتے ہیں ان سے بالاتر ہو جائے۔ اور انسانوں کی ہستی چھوڑ کر جنگل ہاسی اور سنیا سی بن جائے، غرض نفس میں نفسانیت کی کوئی بھی باقی نہ چھوڑے۔ اور مرنے سے پہلے مر کر رہ جائے۔

سعادت حاصل کرنے کا یہ طریقہ اشرافی حکماء اور مجذوب صوفیاء اختیار کرتے ہیں۔ اور بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ تو آخری منزل کے اشتیاق ہی میں مر جاتے ہیں۔ ان کی نگاہیں زندگی بھر آخری حد کی طرف انھی رہتی ہیں اور وہ یہ نمائش کرتے ہیں کہ گویا وہ آخری منزل پر پہنچ گئے ہیں، حالانکہ دلی ہنوز دور است!

دوسرا طریقہ: آدمی بہیمیت کو باقی رکھتے ہوئے، اس کو سنوار لے اور اس کی کچی کو دور کر کے اس کو سیدھا کر لے تو نیک بختی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور بہیمیت کو سنوارنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح گوشت کا آدمی اپنے اشاروں سے لوگوں کی باتوں کی نقل کرتا ہے اور جس طرح ایک مصور اپنی تصویر کے ذریعہ وجدانی کیفیات: خوف و شرمندگی وغیرہ کی منظر کشی کرتا ہے اور جس طرح مرنے والی بچے کی ماں پر سوز کلمات اور گلوگیر آواز سے اپنی درد مندی کا ایسا اظہار کرتی ہے کہ جو سنتا ہے غمگین ہو جاتا ہے۔ اور اس کی نگاہوں کے سامنے اس عورت کی مصیبت زوگی کا نقشہ گھوم جاتا ہے۔ اسی طرح قوت بہیمی سے ایسے کام کرائے جائیں جن سے نفس ناطقہ کے احوال کی ترجمانی ہوتی رہے۔ نفس ناطقہ کے احوال: پاکیزگی، نیک روی، سیرچشی، فیاضی، بارگاہ خداوندی میں انکساری اور نیاز مندی، صدق و امانت اور عدالت وغیرہ ہیں۔ پس بہیمیت سے ایسے

کام آ کر آئے جائیں، اس کو ایسی شخصیں اختیار کرنے کا مکلف کیا جائے اور ایسے افراد کا پابند بنایا جائے جن سے نفس ناظمہ کی مذکورہ کیفیات کی ترجمانی ہوتی رہے۔ اور ظاہر چونکہ باطن پر اثر انداز ہوتا ہے اس لئے رفتہ رفتہ نفس سندر جائے گا اور اس کی کچی دور ہو جائے گی اور وہ روح ربانی کی اطاعت قبول کر لے گا، اور یہی حقیقی نیک بنتی ہے۔

﴿باب تزوُّع الناس فی کیفیتہ تحصیلِ هذه السعادة﴾

اعلم أن هذه السعادة تُحصَلُ بوجهين:

أحدهما: ما هو كالانسلاخ عن الطبيعة البهيمية، وذلك: أن يُتَمَسَّكَ بِالْحِجْلِ الْجَالِبَةِ لِرُكُودِ أَحْكَامِ الطَّبِيعَةِ، وَخُمُودِ سُورَتِهَا، وَانْقِطَاعِ نَهَبِ عُلُومِهَا وَحَالَاتِهَا، وَيُقْبَلَ عَلَى التَّوَجُّهِ التَّامِّ إِلَى مَارِئِ الْجِهَاتِ مِنَ الْجَبَرُوتِ، وَقَبُولِ النَّفْسِ لِعِلْمِ مَفَارِقَةِ عَنِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ بِالْكُلِّيَّةِ، وَلِلذَّاتِ مَبَايِنَةٍ لِلذَّاتِ الْمَالُوفَةِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، حَتَّى يَصِيرَ لَا يَخَالُطُ النَّاسَ، وَلَا يَرِغِبُ فِيمَا يَرِغِبُونَ، وَلَا يَرْهَبُ مِمَّا يَرْهَبُونَ، وَيَكُونُ مِنْهُمْ عَلَى طَرَفٍ شَاسِعٍ، وَصَفْعٍ بَعِيدٍ. وَهَذَا هُوَ الَّذِي يُرْوَمُهُ الْمُتَأَلِّهُونَ مِنَ الْحُكَمَاءِ، وَالْمُجَذَّبُونَ مِنَ الصُّوفِيَّةِ، فَوْضَلَ بَعْضُهُمْ غَايَةً مُدَاهَا، وَقَلِيلٌ مَا هُمْ! وَبَقِيَ آخَرُونَ مُشْتَاقِينَ لَهَا، طَامَحِينَ أَبْصَارَهُمْ إِلَيْهَا، مُتَكَلِّفِينَ لِمَحَاكَاةِ هَيْئَاتِهَا.

وثانيهما: ما هو كالإصلاح للبهيمية، والإقامة لِعُوجِهَا، مَعَ بَقَاءِ أَصْلِهَا؛ وَذَلِكَ: أَنْ يُسْعَى فِي مُحَاكَاةِ الْبَهِيمَةِ مَاعِنْدَ النَّفْسِ النَّطْفِيَّةِ، بِأَفْعَالٍ، وَهَيْئَاتٍ، وَأَذْكَارٍ، وَنَحْوِهَا، كَمَثَلِ مَا يُحَاكِي الْآخَرُسُ أَقْوَالَ النَّاسِ بِإِشَارَاتِهِ، وَالْمَصُورُ أَحْوَالَ نَفْسَانِيَّةٍ: مِنَ الْوَجَلِ وَالْخَجَلِ بِهَيْئَاتٍ مُبْصَرَّةٍ، يُوْجِدُهَا مُتَعَانِقَةً مُتَشَابِكَةً مَعَ تِلْكَ الْأَحْوَالِ؛ وَالشُّكْلَى تَفْجَعُهَا بِكَلِمَاتٍ وَتَرْجِيَعَاتٍ، لَا يَسْمَعُهَا أَحَدٌ إِلَّا حَزَنَ، وَتَمَثَّلَ عِنْدَهُ صُورَةُ التَّفْجُوعِ.

ترجمہ: اس سعادت کی تحصیل کی کیفیت میں لوگوں کے اختلاف کا بیان: جان لیں کہ یہ سعادت دو طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے:

ان میں سے ایک: وہ ہے جو گو یا طبیعتِ بہیمیہ سے نکل جانے کی طرح ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ایسی تدبیریں مضبوط پکڑے جو طبیعت کے احکام (تقاضوں) کے ٹھہرنے کو اور اس کی تیزی کے ختم کرنے کو، اور اس کے علوم اور اس کے حالات کی لپیٹوں کے بجھے کو کھینچنے والی ہوں۔ اور پوری طرح سے متوجہ ہو، جہات سے ماوراء ہستی یعنی جبروت کی طرف، اور نفس کے قبول کرنے کی طرف ایسے علوم کو جو زمان و مکان سے بالکلیہ جدا ہیں، اور ایسی لذتوں کی طرف جو ہر

ترکیب من الجبروت بیان ہے ماموصولہ کا۔۔۔ مشتاقین، طامحین، متکلفین احوال ہیں۔ بافعال
البح محاکفہ سے متعلق ہے۔۔۔ مایحاکمی میں مامصدر یہ ہے۔

تشریحات: (۱) جہت اشارہ حسیہ کی آخری حد کو یا حرکت مستقیمہ کی آخری حد کو کہتے ہیں۔ جہتیں چھ ہیں، دو حقیقی
اور چار اضافی (تفصیل معین الفلاسفہ ص ۱۲۳ میں ہے) عالم جہات اس مادی عالم کو کہتے ہیں اور ماورائے جہات: عالم طبعی سے
آگے کی دنیا کو کہتے ہیں۔

(۲) المتآلہ: وہ شخص جو انتہائی جدوجہد کرے اور پوری توجہ کرے اور سخت ریاضتیں کرے تاکہ اس کے باطن میں جلا،
صفائی اور چمک پیدا ہو۔ اس کو اشراقی بھی کہتے ہیں۔ اشراق کے معنی ہیں چمکانا۔ ریاضتیں کرنے سے باطن روشن ہوتا ہے
اس لئے اس کو اشراقی کہتے ہیں۔ یہاں فلاسفہ میں سے تارک الدنیا، تجرؤ کی زندگی اختیار کرنے والے لوگ مراد ہیں۔

(۳) جذب اور مجذب کے معنی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے النصف فیہ صمان جلد دوم تفہیم ۳۸ میں بیان کئے ہیں دلچسپی
رکھنے والے حضرات اس کی مراجعت کریں۔



نیک بختی حاصل کرنے کے لئے کونسا طریقہ بہتر ہے؟

اس کے بعد جانتا چاہئے کہ نیک بختی حاصل کرنے کے مذکورہ دونوں طریقوں میں سے بہتر طریقہ دوسرا ہے، کیونکہ
خداوند عالم نے اس عالم کے نظم و انتظام میں تین باتوں کا لحاظ رکھا ہے:

① نظام عالم کے لئے جو بہتر سے بہتر اور آسان سے آسان طریقہ ہوتا ہے وہ اختیار کیا جاتا ہے۔
② اصلاح کا وہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو عام انسانوں کے لئے مفید ہوتا ہے، اکا دکا لوگوں کے لئے جو طریقہ
مفید ہوتا ہے وہ نہیں اپنایا جاتا۔

③ دونوں عالم کی مصیحتیں ایک ساتھ ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا جس سے دنیا کا یا آخرت کا
نظام درہم برہم ہو جائے۔

مذکورہ تین باتیں صرف دوسرے طریقے میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و مہر سے رسولوں کو
اولاً اور بالذات دوسرے طریقہ کو قائم کرنے کے لئے اور اس کی دعوت دینے کے لئے اور اس پر ابھارنے کے لئے
بھجوا ہے۔ اور پہلا طریقہ صرف اشارۃً بیان فرمایا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ طریقہ
نہیں۔ سورۃ الحدید آیت ۲۷ میں ہے:

وَزُهْبَانِیَّةٍ اَبْنَدُ عُمْرَہَا، مَا کَتَبْنٰہَا عَلَیْہِمۡ عِسَیوٰیوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کیا تھا، ہم نے اُن پر اس
اِلَّا اَبْغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰہِ، فَمَا رَعَوْہَا حَقًّا کو واجب نہ کیا تھا، لیکن انھوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے
رِعَایَتِہَا اس کو اختیار کیا تھا۔ سو انھوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔

یعنی جس غرض سے رہبانیت ان لوگوں نے اختیار کی تھی، وہ غرض طلبِ رضا ہے حق تعالیٰ، مگر ان لوگوں نے اس کا
اہتمام نہ کیا، گو وہ صورتِ راہب (تارک الدنیا) بنے رہے مگر درپردہ سب کچھ کرتے رہے اسی لئے اسلام میں رہبانیت
نہیں ہے۔ زبانِ زوجہ ہے: لَا زُهْبَانِیَّةَ فِی الْاِسْلَامِ اسلام کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ، سرحدوں کی حفاظت، حج
کرنے اور مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا ہے۔

پہلے طریقہ کے نقائص: نیک بخئی حاصل کرنے کا پہلا طریقہ پانچ وجوہ سے موزون نہیں:

۱۔ پہلے طریقہ پر ہر کوئی عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ صرف لاہوتی پیش کش رکھنے والے حضرات ہی اس طریقہ کو اپنا سکتے ہیں
اور وہ ہیں کتنے!؟

۲۔ پہلے طریقہ میں سخت ریاضتوں کی اور کامل یکسوئی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور ایسا کرنے والے بھی بہت کم
لوگ ہیں۔

۳۔ پہلے طریقہ سے درجہ کمال تک وہی لوگ پہنچتے ہیں، جن کو اپنی معاش کی کچھ نہیں پڑی، نہ ان کو دنیا کی کوئی رغبت
ہے اور یہ بات انسانی فطرت کے مطابق نہیں۔

۴۔ پہلے طریقہ کے لئے دوسرے طریقہ کی اچھی خاصی مقدار کو مقدم کرنا ضروری ہے یعنی جب دوسرے طریقہ پر
ریاضتیں کر کے ہیبت کو کمزور کر لے گا تبھی اس سے پیچھا چھٹ سکے گا۔ شروع ہی سے پہلا طریقہ اختیار نہیں کیا جاسکتا،
پس ایسا طریقہ اختیار کرنے میں کیا فائدہ جو خود دوسرے طریقہ کا محتاج ہو۔

۵۔ پہلے طریقہ میں دو مفید باتوں میں سے ایک کو ضرور چھوڑنا پڑے گا۔ یا تو اتفاقات کو بالائے طاق رکھنا ہوگا، یا
نفس کو آخرت کے لئے سنوارنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اگر اکثر لوگ پہلے طریقہ کو اپنالیں تو دنیا ویران ہو جائے اور سب لوگوں کو پہلے طریقہ کا تکلف بنانا
تکلیف بالحال کے قبیل سے ہے۔ اس لئے کہ اتفاقات امور فطریہ جیسے ہو گئے ہیں۔ اور فطری چیزیں چھوڑی نہیں
جاسکتیں۔ اور اتفاقات کی رعایت کے ساتھ پہلے طریقہ کو اپنانا ممکن نہیں ہے۔

دوسرے طریقہ کی خوبیاں: اور دوسرے طریقہ سے درجہ کمال تک خدا دا فہم والے اور وہ لوگ پہنچتے ہیں جن کی
ملکیت اور ہیبت میں مصالحت ہوتی ہے۔ اور وہ خدا دا فہم والے آٹھ حضرات ہیں، یعنی کامل، حکیم، خلیفہ، مؤید، روح
القدس، مُرُکی، امام، مؤید اور ربی (تفصیل بحث سادس باب دوم میں ہے) یہی حضرات دین و دنیا کی ایک ساتھ قیادت

کرتے ہیں، انہیں کی آواز سنی جاتی ہے، انہی کا طریقہ قابل اتباع ہے، سابقین و اصحابِ یمنین میں سے مصالحت والوں کا کمال اسی طریقہ میں منحصر ہے، دنیا میں انہی حضرات کی تعداد زیادہ ہے۔ اس دوسرے طریقے پر ہر کوئی ڈکی وٹنی، مشغول و فارغ عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ اس طریقہ میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہے۔ یہ طریقہ نفس کی اصلاح اور اس کی کچی کودور کرنے کے لئے کافی ہے اور آخرت کی متوقع تکالیف کو ہانکے کے لئے بھی وافی ہے۔ کیونکہ آخرت میں ہر شخص کو ملکوتی اعمال کی ضرورت ہے۔ اگر وہ ہوں گے تو نفس کو راحت پہنچنے کی اور وہ مفتوح ہوں گے تو نفس رنج و محن سے دوچار ہوگا۔

ولما كان مبنى التدبير الإلهى فى العالم على اختيار الأقرب فالأقرب، والأسهل فالأسهل، والنظر إلى إصلاح ما يجرى مجرى جملة أفراد النوع، دون الشاذة والفائدة، وإقامة مصالح الدارين، من غير أن يتحرم نظام شئى منهما: اقتضى لطف الله ورحمته أن يبعث الرسل أولاً وبالسذات لإقامة الطريقة الثانية، والدعوة إليها، والحث عليها، ويدل على الأولى بإشارات التوامية، وتلويحات تضمينية، لا غير، والله الحجة البالغة.

وتفصيل ذلك: أن الأولى إنما تتأنى من قوم ذوى تجاذب، وقبيل ما هم، وبرياضات شاقية، وتفرغ قوئى، وقبيل من يفعلها، وإنما أنتموها قوم أهملوا معاشهم، ولا دعوة لهم فى الدنيا، ولا تنتم إلا بتقديم جملة صالحة من الثانية، ولا يخلو من إهمال أحدى السعادتین: إصلاح الارتماقات فى الدنيا، وإصلاح النفس للأخرة، فلو أخذ بها أكثر الناس خربت الدنيا، ولو كلفوا بها كان كالتكليف بالمحال، لأن الارتماقات صارت كالجبلية.

والثانية: إنما أنتموها الْمُفَهِّمُونَ، وذو اصطلاح، وهم القانمون برياسة الدين والدنيا معاً، ودعوتهم هى المقبولة، وستنتهم هى المتبعة، ويختصر فيها كمال المصطلحين من السابقين، وأصحاب البمين، وهم أكثر الناس وجوداً، ويمكن منها الذكى والغبي، والمشتغل والفارغ، ولا حرج فيها، وتكفى العبد فى استقامة نفسه، ودفع اعوجاجها، ودفع الآلام المتوقعة فى المعاد عنها؛ إذ لكل نفس أفعال ملكية تنعم بوجودها، وتناهم بفقدانها.

ترجمہ: اور جب اس جہاں میں تدبیر الہی کا مدار قریب سے قریب تر اور آسان سے آسان تر کو اختیار کرنے پر ہے۔ اور اس چیز کو سنوارنے کی طرف نظر رکھنے پر ہے جو نوع انسانی کے تمام افراد کے لئے یکساں ہیں، نہ کہ شاذ و نادر کی اصلاح کی طرف نظر رکھنے پر، اور دارین کی مصلحتوں کو قائم کرنے پر ہے، اس کے بغیر کہ دارین میں سے کسی کی چیز کا نظام متاثر ہو، تو لطف الہی اور مہر خداوندی نے چاہا کہ وہ رسولوں کو اولاً اور بالذات دوسرے طریقہ کو قائم کرنے کے لئے، اور

اس کی طرف دعوت دینے کے لئے، اور اس پر ابھارنے کے لئے مبعوث فرمائیں۔ اور پہلے طریقہ کی طرف صرف التزامی اشارات اور ضمنی ایماءات سے راہ نمائی فرمائیں اور برہان کامل اللہ ہی کے لئے ہے۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا طریقہ اُن لوگوں سے بن پڑتا ہے جو لاہوتی کشش والے ہیں، اور وہ بہت تھوڑے ہیں، اور سخت ریاضتوں اور کمال ترین یکسوئی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ایسا کرنے والے بہت کم ہیں۔ اور پہلے طریقہ کے پیشوا وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی معاش کو رائیگاں کر دیا ہے۔ اور ان کے لئے دنیا میں کوئی رغبت نہیں ہے اور پہلا طریقہ دوسرے طریقے کی اچھی خاصی مقدمہ کو مقدم کئے بغیر تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا۔ اور پہلا طریقہ دو نیک بختوں میں سے ایک کو رائیگاں کرنے سے خالی نہیں: (۱) دنیا میں ارتقا قات کو سنوارنا (۲) اور نفس کو آخرت کے لئے سنوارنا۔ پس اگر بیشتر لوگ پہلے طریقہ کو اپنالیں تو دنیا ویران ہو جائے۔ اور اگر لوگوں کو پہلے طریقہ کا مکلف گردانا جائے تو وہ تکلیف بالحال کی طرح ہوگا۔ کیونکہ ارتقا قات امور فطریہ کی طرح ہو گئے ہیں۔

اور دوسرے طریقہ کے پیشوا خدا و افہم والے اور مصالحت والے حضرات ہیں۔ اور وہی دین و دنیا کی ایک ساتھ سرداری کرنے والے ہیں اور انہی کا پیغام مقبول ہے اور انہیں کا طریقہ قابل اتباع ہے، اور اسی میں سائنٹین اور اصحاب یمنین میں سے مصالحت والے لوگوں کا کمال مختصر ہے اور دنیا میں یہی لوگ زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اور اسی طریقہ پر ذکی و نجی اور مشغول و فارغ عمل پیرا ہو سکتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تنگی نہیں۔ اور یہ طریقہ آدمی کے لئے کافی ہے، اپنے نفس کی اصلاح کے لئے اور اس کی کبھی کو دور کرنے کے لئے اور نفس سے اُن تکالیف کو ہٹانے کے لئے جن کا آخرت میں اندیشہ ہے، کیونکہ ہر نفس کے لئے (آخرت میں) ایسے ملکوتی کام ہیں جن کے موجود ہونے سے نفس راحتیں پاتا ہے، اور جن کے مفقود ہونے سے نفس تلخیوں میں اٹھتا ہے۔

لغات:

مخوی: نالی، جگہ۔ الف: اکلیا، نفس فادۃ: اکلیا شخص..... انخرم: پھٹ جانا، شکاف پڑ جانا..... لوخ نلویحا: دور سے اشارہ کرنا۔ لا غیر یعنی فقط۔ المضمہم (اسم مفعول) فہمہ: سمجھنا یا اصطلاح ہے، مراد وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے دین کا خصوصی فہم عطا فرمایا ہے۔ ذو: صاحب، والا، جمع ذوؤن اضافت کی وجہ سے ن گر گیا ہے۔

تشریح:

لفظ کی معنی موضوع لہ کے جزو پر دلالت تفسیمی کہلاتی ہے، جیسے انسان کی صرف حیوان پر دلالت۔ اور لفظ کی کسی ایسے معنی پر دلالت جو معنی موضوع لہ سے علحدہ ہوں، مگر معنی موضوع لہ سے خصوصی تعلق رکھتے ہوں، التزامی کہلاتی ہے، جیسے حاتم کی دلالت حاتمات پر۔

روحانی علوم کی تحصیل کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نیک ختمی حاصل کرنے کے دوسرے طریقہ کو ترجیح دی ہے، اس پر یہ شبہ پیش آ سکتا ہے کہ جب آدمی دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلے گا تو خالص روحانی علوم سے کیونکر بہرہ ور ہوگا؟ روحانی احوال و مقامات اور غیر مادی علوم و معارف دنیا کی طرف التفات کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ زندگی بس یہی زندگی نہیں ہے، اس کے بعد بھی زندگیاں ہیں، قبر کی زندگی میں اور حشر کی زندگی میں جہاں دنیا کا کوئی شغل نہیں رہے گا، روحانی علوم اور تجرد کے احکام خود بخود فطری طور پر حاصل ہوں گے، اور یہ بھی نہیں چلے گا، جیسے بچہ جوں جوں پروان چڑھتا ہے، فطری طور پر مادی علوم حاصل کرتا رہتا ہے، اگرچہ وہ کسی تعلیم گاہ میں نہ گیا ہو، اسی طرح آئندہ زندگیاں غیر شعوری طور پر روحانی علوم و معارف سے بہرہ ور کر دیں گی۔ شاعر کہتا ہے:

ابھی زمانہ تیرے سامنے وہ باتیں لے آئے گا جو تو نہیں جانتا
اور تجھے وہ شخص خبریں پہنچائے گا جس کے لئے تو نے توشہ تیار نہیں کیا

خلاصہ جواب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں عام لوگوں کے لئے تمام کمالات کا حاصل کر لینا ممکن نہیں ہے۔ بہت سے کمالات اور خیر و خوبی کی بہت سی شکلیں منظر ہوتی ہیں، وہ آئندہ حاصل ہوں گی، کیونکہ روحانی علوم و کمالات کی تحصیل کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا، کبھی ختم نہ ہوگا۔

اور جہل بسیط (غیر مرکب) جس میں جہل کا ادراک ہوتا ہے، مضمر نہیں، جیسے عربی اول و دوم کا طالب عالم جانتا ہے کہ میں ابھی قرآن و حدیث اور فقہ کو نہیں جانتا، آئندہ جان لوں گا، پس یہ نہ جانتا مضمر نہیں۔ مضمر جہل مرکب ہے یعنی نہیں جانتا اور نہ جاننے کو بھی نہیں جانتا۔ بلکہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ جانتا ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ جہالت میں مبتلا رہتا ہے۔

غرض جہل اور جہل بسیط ایک ہیں۔ دستور العلماء میں ہے الجہل: عدم العلم عما من شأنه ان يكون عالماً وهو الجہل البسيط اھ غرض جب ہم دنیا میں جانتے ہیں کہ ہم بہت سے روحانی علوم نہیں جانتے، آئندہ زندگیوں میں جانیں گے تو یہ نہ جانتا مضمر نہیں۔ کیونکہ یہ جہل بسیط ہے، مرکب نہیں ہے۔

أما أحكام التجرد، فَنَسْتَلْقِي إِلَيْهَا لُشُنَاتُ الْقَبْرِ، وَالْحَشْرِ، مِنْ حَيْثُ لَا يَدْرِي، بِجَهْلِنَهَا، وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ، شِعْرٌ:

سَتَبْدِي لَكَ الْآيَاتُ مَا كُنْتَ حَاحِلًا وَبَاتِلِكَ بِالْأَخْبَارِ مِنْ لَمْ تَوَدَّ
وَبِالْجُمْلَةِ: فَالْإِحَاطَةُ وَاسْتِقْصَاءُ وَجْهِ الْخَيْرِ، كَالْمَحَالِ فِي حَقِّ الْأَكْثَرِينَ، وَالْجَهْلُ الْبَسِيطُ
غَيْرُ ضَارٍّ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: رہے مجھ ہونے کے احکام (یعنی علوم) تو ابھی قبر اور حشر کی زندگیاں (ان علوم کو) نفس کی طرف ڈالیں گی، ایسے طور سے کہ اس کو پتہ بھی نہیں چلے گا، نفس کی فطرت کے تقاضے سے، گو کچھ وقت کے بعد ہو: شعر غفریب ظاہر کرے گا تیرے لئے زمانہ وہ باتیں جو تو نہیں جانتا اور تیرے پاس وہ شخص خبریں لائے گا جس کے لئے تو نے توشہ تیار نہیں کیا اور حاصل کلام یہ ہے کہ خیر کی شکلوں کا احاطہ اور استقصاء، اکثر لوگوں کے حق میں محال جیسا ہے اور جمل بسیط مضر نہیں، واللہ اعلم

لغات: نَجْوَدُ: ننگا ہوا۔ یہاں مراد نفس کا حقیقہ یا حکما مادہ سے مجرود ہونا ہے..... النُّشَاةُ: زندگی، پیدائش۔ سورۃ الواقعة آیت ۶۳ میں ہے وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَى..... اسْتَفْضَى الْمَسْأَلَةَ: مسئلہ کی تہ کو پہنچنا۔ تشریح:

(۱) کچھ علوم وہ ہیں جو مادہ کے ساتھ آلودگی کی حالت میں حاصل نہیں ہو سکتے، جب آدمی حقیقہ یا حکما مادہ سے جدا ہوتا ہے اسی وقت وہ علوم حاصل ہوتے ہیں۔ یہ علوم: روحانی علوم، ملکوتی علوم، اخروی علوم، ربانی علوم، نبی علوم وغیرہ کہلاتے ہیں، احکام التجرد سے یہی علوم مراد ہیں۔

(۲) ہر زندگی کی ایک فطرت ہے، اُس زندگی میں فطری طور پر اس کے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً بچپن اور جوانی الگ الگ زندگیاں ہیں، صغریٰ میں جوانی کے علوم حاصل نہیں ہو سکتے اور بالغ ہوتے ہی اس زندگی کے علوم و احکام آدمی کو حاصل ہو جاتے ہیں، اسی طرح کہ بچہ بھی نہیں چٹا کہ کب اور کیسے جوانی کے علوم حاصل ہو گئے۔ اسی طرح آنے والی زندگیوں کی بھی ایک فطرت ہے، جب آدمی مرکز ان زندگیاں میں پہنچے گا تو روحانی علوم جو ان زندگیاں کے مخصوص علوم ہیں، خود بخود حاصل ہو جائیں گے اور آدمی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کب اور کیسے وہ علوم حاصل ہو گئے۔ واللہ اعلم

باب ۴

وہ اصول جو سعادت حاصل کرنے کے طریق ثانی کی تحصیل کا مرجع ہیں

گدشتہ باب میں سعادت حقیقہ حاصل کرنے کے دو طریقے بیان کئے گئے ہیں، ایک: نفس کشی کر کے نیک بختی حاصل کرنا۔ دوسرا: بہیمیت کو سنوار کر کے نیک بختی حاصل کرنا۔ پہلا طریقہ مشکل اور کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور دوسرا طریقہ آسان اور پسندیدہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دوسرے طریقہ کی تعلیم دینے کے لئے مبعوث فرمایا ہے، وہ لوگوں کو اسی طریقہ کی ترغیب دیتے ہیں۔

اب اس باب میں یہ بیان ہے کہ دوسرے طریقہ سے سعادت حاصل کرنے کی راہیں اور شکلیں تو بہت ہیں سابقہ

شرائع اور قرآن وحدیث اس کی تفصیلات سے بھرے پڑے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اپنے خاص فضل سے یہ بات سمجھادی ہے کہ اس بے پناہ تفصیلات کا مرجع اور خلاصہ چار باتیں ہیں:

۱- طہارت (پاکی) ۲- اخبات (نیاز مندی) ۳- ساحت (فیاضی) ۴- عدالت (انصاف)

یہ چاروں باتیں درحقیقت نفس کی کیفیات ہیں، اور ان کے پیکر ہائے محسوس اعمال ہیں یعنی ہم جن چیزوں کو پاکی، فیاضی اور انصاف وغیرہ کہتے ہیں وہ دراصل ان کے اسباب وموجبات اور مظاہر وپیکر ہیں۔ اور شریعت انہی پر احکام جاری کرتی ہے اور انہی سے بحث کرتی ہے۔

یہ کیفیات کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ جب روح ربانی بہیمت کو زیر دست کر لیتی ہے۔ اور خواہی خواہی اس سے خصال مذکورہ کے مناسب حال اعمال کراتی ہے تو رفتہ رفتہ انسانی نفس (نفس) ان کیفیات کے ساتھ متعصف ہو جاتا ہے، دیگر ملکات کا بھی یہی حال ہے مثلاً کتابت کی مہارت مسلسل لکھتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح مذکورہ کیفیات بھی اعمال کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں۔

ان کیفیات کا فائدہ: یہ کیفیات ملائکہ کے احوال سے بے حد مشابہ ہیں۔ جب یہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں تو آدمی ملکوتی صفات کا حامل ہو جاتا ہے اور ملائکہ کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے اور ان کے سلسلہ میں منسلک ہو جاتا ہے۔

پہلی صفت: طہارت (پاکی)

پہلی صفت: طہارت ہے۔ طہارت کی حیثیت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ نماز وغیرہ عبادات کے لئے چاہی اور لازمی شرط ہے، بلکہ وہ بذات خود بھی مطلوب ہے سلم شریف کی حدیث میں پاکی کو آدھا ایمان قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم میں متعدد جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب پاک و صاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔

طہارت کی حقیقت: اور طہارت کی حقیقت یہ ہے کہ سلیم الفطرت اور صحیح المزاج آدمی، جس کا دل ایسے سفلی تقاضوں سے فارغ ہو، جو غور و فکر میں مانع بنتے ہیں، جب نجاستوں میں آلودہ ہوتا ہے یا اس کو پیشاب پاخانہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یا وہ مباشرت اور اس کے مقدمات سے ابھی ابھی فارغ ہوا ہوتا ہے، تو وہ دل میں انقباض، تنگی اور گھٹن محسوس کرتا ہے اور خود کو بھاری بوجھ تلے دبا ہوا پاتا ہے۔ پھر جب وہ پاک و صاف ہو جاتا ہے یعنی ناپاکی دھو ڈالتا ہے، بول و براز سے فارغ ہو جاتا ہے، نہادھو کر اچھے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے تو وہ انقباض دور ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ انشراح اور سرور و انبساط محسوس کرتا ہے۔ پہلی کیفیت حدیث (ناپاکی) اور دوسری طہارت (پاکی) کہلاتی ہے۔ مگر طہارت کی یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی نے اعمال طہارت روح ربانی کے تقاضے اور حکم سے کئے ہوں، محض دکھاوے کے لئے یا ریت و رواج کی تقلید میں نہ کئے ہوں، کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ عبادت کی

نیت کرنے ہی سے مذکورہ کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

طہارت و حدث میں فرق: ہر وہ شخص جو کچھ دار ہے اور فطرت سلیہ رکھتا ہے اور اس کا وجدان بھی صحیح ہے، وہ طہارت و حدث کی ان دونوں کیفیتوں کے فرق کو واضح طور پر محسوس کرتا ہے اور اپنی فطرت کے تقاضے سے حدث کی حالت کو ناپسند، اور طہارت کی حالت کو پسند کرتا ہے۔ اور کم فہم آدمی جب بے ہمتی کو کچھ کمزور کر لیتا ہے اور پاکی اختیار کرتا ہے اور یکسوئی سے دونوں حالتوں میں غور کرتا ہے تو وہ بھی دونوں حالتوں میں امتیاز کر لیتا ہے۔

طہارت کا فائدہ: طہارت کی یہ حالت ملاطفتی کی حالت سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ ملائم کے احوال میں سے یہ ہے کہ وہ ہمیشہ بھنی آلودگیوں سے پاک و صاف اور اپنی نورانی کیفیات پر شاداں و فرحاں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے طہارت، نفس انسانی کو عملی کمال کے ساتھ متصف کرتی ہے۔

حدث کا نقصان: جب انسان ناپاکی کا خوگر ہو جاتا ہے اور ہمہ وقت گندگیوں میں لت پت رہتا ہے تو اس میں شیطاں کے وساوس قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جس باطنی سے شیطاں کو دیکھنے لگتا ہے، اس کو مشتتاک خواب نظر آتے ہیں اور اس کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے اور ملعون و کمینہ حیوانات اس کے سامنے متماثل ہوتے ہیں۔

طہارت کے آثار: اور جب طہارت ملکہ بن جاتی ہے، آدمی پوری طرح پاکی کا اہتمام کرنے لگتا ہے اور وہ طہارت کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو اس میں ملائم کے الہامات کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، کبھی اس کو فرشتے نظر بھی آتے ہیں، اس کو اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں اور اس پر ملکوتی انوار ظاہر ہوتے ہیں اور پاکیزہ اور مبارک چیزیں اس کے سامنے متماثل ہوتی ہیں۔

نوٹ: طہارت و حدث کی مزید تفصیل بحث خاص باب (۸) میں اور قسم غانی کے ابواب الطہارت اور ابواب الاحسان کے شروع میں آئے گی۔

﴿باب الأصول التي يرجع إليها تحصيل الطريقة الثانية﴾

اعلم: أن طُرُقَ تحصيل السعادة على الوجه الثاني كثيرة جدًا، غير أني فَهَمْنِي اللهُ تعالى بفضلِهِ: أن مرجعها إلى خصال أربع، تلبسُ بها البهيمة متى غَطَّتْهَا النفسُ النطقية، وَقَسَرَتْهَا على ما يناسبها، وهي أشبهُ حالات الإنسان بصفة الملا الأعلى، مُعَدَّةٌ لِلْحَوْقِ بِهِمْ، وَأَنْجَرُاطُهُ فِي سَلَكِهِمْ، وَفَهَمْنِي أَنَّهُ إِنَّمَا بُعِثَ الْأَنْبِيَاءُ لِلدَّعْوَةِ إِلَيْهَا، وَالْحَثِّ عَلَيْهَا، وَأَنَّ الشَّرَائِعَ تَفْصِيلُ لَهَا، وَرَاجِعَةٌ إِلَيْهَا: أَحَدُهَا: الطَّهَارَةُ، وَحَقِيقَتُهَا: أَنَّ الْإِنْسَانَ عِنْدَ سَلَامَةِ فِطْرَتِهِ، وَصَحَّةِ مَزَاجِهِ، وَتَفَرُّغِ قَلْبِهِ مِنَ الْأَحْوَالِ السُّفْلِيَّةِ الشَّاغِلَةِ لَهُ عَنِ التَّدَبُّرِ، إِذَا تَلَطَّحَ بِالنَّجَاسَاتِ، وَكَانَ حَاقِبًا حَاقِقًا، قَرِيبَ الْعَهْدِ

من الجماع ودواعیه، انقبضت نفسہ، وأصابہ ضیقٌ وحزنٌ، ووجد نفسه فی غاشیة عظيمة، ثم إذا تسخف عن الأحیثین، وذلك بدنه واغتسل، ولبس أحسن ثیابه وتطیب، اندفع عنه ذلك الإنقباض، ووجد مكانه انشراحاً وسروراً وانبساطاً، کلُّ ذلك لالمُراءاةِ الناس، والحفظ علی رسومهم، بل لحکم النفس النطقیة فقط؛ فالحالۃ الأولى تسمى "حدثاً" والثانیة: "طهارة"

والذکی من الناس، والذي یرى منه سلامةُ أحكام النوع، وتمکینُ المادۃ لأحكام الصورة النوعیة؛ یعرف الحالین متمیزةً، کلٌّ واحدة من الأخری، ویحب أحدهما، ویبغض الأخری بطبیعته؛ والغبی منهم إذا أضعف شيئاً من البهیمة، ولجَّ بالطهارات والتبتُّل، وتفرَّغ لمرقتہما؛ لا بد یعرفہما، یمیز کلٌّ واحدة من الأخری.

والطهارة أشبه الصفات السمیة بحالات الملاء الأعلى، فی تجرُّدها عن الألوات البهیمة، وابتہاجہا بما عندها من النور، ولذلك كانت مُعدَّة لتلیس النفس بکمالہا بحسب القوۃ العبلیة. والحدث إذا تمکّن من الإنسان، وأحاط به من بین یدیه ومن خلفه، أورث له استعداداً لقبول وساوس الشیاطین، ورؤیتهم بحاسة الحس المشترك، ولسماتٍ موحِشۃ، ولظہور الظلمۃ علیہ فیما یلی النفس النطقیة، وتمثیل الحیوانات الملعونة اللتیمة.

وإذا تمکنت الطهارة منه، وأحاطت به، وثبَّتہا، وركن إليها؛ أورثت استعداداً لقبول إلهامات الملائکة ورؤیتها، ولسماتٍ صالحة، ولظہور الأنوار، وتمثیل الطبیات، والأشیاء المبارکة المعظمۃ.

ترجمہ: اُن اصول (بنیادی باتوں) کا بیان جن کی طرف طریق ثانی کی تکمیل لائق ہے (یعنی جو طریق ثانی کی تکمیل کی تفصیلات کے بنیادی نقاط ہیں) جان لیں کہ یہ طریق ثانی نیک بختری حاصل کرنے کی بہت سی راہیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے یہ حقیقت سمجھادی ہے کہ ان راہوں کا مربع (یعنی بنیاد) چار باتیں ہیں۔ یہی ہیں ان کے ساتھ متصف ہوتی ہے جب اس کو نفسِ نااطع مغلوب کر لیتا ہے۔ اور اس کو ایسے کاموں پر مجبور کرتا ہے جو خصالِ اربعہ کے مناسب حال ہوتے ہیں۔ اور وہ (یعنی خصالِ اربعہ کے ساتھ اتصاف کی) حالت آدمی کے تمام احوال میں ملاءِ اعلیٰ کی حالت کے ساتھ زیادہ متشابہ ہے وہ انسان کو تیار کرنے والی ہے ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ ملنے کے لئے اور ان کی لڑی میں پیروے جانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بات بھی سمجھادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو انہی باتوں کی طرف دعوت دینے کے لئے، اور ان پر ابھارنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ اور یہ بات بھی سمجھادی ہے کہ (مزل من السماء) شریعتیں انہی خصالِ اربعہ کی تفصیل ہیں اور انہیں کی طرف لائق ہیں۔

پہلی صفت: طہارت ہے۔ اور طہارت کی حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی سلیم الفطرت اور صحیح المزاج ہو، اور اس کا دل

اُن سنی تقاضوں (جماع اور مقدمات جماع وغیرہ) سے فارغ ہو، جو اس کو (اللہ کے معاملات میں) غور و فکر کرنے سے غافل کرنے والے ہیں، جب وہ نجاستوں میں آلودہ ہوتا ہے اور اس کو پیشاب یا خن کا سخت تقاضا ہوتا ہے اور وہ مباشرت اور اس کے مقدمات سے ابھی ابھی فارغ ہوا ہوتا ہے تو اس کا نفس منقبض ہوتا ہے اور اس کو سنی اور حزن پہنچتی ہے اور وہ خود کو بھاری مصیبت میں پاتا ہے۔ پھر جب وہ بول و براز سے فارغ ہو جاتا ہے اور اپنا بدن رگڑتا ہے اور نہاتا ہے اور اچھے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے تو اس کا وہ انقباض دور ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ میں وہ انشراح و سرور اور انبساط پاتا ہے، یہ سب باتیں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ریت و رواج کی پابندی کی بنا، پر نہ ہوں، بلکہ صرف نفس ناطقہ (روح ربانی) کے حکم کی اطاعت کی وجہ سے ہوں۔ پس پہلی کیفیت حدث اور دوسری طہارت کہلاتی ہے۔

اور دین آدمی اور وہ شخص جس سے نوعی احکام کی درستی اور مادہ کا صورت نوعیہ کے احکام کو موقع دینا محسوس کیا جاتا ہے، وہ دونوں حالات میں تمیز کر لیتا ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے جدا کر لیتا ہے اور وہ فطری طور پر ان میں سے ایک کو پسند کرتا ہے اور دوسری کو ناپسند کرتا ہے۔ اور کم فہم آدمی جب یہ سمیٹ کو کچھ کمزور کر لے اور پاکیزوں اور دنیا سے بے تعلقی کی داومت کرے اور دونوں حالتوں کو پہچاننے کے لئے فارغ ہو جائے تو وہ ضرور ان کو پہچان لیتا ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے تمیز کر لیتا ہے۔ اور طہارت، بشری صفات میں ملا اعلیٰ کے حالات سے بہت زیادہ مشابہ ہے، ان کے مجرد ہونے میں بھی آلودگیوں سے، اور شداں و فراحان رہنے میں ان نورانی کیفیات پر جو ان کو حاصل ہیں۔ اور اسی وجہ سے طہارت تیار کرنے والی ہے نفس کے متصف ہونے کو اس کے کمال کے ساتھ قوت عمدیہ کے اعتبار سے۔

اور ناپاکی (حدث) جب آدمی میں جم جاتی ہے اور وہ اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے، تو وہ اس کے اندر استعداد پیدا کرتی ہے شیطانی وسوسوں کو قبول کرنے کی، اور ان کو حس باطنی سے دیکھنے کی، اور دشمنانک خوابوں کی اور اس پر ظلمت ظاہر ہونے کی اس چیز میں جو نفس ناطقہ سے متصل ہے، اور ملعون اور کمینہ حیوانات کے متحمل ہونے کی۔

اور طہارت جب آدمی میں جم جاتی ہے اور وہ اس کا احاطہ کر لیتی ہے، اور وہ طہارت کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو وہ اس میں استعداد پیدا کرتی ہے ملائکہ کے البامات کو قبول کرنے کی، اور ان کو دیکھنے کی، اور اچھے اچھے خواب دیکھنے کی، اور انوار ظاہر ہونے کی، اور پاکیزہ، مبارک اور محترم چیزوں کے متحمل ہونے کی۔

لغات:

المسرجع: لوٹنے کی جگہ، بنیادی نقطہ جس کی طرف تفصیلات لوٹتی ہے..... تَبَسُّ بِہ: تعلق ہونا، متصف ہونا..... غَطَّی بِغَطَّی: ڈھانکنا..... الحاقِب: وہ شخص جس کو پانچ گنا سخت تقاضا ہو..... الخافِق: پیشاب روکنے والا..... الذاعیۃ: سبب جمع الذواعی..... العاشیۃ: پردہ، دل کا پردہ، مصیبت جمع غَوَاب..... وَافَقَ مَزَافًا: خلاف حقیقت دکھانا..... لَحَجَّ بِہ: لازم رہنا..... البُغْل سے عام معنی مراد ہیں یعنی انقطاع عن العلائق، خاص نساء سے بے تعلقی مراد

نہیں۔ فیما بلی النفس النطقیۃ یعنی ظلمت روح کو گھیرتی ہے۔

ترکیب:

عنوان میں تحصیل سے پہلے مضاف طُرُق یا تفصیل محذوف ہے۔ ینا سہا کی ضمیر کا مرجع خصال اربعہ ہیں۔ ... معدۃ کا عطف اشبہ پر اور انحرطاکا لحوق پر ہے۔ ... والذی یُری منه البخ عطف تفسیری ہے، یعنی ذکی یہی شخص ہے۔ ... فی تجردہا کا تعلق اشبہ سے ہے یعنی مشابہت، ملائکہ کے اُن احوال میں ہے۔ اور ہا ضمیر کا مرجع الصلاۃ الاعلیٰ ہیں۔ اور النور سے مراد طہارت کی وجہ سے حاصل ہونے والا نور ہے۔

تصحیح: عن التدبیر اصل میں عن التدبیر تھا اور علی رسومہم اصل میں علی رسومہ تھا۔ یہ تعحیفات ہیں تصحیح مولانا سہجی رحمہ اللہ نے کی ہے۔

تشریحات:

(۱) حس مشترک وہ دماغی قوت ہے جو حواس ظاہرہ کی حاصل کی ہوئی صورتوں کو قبول کرتی ہے (مزید تفصیل معین الفلاس ص ۱۴۳ میں ہے) یہاں باطنی حس مراد ہے جو تمام باطنی حواس کو شامل ہے یعنی شیاطین سرکی آنکھوں سے تو نظر نہیں آتے مگر حواس باطنہ ان کا ادراک کرتے ہیں۔ آدمی کے خیالات شیاطینی ہو جاتے ہیں۔

(۲) کمالات کی دو قسمیں ہیں: علمی اور عملی، طہارت از قبل کمال عملی ہے جیسا کہ اخبات (اللہ کی طرف جھکاؤ) از قبل کمال علمی ہے پس طہارت کا اہتمام سے نفس کمال عملی کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور اخبات کمال علمی کے ساتھ متصف کرتا ہے۔

دوسری صفت: اخبات (نیاز مندی)

دوسری بنیادی صفت اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی، فروتنی اور انکساری کرنا اور نیاز مندی اور بندگی ظاہر کرنا ہے۔ یہ بھی ایک قلبی کیفیت ہے اور اس کے مظاہر ایمان لانا، اطاعت کرنا، نماز گزارنا اور ذکر و فکر میں مشغول رہنا ہیں۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ سلیم المرآج اور فارغ البال آدمی کو جب اللہ کی آیات و صفات یاد دلائی جاتی ہیں اور وہ اچھی طرح ان میں غور و فکر کرتا ہے تو روح بیدار ہو جاتی ہے، حواس و بدن اس کے سامنے منکسر ہو جاتے ہیں اور نفس ناطقہ حیرت زدہ اور درماندہ سا ہو کر رہ جاتا ہے اور اس میں عالم قدس کی طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت اخبات کہلاتی ہے، جیسے ایک عام آدمی جب دربار شاہی میں پہنچتا ہے اور بادشاہ کا جاہ و جلال دیکھتا ہے کہ خدم و خشم پدائماندہ کھڑے ہیں، مجلس پر سنانا چھایا ہوا ہے اور خود بادشاہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہے تو یہ منظر دیکھ کر عام لوگوں پر ایک دہشت اور مرعوبیت طاری ہو جاتی ہے، آدمی خود کو بالکل عاجز سمجھنے لگتا ہے اور بادشاہ کو اخذ و عطا میں مختار کل خیال کرتا ہے۔ اخبات بھی اسی طرح کی کیفیت ہے، جو بندے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیدا ہوتی ہے۔

اور یہ حالت بشری احوال میں سے ملائکہ کی حالت سے بہت قریب اور بے حد مشابہ ہے کیونکہ ملائکہ ہمہ وقت اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اللہ کی عظمت کے سامنے حیران و سرگشتہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تقدس میں مستغرق رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ حالت انسان کو کمال علمی کے ساتھ متصف کرتی ہے یعنی اس میں معرفت الہیہ پیدا ہوتی ہے، اس کے ذہن میں علوم ربانی مرقم ہوتے ہیں اور اس کو ”اللہ کا وصل“ نصیب ہوتا ہے اگرچہ اس کی کیفیت کے بیان سے زبان و قلم قاصر ہیں۔

نوٹ: اخبارات کی انواع: زہد، قناعت، جود، تواضع وغیرہ کا بیان قسم ثانی میں ابواب الاحسان میں آئے گا۔

والثانية: الإحباط لله تعالى، وحقيقته: أن الإنسان عند سلامته ونفَرُغِهِ، إذا ذُكِرَ بآيات الله تعالى وصفاته، وأمعن في التذُّكُّر: تَنَبَّهَت النفس النطقية، وخضعت الحواس والجسد لها، وصارت كالحائِرة الكليلة، ووجد ميلاً إلى جانب القدس، وكان كمثل الحالة التي تعزى السُّوقَة بحضرة الملوك، وملاحظة عَجَزِ أنفسهم، واستبداد أولئك بالمنع والعطاء. وهذه الحالة أقرب الحالات التسمية وأشبهها بحال الملائكة الأعلى في توجهها إلى بارئها، وهيمانها في جلالة، واستغراقها في تقدسه، ولذلك كانت معدة لخروج النفس إلى كمالها العلمي، أعني: انتقال المعرفة الإلهية في لوح ذهنها، والمحقق بتلك الحضرة، بوجه من الوجوه، وإن كانت العبارة تَقْصُرُ عنه.

ترجمہ: اور دوسری صفت: اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان جب سلیم و فارغ ہو، اور اس کو اللہ کی آیات و صفات یا دہلائی جائیں اور وہ خوب اچھی طرح سے ان کو یاد کرے تو نفس ناطقہ بیدار ہو جاتا ہے اور حواس و بدن اس کے سامنے فروتنی کرتے ہیں اور نفس ناطقہ حیرت زدہ، تھکا ہوا سا ہو جاتا ہے اور وہ عالم تقدس (ذات باری) کی طرف میلان پاتا ہے۔ اور آدمی ایسا ہو جاتا ہے جیسے عوام کو مرعوبیت پیش آتی ہے جب وہ بادشاہوں کے دربار میں پہنچتے ہیں اور خود کو بالکل عاجز دیکھتے لگتے ہیں اور ان کو اخذ و عطا میں مختار دیکھتے ہیں۔

اور یہ حالت بشری احوال میں ملائکہ کی حالت سے قریب تر اور بہت زیادہ مشابہ ہے، ان کے متوجہ ہونے میں اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی عظمت میں ان کے حیران و سرگشتہ ہونے میں اور اللہ کی تقدیس و پاکی میں ان کے مستغرق ہونے میں۔ اور اسی وجہ سے یہ حالت تیار کرنے والی ہے نفس کے نکلنے کو اس کے کمال علمی کی طرف (یعنی یہ حالت آدمی میں کمال علمی کی صلاحیت پیدا کرتی ہے) میری مراد: معرفت الہیہ کے نقوش کا اس کے ذہن کی تختی پر مرقم ہونا ہے۔ اور اُس بارگاہ (خداوندی) کے ساتھ کسی نہ کسی طرح الحاق ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کے بیان سے زبان و قلم قاصر ہیں۔

لغات:

خُبْرَت کے معنی ہیں پست زمین اور اخبات کے لغوی معنی ہیں پست زمین کا قصد کرنا یا اس میں اترنا۔ پھر اخبات نری اور انکساری کے معنی میں استعمال ہونے لگے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ تین جگہ آیا ہے۔ سورہ ہود آیت ۲۳ میں ہے ﴿وَأَخْبَسُوا الْمَیِّ رَتَهُمْ﴾ (اور وہ دل سے اپنے رب کی طرف ہٹ گئے) اور سورہ الحج آیت ۳۳ میں ہے ﴿وَنُفِثَ الْمُنْخَبِثُ﴾ (اور آپ گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے) اور آیت ۵۴ میں ہے ﴿فَنُخِثَ لَهُ فُلُوهُمْ﴾ (پھر اس کی طرف ان کے دل جھک جاتے ہیں) غرض سب جگہ عاجزی کرنے اور جھکنے کے معنی ہیں۔ اخبات کے لئے قرآن کریم میں دو تعبیریں اور بھی آئی ہیں (۱) ﴿لَا یَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ﴾ (الاعراف: ۲۰۶) وہ اللہ کی بندگی سے گھمنڈ نہیں کرتے (۲) ﴿یَنْهَیْطُ مِنْ حَنِیْئَةِ الْإِلَهِ﴾ (البقرہ: ۷۴) بعض پھر خدا کے خوف سے نیچے لڑک آتے ہیں۔ اور اخبات کا شرعی مفہوم وہ ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے..... الْمَخَانَةُ (ام فاضل) حَارَ (س) حِیْرَةٌ وَحِیْرَانٌ فِی الْأَمْرِ: حیران ہونا.... كَلَّ (ض) كَلَّأً: تھکنا، لنگر، وناہفت کلیل.... السُّوْفَةُ: رعیت، عوام، معمولی لوگ (واحد جمع مذکر مؤنث کے لئے یکساں ہے)۔

الْهَيْمَانُ: محبت کی وجہ سے شیفہ و سرگرواں آدمی هَامَ بِهِمْ هَيْمًا وَهَيْمَانًا بَكْدًا: محبت کرنا۔



تیسری صفت: سماحت (حوصلہ مندی اور فیاضی)

تیسری بنیادی صفت سماحت ہے، جس کی طرف نیک بختی حاصل کرنے کے طریق ثانی کی تفصیلات لوائی ہیں۔ سماحت کے لغوی معنی سخاوت اور فیاضی کے ہیں اور اس کی ضد بخیلی اور تنگ نظری ہے۔ یہ بھی ایک نفسانی کیفیت ہے۔ اور داد و بخش، خیر خواہی وغیرہ اعمال اس کے مظاہر ہیں۔ اور اصطلاح میں سماحت یہ ہے کہ آدمی کا نفس ایسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ ہو جائے کہ وہ بھیمیت کے تقاضوں کی پرواہ نہ کرے، نہ بھیمیت کے نقوش اس میں ابھریں، نہ بھیمیت کا میل پکیل نفس سے ملنے پائے، اس کیفیت کا نام سماحت ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آدمی دنیا کے کاموں میں مشغول ہوتا ہے، اس میں جنسی خواہشات ابھرتی ہیں، وہ عام لذتوں کے پیچھے پڑتا ہے یا کسی خاص کھانے کا مشتاق ہوتا ہے اور اس کی تحصیل میں سعی یلغ کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ ان چیزوں سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے تو ضروری ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے وہ ان معاملات میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ کوئی دوسری چیز قطعاً اس کے پیش نظر نہ رہے۔ یہی حال اس وقت ہوتا ہے جب غصہ چڑھتا ہے یا آدمی کسی چیز کی لالچ میں پھنستا ہے — پھر جب وہ حالت ختم ہو جاتی ہے تو وہ صورتیں ہوتی ہیں:

① اگر آدمی کا نفس فیاض اور حوصلہ مند ہوتا ہے تو وہ ان معاملات سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے کبھی ان میں

مشغول ہو ہی نہیں تھا وہ ان تنگ گھائیوں سے صاف بچ نکلتا ہے، کیونکہ دنیا اس کے دل میں بسی ہوئی نہیں ہوتی۔
 (۲) اور اگر نفس فیاض نہیں ہوتا بلکہ لالچی ہوتا ہے تو دنیوی معاملات نفس کے ساتھ گڈ ہو جاتے ہیں اور اس کے نقوش دل میں اس طرح ابھر آتے ہیں جس طرح موم پر مہر کے نقوش ابھر آتے ہیں۔ اس لئے وہ شخص ہر وقت انہی خیالات میں گم رہتا ہے۔ سوتے جاگتے حتیٰ کہ نماز میں بھی اس کو وہی خیالات آتے رہتے ہیں۔

پھر جب پہلا شخص دنیا سے گزر جاتا ہے، اس کی روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے، دنیا کے تہ بہ تہ ظلمانی تعلقات سے وہ ہلکا ہو جاتا ہے اور اپنے احوال کی طرف لوٹتا ہے تو چونکہ نفس فیاض تھا اس لئے ملکیت کے برخلاف کیفیات میں سے کچھ بھی نہیں پاتا، دنیا کے جھمیل دنیائی میں رہ جاتا ہے، پس اس کو انیسٹ محسوس ہوتی ہے اور نہایت خوش گوار زندگی حاصل ہوتی ہے۔
 اور دوسرا شخص جو دنیا کا لالچی تھا مگر کبھی ظلمانی علاقے سے نجات نہیں پاتا، ملکیت کے برخلاف کیفیات مرنے کے بعد بھی اس میں ابھری رشتی ہیں اس لئے اس کو وحشت محسوس ہوتی ہے اور وہ نہایت تنگی کا جینا جیتا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کا کوئی عمدہ مال چوری ہو جاتا ہے، پس اگر دھچکی ہوتا ہے تو اس کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی اور خدشہ ہوتا ہے تو غم میں پاگل ہو جاتا ہے اور چوری شدہ مال ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے گھومتا رہتا ہے۔

مختلف القاب: متعلقات کے اعتبار سے ساحت اور اس کی شد کے مختلف القاب ہیں۔ جب یہ دونوں مال متعلق ہوتے ہیں تو سخاوت اور شح (حرص) کہلاتے ہیں۔ اور جب شہوتِ طبع اور شہوتِ فرج سے متعلق ہوتے ہیں تو عفت (پاکدامنی) اور شرہ (بدنفسی) کہلاتے ہیں اور جب آسودگی، آرام طلبی اور محنت کے کاموں سے جی چرانے کے ساتھ ان کا تعلق ہوتا ہے تو صبر اور خلص (گھبراہٹ) کہلاتے ہیں اور جب دھامی کے ساتھ ان کا تعلق ہوتا ہے تو تقویٰ اور فوجی کہلاتے ہیں۔ باقی القاب کا بیان قسم ثانی میں ابواب الاحسان میں آئے گا۔

ساحت کا فائدہ: جب آدمی میں صفتِ ساحت راسخ ہو جاتی ہے یعنی ملکہ بن جاتی ہے تو نفس دنیوی خواہشات سے خالی ہو جاتا ہے، اس کو کسی چیز سے غیر معمولی دلچسپی نہیں رہتی، اس کا تعلق دنیا سے بس ضابطہ کارہ جاتا ہے اور اس میں اعلیٰ روحانی لذتیں حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے نیز کمالاتِ علمی اور عملی کی امداد کو آدمی میں پیدا ہونے سے بھی ساحت روکتی ہے، یعنی جہالت اور بے عملی سے انسان کی حفاظت کرتی ہے۔

والثالثة: السماحة، وحقیقتها: كون النفس بحیث لاتنفاد لدواعی القوة البهیمية، ولا یتشبع فیها نفوسها، ولا یلحق بها ضرر لو نها، وذلك لأن النفس إذا تصرف فی أمر معاشها، وثاقت للنساء، وعافست اللذات، أو قری من الطعام، فاجتهدت فی تحبیلها، حتی استوفت منه حاجتها، وكذلك إذا غضبت، أو شحت بشیء، فإنها لا بد فی تلك الحالة تستغرق

ساعتے فی هذه الكيفية، لا ترفع إلى ما وراءها النظر البتة؛ ثم إذا زالت تلك الحالة؛ فإن كانت سبباً خرجت من تلك المضائق، كأن لم تكن فيها قُطْ، وإن كانت غير ذلك، فإنها تشبک معها تلك کیفیات، وتشبک كما تشبک نقوش الخاتم فی الشمعة؛ فإذا فارت الجسم، وتخلّفت عن العلائق الظلمانية المترکمة، ورجعت إلى ماعندها، لم تجد شيئاً مما كان فی الدنيا من مخالفات الملكية، فحصل لها الأنس وصارت فی أرغد عیش؛ والشحیحة تمثل نقوشها عندها كما ترى بعض الناس، یسرق منه مالٌ نفیس: فإن كان سخيلاً لم يجد له بالاً، وإن كان ركبک النفس صار كالمجنون، وتمثلت عنده.

والسماحة وضدها لهما ألقاب كثيرة، بحسب ما يكونان فيه: فما كان منهما فی المال یسمى سخاوة وشُخاً، وما كان فی داعية شهوة الفرج أو البطن یسمى عِفَّةً وِشْرَةً، وما كان فی داعية الرفاهية والنُّبو عن الشقاق یسمى صبراً وهُلْغاً، وما كان فی داعية المعاصی المنوعة عنها فی الشرع یسمى تقوی وفجوراً.

وإذا تمكنت السماحة من الإنسان بقيت نفسه غُرْبَةً عن شهوات الدنيا، واستعدت للذات العلیة المجردة؛ والسماحة هیئة تمنع الإنسان من أن يتمكن منه ضدُّ الكمال المطلوب علماً وعملاً.

ترجمہ: اور تیسری صفت: ساحت ہے۔ اور ساحت کی حقیقت: نفس کا ایسا ہونا ہے کہ وہ قوت نبی کے تقاضوں کی اطاعت نہ کرے۔ اور اس میں بھیمیت کے نقوش نہ پائے جائیں۔ اور اس کے ساتھ بھیمیت کے رنگ کا میل نہ ملے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نفس اپنے نبوی معاملات میں تصرف کرتا ہے اور غورتوں کی خواہش کرتا ہے اور لذتوں کی مزاولت کرتا ہے یا کسی کھانے کا مشتاق ہوتا ہے، پھر وہ اس کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس سے اپنی حاجت پوری وصول کر لیتا ہے، اور اسی طرح جب نفس غضبانہ ہوتا ہے یا کسی چیز کی لالچ کرتا ہے تو اس حالت میں ضروری ہے کہ نفس ایک گھڑی کیلئے اس کیفیت میں ڈوب جائے، وہ اس چیز کی طرف قطعاً نظر نہ اٹھائے جو اس کیفیت سے بلند ہے۔ پھر جب وہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے تو اگر نفس فیاض ہوتا ہے تو وہ ان تنگ گھاٹیوں سے اس طرح نکل جاتا ہے کہ وہ گویا اس میں کبھی تھکائی نہیں۔ اور اگر نفس اس کے علاوہ ہوتا ہے (یعنی دنیا کا لالچی ہوتا ہے) تو وہ نبوی کیفیات نفس کے ساتھ گتہ جاتی ہیں۔ اور وہ کیفیات پائی جاتی ہیں جیسے مہر کے نقوش موم میں پائے جاتے ہیں۔ پھر جب نفس جسم سے جدا ہوتا ہے اور بہت تارک تعلقات سے پاک ہوتا ہے اور اس چیز کی طرف لوثا ہے جو اس کے پاس ہے، تو وہ ملکیت کے برخلاف چیزوں میں سے جو دنیا میں تھیں کوئی چیز نہیں پاتا ہے۔ پس اس کو انیت حاصل ہوتی ہے اور اس کو نہایت خوش گوار زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور دنیا کے لالچی نفس کے پاس ملکیت

کے برخلاف چیزوں کے نقوش پائے جاتے ہیں، جیسا کہ آپ بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ اس کا کوئی قیمتی مال چرایا جاتا ہے، پس اگر وہ بچی ہوتا ہے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اگر وہ نفس کا کمزور ہوتا ہے تو وہ پاگل جیسا ہو جاتا ہے اور چرائی ہوئی چیزیں اس کی آنکھوں کے سامنے بھرتی ہیں۔

اور ساحت اور اس کی ضد کے لئے بہت سے القاب ہیں اُس چیز کے اعتبار سے جس میں وہ دونوں پائے جاتے ہیں۔ پس جو ان میں سے مال میں پائے جاتے ہیں وہ سخاوت اور شُح کہلاتے ہیں۔ اور جو شہوت فرج اور شہوتِ لُطُن کے تقاضوں میں پائے جاتے ہیں، وہ عِفَّت اور بَشْوَة (بدنفسی، حدت، ہمتی) کہلاتے ہیں۔ اور جو آسودگی اور بھاری کاموں سے جی چرانے میں پائے جاتے ہیں، وہ صبر اور خَلَع (کم ہمتی) کہلاتے ہیں۔ اور جو شریعت میں ممنوع۔ مباحی کے تقاضوں میں پائے جاتے ہیں، وہ تقویٰ (پربہیزگاری) اور فجور (بدکاری) کہلاتے ہیں۔

اور ساحت جب انسان میں جم جاتی ہے تو آدمی کا نفس دنیا کی خواہشات سے خالی رہ جاتا ہے اور وہ مجرد (روحانی) اعلیٰ لذتوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور ساحت ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کو روکتی ہے اس بات سے کہ اس میں علم اور عمل کے اعتبار سے کمال کی ضد جگہ پائے۔

لغات:

سَمَحَ (ک) سَمَاحًا وَسَمَاحَةً: فیض بخشی ہونا ... الوَصْر: چکنا پٹ کی وجہ سے میل پھیل نَاق (ن) الیہ: مشتاق ہونا عَاقِفَةً: مزاحمت کرنا، کسی کام کو ہمیشہ کرنا قَرَمَ (س) اِلَى اللّٰحْم: خواہشمند ہونا ... التَّصَنُّع: تنگ جگہ، مشکل کام، گھائی جمع مضائق تَرَاكَمَ الشَّيْءُ: ڈھیر لگنا اَرْعَدَ (م تفضیل) رَعْدَ (س) رَعْدًا عَشیَهُ: آسودہ و خوش حال ہونا ذَلَّ (ض) وَتَكَادَ: ضعیف و کمزور ہونا، کھینک، کمزور قتل یا کمزور رائے والا، ڈھیلا ڈھالا، کم عمل کم ہمت بَسَّ بَسْبُوْثُ ثَبُوْا الطَّيْعُ عَنِ الشَّيْءِ: نفرت کرنا التَّشَقُّقُ: دشواری، سخت جمع مُشَاقَّ: عَرِيَ بَعُوْی غُرْبَةً: نگاہ ہونا، خالی ہونا۔

ترکیب: من مخالفات الملكية بیان ہے ماکان فی الدنيا میں ماکا ... والتَّبَوُّعُ عطف تفسیری ہے یعنی رفاہیت اور مشتقوں سے جی چرانا ایک ہی چیز ہیں۔ علما اور عملا، المطلوب سے تیز ہیں۔

تصحیح: ہم اذا زالت اصل میں زایل نہ تھا۔ یہ بھی مولانا سدی نے کی ہے۔ نُسَخِفْتَ اصل میں تخفیف تھا یعنی مذکر کا صیغہ تھا۔ صحیح صیغہ واحد مَث ہے اور ضمیر نفس کی طرف لوثی ہے یہ بھی مخلوط کراچی سے کی گئی ہے۔

چوتھی صفت: عدالت (الانصاف)

چوتھی بنیادی صفت عدالت ہے، جس کی طرف شریعت کی تفصیل لوثی ہیں۔ عدالت کے معنی مساوات اور برابری

کے ہیں۔ کہا جاتا ہے غَدَلٌ فَلَانًا بَفْلَانٍ: فِلاں کو فِلاں کے برابر کیا۔ جانور کی پیٹھ پر ایک طرف کا بوجھ عدل کہلاتا ہے، کیونکہ وہ دوسری جانب کے بوجھ کے برابر ہوتا ہے۔ اور اِنْصَاف باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں آدھا لینا یعنی مشترک چیز کو تقسیم کر کے اپنا آدھا حصہ لینا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں عدل و انصاف کے معنی ہیں إعطاء کلّ ذی حقّ حقّہ، ہر حقدار کو اس کا حق دینا۔ اس کی ضد جور (ظلم) ہے، جس کے معنی ہیں وَضْعُ المِصْبِي: فی غیر محلّہ (چیز کو بجل رکھنا) غرض عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور جذبات وغیرہ میں ہر حقدار کو اس کا حق دینا عدل و انصاف ہے اور اس کی حق تلفی کرنا ظلم و جور ہے۔ مثلاً شرک کو سورہ لقمان آیت ۱۳ میں بھاری ظلم کہا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ یگانہ اور بے ہمہ ہیں، ان کا کوئی سماجی اور برابری کا نہیں، پس مخلوق کو اللہ کے برابر ٹھہرانا جو خالق و مالک ہیں کتنی بڑی نا انصافی ہے! عدل و انصاف کی بات یہ ہے کہ صرف اللہ ہی کو معبود مانا جائے اور معاملات کی مثال یہ ہے کہ بعض مستحق دریا دلی سے مستحق، غیر مستحق سب طلبہ کو پاس کرویتے ہیں، یہ نا انصافی ہے اور بعض سختی برتتے ہیں، وہ کامیابی کے مستحق کو بھی فیل کر دیتے ہیں یہ بھی ظلم ہے اور بعض پرچہ دیکھے بغیر سب کو یکساں نمبر دیدیتے ہیں یہ بھی نا انصافی ہے۔ یہ گھوڑوں کو لگدھلوں کے برابر کرنا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ ہر طالب علم کو واجبی نمبر دیئے جائیں، اسی میں فریقین کی بھلائی ہے، بے جا رعایت طالب علم کو خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے اور ظلم کو حوصلہ شہنی کرتا ہے۔ جاہل مستقیم انصاف کی راہ ہے اسی طرح دیگر اعمال، اخلاق اور معاملات وغیرہ کو سمجھ لیں۔

اور یہ سب عدالت کی شکلیں اور اس کے مظاہر ہیں۔ اصل عدالت ایک کیفیت نفس ہے۔ جب کسی شخص میں یہ وصف پیدا ہو جاتا ہے تو اس سے ایسے اعمال صادر ہونے لگتے ہیں، جن سے گھر، خاندان، محلّہ، ہستی، قبیلہ اور ملک کا نظام استوار ہوتا ہے۔ یہ بلکہ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اس کے نظّان (مواقع) شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کتاب کی دوسری قسم میں بسقیۃ اُصواب الإحسان کے عنوان کے تحت بیان کئے ہیں۔ وہاں دیکھ لئے جائیں۔ وہیں عدل کی مثالیں بھی ہیں۔ غرض جب آدمی میں یہ بلکہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے لئے انصاف والے کام کرنا فطری امر جیسا ہو جاتا ہے۔ اب وہ بے تکلف عدل و انصاف کرنے لگتا ہے۔

اور ملکہ بن جانے کے بعد عدالت فطری امر جیسی اس لئے ہو جاتی ہے کہ عدالت ارواح مجردہ کی جبلت اور فطرت ہے۔ اس لئے جب نفس (روح) کا مادہ (جسم) کے ساتھ اقتران ہوتا ہے، اس وقت بھی انصاف کرنا فطری نہیں، تو فطری امر جیسا ضرور ہوتا ہے۔ فطرت کا اثر اس حالت میں بھی کچھ نہ کچھ باقی رہتا ہے مثلاً جس شخص کی گھٹی میں بہادری اور سخاوت پڑی ہوئی ہو، جب اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو اس میں بزدلی اور تکلیف پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے کسی نوادے کو گود میں لئے ہوئے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا اِنْکُمْ لَنْبُ حَلَوْنٍ وَتَجْهَلُونَ وَتُجْهَلُونَ وَاَنْکُمْ لَمَنْ وَرِثَ الْاَلْهَ (یعنی تم تکلیف اور بزدل بناتے اور بھگڑا کر اترے ہو مگر تم اللہ کا پھول!)

مگر اس حالت میں بھی فطری بہادری اور دیاولی کچھ نہ کچھ باقی رہتی ہے، بالکل یہ زائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح ارواح کی فطرت میں جو عدالت رچی بسی ہے، وہ جسم کے ساتھ ملنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، ختم نہیں ہو جاتی۔ البتہ کمزور پڑ جاتی ہے اس لئے فطری امر جمیسی ہوتی ہے بالکل فطری نہیں رہتی۔

اور عدالت ارواح مجروحہ کی جبلت اس لئے ہے کہ ملائکہ اللہ میں جو کہ ہر طرح سے ارواح مجروحہ ہیں اور ان بشری ارواح میں جو حساسی تعلقات سے جدا ہو گئی ہیں، اور ملائکہ کے زمرہ میں شامل ہو گئی ہیں، جیسے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی ارواح، ان حضرات میں وہ باتیں مرتسم اور منقش ہوتی ہیں جو نظام عالم کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، فطری علوم کی طرح یہ باتیں ان پر چلتی ہیں۔ اور نظام عالم کی صلاح و فلاح عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ خود اللہ پاک کی ایک صفت العدل ہے یعنی بڑے انصاف کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کو جو اس کا حق ہے عطا فرماتے ہیں کسی کی ادنیٰ حق تلفی نہیں کرتے۔ پھر جب ”انصاف کی باتیں“ ان حضرات پر مرتخ ہوتی ہیں تو ان کی مرضیات (پسندیدگیوں) ان کاموں کی طرف پلٹ جاتی ہیں۔ اور وہ دل سے ان باتوں کو پسند کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح نظام عالم کو سنوارنے والی چیزیں یعنی عدل و انصاف کی باتیں ارواح مجروحہ کی جبلت و فطرت ہو جاتی ہیں۔

اور عدالت کا فائدہ: موت کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ جب ارواح اجسام سے الگ ہوتی ہیں اور لوگ دنیا سے گذر جاتے ہیں، تو جن میں وصف عدالت کسی درجہ میں موجود ہوتا ہے، ان کو نہایت درجہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ان لوگوں کو ایسی روحانی لذت نصیب ہوتی ہے جو خسیس لذتوں سے بالکل جدا گانہ ہوتی ہے۔ اور اگر نفس عدل و انصاف سے نہ صرف یہ کہ تہی دست ہوتا ہے، بلکہ اس کی ضد ظلم و جور اس میں جگہ پکڑے ہوئے ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد اس پر تنگی کی جاتی ہے، وہ متوحش ہوتا ہے اور وہ دکھ اور تکلیف سے دوچار ہوتا ہے۔ مثلاً جو لوگ متعلقین میں عدل و انصاف کرتے ہیں وہ آخرت میں عرش کے سایے میں ہوں گے اور ظلم و جور کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوں گے۔

عدالت کی اعانت و مخالفت کا شرہ: جب اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو مبعوث فرماتے ہیں تاکہ وہ دین کو قائم کرے اور لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں لائے اور لوگ انصاف پر کار بند ہوں تو جو لوگ اس نور کی اشاعت کرتے ہیں، عدل و انصاف کو پھیلاتے ہیں اور اس کے لئے لوگوں میں راہ ہموار کرتے ہیں، وہ مورد الطاف خداوندی بنتے ہیں۔ اور جو لوگ انصاف کو پھیرنے کی یعنی رد کرنے کی اور اس کو گم نام اور بے قدر کرنے کی فکر کرتے ہیں وہ ملعون و مردود ہوتے ہیں۔

عدالت کی برکت: جب آدمی انصاف پرور ہو جاتا ہے اور عدل و انصاف اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے تو اس کے درمیان اور حالمین عرش ملائکہ کے درمیان ایک نقطہ اشتراک پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے درمیان اور مقررین بارگاہ خداوندی یعنی حظیرۃ القدس کے فرشتوں کے درمیان بھی اشتراک ہو جاتا ہے۔ اور ان کے درمیان فیضان کا دروازہ وا ہو جاتا ہے اور ملائکہ کے انوار کے نزول کی اس میں استعداد پیدا ہو جاتی ہے، جیسے نفس میں ملائکہ کے الہام کی اور ان

کے حکم کی تعمیل کی استعداد پیدا ہوتی ہے اسی طرح نزول انوار و برکات کی بھی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ جب طالب علم ”معمین مدرس“ بن جاتا ہے تو اس میں اور دیگر اساتذہ میں ایک نقطہ اشتراک پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ بھی منہج مدرس شمار ہونے لگتا ہے اور اساتذہ سے کسب علم کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ بڑے اساتذہ کے الطاف کا، بہ نسبت طلباء کے زیادہ حقدار ہو جاتا ہے۔

صفات اربعہ کی اہمیت: اگر آپ مذکورہ صفات اربعہ کے تعلق سے یہ باتیں سمجھ گئے ہوں تو آپ کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۶۹ میں اسی کو حکمت کہا گیا ہے اور آپ کو ”دین کا فہم“ نصیب ہو گیا، جو انہی بندوں کو حاصل ہوتا ہے جن کے ساتھ اللہ کو خیر منظور ہوتی ہے۔ مضمون حدیث متفق علیہ میں آیا ہے اور وہ چار باتیں یہ ہیں:

۱- صفات اربعہ کی حقیقت و ماہیت کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا۔

۲- صفات اربعہ کمالات علمی اور عملی کو کس طرح چاہتی ہیں، اس کو جان لینا۔

۳- صفات اربعہ کے ساتھ اتصاف آدمی کو کس طرح مامانہ کی لڑی میں پڑتا ہے، اس سے واقف ہو جانا۔

۴- ہر زمانے کے تقاضے کے مطابق صفات اربعہ سے شرائع الہیہ کس طرح پھوٹی ہیں اس کو سمجھ لینا۔

فطرت صفات اربعہ کا آمیزہ ہے: مذکورہ صفات اربعہ سے مرکب حالت ”فطرت“ کہلاتی ہے، اس لئے آگے صفات اربعہ کے بجائے لفظ ”فطرت“ استعمال کیا جائے گا۔ اب اس بحث کے تین مضامین باقی رہ گئے ہیں جو اگلے تین ابواب میں بیان کئے جائیں گے:

پہلے باب میں تحصیل فطرت کے اسباب بیان کئے جائیں گے ان میں سے بعض اسباب علمی ہیں اور بعض عملی۔

دوسرے باب میں وہ تجاہات (پردے) ذکر کئے جائیں گے جو تحصیل فطرت میں مانع بنتے ہیں۔

تیسرے باب میں وہ تدبیریں مذکور ہیں جو ان تجاہات کو توڑتی ہیں۔

ان تین ابواب پر یہ بحث ختم ہو جائے گا۔ آپ آئندہ ابواب خوب غور سے پڑھیں، وہی اس بحث کا نچوڑ ہیں۔

والرابعة: العدالة، وهي ملئكة في النفس، تصدر عنها الأفعال التي يُقام بها نظام المدينة والحيّ بسهولة، وتكون النفس كالمجبول على تلك الأفعال؛ والسّر في ذلك: أن الملائكة والنفس المجردة عن العلائق الجسمانية، ينطبع فيها ما أراد الله في خلق العالم من إصلاح النظام ونحوه، فتقلب مرضياتها إلى ما يناسب ذلك النظام، فهذه طبيعة الروح المجردة؛ فإن فارقته جسدها وفيها شيء من هذه الصفة؛ انتهجت كل الانبهاج، ووجدت سبيلاً إلى اللذة المفارقة عن اللذات الخسيسة؛ وإن فارقته وفيها ضد هذه الخصلة؛ ضاق عليها الحال، وتوحشت ونالمت، فإذا بعث الله نبياً لإقامة الدين، وليُخرج الناس من الظلمات

إلى النور، ويقوم الناس بالعدل: فمن سعى في إشاعة هذا النور، ووطنه في الناس كان مرحوماً، ومن سعى لردّها وإخمالتها كان ملعوناً مرحوماً.

وإذا تمكنت العدالة من الإنسان: وقع اشتراك بينه وبين حَمَاة العرش ومُقَرَّبِي الحضرة من الملائكة الذين هم وسانطُ نزول الجود والبركات، وكان ذلك باباً مفتوحاً بينه وبينهم، ومعدّاً لنزول ألوانهم وصيغهم، بمنزلة تمكين النفس من إلهام الملائكة، والانبعاث حسنها.

فهذه الخصال الأربع إن تحققت حقيقتها، وفهمت كيفية اقتضائها للكمال العلمي والعملی، وإعدادها للانسلاک في سلك الملائكة، وفطنت كيفية انشعاب الشرائع الإلهية بحسب كل عصر منها، أوتيت الخير الكثير، وكنت ففيها في الدين ممن أراد الله به خيراً.

والحالة المركبة منها تسمى بالفطرة؛ وللفطرة أسباب تحصيل بها، بعضها علمية، وبعضها عملية، وحُجِبَ نُصْدُ الإنسان عنها، وحِيلَ تَكْسُرُ الخُجُب، ونحن نريد أن نُنَبِّهَكَ على هذه الأمور، فاستمع لما يُتْلَى عليك، بتوفيق الله تعالى، والله أعلم.

ترجمہ: اور چوتھی صفت: عدالت ہے۔ اور عدالت نفس میں راسخ ایک کیفیت ہے، اس سے وہ انفعال صادر ہوتے ہیں جن سے قبیلہ اور مملکت کا نظام بہرہوت قائم ہوتا ہے۔ اور نفس گویا ان کاموں کے کرنے پر پیدا کیا ہوا ہوتا ہے یعنی اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہوتا ہے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ ملائکہ میں اور جسمانی تعلقات سے جدا شدہ لوگوں میں وہ باتیں سمجھتی ہیں جو اللہ تعالیٰ عالم کی تخلیق میں چاہتے ہیں یعنی نظام عالم کی اصلاح اور اس کے مانند چیزیں۔ پس ان حضرات کی مرضیات پلٹ جاتی ہے ان چیزوں کی طرف جو اس نظام کے مناسب ہوتی ہیں۔ پس یہ روح مجرد کی فطرت ہے — پھر اگر روح اس کے جسم سے جدا ہوتی ہے اس حال میں کہ اس روح میں اس صفت (عدالت) میں سے کچھ ہوتا ہے تو اس کو نہایت درجہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ اس لذت کی طرف راہ پالتا ہے جو خسیس لذتوں سے جدا گانہ ہے — اور اگر نفس اس حال میں جدا ہوتا ہے کہ اس میں اس صفت کی ضد ہوتی ہے تو اس پر حالت تنگ ہوتی ہے اور وہ متوشح ہوتا ہے اور وہ دکھی ہوتا ہے — پھر جب اللہ تعالیٰ دین کو برپا کرنے کے لئے پیغمبر کو بھیجتے ہیں، اور تاکہ وہ لوگوں کو تار یکسو سے روشنی کی طرف نکالے، اور لوگ انصاف پر کاربند ہوں۔ تو جو شخص اس نور کی اشاعت میں کوشش کرتا ہے، اور اس کے لئے لوگوں میں راہ ہموار کرتا ہے تو وہ مہربانی کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور جو اس کو پھیرنے کی اور اس کو گمناہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ ملعون و مردود ہوتا ہے۔

اور جب عدالت آدمی میں راسخ ہو جاتی ہے تو اشتراک پیدا ہو جاتا ہے اس میں اور حاملین عرش ملائکہ میں، اور ان مقربین بارگاہ ملائکہ میں جو وجود و برکات کے نزول میں واسطہ ہیں۔ اور یہ صفت ایک دروازہ کھول دیتی ہے اس کے اور ملائکہ کے درمیان میں، اور یہ صفت ملائکہ کے انوار والوان کے نزول کو تیار کرنے والی ہو جاتی ہے، جیسے نفس کا موقعہ دینا

ملائکہ کے الہام کو اور ان الہامات کے موافق تعمیل حکم کے لئے اُنھ کھڑا ہوتا۔

پس اگر آپ ان چاروں مفتوں کی حقیقت خوب سمجھ گئے ہوں، اور ان کے کمال علمی اور عملی کو چاہنے کی کیفیت کو بھی سمجھ گئے ہوں اور ان کے ملائکہ کی لڑی میں پیروئے جانے کو تیار کرنے کی کیفیت کو بھی سمجھ گئے ہوں اور ہر زمانہ کے تقاضے کے موافق ان خصال اربعہ سے شرائع الہیہ کے نکلنے کی کیفیت کا بھی آپ نے ادراک کر لیا ہو تو آپ کو بڑی خوبی حاصل ہوگئی، اور آپ کو دین کی سمجھ گئی، جو انہی لوگوں کو ملتی ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے۔

اور چاروں مفتوں سے مرکب حالت ”فطرت“ کہلاتی ہے۔ اور فطرت کے لئے کچھ اسباب ہیں۔ جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاتا ہے، ان میں سے بعض علمی ہیں اور بعض عملی۔ اور کچھ تجربات ہیں جو انسان کو فطرت سے روکتے ہیں۔ اور کچھ تدبیریں ہیں جو تجربات کو توڑتی ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو ان باتوں سے آگاہ کریں۔ پس آپ وہ باتیں سنئے جو آپ کے سامنے یہ توفیق الہی بیان کی جاتی ہیں واللہ اعلم

باب — ۵

خصال اربعہ کی تحصیل تکمیل، اور تلافی مافات کا طریقہ

گذشتہ باب میں جن خصال اربعہ: طہارت، اخبات، سماعت اور عدالت کا تذکرہ آیا ہے، اگر کسی شخص میں یہ اچھی صفات نہ پائی جاتی ہوں یا بعض نہ پائی جاتی ہوں اور وہ ان کو حاصل کرنا چاہے، یا ناقص ہوں اور وہ ان کی تکمیل کرنا چاہے، یا وہ تھیں مگر کسی وجہ سے ہاتھ سے نکل گئیں اور وہ تلافی مافات کرنا چاہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس باب میں اسی کا بیان ہے۔ یاد رہے کہ جو تحصیل کا طریقہ ہے وہی تکمیل و تلافی کا بھی ہے۔ یہ خصال اربعہ دو تدبیروں سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ایک تدبیر علمی، دوسری تدبیر عملی۔ دونوں تدبیروں کو ایک ساتھ عمل میں لانا ضروری ہے۔ کسی ایک پر اکتفا کرنا درست نہیں۔

پہلی تدبیر علمی ہے اور تدبیر علمی کی ضرورت اس لئے ہے کہ طبیعت قوی علمیہ (دل و دماغ) کی مطیع ہوتی ہے، چنانچہ خطرات کے وقت جبکہ نفس کو شرم یا خوف لاحق ہوتا ہے تو اسکی جماع اور معاشرت کی خواہش بالکل غنڈی بڑ جاتی ہے اسی طرح جب دل و دماغ فطرت کے مناسب حال علوم سے لبریز ہو جاتے ہیں تو خصال اربعہ نفس میں ایک امر واقعی بن جاتے ہیں۔

تدبیر علمی کا بیان

تدبیر علمی: اللہ تعالیٰ پر اور ان کی صفات ایجابیہ اور سلبیہ پر جزم و یقین اور اس کا استغفار ہے یعنی یہ اعتقاد رکھنے کہ اس کا رب بشری کمزوریوں سے منزہ ہے۔ وہ ضعف و ناتوانی، بے کسی و بے کسی اور نادانی و بے خبری سے پاک ہے۔ اس کا علم ایسا محیط ہے کہ زمین و آسمان میں ذرہ برابر چیز اس کے علم سے غائب نہیں ہو سکتی۔ تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو چوتھا وہ ہوتا

ہے اور پانچ آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو چھٹا وہ ہوتا ہے۔ وہ قادر ایسا ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو چاہتا ہے ٹھکرتا ہے۔ اس کے فیصلہ کو کوئی روکنے والا ہے نہ کوئی پھیرنے والا۔ وہ انعام و اکرام فرمانے والا ہے۔ اس نے ہمیں وجود بخشا ہے۔ اگر وہ ہمیں نیست سے هست نہ کرتا تو کوئی طاقت تھی جو ہمیں حامد و جو پہناتی؟ اس نے ہمیں جسمانی اور روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور اشرف مخلوقات بنایا۔ وہ شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے: اگر اچھے اعمال کئے ہیں تو اچھا بدلہ دے گا۔ اور برے کرکوت کئے ہیں تو وہ ان کی سزا بھیگئے گا۔ یہ مضمون ایک متفق علیہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ مسلم شریف باب قبول العوۃ من الذنوب، وان تکفرت الذنوب والذوۃ، کتاب التوبۃ (۷: ۱۷۱) کی روایت اس طرح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے، ان باتوں میں جو آپ اپنے پروردگار عز و جل جلالت سے نقل کرتے ہیں، روایت کیا ہے کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ”میرے بندے نے ایک گناہ کیا، پس (اس نے توبہ کی اور) کہا: اے اللہ! میرا گناہ بخش دے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے ایک گناہ کیا پس اس نے جانا کہ اس کا ایک ایسا رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور گناہ پر پکڑتا ہے۔ پھر وہ لوٹا اور (دوسرا) گناہ کیا۔ پھر اس نے توبہ کی تو اللہ نے نہ کوہ بات ارشاد فرمائی۔ پھر اس نے تیسری بار گناہ کیا، پھر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرا بندہ بار بار گناہ کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک ایسا رب ہے جو گناہ بخشا بھی ہے اور گناہ پر پکڑتا بھی ہے تو جو چاہے کر، میں نے تیرا گناہ بخش دیا،“ یعنی بندہ گناہ کے بعد گپي توبہ کرے تو پروردگار عالم بار بار گناہ بخشے ہیں، ان کی بارگاہ، رحمت کی بارگاہ ہے، ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے، وہ صرف غفور و رحیم ہی نہیں ہے بلکہ اس کی پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔ وہ انتقام لینے والا بھی ہے۔ اس لئے ایک ساتھ دوئوں باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جو اللہ کی غفاریت پر یکتہ کر لیتا ہے وہ بے عملی کا شکار ہو جاتا ہے اور جو فقہاریت کا تصور جمالتا ہے وہ قسوطیت سے دوچار ہوتا ہے اسی لئے سورۃ الحجۃ (آیات ۵۰-۵۹) میں دونوں صفوں کی ایک ساتھ خبر دی گئی ہے۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَا تَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الْوَحْيِمَ، وَاَنْ عَلٰمٰتِہٖ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴾ (آپ میرے بندوں کو اطاعت دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا ہوں اور میری سزا دردناک سزا ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ ایسا پختہ اعتقاد وجود میں رب کی بیعت اور غایت درجہ عظمت پیدا کرے۔ اور محض کر کے برابر بھی غیر اللہ کی نیاز مندی اور خوف باقی نہ چھوڑے اور آدمی یہ اعتقاد رکھے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ پروردگار کی طرف متوجہ رہے اور اس کی بندگی کرتا رہے اور یہ بھی اعتقاد ہو کہ بہترین بشری حالت فرشتوں سے مشابہت پیدا کرنا اور ان سے نزدیک ہونا ہے اور یہ بھی اعتقاد ہو کہ یہ عقائد و اعمال پروردگار سے قریب کرنے والے ہیں۔ اور یہ بھی اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی یہ چیزیں پسند ہیں۔ اور یہ چیزیں بندوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا حق ہیں جس کا ایفاء ضروری ہے بات کا لب لباب یہ ہے کہ یہ چیزیں یقین ہو کہ نیک بختمی خصال اور نیک ہیئتیں پر موقوف ہے اور بدعتی ان کے ترک میں ہے

چاہک کی ضرورت: چاہک سوار ہاتھ میں ہنٹر (Hunter) لئے رہتا ہے، جو گھوڑے کے لئے ہوا ہوتا ہے اور بوقت

ضرورت اس سے گھوڑے کو تنبیہ بھی کی جاتی ہے، اسی طرح تدبیر علمی کے لئے بھی ایک ”کوزہ“ ضروری ہے۔ جو ہیئت کو نہایت مؤثر تنبیہ کرے اور اس کو سخت ڈانٹے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی راہیں اس سلسلہ میں مختلف رہی ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس سلسلہ میں بہترین چیز تذکیر آیات اللہ نازل فرمائی گئی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات باہرہ، صفات کاملہ اور آفاقی اور انفسی نعمتوں کی یاد دہانی کے ذریعہ ہندوں کو نصیحت کرتا، تاکہ لوگ خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کے لائق ہیں کہ ان کے لئے دلچسپیوں کو اور مزدوں کو خیر باد کہہ دیا جائے، ان کے ذکر کو ہر چیز پر ترجیح دی جائے، ان سے بے حد محبت کی جائے اور اپنی پوری کوشش سے ان کی بندگی کی جائے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تذکیر آیات اللہ کے ساتھ تذکیر بایام اللہ کا اضافہ فرمایا، اور ایام اللہ (اللہ کے دنوں) سے مراد جزاؤں کے دن ہیں یعنی مختلف زمانوں میں فرمانبردار ہندوں کو اور نافرمان لوگوں کو دنیا میں کس طرح جزاؤں سے سزا دی؟ اس کو بیان کر کے لوگوں کو سمجھایا جائے تاکہ لوگ نافرمانی سے باز آئیں اور اطاعت شعاری اختیار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کا نعمت کو نعمت سے اور نعمت کو نعمت سے بدلنا بیان کیا جائے تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو، دلوں میں معاصی کا خوف مینہ جائے اور اطاعت کا شوق پیدا ہو، مثلاً کس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرقاب کیا، اور وہ باغات، چشمے، بھیتیاں، عمدہ مکانات اور آرام کے سامان چھوڑ کر چل دیئے جس میں وہ خوش رہا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کا ان لوگوں کو دارت بنادیا جو زمین میں بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اور ان کو زمین کے پورب و بچیم کا مالک بنادیا؟ پھر اس قوم کو بھی جس کو سارے جہاں پر فضیلت بخشی تھی، چنلادیا کہ تم زمین میں دومرتبہ فساد پھیلادو گے اور باز در چلنا لگو گے تو اس وقت ہم تمہاری سرکوبی کریں گے، چنانچہ ایسا ہوا اور ان کو سخت سزا دی گئی۔ سورۃ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں یہ واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے لئے ان دو امور کے ساتھ تذکیر بالموت و بعدہ کو ملا یا یعنی قبر، حشر اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کے ذریعہ لوگوں کو سمجھانا اور نیکیوں اور گناہوں کی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کرنا۔ کیونکہ آدمی نفع و نقصان سوچنے کا عادی ہے۔ جب اس کو نیکی کی بھلائی اور گناہ کی خرابی معلوم ہوگی تو وہ ضرور نیکی کی طرف جھکے گا اور گناہ سے باز آئے گا۔

فائدہ: (۱) آلاء اللہ، ایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے واقعات کا محض جاننا کافی نہیں۔ بلکہ ضرورت ہے کہ ان باتوں کو بار بار دہرایا جائے اور مکرر سر کران باتوں کی یاد دہانی کی جائے ہر لحظہ ان کو ملاحظہ کیا جائے، اور ہمہ وقت ان کو پیش نظر رکھا جائے، حتیٰ کہ دل و دماغ ان مضامین سے لبریز ہو جائیں اور اعضاء ان کے مطیع ہو جائیں اسی لئے قرآن کریم میں یہ مضامین بار بار بیان کئے گئے ہیں اور ہمیشہ تلاوت کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فائدہ: (۲) مذکورہ بالا تذکیرات خلاصہ اور دوسرے دو مضامین: علم الاحکام اور علم الخصال کو ملا کر کل پانچ علوم ہوتے

ہیں جو قرآن کریم کے عمودی (مرکزی) مضامین ہیں۔

﴿باب طریق اکتساب هذه الخصال، وتكميل ناقصها، وردفائها﴾

اعلم: أن اكتساب هذه الخصال يكون بتدبيرين: تدبير علمي، وتدبير عملي:

أما التدبير العلمي: فإنما احتيج له، لأن الطبيعة منقادة للقوى العلمية، ولذلك ترى سقوط الشهوة والشبق عند خطور مايورث في النفس كيفية الحياة أو الخوف، فمتى امتلأ علمه بما يناسب الفطرة جَرَّ ذلك إلى تحقُّقها في النفس.

وذلك: أن يعتقد أن له وبما منزها عن الأنداس البشرية، لا يعزب عنه مثقال ذرة في الأرض ولا في السماء، ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم، ولا خمسة إلا هو سادسهم، يفعل ما يشاء ويحكم ما يريد، لاراد لقضائه، ولا مانع لحكمه، مُنْعَمٌ بأصل الوجود وتوابعه من النعم الجسمانية والنفسانية، مجازي على أعماله: إن حيرا فخير، وإن شرا فشر، وهو قوله تعالى: ﴿أذن عبدي ذنبا، فعلم أنه له ربا يغفر الذنب، ويأخذ بالذنب: قد غفرت لعبدي﴾

وبالجملة: فيعتقد اعتقاداً: مؤكداً ما يفيد الهيبة وغاية التعظيم، وما لا يبقى ولا يندُر في قلبه جناسٌ بعوضٍ من إيجاب غيره ورهته، ويعتقد أن كمال الإنسان أن يتوجه إلى ربه ويعبده، وأن أحسن حالات البشر أن يتشبه بالملائكة ويتذو منهم، وأن هذه الأمور مُقَرَّبَةٌ له من ربه، وأن الله تعالى ارتضى منهم ذلك، وأنه حق الله عليه لا بد له من توفيقه؛ وبالجملة فيعلم علماً لا يحتمل النقيض: أن سعادته في اكتساب هذه، وأن شقاوته في إهمالها.

ولا بد له من سوط بينة البهيمية تنبئها قويا، ويُعْجِها أزعاجاً شديداً؛ واختلفت مسالك الأنبياء في ذلك: فكان عمدة ما أنزل الله تعالى على إبراهيم عليه السلام التذكير بآيات الله الباهرة، وصفاته الغلياء، ونعيم الآفاقية والنفسانية، حتى يصحح بما لا مزيد عليه: أنه حقيق أن يبذلوا له الملائد، وأن يُؤْبِرُوا ذِكْرَهُ على ما سواه، وأن يحبوه حباً شديداً ويعبدوه بأقصى مجهودهم؛ وَضَمَّ الله معه لموسى عليه السلام التذكير بآبام الله، وهو بيان مجازاة الله تعالى للمطيعين والعصاة في الدنيا، وتقليبه النعم والثَّم، حتى يتمثل في صدورهم الخوف عن المعاصي، ورغبة قوية في الطاعات؛ وَضَمَّ معهما لنبينا صلى الله عليه وسلم الإنذار والتبشير بحوادث القبر وما بعده، وبيان خواص البر والإثم.

ولا يفيد أصل العلم بهذه الأمور، بل لابد من تكرارها وتردادها، وملاحظتها كل حين، وجعلها بين عينيه، حتى تمتلئ القوى العلمية بها، فتتقاد الجوارح لها.

وہذا الثلاثة مع اثنين آخرين: أحدهما: بيان الأحكام من الواجب والحرام وغيرهما،
وثانيهما: مخاصمة الكفار: فنون خمسة، هي عمدة علوم القرآن العظيم.

ترجمہ: ان صفات کو حاصل کرنے اور ان کے ناقص کی تکمیل کرنے اور ان کے فوت شدہ کو واپس لانے کے طریقہ کا بیان: جان لیں کہ ان خصلتوں کا حاصل کرنا دو تدبیروں سے ہوتا ہے: ایک تدبیر علمی اور دوسری تدبیر عملی: رہی تدبیر علمی تو اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ طبعیت تو اے عالمیہ کی مطیع ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ شہوت اور جماع کی شدید خواہش ختم ہو جاتی ہے جب کوئی ایسی بات پیش آتی ہے جو نفس میں حیا یا خوف کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ پس جب اس کا علم لہریز ہو جاتا ہے اس چیز سے جو فطرت (خصال اربعہ) کے مناسب حال ہوتی ہے تو وہ چیز کبھن کبھن نفس میں فطرت کے امر واقعی بن جانے کی طرف۔

اور وہ (یعنی تدبیر علمی) یہ ہے کہ آدمی اعتقاد رکھے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو بشری میل کجیل سے پاک ہے۔ اس کے علم سے کوئی ذرہ برابر چیز غائب نہیں ہوتی، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ کی جس میں چھٹا وہ نہ ہو۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ اس کے فیصلہ کو کوئی پھیرنے والا نہیں اور اس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اصل وجود کے ذریعہ اور جسمانی اور روحانی نعمتوں میں سے جو نعمتیں وجود کے تابع ہیں، ان کے ذریعہ انعام فرمانے والا ہے۔ وہ آدمی کے اعمال پر بدلہ دینے والا ہے: اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھا بدلہ دے گا، اور اگر برے اعمال ہیں تو برا بدلہ (سزا) دے گا۔ اور یہی اللہ پاک کا ارشاد ہے: ”میرے بندے نے ایک گناہ کیا، پس اس نے جانا کہ اس کا ایک ایسا پروردگار ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر کچھ بھی کرتا ہے: میں نے یقیناً اپنے بندے کو بخش دیا“ (بخاری ۸: ۱۹۹ مصری)

اور حاصل کلام یہ ہے کہ وہ ایسا پختہ اعتقاد رکھے جو ہیبت اور غایت درجہ تعظیم پیدا کرے۔ اور اس کے دل میں چھمکر کے پڑے کے برابر غیر اللہ کی نیاز مندی اور ڈر باقی نہ چھوڑے۔ اور یہ اعتقاد رکھے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو، اور اس کی بندگی کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ بشری احوال میں بہترین حالت یہ ہے کہ وہ فرشتوں کے مشابہ بنے اور ان سے قریب ہو، اور یہ اعتقاد رکھے کہ یہ چیزیں اس کو اس کے پروردگار سے نزدیک کرنے والی ہیں۔ اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی یہ چیزیں پسند ہیں۔ اور یہ اعتقاد رکھے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک ایسا حق ہے جس کو پورا پورا اور کرا ضروری ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایسا جانے جس میں نقیض کا احتمال نہ ہو کہ آدمی کی نیک بخشی ان صفات اربعہ کے حاصل کرنے میں ہے، اور اس کی بد بخشی ان صفات کو چھوڑنے میں ہے۔

اور تدبیر علمی کے لئے کوئی ”کوڑا“ ہونا بھی ضروری ہے، جو بحیثیت کو نہایت مؤثر تنبیہ کرے، اور اس کو سخت ڈھکاکارے۔ اور انبیاء کی راہیں اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ اور ان تعلیمات میں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام

پر نازل فرمائیں، بہترین چیز اللہ تعالیٰ کی آیات باہرہ، صفات عالیہ اور داخلی اور خارجی نعمتوں کے ذریعہ سمجھانا ہے تاکہ آدمی اس طرح تصحیح کر لے (یعنی اچھی طرح جان لے) جس پر کوئی اضافہ نہ ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کے سر اور میں کہ انسان ان کے لئے لذتوں کو خرچ کرے۔ اور یہ کہ لوگ اللہ کے ذکر کو دوسری چیزوں پر ترجیح دیں، اور یہ کہ وہ اس سے بے حد محبت کریں اور اس کی غایت درجہ کی کوشش سے بندگی کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مولیٰ علیہ السلام کے لئے اس چیز کے ساتھ ایام اللہ سے سمجھانے کو ملایا۔ اور ایام اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے بدلہ دینے کا بیان ہے دنیا میں اطاعت شعاروں کو اور نافرمانوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ کا نعمتوں اور سزاؤں کو تبدیل کرتے رہتا ہے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں معاصی کا خوف جاگزیں ہو جائے اور طاعات کی مضبوط رغبت پیدا ہو جائے۔ اور ہمارے نبی ﷺ کے لئے ان دونوں چیزوں کے ساتھ، قہر اور اس کے بعد کے واقعات کے ذریعہ ڈرانا اور خوش خبری دینا، اور نیکی اور گناہ کی خصوصیات کی تفصیل کو ملایا۔

اور ان چیزوں کا محض جاننا مفید نہیں، بلکہ ان مضامین کو دہرانا اور بار بار بیان کرنا، اور ان کو ہر وقت دیکھنا اور ان کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ قوی علیہ ان مضامین سے بھر جائیں۔ پس جو ارح قوی علیہ کے مطیع ہو جائیں۔ اور یہ تین مضامین، دوسرے دو مضامین کے ساتھ۔ ایک واجب، حرام وغیرہ احکام کا بیان، دوسرے منکرین کے ساتھ مباحث۔ وہ علوم خسہ ہیں جو علوم قرآنی کا نچوڑ ہیں۔

لغات:

تَحْقِيقُ الْخَبَرِ: حاکمیت ہونا، امر واقعی بننا..... اَصْلُ الْوُجُودِ یعنی وجود بذات خود..... تَوَاعِجُ الْوُجُودِ یعنی وہ نعمتیں جو وجود پذیر ہونے کے بعد ملتی ہیں۔ جسمانی نعمتیں جیسے ماکولات، مشروبات، تندرستی، حسن و جمال وغیرہ اور نفسانی نعمتیں جیسے عقل و فہم، علم و ادراک اور ایمان و توفیق عمل وغیرہ۔ اور آسمان و زمین اور دیگر کائناتی نعمتیں وہ ہیں جو انسان کے وجود میں آنے سے پہلے، اس کے لئے مہیا کی گئی ہیں..... بَهْوَةٌ (ن) بَهْوًا: غالب ہونا، فضیلت میں بڑھ جانا الباسھرہ (اسم فاعل مؤنث)..... اَنْعَجَ: ہٹانا، دھککارنا..... يَصْحَحُ: اُمِّيْتُ حَقَّ الشُّبُوتِ اَنْ اللّٰهَ تَعَالٰی حَقِيقٌ بَانَ يَبْدُلُ لَه الْمَالَذَّ اَي يَتَرَكُوْنَ لِدَاثَةِ اللّٰذَاتِ اِه (سندی)..... اَلْمَلَدَّةُ: شُبُوتٌ دُخُوْا بِشَرْحِ مَلَدًا .

تصحیح و ترکیب: از عاتجا مقبول مطلق، اصل میں انوار عاتجا (باب انتقال) ہے، یہ تعریف ہے تصحیح منطوط کر اچی سے کی گئی ہے..... اس عبارت میں تین جگہ حتی بیان علت کے لئے ہے، غایت کے لئے نہیں ہے۔



تدبیر عملی کا بیان

تحصیل فطرت کی تدبیر عملی یہ ہے کہ آدمی ایسی شکلیں، ایسے اعمال اور ایسی چیزیں اختیار کرے جو نفس کو مطلوبہ صفت

یاد دلاتی رہیں، اور چوکنہ کرتی رہیں۔ اور مطلوبہ صفت کی تحصیل پر نفس کو برا بیگزینہ کرتی رہیں، اور ابھارتی رہیں۔ اس وجہ سے کہ امور مذکورہ میں اور صفت مطلوبہ میں ”تلازم عادی“ ہے یعنی جب بھی امور مذکورہ انجام دیئے جاتے ہیں تو صفت مطلوبہ حاصل ہو جاتی ہے۔ یا کسی فطری مناسبت کی وجہ سے امور مذکورہ، صفت مطلوبہ کے ملنے کی جگہ ہیں یعنی ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ کام کرنے سے صفت مطلوبہ حاصل ہوگی، جیسے:

① جب کوئی شخص اپنے اندر غیظ و غضب کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ اس گالی گلوچ کو یاد کرتا ہے جو اس کے مخالف نے دی ہے، نیز اس سے جو عار اور ذلت اس کو پہنچی ہے اس کو یاد کرتا ہے تو غصہ بھڑک اٹھتا ہے، کیونکہ ان کے درمیان تلازم عادی ہے یعنی عادیہ چیزیں یاد کرنے سے غصہ آ جاتا ہے۔

② اقامت کرنے والی عورت جب اپنی مصیبت زدگی کی یاد تازہ کرنا چاہتی ہے تو میت کے حاسن کو یاد کرتی ہے اور خیالات کے گھوسوار اور پیادے یعنی ہر طرح کے خیالات میت کی خوبیوں کی طرف پھینکتی ہے اور سوچ سوچ کر اس کے گُن یاد کرتی ہے تو روپڑتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں چیزوں میں تلازم عادی ہے۔

③ جو شخص جماع کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مباشرت کے مقدمات اور دواعی کو اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ دواعی فطرت کے تقاضے سے جماع کی تحریک پیدا کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، اگر کوئی ان کو جمع کرنا چاہے تو بے سہولت کر سکتا ہے، اس کو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، اس لئے ہم انہی تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

ربی یہ بات کہ وہ اشکال و اعمال اور وہ اسباب کیا ہیں جن کے ذریعہ ان صفات اربعہ کو حاصل کیا جاسکتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں ذوق سلیم رکھنے والے لوگوں کے مذاق پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے جو اسباب تجویز کئے ہیں ان کو تسلیم کرنا ہوگا۔ ذیل میں وہ اسباب بیان کئے جاتے ہیں، طہارت کے اسباب تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور اسباب ہی نہیں، موانعت بھی مفصل بیان کئے ہیں کیونکہ تخلیہ، تخلیہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اور باقی تین صفات کے صرف اسباب بیان کئے ہیں، موانعت کا تذکرہ نہیں کیا۔ ان پر سیر حاصل گفتگو کتاب کی قسم و دم میں بسبقہ مباحث الإحسان کے عنوان سے آ رہی ہے۔

حدث کے اسباب: ۱۔ دل کا سغلی احوال سے بھر جانا جیسے صحبت سے یا ہم خوابی سے لطف اندوز ہونا ۲۔ حق کی مخالفت دل میں رکھنا جس کی وجہ سے ملّا اعلیٰ کی لعنت احاطہ کر لیتی ہے ۳۔ بول و براز کا شدید تقاضا ۴۔ پیشاب یا خاند یا رتخ خارج کر کے فارغ ہونا۔ یہ تینوں معده کے فضلات ہیں ۵۔ بدن کا چرکیں ہونا ۶۔ گندہ دہنی ۷۔ ریشت کا ناک میں جمع ہونا ۸۔ زیر ناف یا بغل میں بالوں کا بڑھنا ۹۔ غلیظ نجاستوں سے بدن اور کپڑوں کا ملوث ہونا ۱۰۔ ایسی صورت و اشکال سے حواس کا گھر جانا جو نفس کو سغلی حالت یاد دلائیں۔ جیسے گندگیاں، اپنی یا بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنا، چوپایوں کی بھتی کو دیکھنا

دیکھنا اور گہری نظر سے جماع کرنا یعنی گدھوں کی طرح بیگانہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا اور صحبت کرنا ۱۱۔ ملائکہ اللہ اور اللہ کے نیک بندوں پر طعن و تشنیع کرنا ۱۲۔ لوگوں کو ستانا اور ان کو تکلیف پہنچانا۔

پاکی کے اسباب ۱۔ مذکورہ رذائل کو دور کرنا اور ان کی اصلاح کو حاصل کرنا ۲۔ ایسے کام کرنا جن کا عادتہ نظافت بالذہن ہونا ثابت ہو چکا ہے جیسے وضو، غسل، جو اچھے کپڑے میسر ہوں وہ پہننا اور خوشبو لگانا۔ ان چیزوں کا استعمال طہارت کے طریقوں کی طرف نفس کو منقطع کرتا ہے۔

اخبات کے اسباب: بارگاہ خداوندی میں نیازمندی اور عجز و انکساری پیدا کرنے کے لئے ایسے اعمال اختیار کرنا اور نفس کو ان کرنے پر مجبور کرنا جو اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوں، مثلاً سرگوں ہو کر کھڑا ہونا، جگرہ کرنا، ایسے کلمات کا رد کرنا جو خشوع و خضوع، عجز و انکساری اور مناجات پر دلالت کرتے ہوں، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنا۔ یہ سب کام اعلیٰ درجہ کی نیازمندی اور غایت درجہ کا خشوع و خضوع پیدا کرتے ہیں۔ فیاضی کے اسباب: سخاوت، انفاق اور خطا وار سے ورگذر کی عادت ڈالنا۔ اور ناگوار یوں میں صبر کرنے پر نفس کو مجبور کرنا وغیرہ۔

انصاف کے اسباب: سنت راشدہ (انصاف کی راہ) کی مع اس کی تفصیلات کے نگہداشت کرنا یعنی زندگی کے ہر معاملہ میں اسلام کی بتائی ہوئی انصاف کی راہ پر مضبوط رہنا۔

أما التدبير العملي: فالعمدة فيه: التلبس بهيئات وأفعال وأشياء تُدْكَرُ النفسُ الخصلة المطلوبة، وتُبْهِئُهَا، وتُبْهِئُهَا إِلَيْهَا، وَتَحْتَفُّهَا عَلَيْهَا، إِمَّا لِتَلْزِمَ عَادَى بَيْنَهَا وَبَيْنَ تِلْكَ الْخِصْلَةِ، أَوْ لِكُونِهَا مِطْنَةً لَهَا بِحَكْمِ الْمُنَاسِبَةِ الْجَبَلِيَّةِ؛ فَكَمَا أَنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَبْنِيَ نَفْسَهُ لِلْغَضَبِ، وَيُحْضِرُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، يَتَخَيَّلُ الشَّيْءَ الَّذِي تَفَوُّهُ بِهِ الْمَغْضُوبُ عَلَيْهِ، وَالَّذِي يَلْحَقُهُ مِنَ الْعَارِ، وَنَحْوِ ذَلِكَ؛ وَالنَّاتِحَةُ إِذَا أَرَادَتْ أَنْ تَجِدَّ عَهْدَهَا بِالْفَجْعِ تَذْكَرُ نَفْسَهَا مُحَاسِنَ الْمَيْتِ، وَتَتَخَيَّلُهَا، وَتَبْعَثُ مِنْ خَوَاطِرِهَا الْخَيْلَ وَالرَّجُلَ إِلَيْهَا؛ وَالَّذِي يُرِيدُ الْجَمَاعَ يَتَمَسَّكُ بِدَوَاعِيهِ؛ وَنَظَائِرُ هَذَا الْبَابِ كَثِيرَةٌ جَدًّا، لَا تَعْصَى عَلَى مَنْ يَرِيدُ الْإِحَاطَةَ بِجَوَانِبِ الْكَلَامِ؛ فَكَذَلِكَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هَذِهِ الْخِصَالِ أَسْبَابٌ تُكْتَسَبُ بِهَا؛ وَالاعْتِمَادُ فِي مَعْرِفَةِ تِلْكَ الْأُمُورِ عَلَى ذَوْقِ أَهْلِ الْأَذْوَاقِ السَّلِيمَةِ:

فأسباب الحدث: امتلاء القلب بحالة بفسلية، كفضاء الشهوة من النساء جماعاً ومباشرة، وإضمماره مخالفة الحق، وإحاطة لعن الملا' الأعلى به، وكونه حاقباً حاقناً، وقرب العهد بالبول والغائط والريح، وهذه الثلاثة فضول المعدة، وتوسُّع البدن، والبُخْرُ، واجتماع المُخَاطِ، ونبات الشعر على العانة والإبط، وتلطُّخ الثوب والبدن بالنجاسات المستقدرة، وامتلاء الحواس

بصورة تُدْكَرُ الحالةُ السُّفلية، كالفاذورات، والنظر إلى الفرج ومسافدة الحيوانات، والنظر المجمع في الجماع، والطعن في الملائكة والصالحين، والسَّغْيُ في إيداء الناس.

وأَسبابُ الطَّهارة: إزالة هذه الأشياء، واكتساب أصدادها، واستعمال ما تقرر في العادات كونه نظافةً بالغةً، كالغسل والوضوء، ولُبْس أحسن ثيابه، واستعمال الطيب، فإن استعمال هذه الأشياء تَنْبِيهُ النَّفْسِ على صفة الطَّهارة.

وأَسبابُ الإِخبات: مؤاخذه نفسه بما هو أعلى حالات التعظيم عنده: من القيام مُطَرِّقاً، والسجود، والنطق بالفاظ دالة على المناجات، والتذلل لديه، ورفع الحاجات إليه، فإن هذه الأمور تَنْبِيهُ النَّفْسِ تنبيهاً قوياً على صفة الخضوع والإِخبات.

وأَسبابُ السَّماحة: التَّصَرُّفُ على السَّخَاوَةِ، والبذل، والعفو عمن ظَلَمَ، ومؤاخذه نفسه بالصبر عند المكاره، ونحو ذلك.

وأَسبابُ العَدالة: المحافظة على السنة الراشدة بتفاصيلها، والله أعلم.

ترجمہ: رہی تدبیر عملی تو اس سلسلہ میں بہترین طریقہ ایسی شکوں، افعال اور چیزوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہے جو نفس کو مطلوبہ صفت یاد دلائیں اور وہ چیزیں نفس کو مطلوبہ صفت سے خبردار کریں اور وہ نفس کو مطلوبہ صفت (کے حاصل کرنے) پر برا بھلا نہ کریں اور نفس کو مطلوبہ صفت پر ابھاریں یا تو ان چیزوں کے درمیان اور اس صفت کے درمیان عادت لازم ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ کسی فطری مناسبت کے باعث وہ چیزیں اس صفت کے ”ملنے کی جگہ“ ہیں۔ پس جس طرح یہ بات ہے کہ انسان جب چاہتا ہے کہ وہ نفس کو غصہ سے خبردار کرے اور وہ اس غصہ کو اپنی دونوں آنکھوں کے سامنے حاضر کرے تو وہ اس گالی کا تصور کرتا ہے جو مقضوب علیہ نے کئی ہے اور اس عار اور اس کے مانند چیزوں کو یاد کرتا ہے جو اس کو (گالی کی وجہ سے) لاحق ہوئی ہیں۔ اور یقین کرنے والی عورت جب چاہتی ہے کہ اپنے دکھ و درد کا زمانہ تازہ کرے تو وہ اپنے نفس کو میت کی خوبیاں یاد دلاتی ہے اور ان کو سوچتی ہے اور اپنے خیالات کے سوار اور پیادہ ان خوبیوں کی طرف بھیجتی ہے۔ اور جو شخص جماع کا ارادہ کرتا ہے وہ مباشرت کے دواعی کو اختیار کرتا ہے۔ اور اس باب کی نظر بہت زیادہ ہیں، جو شخص کلام کے گوشوں کا احاطہ کرنا چاہتا ہے وہ نظائر اشخاص سے بھاگ نہیں سکتیں (بلکہ بہ سہولت قابو میں آ جاتی ہیں) پس اسی طرح ان صفات اربعہ میں سے ہر ایک کے لئے ایسے اسباب ہیں جن کے ذریعہ اس صفت کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور ان چیزوں کے پہچاننے میں ذوق سلیم رکھنے والے لوگوں کے مذاق پر اعتماد ہے۔

پس حدث کے اسباب: دل کا سخی حالت سے لبریز ہو جانا ہے، جیسے عورتوں سے جماع اور ساتھ لانا کر خواہش پوری کرنا۔ اور آدمی کا دل میں حق کی مخالفت کو چھپانا اور ملامت کی اعنت کا اس کو گھیر لینا اور اس کو پیدائش پاخانہ کا شہید

تقاضا ہونا اور ابھی ابھی پیشاب پاخانہ کر کے اور تیرج خارج کر کے فارغ ہونا، اور یہ تینوں چیزیں معدہ کے فضلات ہیں، اور بدن کا میلا ہونا، اور منہ کا بدبودار ہونا، اور ریشہ کا ناک میں اکٹھا ہونا اور زیر ناف اور بغل میں بالوں کا اگنا اور غلیظ نجاستوں کے ساتھ بدن اور کپڑوں کا لت پت ہونا اور حواس کا ایسی صورتوں سے بھر جانا جو نفس کو سہمی حالت یا دولا سیں، جیسے گندگیاں اور شرمگاہ کی طرف دیکھنا اور جانوروں کی جفتی دیکھنا اور جماع میں گہری نظر کرنا اور ملائکہ اور صالحین پر طعن کرنا اور لوگوں کو ستانے کے درپے ہونا۔

اور پاکی کے اسباب: ان (مذکورہ بالا) چیزوں کو دور کرنا، اور ان کی ضد ادا کو حاصل کرنا ہے۔ اور ان چیزوں کو استعمال کرنا ہے جن کا عادتہ لطافت بالغہ (اعلیٰ درجہ کی پاکی) ہونا ثابت ہو چکا ہے، جیسے غسل اور وضو اور اپنے بہترین کپڑے پہننا اور خوشبو استعمال کرنا۔ کیونکہ ان چیزوں کا استعمال نفس کو طہارت کی صفت سے خبردار کرتا ہے۔

اور نیاز مندی کے اسباب: اپنے نفس کا مواخذہ کرنا ہے (یعنی اس کو مجبور کرنا ہے) ایسے کاموں پر جو اس کے نزدیک تعظیم کے حالات میں سب سے اعلیٰ ہیں یعنی سر جھکا کر کھڑا ہونا اور سجدہ کرنا اور ایسے الفاظ بولنا جو مناجات (سرگوشی) پر دلالت کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ربودہ خاکساری، اور فردنی کرنا، اور اس کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنا۔ پس بیشک یہ چیزیں نفس کو نہایت خوب خبردار کرتی ہیں عاجزی اور نیاز مندی کی صفات سے۔

اور فیاضی کے اسباب: سخاوت کی اور خرچ کرنے کی اور ظلم کرنے والے سے درگزر کرنے کی عادت ڈالنا ہے۔ اور ناگوار یوں کے وقت صبر کے ساتھ اپنے نفس کو پکڑنا ہے اور اس قسم کے اور کام۔

اور انصاف کے اسباب: سنت راشدہ (ہدایت کے راستہ) کی اس کی تفصیلات کے ساتھ (یعنی ہر معاملہ میں) نگہداشت کرنا ہے (یعنی عمل کرنا ہے) باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

باب ۶

ظہورِ فطرت کے حجابات

صفات اربعہ یعنی طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت کی مرکب حالت کا نام ”فطرت“ ہے۔ اس فطرت کے ظہور و نمود کو چند چیزیں روکتی ہیں۔ یعنی یہ موانع آدمی میں خصال فطرت کو پیدا نہیں ہونے دیتے۔ یہ موانع تین ہیں: نفس، دنیا اور بدعتیدگی۔ کبھی نفسانی تقاضے حصول کمال کی راہ میں روڑا بن جاتے ہیں کبھی دنیا طلی سدا راہ ہو جاتی ہے، اور کبھی بدعتیدگی آڑ بن جاتی ہے کیونکہ عقیدے کی درستگی کے بغیر عمل بے فائدہ ہے، بلکہ کبھی مضر ہوتا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

① حجابِ نفس کا بیان: اللہ تعالیٰ نے انسان میں کھانے پینے اور نکاح وغیرہ کے تقاضے رکھے ہیں۔ اور اس کا دل ہمیشہ طبعی احوال: حزن و ملال، فرحت و نشاط، غیظ و غضب اور خوف و ہراس کی سواری بنا رہتا ہے۔ انسان ہر وقت ان

حالات میں گھرا رہتا ہے۔ اور انسان کو جو بھی حالت پیش آتی ہے اس کے تین مرحلے ہوتے ہیں ایک حالت پیش آنے سے پہلے کا مرحلہ، دوسرا تین حالت پیش آنے کا مرحلہ، اور تیسرا وہ حالت بننے کے بعد کا مرحلہ۔ مثلاً بھوک، پیاس، رنج و غم، محبت یا عشق کی حالت پیش آتی ہے تو پہلے مرحلہ میں نفس اس حالت کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس حالت کے مناسب چیزیں آدمی کے دل و دماغ اور حواس پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً محبت یکدم پیدا نہیں ہوتی، پہلے نفس اسباب محبت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ نگاہ حسن و جمال دیکھتی ہے۔ کان دگش آواز سنتے ہیں۔ ہاتھ گداز جسم کو چھوتا ہے، دماغ اس کی خوبیوں کو سوچتا ہے۔ پھر جب دل و دماغ ”پسند“ سے بھر جاتے ہیں۔ نگاہ کو صورت کی خوبی، لامہ کو جسم کی گدازی اور سامع کو آواز کی دلکشی بھا جاتی ہے اور قوت خیالیہ اور قوت اورا کیہ بھی ان کی ہمنوائی کرتے ہیں تو دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور نفس محبت میں پھنس جاتا ہے اور وہ اس حالت میں ایسا متفرق ہو جاتا ہے کہ اس کو اور چیزوں کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ دل برابر محبوب میں کھویا رہتا ہے۔ خواہ محبوب سامنے ہو یا نہ ہو یا کوئی دوسری حالت بھوک پیاس وغیرہ پیش آجائے تب بھی دل محبوب سے نہیں ہٹتا، پھر تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے یعنی جب وہ حالت چلی جاتی ہے تب بھی وہ اپنا رنگ اور میل چھوڑ جاتی ہے اور دل میں محبت کی کسک باقی رہتی ہے۔ محبوب تصور سے نہیں نکلتا۔ اسی طرح اس کے دن رات گزرتے رہتے ہیں اور اس کو تحصیل کمال کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ پھر کچھ لوگ تو عرصہ دوار کے بعد اس حالت سے نکل جاتے ہیں۔ اور کچھ مدت العرا سی میں پھنسے رہتے ہیں، اور کچھ عشق و محبت میں دیوانے ہو جاتے ہیں، وہ نہ ریت رواج کی پرواہ کرتے ہیں، نہ عقل کی سنتے ہیں۔ ان کو نصیحت یا علامت کی جائے تو وہ بھی کارگر نہیں ہوتی۔ یہ حالت ”جواب نفس“ کہلاتی ہے۔ کیونکہ جب نفس اس حالت کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تبھی وہ حالت پیش آتی ہے اور اسی کو ”جواب طبیعت“ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ جواب طبیعت کے تقاضے سے پیدا ہوتا ہے۔

(۲) جواب دنیا کا بیان: جواب نفس کا شکار تو کم عقل والے ہوتے ہیں۔ مگر جواب دنیا میں بڑے بڑے عقل مند پھنستے ہیں۔ کیونکہ جن کو کامل عقل ملی ہے اور ہیئت و بیداری میں سے بھی ان کو وافر حصہ ملا ہے۔ وہ ہر وقت طبیعت کے تقاضوں میں تو جتا نہیں رہتے۔ وہ فرصت کے کچھ ایسے لحاظ نکال لیتے ہیں کہ جن میں نفس کے تقاضے ختم جاتے ہیں۔ اور ان کے دل میں نفسانی تقاضوں کے علاوہ دوسری چیزوں کی گنجائش نکل آتی ہے۔ ان کے دل میں قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کے مناسب حال علوم و کمالات کی تحصیل کا شوق بھی انگڑائیاں لیتا ہے اور وہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر جب یہ لوگ بصیرت کی آنکھ کھولتے اور ہوش سنبھالتے ہیں تو سب سے پہلے ان کی نگاہ ماحول پر پڑتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے پاس شاندار کوشیاں ہیں۔ بہترین کاروبار ہیں۔ خوبصورت بیویاں اور خوش گل اولاد ہے، شاندار لباس و پوشاک ہے، عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں اور فضا حوتوں میں اور صنعت و حرفت میں مقابلہ بازیاں کرتے ہیں تو یہ چیزیں ان کو بے حد پسند آ جاتی ہیں۔ وہ ان کے دلدادہ ہو جاتے ہیں اور عزم و ہمت اور کامل توجہ سے وہ دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اپنی قوم کے

ساتھ دنیا کی دوڑ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں جو تحصیل کمالات کا جذبہ ابھرا تھا وہ خوابِ شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتا۔ یہ ”حجابِ رسم“ کہلاتا ہے۔ کیونکہ قوم کی ریت رواج اور رائج اقدار نے اس شخص کو فطری کمالات کی تحصیل سے روک دیا ہے۔ اور یہی ”حجابِ دنیا“ کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام امور جن میں آدمی مشغول ہوا ہے دنیوی چیزیں ہیں، اور فطری کمالات سے فروتر ہیں۔ اور گودہ مفید ہیں مگر دنیا کی حد تک مفید ہیں۔ آخرت میں یہ چیزیں کچھ کام آنے والی نہیں۔

(۲) حجابِ سوئے فہم کا بیان: اور جو دانا موت تک دنیا میں پھنسے رہتے ہیں، وہ جب مر جاتے ہیں تو تمام تر دنیوی فضائل و کمالات سے تہی دست رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ دنیوی کمالات جسم و اعضاء کے محتاج ہیں۔ اور وہ اب رہے نہیں، اس لئے نفسِ دنیوی خوبیوں سے خالی ہو جاتا ہے، اور دنیا کا کوئی کمال ان کے پاس باقی نہیں رہتا اور ان کا حال اُس باغِ والے جیسا ہو کر رہ جاتا ہے جس کو کوئی بگولا آ کر خاکِ ستر کر دے یا ان کا حال اس راکھ جیسا ہو جاتا ہے جس کو موسمِ گرما کی تیز و تند آندھی اڑا لے جائے یعنی ان کی ساری پونجی برباد ہو جائے اور وہ کفِ افسوس ملتے رہ جائیں۔

لیکن اگر وہ دانا، بیٹا بھی ہوتا ہے اور وہ عقلِ مند نہایت چوکنا اور بے حد سمجھ دار ہوتا ہے تو وہ دلیل بر بانی سے یا دلیلِ خطائی سے یا شریعت کی تقلید کے ذریعہ رب کا یقین پیدا کر لیتا ہے۔ وہ کائنات میں پھیلی ہوئی ہر سو خدا کے وجود اور قدرت کی نشانیوں میں غور کرتا ہے یا کسی واعظ کی دلنشین اور موثر تقریر سنتا ہے یا کسی مذہب کو مانتا ہے اور اس مذہب کی رو سے وہ مان لیتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو بندوں پر غالب ہے، جو بندوں کے تمام کاموں کا نظم و انتظام کرتا ہے اور جو بندوں کو ہمہ قسم کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ جب دل میں یہ یقین جاگزیں ہو جاتا ہے تو اس میں پروردگار کی طرف میلان اور اس کی محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ قربِ خداوندی کا طالب ہوتا ہے، اپنی تمام تر حاجتیں اس کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنے تمام اختیارات اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔ ان لوگوں میں سے بعض برحق ہوتے ہیں اور بعض گمراہ۔

اور گمراہی کے بڑے اسباب دو ہیں:

پہلا سبب: اللہ تعالیٰ میں مخلوق کی صفات مان لینا۔

دوسرا سبب: مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صفات مان لینا۔

پہلی گمراہی تشبیہ (مانند خضہرانا) کہلاتی ہے اور دوسری اشراک (شریک خضہرانا) اور پہلی گمراہی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ غائب (اللہ تعالیٰ) کو حاضر (مخلوق) پر قیاس کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوقات جیسا سمجھ لیا جاتا ہے اس لئے مخلوقات کی کمزوریاں اللہ تعالیٰ میں بھی مان لی جاتی ہیں۔ اور دوسری گمراہی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ بعض مخلوقات سے خارقِ عادت کام دیکھنے میں آتے ہیں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ان کے اپنے کام ہیں یعنی وہ خود ان کاموں کے خالق ہیں اور یہ خلق (پیدا کرنا) ان کی ذاتی صفت ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا گارے سے پرندہ بنانا اور اس میں پھونک مارنے سے پرندہ کا زندہ ہو جانا اور مادرِ ادا اندھوں کو اور برص کے بیماروں کو اچھا کرنا اور مردوں کو قبروں سے زندہ کر کے نکالنا وغیرہ۔

یہ اور اس کے علاوہ دوسری چھوٹی موتی بدعتیں گئیں ”سوئے فہم کا حجاب“ اور ”جہالت کا حجاب“، کہلاتی ہیں۔ یہ بھی تحصیل کمالات کی راہ سے بے راہ کرتی ہیں۔ کیونکہ ادنیٰ شرک و تشبیہ کے ساتھ بھی کوئی عبادت قبول نہیں کی جاتی۔ قرآن وحدیث اس مضمون سے بھرے پڑے ہیں۔

حاصل کلام: یہ ہے کہ اگر آپ لوگوں کا جائزہ لیں تو آپ کو وہ سب باتیں بلا کم و کاست لوگوں میں مل جائیں گی جو ہم نے بیان کی ہیں۔ آپ ان باتوں میں ادنیٰ تفاوت نہیں پائیں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہر انسان خواہ وہ کسی مذہب کو ماننا ہو: بعض اوقات میں کم و بیش حجاب نفس میں ڈوبا رہتا ہے۔ اگرچہ وہ اس حالت میں بھی رکی کام (Routine Work) کرتا رہتا ہے۔

اور بعض اوقات میں وہ ریت رواج کے چکر میں پڑا رہتا ہے۔ اس وقت اس پر بس یہی فکر سوار رہتی ہے کہ وہ قوم کے عقل مندوں کی موافقت کرے۔ ان کی طرح بات چیت کرے، ان کے جیسا لباس و پوشاک پہنے، انہیں جیسے اخلاق وعادات اپنائے اور انہیں جیسا رہن بہن اختیار کرے۔

اور بعض اوقات میں وہ شرک و تشبیہ اور دوسری بدعتیں گئیوں کی ان باتوں کی طرف سر جھکائے رہتا ہے جو وہ آباء واجداد سے سنتا آیا ہے اور جبروت کی باتوں پر کان نہیں دھرتا یعنی اللہ تعالیٰ کو اس طرح پہچاننے کی کوشش نہیں کرتا جس طرح اس کو پہچاننے کا حق ہے۔ اسی طرح عالم میں جو قدرت کا نبی نظام ہے، اس کو سمجھنے کی بھی کوشش نہیں کرتا یعنی یہ جاننے کی زحمت نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کے ہاتھ سے کیوں خارق عادت امور ظاہر فرماتے ہیں اور اس میں کیا حکمت ملحوظ ہوتی ہے؟ مثلاً انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں پر معجزات اس لئے ظاہر کئے جاتے ہیں کہ نبوت و رسالت خود ایک خرق عادت امر ہے، جو اللہ کی قدرت میں ہے۔ یہ بات ظاہر کرنے کے لئے نبی کے دست مبارک سے دیگر خرق عادت امور ظاہر کرائے جاتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کے لئے دلیل اور نظیر بنیں کہ جس طرح یہ خرق عادت امور ممکن ہیں، نبوت و رسالت اور وحی و نزول کتاب بھی ایک ممکن امر ہے، پھر اس کا انکار کیوں کیا جائے!

﴿باب الحُجُبِ المانعة عن ظهور الفطرة﴾

اعلم: ان مُعْظَمَ الحُجُبِ ثلاثة: حجاب الطبع، وحجاب الرسم، وحجاب سوء المعرفة: وذلك: لانه رُكِبَ في الإنسان دواعي الأكل والشرب، والنكاح، وجعل قلبه مطبوعاً للأحوال الطبيعية، كالحزن والنشاط والغضب والوجل وغيرها، فلا يزال مشغولاً بها، إذ كُلُّ حالةٍ يتقدمها توجه النفس إلى أسبابها، وانقضاء القوى العلمية لما يناسبها، ويجتمع معها استغراق النفس فيها، وذوولها عما سواها، ويتخلف عنها بقية ظُلَّها ووضُر لونها، فتمر الأيام والليالي وهو على ذلك،

لا یتفرغ لتحصیل غیرها من الکمال؛ و ربّ انسان ارتطمت قدماء فی هذا الوحل، فلم یمخرج منه طول عمره؛ و ربّ انسان غلب علیه حکم الطبع، فخلع رقبته عن ربقة الرسم والعقل، ولم ینزجر بالملامة؛ وهذا الحجاب یمسى بالنفس.

لکن من تمّ عقله، و توفّر تیقله، یختطف من أوقاته فرصاً یرکد فیها أحواله الطبیعیة، و یتسع نفسه لهذه الأحوال و غیرها، و یتوجب لفیضان علوم أخرى غیر استیفاء مقتضیات الطبع، و یشاق إلى الکمال النوعی بحسب القوتین: العاقلة و العاملة، فإذا فتح خدقة بصیرته أبصر فی أول الأمر قومه فی ارتفاقات، و زیج، و مباهات، و فضائل من الفصاحات و الصناعات، فوَقعت من قلبه بموقع عظیم، و استقبلها بعزيمة كاملة، و همة قوية؛ و هذا حجاب الرسم، و یمسى بالندیا.

و من الناس من لا یزال مستغرقاً فی ذلك إلى أن یأتیه الموت، فتزول تلك الفضائل بأسرها، لأنها لاتتم إلا بالبدن و الآلات، فقیبقی النفس عاریة لیس بها شیء و صار مثله کمثل ذی جنّة أصابها إعصار، أو کرماد اشتدت به الريح فی يوم عاصف، فإن کان شدید التنبّه، عظیم الفطنة، استیقن بدلیل برهانی، أو خطائی، أو بتقلید الشرع: أن له ربّاً قاهراً فوق عبادته، مذبراً أمورهم، منعماً علیهم جمیع النعم، ثم خلّق فی قلبه میل إلیه، و محبة به، و أراد التقرب منه، و رفع الحاجات إلیه، و اطّرح لده، فمن مصیب فی هذا القصد و مخطی.

و معظم الخطأ شیئان:

[۱] أن یعتقد فی الواجب صفات المخلوق.

[۲] أو یعتقد فی المخلوق صفات الواجب.

فالأول: هو التشبیه، و منشؤه قیاس الغائب علی الشاهد؛ و الثانی: هو الإشراک، و منشؤه رؤية الآثار الخارقة من المخلوقین، فیظن أنها مضافة إلیهم بمعنی الخلق، و أنها ذاتیة لهم.

و ینبغی لك أن تستقرئ أفراد الإنسان، هل ترى من تفاوت فیما آخرتک؟ لا أضنک تجد ذلك ابل کلّ انسان، و إن کان فی تشریع ماء، لا بدله من أوقات یمستغرق فی حجاب الطبع، قلت أو کثرت، و إن لم یزل مباشراً للأعمال الرسمية، و من أوقات یمستغرق فی حجاب الرسم، و یمهم حیثئذ التشبیه بعاقلی قومه کلاماً و زبناً و خلقاً و معاشره، و أوقات یصغی فیها إلى ما کان یسمع، و لا یصغی من أحادیث الجیروت و التدبیر الغیبی فی العالم، و الله أعلم.

ترجمہ: ان حجابات کا بیان جو فطرت کو ظاہر ہونے سے روکتے والے ہیں: جان لیں کہ بڑے حجابات تین ہیں:

طبیعت (نفس) کا حجاب، ریت رواج (دنیا) کا حجاب اور بدنہی (جہالت) کا حجاب:

اور وہ اس لئے ہے کہ انسان میں کھانے پینے اور نکاح کے تقاضے مرکب کئے گئے ہیں۔ اور اس کا دل فطری احوال کی سواری بنایا گیا ہے جیسے غم، ہشاش بشاش ہونا، غصہ اور خوف وغیرہ۔ پس انسان برابر ان احوال میں مشغول رہتا ہے۔ کیونکہ ہر حالت سے پہلے نفس اس کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور قوی علم یہ اس چیز کے مطیع ہوتے ہیں جو اس حالت کے مناسب حال ہوتی ہے۔ اور اکٹھا ہوتا ہے اس حالت کے ساتھ نفس کا اس میں مستغرق ہونا۔ اور اس حالت کے ماسواء سے بے خبر ہونا۔ اور اس حالت سے چیخے رہ جاتا ہے اس کا باقی سایہ اور اس کے رنگ کا میل۔ پس دن رات گزرتے رہتے ہیں اور وہ اسی حالت میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کمال کی تحصیل کے لئے فارغ نہیں ہوتا۔ اور بعض لوگوں کے پاؤں اس کچڑ میں دھنس جاتے ہیں، پس وہ اس سے زندگی بھر نہیں نکلتا۔ اور بعض لوگوں پر طبیعت کا تقاضا غالب آ جاتا ہے۔ پس وہ ریت رواج اور عقل کے حلقہ سے اپنی گردن نکال لیتے ہیں۔ اور وہ ملامت کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ اور یہ ”حجاب نفس“ کہلاتا ہے۔

لیکن جس کی عقل تام ہوتی ہے اور بیداری سے اس کو وافر حصہ ملا ہوتا ہے، وہ اپنے اوقات میں سے کچھ لمحات جھپٹ لیتا ہے جس میں اس کے طبی احوال تھم جاتے ہیں۔ اور اس کے نفس میں ان احوال کے لئے اور ان کے علاوہ دیگر امور کے لئے مچبائش نکل آتی ہے۔ اور وہ طبیعت کے تقاضوں کی تحصیل کے علاوہ دیگر علوم کے فیضان کو واجب و لازم جانتا ہے۔ اور وہ قوت عائدہ اور قوت عالمہ کے اعتبار سے کمال نوع کا مشتاق ہوتا ہے۔ پس جب وہ اپنی بصیرت کی آنکھ کھولتا ہے تو وہ اول امر میں اپنی قوم کو دیکھتا ہے۔ تدبیرات نافعہ اور پوشاک اور خیر اور نصاحت و کارگیریوں کے کمالات میں۔ پس یہ چیزیں اس کو بہت ہی پسند آ جاتی ہیں۔ اور وہ غریبت، کالمہ اور پوری توجہ سے ان چیزوں کا استقبال کرتا ہے۔ اور یہ ریت رواج کا پردہ ہے جو ”دنیا“ کہلاتی ہے۔

اور بعض لوگ برابر اُن (دنیوی) حالات میں مستغرق رہتے ہیں تا آنکہ ان کی موت کا وقت آ جاتا ہے۔ پس وہ (دنیوی) کمالات بالکل زائل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ فضائل بدن اور آلات (اعضاء) کے بغیر تکمیل پذیر نہیں ہوتے۔ پس نفس عاری رہ جاتا ہے اس میں کوئی کمال نہیں ہوتا۔ اور اس کا حال اس باغ والے کے حال جیسا ہو جاتا ہے، جس کو کوئی گملا پیچنے پس اس کو خاستہ کر دے (دیکھئے سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۶) یا اس را کہ جیسا ہو جاتا ہے جس کو خست آندگی کے دن میں ہوا اڑا دے (دیکھئے سورۃ ابراہیم آیت ۱۸) پس اگر وہ شخص نہایت ہی چوکنا ہے اور بہت زیادہ سمجھ دار ہے تو وہ دلیل بر بانی یا دلیل خطابی یا تقلید شرع سے اس بات کا یقین کر لیتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو اپنے بندوں پر غالب ہے، جو ان کے کاموں کا انصرام کرنے والا ہے جو ان پر ہمہ قسم کی نعمتیں مہذول کرنے والا ہے۔ پھر اس کے دل میں اس رب کی طرف میلان اور اس کے ساتھ محبت پیدا کی جاتی ہے۔ اور وہ اس رب سے نزدیک ہونا چاہتا ہے اور اس کے

سامنے جائیں پیش کرنا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے سامنے ڈال دیتا ہے۔ پس کوئی تو اس مقصد میں مصیب ہوتا ہے اور کوئی غلط راہ اپنانے والا:

اور بڑی غلطیاں دو ہیں:

ایک یہ کہ واجب تعالیٰ میں مخلوق کی صفات مان لی جائیں۔

دوسری: یا مخلوق میں واجب تعالیٰ کی صفات مان لی جائیں۔

پس اول ”تشبیہ“ ہے اور اس کے پیدا ہونے کی جگہ: غائب کو حاضر پر قیاس کرنا ہے اور دوسری اشراک (شریک ٹھہرانا) ہے اور اس کے پیدا ہونے کی جگہ: مخلوق سے خارق عادت آثار کو دیکھنا ہے۔ پس وہ گمان کرتا ہے کہ یہ کام ان لوگوں کی طرف منسوب ہیں خلق (پیدا کرنے) کے معنی کے اعتبار سے، اور یہ کہ وہ ان لوگوں کے ذاتی کام ہیں۔

اور آپ کے لئے مناسب یہ ہے کہ آپ انسانوں کے افراد کا جائزہ لیں، کیا آپ کوئی تفاوت پاتے ہیں اُن باتوں میں جو میں نے آپ کو بتلائیں؟ جہاں تک میرا خیال ہے آپ کوئی تفاوت نہیں پائیں گے! بلکہ ہر انسان، خواہ وہ کسی مذہب کو ماننا ہو، اس کے لئے کچھ اوقات ایسے ضرور ہوتے ہیں جن میں وہ طبیعت کے حجاب میں ڈوبا رہے، خواہ وہ لمحات کم ہوں یا زیادہ، اگرچہ وہ قوم میں رائج اعمال کو برابر کرتا رہے۔ اور کچھ اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ریت رواج کے حجاب میں ڈوب جائے۔ اور اس وقت اس کو صرف یہ فکر ہوتی ہے کہ اپنی قوم کے عقل مندوں کی مشابہت اختیار کرے، بات چیت میں، لباس و پوشاک میں، اخلاق و عادات میں اور رہن سہن میں۔ اور کچھ اوقات ایسے ضروری ہیں کہ وہ ان باتوں کی طرف کان نہ دھرے جن کو وہ (آپاء و اجداد سے) سنتا آیا ہے۔ اور جبروت کی باتوں کی طرف اور عالم میں تدبیر غیبی کی طرف کان نہ جھکائے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات: مُعْظَمُ الشَّيْءِ: چیز کا بڑا حصہ، جَمْعُ مَعْظَمٍ..... اِنْ نَظُمَ: کچھڑ میں گرا..... وَبَقْعَةٌ: رسی کا پھندا
..... الْفُطْنَةُ: سمجھ جھجھ لُفْنٌ..... اِطْرَاحُهُ: ڈال دینا، پھینک دینا یعنی وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے ڈال دیتا ہے..... اُخْمَةُ:
فکر مند کرنا، غم میں ڈالنا۔

باب — ۷

حجبات مذکورہ کو دور کرنے کا طریقہ

پچھلے باب میں تحصیل فطرت کی راہ کے تین حجبات ذکر کئے گئے ہیں۔ ۱۔ نفس کا حجاب ۲۔ دنیا کا حجاب ۳۔ بدنہی یعنی اللہ کے معاملات کو صحیح نہ جاننے کا حجاب۔ اب اس باب میں اُن حجبات کو دور کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

① حجاب نفس کے ازالہ کا طریقہ

سرکش نفس کو دو طرح سے رام کیا جاسکتا ہے ایک عبادتوں اور ریاضتوں کے ذریعہ دوسرے جرائم پر سزا میں مقرر کرنے کے ذریعہ، پہلے طریقہ کا صرف حکم دیا جائے گا یعنی ترغیب کے ذریعہ عبادتوں اور ریاضتوں پر ابھارا جائے گا۔ اور دوسرا طریقہ اوپر سے مساط کیا جائے گا یعنی تعزیرات مقرر کی جائیں گی۔ خواہ لوگ ان پر راضی ہوں یا نہ ہوں اور گناہوں پر دار و گیر کی جائے گی۔

پہلا طریقہ: نفس کو نکام دینے کے لئے ایسی ریاضتیں اور ہماری عبادتیں کرنی ضروری ہیں جو بہیمیت کو کمزور کریں۔ مثلاً مسلسل روزے رکھنا اور شب بیداری کرنا یعنی رات بھر جاگنا اور نفلیں پڑھنا یا ذکر و فکر کرنا۔

بعض جاہل صوفیاء ریاضتوں کے سلسلہ میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ انھوں نے ”اللہ کی تخلیق“ کو بگاڑنا شروع کر دیا۔ آلات تامل کو کٹا ڈالا اور بہترین اور کارآمد اعضا، ہاتھ پاؤں کو سونکھالیا۔ یہ تسویل شیطانی ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۱۹ میں اس کا تذکرہ ہے اور حدیث شریف میں بتلایا ہے کہ بے تعلق ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہونے کی ممانعت وارد ہوئی ہے (متفق علیہ، مشکوٰۃ، شروع کتاب الکاح) کیونکہ بہترین راہ میانہ روی کی راہ ہے۔ نفس کو نہ تو بالکل بے لگام چھوڑ دینا مناسب ہے، نہ اس کی خواہشات کو ہر طرح سے پامال کر دینا، بلکہ جائز خواہشات پورا کرنے کے مواقع فراہم کرنا ضروری ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سخت ریاضتیں: مسلسل روزہ اور شب بیداری وغیرہ نہ رلی دواؤں کی طرح ہیں۔ اس لئے ان کا بہتر ضرورت ہی استعمال ہونا چاہئے۔ حدیث شریف میں مسرود صوم (مسلسل روزہ رکھنے) کو ناپسند کیا گیا ہے (رواہ مسلم مشکوٰۃ حدیث نمبر ۲۰۴۲ باب صیام الطلوع) اور رات بھر عبادت کے لئے جاگنے پر نکیر فرمائی گئی ہے کہ آخر جسم اور آنکھوں کا بھی توفیق ہے (رواہ البخاری، کتاب الصوم)

دوسرا طریقہ: جو شخص نفس پرستی کا شکار ہو جائے اور سنت راشدہ کی خلاف ورزی کرے، اس پر سخت نکیر کی جائے اور اس کو سزا دی جائے۔ سزا کا خوف آدمی کو بے راہ روی سے روکتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر نفسانی غلبہ سے رستگاری کا طریقہ بیان کیا جائے اور صحیح راستہ بتلایا جائے تاکہ لوگ اس کو اپنائیں۔ مثلاً ثبوت ایک فطری امر ہے۔ اس کی برائیوں اور بگاڑ سے بچنے کا طریقہ نکاح ہے اور نکاح کے اسباب مبیحہ ہوں تو مسلسل روزے رکھ کر نفس کی تیزی توڑی جائے، چنانچہ آنحضور ﷺ نے جوانوں سے خطاب فرمایا کہ تم میں سے جو بھی گھر بسا نے کی استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے، کیونکہ نکاح نگاہ کو بہت زیادہ میچنے والا اور شرم نگاہ کی خوب حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہ ہو، وہ روزوں کو لازم پکڑے، کیونکہ روزے بھی آنکھ کی (متفق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب الکاح)

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر نکیر کرنا اور سزا میں دینا لوگوں کو تنگی میں مبتلا کر دے گا،

جو مناسب نہیں اور تکمیل جرائم پر محض زبانی تکمیل کافی نہیں۔ بلکہ دردناک مارا اور کمر توڑ جرم مان کر نامزدوری ہے اور ایسی سخت سزائیں ان جرائم کے لئے مناسب ہیں جن کا ضرر متعدد ہے جیسے زنا اور قتل۔ ایسے تکمیل جرائم پر ہلکی سزائیں دینا جرائم روکنے میں ناکافی ہے۔

﴿باب طریق رفع هذه الحُجُب﴾

اعلم: أن تدبير حجابِ الطبع شيان أحدهما يُؤمر به، ويرغب فيه، ويُحثُّ عليه؛ والثاني يُضرب عليه من فوقه، ويُؤاخذ به، أشاء أم أبى:

فالأول: رياضاتُ تُضعِفُ البهيميةَ، كالصوم، والسَّهْر، ومن الناس من أفرط، واختارَ تَغْيِيرَ خَلْقِ اللَّهِ، مثلَ قطعِ آلاتِ التَّاسَلِ، وتَجْفِيفِ عَضْوِ شَرِيف، كاليد، والرَّجُل، وأولئك جهالُ الْعِبَادِ، وخير الأمور وَسْطُهَا، وإنما الصوم والسهر بمنزلة دواء سَمِيٍّ، يجب أن يُقَدَّرَ بِقَدَرٍ ضروري.

والثاني: إفسامة الإنكارِ على من اتَّبَعَ الطَّبِيعَةَ، فخالَفَ السُّنَّةَ الرَّاشِدَةَ، وبيَّنَ طريقَ التَّفْصِي من كل غلبةٍ طَبِيعِيَّةٍ، وضربِ سُنَّةٍ لَهُ؛ ولا ينبغي أن يُضَبَّقَ على الناسِ كُلِّ الضَّبِيقِ؛ ولا يَكْفَى في الكلِّ الإنكارُ القسْوَى، بل لابد من ضربٍ وَجِيعٍ، وغرامةٍ مُنْهَكَةٍ في بعض الأمور؛ والأليقُ بذلك إفراطاتُ فيها ضررٌ مُتَعَدٍّ، كالزَّنا، والقتل.

ترجمہ: ان پر دوں کو اٹھانے کے طریقہ کا بیان: جان لیں کہ حجابِ طبیعت کی تدبیر دو چیزیں ہیں۔ ان میں سے ایک کا حکم دیا جائے گا اور اس کی ترغیب دی جائے گی اور اس پر ابھارا جائے گا۔ اور دوسری اس پر مسلط کی جائے گی اس کے اوپر سے اور اس کے ذریعہ داروگیری کی جائے گی۔ خواہ وہ چاہے یا انکار کرے۔

پس پہلی چیز: ایسی ریاضتیں ہیں جو بہیمیت کو کمزور کریں، جیسے روزہ اور شب بیداری۔ اور بعض لوگ (ریاضتوں میں) حد سے بڑھ گئے ہیں اور انھوں نے اللہ کی بناوٹ کو بدلتا پسند کیا، جیسے آلاتِ تامل کا کاٹنا اور کسی کارآمد عضو کو خشک کرنا، جیسے ہاتھ اور پیر اور یہ لوگ بڑے ہی جاہل عبادت گزار ہیں۔ اور بہترین راہ میانہ راہ ہے۔ اور روزہ اور شب بیداری نہ ہر گز دواء جیسے ہی ہیں۔ ضروری ہے کہ ضروری مقدار کے ساتھ وہ اندازہ کی جائے۔

اور دوسری چیز: اس شخص پر تکمیل کرنا ہے جو نفس کی پیروی کرتا ہے اور سنتِ راشدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ہر نفسانی طلب سے چھٹکارے کا طریقہ بیان کرنا ہے اور اس کے لئے ایک طریقہ مقرر کرنا ہے۔ اور یہ بات نامناسب ہے کہ لوگوں پر ہر طرح سے تنگی کی جائے۔ اور تمام جرائم میں محض زبانی تکمیل کافی نہیں۔ بلکہ بعض امور میں دردناک مارا اور کمر توڑ جرم مانہ ضروری ہے اور اس سزا کی زیادہ سزا اور وہ زیادتیوں ہیں جن کا نقصان دوسروں تک پہنچتا ہے، جیسے زنا اور قتل۔

لغات: سپہر (س) منہرا: ساری رات بیدار رہنا وسط: میانہ، معتدل اور وسط: درمیان تقضی لغات: آشاء میں ہمزہ استفہام کا ہے اور اُم اس کا معادل ہے اور بغیر ہمزہ کے بھی درست ہے۔

۲) حجاب دنیا کے ازالہ کا طریقہ

حجاب دنیا کے ازالہ کی بھی دو ترکیبیں ہیں:

پہلی ترکیب: تمام دنیوی معاملات کے ساتھ ذکر الہی شامل کر دیا جائے۔ یا تو باقاعدہ دعائیں یاد کرانی جائیں کہ صبح و شام میں، کھانے سے پہلے اور بعد میں، بیت الخلاء جاتے اور نکلتے وقت، گھر میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت اور سوتے اور جاگتے وقت یہ دعائیں پڑھی جائیں۔ یا معاملات کے لئے شرعی حدود و قیود مقرر کی جائیں کہ اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے اور اس طرح کرنا ناجائز ہے۔ اس طرح کرنے سے دنیا کی ہر چیز عبادت بن جائے گی اور آدمی کسی بھی وقت اللہ کو نہیں بھولے گا اور دنیا میں انہماک کی برائیوں سے محفوظ رہے گا۔

دوسری ترکیب: کچھ عبادتوں کو رواج عام دیا جائے یعنی سب لوگوں کے لئے وہ عبادتیں ضروری قرار دی جائیں، جیسے پانچ فرض نمازیں، رمضان کے روزے وغیرہ۔ ان عبادتوں کی پابندی لوگوں پر لازم کی جائے، خواہ لوگ رضا مند ہوں یا نہ ہوں۔ اور ان عبادتوں کے ترک پر ملامت کی جائے۔ اور اگر کوئی شخص ان طاعات کو فوت کر دے تو بطور سزا اس کی مرغوبات (مثلاً طلبہ کا کھانا اور امراء کا عہدہ) سے اس کو محروم کر دیا جائے۔

ان دو تدبیروں سے ریت و رواج کی خرابیاں یعنی دنیا کے جھمیل کی برائیاں دفع ہو جائیں گی۔ اور دنیا، دنیا نہیں رہے گی، بلکہ دین بن جائے گی اور عبادات غیر دین کو متاثر کریں گی۔ اور ان کے دل میں اسلام کے حق میں لمحہ فکریہ پیدا کریں گی۔

وتدبیر حجاب الرسم: شینان

أحدهما: أَنْ يُضْمَّ مَعَ كُلِّ ارْتِفَاقٍ ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى، تَارَةً بِحِفْظِ الْفَاطِطِ يَوْمَرُ مَبْهًا، وَتَارَةً بِمِرَاعَةِ حُدُودٍ وَقِيُودٍ لَا تُتَرَاغَى إِلَّا لِلَّهِ.

والثاني: أَنْ يُجْعَلَ أَنْوَاعُ مِنَ الطَّاعَاتِ رِسْمًا قَاشِبًا، وَيُسَجَّلَ عَلَى الْمُحَافَظَةِ عَلَيْهَا، أَشَاءُ أَمْ أَمْ، وَيُلَاقَ عَلَى تَرْكِهَا، وَيُكْتَبَ عَنِ الْمَرْغُوبَاتِ مِنَ الْجَاهِ وَغَيْرِهِ، جَزَاءٌ لِنُفُوتِهَا. فَيَهْدِيَنِ التَّدْبِيرِينَ تَنْدِفَعُ غَوَائِلُ الرِّسْمِ، وَتَصْبِرُ مُؤَيَّدَةً لِعِبَادَةِ اللَّهِ تَعَالَى، وَتَصْبِرُ أَلْسِنَةً تَدْعُو إِلَى الْحَقِّ.

ترجمہ: اور حجاب رسم (دنیا) کی تدبیر دو چیزیں ہیں:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر تدبیر نافع کے ساتھ اللہ کا ذکر ملایا جائے۔ کبھی ایسے الفاظ یاد کرنے کے ذریعہ جس کے پڑھنے کا آدمی کو حکم دیا جائے اور کبھی ایسی حدود و قیود کی رعایت کرنے کے ذریعہ، جن کی رعایت اللہ ہی کے لئے کی جاتی ہے (یعنی اس کو امر شرعی سمجھ کر اس کی پابندی کرے)

اور دوسری: یہ ہے کہ کچھ عبادتوں کو رواج عام دیا جائے اور ان عبادات کی نگہداشت کا فیصلہ کیا جائے۔ خواہ وہ چاہے یا انکار کرے اور ان طاعات کے ترک پر ملامت کی جائے۔ اور مرغوبات یعنی جاہ و غیرہ سے وہ شخص باز رکھا جائے اُن طاعات کو فوت کرنے کی سزا کے طور پر۔

پس ان دو تدبیروں سے رواج کی برائی دور ہو جاتی ہے اور ریت رواج اللہ کی عبادت کی تائید کرنے والی ہو جاتی ہیں اور وہ عبادات ایسی زبانیں بن جاتی ہیں جو دین حق کی طرف دعوت دینے والی ہوتی ہیں۔

لغات: سَجَّلَ القاضی علیہ: فیصلہ کرنا کَبَّحَ (ف) کَبَّحًا عَنْ الْحَاجَةِ: باز رکھنا الْعَالَمَةُ: برائی، مصیبت .. لا تراعی إلا للہ اصل میں لا یراعی إلا اللہ ہے، یہ تصحیف ہے تصحیح مخطوطہ کراچی سے کی گئی ہے۔

(۳) حجاب بدعتیگی کی زواہل کرنے کا طریقہ

بدعتیگی کی دونوں قسمیں یعنی تشبیہ و اشراک دوسوہوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے علاج بھی دو ہیں: پہلا سبب اور اس کا علاج: اللہ کی ذات والا صفات بشری صفات سے برتر والا ہے۔ وہ محسوسات اور نوید چیزوں کے مانند ہونے سے پاک ہے۔ اس لئے کچھ لوگ حق تعالیٰ کو کما حقہ پہچان نہیں سکتے اور تشبیہ یا اشراک کی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

گمراہی کے اس سبب کا علاج یہ ہے کہ لوگوں کو صفات باری کے بارے میں صرف اتنی بات بتائی جائے جس کی ان کے ذہنوں میں سمائی ہو، زائد باتیں نہ بتائی جائیں، ورنہ وہ گمراہی کا باعث ہوں گی۔ مثلاً لوگوں سے صرف یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں، مگر ان کا موجود ہونا ہمارے موجود ہونے کی طرح نہیں ہے، بلکہ ان کے شایان شان ہے۔ اور وہ زندہ ہیں، مگر ہمارے زندہ ہونے کی طرح نہیں ہیں ان کی زندگی ان کے شایان شان ہے، ہم اس کی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے۔

صفات باری کو سمجھا جا سکتا ہے: انسان دوسری چیزوں کی طرح اللہ پاک کی ذات کو اور ان کی صفات کو بھی سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر موجود و معدوم کو اور ہر مکانی اور غیر مکانی (مجرد) چیز کو جان سکتا ہے۔ اور جاننے کی دو صورتیں ہیں:

- (۱) معلوم کی صورت ذہن میں لا کر اس کو جاننا۔ تمام محسوسات جو نظر کے سامنے ہوتی ہیں اسی طرح جانی جاتی ہیں۔
- (۲) معلوم کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ و کر یا کسی چیز پر قیاس کر کے جاننا۔ تمام معنویات اور وہ محسوسات جو نظر کے سامنے موجود نہیں ہیں اسی طرح جانی جاتی ہیں۔

غرض انسان ہر چیز کو جان سکتا ہے۔ وہ عدم (نہ) کو بھی جان سکتا ہے اور معدوم مطلق اور مجہول مطلق کو بھی جان سکتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ”نہ“ کو جو کہ ایک مفہوم عدمی ہے، وجود (ہونے) کی جہت سے جانا جائے یعنی ہونے کے ساتھ متصف نہ ہونے کا نام عدم (نہ) ہے اسی طرح جہل، علم کے ساتھ متصف نہ ہونے کا نام ہے۔ پھر فعل مجہول عدم (س) غذا اور خپل (س) جہلا سے صیغہ باسم مفعول معدوم اور مجہول کو جانا جائے۔ پھر مطلق کا مطلب سمجھا جائے مطلق کے معنی ہیں کامل، عام، بے قید، محض، ہر طرح سے۔ پھر تینوں باتوں کو ذہن میں ملا لیا جائے تو جو مرکب مفہوم حاصل ہوگا وہ معدوم محض اور مجہول مطلق کا مفہوم ہے۔ جس کا نہ خارج میں وجود ہے نہ ذہن میں، وہ صرف ایک اعتباری مفہوم ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ جب کوئی کسی نظری چیز کو جانا چاہتا ہے تو تلاش کر کے اس کی جس فصل لاتا ہے، پھر ان کو جو کر نظری کو حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا مغایہ تلامذہ کو جو ذکر معدوم محض اور مجہول مطلق کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو اور ان کی صفات کو بھی سمجھا جا سکتا ہے یعنی ان کو مخلوق پر قیاس کر کے سمجھا جائے اور اس سے جو ”مخلوق کے مانند“ ہونے کا وہم پیدا ہو اس کی تلافی یہ کہہ کر کی جائے کہ وہ ”ہم جیسے“ نہیں ہیں بلکہ ان کی ذات و صفات ان کے شایان شان ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی صفات ثابت کی جائیں: اللہ تعالیٰ کے لئے صفات مدحیہ ثابت کی جائیں یعنی مخلوق میں جو خوبیاں ہیں اور جن کی وجہ سے مخلوق کی تحریف کی جاتی ہے، وہ خوبیاں اللہ کے لئے ثابت کی جائیں۔ اور جو صفات خود مخلوق کے لئے عیب اور برائی ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کی تزیئہ اور پاک بیان کی جائے اور تزیئہ کے ایہام کو یہ کہہ کر دفع کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ”ہم جیسے“ نہیں ہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ ۱۱) کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہ سبج و بصیر ہیں۔ یعنی قاعدہ کایہ کے مطابق ان کا سننا اور دیکھنا بھی مخلوقات کے سننے اور دیکھنے کے مانند نہیں ہے۔

صفت مدح کو جاننے کا طریقہ: رہی یہ بات کہ یہ کیسے جانا جائے کہ صفت مدح کوئی ہے اور صفت ذم کوئی؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی صفت کو تین مادوں میں پھیر کر دیکھا جائے، پتہ چل جائے گا کہ وہ خوبی ہے یا خرابی؟ وہ تین مادے یہ ہیں:

پہلا مادہ: جس میں وہ صفت پائی جاتی ہو۔ اور اس صفت کے آثار بھی اس مادہ میں نمایاں ہوں۔

دوسرا مادہ: جس میں نہ وہ صفت پائی جاتی ہو، نہ اس میں اس صفت کی صلاحیت ہو۔

تیسرا مادہ: جس میں بالفضل تو وہ صفت نہ پائی جاتی ہو، مگر اس میں اس صفت کی صلاحیت ہو۔

مثلاً صفت حیات کو ان تین مادوں میں پھیر کر دیکھئے حسن (زندہ) میں یہ صفت پائی جاتی ہے اور جاندار میں اس کے آثار بھی نمایاں ہیں جماد (بے جان چیز) میں نہ یہ صفت پائی جاتی ہے، نہ اس میں اس کا کوئی امکان ہے اور مینٹ

(مردہ) میں بافضل تو یہ صفت نہیں پائی جاتی مگر اس میں اس صفت کے پائے جانے کا امکان ہے۔ مردے پہلے بھی تجزہ سے زندہ ہوئے ہیں اور آئندہ قیامت میں بھی زندہ ہوں گے۔

اب غور کیجئے موالید میں برزخ مخلوق ”جاندار“ بھی جاتی ہے، ہمارا کوئی مقام نہیں اور میت کا ایک گونا گونا ضروری ہے اسی لئے جنازہ لے کر دوڑنا مکروہ ہے اور شامی میں کراہیت کی وجہ میت کی بے توقیری بیان کی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حیات صفات مدحہ میں سے ہے، اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کیا جائے۔ اسی طرح آپ صفت عدل کو ان تین مادوں میں پھیر کر دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ یہ بھی صفت مدح ہے اور ہکا، (رونا) کو ان مادوں میں پھیر کر دیکھیں یا ظلم کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ یہ صفیت خود مخلوق میں عیب ہیں پس ان صفات سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ضروری ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صفت مادہ (خوبی) کو اللہ تعالیٰ کے لئے اس دلیل سے ثابت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ میں اس صفت کے آثار پائے جاتے ہیں، جیسے زندہ میں زندگی کے آثار محسوس ہوتے ہیں اس لئے ہم اس کو زندہ کہتے ہیں۔ عادل میں عدل کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ظالم میں ظلم کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جن صفات کے آثار اللہ تعالیٰ میں پائے جاتے ہیں وہ صفات ثابت کی جائیں اور جن کے آثار نہیں پائے جاتے ان کی نفی کی جائے۔ اور تشبیہ کے ایہام کو یہ کہہ کر دفع کیا جائے کہ وہ ”مم جیسے“ نہیں ہیں۔

دوسرا سبب اور اس کا علاج: اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ دنیا کے فرخشوں میں اس بری طرح پھنسے رہتے ہیں کہ ان کو معرفت خداوندی حاصل کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ دنیا اپنی زیبائش کے ساتھ اولد تیں اپنی رعنائیوں کے ساتھ ہر وقت ان کی نگاہوں کے سامنے موجود رہتی ہیں۔ اور قوی علیہ: دل و دماغ اور حواس ظاہرہ اور باطنہ ہمیشہ حسی صورتوں سے بھرے رہتے ہیں۔ اس لئے آدمی کا دل دنیا کی چیزوں میں الجھا رہتا ہے۔ اور اس کو حق تعالیٰ کی طرف خاص توجہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

اس حجاب کا علاج یہ ہے کہ دنیا کو دل و دماغ سے نکالا جائے اور دنیا کی مشغولیت کم کی جائے۔ اور اس کے لئے تین کام کئے جائیں:

۱۔ ایسی ریاضتیں اور ایسے اعمال اختیار کئے جائیں جن سے آدمی میں تجلیات ربانی کی صلاحیت پیدا ہو۔ تجلیات ربانی کا دیدار تو آخرت میں ہوگا مگر اس کی قابلیت یہاں پیدا کرنی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص آخرت میں دیدار خداوندی کا متمنی ہے وہ فجر اور عصر کی نماز میں غفلت نہ کرتے (متفق علیہ، مشکوٰۃ، باب رُویۃ اللہ، کتاب احوال القیامہ، حدیث نمبر ۵۶۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز وغیرہ عبادتیں آدمی میں تجلیات ربانی کی زیارت کی استعداد پیدا کرتی ہیں۔

۲۔ خلوت نشینی اختیار کی جائے یعنی کچھ وقت کے لئے دنیا کے دھندوں سے (اسن جھاڑ کر گوشہ نشینی اختیار کی جائے یا مسجد میں اعتکاف کیا جائے۔ جہاں اللہ کا ذکر و فکر کیا جائے، صحیح اسلامی عقائد دیکھے جائیں، مقبرہ علما کی کتابوں کا مطالعہ کیا

جائے یا اہل علم کے بیانات سے جائیں۔ ایسا کرنے سے جہالت دور ہوگی اور صحیح معرفت حاصل ہوگی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے اور آخرت سے غافل کرنے والی چیزوں سے حتی الامکان کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ سورۃ لقمان آیت ۶ میں ان لوگوں کی مذمت آئی ہے جو ایسی چیزیں اختیار کرتے ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں۔ اور بخاری شریف (کتاب الادب حدیث نمبر ۶۱۰۹) میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے منقش پردے کو بھاڑ دیا تھا اور بخاری شریف (کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر ۳۷۳۷) میں یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے وہ چادر اتار دی تھی جس میں پھول بوٹے تھے۔ اب سوچیں وہ لوگ جو بغل میں ریڈیو، تھیلے میں اور میز پر ناول، افسانے، اور گھر میں ٹی، وی، ویڈیو، وی، سی آر اور ہائے فائے رکھتے ہیں اور پھر جنت کے بلند درجوں کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں، کیا ان لغویات میں مصروفیات کے ساتھ وہ لازوال دولت میسر آ سکتی ہے؟!

وسوء المعرفة بكلما قسميه ينشأ من سببين:

أحدهما: أن لا يستطيع أن يعرف ربه حق معرفته، لتعالیه عن صفات البشر جداً، وتزهره عن
یسمة المخذئات والمحسوسات، وتذیرہ: أن لا یخاطبوا إلا بما تسغه أذهانهم.

والأصل فی ذلك: أنه ما من موجود أو معدوم، مُتَخَيَّرٍ أو مُجَرَّدٍ، إلا يتعلق علم الإنسان به:
إما بحضور صورته، أو بنحوٍ من التشبيه والمقايسة، حتى المَعْدُومُ المطلق والمجهول
المطلق، فَيَعْلَمُ العدم من جهة معرفة الوجود، وملاحظة عدم الانصاف به، وَيَعْلَمُ مفهوم
المشتق على صيغة المفعول، ويعلم مفهوم المطلق، فَيُجْمَعُ هذه الأشياء، وَيَضُمُّ بعضها إلى
بعض، فينتظم صورة تركيبية، هي بكشاف البسيط المقصود تصورہ، الذي لا وجود له في
الخارج ولا في الأذهان؛ كما أنه ربما يَتَوَجَّهُ إلى مفهوم نظري، فَيَعْمَدُ إلى ما يحسبه جنسا،
والإلى ما يحسبه فصلا، فيركبهما، فيحصل صورة مركبة، هي بكشاف المطلوب تصورہ،
فيخاطبوا - مثلاً - بأن الله تعالى موجود لا كوجودنا، وبأنه حي لا كحياتنا،

وبالجملة: فَيَعْمَدُ إلى صفاتٍ هو مورد المدح في الشاهد، ويلاحظ ثلاثة مفاهيم فيما
نشاهد: شيء في هذه الصفات، وقد صدرت منه آثارها، وشيء ليس فيه، وليس من شأنه،
وشيء ليس فيه، ومن شأنه أن تكون فيه، كالحی، والجماد، والميت، فَيُنْبَتُّ هذه بشيئ
آثارها، وَيُجَبَّرُ هذه التشبيه بأنه ليس كمثلنا.

والثاني: تمثل الصورة المحسوسة بزينتها، واللذات بحملها، واعتلاء القوى العلمية بالصور
الحسية، فينقاد قلبه لذلك، ولا يصفو للتوجه إلى الحق؛ وتذیرُ هذا: وباضات وأعمال يستعد بها

الإنسان للنجليات الشامخة، ولو في المعاد، واعتكافات، وإزالة للشاغل بقدر الإمكان، كما هتلك رسول الله صلى الله عليه وسلم القِرَامَ المصوّرَ، ونزع خميصه فيها أعلام، والله أعلم.

ترجمہ: اور بدعتیہ کی اس کی دونوں قسموں کے ساتھ دوسروں سے پیدا ہوتی ہے:

ان میں سے ایک: یہ ہے کہ آدمی اپنے رب کو پہچان نہ سکے جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے اس کے بشری صفات سے برتر ہونے کی وجہ سے اور حادث و محسوس چیزوں کی علامت سے پاک ہونے کی وجہ سے — اور اس کا علاج یہ ہے کہ لوگوں کو صرف وہی باتیں بتلائی جائیں جو ان کے اذہان میں سائیں۔

اور بنیادی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہر موجود یا معدوم، تمیز (مکانی) یا مجرد (غیر تمیز و غیر مکانی) کے ساتھ علم انسانی متعلق ہو سکتا ہے (یعنی ہر چیز کو جاننا جا سکتا ہے) یا تو اس کی صورت حاضر کرنے کے ذریعہ یا ایک طرح کی تشبیہ اور دوسرے پر قیاس کرنے کے ذریعہ، حتیٰ کہ معدوم مطلق (محض) اور مجہول مطلق (یعنی ہر طرح سے مجہول کو بھی جاننا جا سکتا ہے) پس غلہ (تدہونے) کو جاننا جائے وجود کو جاننے کی جہت سے، اور وجود کے ساتھ متصف نہ ہونے کو پیش نظر لانے کی جہت سے۔ اور مفعول کے وزن پر آنے والے اسم مشتق کا مفہوم سمجھا جائے۔ اور ”مطلق“ کا مطلب سمجھا جائے۔ پھر یہ چیزیں اکٹھا کی جائیں۔ اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے تو ایک مرکب صورت منظم ہوگی۔ یہ مرکب صورت اُس بیضا (معدوم مطلق اور مجہول مطلق) کے مفہوم کو کھولنے (سمجھنے) کا آلہ (ذریعہ) ہے، جس کا تصور مقصود ہے (یعنی جس کو ہم سمجھنا چاہتے ہیں) جس کا نہ خارج میں وجود ہے، نہ ذہنوں میں — جس طرح یہ بات ہے کہ آدمی کبھی ایک نظری مفہوم کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس وہ اس چیز کا قصد کرتا ہے جس کو وہ جنس گمان کرتا ہے۔ اور اس چیز کا قصد کرتا ہے، جس کو وہ فصل گمان کرتا ہے، پھر وہ دونوں کو جوڑتا ہے تو ایک مرکب صورت پیدا ہوتی ہے، جو اس چیز کو کھولنے کا آلہ ہے جس کا تصور (سمجھنا) مطلوب ہے پس لوگوں سے — مثال کے طور پر — کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں، مگر ہمارے موجود ہونے کی طرح نہیں۔ اور یہ کہا جائے کہ وہ زندہ ہیں مگر ہماری زندگی کی طرح نہیں۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی صفات کا قصد کیا جائے جو موجود میں مدح کے وار د ہونے کی جگہ ہیں (یعنی جس کی بناء پر موجود کی تعریف کی جاتی ہے) اور جو مخلوقات ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں ان کے تین مفہوم (مثالیں، مادے) پیش نظر لائے جائیں: ایک: وہ چیز جس میں یہ صفات ہیں اور اس مخلوق سے اس صفت کے آثار بھی ظاہر ہوتے ہیں اور دوسری: وہ چیز جس میں یہ صفات نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی شان میں سے یہ صفات ہیں۔ اور تیسری: وہ چیز جس میں یہ صفات (فی الحال) نہیں ہیں۔ اور اس کی شان سے یہ بات ہے کہ اس میں یہ صفات ہوں، جیسے زندہ، بے جان چیز اور مردہ — پس یہ صفات ثابت کی جائیں ان کے آثار کے ثبوت کے ذریعہ۔ اور اس تشبیہ کی تلافی کی جائے بایں طور کہ وہ ”ہمارے جیسے“ نہیں ہیں۔

اور بدعتیہ کی کا دوسرا سبب: محسوس صورتوں کا ان کی زیبائش کے ساتھ، اور لذتوں کا ان کی رعنائیوں کے ساتھ

مشکل ہونا ہے۔ اور قوی عالمیہ کا حسی صورتوں سے لہریز ہونا ہے۔ پس آدمی کا دل ان چیزوں کا مطمح ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے خالص نہیں رہتا۔ اور اس کا علاج ایسی ریاضتیں اور اعمال ہیں جن سے آدمی میں بلند تجلیات کی استعداد پیدا ہو، گو وہ آخرت میں ہو، اور گوشہ نشینیاں ہیں۔ اور حق الامکان مشغول کرنے والی چیزوں کا ازالہ ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے منقش پردے کو پھاڑ دیا تھا، اور وہ کبیل اتار دیا تھا جس میں پھول بوٹے تھے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

تَعَالٰی تَعَالٰی: بلند ہونا وَ سَمَہُ یَسْمُوہُ وَ سَمًا وَ سَمَہُ: داغ لگانا السَّمۃُ: ماؤسم بہ العیر من ضروب الصور (انسان) یہاں مطلق علامت کے معنی ہیں اَعْتَكَفَ فِی الْمَکَانِ: بند رہنا ... الْقَرَامِ: سرخ پردہ یا باریک کپڑا الْخَمِیصۃُ: کالا یا سرخ کپڑا جس میں پھول بوٹے ہوں (المعجم الوسیط) الْعَلَمُ: کپڑے کا نقش، جھنڈا قوم کا سردار جمع اَعْلَام

ترکیب:

مکشاف البیسط المقصود تصورہ إلخ میں تصورہ مرکب اضافی المقصود (اسم مفعول) کا نائب فاعل ہے، اور المقصود صفت ہے البیسطی اور الذی لا وجود إلخ دوسری صفت ہے فِیْخَاطَبُوا مَثَلًا إلخ کا معنوی تعلق اَنْ لَا یَخَاطَبُوا اِلَّا بِمَا اِلخ سے ہے، اس لئے تقریر میں یہ ٹکڑا وہاں لیا گیا ہے۔
تصحیح: حتی المعدوم المطلق اصل میں حتی العدم المطلق تھا۔ یہ تعحیف ہے اور صحیح مولا ناسدھی رحمہ اللہ نے کی ہے فجزاہ اللہ تعالیٰ خیراً

بفضلہ تعالیٰ آج ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۹۹ء بروز بدھ، محبت چہارم کی شرح

تمکیل پذیر ہوئی فالحمد لله على ذلك



پہلی قسم

قواعد کلیہ کے بیان میں

مبحث پنجم

نیکی اور گناہ کی بحث

مبحث پنجم

نیکی اور گناہ کی بحث

تمہید :

- | | |
|------------------------------------------|----------|
| توحید کا بیان | باب (۱) |
| شرک کی حقیقت کا بیان | باب (۲) |
| مظاہر شرک یعنی شرک کی صورتوں کا بیان | باب (۳) |
| صفات الہیہ پر ایمان لانے کا بیان | باب (۴) |
| تقدیر پر ایمان لانے کا بیان | باب (۵) |
| عبادت اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک حق ہے | باب (۶) |
| شعائر اللہ کی تعظیم کا بیان | باب (۷) |
| وضوء و غسل کے اسرار و رموز کا بیان | باب (۸) |
| نماز کے اسرار و رموز کا بیان | باب (۹) |
| زکوٰۃ کے اسرار کا بیان | باب (۱۰) |
| روزوں کی حکمتوں کا بیان | باب (۱۱) |
| حج کی حکمتوں کا بیان | باب (۱۲) |
| نیکی کے مختلف کاموں کی حکمتیں | باب (۱۳) |
| گناہوں کے مدارج | باب (۱۴) |
| گناہوں کے مفسد کا بیان | باب (۱۵) |
| وہ گناہ جو آدمی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں | باب (۱۶) |
| وہ گناہ جن کا لوگوں سے تعلق ہوتا ہے | باب (۱۷) |

بحث پنجم نیکی اور گناہ کی بحث

تمہید

نیکی اور گناہ کی حقیقت کا بیان

کتاب کے آغاز میں، مقدمہ کے آخر میں، جہاں فہرست مضامین دی گئی ہے، حضرت شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

”میں نے دیکھا کہ اسرار شریعت کی تفصیلات دو بنیادوں کی طرف لوتی ہیں: ایک نیکی اور گناہ کی بحث، دوسری سیاست مادیہ (مذہبی حکومت) کی بحث، پھر میں نے دیکھا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت کا سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ پہلے مجازات، ارتقا قات اور سعادت نوعیہ کی اسباب جان لی جائیں“

اب شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ جب بحث اول و دوم میں جزا و سزا کی اتنی لمبی، ہر طرح کی دلیلیں ذکر کی جائیں، پھر بحث سوم میں ارتقا قات یعنی تدبیرات نافذہ کو بیان کر دیا گیا، جو انسان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہیں، چنانچہ وہ انسانوں میں مسلسل چلی آ رہی ہیں، کبھی بھی انسانی معاشرہ ان سے خالی نہیں رہا، پھر بحث چہارم میں تحصیل سعادت کی راہ بیان کر دی گئی تو اب وقت آ گیا کہ ہم نیکی اور گناہ کی حقیقت بیان کریں۔

نیکی: چار قسم کے کام ہیں:

- ۱- وہ کام جو مولا علیؑ کی اطاعت کے تقاضے سے اور الہام الہی کو قبول کرنے اور مریضات خداوندی میں فنا ہونے کی وجہ سے انجام دئے جائیں یعنی کمال عبودیت و اطاعت کے تقاضے سے جو کام کئے جائیں وہ نیکی کے کام ہیں۔
- ۲- جن کاموں پر دنیا میں یا آخرت میں اچھا بدلہ ملے وہ نیکی کے کام ہیں۔
- ۳- جو کام ارتقا قات کو سنوارنے والے ہیں، جن پر انسانی معاشرہ کا مدار ہے، وہ نیکی کے کام ہیں۔
- ۴- جو کام اطاعت خداوندی کی حالت پیدا کریں اور تجاہات کو دور کریں تاکہ قرب و حضور میسر آئے وہ سب نیکی

کے کام ہیں۔

اور گناہ بھی چار طرح کے کام ہیں:

۱۔ جو کام شیطان کی اطاعت کے تقاضے سے اور اس کی مرضیات میں فتنہ ہونے کی وجہ سے کئے جائیں وہ گناہ کے

کام ہیں۔

۲۔ جن کاموں پر دنیا میں یا آخرت میں سزا ملے وہ گناہ کے کام ہیں۔

۳۔ ارتقا فاقات کو ریگاڑنے والے کام بھی گناہ کے کام ہیں۔

۴۔ جو کام خدا کی نافرمانی کی حالت پیدا کریں اور تجایات کو پھینتہ کریں وہ سب گناہ کے کام ہیں۔

سُنَّہِ بَرِّ کی تشکیل: جس طرح سمجھ دار لوگ آسائش کی زندگی بسر کرنے کے لئے مفید تدبیریں وجود میں لاتے ہیں، اور لوگ ان کو مفید سمجھ کر قبول کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ عام ہو جاتی ہیں، اسی طرح ”نیکی کے طریقے“ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو الہام فرماتے ہیں جو ملکوئی انوار سے بہرہ ور ہوتے ہیں، اور جن پر امور فطرت (طہارت، اخبات، ساحت اور عدالت) کا غلبہ ہوتا ہے یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وہ طریقے اس طرح الہام کئے جاتے ہیں، جس طرح مہال کے دل میں وہ باتیں ڈالی جاتی ہیں جن سے ان کا طریقہ زندگی سنورا ہے۔ انبیاء اُن طریقوں کو اپنالیتے ہیں، اور دوسروں کو ان کی دعوت و ترغیب دیتے ہیں۔ پس لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ نیکی کے وہ طریقہ عام ہو جاتے ہیں۔ اب تمام لوگ ان سُنَّہِ بَرِّ پر متفق ہیں، خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں، اور خواہ ان کا کوئی مذہب ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسی فطری مناسبت اور نوعی تقاضے کی وجہ ہی سے ہو سکتی ہے۔ خواہ خواہ یا اتفاقاً نہیں ہو سکتی، پس ثابت ہوا کہ ”سُنَّہِ بَرِّ“ فطری امور ہیں۔

سوال: برداشتم کا تصور تو تمام اقوام و ملکن میں پایا جاتا ہے، مگر ہر قوم میں اس کی شکلیں مختلف ہیں۔ مثلاً کوئی صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے اور اسی کو نیکی سمجھتا ہے اور کوئی شرک کا بھی روادار ہے اور اس کو بھی نیکی گردانتا ہے۔ پھر ”سُنَّہِ بَرِّ“ پر اباب ملل کا اتفاق کہاں رہا؟ اسی طرح سمجھ لوگ نیکی کے کاموں سے کوموں دور ہوتے ہیں، وہ زنا، چوری اور سود خوری جیسے اعمال بد اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں، پھر ”سُنَّہِ بَرِّ“ فطری امور کیسے ہوئے؟

جواب: نیکی کی شکلوں کا اختلاف مسخر نہیں یعنی اس سے اعتراض درست نہیں، کیونکہ اصول پر سب کا اتفاق ہے اور وہ کافی ہے، مثلاً بندگی کی ضرورت کے سبب قائل ہیں، اگرچہ اس کی صورتوں میں اختلاف ہے۔ اور جو لوگ سُنَّہِ بَرِّ سے روگردانی کرتے ہیں وہ انسانوں کا ناقص گروہ ہیں۔ اہل بصیرت ان کے احوال میں غور کریں گے تو ان کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ وہ خلاف فطرت طریقہ زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور انسانوں میں ان کی حیثیت اس زائد عضو کی سی ہے، جس کو کاٹ پھینکا، باقی رکھنے سے زیادہ بہتر ہے، پس ان کے اطوار سے اعتراض بھی درست نہیں۔

بار احسان: جس طرح سنن بر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے لوگوں کو نصیب ہوئی ہیں، ان کی اشاعت کی تدبیریں بھی انہیں حضرات نے بتلائی ہیں۔ پس ان کا دنیا جہاں کی گردنوں پر عظیم بار احسان ہے۔ (ان اسباب و تدبیرات کا بیان محبت سادس میں آئے گا)

آئندہ ابواب کے مضامین: اس بحث کے آئندہ ابواب میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:

① سنن بڑی بنیادی باتیں بیان کی گئی ہیں یعنی نیکی کے اہم کاموں کا تذکرہ کیا گیا ہے جیسے توحید (اللہ کو ایک ماننا) صفات پر ایمان، تقدیر پر ایمان وغیرہ نیکی کے تمام کاموں کو بیان نہیں کیا گیا، کیونکہ اس میں طول ہے۔ اور یہ اصول بروہ ہیں جن پر اقلیم ہائے صالحہ کی بڑی بڑی اقوام متفق ہیں۔ ان اقوام میں ایسے ایسے لوگ اٹھے ہیں جو اللہ والے، سلاطین اور صاحب الرائے دانشمند تھے، عرب و عجم، یہود و بنود، اور مجوس کبھی اقوام میں ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں اور وہ سب ان اصول پر متفق ہیں۔

② جب قوتِ بھیمہ، قوتِ ملکیہ کی مطیع ہو جاتی ہے تو نیکی کے کام کس طرح وجود میں آتے ہیں؟ اس کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

③ سنن بر کے بعض وہ فوائد بیان کئے گئے ہیں جو تجربہ سے معلوم ہوئے ہیں اور جنہیں عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔

المبحث الخامس: مبحث البر والإثم

مقدمة: فی بیان حقيقة البر والإثم

إذ قد ذكرنا لِمَيَّةَ المعجزة وإِنْسِيَّهَا، ثم ذكرنا الارتفاقات التي جُلَّ عليها البشر، فهي مستمرة فيهم، لا تنفك عنهم، ثم ذكرنا السعادة وطريق اكتسابها، حان أن نشتغل بتحقيق معنى البر والإثم. فالبر: كل عمل يفعله الإنسان قضية لانتقياده للملأ الأعلى، واضمحلاله في تلقى الإلهام من الله، وصير ورته فانيافي مراد الحق، وكلُّ عمل يُجازى عليه خيراً في الدنيا أو الآخرة، وكلُّ عمل يُصلح الارتفاقات التي بُنى عليها نظامُ الإنسان، وكلُّ عمل يفيد حالة الانتقياد، ويدفع الحُجْب. والإثم: كلُّ عمل يفعله الإنسان قضية لانتقياده للشيطان، وصير ورته فانيافي مراده، وكلُّ عمل يُجازى عليه شراً في الدنيا أو الآخرة، وكلُّ عمل يُفسد الارتفاقات، وكلُّ عمل يفيد هيئة مضادة للانتقياد، ويؤكِّد الحُجْب.

وكما أن الارتفاقات استبسطها أولو الخبرة، فافتدى بهم الناس بشهادة قلوبهم، واتفق عليها أهل الأرض، أو من يُعتدُّ به منهم، فكذلك للبر سننٌ، ألهمها الله تعالى في قلوب المؤيدين

بالنور المَلَكِي، الغالب عليهم خُلِقَ الفطرة، بمنزلة ما ألهم في قلوب النحل ما يصلح به معاشها، فجزوا عليها، وأخذوا بها، وأرشدوا إليها. وحثوا عليها، فاقتدى بهم الناس، واتفق عليها أهل الملل جميعها في أقطار الأرض، على تباعد بلدانهم، واختلاف أديانهم، بحكم مناسبة فطرية، واقتضاء نوعي.

ولا يضّر ذلك اختلاف صور تلك السنن بعد الاتفاق على أصولها، ولا صدود طائفة مُخَدَّجَةٍ، لو تأمل فيهم أصحاب البصائر، لم يشكوا أن مادتهم عصت الصور النوعية، ولم تمكن لأحكامها، وهم في الإنسان كالعضو الزائد من الجسد، زواله أجمل له من بقاءه. ولشيوع هذه السنن أسباب جلية، وتدبيرات محكمة، أحكمها المؤيدون بالوحي، صلوات الله عليهم، فاثبتوا لهم منّا عظيمة في رقاب الناس.

ونحن نريد أن تنبهك على أصول هذه السنن، مما أجمع عليه جمهور أهل الأقاليم الصالحة، من الأمم العظيمة التي يجمع كل واحد أقواماً من المثاليين، والملوك، والحكام ذوي الرأي الشاف، من عربهم، وعجمهم، ويهودهم، ومجوسهم، وهنودهم؛ وتشرح كيفية توليدها من انقياد البهيمية للقوة الملكية، وبعض فوائدها، حسبما جربنا على أنفسنا غير مرة، وأدى إليه العقل السليم. والله أعلم.

ترجمہ: بحث پنجم: نیکی اور گناہ کی بحث۔ تمہید: نیکی اور گناہ کی حقیقت کا بیان: جب ہم محازات کے لسانی اور انسی دلائل بیان کر چکے، پھر ہم نے وہ مفید تدبیریں بیان کیں، جن پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں، پس وہ انسانوں میں مسلسل چلی آ رہی ہیں، وہ ان سے جدا نہیں ہوتیں پھر ہم نے نیک بخقی اور اس کو حاصل کرنے کی راہ ذکر کر دی تو اب وقت آ گیا کہ ہم نیکی اور گناہ کے معنی کی تحقیق میں مشغول ہوں۔

پس نیکی ہر وہ عمل ہے جس کو انسان کرتا ہے ملاً اعلیٰ کی اطاعت کے اقتضاء سے، اور اس کے پاس پاش ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے البام حاصل کرنے میں، اور اس کے ثما ہونے کی وجہ سے مرئیات خداوندی میں — اور ہر وہ عمل ہے جس پر دنیا میں یا آخرت میں اچھا بدلہ دیا جاتا ہے — اور ہر وہ عمل ہے جو ان ارتقا قات کو ستوارتا ہے جن پر نظام انسانی کا مدار ہے — اور ہر وہ عمل ہے جس سے تابعداری کی حالت پیدا ہوتی ہے اور حجابات دور ہوتے ہیں۔

اور گناہ ہر وہ عمل ہے جس کو انسان کرتا ہے شیطان کی اطاعت کے اقتضاء سے، اور اس کے شیطان کی مرادوں میں فنا ہونے کی وجہ سے — اور ہر وہ عمل ہے جس پر دنیا میں یا آخرت میں برابہ دیا جاتا ہے — اور ہر وہ عمل ہے جو ارتقا قات کو بگاڑتا ہے — اور ہر وہ عمل ہے جس سے تابعداری کے برخلاف حالت پیدا ہوتی ہے اور جو حجابات کو پختہ کرتا ہے۔

اور جس طرح یہ بات ہے کہ کچھ دار لوگوں نے ”مفید تدبیریں“ نکالی ہیں، پس دل کی گواہی سے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے، اور ان پر زمین کے تمام باشندوں نے، یا ان میں سے قابل لحاظ لوگوں نے اتفاق کر لیا ہے، پس اسی طرح نیکی کے لئے بھی ”طریقے“ ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں الہام فرمائے ہیں جو ملوکوتی انوار سے تائید یافتہ ہیں۔ اور جن پر فطرت کی باتیں چھنائی ہوئی ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کے دلوں میں وہ باتیں ڈالی ہیں جن سے ان کا طریقہ زندگی سنورتا ہے۔ پس وہ ”مذہب“ حضرات ان سنسن پر چلے، اور انھوں نے ان طریقوں کو پکڑا اور انھوں نے (لوگوں) کو ان طریقوں کی راہ دکھائی اور ان پر ابھارا، پس لوگوں نے ان کی پیروی کی، اور ان پر تمام اہل مسئلہ نے اتفاق کیا، چار دانگ عالم میں، ان کے علاقوں کے دور دراز ہونے اور ان کے مذاہب کے مختلف ہونے کے باوجود ایک فطری مناسبت اور نوعی اختتام کی وجہ سے۔

اور ضرر نہیں پہنچاتا اس (دعویٰ) کو ان سنسن برکی شکلوں کا عکس ہونا، ان کی بنیادی باتوں پر اتفاق کرنے کے بعد، اور نہ اس ”ناقص گروہ“ کا باز رہنا، جن میں اگر اہل بصیرت غور کریں گے تو ان کو ذرا شک نہیں رہے گا کہ ان کے مادہ نے صورت نوعیہ کی نافرمانی کی ہے اور ان کے مادہ نے صورت نوعیہ کے احکام کو (دوبل آنے کا) موقع ہی نہیں دیا ہے۔ اور وہ لوگ جسم انسانی میں اس زائد عضو کی طرح ہیں جس کا ختم ہو جانا، اس کے باقی رہنے سے انسان کے لئے زیادہ خوبصورتی کی بات ہے۔

اور ان طریقوں کے پھیلنے کے لئے بڑے اسباب اور مضبوط تدبیریں ہیں، جن کو ان حضرات نے پختہ کیا ہے جو وحی کے ساتھ متوید ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں نازل ہوں! پس انھوں نے اپنے لئے لوگوں کی گردنوں پر بڑے احسانات ثابت کئے ہیں۔

اور ہم آپ کو ان طریقوں کی بنیادی باتوں سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں، جو ان باتوں میں سے ہیں جن پر قابل رہائش علاقوں کے باشندوں میں سے جمہور نے اتفاق کیا ہے۔ جو ان بڑی امتوں میں سے ہیں، جن میں سے ہر امت اللہ والوں، بادشاہوں اور درست رائے رکھنے والے دانشمندوں کی گروہوں کو جمع کرتی ہے، جو عرب و عجم، یہود و مجوس اور ہندوؤں میں سے ہیں۔ اور ہم ان طریقوں کے پیدا ہونے کی کیفیت کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ بحیثیت کی تابعداری کرنے سے قوت ملکیتی کی۔ اور ہم ان طریقوں کے بعض فوائد کی تشریح کرنا چاہتے ہیں، جس طرح ہم نے ان کا بذات خود بار بار تجرّبہ کیا ہے اور جس تک عقل سلیم پہنچاتی ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

الاضمحلال: کھل جانا، پاش پاش ہونا، فنا ہونا، نیست و نابود ہونا۔ تاکلف: باخدا ہونا، اللہ والا ہونا

المناهلون: ہم علماء الحکمة الإلهیة (سورخ کرنے والی رائے یعنی روشن رائے جو زیر غور مسئلہ میں سورخ کروے یعنی حل کر دے)

تشریح:

(۱) کسی حکم کو اس کی علت واقعہ سے ثابت کرنا دلیل الٰہی ہے اور کسی علامت سے ثابت کرنا دلیل انی ہے، جیسے آگ دھواں کی علت ہے اور دھواں علامت ہے آگ کی، پس اگر کسی نے بھٹی میں آگ جلتی دیکھی جس کا دھواں چینی کے ذریعہ اوپر نکل رہا ہے اور اس نے وہ دھواں نہیں دیکھا ہے اور کہا کہ آگ موجود ہے اور جب آگ موجود ہے تو دھواں بھی موجود ہوگا، پس دھواں موجود ہے تو یہ دلیل الٰہی ہے۔ اور اگر کسی نے صرف چینی سے دھواں نکلتے دیکھا اور آگ نہیں دیکھی اور کہا کہ ”دھواں موجود ہے اور جب دھواں موجود ہے تو آگ بھی موجود ہوگی، پس آگ موجود ہے“ یہ دلیل انی ہے۔ دلیل الٰہی کو تعلیل اور دلیل انی کو استدلال کہتے ہیں اور تعلیل، استدلال سے قوی ہوتی ہے کیونکہ علت سے معلول مختلف نہیں ہو سکتا۔ اور علامت کی یہ شان نہیں، اور شاہ صاحب کا مقصود یہ ہے کہ بحث اول میں مجازات کو ہر قسم کے دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے لمبیہ المجازاة یعنی مجازات کی علت اور ائبہ المجازاة یعنی مجازات کی علامت یعنی علت و علامت دونوں طریقوں سے مجازات کو ثابت کیا جا چکا ہے۔

(۲) قولہ: بحکم مناسبة فطرية أى بسبب مناسبة البر لقطرة الإنسان، وبسبب اقتضاء النوع

للبر (سندی)

(۳) قولہ: حَسْبُنَا جَرِينَا أَيْ نَشْرَحُ بَعْدَ تَجَرِبَةٍ، لَا بَسْمَعُ وَلَا تَحْمِينُ.

باب — ۱

توحید کا بیان

نیکی کے کاموں میں اصل الاصول اور بہترین نیکی توحید (ایک خدا پر ایمان لانا) ہے اور توحید کی اہمیت چار وجوہ

سے ہے:

پہلی وجہ: نیک بختی حاصل کرنے کے لئے جو چار صفات ضروری ہیں (دیکھئے بحث چہارم کا باب چہارم) ان میں سب سے اہم صفت اخبات (بارگاہ خداوندی میں نیاز مندی) ہے۔ اور اس صفت کا حصول کا حید پر موقوف ہے، کیونکہ چند خداؤں کا پرستار شدہ رہتا ہے، وہ کسی کا بھی نہیں ہوتا۔ سورۃ الزمر آیت ۲۹ میں موصوہ شرک کی مثال بیان کی گئی ہے کہ ایک غلام وہ ہے جس میں کئی سا بھی ہیں، جن میں خدا ضدی بھی ہے اور دوسرا غلام پورا کا پورا ایک ہی شخص کا ہے،

تو کیا ان دونوں غلاموں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے؟ یعنی مشرک ہمیشہ ڈانوا ڈول رہتا ہے، کبھی غیر اللہ کی طرف دوڑتا ہے، کبھی خدا کی طرف، پھر غیر اللہ میں سے بھی کسی ایک پر وہ مطمئن نہیں ہوتا، کبھی کسی کی طرف رجوع کرتا ہے کبھی کسی کی طرف، ایسی صورت میں کسی ایک کے ساتھ کمالِ نیاز مندی کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ اخبات و نیاز مندی تو خالص تو حید ہی سے پیدا ہو سکتی ہے پس اب قیاس کی صورت یہ بنے گی کہ: "سعادتِ حقیقہ کا حصول اخبات پر موقوف ہے، اور اخبات کی تحصیل تو حید پر موقوف ہے پس نیکِ بنتی اور سعادتِ مندی تو حید پر موقوف ہوگی۔"

دوسری وجہ: نیکِ بنتی کی تحصیل جن صفاتِ اربعہ پر موقوف ہے، ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی دہ تدبیریں ہیں: ایک علمی دوسری عملی، اور دونوں میں مفید تعلیمی تدبیر ہے۔ اور اس کی بنیاد اور اس کا مدار تو حید اور صفاتِ باری تعالیٰ کی صحیح معرفت پر ہے (تفصیل کے لئے بحثِ چہارم، بابِ پنجم ملاحظہ فرمائیں) اور سعادت کی تحصیل انسان کی غایتِ قصویٰ (سب سے بڑا مقصد) ہے پس اس کے موقوف علیہ یعنی تو حید کا بھی یہی درجہ ہوگا۔

تیسری وجہ: تو حید یعنی ایک خدا پر ایمان لانے سے انسان کی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے۔ اور عمدہ طریقہ پر اللہ کے ساتھ وصل کی نفس کے اندر استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جو ایک خدا پر ایمان نہیں رکھتا، بلکہ درپردہ بھگتا ہے، وہ کہیں کا بھی نہیں رہتا۔ سورہ لقمان آیت ۲۲ میں ہے کہ: "جو شخص اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو، تو اس نے بڑا ہی مضبوط حلقہ (کڑا) تنہا لیا" اور وہ ہلاکت و خسران سے محفوظ ہو گیا۔ اب وہ توجہ تام کی وجہ سے لمحہ بہ لمحہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا رہے گا، تا آنکہ اس کو وصالِ میسر آ جائے گا۔

چوتھی وجہ: احادیثِ شریفہ میں تو حید کی اہمیت اور عظمت مرتبہ پر تنبیہ دار دہوئی ہے اور اس کو تمام انواعِ بر (نیکی کے کاموں) میں "دل" کی حیثیت دی گئی ہے یعنی جس طرح جسم کے صلاح و فساد کا مدار دل پر ہے، وہ سنو رہا ہے تو تمام اعضاء سنو جاتے ہیں اور وہ بگڑتا ہے تو تمام اعضاء کے اعمال غلط ہو جاتے ہیں، اسی طرح نیکی کے کاموں کی قبولیت و عدم قبولیت کا مدار تو حید پر ہے۔ اگر ایمان درست ہے تو ہر نیکی مقبول ہے۔ اور ایمان میں کھوٹ ہے تو ہر نیکی ضائع ہے۔

اور تو حید کا یہ مقام و مرتبہ روایات سے اس طرح ثابت ہے کہ احادیث میں بلا شرط، عموم و اطلاق کے ساتھ یہ بات آئی ہے کہ: "جس کی موت اس حالت میں ہو کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا" (مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۳۸۱۲) اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ: "دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے" (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۳۲۵۵) اور مسلم شریف ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ: "وہ شخص جنت سے روکا نہیں جائے گا" (مسلم شریف ۲۲۶۱: ۱ صریح) احادیث میں اس قسم کی اور بھی تعبیرات آئی ہیں۔ مثلاً شقی علیہ حدیث میں ہے کہ ادخلہ اللہ المجلۃ، علی ماکان من العمل (اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے، خواہ اس نے کچھ بھی عمل کیا ہو) (مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۲۷)

اور مسلم شریف میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”جو شخص مجھ سے زمین کے برابر گناہ لے کر ملے اور اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، تو میں اس سے اسی کے بقدر مغفرت کے ساتھ ملوں گا“ (جامع الاصول ۱۰: ۳۴۰)

﴿باب التوحيد﴾

أَصْلُ أَصُولِ الْبَرِّ، وَعَمْدَةُ أَنْوَاعِهِ: هُوَ التَّوْحِيدُ: وَذَلِكَ: لِأَنَّهُ يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الْإِخْبَاتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ، الَّذِي هُوَ أَعْظَمُ الْأَخْلَاقِ الْكَاسِبَةِ لِلْسَعَادَةِ، وَهُوَ أَصْلُ التَّدْبِيرِ الْعِلْمِيِّ الَّذِي هُوَ أَفِيدُ التَّدْبِيرِينَ، وَبِهِ يَحْصُلُ لِلْإِنْسَانِ التَّوَجُّهُ النَّامُ تَلَقُّاءُ الْغَيْبِ، وَتَسْتَعِدُّ نَفْسُهُ لِلْحُقُوقِ بِهِ بِالْوَجْهِ الْمَقْدُوسِ، وَقَدْ نَبِهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَظَمِ أَمْرِهِ، وَكَوْنِهِ مِنْ أَنْوَاعِ الْبَرِّ بِمَنْزِلَةِ الْقَلْبِ: إِذَا صَلَحَ صَلَحَ الْجَمِيعُ، وَإِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَمِيعُ، حَيْثُ أَطْلُقُ الْقَوْلَ فِيمَنْ مَاتَ لَا يَشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا: ﴿أَنَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ﴾ أَوْ ﴿حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ﴾ أَوْ ﴿لَا يُحِبُّ مِنَ الْجَنَّةِ﴾ وَنَحْوُ ذَلِكَ مِنَ الْعِبَارَاتِ، وَحَكَى عَنْ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَمَنْ لَفِئَتِي بِقَرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةً لَا يَشْرِكُ بِي شَيْئًا، لَفِئَتِهِ بِمِثْلِهِ مَغْفِرَةٌ﴾

ترجمہ: نیکی کے کاموں میں اصل الاصول اور اس کی انواع (اقسام) میں سب سے عمدہ یعنی سب کی بنیاد: توحید ہے۔ اور یہ بات اس لئے ہے کہ رب العالمین کے حضور میں اخبات (انکساری) تو حید پر موقوف ہے۔ اور اخبات وہ صفت ہے جو سعادت کو حاصل کرنے والے اخلاق میں سب سے بڑی (اہم) صفت ہے۔ اور توحید تدبیر علمی کی بنیاد ہے، جو دونوں تدبیروں میں مفید ترین تدبیر ہے۔ اور توحید کی وجہ سے انسان کو غیب (اللہ تعالیٰ) کی طرف توجہ تام حاصل ہوتی ہے اور نہایت عمدہ طریقہ پر غیب کے ساتھ ملنے کی نفس کے اندر استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے توحید کی جلالت شان پر اور اس کے انواع پر میں بمنزلہ دل ہونے پر تعبیر فرمائی ہے، جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو سب ٹھیک ہوتے ہیں اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سب بگڑ جاتے ہیں اس طرح کہ آپ نے بے قید (تعمیم کے ساتھ) اس شخص کے بارے میں جس کی موت اس حال میں آئی ہو کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، ارشاد فرمایا ہے کہ: ”وہ جنت میں جائے گا“ یا ”دوزخ پر اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کر دیا ہے“ یا ”وہ جنت سے نہیں روکا جائے گا“ اور اس قسم کی (دیگر) تعبیرات۔ اور آپ ﷺ نے اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ: ”جو شخص مجھ سے ملے زمین کے برابر خطاؤں کے ساتھ، دراصل ایک اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو، تو میں اس سے اسی کے بقدر مغفرت کے ساتھ ملوں گا“

لغات: بالوجه المقدس ای بالوجه الاحسن (سندی) — قراب الشئ: قاف کے کمرہ اور ضمہ کے

ساتھ) : اندازے میں برابر۔

توحید کے چار مرتبے

جاننا چاہئے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں:

پہلا مرتبہ: توحید ذات کا ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود ماننا، کسی اور کو اس صفت کے ساتھ متصف نہ ماننا۔ واجب: وہ ہستی ہے جس کا عدم (نہ ہونا) ممکن ہو یعنی اس کا وجود (ہونا) ضروری ہو۔ وجوب، واجب یا واجب کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں ثابت ہونا، لازم ہونا۔ اور واجب (اسم فاعل) بمعنی ثابت ہے۔ اور واجب الوجود کے معنی ہیں ثابت الوجود اور لازم الوجود — پھر واجب کی دو قسمیں ہیں: واجب لذات اور واجب لغیر۔

۱- واجب لذات: وہ ہستی ہے جس کا وجود ذاتی ہو یعنی خاندہ زاد ہو، وہ اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہ ہو۔ ایسی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور کوئی ہستی واجب لذات نہیں ہے۔

۲- واجب لغیر: وہ ہستی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجود ملا ہو، مگر وہ کبھی عدم نہ ہو، جیسے عقول عشرہ فلاسفہ کے خیال کے مطابق واجب لغیر ہیں، مگر اسلامی تعلیمات کی رو سے کوئی چیز واجب لغیر نہیں ہے۔ دوسرا مرتبہ: توحید خلق کا ہے یعنی عرش، آسمان، زمین اور دیگر تمام جواہر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ کو خالق ماننا۔ دنیا میں جو بھی چیز موجود ہے وہ یا تو جوہر ہوگی یا عرض:

جوہر: وہ ممکن ہے جو محل کے بغیر موجود ہو سکے یعنی وہ کسی ایسے محل کا محتاج نہ ہو جو اس کو موجود کرے، جیسے کپڑا، کتاب، قلم وغیرہ بے شمار چیزیں جو اہر ہیں۔

عرض: وہ ممکن ہے جو کسی محل میں پایا جائے یعنی وہ پائے جانے میں، باقی رہنے میں اور ممکن ہونے میں کسی ایسے محل کا محتاج ہو جو اس کو سہارا دے، جیسے مقدار، زمانہ، اعداد، کیفیات، ألوان، احوال، صفات، ملکات اور افعال عباد وغیرہ۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تمام اقوام جواہر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ کو مانتی ہیں اور شاہ صاحب نے اسی کو توحید کا دوسرا مرتبہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ آگے اس کو متفق علیہ بتلایا ہے۔ اور اعراض کا خالق گمراہ اقوام غیر اللہ کو بھی مانتی ہیں مثلاً شفا دینا، بیمار کرنا، فقر سے بہکنا کرنا وغیرہ کا خالق مشرکین دیوتاؤں اور اولیاء کو بھی مانتے ہیں اور معتزلہ تو افعال عباد کا خالق خود بندوں کو مانتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ توحید کے ان دونوں مرتبوں سے آسمانی کتابوں میں بحث نہیں کی گئی۔ کیونکہ ان میں کسی کا اختلاف نہیں تھا۔ عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ جو قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے، توحید کی ان دونوں قسموں کے قائل تھے۔ بلکہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق توحید کے یہ دونوں مرتبے مقدمات مسلمہ میں سے

تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے ان دونوں مرتبوں کو ”مسلمہ باتوں“ کی طرح ذکر فرمایا ہے ان پر دلائل قائم نہیں کئے۔ تیسرا مرتبہ: توحید تدبیر کا ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا نظم و انتظام صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہی کائنات کے مدبر و منتظم ہیں، ان کے ساتھ کائنات کے نظم و انتظام میں کوئی شریک نہیں ہے۔ وہی پروردگار و پالنے والا ہیں۔ اس مرتبہ کا دوسرا نام توحید ربوبیت ہے۔ چوتھا مرتبہ: توحید الوہیت کا ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہیں۔ ہدگی اور عبادت انہیں کا حق ہے۔ ان کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

توحید کے یہ دونوں آخری مرتبے باہم مربوط اور لازم و ملزوم ہیں یعنی تدبیر اور عبادت کے درمیان فطری ارتباط اور عادی تلازم ہے، اس لئے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکے، جو مدبر و منتظم اور پروردگار و پالنے والا ہوگا وہی عبادت کا حق دار ہوگا۔ اور عبادت اسی کا حق ہے جو کائنات کا نظم و انتظام اور پروردگاری کرتا ہے۔

نوٹ: توحید کے ان آخری دو مرتبوں میں اختلاف ہے جو آگے آ رہا ہے۔

واعلم أن للتوحيد أربع مراتب:

إحداها: حضور وجوب الوجود فيه تعالى، فلا يكون غيره واجبا.

والثانية: حصر خلق العرش، والسموات والأرض، وسائر الجواهر فيه تعالى — وهاتان المرتبتان لم تَحْبِ الكُتُبُ الإلهية عنهما، ولم يُخالف فيهما مشركو العرب، ولا اليهود ولا النصارى، بل القرآن العظيم ناصٌّ على أنهما من المقدمات المسلَّمة عندهم.

والثالثة: حصر تدبير السماوات والأرض وما بينهما فيه تعالى

والرابعة: أنه لا يستحق غيره العبادة — وهما متشابكتان متلازمتان لربط طبيعي بينهما.

ترجمہ: اور جانتا چاہئے کہ توحید کے چار درجے ہیں:

اول: وجود (ہونے) کے ضروری ہونے کو اللہ تعالیٰ میں منحصر کرنا، پس ان کے علاوہ کوئی واجب نہ ہوگا۔

دوم: عرش، آسمان، زمین اور دیگر جواہر کے پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ میں منحصر کرنا — اور ان دو مرتبوں سے کتب الہیہ نے بحث نہیں کی۔ اور ان میں نہ عرب کے مشرکوں نے اختلاف کیا ہے، نہ یہود نے، اور نہ نصاریٰ نے۔ بلکہ قرآن عظیم تصریح کرتا ہے کہ توحید کے یہ دونوں مرتبے ان لوگوں کے نزدیک ”مسلم باتوں“ میں سے تھے۔

سوم: آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اس کے نظم و انتظام کو اللہ تعالیٰ میں منحصر کرنا۔

چہارم: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں — اور یہ دونوں مرتبے باہم گھٹے ہوئے اور لازم

و ملزم ہیں، ان دونوں کے درمیان کسی فطری ارتباط کی وجہ سے۔

لغات: ناص (اسم فاعل) نص (ن) نصا الشی: نمایاں کرنا، بلند کرنا۔ نص علیہ صراحت کرنا..... قسبا بکث
الأمور: باہم غلط ہونا۔ تلافی الشیاء: ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہونا، دو چیزوں کا باہم لازم و ملزوم ہونا۔
تشریح: قولہ: لربط الخ ای بین التدبیر والعبادة ارتباط فطری و تلازم عادی، لاینفک أحدهما
عن الآخر (سندی)

توحید تہمیر اور توحید الوہیت میں اختلاف

توحید کے آخری دو مرتبوں میں یعنی توحید تہمیر اور توحید الوہیت (معبودیت) میں مختلف جماعتوں نے اختلاف کیا ہے۔ ان کے بڑے گروہ تین ہیں:

پہلا گروہ: ستارہ پرستوں کا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ستارے پرستش کا استحقاق رکھتے ہیں، اور امور دنیا میں ان کی عبادت مفید ہے، اور ان کے سامنے حاجتیں پیش کرنا برحق ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ روزمرہ کے واقعات میں، سعادت و شقاوت میں اور تندرستی اور بیماری میں ستاروں کی واضح تاثیرات ہیں، ان کے خیال میں ستارے جاندار مخلوقات ہیں۔ ان کی مادے سے مجرور ارواح ہیں یعنی وہ روحانی مخلوقات ہیں اور سمجھ بوجھ رکھتی ہیں اور وہی ارواح ستاروں کی حرکت کا باعث ہیں، جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں ان کے احوال سے وہ باخبر رہتی ہیں، کبھی غافل نہیں ہوتیں۔ اس قسم کے دوسروں کی وجہ سے انھوں نے ستاروں کے ہیکل (مجسمے) بنائے اور ان کی پوجا شروع کر دی۔ مثلاً ہندوستان کے ستارہ پرستوں نے سورج کا ہیکل (مجسمہ) ایسی صورت بنائی ہے جس کے ہاتھ میں سرخ ہیرا ہے اور چاند کا ہیکل ایک پتھر بنایا ہے جسے چار آدی کھینچتے ہیں اور مورتی کے ہاتھ میں ہیرا ہے (ملل و نخل شہرستانی ۲: ۲۵۸)

وقد اختلف فیہما طوائف من الناس، مُعْظَمُهُمْ ثَلَاثٌ فِرَقٍ:

[۱] النُّجُومُونَ: ذہبوا إلی أن النجوم تستحق العبادۃ، وأن عبادتہا تنفع فی الدنیا، ورفع الحاجات إلیہا حقاً، قالوا: قد تحققت أن لها أثراً عظیماً فی الحوادث الیومیۃ، وسعادة المرء وشقاوته، وصحبه وسقمه، وأن لها نفوساً مجردة عاقلة تبعثها علی الحركة، ولا تغفل عن عبادها، فبنوا هیاکل علی أسمائها، وغذوها.

ترجمہ: اور ان دو مرتبوں میں مختلف لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور ان کے بڑے فرقے تین ہیں:

(۱) ستارہ پرست ہیں۔ وہ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ستارے پرستش کے مستحق ہیں اور (اس طرف گئے ہیں) کہ ان کی عبادت دنیا میں مفید ہے اور ان کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنا برحق ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ ہمیں تحقیق

سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ان ستاروں کی بڑی تاثیر ہے روزمرہ کے واقعات میں، آدمی کی نیک بختی اور بد بختی میں اور اس کی تندرستی اور بیماری میں اور یہ بات بھی تحقیق ہوگئی ہے کہ ستاروں کے لئے ایسے نفوس (ارواح) ہیں جو غیر مادی اور سمجھ بوجھ رکھنے والے ہیں، جو ان کو حرکت کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی پرستش کرنے والوں کی طرف سے خافل نہیں ہوتے۔ پس ان لوگوں نے ان ستاروں کے نام پر بیکل (مجسمے) بنائے اور ان کی پوجا کرنے لگے۔

لغات: تَحَقُّقُ الرَّجُلُ الْأَمْرَ: یقین کرنا، دلیل سے جاننا۔... الْهَيْكَلُ جَمْعُ هَيْكَلٍ: مجسمہ، پیکر۔ قَوْلُهُ: نَفُوسًا مَّجْرَدَةً أَيْ عَنِ الْمَادَّةِ أَوْ عَنِ الْأَلْوَانِ الْبَهِيمَةِ، قَالَ الْعَلَامَةُ السَّنْدِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَيْسَ لَهَا نَفُوسٌ وَلَا أَرْوَاحٌ، بَلْ هِيَ جَمَادَاتٌ وَأَمَّا حَرَكَةُ النُّجُومِ وَغَيْرُهَا مِنَ الْأَجْرَامِ السَّمَاوِيَةِ فَيُبْدِي الْمَلَائِكَةُ الْمُؤَكَّلَةَ عَلَيْهَا ۝



دوسرا گروہ: مشرکین یعنی مورتی پوجنے والوں کا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی طرح بڑی بڑی چیزوں کا منتظم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور کسی بھی معاملہ میں قطعی فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ وہ لوگ ان دنوں باتوں میں مسلمانوں کے ہموار ہیں۔ مگر دیگر امور میں وہ مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ وہ تین باتیں کہتے ہیں۔

پہلی بات: مشرکین کہتے ہیں کہ جو نیک، بندے ہم سے پہلے گزرے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوب بندگی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب خاص حاصل کر لیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو خلعت الوہیت سے سرفراز کر دیا ہے اور وہ دیگر مخلوقات کی بندگی کے حق دار ہو گئے ہیں، جیسے کوئی غلام بادشاہ کی شاندار خدمت کرتا ہے تو بادشاہ خوش ہو کر اس کو ”شاہی پوشاک“ عطا کرتا ہے اور اپنی مملکت کے کچھ حصہ کا نظم و نسق اس کو سونپ دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اس علاقہ کے لوگوں کی طرف سے مع و طاعت (بات سننے اور حکم ماننے) کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء کو بعض بعض امور کا اختیار دیا ہے اس لئے ان کی بندگی ضروری ہے۔

مشرکین کی یہ بات محض بے دلیل ایک دعویٰ ہے۔ گو کہ یہ بات صحیح ہے کہ نیک لوگوں نے خدا کی خوب بندگی کر کے قرب خاص حاصل کر لیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر ان کو خلعت الوہیت پہنایا ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں، اور بادشاہ اور غلام کی تمثیل سے یہ بات ثابت کرنا غائب کو شاہد پر قیاس کرنا ہے جو کسی طرح درست نہیں قرآن کریم میں ان کا یہ دعویٰ یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ حکومت اور ملک صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، سورۃ الانعام آیت ۵۶ و ۵۷ میں ارشاد پاک ہے:

”آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس بات کی ممانعت کی گئی ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع نہ کروں گا (مشرکین کا یہ خیال وہی ہے جو اوپر

مذکور ہوا) کیونکہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا، اور راہ راست پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو میرے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل ہے مگر تم اس کی تکذیب کرتے ہو (سو) جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو (یعنی انکار پر عذاب لے آنا) وہ میرے پاس نہیں (یعنی میرے اختیار میں نہیں، اور وہ واضح دلیل یہ ہے کہ) حکم کسی کا نہیں، بجز اللہ تعالیٰ کے ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔

اور سورۃ الکہف آیت ۲۶ میں ارشاد ہے:

”آپؐ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کے عمار میں ٹھہرنے کی مدت کو زیادہ جانتا ہے، تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب اسی کو ہے، وہ کیسا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیسا کچھ سننے والا ہے۔ ان لوگوں کا خدا کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں، اور وہ اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا ﴿وَلَا يَشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ اور سورۃ الفاطر آیت ۱۳ میں ہے کہ:

”وہ رات کو دن میں داخل کرو دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اس نے سورج کو اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے، یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے، اسی کے لئے سلطنت ہے ﴿لَهُ الْمُلْكُ﴾ اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو سمجھو کی گتھلی کے چٹکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔“

یہی استدلال سورۃ الزمر آیت ۶ میں بھی ہے۔ پس جب حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور وہ اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتے اور ملک اور سلطنت بھی انہی کی ہے تو اب یہ دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقرب بندوں کو خلعت الوہیت سے سرفراز کیا ہے اور ان کو بعض امور کا اختیار دے دیا ہے؟

دوسری بات: مشرکین کا یہ بھی استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ تو غایت درجہ برتر و بالا ہیں، ہر شخص کی براہ راست ان تک پہنچ کہاں؟ درمیان میں واسطہ ضروری ہے جو ہم کو اللہ سے قریب کرے۔ یہ دسائے اولیائے کرام اور ان کے پیکر ہائے محسوس اصنام ہیں، ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں ﴿مَنْعَبُدْهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (زمزم ۳) مشرکین کے خیال میں اللہ کی بندگی اس وقت تک مقبول نہیں، جب تک کہ اس کے ساتھ اولیاء کی پرستش شامل نہ کی جائے اس لئے ان کے نزدیک صرف اللہ کی عبادت کافی نہیں، بلکہ ساتھ میں اولیاء کی اور اصنام کی پرستش بھی ضروری ہے۔

مشرکین کا یہ استدلال بھی باطل ہے، گو کہ یہ بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ غایت درجہ برتر و بالا ہیں، مگر ساتھ ہی وہ بندوں سے غایت درجہ قریب بھی ہیں۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶ میں ہے:

”اور جب میرے بندے آپؐ سے میرے متعلق دریافت کریں، تو (آپؐ میری طرف سے بتا دیجئے کہ) میں قریب ہی

ہوں، درخواست کرنے والے کی مرضی کو منظور کر لیتا ہوں جب وہ میرے حضور درخواست کرتا ہے۔ سو لوگوں کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کریں، اور مجھ پر یقین رکھیں شاید وہ لوگ رشد و فلاح حاصل کر سکیں“ اور سورہ ق آیت ۱۶ میں ہے:

”اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں، ہم اس کو جانتے ہیں اور ہم انسان سے اس کی شرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں“

اور بھلا کیوں قریب نہ ہوں؟ جو خالق و مالک ہیں وہ اپنی مخلوق کے احوال سے بے خبر کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ اور جب وہ قریب ہیں اور بندوں کی عرضیاں براہ راست سنتے ہیں تو پھر درمیان میں وساطت گروان کر دوری پیدا کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟!

تیسری بات: مشرکین کا ایک استدلال یہ ہے کہ اولیاء مرنے کے بعد سنتے، دیکھتے ہیں، وہ اپنے پرستاروں کی سفارش، ان کے کاموں کا نظم و نسق اور ان کی مدد کرتے ہیں، اس لئے ان کی بندگی ضروری ہے تاکہ وہ راضی رہیں، مگر چونکہ مجردات (روحانیت) کی طرف کامل توجہ نہیں ہو سکتی، اس لئے مشرکوں نے ان بزرگوں کے نام پر بت تراشے تاکہ ان کو قبلہ توجہ بنائیں۔ غرض مورتیاں اصل مجبود ہیں تھیں، صرف ”قبل نما“ تھیں مگر بعد میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے فرق نہیں کیا اور مورتیوں ہی کو معبود بنالیا۔

اس استدلال کی ستافت (یو اے پی) اظہر من الشمس ہے۔ مورتیں محض بے جان جمادات ہیں۔ کیا ان کے چلنے والے پیر، پکڑنے والے ہاتھ، دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان ہیں؟ اور جب ان کے اعضاء اور خواہش نہیں ہیں تو علم و ادراک کہاں؟ اور نصرت و امداد کیوں کر ممکن ہے؟

[۲] والمشرکون: وافقوا المسلمین فی تدبیر الامور العظام، وفيما ابوم و حزم، ولم يترك لغيره خيرة، ولم يوافقوهم فی سائر الامور: ذهبوا إلى أن الصالحين من قبلهم عبدوا الله وتقربوا إليه، فأعطاهم الله الألوهية، فاستحقوا العبادۃ من سائر خلق الله، كما أن ملك الملوك يخدمه عبده، فيحسن خدمته، فيعطيه خلعۃ المملك، ويقوِّض إليه تدبیر بلد من بلادہ، فيستحق السمع والطاعة من أهل ذلك البلد.

وقالوا: لا تُثقل عبادۃ الله إلا مضمومةً لعبادتهم، بل الحق في غاية التعالي، فلا تنفيذ عبادته تقرباً منه، بل لابد من عبادة هؤلاء، ليَقْرَبُوا إلى الله زلفى.

وقالوا: هؤلاء يسمعون ويبصرون ويشْفَعون لعبادهم، ويدبرون أمورهم، وينصرونهم، فاحتوا على أسمائهم أحجاراً، وجعلوها قبلة عند توجُّههم إلى هؤلاء، فخلع من بعدهم خلعت

فَلَمْ يَفْطِنُوا لِلْفَرْقِ بَيْنَ الْأَصْنَامِ، وَبَيْنَ مَنْ هِيَ عَلَى صَوْرَتِهِ، فَظَنُّوْهَا مَعْبُودَاتٍ بِأَعْيَانِهَا.
ولذلك رَدَّ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِمْ تَارَةً بِالتَّنْبِيهِ عَلَى أَنَّ الْحَكْمَ وَالْمَلِكَ لَهُ خَاصَّةٌ، وَتَارَةً بِبَيَانِ أَنَّهَا
جَمَادَاتٌ ﴿أَلَمْ يَأْزَلْ يَمْسُكُونَ بِهَا؟ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا؟ أَمْ لَهُمْ آعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا؟ أَمْ لَهُمْ
آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا؟﴾

ترجمہ: (۲) اور مشرکین مسلمانوں کے ساتھ ہم نوا ہیں بڑی چیزوں کے تقلم و نسق میں اور قطعی اور بالجرم فیصلہ کرنے میں، وہ لوگ کسی اور کو اس کا کوئی اختیار نہیں دیتے۔ مگر وہ دیگر امور میں مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ وہ اس طرف گئے ہیں کہ ان سے پہلے جو نیک بندے گزرے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کی ہے اور انھوں نے اللہ کا قرب حاصل کر لیا ہے۔ پس اللہ نے ان کو الوہیت (خدا کی) بخشی ہے، پس وہ اللہ کی دیگر مخلوق کی پرستش کے حقدار ہو گئے ہیں، جس طرح کہ شہنشاہ کی خدمت اس کا غلام کرتا ہے، پس وہ اس کی بہترین خدمت کرتا ہے تو بادشاہ اس کو ”شاہی پوشاک“ عطا فرماتا ہے۔ اور اس کو اپنی مملکت کے کچھ حصہ کا تقلم و نسق سپرد کر دیتا ہے، پس وہ اس علاقہ والوں کی طرف سے سب و طاعت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اور مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے ساتھ اُن نیک لوگوں کی پرستش شامل نہ کی جائے، بلکہ حق تعالیٰ تو غایت درجہ برتر و بالا ہیں، پس (صرف) ان کی عبادت سے ان کی نزدیکی حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ ان نیک لوگوں کی پرستش بھی ضروری ہے تاکہ وہ اللہ کا نہایت مقرب بندہ بنادیں۔

اور مشرکین یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ (یعنی اولیاء) سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنے پرستاروں کی سفارش کرتے ہیں اور ان کے کاموں کا تقلم و نسق کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں، پس انھوں نے ان بزرگوں کے ناموں پر پتھر تراشے تاکہ وہ ان اصنام کو قبلہ بنائیں، جبکہ وہ ان بزرگوں کی طرف متوجہ ہوں، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو فرق نہیں سمجھ سکے مورتیوں کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جن کی شکل پر یہ مورتیاں ہیں۔ پس ان لوگوں نے ان مورتیوں کی بوجہ منجھ لی۔

اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کبھی تو ان پر رد کیا اس بات پر تنبیہ کر کے کہ حکم اور ملک صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، اور کبھی یہ بیان فرما کر کہ وہ مورتیاں محض جمادات (بے جان چیزیں) ہیں ”کیا ان کے ایسے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں؟ یا ان کے ایسے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں؟ یا ان کی ایسی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں؟ یا ان کے ایسے کان ہیں جن سے وہ سنیں؟“ (سورۃ الاعراف آیت ۱۹۵)

لغات:

فیما اُبرم میں ماصدر یہ ہے اُی فی الإبرام والجزم ... الخیرۃ (مصدر) انتخاب کرنا، اختیار ہونا...

آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کے محکوم ہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا موجد (نیا پیدا کرنے والا) ہے۔ جب وہ کسی کام کا ہونا طے کرتا ہے، تو بس یہ فرماتا ہے کہ ”ہو جا“ پس وہ ہو جاتی ہے۔
پس جو مخلوق و محکوم ہو وہ خدا کا پیشا خدا کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور جو موجد کائنات اور قادر مطلق ہو اور جس کے اشارہ پر چیزیں وجود میں آ جاتی ہوں اسے اولاد اور مددگار کی کیا حاجت ہے؟!

نوٹ: تینوں جماعتوں کے پاس لمبے چوڑے دعاوی اور بے شمار خرافات ہیں۔ شہرستانی نے النملیٰ والتحل میں صائبیں، کوکب پرستوں اور روحانیت والوں کا اور موجدوں کا ایک لمبا منظرہ لکھا ہے، اس کے مطالعہ سے پہلے گروہ کے دعاوی کا علم ہوگا۔ اور مشرکین کی خرافات نو مسلم سلفی عالم مولانا عبید اللہ پاکلی (متوفی ۱۳۱۰ھ) کی مشہور زمانہ کتاب تحفۃ المہند میں دیکھی جاسکتی ہے اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث و ابنیت کی بھول بھلیوں کے لئے اظہار الحق وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن کریم نے بھی توحید کے آخری دو مرتبوں سے جگہ جگہ بحث کی ہے۔ اور کافروں کے وسوسوں و شبہات کی سیر حاصل تریڈ کی ہے۔

[۳] والنصارى: ذهبوا إلى أن للمسيح عليه السلام قرباً من الله، وغُلُوا على الخلق، فلا ينبغي أن يُسمى عبداً، فيُسَوَّى بغيره، لأن هذا سوء أدب معه، وإهمالاً لقربه من الله، ثم مال بعضهم عند التعبير عن تلك الخصوصية إلى تسميته ابنَ الله، نظراً إلى أن الأب برحم الابن، وبُريته على عينية، وهو فوق العبد، فهذا الاسم أولى به؛ وبعضهم إلى تسميته بالله، نظراً إلى أن الواجب حلُّ فيه، وصار داخله، ولهذا يصدر منه آثارٌ لم تُعهد من البشر، مثل إحياء الأُموات وخلق الطير؛ فكلّامه كلامُ الله، وعبادته هي عبادة الله، فخلق من بعدهم خَلْفَ لم يفسطنوا لوجه التسمية، وكادوا يجعلون البُتُوَّةَ حقيقة، أو يزعمون أنه الواجب من جميع الوجود، ولذلك رَدَّ اللهُ تعالى عليهم تارة بأنه لا صاحبة له، وتارة بأنه: ﴿بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾، إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ: كُنْ، فَيَكُونُ ﴿﴾
وهذه الفرقُ الثلاثُ لهم دعاوى عريضة، وخرافات كثيرة، لا تخفى على المتنيع؛ وعن هاتين المرتبتين بحث القرآن العظيم، ورد على الكافرين شبهتهم رَدًّا مُشبعاً.

ترجمہ: (۳) اور عیسائی اس طرف گئے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا سے قرب خاص حاصل ہے، اور تمام مخلوقات سے ان کا رتبہ بلند ہے اس لئے ان کو ”بندہ“ کہنا مناسب نہیں، ایسا کہنے سے ان کو دوسرے بندوں کے برابر کرنا لازم آئے گا، اس لئے کہ یہ (برابر کرنا) ان کی شان میں بے ادبی ہے اور ان کے تقرب الہی کے لحاظ کو ترک

کرنا ہے۔ پھر بعض لوگ اس خصوصیت کی تعبیر کے وقت ان کو ”اللہ کا بیٹا“ کہنے کی طرف مائل ہوئے۔ اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ باپ بیٹے پر مہربانی کرتا ہے، اور اپنی نگاہوں کے سامنے اس کی پرورش کرتا ہے اور اس کا درجہ تماموں سے بلند ہوتا ہے، پس یہ نام ان کے لئے موزوں ہے۔ اور بعض عیسائی آپ کا ”خدا“ نام رکھنے کی طرف مائل ہوئے، اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ واجب تعالیٰ نے آپ میں حلول کیا ہے اور واجب تعالیٰ آپ کے اندر ہو گئے ہیں اور اسی وجہ سے آپ سے ایسے آثار صادر ہوئے ہیں جو کسی بشر سے پہچانے نہیں گئے، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، اور پرندوں کو پیدا کرنا پس آپ کا کلام، اللہ کا کلام ہے اور آپ کی عبادت اللہ ہی کی عبادت ہے۔ پھر ان کے بعد ایسے مخالف پیدا ہوئے جنہوں نے وجہ تسمیہ نہیں سمجھی اور قریب تھے کہ وہ بیٹا ہونے کو حقیق بیٹا ہونا سمجھ لیں یا وہ آپ کو من کل الوجوه واجب سمجھ لیں۔ اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کبھی تو ان کی تردید اس طرح کی کہ اللہ کی بیوی نہیں اور کبھی اس طرح کی کہ: ”وہ آسمانوں اور زمین کے موجد ہیں جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ ہو جاوے گا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔“

اور ان تینوں جماعتوں کے پاس لمبے چوڑے دعوے اور بے شمار خرافات ہیں، جو تلاش کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہیں، اور انہی دونوں مرتبوں سے قرآن عظیم نے بحث کی ہے۔ اور کافروں کے لوگس و لائل کی سیر حاصل تر وید کی ہے۔ لغات: اللہ الخ: اندرونی صار ذاخلہ: اللہ عیسیٰ کے اندر ہو گئے۔ یہی حلول ہے۔ پس یہ جملہ پہلے جملہ کے ہم معنی ہے غیث الامر: پہنچانا..... دعویٰ کی جمع دعاوی اور دعاوی آتی ہیں..... الخرافة: باطل اور لغو بات، بے سرو پات ہیں۔

باب ۲ —

شرک کی حقیقت کا بیان

شرک: کسی مخلوق میں واجب تعالیٰ کی صفات کو ماننے کا نام ہے۔ یہ الفاظ دیگر: شرک غیر اللہ کی عبادت کرنے کا نام ہے ان دونوں باتوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جب اللہ کی صفات کسی مخلوق میں مان لیں گے تو اب اس مخلوق کی بندگی لازم ہے۔ اور شرک پیدا اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ کسی مخلوق سے، نبی سے یا ولی سے کوئی حیرت انگیز (خارق عادت) کام صادر ہوتا ہو یا وہ کہتے ہیں تو وہ اس کام کو اس مخلوق کا ”ذاتی“ فعل تصور کرنے لگتے ہیں یعنی یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ بندے اس کام کے خالق ہیں۔ پھر لوگ ان بتوں کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔

شرک کی حقیقت سمجھنے کے لئے ”صفات واجب“ اور ”عبادت“ کی حقیقت جانی ضروری ہے۔ کیونکہ خالق اور مخلوق کی صفات بہ ظاہر یکساں نظر آتی ہیں۔ حیات (زندگی) مع و بصر (سننا، دیکھنا) قدرت (طاقت) مشیت و ارادہ شرف (برزگی) تخفیر (تا بعد از بنانا) اور نفاذ حکم وغیرہ صفات کمالیہ جس طرح واجب میں پائی جاتی ہیں مخلوق میں بھی

پاکی جاتی ہیں۔ اس لئے دونوں کی صفات میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔ اسی وقت شرک کی حقیقت یعنی ”صفات واجب کو مخلوق میں ماننے“ کا مطلب سمجھ میں آ سکتا ہے۔

اسی طرح ”عبادت“ کسی انتہائی درجہ تعظیم کرنے کا یا کسی کے سامنے غایت درجہ خاکساری کرنے کا نام ہے۔ نفس تعظیم اور محض خاکساری کا نام عبادت نہیں۔ لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ ”غایت تدلل“ اور ”نہایت تعظیم“ کیا ہے؟ اسی سے شرک کی حقیقت سمجھ میں آئے گی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عبادت: غایت درجہ تدلل کا نام ہے۔ تدلل کے معنی ہیں خاکساری۔ عاجزی اور فروتنی کرنا یعنی عمل سے خود کو عاجز و حقیر قرار دینا اب یہ مسئلہ حل طلب رہتا ہے کہ کونسا عمل غایت تدلل ہے اور کونسا کم تر درجہ کا؟ یہ بات دو طرح سے متعین کی جاسکتی ہے۔

① عمل کی حالت دیکھ کر، مثلاً قیام (کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا) اور سجدہ (کسی کے سامنے ماتھا زمین پر ٹیکنا) دو عمل ہیں ظاہر ہے کہ قیام میں کم تر درجہ کی فروتنی ہے اور سجدہ میں اعلیٰ درجہ کی، کیونکہ اس سے آگے عاجزی کرنے کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے، پس سجدہ کو عبادت کہا جائے گا اور قیام کو عبادت قرار نہیں دیا جائے گا۔

② نیت کے اعتبار سے، یعنی جس فعل سے ایسی تعظیم مقصود ہو جیسی ہندے خدا کی کیا کرتے ہیں، وہ فعل عبادت ہے۔ اور جس فعل سے ایسی تعظیم مقصود ہو جیسی رعایا یا شاہ کی یا شاگرد اساتذہ کی کرتے ہیں، وہ فعل عبادت نہیں، کیونکہ یہ کم تر درجہ کی تعظیم ہے۔

امتیاز کی یہی دو صورتیں ہیں، تیسری کوئی صورت نہیں۔ مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو اور برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کو ”سلاسی کا سجدہ“ کیا تھا تو ”سجدہ“ کو مطلقاً غایت تدلل اور عبادت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پس تعین کی صورت اول مفید مطلب نہیں۔ صرف دوسری صورت ہی کو معیار بنایا جاسکتا ہے مگر بات ابھی تک غیر واضح ہے: ”اللہ جیسی تعظیم“ کا کیا مطلب ہے؟ لہذا تفصیل سماعت فرمائیے!

جب کوئی کسی کے سامنے خاکساری کرتا ہے تو وہاں دو طرف ہوتے ہیں، ایک خاکساری کرنے والے کی جانب۔ دوسری اُس سستی کی جانب جس کے سامنے خاکساری کی جارہی ہے۔ اور تدلل کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب خاکساری کرنے والے میں ضعف و ناتوانی، خست و کمینگی اور عاجزی و ناز مندی کا لحاظ کیا جائے اور دوسری جانب میں قوت و بزرگی، شرف و عظمت اور تسخیر و نفاذ حکم کا لحاظ کیا جائے یعنی یہ تصور کیا جائے کہ خاکساری کرنے والا ہر اعتبار سے ضعیف و ناتواں، ناچیز و بچ اور عاجز و مغلوب ہے۔ اور جس کے سامنے خاکساری کی جارہی ہے وہ ہستی قادر مطلق، بزرگ و برتر ہے اور ہر چیز اس کے تابع فرماں ہے اور ہر حکم اس کا نافذ ہو کر رہنے والا ہے، کوئی اس کو روک نہیں سکتا، جب دونوں جانبوں میں یہ باتیں ملحوظ ہوگی تو وہ خاکساری غایت تدلل ہوگی، ورنہ نہیں۔

صفات کمالیہ کے دودر ہے: یہاں ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غایت تذلّل کے لئے دونوں جانبوں میں مذکورہ بالا امتداد باتوں کا لحاظ کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ دونوں جانب کی صفات میں یکسانیت ہے؟ یعنی خاکساری کرنے والا اور جس کے سامنے خاکساری کرتا ہے دونوں حیات، سمع، بصر، مشیت، ارادہ، قوت، شرف، تسخیر اور نفاذ حکم وغیرہ صفات کمالیہ کے مالک ہیں۔ پھر ”خاکساری کی طرف غایت درجہ ذلت“ اور واجب تعالیٰ کی طرف غایت درجہ علو (بلندی) کیسے فرض کی جاسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صفات کمالیہ میں اگرچہ بظاہر یکسانیت نظر آتی ہے مگر حقیقت میں دونوں کی صفات میں بڑا ہیاد اور آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اگر آدمی ظنی بالطنع ہو کر غور کرے۔ تو یہ بات اچھی طرح اس کی سمجھ میں آ جائے گی کہ خود آدمی صفات کمالیہ کے دو اندازے اور دودر ہے کرتا ہے۔ ایک ادنیٰ درجہ یعنی ایسی قوت و بزرگی اور ایسی تسخیر و حکمرانی جو خود اس غور کرنے والے میں اور اس کے مانند لوگوں میں پائی جاتی ہے دوسرا اعلیٰ درجہ یعنی ایسی قوت و شرف اور ایسی تسخیر و حکم مطلق جو اللہ تعالیٰ میں ہوتا ہے، جو حدود و امکان کے مابین سے پاک ہیں۔ اور جس طرح یہ صفات اس مخلوق میں ہوتی ہیں جس کی طرف انہی صفات اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے کوئی خصوصیت منتقل مانی جاتی ہے۔

غرض دونوں طرف کی صفات میں بہت بڑا فرق ہے۔ تین مثالوں سے یہ بات واضح ہوگی:

پہلی مثال: غیب کی باتوں کو جاننے کے دو طریقے ہیں، ایک غور و فکر کر کے اور مقدمات معلومہ (جانی ہوئی باتوں) کو ترتیب دے کر جاننا، یا دانائی اور زیرکی سے جاننا، یا خواب و رویا سے جاننا، یا کشف والہام کے ذریعہ جاننا۔ مغیبات کو جاننے کے ان طریقوں سے ہر کوئی استفادہ کر سکتا ہے اور بعض غیب کو جان سکتا ہے دوسرا: غیب کا ذاتی علم جو خانہ زاد ہوتا ہے، کسی سے مستفاد نہیں ہوتا، نہ اس کی تحصیل کے لئے جتن کرنا پڑتا ہے۔ مغیبات کو جاننے کے ان دونوں طریقوں میں آسان و زمین کا تفاوت ہے۔ پس ان سے حاصل ہونے والے علم میں بھی اسی درجہ کا تفاوت ہوگا، پہلا علم مخلوقات کا ہے اور دوسرا خالق کا۔ اور دونوں میں یکسانیت تو کجا قرب و تقارب بھی نہیں ہے۔

دوسری مثال: تاشیر یعنی متاثر کرنا، تدبیر یعنی نظم و انتظام کرنا اور تسخیر یعنی تابع فرمان کرنا اور ان کے علاوہ دیگر صفات نفوذ و غلبہ کا بھی یہی حال ہے آدمی اس کے بھی دودر ہے کرتا ہے ایک بمعنی مباشرت یعنی کسی کام کو بدست خود کرنا، اپنی صلاحیتوں کو اور اپنے اعضاء کو استعمال کرنا، اشیاء کی مزائی کیفیات: حرارت و برودت وغیرہ سے مدد لینا اور اپنی خدا داد صلاحیتوں سے کام لے کر کسی کام کو انجام دینا اور کسی مادہ کو متاثر کر کے کوئی چیز بنانا، پھر اس کو اپنے زیر حکم و تصرف رکھنا، دوسرا بمعنی تکوین یعنی آلات و اسباب کی احتیاج کے بغیر کسی چیز کو بنانا، جو خدا کی شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا چاہتے ہیں تو بس ”ہو جا“ کہتے ہیں، تو وہ ہو جاتی ہے۔ پس خالق و مخلوق میں یہ صفات بظاہر یکساں نظر آتی ہیں مگر درحقیقت آسمان و زمین کا تفاوت ہے، دونوں میں کوئی جوڑی نہیں ہے۔

تیسری مثال: اسی طرح عظمت و شرف اور قوت و مقدرت کے بھی آدمی دو درجے کرتا ہے۔ ایک: بادشاہ کی عظمت جو رعایا کی بہ نسبت اس کو حاصل ہوتی ہے، جس کا تعلق عمل کی کثرت اور مال و اسباب کی فراوانی کے ساتھ ہے یا بہادر آدمی کی اور استاذ کی عظمت، جو ان کو کمزور اور شاگرد کی بہ نسبت حاصل ہوتی ہے، یہ ایسی عظمت ہے جس کو خود غور کرنے والا بھی اپنے اندر کسی درجہ میں پاتا ہے۔ دوسرا درجہ: اس عظمت کا ہے جو صرف ذات متعالی (بلند و برتر) میں پائی جاتی ہے، جس کی کوئی نہایت ہی نہیں اور جس کو الفاظ تعبیر ہی نہیں کر سکتے غور کریں، عظمت و شرف کے ان دونوں درجوں میں کس قدر تفاوت ہے؟ کوئی مناسب ہے ان دونوں درجوں میں؟

الغرض: آپ یہ راز پانے میں ذرا بھی سستی نہ کریں، یقیناً کامل کے حصول تک غور و فکر جاری رکھیں جو بھی شخص اس بات کا معترف ہے کہ ممکنات کا سلسلہ ایک ایسے واجب تعالیٰ پر ممتدی ہوتا ہے جو کسی کے محتاج نہیں، وہ ضرور ان صفات کمالیہ کے، جن کے ذریعہ لوگ باہم ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں، دو درجے کرے گا ایک برتر درجہ جو واجب تعالیٰ کے لئے خاص ہے، دوسرا کم تر درجہ جو ان مخلوقات کے لئے ہے جن کو وہ معترف اپنے جیسا سمجھتا ہے۔
الحاصل: شرک نام سے صفات واجب کو کسی مخلوق میں مان کر اس کی بندگی کرنے کا یعنی ایسے افعال کرنے کا جس سے اس مخلوق کی غایت درجہ تعظیم، اور عبادت کرنے والے کی غایت درجہ خاکساری ظاہر ہوتی ہے۔

﴿باب فی بیان حقیقۃ الشُّرک﴾

اعلم أن العبادة هو التذلل الأقصى؛ وكونُ تذللٍ أقصى من غيره لا يخلو إما أن يكون بالصورة، مثلُ كونِ هذا قياماً، وذلك سجوداً؛ أو بالنية: بأن نوى بهذا الفعل تعظيمَ العباد لمولاهم، وبذلك تعظيمَ الرعية للمملوك، أو التلامذة للأستاذ، لاثالث لهم.

ولما ثبت سجودُ التحية من الملائكة لآدم عليه السلام، ومن إخوة يوسف ليوسف عليه السلام، وأن السجود أعلى صور التعظيم، وجب أن لا يكون التمييزُ إلا بالنية؛ لكن الأمرُ إلى الآن غيرُ منقح، إذ المولى — مثلاً — يُطلق على معانٍ، والمراد ههنا المعبود لا مُحالة، فقد أخذ في حد العبادة.

فالتنقيح: أن التذلل يستدعي ملاحظة ضُعفٍ في الدليل، وقوة في الآخر، وخساسة في الدليل، وشرف في الآخر، وانقياد وإخبات في الدليل، وتسخير ونفاذ حكم للآخر.

والإنسان إذا تحلَّى ونفسه أدرك لا مُحالة: أنه يُقدَّر لل قوة والشرف والتسخير، وما أشبهها مما يعبرُ به عن الكمال، قَدَرَيْن: قدرًا لنفسه، ولمن يشبُّهه بنفسه، وقدرًا لمن هو متعالٍ عن

وَصُفَةُ الْحُدُوثِ وَالْإِمْكَانِ بِالْكَلِيَّةِ، وَلَمَنْ انْتَقَلَ إِلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ خُصُوصِيَّاتِ هَذَا الْمُتَعَالَى.

فَالْعِلْمُ بِالْمَعْيِيَّاتِ يَجْعَلُهُ عَلَى دَرَجَتَيْنِ: عِلْمٌ بِرُؤْيَا، وَتَرْتِيبٌ مَقَدِّمَاتٍ، أَوْ حَدْسٌ، أَوْ مَنَامٌ، أَوْ تَلْقَى إِلْهَامٌ، مِمَّا يَجِدُ نَفْسُهُ لَا يَمِيزُ ذَلِكَ بِالْكَلِيَّةِ؛ وَعِلْمٌ ذَاتِي، هُوَ مُقْتَضِي ذَاتِ الْعَالَمِ لَا يُلْقَاهُ مِنْ غَيْرِهِ، وَلَا يَتَجَشَّمُ كَسْبُهُ.

وَكَذَلِكَ يَجْعَلُ التَّأثيرَ وَالتَّدْبِيرَ وَالتَّسْخِيرَ—أَيُّ لَفْظٍ قُلْتُ—عَلَى دَرَجَتَيْنِ: بِمَعْنَى الْمُبَاشَرَةِ وَاسْتِعْمَالِ الْجَوَارِحِ وَالْقُوَى، وَالِاسْتِعَانَةِ بِالْكَفَيَّاتِ الْمَزَاجِيَّةِ، كَالْحَرَارَةِ وَالْبُرُودَةِ، وَمَا أَشَبَهُ ذَلِكَ مِمَّا يَجِدُ نَفْسُهُ مُسْتَعِدَّةً لَهُ، اسْتِعْدَادًا قَرِيبًا أَوْ بَعِيدًا، وَبِمَعْنَى التَّكْوِينِ مِنْ غَيْرِ كَيْفِيَّةٍ جِسْمَانِيَّةٍ، وَلَا مُبَاشَرَةٍ شَيْءٍ، وَهُوَ قَوْلُهُ: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ تَكُنْ فَيَكُونُ﴾^(۱) وَكَذَلِكَ يَجْعَلُ الْعِظَمَةَ وَالشَّرَفَ وَالْقُوَّةَ عَلَى دَرَجَتَيْنِ:

أَحَدَاهُمَا: كِعِظَمَةِ الْمَلِكِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى رَعِيَّتِهِ، مِمَّا يَرْجِعُ إِلَى كَثَرَةِ الْأَعْوَانِ، وَزِيَادَةِ الطُّوْلِ، أَوْ عِظَمَةِ الْبَطْلِ وَالْأَسَازِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى ضَعِيفِ الْبَطْشِ وَالتَّلْمِيزِ، مِمَّا يَجِدُ نَفْسُهُ يَشَارِكُ الْعَظِيمَ فِي أَصْلِ الشَّيْءِ.

وَنَائِيَتَهُمَا: مَا لَا يُوْجِدُ إِلَّا فِي الْمُتَعَالَى جَدًّا.

وَلَا تَنْ فِي تَلْتِيشِ هَذَا السَّرْحَتِي تَسْتَيْقِنُ أَنَّ الْمَعْتَرِفَ بِانْصِرَامِ سُلْسُلَةِ الْإِمْكَانِ إِلَى وَاجِبٍ لَا يَحْتَاجُ إِلَى غَيْرِهِ، يَضْطُرُّ إِلَى جَعْلِ هَذِهِ الصِّفَاتِ الَّتِي يَتِمَادِحُونَ بِهَا عَلَى دَرَجَتَيْنِ: دَرَجَةً لِمَا هَالِكٌ، وَدَرَجَةً لِمَا يُشَبَّهُ بِنَفْسِهِ.

ترجمہ: شرک کی حقیقت کا بیان: جان لیں کہ عبادت نہایت درجہ تدلل (خاکساری و فروتنی کرنے) ہی کا نام ہے۔ اور کسی تدلل کا انتہائی درجہ ہوتا اس کے غیر سے ممتاز ہو کر دو حال سے خالی نہیں: یا تو صورت (عمل) سے ہوگا جیسے اس کا (یعنی غیر اقصی تدلل کا) قیام ہونا، اور اُس کا (یعنی اقصی تدلل کا) سجدہ ہونا، یا نیت سے ہوگا، یا اس طور کہ اس فعل سے بندوں کے اپنے مولیٰ کی تعظیم کا ارادہ کرے، اور اُس فعل سے رعایا کے بادشاہوں یا ملازمہ کے استاذوں کی تعظیم کا ارادہ کرے۔ تیسری (یعنی صورت و نیت کے علاوہ) کوئی صورت نہیں۔

اور جب فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو اور برادران یوسف کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ تجہ کرنا ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ تعظیم کی تمام صورتوں میں سجدہ ہی اعلیٰ قسم کی تعظیم ہے تو ضروری ہے کہ ان ہر دو قسم کے سجدوں میں امتیاز نیت ہی سے کیا جائے لیکن بات ابھی تک واضح نہیں ہے، کیونکہ لفظ مولیٰ کا—مثال کے طور پر—کئی معنی پر اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہاں لفظ ”مولیٰ“ سے یقیناً معبود مراد ہے، کیونکہ وہ لفظ عبادت کی تعریف میں استعمال کیا گیا ہے۔

پس منج بات یہ ہے کہ تدلیس چاہتا ہے خاکسار میں ضعف کے لحاظ کرنے کو اور دوسرے میں قوت کے لحاظ کرنے کو۔ اور ذلیل میں کمینگی اور دوسرے میں بزرگی کے لحاظ کرنے کو، اور ذلیل میں تابعداری اور نیاز مندی اور دوسرے میں تسخیر و نفاذ حکم کے لحاظ کرنے کو۔

اور انسان جب غفلتی باطل ہو کر غور کرے تو وہ لامحالہ کچھ لے گا کہ قوت و شرف اور تسخیر کے لئے اور ان کلمات کے لئے جو مذکورہ کلمات سے ملتے جلتے ہیں، ان کلمات میں سے جن کے ذریعہ کمالات کو تعمیر کیا جاتا ہے ان سب کے لئے وہ دو اندازے کرتا ہے۔ ایک اندازہ اپنے لئے اور ان لوگوں کے لئے جن کو وہ اپنے جیسا سمجھتا ہے۔ اور دوسرا اندازہ اس ہستی کے لئے جو حد و نامکان کے عیب سے بالکل بیہرہ تر ہے، اور اس شخص کے لئے جس کی طرف (بالفرض) اس برتر کی خصوصیات میں سے کوئی خصوصیت منتقل ہوگئی ہے۔

مثلاً غیب کی باتوں کو جاننے کے آدمی دور سے گردانتا ہے۔ ایک غور و فکر اور جانی ہوئی باتوں کو ترہیب دے کر یا زیر کی، یا خواب یا الہام کے ذریعہ جاننا، جو ان چیزوں میں سے ہیں کہ آدمی خود کو ان چیزوں سے بالکل بیخبر نہیں پاتا۔ اور (دوسرا) علم ذاتی ہے، جو خود عالم (جاننے والے) کی ذات کا مقتضی ہے۔ وہ اس علم کو کسی غیر سے حاصل نہیں کرتا، اور نہ اس کے لئے کتاب کی رحمت کرنی پڑتی ہے۔

اور اسی طرح تاثیر، تدبیر اور تسخیر — جو حفظ چاہا ہو استعمال کرو — آدمی ان کے بھی دور سے کرتا ہے (ایک) بمعنی مباشرت (یعنی کسی کام کو بدست خود کرنا) اور بمعنی اعضاء اور قوی (صلاحیتوں) کو استعمال کرنا اور بمعنی مزاجی کیفیات جیسے حرارت و برودت سے مدد و طلب کرنا (جیسے بارود و بارودوں سے تیاریوں کا علاج کرنا) اور ان چیزوں کے معنی کر کے جو ان چیزوں کے مشابہ ہیں۔ اُن میں سے کہ آدمی اپنے میں ان کی استعداد پاتا ہے، خواہ وہ قریبی استعداد ہو یا دور کی۔ اور (دوسرا) درجہ بمعنی تلکون یعنی جسمانی کیفیت کے بغیر اور کسی چیز کو بدست خود کئے بغیر بنانا، جس کا تذکرہ اس آیت میں ہے کہ: ”جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، تو پس اس سے کہتا ہے کہ ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے (سورہ یس آیت ۸۲) اور اسی طرح آدمی عظمت، شرف اور قوت کے بھی دور سے کرتا ہے۔

ان میں سے ایک: جیسی بادشاہ کی عظمت اس کی رعایا کی بہ نسبت، جن کا تعلق کارندوں کی کثرت اور مالدار کی زیادتی سے ہے، یا باہادر اور استاذ کی عظمت، کمزور پکڑ والے اور شاگرد کی بہ نسبت۔ عظمتیں ایسی ہیں کہ آدمی خود کو پاتا ہے کہ وہ عظیم کے ساتھ نفس عظمت میں شریک ہے (کی بیشی کا فرق الگ چیز ہے)

اور ان میں سے دوسرا درجہ: وہ عظمت ہے جو صرف ذات تعالیٰ کے اندر ہی پائی جاتی ہے۔

اور آپ ذرا سستی نہ کریں اس راز کی تفتیش میں تا آنکہ آپ یقین کر لیں کہ سلسلہ امکاں کے ایسے واجب پر مبنی ہونے کا معترف، جو اپنے علاوہ کا قطعاً محتاج نہیں ہے، مجبور ہے ان صفات کو جن کے ذریعہ لوگ باہم ایک دوسرے کی

تعریف کرتے ہیں، دوسروں میں گردانے کی طرف، ایک درجان صفات کے لئے جو وہاں (ذات واجب میں) ہیں، اور دوسرا درجان مخلوقات کے لئے جن کو وہ اپنے جیسا سمجھتا ہے۔

لغات:

نذلل: فروتنی کرنا، عاجزی کرنا، اپنے کو حقیر سمجھنا۔ نَمِيزُ نَمِيْزًا: جدا ہونا۔ ... فَلَمَّا تَقَدَّرَ: اندازہ کرنا۔
الْمَوْضُفَةُ: عیب۔ ... الرُّوْقَةُ: امور میں غور و فکر کرنا۔ الْحَدْسُ: دانائی، زیرکی۔ ... لَا يَلْبَقَاهُ (فعل مضارع مجہول منفی) از
تلفیظ (تفعلیل): وہ نہیں عطا کیا جاتا۔ نَحْطَمُ الْأَمْرَ: مشقت سے کام کرنا۔ لَا نَنْ (فعل نبی) از وَنَسَى نَبِيَّ وَنِيسَا: ست
ہونا، چھٹنا، کمزور ہونا۔ اِنْصَرَفَ: رکت جانا، منقطع ہونا۔

تصحیح: العظیم اصل میں العظم تھا، جو عظیم کی جمع ہے، تصحیح منطوط کراچی سے کی ہے۔

شرک و تشبیہ متوارث گمراہیاں ہیں

شرک کے معنی اوپر بیان ہوئے۔ اور تشبیہ کے معنی ہیں: "مخلوق کی صفات واجب تعالیٰ میں ماننا"۔ مخلوق کی ساری ہی صفات ناقص درجہ کی ہوتی ہیں، جیسا کہ اوپر گزرا، اور جب ناقص صفات واجب تعالیٰ میں مان لی گئیں تو خدا بھی ناقص ہوا۔ اور ناقص خدا کو مددگاروں کی ضرورت ہوگی اور مددگار معاملات میں ذخیل ہوتے ہیں۔ اس لئے ان شرکاء کی عبادت ضروری ہوگی۔ مشرکین میں دیوی و پیتاؤں کا جو تصور پایا جاتا ہے وہ خدا کے بارے میں ان کے تصور کی اسی کمزوری پڑتی ہے۔

غرض شرک و تشبیہ کی بیماریاں متوارث ہیں۔ نسل در نسل چلی آ رہی ہیں اور یہ بیماریاں تین وجہ سے پیدا ہوتی ہیں: پہلی وجہ: صفات کمالیہ کے دونوں درجوں میں استعمال ہونے والے الفاظ قریب قریب یکساں ہیں۔ یعنی جو الفاظ واجب تعالیٰ کی صفات کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، تقریباً وہی الفاظ مخلوق کی صفات کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے رُؤْف اور رَحْمَہ کی صفتیں استعمال کی گئیں ہیں کہ "آپ! ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں" اور یہی صفتیں قرآن کریم میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال کی گئی ہیں۔ ایسے مواقع میں صفات واجب اور صفات مخلوق میں فرق مراتب کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ خدا کی رافت و رحمت کا درجہ اوپر ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی شفقت و مہربانی کا درجہ اوپر ہے۔ اسی طرح صبح و بصر اور یہ وہ جبکہ صفات خالق و مخلوق دونوں کے لئے مخصوص ہیں وارو ہوئی ہیں۔ یہاں بھی فرق درجات کرنا ضروری ہے۔ مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جاہل یا کج فہم درجوں کا یہ فرق ٹھوٹ نہیں رکھتا اور لخصوص شرعیہ کو غیر محل میں استعمال کرنے لگتا ہے۔ تو شرک یا تشبیہ کی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں یعنی لوگ یا تو مخلوق میں واجب جیسی صفتیں ماننے لگتے ہیں، یا مخلوق جیسی ناقص صفات واجب تعالیٰ میں مان لیتے ہیں۔ اور گمراہی کا یہ سلسلہ بہت قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔

دوسری وجہ: ہر باشرک و تشبیہ کی گمراہیاں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ بعض انسانوں سے، یا فرشتوں سے، یا ستاروں وغیرہ سے، ایسے حیرت زا، بحیر العقول، خارق عادت آثار صادر ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں جن کی کوئی توجیہ ان کی عقل میں ممکن نہیں ہوتی۔ ان کو وہ کام مخلوق کی استعداد سے مستبعد معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ وہ انھیں کا شکار ہو جاتے ہیں، اور ان مخلوقات کے لئے اللہ جیسی عظمت اور اللہ جیسی قوت تسخیر مان لیتے ہیں۔ اور ان کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ تیسری وجہ: اللہ تعالیٰ کی صفات کی صحیح معرفت کا نہ ہونا اور ناقص معرفت کی وجہ سے مخلوق کی خداداد صلاحیتوں کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہونا بھی شرک و تشبیہ کی گمراہی کا سبب ہے۔ کیونکہ صفات کا جو ”برتر درجہ“ ہے یعنی واجب تعالیٰ کی صفات، ان کی معرفت میں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے۔ بعض لوگ تو مالید (جمادات، نباتات اور حیوانات) کی ”خدا“ واد“ صلاحیتوں کو سمجھتے ہیں کہ وہ خود ان کی صلاحیتوں کے قبیل سے ہیں، کوئی مافوق الفطرت صلاحیتیں نہیں ہیں مگر بعض لوگ یہ بات نہیں سمجھ سکتے، اس لئے وہ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ نبیوں کو، فرشتوں کو، اور چاند تاروں کو غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک سمجھ بیٹھتے ہیں اور اس طرح وہ ان کو خدا کی کا درجہ دیکر ان کے سامنے جبر سائی شروع کر دیتے ہیں۔

فائدہ: صفات واجب کی معرفت میں جہل بسیط مضمر نہیں، وہ قابل عنو ہے۔ کیونکہ ہر شخص اسی کا مکلف ہے جس کی اس کے اندر استطاعت ہے۔ قرآن کریم میں یہ قاعدہ پانچ جگہ مذکور ہے۔ پس اگر کسی میں عقل کی کمی ہو اور وہ صفات واجب کو کما حقہ نہ سمجھ سکے تو ایسا شخص قابل عنو ہے۔ صحیحین میں جو قصہ مروی ہے اس کا یہی ثمل ہے۔ وہ قصہ یہ ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک ایسے شخص نے جس نے کبھی کوئی نیکی کا کام نہیں کیا تھا، اپنے گھر

والوں سے کہا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس پر زیادتی کی تھی یعنی گناہ بہت کئے تھے، پس جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو دروازہ اس کو کھلا دیں۔ پھر اس کی آدھی راکھ جنگل میں اور آدھی راکھ دریا میں ڈال دیں۔ پس قسم بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر قدرت حاصل کر لی تو وہ اس کو ایسی سخت سزا دیں گے کہ دریا میں کسی کو ایسی سخت سزا نہ دی ہوگی۔ پھر جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے ویسا ہی کیا جیسا اس نے کہا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اس نے اپنے اندر کے اجزا اجمع کئے، اسی طرح جنگل نے بھی جمع کئے اور وہ شخص درست ہو کر پیدا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ: ”تو نے یہ حرکت کیوں کی؟“ اس نے جواب دیا: ”آپ کے ڈر سے، اے میرے رب! اور آپ (میری نیت کو) خوب جانتے ہیں“ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا (بخاری کتاب التوحید باب ۳۵ حدیث نمبر ۵۰۶۶ مسلم شریف کتاب

التوبہ ج ۱ ص ۱۷ (مصری) مشکوٰۃ شریف، کتاب الدعوات، باب بیعۃ رحمۃ اللہ، حدیث نمبر ۲۳۶۹)

مذکورہ شخص اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق تو مانتا تھا مگر وہ یہ سمجھتا تھا کہ قدرت کا تعلق ممکنات سے ہے، محالات سے نہیں۔

اور جب وہ جلا دیا جائے گا اور اس کی خاک منتشر کر دی جائے گی تو اس کا جمع کرنا محال ہے، اور ایسی بات وہ اپنی

ناقص فہم سے سمجھ رہا تھا، اس وجہ سے اس سے درگزر کیا گیا یہی جہل بسیط ہے جو مفسر نہیں۔ مفسر اور سخت مفسر جہل مرکب ہے کہ صفات واجب کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہے، اور سمجھتا ہے کہ اس کو صحیح معرفت حاصل ہے۔ پھر وہ اس ناقص معرفت کے مطابق صفات کے جو مظاہر کائنات میں دیکھتا ہے ان کو خدا بنا لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ناقابل درگزر ہے، نہ ہو سکتی ہے۔

غرض مذکورہ بالا وجوہ تلاش کی وجہ سے ستاروں کو اور ایسے نیک لوگوں کو جن سے خارق عادت امور جیسے کشف اور قبولیت دعا کا ظہور ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی بیماری اور اللہ کو مخلوقات جیسا ماننے کی خرابی لوگوں میں متواتر چلی آ رہی ہے، ہمیشہ یہی لوگ اس کچھڑ میں لت پت رہے ہیں۔

انبیاء نے شرک کی حقیقت واضح کر دی ہے: ہر زمانہ میں حضرات انبیاء لوگوں کو شرک کی حقیقت خوب کھول کر سمجھاتے رہے ہیں۔ انھوں نے صفات کے دونوں درجوں کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا ہے۔ اور مقدس درجہ واجب تعالیٰ کے لئے خاص کر دیا ہے۔ گواہانہ دو درجوں کے لئے قریب ہی قریب ہوں یا ایک ہی ہوں، جیسے لفظ ”طیب“، بمعنی معالج و چارہ ساز ہے اور ”سید“، بمعنی مالک و آقا ہے، مگر چارہ سازی اور مالکیت کے دو درجے ہیں: ایک مجاز کا درجہ، دوسرا حقیقت کا درجہ، بندے مجازی معالج اور آقا ہیں، حقیقی چارہ ساز اور کامل آقا صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ درج ذیل حدیثوں میں یہی فرق واضح کیا گیا ہے۔

حدیث: حضرت ابو ریحہ رضی اللہ عنہ کے والد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کی پیٹھ میں مہر نبوت دیکھی تو اس کو پھوڑا سمجھا اور عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کا جو آپ کی پشت میں ہے علاج کر دوں۔ میں طیب (ماہر معالج) ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”تم مہربان (سہولت پہنچانے والے) ہو، اور طیب اللہ تعالیٰ ہی ہیں“ (مسند احمد ۴: ۱۲۳، مشکوٰۃ کتاب القصاص، حدیث نمبر ۳۳۷۷)

تشریح: یعنی حکیم و دکنز و توشفق دہربان ہوتے ہیں۔ وہ دوسوی سے مریض کی شفا کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اور شافی و مطلق اور حقیقی معالج تو بس اللہ تعالیٰ ہیں۔ غرض بعض معنی کے اعتبار سے آپ ﷺ نے انسان کے طیب ہونے کی ٹیٹی کی ہے اور وہ وہی مقدس درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو عامر کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ: ”اَنْتَ سَيِّدُنَا“ آپ ہمارے آقا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: ”السَّيِّدُ اللّٰهُ“ آقا تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ ان لوگوں نے کہا انت افضلنا فضلا، واعظمنا طولا۔ آپ کہم سے بہت بہتر اور بہت زیادہ مقدرت والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کہو یا اس میں سے بھی کچھ کہو (تو بہتر ہے) اور ہرگز شیطان تم کو اپنا وکیل نہ بنائے، یعنی شیطان تم کو اپنا آلہ کار نہ بنائے (رواہ احمد و ابوداؤد، مشکوٰۃ کتاب الآداب، باب المفاخرة، حدیث نمبر ۴۹۰۰)

تشریح: اس حدیث میں بھی سید (آقا) کہنے کی ممانعت ایک معنی کے اعتبار سے ہے یعنی بمعنی کامل آقا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اور غلام جو اپنے مولیٰ کو سید کہتے ہیں یا لوگ جو اپنے بڑوں کو سید کہتے ہیں وہ ایک اور معنی کے اعتبار سے کہتے ہیں۔

ناہنجاروں نے لٹیا ڈیوئی: پھر جب انبیاء کے مخصوص صحابہ اور ان کے دین کے اصل حامل دنیا سے اٹھ گئے تو تاخلف ان کے جانشین ہوئے، جنہوں نے دین پر چلنا چھوڑ دیا اور وہ خواہشات کے پیچھے پڑ گئے اور انبیاء کی وحی میں جو ذومعنی الفاظ آئے تھے، جیسے انجیل میں بیٹا اور محبوب کے الفاظ، ان کو غیر محل میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ تمام شریعتوں میں محبوب، شفیع اور ولی کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ اسی طرح نبیوں اور ولیوں سے جو خارق عادت امور صادر ہوئے یا جو کشف و کرامات اور انوار و برکات مشاہدہ میں آئے ان کو بھی انھوں نے غلط معنی پہنائے۔ اور ان حضرات کے لئے علمِ قیام اور تسخیر و تصرف کی صفیٰ مان لیں۔ حالانکہ وہ تمام باتیں ناسوتی یا روحانی قوتوں کی کرشمہ سازی تھیں۔ ایسا بد و تکوین اور خدائی کمالات سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

ولما كانت الألفاظ المستعملة في الدرجتين متقاربة، فربما يحمل نصوص الشرائع الإلهية على غير محملها؛ وكثيراً ما يُطَّلَع الإنسان على أثر صادرٍ من بعض أفراد الإنسان، أو الملائكة، أو غيرهما، يستعبده من أبناء جنسه، فيشبهه عليه الأمر، فَيُثَبِّت له شرفاً مقدساً، وتسخيراً إلهياً.

وليسوا في معرفة الدرجة المتعالية سواء، فمنهم: من يُحِيط بقوى الأنوار المحيطة الغالبة على المواليد، ويعرفها من جنسه، ومنهم: من لا يستطيع ذلك.

وكلُّ إنسانٍ مكلفٌ بما عنده من الاستطاعة، وهذا تأويل ما حكاه الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، من حاجة مُسْرِفٍ على نفسه، أمر أهله بحرقه، وتَذَرِيَةٍ رَمَادِهِ، حذرًا من أن يبعثه الله، ويقدر عليه؛ فهذا الرجل استيقن بأن الله متصف بالقدرة التامة، لكن القدرة إنما هي في الممكنات، لا في الممتنعات، وكان يظن أن جمع الرَّمَاد المنفرد نصفه في النَّبَر ونصفه في البحر، ممتنع، فلم يجعل ذلك نقصاً، فأخذ بقدر ما عنده من العلم، ولم يعد كافرًا.

كان التشبيه والإشارة بالنجوم، وبصالحى العباد الذين ظهر منهم خرق العوائد، كالكشف، واستجابة الدعاء متوارثاً فيهم.

وكل نبي يُبعث في قوم، فإنه لابد أن يفهمهم حقيقة الإشراف، ويميز كلًّا من الدرجتين، ويخصر الدرجة المقدسة في الواجب، وإن تقاربت الألفاظ، كما قال رسول الله صلى الله

علیہ وسلم لطیف: ﴿إِنَّمَا أَنْتَ رَفِيقٌ، وَالطَّبِيبُ هُوَ اللَّهُ﴾ وکما قال: ﴿السَّيِّدُ هُوَ اللَّهُ﴾ یشیر
إلی بعض المعانی دون بعض.

ثم لما انقضى الحواريون من أصحابه وَحَمَلَةَ دِينِهِ، خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ
وَاتَّبَعُوا الشُّهُورَاتِ، فَحَمَلُوا الْأَلْفَاظَ الْمُسْتَعْمَلَةَ الْمَشْتَبِهَةَ عَلَى غَيْرِ مَحْمِلِهَا، كَمَا حَمَلُوا
الْمُحِبِّيَّةَ وَالشُّفَاعَةَ الَّتِي أَثْبَتَهَا اللَّهُ تَعَالَى فِي قَاطِبَةِ الشَّرَائِعِ لِحَوَاصِ الْبَشَرِ عَلَى غَيْرِ مَحْمِلِهَا؛
وَكَمَا حَمَلُوا صُدُورَ خَرَقِ الْعَوَائِدِ وَالْإِشْرَاقَاتِ عَلَى انْتِقَالِ الْعِلْمِ وَالتَّخْيِيرِ الْأَفْصَحِينَ إِلَى هَذَا
الَّذِي يُرَى مِنْهُ؛ وَالْحَقُّ: أَنَّ ذَلِكَ كَلَّمَهُ يَرْجِعُ إِلَى قُوَى نَاسُوْنِيَّةٍ أَوْ رُوحَانِيَّةٍ، نُعْدُ لِنُزُولِ التَّدْبِيرِ
الْإِلَهِيِّ عَلَى وَجْهِهِ، وَلَيْسَ مِنَ الْإِبْجَادِ وَالْأُمُورِ الْمُخْتَصَّةِ بِالْوَاجِبِ فِي شَيْءٍ

ترجمہ: اور جب دونوں درجوں میں استعمال ہونے والے الفاظ قریب قریب یکساں تھے، تو کبھی وحی سہاوی کی
لفظوں غیر محمل پر محمول کر دی جاتی ہیں، اور بار بار آدمی انسانوں کے بعض افراد سے، یا مانا کہ سے یا ان کے علاوہ دیگر
مخلوقات سے ایسے آثار صادر ہوتے ہوئے دیکھتا ہے جن کو وہ اپنے ابنائے جنس سے مستبعد سمجھتا ہے، پس معاملہ اس پر
مشتبہ ہو جاتا ہے، پس وہ اس مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ جیسی بزرگی اور اللہ جیسی تصرف کی قوت ثابت کر دیتا ہے۔

اور لوگ (صفات کے) بلند درجہ کے پہچاننے میں یکساں نہیں ہیں۔ پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو ان انوار کی
صلاحتوں کا احاطہ کر لیتے ہیں جو مواد کو گھیرے ہوئے ہیں اور جو مواد پر چھائی ہوئی ہیں اور وہ ان کو اپنی جنس ہی سے
سمجھتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض لوگ اس کے ادراک کی طاقت نہیں رکھتے۔

اور ہر انسان اس چیز کا مکلف ہے جس کی اس کے اندر استطاعت ہے۔ اور یہی مطلب ہے اس واقعہ کا جس کو
صادق و مصدوق ﷺ نے نقل کیا ہے یعنی ایک سخت گندہ گڑھ شخص کا نجات پانا جس نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا تھا کہ
جب وہ مر جائے تو وہ اس کی لاش کو جلادیں اور اس کی راکھ کو اڑادیں، اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو
زندہ کر دیں اور قدرت حاصل کر لیں، پس شخص یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ قدرت تامہ کے ساتھ متصف ہیں۔ لیکن وہ یہ
سمجھ رہا تھا کہ قدرت کا تعلق کمالات سے ہے، تمتعات سے نہیں اور وہ یہ گمان کرتا تھا کہ راکھ جس کا آدھا ہوا میں اڑا یا
گیا ہو اور آدھا دریا میں بہا یا گیا ہو اس کا جمع کرنا محال ہے۔ پس اس کا یہ گمان ایمان کی کمی نہیں گردانا گیا۔ اور اس کے
علم فہم کے بقدر اس سے معاملہ کیا گیا اور وہ شخص کافر شمار نہیں کیا گیا۔ (تو) تشبیہ اور ستاروں کو اور ایسے نیک بندوں کو جن
سے خارق عادت امور جیسے کشف اور دعا کی قبولیت کا ظہور ہوا، شریک گردانا لوگوں میں موروٹی چیز ہو گیا۔

اور جو بھی پیغمبر اپنی قوم میں مبعوث کیا جاتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوم کو شرک کی حقیقت سمجھائے اور
دونوں درجوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرے اور مقدس درجہ کو واجب تعالیٰ میں منحصر کرے، اگرچہ الفاظ قریب قریب

ہوں، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک حکیم کو مخاطب کر کے فرمایا: ”آپ مہربان (سہولت فراہم کرنے والے) ہی ہیں اور طیب اللہ تعالیٰ ہی ہیں“ اور جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ: ”سید تو اللہ تعالیٰ ہیں“ آنحضور ﷺ (لفظ طیب اور سید کے) بعض معانی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، نہ کہ بعض کی طرف۔

پھر جب اس پیغمبر کے ساتھیوں میں سے مخصوص حضرات کا، اور اس کے دین کے حاطین کا زمانہ گزر گیا، تو ان کے بعد ایسے خالف جانشین آئے جنہوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشات کی پیروی کی، پس انہوں نے ان مشتبه الفاظ کو جو (شرائع الہیہ میں) استعمال کئے گئے تھے، غیر محل پر محمول کر دیا، جس طرح انہوں نے محبوبیت اور شفاعت کے الفاظ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام شریعتوں میں اپنے مخصوص بندوں کے لئے ثابت کیا ہے، غیر محل پر محمول کر دیا۔ اور جس طرح انہوں نے خارق عادت امور کے صدور کو اور اشراقات (وانوار) کو محمول کیا آخری درجہ کے علم اور آخری درجہ کی قوت تغیر (وتصرف) کی صفتوں کے منتقل ہونے پر اس شخص کی طرف جس سے وہ باتیں دیکھی گئی ہیں۔ اور سچی بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں (خوارق وانوار) ناسوتی یا روحانی طاقتوں کی طرف لوثی ہیں، جو تدبیر الہی کے نزول کو کسی طور پر تیار کرتی ہیں۔ اور ایجاد (وتکوین) اور ان امور سے جو ذات واجب کے ساتھ خاص ہیں، کوئی تعلق نہیں۔

لغات:

الصادق (ام فاعل) المصدق (ام مفعول) سچے اور سچے کئے گئے یعنی لوگ آپ کو سچا کہتے ہیں۔ صادق وہ ہے جو اپنی باتوں میں سچا ہو، اور مصدق وہ ہے جس کی صداقت کو لوگ تسلیم کر لیں۔ لہذا كانت الألفاظ المستعملة الخ دور تک جملہ شرطیہ ہے، اور كان التشبيه والإشراق الخ جملہ جزائیہ ہے۔ اور ف محذوف ہے۔ العوائد جمع العادة۔ الإشراقات جمع الإشراق: چمک، روشنی، انوار۔ الأفصی (ام تفصیل) زیادہ دور اور انتہائی۔ المشتبهہ: مشتبہ المراد غیر ظاہر المعنی۔ ناسوت: عالم اجسام، قوی ناسوتیہ: جسمانی صلاحیتیں۔ مراد یہ ہے کہ جب موالید (اجسام) میں جسمانی یا روحانی صلاحیت پیدا ہوتی ہے تو تدبیر الہی نازل ہوتی ہے اور اس کے نزول کا ایک انداز ہوتا ہے۔ یعنی علیہ السلام کے معجزات کے ساتھ سورۃ المائدہ آیت ۱۱۱ میں جو بار بار لفظ باذنی آیا ہے اس سے یہی تدبیر الہی مراد ہے۔

قولہ: کما حملوا المحبوبة الخ، فإن المحبوبة أثبتها الله تعالى لخواص البشر بمعنى أنهم مطيعون لله تعالى، خاشعون له، ناصحون لذنبه، فحملها الناس على كون المحبوب مختاراً كلياً أو جزئياً، وكذلك الشفاعاة، أثبتها الله تعالى أيضاً لخواص البشر بمعنى أنهم يشفعون بعد إذن الله تعالى، فحملها الناس على أنهم في الشفاعاة مختارون: يشفعون لمن شاؤا ويتركون لمن شاؤا ونجاة العصاة موقوفة على رضاهم، فالناس يجتهدون كل الجهد في إرضائهم بمحافل العرس والنصرع إليهم؛ وهذا الحمل جهل منهم بشأنهم، وشأن الله تعالى (سندی بتعديل وحذف)

قوله: والحق الخ أى الحق أن صدور الحواری والمکاشفات ثابتة بقوى ناسوتية متعلقة بطبيعة الإنسان كما یلین الحدید فی ید داود علیه السلام، أو بقوى روحانية كما انشق القمر بإشارة سید البشر صلی الله علیه وسلم، لأن القوى تعد لنزول التدبیر الإلهی فی العالم بوجه ماء، فإن تدبیر تلین الحدید وانشقاق القمر كان تدبیراً إلهیاً، لا اختیار فیہ للبشر، والمعد لنزول هذا التدبیر قواه الناسوتية كما لداود علیه السلام أو قواه الروحانية، كما لنبینا صلی الله علیه وسلم (سندی بتعدیل)

شرک و تشبیہ کے بیماروں کی انواع

شرک و تشبیہ کے بیمار دو طرح کے ہیں:

① بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت، بڑائی اور بزرگی کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ اور صرف اپنے خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اپنی تمام حاجتیں انہیں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف قطعاً ملتفت نہیں ہوتے۔ گو وہ عقل و استدلال سے جانتے ہیں کہ موجودات کا سلسلہ پر میثور (خدا تعالیٰ) کی ذات پر جا کر متنبی ہوتا ہے۔ ہندوستان کے عام مشرکین کا یہی حال ہے۔ وہ ایثور کو مانتے ہیں، کائنات کا خالق و مالک اسی کو سمجھتے ہیں۔ مگر ساری دنیا میں ایک بھی مندر خالص بھگوان کی عبادت کے لئے نہیں ہے۔ تمام منادر کسی نہ کسی دیوی و دیوتا کی عبادت کے لئے ہیں، انہیں سے وہ اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور انہی کی پرستش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کا عبادت کا رشتہ منقطع ہے۔

② اور بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آقا اور مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ وہی کائنات کے مدبر و منتظم ہیں۔ مگر وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو بزرگی، تقدس اور الوہیت کا جامہ پہنایا ہے اور بعض مخصوص امور میں ان کو متصرف گردانا ہے۔ اور لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ ان اولیاء کی سفارش قبول کرتا ہے، جیسے شہنشاہ، ملک کے اطراف میں اپنے نمائندے بھیجتا ہے اور ان کو بعض علاقہ کا نظم و نسق سونپ دیتا ہے، اور انہم امور کو مستثنیٰ کر کے باقی امور کا ان کو ذمہ دار بنادیتا ہے۔ اور اللہ کے جن بندوں کے حق میں ان کا یہ خیال خام ہوتا ہے، ان کو وہ ”اللہ کے بندے“ اور ”بشر“ کہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے خیال میں ایسا کہنے سے ان مخصوص بندوں کو دوسرے عام بندوں کے ساتھ برابر کرنا لازم آتا ہے، اس لئے وہ ان کو ”اللہ کے بندے“ کہنے کے بجائے ”اللہ کے پیارے“ اور ”محبوب سبحانی“ کہتے ہیں اور اپنے نام عبدالمسح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بندہ) عبد العزی (عزیز نامی بت کا بندہ) عبد المصطفیٰ (رسول اللہ ﷺ کا بندہ) غلام مصطفیٰ، غلام نبی، غلام رسول وغیرہ رکھتے ہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ جو توحید و رسالت کے قائل ہیں ان میں یہ مرض عام ہے۔ اسی طرح دور حاضر میں ملت مصطفویٰ کی اتباع کے دعوے دار بعض غالی منافقوں کا یہی

مرض ہے۔ جو دنیا میں مختلف ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ برصغیر میں وہ بریلیوی اور رضا خانی کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے (آمین)

مظاہر شرک کا حکم: اصل شرک تو وہی ہے جس کی اوپر وضاحت کی گئی کہ صفات کے دونوں درجوں میں فرق نہ کیا جائے، دونوں درجوں کو باہم خلط ملط کر دیا جائے اور صفات کے برتر و مقدس درجہ کو کسی مخلوق کے لئے ثابت کیا جائے۔ مگر چونکہ احکام شرعیہ کا مدار ”مَنْظُومَہ“ کو اصل کے قائم مقام کرنے پر ہے۔ مظنہ یعنی وہ جگہ جہاں کسی چیز کے موجود ہونے کا گمان ہو، اس کو سبب حقیقی کے قائم مقام کر کے احکام شرعیہ اس سے متعلق کئے جاتے ہیں، جیسے گہری نیند کو خروجِ رت کا مظنہ ہونے کی وجہ سے اصل حدث کے قائم مقام گردانا گیا ہے۔ اور ۷۷ گلو میٹر اور ۲۴ میٹر کے سفر کو اصل علت مشقت کے قائم مقام کیا گیا ہے اور تمام احکام اصل علت کے بجائے سبب ظاہری سے متعلق کئے گئے ہیں۔ اسی طرح باب شرک میں کچھ محسوس چیزوں کو جو شرک کے مظان تھے شرک و کفر گردانا گیا ہے مثلاً بتوں کو یا قبروں کو سجدہ کرنا، دیوی دیوتاؤں یا ولیوں کے لئے جانور ذبح کرنا اور ان کے نام کی قسمیں کھانا وغیرہ۔

ایک واقعہ جس سے شرک کی حقیقت واضح ہوئی: حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے خواب میں یا ماکشفہ میں یا مرقبہ میں ایک منظر دیکھا کہ ایک چھوٹی سی زہریلی کبھی ہے جو ہر وقت دم ہلاتی رہتی ہے۔ ایک قوم اس کو پوج رہی ہے اور اس کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ واقعہ دیکھ کر شاہ صاحب کے ذہن میں یہ سوالات ابھرے کہ کیا ان لوگوں کی عبادت میں شرک کی وہ غفلت پائی جاتی ہے جو بت پرستوں میں پائی جاتی ہے؟ شاہ صاحب نے غور کیا تو آپ کو وہ غفلت نظر نہ آئی، کیونکہ ان لوگوں نے کبھی نہ صرف قبلہ بنایا تھا، خود اس کی وہ بندگی نہیں کر رہے تھے اور تدلل کے دونوں درجوں میں انہوں نے خلط ملط بھی نہیں کیا تھا۔ یعنی غایت تدلل کا تحقق نہیں ہوا تھا اس واقعہ سے شاہ صاحب قدس سرہ نے مسئلہ شرک کی حقیقت پالی اور آپ کا دل اس علم سے معمور ہو گیا اور مسئلہ میں آپ کو پوری بصیرت حاصل ہو گئی یعنی تو حید کیا ہے؟ شرک کیا ہے؟ تو حید کے مظان کیا ہیں؟ اور شرک کے مظان کیا ہیں؟ اسی طرح عبادت و تدبیر میں کیا ربط ہے یہ سب باتیں شاہ صاحب قدس سرہ پر کھل گئیں، جو اس باب میں آپ نے ہمیں سمجھائی ہیں اور آگے بھی جگہ جگہ بیان کریں گے۔

والمَرَضَى بهذا المرض على أصناف:

منهم: من نسي جلالَ الله بالكلية، فجعل لا يعبد إلا الشركاء، ولا يرفع حاجته إلا إليهم، لا يلتفت إلى الله أصلاً، وإن كان يعلم بالنظر البرهاني أن سلسلة الوجود تنصيرُ إلى الله.

ومنهم: من اعتقد أن الله هو السيد، وهو المدبّر، لكنه قد تخلع على بعض عباده لباس الشرف والتألق، ويجعله متصرفاً في بعض الأمور الخاصة، ويقبل شفاعته في عبادته، بمنزلة مَلِكِ الملوك يبعث على كل فُطْرٍ مَلِكًا، ويقلّده تدبير تلك المملكة، فيما عدا الأمور العظام،

فَيَسْلُجُ لِسَانَهُ أَنْ يَسْمِيَهُمْ عِبَادَ اللَّهِ، فَيَسْوِيَهُمْ وَغَيْرَهُمْ، فَعَدَلَ عَنْ ذَلِكَ إِلَى تَسْمِيَتِهِمْ أَنْبَاءَ اللَّهِ، وَمَحْبُوبِي اللَّهِ، وَاسْمَى نَفْسَهُ عَبْدًا لِأَوْلَئِكَ، كَعَبْدِ الْمَسِيحِ، وَعَبْدِ الْعَزَى.

وہذا مرضُ جمهور اليهود، والنصارى، والمشرکین، وبعضِ الغلاة من منافقِ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم یومنا هذا.

ولما كان مبنى التشريع على إقامة المظنّة مقام الأصل عُدَّ أشياء محسوسة هي مظانّ الإشرک کفراً، كسجدة الأصنام والذبح لها، والحلف باسمها، وأمثال ذلك.

وكان أولُ فتح هذا العلم عَلَيَّ: أَنْ رُفِعَ لِي قَوْمٌ يَسْجُدُونَ لِذُبَابٍ صَغِيرٍ سُمِّيَ، لَا يَزَالُ يَحْرُكُ ذَنْبَهُ وَأُطْرَافَهُ، فُفِّتْ فِي قَلْبِي: هَلْ تَجِدُ فِيهِمْ ظُلْمَةَ الشَّرْكِ؟ وَهَلْ أَحَاطَتْ الْخَطِيئَةُ بِأَنْفُسِهِمْ، كَمَا تَجِدُهَا فِي عَبْدَةِ الْأَوْثَانِ؟ قُلْتُ: لَا أَجِدُهَا فِيهِمْ، لِأَنَّهُمْ جَعَلُوا الذُّبَابَ قِبْلَةً، وَلَمْ يَخْلُطُوا دَرَجَةَ تَذَلُّلٍ بِالْأُخْرَى؛ قِيلَ: فَقَدْ هُدِيتَ إِلَى السِّرِّ، فَبِوَسْطِ قَلْبِي بِهَذَا الْعِلْمِ، وَصِرْتُ عَلَى بَصِيرَةٍ مِنَ الْأَمْرِ، وَعَرَفْتُ حَقِيقَةَ التَّوْحِيدِ وَالْإِشْرَاقِ، وَمَا نَصَبَهُ الشَّرْعُ مِظَانًا لَهُمَا، وَعَرَفْتُ ارْتِبَاطَ الْعِبَادَةِ بِالْعُدْبِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور اس مرض کے مریض کئی طرح کے ہیں:

بعض وہ ہیں جنہوں نے حلال الہی کو بالکل فراموش کر دیا ہے، پس وہ صرف اپنے خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنی حاجتیں انہیں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مطلق التفات نہیں کرتے، اگرچہ دلیلِ برہانی سے وہ جانتے ہیں کہ وجود کا سلسلہ اللہ پر ختم ہوتا ہے (یعنی وہی موجود حقیقی ہیں اور انہیں نے ہر موجود کو وجود بخشا ہے) اور بعض: یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آقا صرّف اللہ تعالیٰ ہیں اور وہی منتظم ہیں۔ لیکن کبھی وہ اپنے بعض بندوں کو، بزرگی اور خدائی کا جامہ پہناتے ہیں اور ان کو بعض مخصوص امور میں متصرف گردانتے ہیں۔ اور ان کی سفارش اپنے بندوں کے حق میں قبول کرتے ہیں، جیسے شہنشاہِ ہر خطہ میں ایک بادشاہ بھیجتا ہے۔ اور اس کو اس مملکت کے نظم و نسق کا ذمہ دار بناتا ہے۔ اہم امور کے علاوہ میں۔ پس ان لوگوں کی زبان لڑکھاتی ہے کہ وہ ان کو "اللہ کے بندے" کہیں، پس وہ ان کو اور ان کے علاوہ کو برابر کر دیں۔ پس وہ اس سے گریز کرتے ہیں اور ان کو "اللہ کے بیٹے" اور "اللہ کے محبوب" کہتے ہیں۔ اور خود کو ان کا بندہ کہتے ہیں، جیسے عبدالمسح، عبدالحزی۔

اور یہ عام یہود و نصاریٰ اور مشرکین اور ہمارے اس زمانہ کے آنحضور ﷺ کے دین کے بعض غالی منافقوں کا مرض ہے۔

اور چونکہ شریعت کا مبنی مطنہ کو اصل کے قائم مقام گردانے پر ہے تو کچھ محسوس چیزوں کو جو شرک کے مظان تھے

(یعنی جن سے شرک کے پیدا ہونے کا احتمال تھا) کفر گردانا، جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، ان کے لئے جانور ذبح کرنا اور ان کے نام کی قسم کھانا اور اس قسم کی اور چیزیں۔

اور عظیم سب سے پہلے مجھ پر اس وقت کھلا کہ میرے سامنے ایک ایسی قوم پیش کی گئی جو ایک چھوٹی سی زہریلی مکی کے سامنے، جو ہر وقت اپنی دُوم اور پر ہلایا کرتی تھی، سجدہ کر رہی تھی۔ پس میرے دل میں ڈالا گیا: کیا تم ان لوگوں کے اندر شرک کی تاریکی پاتے ہو؟ اور جس گناہ نے بت پرستوں کو گھیر رکھا ہے اس نے ان کو بھی گھیر رکھا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، ان کے اندر میں وہ چیزیں نہیں پاتا، اس لئے کہ ان لوگوں نے مکھی کو قبلہ گردانا ہے۔ اور بتوں کے ایک درجہ کو دوسرے درجہ کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، کہا گیا کہ آپ نے راز پالیا۔ پس اس دن سے میرا دل اس علم سے معمور ہو گیا اور میں معاملہ میں بال بصیرت ہو گیا، اور میں نے توحید و شرک کی اور جن امور کو توحید و شرک کا مضبوط گردانا گیا ہے ان کی حقیقت سمجھ لی اور میں عبادت و تدبیر میں جو ربط ہے اس سے بھی واقف ہو گیا۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

لغات:

النظر البرہانی أى بالدلیل العقلی... .. اَللّٰہَ تَالٰہُ: خدا کا مرتبہ دینا... .. لَجَلَجَ لَجَلَجَةً وَتَلَجَلَجَ: تتلانا، ہکلاتا، رک رک کر بولنا، صاف نہ بولنا... .. الْمَرْضٰی جمع المریض.

قوله: لَا تُنْهَمُ جَعَلُوا الذِّبَابَ الْخِ أَى جَعَلُوهَا قِبْلَةً فَقَطْ، وَلَمْ يَخْطُوا الدَّرَجَةَ السَّافِلَةَ بِالْدرَجَةِ المتعالية المخصوصة باللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ، وَإِنَّمَا لَمْ يَحْکُمِ المصنّف رحمہ اللّٰہ بإشْرَکِ هَذَا القَوْمِ، وَإِنْ کَانَتْ السَّجْدَةُ مَظَنَّةَ الإِشْرَکِ بِاللّٰہِ تَعَالٰی لِأَنَّهُ عِلْمٌ بِالمَکْشُفَةِ عَلِمَا یَقِیْنُ أَنَّهُمْ لَمْ یُتَبَوِّا لِلذِّبَابِ العَدِیْرِ وَالتَّسْخِیرِ، وَلَمْ یَتَوَقَّعُوا مِنْهُ النِّفْعَ وَالنَّضْرَ، بَلْ جَعَلُوهُ قِبْلَةً فَقَطْ، وَإِنَّمَا اَلْعِتْبَارُ بِالْمَظَانِ إِذَا لَمْ یُعْلَمِ الْحَقِیْقَةُ مِنْ جَانِبِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْوَحٰی أَوِ الْمَکْشُفَةِ أَوْ بِنَحْوِہُمَا مِنَ الإِلْقَاءِ فِی الرُّوعِ (سندی رحمہ اللّٰہ) قوله: اِرْتِبَاطُ الْعِبَادَةِ بِالتَّدْبِیرِ أَى تَقْتَضِی طَبِیْعَةُ الْإِنْسَانِ أَنْ یُعْبَدَ لِمَدْبِرِهِ فَقَطْ (سندی)

باب — ۳

مظاہر شرک یعنی شرک کی صورتوں کا بیان

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بڑے آدمی کے بارے میں یعنی کسی نبی یا ولی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس سے جو خارق عادت آثار عجیبہ یعنی معجزات و کرامات صادر ہوئی ہیں وہ اس کے ذاتی افعال ہیں یعنی وہ افعال اس ہستی سے ہیں جو صادر ہوئے ہیں کہ وہ صفات کمالیہ میں سے کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف ہے جو انسانوں میں نہیں

پائی جاتی، واجب تعالیٰ کے ساتھ وہ صفت خاص ہے۔ غیر اللہ میں وہ صفت اسی وقت پاکی جاسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کو خلعت الوہیت سے نواز دیں یا کوئی فانی فی اللہ، باقی باللہ ہو جائے، یا اس قسم کے اور خرافی عقائد جو شرک میں مبتلا لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ ”مسلم شریف“ (کتاب الحج، باب التلبیہ ۹۰: ۸ مصری) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے:

”لیک (ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں) لا شریک لک (تیرا کوئی شریک نہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس رسول اللہ ﷺ فرماتے: تمہارا ناس ہو! پس، پس (یعنی اس پر کو، آگے نہ کہو مگر مشرکین اس پر پس نہیں کرتے تھے) پس وہ کہتے: الا شریکاً ہو لک تملیکہ و مملک (مگر ایک شریک جو تیرا ہے، تو اس کا مالک ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں (یہ ترجمہ مانافہ کی صورت میں ہے) یا تو اس کا مالک ہے اور اس چیز کا بھی مالک ہے جس کا وہ مالک ہے (یہ ترجمہ مامول کی صورت میں ہے) مشرکین یہ کہتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرتے تھے“

یعنی مشرکین جو اللہ کا ایک شریک مانتے تھے اس کو خدا کی طرف سے مختار مانتے تھے، وہ لوگ اصل مختار و مالک خدا ہی کو مانتے تھے، اسی طرح مشرک اقوام معظم اشخاص کو عطا کی اختیارات کا حامل مانتی ہیں۔ ذاتی اختیارات کی قائل نہیں ہیں۔ پھر وہ اس ہستی کے سامنے غایت تدلل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کی صورت بنا کر پوجتے ہیں یا اس کی قبر کو یا اس کی کسی یادگار کو سجدہ کرتے ہیں یا اس کا طواف کرتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، بتیں مانتے ہیں اور اس کے نام کی قسمیں کھاتے ہیں۔ غرض اس کے ساتھ ویسا معاملہ کرتے ہیں جیسا بندے خدا کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہی شرک ہے۔

شرک کے مظاہر: شرک ایک معنوی چیز ہے، کیونکہ وہ ایک اعتقاد ہے، جو دل کا عمل ہے۔ البتہ اس کے مظاہر (ظاہری افعال) ہیں، جو شرک پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا یا اس کے نام کی قسم کھانا وغیرہ۔ اور شریعت انہیں صورتوں، شکلوں، سانچوں اور محسوس بیکروں سے بحث کرتی ہے جن کو لوگ بنیت شرک اختیار کرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ وہ مظاہر، شرک کی ”اختتامی جگہیں“ بن جاتی ہیں یعنی ان سے شرک پیدا ہونے کا طعن غالب ہو جاتا ہے۔ اور عادتاً بھی وہ شرک کے ساتھ لازم ہیں، ان سے منفک نہیں۔ اور شریعت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان علامات و افعال ظاہری کو جو مصالح و مفاسد کے ساتھ لازم و ملزوم ہوتے ہیں، اصل مصالح اور مفاسد کے قائم مقام گردانتی ہے، مثلاً بخل و سخاوت افعال قلبیہ ہیں، شریعت نے ان کی جگہ زکوٰۃ دینے نہ دینے کو رکھ دیا ہے، جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ شریعت کی نظر میں خنی ہے اور جو زکوٰۃ نہیں دیتا وہ بخل ہے۔ اسی طرح نوم غالب کو خروج ریح کے قائم مقام کیا ہے کیونکہ بحالت نوم اصل علت کا ادراک مشکل ہے اسی طرح نفس سفر کو مشقت کے قائم مقام کر دیا ہے۔ کیونکہ مشقت کو ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی مظاہر شرک کو اصل شرک کے قائم مقام کر دیا ہے کیونکہ اصل شرک جو دل کا ایک اعتقاد ہے اس کو جاننے کی کوئی صورت نہیں اب تمام احکام انہیں مظاہر پر دائر ہوں گے جو بھی بت کو یا قبر کو سجدہ کرے گا اس پر شرک کا حکم

لگایا جائے گا گو شرک کی حقیقت اس کے دل میں نہ پائی جاتی ہو۔

﴿باب أقسام الشرك﴾

حقیقۃ الشُّرک: أَن یعتقد إنسانٌ فی بعض المعظمین من الناس: أَن الآثار العجیبۃ الصادرة منه إنما صدرت لكونه متصفاً بصفة من صفات الكمال، مما لم یُعهد فی جنس الإنسان، بل یختص بالواجب جلّ مجده، لا یوجد فی غیره، إلا أَن یخلع هو خلعة الألوهیة علی غیره، أو یفنی غیره فی ذاته، ویبقى بذاته، أو نحو ذلك مما یظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات، كما ورد فی الحدیث: ﴿إِن المشرکین كانوا یُلَبُّونَ بهذه الصیغة: لیبک لیبک لاشریک لك، إلا شریکاً هو لك، تملکة وما ملک﴾ فیتذل عندہ أقصى التذلّل، و یعامل معه معاملة العباد مع اللہ تعالیٰ. وهذا معنی، له أشباح وقوالب، والشرع لا یبحث إلا عن أشباحه وقوالبه التي باشرها الناس ببنیة الشُّرک، حتی صارت مظنةً للشُّرک، ولازمًا له فی العادة، کسنة الشرع فی إقامة العلل المتلازمة للمصالح والمفاسد مقامها.

ترجمہ: اقسام شرک کا بیان: شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بڑے آدمی کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس سے جو آثار عجیبہ صادر ہوئے ہیں وہ صرف اس وجہ سے صادر ہوئے ہیں کہ وہ صفات کمالیہ میں سے کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف ہے جو جنس انسان میں نہیں پائے گئے، بلکہ وہ واجب تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ ان کے علاوہ میں نہیں پائے جاسکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ کو خدائی کی پوشاک پہنائیں، یا کوئی غیر اللہ، اللہ کی ذات میں فنا ہو جائے اور وہ اللہ کی ذات کے ساتھ باقی رہے یا اس قسم کی دیگر خرافات جن کا یہ معتقد قائل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ مشرکین حج کا تعلیم اس طرح پڑھتے تھے لیبک لیبک (ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں، ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، مگر ایک شریک جو تیرا ہے، اس کا اور اس کی ملکیت کا تو مالک ہے یا اس کا تو مالک ہے اور وہ مالک نہیں ہے) پس وہ اس (بڑے آدمی) کے سامنے غایت درجہ عاجزی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ویسا معاملہ کرتا ہے، جیسا بندے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

اور یہ شرک (جس کی حقیقت اوپر بیان کی گئی) ایک معنوی چیز ہے، جس کے لئے صورتیں اور سانچے ہیں اور شریعت انہی صورتوں اور سانچوں سے بحث کرتی ہے، جن کو لوگ شرک کی نیت سے اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ شرک کا مظنہ (کسی چیز کے ملنے کی احتمالی جگہ) ہو گئے ہیں اور عادات شرک کے لئے لازم ہیں، جس طرح شریعت کا طریقہ ہے کہ وہ ان علتوں (علامتوں) کو جو مصالح و مفاسد کے ساتھ لازم ملزوم ہیں، ان مصالح و مفاسد کے قائم مقام گردانتی ہے۔

تشریح: اللہ کی ذات میں فنا ہونے اور اللہ کی ذات کے ساتھ باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخصیت کو اللہ کا عین گمان کیا جائے۔ اور اس کے لئے خلق و تدبیر کی صفات مان لی جائیں، جو کہ خدائی صفات ہیں۔

فائدہ:

نیت اور مظاہر کے اعتبار سے شرک کی چند قسمیں ہیں:

۱۔ وہ شرک جس کا مرتکب کافر بخدا فی النار ہے۔

۲۔ وہ شرک جو حرام ہے مگر اس کا مرتکب نہ کافر ہے، نہ مخلد فی النار۔ صرف گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

۳۔ وہ شرک جو مکروہ تحریمی ہے اور اس کا مرتکب سخت گنہگار ہے، مگر کافر نہیں ہے۔

اور ان اقسام کو پہچاننے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل شرک کے ساتھ معظم ذات کی الوہیت، تدبیر عالم اور تصرف فی الکائنات کا عقیدہ بھی ہو تو وہ مفضی الی الکفر ہے، ورنہ نہیں، اور چونکہ یہ اعتقاد ایک مخفی امر ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کو جانتے ہیں، اس لئے عایت تہذیل ظاہر کرنے والے افعال کو نیت و اعتقاد کا قائم مقام گردانا گیا ہے، جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا اور ان کی قسم کھانا، ان کی منت ماننا، ان کے نام کا وظیفہ پڑھنا اور اس طرح کے دیگر اعمال شرکیہ جو عام طور پر الوہیت کے عقیدہ ہی سے ہوتے ہیں۔

اور شرک کی نظیر ”بغوات“ ہے بغوات کے بعض مجرم واجب القتل ہوتے ہیں، بعض جس دوام یا لمبی قید کے سزاوار ہوتے ہیں اور بعض زجر شدید کے مستحق ہوتے ہیں۔

پس جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور ساتھ ہی اعمال شرکیہ بھی کرتا ہے، بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرتا ہے، ان کی نیتیں مانتا ہے ان سے مدد طلب کرتا ہے اور اولاد مانگتا ہے، وہ شرک تو ہے مگر کافر نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے وہ جہنم میں گناہوں کی سزا پائے گا مگر بالآخر نجات پائے گا۔ وہ اسلام سے خارج نہیں۔ واللہ اعلم

شرک کی صورتوں کا تفصیلی بیان

اب حضرت شاہ صاحب قدس سرہ شرک کے پیکر ہائے محسوس بیان کرتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامی میں شرک کے مظان (مواقع شرک) قرار دیا ہے اور ان کی ممانعت فرمائی ہے۔ شاہ صاحب نے اس باب میں شرک کی نو صورتیں بیان کی ہیں، جو یہ ہیں: ۱۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ۲۔ حوائج میں غیر اللہ سے مدد طلب کرنا ۳۔ کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی کہنا ۴۔ علماء و مشائخ کو تھلیل و تحریم کا اختیار دینا ۵۔ غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا ۶۔ غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا ۷۔ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا ۸۔ غیر اللہ کی جگہوں کا حج کرنا ۹۔ غیر اللہ کی طرف بندگی کی نسبت کر کے نام رکھنا۔

یہ نو چیزیں ایسی ہیں جو دل میں کمون شرک کی غمازی کرتی ہیں۔ اور اگر دل میں ابھی شرک متحقق نہیں ہوا تو رفتہ رفتہ ہو جائے گا۔ اس لئے شریعت میں ان امور کی شدت سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ذیل میں ان تمام شکلوں کا تفصیلی بیان ہے۔

① غیر اللہ کو سجدہ کرنا

لوگ بتوں کو اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے ہیں، اس لئے غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت آئی۔ سورہ حٰجۃ المسجدة آیت ۷۷ میں ارشاد ہے:

”اور اس کی نشانیں میں سے رات، دن، سورج، اور چاند ہیں۔ سو تم نہ تو سورج کو سجدہ کرو، اور نہ چاند کو۔ اور اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر تم کو خدا کی عبادت کرنی ہے“

اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ شرک فی السجدہ اور شرک فی التذہیر میں چوٹی دامن کا ساتھ ہے۔ یعنی جو غیر خدا کو مدبر عالم مانتا ہے وہ ضرور اس کو سجدہ کرتا ہے یا کرے گا۔ اسی طرح جو غیر خدا کو سجدہ کرتا ہے، وہ ضرور اس کو مدبر عالم سمجھتا ہے یا سمجھے گا۔ اس بحث کے باب اول میں جو توحید کے بیان میں ہے اس بات کی طرف اشارہ آچکا ہے کہ توحید کے مراتب اربعہ میں سے آخری دوسرے باہم مربوط اور لازم ملزوم ہیں۔ ان میں فطری ارتباط اور عادی لزوم ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔

توحید عبادت، دین کا بنیادی اور عقلی مسئلہ ہے

فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا تھا اس کے متعلق اجماع ہے کہ وہ عبادت کا سجدہ نہیں تھا، تعظیم اور سلامی کا سجدہ تھا، کیونکہ غیر اللہ کو عبادت کا سجدہ کرنا کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کفر کے کاموں کا بندوں کو حکم نہیں دیتے۔ پھر تمہیں رائیں ہیں: ایک رائے: یہ ہے کہ آدم علیہ السلام صرف قبلہ توجہ تھے، سجدہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کیلئے تھا۔ یہ قول صحیح نہیں ہے۔ دوسری رائے: یہ ہے کہ سجدہ آدم علیہ السلام ہی کو کیا گیا تھا، مگر یہ سجدہ تعظیم و تہیہ تھا، سجدہ عبادت نہیں تھا۔ اور سابقہ امتوں میں ایسا سجدہ روا تھا۔ یہ رائے صحیح ہے۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ در حقیقت سجدہ کیا ہی نہیں گیا تھا۔ بلکہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے انقیاد و خضوع کا اظہار کیا تھا۔ یعنی سراطاعت خم کیا تھا، جس کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ رائے بھی صحیح نہیں ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدہ تو عبادت ہے، اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سجدہ کا حکم کیسے دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سجدہ ہمیشہ عبادت نہیں ہوتا۔ وہ نیت کے تابع ہے۔ اگر بہ نیت تعظیم و تہیہ سجدہ کیا جائے تو وہ عبادت نہیں ہے مگر چونکہ وہ شرک کا مظہر ہے، اس لئے ہماری شریعت میں مطلقاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا ممنوع قرار دیا گیا

ہے۔ اور اگر سجدہ بہ نیت بندگی ہو تو وہ عبادت ہے۔ اور فرشتوں کا سجدہ پہلی نیت سے تھا۔ کیونکہ غیر اللہ کی عبادت کی حرمت دین کا بنیادی مسئلہ ہے اور ہر طرح سے عقلی بے یعنی اس پر دلیل عقلی قائم کی جاسکتی ہے۔ اور یہ مسئلہ درود شرع کا محتاج نہیں۔ یہ مسئلہ کوئی فرعی مسئلہ نہیں ہے کہ ادیان کے اختلاف سے اس کا حکم مختلف ہو۔ اور اس پر دلیل قائم نہ کی جاسکے (تفصیل کے لئے تفسیر رازی ۲/۱۳۴ دیکھیں)

بعض لوگوں نے مذکورہ اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ سجدہ عبادت سابقہ شریعتوں میں غیر اللہ کے لئے جائز تھا۔ کیونکہ وہ ایک فرعی اور فقہی حکم ہے، جو ادیان کے اختلاف سے مختلف ہو سکتا ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کی حرمت کا مسئلہ کوئی دین کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے، جس پر استدلال عقلی قائم کیا جاسکے۔ روح المعانی (۲/۲۸:۱) میں اس خیال کو ذکر کر کے اس کی تردید کی گئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی اس قول کی تردید کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

بعض متکلمین کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ توحید عبادت یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا احکام فقہیہ میں سے ایک حکم ہے، جو اختلاف ادیان سے مختلف ہو سکتا ہے۔ اور اس پر کسی دلیل عقلی کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قول اس لئے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لازم کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تخلیق و تدبیر میں منفرد سمجھیں یعنی یہ عقیدہ رکھیں کہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو پیدا کرنے والے تھا اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور وہی نظام عالم چلا رہے ہیں۔ وہی پروردگار، پالہار اور مدبر و منتظم ہیں۔ سورۃ النمل آیات ۵۹-۶۳ میں ارشاد ہے:

”آپ (بیان توحید کے لئے بطور خطبہ کے) کہنے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو شرک ٹھہراتے ہیں؟

یا وہ اللہ (بہتر ہے) جس نے آسمان اور زمین کو بنایا، اور اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے ہم نے رونق دار باغ اُگائے، تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اُگاتے (یا وہ بہتر ہیں جن کو لوگ شرک ٹھہراتے ہیں؟) کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ مگر یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں!

یا وہ اللہ بہتر ہے جس نے زمین کو قراقرگاہ بنایا، اور اس کے درمیان نہریں بہائیں، اور اس کے استقرار کے لئے پہاڑ بنائے، اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی (یا شرکاء بہتر ہیں؟) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں زیادہ تو سمجھتے ہی نہیں!

یا وہ اللہ (بہتر ہے) جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے، اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے، اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے (یا وہ شرکاء بہتر ہیں؟) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم فہمیت پذیر ہوتے ہو!

یا وہ اللہ (بہتر ہے) جو تم کو نشی اور دریا کی تاریکیوں میں رستہ سوچھاتا ہے، اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے، جو بارش کی امید ولا کر دلوں کو خوش کر دیتی ہے (یا وہ شرکاء بہتر ہیں؟) کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہیں!

یا وہ اللہ (بہتر ہے) جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو آسمان اور زمین سے تم کو روزی دیتا ہے (یا وہ شرکاء بہتر ہیں؟) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ کہئے: تم اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم سچے ہو!

ان آیات پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق بھی وہی ہے اور مدبر و منتظم بھی وہی ہے پس معبود بھی وہی ہے۔ کیونکہ خلق و تدبیر اور معبودیت میں تلازم ہے۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ پس برحق بات یہ ہے کہ خود مشرکین صرف اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے تھے اور امور عظام کا مدبر و منتظم بھی اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔ اور وہ یہ بھی مانتے تھے کہ توحید مدبر اور توحید عبادت میں تلازم ہے۔ یعنی جو خالق و مدبر ہے وہی معبود ہے، اور کوئی معبود نہیں ہو سکتا، اور جو معبود ہے وہی خالق و مدبر ہے، دوسرا کوئی خالق و مدبر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں باتوں میں فطری ارتباط ہے، جیسا کہ باب التوحید میں گذرا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر مذکورہ پانچ آیتوں میں حجت قائم کی ہے کہ جب تم اللہ ہی کو ہر چیز کا خالق اور امور عظام کا مدبر مانتے ہو تو پھر عبادت شرکاء کی کیوں کرتے ہو؟ سوچو، اُن کا عبادت کا اشتقاق کہاں سے پیدا ہو گیا؟ اللہ اکبر! کیسی کامل برہان الہی ہے! اور کتنی مضبوط و محکم دلیل ہے! پس قائل کا یہ قول کہ توحید عبادت پر دلیل عقلی قائم نہیں کی جاسکتی، کیسے درست ہو سکتا ہے؟!

ونحن نريد أن ننبهك على أمور جعلها الله تعالى في الشريعة المحمدية - على صاحبها الصلوات والتسليمات - مظان للشرک، فنهى عنها:

فمنها: أنهم كانوا يسجدون للأصنام والنجوم، فجاء النهي عن السجدة لغير الله تعالى، قال الله تعالى: ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ، وَلَا لِلْقَمَرِ، وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ﴾ والإشراك في السجدة كان متلازماً للإشراك في التدبير، كما أو مانا إليه.

وليس الأمر كما يظن بعض المتكلمين من أن توحيد العبادة حكم من أحكام الله تعالى مما يختلف باختلاف الأديان، لا يطلب بدليل برهاني، كيف؟ لو كان كذلك لم يُلزمهم الله تعالى بتفرده بالتحليق والتدبير، كما قال - غز من قائل -: ﴿قُلِ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى، أَلَمْ يَكُنْ خَيْرٌ﴾ إلى آخر خمس آيات؛ بل الحق: أنهم اعترفوا بتوحيد الخلق، وتوحيد التدبير في الأمور العظام، وسلموا أن العبادة متلازمة معهما، لما أشرنا إليه في تحفيظ

معنی التوحید، فذلک الزمہم اللہ بما أئزہم، وللہ الحجة البالغة.

ترجمہ: اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو ان امور سے آگاہ کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدیہ — صاحب شریعت پر بے پایاں رحمتیں اور سلام ہو — میں شرک کے مظان (احتمالی جگہیں) گردانی ہیں، پس اُن سے روک دیا ہے: ان میں سے ایک: یہ ہے کہ لوگ بتوں اور ستاروں کے سامنے سجدہ کیا کرتے تھے۔ پس غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنے کی ممانعت آئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”تم یہ آفتاب کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے“ اور سجدہ میں شریک گردانا، تدبیر عالم میں شریک گردانے کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا بعض علمائے کلام خیال کرتے ہیں کہ توحید عبادت احکام خداوندی میں سے ایک حکم ہے، جو اختلاف ادیان کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے (اور) اس پر کوئی دلیل عقلی قائم نہیں کی جاسکتی۔ بعض حکماء کی یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ لوگوں پر لازم قرار نہ دیتے کہ وہ اسے تخلیق و تدبیر میں منفرد سمجھیں، جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔ بات کا قائل بڑی عزت والا ہے۔ ”کہہ دیں: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور سلام ہو اللہ کے اُن بندوں پر جن کو اللہ نے چن لیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہیں“ (اس آیت کے بعد کی) پانچ آیتوں تک پڑھ جاؤ۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ مشرکین تو حیدر مطلق اور امور عظام میں تو حیدر تدبیر کے معترف تھے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ عبادت مذکورہ دونوں توحیدوں کے ساتھ لازم و ملزوم ہے، اُس وجہ سے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، تو حیدر کے معنی کی تحقیق میں، پس اُس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر وہ بات لازم کی ہے جو ان پر لازم کی ہے، اور کامل برہان اللہ تعالیٰ کے لئے ہے!

۲) حوائج میں غیر اللہ سے مدد طلب کرنا

مشرکین اپنی حاجتوں میں جیسے شفا یابی اور مال داری میں غیر اللہ سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ اور اپنے مقاصد میں حاجت برآری کے لئے ان کی نیتیں مانا کرتے تھے۔ اور حصول برکت کی غرض سے ان کے ناموں کی مالاجا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر لازم کیا کہ وہ اپنی نمازوں میں کہا کریں کہ: ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں“ (سورۃ الفاتحہ آیت ۴) اور ارشاد فرمایا: ”تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو“ (سورۃ الحج آیت ۱۸) اور پکارنے سے مراد عبادت نہیں ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے، بلکہ پکارنے سے مراد استغاثہ (داد فریاد) اور طلب اعانت ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۴۰ میں ”پکارنا“ اسی معنی میں آیا ہے، ارشاد ہے:

”بتلاؤ، اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آپڑے، یا تم پر قیامت ہی آچنپے تو کیا خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم

ہے ہو؟ بلکہ اسی کو (اللہ تعالیٰ ہی کو) پکارنے لگو گے، پھر جس مصیبت کے لئے تم پکارو گے اگر وہ چاہے گا تو اس کو ہٹا دے گا، اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان کو بھول جاؤ گے۔“

اس آیت میں پکارنے سے مراد اُڑے وقت میں مدد کے لئے پکارنا ہے، پس سورۃ الجن کی آیت میں بھی یہی معنی ہیں۔ پس غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کی صراحت ممانعت ہوگئی۔
فائدہ:

مفسرین عام طور پر سورۃ الجن کی آیت میں دعا بمعنی عبادت لیتے ہیں۔ اور سیاق آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ پوری آیت یہ ہے ﴿وَإِذْ أَلَمَسْنَا جَذْلَةَ فُلَانٍ فَنَادَىٰ بِإِلَٰهِهِ تَرَجَمَ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں، سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو (ترجمہ شیخ الہند) فُلَانٌ عثمانی میں ہے کہ ”یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لئے مسجد بنا دی گئی ہے، لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الہی کے لئے بنائے جاتے ہیں ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے، وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی بستی کو پکارنا عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خالص خدائے واحد کی طرف آؤ۔ اور اس کا شریک کر کے کسی کو کہیں بھی مت پکارو، خصوصاً مساجد میں جو اللہ کے نام پر تھا اسی کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں“

اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ”اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں، سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو“ اور حاشیہ میں لکھا ہے: ”یعنی یہ جائز نہیں کہ کوئی سجدہ اللہ کو کیا جاوے اور کوئی سجدہ غیر اللہ کو، جیسا مشرکین کرتے تھے“

غرض مفسرین کی عام رائے یہ ہے کہ سورۃ الجن کی آیت میں دعا بمعنی عبادت ہے اور سورۃ الانعام کی آیت میں دعا بمعنی استغاثہ و طلب اعانت ہونے سے ضروری نہیں کہ وہی معنی سورۃ الجن کی آیت میں بھی ہوں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مقصود و ر حقیقت قرآن کریم سے صراحت طلب اعانت کی نہی ثابت کرنا ہے۔ مگر یہ بات اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔

۳) کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی کہنا

مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کو ”اللہ کی بیٹیاں“ اور ”اللہ کے بیٹے“ کہتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان آلائشوں سے پاک ہیں۔ ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ ان کی شان ہے۔ اس لئے ایسا کہنے سے سختی سے روکا گیا۔ اور اس کی وجہ گذشتہ باب کے آخر میں بیان کی جا چکی ہے کہ مشرکانہ مزاج کی حامل اقوام بعض شخصیات کو ”بندہ“ کہنے میں ان کی کسر شان سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی قدر افزائی کے لئے اس طرح کی تعبیرات اختیار کرتے ہیں، جو شرک کا پیش خیمہ ہیں۔

و منها : انہم کانوا یستعینون بغیر اللہ فی حوائجہم : من شفاء المریض ، و غناء الفقیر ،

وَيَسْتَدْعُونَ لَهُمْ، يَتَوَقَّعُونَ إِنْجَاحَ مَقَاصِدِهِمْ بِتِلْكَ النُّذُورِ، وَيَتْلُونَ أَسْمَاءَهُمْ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا، فَأَوْجِبَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِمْ أَنْ يَقُولُوا فِي صَلَوَاتِهِمْ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ، وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ وَقَالَ تَعَالَى: ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾؛ وَلَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الدَّعَاءِ الْعِبَادَةُ، كَمَا قَالَ بَعْضُ الْمَفْسُرِينَ، بَلْ هُوَ الْإِسْتِعَانَةُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ﴾ وَمِنْهَا: أَنَّهُمْ كَانُوا يَسْتُمُونَ بَعْضَ شُرَكَائِهِمْ بَنَاتِ اللَّهِ، وَأَبْنَاءَ اللَّهِ، فَهَيَّاهُ اعْنِ ذَلِكَ أَشَدَّ النِّهْيِ، وَقَدْ شَرَحْنَا سِرَّهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے یہ ہے کہ لوگ اپنی حاجتوں میں یعنی مریض کی شفایابی میں اور فقیر کی مالداری میں غیر اللہ سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ اور ان کی مٹیں مانتے تھے۔ امید رکھتے تھے وہ ان منتوں سے اپنے مقاصد کے پورا ہونے کی اور ان کے ناموں کی مالا جپا کرتے تھے ان ناموں کی برکت کی امید سے، پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر لازم کیا کہ وہ اپنی نمازوں میں کہیں: ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”پس نہ پکارو تم اللہ کے ساتھ کسی کو“ اور ”پکارنے“ سے مراد عبادت نہیں ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے۔ بلکہ طلب اعانت ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے: ”بلکہ اسی کو پکارنے لگو گے تم، پس وہ ہٹائے گا اس کو جس کے لئے تم پکارتے ہو“ اور ان صورتوں میں سے: یہ ہے کہ لوگ اپنے شرکاء (خود ساختہ معبودوں) کو ”اللہ کی بیٹیاں“ اور ”اللہ کے بیٹے“ نام رکھتے تھے، پس وہ ختی کے ساتھ اس سے روکے گئے۔ اور ہم اس کا راز پہلے بیان کر چکے ہیں۔

نوٹ: کانوا يستغيثون اور بل هو الاستعانة بل هو الاستغاثة ہے۔

(۴) علماء و مشائخ کو تحلیل و تحریم کا اختیار دینا

یہود و نصاریٰ اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو رب بنائے ہوئے تھے۔ احبار، جنس کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں ”بڑا عالم“ یہ یہودی اصطلاح ہے۔ ان میں ذر ویش کا رواج نہیں ہے ان کے عوام پر علماء کا قبضہ ہے اور وہ ان، دھب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں عابد و زاہد۔ یہ عیسائیوں کی اصطلاح ہے۔ ان کے یہاں بزرگی اور ترک دنیا کو بہت اہمیت حاصل ہے اور ان کے عوام پر مشائخ کا قبضہ ہے۔ غرض یہود اپنے علماء کی اور عیسائی اپنے بزرگوں کی تحلیل و تحریم کے باب میں اللہ کی اطاعت کی طرح اطاعت کرتے ہیں یعنی ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو چیز یہ لوگ حلال یا حرام کر دیں وہ نفس الامری میں بھی حلال یا حرام ہو جاتی ہے۔ پس اس حلال کے کرنے میں کوئی حرج نہیں اور حرام کے ارتکاب پر مؤاخذہ ہوگا۔ ظاہر ہے ایسی اطاعت صریح عبادت ہے اور یہی ان کو رب بنانا ہے۔

حضرت عدی رضی اللہ عنہ جو پہلے عیسائی تھے، جب اسلام لائے تو انھوں نے سورۃ التوبہ کی آیت ۳۱ کے بارے میں اپنا

خلبان خدمت نبوی میں پیش کیا کہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء و مشائخ کی عبادت نہیں کرتے ہیں، پھر ان کو رب بنانے کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے دریافت کیا: کیا ان کے علماء و مشائخ جن چیزوں کو حلال یا حرام ٹھہراتے ہیں ان کو وہ لوگ حلال یا حرام نہیں سمجھتے؟ حضرت عدیؓ نے کہا: ہاں ایسا تو وہ سمجھتے ہیں! آپؐ نے فرمایا یہی ان کو رب قرار دیتا ہے (ترمذی ۱۳۶۰:۲)

غیر اللہ کو تقبیل و تحریم کا اختیار دینا شرک کیوں ہے؟ اللہ کے سوا کسی کو تقبیل و تحریم کا اختیار دینا شرک اس لئے ہے کہ حلال و حرام ہونے کے معنی میں عالم ملکوت (خلیۃ القدس) میں نافذ ہونے والا اللہ کا حکم بنی حکم فلاں کام کرنے پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔ وہ کیونکہ وہ حلال ہے اور فلاں کام کے کرنے پر مؤاخذہ ہوگا کیونکہ وہ حرام ہے۔ اور بنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور اس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ اب اگر احکام دینے کا اختیار غیر اللہ کے لئے مان لیا جائے تو یہ صفت بنی حکم میں اشراک ہے۔ اور اشراک فی التکون اشراک فی العبادۃ کو مستلزم ہے اس لئے ممنوع ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات پیدا کر کے اس کو کئی عینی احکام دے رکھے ہیں۔ سورۃ الاعراف آیت ۵۴ میں ہے:

”بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ رات پردن کو ڈھانکتا ہے۔ دن دوڑ کر ڈھونڈتا ہے رات کو، اور پیدا کیا سورج، چاند اور ستاروں کو، جو اس کے حکم کے تابع رہا ہیں، سنو: اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم دینا ﴿الَّذِي خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ﴾ اللہ بڑی برکت والے ہیں جو تمام عالم کے پروردگار ہیں!“

خلق کے معنی میں پیدا کرنا۔ اور پیدا کرنے کے بعد نگوینی احکام دینا امر ہے۔ یہ دونوں باتیں اُسی کے قبضہ و اختیار میں ہیں، پس وہی ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہے۔ اور تمام کائنات کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے نگوینی احکام دے رکھے ہیں، انسانوں پر نازل ہوتے ہیں تو شرعی احکام کہلاتے ہیں پس مؤاخذہ اور عدم مؤاخذہ کا اصل سبب نگوینی حکم ہے، اور یہ امر یعنی نگوینی حکم دینا صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ اب اگر یہ اختیار غیر اللہ کو دیا جائے تو یہ شرک فی الطاعہ ہے جس کے لئے عبادت میں اس غیر اللہ کو شریک کرنا نازم ہے، اس لئے ایسا اختیار غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا حرام ہے۔

سوال: قرآن کریم میں اور بہت سی احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت کی گئی ہے، جیسے سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷ میں ہے ﴿يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ، وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (وہ نبی پا کیزہ چیزیں لوگوں کے لئے حلال کرتے ہیں اور گندی چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں) جب تحلیل و تحریم کا حق اللہ ہی کا ہے تو یہ نسبت کیسی؟

جواب: یہ نسبت مجازی ہے، چونکہ رسول اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اس لئے علاقہ توسط کی وجہ سے نسبت کی جاتی ہے۔ تحلیل تحریریم حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد، اس کی خبر اور قطعی علامت ہوتا ہے۔ مسند واری کے مقدمہ میں روایت ہے کہ حضرت جبرئیل جس طرح کتاب اللہ کی وحی لے کر

آتے تھے، احادیث کی وحی بھی لے کر آتے تھے (دارمی: ۱۳۵: باب المسنة قاضیہ علی کتاب اللہ)
یہی سوال مجتہدین کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے کہ مسائل کی جوان کی طرف نسبتیں کی جاتی ہیں وہ کیسی ہیں؟ تشریع
(قانون سازی) کا حق تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، پھر ان ائمہ کا کام کیا ہے؟

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ یہ نسبت بھی مجازی ہے۔ چونکہ مجتہدین مسائل شرعیہ کے ناقل ہیں اس لئے ان کی
طرف نسبت کی جاتی ہے۔ اور نقل کرنا عام ہے خواہ نص صریح سے وہ مسئلہ بیان کریں یا کسی نص سے مستنبط کر کے بیان
کریں۔ دونوں باتیں یکساں ہیں۔ وہ بہر صورت راوی ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسئلہ بتلاتے ہیں، اپنی طرف
سے نہیں بتلاتے۔ علامہ ابن القیم حنبلی رحمہ اللہ نے ایک قیمتی کتاب اصول اجتہاد وقتاوی میں لکھی ہے۔ اس کا نام
إعلام الموقَّعین عن رب العالمین ہے۔ موقع اسم فاعل ہے توفیق سے، جس کے معنی ہیں دستخط کرنا۔ پس کتاب
کے نام کا مطلب ہے: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دستخط کرنے والے ہیں ان کو ضروری باتوں سے باخبر کرنا یعنی
مجتہدین عظام اور مفتیان کرام جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔
فائدہ:

ہندوستان کی ایک جماعت اپنے استناد کے لئے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو ”غیر مقلد“ بتاتی ہے۔ مگر شاہ
صاحب کی اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ غیر مقلد (اہل حدیث) نہیں تھے، بلکہ مقلد تھے۔ کیونکہ غیر مقلدین تو
﴿اتَّخِذُوا أَحِبَّائِهِمْ وَذُهْنَانِهِمْ﴾ سے تقلید کی تردید کرتے ہیں اور اس کو شرک بتلاتے ہیں۔ اور شاہ صاحب مجتہدین
کی طرف سے دفاع کر رہے ہیں۔ اشکال کا جواب دے رہے ہیں اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو مجتہدین کرام کو برحق سمجھتا
ہو اور ان کا معتقد ہو۔ مگر تقلید کو مجتہدین کی طرف سے دفاع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟!

شریعت کی بعض باتوں سے ابا بھی شرک کے زمرہ میں آتا ہے

جب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث فرماتے ہیں اور اس کی رسالت معجزات سے مؤید ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس
کے ذریعہ بعض وہ چیزیں حلال کرتے ہیں جو قدیم ملت میں حرام تھیں، جیسے یہودی ملت میں بار کا دن معظم تھا یا اونٹ کا
دودھ اور گوشت حرام تھا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا اور باری جگہ اتواری حرمت آئی اور باری تعظیم ختم ہو گئی پھر خاتم
النبین ﷺ کا دور آیا تو جو محترم قرار پایا اور اونٹ کا دودھ اور گوشت حلال قرار دیا گیا۔ اب اگر کوئی یہودی یا عیسائی
مسلمان ہوتا ہے مگر اس کا دل باریا اتواری تعظیم کی طرف مائل رہتا ہے یا وہ اب بھی اونٹ کا دودھ یا گوشت استعمال نہیں
کرتا تو یہ بازار ہندوؤں سے ہو سکتا ہے:

۱۔ اس کو فنی شریعت کے ثبوت میں تردد ہے تو یہ نئے نبی کا انکار ہے پس وہ مسلمان نہیں۔

۲۔ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ تحریم اول ناقابل نسخ ہے۔ کیونکہ سابق پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے الوہیت کی پوشاک پہنائی ہے۔ یا وہ فانی فی اللہ، باقی باللہ ہے۔ اس لئے اس نے جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے، اگر ان کو اختیار کیا جائے گا تو وہ ناراض ہو جائے گا مال یا آل میں آفت آئے گی تو شخص مشرک ہے، وہ غیر اللہ کے لئے اللہ جیسی ناراضی اور غضب اور اللہ جیسی تحلیل و تحریم کا اختیار ثابت کرتا ہے پس یہ چیز بھی شرک کے زمرہ میں آتی ہے۔

فائدہ:

بعض ہندو مسلمان ہوتے ہیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی گائے کا گوشت کھاتے سے اہل کرتے ہیں۔ اگر یہ انکار مذکورہ وجوہ سے ہے تو اس کا حکم گزر چکا۔ اور اگر محض طبعی نفرت ہے، کیونکہ انھوں نے زندگی بھر گائے کا گوشت نہیں کھایا اس لئے اب جی نہیں چاہتا تو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ ان کو یہ تکلف اپنی طبیعت بدلنی چاہئے اور اسلام میں پورا پورا داخل ہو جانا چاہئے۔ اسی سلسلہ میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۰۸ نازل ہوئی ہے۔ ارشاد ہے:

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے“

یعنی ظاہر و باطن اور عقیدہ و عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو۔ رسوم و بدعات اور خواہشات نفس کی پیروی مت کرو۔ اور مسلمان ہونے کے بعد بھی گائے کے گوشت سے اجتناب خواہش نفس کی پیروی ہے۔

ومنها: أنهم كانوا يتخذون أبحارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله تعالى، بمعنى أنهم كانوا يعتقدون أن ما أحلّه هؤلاء حلال، ولا بأس به في نفس الأمر، وأن ما حرّمه هؤلاء حرام، يؤخذون به في نفس الأمر؛ ولما نزل قوله تعالى: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ﴾ الآية، سأل عدی بن حاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقال: ﴿كانوا يجعلون لهم أشياء، فيستحلونها، ويحرمون عليهم أشياء، فيحرمونها﴾

وسر ذلك: أن التحليل والتحریم عبارة عن تكوين نافذ في الملكوت: أن الشيء الفلانی يؤخذ به، أولاً يؤخذ به، فيكون هذا التكوين سبباً للمؤاخذه وتركها، وهذا من صفات الله تعالى.

وأما نسبة التحليل والتحریم إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فبمعنى أن قوله أمانة قطعية لتحليل الله وتحريمه؛ وأما نسبتها إلى المجتهدين من أمته، فبمعنى روايتهم ذلك عن الشرع: من نص الشارع، أو استنباط معنى من كلامه.

واعلم: أن الله تعالى إذا بعث رسولاً، وثبت رسالته بالمعجزة، وأحل على لسانه بعض

ماکان حراماً عندهم، ووجہ بعض الناس فی نفسه انجھاماً عنه، وبقی فی نفسه میلٌ إلى حرمة، لَمَّا وجد فی ملته من تحریمه، فهذا علی وجهین:

[۱] إن كان لردد فی ثبوت هذه الشریعة فهو کافر بالنبی.

[۲] وإن كان لاعتقاد وقوع التحريم الأول تحریماً لا یحتمل النسخ، لأجل أنه تبارک وتعالی خلع علی عبد خلعة الألوهية، أو صار فانیاً فی الله، باقیابه، فصار نهیه عن فعل أو کراهیة له، مستوجبا لحرم فی ماله وأهله، فذلك مشرک بالله تعالی، مثبت لغيره غضبا وسُخْطاً مقدسین، وتحلیلاً وتحریماً مقدسین.

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ اپنے علماء و زہاد کو اللہ کو چھوڑ کر رب (خدا) بناتے تھے یعنی وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو چیز ان لوگوں نے حلال کی ہے وہ حلال ہے۔ اس کے کرتے میں نفس الامر (واقعہ) میں کوئی گرفت نہیں اور یہ کہ ان لوگوں نے جو چیز حرام کی ہے وہ حرام ہے۔ اس کی وجہ سے نفس الامر میں پکڑے جائیں گے۔ اور جب یہ ارشاد نازل ہوا کہ: ”انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کو رب بنایا“ آخر آیت تک پڑھئے تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ”وہ لوگ ان کیلئے کچھ چیزوں کو حلال کرتے تھے پس وہ ان کو حلال سمجھتے تھے۔ اور کچھ چیزوں کو ان پر حرام کرتے تھے پس وہ ان کو حرام سمجھتے تھے“ اور اس کا راز یہ ہے کہ تحلیل و تحریم نام ہے عالم ملکوت میں نافذ ہونے والے نیکوئی حکم کا کہ فلاں چیز کی وجہ سے مؤاخذہ ہوگا یا فلاں چیز کی وجہ سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ پس یہ نیکوئی حکم مؤاخذہ اور ترک مؤاخذہ کا سبب ہوتا ہے (کیونکہ اسی نیکوئی حکم کے مطابق دنیا میں تشریحی حکم نازل ہوتا ہے) اور یہ (نیکوئی حکم دینا) اللہ کی صفت ہے۔ اور ربی تحلیل و تحریم کی نسبت آنحضور ﷺ کی طرف تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا ارشاد ایک قطعی علامت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحلیل و تحریم کی۔ اور ربی اس کی نسبت آپ کی امت کے مجتہدین کی طرف، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حضرات ان مسائل کے شریعت کی طرف سے ناقل ہیں۔ خواہ شارع کی نص سے بیان کریں یا شارع کے کام سے کوئی معنی مستنبط کر کے بیان کریں۔

اور جان لیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث فرماتے ہیں اور اس کی رسالت معجزہ سے ثابت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے بعض وہ چیزیں حلال کرتے ہیں جو ان کے نزدیک (قدیم ملت) میں حرام تھیں۔ اور بعض لوگ اپنے دل میں اس سے اباء پاتے ہیں۔ اور ان کے دل میں اس کی حرمت کی طرف میان باقی رہتا ہے اس وجہ سے کہ اس نے اپنی ملت میں اس کی حرمت پائی ہے، تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱- اگر یہ اباء اس لئے ہے کہ اس (نئی) شریعت کے ثبوت میں اسے تردید ہے تو وہ اس (نئے) نبی کا منکر ہے۔

۲۔ اور اگر وہ اباء اس لئے ہے کہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ تحریم اول کا وقوع ایسی تحریم ہے جو نسخ کا احتمال نہیں رکھتی، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو الوہیت کی پوشاک پہنا دی ہے یا وہ اللہ میں فنا ہو گیا ہے، اس کے ساتھ باقی رہنے والا ہے، پس اس کا کسی امر کی نفی کرنا یا اس کا کسی چیز کو ناپسند کرنا لازم کرنے والا ہے مال اور آل میں نقصان کو تو وہ شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا ہے۔ غیر اللہ کے لئے اللہ جیسا غصہ اور اللہ جیسی ناراضگی اور اللہ جیسا تحلیل کا اور اللہ جیسا تحریم کا اختیار ثابت کرنے والا ہے۔

لغات: اِنْجَحِم (بفتح یاء الجیم) اور اِنْجَحِم (بفتح یاء الخاء) عن الشی: کُفْتُ وَنَكَصْتُ وَامْتَنَعْتُ رُكُنًا، بَازِرَهُنَّ، اِبَاءً كَرَنًا — اِسْتَوْجَبَ الشَّيْءُ: اَوْجِبَ وَلاَزَمَ جَانِبًا الْجُرْمُ: النِّقْصَانُ



(۵) غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا

یہ بھی شرک کا ایک سانچا ہے، جس میں شرک: اصل کرتیار ہوتا ہے۔ اسلام سے پہلے مشرکین بتوں اور ستاروں کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ اور اس کی دو صورتیں ہوتی تھیں:

(۱) ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیتے تھے، جیسے ہندو ”لے کالی ماتا“ کہہ کر بکرے کا جھکا کرتے ہیں۔

(۲) مجہودان باطل کی پرستش گاہوں (آستانوں) پر جانور لے جا کر ذبح کرتے تھے۔

قرآن کریم میں دونوں صورتوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ پہلی صورت کی ممانعت قرآن کریم میں چار جگہ آئی ہے ارشاد ہے: ”جس جانور پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے وہ حرام ہے“ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۳ المائدہ ۱۱۴ الانعام ۱۳۵ اتحل ۱۱۵) اور دوسری صورت کی ممانعت سورۃ المائدہ آیت چار میں آئی ہے ارشاد ہے: ”جو جانور پر پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے وہ حرام ہے ﴿وَمَا ذَبَحْ عَلَى النُّصُبِ﴾“

(۶) غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا

کسی جانور کا کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب حاصل کرنے کے لئے چھوڑ دیے کا بھی مشرکین میں رواج تھا۔ پھر وہ اس سے کام لیتے تھے، نہ ذبح کرتے تھے، نہ اس سے اور کوئی فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ فعل بھی حرام ہے اور اس سلسلہ میں سورۃ المائدہ کی آیت ۱۰۳ انازل ہوئی ہے ارشاد ہے:

”اللہ تعالیٰ نے نہ بخیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو، اور نہ وصیلہ کو، اور نہ حامی کو، لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں (کہ خدا تعالیٰ نے جانور چھوڑنے کا حکم دیا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں) اور

اکثر کا فطر عقل نہیں رکھتے (بلکہ بڑوں کی دیکھا دیکھی ایسی جہالتیں کرتے ہیں)۔“

مذکورہ جانوروں کی تفسیر میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے جو تفسیر نقل کی ہے وہ یہ ہے:

بکیرہ: وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا، اس کو کوئی اپنے کام میں نہیں لاتا تھا۔

سائبہ: وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جیسے ہندو ساند کو چھوڑ دیتے ہیں۔

وصیلہ: وہ اونٹنی ہے جو سلسلہ مادہ منکے بنے، درمیان میں نہ بچہ پیدا ہو، تو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

حامی: وہ نرا ونٹ ہے جو ایک خاص عدد تک نجفی کر چکا ہو، اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

مسئلہ: بتوں یا بزرگوں کے نام پر اس طرح جانور چھوڑنا حرام اور شرک کا نہ رسم ہے اور بعض قرآنی حرام ہے۔ مگر اس

حرام عمل سے جانور حرام نہیں ہوتا۔ بلکہ عام جانوروں کی طرح حلال رہتا ہے۔ اور یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج

بھی نہیں ہوتا۔ پس اگر وہ شخص خود اس جانور کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا بیہ کر دے تو خریدار کے لئے یہ جانور حلال

ہے اور اس کی قربانی بھی درست ہے اسی طرح اگر مالک نے مندر کے پجاریوں کو یا قبر کے مجاوروں کو اختیار دے دیا ہو کہ

وہ جو چاہیں کریں۔ اور یہ پجاری اور مجاور اس کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیں تو یہ بھی حلال ہے (معارف القرآن: ۴۳۳)

۷) غیر اللہ کی قسم کھانا

لوگ بعض انسانوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے نام بابرکت اور محترم ہیں اور ان کے ناموں کی

جھوٹی قسم کھانا مال اور آل میں نقصان کا باعث ہے، اس لئے وہ اس کی کبھی ہمت نہیں کرتے اور نزاعات اور جھگڑوں

کے موقعوں میں مخالف کو ان کے ناموں کی قسم کھلایا کرتے ہیں۔ یہ بھی حرام فعل ہے احادیث میں اس سے رد کیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: ”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے (مستوم بہ کو) خدا کے ساتھ (تعظیم میں) سجا جھی

بنایا“ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، کتاب الايمان والنذور، حدیث نمبر ۳۲۱۹) امام ترمذی رحمہ اللہ نے بعض اہل علم کا قول نقل

کیا ہے کہ یہ حدیث تغلیظ و تہدید پر محمول ہے یعنی غیر اللہ کی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے، ارتداد نہیں ہے (ترمذی ۱۸۵۱: ابواب

الايمان والنذور، باب فی کراهیة الخلف بغير الله)

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے میں یہ حمل صحیح نہیں ہے بلکہ مراد حدیث یہ ہے کہ مذکورہ عقیدہ سے غیر اللہ کی قسم کھائی

جائے، خواہ یمنین منعقدہ ہو یا یمنین غموس۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ عقیدہ سے ایسی قسم کھانا شرک کا عمل اور ارتداد ہے۔ اور یمنین

منعقدہ وہ قسم ہے جو آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر کھائی جائے اور یمنین غموس وہ قسم ہے جو گذشتہ کسی کام پر جان

کر جھوٹی کھائی جائے۔ اور جو قسم و عہد کلام (تکلیف کلام) کے لئے کھائی جاتی ہے وہ یمنین لغو ہے۔ جیسے وابعد (اس کے

باپ کی قسم) وقرۃ عینی (میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم) یہ یحییٰ لغو مذکورہ حدیث میں مروا نہیں ہے۔

⑧ غیر اللہ کے آستانوں کا حج کرنا

خود ساختہ معبودوں کی لوگوں کے گمان کے مطابق مخصوص متبرک جگہوں کی یا نبیوں، ولیوں کی قبور و آثار کی زیارت کے لئے جانا اور اس کو موجب تقرب سمجھنا بھی شرک کا مظہر ہے۔ جیسے لوگ اجیر وغیرہ جاتے ہیں اور اس کو باعث اجر سمجھتے ہیں اور جبلاء کا یہ اعتقاد ہے کہ سات بار اجیر کا سفر حج کے برابر ہے۔ یہ مشرکانہ خیالات ہیں اس لئے لوگوں کو اس سے روکا گیا ہے۔ متعلق علیہ حدیث میں ہے کہ:

”اوٹھ پرکھاؤ نہ کہے جائیں (یعنی لمبا سفر نہ کیا جائے) مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی) (مشکوٰۃ باب المساجد، حدیث نمبر ۶۹۳)

فائدہ:

یہ حدیث مساجد کے تعلق سے ہے۔ مسند احمد میں متشبیٰ مذکور ہے اور وہ یہ ہے لَا يَنْبَغِي لِلْمَطْعَى أَنْ تَشُدَّ رَحَالَهُ إِلَى مَسْجِدٍ يَنْتَعِي فِيهِ الصَّلَاةُ، غَيْرِ الْخ (مجمع الزوائد ۳: ۳۰) مگر اشتراک علت کی وجہ سے قبور وغیرہ کے حج و زیارت کو بھی شامل ہے۔ البتہ قبر کی زیارت کو ضمنی مقصد بنانا جائز ہے۔ مثلاً کوئی شخص اجیر یا اس کے قریب اپنی کسی ضرورت سے گیا اور نیت یہ ہے کہ حضرت چشتی رحمہ اللہ کی قبر پر فاتحہ یعنی ایصالِ ثواب کے لئے بھی جائے گا تو یہ جائز ہے۔ مستقل مقصد بنا کر دور دراز سے جانا جائز نہیں۔ یہی حکم تمام اولیاء اور انبیاء کی قبور کا ہے۔ اور سید الانبیاء ﷺ کی قبر اطہر چونکہ مسجد نبوی میں ہے اس لئے اس کی زیارت کی مستقل نیت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مسئلہ میں نزاع بلا وجہ ہے واللہ اعلم۔

فائدہ:

تجارتی اسفار، عزیز و اقارب سے ملنے کے لئے سفر، تاریخی یا مشہور مقامات کو عہدت کے لئے دیکھنے کے لئے سفر ممنوع نہیں، وہ بالا جماع اس حدیث کا مصداق نہیں۔

⑨ غیر اللہ کی طرف بندگی کی نسبت کرنا

لوگ اپنے بیٹوں کے ناموں میں غیر اللہ کی طرف عبدیت کی نسبت کیا کرتے تھے اور عبد العزیٰ، عبد الفتس، عبد المطلب وغیرہ نام رکھا کرتے تھے، یہ بھی شرک کا سانچا ہے۔ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کے بجائے ان بتوں یا ان بزرگوں کا بخشا ہوا ہے۔ اس لئے قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ سورۃ المائدہ آیات ۱۰۹ و ۱۰۸ میں عقیدہ توحید کا ذکر ہے، جو اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور اس کے ساتھ شرک کے باطل اور نامعقول ہونے کا بیان

کسی قدر تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ ارشاد ہے:

وہ اللہ ایسا (قادر و متعم) ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا (اور ایک جان سے مراد تمام انسانوں کا وجود مشترک ہے) اور اسی (ایک جان یعنی وجود مشترک) سے اس کا جوڑ بنایا (یعنی عورت بھی مرد کی ہم جنس بنائی) تاکہ وہ اپنے اس جوڑے سے انس حاصل کرے (کیونکہ غیر جنس سے کما حقہ انسیت حاصل نہیں ہو سکتی، غرض جب وہ خالق بھی ہے اور محسن بھی ہے کہ اس کی انسیت کا سامان کیا تو عبادت بھی اسی کی ہونی چاہئے۔ مگر طرفہ تماشادیکھئے:) پس جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا (جس کا شروع میں کوئی احساس نہ ہوا) سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی (اور میاں بیوی کو حمل کا علم ہو گیا) تو دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے جو کہ اُن کا پروردگار ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دی تو ہم خوب شکرگزاری کریں گے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے ساتھ شریک قرار دے گئے (کبھی عقیدہ سے کہ یوں سمجھ بیٹھے کہ یہ بیٹا خاں بت یا بزرگ نے دیا ہے کبھی عمل سے کہ کسی بت یا بزرگ کی طرف منسوب کر دیا اور عبدالعزیٰ یا بندہ علی نام رکھ دیا) سو اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہیں"

اور ترمذی (۱۳۴:۲) اور حاکم وغیرہ کی روایات میں ہے کہ دادی حواء نے اپنے بیٹے کا نام عبدالجبار رکھا تھا (حارث شیطان کا نام بتایا جاتا ہے) اور یہ نام رکھنا شیطان کے فریب دینے کی وجہ سے تھا، جس پر مذکورہ آیت میں شدید تنبیہ آئی ہے کہ یہ آدم و حواء نے شرک کیا۔ معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی طرف عبادت کی نسبت کر کے نام رکھنا شرک ہے۔

فائدہ:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو حسن کہا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ مگر یہ روایت قطعاً باطل ہے۔ وجوہ درج ذیل ہیں:

- (۱) یہ عمر بن ابیہم بصری کی روایت ہے عن قتادۃ عن الحسن، عن سمرة، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں عمر کو صدوق یعنی معمولی درجہ کا ثقہ راوی قرار دیا ہے مگر لکھا ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ سے روایت میں یہ راوی ضعیف ہے۔
- (۲) یہ حدیث مرفوع ہے یا حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے؟ اس میں اضطراب (اختلاف) ہے۔ غرض یہ روایت قطعی طور پر مرفوع نہیں۔

- (۳) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے لقاء اور سماع مختلف فیہ ہے، گوراج ثبوت سماع ہے۔
- (۴) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے آیت کی جو تفسیر مروی ہے وہ اس مرفوع روایت کے خلاف ہے۔ پس اگر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس یہ روایت ہوتی تو ان کی تفسیر اس کے خلاف نہ ہوتی۔ حضرت حسنؒ نے یہ تفسیر کی

ہے قال: كان هذا في بعض أهل الملل، ولم يكن بآدم (ابن کثیر)

(۵) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان روایات کو قطعی طور پر اسرا ئیلی قرار دیا ہے۔ اور اس پر مفصل کام کیا ہے۔

(۶) شرعاً اور عقلاً یہ بات ممکن نہیں کی نبی شُرک کا ارتکاب کرے، چونکہ کفر از کعب پر خیز و کجا ماند مسلمان؟! اور روایت میں یہ صراحت ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام نے فل کر یہ نام رکھا تھا (الدر المنثور ۱۵۱:۳) غرض یہ روایت عصمت انبیاء کے بنیادی عقیدہ کے خلاف ہے، اس لئے مردود ہے (فائدہ ختم ہوا)

اور بے شمار احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جن صحابہ کے نام عبد العزی، عبد الشمس وغیرہ تھے، مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے نام بدل کر عبد اللہ، عبد الرحمن اور ان سے ملتے جلتے نام رکھ دیئے تھے۔

فائدہ:

جن لوگوں کے نام عبد النبی، عبد الرسول، غلام محمد، غلام نبی، غلام رسول، نبی بخش، ولی بخش وغیرہ ہیں، ان کو اپنے نام بدل دینے چاہئیں اور اس تاویل کا سہارا نہیں لینا چاہئے کہ غلام بمعنی خادم ہے۔ اللہ کے رسول و نبی میں موجود ہوتے تو ان کا کوئی خادم ہوتا مگر جب آپ کی وفات ہوگئی تو اب کوئی خادم کیسے ہو سکتا ہے؟! یہ تاویل عذر گناہ بدر از گناہ کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں (آمین)

ولیل عقلی: اور غیر اللہ کی طرف عہدیت کی تبت کے غلط اور باطل ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ساری کائنات بشمول انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے ہیں۔ سرور عالم ﷺ کے لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ عبد (بندہ) ہونے کی صراحت موجود ہے، پھر عبد کا عبد (بندے کا بندہ) کیسے ہو سکتا ہے؟!

ومنها: أنهم كانوا يتقربون إلى الأصنام والحووم بالذبح لاجلهم: إما بالإهلال عند الذبح باسمائهم، وإما بالذبح على الأنصاب المخصوصة لهم، فَنُهِوا عَنْ ذَلِكَ.

ومنها: أنهم كانوا يُسَيِّبُونَ السَّوَابِغَ والبَحَائِرَ تَقَرُّباً إِلَى شُرَكَائِهِمْ، فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ﴾ الآية،

ومنها: أنهم كانوا يعتقدون في أناس: أن أسماءهم مباركة معظمة، وكانوا يعتقدون أن الحلف باسمائهم على الكذب يستوجب جرماً في ماله وأهله، فلا يُقْدَمُونَ عَلَى ذَلِكَ، ولذلك كانوا يستحلفون الخصوم بأسماء الشركاء بزعمهم، فَنُهِوا عَنْ ذَلِكَ، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿من حلف بغير الله فقد أشرك﴾ وقد فسره بعضُ المحدثين على معنى التغليظ والتهديد، ولا أقول بذلك، وإنما المراد عندي: اليمينُ المنعقدة واليمينُ الغموسُ باسم غير

اللہ تعالیٰ باعقاد ما ذکرنا۔

ومنها: الحج لغير الله تعالى؛ وذلك أن يُقَصَّدَ مواضعٌ متبركةٌ، مختصةٌ بشركائهم، يكون الحلولُ بها تقرباً من هؤلاء، فنهى الشرع عن ذلك، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ﴾

ومنها: أنهم كانوا يسمُّون أبناءَهم عبدَ العزى، وعبدَ الشمس، ونحو ذلك، فقال الله تعالى: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا، لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا﴾ الآية، وجاء في الحديث: أن حواء سَمَتْ وَلَدَهَا عبدَ الحارث، وكان ذلك من وحي الشيطان؛ وقد ثبت في أحاديث لا تحصى: أن النبي صلى الله عليه وسلم غَيَّرَ أَسْمَاءَ أَصْحَابِهِ: عبدَ العزى، وعبدَ الشمس، ونحوهما إلى عبد الله، وعبد الرحمن، وما أشبههما، فهذه أشباح وقوالب للشرك، نهى الشارع عنها، لكونها قوالب له، والله أعلم.

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے یہ ہے کہ لوگ بتوں اور ستاروں کی قربت ڈھونڈھا کرتے تھے، ان کے نام پر جانور ذبح کر کے، یا تو وہ ذبح کے وقت ان کے نام بآواز بلند پکارتے تھے یا ان جانوروں کو ان بتوں اور ستاروں کے مخصوص آستانوں پر لے جا کر ذبح کرتے تھے، پس لوگوں کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔

اور ان صورتوں میں سے یہ ہے کہ لوگ اپنے خود ساختہ معبودوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے سائبہ اور بحیرہ کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”نہیں شروع کیا اللہ نے کوئی بحیرہ، اور نہ کوئی سائبہ“ آخر آیت تک۔

اور ان صورتوں میں سے یہ ہے کہ لوگ بعض انسانوں کے بارے میں اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے نام متبرک اور محترم ہیں اور وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے ناموں کی جھوٹی قسم کھانا آل اور مال میں نقصان کا باعث ہے، پس وہ اس پر اقام نہیں کرتے تھے۔ اور یہی سب تھا کہ وہ خصومت کے موقعوں پر ان کے حسب گمان اللہ کے ان ساتھیوں کے ناموں کی فریق مخالف کو قسم کھلایا کرتے تھے۔ پس ان کو اس سے منع کیا گیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے خدا کے ساتھ شریک کیا“ اور بعض محدثین نے حدیث کو تغلیظ و تہدید پر محمول کیا ہے اور میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ میرے نزدیک حدیث کی مروا اس اعتقاد سے جو ہم نے ذکر کیا غیر اللہ کے نام کی یقین منہدہ اور یقین غموس ہے۔

اور ان صورتوں میں سے غیر اللہ کا حج کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان مقامات کا قصد کیا جائے جن کو لوگ اپنے خود ساختہ معبودوں کی مخصوص متبرک جگہیں تصور کرتے ہیں۔ ان جگہوں میں اترنا ان معبودوں کا تقرب ہوتا ہے۔ پس لوگ اس سے روک گئے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ”کجاو سے نہ کہے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف“

اور ان صورتوں میں سے یہ ہے کہ لوگ اپنے بیٹوں کے نام عبد العزى اور عبد الشمس اور اس کے مانند رکھا کرتے

تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اس ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس کے پاس جا کر سکون حاصل کرے، پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی“ آخر آیت تک۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حواء نے اپنے بچے کا نام عبدالخارث رکھا، اور یہ نام رکھنا شیطان کے اشارے سے تھا۔ اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ناموں کو بدل دیا اور عبدالعزیٰ اور عبداللہمیں اور ان کے مانند ناموں کی جگہ عبداللہ، عبدالرحمن اور ان سے ملے جلتے نام رکھے۔

غرض یہ شرک کی صورتیں اور سانچے ہیں، شریعت نے ان سے اس لئے روکا ہے کہ شرک ان سانچوں میں داخل کر تیار ہوتا ہے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

باب — ۴

صفات الہیہ پر ایمان لانے کا بیان

صفت: وہ حالت ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہو اور جس سے موصوف کی پہچان ہو، جیسے قاضی، مفتی، مہتمم وغیرہ۔ پھر صفات کی دو قسمیں ہیں ایک صفات حسنہ یعنی خوبیاں۔ یہ صفات کمالیہ کہلاتی ہیں، دوسری صفات قبیحہ یعنی برائیاں جیسے بزدلی، بخلی وغیرہ۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ذاتِ سَحَّت (محض وجود) نہیں ہیں، جیسا کہ فرقہ معتزلہ کہتا ہے۔ بلکہ وہ بے شمار خوبیوں اور کمالات کے ساتھ متصف ہیں اور تمام عیوب و نقائص سے منزہ ہیں۔ اول کا نام صفات کمالیہ اور صفات ثبوتیہ ہے یعنی یہ سب صفات اللہ تعالیٰ کے لئے کمالات کو ثابت کرتی ہیں، جیسے علیم و خبیر ہونا۔ اور ثانی کا نام صفات سلبیہ ہے یعنی وہ نقائص اللہ تعالیٰ میں نہیں ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں، وہ کسی کے باپ نہیں، اور ننان کے ماں باپ ہیں کیونکہ وہ جنے نہیں گئے، اور نہ کوئی ان کا ہم سر ہے۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کو صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ماننا اعمالِ بڑ میں سب سے بڑی نیکی ہے۔ یہ ایمان ہی معرفتِ خداوندی کا ذریعہ ہے، اسی سے بندے اور خدا کے درمیان فیضان کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور بندے پر اللہ کی عظمت و بزرگی منکشف ہوتی ہے۔ جیسے زید کو محض ایک وجود اور ایک شخص مانا جائے تو اس کا کیا حاصل؟ اس سے لوگوں کو کیا فیض پہنچے گا؟ البتہ جب اس کو خوش نویس، ادیب، عالم، فقیہ یا بزرگ جانیں گے تو لوگ اس سے فرائد کتابت سیکھیں گے، ادب و زبان اخذ کریں گے، علم و فہم حاصل کریں گے یا کسب فیض کریں گے۔ خوبیوں کے ادراک کے بعد ہی استفادہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ اللہ تعالیٰ کو خوبیوں کے ساتھ متصف مانے کا جی فیضان کا دروازہ ڈالے گا۔ وہ اللہ کو رزاق تسلیم کرے گا تو اس سے روزی طلب کرے گا، وہ اس کو رحیم

وکریم مانے گا تو اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگے گا، اس کا اللہ کی صفات جلالیہ پر ایمان ہوگا تو وہ اس سے ڈر کر اپنی زندگی سنوارے گا، اور اگر کوئی کوتاہی ہوگی تو اسی سے مغفرت کا طلب گار ہوگا۔ غرض انسان کی تربیت کا تمام تر تعلق صفات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے، اسی لئے صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سونام ہیں، جو ان کو محفوظ کرے گا اور ان کی نگہداشت کرے گا وہ جنت میں جائے گا“، نگہداشت کرنا یہ ہے کہ ان کو ہر وقت پیش نظر رکھے اور ان صفات کی خوب (مقتضی کو) اپنے اندر پیدا کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”مہربانی کرنے والوں پر رحمان مہربانی کرتے ہیں، تم زمین والوں پر مہربانی کرو، تم پر آسمان والا مہربانی کرے گا“

﴿باب الإیمان بصفات اللہ تعالیٰ﴾

اعلم: أن من أعظم أنواع الإیمان بصفات اللہ تعالیٰ، واعتقاد اتّصافه بها، فإنه یفتح بابا بین هذا العبد و بینہ تعالیٰ، و یُعَدُّه لا نکشاف ما هنالك من المجد و الکبرياء.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانے کا بیان: جان لیں کہ نیکیوں کی اقسام میں سب سے بڑی نیکی اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا ہے اور خدا تعالیٰ کے صفات کے ساتھ متصف ہونے کا اعتقاد رکھنا ہے۔ پس بے شک یہ ایمان اس بندے کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک دروازہ کھولتا ہے۔ اور بندے کو تیار کرتا ہے اس بزرگی اور عظمت کے انکشاف کے لئے جو وہاں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ میں ہے)

تشریح: قولہ: بفتح بابا ای باب الضبط و الجود قولہ: و یُعَدُّه ای بصیر الإنسان بہ مستعداً للمعرفة ما فی حضرة الملک من المجد و الکبرياء، و لانقاً لمشاهدة الأنوار الإلهية (سندی)

صفات کے باب میں دشواریاں اور ان کا حل

حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے سلسلہ میں چار باتیں اظہر من الشمس ہیں:

① حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا کما حقہ ادراک ممکن نہیں، کیونکہ ان کا نہ تو کسی محسوس چیز سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ کسی معقول چیز سے تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی شان عالی ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (الشوریٰ ۱۱) ہے نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے، نہ صفات میں، وہ سمیع و بصیر بے شک ہے، مگر اس کا دیکھنا سننا مخلوق کی طرح نہیں، کمالات اُس کی ذات میں سب ہیں، مگر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جاسکے، کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں، وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکل پاک اور مقدس و موزہ ہے، پھر اس کا قیاس و اندازہ کیسے کیا جائے۔ انسان کے معقولات بھی تمام تر محسوسات سے مستفاد ہوتے ہیں۔ وہ محسوسات سے پوری طرح بلند ہو کر

نہیں سوچ سکتا غرض حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے کما حقہ اور اک کی کوئی صورت نہیں۔

(۲) حق تعالیٰ کی صفات ان کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، مگر وہ ذات میں اس طرح حلول کئے ہوئے نہیں ہیں جس طرح اعراض کا ان کے محل میں حلول ہوتا ہے حلول کے لئے احتیاج ضروری ہے یعنی اعراض اپنے وجود و قیام میں محل کے محتاج ہوتے ہیں، اعراض کا بذات خود کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اور وہ بارگاہِ بے نیاز احتیاج و اعتمار سے منزہ ہے۔

(۳) عقل عام کی رسائی ذات و صفات تک نہیں ہے، واناے شیراز نے کیسی پتہ کی بات کہی ہے:

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم دہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر مانم چنان در اول وصف تو ماندہ ایم
(گلستان درو بہاچہ)

ترجمہ: اے وہ ذات جو خیال، قیاس، گمان اور وہم سے بالاتر ہے اور ہر اس بات سے جو لوگوں نے کہی ہے اور ہم نے سنی ہے اور پڑھی ہے۔ کتاب زندگی ختم ہوگئی اور عمر نہایت کو پہنچ گئی ہم اسی طرح تیری تعریف کی ابتداء میں تھکے ماندے ہیں۔

یعنی ابھی تو تعریف کا ابتدائی حق بھی ادا نہیں ہوا، آپ کی پوری تعریف ہم سے کہاں ممکن ہے؟! کیونکہ تعریف معرفت کو چاہتی ہے اور عقول انسانی ذات و صفات کی غایت نہیں پاسکتے۔

(۴) ہماری لغت کے الفاظ اللہ کی ذات و صفات کو شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ ہمارے الفاظ کا موضوع لہ، وہ محسوسات و معقولات ہیں جو ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں یا ہماری عقل میں سماتے ہیں۔ اور اللہ کی ذات و صفات نہ تو ہمارے لئے محسوس ہیں، نہ ان کی ہماری عقل میں سمائی ہے۔ پھر ہم ان کو موضوع لہ بنا کر الفاظ کیسے وضع کر سکتے ہیں؟ ہماری بول چال میں مستعمل الفاظ، ہمارے ہی لئے ہیں یعنی وہ ہماری ذات و صفات کو شامل ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات کی کما حقہ ان سے تعبیر ممکن نہیں۔ اور اگر نئے ساوی الفاظ سے صفات کو تعبیر کیا جائے تو وہ الفاظ ہمارے لئے ناقابل فہم ہو جائیں گے، اور وہ تعبیرات بے فائدہ ثابت ہوگی۔

مگر مذکورہ دشواریوں کے باوجود لوگوں کو اللہ کی پہچان کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ انسان کی تربیت کا تعلق صفات باری سے ہے جیسا کہ ابھی گذرا، انسان اپنے لئے ممکن کمالات معرفت الہی کے ذریعہ ہی حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے صفات باری تعالیٰ کے بیان میں پانچ قاعدے ملحوظ رکھنے ضروری ہیں:

پہلا قاعدہ: صفات باری تعالیٰ کے بیان کے لئے جو الفاظ استعمال کئے جائیں، وہ غایات پائے جانے کے معنی میں استعمال کئے جائیں، مبادی پائے جانے کے معنی میں استعمال نہ کئے جائیں۔ مثلاً لفظ رحم ”انعام فرمانے“ کے معنی

لہ تفصیل کے لئے دیکھیں علم الکلام از علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ (۱: ۹۷) تحت عنوان: وجود باری کا تصور کیوں مشکل ہے؟

میں لیا جائے "دل مڑنے اور پیچھے" کے معنی میں نہ لیا جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کو بیان کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں، ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً خدا کو حسی (زندہ) سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) اور متکلم (کلام فرمانے والا) کہا گیا ہے۔ اور انسان کے لئے بھی یہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، مگر دونوں جگہ استعمال کی حیثیت بالکل جدا گانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع وبصیر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوئیں: ایک وہ آلہ جسے "آنکھ" کہتے ہیں، اور جو دیکھنے کا مبداء اور ذریعہ بنا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رویت بصری سے حاصل ہوتا ہے۔ مخلوق کو جب "بصیر" کہا جاتا ہے تو یہ مبداء اور غایت دونوں چیزیں مراد ہوتی ہیں۔ لیکن یہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال کیا جائے گا تو وہ مبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں لی جائیں گی جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے۔ البتہ یہ اعتقاد ضروری ہے کہ بصارت (دیکھنے) کا مبداء اس کی ذات میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہوتا ہے، اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبداء کیسا ہے؟ اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے؟ تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں، ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں؟! ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اس کی شان اقدس ہے۔ اور نہ صرف سمیع وبصیر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے (ماخوذ از فوائد عثمانی و تفسیر سورۃ الاعراف آیت ۵۴) اب دو مائیس ملاحظہ فرمائیں تاکہ یہ مضمون واضح ہو کر ذہن نشین ہو جائے:

پہلی مثال: لفظ رحمت جو صفات رحمان و رحیم کا مأخذ ہے، لغت میں اس کے معنی ہیں: "کسی پریشان حال اور مصیبت زدہ کو دیکھ کر دل کا پتلا ہونا (پہچنا) اور اس کی طرف مڑنا اور اُٹل ہونا اور دل میں مہربانی کا جذبہ ابھرنا اور اس پر تفضل واحسان اور مہر وانعام کرنا" اب یہاں دو چیزیں ہیں ایک "دل" اور اس کی کیفیات: پتلا ہونا، مڑنا، جذبہ مہر ابھرنا یہ مبداء اور سبب ہیں دوسری انعام واحسان جو غایت و نتیجہ ہے۔ جب انسان کو رحیم ومہربان کہا جاتا ہے تو یہ مبداء اور غایت دونوں مراد ہوتے ہیں۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کو رحمان و رحیم کہا جاتا ہے تو صرف غایت یعنی انعام واحسان مراد لیا جاتا ہے۔ اور مبداء وجود کا اعتقاد تو رکھا جاتا ہے مگر اس کی کیفیت کو اللہ کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

دوسری مثال: استواء علی العرش میں عرش کے معنی تخت شاہی اور بلند مقام کے ہیں اور استواء کے معنی معتدل و برابر اور سیدھا ہونے کے ہیں۔ اور جب کوئی تخت حکومت پر بیٹھتا ہے تو ملک کا سب کام اور نظم و انتظام کرتا ہے اور اقتدار و نفوذ و تصرف کا مالک ہوتا ہے۔ اب یہاں دو چیزیں ہیں ایک تخت شاہی پر بیٹھنا یہ مبداء اور سبب ہے دوسری نفوذ و اقتدار و تصرف کا مالک ہونا یہ نتیجہ اور غایت ہے۔ اب اگر یہ صفت کسی انسان کے لئے ثابت کی جائے گی تو وہاں مبداء اور غایت دونوں مراد ہوں گے اور مبداء کی کیفیت کا ادراک بھی ہم کر سکیں گے۔ مگر جب یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت

کی جائے گی تو نایت پائے جانے کے معنی میں ہوگی یعنی آسمانوں پر اور زمین پر اقتدار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، وہی کائنات میں متصرف ہیں۔ رہا مبداء تو اس کے وجود کا اعتقاد تو ضروری ہے مگر اس کی کیفیت کو نہ سمجھ سکتے ہیں، نہ سمجھا سکتے ہیں پس اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالے کر دیا جائے گا۔

دوسرا قاعدہ: تمام کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔ موجودات کا ذرہ ذرہ ان کے تابع فرمان ہے۔ کوئی مخلوق ان کے حکم سے سرپاکی کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس مضمون کی ادائیگی کے لئے وہ تعبیرات مستعار لی جائیں گی جو بادشاہ اپنی مملکت کو مخر کرنے اور تابع فرمان بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں، کیونکہ اس سے زیادہ واضح دوسری تعبیرات نہیں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے لئے سبک (بادشاہ) حاکم اور جابر وغیرہ صفات ثابت کی جائیں۔

تیسرا قاعدہ: اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان میں تشبیہات و شرطوں کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہیں:

پہلی شرط: تشبیہ کے اصل لغوی معنی مراد نہ لئے جائیں، بلکہ وہ معنی مراد لئے جائیں جو عرف میں ان صفات کے مناسب ہوں، جیسے سورۃ المائدہ آیت ۶۳ میں آیا ہے ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) یہ یہود بے بہرہ کے ماقول قول ﴿يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ﴾ (اللہ کا ہاتھ بند ہے) پر رد ہے۔ اس لئے اس آیت میں بطلان سے جو دو حقاوت مراد لی جائے۔

دوسری شرط: ایسی تشبیہ استعمال نہ کی جائے جس سے غلط فہم کو واضح طور پر یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی بیکسی آلودگیوں سے متصف ہوتے ہیں اور یہ بات غلطی کے اختلاف سے مختلف ہو سکتی ہے۔ عربی محاورات میں ایک تشبیہ ایسا وہم پیدا نہ کرتی ہو اور محاورات میں ایسا ایہام پیدا ہو رہا ہو، ایسا ممکن ہے، پس یہ تو کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سننے دیکھتے ہیں، کیونکہ اس سے مذکورہ وہم پیدا نہیں ہوتا، مگر یہ نہ کہا جائے کہ وہ دیکھتے چھوٹے ہیں، کیونکہ اس سے حیوانی نقائص کی طرف ذہن جاتا ہے۔ یسئو فی سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کھاتے پیتے ہیں اور ان کو بھوک پیاس لگتی ہے اور یلتمس سے یہ وہم گذرتا ہے کہ ان کی بیوی ہے، فان الذل الملموسات النساء! فلوذا كان له قوة لامسة، یوغب لامحالة فی ان یدل الملموسات (سندی)

چوتھا قاعدہ: صفات باری کی ترجمانی کے لئے جامع الفاظ استعمال کئے جائیں، جو کسی ایک امر میں متفق تمام معانی کو عادی ہوں، جیسے رزاق (روزی رساں) اور مصور (صورت گر) وغیرہ اسی طرح تمام اسمائے حسنی جامع الفاظ ہیں۔

پانچواں قاعدہ: جس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثبوتیہ ہیں، جن کا اثبات ضروری ہے، اسی طرح ان کی صفات سلبیہ بھی ہیں جن کی نفی ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ہر اس چیز کی نفی کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے۔ بالخصوص وہ باتیں جو ظالموں نے شان عالی میں کہی ہیں، جیسے بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب کرتے ہیں۔ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے، کچھ

یہودی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں، وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور ہندو بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں کچھ اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے سورۃ الاخلاص میں اس کی نفی کی گئی ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا۔

واعلم: ان الحق تعالیٰ أجل من أن يقاس بمعقول أو محسوس، أو يحل فيه صفات كحلول الأعراس في محالها، أو تعالجه العقول العامة، أو تتناوله الألفاظ العرفية؛ ولابد من تعريفه إلى الناس ليكملوا كما لهم الممكن لهم، فوجب:

[۱] أن تستعمل الصفات بمعنى وجود غاياتها، لا بمعنى وجود مبادئها، فمعنى الرحمة: إفاضة النعم، لا إعطاف القلب والرقة.

[۲] وأن تستعار ألفاظ تدل على تسخير الملك لمدينته، لتسخيره لجميع الموجودات؛ إذ لاعبارة في هذا المعنى أفصح من هذه.

[۳] وأن تستعمل تشبيهات بشرط أن لا يقصد إلى أنفسها، بل إلى معان مناسبة لها في العرف. فيراد ببسط اليد الجود مثلاً، وبشرط أن لا يؤهم المخاطبين إيهاماً صريحاً أنه في الواث البهيمية، وذلك يختلف باختلاف المخاطبين، فيقال: يرى ويسمع، ولا يقال: يذوق ويلمس.

[۴] وأن يسمى إفاضة كل معان متفقة في أمر باسم كالرزاق والمصور.

[۵] وأن يسلب عنه كل ما لا يليق به، لاسيما ما لهج به الظالمون في حقه، مثل لم يلد ولم يولد.

ترجمہ: اور جان لیں کہ حق تعالیٰ اس سے برتر ہیں کہ وہ قیاس کے جائیں کسی معقول پر یا کسی محسوس چیز پر۔ یا ان میں صفات حلول کریں اعراض کے حلول کرنے کی طرح ان کے محل میں، یا ان تک عامۃ الناس کی عقلیں رسائی پائیں۔ یا ان کو عام بول چال کے الفاظ شامل ہوں۔ اور لوگوں کو اللہ کی پہچان کرانا بھو ضروری ہے، تاکہ لوگ اپنا وہ کمال تمامہ حاصل کریں جو ان کے لئے ممکن ہے، پس ضروری ہوا کہ:

(۱) صفات استعمال کی جائیں ان کی غایات پائے جانے کے معنی میں، نہ کہ ان کے مبادی پائے جانے کے معنی میں۔ پس رحمت کے معنی: ”تعتوس کا فیضان کرنا“ ہیں۔ ”دل کا مڑنا“ اور ”پتلا ہونا“ اس کے معنی نہیں ہیں۔

(۲) اور یہ کہ ایسے الفاظ مستعار لئے جائیں جو دلالت کرتے ہیں بادشاہ کے مسخر کرنے پر اس کی مملکت کو، اللہ کے مسخر کرنے کے لئے تمام موجودات کو، کیونکہ اس معنی کی ادائیگی کے لئے اس سے واضح تر کوئی عبارت نہیں ہے۔

(۳) اور یہ کہ تشبیہات استعمال کی جائیں، بشرطیکہ ان تشبیہات کے اصل معنی مراد نہ لئے جائیں، بلکہ وہ معنی مراد لئے

جائیں جو عرف میں اس تشبیہ کے مناسب ہوں۔ پس مثال کے طور پر ”بسطید“ سے سخاوت مراد لی جائے۔ اور اس شرط کے ساتھ کہ مخاطبین کو صاف واضح طور پر یہ گمان نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بیکسی آلودگیوں میں ہیں۔ اور یہ بات مخاطبین کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔ پس کہا جائے کہ ”وہ سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں“ اور نہ کہا جائے کہ ”وہ جھکتے ہیں اور چھوتے ہیں“

(۴) اور یہ کہ کسی امر میں متفق سارے معانی کے فیضان کو کسی ایک لفظ سے تعبیر کیا جائے، جیسے رزاق اور مصور۔

(۵) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے نفی کی جائے ہر اس چیز کی جو اللہ کے شایان شان نہیں ہے، خصوصاً وہ باتیں جو غلاموں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کئی ہیں مثلاً اس نے کسی کو جتنا نہیں اور نہ وہ جتنا گیا ہے۔

لغات: المعلق: اترنے کی جگہ جمع مَحَلّات ... لہجہ بد: شیفہ ہونا: کہنا۔

صفات پر دلالت کرنے والے بس الفاظ استعمال کئے جائیں

آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین ﷺ تک تمام آسمانی مذاہب قواعد مذکورہ کے مطابق صفات باری تعالیٰ کے بیان کرنے پر متفق ہیں۔ اور سب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ بس الفاظ استعمال کئے جائیں۔ اور استعمال سے زیادہ ان کے بارے میں کھود کرید نہ کی جائے۔ اسلام کے ابتدائی تین دور جن کے متعلق متفق علیہ حدیث میں خصوصیت کی شہادت دی گئی ہے اسی پر تھے۔ پھر زمانہ مابعد میں مسلمانوں کی ایک جماعت نص شرعی اور دلیل قطعی کے بغیر ان صفات کی تاویل کرنے لگی، اور ان کے معانی کی تحقیق کے درپے ہوئی، جبکہ احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ آیت کریمہ ﴿وَيَنْصَحُكُمْ وَفِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (آل عمران ۱۹۱) کی تفسیر میں متعدد اسانید سے یہ ارشاد نبوی مروی ہے کہ ”مخلوق میں غور کرو، خالق میں غور مت کرو“ اور آیت کریمہ ﴿وَإِنِّي إِلَهِ رَبِّكَ الْمُتَنَبِّه﴾ (الأنعام ۳۲) کی تفسیر میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے کہ ”پروردگار میں غور و فکر جائز نہیں“ اور چونکہ صفات الہیہ حادث و مخلوق نہیں ہیں قدیم ہیں اور صفات کے بارے میں یہی غور کیا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ ان صفات کے ساتھ کیسے متصف ہیں؟ اس لئے یہ خالق کے بارے میں غور کرنا ہوا جو ممنوع ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں سورۃ المائدہ کی تفسیر میں (۱۳۰۲) حدیث پاک بَدَّ اللَّهُ مُلْكِي، لَا تَغْنِيْهُهَا نَفَقَةُ، سَحَاءُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، أَرَأَيْتُمْ، مَا أَنْفَقَ مَذْخُلُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَغْنُصْ مَا فِي يَدِهِ، وَكَانَ عَرْشُهُ

۱۱۰:۲ الدر المنثور

۶۰۰ نمبر ۲۰۰ باب مناقب الصحابہ، حدیث نمبر ۶۰۰

۱۱۰:۲ الدر المنثور ۱۳۰:۹ اور آیت کریمہ کا لفظی مطلب یہ ہے کہ سب کو پروردگار کے پاس پہنچنا ہے۔ اور حضور نے آیت کے اشارہ سے یہ مضمون سمجھایا کہ غور و فکر کا منتہی اللہ ہے یعنی مخلوقات میں جتنا چاہو چار کرو، مگر اللہ پر پہنچ کر یہ سوچ موقوف ہو جاتی چاہئے اللہ میں غور و فکر جائز نہیں۔

علی السماء ویدہ السمیزان، ینفطض ویرفع (اللہ کا ہاتھ پھرا ہوا ہے، کوئی خرچ کرنا اس کو ناقص نہیں کرتا، رات دن سخاوت کا دریا بہانے والے ہیں۔ بتاؤ، کس قدر خرچ کیا ہے جب سے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے؟ پس نہیں کم کیا اس خرچ کرنے نے اس چیز کو جو ان کے ہاتھ میں ہے! اور اس کا تخت (تخلیق ارض و سماء کے وقت) پانی پر تھا۔ ان کے ہاتھ میں ترازو ہے، پست کرتے ہیں اور بلند کرتے ہیں) اس حدیث کے ذیل میں امام ترمذی نے لکھا ہے:

”ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث پر ایمان لایا جائے، جس طرح وہ آئی ہے، اس کی کوئی تفسیر کی جائے نہ کوئی خیال بانہا جائے۔ متعدد ائمہ نے ایسا ہی فرمایا ہے، جن میں سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ اور ابن المبارک شامل ہیں (ان حضرات نے فرمایا) کہ یہ باتیں روایت کی جائیں اور ان پر ایمان رکھا جائے اور ان کی کیفیت نہ پوچھی جائے“

اور امام ترمذی رحمہ اللہ ہی نے دوسری جگہ کتاب الزکوٰۃ (۸۳:۱) میں جہاں یہ حدیث روایت کی ہے کہ: ”جب بھی کوئی شخص کسی حلال مال سے کوئی خیرات کرتا ہے — اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال ہی قبول فرماتے ہیں — تو رحمان اس کو دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں۔ پھر اگر وہ صدقہ کوئی کھجور ہوتی ہے تو وہ رحمان کے ہاتھ میں برستی ہے تا آنکہ وہ پہاڑ سے بڑی ہو جاتی ہے، جس طرح تم میں سے ایک شخص اپنے بچھرے کی یا پھنجرے کی پرورش کرتا ہے“ اس حدیث کے ذیل میں امام ترمذی نے طویل کلام کیا ہے۔ اور امام مجتہد حضرت اسحاق بن راہویہ کا قول نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”ان صفات کو جو بہو استعمال کرنا تیشہ نہیں۔ تیشہ یہی ہے کہ کہا جائے: (اللہ کی) سماعت (مخلوق کی) سماعت جیسی (ہے) اور (اللہ کی) بصارت (مخلوق کی) بصارت جیسی (ہے)“ (یہ امام ترمذی کی بلفظ عبارت نہیں شاہ صاحب نے عبارت کا حاصل بیان کیا ہے)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۳۹۰:۱۳) میں بخاری شریف کی کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَفْضَعَ عَلٰی عَيْنَيْهِ﴾ الخ میں اللہ تعالیٰ کی صفت عین (آنکھ) پر گفتگو کی ہے۔ اور بحث کے آخر میں کسی کا قول نقل کیا ہے کہ

”نہ تو نبی کریم ﷺ سے بہ سند صحیح صراحت مروی ہے اور نہ کسی صحابی سے کہ ان صفات (مقابلہات) میں سے کسی کی بھی تاویل واجب ہے۔ اور نہ اس کے یعنی صفات مقابلہات کے ذکر کی ممانعت آئی ہے۔ اور یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیں کہ: ”جو کچھ ہم نے آپ پر اتارا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دیں“ اور آپ پر یہ آیت بھی نازل فرمائیں کہ: ”آج میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا“ پھر یہ مسئلہ چھوڑ دیں اور امتیاز نہ فرمائیں کہ کن صفات کی نسبت اللہ کی طرف جائز ہے، اور کن کی نسبت جائز نہیں؟ اس ترغیب کے ساتھ کہ:

لہ متفق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، حدیث نمبر ۹۲

”موجودین غیر موجود لوگوں کو (دین) پہنچادیں“ یہاں تک کہ انھوں نے آپؐ کے اقوال و افعال و احوال و صفات اور وہ کامل نقل کئے جو آپؐ کے سامنے کئے گئے۔ پس یہ بات اس پر ولایت کرتی ہے کہ وہ حضرات شفیق تھے ان صفات پر اس طرح ایمان لانے پر جو اللہ تعالیٰ نے ان سے مراد لی ہے۔ اور مخلوق کی مشابہت سے تنزیہ واجب ہے اللہ پاک کے ارشاد سے کہ: ”اس کے مانند کوئی چیز نہیں“ پس جو شخص اس کے بعد اس کے خلاف ثابت کرتا ہے وہ ان کی راہ کی خلاف ورزی کرتا ہے“

وقد أجمعت المثل السماوية قاطبُها على بيان الصفات على هذا الوجه، وعلى أن تستعمل تلك العبارات على وجهها، ولا تبحث عنها أكثر من استعمالها، وعلى هذا مضت القرون المشهورة لها بالخير، ثم خاض طائفة من المسلمين في البحث عنها، وتحقيق معانيها، من غير نص ولا برهان قاطع، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿تفكروا في الخلق، ولا تفكروا في الخالق﴾ وقال في قوله تعالى: ﴿وَأَنَّا إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ﴾: ﴿لا فكرة في الرب﴾ والصفات ليست بمخلوقات محدثات، والتفكر فيها إنما هو أن الحق كيف أنصف بها؟ فكان تفكراً في الخالق.

قال الترمذی فی حدیث: ﴿يد الله ملأى﴾:

”وهذا الحديث، قال الأئمة: يؤمن به كما جاء من غير أن يفسر، أو يؤمنهم، هكذا قال غير واحد من الأئمة، منهم سفيان الثوري، ومالك بن أنس، وابن عيينة، وابن المبارك: أنه نروى هذه الأشياء، ويؤمن بها، ولا يقال: كيف؟“

وقال في موضع آخر:

”إن إجراء هذه الصفات كما هي ليس بتشبيه، وإنما التشبيه أن يقال: سمع كسمع، وبصر كبصر“

وقال الحافظ ابن حجر:

لم ينقل عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم، ولا عن أحد من الصحابة، من طريق صحيح، التصريح بوجود تأويل شيء من ذلك يعني المتشابهات، ولا المنع من ذكره، ومن المحال أن يأمر الله نبيه بتبليغ ما أنزل إليه من ربه، وينزل عليه: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ ثم يترك هذا الباب فلا يميز ما يجوز نسبتُه إليه تعالى مما لا يجوز، مع خطئه على التبليغ عنه بقوله: ﴿ليبلغ الشاهد الغائب﴾ حتى نقلوا أقواله وأفعاله وأحواله وصفاته وما فعل بحضرته، فدل على أنهم اتفقوا على الإيمان بها، على الوجه الذي أراده الله تعالى منها، ووجب تنزيهه عن

مشابہۃ المخلوقات بقوله تعالى: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ فمن أوجب خلاف ذلك بعدهم فقد خالف سبيلهم (انہی)

ترجمہ: اور آسانی مذاہب تمام کے تمام متفق ہیں اس طور پر صفات کے بیان کرنے پر، اور اس پر کہ وہ عبارتیں ہو بہو استعمال کی جائیں۔ اور استعمال سے زیادہ اُن عبارتوں کے بارے میں بحث (کھود کرید) نہ کی جائے۔ اور اسی پر گذرے وہ زمانے جن کے لئے بہتر ہونے کی گواہی دی گئی ہے۔ پھر مسلمانوں کی ایک جماعت ان کے سلسلہ میں بحث میں گھسی۔ اور ان کے معانی کی تحقیق کے درپے ہوئی، کسی نص شرعی اور دلیل قطعی کے بغیر۔ فرمایا نبی کریم ﷺ: ”مخلوق میں غور کرو اور خالق میں غور مت کرو“ اور ﴿وَإِنِّي ذَبْتُ الْمُسْتَهْجِيَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: ”پوروں گار میں غور و فکر نہیں ہے“ اور صفات مخلوق و حادث نہیں ہیں۔ اور ان میں غور کرنا یہی ہے کہ حق تعالیٰ ان صفات کے ساتھ کیسے متصف ہیں؟ پس وہ خالق میں غور کرنا ہوا۔ امام ترمذی نے حدیث بِذَ اللّٰهِ مَلَأَہَا کے ذیل میں فرمایا:

”اور یہ حدیث: ائمہ نے فرمایا: اس پر ایمان لایا جائے، جیسی وہ آئی ہے، بغیر اس کے کہ اس کی تفسیر کی جائے یا کوئی خیال جمایا جائے۔ ایسا ہی فرمایا ہے متعدد ائمہ نے، ان میں سے سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ اور ابن المبارک ہیں کہ روایت کی جائیں یہ چیزیں اور ان پر ایمان رکھا جائے اور نہ پوچھا جائے: کیسے؟“ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا:

”ان صفات کو ہو بہو استعمال کرنا تشبیہ نہیں ہے۔ تشبیہ یہی ہے کہ کہا جائے: سماعت، سماعت جیسی اور بصارت، بصارت جیسی“

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

”نہ تو نبی کریم ﷺ سے پہنچ صحیح اس کی صراحت منقول ہے، اور نہ صحابہ میں سے کسی سے کہ ان میں سے یعنی صفات تشابہات میں سے کسی کی بھی تاویل واجب ہے اور نہ اس کے ذکر کی ممانعت مروی ہے۔ اور یہ بات ناممکنات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیں اس بات کو پہنچانے کا جو آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے۔ اور آپ پر نازل فرمائیں کہ: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کی تکمیل کر دی“ پھر اس مسئلہ کو چھوڑ دیں اور جدا نہ کریں ان صفات کو جن کی نسبت اللہ کی طرف جائز ہے اور ان کو جن کی نسبت جائز نہیں ہے، آنحضور ﷺ کے ترغیب دینے کے ساتھ آپ کی طرف سے دین پہنچانے پر اپنے اس ارشاد سے کہ: ”موجودین غیر موجود کو پہنچائیں“ تا آنکہ انھوں نے نقل کئے آپ کے ارشادات کئے ہوئے کام، حالات، صفات اور جو کچھ کیا گیا آپ کے سامنے۔ پس یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حضرات متفق تھے اُن صفات پر ایمان لانے پر۔ اُس طور پر جو اللہ تعالیٰ نے ان عبارت سے مراد لی ہے۔ اور مخلوقات کی مشابہت سے

اللہ تعالیٰ کی تعزیر واجب ہوئی اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے کہ: ”ان کے مانند کوئی چیز نہیں“ پس جو شخص اُن کے بعد اس کے خلاف ثابت کرے وہ ان کی راوی کی مخالفت کرتا ہے (ابن حجر کی عبارت پوری ہوئی)
تصحیح: حَصَّه اصل میں حصۃ تھا، وصفاتہ اصل میں نہیں ہے، علی الإیمان بھا اصل میں بہ تھا ارادہ اللہ اصل میں اراد اللہ تھا وجب تنزیہہ اصل میں اوجب تنزیہہ تھا۔ تصحیح الباری سے کی گئی ہے۔

سبھی صفات از قبیل تشابہات ہیں

اوپر جو بات بیان کی گئی ہے کہ صفات پر دلالت کرنے والے الفاظ استعمال کئے جائیں، ان کی تاویل کی جائے نہ معانی کی تحقیق، کتابوں میں یہ بات صفات تشابہات کے تعلق سے لکھی گئی ہے۔ اور صفات تشابہات سے وہ صفات مراد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے مشابہ ہونا مفہوم ہوتا ہے اور جن سے اللہ تعالیٰ کا جسم وار ہونا سمجھا جاتا ہے، جیسے ہاتھ، قدم، انگلیاں، پورے، چہرہ، آنکھ، پنڈلی، آسمان دنیار پر ہر رات اترنا، میدان قیامت میں اترنا، عرش پر متمکن ہونا وغیرہ۔ صفات تھقیق: سمع والبصر وکلام وغیرہ کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جاتی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی جن حدیثوں میں صفت یاد آئی ہے وہاں مذکورہ بات لکھی ہے، اسی طرح ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی صفت عین (آنکھ) کے تعلق سے مذکورہ بات کہی ہے۔ حالانکہ یہ تفریق صحیح نہیں ہے۔ تمام ہی صفات از قبیل تشابہات ہیں، کیونکہ سبھی الفاظ سے اہل لسان کے نزدیک جو بات سمجھی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ اگر صفت ضحک (ہنسی) اس لئے شان عالی کے لائق نہیں کہ اس کے لئے ”منہ“ ہونا ضروری ہے تو یہی چیز صفت کلام (بات کرنے) کے لئے بھی ضروری ہے۔ اور اگر صفت بطش (پکڑنا) اور نزول (اترنا) اس لئے محال ہے کہ ان کے لئے ہاتھ اور پیر ضروری ہیں تو سمع والبصر کے لئے بھی کان اور آنکھ ضروری ہیں۔ غرض صفات باری پر دلالت کرنے والے سبھی الفاظ از قبیل تشابہات ہیں اور سب کا ایک حکم ہے واللہ اعلم۔

أقول: ولا فرق بين السمع والبصر والقدرة والضحك والكلام والاستواء، فإن المفهوم عند أهل اللسان من كل ذلك، غَيْرُ ما يُلِقُ بجانب القدس، وهل في الضحك استحالة إلا من جهة أنه يستدعي الفم؟ وكذلك الكلام؛ وهل في البطش والنزول استحالة إلا من جهة أنهما يستدعيان اليد والرجل؟ وكذلك السمع والبصر يستدعيان الأذن والعين، والله أعلم.

ترجمہ: میں کہتا ہوں اور سمع (سننا) بصر (دیکھنا) قدرت (طاقت) ضحک (ہنسا) کلام (بات کرنا) اور استواء (جمتا) کے درمیان کچھ فرق نہیں، کیونکہ ان سب الفاظ سے اہل لسان کے نزدیک جو بات سمجھی جاتی ہے وہ علاوہ اس

بات کے جو پاکیزہ بارگاہ کے لائق ہے۔ اور صفت محکم میں استحالہ نہیں ہے مگر اس اعتبار سے کہ وہ نہ کو چاہتا ہے اور یہی حال صفت کلام کا ہے۔ اور صفت بطش اور صفت نزول میں استحالہ نہیں ہے مگر اس اعتبار سے کہ وہ دونوں ہاتھ اور پیر کو چاہتے ہیں اور اسی طرح سمیع و بصیر دونوں کان اور آنکھ کو چاہتے ہیں۔ باقی اللہ بہتر جانتے ہیں۔

لغات: استدعی الشیء: طلب کرنا، پکارنا۔

صفات کے بارے میں محدثین کا موقف صحیح ہے

علامہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی رحمہ اللہ (۳۷۹-۵۴۸ھ) کے تجزیہ کے مطابق علم کلام کے چار بنیادی مسائل ہیں جن کی وجہ سے اسلامی فرقوں میں سخت اختلافات اور گروہ بندیاں ہوئی ہیں۔ وہ مسائل یہ ہیں:

(۱) صفات الہیہ کا اثبات و نفی۔ اور بصورت اثبات صفات کی نوعیت و کیفیت کا مسئلہ۔

(۲) جبر و اختیار کا مسئلہ، اور تقدیر کا اثبات و نفی۔

(۳) عقائد و اعمال کا باہمی تعلق یعنی اعمال ایمان کا جزاء ہیں یا نہیں؟

(۴) عقل و نقل میں بالادستی کس کو حاصل ہے؟

ہم یہاں صفات کے مسئلہ کی قدرے وضاحت کرتے ہیں:

معتزلہ: صفات باری کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اگر خدا کی صفات مانی جائیں، اور قدیم مانی جائیں تو تعدد و قدم لازم آئے گا، جو تعدد و آہد کو مستلزم ہے۔ اور حادث مانی جائیں تو خدا کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا، جو خدا کے حدوث کو مستلزم ہے۔ اس لئے معتزلہ نے یہ رائے قائم کی کہ خدا کے لئے علیحدہ صفات نہیں ہیں، بلکہ اللہ کی ذات ہی سے وہ تمام نتائج حاصل ہوتے ہیں جو ہم کو صفات سے حاصل ہوتے ہیں۔ خلق قرآن کا مسئلہ اسی عقیدہ کا شاخسانہ تھا۔ معتزلہ دیگر صفات کی طرح صفت کلام کے بھی منکر تھے۔ اس لئے وہ قرآن کریم کو کلام الہی اور قدیم نہیں مانتے تھے۔ ان کے نزدیک قرآن مخلوق اور حادث ہے۔ پھر معتزلہ میں سے بڑھتے بڑھتے مَعْطَلہ نکل آئے، جو واجب تعالیٰ کو ذات بنخت (وجود محض) مانتے ہیں۔

اہل حق: محدثین، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نزدیک معتزلہ کا یہ موقف درپردہ خدا کی صفات کا انکار ہے، جبکہ قرآن وحدیث صفات کے اثبات سے بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے اہل حق نے یہ رائے اختیار کی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہیں۔ اور وہ صرف من وجہ جداگانہ ہیں یعنی حقیقت و مفہوم کے لحاظ سے واجب تعالیٰ سے علیحدہ ہیں اور وجود کے اعتبار سے متحد ہیں۔ اس لئے صفات نہ عین ہیں نہ غیر، بلکہ عین عین ہیں، پس تعدد قدماء کا محذور لازم نہیں آئے گا۔

۱۔ دیکھئے شہرستانی کی العلل والنحل (دریادچ)

پھر بعد میں صفات کے بارے میں اہل حق کے دو موقف ہو گئے:

پہلا موقف: تنزیہ مع التوفیض: یعنی مخلوق کی مشابہت سے اللہ کی پاکی بیان کی جائے اور صفات کی کیفیت علم الہی کے حوالے کر دی جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا سننا، دیکھنا، جاننا، عرش پر مستوی ہونا وغیرہ مخلوقات کے سننے، دیکھنے، جاننے اور تخت شاہی پر براجمان ہونے کی طرح نہیں ہے۔ پھر یہ صفات کیسی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی الہی ان صفات کی حقیقت بہتر جانتے ہیں، ہم نہیں جانتے۔

یہ مسلک برحق، اسلم اور احوط ہے، محدثین کرام اور تمام اسلاف اسی کے قائل تھے، اور اسی کا نام ”سلفیت“ ہے۔ سلفیت عدم تقلید کا نام نہیں ہے اور یہ توفیض بمعنی ثبوت مبدأ ہے بمعنی وجود غایت نہیں ہے، کیونکہ ان صفات کے جو معانی، غایات، مقاصد اور نتائج ہیں ان کو ماننا ضروری ہے، ورنہ قرآن کریم میں جو سات جگہ استواء علی العرش کی صفت آئی ہے وہ ”بے معنی“ ہو کر رہ جائے گی۔ علاوہ ازیں جو اسلاف نے کہا ہے کہ الاستواء معلوم اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ صرف انوی معنی جاننا اور نہیں ہے۔

پھر رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ بعض لوگوں نے صفات کی غایات و نتائج سے ذہن ہٹالیا، اور صفات بمعنی ثبوت مبدأ پر ان کا ذہن مرکوز ہو کر رہ گیا تو توفیض والی بات صرف زبان کی حد تک رہ گئی اور وہ لوگ تجسیم و تشبیہ کی دلدل میں پھنس گئے۔ اس طرح محدثین میں سے بوختے بوختے مَجَسِّمُہ اور مُشَبِّہُہ نکل آئے۔ اور لوگوں کو محدثین کرام پر فخرے کرنے کا اور کھیتی اڑانے کا موقع مل گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانتے ہیں اور اللہ کو مخلوق کے مشابہ مانتے ہیں۔ اور اپنی بدعت کی چھپانے کے لئے ہلاخنیف کا پردہ رکھتے ہیں، بلکہ انھوں نے محدثین کا نام ”بُکلفیہ“ رکھ دیا، یعنی وہ لوگ جو بلا کیف کی آڑ میں سب کچھ گزرتے ہیں۔

دوسرا موقف: توفیض مع التامیل: یعنی مخلوق کی مشابہت سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا اور صفات کا درجہ احتمال میں اللہ کے شایان شان مطلب بیان کرنا۔ یہ متکلمین: اشاعرہ و ماترید یہ کا مسلک ہے۔ ان حضرات نے یہ رائے اس لئے اختیار کی ہے کہ تیار ذہنوں کو گمراہی سے بچایا جاسکے۔ کیونکہ صفات کی اگر مناسب تاویل نہیں کی جائے گی تو کمزور ایمان

سلفیت علم کلام کا ایک مسلک ہے، فقہ اور تقلید و عدم تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس زمانہ میں لوگوں نے اس لفظ کو غلط معنی پہنائے ہیں۔ سلفیت سے عدم تقلید مراد لینا لفظ کا غیر موضوع کہ معنی میں استعمال ہے اور یہ کہنا کہ یہ اس زمانہ کی جدید اصطلاح ہے۔ ولا مشابحۃ فی الاصطلاح تو اس کا جواب یہ ہے کہ دھوکہ دہی کے لئے ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا قادیانی اسلامی اصطلاحات: صحابہ، ائمہ، محدثین، مسجد، نماز، جماعت وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور مسلمان اختلاف کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان اصطلاحات کے استعمال پر پابندی کا مطالبہ کرتے ہیں ۱۴

۱۴۔ وہ سات مقامات یہ ہیں: الأعراف ۵۳، بونس ۳، الرعد ۲، طہ ۵، الفرقان ۵۹، آلہ السجدہ ۴، الحديد ۴۔

والے تقسیم و تشبیہ کے قائل ہو کر رہ جائیں گے جیسے استواء کی تاویل استیلاء سے نہیں کی جائے گی تو جاہل لوگ اللہ تعالیٰ کو عرش پر براہمان سمجھنے لگیں گے اور محدثین کے حلقہ میں ایسا ہوا بھی، اس لئے عوام کے عقائد کی حفاظت کے لئے اور فلفلہ یونان سے مسموم ذہن کے علاج کے لئے یہ موقف اختیار کیا گیا۔

پھر رفتہ رفتہ اس حلقہ میں بھی بعض لوگ تاویل کی دور دراز راہوں پر پڑ گئے۔ اور تاویلات کرتے کرتے اتنے دور نکل گئے کہ انھوں نے ثبوت مبداء کو بھی کچھ خیال نہ کیا، محدثین نے ایسے لوگوں پر سخت نقد کیا ہے اور ان کو منکر صفات اور کافر و مشرک قرار دیا ہے۔ بلکہ ان زمانہ کے جبلاؤ تو مطلقاً اشاعرہ و ماتریدہ کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں لہذا لُغْلُغِب! وَلِضَيْغَةِ الْأَدَبِ!!

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اس باب کے آخر میں انہیں تاویلات بعیدہ کے مقابلہ میں صفات باری کی صحیح اور مناسب تاویلیں (درجہ احتمال میں مطالب) بیان کئے ہیں۔ اس ضروری تفصیل کے بعد اب ہم شاہ صاحب کی بات شروع کرتے ہیں:

متاولین یعنی صفات کی تاویلات بعیدہ اور باطلہ کرنے والے جماعت محدثین کو بدنام کرتے ہیں۔ وہ ان کو اللہ کے لئے جسم ماننے والا اور اللہ کو مخلوق جیسا قرار دینے والا کہتے ہیں اور ان کو ”ہل گئیے“ یعنی ہلاکینفہ کے پردہ میں چھپ کر بات کرنے والا کہتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ان لوگوں کی یہ زبان درازی باوجود ہے، ان کی باتیں عقلاً بھی غلط ہیں اور نقلاً بھی اور وہ اندر دین پر جو اعتراضات کرتے ہیں ان میں وہ خطا کار ہیں۔ کیونکہ صفات کے مسئلہ میں فور طلب دو باتیں ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ کس طرح متصف ہیں؟ اور اللہ کی صفات عین ذات ہیں یا ذات سے علحدہ چیز ہیں؟ اور سمیع و بصیر اور کلام و غیرہ صفات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے سرسری طور پر جو کچھ سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں برحق بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں کچھ گفتگو نہیں فرمائی، بلکہ آپؐ نے اپنی امت کو اس سلسلہ میں گفتگو کرنے سے اور بحث کرنے سے روکا ہے۔ پھر کسی کے لئے اس سلسلہ میں آگے بڑھنا اور بحث کا دروازہ کھولنا کیسے روا ہو سکتا ہے؟

دوسری بات: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کن صفات کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے اور کن صفات کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں؟

اس سلسلہ میں برحق بات یہ ہے کہ اللہ کی صفات اور اللہ کے نام تو قیفی ہیں، اس لئے یہ سوال ہی منسول ہے۔ اور تو قیفی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم ان قواعد و ضوابط کو جانتے ہیں جو صفات کے باب میں ملحوظ رکھے گئے ہیں اور

شروع باب میں ان کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے، مگر ہم اپنی طرف سے اسماء و صفات بیان کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ قرآن وحدیث میں جو اسماء و صفات آئی ہیں انہیں پرکتفا کرنا ضروری ہے۔ لوگ اپنی طرف سے کوئی بھی صفت بیان نہیں کر سکتے۔ اور صفات قین حکمتوں کی وجہ سے توقیفی ہیں۔

پہلی حکمت: اگر لوگوں کو صفات میں غور و غوض کرنے کی اجازت دے دی جائے کہ وہ سوچ کر اللہ کے لئے جو صفات مناسب خیال کریں ثابت کر سکتے ہیں تو عقل نارسا کی وجہ سے بہت سے لوگ خود بھی ڈوبیں گے اور دوسروں کو بھی لے ڈوبیں گے!

دوسری حکمت: بعض صفات ایسی ہیں جن کے ساتھ فی نفسہ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا جائز ہے، مگر کفار میں سے کچھ لوگوں نے ان الفاظ کو غلط معنی پہنا دیئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کو اصل وجود ہونے کی وجہ سے ”باب“ کہنا فی نفسہ درست ہے۔ اور پچھلی آسمانی کتابوں میں یہ صفت آئی بھی ہے مگر گمراہ لوگوں نے اس لفظ کو ”رشتہ کا باب“ کے معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اور یہ بات عام ہو گئی اور اسی غلطی کی وجہ سے انھوں نے اللہ کے لئے اولاد تجویز کر دی تو آخری شریعت میں ایسی صفات کے استعمال سے روک دیا گیا تاکہ مذکورہ خرابی لازم نہ آئے۔

تیسری حکمت: بہت سی صفات ایسی ہیں جن کا ظاہری معنی میں استعمال خلاف مراد کا وہم پیدا کرتا ہے، اس لئے ان سے بچنا ضروری ہے، جیسے چھوٹا اور پکھٹا ظاہری معنی کے اعتبار سے الواجب بحیثیت سے آلودہ ہونے کی طرف ذہن کو لے جاتا ہے، حالانکہ مملوسات اور مذاقات کے علم کے معنی لئے جائیں تو ان کا استعمال درست ہے، جیسے سمع و بصر کا استعمال درست ہے۔ اسی طرح رونا اور ڈرنا اور اس کے مانند صفات کا حال ہے کہ ظاہری معنی کے اعتبار سے ان کا استعمال عیب اور کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس لئے ان کا استعمال جائز نہیں، جبکہ تحک (ہنسا) فـرَح (خوش ہونا) بـشاشت، غضب (غصہ ہونا) اور خشود کی استعمال درست ہے، جبکہ عوارض طاری ہونے کے اعتبار سے بات یکساں ہے۔

غرض مذکورہ بالا حکمتوں کی وجہ سے شریعت نے صفات کو توقیفی گردانا ہے اور اس باب میں عقل کے گھوڑے دوڑانے کی اجازت نہیں دی۔ اور جب صفات توقیفی ہیں تو اس باب میں کنج کا وہی کی حاجت کیا ہے؟ علاوہ ازیں محدثین کے نقطہ نظر کے پیچھے ایسے مضبوط عقلی و نقلی دلائل ہیں کہ باطل نہ سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، پھر ان کو بدنام کرنے اور اعتراضات کی بوجھار کرنے کے کیا معنی؟! رہی متاولین کے اقوال و مذہب کی تردید تو اس کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں۔

وَاسْتَطَالُوا لِعَلَاءِ الْخَائِضُونَ عَلَى مَعْشَرِ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَسَمَّوْهُمْ مُجَسَّمَةً وَمُشَبَّهَةً، وَهَالُوا:
هَمَّ الْمُتَسَرُّونَ بِالْبَلْغَةِ، وَقَدْ وَضَحَ عَلِيٌّ وَضوحًا بَيِّنًا: أَنَّ اسْتَطَالَتِهِمْ هَذِهِ لَيْسَتْ بِشَيْءٍ، وَأَنَّهُمْ
مَخْطُؤُونَ فِي مَقَالَتِهِمْ رَوَايَةً وَدِرَايَةً، وَخَاطِئُونَ فِي طَعْنِهِمْ أُمَّةَ الْهَدَى.

وتفصیل ذلك: أن ههنا مقامين:

أحدهما: أن الله تبارك وتعالى كيف اتصف بهذه الصفات؟ وهل هي زائدة على ذاته أو عين ذاته؟ وما حقيقة السمع والبصر والكلام وغيرها؟ فإن المفهوم من هذه الألفاظ بادی الرأى غیر لائق بحجاب القدس، والحق فی هذا المقام: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم يتكلم فيه بشیء، بل حَجَرَ أُمَّتَهُ عن التكلم فيه، والبحث عنه، فليس لأحد أن یَقْدُم على ما حَجَرَهُ عنه.

والثاني: أنه أى شىء يجوز فى الشرع أن نَصِفَهُ تعالى به، وأى شىء لا يجوز أن نصفه به؟ والحق: أن صفاته وأسماءه توفيقية، بمعنى أننا وإن عرفنا القواعد التى بنى الشرع بیان صفاته تعالى عليها، كما حَرَّرْنَا فى صدر الباب، لكن كثيراً من الناس لو أتيح لهم الخوض فى الصفات لَصَلُّوا وَأَضَلُّوا، وكثير من الصفات وإن كان الوصف بها جائزاً فى الأصل، لكن قوماً من الكفار حملوا تلك الألفاظ على غير محلِّها، وشاع ذلك فيما بينهم، فكان حکم الشرع النهى عن استعمالها، دفعاً لتلك المفسدة، وكثير من الصفات يوهم استعمالها على ظواهرها خلاف المراد، فوجب الاحتراز عنها، فللهذه الحِجَم جعلها الشرع توفيقية، ولم یُحِج الخوض فيها بالرأى.

وبالجملة: فالضَّحْكُ والْفَرَحُ والتَّبَشُّبُ والغضب والرضا يجوز لنا استعمالها، والبكاء والخوف ونحو ذلك لا يجوز لنا استعمالها، وإن كان المأخذان متقاربين، والمسألة على ما حققناه معتصدة بالعقل والنقل، لا يحوم الباطل من بين يديها ولا من خلفها، والإطالة فى إبطال أقوالهم ومذاهبهم لها موضع آخر غير هذا الموضع.

ترجمہ: اور ان تاویل میں گھسنے والوں نے محدثین کی جماعت کو بدنام کیا ہے، اور وہ ان کو مجسمہ اور مشبہہ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ لوگ 'باکیف' کے پردہ میں چھپنے والے ہیں۔ اور مجھ پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ ان کی یہ زبان و رازی کچھ بھی نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ اپنی باتوں میں غلطی پر ہیں نقلاً بھی اور عقلاً بھی اور وہ خطا کار ہیں ان کے اعتراض کرنے میں ہدایت کے پیشواؤں پر۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں دو مقام ہیں:

ان میں سے ایک: یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالى ان صفات کے ساتھ کس طرح متصف ہیں؟ اور آیا وہ صفات ذات باری سے زائد (مُلحَدہ) ہیں یا عین ذات ہیں؟ اور سَمْعُ و بَصَرُ اور کلام وغیرہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس لئے کہ ان الفاظ سے سرسری نظر میں جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ پاکیزہ بارگاہ کے لائق نہیں ہے۔ اور حق اس مقام میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں کچھ گفتگو نہیں فرمائی۔ بلکہ آپ نے اپنی امت کو اس بارے میں گفتگو کرنے سے اور کھود کرید کرنے

سے روکا ہے، پس کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ اس چیز پر اقامہ کرے جس سے اس کو روکا گیا ہے۔

اور دوسرا مقام: یہ ہے کہ شرعاً کوئی چیز جائز ہے کہ ہم اس کے ساتھ اللہ کو متصف کریں اور کوئی چیز جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کو اس کے ساتھ متصف کریں؟ اور حق بات: یہ ہے کہ اللہ کی صفات اور اسما، تو قیفی ہیں یعنی اگرچہ ہم اُن قواعد کو جانتے ہیں جن پر شریعت نے صفات الہیہ کے بیان کرنے کی بنیاد رکھی ہے، جیسا کہ شروع باب میں ہم اُن قواعد کی وضاحت کر چکے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ اگر ان کو صفات میں غور و خوض کرنے کی اجازت دے دی جائے گی تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اور بہت سی صفات اگرچہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا دراصل جائز ہے، مگر کفار میں سے کچھ لوگوں نے ان الفاظ کو غیر محمل پر محمول کیا ہے اور یہ بات ان میں پھیل چکی ہے۔ پس شریعت کا حکم ان صفات کے استعمال سے ممانعت کا ہوا، اس خرابی کو دور کرنے کے لئے۔ اور بہت سی صفات ان کا استعمال ان کے ظاہری معنی میں خلاف مراد کا وہم (خیال) پیدا کرتا ہے۔ پس اس سے بچنا ضروری ہوا۔ پس انہیں حکمتوں کی وجہ سے شریعت نے صفات کو تو قیفی گردانا ہے اور عقل سے ان میں غور و خوض جائز نہیں رکھا۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ صَحْلَہ (ہنسا) فَرَح (خوش ہونا) تَبَشُّبَش (بشاشت) غَضَب (غصہ کرنا) اور رَحْصَا (خوشنودی) کا استعمال ہمارے لئے جائز ہے اور رونا اور رونا اور ان کے مانند کا استعمال ہمارے لئے جائز نہیں، اگرچہ دونوں (تسم کی صفات) کا مآخذ قریب قریب ہے۔ اور مسئلہ (یعنی محدثین کی رائے) اس طور پر جو ہم نے مدلل کیا ہے عقل و نقل سے تائید یافتہ ہے، باطل نہ اس کے سامنے سے بچھک سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ اور ان کے (یعنی تاویل کرنے والوں کے) اقوال و مذاہب کے ابطال میں دراز نفسی کے لئے اس جگہ کے علاوہ کوئی اور جگہ ہے۔

لغات:

اِسْتِعْطَال علیٰ عرَضہ: بدنامی کی شہرت دینا..... اِسْتِعْطَال ہذا کا مشار الیہ معتزلہ ہیں جو صفات متشابہات کی تاویل میں گمے ہیں..... اَلْبَلْغَہُ مصدر ہے اور بَلَاحِیۃ کا مختصر ہے، جیسے اَلْبَسْمَلۃُ مختصر ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ کا اور اَلْحَوَاقِلۃُ مختصر ہے لاحولِ اِلَیْہِ کا..... اِنْ ہِنَا مقامین اِی فِی بابِ اَلْمَتَشَابَہَات..... وَاِنْ کَانَ اَلْمَاخِذَانِ مُتَقَارِبَیْنِ اِی مُتَحَدِّیْنِ، لِاَنَّ کِلَا اَلْفَسْمِیْنِ مِنْ کِبَیَّاتِ اَلْقَلْبِ بِاَلنَّسْبۃِ اِلَی الْاِنْسَانِ (سندی)..... تَبَشُّبَش (مصدر) تَبَشُّبَش بہ: کسی سے کشادہ روی سے پیش آنا۔

صفات الہیہ کے معانی کا تفصیلی بیان

معتزلہ کہ حال صفات الہیہ کے تعلق سے شتر مرغ کی طرح ہے۔ ایک طرف وہ صفات کا انکار کرتے ہیں، دوسری طرف وہ ان کی دوراز کرتا ویلات بھی کرتے ہیں۔ وہ بدنامی کے ڈر سے کھل کر انکار نہیں کرتے، بلکہ تاویلات کا سہارا

لیتے ہیں۔ مثلاً معتزلہ اللہ کی صفت کلام کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں کلام (اصوات و حروف) پیدا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ قرآن کو مخلوق (حادث) مانتے ہیں۔ قاضی عضد الدین ابی رحمہ اللہ مواقف میں لکھتے ہیں قال المتعزلة: كلامه تعالى أصوات وحروف يخلقها الله في غيره، كاللوح المحفوظ، أو جبريل أو النسي وهو حادث اه حالانکہ ان کی یہ تاویل قطعاً انصوم کے خلاف ہے۔

اسی طرح بعض متکلمین بھی صفات کے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو بے جوڑ ہیں، اس لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ سات صفات حقیقیہ یعنی صفات ذاتیہ: حیات، علم، سمع، بصر، ارادہ، قدرت اور کلام کے معانی بیان فرماتے ہیں اور تین صفات فعلیہ کی تاویل کرتے ہیں یعنی درجہ احتمال میں ان کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ وہ تین صفات یہ ہیں: ۱۔ خوشنودی اور شکر گرداری اور ان کی اضداد ناراضگی اور پچکار بھیجنا ۲۔ دعا قبول کرنا ۳۔ باری تعالیٰ کی رویت (دیکھنا، نظر آنا)

اور تمہید یہ قائم کی ہے کہ جب معتزلہ اور اشاعرہ نے صفات کی دو ازار کار تاویلات کی ہیں تو ہمارے لئے بھی جائز ہے کہ ہم درجہ احتمال میں صفات کا مطلب بیان کریں۔ ہم جو معانی بیان کر رہے ہیں وہ صفات کو سمجھانے میں معتزلہ وغیرہ کی تاویلات کے مقابلہ میں قریب تر اور حقیقت سے زیادہ ہم آہنگ ہیں۔ ان کے بیان کردہ معانی کو نہ شرعاً قبول کرنا ضروری ہے، نہ دلیل عقلی اس پر مجبور کرتی ہے، نہ ان کو کوئی ترجیح حاصل ہے، نہ ان میں کوئی سرخاب کا پر لگ رہا ہے۔ البتہ ہم جو معانی بیان کر رہے ہیں وہ بھی تاویلات ہیں یعنی درجہ احتمال میں معانی و مطالب بیان کر رہے ہیں۔ یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اللہ کی مراد یہی معانی ہیں، نہ یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے بیان کردہ معانی کا اعتقاد رکھنے پر اجماع امت ہے۔ تو یہ! تو یہ!!

① صفت حیات کا بیان: ہمارے سامنے تین قسم کی چیزیں ہیں: زندہ، مردہ اور بے جان چیزیں۔ اب غور کریں، اللہ تعالیٰ سے قریب ترین مشابہت کس کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ زندہ ہی اللہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ میت و ہذا کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں۔ زندہ جانتا بھی ہے اور کسی درجہ میں دوسری چیزوں پر اثر انداز بھی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی علیم و خیر ہیں، وہ کائنات کے ذرہ ذرہ سے باخبر ہیں اور ساری خلقت پر اثر انداز بھی ہیں۔ مخلوقات انہیں نے پیدا کی ہے اور وہی مالک و متصرف بھی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے صفت حیات (زندگی) ثابت کرنا ضروری ہے، وہ وحشی (زندہ) ہیں اور یہ ان کی صفت حقیقیہ ہے۔ صفت حیات کا بس اتنا ہی مطلب ہم جانتے ہیں۔ آگے کی کیفیت جاننے سے ہم عاجز ہیں۔ کیونکہ زندہ تو ہمارے سامنے ہے، اس لئے ہم اس کی زندگی کی کیفیت کسی درجہ میں جانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے لئے غیب ہیں اور ان کی شان لیس کسمثلہ شئی ہے، اس لئے ہم ان کی حیات کی کیفیت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔

② صفت علم کا بیان: ہمارے لئے چیزوں کے ”ظاہر ہونے“ کا نام علم (جاننا) ہے۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ پر منکشف ہے سب چیزیں ان کے سامنے ظاہر اور کھلی ہوئی ہیں۔ ازل میں جبکہ کوئی چیز موجود نہیں تھی اللہ تعالیٰ کو سب چیزوں کا ذاتی علم حاصل تھا۔ ذاتی علم وہ ہے جس کا منشا خود ذات ہو، پھر بعد میں جب چیزیں تفصیل سے موجود

ہونے لگیں تو اللہ تعالیٰ کو ان کا علم انہیں معلومات سے حاصل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم ثابت کرنا ضروری ہے۔ وہ علیم (جاننے والے) ہیں۔ اور یہ بھی ان کی ذاتی صفت ہے۔

(۴) صفات سمع و بصر کا بیان: مبصرات اور مسموعات کے ظہور تام کا نام دیکھنا اور سننا ہے یعنی جو چیزیں قابل رویت اور قابل سماعت ہیں وہ خوب ظاہر ہو جائیں تو اسی کا نام ان کو دیکھنا اور سننا ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو پہلی وجہ الاقم حاصل ہے۔ سب چیزیں ان کے سامنے ظاہر اور کھلی ہوئی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے صفات سمع و بصر ثابت کرنا ضروری ہے۔ وہ سمیع (سننے والے) اور بصیر (دیکھنے والے) ہیں اور یہ بھی ان کی ذاتی صفات ہیں۔

(۵) صفت ارادہ کا بیان: جب ہم کہتے ہیں کہ: ”فلاں نے ارادہ کیا“ تو ہم اس سے یہی مراد لیتے ہیں کہ فلاں شخص کے دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کے معاملات اس طرح ہیں کہ: (۱) وہ بعض کام اس وقت کرتے ہیں جب اس کام کے پیدا ہونے کی شرط پائی جاتی ہے۔ مثلاً بادل پیدا ہونے کے بعد وہ بارش برساتے ہیں۔ تو ایک ایسی نئی چیز وجود میں آتی ہے جو پہلے نہیں تھی۔

(۲) اور بعض کام وہ اس وقت کرتے ہیں جب عالم میں استعداد پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بارش ہونے کے بعد جب زمین میں روئیدگی کی استعداد پیدا ہوتی ہے تو وہ ہبزہ اگاتے ہیں۔ اور ایک نئی چیز وجود میں آتی ہے۔

(۳) عالم بالا کے بعض مقامات میں مثلاً حظیر القدس میں یا ملا اعلیٰ میں، جب حکم الہی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ اور اس پر اتفاق ہوتا ہے تو اس کے مطابق کائنات میں ایسی نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں جو پہلے نہیں تھیں۔

انہیں سب صورتوں کا نام ارادہ ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ارادہ ثابت کی جائے۔ پس وہ مُرِيدٌ (ارادہ کرنے والے) ہیں۔ اور یہ بھی ان کی ذاتی صفت ہے۔

سوال: صفت ارادہ کی اوپر جو تشریح کی گئی ہے اس سے تو اس صفت کا حادث ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ کیونکہ جب کسی نئی چیز کے وجود میں آنے کا وقت آتا ہے، اس وقت اس کے ساتھ صفت ارادہ متعلق ہوتی ہے، تو یہ صفت حادث ہوئی، ازلی نہ ہوئی؟

جواب: صفت ارادہ حادث نہیں ہے، وہ تو قدیم اور ازلی ہے۔ البتہ اشیاء کے ساتھ اس کا تعلق حادث ہے اور تعلق کے حادث ہونے سے خود صفت کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ یہی حال صفات خلق، احیاء، امات، تزیین وغیرہ کا ہے۔ یہ تمام صفات جمیع عالم کے ساتھ یکساں متعلق ہوئی ہیں۔ اسی طرح صفت ارادہ یعنی اللہ کا چاہنا بھی تمام عالم کے ساتھ یکدم متعلق ہوا ہے پھر چیزیں حَبَسًا فَسَبَّحْنَا اس وقت وجود میں آتی ہیں جب ان کے ساتھ تفصیلی طور پر یعنی علیحدہ علیحدہ اللہ کا چاہنا متعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح صفت خلق، علم وغیرہ کا حال ہے۔ پس یہ کہنا درست ہے کہ اللہ نے یہ پیدا کیا، وہ پیدا کیا۔ یہ جانا، وہ جانا۔ اس کام کا ارادہ کیا، اُس کام کا ارادہ کیا۔ ایسا کہنے سے ان صفات کو حادث سمجھنا غلط فہمی ہے۔

ولنا: أن نفسرها بمعانٍ هي أقرب وأوفق مما قالوا إبانة، لأن تلك المعاني لا يتعين القول بها، ولا يضطر الناظر في الدليل العقلي إليها، وأنها ليست راجحة على غيرها، ولا فيها مزية بالنسبة إلى ما عداها؛ لأحكامنا بأن مراد الله ما نقول، ولا إجماعاً على الاعتقاد بها، والإذعان بها، هيئات ذلك! فنقول - مثلاً -:

[۱] ولما كان بين يديك ثلاثة أنواع: حي وميت وجماد، وكان الحي أقرب شبهها بما هنالك، لكونه عالمًا مؤثرًا في الخلق، وجب أن يسمى حيًّا.

[۲] ولما كان العلم عندنا هو الانكشاف، وقد انكشفت عليه الأشياء كلها، بما هي منذ مبدئ في ذاته، ثم بما هي موجودة تفصيلًا، وجب أن يسمى عليمًا.

[۳] ولما كانت الرؤية والسمع انكشافًا تامًّا للمبصرات والمسموعات، وذلك هناك بوجهٍ اتَّم، وجب أن يسمى بصيرًا سميعًا.

[۴] ولما كان قولنا: أراد فلان، إنما نغني به ما جَسَّ عزم على فعلٍ أو تركه، وكان الرحمن يفعل كثيرًا من أفعاله عند حدوث شرط، أو استعداد في العالم، فيوجب عند ذلك ما لم يكن واجبًا، ويحصل في بعض الأحيان الشاهقة إجماع بعد ما لم يكن، بإذنه وحكمه، وجب أن يسمى مريدًا.

وأيضًا: فالإرادة الواحدة الأزلية الذاتية المفسرة باقتضاء الذات لَمَّا تعلقت بالعالم بأسره مرة واحدة، ثم جاءت الحوادث يومًا بعد يوم، صحَّ أن تُنسب إلى كل حادثٍ حادث على جذته، ويقال: أراد كذا وكذا.

ترجمہ: اور ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم صفات کی تشریح کریں ایسے معانی سے جو اظہار حقیقت میں ان کی باتوں سے اقرب اور زیادہ ہم آہنگ ہیں۔ اس لئے کہ اُن (معتزلہ کے بیان کردہ) معانی کا قائل ہونا متعین نہیں اور نہ دلیل عقلی میں غور کرنے والا ان معانی (کو ماننے) کی طرف مجبور ہے۔ اور اس لئے کہ وہ معانی ان کے علاوہ معانی پر راجح نہیں ہیں۔ اور نہ ان میں کوئی فضیلت ہے دیگر معانی کی بہ نسبت۔ (ہم یہ معانی) یہ فیصلہ کرتے ہوئے (بیان) نہیں (کر رہے) کہ اللہ کی مراد وہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور نہ اجماع (کا دعویٰ) کرتے ہوئے ان معانی کا اعتقاد رکھنے پر اور ان کا یقین کرنے پر۔ بہت دور کی بات ہے وہ یعنی ناممکن ہے کہ ہم ایسا کہیں۔

پس ہم بطور مثال کہتے ہیں:

(۱) جب آپ کے سامنے تین قسم کی چیزیں تھیں: زندہ، مردہ اور بے جان چیز۔ اور زندہ قریب تر مشابہت رکھتے

والا تھا اس سے جو وہاں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جانے والے ہیں اور مخلوقات پر اثر انداز ہیں، تو ضروری ہوا کہ ان کو حقیقتاً (زندہ) کہا جائے۔

(۲) اور جب علم (جاننا) ہمارے نزدیک (یعنی ہماری بول چال میں) انکشاف (ظہور) کا نام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر تمام چیزیں متکشف ہیں اس چیز سے جو ان کی ذات میں چھپائی ہوئی ہے (یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا ذاتی علم حاصل تھا) پھر اس چیز سے جو متصل موجود ہے (یعنی پھر جب کائنات پیدا ہوئی شروع ہوئی تو ان موجودات کے ذریعہ دوسری مرتبہ انکشاف ہوا یعنی وہ علم ازل کی جو کائنات کے ساتھ یکبارگی متعلق ہوا تھا۔ اب وہ ایک ایک چیز سے علحدہ علحدہ متعلق ہونے لگا۔ یہ تعلق حادث ہے مگر صفت علم قدیم ہے، جیسا کہ ابھی صفت ارادہ کے بیان کے بعد سوال مقدر کے جواب کے طور پر یہ بات آ رہی ہے) تو ضروری ہوا کہ ان کو علیم کہا جائے۔

(۳) اور جب رویت (دیکھنا) اور سماع (سننا) مبصرات (دیکھنے والی چیزوں) اور سموعات (قابل سماعت) چیزوں کے ظہور تام کا نام تھا، اور یہ بات وہاں (یعنی اللہ تعالیٰ میں) بوجہ اتم موجود ہے تو ضروری ہوا کہ ان کو بصیر اور سمیع کہا جائے۔

(۴) اور جب ہم کہتے ہیں کہ: ”فلاں نے ارادہ کیا“ تو ہم اس سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے پختہ ارادہ کے خیال کو مراد لیتے ہیں۔ اور مہربان اللہ اپنے کاموں میں سے بہت سے کام کسی شرط کے نیا پیدا ہونے پر یا دنیا میں استعداد پیدا ہونے پر کیا کرتے ہیں، پس اس وقت وہ چیز ثابت ہوتی ہے (یعنی وجود میں آتی ہے) جو پہلے ثابت نہیں تھی۔ اور عالم بالا کے بعض مقامات میں، اللہ کی اجازت اور حکم سے ایسا اجتماع منعقد ہوتا ہے جو پہلے نہیں تھا، تو ضروری ہوا کہ ان کو مؤید (ارادہ کرنے والا) کہا جائے۔

اور نیز: پس ایک ازل ذاتی ارادہ، جس کی تشریح کی گئی ہے: ذات (اللہ تعالیٰ) کے چاہنے کے ساتھ، جب وہ تمام عالم کے ساتھ یکبارگی متعلق ہوا، پھر روضا ہوئے واقعات (چیزیں) تدبیراً تو درست ہے کہ وہ ارادہ واحدہ منسوب کیا جائے ہر ہر واقعہ کی طرف علحدہ علحدہ طور پر، اور کہا جائے کہ: ”اس نے ایسا چاہا اور ایسا چاہا“

لغات و ترکیب:

انہا لیست واجحة کا عطف لأن میں آن پر ہے۔۔۔۔۔ لا حکمنا ای لا نفسرها حکمنا۔۔۔۔۔ ائندمج فی الشیء: مضبوط گڑ جانا۔۔۔۔۔ ہاجس (اسم فاعل، مضاف ہے) هَجَسَ الشیء فی صدره: دوسرے گزرنا، خیال آنا۔۔۔۔۔ الأحیاز جمع الحیز: جگہ۔۔۔۔۔ الشاهقة: بلند۔



(۵) صفت قدرت کا بیان: اور جب ہم کہتے ہیں کہ ”فلاں قادر ہوا“ تو ہم اس کا یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ فلاں وہ کام کر سکتا ہے، کوئی خارجی سبب اس کو روک نہیں سکتا البتہ وہ خود ہی ارادہ بدل دے اور نہ کرے تو یہ دوسری بات ہے۔ اسی طرح ایسی ضدین جو دونوں زیر قدرت ہوں، مثلاً کسی چیز کا کھانا اور نہ کھانا جب آدمی ان دونوں میں سے ایک پہلو کو اختیار کرے مثلاً کھالے تو بھی دوسرا پہلو زیر قدرت رہتا ہے۔ ایک پہلو کو ترجیح دینے سے اس کی ضد قدرت سے خارج نہیں ہو جاتی، جس طرح پہلے دونوں پہلو زیر قدرت تھے اب بھی دوسرا پہلو قدرت میں ہے اور ایک پہلو کو اختیار کرنا اور دوسرے پہلو کو اختیار نہ کرنا کسی مصلحت سے ہوتا ہے — اور مہربان اللہ بھی ہر کام کر سکتے ہیں کوئی ان کو روکنے والا نہیں اور وہ جو دو مقدمہ وروں میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں تو وہ اپنی مہربانی سے ایسا کرتے ہیں اور ان کا اپنا ارادہ اور فیصلہ اس کا مقتضی ہوتا ہے مثلاً انہوں نے اپنے حبیب کو سب پیغمبروں کے آخر میں مبعوث فرمایا، جبکہ وہ سب سے پہلے بھی اور درمیان میں بھی مبعوث فرما سکتے تھے، تو یہ ترجیح ان کے فضل اور ان کے چاہنے کی وجہ سے ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ دوسرا پہلو ان کے اختیار میں نہیں تھا، یا اب نہیں رہا، پہلے بھی دونوں امر مقدمہ تھے اور اب بھی ہیں۔ جب اللہ کی یہ شان ہے تو ضروری ہے کہ ان کو قادر مانا جائے۔ پس وہ قَدِيرٌ (قدرت والے) ہیں اور یہ بھی ان کی ذاتی صفت ہے۔

(۶) صفت کلام کا بیان: جب ہم کہتے ہیں کہ: ”فلاں نے فلاں سے بات کی“ تو ہم اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اس نے اپنے دل کی مراد الفاظ کے ذریعہ دوسرے کو بتائی۔ اور مہربان اللہ بھی کبھی اپنے بندوں پر علوم کا فیضان کرتے ہیں اور صرف معانی کا فیضان نہیں کرتے، بلکہ معانی کے ساتھ الفاظ کا بھی فیضان کرتے ہیں، جو بندے کی قوت خیالیہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہ علوم و معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ معانی کے ساتھ الفاظ کا فیضان اس لئے کرتے ہیں کہ تعلیم زیادہ سے زیادہ واضح طور پر ہو۔ غرض جب شان عالی بھی یہ ہے تو ضروری ہے کہ ان کے لئے صفت کلام ثابت کی جائے۔ چنانچہ وَكَلَمٌ (بات کرنے والے) ہیں اور یہ صفت بھی ان کی ذاتی صفت ہے۔

فائدہ (۱): ذاتی صفت وہ ہے جس کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف نہ کیا جاسکے مثلاً وہ زندہ، جاننے والے اور قادر ہیں۔ ان کو مردہ ہونے اور جہالت وغیرہ کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کی حقیقی (اصلی) ذاتی صفات کل سات ہیں جن کا بیان پورا ہوا۔ اور جس صفت کی ضد کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کو متصف کیا جاسکتا ہے وہ صفت فعلی ہے، جیسا اَحْيَاء (زندہ کرنا) اور اِمَاتَات (مارنا) دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ صفات فعلیہ بہت ہیں۔ شیخ ابو المستہبی مغنیساوی رحمہ اللہ الفقہ الکبیر کی شرح میں لکھتے ہیں: والفرق بین صفات الذات و صفات الفعل: ان کل صفة یوصف اللہ تعالیٰ بضدھا فہی من صفات الفعل، کالخلق، وإن کان لا یوصف بضدھا فہی من صفات الذات، کالحیة، والعزة، والعلم (ص ۱۰۸)

فائدہ (۲): پہلے یہ بات آچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو ایک درجہ تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، ہم کے آخری مرحلہ

میں تمام صفات از قبیل تشابہات ہیں یعنی معنی غایات و نتائج تو صفات کو سمجھا جا سکتا ہے مگر مبداء کی کیفیت نہیں سمجھ سکتے پس مبداء کے ثبوت کا اعتقاد رکھنا تو ضروری ہے، مگر اس کا ادراک مشکل ہے، واللہ اعلم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

فیضانِ علوم (وحی) کی صورتیں

سورۃ الشوریٰ آیت ۵۱ میں ہے کہ: "کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (رو بہ رو) کلام کریں" یعنی کوئی بھی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قوی کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس کے سامنے ظاہر ہو کر اس سے بالمشافہہ کلام فرمائیں اور وہ تحمل کر سکے۔ نیز اللہ تعالیٰ عالی شان ہیں۔ ان کی شان کی بلندی بھی مافیہ کے ہے کہ وہ بشر سے رو بہ رو کلام فرمائیں۔ مگر وہ بڑی حکمت والے بھی ہیں۔ ان کی حکمت مقتضی ہوئی کہ فیضانِ علوم کے لئے قابل تحمل شکلیں تجویز فرمائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بندوں پر چار طرح سے علوم کا فیضان فرماتے ہیں۔

پہلی صورت: اشارہ سے علوم کا فیضان کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کوئی مضمون دل میں ڈال دیتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: کبھی نیند میں بصورت خواب التاء فرماتے ہیں۔ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ اس میں شیطانی تصرف نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں الفاظ عموماً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے۔ صرف ایک مضمون خواب کی شکل میں اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں، جس کو نتیجہ اپنے الفاظ میں تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشفق علیہ روایت میں ہے کہ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ (مشکوٰۃ، کتاب الفضائل، باب المبعث و بدء الوحی، حدیث نمبر ۵۸۴)۔ یعنی رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز نیند میں سچے خوابوں کے ذریعہ ہوا۔

دوسری بیداری میں جب بندہ غیب (اللہ تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کوئی واضح علم، جو نور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا، اس کے دل میں پیدا کر دیتے ہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْحَقُّ فِيَّ رُؤْيًى (میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی)

قرآن کریم میں فیضانِ علوم کی ان دونوں صورتوں کو لفظ وحی سے تعبیر کیا ہے، وحی کے لغوی معنی ہیں اشارہ خفیہ، جو مذکورہ دونوں صورتوں کو شامل ہے، اور عرف میں وحی کا لفظ عام ہے، فیضانِ علوم کی تمام صورتوں کو وحی کہا جاتا ہے مگر سورۃ الشوریٰ کی آیت میں لغوی معنی مراد ہیں۔

دوسری صورت: اللہ تعالیٰ بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے بندے کو کوئی منظم و مرتب کلام سناتے ہیں۔ بندہ خوب سمجھتا ہے کہ وہ خارج سے سن رہا ہے مگر بندے کو کوئی بولنے والا نظر نہیں آتا یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لذت اندوز ہوتی ہے مگر آنکھیں دولت دیدار سے متنع نہیں ہوتیں۔

کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اسی طریقہ سے وحی فرمائی تھی اور شب معراج میں سید الانبیاء ﷺ کو کلام کی اسی صورت سے توازا لگایا تھا۔

تیسری صورت: فرشتہ مجتہد ہو کر نبی کے سامنے آتا ہے اور خدا کا کلام و پیام پہنچاتا ہے، جس طرح ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے۔ وحی کا عام طریقہ یہی رہا ہے۔ قرآن کریم پورا اسی طریقہ سے بواہطہ جبرئیل نازل ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرئیل ایک دو مرتبہ تو اپنی اصلی شکل میں نظر آئے ہیں۔ مگر اکثر وہ آدمی کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ اس وقت آپ کی آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان اس کی آواز سنتے تھے اور عام طور پر جبرئیل دوسروں کو نظر نہیں آتے تھے۔ مگر کبھی وہ صحابہ کو بھی نظر آتے تھے اور صحابہ بھی ان کی بات سنتے تھے، جیسا کہ حدیث جبرئیل میں آیا ہے۔

چوتھی صورت: جب بندہ عالم ملکوت کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کے حواس مغلوب ہو جاتے ہیں یعنی کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو نبی کو ایک گھنٹے کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور اس ذریعہ سے وحی کی جاتی ہے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا:

”میرے پاس وحی کبھی گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے۔ اور وحی کی یہ صورت مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے۔

پھر وہ مجھ سے موقوف ہوتی ہے اس حال میں کہ میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں“ (مشکوٰۃ، کتاب الفضائل، باب

المبعث ویدء الوحی، حدیث نمبر ۵۸۴۳)

علماء نے بیان کیا ہے کہ وحی کرنے والے فرشتے اور وحی لینے والے نبی میں مناسبت شرط ہے اور یہ مناسبت دو طرح پر پیدا کی جاتی ہے کبھی فرشتہ کی ملکیت اور روحانیت نبی پر غالب آتی ہے اور نبی بشریت سے غائب ہو جاتا ہے تو مذکورہ صورت پیش آتی ہے اور کبھی نبی کی بشریت فرشتہ پر غالب آتی ہے تو فرشتہ بصورت بشر نمودار ہوتا ہے اور دوسری صورت پیش آتی ہے (مظاہر حق)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس چوتھی صورت کی نظیر پیش کی ہے کہ جس طرح غشی (بے ہوشی) طاری ہونے پر کبھی سرخ و سیاہ رنگ نظر آتے ہیں، اسی طرح اس چوتھی صورت کو سمجھنا چاہئے۔ یہ محض ایک نظیر ہے۔ مثال نہیں جو مشمل لہ کا فرد ہوتی ہے۔

[۵] ولما كان قولنا: قَدَّرَ فَلَانٌ، إنما نَعْنِي به: أنه يمكن له أن يفعل، ولا يَصُدُّه من ذلك سبب

خارج؛ وأما إشارَةُ أَحَدِ الْمُقَدَّرِينَ مِنَ الْقَادِرِ فَإِنَّهُ لَا يَنْفِي اسْمَ الْقَدَرَةِ؛ وَكَانَ الرَّحْمَنُ قَادِرًا عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، وَإِنَّمَا يُؤَثِّرُ بَعْضُ الْأَفْعَالِ دُونَ أَضْدَادِهِ لِعَابِيَتِهِ وَاقْتِصَانِهِ الدَّنَائِي، وَجِبَ أَنْ يُسَمَّى قَادِرًا.

[۶] ولما كان قولنا: كَلَّمَ فَلَانٌ فَلَانًا، إنما نَعْنِي به: إِفْضَاةَ الْمَعَانِي الْمَرَادَةِ، مَقْرُونَةً بِالْفَافِ

دالۃ علیہا، وکان الرحمن ربما یفیض علی عبده علوماً، ویفیض معها الفاظاً منعقدة فی خیالہ، دالۃ علیہا، لیکون التعلیم أصرح ما یکون، وجب ان یرسم متکلماً۔
 قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا كَانَ لِیَسِّرَ أَنْ یُکَلِّمَهُ اللّٰهُ، إِلَّا وَحْیًا، أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ، أَوْ یُرْسِلَ رَسُولًا فَبُوحًی بِأَذْنِهِ مَا یَشَاءُ، إِنَّهُ عَلَیِّ حَکِیمٌ﴾ فالوحي: هو النفث فی الرُوع برؤیا، أو خلقي علم ضروری عند نوجه الی الغیب؛ ومن وراء حجاب: أن یسمع كلاماً منظوماً، كأنه سمعه من خارج، ولم یرقاتله؛ أو یسل رسولاً، فیتمثل المَلَكُ له، وربما یحصل عند نوجه الی الغیب وانفیهار الحواس صوت صلیصلة الجرس، كما قد یکون عند عروض الغیسی من رؤیة ألوان خمر وسود۔

ترجمہ: (۵) اور جب ہم کہتے ہیں کہ: ”فلاں شخص قادر ہوا“ تو ہم اس سے مراد لیتے ہیں کہ اس کے لئے کرنا ممکن ہے، اس کو اس سے کوئی خارجی سبب نہیں روک سکتا۔ اور ہر قادر کا دوزیر قدرت چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دینا تو یہ چیز ”قدرت“ کے اطلاق کی نفی نہیں کرتی۔ اور مہربان اللہ قادر ہیں ہر چیز پر۔ اور وہ بعض کاموں کو ان کی اشداد پر اپنی مہربانی اور اپنے ذاتی چاہنے سے ترجیح دیتے ہیں، تو ضروری ہوا کہ ان کا فاذ نام رکھا جائے۔

(۶) اور جب ہم کہتے ہیں کہ: ”فلاں نے فلاں سے بات کی“ تو ہم اس سے مراد لیتے ہیں معنی مرادی کے افاضہ (پہنچانے) کو، دراصل کلمہ وہ ایسے الفاظ کے ساتھ مقرر ہوتے ہیں جو ان معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور مہربان اللہ کبھی اپنے بندے پر علوم کا فیضان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایسے الفاظ کا بھی فیضان کرتے ہیں جو اس بندہ کی قوت خیالیہ میں منعقد ہو جاتے ہیں، جو ان علوم پر دلالت کرتے ہیں، تاکہ تعلیم زیادہ سے زیادہ صراحت کے ساتھ ہو، پس ضروری ہوا کہ ان کا نام متکلم (بات کرنے والا) رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے، مگر اشارہ کے طور پر، یا پردے کے پیچھے سے، یا کسی فرشتہ کو بھیج دے پس وہ خدا کے حکم سے، جو خدا کو منظور ہو، پیغام پہنچا دے، وہ بڑی اونچی شان والا بڑی حکمت والا ہے۔ پس وحی: وہ دل میں کوئی بات ڈالنا ہے خواب کے ذریعہ یا اس بندہ کے غیب (اللہ تعالیٰ) کی طرف توجہ کرنے کی صورت میں (دل میں) نہایت واضح علم پیدا کرنے کے ذریعہ۔ اور پردے کے پیچھے سے: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی منظم کلام سنائیں، گویا اس نے اس کو باہر سے سنا اور اس کے بولنے والے کو نہیں دیکھا۔ یا بھیجیں رسول کو: پس فرشتہ بندہ کے سامنے متمثل ہو۔ اور کبھی بندے کے غیب (اللہ تعالیٰ) کی طرف توجہ کرنے کے وقت اور حواس کے مغلوب ہونے کے وقت گھٹنے کی سی آواز حاصل ہوتی ہے، جیسے کبھی غشی طاری ہونے پر سرخ و سیاہ رنگ نظر آتے ہیں۔



⑥ صفات رضا و شکر، حفظ و عن اور اجابت دعا کا بیان: مقدس بارگاہ میں انسانوں کے لئے ایک پروگرام ہے، جس کا نوع بشری میں جاری کرنا مقصود ہے۔ اس لئے نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے اور انبیاء کے ذریعہ وہ نظام انسانوں کو پہنچایا ہے۔ تاکہ لوگ اس نظام پر عمل پیرا ہوں۔ اب اگر لوگ اس مطلوبہ نظام کا اتباع کریں گے تو وہ ملا اعلیٰ کے ساتھ لاحق ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو بشریت کی آلودگیوں سے نکال کر نور الہی کی طرف، اور اپنی بخششوں کی کشادگی کی طرف نکالیں گے اور ان کو نفسانی اور روحانی لذتیں، راحتیں اور نعمتیں حاصل ہوں گی یعنی وہ اپنی نیک روی پر شاداں و فرحاں ہوں گے۔ اور فرشتوں اور انسانوں کو الہام کیا جائے گا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اور اگر لوگ اس نظام مقصود کی خلاف ورزی کریں گے تو وہ ملا اعلیٰ سے دور ہو جائیں گے۔ ان پر ملا اعلیٰ کے توسط سے اللہ کا بغض نازل ہوگا، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں آیا ہے اور وہ دنیا ہی میں اُس طور پر عذاب الیم میں مبتلا کر دیئے جائیں گے جس کی تفصیل بحث دوم کے باب اول میں گذری ہے۔

غرض مذکورہ وجہ سے یہ کہنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خوش ہوئے یا ناراض ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کے بہتر سلوک پر ان کی تعریف کی یا نا فرمانی پر ان کو پھٹکارا۔ اور یہ سب صفات فعلیہ ہیں، کیونکہ ضدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا درست ہے۔

اس کے بعد ایک جملہ میں ایک سوال کا جواب ہے:

سوال: جب اللہ تعالیٰ کے پاس بندوں کے لئے ایک مطلوبہ نظام ہے تو جو لوگ اس کو اپنائیں انہیں کو پھینکے کا موقع دینا چاہئے، اور جو اس نظام کی خلاف ورزی کریں ان کو کفر کر دار تک پہنچا دینا چاہئے۔ حکومتیں موافقین کو محبوب رکھتی ہیں اور مخالفین کا قلع قمع ضروری خیال کرتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مطلوبہ نظام کے مخالفین کو کیوں برداشت کرتے ہیں؟

جواب: اس عالم میں تمام امور کا مرجع درحقیقت یہ امر ہے کہ نظام عالم مصلحت خداوندی کے مقتضی کے مطابق جاری رہے اور مصلحت خداوندی یہ ہے کہ یہاں خیر کے ساتھ شر بھی رہے مثلاً کھیتی سے مقصود غلہ ہوتا ہے مگر بھوسا بھی ساتھ رہتا ہے، جو بالآخر جانوروں کا چارہ بنتا ہے۔ اگر اس عالم میں خیر محض ہوتی تو یہ عالم فرشتوں کی دنیا بن کر رہ جاتا، اس کا استیاء ختم ہو جاتا، اور فرشتوں کی دنیا پہلے سے موجود تھی، اس عالم کو پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ”سورۃ البقرہ آیت ۳۰ میں فرشتوں کا یہی سوال مذکور ہے، اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا یہی جواب ہے کہ: ”میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے“ یہ اسی حکمت و مصلحت کی طرف اشارہ ہے جس کے مقتضی کے مطابق اس عالم کا کاروبار جاری ہے (جواب تمام ہوا)

اسی طرح جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگتا ہے تو جو دعائیں عالم کے مقتضی کے مطابق ہوتی ہے وہ قبول کی جاتی ہیں۔ دیکھئے مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب باب المحب فی اللہ ومن اللہ حدیث نمبر ۵۰۰۵ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے نفرت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا تے ہیں کہ مجھے فلاں بندہ سے نفرت ہے تم بھی اس سے نفرت کرو اور لا۔

جاتی ہے اور بندہ کو مطلوبہ چیز دے دی جاتی ہے۔ اور جس چیز کا دینا مصلحت نہیں ہوتا وہ نہیں دی جاتی۔ پس یہ کہنا درست ہے کہ: ”اللہ نے دعا قبول فرمائی یا اللہ نے دعا قبول نہیں فرمائی“، پس یہ بھی اللہ کی صفت ہے، اور فعلی صفت ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ نہیں فرمایا کہ: ”بندہ جو کچھ مجھ سے مانگے گا، میں اس کو ضرور دوں گا“، بلکہ سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶ میں یہ فرمایا ہے کہ: ”میں درخواست کرنے والے کی ہر عرضی منظور کر لیتا ہوں جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دیتا ہے“ ﴿اَجِبْ دُعُوَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا﴾ اور حدیث شریف میں اس کی تفسیر یہ آئی ہے کہ:

”مسلمان جب بھی کوئی دعا کرتا ہے، بشرطیکہ گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور عطا فرماتے ہیں: یا تو جو مانگا ہے وہ جلد و نیا ہی میں مل جاتا ہے یا اس کی دعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ کر کے رکھا لیا جاتا ہے یا اس مطلوبہ خیر کے بقدر کوئی تکلیف اس سے ہٹا دی جاتی ہے“ (رواہ احمد،

مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، فصل ثالث حدیث نمبر ۲۲۵۹)

یعنی بندہ کی کوئی بھی جائز دعا رو نہیں کی جاتی۔ ہر درخواست قبول کر لی جاتی ہے۔ رہا دینا نہ دینا تو یہ نظام عالم کی مصلحت پر موقوف ہے اگر مصلحت ہوتی ہے تو مطلوبہ چیز دے دی جاتی ہے، ورنہ دعا کی وجہ سے مطلوبہ چیز کے بقدر کوئی تکلیف دور کر دی جاتی ہے یا پھر اس دعا کو عبادت گردان کرنا معاملاً عمل میں لکھ لیا جاتا ہے، جو آخرت میں اس کے کام آتی ہے۔ کیونکہ دعا نہ صرف یہ کہ عبادت ہے بلکہ وہ عبادت کا گودا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کا کلکتا یا بیابا لیر یا کاشکار ہو جائے اور وہ حسبِ عادت قلعی مانگے تو شیخ باپ اس کو جھڑک نہیں دیتا۔ بلکہ درخواست قبول کر لیتا ہے اور نوکر کو ڈرامائی انداز میں حکم دیتا ہے کہ دوڑ دو رقفی لا۔ نوکر جائے گا اور واپس نہیں آئے گا۔ اور بچہ تھوڑی دیر میں اپنا مطالبہ بھول جائے گا۔ باپ بچے کو عرف اسی وقت دے گا جب ڈاکٹر اجازت دے گا۔ کیونکہ باپ کو بیٹے کی زندگی سے کھیلنا نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں پر باپ سے زیادہ شفیق ہیں۔ وہ بندوں کی ہر دعا قبول فرما لیتے ہیں۔ مگر دیتے وہی ہیں جس کا دینا مصلحت ہوتا ہے۔ اللہ اکبر! کیسی شانِ رحمت ہے!!

(۸) صفتِ رویت کا بیان: رویت مصدر مجہول ہے۔ رُئِيَ یُرى رُؤیۃ کے معنی ہیں دکھنا، انظر آنا۔ اور دیکھنے کا مطلب ہمارے عرف میں مرئی کا پوری طرح سے منکشف ہونا ہے۔ اور آخرت میں صورت حال یہ ہوگی کہ جب مومن بندے جنت میں پہنچ جائیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ تو وہ رب العالمین کی اس تجلی اعظم کا سر کی آنکھوں سے دیدار کریں گے جو عالمِ مثال کے درمیان میں قائم ہے۔ اس لئے متفق علیہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: ”بے شک تم اللہ کو دیکھو گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو“، پس ضروری ہے کہ صفتِ رویت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کی جائے مگر یہ درحقیقت بندوں کی صفت ہے مگر چونکہ اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے، اس لئے مجازاً اس کو اللہ تعالیٰ کی صفت شمار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[۷] ولما كان في حظيرة القدس نظام، مطلوبية إقامته من البشر، فإن افقوه لحقوا بالملأ الأعلى، وأخرجوا من المظلمات إلى نور الله وبسطه، ونعموا في أنفسهم، وألهمت الملائكة وبنو آدم أن يُحسنوا إليهم؛ وإن خالفوا باينوا من الملأ الأعلى، وأصيبوا ببغضة منهم، وعذبوا بنحو ما ذُكر، وجب أن يقال: رَضِيَ وَشَكَرَ، أو سَخَطَ وَلَعَنَ؛ والكُلُّ يرجع إلى جَرَّانِ العالم حَسَبَ مقتضى المصلحة؛ وربما كان من نظام العالم خلق المدعو إليه، فيقال: استجاب الدعاء.

[۸] ولما كانت الرؤية في استعمالنا انكشاف المرئي أتم ما يكون، وكان الناس إذا انتقلوا إلى بعض ما وعدوا من المعاد، اتصلوا بالتجلى القائم وسط عالم المثال. ورأوه رأى عين بأجمعهم، وجب أن يقال: إنكم سترونه كما ترون القمر ليلة البدر، والله أعلم.

ترجمہ: اور جب حظیرۃ القدس (بارگاہ مقدس) میں ایسا پروگرام تھا جس کا ہر پارکرتا انسانوں سے مقصود ہے۔ پس اگر لوگ اس کی موافقت کریں گے تو وہ ملأ اعلیٰ کے ساتھ ملیں گے اور وہ تاریکیوں سے اللہ کے نور اور اللہ کی کشادگی کی طرف نکالے جائیں گے اور وہ ان کے دلوں میں راحتی پہنچائے جائیں گے اور فرشتے اور انسان الہام کئے جائیں گے کہ وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اور اگر لوگ اس نظام کی مخالفت کریں گے تو وہ ملأ اعلیٰ سے جدا ہو جائیں گے۔ اور وہ اللہ کا بغض (نفرت) پہنچائے جائیں گے ملأ اعلیٰ کی طرف سے۔ اور سزا دیے جائیں گے اس طور پر جو ذکر کی گئی۔ تو ضروری ہوا کہ کہا جائے: ”وہ خوش ہوا اور اس نے بندوں کے بہتر سلوک پر ان کی تعریف کی یا وہ ناراض ہوا اور اس نے نافرمانوں کو پھینکا“ اور سب کچھ لوٹتا ہے دنیا کے چلنے کی طرف مصلحت خداوندی کے مطابق۔ اور کبھی نظام عالم میں سے اس چیز کا پیداکرنا ہوتا ہے جس کی دعا مانگی گئی ہے، پس کہا جاتا ہے: ”اس نے دعا قبول کی“

(۸) اور جب رویت (دیکھنا) ہمارے عرف میں مرئی کا انکشاف ہے، زیادہ سے زیادہ مکمل طور پر جو ہو سکے۔ اور لوگ جب منتقل ہوں گے بعض اُن جگہوں کی طرف جن کا وہ وعدہ کئے گئے ہیں، آخرت میں، تو وہ وہل جائیں گے اس جگہ کے ساتھ جو عالم مثال کے بیچ میں قائم ہے اور وہ سب اس جگہ کو دیکھیں گے سر کی آنکھوں سے، تو ضروری ہوا کہ کہا جائے: ”بے شک تم اس کو دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو چودھویں رات میں“ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

بَسْطَةُ: کشادگی..... نَائِنُ مَسَائِنَةُ: ایک دوسرے سے جدا ہونا..... شُكْرُ: قدروانی کی بحق ماننا بہتر سلوک پر تعریف کی... العرْمِي: دیکھنے والی چیز، نظر آنے والی چیز۔



باب — ۵

تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

تقدیر کے معنی: قَدَر (ض، ن) قَدَرُوا وَ قَدَرُوا اور قَدَرْتُ تقدیر کے معنی ہیں فیصلہ کرنا، حکم لگانا۔ کہا جاتا ہے: قَدَرَ اللهُ عَلَيْهِ الْأَمْرَ اور قَدَرْتُ لَهُ الْأَمْرَ: اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کسی امر کا فیصلہ فرمایا، کوئی چیز اس کے لئے تجویز کی۔ شریعت کی اصطلاح میں تقدیر نام ہے قضاء و قدر کا یعنی کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ازل میں جو فیصلہ فرمایا ہے اس کا نام ”تقدیر الہی“ ہے۔ عربی میں عام طور پر لفظ قَدَر کا استعمال ہوتا ہے اور اردو میں ”تقدیر“ کا۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔

قَدَر مَلُزِمٌ کا مطلب: مُلْزِمٌ (اسم فاعل) باب افعال سے ہے اَنْزَمَ المَشْئِی کے معنی ہیں لازم کرنا۔ اور قَدَر مُلْزِمٌ کا مطلب ہے: اللہ کا وہ فیصلہ جو لازم کرنے والا ہے یعنی جس کے مطابق کائنات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے۔ اُس طے شدہ امر سے حوادث کا تخلف نہیں ہو سکتا۔

اور تقدیر معلق (فلکی ہوئی) صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ”والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر بڑھاتا ہے اور جھوٹ روزی گھٹاتا ہے اور عافیتلہ خداوندی کو پھیر دیتی ہے“ (رواہ الاصبہانی۔ ترجمہ ۵۹۶: ۳) یہ باتیں معلق صرف بندوں کے علم اور ظہور حوادث کے اعتبار سے ہیں علم الہی کے تعلق سے ہر شے طے شدہ ہے۔ ازل سے خدا کو معلوم ہے کہ کیا ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ طالب علم اگر محنت کرے گا تو امتحان میں کامیاب ہوگا اور کھیلے گا کوڈے گا تو فیل ہوگا۔ یہ بات صرف بندوں کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم ازل کے اعتبار سے نہیں ہے۔ ان کو ازل سے وہ پہلو معلوم ہے جو ظہور پذیر ہوگا۔ بلکہ وہ پہلو انہیں کا طے کیا ہوا ہے۔ ورنہ علم الہی کا ناقص ہونا لازم آئے گا کہ کچھ باتیں ان کو ازل میں متعین طور پر معلوم نہیں۔ تو یہ! تو یہ!! — اور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تعبیر میں محو اثبات کا تعلق عالم مثال سے ہے، ام الکتاب سے نہیں ہے۔ تفصیل باب کے آخر میں آرہی ہے۔

تدبیر و حدانی کا مطلب: تدبیر کے معنی ہیں نظم و نسق کرنا۔ اور وَحَدَ یَحْدُو وَحْدًا کے معنی ہیں: ”اکیلا ہونا“ صفت وحید آتی ہے۔ پس ”تدبیر و حدانی“ کے معنی ہیں ”متحدہ برتاؤ“ یعنی طے شدہ پالیسی کے مطابق سب کے ساتھ یکساں برتاؤ۔ ایسا دستوری مملکت یا ادارہ میں ہوتا ہے، ڈکٹیٹر شپ میں کوئی دستور نہیں ہوتا۔ خداوند قدوس نے خود ہی اپنی کائنات کے لئے ایک دستور تجویز فرمایا ہے۔ اسی کا نام تقدیر الہی اور قضاء و قدر ہے اور وہ اسی کے مطابق مخلوقات کے ساتھ دستوری معاملہ فرماتے ہیں۔

بھلی بری تقدیر کا مطلب: حدیث جبرئیل میں ایمانیات میں نُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ خیرہ و شرہ آیا ہے یعنی مؤمن

ہونے کے لئے تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، اس کے بھلے پر بھی اور اس کے برے پر بھی۔ اور ابن ماجہ کے مقدمہ میں بالافہار کھلیا: خیر ہا و شر ہا خلّوہا و مَرَّہَا یَا بے، یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام طے کردہ باتوں پر، خواہ وہ بھلی ہوں یا بری۔ میٹھی ہوں یا کڑوی، ایمان لانا ضروری ہے۔ ان حدیثوں میں ضمیروں کا مربع قدر اور اقدار ہیں اور تقدیر الہی کا بھلا بر اور میٹھا کڑوا ہونا انسانوں کے اعتبار سے ہے یعنی خواہ وہ طے کردہ باتیں انسانوں کے لئے مفید ہوں یا مضر، میٹھی ہوں یا کڑوی یعنی اچھی لگیں یا بری سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسے گھی کے بارے میں تجویز الہی یہ ہے کہ وہ صحت بخش ہے اور زہر کے بارے میں یہ ہے کہ وہ مہلک ہے۔ ایمان اور اعمال صالحہ کے بارے میں طے کیا گیا ہے کہ وہ جنت نشیں کرنے والے اعمال ہیں اور کفر و معاصی جہنم رسید کرنے والے ہیں یعنی اول انسان کے لئے مفید اور ثانی مضر اعمال ہیں۔ اسی طرح بچے کا زندہ رہنا انسان کو پسند ہے اور مرجانا ناپسند ہے۔ بہر حال یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے طے شدہ ہیں اور ان پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تقدیر الہی کا قائل بھی ہے اور اس کا پابند بھی ہے۔ لوگ بڑی قیمت ادا کر کے گھی خریدتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں اور زہر کے پاس بھی کوئی نہیں پھٹکتا نہ کسی کو اس معاملہ میں تقدیر الہی پر اعتراض ہے۔ مگر جب ایمان و اعمال صالحہ اور کفر و اعمال طالحہ کا معاملہ آتا ہے تو انسان طرح طرح کی باتیں نکالتا ہے اور اس کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو جزع و فزع کی حد کر دیتا ہے۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ بدکار آدمی کفر و معاصی کے ساتھ جنت نشیں بننا چاہتا ہے مگر کانٹے بوکر پھل کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے! اور جو چاہتا ہے کہ اس کا لاڈ لاندہ مرے وہ درحقیقت اپنی مرضی مولیٰ کی مرضی پر غالب کرنا چاہتا ہے۔ ایسا کبھی ہوا ہے؟

تقدیر کی ضرورت: اللہ تعالیٰ مقرر رکھل ہیں۔ وہ جو چاہیں کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں اور وہ اپنے چاہنے میں کسی کے پابند نہیں ہیں۔ وہ اپنی مشیت میں ہر طرح آزاد ہیں۔ مگر یہ ان کا مخلوقات پر فضل و کرم ہے، اور انسان کے لئے جس کو خلافت ارضی سونپی گئی ہے ضروری بھی ہے کہ انھوں نے اپنی مشیت کو آزاد اور بے قید نہیں رکھا، بلکہ ہر چیز کو تقدیر الہی سے وابستہ کر دیا ہے۔ کوئی امر متظر نہیں رکھا، ہر بات طے شدہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے تو انسان بڑی الجھنوں میں پڑ جاتا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا کہ وہ کیا کھائے اور کیا نہ کھائے، کیونکہ نتیجہ معلوم نہیں۔ اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کے کیا آثار ظاہر فرمائیں گے، کیونکہ آثار و نتائج طے شدہ نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ اندھیرے میں ہوتا کہ وہ کوئی زندگی اپنائے جس سے مولیٰ خوش ہو اور کیسی زندگی اپنانے سے احتراز کرے تاکہ مولیٰ ناخوش نہ ہوں وہ ہمیشہ شش و پنج میں مبتلا رہتا، کوئی فیصلہ نہ کر پاتا، کیونکہ کوئی بات طے شدہ نہیں ہے۔ اور اب جبکہ سب باتیں طے پا گئی ہیں، انسان ہر چیز کے متعلق آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ عقل کی روشنی یا معمولی راہ نمائی بھی اس کے لئے کافی ہے، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز کے بارے میں عقل سے کام لینے اور اس میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر زندگی اور کائنات کے لئے کوئی قانون یا نظام ہی نہ ہوتا اور یہ سب کچھ بے قید مشیت ایزدی کی کرشمہ ساز یوں کا نتیجہ ہوتا

تو پھر ان میں غور و فکر کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور اگر کوئی غور و فکر کرتا بھی تو اس کا حاصل کیا ہوتا؟!

تقدیر کا دائرہ: کائنات خواہ ارضی ہو یا سماوی، اس کا کوئی ذرہ اور اس کا کوئی حال تقدیر کے دائرہ سے باہر نہیں۔ اور تقدیر صرف اجمالی نہیں، بلکہ جملہ تفصیلات کے ساتھ طے شدہ ہے یعنی تقدیر میں صرف مسببات و معمولات ہی نہیں ہیں، بلکہ ان کے اسباب و علل بھی ہیں۔ ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں اس بارے میں کہ وہ جھاڑ پھونک جس کو ہم (دکھ رو دیں) استعمال کرتے ہیں اور وہ دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں اور وہ پرہیز (اور بچاؤ کی تدبیریں) جس کو ہم اپناتے ہیں، کیا یہ چیزیں قضاء و قدر کو ٹانگتی ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ”یہ سب چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں“ (رواہ الترمذی وابن ماجہ و احمد، مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، حدیث نمبر ۹۷۶) رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جن اسباب کو استعمال کرتے ہیں، وہ سب بھی اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے یہ مقدر و مقرر ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آئے گی اور فلاں قسم کی جھاڑ پھونک یا فلاں دواء کے استعمال سے وہ اچھا ہو جائے گا (معارف اللہ ص ۱: ۱۷۱)

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ (نا قابل) ہونا اور ہوشیار ہونا (رواہ مسلم۔ حوالہ بالا حدیث نمبر ۸۰) مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات: قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، عقل مند و بے وقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہیں۔ الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہے (معارف اللہ ص ۱: ۱۷۳)

اسی طرح مکلف مخلوقات کے جملہ احوال بھی قضاء و قدر کے دائرہ میں ہیں یعنی یہ طے کر دیا گیا ہے کہ جن و انس ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوقات ہوں گی اور ان میں سے فلاں فلاں اپنے کسب و اختیار سے یہ یہ عمل کر کے جنت میں جائیں گے اور اتنے افراد یہ یہ عمل کر کے جہنم میں جائیں گے اور دیگر مخلوقات کے لئے جزوی اختیار بھی نہیں ہوگا اس لئے وہ پاداش عمل کے قانون سے مستثنیٰ رہیں گی۔ غرض سب احوال اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ تقدیر الہی میں طے شدہ ہیں۔

تقدیر کا مسئلہ آسان ہے: اور تقدیر کا مسئلہ آسان ہے۔ اس میں کچھ پیچیدگی نہیں۔ یہ مسئلہ نصاریٰ کی تثلیث کی طرح نہیں ہے، جس کا راز آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا نہ آئندہ سمجھ سکے گا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمانیات میں شامل ہے۔ تقدیر پر ایمان لانے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ اور ایمان کا مکلف ہر عاقل و بالغ ہے اور سب لوگوں کی عقلیں یکساں نہیں ہیں۔ پس کوئی ایسا مسئلہ ایمانیات میں کیسے شامل کیا جاسکتا ہے جو ہر ایک کے لئے قابل فہم نہ ہو، ورنہ بعض لوگوں کے حق میں تکلیف مالاطلاق لازم آئے گی، جو باطل ہے پس لامحالہ یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ تقدیر کا مسئلہ ہر کس و نا کس کے لئے قابل فہم ہے، کیونکہ یہ کوئی دقیق مسئلہ نہیں ہے اور ترمذی شریف (۳۵:۲) کی

روایت میں جو تقدیر کے باب میں تنازع کی ممانعت آئی ہے اور اس معاملہ میں تنازع کی وجہ سے اہم سابقہ کے ہلاک ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اس حدیث میں تنازع سے مراد بحث و مباحثہ ہے اور قضاء و قدر میں بحث ممنوع اس لئے ہے کہ یہ خدا کی صفات میں بحث ہے، کیونکہ قضاء و قدر اللہ کی صفت ہے، اور صفات میں بحث کی ذات میں غور و فکر ہے اور خالق میں غور کرنے کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ صفات کے بیان میں گذرا۔

اور سابقہ امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالباً ان کی گمراہی ہے۔ قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس بناء پر آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اُس وقت آئیں جب انھوں نے اس مسئلہ کو حجت و بحث کا موضوع بنالیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔ (حارف الحدیث: ۱۷۵)

تقدیر کا مسئلہ مشکل کیوں بن گیا ہے؟ اور تقدیر کا مسئلہ دو وجہ سے مشکل بن گیا ہے۔

پہلی وجہ: یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ درحقیقت صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے۔ اور صفات الہیہ کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ ان کی تمام حقیقت جاننا انسان کے بس کی بات نہیں۔ صفات کے باب میں ایک حد تک پہنچ کر روک جانا پڑتا ہے۔ اسی طرح تقدیر کے مسئلہ میں بھی ایک حد پر رکنا ضروری ہے، مگر لوگ رُکستے نہیں، سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ بات صفات کے تعلق سے ممکن نہیں۔ یہی بات درج ذیل حدیث میں سمجھائی گئی ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا چاڑھا ہے“ (بس تقدیر کا مسئلہ اتنا ہی ہے) صحابہ نے عرض کیا: تو کیا ہم اس نوشتہ پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور عمل نہ چھوڑ دیں؟! (یہ تقدیر کے مسئلہ پر اٹھنے والا سوال ہے) آپ نے فرمایا: ”عمل کئے جاؤ، ہر ایک کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے: نیک بخت کو نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور بد بخت کو بد بختی کے کاموں کی۔ اور دلیل میں آپ نے سورۃ اللیل کی آیات ۵-۱۰ پیش فرمائیں (متفق علیہ مشکوٰۃ حدیث نمبر ۸۵)

اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سوال کا جواب نہیں دیا، بلکہ ان کو عمل میں لگایا ہے۔ کیونکہ قضاء و قدر کے مسئلہ کو جس حد تک آپ نے بیان فرمایا ہے، اسی حد تک سمجھا جاسکتا ہے اس سے آگے کی بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اس حد پر روک جانا ضروری ہے۔ تمام صفات خداوندی کا یہی معاملہ ہے۔

دوسری بات کہ تقدیر کا مسئلہ صفات الہیہ کا مسئلہ کیسے ہے؟ تو یہ بات اس سے واضح ہے کہ عرف میں قضاء و قدر ایک ساتھ بولتے ہیں۔ یہ دو مترادف لفظوں کا عطف تفسیری کے ساتھ استعمال ہے۔ اور ”قضا“ کا صفت الہی ہونا قرآن کریم میں بیسوں جگہ مذکور ہے۔ مثلاً ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا يَاقُوتَ﴾ (بنی اسرائیل ۲۲) اور سورۃ الاحزاب آیت ۳۸ میں ہے ﴿وَمَنْ أَمَرُ اللَّهُ فَلَا مُتَعَذِّرَ﴾ (اور اللہ کا حکم پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہے) ان آیات سے قضا

وقدر کا صفت الہی ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔

دوسری وجہ: ہماری صفات مفہوم کے اعتبار سے ہماری ذوات سے ڈانڈ (مغائر) ہیں اور وجود کے اعتبار سے متحد۔ اسی طرح ہماری متعدد صفات اپنے اپنے مفانیم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں، مگر سب ذات کے وجود میں شامل ہیں یعنی صفات، ذات کے ساتھ مل کر ایک اکائی (Unit) بناتی ہیں۔ یہی حال بالائتبیہ ذات رب اور صفات الہیہ کا ہے۔ اور ہر صفت کا اپنا ایک دائرہ کار ہے، جیسے صفت کعب کا دائرہ الگ ہے اور صفت بصر کا الگ۔ مگر کبھی ایک صفت کے دوسری صفت پر اثرات بھی پڑتے ہیں۔ اگر ان سب باتوں کو باریک بینی سے ملحوظ نہ رکھا جائے تو حقائق فنی میں دشواری پیش آتی ہے۔ مثلاً خداوند قدوس کے تعلق سے اگر تقدیر معلق کا قائل ہوا جائے تو شمولِ علم کے مسئلہ پر اس کا اثر پڑے گا۔ یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کا علم عام و تام نہیں۔ حالانکہ شمولِ علم کے مسئلہ میں آج تک کسی فرقہ نے اختلاف نہیں کیا۔ اسی طرح ہندوں کو ان کے اختیاری اعمال میں عقار کامل مانا جائے تو عمومِ قدرت کے مسئلہ پر اثر پڑے گا۔ ماننا پڑے گا کہ کچھ چیزیں اللہ کے اختیار میں نہیں ہیں، ہندوں کے اختیار میں ہیں۔ تو بہ! ایسی حماقت بھری بات کون مان سکتا ہے۔

اسی طرح لوگ قضاء و قدر کے مسئلہ کو شمولِ علم کے مسئلہ کے ساتھ زلا دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ہے تو ویسا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ کا علم غلط نہیں ہو سکتا۔ پھر بندے کا اختیار کیسے ہوئے؟ وہ تو مجبور محض ہو گئے! دیکھئے بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی؟! حالانکہ سوچنے کا انداز یہ ہونا چاہئے تھا کہ اگر ازل میں سب چیزوں کو طے شدہ نہیں مانیں گے تو شمولِ علم کی بات غلط ہو کر رہ جائے گی۔ جب کائنات کے ذرہ ذرہ پر اللہ کا علم محیط ہے تو ضروری ہے کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہو، ورنہ اللہ کو ان کا علم کیسے ہوگا؟! غرض صفات کا دائرہ کار ملحوظ نہ رکھنے سے اور ایک صفت کے دوسری صفت پر پڑنے والے اثرات کا خیال نہ رکھنے سے تقدیر کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اس ضروری تفصیل کے بعد اب کتاب کے مضامین شروع کئے جاتے ہیں۔

تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت اور اس کے فوائد

تقدیر پر ایمان لانا افضل اعمال سے ہے کیونکہ نیکی کے کاموں میں سب سے افضل ایمانیات ہیں اور ان میں بھی سب سے افضل تو حید پر ایمان لانا ہے اور اسی کے درجہ میں اللہ کی صفات پر ایمان لانا ہے اور قضاء و قدر بھی اللہ کی ایک صفت ہے، پس اس پر ایمان لانا بھی بہترین نیک کام ہے۔

اور ایمانیات اعمال کے دائرہ میں اس طرح آتے ہیں کہ اعمال کی دو قسمیں ہیں: اعمالِ قلب اور اعمالِ جوارح۔ اللہ کی ذات پر، ان کے بے ہمہ ہونے پر، ان کی صفات پر اور ملائکہ و انبیاء وغیرہ پر ایمان لانا اعمالِ قلبی میں سے ہے۔ اسی بنا پر حدیث جبرئیل میں اسلام کے بارے میں سوال کے جواب میں سب سے پہلے تو حید و رسالت کی گواہی کو ذکر کیا

گیا ہے جو اعمالِ قلب میں سے ہے۔ پھر دیگر اعمالِ اربعہ ذکر کئے گئے ہیں جو اعمالِ جوارح میں سے ہیں۔

اور تقدیر پر ایمان کے تین اہم فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: تقدیر پر ایمان کے ذریعہ آدمی اس ہم آہنگ نظم و انتظام کو سمجھ سکتا ہے جو ساری کائنات میں جاری ہے یعنی وہ جان لے گا کہ تمام کائنات ایک منظم و متحد قانون کی پابند ہے۔ کائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے برتاؤ میں پوری طرح یکسانیت ہے۔ ہر موقفت میں۔

دوسرا فائدہ: جس شخص کا تقدیر الہی پر ٹھیک ٹھیک ایمان ہوگا کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہے، کوئی امر مشنر نہیں، ہر بات فیصلہ ہو چکی ہے، اس کی نگاہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کی طرف اٹھی رہے گی۔ وہ دنیا و مافیہا کو خدا کا پر تو سمجھے گا۔ وہ جان لے گا کہ ہر چیز قضاء و قدر سے ہے حتیٰ کہ اختیاری اعمال میں بھی بندوں کو جو اختیار حاصل ہے وہ اللہ کی دین ہے، انھوں نے ہی ازل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکلف مخلوقات کو ایک جزوی اختیار حاصل ہو، اسی فیصلہ کی وجہ سے بندے مختار ہیں اور بندوں کا حال اس معاملہ میں ایسا ہے جیسا آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کا ہے کہ وہ ذی صورت کا پر تو اور ظل ہے۔ اسی طرح بندوں کو اختیار بھی خالقِ ارض و سماء کی طرف سے ملا ہے۔ اور جب بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر یقین رکھے گا اور خود کو ”مردہ بدست زندہ“ سمجھے گا تو وہ ہر معاملہ پر مطمئن ہوگا کسی معاملہ میں اس کو کوئی غیر معمولی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔ وہ ہر حالت کو اللہ کی طرف سے سمجھے گا ﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ، فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكُونُونَ فِيهِمْ حَلِيلُونَ﴾ (النساء: ۷۸) ترجمہ: آپ فرماتے تھے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے!

تیسرا فائدہ: جس طرح دیدار خداوندی آخرت میں نصیب ہوگا مگر اس کی تیاری نمازوں کی پابندی کے ذریعہ اسی دنیا میں کرنی ہوتی ہے، جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے (دیکھئے مشکوٰۃ شریف، کتاب احوال القیامہ، باب رؤیۃ اللہ کی پہلی حدیث نمبر ۵۶۵) اسی طرح تقدیر پر ایمان آدمی میں رفتہ رفتہ استعداد پیدا کرتا ہے کہ وہ خدا کی یکساں اور ہم آہنگ تدبیرِ خدا کی کو سمجھ سکے، گو کہ اس کا انکشاف تام آخرت میں ہوگا، مگر اس کی صلاحیت ابھی سے پیدا کرنی ضروری ہے۔ اور وہ تقدیر پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔

علامہ ازیں تقدیر پر ایمان کی اہمیت درج ذیل دو حدیثوں سے بھی واضح ہے:

پہلی حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو شخص بھلی بُری تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا، میں اس سے بیزار ہوں“ اور جس سے اللہ کے رسول بیزار رہے تعلق ہو جائیں، اس کا کہاں ٹھکانہ؟ یہ حدیث مجمع الزوائد (۴: ۲۰۶) میں بحوالہ مسند ابی یعلیٰ مروی ہے اور اس کی سند میں ایک خارجی راوی ہے۔

دوسری حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا تا آئندہ وہ بھلی بُری تقدیر پر

ایمان نہ لائے اور تا آنکہ وہ جان نہ لے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے، وہ اس کو چوک جائے ایسا نہیں ہو سکتا اور یہ بات بھی جان لے کہ جو کچھ اس کو چوک گیا ہے (یعنی نہیں پہنچا ہے) وہ اس کو پہنچ جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ حدیث ترمذی شریف (۳۷:۲) ابواب الایمان بالقدر میں ہے اور اس کی سند میں ایک نہایت ضعیف راوی ہے۔

مگر ان روایات کی تائید اُس واقعہ سے ہوتی ہے جو مسلم شریف میں مذکور ہے۔ مشہور تابعی، ماز و کے قاضی یحییٰ بن یَعْمَر کہتے ہیں کہ بصرہ میں تقدیر کا انکار کرنے والا سب سے پہلا شخص مَعْنَد جُھَنی (مقتول ۸۰ھ) تھا۔ پس میں اور حمید بن عبد الرحمن حَمِیرِی ج کے ارادے سے یا عمرو کے ارادہ سے چلے۔ اور دل میں یہ تھا کہ اگر ہماری کسمپاسی سے ملاقات ہوئی تو ان سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کریں گے جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ پس توفیق خداوندی سے ہماری ملاقات حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہو گئی، جبکہ وہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ پس میں اور میرا ساتھی ان کے دائیں بائیں ہو گئے۔ اور میں نے یہ خیال کیا کہ میرا ساتھی بھی کو بات کرنے کا ذمہ دار بنائے گا، اس لئے میں نے عرض کیا کہ اے ابو عبد الرحمن! (ابن عمر کی کنیت ہے) ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کریم پڑھتے ہیں اور علم تلاش کرتے ہیں — اور کچھ نے ان کی اور بھی تعریف کی — مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”تقدیر نہیں ہے، معاملہ اچھوتا ہے“ (ان لوگوں کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا:

”جب تمہاری ان لوگوں سے ملاقات ہو تو ان کو بتانا کہ میں ان سے بے تعلق ہوں۔ اور ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان میں سے اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے بقدر سونا خرچ کرے تو بھی قبول نہیں کیا جائے گا تا آنکہ وہ تقدیر پر ایمان لائے۔ (پھر آپؓ نے حدیث جبرئیل سنائی جس میں تقدیر پر ایمان کو ایمانیات میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ حدیث مسلم شریف میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث ہے)

اس واقعہ سے دونوں روایتوں کے مضمون کی پوری تائید ہوتی ہے، اس لئے سند کا ضعف مضرب نہیں۔

﴿باب الایمان بالقدر﴾

من أعظم أنواع البر: الإيمان بالقدر؛ وذلك: أنه به يلاحظ الإنسان التدبير الواحد الذي يجمع العالم؛ ومن اعتقده على وجهه يصير طامع البصر إلى ما عند الله، يرى الدنيا وما فيها كالظلل له، ويرى اختيار العباد من قضاء الله كالصورة المنطبعة في المرآة، وذلك مُعِدُّ له لا انكشاف ما هنالك من التدبير الواحد — ولو في المعاد — أتم إعداد، وقد نبّه صلى الله عليه وسلم على عظم أمره من بين أنواع البر، حيث قال: ﴿من لم يؤمن بالقدر خيره وشره فانا برىء منه﴾ وقال صلى الله عليه وسلم: ﴿لا يؤمن عبد حتى يؤمن بالقدر خيره وشره، وحتى يعلم أن ما أصابه لم يكن ليخطئه، وأن ما أخطأه لم يكن ليصيبه﴾

ترجمہ: تقدیر پر ایمان لانے کا بیان: نیکی کی عظیم ترین انواع میں سے تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اُس تدبیر واحد کو پیش نظر لاسکتا ہے جو تمام عالم کو اکٹھا کرنے والی ہے۔ اور جو شخص صحیح طور پر تقدیر پر ایمان رکھتا ہے وہ اس چیز کی طرف نگاہ اٹھانے والا ہو جاتا ہے جو اللہ کے پاس ہے (یعنی اللہ کے اختیار کی طرف) وہ دنیا و مافیہا کو اللہ کے ظل (سایے اور پر تو) کی طرح دیکھتا ہے۔ اور بندوں کو اللہ کے فیصلے سے جو اختیار ملتا ہے اس کو اُس صورت کے مانند دیکھتا ہے جو آئینہ کے اندر منعکس ہوتی ہے۔ اور تقدیر پر ایمان آدی کو پوری طرح تیار کرنے والا ہے اُس تدبیر و صدفانی کے منکشف ہونے کے لئے جو وہاں (اللہ کے پاس) ہے گو کہ وہ انکشاف آخرت میں ہو۔ اور نبی کریم ﷺ نے آگاہ کیا ہے نیکی کی انواع میں سے تقدیر کے معاملہ کی اہمیت پر، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ”جو شخص بھلی بری تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا، میں اس سے بری (بے تعلق) ہوں“ اور فرمایا: ”کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا تا آنکہ وہ بھلی بری تقدیر پر ایمان لائے اور تا آنکہ وہ جان لے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو چوک جائے اور یہ کہ جو اس کو چوک گیا ہے، وہ اس کو پہنچ جائے ایسا نہیں ہو سکتا“

تصحیح: ذلک مُعَدُّ لہ اصل میں ذلک بُعَدُ لہ تھا۔ یہ تعریف ہے، تصحیح مخلوطہ کراچی سے کی ہے۔

تقدیر الہی کے پانچ مدارج و مظاہر

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لی جائے کہ لوگ شمولیت علم کے مسئلہ کو تقدیر الہی کے مسئلہ کے ساتھ زلاوتیہ ہیں۔ اس لئے عمومیت علم کے مسئلہ کو الگ کر لیا جائے۔ علم الہی کی عمومیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں اپنے علم ذاتی سے ان تمام حوادث (نو پید چیزوں) کو جانتے تھے جو اب تک موجود ہو چکے ہیں یا جو آئندہ موجود ہوں گے۔ یہ بات قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر ہو جائے یا کوئی ایسی چیز وجود میں آئے جس کو وہ ازل میں نہیں جانتے تھے۔ اگر ایسا ہو جائے تو وہ اللہ کا جہل شمار ہوگا، علم نہیں۔ اور علم اللہ کی ذاتی صفت ہے، پس اس کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو تصف نہیں کیا جاسکتا۔ یہ شمولیت علم کا مسئلہ ہے، فقہاء و مفسرین اس مسئلہ میں اور اسلامی فرقوں میں سے کسی بھی فرقہ کو اس میں اختلاف نہیں۔

اور تقدیر الہی یعنی ازلی فیصلہ خداوندی کا مسئلہ جس پر احادیث مشہورہ دلالت کرتی ہیں اور جو مفسر صالحین کا عقیدہ رہا ہے اور جس کو سمجھنے کی توفیق صرف علمائے محققین کو ملی ہے اور جس پر یہ اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ تقدیر اور تکلیف ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ جب سب کچھ طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ وہ قدر ملزم ہی کا مسئلہ ہے یعنی خدا کا وہ ازلی فیصلہ جو حوادث (نو پید چیزوں) کے رونما ہونے سے پہلے، ان کے ہونے کو لازم کرنے والا ہے۔ پھر اس فیصلہ خداوندی کے واجب کرنے کے مطابق ہی حوادث رونما ہوتے ہیں۔ اور ان کا پایا جانا ایسا ہے کہ نہ تو کوئی بھاگ کر اس سے بچ سکتا ہے، نہ کوئی جیلہ کار گر ہو سکتا ہے۔

یہ تقدیر الہی پانچ مرتبہ واقع ہوئی ہے یعنی پانچ مراحل میں ظاہر ہوئی ہے۔ جس طرح حویلی بنانے والا پہلے انجینئر سے نقشہ بنواتا ہے۔ انجینئر پہلے ذہن میں خاکہ بناتا ہے، پھر اس کو ذہنی خاکہ کے مطابق کاغذ پر نقشہ بناتا ہے۔ پھر معمار اس نقشہ کے مطابق موقع پر محل تیار کرتا ہے، اسی طرح بلا تشبیہ تقدیر الہی کے بھی پانچ مختلف مراحل و مظاہر ہیں۔ پہلی مرتبہ: اللہ کے علم ازلی میں تمام چیزوں کے اندازہ سے نظر اے گئے ہیں، دوسری مرتبہ: تخلیق ارض و سما سے پچاس ہزار سال پہلے عرش کی قوت خیالیہ میں سب چیزیں موجود ہوئی ہیں، تیسری مرتبہ: تخلیق آدم کے بعد جب عبد الستار لیا گیا ہے اس وقت تقدیر کا تحقق ہوا ہے۔ چوتھی مرتبہ: شکم مادر میں جب روح پڑنے کا وقت آتا ہے تو تقدیر کا ایک گونہ تحقق ہوتا ہے اور پانچویں مرتبہ: دنیا میں واقعہ رونما ہونے سے کچھ پہلے تقدیر پائی جاتی ہے۔ تقدیر کے یہ مراحل خمسہ انسانوں اور ان کے احوال سے متعلق ہیں۔ دیگر مخلوقات کا حال اس سے مختلف ہو سکتا ہے مذکورہ مدارج خمسہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① تقدیر کا پہلا مرحلہ: ازل میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ آسمان و زمین، عرش و کرسی، ہوا اور پانی میں سے کوئی بھی چیز پیدا نہیں کی گئی تھی، جیسا کہ بخاری شریف (۳۵۳:۱) میں آیا ہے کہ کسان اللہ و لم یکن شیئ غیرہ یعنی صرف اللہ کی ذات تھی اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس دور ازل میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ عالم کو تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے اور حوادث کے وجود کے وقت جو خیر اضافی ہوگی اس کو ترجیح دیتے ہوئے، بہتر سے بہتر ممکن صورت میں پیدا کریں گے، جس واقعہ کو جس وقت میں رونما کرنا عالم کی مصلحت ہوگی اور جس چیز میں زیادہ بہتری ہوگی اس اضافی خیریت کا واقعات کو وجود پذیر کرنے میں لحاظ رکھا جائے گا۔ اور یہ سب باتیں کلی شکل میں نہیں بلکہ ہر ہر جزئی امر الگ الگ علم الہی میں متعین ہو گیا تھا، چنانچہ حوادث (سننے پیدا ہونے والے تمام امور) مرتب طور پر سلسلہ وار علم الہی میں موجود ہو چکے تھے۔ غرض اللہ تعالیٰ کا؛ جن پر کوئی امر مخفی نہیں، ایسا دواعلم کا ارادہ کرنا ہی حوادث کے موجود ہونے کی صورت کی تخصیص و تعین ہے یعنی اب جو معین باتیں معین وقت میں رونما ہو رہی ہیں اس کی علت وہی ازل کی تخصیص و تعین ہے اسی طرح ابد تک کے تمام واقعات و حوادث ازل میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیے ہیں۔ یہی تقدیر الہی کا پہلا مرحلہ اور اس کا ابتدائی ظہور ہے۔

اور تقدیر کے اس پہلے مرحلہ کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں، بس اتنی بات کافی ہے کہ قضاء و قدر اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی تمام صفات ازلی قدیم ہیں پس قضاء خداوندی یعنی کائنات کے بارے میں تمام فیصلے بھی ازل میں ہو چکے ہیں۔ اور صرف اجمالاً کلی طور پر نہیں، بلکہ ہر امر جزئی طور پر مشخص ہو چکا ہے، اور اس کے لئے بس اتنی دلیل کافی ہے کہ اللہ کی تمام صفات، صفات کمالیہ ہیں کسی صفت میں نقص نہیں، پس جس طرح ازل میں اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا تفصیلی علم ہے اسی طرح قضاء و قدر کا معاملہ بھی ہے۔

واعلم: أن الله تعالى سَمَّلَ أَوْلَى الدنای کلِّ ما وُجد أو سبَّو جَد من الحوادث، مُحالٌ

اَن یتخلف علمہ عن شیء، اَوْ یتحقق غیر ما علم، فیکون جهلاً لاعلمًا.

وهذه مسألة شمول العلم، وليست بمسألة القدر، ولا يُخالف فيها فرفة من الفرق الإسلامية؛ إنما القدر الذي دلت عليه الأحاديث المستفيضة، ومضى عليه السلف الصالح، ولم يوفق له إلا المحققون، ويُنَجِّه عليه السؤال: بأنه متدافع مع الكتلِف، وأنه فيم العمل؟ هو القدر المُلزِم الذي يوجب الحوادث قبل وجودها، فيوجد بذلك الإيجاب، لا يدفعه هَرَب، ولا تنفع منه حيلة.

وقد وقع ذلك خمس مرات:

فالولها: أنه أجمع في الأزل أن يوجد العالم على أحسن وجه ممكن، مراعيًا للمصالح، مؤثراً لما هو الخَيْرُ النَّسْبِيُّ حين وجوده، وكان علم الله ينتهي إلى تعيين صورة واحدة من الصور، لا يشار كلها غيرها، فكانت الحوادث سلسلة مترتبة مجتمعاً وجودها، لاتصدق على كثيرين، فإرادة إيجاد العالم ممن لاتخفى عليه خافية هو بعينه تخصص صورة وجوده، إلى آخر ما يتجر إليه الأمر.

ترجمہ: اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ذاتی شامل ہے تمام اُن حوادث (نو پید چیزوں) کو جو موجود ہو چکے ہیں یا آئندہ موجود ہوں گے، محال ہے یہ بات کہ اس کا علم کسی چیز سے پیچھے رہ جائے یا پائی جائے کوئی ایسی چیز جس کو وہ نہ جانتے ہوں، پس وہ جمل ہوگا علم نہیں۔

اور یہ اللہ کے علم کی عمومیت کا مسئلہ ہے، قضاء و قدر کا مسئلہ نہیں ہے۔ اور اس میں اسلامی فرقوں میں سے کسی بھی فرقے کا اختلاف نہیں ہے۔ تقدیر کا مسئلہ جس پر احادیث مشہورہ دلالت کرتی ہے اور جس پر سلف صالحین کا عقیدہ رہا ہے اور جس کو سمجھنے کی توفیق میں علماے محققین ہی کو ملی ہے اور جس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ تقدیر، تکلیف سے متخالف ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ وہ خدا کا لازم کرنے والا فیصلہ ہی ہے جو حوادث کے ہونے سے پہلے اُن کے ہونے کو ثابت کرنے والا ہے۔ پھر حوادث پائے جاتے ہیں اس ثابت کرنے کی وجہ سے، نہ تو ہوا گنا اُن واقعات کو ہٹا سکتا ہے اور نہ ان سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ مفید ہے۔

اور وہ تقدیر پانچ مرتبہ واقع ہوئی ہے:

پس ان میں سے پہلی بار: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ قرار دیا کہ وہ جہاں کو پیدا کریں گے بہتر سے بہتر ممکن صورت پر، مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے اور عالم کے پائے جانے کے وقت جو خیر اضافی ہوگی اس کو ترجیح دیتے ہوئے۔ اور اللہ کا علم (ازل میں) پہنچ گیا تھا مختلف صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی تعیین تک، اس کے ساتھ اس

کے علاوہ صورت شریک نہیں تھی (یعنی کلی طور پر نہیں، بلکہ ازل میں اللہ تعالیٰ آئندہ پائی جانے والی ایک ایک جزئی کو علیحدہ علیحدہ جانتے تھے) پس حوادث (نوید چیزیں) سلسلہ وار، بالترتیب، ان کا وجود ایک ساتھ (علم ازل میں) تھا، وہ حوادث کثیرین پر صادق نہیں آتے تھے (یعنی وہ جزئیات تھے، کلیات نہیں تھے) پس اُسی ہستی کا ایجاد عالم کا ارادہ کرنا، جس پر کوئی ادنیٰ امر مخفی نہیں ہے، وہی بعینہ وجود عالم کی صورت کی تفصیص و تبیین ہے۔ اس چیز کے آخر تک جس تک معاملہ کھینچتا چلا جائے (یعنی ابد تک)

لغات:

اِنْجَنَہْ اِلَیْہِ : متوجہ ہونا..... مُتَدَاعٍ (اسم فاعل) تَدَاعٍ القَوْمُ : ایک دوسرے کو ہٹانا..... اَفَرَّہُ اِنْشَارًا : فضیلت دینا، ترجیح دینا..... التَّنْسِیْ اِیْ بالنسبۃ اِلَیْ کَذَا یعنی فلاں چیز کے لحاظ سے، اضافی طور پر..... اِنْجَرَ : کھینچنا، ہگشتنا۔



② تقدیر کا دوسرا مرحلہ: پھر ایک وقت آیا، جبکہ پانی اور عرش پیدا کئے جا چکے تھے، مگر ابھی زمین و آسمان پیدا نہیں کئے گئے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے دوبارہ اندازے ٹھہرائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تمام مخلوقات کے اندازے، پہلے ازلِ اندازے کے مطابق لکھ دئے۔ اور لکھنے کا مطلب بھی وہی اندازہ ٹھہرانا ہے۔ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کرنے اور معین و مقرر کرنے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں روزہ کی فرضیت کو ﴿حَبَّ عَلَیْکُمْ الصَّیَّامُ﴾ سے، اور قصاص کے حکم کو ﴿حَبَّ عَلَیْکُمُ الْفِیْصَاصُ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کتابت تقدیر کے سلسلہ میں روایات میں جو لوح و قلم وغیرہ کا ذکر آیا ہے وہ سب غیر معتبر روایات ہیں، اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔ کتاب کی قسم دوم کے شروع میں، ابواب الایمان کی روایات کی تشریح کے آخر میں، شانہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

اور یہ دوسری مرتبہ اندازہ ٹھہرانے کا واقعہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے پیش آیا ہے۔ اس سے واقعی مدت بھی مراد ہو سکتی ہے اور بہت طویل زمانہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ عربی محاورات میں یہ استعمال بھی شائع ذائع ہے۔ اور اس دوسرے مرحلہ میں مقدیر کا اندازہ ٹھہرانے کی صورت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ازلِ مہربانی اور عنایت سے ازل میں اپنے علم میں عالم کے لئے پہلی بار اندازہ ٹھہرایا تھا، اسی کے موافق تمام مخلوقات کو عرش کی قوت خیالیہ میں پیدا کر دیا، وہاں تمام صورتوں کو متشکل کر دیا۔ عرش کی اس قوت خیالیہ کو دبی کی زبان میں الذکر (الانبیاء ۱۰۵) کتاب مبین (الانعام ۵۹) امام مبین (یس ۱۲) ام الکتاب (العدد ۳۹) اور لوح محفوظ (الہرودج ۲۲) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور لوح محفوظ اور عرش کے بارے میں یہ تصورات کہ وہ کوئی لکڑی کی بنی ہوئی چیزیں از قبیل ہجرات ہونگی، یہ محض عوامی تصورات ہیں۔ اور اسی تصور نے استواء علی العرش کے مسئلہ میں الجھن پیدا کی ہے۔ اس لئے یہ بات خاص طور پر یاد

رکھنی چاہئے کہ ہمارے اس مادی عالم سے پرے جو غیر مادی چیزیں ہیں، اور جن کا قرآن وحدیث میں ذکر آیا ہے ان میں لفظی اشتراک کے علاوہ کچھ مناسبت نہیں اور ان کی حقیقت اور ہیئت کدائی کے بارے میں کوئی خیال باندھنا بھی درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی حقیقت کو اور ان کی صحیح نوعیت کو بہتر جانتے ہیں۔

اور عرش کی قوت خیالیہ میں عالم میں رونما ہونے والی تمام چیزیں اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ موجود ہیں۔ مثلاً وہاں رسول اللہ ﷺ کی صورت، مخلوقات کی طرف آپ کی معین وقت میں بعثت کی صورت، آپ کے انذار وتبشیر کی صورت، ابولہب کے انکار کی صورت پھر اس کے دنیا میں ملعون اور آخرت میں معذب ہونے کی صورت۔ یہ سب صورتیں وہاں تفصیل سے موجود ہیں، جیسے موقوفہ پر جو جوبلی تیار کی جاتی ہے اس کی تمام تفصیلات کا نذی نقش میں موجود ہوتا ہے۔ اور تمام چیزوں کا یہ خیالی وجود عالم میں واقعات کے رونما ہونے کا سبب ہے۔ جیسے کوئی شخص دیوار پر رکھی ہوئی کڑی پر چلے تو چونکہ پہلے سے ذہن میں گر پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے وہ عام طور پر گر پڑتا ہے۔ ذہن میں جو اندیشہ ہوتا ہے وہی پیر پھسلنے کا سبب بن جاتا ہے چنانچہ یہ کڑی اگر زمین پر رکھی ہوئی ہو اور اس پر آدمی چلے تو نہیں گرتا کیونکہ اس وقت ذہن میں پھسلنے کی صورت نہیں ہوتی جو اثر انداز ہو۔

وَقَانِيهَا : أَنَّهُ قَدَّرَ الْمَفَادِيرَ ، وَيُرَوِّى أَنَّهُ كَتَبَ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ كُلَّهَا - وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ - قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ، وَذَلِكَ : أَنَّهُ خَلَقَ الْخَلَائِقَ حَسَبَ الْعَيْنَةِ الْأُزْلِيَّةِ فِي خِيَالِ الْعَرْشِ ، فَصَوَّرَ هُنَالِكَ جَمِيعَ الصُّوَرِ ، وَهُوَ الْمَعْبَرُ عَنْهُ بِالذِّكْرِ فِي الشَّرَائِعِ ، فَصَحَّفَ هُنَالِكَ مِثْلًا صُورَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَبَعَثَهُ إِلَى الْخَلْقِ فِي وَقْتِ كَذَا ، وَانْذَرَهُ لَهُمْ ، وَانْكَارِ أَبِي لَهَبٍ ، وَإِحَاطَةِ الْخَطِيئَةِ بِنَفْسِهِ فِي الدُّنْيَا ، ثُمَّ اشْتَعَالَ النَّارَ عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ ، وَهَذِهِ الصُّورَةُ سَبَبٌ لِحُدُوثِ الْحَوَادِثِ عَلَى نَحْوِ مَا كَانَتْ هُنَالِكَ ، كَثَائِرِ الصُّورَةِ الْمُنْقَشَةِ فِي أَنْفُسِنَا فِي زَلْقِ الرَّجُلِ عَلَى الْجَذَعِ الْمَوْضُوعِ فَوْقَ الْجُدْرَانِ ، وَلَمْ تَكُنْ لِقَوْلِ لَوْ كَانَتْ عَلَى الْأَرْضِ .

ترجمہ: اور دوسری بار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کا اندازہ کیا (یہ الفاظ مسلم وترندی کی روایت میں ہیں البدو المنثور ۳۲۲:۳) اور یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے تمام اندازوں کو لکھ دیا (یہ روایت بھی مسلم شریف میں ہے) اور مطلب ایک ہے (یعنی لکھنے کا مطلب بھی اندازہ کرنا ہے) آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے۔ اور وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ازلی مہربانی کے مطابق عرش کے خیال میں تمام مخلوقات کو پیدا کیا، پس وہاں تمام صورتوں کو مصوّر کیا۔ اور اسی کو شرائع البیہ میں ”ذکر“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس مثال کے طور پر وہاں

پائی گئی حضرت محمد ﷺ کی، آپ کے مخلوقات کی طرف فلاں وقت میں مبعوث ہونے کی، آپ کے لوگوں کو ڈرانے کی، اور ابولہب کے انکار کی، دنیا میں اس کے نفس کو گناہوں کے گھیرنے کی، پھر آخرت میں اس پر آگ کے بھڑکنے کی صورت۔ اور یہ صورت، حوادث (یعنی غیبی وجود میں آنے والی باتوں) کے پیدا ہونے کا سبب ہے اسی طرح جس طرح عرش کے اندر موجود ہیں، جیسے دیواروں پر رکھی ہوئی کٹری پر (چلنے والے کے) پیر پھسلنے میں ہمارے دلوں میں منتقل ہونے والی صورت کی اثر اندازی۔ اور اگر وہ کڑی زمین پر ہوتی تو پیر نہ پھسلتا۔

لغات:

مضادیر، مقدار کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں اندازہ..... فَحَقَّقَ الْأَمْرُ: ثابت ہونا، یک گونہ موجود ہونا۔ حوادث، حادثہ کی جمع ہے۔ اور یہ لفظ بار بار استعمال ہو رہا ہے۔ یہ اردو کا حادثہ نہیں ہے، بلکہ حادث (ن) (خُذْنَا وَحَذَانًا سے اسم فاعل واحد مؤنث ہے جس کے معنی ہیں نوپید ہونا۔ پس اس عالم میں جو بھی بات رونما ہوتی ہے وہ حادثہ ہے۔ یہ معنی خوب ذہن نشین کر لئے جائیں..... الْمُسْتَفْصِلَةُ (اسم مفعول، واحد مؤنث) از انقش: تجلینہ پر کندہ کرنے کا حکم دینا، نقش کئے جانے کا حکم دینا یہاں یہ لفظ بمعنی منقش ہونے والی استعمال کیا گیا ہے۔



④ تقدیر کا تیسرا مرحلہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تا کہ وہ ابوالبشر ہوں اور ان سے نسل انسانی کا سلسلہ چلے تو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں ان کی تمام اولاد کو پیدا کیا۔ یہ تقدیر الہی کا تیسرا ہی باظہور ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۷۲ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ اور یہ زمانہ ”عہد الست“ کہلاتا ہے اور اس آیت کی تفسیر میں جو روایات آئی ہیں ان میں یہ بات مذکور ہے کہ تمام نیک اولاد موتیوں کی طرح چمک دار تھی اور تمام بری اولاد کوکلوں کی طرح سیاہ تھی۔ یہ روشنی اور تاریکی ان کی نیک بختی اور بد بختی کا پیکر محسوس ہے اور عہد الست میں تمام انسانوں کو ایسی عقل فہم کی حالت میں پیدا کیا گیا تھا جو مکلف ہونے کے لئے ضروری ہے۔ پھر ان کو معرفت خداوندی کا درس دیا گیا اور امتحان بھی لیا گیا۔ لوگ صد فی صد کامیاب ہوئے۔ سب نے اللہ کو پہچان لیا اور ان کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ اسی اقرار اور اسی عہد و پیمان کی وجہ سے آخرت میں ان سے مواخذہ کیا جائے گا۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ یہ واقعہ تو انسانوں میں سے کسی کو بھی یاد نہیں۔ پھر اس کی وجہ سے مواخذہ کیسے درست ہے؟ جواب: بیشک یہ واقعہ لوگ بھول گئے ہیں۔ مگر اس درس سے حاصل ہونے والی استعداد یعنی خدا کی معرفت انسان میں موجود ہے، جس طرح ایک طالب علم ایک عرصہ پڑھ کر فارغ ہوتا ہے اور ایک وقت گزرنے کے بعد درس کی تمام تفصیلات بھول جاتا ہے مگر علمی استعداد بحالہ باقی رہتی ہے۔ اسی طرح انسان اس دنیا میں آکر وہ واقعہ اگرچہ بھول گیا ہے مگر اصل استعداد باقی ہے۔ حدیث میں ہے کہ: ”ہرچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے“ اس میں فطرت سے مراد یہی معرفت

خداوندی ہے۔ کوئی خواہ خدا کا کیسا ہی انکار کرے، آڑے وقت اس کو بھی ایک مافوق الفطرت ہستی کی یاد آتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معرفت خداوندی اس کے گوشہ دل میں موجود ہے، اسی کی بنیاد پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا۔

(۴) تقدیر کا چوتھا مرحلہ: حکم بار میں جب جنین میں روح پھونکنے کا وقت آتا ہے اس وقت تقدیر الہی کا چوتھی بار ظہور ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صادق و مصدق رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان کیا کہ:

”تم میں سے ہر ایک کا ماڈم تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نفثہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلے۔ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا) پھر اس کے بعد اتنی ہی مدت تک منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں تک وہ گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ چار باتوں کے ساتھ ایک فرشتہ کو اس کی طرف بھیجتے ہیں۔ پس وہ اس کا عمل، اس کی موت کا وقت اور اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت، پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے الخ (خلق علیہ، مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، حدیث نمبر ۸۲)

اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح کھجور کی گٹھلی مناسب موسم میں بوئی جائے اور اس کی مناسب دیکھ بھال بھی کی جائے تو ماہر مانی، جو بیج، زمین اور آب و ہوا کی خاصیات سے واقف ہو، جان لیتا ہے کہ وہ گٹھلی شائد ارطریقہ پر اگے گی اور بڑھے گی۔ وہ شروع ہی سے اس کے بعض احوال جان لیتا ہے۔ مثل مشہور ہے: ”ہونہار بروے کہ کھنے کھنے پات!“ یعنی ہونہار پودے کے آٹھ مار پہلے ہی سے اچھے نظر آتے ہیں اسی طرح جو فرشتہ جنین کی تدبیر پر مقرر ہے وہ مذکورہ چاروں باتیں جان لیتا ہے۔ سب باتیں اس پر کشف ہو جاتی ہیں یہ تقدیر کا چوتھی بار ظہور ہے۔

(۵) تقدیر کا پانچواں مرحلہ: جب دنیا میں کسی چیز کے رونما ہونے کا وقت آتا ہے تو اس سے کچھ پہلے تقدیر الہی کا پانچواں اور آخری مرتبہ ظہور ہوتا ہے۔ اس وقت حظیرۃ القدس سے زمین کی طرف مثالی صورت میں وہ چیز اترتی ہے جو رونما ہونے والی ہے۔ پھر زمین میں اس کے احکام تکمیل جاتے ہیں یعنی اس نازل شدہ مثالی چیز کے موافق حادثہ رونما ہوتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس چیز کا بار بار مشاہدہ کیا ہے۔ اس سلسلہ کے دو واقعے درج ذیل ہیں:

پہلا واقعہ: کچھ لوگوں میں نزاع واقع ہوا، اور ان میں باہمی رنجش ہو گئی۔ شاہ صاحب نے اس کے رفع کے لئے بارگاہ خداوندی میں التجا کی، تو آپ نے دیکھا کہ حظیرۃ القدس سے ایک نورانی نقطہ زمین کی طرف اترتا اور آہستہ پھیلنے لگا۔ جوں جوں وہ پھیلتا جاتا تھا، ان کی باہمی رنجش زائل ہوتی جاتی تھی۔ اور ابھی لوگ مجلس سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ لوگ ایک دوسرے پر مہربان ہو گئے۔ اور سابقہ الفت لوث آئی۔ شاہ صاحب کے نزدیک یہ واقعہ قدرت کی عجیب نشانیوں میں سے تھا۔

دوسرا واقعہ: شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک بچہ بیمار پڑا۔ شاہ صاحب کا دل اس میں اٹکا ہوا تھا۔ آپ نے ظہر کی نماز کے دوران دیکھا کہ اس بچے کی موت آسمان سے اترتی۔ چنانچہ اسی رات وہ بچہ فوت ہو گیا۔

وَالْتَهَا: أَنَّهُ لَمَّا خَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيَكُونَ أَبَا لِلْبَشَرِ، وَلِيُبْدَأَ مِنْهُ نَوْعَ الْإِنْسَانِ، أَحْدَثَ فِي عَالَمِ الْمَثَالِ صُورَ بَنِيهِ، وَمَثَلَ سَعَادَتِهِمْ وَشَقَاوَتِهِمْ بِالنُّورِ وَالظُّلْمَةِ، وَجَعَلَهُمْ بِحَيْثُ يُكَلَّفُونَ، وَخَلَقَ فِيهِمْ مَعْرِفَتَهُ، وَالْإِخْبَاتِ لَهُ؛ وَهُوَ أَصْلُ الْمِيثَاقِ الْمَدْسُوسِ فِي فِطْرَتِهِمْ، فَيُؤْخِذُونَ بِهِ وَإِنْ نَسُوا الْوَاقِعَةَ، إِذِ الْنَفُوسُ الْمَخْلُوقَةُ فِي الْأَرْضِ إِنَّمَا هِيَ ظِلُّ الصُّورِ الْمَوْجُودَةِ يَوْمَئِذٍ، فَمَدْسُوسٌ فِيهَا مَادُّسٌ يَوْمَئِذٍ.

وَرَابِعُهَا: حِينَ نُفِخَ الرُّوحُ فِي الْجَنِينِ؛ فَكَمَا أَنَّ النُّوَاةَ إِذِ الْقَيْتِ فِي الْأَرْضِ فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ، وَأَحَاطَ بِهَا تَدْبِيرٌ مَخْصُوصٌ، عِلْمَ الْمُطَّلَعِ عَلَى خَاصِيَةِ نَوْعِ النُّخْلِ، وَخَاصِيَةِ نَلَكِ الْأَرْضِ، وَذَلِكَ الْمَاءِ وَالْهَوَاءِ؛ أَنَّهُ يَحْسُنُ نَبَاتُهَا، وَيَتَحَقَّقُ مِنْ شَأْنِهِ عَلَى بَعْضِ الْأَمْرِ، فَكَذَلِكَ تَعْلُقُ الْمَلَائِكَةُ الْمُدَبِّرَةُ يَوْمَئِذٍ، وَيَنْكَشِفُ عَلَيْهِمُ الْأَمْرُ فِي عُمْرِهِ، وَرِزْقِهِ، وَهَلْ يَعْمَلُ عَمَلٌ مِنْ غَلِيَتْ مَلَائِكَتُهُ عَلَى بَهِيمِيهِ، أَوْ بِالْعَكْسِ؟ وَأَيُّ نَحْوٍ تَكُونُ سَعَادَتُهُ وَشَقَاوَتُهُ؟ وَخَامِسُهَا: قَبِيلُ حَدُوثِ الْحَادِثَةِ، فَيَنْزِلُ الْأَمْرُ مِنْ حَظِيرَةِ الْقُدُسِ إِلَى الْأَرْضِ، وَيَنْتَقِلُ شَيْءٌ مِثَالِي، فَتَنْبَسِطُ أَحْكَامُهُ فِي الْأَرْضِ.

وَقَدْ شَاهَدْتُ ذَلِكَ مَرَّاتًا:

مِنْهَا: أَنَّ نَاسًا تَشَاجَرُوا فِيمَا بَيْنَهُمْ وَتَحَافَذُوا، فَالْتَجَأَتْ إِلَى اللَّهِ، فَرَأَيْتُ نَقْطَةً مِثَالِيَةً نُورَانِيَةً، نَزَلَتْ مِنْ حَظِيرَةِ الْقُدُسِ إِلَى الْأَرْضِ، فَجَعَلَتْ تَنْبَسِطُ شَيْئًا فَشَيْئًا، وَكَلِمًا انْبَسَطَتْ زَالَ الْحَقُّ عَنْهُمْ، فَمَا بَرَحْنَا الْمَجْلِسَ حَتَّى تَلَاطَفُوا، وَرَجَعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إِلَى مَا كَانَ مِنَ الْأَلْفَةِ، وَكَانَ ذَلِكَ مِنْ عَجِيبِ آيَاتِ اللَّهِ عِنْدِي.

وَمِنْهَا: أَنَّ بَعْضَ أَوْلَادِي كَانَ مَرِيضًا، وَكَانَ خَاطِرِي مُشْغُولًا بِهِ، فَبَيْنَمَا أَنَا أَصْلَى الظَّهِيرَ، شَاهَدْتُ مَوْتَهُ نَزَلَ، فَمَاتَ فِي لَيْلَتِهِ.

ترجمہ: اور تیسری بار: یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تاکہ وہ انسانوں کے جد امجد ہوں، اور تاکہ ان سے نوع انسانی کا آغاز کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں ان کی اولاد کی صورتیں پیدا کیں۔ اور ان کی نیک بختی اور بد بختی کا پیکر محسوس طور و ظلمت کو بنایا۔ اور انہیں ایسی حیثیت میں پیدا کیا کہ وہ مکلف ہوتے کے قابل ہوں۔ اور ان میں اپنی معرفت اور اپنی نیاز مندی پیدا کی۔ اور وہ اس قول و قرار کی بنیاد ہے جو انسانوں کی فطرت میں چھپایا ہوا ہے، پس اس عہد و میثاق کی وجہ سے ان کا مواخذہ کیا جائے گا، اگرچہ وہ اس واقعہ کو بھول گئے ہیں، کیونکہ جو نفوس زمین میں پیدا کئے جاتے ہیں وہ ان صورتوں کا پرتوی ہوتے ہیں جو اس میثاق والے دن میں موجود تھیں۔ پس اُن نفوس میں

وہ باتیں چھپائی ہوئی ہیں جو اس یثاق والے دن میں ان میں چھپائی گئی تھیں۔

اور چونکہ بار: جب جہنم میں روح پہنچی گئی۔ پس جس طرح سے یہ بات ہے کہ گھٹلی جب مخصوص وقت میں زمین میں ڈالی جاتی ہے اور مخصوص تدبیر اس کا احاطہ کر لیتی ہے، تو جان لیتا ہے کھجور کی نوع کی خاصیت کا اور اس زمین کی خاصیت کا، اور اس پانی اور ہوا کی خاصیت کا واقف کہ وہ گھٹلی شاندار طریقہ پر اُگے گی۔ اور وہ اس کے احوال میں سے بعض احوال کا پتہ چلا لیتا ہے۔ پس اسی طرح حاصل کرتے ہیں وہ فرشتے جو اس دن جہنم کی تدبیر کرنے والے ہیں، اور مشکف ہو جاتا ہے ان پر معاملہ اس کی زندگی اور اس کی روزی کے بارے میں۔ اور کیا وہ اس شخص جیسے کام کرنے لگا جس کی ملکیت اس کی ہیبت پر غالب ہے یا اس کے برعکس ہوگا؟ اور اس کی نیک ختی اور بد ختی کس نوعیت کی ہوگی (یعنی وہ اعلیٰ درجہ کا نیک ہوگا یا ادنیٰ درجہ کا۔ اسی طرح وہ اعلیٰ درجہ کا بد بخت ہوگا یا معمولی درجہ کا؟)

اور پانچویں بار: حادثہ رونما ہونے سے کچھ پہلے (تقدیر کا ظہور ہوتا ہے) پس معاملہ حظیرۃ القدس سے زمین کی طرف اترتا ہے اور ایک مثالی چیز منتقل ہوتی ہے۔ پس اس کے احکام زمین میں پھیل جاتے ہیں۔ اور میں نے اس چیز کا بار بار مشاہدہ کیا ہے:

ان میں سے ایک: یہ ہے کہ کچھ لوگ آپس میں لڑے اور ان میں رنجش پیدا ہو گئی۔ پس میں نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی۔ پس میں نے ایک نورانی مثالی نقطہ دیکھا، جو حظیرۃ القدس سے زمین کی طرف اترتا، پس وہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ اور جوں جوں وہ پھیلتا تھا ان کی رنجش زائل ہوتی تھی اور ہم مجلس سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ باہم دیگر مہربان ہو گئے۔ اور ان میں سے ہر ایک اس الفت کی طرف لوٹ گیا جو پہلے تھی۔ اور یہ واقعہ میرے لئے اللہ کی عجیب نشانیوں میں سے تھا۔

اور ان میں سے ایک: یہ ہے کہ میرا کوئی بچہ بیمار تھا۔ اور میرا دلی اس کے ساتھ مشغول تھا۔ پس دریں اثناء کہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا، میں نے اس کی موت کو اترتے ہوئے دیکھا، چنانچہ وہ بچہ اسی رات میں فوت گیا۔ لغات و ترکیب: اِذَا النُّفُوسُ تَعْلِيلٌ ہے یُؤَاخِذُونَکَ دَسَّ فِي التُّرَابِ: چھپاتا۔۔۔ فَحَقَّقَ الرَّجُلُ الْأَمْرَ: یقین کرنا۔

محفوظات عالم مثال میں ہوتا ہے، لوح محفوظ میں نہیں

احادیث میں نہایت وضاحت سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ حوادث کو زمین میں پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ عالم مثال میں یک گونہ پیدا کرتے ہیں۔ یہ روایات اگلے عنوان کے تحت آ رہی ہیں۔ پھر وہاں سے وہ چیزیں اس عالم میں اترتی ہیں۔ اور جس طرح وہ پہلی بار عالم مثال میں پیدا کی گئی ہیں اسی طرح سے اس عالم میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہی

سنت الہی ہے۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز عالم مثال میں موجود ہوتی ہے، مگر اس دنیا میں وہ نہیں اُتاری جاتی۔ یہ اس کا محو (مٹا دینا) ہے۔ اور کبھی ایک چیز عالم مثال میں موجود نہیں ہوتی، مگر وہ اس دنیا میں پیدا کر دی جاتی ہے۔ یہ عالم مثال میں معدوم کا، اس دنیا میں اثبات ہے۔ مگر ام الکتاب میں یعنی عرش کی قوت خیالیہ میں ایسا کچھ نہیں ہوتا، وہاں طے شدہ امر ہے۔ سورۃ الرعد آیت ۳۹ میں ہے کہ: ”اللہ پاک جو کچھ چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں، اور جس چیز کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں۔ اور اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) انہی کے پاس ہے“، یعنی محو و اثبات صرف عالم مثال میں ہوتا ہے، لوح محفوظ میں نہیں ہوتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ بلا کو عالم مثال میں یک گونہ وجود بخشتے ہیں، پھر اس کو مصیبت زدہ پر اتارتے ہیں۔ اور دعا چڑھتی ہے وہ اس کو پھیر دیتی ہے۔ یہ ثابت کا محو ہے۔ اسی طرح کبھی کسی کی موت کو پیدا کرتے ہیں، پس اس کا والدین کے ساتھ حسن سلوک چڑھتا ہے اور موت کو پھیر دیتا ہے یوں عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اور راز اس میں یہ ہے کہ جس طرح دواء ازالہ مرض کے لئے سبب عادی ہے، علت نہیں ہے کہ ضروری مرض دور ہو جائے۔ اور کھانا چینا شکم سیری اور سیرابی کے لئے سبب عادی ہیں اور زہر کھانا اور تلوار کی چوٹ موت کے لئے سبب عادی ہیں۔ علت نہیں ہے، اسی طرح عالم مثال میں پیدا شدہ امر کا اترنا اس دنیا میں اس چیز کے پیدا ہونے کے لئے سبب عادی ہے، علت نہیں ہے کہ ضرور اس عالم میں وہ چیز پیدا ہو، ہونگی سکتی ہے اور مختلف بھی رہ سکتی ہے۔ پہلی صورت اثبات کی ہے اور دوسری محو کی۔ واللہ اعلم۔

وَقَدْ بَيَّنَّتِ السَّنَةُ بَيَانًا وَاضِحًا أَنَّ الْهَوَادِثَ بِخَلْقِهَا اللَّهُ تَعَالَى قَبْلَ أَنْ تُحْدِثَ فِي الْأَرْضِ خَلْقًا مُتًا، ثُمَّ يَنْزِلُ فِي هَذَا الْعَالَمِ، فَيُظْهِرُ فِيهِ كَمَا خُلِقَ أَوَّلَ مَرَّةٍ، سَنَةً مِنَ اللَّهِ تَعَالَى، ثُمَّ قَدْ بَيَّنَّحِيَ النَّاسُ، وَبَيَّنَّتِ الْمَعْدُومُ بِحَسَبِ هَذَا الْوُجُودِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿يَمْنَحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنَبِّئُ، وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ مَثَلُ أَنْ يَخْلُقَ اللَّهُ تَعَالَى الْبَلَاءَ خَلْقًا، فَيَنْزِلُهُ عَلَى الْمَبْتَلَى، وَيَضَعُ الدَّعَاءَ، فَيُرَدُّ، وَقَدْ يَخْلُقُ الْمَوْتَ فَيَصْعَدُ الْبَرُّ وَيُرَدُّ.

والفقه فيه: أَنَّ الْمَخْلُوقَ النَّازِلَ سَبَبٌ مِنَ الْأَسْبَابِ الْعَادِيَةِ، كَالطَّعَامِ وَالشَّرَابِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى بَقَاءِ الْحَيَاةِ، وَتَنَاوُلِ السَّمِّ وَالضَّرْبِ بِالسِّيفِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمَوْتِ.

ترجمہ: اور احادیث نے یہ بات نہایت وضاحت سے بیان کر دی ہے کہ حوادث کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں زمین میں پیدا کئے جانے سے پہلے، کسی درجہ میں پیدا کرتا (یعنی عالم مثال میں اس کو ایک گونہ وجود بخشتے ہیں) پھر وہ چیز اس عالم میں اترتی ہے، پس وہ اس عالم میں ظاہر ہوتی ہے جیسی وہ پہلی مرتبہ پیدا کی گئی ہے۔ یہ سنت الہی ہے۔ پھر کبھی ثابت مٹا دیا جاتا ہے۔ اور نیست ثابت کر دیا جاتا ہے اس وجود (مثالی) کے اعتبار سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”مٹاتے ہیں اللہ تعالیٰ جو

چاہتے ہیں، اور ثابت کرتے ہیں (جو چاہتے ہیں) اور ان کے پاس اصل کتاب ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ آفت کو کسی درجہ میں پیدا کرتے ہیں، پھر اس کو مصیبت زدہ پر اتارتے ہیں اور دعا چڑھتی ہے، پس اس کو پھیر دیتی ہے۔ اور کبھی موت کو پیدا کرتے ہیں پس حسن سلوک چڑھتا ہے اور اس کو پھیر دیتا ہے۔

اور سمجھنے کی بات اس میں یہ ہے کہ (عالم مثال ہے) اترنے والی مخلوق اسباب عادیہ میں سے ایک سبب ہے (اس کے وجودارضی کے لئے) جیسے کھانا پینا بھائے زندگی کی بہ نسبت اور زہر کھانا اور تلوار سے مارنا موت کی بہ نسبت (سبب عادی ہیں۔ پس ان اسباب کے تحقق کے بعد مسببات کا تحقق ضروری نہیں، سبب حقیقی یعنی علت کے تحقق کے بعد معلول کا تحقق ضروری ہوتا ہے)



عالم مثال کا ثبوت

بہت سی احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کائنات خداوندی میں ایک ایسا عالم بھی ہے جس میں اغراض مجتہد (جسم دار) ہوتے ہیں جیسے بڑی ایک عرض ہے، عالم مثال میں اس کو خراگوش کی صورت ملی ہے۔ اسی طرح تمام معنویات کے لئے وہاں مثالی اجسام ہیں، جن کے ذریعہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں اور چیزیں دنیا میں رونما ہونے سے پہلے اُس عالم میں پیدا کی جاتی ہیں۔

محبت اول کے باب دوم میں، جو کہ عالم مثال کے بیان میں ہے، ہمیں حدیثیں عالم مثال کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں۔ جیسے:

۱- رشتے (ناتے) کا عرش سے اڑکا ہوا ہونا (رواہ مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها ۱۶: ۱۱۳ صری)

۲- قتلوں کا بارش کی طرح برسنا (باب عالم مثال حدیث ۷)

۳- دریائے نیل و فرات کو سدرة المنتہی کی جڑ میں پیدا کرنا، پھر ان کو زمین میں اتارنا (حوالہ بالا حدیث ۸)

۴- لوہے کو اتارنا (سورۃ الحديد آیت ۲۵)

۵- چوپایوں کو اتارنا (سورۃ الزمر آیت ۶)

۶- پورے قرآن کریم کو ایک ساتھ سمائے دنیا پر اتارنا، جبکہ قرآن ایک معنوی چیز ہے (متدرک حاکم ۴: ۱۵۳۰ الد

۶: ۷۰۲ تفسیر سورۃ القدر)

۷- جنت و جہنم کو آنحضرت ﷺ کے سامنے اور دیوار قبلہ کے درمیان اس طرح حاضر کرنا کہ انکو رکاوٹ نہ لینا ممکن

ہو گیا اور آگ کی گرمی محسوس ہونے لگی (باب عالم المثال حدیث ۹)

۸۔ بلا اور دعا کا کشتی لڑنا یعنی کشمکش ہونا (حوالہ بالا حدیث ۱۱)

۹۔ آدم علیہ السلام کی اولاد کو عہد الست میں پیدا کرنا (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲)

۱۰۔ عقل کو پیدا کرنا اور یہ کہ وہ سامنے آئی اور اس نے پیٹھ پھیری (باب ذکر عالم المثال، حدیث ۱۲)

۱۱۔ درویشانِ سورتوں (بقدرہ اور آل عمران) کا آنا، گویا وہ پرنندوں کی دو قطاریں ہیں (حوالہ بالا، حدیث ۲)

۱۲۔ قیامت کے دن اعمال کا ٹکٹا (یہ مضمون بہت سی آیات میں آیا ہے، جیسے سورۃ الاعراف آیت ۸)

۱۳۔ جنت کونا گوار یوں سے اور جہنم کو خواہشات سے گھیرنا (باب ذکر عالم المثال حدیث ۱۰)

ایسی اور بھی بہت سی احادیث و آیات ہیں، جن سے حدیث شریف کا معمولی طالب علم بھی واقف ہے۔ یہ سب عالم مثال کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

وقد دلّ أحاديث كثيرة على ثبوت عالم تنجسم فيه الأعراض، وتتقل المعاني، ويخلق الشيء قبل ظهوره في الأرض، مثل كون الرّوح معلقاً بالعرش، ونزول الفتن كمواقع القطر، وخلق النيل والفرات في أصل السدرة، ثم انزلهما إلى الأرض، وإنزال الحديد والأنعام، وإنزال القرآن إلى السماء الدنيا مجموعاً، وحضور الجنة والنار بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم وبين جدار المسجد، بحيث يمكن تناول العقود، ويأتي حرّ النار، وكمعالج البلاء والدعاء، وخلق ذرية آدم، وخلق العقل، وأنه أقبل وأدبر، وإتيان الزهر أو ين كانهما فرقان، ووزن الأعمال، وحفوف الجنة بالمكارة، والنار بالشهوات، وأمثال ذلك مما لا يخفى على من له أدنى معرفة بالسنة.

ترجمہ: اور بہت سی حدیثیں ایک ایسے عالم کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، جس میں اعراض جسم دار ہوتے ہیں اور معنویات منتقل ہوتی ہیں۔ اور چیز (اس عالم میں) پیدا کی جاتی ہے زمین میں رونما ہونے سے پہلے، جیسے تاتے کا عرش سے لٹکا ہوا ہونا، فتنوں کا بارش کے قطروں کی طرح برسنا، نیل اور فرات کو بذر (پیری) کی جڑ میں پیدا کرنا، پھر دونوں کو زمین کی طرف اتارنا، لوہے اور چوپایوں کو اتارنا، سارے قرآن کو ایک ساتھ دنیا والے آسمان پر اتارنا، جنت و جہنم کا حاضر ہونا آنحضور ﷺ کے سامنے اور مسجد کی دیوار کے درمیان، اس طرح کہ خوش لینا ممکن ہو گیا اور آگ کی گرمی آنے لگی، اور جیسے آفت اور دعا کا کشتی کرنا اور آدم علیہ السلام کی ذریت کو پیدا کرنا اور عقل کو پیدا کرنا اور یہ کہ وہ سامنے آئی اور اس نے پیٹھ پھیری اور درویشانِ سورتوں کا لانا گویا وہ پرنندوں کی دو قطاریں ہیں اور اعمال کا (قیامت کے دن) ٹکٹا اور جنت کونا گوار یوں سے گھیرنا اور جہنم کو خواہشات سے۔ اور ان کے مانند ان روایات میں سے جو پوشیدہ نہیں ہیں اس

پر جس کو احادیث کی معمولی معرفت بھی حاصل ہے۔



تقدیر اور اسباب ظاہری میں تعارض نہیں

قضاء و قدر اور اسباب ظاہری میں کچھ ٹکراؤ نہیں۔ کیونکہ اسباب بھی تقدیر میں داخل ہیں۔ قضائے خداوندی کا تعلق اسباب و مسببات کے پورے سلسلہ کے ساتھ ایک ساتھ ہوا ہے۔ پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ جہاز چھوٹا، دوا دار اور احتیاطی تدابیر بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ اور مقام سرخ کے قصہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی اس کی صریح دلیل ہے۔ سرخ شام میں ایک قریہ کا نام ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ شام میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف جا رہے تھے، جب مقام سرخ میں پہنچے تو آپ کو اس وبا کی خبر ملی۔ آپ نے اس بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس حالت میں وہاں جانا چاہئے یا واپس لوٹ جانا چاہئے؟ انہیں مختلف تھیں۔ بالآخر طے پایا کہ واپس لوٹ جانا چاہئے۔ اس وقت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے، جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور اُمّیں هذه الامة ان کا خصوصی امتیاز ہے اور جو تمام افواج کے سالار اعظم تھے، اور فوج امیر المؤمنین کی زیارت کے لئے بیتاب تھی، فوج کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ نے کہا: اَفْوَا اَمِنْ قَدَرِ اللّٰهِ؟ (کیا تقدیر الہی سے بھاگئے ہو؟!) یعنی آپ واپس کیوں لوٹ رہے ہیں۔ کیا یہ خیال ہے کہ اس طرح آپ موت سے بچ جائیں گے؟ آپ کو شام چلنا چاہئے۔ پوری فوج زیارت کے لئے بے تاب ہے۔ جو مقدر ہے، ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا يَا اَبَا غُبَيْدَةَ! (کاش کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی، اے ابوعبیدہ) راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف کرنا پسند نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ہاں ہم اللہ کی ایک تقدیر سے اللہ کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں، بتلائیے، آپ کے پاس اونٹ ہوں، آپ ان کو ایک ایسے میدان میں چرانے کے لئے لے کر پہنچیں جس کی ایک جانب سبزہ زار ہو اور دوسری جانب قحط زدہ علاقہ، بتلائیے، اگر آپ سبزہ زار میں اونٹوں کو چرائیں تو یہ بھی تقدیر الہی سے نہیں ہے؟ اور اگر آپ قحط زدہ حصہ میں چرائیں تو یہ بھی تقدیر الہی سے نہیں ہے؟“ (یعنی دونوں صورتیں تقدیر الہی میں داخل ہیں)

یہ باتیں ہوئی رہی تھیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پہنچے، وہ کسی ضرورت سے غیر حاضر تھے، آپ نے حدیث شریف سنا کر لوگوں کا اختلاف ختم کر دیا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ: ”کسی علاقہ میں طاعون پھیلنے کی اطلاع ملے تو وہاں نہیں جانا چاہئے۔ اور اگر آدمی وہاں ہو جہاں طاعون پھیل رہا ہے تو وہاں سے بھاگنا نہیں چاہئے“ یہ حدیث سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی تعریف کی اور مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی (متفق علیہ جامع الاصول ۳/۱۸۸ مکتبہ

الطب، باب فی الطاعون والوباء والفراغ منه (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے قضاء و قدر کی ہمہ گیری ثابت ہوتی ہے) (مزید تفصیل میری تفسیر ہدایت القرآن میں، سورہ یوسف آیت ۶۸ کی تفسیر میں ہے)

واعلم: أن القدر لا یزاحم سببیه الأسباب لمُسَبَّبَاتِهَا، لأنه إنما تعلق بالسلسلة المترتبة جملة، مرة واحدة، وهو قوله صلى الله عليه وسلم فی الرقی والدواء والثقافة، هل تُرَدُّ شَيْئًا مِنْ قَدَرِ اللَّهِ؟ قال: ﴿هَی مِنْ قَدَرِ اللَّهِ﴾ وقول عمر رضي الله عنه فی قصة سبرغ: "أليس إن وعینها فی الخصب زعیتها بقدر الله؟ إلخ.

ترجمہ: اور جان لیں کہ تقدیر مزاحمت نہیں کرتی مسببات کے لئے ان کے اسباب کے سبب بنے سے۔ اس لئے کہ تقدیر پورے ترتیب وار سلسلہ کے ساتھ ایک بارگی جزی ہے (یعنی سارا سلسلہ ایک ساتھ، مع اسباب و مسببات طے کر دیا گیا ہے، کوئی چیز ان میں سے منقطع نہیں) اور وہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے جہاز چھوٹکے، دوادار اور پر ہیز کے بارے میں۔ کیا یہ چیزیں پھیرتی ہیں تقدیر خداوندی میں سے کسی چیز کو؟ آپ نے فرمایا: "یہ سب چیزیں تقدیر الہی میں داخل ہیں" اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے واقعہ سرغ میں: "کیا یہ بات نہیں ہے، اگر آپ اونٹوں کو چراغیں ہبزہ زار میں تو آپ ان کو چراغیں گے فشاے الہی سے؟ آخر تک۔

بندوں کا اختیار بھی باذن الہی ہے

مکلف بندوں کو ان کے اختیاری اعمال کے کرنے نہ کرنے کا اختیار بیشک حاصل ہے، مگر ان کا وہ اختیار، اختیاری نہیں ہے، بلکہ باذن الہی ہے۔ کیونکہ بندوں کا مثل کرنے نہ کرنے کا اختیار تین چیزوں کا نتیجہ ہوتا ہے: ایک: بندہ جو کام کرنا چاہتا ہے اس کی صورت اس کی نگاہوں کے سامنے موجود ہو، کیونکہ اگر وہ کام ہی نہیں جانتا تو کرے گا کیا؟ دوم: اس کو اس کام کا فائدہ معلوم ہو، کیونکہ سمجھ و ادراک آدمی بے فائدہ کام نہیں کرتا۔ سوم: اس کام کے کر، نہ کا دل میں داعیہ پیدا ہو، عزم و ارادہ اٹھے، تو ہی آدمی کوئی کام کرتا ہے۔ اور صورت حال یہ ہے کہ بندوں کو ان چیزوں کا سرے سے علم ہی نہیں، پھر جو اختیار ان چیزوں پر مقرر ہوتا ہے وہ اختیار کہاں رہا؟! سورۃ التکویر کی آخری آیت ہے: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (اور تم بدوں خدا کے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے) اور حدیث شریف میں ہے کہ: "قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، اٹھتے پٹھتے ہیں ان کو جس طرح چاہتے ہیں" (رواہ مسلم وغیرہ، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

فائدہ یہاں ایک نکتہ ذہن نشین کر لیا جائے: اللہ تعالیٰ قادر مطلق، خالق مطلق ہیں، کائنات کا کوئی ذرہ نہ تو ان کی قدرت سے باہر ہو سکتا ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی خالق ہو سکتا ہے۔ پس لامحالہ بندوں کا چاہنا اور بندوں کا اختیار بھی

اللہ کی قدرت کے ماتحت ہوگا اور انہیں کو اس کا خالق ماننا ہوگا۔ اگر ایک ذرہ بھی ان کے اختیار سے باہر ہو جائے تو عوالم قدرت اور مصنف خلق پر اثر پڑے گا۔ جب صورت حال یہ ہے تو پھر بندوں کے مکلف ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس کی صورت پس یہی ہو سکتی ہے کہ بندوں کو ایک درجہ تک ہی مختار مانا جائے اور اسی پر جزا و سزا کی بنیاد قائم کی جائے۔ اور انسان کا ایک درجہ میں اختیار ہونا اور دیگر مخلوقات کا بے اختیار ہونا بدیہی امر ہے، ہر شخص دونوں کے احوال کا موازنہ کر کے اس فرق کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

وَاللَّعِبَادَ اخْتِيَارًا فَعَالِهِمْ، نَعَمْ لَا اخْتِيَارَ لَهُمْ فِي ذَلِكَ الْاِخْتِيَارِ، لَكُونَهُ مَعْلُومًا بِحُضُورِ صُورَةِ الْمَطْلُوبِ، وَلِنَفْعِهِ، وَنَهْوَ حُضُورِ دَاعِيَةٍ وَعِزِّ مِمَّا لَيْسَ لَهُ عِلْمٌ بِهَا، فَكَيْفَ الْاِخْتِيَارُ فِيهَا؟ وَهُوَ قَوْلُهُ: ﴿إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنَ اَصَابِعِ اللَّهِ، يُفَلِّئُهَا كَيْفَ يَشَاءُ﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور بندوں کو ان کے کاموں کے کرنے کا اختیار ہے، ہاں، ان کو کچھ اختیار نہیں ہے اُس اختیار میں۔ اس لئے کہ وہ اختیار نتیجہ ہے مطلوب کی صورت اور اس کے فائدہ کے حاضر ہونے کا اور عزم و ارادہ کے اٹھنے کا، جو ان چیزوں میں سے ہیں جن کا اس کو کچھ علم نہیں، پس ان چیزوں کا اختیار کیونکر ہو سکتا ہے؟ (اس لئے کہ اختیار ظلم پر متفرع ہے اور جب ان چیزوں کا علم ہی نہیں تو اختیار کیسے ہو سکتا ہے؟ اور کام کرنے نہ کرنے کا اختیار ان تین چیزوں کے اختیار پر متفرع ہے اور اس کا نتیجہ ہے، پس وہ بھی مفقود ہوا) اور وہی آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جینک دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، پھیرتے ہیں ان کو جس طرح چاہتے ہیں“ باقی اللہ بہتر جانتے ہیں۔

باب — ۶

عبادت اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک حق ہے

حق کے معنی ہیں ثابت شدہ چیز حَقُّ الْأَمْرِ کے معنی ہیں کسی چیز کا علم و واجب ہونا۔ اس باب میں یہ بیان ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ایک لازمی حق ہے، جس کو ماننا اور ادا کرنا ضروری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالارادہ بندوں پر انعام و احسان فرمانے والے ہیں اور مشعم و محسن کی شکر گزاری ضروری ہے۔ عبادت اسی شکر گزاری کی ایک صورت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ قصد و اختیار سے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتے ہیں۔ جو شخص ہنگام کرتا ہے وہ دنیا و آخرت میں شرمہ پاتا ہے، اور جو منہ موڑتا ہے وہ سراپاتا ہے یعنی بندے اپنے ہی فائدے کے لئے عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے نیکی کی بڑی اقسام میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی عظیم قلب سے ایسا پختہ یقین رکھے کہ ذہن میں جانب مخالف کا کوئی احتمال باقی نہ رہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک لازمی حق ہے، اور وہ بندوں سے اسی طرح مطلوب ہے

جس طرح تمام اہل حقوق اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں اس حق کا ذکر ہے، وہ حدیث یہ ہے:

”اَوْ خُضِرَ رَجُلٌ لِّيَ بِيَوْمٍ لَمْ يَكُنْ لِي فِيهِ عَمَلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَاذَا تَعْبُدُ؟“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ”بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ بندے اُسی کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں۔ اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ اس شخص کو عذاب نہ دیں جو ان کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے“ (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۲۳)

اور یہ اعتقاد اس لئے ضروری ہے کہ جس شخص کے ذہن میں کسی بھی درجہ میں یہ احتمال باقی ہے کہ وہ ایک بیکار نکما (بے مقصد) وجود ہے، رب مختار و مرید کی طرف سے اس سے نہ تو کسی عبادت کا مطالبہ ہے اور نہ ترک عبادت پر کوئی پکڑ ہے تو ایسا شخص دہریہ (بد عقیدہ) ہے۔ وہ اگر عبادت کرے گا بھی تو بے قائدہ ہوگی۔ اس کے دل پر عبادت کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور اس کے اور پروردگار عالم کے درمیان فیضان کا کوئی دروازہ نہیں کھلے گا۔ اس کی عبادت دیگر عبادت کی طرح محض ایک عادت ہوگی۔

باب الإيمان بأن العبادَةَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى عِبَادِهِ

لأنه منعمٌ عليهم، مُجَازٍ لَهِمْ بِالْإِرَادَةِ

اعلم: أن من أعظم أنواع البر: أن يعتقد الإنسان بمجامع قلبه بحيث لا يحتمل نقيض هذا الاعتقاد عنده: أن العبادَةَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى عِبَادِهِ؛ وَأَنَّهُمْ مُطَالِبُونَ بِالْعِبَادَةِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى، بِمَنْزِلَةِ سَائِرِ مَا يَطْلُبُهُ ذَوُو الْحَقِّوَقِ مِنْ حَقِّوَقِهِمْ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذٍ: ﴿يَا مُعَاذُ! هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ، وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ؟﴾ قَالَ مُعَاذُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: ﴿فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ، وَلَا يَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ لَا يُعَذِّبَ مِنْ لَا يَشْرِكُ بِهِ شَيْئًا﴾

وذلك: لأن من لم يعتقد ذلك اعتقادًا جازمًا، واحتمل عنده أن يكون سُذْيَ مهملاً، لا يُطَالِبُ بِالْعِبَادَةِ، وَلَا يُؤَاخِذُ بِهَا، مِنْ جِهَةِ رَبِّ مَرِيدٍ مُخْتَارٍ، كَانَ دَهْرِيًّا، لَا تَقَعُ عِبَادَتُهُ - وَإِنْ بَاشَرَهَا بِجَوَارِحِهِ - بِمَوْقِعٍ مِنْ قَلْبِهِ، وَلَا تَفْتَحُ بَابًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ، وَكَانَتْ عَادَةً كَسَائِرِ عَادَاتِهِ.

ترجمہ: اس بات پر ایمان لانے کا بیان کہ عبادت بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس لئے کہ وہ ان پر بالارادہ

انعام فرمانے والا اور ان کو بدلہ دینے والا ہے: جان لیں کہ نیکی کی عظیم ترین انواع میں سے یہ ہے کہ انسان صمیم قلب سے اس طرح اعتقاد رکھے کہ اس اعتقاد کی نقیض کا اس کے نزدیک کوئی احتمال نہ رہے کہ: عبادت اللہ تعالیٰ کا (ایک حتمی) حق ہے اس کے بندوں پر، اور یہ کہ اللہ کی طرف سے اس حق کا مطالبہ بندوں سے اسی طرح کیا گیا ہے جس طرح دیگر ارباب حقوق اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”اے معاذ! تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے؟“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں! (یعنی مجھے علم نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ”بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں۔ اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس شخص کو عذاب نہ دیں جو ان کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا“

اور یہ اس لئے ہے کہ جو شخص ایسا اعتقاد حازم (مضبوط اعتقاد) نہ رکھے، اور اس کے ذہن میں یہ احتمال ہو کہ وہ ایک نکما مبہل وجود ہے، اس سے نہ تو عبادت کا مطالبہ کیا گیا ہے اور نہ باختیار بارادہ پروردگار کی طرف سے ترک عبادت پر اس کی پکڑ کی جائے گی، تو ایسا شخص وہر ہے۔ اس کی عبادت واقع نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ اپنے اعضاء سے عبادت کرے۔ اس کے دل کی تھامہ میں۔ اور وہ عبادت کوئی دروازہ نہیں کھولتی اس کے درمیان اور اس کے پروردگار کے درمیان اور وہ عبادت اس کی دوسری عادتوں کی طرح ایک عادت ہوتی ہے۔

لغات:

السَّمْعُ: جمع سمع: جمع کرنے یا جمع ہونے کی جگہ، مجامع القلب: پورا قلب، دل کی تھامہ۔ مُطَالَبٌ: اسم مفعول ہے۔۔۔ الذَّهْرِي: بدوین جو عالم کے قدیم اور غیر حقوق ہونے کا قائل ہو، جو یہ مانتا ہو کہ یہ دنیا خود کار ہے۔



صفت ارادہ کا بیان

عنوان باب میں کہا گیا ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا حق اس لئے ہے کہ وہ بالا ارادہ منعم و مجازی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بنیادی بات جان لینی چاہئے کہ حکمت ازلیہ میں اگرچہ سب باتیں طے ہیں، قضاء و قدر نے کوئی چیز یا نہیں چھوڑی، جو بات ہوتی ہے یا نہیں ہوتی ہے سب کا فیصلہ کر دیا گیا ہے، کوئی حالت منظرہ نہیں ہے، مگر فصوص شرعیہ اور تصریحات علماء سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک صفت ارادہ بھی ہے۔ ارادہ کے معنی ہیں کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کرنا مثلاً زید کو کسی خاص وقت میں پیدا کرنے کا فیصلہ کرنا یہ ارادہ ہے۔ صفت ارادہ فی نفسہا مستوی الطرفین ہوتی ہے

یعنی زید کو پیدا کرنا اور نہ کرنا دونوں باتیں درست ہوتی ہیں، دونوں پہلوؤں کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو سکتا ہے مگر جب ایک پہلو کے ساتھ اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور کسی چیز کے کرنے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے تو اس کا کام ارادہ ہے۔ سورۃ المائدہ کی پہلی ہی آیت میں ہے کہ وہ جو چاہتے ہیں حکم کرتے ہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ اور سورۃ الرحمن آیت ۲۹ میں ہے کہ وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتے ہیں ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ یعنی جتنے تصرفات عالم میں واقع ہو رہے ہیں وہ سب انہیں کے تصرفات ہیں، ہر آن کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ان کا ارادہ متعلق ہوتا رہتا ہے۔ غرض شریعت میں قضاء و قدر کے ساتھ مغفّت ارادہ بھی غایت ہے اور اللہ تعالیٰ قصد و ارادے سے انعام و احسان فرمانے والے ہیں اور بندوں کو ان کے اعمال پر دنیا و آخرت میں بدلہ دینے والے ہیں۔ اس لئے ان کی عبادت ضروری ہے۔

و الأصل في ذلك: أنه قد ثبت في معارف الأنبياء و رزئهم - عليهم الصلوات و التسليمات - أن مؤبناً من مواطن الجبروت، فيه إرادة و قصد، بمعنى الإجماع على فعل، مع صحة الفعل و الصرك بالنظر إلى هذا الموطن، وإن كانت المصلحة الفوقانية لا تبقى و لا تذّر شيئاً - إلا أوجب وجوده، أو أوجب عدمه، لا وجود للحالة المنتظرة بحسب ذلك.

ترجمہ: اور بنیادی بات اس بارے میں (یعنی خدا کے بالا ارادہ شمع و تجازی ہونے کے بارے میں) یہ ہے کہ انبیاء اور ان کے ورثاء (یعنی علماء) — ان پر اللہ کی بے پایاں رحمتیں اور سلام ہوں — کے علوم میں (یعنی نصوص شرعیہ اور تصریحات علماء سے) یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مقامات جبروت میں سے ایک مقام میں قصد و ارادہ ہے (اللہ کی ذات سے تعلق رکھنے والی باتوں کو لافسوت سے تعبیر کرتے ہیں، اور صفات سے تعلق رکھنے والی باتوں کو جبروت سے۔ پس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مجملہ صفات خداوندی کے ایک صفت ارادہ بھی ہے) یعنی کسی چیز کے کرنے کا فیصلہ کرنا (فعل کے زیر کے ساتھ مصدر ہے اور فعل کے زیر کے ساتھ اسم بمعنی کام ہے) اس مقام (یعنی صفت ارادہ) کی طرف نظر کرتے ہوئے کرنا اور نہ کرنا (دونوں باتوں) کی درستی کے ساتھ (یعنی فی نفسہ صفت ارادہ مستوی الطرفین ہوتی ہے) اگرچہ بالائی معلومت (یعنی حکمت خداوندی اور صفت قضاء و قدر) نہ تو کوئی چیز باقی رہنے دیتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے مگر وہ یا تو اس چیز کے ہونے کو واجب کرتی ہے یا نہ ہونے کو، اس (مصلحت فوقانی) کے اعتبار سے کسی حالت منتظرہ کا وجود ہی نہیں۔



۱۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے التفہیمات (۲۳۷:۱) میں لکھا ہے:

ثم بعده الجبروت، والتعبير عنها بالصفت لسان قاصر، وأقرب ما يُعبر به عنها أنها أسماء ١

صفت ارادہ کے تعلق سے حکماء پر رد

اس میں اختلاف ہے کہ نظام عالم کس طرح چل رہا ہے؟ اسباب سے مسببات کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟ قدرت نے اشیاء عالم میں جو تاثیرات رکھی ہیں ان کی کارکردگی کی نوعیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں چار رائے ہیں۔

① اشاعرہ: جبری عادت کے قائل ہیں یعنی سنت الہی یہ چل رہی ہے کہ جب اسباب پائے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ مسببات کو پیدا کرتے ہیں، جب آگ کا نڈ کو چھوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا نڈ کو جلاتے ہیں، آگ نہیں جلاتی۔

② معتزلہ: نزدیک بہ طریق تولید نظام عالم چل رہا ہے۔ تولید کے معنی میں جننا، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علل و اسباب پیدا کئے ہیں اور ان میں اثر انداز ہونے والی خصوصیات پیدا کی ہیں۔ اب ان اسباب و علل سے بطور وجوب و اضطرار (Automatically) مسببات و معمولات پیدا ہو رہے ہیں۔ اب ان تاثیرات میں خدا کا کوئی دخل نہیں ہے۔ تو پہ!

③ حکماء اور فلاسفہ اعداد کے قائل ہیں۔ اعداد کے معنی میں تیار کرنا۔ وہ کہتے ہیں کہ مبداء فیاض نے اسباب کو تیار کر دیا ہے۔ اب ان سے وجوب عقلی کے طور پر آثار و مسببات صادر ہوتے ہیں۔ مسببات، اسباب سے مختلف نہیں ہو سکتے یعنی فلاسفہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صرف علت اولیٰ ہیں اور ان کا کام صرف اعداد ہے۔ اور اسباب علل حقیقیہ ہیں، انہیں سے مسببات کا صدور ہوتا ہے۔ اب سلسلہ عالم میں مبداء فیاض کا کوئی دخل نہیں ہے، جیسے گھڑی بنانے والا اختیار و ارادہ سے گھڑی بناتا ہے مگر جب اس کو بنا کر تیار کر دیتا ہے اور اس کو چلا دیتا ہے تو اب وہ چلتی رہتی ہے۔ واضح میکرا اب اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

④ ماترید یہ تاخیر کے قائل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اشیاء میں اثر انداز ہونے والی تاثیرات پیدا کی ہیں۔ انہیں سے مسببات پیدا ہوتے ہیں اور یہ تاثیرات دست قدرت میں ہیں۔ مسبب الاسباب اور علت العلل اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ جلاتی آگ ہے مگر باذن الہی جلاتی ہے۔ یہی برحق مذہب ہے۔ تفصیل معارف السنن (۱: ۱۳۴) میں ہے۔

غرض نظام عالم کے تعلق سے حکماء کا نظریہ وہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ اس لئے وہ صفت ارادہ بمعنی کسی کام کا فیصلہ کرنا تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ارادہ بایں معنی باطل ہے۔ ہاں ارادہ ازلی کو وہ مانتے ہیں۔ مگر اس کے تعلق حادث کے وہ قائل نہیں، ان کے نزدیک ارادہ ازلی نے اسباب کو تیار کر دیا ہے۔ اور اب وہ اسباب خود کار ہیں۔ چیزوں کے ساتھ ارادہ کے یا تعلق قائم ہونے کا سوال ہی نہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکماء نے ایک بات کا تو خیال رکھا یعنی صفت ارادہ قدیرہ کو تو اس کا پورا حق دیا، مگر بہت سی باتیں ان کی نگاہوں سے اوچھل رہی گئیں۔ وہ صفت ارادہ کے تعلق حادث کا ادراک ہی نہ کر سکے، جبکہ یہ بھی

برحق بات ہے، حکماء کے نظریہ کے خلاف خود انسان کے اندر اور کائنات میں دلائل موجود ہیں۔

حکماء کی کوتاہ بینی، حکماء، صفت ارادہ کے تعلق حادث کو نہیں سمجھ سکے۔ اس کا مقام تجلی اعظم اور ملاء اعلیٰ کے درمیان ہے۔ تجلی اعظم سے ذات و صفات قدیمہ کے مجموعہ کو تعبیر کیا ہے اور ملاء اعلیٰ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ صفات قدیمہ کا مخلوق کے ساتھ جو تعلق حادث قائم ہوتا ہے، اس کا مقام دونوں کے درمیان ہے یعنی وہ تعلق حادث اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے مگر صفت سے بے تعلق بھی نہیں ہے۔ جیسے ہیرے کی چمک دمک نہ ہیرا ہے، نہ اس کی صفت، بلکہ اس کا اثر ہے۔ اسی طرح صفت ارادہ کے تعلق حادث کو خیال میں لانا چاہئے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے زید کو پیدا کیا تو یہاں دو چیزیں ہیں ایک اللہ کی صفت خلق جو قدیم ہے دوسری اس صفت کا زید کے وجود سے تعلق، یہ حادث ہے۔ تعلق اللہ کی صفت نہیں ہے۔ البتہ اس کا اثر ہے، جیسے ہیرے کی چمک دمک ہیرا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ حُسن العقیدۃ میں لکھا ہے: ولا يقوم بذاته حادث، فليس في ذاته ولا في صفاته حدوث، وإنما الحدوث في تعلق الصفات بمنعلفاتها حتى تظهر الأعمال، وحقيقته: أن التعلق أيضا ليس بحادث، ولكن الحادث هو المنعلف، فيظهر أحكام التعلق متفاوتة لنفاوت المنعلفات، وهو برىء عن الحدوث والتجدد من جميع الوجوه (الفهيمات الإلهية: ۱۹۷)۔

غرض اُس مقام میں صفت ارادہ کے تعلق سے کسی چیز کے مستوی الطرفین ہونے کے بعد، ملاء اعلیٰ کے علوم و بینات کے تقاضے سے کسی چیز کے کرنے پر اتفاق ہوتا ہے، یہی ارادہ کا تعلق حادث ہے اور وہ صفت قدیمہ کی طرح ایک برحق حقیقت ہے، جس کے ادراک سے حکماء مجرور رہ گئے اور انھوں نے اسباب کو خود کار سمجھ لیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسباب کو کارکن بھی صفت ارادہ کا تعلق بنانا ہے۔

حکماء کے خلاف دلیل: ایک مثال میں غور کریں اور یہ حکماء کے خلاف ”انفس“ سے دلیل ہے: ہم ہاتھ بڑھا کر۔ مثال کے طور پر۔ قلم لیتے ہیں تو ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ ہم یہ کام قصہ وارادہ سے کرتے ہیں۔ حالانکہ قلم لینے کے ارادے کی بد نسبت اور آدمی کی خدا داد صلاحیتوں کی بد نسبت قلم کا لینا اور نہ لینا یکساں ہے اور قضاء و قدر کے اعتبار سے کوئی ایک بات طے ہے۔ اسی طرح جب خاص استعداد کسی چیز کے ہونے کو لازم و واجب جانتی ہے تو خالق نور کی طرف سے وہ چیز وجود پذیر ہو جاتی ہے اور اس میں متجدد حادث چیز کا کسی وجہ میں دخل ہوتا ہے جیسے زمینی مادوں میں استعداد پیدا ہوتی ہے تو ان پر صورتوں کا فیضان ہوتا ہے۔ اور دعا کے بعد قبولیت نازل ہوتی ہے۔

ولا عبرة يقوم بَسْمُون الحكماء، يزعمون أن لإرادة بهذا المعنى فقد حفظوا شيئا، وغابت عنهم أشياء، وهم محجوبون عن مشاهدة هذا الموطن، محجوبون بأدلة الآفاق والأنفس. أما حجابهم: فهو أنهم لم يهتدوا إلى موطن بين التجلي الأعظم وبين الملاء الأعلى، شبه

بالشعاع الثاقم بالجوهره، ولله المثل الأعلى! ففى هذا الموطن يتمثل إجماع على شئ، استوجبه علوم الملائ الأعلى وهياتهم، بعد ما كان مستوى الفعل والترك فى هذا الموطن. وأما الحجة عليهم: ففى أن الواحد منا يعلم بداهة: أنه بمؤيدته ويتناول القلم - مثلاً - وهو فى ذلك مريد قاصد، يستوى بالنسبة إليه الفعل والترك، بحسب هذا القصد، وبحسب هذه القوى المتشعبة فى نفسه، وإن كان كل شئ، بحسب المصلحة الفوقانية: إما واجب الفعل أو واجب الترك، فكذلك الحال فى كل ما يستوجبه استعداد خاص، فينزل من يارئ الصور نزول الصور على المواد المستعدة لها، كالاستجابة عقيب الدعاء، مما فيه دخل لمتجدد حادث بوجه من الوجوه.

ترجمہ: اور ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں جو "حکماء" کہلاتے ہیں: وہ گمان کرتے ہیں کہ باس معنی کوئی ارادہ نہیں ہے، پس انھوں نے یقیناً ایک چیز محفوظ رکھی اور متعدد چیزیں ان سے غائب ہو گئیں اور وہ محروم رہ گئے اس مقام (یعنی حقت ارادہ کے تعلق حادث) کے مشاہدہ کرنے سے (یعنی سمجھنے سے) (اور) ان کے خلاف انفس و آفاق میں دلائل موجود ہیں۔

ربان کا محروم رہنا: تو وہ یہ ہے کہ انھوں نے اُس مقام (یعنی تعلق حادث) کی طرف راہ نہیں پائی جو قبل اظم اور ماعلی کے درمیان ہے، جو اُس روشنی کے مشابہ ہے جو ہیرے کے ساتھ قائم ہے۔ اور اللہ کی شان اعلیٰ ہے (یعنی ہیرے کی مثال بلا تشبیہ ہے، کیونکہ ان کی شان ایس کھٹلہ شئی ہے) پس اس مقام میں کسی ایسی چیز کے کرنے پر اتفاق پایا جاتا ہے جس کو ماعلیٰ کے علوم اور ان کی جہتیں واجب و لازم جانتی ہیں، اس کے بعد کہ وہ امر اس مقام میں مستوی الطرفین تھا۔

اور رہی ان کے خلاف دلیل: تو وہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص بدیہی طور پر جانتا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے اور مثال کے طور پر قلم لیتا ہے اور وہ اس فعل میں ارادہ کرنے والا، قصد کرنے والا ہوتا ہے، ورنہ خیال کیساں ہوتا ہے اس کی نسبت لینا اور نہ لینا، اس ارادے کے اعتبار سے، اور ان صلاحیتوں کے اعتبار سے جو اس کی ذات میں دراز ہونے والی ہیں، اگرچہ بالائی مصلحت (قضاء و قدر اور ارادہ قدیمہ) کے اعتبار سے ہر چیز کا یا تو کرنا ضروری ہوتا ہے یا نہ کرنا۔ پس یہی صورت حال ہے ہر اس چیز میں جس کو واجب و لازم جانتی ہے مخصوص استعداد، پس وہ چیز اترتی ہے خالق صور کی طرف سے صورتوں کے اترنے کی طرح، اُن مائوں پر جن میں ان صورتوں کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جیسے دعا کے بعد قولیت (کا اترنا اور یہ) ان چیزوں میں سے (ہے) جس میں نئی وجود میں آنے والی حادث چیز کا دخل ہے، دخل کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ذریعہ۔

لغات و ترکیب:

الحکماء مفعول ثانی ہے اور یُسْمَوْنَ میں ضمیر جمع نائب فاعل ہے..... محجوب (اسم مفعول) چھپایا ہوا یعنی

محروم (مخضوع) (اسم مفعول) دلیل میں مغلوب ہوا ہوا..... استوجبه واجب ولازم جانتا..... الْمُتَشَبِّعَةُ (اسم فاعل) تشبّع الحوّناء علی العود: گرگٹ کا لکڑی پر دراز ہونا۔ فینزل میں ضمیر مشترک موصولہ کی طرف لوثی ہے جو مایسوجہ میں ہے..... نزول المصور منسوب بہ زرع خافض ہے اسی کنزول الخ۔ مما فیہ دخل الخ خبر ہے، مبتدا اخذوف ہے اسی هذا مما فیہ الخ۔

تصحیح: یزعمون ان لا ارادة الخ اصل میں یزعمون ان الارادة الخ تھا۔ تصحیح منطوطہ کراچی اور منطوطہ پٹنہ سے کی گئی ہے۔



صفت ارادہ کے تعلق سے فلاسفہ کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

فلاسفہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صفت ارادہ کا تعلق حادث ماننا مصلحت فوقانی یعنی قضاء و قدر اور ارادہ قدیمہ کے اعتبار سے شئی کے وجوب سے بے خبری ہے یعنی جب قضاء و قدر نے ہر بات طے کر دی ہے اور ہر ہونے والی چیز کے ساتھ ارادہ ازلی متعلق ہو چکا ہے تو اب اس کا ہونا واجب (ضروری) ہے۔ پھر دوبارہ اس ہونے والی چیز کے ساتھ ارادہ کا تعلق ماننا پہلی بات سے جہالت ہے اور ایسی جہالت بھری بات شان خداوندی کے سزاوار کیسے ہو سکتی ہے؟ پس صفت ارادہ کے تعلق حادث کا قائل ہونا باطل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تو یہ! تو یہ!! صفت ارادہ کا تعلق حادث جہالت بھری بات کیسے ہو سکتی ہے؟! وہ تو علم پر مبنی ایک حقیقت ہے اور وہ اس مقام کا پورا حق ادا کرنا ہے یعنی وہ اس حقیقت واقعہ (تعلق حادث) کا پورا پورا اعتراف کرنا ہے۔ جہالت بھری بات تو جب ہوتی کہ کہا جاتا کہ: ”مرے سے کوئی چیز ہونی ضروری نہیں، اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں“ نصوص شرعیہ نے ایسی جہالت والی بات کی نفی کی ہے۔ شرائع خداوندی نے تقدیر پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔ اور تقدیر پر ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہر بات قرار پا چکی ہے اور اس کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ وہ طے شدہ بات واقع نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں۔ پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ: ”جو احوال تجھے پہنچے ہیں وہ تجھے چوک نہیں سکتے تھے اور جو تجھے چوک گئے ہیں یعنی نہیں پہنچے ہیں وہ تجھے پہنچ نہیں سکتے تھے“ لیکن جب اس حقیقت کے اعتراف کے ساتھ یہ کہا جائے کہ: ”اللہ تعالیٰ ازل میں طے کر کے عاجز نہیں ہو گئے۔ اب بھی وہ قادر مطلق ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ خود بخود نہیں ہو رہا بلکہ ارادہ خداوندی کے تعلق حادث کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ صفت ارادہ کے تعلق حادث کے اعتبار سے اب بھی دونوں پہلوان کی قدرت میں ہیں، وہ چاہیں تو کریں اور چاہیں تو نہ کریں“ یہ کہنا قطعاً ایک برحق بات ہے، جہالت بھری بات کسی طرح بھی نہیں ہے۔ جہالت بھری بات تو یہ ہے کہ قضاء و قدر اور ارادہ قدیمہ پر نظر کر کے معاذ

اللہ اللہ تعالیٰ کو کائنات سے بے دخل اور بے بس کر دیا جائے۔

ایک مثال میں غور کریں: اور یہ مثال حکماء کے خلاف آفاقی دلیل بھی ہے: جب مادہ اشقی ہے یعنی مست اور پُرشبوت ہوتی ہے تو وہ مخصوص حرکات کرتی ہے، پھر جب وہ نرم سے طبعی ہے تو زراعتی والی حرکتیں کرتا ہے تو حکماء کیا حکم لگاتے ہیں: کیا دونوں کی یہ حرکات جبری (بے اختیاری) ہیں، جیسے پتھر لڑھکتا ہے؟ اگر وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں تو غلط ہے۔ یا یہ حرکتیں اختیاری تو ہیں مگر علت موجبہ کے بغیر صادر ہو رہی ہیں یعنی نہ تو مزاج کا اس میں کوئی دخل ہے نہ مادہ۔ مزاج کا۔ اگر حکماء یہ فیصلہ کرتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے۔ یا یہ حرکات اختیاری ہیں اور نرمادہ میں خدا نے جو صلاحیتیں رکھی ہیں ان کی وجہ سے یہ حرکتیں ہو رہی ہیں، مگر یہ وجہ فو قانی کی محض حکایت ہیں یعنی قضاء و قدر میں جو باتیں طے ہیں یہ حرکات محض ان کی نقل (سواغ، ڈرامہ) ہیں۔ نرمادہ میں نہ تو بذات خود کوئی ہیجان ہے نہ ان حرکات کے پیچھے ان کا اپنا کوئی مقصد ہے۔ اگر حکماء یہ فیصلہ کرتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ حق اور یقینی امر بین مین ہے یعنی نرمادہ کی یہ اختیاری حرکات علت موجبہ (قضاء و قدر) کا نتیجہ ہیں۔ یہ حرکات نہ پائی جائیں یہ بات ممکن ہی نہیں۔ اور اس علت سے قطع نظر کرتے ہوئے نرمادہ میں ذاتی سرور و ہیجان بھی پایا جاتا ہے۔ جو ان کا ارادہ ہے۔ اسی طرح جو شخص مقام کا صحیح حق ادا کرتا ہے اور انسان کے اختیاری اعمال کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ محض فو قانی (قضاء و قدر) کا نتیجہ ہیں۔ مگر اس سے قطع نظر کرتے ہوئے انسان کے لئے فی نفسہ کام کرنا اور نہ کرنا دونوں مساوی ہیں۔ پھر وہ ایک پہلو کو باختیار خود ترجیح دیتا ہے تو اس کا یہ اختیار ایک طرح سے کام کے کرنے کی یا نہ کرنے کی ملت بن جاتا ہے، تو اس شخص نے سچ کہا اور نیکی کا کام کیا یعنی وہ صحیح فیصلہ تک پہنچا۔ شریعت نے تکلیف اور جزاء و سزا کا مدار اسی اختیار پر رکھا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ارادہ ازلی کے ساتھ ایسا ارادہ بھی ثابت ہو گیا جس کا تعلق نیا قائم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قصد و ارادہ سے منعم و مجازی ہیں اور اس احسان کے جواب میں عبادت واجب ہے، جس کی ادائیگی یا کوتاہی پر دنیا و آخرت میں مجازات لازمی ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ ہر عالم نے تدبیر عالم کے لئے ایک شریعت واجب کی ہے تاکہ لوگ اس پر چلیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور تکلیف بالشریعہ کی مثال ایسی سمجھنی چاہئے، جیسے ایک آقا نے اپنے غلاموں کو کسی خدمت پر مامور کیا۔ جو لوگ خدمت بجالائے، آقا ان سے خوش ہوا اور جنھوں نے نافرمانی کی آقا ان سے ناراض ہوا۔ یہی تعبیر نصوص شرعیہ میں اختیار کی گئی ہے، کیونکہ اس سے واضح تعبیر نہیں ہو سکتی، گو یہ تعبیر حقیقی نہیں ہے کیونکہ اللہ کا بندوں کو مکلف بنانے میں کوئی فائدہ نہیں، مگر شریعت میں ایسی مجازی تعبیرات بھی اختیار کی جاتی ہیں جو لوگوں میں متعارف ہوں۔ اس وجہ سے قضاء و قدر میں سب کچھ طے ہونے کے باوجود، ہر چیز سے ارادہ ازلی متعلق ہو جانے کے بعد بھی نصوص میں دونوں باتیں آئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ فیصلہ کرتے ہیں اور بندے باختیار خود اچھے بُرے کام کرتے ہیں جس کی وجہ سے جزاء و سزا پاتے ہیں۔

ولعلک تقول : هذا جهل بوجوب الشيء بحسب المصلحة الفوقانية، فكيف يكون في موطن من مواطن الحق؟

فأقول : حاش لله! بل هو علم وإفاء لحق هذا الموطن؛ إنما الجهل أن يقال: "ليس بواجب أصلاً" وقد نفت الشرائع الإلهية هذا الجهل، حيث أثبتت الإيمان بالقدر، وأن ما أصابك لم يكن ليخطئك، وما أخطأك لم يكن ليصيبك؛ وأما إذا قيل: "يصح فعله وتركه بحسب هذا الموطن" فهو علم حق لا محالة، كما أنك إذا رأيت الفعل من البهائم يفعل الأفعال الفعليّة، ورأيت الأنس تفعل الأفعال الأنثويّة، فإن حكمت بأن هذه الأفعال صادرة جبراً، كحركة الحجر في تدحرجه، كذبت؛ وإن حكمت بأنها صادرة من غير علة موجبة لها، فلا المزاج الفعليّ يوجب هذا الجاب، ولا المزاج الأنثوي يوجب ذلك، كذبت؛ وإن حكمت بأن الإرادة المتشبهة في أنفسهما تحكي وجوباً فوقانياً، وتعتمد عليه، وأنها لاتفور فوراً استقلالياً، كأن ليس وراء ذلك مَرَمًى، فقد كذبت.

بل الحقّ اليقين أمر بين الأمرين؛ وهو: أن الاختيار معلول لا يتخلف عن علة، والفعل المراد توجه العلة، ولا يمكن أن لا يكون؛ ولكن هذا الاختيار من شأنه: أن يتهج بالنظر إلى نفسه، ولا ينظر إلى مافوق ذلك؛ فإن أدبُ حقّ هذا الموطن، وقلت: "أجد في نفسي أن الفعل والشرك كانا مستويين، وأنى اخترت الفعل، فكان الاختيار علة لفعله" صدقت وبررت؛ فأخبرت الشرائع الإلهية عن هذه الإرادة المتشبهة في هذا الموطن.

وبالجملة: فقد ثبت إرادة يتجدد تعلقها، وثبت المجازاة في الدنيا والآخرة، وثبت أن مدبر العالم دبر العالم، بإيجاب شريعة يسلكونها، لينتفعوا بها، فكان الأمرُ شيئاً بأن السيد استخدم عبيده، وطلب منهم ذلك، ورضى عنم خدم، وسخط على من لم يخدم، فنزلت الشرائع الإلهية بهذه العبارة، لِمَا ذكرنا أن الشرائع تنزل في الصفات وغيرها بعبارة ليس هنالك أفصح ولا أبين للحق منها، أكانت حقيقة لغوية، أو مجازاً متعارفاً.

ترجمہ: اور شاید آپ کہیں: یہ (یعنی صفت ارادہ کا تعلق حادث) مصلحت تو قاتی (تقاء و قدر اور ارادہ ازلی) کے اعتبار سے شے کے وجوب سے بے خبری ہے۔ پس وہ بات حق تعالیٰ کے مقامات (صفات) میں سے کسی مقام میں کیسے ہو سکتی ہے؟

تو میں کہتا ہوں: معاذ اللہ! بلکہ وہ بات اس مقام (صفت ارادہ) کے حق کو جاننا اور اس حق کی پوری پوری ادائیگی

ہے، جہاں سے، یہی ہے کہ کہا جائے: ”وہ چیز قطعاً واجب نہیں“ (یعنی اس کا ہونا قطعاً ضروری نہیں) اور شرائعِ سماویہ نے اس جملہ کی نئی ہے، چنانچہ شرائعِ الہیہ نے ایمان بالقدر کو ثابت کیا ہے اور یہ کہ: ”جو چیز تجھ کو کچھ ہی، وہ تجھے چوکنے والی نہیں تھی، اور جو چیز تجھے چوک گئی وہ تجھے پہنچ ہی نہیں سکتی تھی“ اور رہا جبکہ کہا جائے کہ: ”اس مقام (یعنی تعلقِ حادث) کے اعتبار سے اُس کا کرنا اور نہ کرنا درست ہے“ تو وہ قطعاً برحقِ علم ہے، جس طرح سے یہ بات ہے کہ جب آپ کسی نہ چوپائے کو مزینہ حرکت کرتے دیکھیں، اور کسی مادہ کو مزینہ حرکت کرتے دیکھیں۔ پس اگر آپ یہ فیصلہ کریں کہ یہ حرکات ان سے اضطرراً صادر ہو رہی ہیں، جیسے پتھر کا اس کے لڑھکنے کی حالت میں حرکت کرنا تو آپ نے غلط فیصلہ کیا۔ اور اگر آپ فیصلہ کریں کہ وہ حرکات کسی ایسی علت کے بغیر صادر ہو رہی ہیں جو ان کو واجب کرنے والی ہے، پس نہ تو مزینہ مزاج اس سلسلہ کو واجب کرتا ہے اور نہ مادہ مزاج اس کو واجب کرتا ہے، تو ابھی آپ نے غلط فیصلہ کیا۔ اور اگر آپ فیصلہ کریں کہ وہ ارادہ جو ان دونوں کے نفوس کے ساتھ دراز ہونے والا ہے وہ بالائی وجوب کی نقل کرتا ہے اور اس پر اعتماد کرتا ہے اور یہ کہ صورتِ حال یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی مستقل جوش و بیجان نہیں ہے، گو اپنی حرکات کے پیچھے ان کا کوئی مقصد نہیں ہے تو ابھی آپ نے غلط فیصلہ کیا۔

بلکہ حق اور یقینی امر دونوں باتوں کے درمیان ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اختیار ایسا معلول ہے جو اپنی علتوں سے پیچھے نہیں رہ سکتا اور جو کام کرنا مقصود ہے اس کو ملتیں واجب کرتی ہیں۔ اور ممکن نہیں ہے کہ وہ نہ ہو لیکن یہ اختیار اس کے حال میں سے یہ بات ہے کہ وہ دوسروں کو اس کی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے، اور اس کے اوپر کی جانب نہ دیکھتے ہوئے، پس اگر آپ اس مقام (یعنی اختیار) کا حق ادا کریں اور کہیں کہ: ”میں اپنی ذات کے اندر پاتا ہوں کہ کرنا اور نہ کرنا دونوں مساوی ہیں، اور یہ کہ میں نے کرنے کو اختیار کیا ہے تو اختیار اس کے کرنے کی علت ہو گیا“ تو آپ نے سچ کہا اور نیکی کا کام کیا۔ پس شرائعِ سماویہ نے اسی ارادہ کے بارے میں اطلاع دی ہے جو اس مقام میں دراز ہونے والا ہے (یعنی جو خدا واصلہ جہتوں سے پیدا ہوتا ہے)

اور حاصلِ کلام: یہ ہے کہ ایسا ارادہ یقیناً ثابت ہو گیا جس کا تعلق نیا قائم ہوتا ہے اور دنیا و آخرت میں مجازات ثابت ہو گئی۔ اور یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر عالم نے عالم کی تدبیر فرمائی ہے ایسی شریعت واجب کر کے جس پر لوگ چلیں تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ پس معاملہ اس سے ملتا جلتا ہے کہ آقائے اپنے غلاموں کو کسی خدمت پر مامور کیا اور ان سے وہ خدمت طلب کی۔ اور ان سے خوش ہوا، جنہوں نے خدمت کی، اور ان سے ناراض ہوا، جنہوں نے خدمت نہ کی۔ پس اویانِ سماویہ اس عنوان سے نازل ہوئے اُس وجہ سے جو ہم نے (باب الایمان بھقاۃ اللہ میں) ذکر کی ہے کہ شریعتیں صفات وغیرہ کے سلسلہ میں نازل ہوتی ہیں ایسی تعبیر سے جس سے فصیح تر تعبیر نہ ہو اور واضح تر تعبیر نہ ہو حق بات کو بیان کرنے کے لئے، خواہ وہ تعبیر حقیقت لغویہ ہو یا مجاز متعارف ہو۔

نعت و تشریح:

المؤمنی: تیر پچھنے کی جگہ مجازی معنی میں مقصد کہا جاتا ہے کلام بعید المرئی: دور رس کلام..... امکانت حقیقۃ الخ میں مہمزہ تسوید کے لئے ہے، جیسے لأبالی اُفُنت ام فعدت: مجھے تیرے کھڑے ہونے یا بیٹھنے کی کوئی پرواہ نہیں یعنی دونوں میرے نزدیک برابر ہیں..... حقیقت لغویہ: لفظ کے حقیقی لغوی معنی مراد ہونا۔ مجاز متعارف: لفظ کے وہ مجازی معنی مراد لینا جو عرف میں رائج ہیں، جیسے لا اکل من هذه الشجرة میں درخت کے پتے، چھلکے وغیرہ مراد لینا حقیقت لغویہ ہے اور اس کے پھل مراد لینا یا اس کی قیمت مراد لینا مجاز متعارف ہے..... پس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ صفات الہیہ کے بیان میں (اور ارادہ بھی ایک صفت ہے) واضح اور عام فہم تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں۔ اور کہیں ان کے حقیقی معنی مراد ہوتے ہیں، اور کہیں مجازی۔ پس جو لوگ صفات کے باب میں اصرار کرتے ہیں کہ ہر جگہ ان کے حقیقی لغوی معنی ہی مراد لئے جائیں، وہ مسئلہ میں غلو کرتے ہیں۔



”حق اللہ“ کی تفہیم کا طریقہ

عبادت اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک حق ہے چونکہ یہ ایک نامعلوم علم ہے، جلدی سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ اس لئے شرائع الہیہ میں یہ حقیقت ایسی تین باتوں کے ذریعہ ذہن نشین کرائی گئی ہے جو لوگوں کے نزدیک مسلم اور بدیہی ہیں:

① لوگوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر انعام و احسان فرمانے والے ہیں۔ اور نعم و حسن کا شکر بجالانا ضروری ہے اور عبادت نعمتوں کے شکر یہ کی ایک صورت ہے۔

② لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرتے ہیں اور ان کی عبادت نہیں کرتے، ان کو اللہ تعالیٰ دنیا میں سخت سزا دیتے ہیں۔ عا و نمود اور فرعونیوں کا حال سب کو معلوم ہے۔

③ لوگوں کو اس سے بھی واقف کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اطاعت شعاروں کو آخرت میں بہترین صلہ عطا فرمائیں گے اور نافرمانوں کو سزا دیں گے اور ان کو جہنم رسید کریں گے۔

تفہیم کے ان تین طریقوں سے تین علوم وجود میں آئے ہیں:

① تذکیر بالآلہ اللہ یعنی اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کر کے لوگوں کو نصیحت کرنا۔

② تذکیر بالیام اللہ یعنی گزشتہ نافرمان اقوام کی ہلاکت کے واقعات ذکر کر کے لوگوں کو فہمائش کرنا۔

③ تذکیر بالمعاد یعنی موت اور موت کے بعد کے احوال جیسے قہر و حشر اور اس کے بعد کے احوال ذکر کر کے

لوگوں کو سمجھانا۔

نوٹ: قرآن کریم میں ان تینوں علوم کی پوری پوری تشریح فرمائی گئی ہے۔

ثم مكنت الشرائع الإلهية هذه المعرفة الغامضة من نفوسهم بثلاثة مقامات مسلمة عندهم،
جارية مجرى المشهورات البديهية بينهم:
أحدهما: أنه تعالى مُنْعَمٌ، وشكر المنعم واجب، والعبادة شكر له على نعمه.
والثاني: أنه يُجَازَى المعْرِضين عنه، التاركين لعبادته، في الدنيا أشدَّ الجزاء.
والثالث: أنه يجازى في الآخرة المطيعين والعاصين.
فانبسطت من هنالك ثلاثة علوم: علم التذكير بآلاء الله، وعلم التذكير بأيام الله، وعلم
التذكير بالمعاد، فنزل القرآن العظيم شرحاً لهذه العلوم.

ترجمہ: پھر شرائع سماویہ نے یہ دقیق علم لوگوں کے دلوں میں بٹھایا، ان کے نزدیک مسلمہ تین باتوں کے ذریعہ جو ان کے درمیان مشہور بدیہی باتوں کی طرح تھیں:

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ منعم ہیں اور منعم کا شکر واجب ہے۔ اور عبادت ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا ہے۔
دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اللہ سے اعراض کرنے والے اور ان کی عبادت ترک کرنے والے ہیں، ان کو دنیا میں سخت سزا دیتے ہیں۔

سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اطاعت کرنے والوں کو اور نافرمانی کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے۔
پس یہاں سے تین علوم پھیلے: علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بأيام اللہ اور علم التذکیر بالمعاد، پس اتر قرآن کریم ان علوم کی تشریح کرتا ہوا۔



”حق اللہ“ فطری میلان کی تعبیر و ترجمانی ہے

عبدالست میں انسانوں کو جو درس معرفت دیا گیا تھا، اس کے اثر سے ہر انسان کی فطرت میں اپنے خالق جل مجدہ کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ یہ میلان قلبی ایک مخفی امر ہے اس کا نمود اور دکھاوا (Appearance) اس کے خلیفہ (قائم مقام) اور مبطنہ (ملنے کی احتمالی جگہ) کے ذریعہ ہوتا ہے، اور وجدان صحیح سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس مخفی میلان کی ترجمانی یہ عقیدہ کرتا ہے کہ: ”عبادت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے، کیونکہ وہ بالا راہ و منعم و مجازی ہیں“ اور یہ عقیدہ ذہن نشین کرنے کے لئے مذکورہ علوم ثلاثہ کی ضرورت ہے اس لئے شرائع الہیہ میں ان علوم کی تشریح کا بہت

زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ اور مضامین پھیر پھیر کر بیان کئے گئے ہیں۔ پس جو شخص ارادہ خداوندی کا منکر ہے، یا ثبوت حق کا انکار کرتا ہے یا مجازات کا قائل نہیں ہے وہ بد دین ہے، اپنی فطرت سلیمہ کو ضائع کرنے والا ہے۔ وہ فطری میاں کے نائب و خلیفہ کو یعنی اس عقیدہ کو جو اس میاں کی جگہ رکھا گیا ہے خراب کر کے اپنے ہی پیروں پر کھلاڑی مارتا ہے۔

وَالْمَا عَظُمَتِ الْعِنَايَةُ بِشَرْحِ هَذِهِ الْعُلُومِ: لِأَنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ فِي أَصْلِ فِطْرَتِهِ مَيْلًا إِلَى بَارئِهِ جَلُّ مَجْدِهِ، وَذَلِكَ الْمَيْلُ أَمْرٌ دَقِيقٌ، لَا يَتَشَبَّحُ إِلَّا بِخَلِيفَتِهِ وَمُظَنِّهِ؛ وَخَلِيفَتُهُ وَمُظَنِّتُهُ عَلَى مَا أَثْبَنَهُ الْوُجَدَانُ الصَّاحِحُ: الْإِيمَانُ بِأَنَّ الْعِبَادَةَ حَقٌّ لِلَّهِ تَعَالَى عَلَى عِبَادِهِ، لِأَنَّهُ مَنَعَهُمْ، مَجَازٍ عَلَى أَعْمَالِهِمْ. فَمَنْ أَنْكَرَ الْإِرَادَةَ، أَوْ ثَبُوتَ حَقِّهِ عَلَى الْعِبَادِ، أَوْ أَنْكَرَ الْمَجَازَافَةَ فَبُورِ الدَّهْرِ الْفَاقِدِ لِسَلَامَةِ فِطْرَتِهِ، لِأَنَّهُ أَفْسَدَ عَلَى نَفْسِهِ مِظَنَّةَ الْمَيْلِ الْفِطْرِيِّ، الْمُوَدَّعِ فِي جَبَلَتِهِ، وَنَاتِبِهِ وَخَلِيفَتِهِ وَالْمَاخُودَ مَكَانَهُ.

ترجمہ: اور (قرآن کریم اور سابقہ شریعتوں میں) ان علوم (عقائد) کی تشریح کا بہت زیادہ اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ انسان کی اصل فطرت میں اپنے خالق جل مجدہ کی طرف میاں پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ میاں ایک دقیق (خفی) امر ہے۔ وہ محسوس شکل اختیار نہیں کرتا مگر اس کے خلیفہ اور مظنہ کے ذریعہ۔ اور اس کا خلیفہ (نائب) اور اس کا مظنہ (یعنی کسی چیز کے حاصل ہونے کی احتمالی جگہ) اس طور پر جس کو وجدان صحیح نے ثابت کیا ہے: ”اس بات پر ایمان لانا ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے، اس لئے کہ وہ (بالا ارادہ) ان پر انعام کرنے والے ہیں (اور) ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دینے والے ہیں“

پس جو شخص ارادہ خداوندی کا انکار کرتا ہے، یا بندوں پر اللہ کے حق کے ثبوت کا انکار کرتا ہے یا مجازات کا انکار کرتا ہے، تو وہ شخص ایسا دہریہ (بد دین) ہے جو اپنی فطرت سلیمہ کو کھونے والا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنا نقصان کیا ہے اس فطری میاں کے مظنہ کو بگاڑ کر جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اور اس میاں کے نائب و خلیفہ کو اور اس کی جگہ میں لی ہوئی چیز کو بگاڑ کر۔



فطری میاں ایک نورانی لطیفہ ہے

اگر آپ اس فطری میاں کی حقیقت سمجھنا چاہیں تو جان لیں کہ وہ ایک نورانی لطیفہ ہے، جو فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہوتا ہے، جس طرح لوہا ہتھالیس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لُطْف (ک) لُطْفًا وَلَطَافَةً کے معنی ہیں باریک ہونا، چھوٹا ہونا صفت مذکر لُطِيفٌ اور صفت مؤنث لُطِيفَةٌ ہے یعنی میاں ایک باریک نورانی حقیقت ہے، جیسے مجازی محبت میں

دل کا میلان محبوب کی طرف رہتا ہے۔ یہ میلان ایک باریک قلبی کیفیت ہے، اس کا ادراک دیگر وجدانیت: بھوک پیاس کی طرح وجدان ہی سے ہو سکتا ہے، اس پر دلائل و براہین قائم نہیں کئے جاسکتے۔ جو شخص لطائف خمسہ، سوجہ اور تعد کی چھان بین کرے اور ہر لطیفہ کو الگ الگ جان لے (ان لطائف کی تشریح شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتاب الطوائف القدسی فی لطائف النفس (فارسی) میں اور التفسیرات ۲۲۹:۱ میں ہے) تو وہ ضرور اس نورانی لطیفہ (میلان قلبی) کا ادراک کر لے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لطیفہ کے میلان کو بھی سمجھ لے گا۔ صوفی کی اصطلاح میں اس میلان کو محبت ذاتی کہتے ہیں۔ یعنی وہ محبت جو فطری ہے کسی عارض کی وجہ سے نہیں ہے۔ اور یہ لطیفہ بھی دیگر وجدانیت کی طرح دلائل سے قابو میں نہیں لایا جاسکتا۔ جیسے بھوک کے کی بھوک اور پیاس کی پیاس کو دلیل سے نہیں سمجھایا جاسکتا، اسی طرح اس میلان کا بھی صرف ادراک کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وجدان صحیح حاصل ہو، دلائل سے اس کو ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ سمجھایا جاسکتا ہے۔

وإن شئت أن تعلم حقیقة هذا الميل، فاعلم: أن فی روح الإنسان لطیفة نورانیة، تمیل بطبعها إلى الله غزوً وجلً، میل الحديد إلى المغناطیس، وهذا أمرٌ مدرکٌ بالوجدان، فکلُّ من آمن فی الفحص عن لطائف نفسه، وعرف کلَّ لطیفةٍ بحیالها، لابد أن یدرک هذه اللطیفة النورانیة، ویدرک میلها بطبعها إلى الله تعالی، ویسمی ذلك الميل عند أهل الوجدان بالمحبة الذاتية، مثله کمثل سائر الوجدانیات لا یقتصر بالبراهین، کجوع هذا الجائع، وعطش هذا العطشان۔

ترجمہ: اور اگر آپ اس میلان کی حقیقت سمجھنا چاہتے ہیں تو جان لیں کہ روح میں ایک نورانی لطیفہ (باریک چیز) ہے، جو فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہوتا ہے، جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور یہ چیز وجدان سے جانی جاتی ہے۔ پس ہر وہ شخص جو لطائف نفس کی اچھی طرح تفتیش کرے اور وہ ہر لطیفہ کو الگ الگ جان لے، ضروری ہے کہ وہ اس نورانی لطیفہ کو پالے اور اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف فطری میلان کو بھی سمجھ لے۔ اور اہل وجدان کے نزدیک یہ میلان محبت ذاتی کہلاتا ہے۔ اور اس کا حال دیگر وجدانیت کے حال جیسا ہے دلائل سے وہ شکار نہیں کیا جاتا جیسے مخصوص بھوک کے کی بھوک، اور متعین پیاس سے کی پیاس۔

لغات: فَحْصٌ (ف) فحوصاً عنہ تفتیش کرنا، کھود کر یہ کرنا۔ بحیالها: علمہ و علمہ، کہا جاتا ہے فَعَد کُلُّ علی حیالہ: ہر ایک علمہ و علمہ۔



فطری میلان کا کبھی احساس نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ کی طرف فطری میلان ہر شخص میں موجود ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے خالق جل مجدہ سے محبت ہے۔ سورۃ

التلطیف آیت ۱۵ ہے ﴿كَلَّا، إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَنْعُونَ﴾ (ہرگز ایسا نہیں، بیشک وہ لوگ اُس دن اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے) یعنی کفار آخرت میں دیکھا خداوندی سے محروم رکھے جائیں گے اور یہ محرومی ان کے لئے مزا ہوگی۔ اگر کفار میں اللہ کی محبت اور شوق ویدار نہ ہوتا تو زیارت سے محرومی ان کے لئے مزا کیسے ہوتی؟ غرض ہر انسان کی فطرت میں محبت ذاتی گوئہ دی گئی ہے۔ مگر انسان جب سفلی تقاضوں میں یعنی آل و مال کے دھندوں میں اور خواہشات کے دباؤ میں ہوتا ہے تو اس کو اس فطری میلان کا احساس نہیں ہوتا، جیسے بے حس کرنے والی دوا (Narcotic) کی وجہ سے جراحی (چیر پھاڑ) کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ مگر جب سفلی تقاضوں کی مزاحمت ختم ہو جاتی ہے تو گویا مندر دوا کا اثر زائل ہو گیا، اب جس طرح تکلیف کا احساس شروع ہوتا ہے، محبت ذاتی بھی ابھرتی ہے اور فطری میلان کا پتہ چل جاتا ہے مگر کیسے اور کب پتہ چلا، اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اور سفلی تقاضوں کی مزاحمت دو صورتوں میں ختم ہوتی ہے ایک: جب آدمی مر جاتا ہے، کیونکہ موت سے نسمہ (روح حیوانی) کے بہت سے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں اور اس کی خصوصیات اور اس کی صلاحیتیں گھٹ جاتی ہیں۔ اور نسمہ ہی سفلی تقاضوں کا سرچشمہ تھا اس لئے جب اس میں اضطحال آ جاتا ہے تو اس کے تقاضے بھی ست پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے مزاحمت باقی نہیں رہتی۔ دوسرے: ریاضتوں اور پر مشقت عبادتوں کے ذریعہ مرنے سے پہلے ہی نفس کو مار دیا جائے تو بھی سفلی تقاضوں کی مزاحمت ختم ہو جاتی ہے اور محبت ذاتی کو ابھرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

فإذا كان الإنسان في غاشية من أحكام لطائفه السفلية، كان بمنزلة من استعمل مخدرًا في جسده، فلم يحس بالحرارة والبرودة، فإذا هدأت لطائفه السفلية عن المزامحة: إما بموت اضطرابي يوجب تناثر كثير من أجزاء نسمته ونقصان كثير من خواصها وقواها، أو بموت اختياري، وتمسك حبل عجيبة من الرياضات النفسانية والبدنية، كان كمن زال المخدر عنه فأدرك ما كان عنده، وهو لا يشعر به.

ترجمہ: پس جب انسان اپنے سفلی لطائف کے احکام کے پردہ میں ہوتا ہے تو وہ اس شخص سا ہوتا ہے جس نے کوئی بے حس کرنے والی چیز اپنے جسم میں استعمال کی ہو، پس وہ گرمی، سردی کا احساس نہیں کرتا۔ پھر جب اس کے سفلی لطائف مزاحمت سے پرسکون ہو جاتے ہیں یا تو اضطرابی موت کی وجہ سے جو اس کے نسمہ کے اجزاء میں سے بہت سے اجزاء کے بکھر جانے کو دوا جب کرتی ہے اور نسمہ کی خصوصیات اور اس کی صلاحیتوں میں سے بہت سوں کے کم ہو جانے کو واجب کرتی ہے یا اختیاری موت سے اور نفسانی اور جسمانی ریاضتوں میں سے عجیب تدبیروں کو اختیار کرنے سے، تو وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس سے سُن کرنے والی دوا کا اثر زائل ہو گیا۔ پس وہ اس میلان کو سمجھتا ہے جو اس کو حاصل ہے، دراصل ایک اس کو ادراک کا شعور پہلے نہ تھا (وہو جملہ حال ہے مکان کے اسم کا)

فطری میلان ضائع کرنے والوں کے احوال

انسان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق جل جلالہ کی طرف جو فطری میلان (نورانی لطیفہ) ودیعت فرمایا ہے، اگر انسان اس کو ضائع کر دیتا ہے اور زندگی بھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مائل نہیں ہوتا تو مرنے کے بعد ایسے لوگ دو قسم کے ہو جاتے ہیں:

ایک: سادہ طریقہ پر میلان کو ضائع کرنے والے یعنی جہل بسیط میں مبتلا لوگ، جن کو جہل کا ادراک ہوتا ہے یہ بے دین مسلمان ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان تو رکھتے ہیں، مگر ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ نہ نمازیں پڑھتے ہیں، نہ زکات ادا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ موت کے بعد کمال نوعی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کمال نوعی کی تفصیل مبحث رابع کے باب اول میں گزر چکی ہے۔ ایسے لوگوں پر ایمان کی برکت سے موت کے بعد کچھ اخروی احوال منکشف ہوتے ہیں، مگر انکشاف تام نہیں ہوتا یعنی وہاں کی کچھ نعمتیں ان کو حاصل ہوتی ہیں، مگر وہ اخروی نعمتوں سے کامل طور پر بہرہ ور نہیں ہوتے۔ اور یہ صورت حال اس لئے پیش آتی ہے کہ ان لوگوں میں انکشاف تام کی استعداد مفقود ہوتی ہے یعنی اعمال نہ کرنے کی وجہ سے ان کی ایمانی صلاحیت بہت ہی کمزور ہوتی ہے، اس وجہ سے اخروی احوال کا ان پر انکشاف تام نہیں ہو پاتا، اور وہ موت کے بعد جہان، پریشان اور یکے یکے رہ جاتے ہیں۔

دوم: وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ فطری میلان کو ضائع کر دیا ہے، بلکہ ان کے قومی علمیہ (دل و دماغ) غلط عقائد سے بھرے پڑے ہیں یا ان کے قومی علمیہ (اعضاء) بدکاریوں میں مبتلا ہیں۔ یہ کفار اور بددین مسلمان ہیں۔ ان کے اخروی اور دنیوی احوال درج ذیل ہیں:

اُخروی احوال: یہ لوگ پس از مرگ کھینچا جاتی ہیں جہنم ہو جاتے ہیں۔ ان کا نفس ناطقہ (روح ربانی) چونکہ عالم بالا کی چیز ہے اس لئے وہ جبروت کی طرح کھینچ جاتا ہے۔ اور ان کا نسہ (روح حیوانی) بستی کی طرف کھینچ جاتا ہے، کیونکہ اس نے فطری میلان کے برخلاف حالت کما رکھی ہے۔ اور اس تجاذب کی وجہ سے ان کے نفوس سے ایک وحشت اٹھتی ہے اور وہ نفوس ہی پر چھا جاتی ہے اور یہ وحشت ناکی ان کے لئے مستقل سوبان روح بنی رہتی ہے۔

علاوہ ازیں کبھی برزخ اور کبھی اس کے بعد کے مواطن میں ان کے سامنے ایسے واقعات و رؤیا ہوں گے جو اس وحشت کے ترجمان اور اس کے پیکر ہائے محسوس ہوں گے، جیسے مفرادی مزاج آدمی کو خواب میں آگ اور شعلے نظر آتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں کے سامنے سانپ اور بچھو نمودار ہوں گے اور وہ ان کو ڈسیں گے۔

اور اس سزا کی بنیاد معرفت نفس کا علم ہے یعنی ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو اور اس پر لازم ہونے والے حقوق کو پہچانے، ورنہ اس کا انجام وہ ہوگا جو اوپر مذکور ہوا۔ مشہور بزرگ نیکی بن معاذ رازی رحمہ اللہ (متوفی ۵۵۸ھ) کا مشہور ارشاد ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ کیونکہ معرفت

نفس معرفت رب کو مستلزم ہے، پس جو شخص اس معرفت (علم) سے کورا ہوتا ہے، اس کی یہی سزا ہوتی ہے۔

دنوی احوال: اور وہ لوگ جب تک بقید حیات رہتے ہیں، ملا اعلیٰ کا غصہ ان کو گھیرے رہتا ہے۔ ان کا غصہ ملا سافل کے دلوں میں اور دیگر بافتیا مظلومات (جن و انس) کے دلوں میں اس الہام کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ ان کو سزا اور ایذا میں پہنچاؤ۔ چنانچہ ایسے لوگ دنیوی زندگی میں بھی تنگی کا جینا جیتے ہیں۔ ہر وقت دنیا کی حرص، ترقی کی فکر میں اور کئی کے اندیشہ میں بے آرام رہتے ہیں اور رسوائی اور بدنامی کے اندیشوں میں گھرے رہتے ہیں۔

اور اس سزا کی بنیاد لوگوں کے دلوں میں جو خیالات اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں، ان کے اسباب کی معرفت ہے، جس کی تفصیل بحث اول کے باب دہم میں گزر چکی ہے۔ جو شخص ان اسباب سے واقف نہیں ہوتا اور برے خیالات اور برے تقاضوں کا سد باب نہیں کرتا اس کی سزا یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

حاصل کلام: یہ ہے کہ تین باتیں: جبروت کی جانب میلان، ایسے اعمال کرنا جو سطلی تقاضوں کی مزاحمت سے نجات دیں اور ایسے اعمال کے ترک پر مؤاخذہ، یہ تین باتیں صورت نوعیہ کا اور اس کی صلاحیتوں کا مقتضی اور اس کے وہ آثار ہیں جن کا خالق مَوْ اور واجب وجود کی طرف سے مصلحت کلیہ کے موافق ہر انسان پر فیضان ہوتا ہے۔ ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ تین باتیں لوگوں نے خود ہی طے کر لی ہیں، اور لوگوں نے خود ہی اپنے اوپر لازم کر لی ہیں یا ایک ریت چل پڑی ہے جس کے مطابق لوگ عمل پیرا ہیں۔ بلکہ یہ باتیں درحقیقت اس نورانی لطیفہ کے حق کی ادائیگی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچتا ہے۔ لوگ عبادت کے ذریعہ اس لطیفہ کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں اور اس کی کچی کو سنوارتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبادت و بندگی میلان قلبی اور نورانی لطیفہ کا ایک حق ہے جو آدمی ادا کرتا ہے۔

فَإِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ وَهُوَ غَيْرُ مُقْبِلٍ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى:

فَبِأَن كَانَ عَدَمٌ إِبْرَالَهُ جَهْلًا بَسِيطًا وَقَفْدًا سَازِجًا، فَهُوَ شَفِيٌّ بِحَسَبِ الْكَمَالِ الْوَعْيِ، وَقَدْ يُكْشَفُ عَلَيْهِ بَعْضُ مَا هُنَالِكَ، وَلَا يَتِمُّ الْاِنْكْشَافُ لِفَقْدِ اسْتِعْدَادِهِ، فَبَقِيَ حَائِرًا مَبْهُوتًا.

وإن كان ذلك مع قيام هيئة مضادة في فُوراه العلمية أو العملية، كان فيه تجاذب: فأنجذبت النفس الناطقة إلى صُفْعِ الجبروت، والنسمة بما كسبت من الهيئة المضادة إلى السفلى؛ فكانت فيه وحشة ساطعة من جوهر النفس، منبسطة على جوهرها؛ وربما أوجب ذلك تمثُّلًا وافعاب هي أشباح الوحشة، كما يرى الصفاوى في منامه النيران والشُّعْلُ — وهذا أصلٌ توجبه حكمة معرفة النفس.

وكان أيضًا فيه تحديق غَضَبٍ من الملاء الأعلى، يوجب الإهامات في قلوب الملائكة، وغيرها من ذوات الاختيار: أن تُعَذِّبَهُ وَتُؤْلِمَهُ؛ — وهذا أصلٌ توجبه معرفة أسباب الخطرات

والدواعی الناشئة فی نفوس بنی آدم.

وبالجملة: فالميلُ إلى صُفْعِ الجبروت، ووجوبُ العمل بما يُفُكُّ وفاقَهُ من مزاحمة اللطائف السُفلية، والمواخذةُ على ترك هذا العمل، بمنزلةِ أحكامِ الصورة النوعية، وقواها، وآثارها الفاضلة في كل فرد من أفراد النوع، من باري الصور ومُفيض الوجود، وفق المصلحة الكلية، لباصلاح البشر، والتزامهم على أنفسهم، وجرّيان رسومهم بذلك فقط. وكلُّ هذه الأعمال في الحقيقة حقُّ هذه اللطيفة النورية، المنجذبة إلى الله، وتوفير مقتضاها، وإصلاح عوجها.

ترجمہ: پس جب انسان مرجعاً ہے، درحالیہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والا نہیں ہوتا:

تو اگر اس کی اللہ کی طرف بے توجہی جہل بسط اور میلان کو سادہ گم کرنا ہوتا ہے تو وہ کم نصیب رہ جاتا ہے، کمال نبوی کے اعتبار سے۔ اور کبھی اس پر بعض وہ چیزیں منکشف کی جاتی ہیں جو وہاں (آخرت میں) ہیں۔ اور انکشاف تام نہیں ہوتا، انکشاف تام کی استعداد کو مفقود ہونے کی وجہ سے، پس وہ حیران بکا بارہ جاتا ہے۔

اور اگر وہ بات (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بے توجہی) ہوتی ہے اس کے قوی علیہ اور عملیہ میں میلان کے برخلاف حالت کے قائم ہونے کے ساتھ، تو اس میں کھینچا تانی ہوتی ہے: پس نفس ناطقہ جبروت کی جانب کھینچ جاتا ہے، اور سمرہ فطری میلان کے برخلاف ہیئت کے کمانے کی وجہ سے نیچے کی طرف کھینچ جاتا ہے۔ پس ہوتی ہے انسان میں وحشت، چڑھنے والی اس کے نفس کی ذات سے، پھیلنے والی نفس کی ذات پر — اور کبھی وہ چیز واجب کرتی ہے ایسے واقعات کے رونما ہونے کو جو وحشت کے پیکر بائے محسوس ہوتے ہیں، جس طرح صفر اوی مزاج آدمی خواب میں آگ اور شعلے دیکھتا ہے — اور یہ (سزا کی) وہ بنیاد ہے جس کو ثابت کرتی ہے نفس کی معرفت کا علم۔

اور نیز ہوتا ہے انسان میں ملاطعلی کے غصہ کا ایسا گھیرنا جو الہامات کو واجب کرتا ہے ملائکہ سافلہ کے دلوں میں، اور ان کے علاوہ ذی اختیار مخلوقات (یعنی جن و انس) کے دلوں میں کہ وہ اس کو ستائیں اور اس کو تکلیف پہنچائیں — اور یہ (سزا کی) وہ بنیاد ہے جس کو ثابت کرتی ہے انسانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے (برے) خیالات اور (برے) تقاضوں کے اسباب کی معرفت۔

اور خلاصہ کلام: پس جبروت کی جانب میلان، اور ایسی باتوں پر عمل کا واجب ہونا جو اس کی قید کو کھولیں سطحی تقاضوں کی مزاحمت سے، اور اس عمل کے ترک کرنے پر مؤاخذہ کا ہونا (یہ تینوں باتیں) بمنزلہ صورت نوعیہ اور اس کی صلاحیتوں کے احکام کے اور اس کے اُن آثار کے ہیں جن کا نوع کے افراد میں سے ہر فرد پر فیضان ہوتا ہے، خالق خوار اور واجب وجود کی طرف سے، مصلحت کلیہ کے موافق۔ نہیں ہیں (مذکورہ تینوں باتیں) صرف انسانوں کے اتفاق

کرنے کی وجہ سے، اور انسانوں کے ان باتوں کو اپنے اوپر لازم کرنے کی وجہ سے اور اس کے مطابق ان میں رواج چلنے کی وجہ سے۔ اور یہ سب کام (یعنی مذکورہ تینوں کام) درحقیقت اس نورانی لطیفہ کا حق ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچنے والا ہے، اور اس لطیفہ کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور اس کی کبھی کوستوارنا ہے۔

لغات:

الضفع: جانب جمع اضفَاع .. وَجْهَةٌ تَوْجِيهًا: کے معنی ہیں رخ پھیرنا اور اصطلاحی معنی ہیں بات کو واضح کر کے سمجھانا، اس طرح بات پیش کرنا کہ کوئی الجھن باقی نہ رہے اور بات ذہن نشین ہو جائے۔ مُفِيضٌ (اسم فاعل) اِفْاضَ اِفْاضَةً: بہانا، فیضان کرنا۔ ... اَلْتَزَمَ الْعَمَلُ اَوْ الْمَالُ: اپنے اوپر واجب کر لیا۔ ... اِنْتَجَذَبَ: کھج جانا۔ اُخْذَقَ وَحَذَقَ: گھیرنا۔

ترکیب:

السبيلُ اپنے دونوں معطوفات کے ساتھ مل کر مبتداء ہے اور بمنزلة الخبر ہے۔ فَوَاهَاكَ عَطَفَ الصَّوْرَةَ التَّوْعِيَةَ پر ہے اور آثارِ ہا کا احکام پر۔ ... مِنْ بَارِيٍّ اِلَيْهِ مَتَعَلِّقٌ ہے الفاتحة سے۔ ... وَفَقِ مَنْصُوبٌ بَرَزَ خَائِضٍ ہے اور بارِ بحر و کا متعلق وہی ہے جو بمنزلة کا متعلق ہے۔ ... فَقَطُّ تَعَلَّقَ لَا کے تینوں مدخولوں سے ہے۔ تصحیح: تَوْجِيهٌ دونوں جگہ اصل میں تَوْجِيهٌ تھا۔ صحیح مخطوط کراچی اور مخطوط برلین سے کی ہے۔



ہر حق: نفس کا نفس پر ہوتا ہے، سہولت فہم کے لئے ”حق اللہ“ وغیرہ کہا جاتا ہے

اد پر خلاصہ کلام کے طور پر تین باتیں ذکر کی گئی ہیں: ایک: جبروت کی طرف میلان قلبی، دوسری: ایسے اعمال کا وجوب جو عقلی تقاضوں کی مزاحمت سے بچاویں، تیسری: ان اعمال کے ترک پر مواخذہ کا ہونا۔ یہ تینوں باتیں درحقیقت اس نورانی لطیفہ کا حق ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف میلان رکھتا ہے۔ مگر چونکہ یہ مضمون دقیق تھا۔ ہرگز وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اور میلان قلبی اور لطیفہ نورانی کو سمجھنے والے ابھی معدودے چند لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے عرف میں اس حق کو میلان کی طرف مضاف کرنے کے بجائے اس ذات کی طرف مضاف کیا جاتا ہے جس کی طرف وہ لطیفہ مائل ہوتا ہے اور جس کا وہ قصد و ارادہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اس حق کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اور اس کو حق نفس (خود اپنا حق) کہنے کے بجائے حق اللہ (اللہ کا حق) کہا جاتا ہے۔ یہ گویا نفس کے بعض رجحانات کی تعین ہے، جس رجحان کی جہت سے وہ لطیفہ اللہ کی طرف مائل ہوتا ہے یعنی نفس میں بہت سے رجحانات اور تقاضے ہوتے ہیں جیسے مال کی طرف رجحان،

خوبصورت بیوی کی طرف رجحان، جاہ و مرتبہ کی طرف رجحان اسی طرح ایک رجحان اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہوتا ہے پس جس طرح ”مال و منال کی خواہش“ کہنا نفس کے بعض رجحانات کی تعین ہے۔ اور ”جاہ و مرتبہ کی خواہش“ کہنا بعض دوسرے رجحانات کی تعین ہے اسی طرح عبادت کو اللہ کا حق کہنا بھی دل کے بعض رجحانات کی تعین ہے۔ کیونکہ عبادت میلان قلبی اور لطیفہ نورانی کے تقاضے سے وجود میں آتی ہے اور میلان ایک رجحان ہے۔ اور عبادت کو ”حق اللہ“ کہنا گویا مختصر تعبیر ہے اس لمبی عبارت کی کہ: ”عبادت نورانی لطیفہ کا حق ہے اس لطیفہ کے اللہ تعالیٰ کی جانب مائل ہونے کی جہت سے“۔ پس شرائع الہیہ میں یہ حقیقت اسی مختصر آسان تعبیر میں ادا کی گئی ہے تاکہ لوگ اپنے خدا وادعلوم کے ذریعہ اس کو سمجھ سکیں اور سنت الہی بھی یہ جاری ہے کہ دقیق مضامین کو ان کے مناسب مثالی صورتوں میں نازل کیا جاتا ہے جس طرح معنویات خواب میں ایسی صورتوں میں دکھائی جاتی ہیں جو عادت اس معنی کے لئے لازم ہوتی ہیں یا اس کی نظیر ہوتی ہے یا اس سے کوئی ملتی جلتی چیز ہوتی ہیں۔ پس وحی کی زبان میں سہل تر تعبیر اختیار کرتے ہوئے کہا گیا کہ: ”عبادت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے“

اسی طرح دیگر حقوق کو بھی سمجھنا چاہئے۔ جیسے قرآن کا حق ایمان داروں پر یہ ہے کہ وہ اس کی تعظیم کریں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا امت پر یہ حق ہے کہ وہ آپ سے محبت رکھیں اور آپ کی پیروی کریں۔ آقا کا غلاموں پر یہ حق ہے کہ وہ آقا کی خیر خواہی اور تابعداری کریں، والدین کا اولاد پر یہ حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ حسن سلوک برتیں اور رشتہ داروں کا حق صلہ رحمی ہے، اسی طرح اولاد کا ماں باپ پر، شوہر کا بیوی پر، بیوی کا شوہر پر، استاد کا شاگرد پر، شاگرد کا استاد پر، بادشاہ کا رعایا پر، رعایا کا بادشاہ پر اور مملوکہ جانور کا مالک پر حق ہے۔ یہ سب حقوق درحقیقت آدمی کے اپنی ذات پر اپنے ہی حقوق ہیں۔ جذبہ بندگی کا حق ہے کہ اس جذبہ کو پورا کیا جائے، قرآن کریم پر ایمان رکھنے کا حق یہ ہے کہ قرآن کی تعظیم اور اس کے احکام کی تعمیل کی جائے، ورنہ ایمان کیا ہوا؟ جانور کے مالک ہونے کا حق یہ ہے کہ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جائے و قس علیٰ ہذا۔

غرض یہ سب حقوق نفس کے نفس پر ہیں، تاکہ نفس اپنے کمال کی تکمیل کرے، اگر وہ حقوق کی ادائیگی کرتا ہے تو اپنے نفع کے لئے کام کرتا ہے، کسی پر کوئی احسان نہیں کرتا اور اگر وہ حقوق ادا نہیں کرتا تو اپنی ذات پر ظلم و زیادتی کرتا ہے، کسی کا کوئی خاص نقصان نہیں کرتا۔

مگر ان تمام حقوق کی نسبت نفس کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ ان کی طرف کی جاتی ہے جن سے معاملہ ہے اور جن کی طرف سے مطالبہ ہے پس کہا جاتا ہے اللہ کا حق قرآن کا حق، رسول کا حق اح لہذا آپ سرسری باتوں پر نہ رکھیں، بلکہ حقائق کو جس طرح کہ وہ نفس الامر میں ہیں ثابت کریں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ تحقیق ایک انمول فائدہ ہے، اس کی اہمیت سمجھنے کی کوشش کریں۔ ومن لم یذق لم یذو (جو نہ چکھے اُسے کیا پتہ چلے؟)

ولما كان هذا المعنى دقيقاً، وهذه اللطيفة لا تُدرَكها إلا بِشُرُذَمَةٍ قَلِيلَةٍ، وَجِبَ أَنْ يُنْسَبَ الْحَقُّ إِلَى مَا إِلَيْهِ مَالَتْ، وَإِيَاهُ قَصِدَتْ، وَنَحْوَهُ انْتَحَتْ، كَانَ ذَلِكَ تَعْيِينَ لِبَعْضِ قُوَى النَّفْسِ، الَّتِي مَالَتْ مِنْ جِهَتِهِ، وَكَانَ ذَلِكَ اخْتِصَارُ قَوْلِنَا: "حَقٌّ هَذِهِ اللَّطِيفَةُ مِنْ جِهَةِ مِيلِهَا إِلَى اللَّهِ" فَزَلَّتِ الشَّرَائِعُ الْإِلَهِيَّةُ كَاشِفَةً عَنْ هَذَا السِّرِّ، بِعِبَارَةٍ سَهْلَةٍ يَفْهَمُهَا الْبَشَرُ بَعْلُوهُمْ الْفُطْرِيَّةَ، وَيُعْطِيهَا سُنَّةُ اللَّهِ: مِنْ إِنْزَالِ الْمَعَانِي الدَّقِيقَةِ، فِي صُورٍ مُنَاسِبَةٍ لَهَا بِحَسَبِ النِّشَاطِ الْمَثَالِيَّةِ، كَمَا يَتَلَفَّضِي وَاحِدٌ مِنْهَا فِي مَنَامِهِ مَعْنَى مُجَرَّدًا فِي صُورَةٍ شَيْءٍ مُلَازِمٍ لَهُ فِي الْعَادَةِ، أَوْ نَظِيرِهِ وَنَظِيرِهِ فَقِيلَ: "الْعِبَادَةُ حَقٌّ لِلَّهِ تَعَالَى عَلَى عِبَادِهِ"

وَعَلَى هَذَا يَنْبَغِي أَنْ يُقَاسَ حَقُّ الْفِرَاقِ، وَحَقُّ الرِّسُولِ، وَحَقُّ الْمَوْلَى، وَحَقُّ الْوَالِدَيْنِ، وَحَقُّ الْأَرْحَامِ؛ فَكُلُّ ذَلِكَ حَقٌّ نَفْسِهِ عَلَى نَفْسِهِ، لِتَكْمُلَ كَمَا أَلْفَا، وَلَا تَقْتَرِفَ عَلَى نَفْسِهَا جَوْرًا، وَلَكِنْ نُسَبُّ الْحَقَّ إِلَى مَنْ مَعَهُ هَذِهِ الْمَعَامِلَةُ، وَمِنْهُ الْمَطَالِبَةُ، فَلَا تَكُنْ مِنَ الْوَاقِفِينَ عَلَى الظَّوَاهِرِ، بَلْ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ لِلْأَمْرِ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب کہ یہ مضمون دقیق تھا اور اس لطیفہ کا ادراک بھی معدودے چند لوگ ہی کر سکتے تھے اس لئے ضروری ہوا کہ وہ حق منسوب کیا جائے اس کی طرف جس کی طرف وہ لطیفہ مائل ہوتا ہے۔ اور جس کا اس لطیفہ نے ارادہ کیا ہے اور جس کی طرف کا اس لطیفہ نے قصد کیا ہے، گویا وہ انتساب نفس کے بعض قوی (رجحانات) کی تعیین ہے، جس رجحان کی وجہ سے وہ نفس مائل ہوتا ہے۔ اور گویا وہ انتساب ہمارے اس قول کا شخص ہے کہ: "اس لطیفہ نورانیہ کا حق، اس کے اللہ کی طرف جھکنے کی جہت سے" پس سماوی شریعتیں نازل ہوئیں اس راز کو کھولتی ہوئیں ایسی آسان تعبیر سے جس کو سمجھ لیں لوگ اپنے فطری علوم سے۔ اور وہی ہے اس عبارت کو سنت الہی یعنی دقیق معانی کو نازل کرنا ان معانی کے مناسب صورتوں میں عالم مثال میں پائے جانے کے اعتبار سے، جس طرح حاصل کرتا ہے ہم میں سے ایک آدمی خواب میں محض معنوی بات کو ایسی چیز کی شکل میں جو اس معنی کے لئے عادتاً لازم ہے یا اس کی نظیر ہے یا اس سے ملتی جلتی ہے، پس کہا گیا: "عبادت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے"

اور اسی طرح مناسب ہے کہ سمجھا جائے قرآن، رسول، مولیٰ، والدین اور رشتہ داروں کے حقوق کو۔ پس یہ سب اس کی ذات کے اس کی ذات پر حق ہیں۔ تاکہ وہ نفس اپنے کمال کی تکمیل کرے اور اپنی ذات پر کسی ظلم کا ارتکاب نہ کرے، مگر وہ حق منسوب کیا گیا ہے اس کی طرف جس کے ساتھ یہ معاملہ ہے اور جس کی طرف سے مطالبہ ہے، پس نہ ہو تو سرمری باتوں پر غصہ کرنے والوں میں سے، بلکہ ہو تو معاملہ کو ثابت کرنے والوں میں سے اس پر جس پر وہ (نفس الامر میں) ہے۔

لغات: الشُّرُذَمَةُ: لوگوں کی قلیل جماعت، مَجْعَ شَرَاذِمَ وَشَرَاذِمَ انفعی الشیء: قصد کیا..... حَقَّقَ

الشمس: ثابت کیا، واجب کیا، موقوف کیا۔

باب — ۷

شعائر اللہ کی تعظیم کا بیان

گزشتہ باب کے آخر میں قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے حقوق کا ذکر آیا ہے۔ یہ دونوں شعائر اللہ میں سے ہیں۔ اس لئے اب یہ باب شعائر اللہ کی تعظیم کے بیان میں ہے۔ شعائر اللہ کا ذکر قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۵۸ میں صفا و مروہ نامی پہاڑیوں کو منجملہ شعائر اللہ بتایا گیا ہے۔ سورۃ الحج آیت ۳۲ میں قربانی کے بڑے جانور، اونٹ، گائے بھینس کو منجملہ شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ سورۃ المائدہ آیت ۲ میں مومنین کو مخاطب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ شعائر اللہ کی بے حرمتی مت کرو۔ اور سورۃ الحج آیت ۳۲ میں فرمایا ہے ﴿وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَفْوَى الْقُلُوبِ﴾ (جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو اس کا یہ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا دل سے دور کرنے کی جگہ سے ہوتا ہے) فَإِنَّهَا کی تقدیر عبارت فإِنَّ تَعْظِيمَهُ ایہا ہے۔ ضمیر فاعل ہے اور ایسا ہمارے شعائر اللہ ہیں اور آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔ شعائر اللہ کی تعظیم وہی کرتا ہے جس کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا ہوتا ہے۔

شعائر، شَعْبِرَہ یا شَعَارَۃ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی علامت کے ہیں۔ اور اصطلاح میں شعبرہ وہ نشانی ہے جو اس چیز کو بتاتی ہے جس کے لئے وہ مقرر کی گئی ہے، جیسے منارہ مسجد کی مخصوص علامت ہے اور شرعی ڈاڑھی مسلمان ہونے کی نشانی (یونیفارم) ہے اسی طرح وہ اعمال، اماکن اور احکام جو دین اسلام کی علامتیں اور پہچان ہیں وہ سب شعائر اللہ ہیں۔ سورۃ الحج آیت ۳۲ میں شعائر اللہ کو حُرُمَاتِ اللَّهِ (اللہ کے محترم احکام) بھی کہا گیا ہے۔ پس تمام وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نشانِ بندگی ٹھہرایا ہے، اسی طرح اللہ کے تمام محترم احکام شعائر اللہ ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

”و شعائر اللہ در عرف دیں: مکانات و ازمنہ و علامات و اوقات عبادت را گویند۔ امامکانات عبادت: پس مثل کعبہ و عرفہ و مزدلفہ و ہمارٹلاش و صفا و مروہ و منی و جمع مساجد اند، و اما ازمنہ: پس مثل رمضان و اشہر حرم و عید الفطر و عید الاخر و جمعہ و ایام التشریق اند، و اما علامات: پس مثل اذان و اقامت و ختنہ و نماز ہجاعت و نماز جمعہ و نماز عیدین اند۔ در ہمہ چیز ہا معنی علامت بودن متحقق است، زیرا کہ مکان و زمان عبادت نیز از عبادت بلکہ از معبود یاد دی و ہد (فتح العزیز: ۱/۳۷۸ در تفسیر سورۃ البقرہ آیت ۱۵۸)

شعائر اللہ کی اہمیت: ادیان ساویہ کا مدار شعائر اللہ کی تعظیم پر اور ان کے ذریعہ اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے پر ہے۔ یعنی شعائر اللہ صرف شریعت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی میں نہیں ہیں۔ بلکہ سابقہ تمام ساوی ادیان میں شعائر اللہ کا

وجود رہا ہے اور اس کی وجہ وہ ہے جس کی طرف ہم نے بحث رائج کے باب سوم میں اشارہ کیا ہے کہ سعادت حاصل کرنے کا جو آسان طریقہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہیبت سے ملکیت والے وہ اعمال کرائے جائیں جو اس کے بس میں ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ آدمی ملائکہ سے مشابہ ہو جائے گا جو انسان کی معراج کمال ہے۔ اور شعائر اللہ سے ملائکہ کو خاص مناسبت ہے، وہ ان کے گرویدہ ہوتے ہیں پس انسانوں پر بھی ان کی تعظیم و تکریم لازم ہے۔ شاہ صاحب تہنیمات (۱۶۳:۱) تہنیم ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

”وَدِيزَ آگَاہَانِدَہُ اند کہ در عالم مثال حقائق شعائر الہیہ متماثل شدہ است، و از اں صد مشابہ فی ذات پان شعائر واصل شدہ، و ملائکہ فوج فوج ہاں شعائر احاطہ کردہ اند۔ ومعنی شعائر: اشیا۔ کونیہ محسوسہ کہ خدا تعالیٰ را ہاں، عبادت توان کرد، مانند کعبہ کہ طواف آن عبادت حضرت مبعود است، و مانند قرآن کہ تلاوت آن مقرب است حضرت او، و مانند لفظ اللہ و رحمن و سائر اسمائے الہیہ کہ ذکر آنہا با مقرب است، و مانند صدقہ و صوم و غیر آں۔ و ہر چہ از شعائر اللہ شود برنی آدم تعظیم او واجب است، و از حقیقت قرآن بر ایں ضعیف مخاطبہا می رود، و ملاوت و طراوت آن مد رک می گردد“

شعائر اللہ کیا ہیں؟ شعائر اللہ سے مراد وہ ظاہری اور محسوس چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مقرر کیا ہے کہ لوگ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور دین سے ان چیزوں کا ایسا گہرا تعلق ہوتا ہے کہ لوگ ان کی تعظیم کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم سمجھتے ہیں اور ان کے حق میں کوتاہی کو اللہ کے معاملہ میں کوتاہی تصور کرتے ہیں۔ مثلاً بے عمل مسلمان بھی قرآن پاک کو چومتے ہیں۔ سر پر رکھتے ہیں اور کبھی ہاتھ سے گر جائے تو نہایت پریشان ہوتے ہیں اور اس کا کفارہ دریافت کرتے ہیں۔ کیونکہ شعائر اللہ کی تعظیم لوگوں کے دلوں میں ایسی رچ بس گئی ہے کہ وہ نکل ہی نہیں سکتی، الا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

﴿باب تعظیم شعائر اللہ تعالیٰ﴾

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ اعلم: أن مبنى الشرائع على تعظیم شعائر اللہ تعالیٰ، و التقرب بها إلیہ تعالیٰ، وذلك لِمَا أومأنا إلیہ: من أن الطريقة التي نصبها اللہ تعالیٰ للناس هي محاكاة ما في صُفَع التجرد بأشياء يُقرب نناوئها للبهيمية. وأعنى بالشعائر: أموراً ظاهرة محسوسة، جعلت لِتُعْبَدَ اللہ بها، واختصت به، حتى صار تعظیمها عندهم تعظیمًا للہ، والتفريط في جنبها تفريطاً في جنب اللہ، وركز ذلك في صميم قلوبهم، لا يخرج منه إلا أن تقطع قلوبهم.

ترجمہ: شعائر اللہ کی تعظیم کا بیان: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اور جو شخص دین کی یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو اس کا یہ لحاظ رکھنا دل سے اللہ سے ڈرنے سے ہوتا ہے“ جان لیں کہ شریعتوں کا مدار شعائر اللہ کی تعظیم پر اور ان کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے پر ہے۔ اور یہ بات اُس وجہ سے ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ وہ طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے مقرر کیا ہے وہ اس چیز کی مشابہت پیدا کرنا ہے جو تہجد کی جانب میں ہے (یعنی نماز کے احوال اپنے اندر پیدا کرنا ہے) ایسی چیزوں کے ذریعہ جن کو لینا (یعنی اختیار کرنا) ہیبت کے لئے آسان ہے (یعنی جو ملکی اعمال ہیبت کے بس میں ہوں وہ اس سے کرائے جائیں، اسی سے آدمی میں ملکی احوال پیدا ہوں گے)

اور شعائر سے میری مراد وہ ظاہری، محسوس امور ہیں جو اس لئے مقرر کئے گئے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جائے اور وہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح مخصوص ہوگئی ہیں کہ ان کی تعظیم لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوگئی ہے اور ان کے معاملہ میں کوتاہی اللہ کے معاملہ میں کوتاہی ہوگئی ہے۔ اور وہ بات لوگوں کے دلوں کی جڑ میں گاڑ دی گئی ہے، نہیں نکل سکتی دل سے مگر یہ نکلنے سے کھڑے ہو جائیں ان کے دل۔

لغات: حَاكِي مُعَاكِفَة: مشابه ہونا ... تَنَازَلَ الشَّيْءُ: لِيْنَا اِخْتَصَّ بِالشَّيْءِ: خَاصَّ ہونا صَفَعَ: جَانِب ..



شعائر اللہ کیسے تشکیل پاتے ہیں؟

شعائر اللہ قدرتی طور پر، فطری انداز سے تشکیل پاتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لوگوں کے دل کسی بات پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور وہ بات مشہور اور شائع ذائقہ ہو جاتی ہے اور بدیہیات اولیہ میں شامل ہو جاتی ہے اور اس میں لوگوں کو ادنیٰ درجہ کا شک باقی نہیں رہتا۔ اس وقت رحمت خداوندی ایسی چیزوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، جن کو لوگوں کے دل اور ان کے وہ علوم جو ان میں شائع ذائقہ ہیں، ان چیزوں کو واجب و لازم سمجھ جاتے ہیں۔ پس لوگ ان کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور ان چیزوں کی حقیقت و اشکاف کر دی جاتی ہے، جس سے لوگ ان کی اہمیت سمجھ جاتے ہیں اور ان چیزوں کی تعظیم و تکریم کی دعوت چارواں عالم میں یکساں طور پر پھیل جاتی ہے۔ جب یہ صورت حال ہو جاتی ہے تو ان چیزوں کی تعظیم لوگوں پر لازم کر دی جاتی ہے اور اس میں کوتاہی پر مواخذہ کیا جاتا ہے، جیسے اللہ کے نام کی قسم کھانے والا دل میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اگر وہ قسم توڑے گا تو اللہ کے معاملہ میں کوتاہی ہوگی۔ چنانچہ حسب اعتقاد اس کا مواخذہ کیا جاتا ہے اور قسم توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ یہی صورت حال شعائر اللہ کے معاملہ میں لوگوں کی ہے، جب کچھ چیزیں ان کے درمیان مشہور ہو جاتی ہیں اور ان کے علوم ان چیزوں کی تابعداری کرتے ہیں یعنی ان چیزوں کی عظمت لوگ تسلیم کر لیتے ہیں تو ان کے علوم کا یہ انقباض و دو چیزیں واجب کرتا ہے:

① اب رحمت خداوندی ان لوگوں پر انہیں چیزوں کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ نظام عالم کا مدار ”آسان سے آسان تر“ پر ہے اور جب لوگوں نے ان چیزوں کی اہمیت مان لی تو اب ان کے لئے ان امور کی تعظیم بجالانا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان چیزوں کو شعائر اللہ قرار دیا جاتا ہے، تاکہ لوگ ان کے ذریعہ تقرب حاصل کریں۔

② لوگوں کو مکلف کیا جاتا ہے کہ وہ ان چیزوں کی زیادہ سے زیادہ تعظیم و بحکمہ کریں، اسی سے ان کو کمال مطلوب حاصل ہوگا شعائر اللہ کی ایسی تعظیم کرنا کہ بھول سے بھی اس میں خلل نہ پڑے کامیابی کا راستہ ہے۔

مثال سے وضاحت: اماکن حج: کعبہ شریف، صفامرہ، منی، عرفات، مزدلفہ اور جمارا کا احترام لوگوں کے دلوں میں عرصہ سے بیٹھا ہوا تھا۔ عربوں کے قلوب ان مقامات کی عظمت پر مطمئن تھے اس لئے اسلام میں ان مقامات کو شعائر اللہ قرار دیا گیا اور جب بعض عرب قبائل کو صفامرہ کے درمیان سعی میں، اساف و نائلہ نامی بتوں کی وجہ سے، حرج محسوس ہوا تو ان کو بتایا گیا کہ صفامرہ تو شعائر اللہ ہیں۔ عرصہ دراز سے عرب ان کی تعظیم و بحکمہ کرتے آئے ہیں اور کفار ان کا پہاڑوں پر اساف و نائلہ کو رکھنا ایک عارضی گندگی تھی۔ جس کو صاف کر دیا گیا ہے پس جس طرح کعبہ شریف میں ۳۶۰ بتوں کی تنصیب ایک عارضی امر تھا، جس کو وہاں سے دور کر دیا گیا اس لئے اب کعبہ شریف کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح صفامرہ کی سعی میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح اسلام میں کچھ نئی چیزوں کو، جیسے قرآن، نبی، نماز، مساجد، جماعت اور اذان وغیرہ کو بھی شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایمان کے تقاضے سے مسلمانوں کے نفوس اور ان کے دینی علوم ان چیزوں کے شعائر ہونے کو واجب و لازم جانیں گے، اس لئے ان چیزوں کو بھی شعائر قرار دیا گیا اور ان کی تعظیم واجب کی گئی اور ان کو تقرب الہی کا ذریعہ بنایا گیا۔ (وضاحت پوری ہوئی)

غرض شعائر اللہ کو اللہ تعالیٰ نے کچھ اپنے ذاتی فائدے کے لئے شعائر نہیں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اغراض سے برتر و بالا ہے ان کے کارنامے مُعْتَل بالآغراض نہیں ہوتے یعنی وہ کوئی کام ذاتی غرض و فائدہ کے لئے نہیں کرتے۔ وہ بندوں پر جو احکام واجب کرتے ہیں وہ بندوں کے فائدے کے لئے ہوتے ہیں۔ شعائر اللہ کی صورت حال بھی یہی ہے۔ لوگ اپنا کمال مطلوب شعائر اللہ کی غایت درجہ تعظیم کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے مسلمات کو جن پر ان کے قلوب مطمئن تھے شعائر اللہ گردانا اور حکم دیا کہ وہ اللہ کے معاملہ میں یعنی اللہ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ کریں۔

تشریع میں جمہور کا حال ملحوظ رکھا جاتا ہے: آخر میں اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت و مہربانی سے جو شریعت نازل فرمائی ہے اس میں کسی ایک شخص کا حال پیش نظر نہیں رکھا ہے بلکہ جمہور پر نظر رکھی گئی ہے، گویا جمہور ہی سب کچھ ہیں۔ چنانچہ شعائر اللہ پر لوگوں کے قلوب کے مطمئن ہونے کے معاملہ میں بھی جمہور کا اعتبار کیا گیا

ہے۔ اگر جمہور مطمئن ہیں تو گویا سب لوگ مطمئن ہیں۔ بعض لوگوں کے قلوب مطمئن نہ ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ منور کرو، اللہ کی دلیل کتنی مضبوط ہے؟ یعنی شعائر اللہ کی تعظیم کیوں لازم کی گئی اس کی کتنی معقول وجہ ہے؟!

والشعائر إنما تصير شعائر بفتح طبعی، وذلك: أن مطمئن نفوسهم بعادة وخصلة، وتصير من المشهورات الذائعة التي تلحق بالبدیہیات الأولیة، ولا تقبل التشکیک، فعند ذلك تظهر رحمة الله في صورة أشياء، تستوجبها نفوسهم وعلومهم الذائعة فيما بينهم، فيقبلونها، ويكشف الغطاء عن حقيقتها، وتبلغ الدعوة الأذانی والأقاصی علی السواء، فعند ذلك يكتب عليهم تعظيمها، ويكون الأمر بمنزلة الحالف باسم الله، يُضمر في نفسه التفريط في حق الله إن حدث، فيؤاخذ بما يُضمر، وكذلك هؤلاء يشتبه فيما بينهم أمور، تنقاد لها علومهم فيوجب انقياد علومهم لها: أن لا تظهر رحمة الله بهم إلا فيما انقادوا له، إذ منى التدبير على الأسهل فالأسهل؛ ويوجب أيضًا أن يأخذوا أنفسهم بأقصى ما عندهم من التعظيم لأن كمالهم هو التعظيم الذي لا يشوبه إهمال.

وما أوجب الله تعالى شيئاً على عباده لفائدة ترجع إليه، تعالى عن ذلك علواً كبيراً، بل الفائدة ترجع إليهم، وكانوا بحيث لا يكملون إلا بالتعظيم الأقصى، فأخذوا بما عندهم، وأمروا أن لا يُفترطوا في جنب الله؛ وليس المقصود بالذات في العناية التشريعية حال فرد، بل حال جماعة كانها كل الناس، والله الحجة البالغة.

ترجمہ: اور شعائر فطری انداز پر ہی شعائر بنے ہیں۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ لوگوں کے دل کسی عادت و خصلت پر مطمئن ہو جائیں اور وہ ایسی مشہور و شائع ذائق چیزوں میں سے ہو جائے جو بدیہیات اولیہ کے ساتھ مل جاتی ہیں اور وہ تشکیک کو قبول نہ کرے تو اس وقت رحمت خداوندی ایسی چیزوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جن کو لوگوں کے نفوس اور ان کے وہ علوم جو ان کے درمیان شائع ہیں، واجب و لازم جانتے ہیں، پس وہ ان چیزوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور ان اشیاء کی حقیقت سے پردہ کھول دیا جاتا ہے اور پیغام پہنچ جاتا ہے نزدیک اور دور کے لوگوں تک یکساں طور پر، پس اس وقت لوگوں پر ان چیزوں کی تعظیم و تکریم لازم کر دی جاتی ہے۔ اور ہو جاتا ہے معاملہ اللہ کے نام کی قسم کھانے والے جیسا کہ تم کھانے والا اپنے دل میں پوشیدہ رکھتا ہے کہ: ”اگر وہ اس قسم کو توڑے گا تو وہ اللہ کے معاملہ میں کوتاہی ہوگی“ پس اس سے اس بات کا مؤاخذہ کیا جاتا ہے جو وہ دل میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور اسی طرح یہ لوگ ہیں۔ ان کے درمیان کچھ چیزیں مشہور ہو جاتی ہیں۔ جن کے لئے ان کے علوم تا بعداری کرتے ہیں۔ پس ان کے علوم کا اُن امور کی تا بعداری کرنا واجب کرتا ہے کہ نہ

ظاہر ہو رحمت خداوندی ان پر مگر اس چیز میں جس کے لئے وہ تابعدار ہوئے ہیں۔ کیونکہ تدبیر الہی کا مدار ”آسان سے آسان تر“ پر ہے۔ اور نیز وہ اقتیاد واجب کرتا ہے کہ پکڑیں وہ اپنی ذوات کو اس انتہائی درجہ تعظیم کے ساتھ جو ان کے پاس ہے۔ اس لئے کہ ان کا کمال وہ تعظیم ہی ہے جس کے ساتھ اہمال (جان بوجھ کر یا بھول کر چھوڑ دینا) ملا ہوا نہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی بھی چیز واجب نہیں کی کسی ایسے فائدہ کے لئے جو اللہ کی طرف اوثاق ہو، اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر و بالا ہیں۔ بلکہ فائدہ لو تھا ہے اُن لوگوں کی طرف۔ اور لوگوں کی صورت حال یہ ہے کہ ان کی تکمیل انتہائی تعظیم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پس وہ پکڑے گئے اس بات کے ساتھ جو ان کے پاس ہے اور حکم دیئے گئے وہ کہ نہ کوتاہی کریں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں۔ اور عنایتِ شریعہ میں مقصود بالذات کسی ایک فرد کی حالت نہیں ہوتی، بلکہ ایک جماعت کی حالت مقصود ہوتی ہے، گویا وہ جماعت سب لوگ ہیں۔ اور اللہ ہی کے لئے کامل برہان ہے!

الغات:

أَذَانِيْ جَمْعُ هَلَاذُنِيْ كِي، جو ذُنِيْ کا اسم تفضیل ہے بمعنی قریبی لوگ۔ ... أَفَاصِيْ جَمْعُ هَلَا فُصِيْ كِي، جو فُصِيْ کا اسم تفضیل ہے بمعنی زیادہ دور۔۔۔۔۔ تشکیک: شک و شبہ میں ڈالنا۔۔۔۔۔ اِھْمَال: جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوڑ دینا۔
تصحیح: بل الفائدة فصل میں بل الفائدة تھا، تصحیح منطوقہ کراچی سے کی گئی ہے۔

تشریح:

بدیہی: وہ چیز ہے جس کا جاننا نظر و فکر پر موقوف نہ ہو، جیسے گرمی کا تصور بدیہی ہے اور آگ گرم ہے یہ تصدیق بدیہی ہے، پھر تصدیق بدیہی میں اگر طرفین اور نسبت کا تصور حکم کے یقین کے لئے کافی ہو تو وہ بدیہی اولیٰ ہے، جیسے کل جز سے بڑا ہوتا ہے یہ تصدیق بدیہی اولیٰ ہے کیونکہ جو کل اور جز کی حقیقت سمجھتا ہے وہ فوراً مذکورہ قضیہ کی تصدیق کرے گا۔ بدیہیات اولیہ کو صرف اولیات بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بدیہی کی پانچ قسمیں اور ہیں یعنی فطریات جن کو قضا یا قیاساً جماعاً بھی کہتے ہیں اور مشاہدات، متواترات، حدسیات اور تجربیات، تعریقات کے لئے آسان منطق دیکھیں، اور وجہ حصر کے لئے دستور العلماء (۲۶۹:۱) ملاحظہ فرمائیں۔

چار بڑے شعائر اللہ: قرآن، کعبہ، نبی اور نماز

شعائر اللہ بہت ہیں، جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔ البتہ بڑے اور اہم شاعر اللہ چار ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① قرآن کریم: پہلے دو مثالوں میں غور کریں:

② نزول قرآن کے زمانہ میں اور اس سے پہلے لوگوں میں بادشاہوں کے اپنی رعایا کی طرف جاری کئے ہوئے فرامین و

خطوط شائع و ذائع تھے اور لوگ بادشاہوں کی تعظیم کے باب ہی سے ان کے خطوط کی تعظیم کو سمجھتے تھے۔ اور یہ جملہ مشہور تھا کہ کلام الملوك ملوك الکلام (شاہوں کا کلام ماموں کا بادشاہ ہے)۔ یعنی بادشاہوں کی باتوں کا خواہ وہ زبانی ہوں یا بصورت خط، وہی مقام ہے جو خود بادشاہوں کا ہے۔ غرض بڑوں کے کلام کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔

(۲) گذشتہ انبیاء کے صحیفے اور دیگر مصنفین کی کتابیں بھی لوگوں میں رائج تھیں۔ بائبل میں صحف انبیاء کے علاوہ بہت سی غیر انبیاء کی کتابیں بھی شامل ہیں۔ اور کسی بھی مقتدی کی راہ اپنانے کے لئے اس کی کتاب کی تعظیم اور اس کی تلاوت ضروری ہے۔ کیونکہ مقتدی کے علوم کی پیروی اور زمانہائے دراز تک ان علوم کو یکساں سکھانا کسی ایسی کتاب کے بغیر جس کی تلاوت کی جائے اور جس کو ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل کیا جائے، بہ ظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔

چنانچہ جب خاتم النبیین ﷺ کا دور آیا تو آپ کی امت کے لئے بھی ضروری ہوا کہ ان کو بھی جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ایک کتاب دی جائے اور اس کی تعظیم ان پر لازم کی جائے تاکہ وہ اس کی تلاوت کرے اور اس کے احکام کی تعمیل کرے اپنے خالق جل جہدہ کا تقرب حاصل کریں۔ شعائر اللہ اسی طرح تشکیل پاتے ہیں یعنی جب لوگوں کے احوال کسی چیز کے مقتضی ہوتے ہیں تو رحمت خداوندی ان کی ضرورت کی تکمیل کا سامان کرتی ہے۔ اور قرآن کریم کی تعظیم اور اس کے احکام کی تعمیل کے سلسلہ میں جو احکام دئے گئے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱- جب قرآن کریم پڑھا جائے تو لوگ اس کو کان لگا کر سنیں اور خاموشی اختیار کریں، رحمت خداوندی کے حق دار ہوں گے جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت ۲۰۴ میں آیا ہے۔

۲- قرآن کی تمام احکام کی فوراً تعمیل کی جائے مثلاً جن آیتوں میں جہدہ کا حکم ہے، وہاں جہدہ تلاوت کیا جائے اور جن آیتوں میں تسبیح یا تکبیر کا حکم ہے وہاں تسبیح و تکبیر کہی جائے، جیسے سورۃ المائدہ کی آخری آیت میں تسبیح (اللہ کی پاکی بیان کرنے) کا حکم ہے اور سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں تکبیر (اللہ کی بڑائی بیان کرنے) کا حکم ہے۔

۳- بے وضو قرآن کریم کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ جیسا کہ سورۃ الواحہ آیت ۷۹ میں یہ حکم آیا ہے۔

و معظم شعائر الله أربعة: القرآن، والكعبة، والنبي، والصلوة:

أما القرآن: فكان الناس شاع فيما بينهم رسائل الملوك إلى رعاياهم، وكان تعظيمهم للملوك مساوفاً لتعظيمهم للرسائل، وشاع صُحُفُ الأنبياء، ومصنفات غيرهم، وكان تَمَدُّهُبُهُمْ لِمَذَاهِبِهِمْ مساوفاً لتعظيم تلك الكتب وتلاوتها. وكان الانقياد للعلوم وتلقيها على مرّ الدهور بدون كتاب بئلي ويُروى كالمحال بآدى الرأى، فاستوجب الناس عند ذلك: أن تظهر رحمة الله في صورة كتاب نازل من رب العالمين، ووجب تعظيمه:

فمنه: أن يستمعوا له، وينصتوا إذا قُرئ.

ومنہ: اَنْ یُبادِرواْ لأوامره، كسجدة التلاوة، وكالتسبیح عند الأمر بذلك.
ومنہ: اَنْ لَا یَمْسُواْ المصحف إلا علی وضوء.

ترجمہ: اور بڑے شاعر اللہ چار ہیں، قرآن، کعبہ، نبی اور نماز۔

رہا قرآن: پس لوگوں کے درمیان شائع ذائع تھے بادشاہوں کے خطوط اپنی رعایا کی طرف اور لوگوں کا بادشاہوں کی تعظیم کرنا ملزم تھا ان کے خطوط کی تعظیم کے لئے۔ اور انبیاء کے صحیفے اور دیگر لوگوں کی تصانیف بھی رائج تھیں۔ اور لوگوں کا اُن کے طریقوں کو اپنانا ملزم تھا ان کی کتابوں کی تعظیم کے لئے اور ان کی تلاوت کے لئے۔ اور ان کے علوم کی تابعداری اور ان کو حاصل کرنا عرصہ دراز تک، کسی ایسی کتاب کے بغیر جس کی تلاوت کی جائے اور جس کو روایت کیا جائے، سرسری نظر میں ناممکن سی بات ہے۔ پس اس وقت لوگوں نے واجب و لازم جانا کہ رحمت خداوندی کسی ایسی کتاب کی صورت میں ظاہر ہو، جو رب العالمین کی طرف سے اتنے والی ہو (چنانچہ حسب تقاضا قرآن کریم نازل ہوا) اور اس کی تعظیم واجب ہوئی:

پس اس میں سے: ہے کہ لوگ اس کو سنیں اور خاموش رہیں جب وہ پڑھی جائے۔

اور اس میں سے: ہے کہ لوگ اس کے اوامر کی تعمیل کی طرف سبقت کریں، جیسے جگہ تلاوت کرنا، اور جیسے اللہ کی پاکی بیان کرنا، جہاں ان باتوں کا حکم دیا جائے۔

اور اس میں سے: ہے کہ لوگ قرآن کریم کو نہ چھوئیں مگر با وضو۔

لغات:

مُسَاوِقًا اسم مفعول ہے سَاوَقَهُ مُسَاوَقَةً: تَابَعَهُ وَسَاوَرَهُ (المعجم الوسيط) یعنی پیروی کرنا، ساتھ ساتھ چلنا المساوقة: المتابعة، مكان بعضهما يسوق بعضا۔ پیروی کرنے والا تابع اور لازم ہوتا ہے اور جس کی پیروی کی جائے وہ ملزم اور متوجع ہوتا ہے اور بادشاہوں کی تعظیم ملزم ہے اور خطوط کی تعظیم لازم ہے، کیونکہ وہ بادشاہوں کی تعظیم پر متفرع ہے۔ اسی طرح انبیاء کی راہ اپنانا ملزم ہے، اور ان کی کتابوں کی تعظیم لازم ہے۔ اس لئے مُسَاوِقًا اسم مفعول ہے، اسم فاعل نہیں..... تَمَذَّبَ: اس نے مذہب اختیار کیا، اس نے راہ اپنائی المذہب: روش، طریقہ (ارودیس مذہب بمعنی دین استعمال ہوتا ہے)



② کعبہ شریف: سب سے پہلا گھر جو مناجات اللہ لوگوں کے لئے تعمیر کیا گیا: وہ کعبہ شریف ہے (سورہ آل عمران آیت 96) انسانوں میں سب سے پہلے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے بحکم خداوندی اس گھر کی تعمیر کی۔ اور اس کا

طواف کیا۔ یہ مضمون پیغمبرِ رحمة اللہ نے دلائلِ البہوتہ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔ آدم علیہ السلام کی یہ تعمیرِ نوح علیہ السلام کے زمانہ تک باقی رہی۔ طوفانِ نوح میں وہ منہدم ہو گئی، اور اس کے نشانات بھی مٹ گئے۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آیا، تو آپ نے بحکمِ خداوندی انہی بنیادوں پر دوبارہ کعبہ شریف تعمیر کیا، جو آج تک باقی ہے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اسی بنائے ابراہیمی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں جب کو اکب پرستی کا زور ہوا، تو لوگوں نے سورج وغیرہ ستاروں کی روحانیت کے نام پر مندر راوگر جا گھر تعمیر کئے۔ ان کے خیال میں مجر دو غیر محسوس ہستی کی طرف متوجہ ہونے کے لئے کوئی پیکر محسوس ضروری تھا، جو اس مجر دو ہستی کے نام پر بنایا جائے۔ لوگ اس کی زیارت کے لئے آئیں، اور اس سے تعلق قائم کر کے اس مجرد ذات کا تقرب حاصل کریں۔ ان کے نزدیک اس کے بغیر توجہ ممکن نہیں تھی، لوگ اول وہلہ ہی میں اس کے امکان کو رد کر دیتے تھے۔

جب اس کا رواج عام ہو گیا تو لوگوں کے احوال نے واجب و لازم جانا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کے لئے بھی کوئی گھر ہو، جس کا لوگ طواف کریں، اور جس کے ذریعہ لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا، اور انھوں نے کعبہ شریف دوبارہ تعمیر کیا، تاکہ وہ لوگوں کے لئے "قبلہ نما" بنے۔ جب کعبہ شریف تیار ہو گیا تو لوگوں کو دعوت دی گئی کہ آئیں اور اس گھر کا حج کریں، طواف کریں اور تقرب الہی حاصل کریں۔ سورۃ الحج آیت ۷۷ و ما بعد میں اس کی تفصیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کی دینی مصلحت کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کے فائدے کے لئے یہ گھر متعین کیا ہے اور مرد و ایمان کے بعد جب کعبہ کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم سمجھی جانے لگی اور اس کے حق میں کوتاہی اللہ کے حق میں کوتاہی تصور کی جانے لگی تو بیت اللہ کا حج فرض ہوا اور لوگوں کو بیت اللہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔ مثلاً یہ احکام دیے گئے:

۱- بیت اللہ کے طواف کے لئے طہارت ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ الطواف حول البیت مثل الصلوۃ (بیت اللہ کے گرد طواف نماز کے مانند ہے) یعنی جس طرح نماز کے لئے طہارت اور ستر عورت ضروری ہے طواف کے لئے بھی یہ چیز ضروری ہیں (یہ حدیث مشکوٰۃ کتاب الحج باب الطواف میں ہے)

۲- نمازوں میں بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرنا ضروری قرار دیا گیا سورۃ البقرہ آیات ۱۴۴، ۱۴۹ و ۱۵۰ میں یہ حکم مذکور ہے۔

۳- استنجاء کی حالت میں بیت اللہ کی طرف استقبال و استدبار کو مکروہ قرار دیا گیا۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جب

تم بڑے استیجا کے لئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو، نہ اس کی طرف پیٹھ کرو، بلکہ (مدینہ کی جہت والے) مشرق کی طرف منہ کریں یا مغرب کی طرف منہ کریں (مکتوبہ، کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء، حدیث نمبر ۳۳)

وأما الكعبة: فكان الناس في زمن إبراهيم - عليه السلام - توَعَّلُوا في بناء المعابد والكنائس باسم روحانية الشمس وغيرها من الكواكب، وصار عندهم التوجه إلى المجرود غير المحسوس بدون هيكل يُبنى باسمه يكون الحلول فيه، والتلبُّس به تقرُّباً منه، أمراً محالاً، تدفعه عقولهم بآدي الرأي، فاستوجب أهل ذلك الزمان: أن تظهر رحمة الله بهم في صورة بيت، يطوفون به، ويتقربون به إلى الله، فُدْعُوا إلى البيت وتعظيمه، ثم لشأ قرن بعد قرن على علم أن تعظيمه مساوٍ لتعظيم الله، والتفريط في حقه مساوٍ للتفريط في حق الله. فعند ذلك وجب حُجُّه، وأُمرُوا بتعظيمه:

فمنه: أن لا يطوفوا إلا متطهرين.

ومنه: أن يستقبلوها في صلاتهم، وكراهية استقبالها واستدبارها عند الغائط.

ترجمہ: اور رہا کعبہ: پس لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں دور تک چلے گئے تھے معابد و کنائس کے بنانے میں، سورج وغیرہ ستاروں کی روحانیت کے نام سے، اور لوگوں کے نزدیک مجرود غیر محسوس کی طرف توجہ کرنا، کسی ایسے پیکل (مجسمہ) کے بغیر، جو اس مجرود کے نام سے بنایا گیا ہو جس میں اتنا (یعنی سفر کے اس کی زیارت کے لئے آنا) اور جس سے تعلق قائم کرنا، اس مجرود کا تقرب حاصل کرنا ہو، امر محال ہو گیا تھا، جس کو ان کی عقلیں سرسری نظر میں دفع کرتی تھیں۔ پس اُس زمانہ کے لوگوں نے واجب و لازم جانا کہ رحمت خداوندی ظاہر ہو، کسی ایسے گھر کی صورت میں جس کا لوگ طواف کریں اور جس کے ذریعہ وہ اللہ کا قرب حاصل کریں۔ پس لوگ بیت اللہ کی طرف اور اس کی تعظیم کی طرف بلائے گئے، پھر نسلیں کے بعد نسلیں پیدا ہوئیں اس علم پر کہ بیت اللہ کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے ملزوم ہے اور بیت اللہ کے حق میں کوتاہی اللہ کے حق میں کوتاہی کے لئے ملزوم ہے۔ پس اس وقت واجب ہوا حج کرنا اور لوگوں کو اس کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔

پس اس میں سے: یہ بات ہے کہ لوگ بیت اللہ کا طواف نہ کریں۔ مگر پاک ہونے کی حالت میں۔

اور اس میں سے: یہ بات ہے کہ لوگ اس کی طرف منہ کریں اپنی نمازوں میں اور استیجا کرتے وقت اس کی طرف منہ کرنے اور پیٹھ کرنے کا مکروہ ہونا۔

لغات: مُسَبِّحاً وقفا یہاں بھی دونوں جگہ اسم مفعول ہے..... تَوَعَّلُوا في البلاد: جانا اور دور تک جانا..... مُقْبِلٌ: عبادت گاہ..... كِبْسِيَّةٌ: یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہ..... تقریباً منہ خبر ہے یكون کی..... أمراً محالاً خبر ہے صادر کی۔

(۳) نبی: نبی صفت مشہد ہے۔ اصل میں نبی ؑ تھا، مزہ کوئی سے بدل کر ی میں ادغام کیا گیا ہے۔ یہ لفظ تَنْبِیْہ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: خبر دینا، اس کا مجرد تَنْبِیْ (ف) تَنْبِیْ و تَنْبِیْہ ہے جس کے معنی ہیں بلند ہونا، ظاہر ہونا۔ رسول: (بروزن مفعول) مبالغہ ہے مُرْسِل (بروزن مفعول) کا۔ اور فِعْل کا استعمال اس طرح پر نادری ہوتا ہے (جامع الرموز قہستانی ص ۵)

مُرْسِل (ام مفعول) اور مُرْسِل (ام فاعل) اِرسال سے ہیں، جس کے معنی ہیں بھیجنا۔ مُرْسِل بھیجا ہوا، فرستادہ، پیامبر۔

رسول اور نبی دونوں کے پاس تشریعی وحی آتی ہے۔ مگر نبی عام طور پر مومنین کو احکام پہنچاتا ہے اور رسول کفار کی طرف بھی مبعوث ہوتا ہے، بلکہ اس کی بعثت کی پہلی غرض کفار کو دعوت دینا ہی ہوتی ہے۔ پھر نبی سابق شریعت و کتاب کی تبلیغ پر مامور ہوتا ہے اور رسول کوئی کتاب اور نئی شریعت دی جاتی ہے۔ پس ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا (اس سلسلہ کی مزید تفصیلات لغات القرآن (اردو) ج ۳ ص ۷۷-۸۵ میں ہے) اب شاہ صاحب رحمہ اللہ کی بات شروع ہوتی ہے۔

جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کی طرف پیامبر بھیجتے ہیں جو لوگوں کو بادشاہوں کے اوامر و نواہی کی خبر دیتے ہیں اور لوگوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان سفیروں کی بات مانیں۔ کیونکہ ان کی بات ماننا درحقیقت بادشاہوں کی بات ماننا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کی طرف نبی اور رسول بھیجے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی لوگوں کو پہنچاتے ہیں۔ ان کی تعظیم بھی لوگوں پر واجب ہے کیونکہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم ہے۔ سورۃ النساء آیت ۸۰ میں ہے ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ خَفِظًا﴾ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جو روگردانی کرے، سو ہم نے آپ کو ان کا نگران کر کے نہیں بھیجا) اور نبی کی تعظیم کے سلسلہ کے چند احکام یہ ہیں:

- ۱- نبی کی اطاعت واجب ہے۔ سورۃ النساء آیت ۵۹ میں رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔
- ۲- نبی پر درود بھیجنے کا حکم، جو سورۃ الاحزاب آیت ۵۶ میں ہے، وہ نبی کی تعظیم کے باب سے ہے۔
- ۳- نبی ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بولنے کی جو ممانعت سورۃ الحجرات آیت ۲ میں آئی ہے وہ باب تعظیم سے ہے۔

(۴) نماز: نماز بادشاہوں کے دربار کی حضوری کے مشابہ ایک عبادت ہے، بادشاہ کے غلام جب بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور اس سے سرگوشی کرتے ہیں تو باادب دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ پس جس طرح بادشاہ سے کوئی درخواست کرنے سے پہلے اس کی تعریف میں قصیدہ پڑھتے ہیں اسی طرح نماز میں بھی دعا سے پہلے حمد و ثنا کرنا

ضروری ہے، چنانچہ نماز کی ابتداء سورۃ فاتحہ سے کرنا ضروری ہے، کیونکہ وہ اللہ کی حمد سے شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح بادشاہوں سے ملاقات کے وقت جن شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے، نماز میں بھی ان کی پابندی ضروری ہے، جیسے وقت پر حاضر ہونا۔ بادشاہ کی طرف متوجہ رہنا، ادھر اُدھر نہ دیکھنا، پاک صاف ہو کر اچھا لباس زیب تن کر کے حاضر رہنا اور بارہونا یہی سب باتیں: اوقات کی پابندی، استقبال قبلہ، طہارت بدن و ثوب و مکان اور ستر عورت وغیرہ نماز کے لئے شرطیں تھہریں۔ پھر جب نماز شروع ہو جائے تو ہاتھ باندھ کر اللہ کی طرف متوجہ رہنا ضروری ہوا اور ادھر اُدھر نہ ضرورت شدیدہ جھانکنا ممنوع تھہرا۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو (جان لے کہ) بیشک اللہ اس کے منہ کی جانب میں ہیں“ (یہ متفق علیہ حدیث کا ایک حصہ ہے جس میں نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت آئی ہے)

وَأَمَّا النَّبِيُّ: فَلَمْ يُسَمَّ مَرَسَلًا إِلَّا تَشْبِيهَا بِرَسُولِ الْمَلُوكِ إِمَّا رِعَايَاهُمْ، مُخْبِرِينَ بِأَمْرِهِمْ وَنَهْيِهِمْ، لَمْ يَوْجِبْ عَلَيْهِمْ طَاعَتَهُمْ إِلَّا بَعْدَ مَسَاقَاةٍ تَعْظِيمُهُمْ لِمَنْظُومِ الْمَرْسَلِ عِنْدَهُمْ؛ فَمَنْ تَعْظِيمِ النَّبِيِّ: وَجُوبُ طَاعَتِهِ، وَالصَّلَاةُ عَلَيْهِ، وَتَرْكُ الْجَهْرِ عَلَيْهِ بِالْقَوْلِ.

وَأَمَّا الصَّلَاةُ: فَيُقْصَدُ فِيهَا التَّشْبِيهُ بِحَالِ عَبِيدِ الْمَلِكِ عِنْدَ مُتَوَلِّيهِمْ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَمَنَاجَاتِهِمْ إِيَّاهُ وَخُضُوعِهِمْ لَهُ، وَلِذَلِكَ وَجِبَ تَقْدِيمُ النِّسَاءِ عَلَى الدُّعَاءِ، وَمُؤَاخَذَةُ الْإِنْسَانِ لِنَفْسِهِ بِالْهَيْئَاتِ الَّتِي يَجِبُ مَرَاعَاتُهَا عِنْدَ مَنَاجَاةِ الْمَلُوكِ: مِنْ ضَمِّ الْأَطْرَافِ وَتَرْكِ الْإِلْفَاتِ، وَهُوَ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَإِنَّ اللَّهَ قَبْلُ وَجْهَهُ﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور رہا نبی: پس وہ مرسل نام نہیں رکھا گیا مگر تشبیہ و بیعت ہوئے بادشاہوں کے فرستادوں کے ساتھ ان کی رعایا کی طرف (یعنی انبیاء کو مرسل کہاںی جاتا ہے بادشاہوں کے انچپیوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے) جو لوگوں کو بادشاہوں کے اوامر و نواہی کی خبر دینے والے ہیں۔ اور نہیں واجب کی گئی لوگوں پر ان سفیروں کی اطاعت مگر ان کی تعظیم کے ملزوم ہونے کے بعد لوگوں کے نزدیک بھیجنے والے کی تعظیم کے لئے (یعنی لوگوں کے نزدیک ان سفیروں کی تعظیم ان کے بھیجنے والے بادشاہ ہی کی تعظیم ہے یعنی ان کی تعظیم ملزوم ہے اور اس کے لئے مرسل کی تعظیم لازم ہے) پس پیغمبر کی تعظیم کے باب سے ہے: اس کی اطاعت کا واجب ہونا، اس پر درود (سبے پایاں رحمت) بھیجننا اور اس کے سامنے اونچی آواز سے نہ بولنا۔

اور رہی نماز: پس اس میں ارادہ کیا جاتا ہے بادشاہ کے غلاموں کی حالت کے ساتھ مشابہت کا۔ ان کے کھڑے ہونے کے وقت بادشاہ کے رو برو، اور ان کے سرگوشی کرنے کے بعد بادشاہ سے اور ان کی تابعداری کرنے کے ساتھ بادشاہ کی، اور اسی وجہ سے (نماز میں) تعریف کو دعا سے مقدم کرنا ضروری ہوا اور آدمی کا اپنی ذات کو پابند کرنا ضروری ہوا ایسی ہیئتوں کے ساتھ جن کی رعایت بادشاہوں سے سرگوشی کے وقت ضروری ہے یعنی اعضاء کو ملانا (یعنی ہاتھ باندھنا

اور قدموں کو قریب کر کے کھڑا ہونا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا اور وہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو بیشک اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی جانب میں "باقی اللہ بہتر جانتے ہیں!

اغاث: منسوفة مصدر بمعنی متابعت ہے۔ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے..... مثلاً کھڑا ہونا مثل (ک، ن) مثلاً بین یدہ؛ کسی کے سامنے کھڑا ہونا۔

باب — ۸

وضوء و غسل کے اسرار و رموز کا بیان

نیکی کے کاموں میں سے ایمانیات کے ذکر سے فارغ ہونے کے بعد اب اعمال اسلام کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اعمال اسلام میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔ اس لئے تمہید کے طور پر اس باب میں طہارت کی حکمتیں اور فوائد بیان کرتے ہیں۔ پہلے بحث رابع کے باب رابع میں طہارت کے سلسلہ میں جو تفصیلات گزری ہیں ان پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس باب کے فہم میں مدد ملے گی۔

پاکی کے معاملہ میں تین طرح کے لوگ

طہارت کے معاملہ میں لوگوں کے تین مختلف درجات ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے لوگ وہ ہیں جو بصیرت و وجدان کی روشنی میں طہارت کا اہتمام کرتے ہیں یعنی وہ طہارت کے معاملہ میں پہلے سے با بصیرت ہوتے ہیں۔ وہ ایک مقصد کی تکمیل کے لئے طہارت کا التزام کرتے ہیں۔ دوسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں جو پہلے سے تو با بصیرت نہیں ہوتے مگر جب وہ طہارت کا اہتمام شروع کرتے ہیں تو ان کو بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ ان کو طہارت کے فوائد و برکات محسوس ہونے لگتے ہیں۔ اور تیسرے اور آخری درجہ کے لوگ وہ ہیں جن کو اس دنیا میں طہارت کے نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ وہ بس ایک شرعی حکم سمجھ کر طہارت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مگر آخرت میں وہ بھی محروم نہیں رہتے۔ موت کے بعد وہ بھی طہارت کے فوائد و برکات سے مستفیع ہوتے ہیں۔ تینوں درجوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا درجہ: کبھی انسان طبیعت کی کمزوری سے نجات پا کر حظیرۃ القدس (بارگاہ مقدس) کے انوار سے ہم کنار ہوتا ہے۔ اس وقت اس شخص پر وہاں کے انوار چھا جاتے ہیں۔ اور وہ گھڑی دو گھڑی کے لئے فطری تقاضوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ آزاد ہونے کی صورت کیا ہوتی ہے؟ یہ سمجھنا مشکل ہے۔ اس کی مختلف صورتوں میں کوئی صورت ہوتی ہے، جب یہ حالت پیش آتی ہے تو آدمی اعلیٰ کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے۔ اور تجرید نفس یعنی مادہ سے پاک ہونے

کے اعتبار سے وہ گویا اعلیٰ کا ایک فرد بن جاتا ہے اس حالت میں انسان کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ مگر یہ حالت کبھی کبھی پیش آتی ہے اور دیر تک باقی نہیں رہتی۔ صوفیا کی اصطلاح میں اس حالت کو ”حالت بطن“ کہتے ہیں۔

پھر جب یہ حالت زائل ہو جاتی ہے اور آدمی اپنی فطری حالت کی طرف لوٹ آتا ہے تو اس کو وہ پہلی والی حالت بار بار یاد آتی ہے اور وہ اس کے فوت ہو جانے سے پریشان ہوتا ہے۔ صوفیا کی اصطلاح میں اس حالت کو ”حالت قبض“ کہتے ہیں۔ اس حالت میں وہ کسی ایسی چیز کا مشتاق ہوتا ہے جو پہلی حالت سے مشابہ اور ملتی جلتی ہو تاکہ مجبوری کے درجہ میں اس کو غنیمت سمجھے، اور حالت اولیٰ میں سے فوت شدہ حصہ کو حاصل کرنے کے لئے اس دوسری حالت کو دایم بتائے اس ترکیب سے وہ فوت شدہ حالت کے احوال میں سے کوئی حالت پالیتا ہے۔ پہلی حالت سے مناسبت رکھنے والی یہ چیز طہارت ہے۔ جب آدمی گندگیوں کو چھوڑ دیتا ہے اور پاک و صاف کرنے والی چیزوں کو استعمال کرتا ہے تو اس کو سرور و انشراح حاصل ہوتا ہے، جو پہلی حالت کے احوال میں سے ایک حال ہے۔ مجبوری کے درجہ میں آدمی اس کو غنیمت سمجھتا ہے اور اس سے دل بہلاتا ہے اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑتا ہے اور ہمیشہ با طہارت رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ غرض یہ شخص علیٰ وجہ البصیرت اپنی کھوئی ہوئی بہترین حالت کو حاصل کرنے کے لئے تدبیر کے طور پر طہارت کو اختیار کرتا ہے۔ اس کو پہلے سے طہارت کی اہمیت اور فوائد معلوم ہوتے ہیں۔

دوسرا درجہ: اشخاص کا ہے جس کو مخبر صادق یعنی انبیاء نے بتایا کہ طہارت انسان کا کمال ہے، وہ نصف ایمان ہے اور انسان کی اس حالت کو خالق جل مجدہ پسند فرماتے ہیں۔ مسواک کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ منہ کی صفائی اور پروردگار کی خوشنودی کا ذریعہ ہے علاوہ ازیں طہارت میں بے شمار فوائد ہیں جن کا بیان اسی باب کے آخر میں آ رہا ہے۔ اس شخص نے شہادت قلبی سے مخبر صادق کی یہ سب باتیں مان لیں اور اس کے احکام پر عمل شروع کر دیا، جب اس شخص نے طہارت کا عملی تجربہ کیا تو اس نے وہ سب باتیں برحق پائیں جو انبیاء نے بتائی تھیں۔ اور دنیا ہی میں اس پر رحمت خداوندی کے دروازے وا ہو گئے اور ملائکہ کے رنگ میں رنگین ہو گیا غرض یہ شخص عمل شروع کرنے کے بعد بالبصیرت ہو گیا اور دنیا ہی میں طہارت کے فوائد لوٹنے لگا۔

تیسرا درجہ: اس شخص کا ہے جو مذکورہ باتوں میں سے کچھ بھی نہیں جانتا یعنی نہ تو وہ پہلے سے طہارت کے معاملہ میں بالبصیرت ہوتا ہے، نہ عمل شروع کرنے کے بعد اس کو طہارت کے کچھ فوائد محسوس ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ مؤمن ہے، اس لئے شرعی ہدایات کے مطابق طہارت کا اہتمام کرتا رہتا ہے۔

اس شخص کو اگر دنیا میں طہارت کے انوار و برکات محسوس نہ بھی ہوں تو کبھی وہ محروم نہیں رہتا۔ طہارت اس میں استعداد پیدا کرتی ہے اور وہ موت کے بعد ملائکہ کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے۔ گویا یہ لوگ کشان کشان جنت میں پہنچ جاتے ہیں۔

﴿باب اسرار الوضوء والغسل﴾

اعلم: أن الإنسان قد يُخْتَفَطُ من ظلمات الطبيعة إلى أنوار حظيرة القدس، فتغلب عليه تلك الأنوار، ويصير ساعةً ما بريناً من أحكام الطبيعة، بوجه من الوجوه، فينسلك في سلكهم، ويصير فيما يرجع إلى تجريد النفس كأنه منهم، ثم يُرَدُّ إلى حيث كان، فيشتاق إلى ما يناسب الحالة الأولى، ليعتمده عند فقدانها، ويجعله شركاً لا تقتناص الفائت منها، فيجد بهذه الصفة حالة من أحواله، وهي: السرور والانشراح الحاصل من هجر الرُّجْز واستعمالِ المَظْهَرَاتِ، فيغصُّ عليها بنواجذه.

ويتلو: إنساناً سمع المخبر الصادق يُخْبِرُ بأن هذه الحالة كمالُ الإنسان، وأنه ارتضاها منه بآرائه، وأن فيها فوائد لا تُحصى، فصَدَّقَهُ بشهادة قلبه، ففعل ما أمَرَ به، فوجد ما أخبر به حقاً، وفتحت عليه أبواب الرحمة، وانصغ بصيغ الملائكة.

ويتلو: رجلٌ لا يعلم شيئاً من ذلك، لكن قاده الأنبياء عليهم السلام والجأوه إلى هينات تُعَدُّ لَهُ في معاده لِلانسلاكَ في سلك الملائكة، وأولئك قوم جُرُوا بالسلاسل إلى الجنة.

ترجمہ: باب: وضوء اور غسل کے رموز کا بیان: جان لیں کہ انسان کبھی اچک لیا جاتا ہے (یعنی یہ حالت غیر اختیار کی ہے) طبیعت کی تاریکیوں سے حظیرۃ القدس کے انوار کی طرف، پس چھا جاتے ہیں اس پر وہ انوار اور وہ گھڑی دو گھڑی کے لئے طبیعت کے احکام سے آزاد ہو جاتا ہے، آزاد ہونے کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ذریعہ، پس وہ ملاء اعلیٰ کی لڑی میں منسلک ہو جاتا ہے (یہاں مرجع کے ذکر کے بغیر ملاء اعلیٰ کی طرف ضمیر لوٹائی ہے، کیونکہ حجت اللہ کے قاری کے ذہن میں ملاء اعلیٰ کا تصور ہر وقت رہتا ہے) اور وہ اُن باتوں میں جن کا نفس کی تجرید سے تعلق ہے، ہو جاتا ہے گویا وہ انہیں میں سے ہے (یعنی اس کا جسم تو مادی ہے اس لئے اس حیثیت سے تو وہ ملائکہ کا فرد نہیں بن سکتا۔ مگر اس کا نفس ناظر مجرود ہے۔ اس لئے اس جہت سے وہ گویا فرشتہ بن جاتا ہے اسی کو 'فرشتہ صفت' کہتے ہیں) پھر وہ لوٹا دیا جاتا ہے اُس جگہ کی طرف جہاں وہ تھا۔ پس وہ مشتاق ہوتا ہے اس چیز کی طرف جو پہلی حالت سے مناسبت رکھتی ہے تاکہ وہ اس کو نصیبت سمجھے جبکہ وہ پہلی حالت گم ہوگئی۔ اور وہ اس مناسب چیز کو دام بنائے، حالت اولیٰ میں سے فوت شدہ کو شکار کرنے کے لئے۔ پس پالے وہ اس مناسب چیز کے ذریعہ اس فوت ہونے والی چیز کے احوال میں سے کسی حالت کو۔ اور وہ حالت سرور و انشراح ہے، جو حاصل ہوتا ہے گندگی کو چھوڑنے سے اور پاک کرنے والی چیزوں کے استعمال سے،

پس وہ اس حالت کو اپنی ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑتا ہے۔

اور اس کے بعد درج ہے اس شخص کا جس نے مخبر صادق سے سنا، جو اطلاع دیتا ہے کہ یہ حالت انسان کا کمال ہے اور یہ سنا کہ انسان کی اس حالت کو خالق تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور یہ بھی سنا کہ اس حالت (طہارت) میں بے شمار فوائد ہیں۔ پس اس نے دل کی گواہی سے اس مخبر کی تصدیق کی اور جو کچھ اس نے حکم دیا اس پر عمل کیا، پس اس نے اس بات کو برحق پایا جس کی اس مخبر صادق نے خبر دی تھی۔ اور اس پر رحمت خداوندی کے دروازے کھول دیئے گئے اور وہ ملائکہ کے رنگ میں رنگین ہو گیا۔

اور اس کے بعد درج ہے اس شخص کا جو ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں جانتا، لیکن انبیاء نے اس کو کھینچا اور مجبور کیا، ایسی ہیئتوں کی طرف جو اس کو تیار کریں آخرت میں ملائکہ کی لڑی میں پروئے جانے کے لئے اور یہ وہ لوگ ہیں جو زنجیروں کے ذریعہ جنت کی طرف کھینچے گئے یعنی احکام کا اتباع کر کے جنت کے حقدار بن گئے۔



حدث کی قسمیں: حدث اصغر اور حدث اکبر

حدث (ناپاکی) طہارت (پاکی) کی ضد ہے۔ طہارت سے سرور و انشراح حاصل ہوتا ہے اور حدث سے انقباض و گرفتگی لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ حدث جو واضح اور محسوس ہیں اور ان میں چار باتیں پائی جاتی ہیں: ۱۔ سرسری نظر میں بھی ان کے اثرات نفس میں محسوس کئے جاتے ہیں۔ ۲۔ جو اس لائق ہیں ہے کہ ان کے بارے میں عام لوگوں سے گفتگو کی جائے اور ان کے بارے میں احکام دیئے جائیں، کیونکہ وہ ان کو پہچان سکتے ہیں۔ ان کے پائے جانے کی جگہیں متعین ہیں اور وہ سہیلین اور شرمگاہ ہیں۔ ۳۔ وہ حدث بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ ۴۔ اگر طہارت کے ذریعہ ان کی تلافی کی تعلیم نہ دی جائے تو لوگوں کا بھاری نقصان ہوگا۔ استقراء یعنی جائزہ لینے سے ایسے احداث دو جنسوں میں منحصر ہیں: ایک حدث اصغر جو موجب وضوء ہے، دوسرا: حدث اکبر جو موجب غسل ہے۔ دونوں قسموں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلی قسم: یعنی حدث اصغر: معدے میں پیدا ہونے والے تین فضلات: ریاح اور بول و براز میں مشغولیت ہے۔ شخص جانتا ہے کہ جب پیت میں ریاح اکٹھی ہوتی ہے یا بول و براز کا شدید تقاضا ہوتا ہے تو دل پریشان ہوتا ہے اور نفس پستی کی طرف مائل ہوتا ہے اور حیران و پریشان اور منقبض و دل گرفتہ شخص کی طرح ہوتا ہے اور نفس کے درمیان اور سرور و انشراح کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آدمی بہجت و سرور سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر جب آدمی

فضلات ثلاثہ سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ ریاح خارج ہو جاتی ہے اور بول و براز سے ہلکا ہو جاتا ہے اور وضوء یا غسل کرتا ہے جو نفس کو صفت طہارت سے آگاہ کرتے ہیں تو وہ سرور و انشراح پاتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے اپنی کوئی گم شدہ چیز پائی۔

دوسری قسم: یعنی حدیث اکبر: نفس کا شہوت جماع میں مشغول ہونا اور اس میں ڈوب جانا ہے۔ کیونکہ یہ مشغولیت نفس کا رخ بالکل طبیعت ہیسیہ کی طرف پھیر دیتی ہے اور ملکیت سے اس کا تعلق منقطع سا ہو جاتا ہے۔ ایک مثال میں غور کریں: جو چوپائے کسی خلاف فطرت کام کے لئے سدھائے جاتے ہیں اور ان کو مطلوبہ آداب کی ٹریننگ دی جاتی ہے اور وہ سرس و غیرہ میں کربت دکھاتے ہیں۔ اور شکاری جانور کتے وغیرہ کو شکار کرنے کا طریقہ بھوکا اور بیدار رکھ کر سکھایا جاتا ہے اور مالک کے لئے شکار روکنے کا اور اس میں سے نہ کھانے کا عادی بنایا جاتا ہے۔ اور طوطا وینا وغیرہ پرندوں کو انسانوں کی بولی سکھائی جاتی ہے۔ غرض کسی بھی جانور کو سعی بلیغ کر کے اس کی فطرت کے خلاف باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے اگر ان حیوانات کو آزار و اچھڑ دیا جائے اور وہ مادہ سے ملیں اور چند روز تک وہ شہوت جماع پوری کریں اور اس لذت میں ڈوبے رہیں تو ضرور وہ تعلیم بھول جائیں گے جو ان کو دی گئی ہے اور وہ بصیرت کے فقدان، جہالت اور گمراہی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ انسانوں کا حال بھی ان حیوانات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ کسی نے کہا ہے ربما ضاع العلم بین افخاذ النساء (کبھی علم عورتوں کی رانوں کے درمیان ضائع ہو جاتا ہے) یعنی جو اس لذت میں ہمہ وقت منہمک رہتا ہے اس کا علم ضائع ہو جاتا ہے۔ وہ سب پڑھا پڑھایا بھول جاتا ہے۔

اور غور کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جماع کی خواہش کو پورا کرنا جس قدر نفس کو بہیمیت سے آلودہ کرنے میں کارگر ہے اتنا ہی خوری، لڑائی، جھگڑا اور دیگر وہ چیزیں کارگر نہیں جو نفس کا رخ بہیمیت کی طرف پھیرتی ہیں اور جسے شک ہو اپنے نفس پر تجربہ کر کے دیکھ لے اور اطباء نے سنیا سیوں، تارک الدنیا راہبوں کے نفس کو بہیمیت کی طرف لوانے کے لئے جو تدبیر لکھی ہے اس کو پڑھئے۔ یہ لوگ عرصہ تک عورتوں سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے قوت باہ کھو بیٹھتے ہیں۔ وہ اگر اپنی قوت باہ بحال کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ جانوروں کی جفتی دیکھیں، قوی الباہہ لوگوں کے جماع کے واقعات پڑھیں اور باہ کو قوی کرنے والی غذائیں استعمال کریں اور مروحات و دُلُو کا استعمال کریں (شرح الاسباب والاعلام ۲: ۸۳ فی بحث علل اعضاء التماسل من الذکران، باب نقصان الباہ) رفتہ رفتہ ان کا نفس بہیمیت کی طرف لوٹ آئے گا اور ان کی مردہ قوت باہ اگھڑائیاں لینے لگے گی۔ جب یہ چیزیں بہیمیت پیدا کرنے میں اتنی کارگر ہیں، تو خود جماع کی شہوت کو پورا کرنا کس قدر نفس کو بہیمیت سے آلودہ کرے گا یہ بات ظاہر ہے۔ مگر جس طرح کھانا پینا ایک فطری ضرورت ہے، جماع بھی ایک فطری تقاضا ہے اس لئے دین فطرت نے اس پر پابندی نہیں لگائی، البتہ اس کی مضرات کا علاج تجویز کیا ہے جو اگلے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔

الحدث الذي يُحسُّ أثره في النفس بادی الرأي، والذي يليق أن يخاطب به جمهور الناس، لانضباط مظانّه، والذي يكثر وقوع مثله، وفي إهمال تعليمه ضررٌ عظیم بالناس، منحصرٌ استقراءً في جنسين:

أحدهما: اشتغال النفس بما يجد الإنسان في معدته من الفضول الثلاثة: الريح، والبول، والغائط، فليس من البشر أحد إلا ويعلم من نفسه: أنه إذا وجد في بطنه الريح، أو كان حاقباً حاقناً، خَبِثَتْ نفسه، وَأَخْلَدَتْ إلى الأرض، وصارت كالحائرة المنقبضة، وكان بينها وبين انشراحها حجابٌ، فإذا اندفعت عنه الريح وَتَحَفَّتْ عنه الأخيشان، واستعمل ما يُنبِئ نفسه للطهارة، كالغسل والوضوء، وجد انشراحاً وسروراً، وصار كأنه وَجَد ما قَفَد.

والثاني: اشتغال النفس بشهوة الجماع، وغوضها فيها، فإن ذلك يصرف وجه النفس إلى الطبيعة البهيمية بالكلية. حتى إن الهائم إذا ارتبطت ومُوتَتْ على الآداب المطلوبة، والجوارح إذا ذُلَّتْ بالجوع والسهَر، وغَلِمَتْ إمساك الصيد على صاحبها، والطيور إذا كَلَفَتْ بمحاكاة كلام الناس، وبالجملية: كلُّ حيوان أفرغ الجُهد في إزالة ماله من طبيعته، واكتساب مالا تقتضيه طبيعته، ثم قَضَى هذا الحيوان شهوة فرجه، وغَاقَسَ الإناث، وغاص في تلك اللذة أياماً، لا بد أن ينسى ما اكتسبه، ورجع إلى عَمَلٍ وَجْهِهِ وضلال.

ومن تأمل في ذلك عَلِمَ لا مُحالة: أن قضاء هذه الشهوة يُؤَثِّرُ في تلوين النفس مالا يؤثره شيء من كثرة الأكل، والمغامرة، وسائر ما يُسمِل النفس إلى الطبيعة البهيمية؛ وَلَيَحْرُب الإنسان ذلك من نفسه، وَلَيَرْجِعْ إلى ما ذكره الأطباء في تدبير الرُهبان المقطعين، إذا أريد إرجاعهم إلى النفس البهيمية.

ترجمہ: اور وہ حدث جس کا اثر بادی الرائی میں نفس کے اندر محسوس کیا جاتا ہے اور جو اس لائق ہے کہ عام لوگوں کو اس کے بارے میں اقدام دیئے جائیں، اس کی احتمالی بگہبوں کے منقبض ہونے کی وجہ سے اور جن کے مانند کا وقوع بہ کثرت ہوتا ہے اور جس کی تعلیم کے چھوڑنے میں لوگوں کا بھاری نقصان ہے، جائزہ لینے سے ایسی ناپاکیاں و جنسوں میں مختصر ہیں۔

اول: نفس کا اس چیز میں مشغول ہونا جس کو انسان اپنے معدے میں پاتا ہے یعنی تین ٹکی چیزیں: ریا، پیشاب اور پاخانہ۔ پس کوئی بھی انسان نہیں ہے مگر دراصل ایک وہ اپنے بارے میں جانتا ہے کہ جب یہ اس کے پیٹ میں ریا آکھیا

ہوتی ہے اس کو بول و براز کا شدید تقاضا ہوتا ہے تو اس کا دل پریشان ہوتا ہے۔ اور وہ زمین کی (پستی) طرف مائل ہوتا ہے۔ اور وہ نفس حیران و گرفتہ نفس کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور اس کے درمیان اور اس کے انشراح کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ پھر جب ریاچ اس سے ہٹ جاتی ہے اور وہ نہایت گندی چیزیں اس سے ملکی ہو جاتی ہیں۔ اور وہ اس چیز کو استعمال کرتا ہے جو اس کے نفس کو پاکی سے آگاہ کرتی ہیں۔ جیسے نہانا اور وضو کرنا تو وہ انشراح و سرور کو پاتا ہے۔ اور وہ ہو جاتا ہے گویا اس نے وہ چیز پالی جس کو اس نے گم کیا تھا۔

دوم: نفس کا شہوت جماع میں مشغول ہونا ہے اور اس کا اس میں ڈوبنا ہے۔ پس بیشک یہ چیز نفس کا بالکلہ رخ پھیر دیتی ہے طبیعت بےہمیہ کی طرف، حتیٰ کہ چوپائے جب سدحائے جاتے ہیں اور ان کو مطلوبہ طریقوں کی ٹریننگ دی جاتی ہے اور شکاری جانوروں کو جب مضطر کیا جاتا ہے بھوکا رکھ کر اور بیدار رکھ کر اور ان کو سکھلایا جاتا ہے شکار کو اپنے مالک کے لئے روکنا، اور پرندے جب مکلف کئے جاتے ہیں انسانوں کی بات کی نقل کرنے کے اور مختصر یہ کہ خواہ کوئی حیوان ہو جب انتہائی کوشش صرف کی جاتی ہے اس طبیعت کو ہٹانے میں جو اس میں ہے اور اس چیز کے حاصل کرانے میں جس کو اس کی طبیعت نہیں چاہتی۔ پھر جب یہ جانور اپنی شرمگاہ کی خواہش پوری کرتا ہے اور وہ مادہ کی مزاولت کرتا ہے اور اس لذت میں چند روز ڈوب جاتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس چیز کو بھول جائے جو اس نے حاصل کی ہے اور وہ لوٹ جاتا ہے بصیرت کے فقدان، جہالت اور گمراہی کی طرف۔

اور جو شخص اس میں غور کرے گا وہ لامحالہ جان لے گا کہ جماع کی خواہش کو پورا کرنا نفس کو گندہ کرنے میں ایسا کارگر ہوتا ہے جیسا کوئی دوسری چیز کارگر نہیں ہوتی یعنی کھانے کی زیادتی اور موت سے بے پرواہ ہو کر مقابلہ کرنا اور دیگر وہ چیزیں جو نفس کو طبیعت بےہمیہ کی طرف مائل کرتی ہیں، اور چاہئے کہ انسان اس چیز کا اپنے نفس پر تجربہ کرے اور چاہئے کہ وہ مطالعہ کرے اس کا جس کو اطباء نے ذکر کیا ہے تارک الدنیا را: یوں کی تدبیر کے سلسلہ میں جب ان کو نفس بےہمیہ کی طرف لوٹانے کا ارادہ کیا جائے۔

لغات:

مَصَانِدُ جَمْعُ مَصْنَعٍ، اِن کی جگہ یعنی کسی چیز کے ملنے کی اِتمالی جگہ..... الحارِخۃ: شکاری درندہ یا پرندہ یا کتا، جمع جوارح۔ ذلّٰلہ: ذلیل کرنا، تا..... غافسۃ: مزاولت کرنا، لینا، تعلق قائم کرنا..... الغفۃ: بصیرت کا فقدان عمد (ف)س: غفہ: تھیر ہونا، گمراہی میں بھٹکنا..... غامرہ مغامرة: موت سے بے پرواہ ہو کر لڑنا۔ تصحیح: وَأَخَذَتْ اَصْلَیْہِیْنَ فَاَخَذَتْ تہا، تصحیح مخطوطہ کراچی سے کی گئی ہے۔



طہارت کی دو قسمیں: صغریٰ اور کبریٰ

طہارت کے چار مراتب ہیں: پہلا ظاہر کو گندگیوں سے پاک کرنا۔ دوسرا: اعضاء کو گناہوں سے بچانا تیسرا: دل کو گندے اخلاق سے صاف کرنا چوتھا: دل سے غیر اللہ کا خیال نکال دینا۔ یہ مراتب نیچے سے اوپر کی طرف چڑھتے ہیں۔ آخری مرتبہ تک پہنچنے کے لئے ابتدائی مراحل سے گزرنا ضروری ہے یعنی سب سے پہلے ظاہر کی طہارت کا اہتمام ضروری ہے۔ اس کا باطن پر اثر پڑے گا تو اعضاء نا فرمانیوں سے احتراز کریں گے اور طاعات کا التزام کریں گے اور ظاہری اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کا بالضرور دل پر اثر پڑتا ہے پس دل اخلاق و رذیلہ سے پاک صاف ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ آدمی درجہ کمال تک پہنچ جائے گا یعنی دل ماسوی اللہ سے پاک ہو جائے گا یہی آخری درجہ مطلوب ہے، ابتدائی تین مراتب اس آخری درجہ تک پہنچنے کے لئے درجات (سُورِ حِیَال) ہیں۔ ان میں بھی سب سے پہلا اور بنیادی درجہ ظاہری پاکی کا ہے۔ کیونکہ اس کے اثرات سرسری نظر میں بھی نفس کے اندر محسوس کئے جاتے ہیں۔ اور ظاہری پاکی اس لائق ہے کہ اس کے بارے میں عام لوگوں کو احکام دیئے جائیں کیونکہ اس طہارت کا ذریعہ یعنی پانی دنیا کے آباؤ ملکوں میں ہر جگہ موجود ہے اور اس کا معاملہ عام لوگوں کے قابو میں بھی آسکتا ہے اور جس کے تمام پاکیزوں میں انسان کے باطن پر گہرے اثرات پڑتے ہیں اور جو لوگوں کے درمیان ایک مشہور مانی ہوئی پاکی ہے یعنی تمام لوگ پانی سے دھونے کو پاکی سمجھتے ہیں کیونکہ یہ ایک فطری طریقہ ہے یعنی پانی سے پاکی حاصل کرنا لوگوں کی فطرت میں داخل ہے۔ ان کی گھنٹی میں یہ بات پڑی ہوئی ہے۔

جائزہ لینے سے ایسی طہارت دو جہتوں میں منحصر ہے ایک طہارت کبریٰ دوسری طہارت صغریٰ:

① طہارت کبریٰ: پورا جسم پانی سے مل کر دھونے سے اعلیٰ درجہ کی پاکی حاصل ہوتی ہے کیونکہ پانی پاک کرنے والا اور نجاستوں کو دور کرنے والا ہے سلیم طبعیتوں نے پانی کی یہ تاثیر مانی ہی ہے، اس لئے طہارت کبریٰ نفس کو پاکیزگی کی حالت یا دلانے کا ایک اعلیٰ اور بہترین ذریعہ ہے۔

سوال: طہارت، حدث کی ضد ہے، اور آدمی ایک ضد سے کوہ کر دوسری ضد پر دفعہ کیسے پہنچ سکتا ہے؟ یعنی ابھی تو آدمی ناپاک تھا اور نہایت گندہ (نجاست کبریٰ میں مبتلا) تھا۔ اور نہاتے ہی ایک دم پاک ہو گیا اور اعلیٰ درجہ کا پاک و صاف ہو گیا یہ بات کیسے ممکن ہے؟

جواب: کبھی انتقالِ دفعی ہوتا ہے یعنی احوال یکبارگی بدلتے ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلی مثال: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی شراب پی کر مست ہو جاتا ہے، نشا اس پر ایسا چڑھ جاتا ہے کہ وہ پاگل سا ہو جاتا ہے، اُسے کوئی ہوش نہیں رہتا۔ اسی حالت میں بعض مرتبہ اس سے کوئی بڑی کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے مثلاً وہ کسی کو ناحق قتل

کروتا ہے یا اپنا کسی کا کوئی غایت درجہ نفس وقتی مال ضائع کر دیتا ہے تو کیا ایک اس کو ہوش آجاتا ہے۔ اس کا نفس چونکہ ہوجاتا ہے اور وہ ہر بات سمجھنے لگتا ہے اور اس کا سارا اندر ہرن ہوجاتا ہے۔ یہی انتقال ذہنی ہے۔

دوسری مثال: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نحیف و زار شخص جس میں نہ کسی کام کی طاقت ہوتی ہے نہ اٹھنے کی سکت ہوتی ہے۔ اتفاقاً اس کو ختب غصہ آجاتا ہے یا رگ حمیت پھڑک اٹھتی ہے یا مسابقت کی وجہ سے سوار ہوجاتی ہے تو وہ بڑے سے بڑا کارنامہ کرگدڑتا ہے یا دل ذہلانے والی خون ریزی کر بیٹھتا ہے۔ یہی یکبارگی انتقال ہے۔

غرض نفس میں فوری انتقال ہوتا ہے یعنی کبھی نفس کے احوال یکبارگی بدل جاتے ہیں وہ ایک حالت میں ہوتا ہے اور اس کو فوراً ہی دوسری حالت یاد آجاتی ہے اور اصلاح نفس کی بہترین صورت بھی یہی ہے کہ ایک دم آدمی بری زندگی سے نکل کر اچھی زندگی میں آجائے۔ تدریجاً اصلاح بھی ہوتی ہے مگر اس میں دیر لگتی ہے اور وہ کچھ بہت زیادہ مضبوط بھی نہیں ہوتی اور یک لحظہ جس کی حالت بدل جاتی ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اور ہزاروں کے متوطنین میں اس کی صد ہا مثالیں ہیں کہ اچانک زندگی کی کاپی لٹ گئی اور وہ دفعہ انسانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے پس اسی طرح طہارت کے معاملہ کو سمجھنا چاہئے کہ نہاتے ہی فوراً آدمی حدت اکبر سے نکل کر طہارت کبریٰ کا مقام پا لیتا ہے۔

مگر یہ بات یعنی فوری تبدیلی اسی چیز سے حاصل ہو سکتا ہے جس کے متعلق یہ اعتقاد دل میں بیٹھا ہوا ہو کہ اس سے اعلیٰ درجہ کی پاکی حاصل ہو سکتی ہے اور ایسی چیز صرف پانی ہے۔ مٹی ضرورت کے وقت اس کا قائم مقام ہے اس میں یہ شان نہیں ہے۔ کیونکہ قدرت نے پانی کو طہور (بذات خود پاک اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا) پیدا کیا ہے۔ سورۃ الفرقان آیات ۴۸، ۴۹ میں ہے کہ: ”وہ اللہ ایسا ہے کہ باران رحمت سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے کے لئے، بارانی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاک صاف کرنے والا پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعہ مردہ زمینوں میں جان ڈال دیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو میراب کریں۔“

مردہ زمینوں میں جان پڑنے کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ پانی پڑتے ہی مردہ زمینوں میں زندگی کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں ہنرہ زار بن جاتا ہے اور فن اعتبار سے یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ مردہ دل یعنی ناپاک لوگ جب پانی سے پاکی حاصل کرتے ہیں تو ان میں جان پڑ جاتی ہے۔ واللہ اعلم (آیت سے یہ استدلال شارح نے بڑھایا ہے)

② طہارت صغریٰ: صرف اطراف بدن (سر، منہ، ہاتھ اور پاؤں) کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اطراف پر اکتفا کرنے کی دو وجہیں ہیں:

پہلی وجہ: دنیا کے تمام آباد خطوں میں لوگ عموماً ان اعضاء کو کھلا رکھتے ہیں، کپڑوں میں نہیں چھپاتے۔ یہی ان کا فطری طریقہ زندگی ہے اور حدیث شریف میں جو انفصالِ صماء کی ممانعت آئی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے۔

صَّمَاء، اَصَم کا مؤنث ہے جس کے معنی ہیں ٹھوس، سخت، مضبوط۔ اور اشتمال کے معنی ہیں سارے جسم پر کپڑا لپیٹنا اور اشتمال صماء کے معنی ہیں: چادر اس طرح اوڑھنا کہ ہاتھ اندر دب جائیں اور یہ ممنوع اس لئے ہے کہ بوقت حاجت ہاتھوں سے کام نہیں لیا جاسکے گا۔ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ لوگ عموماً ہاتھ کھلے رکھتے ہیں تاکہ بوقت حاجت ان سے فوراً کام لیا جاسکے۔ یہی معاملہ بیروں کا اور چہرہ کا ہے۔

غرض اطراف جسم چونکہ عام طور پر کھلے رہتے ہیں اس لئے ان کو وضو میں بار بار دھونے میں کوئی حرج اور تنگی نہیں ہے اور باقی جسم چونکہ کپڑوں میں مستور رہتا ہے، اس لئے بار بار ہر کس و ناکس کے سامنے ان کو کھولنے میں اور دھونے میں حرج ہے۔

دوسری وجہ: شہری تمدن میں، جو ترقی یافتہ تمدن ہے، روزانہ اطراف بدن (ہاتھ، منہ اور پاؤں) کو دھونے کا عام رواج اور عادت ہے، اسی طرح جب لوگ سلاطین و حکام کے پاس جاتے ہیں تو بھی ان اعضاء کو دھویا کرتے ہیں نیز جب لوگ کوئی پاکیزہ کام مثلاً کھانا یا کوئی مقدس چیز لینے کا ارادہ کرتے ہیں تب بھی وہ اطراف کو دھوتے ہیں، سارا بدن نہیں دھوتے۔ غرض ان دو وجوہ سے طہارت صغریٰ میں اطراف بدن کے دھونے پر اکتفا کی گئی ہے، سارا بدن یا چھپے اعضاء کو دھونا ضروری قرار نہیں دیا گیا۔

گہری وجوہ: اوپر طہارت صغریٰ میں اطراف بدن کے دھونے پر اکتفا کرنے کی جو دو وجوہیں بیان کی گئی ہیں وہ عام فہم اور سرسری وجوہ ہیں۔ اب اس کی گہری وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ اور وہ بھی دو ہیں:

پہلی وجہ: اطراف جسم چونکہ عموماً کھلے رہتے ہیں اس لئے بہت جلد ان پر گرد و غبار جم جاتی ہے اور یہی اعضاء باہمی ملاقات کے وقت دیکھے جاتے ہیں اس لئے ان کا گرد و غبار میں اٹا پٹا رہنا مناسب نہیں۔ ان کو دھو کر صاف رکھنا چاہئے تاکہ آدمی اچھا نظر آئے اور دوسرے شخص کو دیکھنے سے تکدر نہ ہو۔

دوسری وجہ: تجربہ شائد ہے کہ اطراف دھونے سے اور چہرے اور سر پر پانی چھڑکنے سے نیند بالکل اڑ جاتی ہے اور گہری بے ہوشی بھی دور ہو جاتی ہے۔ اس بات کو ہر شخص اپنے ذاتی علم و تجربہ سے جان سکتا ہے اور طب کی کتابوں کے مطالعہ سے بھی یہ بات آشکارہ ہے اطباء نے بے ہوشی، اسہال کی زیادتی اور فصد کا خون زیادہ بہنے کا علاج تھریڈ تجویز کیا ہے، جو اطراف پر پانی چھڑکنے سے حاصل ہوتی ہے۔ غرض نماز سے پہلے وضو اسی لئے ضروری ہوا ہے کہ آدمی میں نشاط پیدا ہو جائے، نیند، کسل اور سستی دور ہو جائے اور آدمی توجہ قلبی سے عبادت کرے۔

والطهارة: التي يُحَسُّ أَثَرُهَا بِأَدَى الرَّأْيِ، وَالتِّي يَلِيْقُ أَنْ يُخَاطَبَ بِهَا جَمَهُورُ النَّاسِ، لِكثَرَةِ وَجُودِ آثِنِهَا فِي الْأَقَالِيمِ الْمَعْمُورَةِ، أَعْنَى الْمَاءِ، وَانضِبَاطِ أَمْرِهَا، وَالتِّي هِيَ أَوْقَعُ الطَّهَارَاتِ فِي نَفْسِ الْبَشَرِ، وَكَالْمَسْلَمَاتِ الْمَشْهُورَةِ بَيْنَهُمْ، مَعَ كَوْنِهَا كَالْمَذْهَبِ الطَّبِيعِيِّ، تَنْحَصِرُ

بالاستقراء فی جنسین: صغری و کبریٰ

أما الکبریٰ: فتعمیم البدن بالغسل والدلك، إذ الماء طهور، مزیل للنجاسات، قد سلّمت الطبائع منه ذلك، فبھی آلة صالحة لتنبيه النفس علی خلة الطهارة.

ورب إنسان شرب الخمر وثمل، وغلب السكر علی طبیعته، ثم فرط منه شیء: من قتل بغير حق، أو إضاعة مال فی غایة النفاسة، فتنبهت نفسه دفعة، وعقّلت، وكُشفت عنها الثمالة؛ ورب إنسان ضعیف لا یستطیع أن ینھض، ولا أن یشیر شیئا، فاتفقت واقعة تنبیه النفس تنبیهها قویا: من عروض غضب، أو حمیة، أو منافسة، فعالج معالجه شديدة، وسلك سلكا بلیغا.

وبالجملة: فللنفس انتقال دفعی، وتنبه من خصلة إلى خصلة؛ هو العمدة فی المعالجات النفسانية؛ وإنما یحصل هذا التنبه بما رُکز فی صمیم طبائعهم وجذر نفوسهم: أنه طهارة بلیغة، وما ذلك إلا الماء.

والصغری: الاقتصار علی غسل الأطراف، وذلك: لأنها مواضع جرت العادة فی الأقالیم الصالحة بانكشافها وخروجها من اللباس، لمذهب طبعی، إلیه وقعت الإشارة حیث نهی النبى صلی الله علیه وسلم عن اشتغال الصّماء، فلا یتحقق حرج فی غسلها، ولیس ذلك فی سائر الأعضاء.

وأیضا: جرت العادة فی أهل الحضر بتنظيفها کلّ یوم، وعند الدخول علی الملوك وأشباههم، وعند قصد الأعمال النظيفة.

وفقه ذلك: أنها ظاهرة، تسرعُ إلیها الأوساخ، وهی التی تُرى وتبصر عند ملاقة الناس: بعضهم ببعض.

وأیضا: التجربة شاهدة بأن غسل الأطراف، ورش الماء علی الوجه والرأس ینبّه النفس من نحو النوم والغشی المُثقل تنبیهها قویا؛ ولیرجع الإنسان فی ذلك إلی ما عنده من التجربة والعلم، وإلی ما أمر به الأطباء فی تدبیر من غشی علیه، أو فرط به الإسهال والقيء.

ترجمہ: اور وہ پاکی جس کا اثر سرسری نظر میں محسوس کیا جاتا ہے اور جو اس لائق ہے کہ عام لوگوں کو اس کے احکام دیئے جائیں، یا دھتوں میں آلہ طہارت کے بکثرت پائے جانے کی وجہ سے (آلہ طہارت سے) میری مراد پانی ہے اور طہارت کے معاملہ کے مضبوط ہونے کی وجہ سے (یعنی اس کا معاملہ عام لوگوں کے قابو میں آسکتا ہے اور وہ بہ سہولت اس پر عمل کر سکتے ہیں) اور وہ طہارت جو انسانوں کے نفوس میں تمام طہارتوں سے زیادہ موثر ہے، اور لوگوں کے

درمیان مسلمات مشہورہ کی طرح (رائج) ہے، اس کے فطری طریقہ جیسا ہونے کی وجہ سے (یعنی یہ امر صورت نوعیہ میں تو چھپا یا نہیں گیا، مگر کثرت مزاولت سے فطری امر جیسا ہو گیا ہے) استقرار سے ایسی طہارت دو جنسوں میں منحصر ہے ایک صغریٰ دوسری کبریٰ۔

رہی کبریٰ: تو وہ سارے بدن کو دھونا اور ملنا ہے، کیونکہ پانی پاک، صاف کرنے والا اور نجاستوں کو زائل کرنے والا ہے۔ تمام طبیعتوں نے پانی کی یہ تاثیر مان لی ہے۔ پس طہارت کبریٰ بہترین ذریعہ ہے نفس کو خصلت طہارت سے آگاہ کرنے کا۔

(سوال مقدر کا جواب) اور بعضاً آدمی شراب پیتا ہے اور مدہوش ہو جاتا ہے اور نہ اس کی طبیعت پر چھا جاتا ہے پھر اس سے کوئی بڑی کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے یعنی کسی کو ناحق قتل کرتا ہے یا کوئی غایت درجہ نفیس مال ضائع کرتا ہے تو یکا یک اس کا نفس چونکا ہو جاتا ہے اور وہ بات سمجھنے لگتا ہے اور اس کا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ اور بعضاً انسان ضعیف ہوتا ہے، اٹھنے کی بھی اس میں سکت نہیں ہوتی اور نہ کسی کام کے کرنے کی اس میں طاقت ہوتی ہے پس اتفاقاً کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو اس کے نفس کو بہت ہی زیادہ چھنجوڑ دیتا ہے یعنی غصہ کا پیش آنا، یا حمیت یا منافست، پس وہ بڑے سے بڑا کارنامہ کر گزرتا ہے اور دل و دلانے والی خون ریزی کر ڈالتا ہے۔

اور حاصل کلام: پس نفس کے لئے ذہنی (فوری) انتقال ہے اور ایک خصلت سے دوسری خصلت کی طرف چونکا ہونا ہے۔ (اور) وہ (فوری انتقال) معالجات نفسانیہ (اصلاح نفس) میں نہایت قابل اعتنا چیز ہے۔ اور یہ آگہی اسی چیز سے حاصل ہو سکتی ہے جو لوگوں کی طبیعتوں کی اصل میں اور ان کے نفوس کی جڑ میں گڑی ہوئی ہو کہ وہ انتہائی درجہ کی طہارت ہے اور اس قسم کی چیز پانی ہی ہے۔

اور طہارت صغریٰ: اطراف کے دھونے پر اکتفا کرتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اطراف ایسی جگہیں ہیں جن کے کھلا رہنے کی اور لباس سے باہر رہنے کی قابل رہائش ملکوں میں عادت چل رہی ہے، فطری راہ ہونے کی وجہ سے (اور) اسی کی طرف اشارہ آیا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح چادر اوڑھنے سے منع کیا ہے کہ ہاتھ اندر دب جائیں (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، کتاب اللباس، حدیث نمبر ۴۳۱۵) پس کوئی حرج تحقیق نہیں ہے اطراف کے دھونے میں اور یہ بات دیگر اعضاء میں نہیں ہے۔

اور نیز: شہریوں میں ان کو پاک صاف کرنے کی عادت چل رہی ہے روزانہ اور بادشاہوں اور ان کے مانند لوگوں کے پاس جاتے وقت اور سترے کاموں کا ارادہ کرتے وقت۔

اور اس کی گہری حکمت: یہ ہے کہ اطراف کھلے رہتے ہیں ان کی طرف میل پیکل جلدی پہنچتا ہے اور اطراف ہی وہ اعضاء ہیں جو دیکھے جاتے ہیں اور نظر آتے ہیں لوگوں کے ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت۔

اور نیز: تجربہ شہاد ہے کہ اطراف کا دھونا اور چہرے اور سر پر پانی کا چھڑکنا نفس کو چمکاتا ہے، نیند اور گہری بیہوشی جیسی چیزوں سے بہت زیادہ چمکنا کرنا اور چاہئے کہ انسان لوٹے اس سلسلہ میں اس علم و تجربہ کی طرف جو اس کو حاصل ہے اور اس بات کی طرف جس کا اطباء نے حکم دیا ہے اس شخص کے علاج میں جس پر بے ہوشی طاری ہوئی ہو یا اس کو بہت زیادہ اسہال ہونے لگے ہوں یا رگ پر نشتر لگانے سے بہت زیادہ خون آنے لگا ہو۔



طہارت کے فوائد

جس طرح بعض جزی بوٹیوں میں، بعض ادویہ میں، اور بعض کائناتی چیزوں میں متعدد اوصاف و خواص ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بعض احکام میں متعدد اسرار و رموز ہیں۔ طہارت میں بھی گونا گوں فوائد ہیں۔ ذیل میں ان میں سے آٹھ فوائد ذکر کئے جاتے ہیں:

پہلا فائدہ: طہارت ایک فطری امر ہے۔ کیونکہ وہ ارتفاق طافی یعنی ترقی یافتہ تمدن (شہری تمدن) کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ تفصیل بحث سوم کے باب سوم میں گذر چکی ہے۔ اور ارتقاقات کی رعایت پر کمال انسانی کا دار و مدار ہے۔ کیونکہ وہ انسانی فطرت کا جز بن چکے ہیں۔ اس لئے ارتقاقات کے دیگر امور کی طرح طہارت کا بھی التزام ضروری ہے۔

دوسرا فائدہ: طہارت ملائکہ سے قریب کرنے والی اور شیاطین سے دور کرنے والی ایک صفت ہے اور انسان کی معراج کمال یہ ہے کہ وہ ملائکہ میں شامل ہو جائے اور شیاطین سے دور ہو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ملائکہ پاک مخلوق ہیں، وہ پاک کا اہتمام کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ کد ہم جنس با ہم جنس پر داز!

تیسرا فائدہ: طہارت عذاب قبر کو ہٹاتی ہے حدیث شریف میں ہے کہ: پیہ شاب سے بچو، کیونکہ قبر کا عذاب بیشتر اس کی وجہ سے ہوتا ہے، (یہ حدیث صحیح ہے، اس کی تخریج نصب الرایہ: ۱۲۸ میں ہے)

چوتھا فائدہ: صفت احسان پیدا کرنے میں طہارت کا بڑا دخل ہے۔ احسان کے معنی کی پوری وضاحت تو ”ابواب الاحسان“ میں آئے گی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اعمال کی اصل غرض تک پہنچنے کا نام ”احسان“ ہے اور اعمال سے اصل مطلوب تقرب الہی ہے جب آدمی پ نیت اطاعت ظاہری و باطنی نظافت کا اہتمام کرتا ہے تو وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے یعنی اس کو قرب خاص حاصل ہو جاتا ہے۔ سورۃ التوبہ آیت ۱۰۸ میں ہے: ”اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند فرماتے ہیں“ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ طہارت کے اہتمام کی وجہ سے محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ پس جس صفت سے انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بننے کا شرف حاصل ہو، اس صفت کے ساتھ متصرف رہنا لازم ہے۔

پانچواں فائدہ: طہارت (وضو و غسل) کی وجہ سے نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور گناہ منائے جاتے ہیں۔ متعدد احادیث میں اس کا تذکرہ آیا ہے کیونکہ جب صفت طہارت نفس میں راسخ ہو جاتی ہے یعنی ملکہ اور فطرت ثانیہ بن جاتی ہے تو نفس میں لکھوتی انوار کا ایک بڑا حصہ بظہر جاتا ہے اور مقہور ہو جاتا ہے یہی نیکیاں ہیں اور بحیثیت کی تاریکی کا بڑا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے یعنی وب جاتا ہے، یہی گناہوں کا مٹانا ہے۔

چھٹا فائدہ: نیک بنتی حاصل کرنے میں جو تین چیزیں سہ راہ بنتی ہیں ان میں سے ایک ”ریت رواج کا حجاب“ ہے، جس کا دوسرا نام ”حجاب دنیا“ ہے۔ بحث رابع کے باب ششم میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے جب طہارت کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کو ایک مسلمہ طریقہ بنا لیا جاتا ہے تو وہ دنیا میں انہماک سے بچاتی ہے۔ وضو کو جو مومن کا ہتھیار کہا گیا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ دنیا میں انہماک سے بچاتا ہے، اور تذکرہ کا ذریعہ بنتا ہے۔

ساتواں فائدہ: نیک بنتی حاصل کرنے کے حجابات ثلاثہ میں سے ایک جہالت و بد عقیدگی کا حجاب بھی ہے۔ اس کی تفصیل بھی بحث چہارم کے باب ششم میں گزر چکی ہے۔ جب طہارت میں تین باتیں پائی جاتی ہیں تو وہ سوہ معرفت یعنی اللہ کے بارے میں جہالت اور بد عقیدگی کا علاج بنتی ہے: ایک: پورے اہتمام سے وضو و غسل کرنا جس طرح لوگ دربار شاہی میں جب کسی غرض سے جاتے ہیں تو پورے اہتمام سے غسل کرتے ہیں یا ہاتھ، منہ اور پاؤں دھوتے ہیں اور لباس درست کرتے ہیں اور خوب پاک صاف ہو کر اور بن سنور کر جاتے ہیں، اسی طرح عبادات کے لئے آدمی پورے اہتمام سے طہارت حاصل کرے۔ دوم: طہارت حاصل کرتے وقت شروع سے آخر تک نیت طہارت کا متحضر رہنا۔ سوم: طہارت کے اذکار کا اہتمام کرنا۔ اگر یہ تینوں باتیں طہارت میں ملحوظ رہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہوگی اور عظمت و اعتقاد پیدا ہوگا۔

آٹھواں فائدہ: نیک بنتی حاصل کرنے کے موانع ثلاثہ میں سے ایک حجاب طبع یعنی نفس کا حجاب بھی ہے اس کی تفصیل بھی تجوید بالا مقام میں گزر چکی ہے طہارت کے اہتمام سے طبیعت عقل کے تابع ہو جاتی ہے یعنی حجاب نفس دور ہوتا ہے کیونکہ جب انسان یہ بات اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ طہارت انسان کا کمال ہے اور وہ اعضاء کو اس عقیدہ کے مطابق شقت میں ڈالتا ہے یعنی وضو و غسل کرتا ہے اور اس میں کوئی غرض شامل نہیں ہوتی ہے مثلاً کھیت سے آیا ہے۔ اعضاء گرد سے اٹے پئے ہیں اس لئے دھوتا ہے۔ یہ بات نہ ہو، بلکہ کمال انسانی کی تحصیل کی غرض سے طہارت حاصل کرے اور زندگی میں یہ عمل مسلسل جاری رکھے، تو یہ چیز ترین (Best) ہو جاتی ہے نفس کو عقل کے تابع کرنے کی۔ اور اس عمل سے نفس قابو میں آ جاتا ہے۔

والطہارة : باب من ابواب الإرتفاع الثانی، الذی بتوفف کمال الإنسان علیہ، وصار من جبلتهم؛ وفيها أقرب من الملائكة، وبعُد من الشيطان؛ وتَدْفَعُ عذاب القبر، وهو قوله صلى الله

باب — ۹

نماز کے اسرار کا بیان

انواع بڑ (نیکی کے کاموں) میں نماز کا بھی اہم مقام ہے۔ وہ دین کا ستون ہے اور باجماعت نماز تو شعائر دین میں سے ہے۔ طہارت کی حکمتوں سے فارغ ہو کر اب نماز کی حکمتیں بیان فرماتے ہیں۔

نماز کے تعلق سے انسانوں کی تین قسمیں

طہارت کی طرح نماز کے تعلق سے بھی انسانوں کی تین قسمیں اور درجے ہیں:

پہلا درجہ: تو نیک خداوندی بعض انسانوں کو اپنی مقدس بارگاہ کی طرف بلانے کرتی ہے یعنی بغیر کسی کسب و استحقاق کے ان کو نعت و بلندی سے سرفراز کرتی ہے۔ اس وقت ان کو پوری طرح وصال خداوندی نصیب ہوتا ہے اور بارگاہ عالی سے ان پر تجلیات برسی شروع ہوتی ہیں اور ان کے نفوس پر انوار الہی چھا جاتے ہیں تو وہ ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جن کے بیان سے زبان قلم قاصر ہے۔

پھر جب وہ حالت زائل ہو جاتی ہے اور آدمی اپنی سابق حالت کی طرف لوٹ آتا ہے تو پہلی حالت کے فوت ہو جانے سے آدمی کا چین ختم ہو جاتا ہے اور وہ سخت بے قرار ہوتا ہے تو وہ اپنی بے قراری کا مداوا ایک ایسی حالت سے کرتا ہے جو فحش احوال میں اس برتر حالت سے اقرب ہوتی ہے یعنی نفس خالق جل مجدہ کی معرفت میں مستغرق ہو جائے اور آدمی اس حالت کو دام بنا کر اس برتر حالت کا کچھ حصہ حاصل کر لے جو اس کے ہاتھ سے فوت ہو گئی ہے۔ اسی حالت کا نام نماز ہے۔ نماز تین چیزوں کا مجموعہ ہے: ایسے اقوال و افعال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانا، خشوع و خضوع کا اظہار کرنا اور مناجات و سرگوشی کرنا جو خاص اسی مقصد کے لئے موضوع ہیں الغرض یہ حضرات وصال حبیب کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو خیال حبیب کو اس کا قائم مقام بنالیتے ہیں اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نماز میں ملتی ہے۔

دوسرا درجہ: اس شخص کا ہے جس کو مہتر صادق یعنی انبیاء اس حالت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس حالت کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تو وہ شخص شہادت قلبی سے مہتر صادق کی یہ دعوت مان لیتا ہے یعنی اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ بتانے والا اس کے لئے مفید بات بتا رہا ہے اس لئے وہ عمل شروع کر دیتا ہے اور وہ سب باتیں برحق پاتا ہے جن کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ رفتہ رفتہ ترقی کر کے وہ بات پالیتا ہے جس کی وہ امید باندھے ہوئے ہے یعنی بالآخر اس کو بھی وصل حبیب کی دولت میسر آ جاتی ہے۔

تیسرا درجہ: اس شخص کا ہے جو نماز کے کچھ بھی فوائد نہیں جانتا مگر چونکہ وہ مؤمن ہے اس لئے دین کے تقاضوں کی

تکمیل کے طور پر نماز پڑھنا رہتا ہے تو وہ بھی بالآخر محروم نہیں رہتا، جیسے باپ اولاد کو، ان کی نگرانی کے باوجود، مفید کاریگریاں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے تو بالآخر وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔

﴿باب: أسرار الصلاة﴾

اعلم: أن الإنسان قد يُخْطَفُ إلى الحظيرة المقدسة، فَيُنْصَقَ بِجَنَابِ اللَّهِ تَعَالَى أَمَّمُ لُصُوقٍ، وَيُنْزَلُ عَلَيْهِ مِنْ هُنَالِكَ التَّجَلِيَّاتِ الْمُقَدَّسَةِ، فَيَتَغَلَّبُ عَلَى النَّفْسِ، وَيَشَاهِدُ هُنَالِكَ مَا لَا يَقْدِرُ الْبَشَرُ عَلَى وَصْفِهِ، ثُمَّ يُرَدُّ إِلَى حَيْثُ كَانَ، فَلَا يَقْرُبُهُ الْقَرَارُ، فَيُعَالِجُ نَفْسَهُ بِحَالَةٍ هِيَ أَقْرَبُ الْحَالَاتِ السُّفْلِيَّةِ: مِنْ اسْتِعْزَاقِ النَّفْسِ فِي مَعْرِفَةِ بَارِئِهَا؛ وَتَخِذُّهَا شُرَكَاءَ لَا تَقْتَنِصُ مَا فَاتَهَا مِنْهَا؛ وَتِلْكَ الْحَالَةُ هِيَ التَّعْظِيمُ وَالْخُضُوعُ وَالْمُنَاجَاةُ فِي ضَمَنِ أَعْمَالٍ وَأَقْوَالٍ بُنِيَتْ لَذَلِكَ. وَيَتَلَوُّهُ: رَجُلٌ سَمِعَ الْمُخْبِرَ الصَّادِقَ يَدْعُوهُ إِلَى هَذِهِ الْحَالَةِ، وَيَرْغَبُ فِيهَا، فَصَدَّقَهُ بِشَهَادَةِ قَلْبِهِ، ففعل، ووجد ما وعد به حقًا، وارتقى إلى ما يريه. ثُمَّ يَتَلَوُّهُ: رَجُلٌ الْأَحْيَاءُ الْأَنْبِيَاءُ إِلَى الصَّلَوَاتِ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ، بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ يَحْسِبُ أَوْلَادَهُ عَلَى تَعْلِيمِ الصَّنَاعَاتِ النَافِعَةِ وَهُوَ كَارِهُونَ.

ترجمہ: نماز کے اسرار کا بیان: جان لیں کہ انسان کبھی مقدس بارگاہ کی طرف اپک لیا جاتا ہے۔ پس وہ پوری طرح سے اللہ کی بارگاہ کے ساتھ چپک جاتا ہے اور اس پر وہاں سے تجلیات مقدسہ نازل ہوتی ہیں، پس وہ نفس پر چھا جاتی ہیں اور وہاں انسان ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کے بیان سے زبان قاصر ہے، پھر وہ اس جگہ کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جہاں وہ تھا۔ پس اس کو اس مقام میں سکون و قرار نہیں رہتا پس وہ اپنا علاج کرتا ہے ایک ایسی حالت سے جو نچلے احوال میں سے اس برتر حالت سے قریب تر ہوتی ہے یعنی نفس کا اپنے خالق جل مجدہ کو پہچاننے میں ڈوب جانا اور وہ شخص اس (سُفلی حالت) کو جال بناتا ہے اس چیز کو شکار کرنے کیلئے جو اس (برتر) حالت میں سے اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور وہ (سُفلی) حالت ایسے اقوال و افعال کے ضمن میں (خالق کی) تعظیم و خضوع و مناجات ہے جو اسی مقصد کے لئے بنائے گئے ہیں۔

اور اس متصلہ شخص ہے جس نے مخبر صادق سے سنا جو اس کو اس حالت کی طرف بلاتا ہے اور اس کی ترغیب دیتا ہے، پس وہ شہادت قلبی سے اس مخبر کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے بتلائے ہوئے طریقہ پر عمل کرتا ہے اور وہ اس چیز کو حرق پاتا ہے جس کا اس مخبر نے (نماز پر) وعدہ کیا ہے اور وہ اس نماز کے ذریعہ اس چیز کی طرف ترقی کرتا ہے جس کی اس نے امید باندھی ہے۔ پھر اس کے بعد اٹھنٹھ کا مقام ہے جسے انبیاء نے نمازوں کی طرف مجبور کیا ہے، ورنہ ایسا کہ وہ (نماز کے فوائد) نہیں جانتا ہے، جس طرح باپ اپنی اولاد کو روکتا ہے مفید کاریگریوں کے سیکھنے پر، ورنہ ایسا کہ بچہ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔



نماز کا ایک اہم فائدہ

نماز کا ایک اہم فائدہ دنیا میں یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ پریشانیوں کا ازالہ کیا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعہ نعمتیں حاصل کی جاسکتی ہیں مثلاً جب کوئی بڑی پریشانی لاحق ہو، جیسے قحط سالی، آمدگی یا اولے بارش کا طوفان آنے تو نماز سے مدد حاصل کرنی چاہئے، ایسے وقت میں نماز سرایا دعا بن جاتی ہے۔ کیونکہ نماز ایسے اقوال و افعال کا مجموعہ ہے جو آخری درجہ کی تعظیم ہیں اور نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تام ہوتی ہے جو درحقیقت دعا کی روح ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالْفُلْوَ﴾ (البقرہ ۱۵۳) یعنی صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو، اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے پس نماز پڑھنے والوں کے ساتھ توجہ بدرجہ اولیٰ ہوگی اور حدیث شریف میں ہے ﴿إِذَا خَلَتْكَ أَمْرٌ فَهَلِّ بِهٖ﴾ (رواہ ابوداؤد) یعنی جب کوئی اہم بات پیش آتی تو آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جائے (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الطلوع حدیث نمبر ۱۳۲۵) صلاۃ الخلیج، صلاۃ التوجہ، صلاۃ الاستخارہ اور صلاۃ الاستسقاء کی مشروعیت کی وجہ بھی یہی ہے۔ غرض باب کے آخر میں جو نماز کے فوائد آ رہے ہیں وہ تو ہیں ہی، بیان کے علاوہ ایک اہم فائدہ ہے یعنی نماز بہت سی دنیوی الجھنوں کا حل ہے۔

وَرَبِّمَا يَسْأَلُ الْإِنْسَانُ مَنْ رَبِّهِ دَفْعَ بَلَاءٍ أَوْ ظَهْرَ نِعْمَةٍ، فَيَكُونُ الْأَقْرَبُ حِينَئِذٍ الْإِسْتِغْرَاقُ فِي أَفْعَالٍ وَأَقْوَالٍ تَعْظِيمِيَّةٍ لِّتُرْتَضَىٰ هِمَّتُهُ الَّتِي هِيَ رُوحُ السُّؤَالِ؛ وَذَلِكَ مَا سَبَّحْنَا مِنْ صَلَاةِ الْإِسْتِسْقَاءِ.

ترجمہ: اور کبھی انسان اپنے رب سے درخواست کرتا ہے کسی مصیبت کے رفع ہونے کی یا کسی نعمت کے ظاہر ہونے کی تو اس وقت قریب تر چیز تعظیمی اقوال و افعال میں ڈوب جاتا ہے، تاکہ اس کی کامل توجہ، جو کہ روح سوال ہے، اثر انداز ہو اور یہی وہ نماز استسقاء ہے جو شروع کی گئی ہے (حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مطلب خیر ترجمہ کیا ہے کہ جب آدمی اپنے پروردگار سے کسی مصیبت کے رفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے، اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ تعظیمی افعال اور اقوال میں مستغرق ہو جائے، تاکہ اس کی ہمت (کامل توجہ) کا جو کہ اس درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے) (ادکام اسلام قتل کی نظر میں صفحہ ۸۲)



نماز کی ہیئت ترکیبی کا بیان

نماز میں بنیادی باتیں تین ہیں:

۱- جب بندہ اللہ کی عظمت و جلال کو ملاحظہ کرے تو اس کے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہو یعنی جب بندہ نماز کیلئے کھڑا ہو تو اس کا دل عاجزی اور نیاز مند سی لہر یز ہو جائے، کیونکہ قطعاً، انصرع اور تمسک ہی نماز کی حقیقت ہے (دیکھئے ترمذی ۵۱۱۱)

۲- زبان اللہ تعالیٰ کی عظمت کو اور دل کے خشوع و خضوع کو بہترین الفاظ سے تعبیر کرتے۔ قراءات فاتحہ اور اذکار و تنبیہات کو نماز میں اسی مقصد سے رکھا گیا ہے۔

۳- اپنے اعضاء کو اس خشوع کے مطابق مہذب بنا لیا جائے یعنی باادب کھڑا رہے، آداب کی پوری رعایت کے ساتھ رکوع و سجود کرے۔

دلیل: کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کا شکر یہ انہیں طریقوں سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ ایک شاعر اپنے منعم مجازی کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتا ہے:

تمہاری نعمتوں نے میری تین چیزیں تمہارے حوالے کر دیں
میرا ہاتھ، میری زبان اور سینہ میں پوشیدہ دل

یعنی اعضاء، نیاز مند و اطاعت شعار ہیں، زبان ثنا خواں ہے اور دل آپ کی نعمتوں کا قدرداں ہے۔ جب منعم مجازی کے سامنے ممنون احسان کا یہ حال ہے تو منعم حقیقی کے سامنے بندہ کا یہ حال کیوں نہ ہو!

تعمیمی افعال کا بیان: نماز میں جو تین چیزیں ہیں ان میں سے پہلی دو تو واضح ہیں، ان کی تفصیل کی حاجت نہیں۔ البتہ تیسری چیز کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔ پس جانا چاہئے کہ افعال تعظیمیہ درجہ بدرجہ تین ہیں: قیام، رکوع اور سجدہ۔ سب سے پہلے آدمی کو راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لئے باادب کھڑا ہونا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف منہ کر کے پوری طرح متوجہ ہونا چاہئے۔ تعظیم کا یہ سب سے پہلا درجہ ہے۔ پھر اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذلت و پستی کا احساس کرے اور اللہ تعالیٰ کی عزت و برتری کا تصور کرے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔ یہ فعل تعظیم میں پہلے فعل سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ تمام انسانوں اور جانوروں کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ گردن افرازی تکبر کی نشانی ہے اور گردن اگلاؤنگی نیاز مندی اور عاجزی کی علامت ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

إِنْ نَشَأْ نُفِزْهُمْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً ۖ أَكْرِمُ مَا حَيُّوا ۖ تَوَّانَ (مکین) پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل
فَقُلْتُ أَغْنَاهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ (الشعراء) کر دیں، پس انکی گردنیں اس نشانی کے سامنے پست ہو جائیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ گردن کا جھکانا مفاد ہونے کی علامت ہے۔ اور فعل تعظیمی کا آخری درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خاک آلود کر دے، جو کہ افضل ترین عضو ہے اور جس میں تمام حواس جمع ہیں، سننے، دیکھنے، سو گھسنے، چمکنے اور چھونے کی صلاحیتوں کا چہرہ منجم ہے۔ ایسے اشرف عضو کو کسی تعظیم کے لئے زمین پر رکھ دینا تعظیم کا آخری درجہ ہے۔

غرض تعظیم کی یہ تین صورتیں تمام انسانوں میں جانی پہچانی ہوئی ہیں۔ لوگ اپنی عبادتوں میں بھی ان کا استعمال کرتے ہیں اور جب بادشاہوں اور امراء کے سامنے جاتے ہیں تو بھی یہی طریقے اختیار کرتے ہیں، اس لئے نماز میں یہ تین باتیں اکٹھا کی گئی ہیں۔ اور ان میں ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو، پہلے قیام ہو،

پھر رکوع، پھر سجدہ کیا جائے تاکہ دم بہ دم، بتدریج، خشوع و خضوع اور اپنی ذلت کا احساس بڑھتا جائے۔ اگر نماز میں صرف آخری درجہ کی تعظیم یعنی سجدہ رکھا جائے تو اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اترا جائے گا تو ترقی کا یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

فائدہ: نماز کے افعال میں قعدہ بھی ہے مگر اس کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ اصلی فعل نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر رکعت کے آخر میں شروع نہیں ہے، جبکہ ہر رکعت ایک مستقل نماز ہے اور دو رکعتیں شفع (دوگانہ یعنی دو کی جوڑی) ہے۔ تفصیل حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی توثیق الکام میں ہے، جس کی میں نے شرح بنام: ”کیا سختی پر فاتحہ واجب ہے؟“ لکھی ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

قعدہ نماز سے سہولت نکلنے کے لئے رکھا گیا ہے۔ کیونکہ نماز کے آخری فعل سجدے میں نماز سے نکلنے میں دشواری ہے، اس لئے آدمی سجدہ سے فارغ ہو کر باطمینان پیٹھ جاتا ہے اور توفیق عبادت پر حمد کرتا ہے۔ پھر معلم عبادت پر درود بھیجتا ہے، پھر اپنے لئے کچھ مانگ کر نماز سے نکل آتا ہے۔

وأصل الصلاة ثلاثة أشياء: أن يخضع القلب عند ملاحظة جلال الله وعظمته، ويغير اللسان عن تلك العظمة وذلك الخضوع أفصح عبارة، وأن يؤدب الجوارح حسب ذلك الخضوع؛ قال القائل: أفادتكم النعماء منى ثلاثة يدي ولساني والضمير المحجبا ومن الأعمال التعظيمية أن يقوم بين يديه مناجيا، ويقبل عليه واجهاً، وأشد من ذلك: أن يستشعر ذلّه وعِزّة ربه، فينكس رأسه، إذ من الأمر المجبول في قاطبة البشر والبهائم: أن رفع العنق آية التيه والتكبر، وتنكيسه آية الخضوع والإخبات، وهو قوله تعالى: ﴿فَطَلَّ أَعْنَاقَهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ﴾؛ وأشد من ذلك: أن يُعَقِّرَ وَجْهَهُ الذي هو أشرف أعضائه ومَجْمَعُ حواسه بين يديه. فتلكت التعظيمات الثلاث الفعلية شائعة في طوائف البشر، لايزالون يفعلونها في صلواتهم، وعند ملوكهم وأمرائهم؛ وأحسن الصلاة: ما كان جامعاً بين الأوضاع الثلاثة، مترقياً من الأدنى إلى الأعلى، ليحصل الترقى في استشعار الخضوع والتذلل؛ وفي الترقى من الفائدة ما ليس في أفراد التعظيم الأقصى، ولا في الانحطاط من الأعلى إلى الأدنى.

ترجمہ: اور نماز میں اصلی امور تین ہیں: (ایک) یہ کہ دل عاجزی کرے اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت کا تصور کر کے (دوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت کو اور اپنی اس خاکساری کو بہترین الفاظ سے تعبیر کرے (سوم) یہ کہ اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضا کو شائستہ بنایا جائے (چنانچہ اس سلسلہ میں) کسی کا شعر ہے۔

فائدہ پہنچایا تم کو نعمتوں نے میری تین چیزوں کا میرے ہاتھ کا، میری زبان کا اور پوشیدہ دل کا

اور عظیمی افعال میں سے یہ ہے کہ خدا کے حضور میں کھڑا ہو، سرگوشی کرتا ہوا اور ان کی طرف متوجہ رہے، چہرہ پھیرتے ہوئے۔ اور اس سے زیادہ یہ بات ہے کہ اپنی خاکساری اور اپنے رب کی برتری کا خیال کرے، پس سرگموں ہو جائے، کیونکہ تمام انسانوں میں اور جو پائیوں میں فطری امر میں سے یہ بات ہے کہ گردن اٹھانا غرور اور تکبر کی نشانی ہے اور گردن کو جھکانا خاکساری اور نیازمندی کی نشانی ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”پس ان کی گردنیں عاجزی سے اس نشانی کے سامنے جھک جائیں“۔ اور اس سے زیادہ یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خاک آلود کرو۔ اپنے اس چہرہ کو جو کہ وہ اس کے اعضا میں سب سے اشرف ہے اور جو اس کے حواس کا سنگم ہے۔

پس یہ تین اعلیٰ تعظیبات تمام لوگوں میں رائج ہیں، لوگ ہمیشہ ان کو استعمال کرتے ہیں اپنی عبادتوں میں اور اپنے بادشاہوں اور اپنے امراء کے سامنے اور بہترین نماز وہ ہے جو ان تین احوال کے درمیان جامع ہو اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے والی ہو تاکہ ماہِ جزئی اور خاکساری کے تصور میں ترقی حاصل ہو اور ترقی میں وہ فائدہ ہے جو تنہا نایت تعظیم میں نہیں ہے اور نہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اترنے میں ہے۔

لغات: اَفْصَحَ عبارت مفعول مطلق ہے یَعْبُرُ کَا مِنْ غَيْرِ لَفْظَ الْمُحْجَبِ (اسم مفعول) حَجَّۃُ: چھپانا بین یدِیہ ظرف ہے یَغْفُرُ کَا۔



نماز ہی کیوں ضروری ہے، کیا ذکر و فکر کافی نہیں؟

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے گیان و دھیان کو اور اللہ کے دائمی ذکر کو کافی عبادت تصور کرتے ہیں، مگر اللہ کی شریعتوں میں اس کو کافی نہیں سمجھا گیا۔ ادا یا نساوی میں بنیادی عبادت نماز کو قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ اللہ کی عظمت کو سوچنا، ہر وقت اللہ کا تصور قائم رکھنا، کسی حال میں بھی اللہ کو نہ بھولنا، بلکہ ہر وقت زبان سے بھی اللہ کا ذکر کرنا ایک بہترین عمل اور بڑی عبادت ہے، مگر وہ بنیادی عبادت نہیں، اللہ سے نزدیک کرنے والا بنیادی عمل نماز ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صحیح طریقہ پر اللہ کی عظمت میں مسلسل غور و فکر کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ صرف وہی لوگ مضبوطی سے اس پر عمل کر سکتے ہیں جن کی قوت ملکہ نایت بلند ہو اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ عام لوگ اگر یہ طریقہ اپنائیں گے تو لگ بھگ غافل ہو جائیں گے، بلکہ اصل پوچھی بھی کچھ نہیں گئے، نفع حاصل کرنا تو دور کی بات ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح تیل کسی سہارے ہی سے چھبت پر چڑھتی ہے، اسی طرح فکری پرواز بھی کسی پیکر محسوس کے سہارے ہوتی ہے۔ اگر کسی پیکر محسوس کے بغیر سوچنا شروع کیا جائے تو کچھ وقت کے بعد فکر تھک جاتی ہے اور عقل مبہوت ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی فکر کی بلاوت ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ چونکہ غیر محسوس ذات ہیں اس لئے ان کی عظمت و جلال کو کسی پیکر محسوس کے بغیر مسلسل نہیں سوچا جاسکتا۔

اسی طرح ذکر الہی کے لئے بھی بیکر محسوس ضروری ہے۔ الفاظ کا سہارا لینا، ایسے تعظیمی عمل کو سہل بنانا ضروری ہے جس کو آدمی اپنے اعضاء سے کرے اور اس کے آداب کی رعایت میں خود کو مشقت میں ڈالے۔ اس کے بغیر اللہ کا ذکر محض لقلقہ (سارس کے زور سے بولنے کی آواز) ہے۔ یعنی بے معنی شور و ہنگامہ ہے اور اکثر لوگوں کے حلق میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے برخلاف نماز ایک معجون مرکب ہے، ذکر و فکر بھی اس کے اجزاء میں شامل ہیں، کیونکہ نماز کے اجزائے ترکیبی تین ہیں:

۱۔ اللہ کی عظمت کو سوچنا، مگر فکر میں ذوق کر نہیں، بلکہ نانہی قصد سے، عرضی التفات سے اور ضمنی توجہ سے اور ایسی فکر ہر ایک کر سکتا ہے یعنی ایسی گہری فکر جس میں ماسہ اکا کوئی شعور نہ رہے، یہ تو ہر ایک کے بس کی بات نہیں مگر جزوی، ثانوی اور متبعی درجہ کی فکر جس میں ماسوا سے بے جبری نہ ہو، یہ بات ہر ایک کے لئے ممکن ہے اور نماز میں اللہ کی عظمت کو ایسا ہی سوچنا مطلوب ہے۔ ہاں اگر کسی میں شبہ و حضور کے جنوں میں غوطہ لگانے کی استعداد ہو داس کے لئے کوئی ممانعت نہیں کہ وہ اس میں غوطہ زن ہو، بلکہ یہ فکر تو اور بھی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ اس میں نفس کو اعلیٰ درجہ کی آگاہی حاصل ہوتی ہے مگر نماز کے تحقق کے لئے فکر کا یہ درجہ مطلوب نہیں۔

۲۔ نماز میں ایسی دعائیں ہیں جن میں اپنے عمل کا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا اور اپنے چہرہ کا اللہ کی طرف متوجہ کرنا اور صرف اللہ ہی سے مدد چاہنے کو واضح کیا جاتا ہے۔

۳۔ نماز میں تعظیمی افعال بجالائے جاتے ہیں جیسے یا اوب کھڑا ہونا، اللہ کے سامنے سرگوں ہونا اور خدا کے سامنے چپ سائی کرنا۔

اور معجون میں جس طرح مفردات باہم دیگر مل جاتے ہیں اور ایک مرکب مزاج وجود میں آتا ہے اسی طرح مذکورہ تینوں باتیں نماز میں ایک دوسرے کے لئے بازو، تکمیل کنندہ اور یاد دہانی کرنے والی بن جاتی ہیں، اسی لئے نماز عام و خاص یعنی سب لوگوں کے لئے مفید ہے اور ایک قوی الاثر تریاق ہے تاکہ ہر شخص اس سے اپنی اصلی استعداد کے مطابق استفادہ کر سکے۔

وإنما جعلت الصلاة أم الأعمال المفربة، دون الفكر في عظمة الله و دون الذكر الدائم، لأن الفكر الصحيح فيها لا يتأتى إلا من قوم، عالية نفوسهم، و قليل ما هم، و سوى أولئك لو خاضوا فيه تيسدوا، و أبطلوا رأس مالهم، فضلا عن فائدة أخرى؛ و الذكر بدون أن يُشرحه و يعضده عمل تعظيمي، يعمله بجوارحه، و يعنوا في إدايتها، لقلقة خالية عن الفائدة في حق الأكثرين.

أما الصلاة: فهي المعجونة المركب:

[۱] من الفكر المصروف لنقاء عظمة الله بالقصد الثاني و الالتفات التبعي، المتأتى من كل واحد، و لا حرج لصاحب استعداد الخوض في لجة الشهود أن يخوض، بل ذلك منه له أتم تنبيه.

[۲] ومن الأدعية المبيّنة إخلاص عمله لله، وتوجيه وجهه تلقاء الله، وقصر الاستعانة في الله.
 [۳] ومن أفعال تعظيمية، كالسجود والركوع، يصير كل واحد عضداً لآخر، ومكملته
 والمُنْبَه عليه، فصارت نافعة لعامة الناس وخاصتهم، تربافاً قوئاً الاثر، ليكون لكل إنسان منه ما
 استوجبه أصل استعداده.

ترجمہ: اور نماز اللہ سے نزدیک کرنے والے اعمال کی ماں اسی لئے بنائی گئی ہے، اللہ کی عظمت میں غور کرنے کو اور
 اللہ کے دائمی ذکر کو یہ درجہ نہیں دیا گیا، اس لئے کہ اللہ کی عظمت میں صحیح فکر نہیں حاصل ہوتی ہے مگر ایسے حضرات سے جن
 کے نفوس بلند مرتبہ ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں اور ان لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگ اگر اس فکر میں گھس
 گے تو وہ کندہ خاطر ہو جائیں گے اور وہ اپنا اصلی سرمایہ کھو بیٹھیں گے چہ جائیکہ وہ کچھ اور فائدہ حاصل کریں (ایسے سالکین
 کی مثالیں موجود ہیں جو اللہ کی عظمت میں غور کرتے کرتے راستہ سے بھٹک گئے اور کہیں کے نہ رہے) اور ذکر الہی بدون
 اس کے کہ اس کی تشریح کرے اور اس کو قوی کرے کوئی ایسا تعظیمی عمل جس کو آدمی اپنے اعضاء سے کرے اور جس کی بجا
 آوری میں آدمی مشقت اٹھائے، ایک ایسا اتفاق ہے جو اکثر لوگوں کے حق میں فائدہ سے خالی ہے۔

رہی نماز تو وہ معجون مرکب ہے:

- ۱- ایسی فکر سے جو پھیری ہوئی ہے اللہ کی عظمت کی طرف، ثانوی درجہ کے قصد سے اور ضمنی التفات سے، جو حاصل
 ہونے والی ہے ہر ایک سے۔ اور کوئی ممانعت نہیں ہے حضور کے بھنور میں گھسنے کی استعداد رکھنے والے کے لئے کہ گھسے
 وہ۔ بلکہ یہ بات اس کو کامل طور پر (عظمت الہی سے) باخبر کرنے والی ہے۔
- ۲- اور ایسی دعاؤں سے جو بیان کرنے والی ہیں، اپنے عمل کے خالص ہونے کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رخ
 کے پھیرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور مدد طلبی کو اللہ تعالیٰ میں منحصر کرنے کو۔
- ۳- اور تعظیمی افعال سے، جیسے سجدے اور رکوع۔

(مذکورہ اجزائے ثلاثہ میں سے) ہر ایک دوسرے کے لئے بازو، اس کی تکمیل کرنے والا اور دوسرے کو یاد دلانے
 والا ہوتا ہے۔ پس ہوگئی نماز عام و خاص کے لئے مفید چیز اور قوی الثیر تریاق، تاکہ میسر آئے ہر ایک کو اس تریاق میں
 سے وہ جس کو واجب و لازم جانتی ہے اس کی اصلی (فطری) استعداد۔

لغات:

قَاتَى الْأَمْرَ: آسان ہونا، تیار ہونا = قَبْلَهُ: سب سے پہلے، شَوْحَ الشَّيْءِ: کھولنا، ظاہر کرنا ... عَصَدَ (ن)
 عَصْدًا: مدد کرنا ... عَسَا يَعْثُرُ عَنَاءً: غم میں ڈالنا، دشوار ہونا ... أَذَابَ إِذَاتًا: مشقت میں ڈالنا، تھکانا ... الْفَلَقَةُ: سارس
 کی آواز، ہر آواز جس میں حرکت و اضطراب ہو ... الْمُتَقَاتِي (اسم فاعل) من قَاتَى الْأَمْرَ: آسان ہونا۔

نماز کے فوائد کا بیان

ذیل میں نماز کے اٹھ فائدے بیان کئے جاتے ہیں:

پہلا فائدہ: نماز مؤمنین کی معراج ہے۔ معراج کے معنی ہیں سیر بھی یعنی نماز ترقی کا ذریعہ ہے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ کو معراج سے سرفراز کیا گیا تھا اور وصال حبیب انصیب ہوا تھا، مؤمنین بھی نماز کے ذریعہ ترقی کرتے ہیں اور آخرت میں ان کو بھی دیدار خداوندی کی نعمت سے، جو کہ اخروی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے، بہرہ ور کیا جائے گا۔ آخرت میں تجلیات کو سہارنے کی استعداد نماز کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے متفق علیہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، چودھویں کا چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا آپ نے اس کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا: ”عقرب تم اپنے پرورگار کو آشکارا آنکھ سے دیکھو گے، جیسے کہ تم اس چاند کو دیکھتے ہو، تم کوئی تکلیف نہیں دیئے جاؤ گے اس کے دیکھنے میں (یا زحام نہیں کرو گے تم اللہ کی رویت میں) پس اگر طاقت رکھو تم کہ نہ غلبہ کئے جاؤ تم (یعنی مشاغل تم پر غالب نہ آئیں) اس نماز پر جو طلوع آفتاب سے پہلے ہے (یعنی نماز فجر) اور اس نماز پر جو غروب آفتاب سے پہلے ہے (یعنی نماز عصر) تو کرو تم“ (مشکوٰۃ باب رویۃ اللہ عزوجل حدیث نمبر ۵۶۵۵)

فجر و عصر کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ فجر راحت اور سستی کا وقت ہے اور عصر مشاغل و دنیا کا وقت ہے، پس جو ان دو نمازوں کا اہتمام کرے گا وہ باقی نمازوں کا بدرجہ اولیٰ اہتمام کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ جنت میں دیدار خداوندی انہیں دو وقتوں میں ہوگا (مظاہر حق) غرض رویت باری کی خوش خبری کے ساتھ نمازوں کے اہتمام کی تاکید اسی لئے ہے کہ نمازیں ہی آدمی میں دیدار خداوندی کی استعداد پیدا کرتی ہیں۔

نوٹ: الصلاۃ معراج المؤمنین کوئی روایت نہیں ہے، لوگوں میں یہ جملہ جو حدیث کے طور پر چل پڑا ہے وہ بے اصل بات ہے۔

دوسرا فائدہ: نماز محبوب خدا بننے کا اور اللہ کی رحمتوں کو لوٹنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بار اپنے ایک خادم حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ”مجھ سے مانگ“ انھوں نے آپ سے بہشت کی رفاقت مانگی۔ آپ نے فرمایا: ”کچھ اور مانگ لو“ انھوں نے عرض کیا: ”میرا مطلب تو یہی ہے“ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”تو اپنے نفس کے خلاف میری مدد کر نمازوں کی کثرت سے“ (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۸۹۶ باب السجود وفضلہ) یعنی تیرا نفس تو نہیں چاہے گا، کیونکہ نفس پر نماز بہت بھاری ہے، مگر تو نفس کو مجبور کر اور بہت زیادہ نمازیں پڑھ، تاکہ میں آخرت میں ان نمازوں کے وسیلے سے تیرے لئے اپنی رفاقت کی درخواست کر سکوں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی نماز کی مدد سے آخرت میں بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔

اور سورۃ المدثر میں ہے کہ آخرت میں ہشتی مجرموں سے ان کا حال پوچھیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے: ”ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے (یعنی زکوٰۃ بھی نہیں دیا کرتے تھے) اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ (یعنی اسلام کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ) بحث میں شریک رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو (علماء) جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی، پس ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی“ (آیات ۳۹-۴۸) ان آیات میں کفار ہی کا بیان نہیں عام مجرموں کا بیان ہے، جو منافقان مسلمانوں کو بھی شامل ہے۔ پس ان آیات کے منطوق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز نہ پڑھنے والے رحمت خداوندی سے محروم ہوں گے اور رائدہ ہو کر جہنم میں جائیں گے اور اسی آیت کے مفہوم سے یہ بات نکلی کہ نمازوں کا اہتمام کرنے والے محبوب خدا ہوں گے، اللہ کی رحمتوں کے حقدار ہوں گے اور جنت کے عالی مقامات میں جگہ حاصل کریں گے (اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ)۔

تیسرا فائدہ: جب نماز آدمی میں ملکہ اور قنطرت بن جاتی ہے۔ تو بندہ اللہ کے نور میں مضطرب (متلاشی) بکھرنے والا، (غم) ہو جاتا ہے اور اس کی خطائیں منادی جاتی ہیں۔ سورۃ ہود آیت ۱۱۴ میں ہے: ”اور ان کے دونوں سروں پر اور رات کے ابتدائی حصہ میں نماز کا اہتمام کرو، یاد رکھو! نیکیاں برائیوں کو منادی جاتی ہیں“، یعنی نیکیوں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ برائیوں کو منادی جاتی ہیں، جس طرح نہانے سے بدن کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور خزاں کے موسم میں پتے جھڑ جاتے ہیں، نمازوں اور دوسری نیکیوں سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیکیاں عملی توبہ بن جاتی ہیں۔

چوتھا فائدہ: نیک نیتی حاصل کرنے کے حجابات ثلاثہ میں ایک جہالت و بدعتیہ کی کا حجاب بھی ہے، بحث چہارم کے باب ششم میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ جب نماز کے افعال حضور قلب اور نیت صالحہ کے ساتھ انجام دیے جائیں تو نماز سے اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے اور دل میں اللہ کی عظمت و اعتقاد پیدا ہوتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نماز سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں۔

پانچواں فائدہ: نیک نیتی حاصل کرنے میں حجاب دنیا بھی مانع ہے یعنی ریت رواج کا پردہ بھی حائل ہو جاتا ہے، چونکہ بالا مقام میں اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے۔ جب نماز کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کو ایک مسلمہ طریقہ بنالیا جاتا ہے تو وہ آفات و نیا سے اور رواجی برائیوں سے بچاتی ہے۔ سورۃ العنکبوت آیت ۴۵ میں ہے کہ: ”نماز کی پابندی کیجئے، بیشک نماز بچائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے“ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ یعنی جب نماز قنطرت ثانیہ اور خصلت راسخ بن جاتی ہے تو رواجی برائیوں سے بچنے میں بے حد نفع بخش ثابت ہوتی ہے۔

چھٹا فائدہ: نماز مسلمانوں کا شعار ہے، اس کے ذریعہ مسلمان، کافر اور منافق سے ممتاز ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”ہمارے اور ان (منافقین) کے درمیان عہد و بیان نماز ہے، پس جس نے نماز کو ترک کر دیا، وہ کافر ہو گیا“ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)۔ الترمذی فی کتاب الایمان وقال: حدیث حسن صحیح، مشکوٰۃ حدیث نمبر ۷۷۰۰ کتاب الصلوٰۃ (اسفار

میں ہمیں اس کا خوب تجربہ ہوتا ہے جب کوئی مسلمان لوگوں کے درمیان نماز پڑھتا ہے تو اس کے اس عمل سے دین اسلام کا تعارف ہوتا ہے۔

سنا تو اس فائدہ: بحث رابع کے باب اول میں گذرا ہے کہ سعادت حقیقیہ یہ ہے کہ ہیبت، نفس ناطقہ کی تابعدار ہو جائے اور خواہش عقل کی پیروی کرے اس مقصد کی تحصیل کے لئے نماز جیسی چیز نہیں۔ نماز نفس کو جو گرہ بناتی ہے کہ وہ عقل کی تابعداری کرے اور عقل کے حکم پر چلے پس سعادت حقیقیہ حاصل کرنے میں بھی نماز بڑی معین و مددگار ہوتی ہے۔ اب آخر میں ہم نماز کے ایک فائدہ کا اضافہ کرتے ہیں، جس کا قرآن کریم میں متعدد جگہ ذکر آیا ہے:

آنحواں فائدہ: نماز اللہ پاک کو بہ کثرت یاد کرنے کا ذریعہ ہے اور اللہ پاک کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ عاشق سے کہی ہوئی یہ تجھے محبوب کی یاد میں کیا ملتا ہے؟ ”وہ خود تو کچھ نہیں بتلا سکے گا، مگر اس کی وارفتگی سب کچھ بتا دے گی۔

ذکر، اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور آب حیات ہے۔ اللہ پاک کی یاد وہی سے ان کے دلوں کی دنیا آباد ہے۔ پس جو لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کو یاد رکھیں وہ نمازوں کو اس کا ذریعہ اور وسیلہ بنالیں — نماز کا یہ فائدہ سورہ ہود آیت ۱۱۲ اے آخری حصہ میں آیا ہے ﴿ذَلِكَ ذِكْرِي لِلَّذِينَ﴾ (یہ نماز بڑی یاد ہے یاد کرنے والوں کے لئے) اسی طرح سورۃ العنکبوت کی مذکورہ آیت میں ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ (اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے)

وَالصَّلَاةُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ، مُعَدَّةٌ لِلنَّجَلِيَّاتِ الْآخِرِيَّةِ، وَهُوَ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿إِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ، فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَغْلِبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا، فَافْعَلُوا﴾ وَسَبَّ عَظِيمٌ لِمَحَبَةِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ، وَهُوَ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿أَعْنَى عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السَّجُودِ﴾ وَحِكَايَتُهُ تَعَالَى عَنْ أَهْلِ النَّارِ: ﴿وَلَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ﴾؛ وَإِذَا تَمَكَّنْتَ مِنَ الْعِبَادَةِ أَصْحَمَ لِي نَوْرِ اللَّهِ، وَكُفِّرَتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ﴾ وَلَا شَيْءٌ أَنْفَعُ مِنْ سَوْءِ الْمَعْرِفَةِ مِنْهَا، لَا سِوَمَا إِذَا فَعَلْتَ أَفْعَالَهَا وَأَقْرَأْتَهَا عَلَى حُضُورِ الْقَلْبِ وَالنَّبَةِ الصَّالِحَةِ، وَإِذَا جُعِلَتْ رِسْمًا مَشْهُورًا نَفَعَتْ مِنْ غَوَاثِلِ الرُّسُومِ نَفْعًا بَيْنًا، وَصَارَتْ شِعَارًا لِلْمُسْلِمِ، يَتَمَيَّزُ بِهِ مِنَ الْكَافِرِ، وَهُوَ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ﴾؛ وَلَا شَيْءٌ فِي تَمَرِينِ النَّفْسِ عَلَى انْفِيَادِ الطَّبِيعَةِ لِلْعَقْلِ، وَجَرَّائِهَا فِي حُكْمِهِ، مِثْلُ الصَّلَاةِ؛ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: (۱) اور نماز مؤمنین کی معراج ہے، تجلیات اخرویہ کے لئے تیار کرنے والی ہے اور وہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”بیشک عقرب تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے، پس اگر تم طاقت رکھو کہ نہ ہارو طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب

سے قبل کی نماز میں، تو کر وتم“

(۲) اور نماز بہت بڑا ذریعہ ہے اللہ کی محبت اور رحمت کا، اور وہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”مذکر تو میری تیرے نفس کے خلاف سجدوں کی کثرت سے“ اور اللہ تعالیٰ نے جہنیوں کا قول نقل فرمایا ہے: ”اور ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے“
(۳) اور جب نماز بندے میں جم جاتی ہے (یعنی ملکہ بن جاتی ہے) تو بندہ اللہ کے نور میں متلاشی (فنا) ہو جاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں (ارشاد خداوندی ہے): ”پیشک ٹیکیاں گناہوں کو نابود کر دیتی ہیں“
(۴) اور نماز سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں ہے بدعتیہ گئی میں، خصوصاً جب نماز کے افعال و اقوال حضور قلب اور نیت صالحہ سے انجام دیئے جائیں۔

(۵) اور جب نماز کو ایک مشہور ریت بنا لیا جائے تو وہ رواجی برائیوں میں تین طور پر نفع بخش ہوتی ہے۔
(۶) اور نماز مسلمانوں کا شعاع ہو گئی ہے، اس کے ذریعہ مسلمان کا فر سے ممتاز ہوتا ہے، اور وہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”نماز ہی ہم میں اور ان (منافقین) میں عہد و پیمان ہے۔ پس جو شخص نماز کو ترک کر دے وہ کافر ہو گیا“
(۷) اور نہیں ہے کوئی چیز نماز کی مانند نفس کو فخر بنانے میں طبیعت کی تابعداری کرنے پر عقل کی اور طبیعت کے چلنے پر عقل کے حکم کے مطابق، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔
لغات : غَلَبَ علیہ : غالب آنا، جیتنا۔ غَلَبَ علیہ : ہارنا، مغلوب ہونا۔ اُضْمَحَلْ : پاش پاش ہونا، بکھر جانا، متلاشی ہونا۔

باب — ۱۰

زکوٰۃ کے اسرار کا بیان

اس باب میں زکوٰۃ سے مراد صرف فرض زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ ہر انفاق (اللہ کے راستہ میں خرچ) مراد ہے اور اس کو زکوٰۃ انفاق کی اشرف نوع کے اعتبار سے یا لغوی معنی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں : طہارت و پاکیزگی۔ چونکہ رام خدا میں خرچ کرنا مال کو بھی پاک کرتا ہے اور مالک کو بھی اس لئے اس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ مکی سورتوں میں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم ہے اس سے مطلق غریبوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔ اصطلاحی زکوٰۃ ہجرت کے بعد ۲ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ چھ مختلف مقاصد کے لئے ضروری ہوا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لئے: جب کسی غریب آدمی کو کوئی بڑی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبان حال سے یا زبان قال سے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا ہے، تو اس کی وہ فریاد کرم خداوندی کے دروازے کو کھٹکتی

ہے۔ چنانچہ کبھی مصلحت خداوندی یہ ہوتی ہے کہ کسی سمجھ دار آدمی کے دل میں الہام کیا جاتا ہے کہ وہ اس کی حاجت روائی کرے۔ پس جب یہ الہام اس شخص پر چھا جاتا ہے یعنی اس کا دل اس غریب کی حاجت روائی کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے اور وہ شخص اس الہام کے مطابق اس غریب کی ضرورت پوری کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اس پر چہار جانب سے برکتیں نازل ہونی شروع ہوتی ہیں اور وہ شخص اللہ کی رحمتوں کا مورہ بن جاتا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک غریب آدمی نے مجھ سے اپنی کسی ضرورت میں مجبور ہو کر سوال کیا تو میں نے اپنے دل میں الہام ہوتا ہوا محسوس کیا کہ میں اس کی مدد کروں اور اس الہام میں مجھے دنیا و آخرت میں اجر جزیل کی خوش خبری بھی مل گئی۔ چنانچہ میں نے اس کو دیا اور مجھ سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ اور یہ سب باتیں یعنی اس حاجت مند کا کرم خداوندی کے دروازے کو کھٹکھٹانا اور الہام خداوندی کا بر اعینہ ہونا اور اس کا میرے دل کو منتخب کرنا اور اجر و ثواب کا ظاہر ہونا۔ یہ سب باتیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

(۲) رحمت خداوندی کے حصول کے لئے: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی خاص مصرف میں خرچ کرنا رحمت خداوندی کو حاصل کرنے کا احتمالی محل قرار پاتا ہے، اس وقت اسی محل میں خرچ کرنے سے رحمت خداوندی حاصل ہو سکتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ کبھی ملا علی میں کسی ملت کی شان و بالا کرنے کا فیصلہ ہوتا ہے تو جو بھی شخص اس ملت کو بڑھانے کے لئے خرچ کرتا ہے وہ رحمت خداوندی کا مورد بنتا ہے اور اس وقت میں اس ملت کے معاملہ کو بڑھانا خرچ کرنے میں غزوہ تبوک کی طرح ہوتا ہے، جس میں صحابہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ پیش کر دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش کیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی بار تین سو اونٹ، دوسری بار دو سو اونٹ اور تیسری بار تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے لکھوائے تھے اور آپ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ ماعلیٰ عسما ما عمل بعد هذه (مقلوۃ باب مناقب عثمان) یعنی اگر عثمان آئندہ خرچ نہ بھی کریں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ انھوں نے خرچ کرنے کا حق ادا کر دیا۔

۲۔ جب قحط سالی کا زمانہ ہوتا ہے اور لوگ بھوک مری میں مبتلا ہوتے ہیں اور مثلاً خداوندی ان لوگوں کو پچانا ہوتا ہے تو اس وقت لوگوں کو کھلانے سے رحمت خداوندی حاصل ہو سکتی ہے، دیگر مدت میں خرچ کرنے سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔

غرض رحمت خداوندی کے حصول کی ان احتمالی جگہوں سے، پیغمبر ﷺ ایک قاعدہ بناتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ: ”جو کسی فقیر پر اتنا خرچ کرے گا یا ایسی ایسی حالت میں خرچ کرے گا، تو اس کا یہ عمل نہایت مقبول ہوگا“ چنانچہ مؤمنین یہ بات سنتے ہیں اور ان کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ وعدہ سچا ہے اس لئے وہ قلیل حکم کرتے ہیں اور وہ اس وعدہ کو برحق پاتے ہیں جو ان سے کیا گیا ہے۔

﴿باب أسرار الزكاة﴾

اعلم: أن المسكين إذا عنت له حاجة، وتضرع إلى الله فيها بلسان المقال أو الحال، قرع تضرع باب الجود الإلهي، وربما تكون المصلحة أن يلهم في قلب زكي: أن يقوم بسد خلته، فإذا نغشاه الإلهام وانبعث وفقه، رضى الله عنه. وأفاض عليه البركات من فوفه ومن تحته وعن يمينه وعن شماله، وصار مرحوماً.

وسألني مسكين ذات يوم في حاجة اضطر فيها، فأوجست في قلبي إلهاماً يأمرني بالإعطاء، وبشرني بأجر جزيل في الدنيا والآخرة، فأعطيته وشاهدت ما وعدني ربي حقاً؛ وكان قرع باب الجود، وانبعث الإلهام واختاره لقلبي يومئذ، وظهور الأجر، كُل ذلك بمرأى مني. وربما كان الإنفاق في مصرف مظنة لرحمة إلهية، كما إذا انعقدت داعية في المملأ الأعلى بتسوية ملية، فصار كل من يتعرض لتمشية أمرها مرحوماً، وتكون تمشيته يومئذ في الإنفاق كغزوة العسرة، وكما إذا كان أيام قحط، وتكون أمة هي أحوج خلق الله، ويكون المراد إحياءهم؛ وبالجمله فياخذ المخبر الصادق من هذه المظنة كلية فيقول: "من تصدق على فقير كذا وكذا، أوفى حالة كذا وكذا، فقبل منه عمله" فيسمعه سامع وينقاد لحكمه بشهادة قلبه، فيجداً وعداً حقاً.

ترجمہ: زکوٰۃ کی حکمتوں کا بیان: (۱) جان لیں کہ جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ اس سلسلہ میں زبانِ قال سے یا زبانِ حال سے بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑاتا ہے تو اس کا یہ تضرع کرمِ خداوندی کے دروازے کو کھٹکتا ہے۔ اور کبھی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ کسی پھلے آدمی کے دل میں التاء کیا جائے کہ وہ اس کی حاجت روائی کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ پس جب اس کو الہام ڈھانک لیتا ہے اور وہ اس کے موافق عمل کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اس پر برکتوں کا فیضان کرتے ہیں: اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے اور بائیں سے۔ اور وہ شخص مہربانی کیا ہوا ہوتا ہے۔

اور ایک دن ایک غریب نے مجھ سے اپنی ایک ایسی حاجت طلب کی جس میں وہ مجبور ہو گیا تھا۔ پس میں نے اپنے دل میں ایک الہام محسوس کیا جو مجھے دینے کا حکم دے رہا تھا، اور مجھے بشارت سنارہا تھا اچیزِ جزیل کی دنیا و آخرت میں، چنانچہ میں نے دیا اور میں نے بالکل برحق پایا اس چیز کو جس کا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا تھا۔ اور تھا اس شخص کا باب کرم کو کھٹکتا تھا اور الہام کا براہین گمراہ کرنا اور اس کا میرے دل کو منتخب کرنا اُس دن اور اجر کا ظاہر ہونا، یہ سب باتیں میری

آنکھوں کے سامنے تھیں۔

(۲) اور کبھی کسی خاص مصرف میں خرچ کرنا رحمت خداوندی کے حصول کا نعل ہوتا ہے، جیسا کہ جب ملا اعلیٰ میں سبب پایا جائے کسی ملت کی سر بلندی کے بارے میں، پس ہر وہ شخص جو اس ملت کے معاملہ کو بڑھانے کے درپے ہوتا ہے، وہ مہربانی کیا ہوا ہو جاتا ہے۔ اور ہوتا ہے اُس معاملہ کو بڑھانا اس وقت میں خرچ کرنے کے معاملہ میں انتہائی بے سرو سامانی کے وقت میں تنگی کا غزوہ کرنے کی طرح، اور جیسا کہ جب قحط سالی کا زمانہ ہو، اور مخلوقات خداوندی میں سے کوئی امت انتہا درجہ کی ضرورت مند ہو، اور مقصود خداوندی اس قوم کو زندہ رکھنا ہو، بات مختصر! پس مخیر صادق اس محل سے ایک کلیہ اخذ کرتا ہے، پس وہ کہتا ہے: ”جو شخص خیرات کرے گا کسی فقیر پر اتنی اتنی یا ایسی اور ایسی حالت میں تو اس کا یہ عمل نہایت مقبول ہوگا“ پس اس کو ایک سنہ والا سنتا ہے اور شہادت قلبی سے اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، پس وہ اس چیز کو برحق پاتا ہے جس کا وہ وعدہ کیا گیا ہے۔

لغات:

عَنْ (ان بش) عَنَّا لہ: سامنے ظاہر ہونا، پیش آنا اَوْ جَس الرجلُ: محسوس کرنا ... الداعیۃ: سبب فَوَّہ نَوْبِهَا الشَّيْ: بلند کرنا مَشَى تَصْبِيْہُ الشَّيْ: چلانا فِی الْإِنْفَاقِ مَا بَعْدَ شَتَّى: متعلق ہے مَا وَعَدَ لَعَدَ بہ: عائد محذوف ہے۔



② حرص و بخل کے علاج کے لئے: کبھی آدمی کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ مال کی محبت اور بخل نفسانی بیماریوں میں ایک خطرناک بیماری ہے اور تحصیل کمال کی راہ میں رکاوٹ ہے، پس آدمی کو ان رذائل سے سخت اذیت پہنچتی ہے۔ اس بیماری کا علاج بس یہی ہے کہ آدمی اپنی محبوب ترین چیز راہ خدا میں خرچ کرنے کی مشق کرے۔ سورہ آل عمران (آیت ۹۲) میں ہے کہ ﴿لَنْ تَسْلُتُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (تم ہرگز خیر کامل حاصل نہیں کر سکتے تا آنکہ تم اپنی پیاری چیز راہ خدا میں خرچ کرو) اتفاق رذائل نفس کا بہترین علاج ہے۔ ایسی صورت میں یعنی جبکہ آدمی میں یہ رذائل موجود ہوں، اگر آدمی خرچ نہیں کرے گا تو یہ بیماریاں اس میں باقی رہ جائیں گی، اور وہ آخرت میں گنجا سانپ بن کر متشکل ہوں گی، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے (دیکھئے مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر ۷۷۷) اسی طرح اس کے مطلق و صامت اموال بھی ضرور رساں ہوں گے مسلم شریف کی طویل روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس نے اونٹوں کی زکوٰۃ نہیں دی ہوگی، اس کو ہموار چکنے میدان میں منہ کے بل لٹایا جائے گا اور اونٹ اس پر چل کر اس کو روندیں گے (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۷۷۷) اور سورۃ التوبہ (آیات ۳۴، ۳۵) میں ارشاد ہے:

”جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں، اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپؐ ان کو ایک بڑی دروٹا کر سزا کی خبر سنا دیجئے، جس دن اس کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ (کہا جائے گا) یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا، سواب اپنے جمع کرنے کا مزدہ کھو!“

غرض انفاق: حرص و بخل اور خود غرضی جیسے رذائل کے ازالہ میں بحد نفع بخش ہے، جو چاہے اس نسخہ ربیعیہ کو آزما کر دیکھے!

وَرَبَّمَا نَفَقَتِ النَّفْسُ بَانَ حَبِّ الْأَمْوَالِ وَالشَّحَّ بِهَا يَنْصُرُهُ وَيَصُدُّهُ عَمَّا هُوَ بِسَبِيلِهِ، فَيَتَادَى مِنْهُ أَشَدُّ تَأَدًى. وَلَا يَتِمُّكَ مِنْ دَفْعِهِ، إِلَّا تَمَرُّ عَلَى إِنْفَاقٍ أَحَبَّ مَاعَدَهُ، فَصَارَ الْإِنْفَاقُ فِي حَقِّهِ أَنْفَعُ شَيْءٍ، وَلَوْلَا الْإِنْفَاقُ لَبْقِيَ الْحَبُّ وَالشَّحُّ كَمَا هُوَ، فَيَتَمَثَّلُ فِي السَّعَادِ سُجَاعًا أَقْرَعُ، أَوْ تَمَثَّلُ الْأَمْوَالُ صَارَةً فِي حَقِّهِ وَهُوَ حَدِيثٌ: ﴿يُطْلَعُ لَهَا بِقَاعٌ قَرِيرٌ﴾ وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ الْآيَةُ.

ترجمہ: اور کبھی نفس اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ دولت کی محبت اور مال میں بخلی اسے سخت نقصان پہنچا رہی ہے اور اس کو روک رہی ہے اس چیز سے جس کے درپے وہ ہے (یعنی سعادت حقیقیہ کی تحصیل) پس وہ اس سے نہایت سخت اذیت محسوس کرتا ہے، اور وہ اس کو ہٹانے پر قادر نہیں، مگر اس چیز کو خرچ کرنے کی مشق کر کے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے، پس خرچ کرنا اس کے حق میں سب سے زیادہ نفع بخش ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ خرچ نہیں کرے گا تو مال کی محبت اور بخل اس کے اندر اسی طرح باقی رہ جائے گا، پس وہ آخرت میں گنجلے اژدہا کی شکل میں متشکل ہوگا یا دولت اس کے حق میں مصرت رساں ہو کر متشکل ہوگی اور وہ ارشاد نبوی ہے: ”منہ کے بل لٹایا جائے گا وہ ان اونٹوں کے لئے چکنے ہموار میدان میں“ اور ارشاد و ربانی ہے: ”اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں“ آخر آیت تک پڑھیے۔

لغات:

نَفَقَتْ: سمجھا کہا جاتا ہے نَفَقْتُ لَمَّا أَقُولُ لَكَ: جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اس کو سمجھو..... شَحَّ بِالشَّيْءِ: بخل کرنا، حرص کرنا..... الشَّجَاع: ناگ..... أَقْرَعُ: گنجلے یعنی نہایت سخت زہریلا، جس کے سر کے بال زہر کی زیادتی سے اڑ گئے ہوں..... يَطْلَعُ (ف) بِطَحًا: بچھانا، منہ کے بل گرائنا..... الْقَاع: ہموار میدان..... الْقَرِيرُ: چکنا..... الْكَوْنُ: شریعت کی اصطلاح میں وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔



(۴) بلاؤں اور آفتوں کو ٹالنے کے لئے کبھی عالم مثال میں کسی کی موت کا فیصلہ ہو جاتا ہے یا اس پر کسی بلا کا ترنا طے ہو جاتا ہے، ایسے وقت میں اگر وہ شخص مال کی بہت بڑی مقدار راہ خدا میں خرچ کرے اور وہ خود بھی اور دوسرے نیک بندے بھی اس کے حق میں گڑگڑا کر دعا مانگیں تو اس کی موت کا فیصلہ رک جاتا ہے اور اس کی بلا ٹل جاتی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ: ”دعا ہی قضاۃ الہی کو پھیرتی ہے، اور یہی الہی عمر میں زیادتی کرتی ہے“ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۲۲۳۳)

مجھے دوسرے اس کا تجربہ ہوا ہے۔ میرے ایک متعلق کا انگلینڈ کے شہر بولٹن میں ایک سیڈنٹ ہو گیا ایک ماہ تک وہ شفا خانہ میں بے ہوش رہے، آخر میں ان کے متعلقین نے ایک بڑی رقم خرچ کی اور دارالعلوم دیوبند میں ختم بخاری شریف کرا کر دعا کرائی تو اللہ نے ان کو شفا عطا فرمائی۔

اسی طرح میرے ایک دوست بمبئی میں سخت بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ انھوں نے بھی ایک بڑی رقم ایسے غریبوں میں بانٹی جو نمازی تھے اور ان سے دعائیں کرائیں اور دارالعلوم دیوبند میں ان کے لئے بھی ختم بخاری شریف کر کے دعاء کی گئی تو بحمد اللہ وہ بھی شفا یاب ہوئے۔ اور خود میرا معمول یہ ہے کہ جب گھر میں کوئی بیمار پڑتا ہے اور دو چار روز کے علاج سے شفا نہیں ہوتی تو میں گھر والوں کو صدمہ کرنے کے لئے کہتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے جلد مریض کو شفا بخشے ہیں۔ غرض یہ بھی تجربہ ہے برحق بات ثابت ہوئی ہے، لوگ آزما کر دیکھیں۔

وَرَبِّمَا يَكُونُ الْعَبْدُ قَدْ أُحِيطَ بِهِ وَقُضِيَ بِهِلَاكَهُ فَيُعَالِمُ الْمَثَالَ، فَانْدَفَعَ إِلَى بَدَلِ أُمُورٍ خَطِيرَةٍ، وَتَصَرَّعَ إِلَى اللَّهِ هُوَ وَنَاسٌ مِنَ الْمُرْحُومِينَ، فَمَحَا هَلَاكَهُ بِنَفْسِهِ بِهَلَاكَ مَالِهِ، وَهُوَ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿لَا يَرُدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدَّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعَمْرِ إِلَّا الْبِرُّ﴾

ترجمہ: اور کبھی بندے کو موت گھیر لیتی ہے، اور عالم مثال میں بندے کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے پس وہ بہہ پڑتا ہے ڈھیر سال خرچ کرنے کی طرف اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور نیک لوگوں میں سے کچھ لوگ بھی، پس وہ اپنے نفس کی ہلاکت کو منادیتا ہے اپنے مال کو ہلاک کر کے۔ اور وہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”قضاۃ الہی کو دعا ہی پھیرتی ہے اور عمر میں زیادتی یہی کرتی ہے“۔



(۵) گناہوں سے حفاظت کے لئے کبھی انسان سے کوئی برا کام سرزد ہو جاتا ہے، وہ اس پر نادم ہوتا ہے، مگر پھر نفس غالب آ جاتا ہے اور وہ بارہ وہی گناہ ہو جاتا ہے اور ایسا بار بار ہوتا ہے تو اس صورت میں گناہ سے بچنے کا بہترین علاج یہ ہے کہ آدمی گناہ کا اچھا خاصا مالی تاوان ادا کرے تاکہ آئندہ جب نفس وہ گناہ کرنے کے لئے مجبور کرے تو وہ

تاوان نگاہوں کے سامنے رہے اور اس کو گناہ سے روک دے۔ آدمی نفس کو سمجھائے کہ اگر تو نے یہ حرکت کی تو پھر تجھے تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ اور انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ چمڑی تو دے سکتا ہے، دمڑی نہیں دے سکتا، اس لئے نفس گناہ سے رک جائے گا۔

شریعت میں جو مختلف گناہوں کے کفارے متعین کئے گئے ہیں وہ اسی مقصد سے ہیں اور کفارے تو غیر ضروری جرمانے ہیں، ان کو تو ادا کرنا ہی ہے۔ کچھ تاوان رضا کارانہ بھی متعین کئے گئے ہیں مثلاً حالت حیض میں بیوی سے صحبت کرنے پر ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنے کا جو حکم ترمذی شریف کی روایت میں آیا ہے وہ اسی باب سے ہے۔ غرض آدمی کسی بھی گناہ سے بچنا چاہے یا کسی بھی نیک عمل کی پابندی کرنا چاہے اور نفس مطاعت نہ کرے تو اس کا علاج یہی مالی جرمانہ ہے مثلاً آدمی غیبت سے بچنا چاہے یا تہجد کی پابندی کرنا چاہے تو غیبت سرزد ہونے پر اور تہجد چھوٹنے پر ایک مقحول جرمانہ خود پر لازم کرے ان شاء اللہ غیبت سے بچ جائے گا اور تہجد پابندی سے ادا کرنے لگے گا۔

① خاندان کی خبرگیری کرنے کے لئے: کبھی حسن اخلاق کے تقاضے سے اور کبھی خاندان کے نظام کی حفاظت کے لئے مختلف طرح کے کام کرنے ضروری ہوتے ہیں مثلاً غریبوں کا مالی تعاون کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، رشتہ داروں کا مالی تعاون کرنا، آپس میں سلام کو رواج دینا اور مختلف طرح سے لوگوں کی غم خواری کرنا۔ پس یہ سب کام شرعاً مامور بہ ہو جاتے ہیں اور سب صدقہ و خیرات شمار کئے جاتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ ”اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ ہے اور نیک بات کا حکم دینا صدقہ ہے، بری بات سے روکنا صدقہ ہے اور اپنے ذول میں سے اپنے بھائی کے ذول میں پانی ڈالنا صدقہ ہے“ (مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، حدیث نمبر ۱۹۱۱)

وَرَبِمَا يَنْفَرُ طُ مِنْ الْإِنْسَانِ أَنْ يَعْمَلَ عَمَلًا شَرِيرًا، بِحَكْمِ غَلْبَةِ الطَّبِيعَةِ، ثُمَّ يَطْلُعُ عَلَى قَبْحِهِ، فَيَسْتَدِمُّ، ثُمَّ تَغْلِبُ عَلَيْهِ الطَّبِيعَةُ فَيَعُودُ لَهُ، فَتَكُونُ الْحِكْمَةُ فِي مَعَاجِلَةِ هَذِهِ النَّفْسِ: أَنْ تَلْزَمَ بَذْلَ مَالٍ خَطِيرٍ، غَرَامَةً عَلَى مَا قَعَلَ، لِيَكُونَ ذَلِكَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، فَيَرْدُّهُ عَمَّا يَقْصُدُ.

وَرَبِمَا يَكُونُ حَسَنُ الْخُلُقِ وَالْمَحَافَظَةُ عَلَى نِظَامِ الْعَشِيرَةِ مَنَحْصِرًا فِي إِطْعَامِ طَعَامٍ، وَإِفْشَاءِ سَلَامٍ، وَأَنْوَاعٍ مِنَ الْمَوَاسَاةِ، فَيُؤْمِرُ بِهَا، وَتُعَدُّ صَدَقَةً.

ترجمہ: اور کبھی انسان سے کوتاہی ہو جاتی ہے یا اس طور کہ وہ کوئی برا کام کر گزرتا ہے، نفس کے غلبہ کی وجہ سے، پھر وہ اس کی برائی پر مطلق ہوتا ہے پس وہ پشیمان ہوتا ہے، پھر اس پر نفس غالب آ جاتا ہے پس دوبارہ وہ برائی کرتا ہے۔ پس اس نفس کے علاج میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ اس پر بہت سال خرچ کرنا لازم کیا جائے، اس جرم کے تاوان کے طور پر جو اس نے کیا ہے، تاکہ یہ جرمانہ ہمیشہ اس کی نگاہوں کے سامنے رہے پس وہ اس کو روکے اس گناہ سے جس (سے رکنے)

کا وہ ارادہ کرتا ہے۔

اور کبھی حسن اخلاق اور خاندان کے نظام کی حفاظت کا انحصار کھانا کھلانے میں، سلام کو رواج دینے میں اور مختلف قسم کی غم خوریوں میں ہوتا ہے پس وہ ان کاموں کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ چیزیں صدقہ شمار کی جاتی ہیں۔



زکوٰۃ کے فوائد

اب ذیل میں زکوٰۃ کے چار فائدے ذکر کئے جاتے ہیں:

پہلا فائدہ: صدقہ خیرات سے مال میں برکت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں اس سلسلہ کا ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک شخص جنگل میں کھڑا تھا اس نے بادل میں سے ایک آواز سنی، جو بادل کو حکم دے رہی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر، بادل کا ایک ٹکڑا اُلحہ ہو کر چلا، وہ شخص بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ بادل پتھریلی زمین میں برسا، وہاں سے ایک نالی میں سارا پانی اکٹھا ہو گیا۔ وہ شخص اس نالی کے ساتھ ہو لیا، پانی ایک باغ میں پہنچا، وہاں ایک شخص ہاتھ میں بیچہ لئے ہوئے سیٹھائی کر رہا تھا، اس شخص نے باغ والے سے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے! آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا وہ نام بتایا جو اس شخص نے بادل میں سے سنا تھا۔ باغ والے نے اس شخص سے پوچھا کہ آپ میرا نام کیوں پوچھتے ہیں؟ اس نے سارا ماجرا بتایا اور دریافت کیا کہ آپ کیا عمل کرتے ہیں جو خصوصی طور پر آپ کے باغ کے لئے مارش برسی؟ باغ والے نے کہا کہ جب میرا راز تجھے معلوم ہو گیا تو سن! میں باغ کی پیداوار کے تین حصے کرتا ہوں ایک تہائی خیرات کرتا ہوں، ایک تہائی اپنی ضروریات میں خرچ کرتا ہوں اور ایک تہائی باغ کی ترقی میں خرچ کرتا ہوں (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، باب الاتفاق، حدیث نمبر ۱۸۷۷)

دوسرا فائدہ: زکوٰۃ کی ادائیگی سے بندے پر رحمت خداوندی کا فیضان ہوتا ہے اور اللہ کی ناراضگی دور ہوتی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے: **إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتَطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ**، وقدفع مِثْمَةَ السُّؤِءِ (خیرات یقیناً پروردگار کے غصہ کو بجھاتی ہے اور بری موت کو بھاتی ہے)

تیسرا فائدہ: نخل و حرس پر آخرت میں جو عذاب ہونے والا ہے زکوٰۃ اس کو ہٹا دیتی ہے، کیونکہ صحیح زکوٰۃ ادا کرنے والے میں حرس و نخل کے رذائل پنپ نہیں سکتے، انہیں دیر سویر اس شخص کا پیچھا چھوڑنا ہے اور جب یہ رذائل ختم ہو گئے تو آخرت میں عذاب کا سوال بھی باقی نہیں رہا۔

چوتھا فائدہ: ملا اعلیٰ کے وہ فرشتے جو زمین کے احوال سنوارنے کی محنت کرتے ہیں، وہ صدقہ خیرات کرنے والے

کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ایک کہتا ہے اَللّٰهُمَّ! اَعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا (اے اللہ! خرچ کرنے والے کو عوض دے) اور دوسرا کہتا ہے اَللّٰهُمَّ! اَعْطِ مُمْسِكًا تَلْفًا (اے اللہ! مال روک رکھنے والے کا مال تباہ کر) (مشق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ باب الافاق، حدیث نمبر ۱۸۶۰)

وَالزَّكَاةُ تَزِيدُ فِي الْبَرَكَةِ، وَتَطْفِئُ الْغَضَبُ بِجَلْبِهَا فَيُضَا مِنَ الرَّحْمَةِ، وَتَدْفَعُ عَذَابَ الْآخِرَةِ الْمُرْتَبَّ عَلَى الشَّحِّ، وَتَعْطِفُ دَعْوَةَ الْمَلَأِ الْأَعْلَى الْمَصْلَحِينَ فِي الْأَرْضِ عَلَى هَذَا الْعَبْدُ؛ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور زکوٰۃ برکت میں اضافہ کرتی ہے اور (پروردگار کے) غضب کو بجھاتی ہے، اس کے کھینچنے کی وجہ سے رحمت کے فیضان کو، اور بٹاتی ہے آخرت کے اس عذاب کو جو بخلی پر مرتب ہونے والا ہے اور موڑتی ہے اس بندے پر اُن بالائی فرشتوں کی دعاؤں کو جو زمین میں اصلاح کرنے والے ہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

باب — ۱۱

روزوں کی حکمتوں کا بیان

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اسلام کے عناصر اربعہ ہیں۔ یعنی اسلام اللہ کی فرمانبرداری والے جس طرز حیات کا نام ہے اس کی تخلیق و تعمیر اور نشو و نما میں ان پانچوں باتوں کو خاص الخاص دخل ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کی حکمتوں سے فارغ ہو کر اب روزوں کی حکمتیں بیان کرتے ہیں۔

روزوں کے تعلق سے لوگوں کی تین قسمیں

طہارت اور نماز کی طرح روزوں کے تعلق سے بھی لوگوں کی تین قسمیں اور درجے ہیں:

پہلا درجہ: کبھی انسان الہام خداوندی سے سمجھ لیتا ہے کہ بہیمیت کا بیجان اس کو سعادت حقیقیہ سے روک رہا ہے۔ سعادت حقیقیہ یہ ہے کہ بہیمیت، ملکیت کی تابعداری کرے۔ اور جب آدمی کو یہ احساس ہو جاتا ہے تو وہ بہیمیت سے نفرت کرنے لگتا ہے اور وہ بہیمیت کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں پاتا کہ بھوکہ پیاسا رہے اور جماع کرنا ترک کرے اور اپنے دل اور دیگر اعضاء کو قابو میں رکھے، چنانچہ وہ علاج کے طور پر اس طریقہ کو مضبوط پکڑتا ہے۔ یہی وہ اعلیٰ درجہ کا انسان ہے، جو پہلے سے روزوں کے فوائد جانتا ہے اور علیٰ وجہ البصیرت روزے رکھتا ہے۔

فائدہ: منظر اس ثلاثہ سے بچنا تو روزے کی ماہیت میں داخل ہے مگر روزے کے مقبول ہونے کے لئے ضروری

ہے کہ آدمی کھانا، پینا اور جماع چھوڑنے کے علاوہ معصیات و منکرات سے بھی زبان و دہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور گناہ کی باتیں اور گناہ والے اعمال: غیبت اور گالی گلوچ کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی حاجت نہیں۔ بخاری کی روایت ہے کہ مَنْ لَمْ يَذْغِ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلِ بِهِ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَذْغِ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ (جو شخص روزے میں باطل کلام اور باطل کام کو نہ چھوڑے، اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں)

دوسرا درجہ: اس شخص کا ہے جس کی سمجھ میں از خود توبہ فوائد نہیں آتے بلکہ پیغمبر ﷺ کے بتلانے پر اس کا دل یقین کر لیتا ہے کہ یہ سب فوائد برحق ہیں۔ چنانچہ وہ روزے شروع کرتا ہے، اور وہ روزوں کے فوائد کا پچھم خود مشاہدہ کرتا ہے۔ تیسرا درجہ: اس مؤمن کا ہے جو نہ از خود روزوں کے فوائد جانتا ہے، نہ پیغمبر کے بیان سے ادراک کر پاتا ہے۔ البتہ چونکہ وہ مؤمن ہے اس لئے ایمان بالغیب رکھتا ہے اور روزوں کی پابندی کرتا ہے تو وہ بھی محروم نہیں رہتا۔ دنیا میں اگر اس کو فوائد محسوس نہیں بھی ہوتے تو بہیمیت کے جوش کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اعمال پر جو اچھے اثرات پڑتے ہیں، آخرت میں وہ فوائد و ثمرات سامنے آ جاتے ہیں۔

﴿باب أسرار الصوم﴾

اعلم: أنه ربما يفتقن الإنسان من قِبَلِ إلهامِ الحقِّ إياه: أن سَوْرَةَ الطَّبِيعَةِ الْبَهِيمِيَّةِ تَصَدُّهُ عَمَّا هُوَ كَمَالُهُ: مِنْ انْقِيَادِهَا لِلْمَلَكِيَّةِ فَيَغْضُهَا، وَيَطْلُبُ كَسْرَ سُورَتِهَا، فَلَا يَجِدُ مَا يُغِيظُهُ فِي ذَلِكَ كَالْجُوعِ وَالْعَطَشِ وَتَوَكُّلِ الْجَمَاعِ وَالْأَخْلَاقِ عَلَى لِسَانِهِ وَقَلْبِهِ وَجَوَارِحِهِ، فَيَتَمَسَّكُ بِذَلِكَ عِلَاجًا لِمَرَضِهِ النَّفْسَانِيِّ.

ويتلوه: مَنْ يَأْخُذْ ذَلِكَ عَنِ الْمَخْبِرِ الْمَصَادِقِ بِشَهَادَةِ قَلْبِهِ.

ثُمَّ الَّذِي يَقُوْدُهُ الْأَنْبِيَاءُ شَفَقَةً عَلَيْهِ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ، فَيَجِدُ فَائِدَةَ ذَلِكَ فِي الْمَعَادِ، مِنْ انْكَسَارِ السُّورَةِ.

ترجمہ: اسرار صوم کا بیان: جان لیں کہ انسان کبھی کبھی لیتا ہے اللہ تعالیٰ کے دل میں ڈالنے کی وجہ سے کہ طبیعت بہیمیہ کا جوش اس کو روک رہا ہے اس چیز سے جو اس کا کمال ہے یعنی بہیمیت کا ملکیت کی تابعداری کرنا (تفصیل بحث رابع کے باب اول میں گزر چکی ہے) چنانچہ وہ طبیعت بہیمیہ سے نفرت کرنے لگتا ہے اور وہ اس کے پیمان کو ٹوٹنا چاہتا ہے، پس نہیں پاتا وہ اس چیز کو جو اس کی داری کرے اس معاملہ میں (کسی چیز کو) مانند، بھوک، پیاس اور ترک جماع کے اور اپنی زبان، دل اور اعضاء کو قابو میں رکھنے کے۔ پس مضبوط پکڑتا ہے وہ اُن چیزوں کو اپنے مرض نفسانی کے علاج کے طور پر۔ اور اس کے بعد اس شخص کا درجہ ہے جو یہ باتیں خبر صادق سے لیتا ہے، اپنے دل کی گواہی سے۔

پھر وہ شخص ہے جس کو کھینچتے ہیں انبیاء ہدایت کے ذریعہ اس پر مہربانی کرتے ہوئے، دراصل ایک وہ نہیں جانتا (روزوں کے ان فوائد کو) پس پاتا ہے وہ اس کا نفع آخرت میں، جوش کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے۔
لغات: اَعَاثَ: مدد کرنا، اعانت کرنا (ماہِ غوث) من انكسار السورۃ میں من اہلیہ ہے۔



روزوں کے مقاصد

روزے مختلف مقاصد کے لئے ضروری ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان کے تین مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔
① طبیعت کو عقل کا مطیع بنانے کے لئے: کبھی انسان یہ بات سمجھ لیتا ہے کہ اس کے لئے خوبی کی بات یہ ہے کہ طبیعت (نفس) عقل کے ماتحت رہے، مگر طبیعت باغی (سرکش) ہوتی ہے، یہی اطاعت کرتی ہے، کبھی نہیں کرتی۔ اس لئے اس کو سدھانا ضروری ہوتا ہے اور سدھانے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کوئی سخت دشوار کام (ریاضت) کرے، جیسے روزے کی ریاضت۔ آدمی منت مان کر یا بغیر منت کے لمبی مدت تک روزے رکھنے کا طبیعت کو مکلف بنائے اور جو عہد باندھے اس کو پورا کرے، اسی طرح وقفہ وقفہ سے کرتا رہے تا آنکہ طبیعت اطاعت و انقیاد کی خوگر ہو جائے۔
فائدہ: روزوں کا یہ مقصد عقلی ہے، کسی دلیل نقلی بھتان نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا سنگم بنایا ہے۔ اس کی طبیعت میں وہ سارے مادی اور منطقی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں اور اس میں وہ نورانی جوہر بھی ہے جو مادی کی خاص دولت ہے اور انسان کی سعادت کا دار و مدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی عنصر حیوانی عنصر پر غالب رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا عادی ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرے۔ روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد یہی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کی بہیمیت کو ملکیت کی تابعداری اور فرمانبرداری کا خوگر بنایا جائے (ماخوذ از معارف الحدیث ۳: ۹۳ ملخصاً)

اس سلسلہ میں اسوۂ نبوی وہ ہے جو متفق علیہ روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (نفل) روزے شروع کرتے تھے اور اتنے دنوں تک مسلسل رکھتے رہتے تھے کہ ہم سوچنے لگتے تھے کہ اب آپ روزے بند ہی نہیں کریں گے۔ پھر بند کر دیتے تھے اور اتنے دنوں تک نہیں رکھتے تھے کہ ہم سوچنے لگتے تھے کہ اب آپ روزے نہیں رکھیں گے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو ماہ رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے جتنا ماہ شعبان میں آپ کو روزے رکھتے ہوئے دیکھا ہے، اتنا کسی اور مہینہ میں نہیں دیکھا (مشکوٰۃ، کتاب الصوم، باب صیام الطوع، حدیث نمبر ۲۰۳۶)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک: بہت دنوں تک نفل روزے رکھنا دوم: اس کی مدت ایک ماہ سے کم ہونی

چاہئے اس سے زیادہ مسلسل روزے رکھنا صحت کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

(۲) گناہوں کی حفاظت کے لئے: کبھی انسان سے کوتاہی ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو نفس کو سزا دینے کے لئے اتنے لمبے روزے رکھنے ضروری ہوتے ہیں جو گناہ کے مقابلہ میں اس پر بھاری ہوں، تاکہ دوبارہ اس سے غلطی سرزد نہ ہو۔ رمضان کا روزہ توڑنے کے کفارے میں، ظہار کے کفارے میں، اور قتل خطا کے کفارے میں جو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گئے ہیں وہ اسی مقصد سے ہیں۔

(۳) دُور شہوت کے علاج کے لئے: جب نفس عورتوں کی طرف بہت زیادہ مائل ہونے لگے اور نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو اور برائی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو لمبے وقت تک مسلسل روزے رکھنے سے شہوت کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں جو انوں سے خطاب آیا ہے کہ:

”اے جو انو! تم میں سے جو شخص گھربسانے کی سکت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے، اس لئے کہ نکاح نظر کو بہت زیادہ مچھنے والا یعنی روکنے والا ہے اور شر نگاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ہے۔ اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا وہ روزوں کو لازم پکڑے پس ہر ایک روزہ اس کے لئے آتشگی ہے“ یعنی وہ شہوت کی شدت کو توڑ دیتا ہے (مشکوٰۃ کتاب النکاح، حدیث نمبر ۳۰۸۹)

وربما يطلع الإنسان على أن انقياد الطبيعة للعقل كمال له، وتكون طبيعته باغية، تنقاد مرة ولا تنقاد أخرى، فيحتاج إلى تمرين، فيعيد إلى عمل شاق، كالصوم، فيكلف طبيعته، ويلتزم وفاء العهد، ثم وثم، حتى يحصل الأمر المطلوب.
وربما يفرط منه ذنب فيلتزم صوم أيام كثيرة، يشق عليه بإزاء الذنب، ليردعه عن العود في مثله.
وربما ناقت نفسه إلى النساء، ولا يجد طولا، ويخاف العنت، فيكسر شهوته بالصوم، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿فَإِن الصَّوْمَ لَهُ وَجَاءَ﴾

ترجمہ: اور کبھی واقف ہو جاتا ہے آدمی اس بات سے کہ طبیعت کی فرمانبرداری عقل کے لئے بڑی خوبی کی بات ہے اس کے لئے۔ اور اس کی طبیعت سرکش ہوتی ہے، کبھی ماتحتی کرتی ہے اور کبھی نہیں کرتی، پس وہ مشق کا محتاج ہوتا ہے، پس وہ ارادہ کرتا ہے کسی وشوار عمل کا، جیسے روزہ۔ پس وہ مکلف بناتا ہے اپنی طبیعت کو، اور سر لیتا ہے وہ عہد و پیمان کے پورا کرنے کو، پھر اور پھر (یعنی وقت و وقت سے یہ عمل کرے) یہاں تک کہ مطلوبہ مقصد حاصل ہو جائے۔

اور کبھی سرزد ہوتا ہے آدمی سے کوئی گناہ، پس وہ سر لیتا ہے اتنے زیادہ دنوں کے روزوں کو جو اس پر شاق ہوں گناہ کے مقابلہ میں تاکہ وہ روزہ اس کو اس طرح کے گناہ سے۔

اور کبھی اس کا نفس مشتاق ہوتا ہے عورتوں کا اور نہیں پاتا وہ استطاعت اور ڈرتا ہے وہ زنا سے، پس توڑتا ہے وہ

شہوت کو روزے کے ذریعہ اور یہی ارشاد نبوی ہے: ”پس روزہ یقیناً اس کے لئے آنکھلی (خاص ہونا) ہے“



روزوں کے فوائد

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے روزوں کے چھ فوائد ذکر فرمائے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ: روزہ بہت بڑی نیکی ہے۔ اس سے ملکیت کو تقویت ملتی ہے اور بیکمیت کمزور پڑتی ہے اور روح کے چہرہ پر پالش کرنے کے لئے اور طبعیت کو مغلوب کرنے کے لئے روزوں سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور روزوں کا بہت بڑی نیکی ہونا۔ روح ذیل متفق علیہ حدیث قدسی سے واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

”انسان کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے، نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مگر روزہ (اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہے) پس بیشک وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ آدمی اپنی خواہش اور اپنا کھانا میری وجہ سے چھوڑتا ہے، روزہ وار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی اس کے انتظار کے وقت اور دوسری خوشی:

اس کے اپنے رب سے ملنے کے وقت الخ (مشکوٰۃ کتاب الصوم، حدیث نمبر ۱۹۵۹)

روزہ میرے لئے ہے: یعنی ہر عمل میں ریا کا احتمال ہے، مگر روزہ چونکہ ایک مخفی چیز ہے اس لئے اس میں ریا کا احتمال نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔ روزہ خالص اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے اور وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے ثواب کا اندازہ فرشتوں کو بھی نہیں ہوتا۔ نہ وہ نیکی کے اجر کو بڑھانے کے معروف ضابطہ کے تحت آتا ہے۔ اس کا اجر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی جو یز فرمائیں گے اور جب بندے کی اللہ کے حضور میں پیشی ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کے روزوں کا ثواب ڈکیر کریں گے تو بندہ خوش خوش ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ: روزوں سے جس قدر بیکمیت کا ہیجان گھٹتا ہے اسی قدر گناہ معاف ہوتے ہیں۔ متفق علیہ روایت میں ہے: ﴿مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ احْسَابًا عَفَّرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ﴾ (جو شخص ماہ رمضان کے روزے رکھے بحالت ایمان اور بامید ثواب تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں) یہی تاثیر اور خصوصیت تراویح اور شب قدر کے نوافل کی بھی اسی حدیث میں مروی ہے۔

تیسرا فائدہ: روزوں کی وجہ سے انسان میں اور فرشتوں میں نہایت گہری مشابہت پیدا ہوتی ہے اور جب موافقت اور ہم آہنگی ہوتی ہے تو فرشتے روزہ دار سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ غرض بیکمیت کے کمزور پڑنے کے بعد روزہ دار فرشتوں کی محبت کا مرکز بن جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”روزہ دار کے منہ کی بو (جو غلوٰۃ معدہ سے پیدا ہوتی ہے) اللہ

کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے“ (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۱۹۵۹) اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، ملائکہ بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔

چوتھا فائدہ: نیک بختی حاصل کرنے میں ریت رواج کا پردہ (حجاب دنیا) بھی حائل ہوتا ہے (تفصیل بحث چہارم کے باب ششم میں گذر چکی ہے) مگر جب روزے پورے اہتمام اور پابندی کے ساتھ رکھے جاتے ہیں اور وہ ایک مسلمہ طریقہ بن جاتے ہیں تو بہت سی رواجی برائیاں سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ وہ بیہودہ اور فحش باتیں نہ کہے اور شور و شغب نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ کرے یا جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے“ (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۱۹۵۹)

پانچواں فائدہ: جب کوئی جماعت جماعتی حیثیت سے روزوں کا اہتمام کرتی ہے تو اس جماعت کے سرکش و نجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں (یہ متفق علیہ حدیث کا مضمون ہے، مشکوٰۃ، کتاب الصوم، حدیث نمبر ۱۹۵۶)

فائدہ: ماہ رمضان میں چونکہ اللہ کے نیک بندے طاعات و حسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں اس لئے ان کی برکات سے عام مومنین بھی رمضان میں عبادات کی طرف زیادہ راغب ہو جاتے ہیں پھر اس ماہ میں عمل کی قیمت بھی بڑھادی جاتی ہے اس لئے بھی لوگ جنت والے اعمال میں مشغول ہو جاتے ہیں اس لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور عام لوگ بھی بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور جہنم والے اعمال سے دست بردار ہو جاتے ہیں اس لئے جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور نیکی اور عبادت کی اس عام نفع سے وہ تمام طبائع متاثر ہوتی ہیں جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے شیاطین الانس والجن ان کو بہکانے اور گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں یعنی بیڑیوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ غرض ان تینوں باتوں کا تعلق اُن اہل ایمان سے ہے جو ماہ مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ کفار، خدا ناپسند، خدا فراموش اور غفلت شعار لوگوں سے، جو رمضان کی برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے، ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں۔

چھٹا فائدہ: روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث قدسی ﴿المصوم لی وانا أنجزی بہ﴾ میں معروف قراءت تو أنجزی (فعل مضارع معروف، صیغہ واحد متکلم) ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب وہ ہے جو پہلے فائدہ میں گذرا اور یہی صحیح قراءت ہے جس کی سیاق و سباق سے تائید ہوتی ہے۔ اور بعض لوگ اس کو أنجزی (فعل مضارع مجہول، صیغہ واحد متکلم) پڑھتے ہیں۔ صوفیا کے یہاں یہ قراءت معروف ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ: ”روزے کے بدلہ میں، میں دیا جاتا ہوں“، یعنی خود اللہ تعالیٰ روزے دار کو مل جاتے ہیں۔ یہی وصل مع اللہ ہے۔

اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص بہیمیت کو غلوب کرنے کے لئے اور نفس کی برائیاں دور کرنے کے لئے محنت کرتا ہے اور محنت کر کے نفس کو بچتی و مصطفیٰ کر لیتا ہے تو عالم مثال میں اس کا ہر عمل ایک پاکیزہ صورت اختیار کر لیتا ہے اور اہل اللہ میں سے جو نہایت پاکیزہ اور اونچے درجہ کے لوگ ہوتے ہیں وہ (اپنے) عمل کی اس مقدس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور عالم غیب سے ان کے علم میں ملک پہنچائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ان کا ادراک قوی ہو جاتا ہے اور وہ اس عمل کی پاکیزگی اور صفائی کے راستے سے اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہی مضمون حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ”روزہ میرے لئے ہے اور میں روزے کی جزاء دیا جاؤں گا“

والصوم حسنة عظيمة، يُقَوِّي الملكية وَيُضَعِّفُ البهيمية، ولا شئ مثله في صيفة وجه الروح وقهر الطبيعة، ولذلك قال الله تعالى: ﴿الصوم لى﴾؛ وأنا أجزى به ﴿﴾؛ ويكفر الخطايا بقدر ما اضمحل من سورة البهيمية؛ ويحصل به تشبه عظيم بالملاتكة، فيحسونه، ويكون متعلق الحب أكثر ضَعْف البهيمية، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿لخلاف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك﴾؛ وإذا جعل رسماً مشهوراً نفع عن غوائل الرسوم؛ وإذا التزمته أمة من الأمم سلسلت شياطينها، وفُتحت أبواب جناتها، وغُلقت أبواب النيران عليها؛ والإنسان إذا سعى في قهر النفس وإزالة رذائلها، كانت لعمله صورة تقديسية في المثال، ومن أذكى العارفين من يتوجه إلى هذه الصورة، فيَمُدُّ من الغيب في علمه، فيصل إلى الذات من قبل التنزيه والتقديس، وهو معنى قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿الصوم لى وأنا أجزى به﴾.

ترجمہ: (۱) اور روزہ ایک بہت بڑی نیکی ہے، وہ ملکیت کو قوی کرتا ہے اور بہیمیت کو ضعیف کرتا ہے۔ اور کوئی چیز نہیں ہے اس کے مانند روح کے چہرے کو پالش کرنے میں اور طبعیت کو مغلوب کرنے میں، اور اسی وجہ سے اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا“ (۲) اور روزہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔ بہیمیت کے جوش کے متضلل ہونے کے بعد (۳) اور روزوں کی وجہ سے بہت بڑی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے فرشتوں کے ساتھ۔ پس ملائکہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پس وہ شخص بہیمیت کے کمزور پڑنے کے بعد فرشتوں کی محبت کے جڑنے کی جگہ بن جاتا ہے اور وہی آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”معدہ کے خالی ہو جانے سے روزہ دار کے من میں پیدا ہونے والی بو، اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہے“ (۴) اور جب روزہ کو مشہور ریت بتالیا جائے تو وہ رواجی برائیاں میں نفع بخش ہو جاتا ہے (۵) اور جب امتوں میں سے کوئی امت روزوں کا التزام کرتی ہے تو اس کے سرگرم بیڑیوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں اور ان کی جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان کی دوزخ کے دروازے بھیڑ دیئے

جاتے ہیں (۶) اور جب انسان نفس کو مغلوب کرنے کی اور اس کے رد اہل کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے عمل کے لئے ایک مقدس صورت عالم مثال میں پیدا ہو جاتی ہے اور سترے عارفین (اہل اللہ) میں سے بعض روزہ رکھنے والے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پس ملک پہنچائی جاتی ہے عالم غیب سے ان کے علم میں۔ چنانچہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچ جاتے ہیں پاکیزگی اور بزرگی کی جانب سے اور یہی معنی ہیں آپ ﷺ کے ارشاد کے کہ: ”روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کے بدلہ میں جزاء کے طور پر دیا جاتا ہوں“

لغات: صَفَلَى (ن) صَفَلَا الشَّيْءُ: صاف کرنا، چمکانا، پالش کرنا، (اسم مفعول) جُؤِنَ کی جگہ، مرکز، یہ یکونہی خبر ہے، اسم ضمیر ہے جو صائم کی طرف لوٹتی ہے الاثر: بعد، فوراً کہا جاتا ہے خروج فی اثَرِهِ وہ اس کے بعد نکلا۔ اور علمی الاثر کے معنی ہیں فوراً۔



اعتکاف کا بیان

اعتکاف کے تعلق سے بھی لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: کہ لوگ وہ ہیں جو اعتکاف کے فوائد کا از خود ادراک کر کے، علی وجہ البصیرت اعتکاف کرتے ہیں اور اس کے ثمرات لوٹتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ جاتی ہے کہ ان کا دنیا کے جھمیلوں میں پھنسنا سخت مضرت ہے۔ ان کے دل و دماغ میں جو ہمہ وقت دنیاوی تصورات بھرے رہتے ہیں وہ ان کے لئے سخت مضرت رساں ہیں اور یہ بات بھی ان کی سمجھ میں اچھی طرح آ جاتی ہے کہ ان کے لئے نفع بخش چیز یہ ہے کہ وہ دنیوی جھمیلوں کو چھوڑ کر کسی مسجد میں گوشہ نشین ہو جائیں اور ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہیں۔ مگر حالات اس کی اجازت نہیں دیتے اور ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز پوری طرح حاصل نہ ہو سکتی ہو، اس کو بالکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہئے۔ بلکہ جس قدر حاصل کرنا ممکن ہو، اس کو نعمت سمجھنا چاہئے، چنانچہ شخص اپنی مشغولیت کے اوقات میں سے کچھ لحاظ فارغ کر لیتا ہے اور جس قدر اس کے مقدر میں ہوتا ہے اعتکاف کرتا ہے اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

دوسری قسم: ان لوگوں کی ہے جن کو اعتکاف کی اہمیت اور اس کے فوائد مخبر صادق (غیر مصلیٰ علیہ السلام) سے معلوم ہوتے ہیں اور ان کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ فوائد برحق ہیں۔ چنانچہ وہ بامید فوائد اعتکاف کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ تیسری قسم: عام لوگوں کی ہے جن سے زبردستی مجبور کر کے اعتکاف کرایا جاتا ہے، وہ کشاکش کشاکش اعتکاف کی طرف لائے جاتے ہیں، یہ لوگ بھی محروم نہیں رہتے۔ اگر دنیا میں ان کو اعتکاف کے فوائد حاصل نہیں بھی ہوتے تو وہ آخرت میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

وربما يتفطن الإنسان بضرر توغُّله في معاشه، وامتلاء حواسه مما يدخل عليه من خارج، وينفع التفرغ للعبادة في مسجد بُني للصلوة، فلا يمكنه إدامته ذلك، ومالا يدرك كُله لا يترك كُله، فيختطف من أحواله فُرصاً فيعتكف ما قُدِّر له؛ ويتلوه: المتَّقِي له من المنعبر الصادق بشهادة قلبه؛ والعامِّي المغلوب عليه، كمامر.

ترجمہ: اور کبھی انسان سمجھ لیتا ہے دنیا کمانے میں بہت زیادہ اٹھنا کھانے کے ضرر کو، اور اس کے حواس کے لبریز ہو جانے کے ضرر کو ان خیالات میں جو گھستے ہیں، اس کے دماغ میں، باہر سے۔ اور سمجھ لیتا ہے وہ عبادت کے لئے ہمہ تن فارغ ہو جانے کے نفع کو کسی ایسی مسجد میں جو نمازوں کے لئے بنائی گئی ہو (یعنی جس میں بیچ وقت پابندی سے نماز ہوتی ہو) پس نہیں ممکن ہوتا اس کے لئے یہ کام مسلسل کرنا (یعنی ہر وقت مسجد میں رہنا) اور جو چیز ساری حاصل نہ کی جاسکتی ہو اس کو بالکل چھوڑنا بھی نہیں چاہئے۔ چنانچہ وہ اچک لیتا ہے (یعنی نکال لیتا ہے) اپنے احوال میں سے چند لمحات کو اور اعتکاف کرتا ہے وہ اتنا جو اس کی قسمت میں ہوتا ہے۔ اور پوچھتا ہے اس کے وہ شخص جو اعتکاف کے فوائد حاصل کرنے والا ہے مجھ صادق سے، اپنے دل کی گواہی سے۔ اور (اس کے بعد) وہ عام مسلمان ہے جس سے زبردستی اعتکاف کروایا جاتا ہے، جیسا کہ گذرا۔

لغات:

تَوَعَّلَ فِي الْبِلَادِ: جانا اور دور تک جانا وَغَلَّ يَغْلُ وَغَوْلًا فِي الشَّيْءِ: داخل ہو کر چھپنا اور دور تک جانا۔۔۔ المتَّقِي (اس فاعل): تَلَقَّى الشَّيْءَ: استقبال کرنا۔۔۔ المغلوب عليه: ہار ہوا، مجبور کیا ہوا۔



اعتکاف کے فوائد

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اعتکاف کے دو فوائد ذکر فرمائے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ: مختلف زبان کے گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی روزہ تو رکھ لیتا ہے یعنی مفطراتِ شام سے تو رک جاتا ہے مگر وہ آزار دہ کر زبان کو برائی سے نہیں بچا پاتا۔ پس اس کا بہترین علاج اعتکاف ہے۔ اعتکاف میں آدمی ہر طرف سے یکسو اور سب سے منقطع ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے وہ ہر قسم کے گناہوں سے اور فضول باتوں سے بچا رہتا ہے۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ: ”وہ (اعتکاف کی وجہ سے اور مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے (مکتوۃ باب الاعتکاف، حدیث نمبر ۲۱۰۸)“

دوسرا فائدہ: شب قدر کی تلاش کرنا: شب قدر رمضان شریف میں دائر ہے اور اکثر عشرہ اخیرہ میں آتی ہے۔ انسان کبھی شب قدر کا تلاشی ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس رات میں عبادتیں کر کے ملائکہ کی لڑی میں منسلک ہو جائے۔ مگر گھر میں رہ کر راتوں میں جاگنا مشکل ہوتا ہے، پس اس کی بہترین تدبیر اعتکاف کرنا ہے۔ مختلف مسجد میں اگر سوئے گا بھی تو وہ عبادت شمار ہوگی اور اسے مفت میں شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ اوپر پہلے فائدہ میں جو حدیث ذکر گئی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ: ”مختلف کے لئے وہ سب نیکیاں جاری رکھی جاتی ہیں جو نیکیاں کرنے والا کرتا ہے“..... اور شب قدر کا تفصیلی بیان کتاب کی قسم دوم میں ابواب الصوم کے آخر میں آئے گا۔

وَرَبِّمَا يَصُومُ وَلَا يَسْتَطِيعُ تَنْزِيَةَ لِسَانِهِ إِلَّا بِالْاِعْتِكَافِ؛ وَرَبِّمَا يَطْلُبُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَاللَّصُوقِ بِالْمَلَائِكَةِ فِيهَا، فَلَا يَتِمُّكَ مِنْهَا إِلَّا بِالْاِعْتِكَافِ؛ وَسَيَأْتِيكَ مَعِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور کبھی آدمی روزہ رکھتا ہے اور اپنی زبان کی حفاظت نہیں کر سکتا ہے مگر اعتکاف کے ذریعہ۔ اور کبھی آدمی شب قدر کو تلاش کرتا ہے اور اس رات میں (عبادت کر کے) ملائکہ کے ساتھ ملنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ پس نہیں قادر ہوتا وہ شب قدر (کو پانے) پر مگر اعتکاف کے ذریعہ۔ اور عنقریب آئیں گے تیرے پاس شب قدر کے معنی۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

باب — ۱۲

حج کی حکمتوں کا بیان

لفظ حج کے لغوی معنی ہیں: کسی جگہ کا ارادہ کرنا۔ زیارت اور یا ترمبادل الفاظ ہیں اور اصطلاح میں حج ایک معروف عبادت ہے جو اسلام کے پانچ ارکان میں سے آخری رکن ہے۔

حج کی حقیقت کیا ہے؟

حج درحقیقت مخصوص وقت میں اور مخصوص جگہ میں نیک لوگوں کی بہت بڑی جماعت کے اکٹھا ہونے کا نام ہے۔ اور وہ وقت ایسا ہونا چاہئے جس میں ان حضرات کی یا تو تازہ ہوجن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضل و کرم فرمایا ہے یعنی انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی زندگیاں یاد آئیں۔ اور وہ جگہ ایسی ہونی چاہئے کہ اس میں دین کی واضح نشانیاں ہوں، جہاں اکابر دین کی جماعتیں آتی رہی ہوں، وہ دین کی یادگاروں کی تعظیم کرتے رہے ہوں، وہاں وہ اللہ کے

سامنے گزر گزرتے رہے ہوں، اللہ سے خیر کی امید باندھ کر اور گناہوں کی معافی کی آرزو کرے کہ وہاں حاضر ہوتے رہے ہوں۔ جب ایسے زمانہ میں اور ایسی جگہ میں نیک لوگ بڑی تعداد میں اکٹھا ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تادم کرتے ہیں تو ضرور رحمت خداوندی اور مغفرت الہی نازل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ”شیطان عرفہ کے دن میں جس قدر ذلیل، دھسکا را ہوا، حقیر اور غضبناک نظر آتا ہے اتنا کسی اور دن میں نظر نہیں آتا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ رحمت الہی کا نزول اور اللہ تعالیٰ کا بڑے بڑے گناہوں سے درگزر کرنا دیکھتا ہے الخ“ (مشکوٰۃ کتاب المناسک، باب الوقوف عرفہ، حدیث نمبر ۲۶۰۰)

﴿باب أسرار الحج﴾

اعلم أن حقيقة الحج: اجتماعُ جماعةٍ عظيمةٍ من الصالحين: في زمانٍ يُذكرُ حالُ المنعم عليهم من الأنبياء والصديقين والشهداء والصالحين، ومكانٍ فيه آياتٌ بينات، قد قصدته جماعاتٌ من أئمة الدين، معظمين لشعائر الله، متضرعين، راغبين وراجين من الله الخير، وتكفير الخطايا، فإن ألهمهم إذا اجتمعت بهذه الكيفية لا يتخلف عنها نزولُ الرحمة والمغفرة، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿ما رُئي الشيطانُ يوماً هو فيه أصغر، ولا أذخر، ولا أخقر، ولا أغيط منه في يوم عرفه﴾ الحديث.

ترجمہ: حج کے رموز کا بیان: جان لیں کہ حج کی حقیقت: نیک لوگوں کی بہت بڑی جماعت کا اکٹھا ہونا ہے، کسی ایسے زمانہ میں جو یاد دلائے ان لوگوں کی حالت کو جن پر انعام کیا گیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ: اور کسی ایسی جگہ میں جس میں کھلی نشانیاں ہوں، جس کا قصد کیا ہوا کہ پر دین کی مختلف جماعتوں نے، شعائر اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے، گزر گزرتے ہوئے، رغبت کرتے ہوئے، اللہ سے بھلائی کی اور گناہوں کی معافی کی امید رکھتے ہوئے۔ پس بیشک کامل توجہات جب اکٹھا ہو جاتی ہیں اس کیفیت کے ساتھ تو پیچھے نہیں رہتا ان سے مہربانی اور بخشش کا اثر آتا اور اس کا تذکرہ اس ارشاد نبوی میں ہے کہ: ”نہیں دیکھا گیا شیطان کسی دن، جس میں وہ نہایت ذلیل، نہایت دھسکا را ہوا، نہایت حقیر اور نہایت غضبناک ہو، اس سے عرفہ کے دن میں“ حدیث آخر تک پڑھیے۔

ترکیب: جملہ نیکو محفت ہے زمانہ کی..... معظمین وغیرہ احوال میں جماعات کے۔



حج ہر ملت میں ہے

کچھ بے دین لوگ سوچتے ہیں کہ دن میں کتنا بڑا سرمایہ برباد ہوتا ہے؟ اور کتنا وقت کا ہرج ہوتا ہے؟ آخر حج کا مقصد

کیا ہے؟ اللہ کی عبادت تو ہر جگہ سے کی جاسکتی ہے؟ یہ دنیا کے تمام لوگوں کا دور دراز کا سفر کر کے ایک جگہ اکٹھا ہونا آخر کیوں ضروری ہے؟

شاہ صاحب رحمہ اللہ اس سوال مقدّر کا جواب دیتے ہیں کہ حج کی اصل تو برکت میں موجود ہے، تمام قوموں میں یا تراؤں اور میلوں ٹھیلوں کا رواج ہے، اسلام میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے لئے تعین چیزیں ضروری ہیں:

۱۔ کوئی ایسی جگہ ہونی ضروری ہے جس سے لوگ برکت حاصل کریں۔ اور وہ جگہ متبرک اس لئے قرار پائی ہو کہ لوگوں نے وہاں اللہ کی نشانیوں کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھا ہو۔

۲۔ لوگوں کے لئے قربانیاں بھی ضروری ہیں یعنی ویسے طریقے ہونے ضروری ہیں جن سے لوگ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں، خواہ وہ جانور کی قربانی ہو یا کوئی اور عمل ہو۔

۳۔ ایسی شکلیں بھی ضروری ہیں جو اکابر ملت سے مروی ہوں، جیسے احرام کا مخصوص لباس، سنی اور ربی ہمارے شکلیں تاکہ لوگ ان کا التزام کریں۔ ان مخصوص شکلوں سے مقرنین کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان اکابر کے احوال یاد آتے ہیں۔ انہی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام حج ہے، جس کا رواج ہر قوم میں ہے، اسلام میں یہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔

وَأَصْلُ الْحَجِّ مَوْحُوذٌ فِي كُلِّ أُمَّةٍ، لِابْدِلِهِمْ مِنْ مَوْضِعٍ يَتَرَكُونَ بِهِ، لِمَا رَأَوْا مِنْ ظُهُورِ آيَاتِ اللَّهِ فِيهِ، وَمِنْ قُرَابِينَ، وَهِيَئَاتٍ مَانُورَةٍ عَنْ أَسْلَافِهِمْ، يَلْتَمِزُونَهَا، لِأَنَّهَا تَذَكِّرُ الْمُقَرَّبِينَ وَمَا كَانُوا أَقْبَاهُ.

ترجمہ: اور حج کی اصل ہر امت میں موجود ہے، لوگوں کے لئے کوئی ایسی جگہ ہونی ضروری ہے جس سے وہ برکت حاصل کریں، بایں وجہ کہ دیکھی ہے انھوں نے اس جگہ میں اللہ کی نشانیوں کو نمودار ہوتے ہوئے اور ضروری ہیں قربانیاں اور ایسی شکلیں جو ان کے اکابر سے منقول ہوں، جن کا وہ التزام کریں۔ اس لئے کہ وہ شکلیں مقرنین کی یاد تازہ کرتی ہیں اور وہ احوال یاد دلاتی ہیں جن میں وہ اکابر تھے۔

لغات: لِمَا میں ما مصدر پر ہے..... من قُرَابِينَ کا عطف باعادة جار من مَوْضِعٍ پر ہے..... قُرَابِينَ جمع ہے قُرْبَان کی قربان: ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے، خواہ وہ جانور کی قربانی ہو یا کوئی اور چیز ہو۔



حج بیت اللہ ہی کا برحق ہے

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حج اور یا ترا کے لئے مکہ ہی جانا کیوں ضروری ہے؟ اپنے ملک میں ایسی زیارت گاہیں

کیوں نہیں بنائی جاتی جہاں کاج کر لیا جائے؟ جیسے شیعوں نے ہر ملک میں کر بلا اور امام باڑہ بنالیا ہے اور غایت درجہ جابلوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ سات باراجیر والے خواجہ کی زیارت ایک حج کے برابر ہے۔ اور خیال ہی نہیں، وہ اس پر عمل پیرا بھی ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ اس سوال مقدر کا بھی جواب دیتے ہیں کہ حج بیت اللہ ہی کا برحق ہے۔ کیونکہ اس میں واضح نشانیاں ہیں۔ ایک نشانی تو حجر اسود ہے جو جنت سے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اتارا گیا ہے، جو پہلے کعبہ شریف کے اندر رکھا ہوا تھا۔ پھر اسلام سے بہت پہلے، حوادث سے بچانے کے لئے، کعبہ شریف کے ایک کونہ میں اس کو جڑ دیا گیا ہے۔ اس پتھر کی یہاں موجودگی یہ بات یاد دلاتی ہے کہ یہاں انسانیت کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے قدم مبارک آئے ہیں اور انھوں نے اس گھر کاج کیا ہے۔

اور دوسری نشانی وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا اور جس پر آج بھی آپ کے قدموں کے نشان موجود ہیں جس کو ”مقام ابراہیم“ کہتے ہیں۔ یہ پتھر بھی پہلے کعبہ شریف کے اندر رکھا ہوا تھا اور اب کعبہ شریف سے باہر چند گز کے فاصلہ پر رکھا ہوا ہے۔ اس پتھر کی یہاں موجودگی بھی پتہ دے رہی ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدم آئے ہیں، گویا یہ بھی ایک تاریخی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاک ہاتھوں سے تعمیر ہوا ہے۔

بیت اللہ شریف کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بمعاضت حضرت اسماعیل علیہ السلام، طوفان نوح علیہ السلام کے بعد اللہ کے حکم سے اللہ کی وحی کے مطابق، ایک چٹیل و شوار گز ارض زمین میں از سر نو تعمیر کیا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی، عظمت اور جلالت شان کی گواہی دنیا کی اکثر اقوام دیتی ہیں۔ مسلمان اور یہود و نصاریٰ جو دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ ہیں ان کو اپنا جد امجد اور بڑا ماننے ہیں۔

غرض بیت اللہ کے علاوہ کوئی بھی مقام ایسا نہیں ہے جس کا کاج کیا جائے۔ دیگر جگہیں جن کی لوگ زیارت کرتے ہیں ان میں یا تو شرک کیا جاتا ہے جیسے اجیر شریف میں۔ میں نے کچھ خود وہاں مسلمانوں کو قبر کا سجدہ کرتے، طواف کرتے، استد او کرتے اور مرادیں مانگتے دیکھا ہے۔ یا پھر وہ جگہیں محض من گھڑت ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں، جیسے ہندوؤں کی تیرتھ گاہیں جن کی یا تزا کے لئے ہندو جاتے ہیں یہ سب من گھڑت ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کا بھی اصل مذہب اسلام ہے اور اس کا قبلہ کعبہ شریف ہے اور اس کی واضح نشانی یہ ہے کہ تمام بڑے مندر قبلہ رخ بنے ہوئے ہیں یعنی ان کا دروازہ مسجد کی طرح مشرق کی جانب ہے اور بت شرب کی جانب محراب کی جگہ میں نصب کیا گیا ہے یہ اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ یہ منادر حقیقت مساجد ہیں، ورنہ ہندو بتائیں کہ آخر اس طرح مندر بنانے کی کیا وجہ ہے؟ اور جب اس ملک کا مذہب بھی اسلام تھا تو ان کی زیارت گاہیں بھی یقیناً کعبہ شریف اور اس کے پاس کے مقامات ہیں اور یہاں جو

تیرھ گائیں بنائی گئی ہیں، وہ سب محض فرضی اور من گھڑت ہیں۔

وَأَحَقُّ مَا يُحْتَجُّ إِلَيْهِ بَيْتُ اللَّهِ، فِيهِ آيَاتُ بَيْنَاتٍ، بَنَاهُ إِبْرَاهِيمُ - صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ - الْمَشْهُودُ لَهُ
بِالْخَبَرِ عَلَى السَّنَةِ أَكْثَرَ الْأَمَمِ، بِأَمْرِ اللَّهِ وَوَحْيِهِ، بَعْدَ أَنْ كَانَتْ الْأَرْضُ قَفْرًا وَغَرًّا، إِذْ لَيْسَ غَيْرُهُ
مَحْجُوجٌ إِلَّا فِيهِ إِشْرَاكٌ أَوْ اخْتِرَاعٌ مَالَا أَصْلَ لَهُ.

ترجمہ: اور سب سے زیادہ حقدارانِ جگہوں میں جن کا حج کیا جائے بیت اللہ ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں۔
اس کو ابراہیم — اللہ کی بے پایاں رحمتیں ہوں ان پر — نے تعمیر کیا ہے جن کے لئے بھلائی کی گواہی دی گئی ہے اکثر
اقوام کی زبانی (اُس گھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے) اللہ کے حکم سے اور اللہ کی وحی کے مطابق، اس کے
بعد کتنی سرزمین چٹیل دشوار گزار۔ کیونکہ بیت اللہ کے علاوہ کوئی حج کرنے کی جگہ نہیں ہے مگر درالحالیکہ اس میں شریک
ظہرانا ہے یا ایسی چیز کو گھڑنا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔

لغات: القفسر: أرض خالية، لاماء بها: چٹیل زمین الوعر: دشوار گزار راستوں والی سرزمین
المحجوج: حج کرنے کی جگہ۔



حج کے مقاصد

حج مختلف مقاصد سے ضروری ہوا ہے۔ ذیل میں حج کے چار مقاصد ذکر کئے جاتے ہیں:

پہلا مقصد: حج سامانِ تطہیر ہے — حج آدمی کو گناہوں سے توبہ پاک صاف کرتا ہے اس کے باطن کو بھی پاکیزہ
بنادیتا ہے۔ کیونکہ باطن کی پاک کی اسباب میں سے ایک اہم سبب ایسی جگہوں میں پہنچنا ہے جن کی نیک لوگ ہمیشہ تعظیم
کرتے رہے ہوں، وہاں پہنچتے رہے ہوں اور ذکر اللہ سے ان جگہوں کو آباد کرتے رہے ہوں۔ ایسی باہر کی جگہوں میں
پہنچ کر آدمی زمینی فرشتوں کی کامل توجہات کا مرکز بن جاتا ہے اور اہل خیر کے لئے مالا علی (آسمانی فرشتوں) کی عمومی
دعاؤں کا رخ بھی اس کی طرف مڑ جاتا ہے۔ ایسی جگہوں میں پہنچنے پر آدمی پر ملکوتی انوار چھا جاتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ
اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تو شہم خواد انوار کا مشاہدہ کیا ہے۔ غرض اس طرح آدمی کا باطن بھی پاک و صاف ہو جاتا ہے۔
دوسرا مقصد: حج ذکر الہی ہے — دین کی یادگاروں کو دیکھنا اور ان کی تعظیم کرنا بذاتِ خود اللہ کا ذکر ہے، کیونکہ
جب شعائر الہیہ نظر پڑتے ہیں تو خود بخود اللہ تعالیٰ یاد آ جاتے ہیں جس طرح ملزم کو دم کو دیکھ کر لازم یاد آ جاتا ہے، سورج کو
دیکھ کر روشنی اور آگ کو دیکھ کر گرمی ذہن میں محض ہو جاتی ہے اسی طرح حبرک مقامات کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی

ہے۔ خاص طور پر جبکہ آدمی اپنی شکل و صورت بھی ایسی بنائے ہوئے ہو جس سے تعظیم بختی ہو اور ایسی شرائط و قیود کی پابندی کر رہا ہو جو نفس کو بہت زیادہ چوکنا کرنے والی اور غفلت و دور کرنے والی ہوں۔

تیسرا مقصد: حج و صل حبيب کی ایک شکل ہے۔ کبھی آدمی کے دل میں اللہ سے ملنے کا بے پناہ جذبہ بھرتا ہے، وہ شوقِ ملاقات میں تڑپتا ہے مگر عالمِ ناسوت میں وصال ممکن نہیں ہوتا تو اس کے جذبہ کی تسکین کے لئے کوئی ایسی چیز ضروری ہوتی ہے جس سے وہ دل بہلائے۔ ایسی چیز حج کی عبادت ہے اس کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے جذبہ کی تسکین کر سکے۔ اور حج باعث تسکین اس طرح ہے کہ جب محبوب سے ملنے کی دل میں تڑپ پیدا ہو اور ملاقات کی کوئی صورت نہ ہو تو دینار حبيب کے پھیرے لگانا، اس کی گلی کو چوں میں گھومنا بھی دل کو تسکین بخشتا ہے۔

چوتھا مقصد: حج قلمی شان و شکوہ اور باطنی تعارف کا ذریعہ ہے۔ ہر حکومت وقت و فقہ سے دربار عام منعقد کرتی ہے اور اس میں مملکت کے چیدہ لوگوں کو مدعو کرتی ہے۔ اور اجتماع کے مقاصد مثال کے طور پر درج ذیل ہوتے ہیں:

۱۔ خیر خواہیوں کو دھوکہ بازوں سے اور تابعداروں کو سرکشوں سے ممتاز کرنا، جو دعوت پر حاضر دربار ہو گئے وہ مخلص و تابعدار ہیں اور جو اجلاس میں غیر حاضر رہیں گے وہ مکار و سرکش ہیں۔

۲۔ بادشاہ اور حکومت کی شہرت کرنا اور ان کا آوازہ بلند کرنا۔

۳۔ باشندگانِ مملکت کا باہم ملنا اور ایک دوسرے سے متعارف ہونا۔

اسی طرح ملتِ اسلامیہ کے لئے حج کی ضرورت ہے۔ حج کے عالمگیر اجتماع میں مثال کے طور پر درج ذیل فوائد ہیں:

۱۔ مخلص اور منافق میں امتیاز کرنا، جو ایمان میں سچا ہوگا۔ وہ بدنی و مالی حیثیت سے جب بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہوگا تو ضرور حاضری دے گا اور جو ایمان کا دعوے دار یہ زحمت اٹھانے سے انکار کرے گا، گو عملاً ہی سہی، وہ دعوے محبت میں جھوٹا ہے۔

۲۔ دنیا جہاں کے لوگوں کے سامنے مسلمانوں کی تعداد کا آنا کہ وہ دنیا میں کتنے ہیں؟ اور کہاں رہتے ہیں؟ اور وہ اس طرح کہ جو لوگ ہر سال حج کے لئے آتے ہیں وہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہوتے۔ پس لوگ حایوں کی تعداد سے اندازہ کر لیں گے کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد کتنی ہو سکتی ہے اور وہ کہاں کہاں رہتے ہیں؟

۳۔ حج کے اجتماع میں دنیا کے بڑے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے تمدنی، سیاسی اور علمی مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا ہے، علوم و فنون اور خصوصی کمالات و امتیازات میں لوگ ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں اور کمالات حاصل کرنے کی یہی صورت ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں اور معلومات کا باہم تبادلہ کریں اور یہ بات انسان کے لئے تقریباً ناممکن ہے کہ وہ ساری دنیا کا سفر کرے اور ہر صاحبِ کمال سے کمال حاصل کرے۔ البتہ حج کا اجتماع ایک ایسا قدرتی اجتماع ہے جہاں پوری دنیا کے بڑے لوگوں سے بہ سہولت ملاقات ہو سکتی ہے اور مکہ میں اور مٹی

و عرفات کے میدانوں میں شاہ و گدا ایک ساتھ فرش خاک پر بیٹھ کر ایک دوسرے سے استفادہ بھی کر سکتے ہیں۔
نوٹ: آج کل حاجیوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے اور ہوائی سفر کی وجہ سے مدت قیام بہت ہی مختصر ہو گئی ہے، اس لئے افادہ اور استفادہ مشکل ہو گیا ہے۔

ومن باب الطهارة النفسانية الحلول بموضع لم يزل الصالحون يعظمونه، ويحلون فيه، ويعمرونه بذكر الله، فإن ذلك يجلب تعلقهم الملائكة السفلية، ويعطف عليه دعوة الملائكة الأعلى الكلية لأهل الخير، فإذا حل به غلب ألوانهم على نفسه، وقد شاهدت ذلك رأى عين.
ومن باب ذكر الله تعالى رؤية شعائره الله وتعظيمها، فإنها إذا رويت ذكر الله، كما يؤكّر الملوّم اللازم، لاسيما عند التزام هيناب تعظيمية، وفيود حدود تنبه النفس تنبيهها عظيمًا.
وربما يشناق الإنسان إلى ربه أشد شوق، فيحتاج إلى شيء يقضى به شوقه، فلا يجده إلا الحج. وكما أن الدولة تحتاج إلى عروضة بعد كل مدة، لتمييز الناصح من العاص، والمنقاد من المنمرد، وليرتفع الصيغ، وتعلو الكلمة، ويتعارف أهلها فيما بينهم، فكذلك الملة تحتاج إلى حج، لتمييز الموافق من المنافي، وليظهر دخول الناس في دين الله أفواجًا، وليرى بعضهم بعضًا فيستفيد كل واحد ما ليس عنده، إذ الرغائب إنما تكتسب بالمصاحبة والتراني.

ترجمہ: اور درون کی پاک کی باب سے ہے ایسی جگہ میں اترنا جس کی نیک لوگ برابر تعظیم کرتے رہے ہیں اور جس میں وہ اترتے رہے ہیں (یعنی زیارت کے لئے وہاں آتے رہے ہیں) اور جس کو ذکر اللہ سے آباد کرتے رہے ہیں۔ پس بیشک یہ چیز (یعنی ایسی جگہ میں زیارت کے لئے جانا) زمینی فرشتوں کی کامل تو جہات کا تعلق کھینچتی ہے اور اس پر اہل خیر کے لئے بالائی فرشتوں کی عمومی دعاؤں کا رخ موڑتی ہے۔ پس جب وہ شخص اس جگہ میں اترتا ہے تو اس کی ذات پر فرشتوں کے انوار چھا جاتے ہیں اور تحقیق مشاہدہ کیا ہے میں نے اس کا (یعنی ان انوار کا) اپنی سر کی آنکھوں سے۔

اور ذکر اللہ کے باب سے ہے شعائر اللہ کو دیکھنا اور ان کی تعظیم کرنا۔ اس لئے کہ جب شعائر اللہ نظر پڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یاد آ جاتے ہیں جس طرح طرزم، لازم کو یاد دلاتا ہے، خاص طور تعظیمی شکلوں کے التزام کی صورت میں اور ایسی حد و حدود کی پابندی کرنے کی صورت میں جو نفس کو بہت زیادہ چوکنا کرتی ہوں۔

اور کبھی انسان مشتاق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی طرف بے حد مشتاق ہونا۔ پس اس کے لئے ضروری ہوتی ہے کوئی ایسی چیز جس کے ذریعے وہ اپنا شوق پورا کرے۔ پس نہیں پاتا وہ اس کو بجز حج کے۔

اور جس طرح یہ بات ہے کہ گورنمنٹ محتاج ہوتی ہے ایک عرصہ کے بعد دربار عام منعقد کرنے کی طرف۔ تاکہ خیر خواہ

دھوکہ باز سے، اور تا بعد اس سرکش سے ممتاز ہو جائے اور تا کہ شہرت پھیلے اور آوازہ بلند ہو اور مملکت کے باشندوں کا باہمی تعارف ہو، پس اسی طرح ملت بھی محتاج ہے حج کی طرف، تا کہ مخلص، منافق سے ممتاز ہو جائے اور تا کہ ظاہر ہو لوگوں کا داخل ہونا اللہ کے دین میں گروہ گروہ اور تا کہ بعض، بعض کو دیکھیں (یعنی ملاقات کریں) پس حاصل کرے ہر ایک وہ بات جو اس کو حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ رفتیں رفاقت سے اور ایک دوسرے کی ملاقات ہی سے حاصل کی جاتی ہیں۔

لغات:

من باب البع خبر مقدم ہے اور الحلول اور رؤیة مبتدا مؤخر ہیں خلّ (ن بش) خللاً وخلوً المكان وبالمكان: نازل ہونا، اترنا ینجلب اور ینطفک کا فاعل ضمیر ہے جو ذلک کی طرف عائد ہے۔ رآی عین منصوب بزعم خافض ہے ای کو ای عین عروضة: عجیب الغاش: دھوکہ باز الصیت: شہرت تراءى نواء یا: ایک دوسرے کو دیکھنا۔ لیظہر دخول الناس کا مطلب وہ ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی بے پناہ تعداد کا اندازہ حج سے ہو جائے گا۔



حج کے فوائد

اب ذیل میں حج کے تین اہم فائدے ذکر کئے جاتے ہیں:

پہلا فائدہ: حج رواجی برائیوں سے بچاتا ہے — بمثل رابع کے باب ششم میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ ظہور فطرت کے لئے تین چیزیں مانے جاتی ہیں، ان میں سے ایک حجاب رسم ہے یعنی آدمی رواج کے چکر میں کچھ اس طرح پھنسا رہتا ہے کہ وہ کمال نوعی تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر حج کو ایک مشہور ریت مان لیا جائے اور ہر شخص ہمہ وقت حج کے لئے فکر مند رہے تو وہ رسوم کی آفتوں سے بچ جاتا ہے۔ فضول خرچی نہیں کرتا۔ شادی بیاہ میں پیسہ نہیں اڑاتا۔ عیش و عشرت میں دولت پر ہانپ نہیں کرتا۔ ہر وقت اس پر حج کے لئے رقم پس انداز کرنے کی فکر سوار رہتی ہے اس لئے وہ بہت سی رواجی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ اور جب زندگی گزارنے کا ایک نفع بن جاتا ہے تو وہ حج کے بعد بھی رسوم میں پیسہ بر ہانپ نہیں کرتا۔

دوسرا فائدہ: حج اکابر ملت کے احوال یاد دلاتا ہے اور ان کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے — ملت اسلامیہ کے اکابر سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل اور سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجمعین ہیں۔ یہ حضرات امت اسلامیہ کے لئے اسوہ ہیں۔ حج میں ان بزرگوں کے احوال کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان کی پیروی کا جذبہ ابھرتا

ہے۔ حرمین میں پہنچ کر حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اور آپ کی تریسٹھ سالہ زندگی کے شب و روز نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور شدت سے یہ جذبہ دل میں ابھرتا ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی ہی میں دونوں جہان کی سعادت مضمر ہے۔

قیمہ افادہ: حج مبرور سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ چونکہ حج کے لئے دو روز کا سفر کرنا پڑتا ہے، بڑی رقم خرچ کرنی پڑتی ہے اور طرح طرح کی مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے، اس لئے اگر انسان خالص اللہ تعالیٰ کے لئے حج کرے اور تمام داب کی رعایت کے ساتھ کرے تو حج سے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ متفق علیہ روایت میں ہے کہ: 'جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے حج کرے پس نہ تو رقت (زن و شو کی بات) کرے اور نہ کوئی اور گناہ کرے تو وہ حج سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے گا جیسا وہ اس دن تھا جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا' (مشکوٰۃ و کتاب المناکب، حدیث نمبر ۲۵۰) دوسری حدیث میں ہے کہ اسلام، ہجرت اور حج میں سے ہر ایک سابقہ تمام گناہوں کو ڈھا دیتے ہیں (یہ خلاصہ حدیث ہے اور روایت ترغیب منبری (۱۶۳:۲) میں ہے)

غرض حج کفارہ سینات ہونے میں ایمان اور ہجرت کی طرح ہے۔ ایمان قبول کرنا بھی معمولی عمل نہیں ہے، بڑے دل گردے کا کام ہے، نو مسلموں کو ایمان لانے کے بعدزہرہ گداز غنیمتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی حال ہجرت کا ہے۔ اعزاء و اقرباء، مال و دولت اور وطن کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ یہ کوئی معمولی حوصلہ کا کام نہیں ہے۔ اس لئے تینوں اعمال کا صلہ یہ ہے کہ وہ سابقہ تمام گناہوں کو ڈھا دیتے ہیں۔

وَإِذَا جُعِلَ الْحَجُّ رِسْمًا مَشْهُورًا نَفَعَ عَنْ غَوَائِلِ الْوَسْوَاسِ؛ وَلَا شَيْءٌ مِثْلُهُ فِي تَذَكُّرِ الْحَالَةِ الَّتِي كَانَتْ فِيهَا أَنْسَمَةُ السَّلْمَةِ، وَالتَّحْضِيضُ عَلَى الْأَخْذِ بِهَا؛ وَلَمَّا كَانَ الْحَجُّ سَفَرًا شَاسِعًا، وَعَمَلًا شَاقًّا، لَا يَنْبَغُ إِلَّا بِجَهْدِ الْأَنْفُسِ، كَانَ مِبَاشَرَتَهُ خَالِصًا لِلَّهِ، مَكْفَرًا لِلْخَطَايَا، هَادِمًا لِمَا قَبْلَهُ، بِمَنْزِلَةِ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: اور جب حج کو مشہور ریت بنالیا جائے (یعنی ہر شخص حج کے لئے فکر مند رہے) تو وہ رسوم کی آفتوں سے بچاتا ہے۔ اور کوئی چیز نہیں ہے حج جیسی اُس حالت کو یا دلانے میں جس میں ملت کے اکابر تھے اور اس حالت کے اختیار کرنے پر ہمارے میں۔ اور جب حج دو روز کا سفر تھا اور ایک ایسا دشوار کام تھا جو پورا نہیں ہو سکتا، مگر جانوں کو مشقت میں ڈال کر، تو ہو گیا حج کرنا، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے، کوتاہیوں کو مٹانے والا اور سابقہ گناہوں کو ڈھانے والا، جیسے ایمان لانا۔



باب — ۱۳

نیکی کے مختلف کاموں کی حکمتیں

دور سے نیکی کے کاموں کے اسرار و رموز کا بیان چل رہا ہے۔ اسی سلسلہ کا یہ آخری باب ہے۔ اس باب میں چھ متفرق نیکی کے کاموں کی حکمتیں بیان کی جا رہی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

① ذکر اللہ کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی نیکی ہے۔ حدیث شریف میں ذکر اللہ کو سب سے اچھا نیک کام بتایا گیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو وہ عمل بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال میں بہتر اور تمہارے بادشاہ کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے اور تمہارے درجوں کو دوسرے تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور راہ خدا میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں خیر ہے اور اس جہاد سے بھی زیادہ تمہارے لئے اس میں خیر ہے جس میں تم اپنے دشمنوں سے بھڑو، پھر تم ان کی گرونیں مارو اور وہ تمہاری گرونیں ماریں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! (یعنی ضرور ہمیں ایسا قیمتی عمل بتائیے؟) آپ نے فرمایا: وہ اللہ کا ذکر ہے (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ، حدیث نمبر ۲۲۶۹)

اور ذکر اللہ میں چار فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: اللہ کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ جب ذکر کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے۔ ذکر اور مذکور کے درمیان کے تمام حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں۔ اور اس کو وصل مع اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ: اللہ کا ذکر اللہ کے معاملہ میں بدنی کا بہترین علاج ہے۔ جن لوگوں کو اللہ کے معاملہ میں شکوک و شبہات رہتے ہیں، وہ لوگ اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تو وہ وساوس خود بخود کافور ہو جائیں گے۔ اسی طرح جو دانش مند محض سوچتے ہیں اور ذکر اللہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، وہ روز بروز شکوک کے دلدل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا بہترین علاج بھی ذکر اللہ ہے۔ وہ لوگ محبت کے ساتھ بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، ان شاء اللہ ان کے سب شبہات دور ہو جائیں گے۔

تیسرا فائدہ: حضور کی کیفیت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ذکر اللہ ہے۔ جب بندہ بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس کو نہایت یادداشت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا ہے، کسی حال میں وہ

اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔

چوتھا فائدہ: ذکر اللہ سے دل کی سختی دور ہوتی ہے۔ تساوت قلبی کو دور کرنے کے لئے ذکر اللہ سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ ارشاد پاک ہے: ”اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام (قرآن) نازل فرمایا ہے، جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی گئی ہے، جس سے اُن لوگوں کے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں“ (سورۃ الزمر آیت ۲۳)

اور حدیث شریف میں ہے کہ: ”اللہ کے ذکر کے علاوہ دیگر باتیں بہت زیادہ نہ کیا کرو، اس سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہے جس کے دل میں تساوت ہے“ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ حدیث نمبر ۶۲۷۶) اس حدیث میں ذکر اللہ کا استثناء اس لئے کیا گیا ہے کہ ذکر اللہ سے بجا۔ تساوت کے نرمی پیدا ہوتی ہے۔

اور ذکر اللہ دو شخصوں کے لئے تو خاص طور پر مفید ہے:

۱۔ اس شخص کے لئے جس کی قوتِ بھیمی فطری اور خلقی طور پر کمزور ہوتی ہے یا اس نے ریاضتوں کے ذریعہ اس کو کمزور کر لیا ہے۔

۲۔ اور اس شخص کے لئے جس کو فطری طور پر مجرد یعنی اللہ تعالیٰ اور محسوسات یعنی مادیات کے احکام میں خلط ملط کرنے کے خیالات نہیں آتے ہیں یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہے تو اس کے لئے بھی ذکر اللہ بے حد نافع ہے۔ مثلاً خیال آنا کہ جب ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ایسے خیالات اسی شخص کو آتے ہیں جو مجرد اور مادیات کے احکام میں فرق نہیں کرتا۔ مجرد پر بھی وہی احکام جاری کرتا ہے جو مادیات کے ہیں۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے اس کو اس قسم کے خیالات نہیں آتے، ایسے لوگوں کو ذکر اللہ سے بہت زیادہ نفع پہنچتا ہے۔

فائدہ: ذکر اللہ اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے نماز، تلاوت قرآن اور دعاء و استغفار وغیرہ سب کو شامل ہے۔ مگر اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل، توحید و تمجید، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفات کمال کے بیان اور دھیان کو ذکر اللہ کہا جاتا ہے۔

﴿باب أسرار أنواع من البر﴾

منها: الذکر، فإنه لاحجاب بينه وبين الله تعالى، ولا شيء مثله في علاج سوء المعرفة، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿أَلَا أُنبئكم بأفضل أعمالكم؟﴾ الحديث، وفي كَسْبِ الْمُحَاضَرَةِ وطردِ القسوة، لا سيما لمن طَعَفَتْ بِهِمِيَّتُهُ جَبَلَةً، أو طَعَفَتْ كَسْبًا، وَلِمَنْ سَكَتَ خِيَالُهُ جَبَلَةً عن خَلْطِ المَجْرَدِ بِأَحْكَامِ المَحْسُوسِ.

ترجمہ: نیکی کی متفرق اقسام کی حکمتوں کا بیان: ان اقسام میں سے ذکر اللہ ہے۔ پس بیشک شان یہ ہے کہ ذکر اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حائل نہیں ہے۔ اور ذکر جتنی کوئی چیز نہیں ہے بدعتیہ کی مانند مانج کے لئے اور وہ ارشاد نبوی ہے کہ: ”کیا نہ بتاؤں میں تم کو تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل؟“ حدیث آخر تک پڑھ جائے (اوپر یہ حدیث تفصیل سے بیان کی گئی ہے) اور (ذکر جیسی کوئی چیز نہیں ہے) حضوری کی کیفیت حاصل کرنے میں اور دل کی تپتی و در کرنے میں۔ خاص طور پر اس شخص کے لئے جس کی قوت بکلی فطری طور پر کمزور ہو۔ یا وہ عبادت شاقہ کرنے کی وجہ سے کمزور پڑ گئی ہو اور اس شخص کے لئے جس کے تصورات تھم گئے ہوں۔ فطری طور پر مجر و کوحسوس کے احکام کے ساتھ خلط ملط کرنے سے۔ لغات و ترکیب: منہا خبر مقدم ہے اور الذکوہ متداء مؤخر ہے آگے بھی یہی ترکیب ہے۔ المَحَاضِرَةُ (مصدر باب مفاعله) ایک دوسرے کے پاس حاضر ہونا، یہاں بمعنی حضوری جناب اللہ تعالیٰ ہے۔

۲) دعا کی حکمت

دعا کے لغوی معنی ہیں مانگنا، پکارنا، مدد طلب کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں اپنی تمام حاجات اپنے پروردگار سے مانگنا، انہی کو پکارنا اور انہی سے مدد طلب کرنا۔ اور دعا کے تین فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: دعا نسبت حضوری پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ دعا بھی درحقیقت ذکر اللہ ہے، اس لئے جس طرح کثرت ذکر سے نسبت یادداشت پیدا ہوتی ہے بکثرت دعا مانگنے سے بھی یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنی تمام حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگو، حتیٰ کہ چنبل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو اور تمک ختم ہو جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو (مشکوٰۃ، کتاب الدعوات حدیث نمبر ۵۲-۲۲۵۱)

دوسرا فائدہ: دعا مانگتے رہنے سے کامل تابعداری اور ہر حال میں پروردگار عالم کے سامنے حاجت مندی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے، اسی لئے حدیث شریف میں دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے (رواہ الترمذی مشکوٰۃ حدیث نمبر ۲۲۳۱)

انسان کا سب سے بڑا کمال عبدیت (ہندگی) ہے۔ اور عبادت کی حقیقت ہے: اللہ کے حضور میں خضوع و تذلل اور اپنی ہندگی اور محتاجی کا مظاہرہ کرنا اور دعا کا اول و آخر اپنی کامل عاجزی و بے بسی، سرپا محتاجی و ہندگی اور کامل اطاعت و انقیاد کا مظاہرہ ہے اس لئے دعا بلاشبہ عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور پیچیدہ دعا کرتے رہنے سے ہندگی کی یہ حقیقت نگاہوں کے سامنے رہتی ہے، کبھی او جھل نہیں ہوتی۔

تیسرا فائدہ: دعا اللہ تعالیٰ کی طرف طلب و توجہ کے ساتھ متوجہ ہونے کا پیکر محسوس ہے اور طلب ہی رحمت کا دروازہ کھولتی ہے۔ عدا داصل اُن دعا کی کلمات کی ہی کا نام نہیں ہے جو دعا کرنے والے کی زبان سے ادا ہوتے ہیں اُن الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دعا کا لباس، قالب اور پیکر محسوس کہا جاسکتا ہے۔ دعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب

اور تڑپ ہے اور وہ طلب ہی کا مہیا بنی کارا ہے، جیسے گرہ، مسکین صورت بنائے ہوئے کھانے والے کے قریب بیٹھ کر امید بھری نگاہوں سے بکٹی رہتی ہے تو خود بخود آدمی کے دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس کو بکڑا ڈالے۔ اسی طرح جب الفاظ دعا کے ساتھ نفس بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور دل میں طلب اور تڑپ ہو تو مقصود ضرور حاصل ہوتا ہے۔

ومنها : الدعاء فيانه يفتح بابا عظيما من المحاضرة، ويجعل الانقياد العام والاحتياج إلى رب العالمين في جميع الحالات بين عينيه، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿الدعاء مُخِ الْعِبَادَةِ﴾؛ وهو شَبَحُ تَوَجُّهِ النَّفْسِ إِلَى الْمَبْدَأِ بِصِفَةِ الطَّلَبِ، الَّذِي هُوَ السَّرُّ فِي جَلْبِ الشَّيْءِ الْمَدْعُو إِلَيْهِ.

ترجمہ: اور انواعِ بڑ میں سے دعا ہے۔ پس بیشک دعا نسبتِ حضوری کا بڑا دروازہ کھولتی ہے۔ اور کامل تابعداری کو اور ہر حال میں رب العالمین کے سامنے محتاج ہونے کو دونوں آنکھوں کے سامنے کرتی ہے اور وہ ارشادِ نبوی ہے کہ: ”دعا عبادت کا مغز (جوہر) ہے“ اور دعا مبدأ (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف طلب کی حالت کے ساتھ نفس کے متوجہ ہونے کا یکہ محسوس ہے اور طلب ہی وہ چیز ہے جو مانگی ہوئی چیز کو کھینچنے کا راز ہے۔



(۳) تلاوتِ قرآن اور نصیحتِ سننے کی حکمت

قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور وعظ و نصیحت سننا بھی اہم نیکی کا کام ہے اور تلاوت اور وعظ میں عام خاص من و وجہ کی نسبت ہے، کہیں دونوں جمع ہو جاتے ہیں، کہیں الگ ہو جاتے ہیں۔ جب آدمی سمجھ کر تلاوت کرے تو دونوں باتیں جمع ہوں گی۔ ورنہ محض تلاوت ہوگی اور کسی نیک آدمی کا وعظ سننا محض وعظ کا سننا ہے۔ اور تلاوت اور وعظ سننے کے دو اہم فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: جب آدمی بغور تلاوت کرتا ہے یا وعظ و نصیحت سنتا ہے اور اس کو دل میں اتارتا ہے تو اللہ کا ڈر اور اللہ سے امید اور عظمتِ الہی کے سامنے حیرانی طاری ہوتی ہے۔ نیز احساناتِ خداوندی جو قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں اور قدرت کی کرشمہ سازی جس کا یار بار تہ کرہ آتا ہے آدمی کا نفس ان مضامین میں ڈوب جاتا ہے اور خوابیدہ طبیعت جاگ اٹھتی ہے اور نفس میں سلوکِ انوار کے فیضان کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ دونوں باتیں موت کے بعد انسان کے لئے بے حد نفع بخش ثابت ہوتی ہیں اور قبر میں نکیرین کے سوالات کے صحیح جوابات دینے میں ان دونوں باتوں سے بڑی مدد ملتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: جو شخص فرشتوں کے سوالات کے صحیح جوابات نہیں دے گا، فرشتے اس سے کہیں گے کہ: ”تو نے نہ تو حق کو پہچانا اور نہ تو نے قرآن کریم کی تلاوت کی“ پھر تو صحیح جوابات

کیسے دے سکتا ہے؟ تجھے امتحان میں فیل ہونا تھا جو ہو گیا (یہ روایت بخاری شریف کتاب البیضاء میں ہے حدیث نمبر ۱۱۳۳۸)۔
(۱۳۷۲ء)

دوسرا فائدہ: اور تلاوت قرآن کا خاص طور پر فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے دل کا میل اور زنگ دور ہوتا ہے اور نفسِ مٹھی کیفیت سے پاک ہوتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ: ”ہر چیز کے لئے نشین (زنگ دور کرنے کا سامان) ہے اور دلوں کا نشین اللہ کا ذکر ہے“ (مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۲۲۸۶) اور قرآن کریم اعظم ذکر ہے پس تلاوت قرآن سے بھی دل کا زنگ دور ہوتا ہے۔

ومنها: تلاوة القرآن، واستماع المواعظ، فمن ألقى السمع إلى ذلك، ومكثه من نفسه، انصب بحالات الخوف والرجاء والحيرة في عظمة الله، والاستغراق في منة الله وغيرها، فينفع من حمود الطبيعة نفعاً بلياً، ويعد النفس لقيضان ألوان ما فوقها، ولذلك كان أنفع شيء في المعاد، وهو قول المَلَكِ للمقبور: "لا ذَرْبَ؟ ولا تَلَيْتَ؟" وفي القرآن تطهيرٌ للنفس عن الهيئات السفلية، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: ﴿لِكُلِّ شَيْءٍ مَضْفَلَةٌ، وَمَضْفَلَةُ الْقَلْبِ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ﴾.

ترجمہ: اور انوارِ عز میں سے تلاوت قرآن اور نصیحتوں کا سنا ہے۔ پس جو شخص ان باتوں کی طرف کان لگاتا ہے اور ان کو اپنے دل میں جماتا ہے تو وہ رنگین ہو جاتا ہے خوف ورجاء کے احوال سے اور اللہ کی عظمت میں سرسختی کے ساتھ اور اللہ کے احسانات وغیرہ میں وہ بے کے ساتھ، پس وہ نفع پہنچاتا ہے کبھی ہوئی طبیعت کو وہ نفع طور پر نفع پہنچاتا اور وہ تیار کرتا ہے نفس کو عالم بالا کے انوار کے فیضان کے لئے اور اسی وجہ سے وہ سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے آخرت میں اور وہ فرشتہ کا مدقون سے کہتا ہے: تو نے نہ توقع کو پہنچانا اور نہ قرآن کی تلاوت کی؟“ اور (تاوات) قرآن میں نفس کی مٹھی کیفیت سے تطہیر ہے اور وہ ارشاد نبوی ہے کہ: ”ہر چیز کے زنگ کو دور کرنے کے لئے آلہ ہے اور دل کے زنگ کو دور کرنے کا آلہ تلاوت قرآن ہے“ (یہ حدیث مجھے نہیں ملی۔ اور جو ذکر اللہ کی حدیث ہے وہ مشکوٰۃ میں ہے اور اس سے بھی استدلال ہو سکتا ہے)



③ حسن سلوک کی حکمت

رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو جوڑنا اور بہتی والوں اور فتنی بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور غلاموں کو آزار کرنا بھی نیکی کے کام ہیں، اور ان کے تین فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: یہ تمام کام آدمی میں رحمت الہی اور طہائیت قلب کے نزول کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں۔ مکھلوۃ، کتاب الآداب، باب البر والصلة اور باب الشفقة والرحمة علی الخلق میں اس سلسلہ کی بہت روایات ہیں۔
دوسرا فائدہ: یہ تمام کام ترقی یافتہ تمدن اور حکومت کی ضروریات ہیں۔ بحث ثالث میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔
تیسرا فائدہ: ان کاموں کے ذریعہ انسان فرشتوں کی دعاؤں کو اپنی طرف کھینچتا ہے یعنی ملاء علیٰ اُن کے لئے خیر و برکت کی دعائیں کرتے ہیں۔

ومنها: صلة الأرحام والنجیران، وحسن المعاشرة مع أهل القرية و أهل المملّة، وفك العانی بالاعتق، فبان ذلك یُعبدُ لنزول الرحمة والطّمأنينة، وبها يتم نظام الاتفاق الثانی والثالث، وبها یستجلبُ دعوة الملائكة.

ترجمہ: اور انواع بر میں سے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو جوڑنا اور ہستی والوں اور مذہبی بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور قیدی (یعنی غلام) کو آزاد کر کے قید سے چھڑانا ہے۔ پس بیشک یہ کام تیار کرتے ہیں رحمت اور طہائیت کے نزول کے لئے اور ان کاموں سے اتفاق ثانی (ترقی یافتہ تمدن) اور اتفاق ثالث (حکومت) کے نظام کی تکمیل ہوتی ہے اور ان کاموں کے ذریعہ فرشتوں کی دعائیں کھینچی جاتی ہیں۔



⑤ جہاد کی حکمت

جہاد بھی اہم نیکی کا کام ہے۔ قرآن وحدیث میں اس پر بڑے اجر و ثواب کے وعدے آئے ہیں۔ جہاد دفع ظلم اور رفع فتنہ کے لئے مشروع ہوا ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا اور اس کی ضرورت مختلف صورتوں میں پیش آتی ہے۔ ذیل میں تین صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جن میں جہاد ضروری ہو جاتا ہے۔

پہلی صورت: جب کوئی بدکارو بد اطوار شخص سر اٹھاتا ہے اور عام لوگ اس کی حرکتوں سے پریشان ہو جاتے ہیں اور اس شخص کو فکنا کی گھاس اٹارنا نظام عالم کا تقاضا ہوتا ہے تو اس پر حق تعالیٰ کی لعنت برستی ہے اور کسی بھلے آدمی کے دل میں البہم کیا جاتا ہے کہ وہ اس کو قتل کرے۔ چنانچہ اس شخص کے دل میں، بغیر کسی دنیوی سبب کے، غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور وہ شخص اپنی کسی غرض کے لئے نہیں، بلکہ نشا خداوندی کی تکمیل کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور وہ نور الہی اور رحمت خداوندی میں پاش پاش ہو کر اس شخص کو کفر دار تک پہنچا دیتا ہے، جس سے سارا ملک اور ملک کے تمام باشندے چین کا سانس لیتے ہیں۔

دوسری صورت: کبھی کسی ایسی جا برا نہ حکومت کے زوال کا فیصلہ خداوندی ہوتا ہے جس کے باشندے کافر ہوتے ہیں اور جنہوں نے برا طریقہ زندگی اپنایا ہوتا ہے، پس کسی پیغمبر کو اس حکومت سے لڑنے کا حکم ہوتا ہے۔ اور اس کی قوم کے دل میں جذبہ جہاد پھونکا جاتا ہے تاکہ وہ ایک ایسی امت بن کر ابھریں جو لوگوں کے فائدے کے لئے کام کریں۔ چنانچہ وہ پیغمبر اپنی قوم کے ساتھ مل کر اس حکومت سے جہاد کرتا ہے اور رحمت الہی اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس طرح اس امت کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس حکومت کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ آیات ۲۴۶-۲۵۱ میں جالوت کی حکومت کا طالوت اور بنی اسرائیل کے ہاتھوں خاتمہ کا تذکرہ ہے۔ وہ اس کی واضح مثال ہے۔

تیسری صورت: کبھی درندہ صفت لوگ غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ لوگوں پر ظلم ڈھاتے ہیں، احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اور منکرات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں مفاد عامہ کے پیش نظر کچھ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ ان لوگوں کا فتنہ فرو کرنے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔ ان کے ظلم و ستم سے لوگوں کو نجات دلانی چاہئے، احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرنے والوں پر حدود شرعیہ قائم کرنی چاہئیں اور لوگوں کو منکرات سے روکنا چاہئے۔ چنانچہ وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان ظالموں سے نہرد آزما ہوتے ہیں اور ان کا فتنہ فرو کر دیتے ہیں، جس سے لوگوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے، ایسے مجاہدین کی محنتوں کی بھی اللہ تعالیٰ قدر فرماتے ہیں۔

ومنها: الجہاد، وذلك ان يَلْعَنَ الحقُّ انسانا فاسقا صارًا بالجمهور، اعدائه اوفق بالمصلحة الكلية من ابقائه، فيظهر الإلهام في قلب رجل زكي ليقنته، فينجس من قلبه غضب، ليس له سبب طبعي، ويكون فانبا من مراده، باقبا بمراد الحق، ويضمحل في رحمة الله ونوره، وينتفع العباد والبلاد بذلك.

ويتلوه: ان يَفْضِيَ الله بزوال دولة مُدُنٍ جائرة كفسروا بالله، وأساوا السيرة، فيؤمر نبي من انبياء الله تعالى بمجاهدتهم، فيَنْفُخ داعية الجهاد في قلوب قومه، ليكون أمةً اخرجت للناس، وتشمله الرحمة الإلهية.

ويتلوه: ان يَنْطَلِع قومٌ بالرائى الكلى على حُسْنِ ان يَذُبُّوا انفسا سَعيَةً عن المظلومين، وإقامة الحدود على العصاة، والنهي عن المنكر، فيكون سببا لأمن البلاد وطُمأنينتهم، فيشكر الله له عمله.

ترجمہ: اور انواع بر میں سے جہاد ہے اور اس کی تقریب اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ پہنکار بھیجتے ہیں کسی ایسے بدار انسان پر جو عام پبلک کو نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے، جس کو نابود کرنا مصلحت کلی سے زیادہ ہم آہنگ ہوتا ہے اس کو باقی رکھنے سے، پس الہام ظاہر ہوتا ہے کسی آدمی کے دل میں تاکہ وہ اس کو قتل کرے۔ پس اس کے دل سے

ایسا غصہ پھوٹتا ہے جس کے لئے کوئی مادی سبب نہیں ہوتا اور وہ شخص اپنی مراد سے فنا ہونے والا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی مراد کے ساتھ باقی رہنے والا ہوتا ہے اور مرثا ہے وہ اللہ کی رحمت اور نور میں اور منتفع ہوتے ہیں لوگ اور علاقے اس فضل کی وجہ سے۔

اور اس کے پیچھے آتی ہے یہ تقریب کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتے ہیں ظلم پر کمر بستہ شہروں کی حکومت کے خاتمہ کا، جن کے باشندے اللہ کے منکر ہوتے ہیں اور جنہوں نے بد چلتی اپنائی ہوئی ہوتی ہے، پس اللہ کے نبیوں میں سے کوئی نبی حکم دیئے جاتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا، پس وہ جہاد کا داعیہ پھونکتا ہے قوم کے دلوں میں، تاکہ بن جائیں وہ ایک ایسی امت جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ظاہر کی گئی ہو، اور اس نبی کے شامل ہوتی ہے رحمت خداوندی۔

اور اس کے پیچھے آتی ہے یہ تقریب کہ کچھ لوگ مصلحت کلی کو سامنے رکھ کر واقف ہوتے ہیں اس بات کی خوبی سے کہ ہٹائیں وہ درندہ صفت لوگوں کو مظلوموں سے اور تافرانوں پر سزائیں جاری کرنے کی خوبی سے اور ناجائز کاموں سے روکنے کی خوبی سے۔ پس یہ چیز سبب بن جاتی ہے شہروں کے امن و اطمینان کا۔ پس اللہ تعالیٰ قدر کرتے ہیں ان لوگوں کے اس کام کی۔

لغات و ترکیب: جملہ اعدائہ البخعت ہے انساناکی..... انجس المائے پانی جاری ہونا، پھوٹنا..... لیکن کی ضمیر قوم کی طرف لوثی ہے، قوم لفظ مفرد ہے..... تَشْمَلُہ کی ضمیر نبی کی طرف بھی لوثائی جاسکتی ہے اور قوم کی طرف بھی..... شَکَرُ اللہ سَفِیۃ: اللہ تعالیٰ اس کو اس کی کوشش کی جزاء دیتے ہیں۔



⑥ آفات و بلیات کی حکمتیں

مؤمن کی زندگی میں بہت سے غیر اختیاری واقعات پیش آتے ہیں، جیسے مصائب و آفات اور بیماریاں وغیرہ یہ تمام چیزیں بھی مؤمن کے حق میں نیکیاں بن جاتی ہیں، چار وجوہ سے:

پہلی وجہ: مصائب کفار، سینات اور باعث رنج و رجات بننے ہیں اس لئے وہ سبب خیر بن جاتے ہیں اور نیکی شمار ہوتے ہیں۔ کبھی بندے کے نیک عمل کی وجہ سے رحمت الہی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور نیکوئی اسباب کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس پر نیکی کی جائے تو رحمت خداوندی اس بندے کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ پس وہ رحمت اس کے گناہوں کو مٹاتی ہے اور اس کے لئے نیکیاں لکھتی ہے۔ مثلاً حوض میں سے پانی نکلنے کا سوراخ بند کر دیا جائے تو پانی ادھر ادھر سے نکلنے لگتا ہے۔ ایسی صورت میں لوگ پانی کے ادھر ادھر سے نکلنے کا سوراخ بند کرنے کی طرف منسوب کرتے ہیں، کیونکہ وہ سبب ہے۔ اسی طرح رحمت خداوندی گناہوں کو مٹاتی ہے اور نیکیاں لکھتی ہے مگر چونکہ اس کا سبب بندے کو

لاحق ہونے والی پریشانیاں ہیں جو کئی اسباب کے نتیجہ میں رونما ہوئی ہیں اس لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ مصائب سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

سوال: رحمت الہی، نگوئی اسباب کے تقاضوں کو کیوں نہیں روکتی؟

جواب: تدبیر الہی میں نسبت جو چیز بہتر ہوتی ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شخصی مصالح کی وجہ سے شخصی فلاح کے لئے کل نظام کو متاثر کرنا کبھی مصلحت خداوندی میں مناسب نہیں ہوتا اس لئے کل نظام کو بروئے کار آنے دیا جاتا ہے اور ذاتی صلاح کو ذاتی فلاح کے بجائے کفارہ سینا اور رفع درجات کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل بحث دوم کے باب اول میں گزر چکی ہے۔

دوسری وجہ: آفات و بلیات سے مؤمن سبق لیتا ہے اور اس کا دنیا کا انتہاک گھٹتا ہے اس لئے وہ سبب خیر بن جاتا ہے اور نیکی شمار ہوتے ہیں۔ جب مؤمن پر سخت مصائب آتے ہیں تو اس پر زمین باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتی ہے۔ نتیجہ اس کے نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور ریت رواج کا پردہ چاک ہوتا ہے، دنیا کے جھمیلوں کو وہ کم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے وہ دل برداشتہ ہو جاتا ہے اس طرح حوادث اس کے لئے سبب خیر بن جاتے ہیں۔ اور کافر جب مصائب سے گھبراتا ہے تو وہ اپنا نقصان یاد کرتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے اتنا اتنا نقصان ہو گیا۔ اور وہ اندھا دھند دنیا میں گھستا ہے۔ نتیجہ وہ پہلے سے بھی خبیث تر ہو جاتا ہے اور حوادث اس کے لئے سبب خیر نہیں بنتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار بیمار یوں کا تذکرہ فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ جب مؤمن کو بیماری پہنچتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو عافیت بخشتے ہیں تو وہ بیماری گزشتہ گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور آئندہ کے لئے نصیحت بنتی ہے اور منافق جب بیمار پڑتا ہے پھر شفا یاب ہوتا ہے تو اس کا حال اس اونٹ جیسا ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا پھر کھول دیا پس وہ نہیں جانتا کہ اس کو باندھا کیوں اور کھولا کیوں؟“ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۵۷۱)

تیسری وجہ: بیماریوں سے کمزوری آتی ہے اور گناہوں میں کمی واقع ہوتی ہے اس لئے وہ سبب خیر بن جاتی ہیں اور نیکی شمار ہوتی ہیں۔ پھر جیسی ٹھوس اور بھاری برائیوں پر ابھارنے والی چیز نہایت سخت گاڑھی بیکہی قوت ہی ہے۔ پس جب آدمی بیمار پڑتا ہے اور لاغر ہو جاتا ہے اور بدل ماحصل میں کمی واقع ہوتی ہے۔ یعنی یعنی جی جی خرچ ہوتی ہے اس کا بدل میسر نہیں آتا تو گناہوں پر ابھارنے والی صلاحیت متفصل ہو جاتی ہے اور جس قدر وہ کمزور ہوتی ہے اسی قدر گناہ بھی گھٹ جاتے ہیں، جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بیماری کے جماع کی حرص اور غصہ ختم ہو جاتا ہے اس کے اخلاق میں تبدیلی آ جاتی ہے اور بہت سی سابقہ باتیں وہ اس طرح بھول جاتا ہے کہ گویا وہ اس میں بھی ہی نہیں اور خود آدمی ایسا بدل جاتا ہے کہ گویا وہ پہلے والا آدمی ہی نہیں۔ غرض اس طرح آفات و بلیات سے گناہوں میں کمی واقع ہوتی ہے اور وہ باعث خیر بن جاتی ہیں اور نیکی شمار ہوتی ہیں۔

چوتھی وجہ: آفات و بلیات سے دنیا ہی میں گناہوں کا معاملہ منٹ جاتا ہے، اس لئے وہ سبب خیر بن جاتی ہیں اور نیکی شمار ہوتی ہیں۔ مؤمن پر جو مصائب نازل ہوتے ہیں وہ دنیا میں اس کے گناہوں کی سزا ہوتے ہیں۔ وہ دنیا سے پاک صاف ہو کر آخرت میں پہنچتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے من بُردَ اللہَ بہِ عِوْرًا مُصْبً مِّنْہُ (جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ آفتیں ڈالتے ہیں) (مشکوٰۃ، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۵۳۶) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ: ”جب اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کو جلدی دنیا ہی میں سزا دیدیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ برابر تاؤ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا روک لیتے ہیں۔ تا آنکہ اس کو قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیتے ہیں (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۱۵۲۵) اور ترمذی کی ایک اور روایت میں ہے لا یزال البلاء بالمؤمن فی نفسه وماله وولده، حتی ینفی اللہ تعالیٰ وما علیہ من خطیئۃ (مؤمن کی ذات، مال اور اولاد میں برابر بلائیں آتی رہتی ہیں، تا آنکہ وہ اللہ سے ملاقات کرتا ہے اس حال میں کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا) (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۱۵۶۷)

ظاہر ہے کہ یہ بات مؤمن کے لئے نہایت مفید ہے کہ اس کے گناہوں کا معاملہ دنیا ہی میں منٹ جائے۔ اس لئے آفات و بلیات اس کے لئے سبب خیر بن جاتی ہیں اور وہ نیکی شمار ہوتی ہیں۔

مگر ہر مؤمن کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ صرف اس مؤمن کے ساتھ یہ مہربانی والا معاملہ کیا جاتا ہے جس کی بحیثیت نے اس کی ملکیت کا کسی درجہ میں پیچھا چھوڑ دیا ہو مثلاً بوڑھا ہے میں جب بحیثیت کمزور پڑ جاتی ہے یا ریاضتوں کے ذریعہ بحیثیت کورام کر لیا جائے اور آدمی کسی درجہ میں صلاح و تقویٰ پیدا ہو جائے اور ملکیت کو اس کا کام کرنے کا موقع ملے تو اس وقت عام طور پر دنیا ہی میں مؤمن کو اس کی برائیوں کی سزا دیدی جاتی ہے۔ اور جب تک بحیثیت کا غلبہ رہتا ہے اور آدمی برائیوں میں پھنسا ہوا ہوتا ہے، وہاں تک مؤمن کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ واللہ اعلم۔

ومنها: تَقَرُّبَاتٌ تَرُدُّ عَلٰی الْبَشَرِ مِنْ غَیْرِ اخْتِيارِهِ، كَالْمَصائبِ وَالْاُمراضِ، فُتَعَدُّ مِنْ بابِ الْمَرْ لِمَعَانٍ: منها: اِنَّ الرِّحْمَةَ اِذَا تَوَجَّهَتْ اِلٰی عَبْدٍ بِصِلَاحِ عَمَلِهِ، وَاقْتَضَتْ الْاَسْبَابُ التَّضْيِيقَ عَلَيْهِ، انْصَرَفَتْ اِلٰی تَكْمِيلِ نَفْسِهِ، فَكُفِّرَتْ خَطَايَاهُ، وَنُجِبَتْ لَهٗ الْحَسَنَاتُ، كَمَا اِذَا سُدَّ مَجْرٰی الْمَاءِ نَعِ الْمَاءِ مِنْ فَوْقِهِ وَمِنْ تَحْتِهِ، فَيَنْسَبُ الْاِجْرَاءُ اِلٰی ذٰلِكَ التَّضْيِيقِ؛ وَالسَّرْفِيهِ: الْمَحَافِظَةُ عَلٰی الْخَيْرِ النَّسِي. ومنها: اَنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اشْتَدَّتْ بِهٖ الْمَصائبِ، ضَاقَتْ عَلَيْهِ الْاَرْضُ بِمَا رَحِمَتْ، فَانْكَسَرَ حِجَابُ الطَّبَعِ وَالرَّسْمِ، وَانْقَلَعَ قَلْبُهُ اِلاَّ عَنِ اللّٰهِ؛ اَمَّا الْكَافِرُ فَلَا يَزَالُ يَتَذَكَّرُ الْفَائِثَ، وَيُغْرَصُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، حَتّٰى يَصْبِرَ اَنْجَبَتْ مِنْهُ قَبْلَ اَنْ يَصِيبَهُ مَا اَصَابَ.

ومنها: اَنَّ حَامِلَ السَّيِّئَاتِ الْمُتَخَجَّرَةَ اِنَّمَا هُوَ الْبَهِيْمَةُ الْغَلِيظَةُ الْكَثِيْفَةُ، فَاِذَا مَرَضَ وَضَعَفَ

وَتَحْلَلُ مِنْهُ أَكْثَرُ مِمَّا يَدْخُلُ فِيهِ، أَصْحَابُ كَثِيرٍ مِنَ الْحَامِلِ، وَانْقَضَ بِقَدْرِ ذَلِكَ الْمَحْمُولُ، كَمَا نَرَى
 أَنَّ الْمَرِيضَ يَزُولُ شَبَقُهُ وَغَضَبُهُ، وَتَبْدَلُ أَحْلَافُهُ، وَيَنْسَى كَثِيرًا مِمَّا كَانَ فِيهِ، كَأَنَّهُ لَيْسَ الَّذِي كَانَ.
 وَمِنْهَا: أَنَّ الْمُؤْمِنَ الَّذِي انْفَكَّتْ بِهِ سَيِّئَتُهُ عَنْ مَلَائِكَتِهِ نَوْعَ انْفِكَائِهِ، أَحْدَثَ عَلَى سَيِّئَاتِهِ فِي الدُّنْيَا
 غَالِبًا، وَذَلِكَ حَدِيثٌ: ﴿نَصِيبُ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْعَذَابِ نَصِيبُ الدُّنْيَا﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور انواع بر میں سے وہ تقریبات (پیش آنے والے واقعات و حوادث) ہیں، جو انسانوں پر، ان کے اختیار
 کے بغیر، طاری ہوتی ہیں، جیسے مصیبتیں اور بیماریاں، پس شام کی جاتی ہیں وہ تقریبات نیکی کے قبیل سے بچھو جوہ:

۱- ان وجوہ میں سے یہ بات ہے کہ جب رحمتِ خداوندی کسی بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس کے نیک
 کاموں کی وجہ سے اور (نکوینی) اسباب اس پر تنگی کرنا چاہتے ہیں تو رحمت پھر جاتی ہے اس کے نفس کی نیکی کی طرف،
 پس وہ مٹاتی ہے اس کی خطاؤں کو اور لکھتی ہے اس کے لئے نیکیاں۔ جس طرح یہ بات ہے کہ جب پانی کا سوراخ بند
 کر دیا جاتا ہے تو پانی پھونٹتا ہے اس کے اوپر سے اور اس کے نیچے سے، پس منسوب کیا جاتا ہے بہا اس تنگی کرنے کی
 طرف — اور از اس (رحمت کے پھرنے) میں اضافی خیر کی نگہداشت ہے۔

۲- اور ان میں سے یہ ہے کہ جب مؤمن پر سخت مصائب نازل ہوتے ہیں تو زمین اس پر پہنائی کے باوجود تنگ
 ہو جاتی ہے، پس ٹوٹتا ہے نفس اور روح کا پردہ۔ اور اکھڑ جاتا ہے اس کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے — رہا کافر تو وہ
 برابر یاد کرتا رہتا ہے فوت شدہ چیز کو اور غوطہ زن ہوتا ہے دنیوی زندگی میں، یہاں تک کہ ہو جاتا ہے وہ زیادہ گندہ پہلے
 سے، اس مصیبت کے پہنچنے سے پہلے سے جو اس کو پہنچی ہے۔

۳- اور ان میں سے یہ ہے کہ پتھر جیسی سخت برائیوں پر ابھارنے والی چیز موٹی گاڑھی بھیبت ہی ہے، پس جب وہ
 بیمار پڑتا ہے اور لاغر ہو جاتا ہے اور اس میں سے تحلیل ہوتی ہے اس سے زیادہ جو اس کے جسم میں داخل ہوتی ہے تو
 برا بھونچنے کرنے والی صلاحیت کا کافی حصہ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اس کے بقدر وہ برا کام گھٹ جاتا ہے جس پر ابھارا گیا
 ہے، جیسا کہ دیکھتے ہیں ہم کہ بیمار آدمی کی جماع کی حرص اور اس کا غصہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کے اخلاق بدل جاتے ہیں
 اور وہ بھول جاتا ہے ان باتوں میں سے بہت سی باتوں کو جو اس میں تھیں۔ گویا وہ شخص، وہ شخص نہیں ہے جو پہلے تھا۔

۴- اور ان میں سے یہ ہے کہ جب کسی مؤمن کی بہیمی قوت جدا ہو جاتی ہے اس کی ملکی قوت سے یک گوندہ جدا ہونا
 تو سزا دیا جاتا ہے وہ اس کی برائیوں پر عام طور پر دنیا میں۔ اور اس کا تذکرہ اس حدیث میں ہے کہ: ”مؤمن کا حصہ
 عذاب میں سے دنیا کی مصحٰن ہیں“ (یعنی دنیا میں مؤمن کو جو مصحٰن و مصائب پہنچتے ہیں وہ اس کے لئے کفارہ سینات
 بن جاتے ہیں۔ یہ حدیث مجھے نہیں ملی۔ مگر اس مضمون کی بہت احادیث ہیں، جن میں سے بعض اوپر لکھی گئی ہیں) باقی
 اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات و ترکیب و تصحیح

التصنیق مصری نسخہ میں اور مخطوط کراچی و برلین میں دونوں جگہ التصنیق ہے جس کے معنی ہیں تنگ ہونا، اور مطبوعہ صدر لئی اور مخطوط پٹنہ میں پہلی جگہ التصنیق ہے اور دوسری جگہ التصنیق ہے یہ التصنیق کی ہندی کتابت ہے مگر صحیح دونوں جگہ التصنیق ہے جس کے معنی ہیں تنگی کرنا..... سُنْدُتَام مطبوعہ اور مخطوط نسخوں میں صاود سے ضد ہے مگر یہ تصحیف ہے منجوعی کے ساتھ سین سے سُنْدُتَام ہو سکتا ہے..... اَنْجَرَى السماء: بہانا..... اَنْخِثَ منه قبل کی تقدیر عبارت اَنْخِثَ مما كان قبل الخ ہے..... المتحصرة (اسم فاعل) فَحَجِر: پتھر کی مانند ہونا۔

باب — ۱۴

گناہوں کے مدارج

گناہ کیا ہیں؟ جس طرح قوتِ بیمہ یہ قوتِ ملکیہ کا مطیع کرنے کیلئے اعمالِ صالحہ ہیں، جو اطاعت کا بیکہ محسوس، احتیاتی مواقع اور انقیاد کو بدست لانے کی راہیں ہیں، اسی طرح انقیاد و اطاعت کے بالکل برخلاف اور متغافلہ حالت کے لئے بھی اعمالِ طالحہ ہیں، جو نافرمانی اور عدم اطاعت کی احتیاتی جگہیں اور ایسی شکلیں ہیں جن سے نافرمانی کی حالت کما کی جاسکتی ہے۔ یہی اعمال: آتمام و معاصی ہیں اور وہ سب ایک درجہ کے گناہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے پانچ مراتب ہیں: پہلا مرتبہ: کفریات کا ہے، جو سب سے زیادہ سنگین گناہ ہیں، جو آخرت میں نجات کی راہ بالکلیہ مسدود کر دیتے ہیں۔ اور کفریات میں بھی بڑے گناہ و قسم کے ہیں:

پہلی قسم کے گناہ وہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو نہ ماننا جو کفر و دہریت ہے یا اللہ تعالیٰ کو مخلوق جیسا ماننا جو تشبیہ ہے یا مخلوق میں کوئی خدائی صفت ماننا جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ اور ان گناہوں سے کمال مطلوب یعنی نجات کی راہ بالکلیہ مسدود اس لئے ہو جاتی ہے کہ ذاتِ قدسی صفات کو اور صفاتِ تدبیر کی کارفرمائی کو جو کائنات کے سارے نظام کو محیط ہے، پیشِ نظر رکھے بغیر نفس کی پاکیزگی ممکن ہی نہیں۔ جس شخص کو یہ معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ ہمیشہ اپنی ذات میں مشغول رہتا ہے یا ایسے گورکھ و صندوں میں پوری طرح مہمک رہتا ہے کہ وہ پابندی میں نفس میں مشغولیت ہی کی طرح ہیں۔ یہ مشغولیات عدم معرفتِ باری تعالیٰ کا پردہ چاک نہیں کر سکتیں اور سوئی کے تار کے بقدر بھی معرفتِ خداوندی کا دروازہ نہیں کھول سکتیں اور معرفتِ خداوندی کے بغیر کمال مطلوب حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے یہ ایسے سنگین گناہ ہیں کہ ان سے بڑے کسی گناہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور آخرت میں اس گناہ کا مرتکب ہمیشہ کے لئے نجات سے محروم رہ جاتا ہے۔ سورۃ النساء آیت ۴۸ میں ہے: ”وَجَنَحَ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ

بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے۔ اور اس کے سوائے اور جتنے گناہ ہیں، جس کے لئے منظور ہوگا، وہ گناہ بخش دیں گے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا۔—— احادیث میں بھی سب سے بڑا گناہ شرک ہی کو قرار دیا گیا ہے اور جو حکم شرک کا ہے وہی کفر و کفر خبیث کا بھی ہے۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ آدمی بس دنیا کی زندگی ہی کو حقیقی زندگی اور سب کچھ سمجھ بیٹھے۔ موت کے بعد کی زندگی کا قائل ہی نہ ہو، نہ کسی اخروی کمال پر اس کا ایمان ہو۔ پس جب دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہوگی تو وہ کسی کمال کی طرف قطعاً نگاہ نہیں اٹھائے گا اور نہ آخرت کے لئے کوئی تیاری کرے گا۔ اس لئے معاد کا انکار بھی بہت بڑا گناہ ہے۔

اور کمال مطلوب یعنی آخرت میں نجات حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر اور دنیا کے آخری دن پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ کمالات کی دو قسمیں ہیں: ایک مادی یعنی دنیوی محسوس کمال اور دوسرا روحانی یعنی اخروی عقلی کمال۔ دنیا کے اعتبار سے کیا چیزیں کمال ہیں اس کو ہر شخص جانتا ہے، اور اخروی کمال کیا ہے اس کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ اس کا کمال ہونا حواس سے ادراک نہیں کیا جاسکتا، عقل ہی اس کمال کا ادراک کر سکتی ہے اور سب کی عقل اس سلسلہ میں کافی نہیں ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ایک ایسی حالت کا تصور کرنا پڑتا ہے جو ہر اعتبار سے حالت حاضرہ یعنی دنیوی حالت کے مغائر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات ہر شخص کے بس کی نہیں ہے۔ عام لوگ عقلیات کو بخوبی نہیں سمجھ سکتے۔

اور اس اخروی روحانی کمال کو سمجھنا بھی ضروری ہے، ورنہ عقلی اور مادی کمالات میں تعارض ہو جائے گا اور نتیجہ ازل کے تابع ہوتا ہے اس لئے لوگ مادی کمال کی طرف جھک جائیں گے اور روحانی کمال کو رائیگاں چھوڑ دیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے اور شریعتیں نازل فرمائیں اور انھوں نے کمال اخروی کی تحصیل کا مظنہ ایمان باللہ و بالیوم الآخر کو گردانا۔ کیونکہ یہ وہ انتہائی جگہیں ہیں جہاں سے اخروی کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ سورۃ النحل آیت ۲۲ میں ہے: ”پس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکاری ہیں اور وہ گھمنڈ کرنے والے ہیں“ یعنی ان کے دل مادی دنیا سے ماوراء حقائق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور انبیاء کی باتیں ماننے میں ان کی بیٹی ہوتی ہے۔

بات مختصر: جب کوئی شخص اس مرتبہ اولیٰ کے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ مر جاتا ہے اور اس کی نیکی قوت پاش پاش ہو جاتی ہے تو اس پر غایت درجہ منافرت یعنی عدم ملائمت مترشح ہوتی ہے یعنی ملکیت سے قطعاً مناسبت نہ رکھنے والی حالت سے وہ دوچار ہو جاتا ہے اور وہ حالت اس کے گلے کا ایسا طوق بن جاتی ہے جس سے وہ تابعدار نہیں ہو سکتا (اللھم احفظنا منه)

﴿باب طبقات الائمہ﴾

اعلم انه كما أن لالنفیاء البهیمیة للملیکة أعمالاً، هی أشباحه ومظانّه والسنن الکاسبة له،
فکذلک للحالۃ المضادّة للالنفیاء کلّ المضادّة أعمالٌ ومظانٌّ وکواسبٌ، وهی الأثام، وهی

علی مراتب:

المرتبة الأولى: أن ينسُدَّ سبيلُهُ إلى الكمال المطلوب رأساً؛ ومعظم ذلك في نوعين: أحدهما: ما يرجع إلى المبدأ، بأن لا يعرف أن له رباء، أو يعرفه متصفاً بصفات المخلوقين أو يعتقد في مخلوق شيئاً من صفات الله، فالثاني التشبيه، والثالث الإشراف؛ فإن النفس لا تنقُصُ أبداً حتى تجعل مطمح بصيرتها التجرد الفوقاني، والتدبير العام المحيط بالعالم، فإذا فقدت هذه بقيت مشغولة بنفسها، أو بما هو مثل نفسها في التقيد كل الشغل، لا يقدح حجاب النكرة، ولا موضع إبرة، فهذا هو البلاء كل البلاء.

والثاني: أن يعتقد أن ليس للنفس نشأة غير النشأة الجسدية، وأنه ليس لها كمال آخر يجب عليها طلبه، فإن النفس إذا أضمرت ذلك لم يطمح بصرها إلى الكمال أصلاً.

ولما كان القول بإثبات كمال غير كمال الجسد، لا يأتى من الجمهور إلا بتصور حالة، تبين الحالة الحاضرة من كل وجه، ولولا ذلك لتعارض الكمال المعقول والمحسوس، فمات إلى المحسوس، وأهمل المعقول، نصب له مظنة، هو الإيمان بقاء الله واليوم الآخر، وهو قوله تعالى: ﴿فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ﴾ وبالجمل: فإذا كان الإنسان في هذه المرتبة من الإثم، فمات، واضمحلت بهيمته، ترشخت عليه المنافرة من فوقه كل المنافرة، بحيث لا يجد سبيلاً إلى الخلاص أبداً.

ترجمہ: گناہوں کے درجات کا بیان: جان لیں کہ جس طرح یہ بات ہے کہ قوت بھیمی کو قوت ملکیہ کا مطمح کرنے کے لئے، کچھ اعمال ہیں، جو انقیاد کا بیکر محسوس، اختیالی مواقع ہیں اور انقیاد کو کمانے والی راہیں ہیں، پس اسی طرح اس حالت کے لئے بھی جو پوری طرح سے انقیاد کے برخلاف ہے کچھ اعمال اختیالی بنجبین اور کمانے والی راہیں ہیں۔ اور وہی گناہ ہیں اور وہ چند مرتبوں پر ہیں:

پہلا مرتبہ: یہ ہے کہ بند ہو جائے آدمی کی راہ کمال مطلوب (نجات) کی طرف بالکلیہ۔ اور اس مرتبہ کے بڑے گناہ دو قسموں میں مختصر ہیں:

ان میں سے ایک: وہ گناہ ہیں جن کا تعلق مبداء (اصل) یعنی اللہ تعالیٰ سے ہے۔ (اور وہ تعلق اس طور پر ہے کہ نہ پہچانے آدمی اس بات کو کہ اس کے لئے کوئی پروردگار ہے یا جانے وہ اس کو مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف یا اعتقاد رکھے کسی مخلوق میں اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کا، پس دوسری صورت تشبیہ ہے اور تیسری صورت شریک ٹھہرانا ہے۔ (اور شرک و کفر سے مطلوب کمال کی راہ بالکلیہ مسدود اس لئے ہو جاتی ہے) کہ نفس کبھی بھی یا کیزہ نہیں ہو سکتا یہاں

تک کہ وہ اپنی بصیرت کے پڑنے کی جگہ بناے بالائی روحانیت (یعنی اللہ تعالیٰ) کو اور عالم کو محیط کلی تدبیر کو۔ پس جب ہم کرے گا نفس اس کو (یعنی اس کو ذات باری اور صفت تدبیر کی معرفت حاصل نہیں ہوگی) تو باقی رہ جائے گا وہ پھنسا ہوا اپنی ذات میں یا ایسی چیز میں جو اپنی ذات کی طرح ہے پابندی میں، پوری طرح سے پھنسا ہوا ہونا نہیں توڑے گی وہ مشغولیت اللہ کے بارے میں جہالت کے پردہ کو (یعنی دنیوی مشاغل سے معرفت الہی حاصل نہیں ہو سکتی) اور نہ سوئی کی نوک کی جگہ کے بقدر (بھی پردہ کھولے گی) پس یہی وہ مصیبت ہے جو سب سے بڑی مصیبت ہے۔

اور دوسری قسم: یہ ہے کہ آدمی اعتقاد رکھے اس بات کا کہ نہیں ہے نفس کے لئے کوئی زندگی مادی زندگی کے علاوہ اور یہ اعتقاد رکھے کہ نہیں ہے نفس کے لئے کوئی دوسرا کمال (مادی کمال کے علاوہ) جس کی طلب نفس کے لئے ضروری ہو۔ پس جب نفس دل میں یہ بات چھپائے گا تو یقیناً وہ اپنی نظر نہیں اٹھائے گا مطلوب کمال کی طرف قطعاً۔

اور جب مادی کمال کے علاوہ اور کمال کے ثابت کرنے کی بات حاصل نہیں ہو سکتی عام لوگوں کے لئے مگر کسی ایسی حالت کے تصور کرنے کے ذریعے جو موجودہ حالت کے برخلاف ہو، ہر اعتبار سے اور اگر لوگ روحانی کمال نہیں سمجھیں گے تو عقلی اور مادی کمال میں تعارض ہو جائے گا، پس انسان مادہ کی طرف مائل ہوگا اور روحانی کمال کو رائے گا چھوڑ دے گا، تو قائم کیا گیا اس روحانی کمال کے لئے مطہر (احتمالی جگہ) اور وہ اللہ سے ملنے پر اور آخری دن پر ایمان لانا ہے اور اس کا تذکرہ اس ارشاد پاک میں ہے: ”پس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور اس حالیکہ وہ گھمنڈ کرنے والے ہیں“

قصہ مختصر: پس جب انسان گناہ کے اس مرتبہ میں پھنسا ہوا ہوتا ہے، پس وہ مرجاتا ہے، اور اس کی ہیبت مرتبہا جاتی ہے تو نہایت درجہ منافرت اس کے اوپر سے اس پر چڑھتی ہے، اس طور پر کہ وہ کوئی چھکارے کی راہ نہیں پاتا ابد تک۔

انعام و ترکیب:

السُّنُّ الْكَاسِبَةُ مركب توصیفی کا عطف اشباہہ پر ہے كَوَاسِبَةٍ كَى اِنْسُدْ اِنْسِدَاذًا : بند ہونا .. تَقْدَسْ تَقْدَسًا : پاک ہونا .. الْمَطْمَح : مَكَان الِرْفَعِ وَالنَّظَرِ : البَصِيرَةُ : دل کی بینائی النجود : غیر مادی ہونا الفوقانی : بالائی والسمود من النجود : الفوقانی : جنبہ تعالیٰ وحضرہ (سندی) — کل الشغل مفعول مطلق ہے مشغولة (اسم مفعول) کا لَا يَفْذَحُ : نہیں توڑتا ہے۔ کہا جاتا ہے فَذَحْ خَتَامِ الْخَابِيَةِ شَيْئًا كَيْ مَبْرُكُو تَوْدِيَا الشُّكْرَةُ ضِدُّ الْمَعْرِفَةِ — حِجَابُ الْفِكْرَةِ أَيْ حِجَابُ عِلْمِ مَعْرِفَةِ اللهِ تَعَالَى ..

موضوع ہبوطِ سوئی کی جگہ یعنی سوئی زمین پر پڑی ہو یا زمین پر سوئی کی نوک ٹکی جائے تو جتنی جگہ اس کے نیچے آئے وہ سوئی کے بقدر جگہ کہلاتی ہے۔ عربی میں یہ غایتِ تقلیل کے لئے محاورہ ہے اور لایقذح کا فاعل ضمیر ہے جو الشغل کی

طرف راجع ہے..... المنافرة ضد ہے الملامة کی یعنی وہ حالت جو ملکیت کے لئے غیر مناسب ہے۔ جس سے ملکیت کو بے حد تکلیف پہنچتی ہے..... ولولا ذلك اى ولولا ذلك الإنبات أو تصور حالة مباينة - نُصَبَ له : جزاء ہے لما كان القول إلحاً کی۔

تصحیح: تَرَضَّحْتُ عليه المنافرة اصل میں وَضَحْتُ إلحاً تھا، یہ تعریف ہے، تینوں مخلوطوں سے تصحیح کی گئی ہے۔



دوسرا مرتبہ: دین سے اعراض کا ہے — اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے، ان پر شریعتیں نازل کیں تاکہ لوگ اس ہدایت سے فائدہ اٹھا کر آخرت میں سعادت و نجات پا سکیں۔ ملا اعلیٰ کی پوری توجہات اللہ کے اس دین کو پھیلانے کی طرف اور اس کے معاملہ کو بڑھانے کی طرف رہتی ہے۔ مگر کچھ گھمنڈی لوگ اس دین کو قبول نہیں کرتے، اس میں ان کی ٹہنی ہوتی ہے۔ وہ لوگ نہ صرف اللہ کے اس دین کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کی مخالفت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہ لوگ جب مرتے ہیں تو ملا اعلیٰ کی تمام تر توجہات ان کے لئے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہو جاتی ہیں اور ان کے کروت ان کا اس طرح احاطہ کر لیتے ہیں کہ ان سے باہر نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں یہ مخالفت حق ان کو مطلوبہ کمال حاصل کرنے سے یا تو بالکل روک دیتی ہے یا قائل لحاظ کمال سے قہی دست رکھتی ہے۔ اور گناہ کا یہ مرتبہ بھی انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے، تمام شریعتوں کا یہی حکم ہے کہ دین قبول کرنے سے اعراض کرنے والا یا بظاہر دین قبول کر کے دین کی مخالفت کرنے والا اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے والا حقیقت میں مسلمان باقی نہیں رہتا۔

والمرتبة الثانية: أن يتكبر بكبره الهميم على ما نصّب الله تعالى لوصول الناس إلى كمالهم، وقصدت الملاء الأعلى همبها إشاعة أمره وتنويه شأنه، من الرسل والشرائع، فيُنكرها ويبعادها، فإذا مات انعطفت جميع همبهم منافرة له، ومؤذبة إياه، وأحاطت به خطيئته، من حيث لم يجد للخروج منه سبيلاً، على أنه لا تنفك هذه الحالة من عدم الوصول إلى كماله، أو الوصول الذي لا يعتد به، وهذه المرتبة تُخرج الإنسان من ملّة نبيه في جميع الشرائع.

ترجمہ: اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہمگیمی گھمنڈ سے گھمنڈ کرے اس چیز کے مقابلہ میں جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے لوگوں کے ان کے کمال تک پہنچنے کے لئے اور ملا اعلیٰ نے ارادہ کیا ہے اپنی غایت درجہ کامل توجہات کے ذریعہ اس کے معاملہ کی اشاعت کا اور اس کی شان کو بلند کرنے کا یعنی انبیاء اور شریعتیں، پس وہ ان کا انکار کرتا ہے اور ان سے دشمنی رکھتا ہے، پس جب وہ مر جاتا ہے تو موز جاتی ہیں ملا اعلیٰ کی ساری توجہات و راضحائیکہ وہ اس کے لئے ناپسندیدہ ہوتی ہیں اور اس کے لئے تکلیف دہ ہوتی ہیں اور گھیر لیتی ہیں اس کو اس کی خطائیں، اس طور سے کہ نہیں پاتا وہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ۔

ماورائز نہیں جدا ہوتی ہے یہ حالت اس کے کمال تک نہ پہنچنے سے یا اس پہنچنے سے جو کہ قابل لحاظ نہیں ہے اور گناہ کا یہ (دوسرا) مرتبہ انسان کو نکال دیتا ہے اس کے پیغمبر کی ملت سے تمام شریعتوں میں۔

ترکیب:

الکبر البیہمی: وہ کبر جو کمیت کے تقاضے سے پیدا ہوتا ہے۔ من الرسل والشراعی بیان ہے علی مناصبہ میں ماکہ۔۔۔۔۔ لا تنفک فعل ناقص ہے اور ہذہ الحالۃ اس کا اسم ہے اور من عدم الوصول بالغ خبر ہے۔ مولانا سندی رحمہ اللہ کی تقریر میں ہے: لا یصل الی الکمال أو یصل ویترقی، لکنہ لا یصل الی الکمال المعتبرہ، بل الی الکمال الناقص الذی لا یدفع عنہ المنافرۃ وهذا هو الکافر اھ



۴۳

تیسرا مرتبہ: مہلکات کا ہے۔ یہ دو طرح کے گناہ ہیں ایک: اُن مآمورات کا چھوڑنا جن پر آخرت میں نجات کا مدار ہے، جیسے اسلام کے ارکان اور دیگر واجبات و فرائض کو بجا نہ لانا بھی تباہ کر دے گا۔ کیونکہ عمدہ فرائض کا ترک گناہ کبیرہ ہے۔ دوم: ان کاموں کا ارتکاب کرنا جن کے کرنے والے پر لوح محفوظ میں اعنت کا فیصلہ ہو چکا ہے، اس وجہ سے کہ وہ کام عام طور پر زمین میں بڑی خرابی کا باعث ہیں اور نفس کی اصلاح کی راہ کا روزا ہیں۔۔۔۔۔ دونوں طرح کے گناہوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ اُن احکام شرعیہ پر عمل پیرا نہ ہونا جو طبیعت کو تباہ داری کا خوگر بناتے ہیں یا قابل لحاظ حد تک انقیاد کے لئے تیار کرنے والے ہیں۔ اور یہ احکام شرعیہ لوگوں کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔ البتہ جو لوگ ضعیف بہیمیت کی کیفیات میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں ان کے لئے بکثرت احکام شرعیہ بجالانے ضروری ہیں اور جن اقوام کی بہیمیت سخت اور گامدھی ہوتی ہے ان کے لئے سخت احکام شرعیہ کو بکثرت کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے متواتر روزے رکھنا۔ اور شب بیداری کرنا اور دیگر ریاضتیں کرنا۔

۲۔ درندگی والے کام، جو بڑی لعنت کا سبب ہوتے ہیں، جیسے کسی کو ناحق قتل کرنا۔

۳۔ شہوانی اعمال جیسے زنا، اغلام وغیرہ

۴۔ وہ کمائیاں جو معاشرہ کے لئے سخت ضرر رساں ہیں، جیسے سٹ اور سود وغیرہ۔

مذکورہ چاروں قسم کے کام کرنے والوں کے دین میں بڑی دراڑ پڑ جاتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ سنت راشدہ لازماً کے برخلاف اقدام کرتے ہیں تفصیل بحث سوم کے باب یازدہم میں گذر چکی ہے۔ اور ان کاموں کے مرتکب کو عالم بالا کی لعنت گھیر لیتی ہے۔ پس ان دونوں باتوں (دین میں رخنہ پڑنا اور لعنت کا ان کو گھیر لینا) کے نتیجہ میں وہ عذاب کا

حقدار بن جاتا ہے۔

اور اس تیسرے مرتبہ کے گناہ بڑے کہا نہ کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی حرمت کا اور ان کے مرتکب کے ملعون ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر زمانہ میں اس خدائی فیصلہ کی ترجمانی کرتے رہے ہیں اور لوگوں کو ان کہائے آگاہ کرتے رہے ہیں اور ان میں سے بیشتر تمام شریعتوں میں بالاتفاق گناہ ہیں۔ متفق علیہ روایت میں ایسے سات گناہوں کا خصوصیت سے تذکرہ کیا گیا ہے یعنی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (یہ تو اکبر الکبائر ہے اور پہلے مرتبہ کا گناہ ہے) اور جادو کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، ٹڈ بھینٹ کے دن پیٹھ پھیرنا اور ایماندار، بھولی، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۵۲)

والمرتبة الثالثة: ترك ما ينبغي، وفعل ما انعقد في الذكر اللعن على فاعله، من جهة كونه مظنة غالباً لفساد كبير في الأرض، وهيئة مضادة لتهديب النفس:

فمنها: ان لا يفعل من الشرائع الكاسية للانقياد أو المهيئة له ما يعتد به؛ ويختلف باختلاف النفوس، إلا أن المُنْعِمَسَةَ في الهيئات البهيمية الضعيفة أحوج الناس إلى إكثارها؛ والأهم التي بهيمتها أشد وأغلظ أحوج الناس إلى إكثار الشاق منها.

ومنها: أعمال سعيّة، تستجلب لنا عظيماً، كالقتل.

ومنها: أعمال شهويّة.

ومنها: مكاسب ضارّة، كالقمار والربا.

وفي كل شيء من هذه المذكورات ثلثة عظيمة في النفس؛ من جهة الإقدام على خلاف السنة اللازمة، كما ذكرنا؛ ولعن من المألأ الأعلى يحيط به؛ فبمجموع الأمرين يحصل العذاب؛ وهذه المرتبة أعظم الكبائر، قد انعقد في حظيرة القدس تحريمها، ولعن صاحبها، ولم يزل الأنبياء يتراحمون ما انعقد هنالك، وأكثرها مُجْمَع عليه في الشرائع.

ترجمہ: اور تیسرا مرتبہ: ان کاموں کو چھوڑنا ہے جو آدمی کو نجات دلانے والے ہیں۔ اور ان کاموں کو کرنا ہے جن کے کرنے والے پر لوح محفوظ میں لعنت تجویز پا چکی ہے اس کام کے عام طور پر احتمالی موقع ہونے کی جہت سے زمین میں بڑی خرابی کا (یعنی عام طور پر اس کام سے زمین میں بڑی خرابی رونما ہوتی ہے) اور ایسی ہیئت کا جو نفس کو سنوارنے کے برخلاف ہے (یعنی عام طور پر اس کام سے نفس میں ایسی ہیئت پیدا ہوتی ہے جس سے نفس بجائے سنوارنے کے بگڑتا ہے) پس مرتبہ ثالثہ میں سے یہ بات ہے کہ آدمی عمل نہ کرے شریعت کے ان احکام پر جو تاجدار کی کوکمانے والے ہیں

(یعنی نفس کو تابعداری کا خوگر بناتے ہیں) یا تیار کرنے والے ہیں ایسی تابعداری کے لئے جو قابل لحاظ ہے (یعنی ان اعمال سے طبیعت میں اچھا خاصا انقیاد پیدا ہوتا ہے) اور وہ قابل لحاظ مقدار مختلف ہوتی ہے لوگوں کے اختلاف سے، البتہ جو نفس کمزور یا کمزور کیفیت میں ڈوبنے والا ہے وہ سب سے زیادہ محتاج ہے احکام شریعہ پر بکثرت عمل کرنے کی طرف، اور وہ اقوام جن کی بحیثیت سخت اور گڑھی ہے وہ لوگوں میں سب سے زیادہ محتاج ہیں شریعت کے سخت احکام پر بکثرت عمل کرنے کی طرف۔

اور مرتبہ ثالث میں سے درندگی والے کام ہیں جو بڑی لعنت کو کھینچے ہیں، جیسے قتل کرنا۔ اور اس میں سے شہوانی اعمال ہیں۔

اور اس میں سے ضرر رساں کمائیاں ہیں؛ جیسے سٹ (نچو) اور سود۔

اور مذکورہ بالا چاروں قسم کے کاموں میں سے ہر چیز میں بڑی درجہ نفس میں، پیش قدمی کرنے کی وجہ سے سنت راشدہ لازمہ کے خلاف پر، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور ملاء اعلیٰ کی بڑی لعنت اس شخص کو گھیر لیتی ہے، پس دونوں باتوں کے مجموعہ سے وجود میں آتا ہے عذاب۔ اور یہ مرتبہ کبار میں سب سے بڑا مرتبہ ہے، طے پاچکا ہے بارگاہ مقدس میں ان کا حرام ہونا اور ان کے مرتکب کا ملعون ہونا۔ اور انبیاء برابر ترجمانی کرتے رہے ہیں اُس بات کی جو وہاں طے پا چکی ہے۔ اور دوسرے مرتبہ کے گناہوں میں سے پیشتر گناہ تمام شریعتوں میں متفق علیہ ہیں۔ ترکیب حینۃ مضادۃ کا عطف فساد کبیر پر ہے..... نلصۃ مبتدأ مؤخر ہے۔



چوتھا مرتبہ: قوموں اور زمانوں کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو مختلف شریعتیں اور الگ الگ انداز تجویز فرمائے ہیں اور ہر شریعت میں خصوصی احکام دیئے ہیں ان کی خلاف ورزی کرنا چوتھے مرتبہ کا گناہ ہے۔ مثلاً یہود پر اونٹ کا گوشت حرام تھا۔ یوم السبت کی تعظیم لازم تھی۔ مال غنیمت حلال نہیں تھا اور غیر اللہ کے لئے سجدہ تہیہ جائز تھا اور ہماری شریعت میں اونٹ کا گوشت حلال ہے، یوم السبت کے بجائے یوم الجمعہ کی تعظیم مقرر کی گئی ہے، مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے اور غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ پس یہود پر ان کے زمانہ میں ان کی شریعت کی پابندی لازم تھی، اور اس کی خلاف ورزی گناہ تھی اور اب ہم پر بلکہ سب پر شریعت محمدی کی پابندی لازم ہے اور اس کی خلاف ورزی گناہ ہے اور یہ گناہ چوتھے مرتبہ کا ہے۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم میں کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں، تاکہ وہ لوگوں کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائیں، ان کی کجی کو دور کریں اور ان کے احوال کو سنو اور ان کو مودب بنائیں تو ضروری

ہوتا ہے کہ وہ نبی اپنے مشن کی تکمیل کے لئے کچھ ایسے خصوصی احکام دیں جو قوم کی کجی کو دور کرنے کے لئے اور ان کو موعوب بنانے کے لئے ضروری ہوں۔ کیونکہ ہر مقصد کے لئے کچھ طریقے تو ایسے ہوتے ہیں جو صمدی صد کا میاب ہوتے ہیں اور کچھ طریقے بڑی حد تک کارآمد ہوتے ہیں، وہ طریقے تو کم کو بتانے ضروری ہیں اور ان کی خلاف ورزی پر دار و گیر بھی ضروری ہے۔ اس لئے ہر شریعت میں ایسے خصوصی احکام دیئے گئے ہیں، اور ان کی خلاف ورزی کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اور شریعتوں کے ان خصوصی احکام کے سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ توقیت یعنی احکام کے اوقات مقرر کرنے کے لئے ایسے قوانین ہیں جو توقیت کو واجب کرتے ہیں یعنی اوقات کا یہ اختلاف اصول و ضوابط پر مبنی ہوتا ہے۔ جس شریعت میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی کوئی بنیاد ہوتی ہے مثلاً کبھی کوئی امر کی خرابی کا باعث ہوتا ہے تو اس کو منوع ٹھہرایا جاتا ہے یا کسی امر میں کوئی مصلحت ہوتی ہے تو اس کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ پھر مفیدہ اور مصلحت کا وزن بھی دیکھا جاتا ہے۔ اور اس کے اعتبار سے حرام، مکروہ (تحریمی اور تنزیہی) واجب، سنت اور مستحب وغیرہ مراتب پیدا ہوتے ہیں غرض تمام احکام ایک درجہ کے نہیں ہوتے، بعض لازمی ہوتے ہیں تو بعض اختیاری اور ان احکام کا کچھ حصہ وحی ظاہر (قرآن کریم) میں نازل کیا گیا ہے اور بڑا حصہ وحی غفی یعنی اجتہاد نبی سے ثابت ہے جو احادیث میں مروی ہے۔

والمرتبة الرابعة: معصية الشرائع والمناهج المختلفة باختلاف الأمم والأعصار؛ وذلك: أن الله تعالى إذا بعث نبيا إلى قوم، ليُخرجهم من الظلمات إلى النور، وليُقيم عَوَجَهُمْ، وليُسَوِّبَهُمْ أحسن السياسة، كان بعثه مُتَضَمِّنًا لإيجاب ما لا يمكن إقامة عَوَجَهُمْ وسياسَتَهُمْ إلا به، فلكل مقصد مَطْنَةٌ أو أكثرية أو دائمة، يجب أن يُؤْخَذُوا عليها ويُخاطَبوا بها. وللموقوت قوانينُ توجِبُها، ورب أمر يكون داعيًا إلى مفسدة أو مصلحة، فيؤمرون حَسَبَ مَا يُذْعَنُ إليه، ومن ذلك ما هو مأمور أو منهي عنه حتماً، ومنه ما هو مأمور أو منهي عنه من غير عزم؛ وأقلُّ ذلك ما نزل به الوحى الظاهر، وأكثره ما لا يشبهه إلا اجتهاذ النبى صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اور چوتھا مرتبہ: ان شریعتوں اور ان منہجوں کی نافرمانی کرنا ہے جو امتوں اور زمانوں کے اختلاف سے مختلف رہی ہیں۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم میں کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں تاکہ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالے، اور تاکہ وہ ان کی کجی کو سیدھا کرے، اور تاکہ وہ ان کو موعوب بنائے خوب سنوار کر، تو اس کی بشت ان چیزوں کو واجب کرنے پر متضمن ہوتی ہے جن کے بغیر ان کی کجی کو دور کرنا اور ان کو سلیقہ مند بنانا ناممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر مقصد کے لئے اکثر یا یاد آئی احتمالی موقع ہوتا ہے، جس پر لوگوں کی دار و گیر کرنا اور جس کا لوگوں کو مخاطب بنانا ضروری ہوتا ہے۔

اور احکام کے وقت کی تعیین کے لئے ایسے قوانین میں جو اس کو واجب کرتے ہیں اور کوئی امر کسی خرابی یا مصلحت کی طرف داعی ہوتا ہے، پس لوگ حکم دیئے جاتے ہیں اس چیز کے موافق جس کی طرف وہ دواعی ان کو دعوت دیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو لازمی طور پر مامور بہ یا منٹھی عنہ ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو تاکید کے بغیر مامور بہ یا منٹھی عنہ ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے بارے میں ظاہری وحی نازل ہوتی ہے۔ اور ان میں سے بیشتر وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے اجتہاد سے ثابت ہوتے ہیں۔

لغات و صحیح: سائنس یسٹمز سیاست، دیکھ بھال کرنا، سدھانا، آداب سکھانا، مؤدب بنانا..... و المرتبة الرابعة
میں واز ہایا گیا ہے..... و للوقت قوانین توجہا اصل میں و للتعريف قوانین توجہہ صحیح مطبوعہ صدیقی اور
مخطوطات سے کی گئی ہے۔



پانچواں مرتبہ: التزامات کی خلاف ورزی کرنے کے گناہ کا ہے۔ التزام کے معنی ہیں: کسی بات کو لازم کر لینا، ضروری قرار دے لینا، جیسے مالی یا بدنی عبادت کی منت ماننا، تلاوت یا ذکر کا کوئی وظیفہ مقرر کرنا یا رات بھر نفلیں پڑھنے کا التزام کرنا یا کسی چیز کے ترک کا مثلاً گوشت نہ کھانے کا عہد کرنا وغیرہ۔ یہ سب باتیں شریعت نے لازم نہیں کیں، نہ ملّا اعلیٰ میں ان کا کوئی حکم فیصل ہوا ہے۔ بلکہ بندہ خود اپنی کامل توجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس اس کے ذہن میں ایک بات آتی ہے جس کو وہ مامور بہ یا ممنوع عنہ سمجھ لیتا ہے، کسی قیاس کی وجہ سے، یا کسی طے شدہ ضابطہ پر حکم مقرر کرنے کی وجہ سے، یا کسی اور طرح سے، جیسے عوام کسی ناقص تجربہ کی بنیاد پر یا کسی حکیم کے بار بار کسی دوا کو کسی مرض میں لکھنے کی وجہ سے تاثیر کا گمان قائم کر لیتے ہیں حالانکہ وہ اس تاثیر کی وجہ نہیں جانتے، نہ کسی ماہر حکیم نے اس تاثیر کی صراحت کی ہے۔ ایسے التزامات میں آدمی اپنی ذمہ داری سے اس وقت عہدہ برآ ہو سکتا ہے جب وہ احتیاط پر عمل کرے اور جن چیزوں کا التزام کیا ہے ان کو بجالائے، ورنہ اس کے دل پر نافرمانی کا پردہ پڑ جائے گا اور اس کی اس کے گمان کے مطابق گزند کی جائے گی۔

اور اس مرتبہ کے سلسلہ میں اصل منشأ خداوندی تو یہ تھا کہ اس کے معاملہ کو مکمل چھوڑ دیا جائے اور اس کی طرف التفات نہ کیا جائے، کیونکہ یہ چیزیں شرعاً ضروری نہیں ہیں۔ مگر انسانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان چیزوں کو واجب و لازم سمجھتے ہیں، اس لئے رب کریم نے ان کو وہ چیز پوری پوری ویدی جو انھوں نے واجب و لازم جانی یعنی اب شرعاً بھی ان التزامات کا وفا ضروری ہے۔

اور اس پانچویں مرتبہ کے سلسلہ میں درج ذیل نصوص وارد ہوئی ہیں:

۱۔ متفق علیہ حدیث قدسی ہے: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِمَعْنَى مِيرَابَنْدہ میرے بارے میں جو گمان کرتا ہے، میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں (مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ، حدیث نمبر ۲۲۶۴) شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حجتہ اللہ کی قسم دوم میں اس حدیث کی شرح یہ کی ہے کہ جن گناہوں کے بارے میں خلیفۃ القدس میں کوئی فیصلہ قرار نہیں پایا ان میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ معاملہ فرمائیں گے۔ (دیکھئے اذکار اور اداوران کے تعلقات کا بیان)

۲۔ سورۃ الحدید، آیت ۲۷ میں ہے کہ: ”انھوں نے (یعنی عیسائیوں نے) رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا، لیکن انھوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا“ یہی التزامات عہد ہیں، جن کو بندہ اپنے گمان کے اعتبار سے سر لیتا ہے۔ جن کا وفا ضروری ہے۔ عیسائیوں نے خود اپنی ایجاد کردہ رہبانیت کی رعایت پوری نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کے مطابق ان کی گرفت کی۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”نہ نختی کرو تم اپنی جانوں پر، پس سختی کریں گے اللہ تعالیٰ تم پر“ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ حدیث نمبر ۱۸) یعنی ایسی ریا ختمیں اور مجاہدے نہ کرو جن کی نفس میں طاقت نہ ہو اور مباح کو اپنے اوپر حرام نہ کرو، پس سختی کریں گے اللہ تعالیٰ اور فرض کرویں گے ان کو تم پر اور تم میں ان کی ادائیگی کی طاقت نہ ہوگی (مظاہر حق)

۴۔ حضرت نواس رضی اللہ عنہ نے نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ”نیکی خوش خلقی ہے یعنی نیکی کی عمدہ قسم یہ ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینہ میں جم جائے، اور تو نا پسند کرے کہ لوگ اس سے واقف ہوں“ (رواہ مسلم مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب الرفق حدیث نمبر ۵۰۷۳) یعنی جس امر کے بارے میں دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ وہ گناہ ہے، پس وہ گناہ ہے۔

فائدہ: مجتہدات یعنی وہ غیر منصوص مسائل جن کے احکام مجتہدین امت نے طے کئے ہیں اور ان میں اختلافات ہوئے ہیں وہ اس پانچویں مرتبہ کے ساتھ ملحق ہیں، جو شخص جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے امام کی رائے کے مطابق عمل کرے، اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ معصیت شمار ہوگی اور وہ اس پانچویں مرتبہ کا گناہ تصور کیا جائے گا۔

نوٹ: اس فائدہ سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک تقلید ائمہ برحق چیز ہے۔

والمراقبة الخامسة: ما لم ينص عليه الشارع، ولم يعقد في المال الأعلى حكمه، لكن توجه عبد إلى الله بمجامع همته، فاعتراه شيء يظنه ممنوعاً عنه، أو مأموراً به، من قبل قياس أو تخريج، أو نحو ذلك، كما يظهر للعوام تأثير بعض الأدوية، من قبل تجربة ناقصة، أو دوران حكم الطبيب الحاذق على علة، ولا يعلمون وجه التأثير، ولا ينص عليه الطبيب، فلا يخرج مثل هذا الإنسان من

العہدۃ حتی یاخذ بالاحتیاط، وإلا کان بینہ وبين ربه حجابٌ فیما یَظُنُّ، فیؤاخذ بظنہ.

وأصل المرضی فی هذه المرتبة أن یُهمَل أمرُها، ولا یُلْتَفَت إليها، غیر أن فی الوجود انفساً یستوجبون ذلك، فیقرُّ علیہم التجوُّذ ما استوجبوه، وفيها قوله تعالیٰ: ﴿إنا عند ظنِّ عبدی بی﴾ وقوله تعالیٰ فی الفرقان العظیم: ﴿وَرَهْبَانِیَّةٍ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاہَا عَلَیْہِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَضُوْانِ اللّٰهِ﴾ وقوله صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿لَا تَشْذُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ فِیْشِذَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ﴾ وقوله صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿اِنَّہُمْ مَا خَاكَ فِیْ صَدْرِكَ﴾ ویلحقن بها معصیۃ حکم مُجْتَبَہ فیہ. إذا كان مقلدًا مُجمِعًا تقلید من یری ذلك، واللہ اعلم.

ترجمہ: اور پانچواں مرتبہ: ان باتوں کا ہے جن کے بارے میں شارع نے کوئی صراحت نہیں کی ہے اور نہیں طے پایا ہے مگر اعلیٰ میں اس کا حکم البتہ ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی پوری توجہ سے متوجہ ہوا۔ پس اس کے سامنے آئی ایک ایسی چیز جس کو اس نے ممنوع عنہ یا مہر بگمان کیا۔ کسی قیاس کی رو سے یا تخریج کی رو سے یا اس کے مانند کسی چیز کی رو سے، جس طرح عام لوگوں کے لئے بعض جزی بوٹیوں کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے، کسی ناقص تجربہ کی رو سے یا کسی ماہر طبیب کے کسی علت کو مدراعم بنانے کی وجہ سے: دراصل ایک نہیں جانتے وہ تاثیر کی وجہ اور نہ کسی حکیم نے اس کی صراحت کی ہوتی ہے۔ پس نہیں نکلتا اس طرح کا انسان ذمہ داری سے، تا آنکہ احتیاط پر عمل کرے، ورنہ ہوگا اس کے اور اس کے پروردگار کے درمیان ایک پردہ اس معاملہ میں جو اس نے گمان کیا ہے (پس اس کو کرنے یا نہ کرنے کا التزام کیا ہے) پس پکڑا جائے گا وہ اس کے گمان کے مطابق۔

اور اس مرتبہ میں اصل مرضی خداوندی یہ ہے کہ اس کے معاملہ کو مکمل چھوڑ دیا جائے اور اس کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ مگر ایسے لوگ موجود ہیں جو واجب و لازم جانتے ہیں اس کو (یعنی ان کے گمان میں التزامات کی خلاف ورزی گناہ ہونی چاہئے) پس پوری پوری دے دی اس کو سختی پروردگار نے وہ چیز جس کو انھوں نے واجب و لازم جانا (یعنی ان کی خلاف ورزی کو گناہ قرار دیا) اور اس مرتبہ شامس کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد (حدیث قدسی میں) وارد ہوا ہے: میں میرے ساتھ اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں، اور قرآن عظیم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ”اور رہبانیت (ترک دنیا) کو انھوں نے گھڑ لیا، ہم نے اس کو ان پر لازم نہیں کیا تھا۔ مگر (گھڑی انھوں نے وہ چیز) محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے“ اور آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”مہنتی کرو تم اپنی ذاتوں پر، پس سختی کریں گے اللہ تعالیٰ تم پر“ اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ”گناہ وہ ہے جو تیرے سینہ میں تر و پیدا کرے“ — اور لائق کیا جائے گا اس (مرتبہ) خامس کے ساتھ مجتہد فیہ (مختلف فیہ) حکم کی نافرمانی کرنا جبکہ وہ فرامانی کرنے والا مقلد، پختہ ارادے سے اس مجتہد کی تقلید کرنے والا ہو جو وہ رائے رکھتا ہے (مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جہری نماز میں بھی مبتدی پر فاتحہ فرض ہے اور

امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز میں بھی مکروہ تحریمی ہے، پس جو شافعی ہے اس پر فاتحہ پڑھنا فرض ہے، نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی اور جو حنفی ہے وہ اگر فاتحہ پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی (باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات:

والمرتبة میں واو بڑھایا گیا ہے..... فصل (ن) المشارع: صراحت کرنا۔۔۔۔۔ منجمع، منجمع کی جمع ہے بمعنی جمع کرنے یا جمع ہونے کی جگہ، منجمع القلب: پورا دل۔۔۔۔۔ معجم الہمة: پوری کامل توجہ..... اغترافہ امر: لاق ہونا، در پیش آنا۔۔۔۔۔ قیاس: علت جامعہ کی وجہ سے منصوص کا حکم غیر منصوص پر جاری کرنا..... تخریج: کسی امام کے طے کردہ ضابطہ پر کوئی حکم منفرع کرنا مگر یہاں قیاس و تخریج لغوی معنی میں ہیں۔ اصطلاحی معنی مراۃ نہیں یعنی اندازے سے یا کسی بات کو سامنے رکھ کر کوئی التزام کرنا..... ذار (ن) دُورًا و دُورًا: گھومنا، چکر کھانا، ماہر حکیم کے حکم کا کسی علت پر گھومنا یعنی جہاں جہاں وہ علت (بیماری) پائی جائے حکیم کا اس بوٹی کو تجویز کرنا..... و لہو تو فیہا علیہ حَقُّہ: پورا حق دینا..... الجَوَادُ سخی، کریم الجَوَاد: بڑا فیاض..... حَاكُ الشَّيْءِ فی صدری: فلاں چیز میرے دل میں کھلکی..... مُجْمَعًا (اسم فاعل) اَجْمَعَ الْأُمُورَ: پختہ ارادہ کرنا.....، تَقْلِيدُ مَفْعُول بہ ہے مجمعا کا۔

باب — ۱۵

گناہوں کے مفاسد کا بیان

صغیرہ اور کبیرہ کی حد بندی: گناہوں کی دو قسمیں ہیں: صغیرہ (چھوٹے گناہ) اور کبیرہ (بڑے گناہ) اور گناہوں کو چھوٹا بڑا دو اعتباروں سے کہا جاتا ہے۔

ایک: یقینی اور گناہ کی حکمتوں کے اعتبار سے۔

دوم: ہر زمانہ کی مخصوص شریعت کے اعتبار سے، مثلاً: مویٰ علیہ السلام کی شریعت کے اعتبار سے صغیرہ اور کبیرہ اور ہیں، اور ہماری شریعت کے اعتبار سے اور۔

کبیرہ گناہ: یقینی اور گناہوں کی حکمتوں کے اعتبار سے وہ ہے: جو قبر میں یا قیامت میں نہایت مؤکد طریقہ پر موجب عذاب ہو، اور آسائش سے زندگی گزارنے کی مفید اسکیموں کا بالکل ہی ستیاناس کر دے اور فطرت اسلامی کے بالکل ہی برخلاف ہو۔

اور صغیرہ گناہ: وہ ہے جس سے مذکورہ مفاسد میں سے بعض مفاسد پیدا ہو سکتے ہوں یا وہ عام حالات میں ان مفاسد تک پہنچانے والا ہو، یا وہ من وجہ ان مفاسد کا سبب ہو اور من وجہ نہ ہو، جیسے ایک شخص راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اور بال

بچوں کو فاقہ مست چھوڑ دیتا ہے تو وہ بخل کی بری عادت کا علاج تو کرتا ہے مگر فضلی لائف کو بگاڑ لیتا ہے۔

اور گناہ کبیرہ: ہماری خاص شریعت کے اعتبار سے وہ ہے جس کی حرمت کی شریعت نے صراحت کی ہو یا اشارہ نے اس پر جہنم کے عذاب کی دھمکی دی ہو، یا اس گناہ کے لئے کوئی سزا مقرر کی ہو، یا اس گناہ کی برائی اور سنگینی ظاہر کرنے کے لئے اس کے مرتکب کو کفار اور ملت سے خارج قرار دیا ہو۔ اور جو گناہ اس قسم کا نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔

بعض گناہ ایک اعتبار سے صغیرہ اور دوسرے اعتبار سے کبیرہ ہوتے ہیں: کبھی ایک کام نیکی اور گناہ کی حکمتوں کے اعتبار سے صغیرہ گناہ ہوتا ہے اور شریعت خاصہ کے اعتبار سے کبیرہ ہوتا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کبھی کسی بات کا عام رواج ہو جاتا تھا اور وہ لوگوں کی فطرت بن جاتی تھی اور اس طرح طبیعتوں میں رچ بس جاتی تھی کہ وہ ان میں سے نکل ہی نہیں سکتی تھی الا یہ کہ ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں۔ پھر دور نبوت آتا ہے اور شریعت نازل ہوتی ہے اور وہ اس کام کی سماعت کرتی ہے تو لوگ جھگڑا کھڑا کرتے ہیں اور ڈھٹائی پر اتر آتے ہیں اور شریعت اسی مخالفت کے بقدر سختی اور دھمکی سے کام لیتی ہے، یہاں تک کہ اس گناہ کا ارتکاب ملت کی سخت دشمنی جیسا ہو جاتا ہے اور اس طرح کے گناہ پر وہی شخص اقدام کرتا ہے جو سرکش و متروا رہے حیا ہو، نہ وہ اللہ سے شر مانتا ہو نہ لوگوں سے، جب صورت حال ایسی ہو جانی ہے تو وہ کام شریعت کی نظر میں کبیرہ گناہ قرار پاتا ہے اگرچہ حکمت برواٹھ کے اعتبار سے وہ صغیرہ ہو۔ مگر اس کے برعکس نہیں ہوتا یعنی جو کام حکمت برواٹھ کے اعتبار سے کبیرہ ہو، وہ شریعت خاصہ کی نظر میں صغیرہ نہیں ہو سکتا۔

قصہ مختصر: شریعت اسلامیہ کے اعتبار سے کبیرہ گناہوں کے مفاسد کا بیان اسی کتاب کی قسم دوم میں آئے گا، وہی جگہ اس کے لئے موزوں ہے، انواع بر میں بھی ہم نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ چند نیکی کے کاموں کی حکمتیں مختصر طور پر بیان کی ہیں باقی کا تذکرہ قسم دوم کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ یہاں آئندہ ابواب میں حکمت برواٹھ کے اعتبار سے کبیرہ گناہوں کے مفاسد بیان کئے جائیں گے۔

﴿باب مفاسد الآثام﴾

واعلم: أن الكبيرة والصغيرة تطلقان باعتبارين:

أحدهما: بِحَسَبِ حِكْمَةِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ.

وثانيهما: بِحَسَبِ الشَّرَائِعِ وَالْمَنَاجِحِ الْمُخْتَصِمَةِ بِعَصْرِ دُونِ عَصْرٍ.

أما الكبيرة: بِحَسَبِ حِكْمَةِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ: فَهِيَ ذَنْبٌ يُوجِبُ الْعَذَابَ فِي الْقَبْرِ وَفِي الْمَحْشَرِ إيجابًا قَوِيًّا، وَيُفْسِدُ الْإِرْتِفَاقَاتِ الصَّالِحَةَ إِفْسَادًا قَوِيًّا، وَيَكُونُ مِنَ الْفُطْرَةِ عَلَى الْغَرْفِ الْمَخَالِفِ جَدًّا.

والصغيرة: مَا كَانَ مَطْنَةً لِبَعْضِ ذَلِكَ، أَوْ مُقْضِيًّا إِلَيْهِ فِي الْأَكْثَرِ، أَوْ يُوجِبُ بَعْضَ ذَلِكَ مِنْ وَجْهِ،

و لا یوجہ من وجہ، کمن ینفق فی سبیل اللہ و اهلہ جیاع، فیدفع وذیلۃ البخل، و یفسد ندبیر المنزل۔
 و اما بحسب الشرائع الخاصة: فما نصّت الشریعة علی تحریمہ، او أوعد الشارع علیہ بالنار، او
 شرع علیہ حدًا، او سَمی مرتکبہ کافرًا خارجًا من الملة، اِبانةً لِقَبیحہ، و تغلیظًا لامرہ، فهو کبیرہ۔
 و ربما یكون شیءٌ صغیرہ بحسب حکمة البر و الإثم، کبیرہ بحسب الشریعة، و ذلك: أن
 الملة الجاهلیة ربما ارتکبت شیئًا، حتی فشا الرِسمُ به فیہم، لا یخرج منهم إلا أن تَقَطَّعَ
 قلوبُہم، ثم جاء الشرع ناهیًا عنہ، فحصل منهم لِحَاجٌ و مکابرةٌ، و حصل من الشرع تغلیظٌ
 و نهدیدٌ بحسب ذلك، حتی صار ارتکابُہا کالمُناوِةِ الشدیدة للملة، و لا ینتأی الإقدامُ علی
 مثله إلا من کل ماردٍ منمرّدٍ، لا یستحیی من اللہ و لا من الناس، فکُتب کبیرہ عند ذلك۔
 و بالجملة: فنحن نؤخر الکلام فی الکبائر بحسب الشریعة إلی القسم الثانی من هذا
 الکتاب، لِإِن ذلك موضِعٌ و نُبِّئُ علی مفسادِ الکبائر بحسب حکمة البر و الإثم ههنا، کما فعلنا
 فی أنواع البر نحوًا من ذلك۔

ترجمہ: گناہوں کے مفاسد کا بیان: اور جان لیں کہ کبیرہ اور صغیرہ کا اطلاق دو اعتباروں سے کیا جاتا ہے:
 ایک: نیکی اور گناہ کی حکمت کے اعتبار سے۔

دوم: ان شریعتوں اور منہجوں کے اعتبار سے جو کسی ایک زمانہ کے ساتھ مختص ہیں، دوسرے زمانہ کے لئے وہ نہیں ہیں۔
 رہا کبیرہ: نیکی اور گناہ کی حکمت کے اعتبار سے: پس وہ، وہ گناہ ہے جو قبر میں اور میدان قیامت میں عذاب کو
 واجب (ثابت) کرتا ہے، نہایت قوی طریقہ پر واجب کرنا۔ یا مفید ارتقا قات کو بگاڑ دیتا ہے، نہایت قوی طور پر بگاڑ
 دینا، اور ہوتا ہے وہ گناہ فطرت انسانی سے بالکل ہی جانب مخالف پر۔

اور صغیرہ: وہ ہے جو احتمالی موقع ہوتا ہے ان مفاسد میں سے کچھ کے لئے، یا وہ پہنچانے والا ہوتا ہے ان مفاسد میں
 سے کچھ تک، اکثر حالات میں، یا ثابت کرتا ہے وہ ان مفاسد میں سے بعض کو ایک وجہ سے، اور نہیں ثابت کرتا وہ ان کو
 دوسری وجہ سے، جیسے وہ شخص جو راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتا ہے در انحالیکہ اس کے اہل و عیال فاقہ سے ہیں، پس وہ بخل
 کے ردیلہ کو تو جانتا ہے اور تدبیر منزل کو بگاڑ لیتا ہے۔

اور بالخصوص شریعتوں کے اعتبار سے، پس وہ کام جس کی حرمت کی شریعت نے صراحت کی ہو، یا شارع نے اس
 پر جہنم کی دھمکی دی ہو یا اس پر کوئی مقرر کر دی ہو، یا اس کے مرتکب کو کافر، ملت سے خارج قرار دیا ہو، اس گناہ کی برائی
 ظاہر کرنے کے طور پر یا اس کے معاملہ کو سنگین بنانے کے طور پر، تو وہ کبیرہ ہے۔

اور کبھی ہوتی ہے ایک چیز چھوٹا گناہ نیکی اور گناہ کی حکمت کے اعتبار سے، اور وہ بڑا گناہ ہوتی ہے، شریعت کے

استبار سے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ملت جاہلیہ کبھی ارتکاب کرتی ہے کسی چیز کا، یہاں تک کہ اس کی رسم پھیل جاتی ہے لوگوں میں، نہیں نکل سکتی وہ رسم لوگوں میں سے مگر یہ کہ نکلے نکلے ہو جائیں انکے دل، پھر آتی ہے شریعت اس سے روکتی ہوئی پس پائی جاتی ہے لوگوں کی طرف سے دشمنی اور مخالفت، اور پائی جاتی ہے شریعت کی طرف سے سختی اور جہمی۔ اسی کے موافق، یہاں تک کہ ہو جاتا ہے اس گناہ کا ارتکاب ملت کی سخت دشمنی کی طرح، اور نہیں آسان ہوتا اس جیسے کام پر اقدام کرنا مگر ہر ایسے سرکش و متہرذ کی طرف سے جو نہیں شرماتا اللہ تعالیٰ سے، اور نہ لوگوں سے، پس لکھ دیا جاتا ہے وہ کام کبیرہ اس صورت حال میں۔

اور بات مختصر: پس ہم شریعت اسلام کے اعتبار سے کبار کے سلسلہ میں گفتگو کو مؤخر کرتے ہیں۔ اس کتاب کی قسم ثانی کی طرف، اس لئے کہ وہ اس کی جگہ ہے اور نیکی اور گناہ کے اعتبار سے ہم کبار کے مفاسد پر تنبیہ کرتے ہیں، یہاں، جیسا کہ ہم نے نیکی کی اقسام کے بیان میں تقریباً ایسا ہی کیا ہے۔

لغات:

لَجَّ (ض س) لَجَجًا وَلَجَجًا: سخت جھگڑا کرنا، دشمنی میں مداومت کرنا..... فَاوَاهُ مُنَاوَاهُ: دشمنی کرنا...
 المناهج جمع ہے المنہج کی، جس کے معنی ہیں: کشادہ راستہ۔ یہ لفظ الشرائع کا ہم معنی ہے۔ ... الْمَحْشَرِ
 وَالْمَحْشَرِ: لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ، مراد قیامت کا دن۔ ... نَأْتِي الْأُمُورَ: آسان ہونا۔
 نوٹ: مخطوطہ برلین اور پٹنہ میں یہاں عنوان باب مفاسد الاثام نہیں ہے، بلکہ سابق باب کے تحت یہ پورا مضمون ہے اور مخطوطہ کراچی میں یہاں سے بحث خاص کے ختم تک کا مضمون ہی نہیں ہے۔



توبہ کے بغیر کبیرہ گناہ معاف ہو سکتا ہے؟

اس پر اتفاق ہے کہ شرک و کفر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوں گے اور اس میں اسلامی فرقوں نے اختلاف کیا ہے کہ مرکب کبیرہ کا کیا حکم ہے؟ معتزلہ اور خوارج ہر کبیرہ گناہ کو شرک و کفر کے برابر گردانتے ہیں۔ مگر خوارج کے نزدیک مرکب کبیرہ کا کفر ہے اور معتزلہ اسلام سے تو خارج قرار دیتے ہیں مگر کفر میں داخل نہیں کرتے، بلکہ بین بین حالت میں رکھتے ہیں، پس اگر مرکب کبیرہ توبہ کئے بغیر مر جائے تو اس کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟ معتزلہ اور خوارج انکار کرتے ہیں اور اہل السنۃ والجماعہ جواز مغفرت کے قائل ہیں۔ یہ مسئلہ علم کلام کی کتابوں میں بھی مذکور ہے اور تفاسیر میں سورۃ النساء کی آیات ۱۶ و ۴۸ کے ذیل میں بھی زیر بحث آتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو توبہ بخشیں گے اور اس کے

سوائے اور جتنے گناہ ہیں، ان کو جس کے لئے منظور ہوگا، بخش دیں گے۔ یہ آیتیں اہل السنۃ والجماعہ کی دلیل ہیں۔ اسی طرح اسی سورت کی آیت ۹۳ کے ذیل میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے، تو اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اور اس کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔ یہ آیت فرق باطلہ کی دلیل ہے۔ غرض ہر فریق اپنے موقف پر کتاب و سنت کے دلائل رکھتا ہے۔

اس مسئلہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرکب کبیرہ کا خلدنی النار ہونا تو کسی طرح درست نہیں۔ تمام اہل حق متفق ہیں کہ بجز کفر و شرک کے کوئی امر موجب غلوطی النار نہیں ہے۔ اور حکمت خداوندی میں بھلائی بات کیسے ممکن ہے کہ مرکب کبیرہ کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے جو کافر کے ساتھ کیا جاتا ہے؟ کافر تو حکومت کا باغی ہے اور مرکب کبیرہ قانون شکنی کرنے والا شہری ہے۔ دونوں کا حکم یکساں کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے مرکب کبیرہ کی مغفرت تو لامحالہ ہوگی۔ اب رہی یہ بات کہ بعد عذاب ہوگی یا بالکل معاف کر دیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں باتیں ممکن ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کام دو طرح کے ہیں ایک: حسبِ عادت جاریہ یعنی معمول کے مطابق، دوم: خرقِ عادت کے طور پر یعنی خلاف معمول۔ عادت جاریہ کا مقتضی تو یہ ہے کہ اگر مرکب کبیرہ مقبول تو بے بغیر مر جائے تو اس کو ایک طویل زمانہ تک بطور سزا جہنم میں رکھیں، پھر اس کو نجات بخشیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کبھی خلاف معمول بھی کام کرتے ہیں، پس وہ اپنے فضل سے اصلی سزا جاری نہ کریں اور ایمان یا کسی خاص عمل کی برکت سے بالکل ہی معاف کر دیں، تو ایسا بھی ممکن ہے۔

اور نصوص میں اس سلسلہ میں جو اختلاف ہے اس کا حل یہ ہے کہ نصوص لوگوں کے محاورات کے مطابق نازل ہوئی ہیں اور لوگ جو باتیں بولتے ہیں وہ دو جہتوں میں سے کسی ایک جہت کے ساتھ مقید ہوتی ہیں۔ خواہ جہت قضیہ میں مذکور ہو یا مخدوف، مخدوف ہونے کی صورت میں قرآن سے تعین کی جائے گی ایک: عاودۃ کی قید کے ساتھ قضیہ مقید ہوتا ہے، دوم: مطلقاً کی قید کے ساتھ۔ اور علم منطق میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تاقض کے تحقق کے لئے وحدۃ ثنائیہ کے علاوہ اگر قضیہ موجود ہو تو جہت کا اتحاد بھی ضروری ہے۔ اگر دو قضیوں کی جہتیں مختلف ہوں تو ان میں تعارض نہ ہوگا۔ مثلاً یہ بات کہ: ”جو بھی زہر کھائے گا مر جائے گا“ اور یہ بات کہ: ”ضروری نہیں کہ جو بھی زہر کھائے وہ مرت جائے“ ان دو باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ پہلی بات عاودۃ کی قید کے ساتھ مقید ہے یعنی سنت الہی یہ ہے کہ جو بھی زہر کھاتا ہے مرت جاتا ہے اور دوسری بات خرقِ عادت کی قید کے ساتھ مقید ہے یعنی خلاف معمول ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی زہر کھائے اور نہ مرے۔ اور جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ کے کارنامے دو طرح کے ہوتے ہیں آخرت میں بھی دو طرح کے ہوں گے پس آیت قتل کا مطلب یہ ہے کہ حسبِ عادت جاریہ تو مؤمن کے قتل عمد کی سزا غلوطی النار ہے اور غلطو سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا (تا ابد مطلب نہیں ہے) اور خرقِ عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بالکل

ہی بخش دیں، ایسا بھی ممکن ہے۔ آیت ۱۱۶ و ۱۱۷ میں اسی کا ذکر ہے، واللہ اعلم۔

فائدہ: حقوق العباد کا معاملہ بھی کبار کی طرح ہے۔ عادت جاریہ تو یہ ہے کہ ان کی ادائیگی ضروری ہے مگر خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کے ذمہ سے حقوق العباد کو ختم کرنا چاہیں گے تو صاحب معاملہ کو راضی کر دیں گے۔ صاحب معاملہ کے سامنے اس کے حقوق کا اتنا بڑا اجر بطور عوض پیش فرمائیں گے کہ وہ خوش ہو کر معاف کر دے گا اور اجر موعود حاصل کر لے گا اس طرح معاملات کا قصہ پاک ہو جائے گا۔
نوٹ: تقریر میں کتاب کی ترتیب بدل گئی ہے، قارئین اس کا خیال رکھیں۔

وقد اختلف الناس في الكبيرة إذا مات العاصي عليها ولم يُب، هل يجوز أن يعفو الله عنه أولا؟
وجاء كل فرقة بأدلة من الكتاب والسنة؛ وحل الاختلاف عندى: أن أفعال الله تعالى على وجهين:
منها: الجارية على العادة المستمرة.
ومنها: المخارفة للعادة.

والقضايا التي يتكلم بها الناس مُوجَّهةً بِجِهَتَيْنِ: إحداهما: في العادة، والثانية: مطلقاً، وشرطُ التناقض: اتخاذ الجهة، مثل ماقرره المنطقيون في القضايا الموجهة، وقد تُحذف الجهة، فيجب اتباع المقررات؛ فقولنا: كُلُّ من تناول السُّمَّ مات، معناه: بحسب العادة المستمرة، وقولنا: ليس كُلُّ من تناول السمَّ مات، معناه: بحسب خرقِ العادة، فلا تناقض؛ وكما أن لله تعالى في الدنيا أفعالاً خارقةً، وأفعالاً جاريةً على العادة، فكذلك في المعاد أفعالٌ خارقةٌ وعادية؛ أما العادة المستمرة: فإنَّ يُعاقب العاصي، إذا مات من غير توبةٍ زماناً طويلاً، وقد تُخرق العادة، وكذلك حالُّ حقوقِ العباد؛ وأما خلودُ صاحبِ الكبيرة في العذاب فليس بصحيح وليس من حكمة الله أن يفعل بصاحبِ الكبيرة مثلاً ما يفعل بالكافر سواء، والله أعلم.

ترجمہ: اور لوگوں میں اختلاف ہوا ہے کبیرہ کے بارے میں، جب گنہگار اس کبیرہ پر مر جائے اور اس نے توبہ نہ کی ہو، آیا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کریں یا جائز نہیں ہے؟ اور ہر گروہ کتاب و سنت سے (اپنے موقف پر) دلائل لایا ہے۔ اور (نصوص میں) اختلاف کا میرے نزدیک حل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کام دو طرح کے ہیں:

ان میں سے بعض عادتِ مستمرہ کے مطابق چلنے والے ہیں۔

اور ان میں سے بعض عادت کے برخلاف ہیں۔

اور وہ باتیں جو لوگ بولتے ہیں دو چیزوں کے ساتھ مقید ہوتی ہیں ایک: فی العادة کی جہت کے ساتھ، دوم: مطلقاً

کی جہت کے ساتھ۔ اور (دونوں میں) تیناقض کے لئے جہت کا متحد ہونا شرط ہے، جیسا کہ مناطقہ نے قضایا موثیہ کی بحث میں یہ بات بیان کی ہے۔ اور کبھی جہت حذف کی جاتی ہے تو قرآن کی پیروی ضروری ہوتی ہے۔ پس ہمارا قول: ”جو بھی شخص زہر کھائے گا وہ مر جائے گا“ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی عادت مستمرہ یہ ہے۔ اور ہمارا قول: ”ضروری نہیں کہ جو بھی شخص زہر کھائے وہ مر جائے“، یعنی عادت کے برخلاف ایسا ہو سکتا ہے، پس (دونوں باتوں میں) کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور جس طرح یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بعض کام مخرق عادت کے طور پر کرتے ہیں اور بعض کام عادت کے مطابق چلتے ہیں، پس اسی طرح آخرت میں بھی بعض کام مخرق عادت کے طور پر ہوں گے اور بعض کام عادت کے مطابق ہوں گے۔ رہی عادت مستمرہ: تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگار کو سزا دیں طویل زمانہ تک، جب وہ مر جائے تو بہ کے بغیر، اور کبھی اللہ تعالیٰ عادت کے برخلاف بھی کرتے ہیں۔ اور اسی طرح حقوق العباد کا حال ہے۔ اور رہا مرکب کبیرہ کا ہمیشہ کے لئے عذاب میں رہنا تو وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت میں سے یہ بات نہیں ہے کہ وہ مرکب کبیرہ کے ساتھ بالکل ویسا ہی معاملہ کریں جیسا کہ وہ کافر کے ساتھ کریں گے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

تشریح:

جہت: نسبت کی کیفیت کو کہتے ہیں اور جو لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اس کو جہت قضیہ کہتے ہیں اور جس قضیہ میں جہت قضیہ مذکور ہوتی ہے اس کو موہمہ کہتے ہیں۔ اور جہتیں متحدہ میں کے یہاں تین ہیں: وجوب، امکان اور امتناع اور متاخرین کے نزدیکی کیفیتیں تین میں مختصر نہیں ہیں اور دونوں میں تیناقض کے لئے اگر دونوں قضیہ موہمہ ہوں تو وحدت ثنائیہ کے علاوہ جہت میں اتحاد بھی ضروری ہے اگر جہتیں مختلف ہوں گی تو تعارض نہیں ہوگا۔ تفصیل منطق کی کتابوں میں ہے۔



باب — ۱۶

وہ گناہ جو آدمی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں

گناہ دو طرح کے ہیں لازم اور متعدی۔ لازم: وہ گناہ ہیں جن کا ضرر گناہگار کی ذات تک محدود رہتا ہے اور متعدی: وہ گناہ ہیں جن کا ضرر اور لوگوں تک بڑھتا ہے۔ اس باب میں لازم گناہوں کا ذکر ہے اور اسلئے باب میں متعدی آخام کا تذکرہ ہے۔ وہ گناہ جن کا ضرر آدمی کی ذات تک محدود رہتا ہے، ان کے تین درجے ہیں: ایک: اکبر الکبائر، دوم: مطلق کبائر، سوم: صغائر:

اکبر الکبائر: وہ گناہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے یعنی الحاد و انکبار۔

کبار: او امر خداوندی کی تعمیل نہ کرنے کے گناہ ہیں۔ مثلاً نماز چھوڑنا، زکوٰۃ نہ دینا وغیرہ۔
صغائر: او امر خداوندی کو شرائط واجبہ کے مطابق نہ نبھالانے کے گناہ ہیں۔
یہ اس باب کا خلاصہ ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

جب انسان کی قوت ملکیہ کو ہر چہار جانب سے قوت ہیبتیہ گھیر لیتی ہے اور اس کو بے بس کر دیتی ہے تو قوت ملکیہ کا حال اس پرندے جیسا ہو جاتا ہے جو اسیر قفس ہو، جس کی دلچسپی اس بات میں ہو کہ وہ قفس کا حصار توڑ کر نکل بھاگے اور اپنی اصل جگہ میں یعنی سرسبز باغات میں پہنچ جائے، وہاں دانے چٹکے، مزیدار پھل کھائے اور اپنی نوٹ کے افرو میں شامل ہو کر شادمانی کے گیت گائے۔ مگر ہائے رے قفس کی بندشیں! ساری تمناؤں کا خون کر دیا۔ ایسا ہی کچھ حال ہیبتیہ کی قید میں پھنس کر ملکیت کا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں انسان کی شدید ترین بدبختی یہ ہے کہ وہ دہریہ ہو جائے یا استکبار میں مبتلا ہو جائے اور یہی سب سے بڑا گناہ ہے۔

دہریت کیا ہے؟ اور دہریت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان فطری علوم کی مخالفت کرے جو انسان کی گھٹی میں پڑے ہوئے ہیں یعنی معرفت الہی کا حق ادا نہ کرے اور پہلے اسی بحث خاص کے باب ششم میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ انسان کی اصل فطرت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اور ان کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کرنے کی طرف میلان موجود ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۷۲ میں ان فطری علوم کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد ہے:

”اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا۔ اور ان سے انہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم گواہ بنتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے محض بے خبر تھے“

اس آیت میں جو اشارہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی صلی اولاد ان کی پشت سے نکالی گئی، جیسا کہ احادیث میں ہے۔ پھر اولاد کی پشت سے جس طرح قیامت تک ان کا وجود ہونے والا ہے، تمام انسانوں کو ان کے آباء کی پشت سے نکالا گیا، جیسا کہ مذکورہ آیت میں صراحت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی یعنی سب انسانوں کو اپنا پیدائیدار کرایا اور معرفت کا درس دیا۔ پھر سب کا امتحان لیا کہ انھوں نے اپنے رب کو پہچان لیا یا نہیں؟ سب نے تاکیدات کے ساتھ جواب دیا کہ ان کو پروردگار کی کماحقہ معرفت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ کہیں کل قیامت کے روز لوگ یہ بہانہ نہ بنا سکیں کہ وہ معرفت باری تعالیٰ سے محض بے خبر تھے۔ پھر انسانوں کی تمام ارواح کو عالم ارواح میں ایک خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، جہاں سے ان کو اپنے اپنے وقت پر حرم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں منتقل کیا جاتا ہے۔ غرض توحید باری تعالیٰ کا علم انسان کے ضمیر میں گوندھ دیا گیا ہے اور اسی معرفت پر انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ: ”ہر بچہ فطرت پر جنا جاتا ہے“ (فتح الباری

۳۴۶) یعنی انسان کی فطرت میں جو اللہ کی پہچان رکھ دی گئی ہے اس کو لے کر بچہ دنیا میں آتا ہے۔ اور اسی لئے اس کی فطرت میں اپنے خالق کی طرف میلان اور اس کی تعظیم کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ تعظیم اس وقت ممکن ہے، جب آدمی کا ایمان صحیح ہو، اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ قصد و اختیار سے عالم میں تصرف کرنے والے ہیں، لوگوں کو ان کے اعمال خیر و شر پر بدلہ دینے والے ہیں، انسانوں کو احکام کا مکلف بنانے والے ہیں اور ان کے لئے قوانین مقرر کرنے والے ہیں، جس کا ایمان ہی صحیح نہیں اس کو نہ تو اللہ تعالیٰ کے بلند مقام کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ وہ کما حقہ تعظیم بجالا سکتا ہے۔ مثلاً جو شخص ایسے پروردگار کا انکار کرتا ہے جس کی طرف تمام موجودات کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے یعنی جس کا وجود خانہ زاد یعنی خود بخود، آپ سے آپ ہے اور ساری کائنات کو وجود اس نے بخشا ہے یا فلاسفہ کی طرح یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ پروردگار عالم معطل (بکار) ہیں وہ عالم میں کوئی تصرف نہیں کرتے، عقول عشرہ اور خاص طور پر عقل عاشری سب کچھ کرتی ہے۔ یا وہ ایجاب ازلی سے بلا ارادہ تصرف کرتے ہیں۔ یعنی انھوں نے ازل میں سب کچھ طے کر دیا ہے اسی کے مطابق سب کچھ ہوتا رہتا ہے اب اللہ کے ارادے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے یا وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اچھے برے اعمال کا کوئی بدلہ نہیں دیں گے یا وہ اللہ تعالیٰ کو کبھی دیگر مخلوقات کی طرح مانتا ہے یا وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی صفات میں شریک ٹھہراتا ہے یا اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو انبیاء کے ذریعہ شرائع کا مکلف نہیں بنایا ہے اور انبیاء کی تعلیمات کو وہ خود ساختہ باتیں مانتا ہے تو ایسا شخص دہریہ ہے، اس نے اپنے دل میں اپنے رب کی تعظیم کا پختہ ارادہ کیا ہی نہیں اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے بلند مقام و مرجہ کو پہچان ہی نہیں سکتا۔ اور اس کا حال اس پرندے جیسا ہے جو لوہے کے ٹکڑے میں بند ہو، جس میں کوئی سوراخ نہ ہو۔ سوئی کی نوک کے برابر بھی نہ ہو۔ ایسا شخص تاحیات ہیبت کی تاریکیوں میں رہتا ہے۔ مگر جب وہ مرتا ہے تو پردہ پھٹ جاتا ہے اور ملکیت کو کسی درجہ میں نمودار ہونے کا موقع مل جاتا ہے اور فطری میلان حرکت میں آتا ہے مگر موانع معرفت الہی میں آڑے آتے ہیں اور پاکیزہ مقام تک اس کی رسائی نہیں ہو پاتی تو اس کے باطن میں بڑی وحشت بھڑکتی ہے۔ وہ پروردگار کی ناراضی بھی مول لیتا ہے اور عالم بالا کے فرشتے بھی اس کو ناراضی اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر وہ ناراضگی زمینی فرشتوں پر ٹپکتی ہے اور وہ ایذا رسانوں اور عذاب کا سبب بن جاتی ہے پس اس کو عالم مثال میں یا عالم خارجی میں یعنی قبر میں عذاب شروع ہو جاتا ہے۔

خیر انسان کی شدید ترین بدبختی یہ بھی ہے کہ وہ استغبار سے کام لے اور وہ اللہ کی شان کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دے۔ جس شان کا تذکرہ سورۃ الرحمن کی آیت ۲۹ میں آیا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ ہر وقت کسی نہ کسی شان (اہم کام) میں ہیں“ اس آیت میں شان سے مراد یہ ہے کہ ایک تو حکمت ازلی یعنی قدیم تقدیر الہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازل میں کائنات کے لئے سب کچھ طے کر دیا ہے، مگر عالم کے لئے حکمت خداوندی کے مطابق اطوار و ادوار بھی ہیں اور جب بھی کوئی

مخصوص دور آتا ہے تو پہلے اللہ تعالیٰ ہر آسمان میں اس دور کے معاملات کی وحی فرماتے ہیں اور ملا علی کو اس دور کے مناسب کاموں پر لگاتے ہیں اور اس دور کے لئے ایک قانون تجویز فرماتے ہیں جو اس دور کی مصلحت کے مطابق ہو، پھر وہ قانون زمین میں اس دور کے نبی پر نازل کیا جاتا ہے۔ اور ملا علی کو الہام فرماتے ہیں کہ وہ دنیا میں اس نئے انداز کو چلانے کا پختہ ارادہ کریں اور اس کے لئے ہر طرح کی سعی کریں۔ پس ان کا پختہ ارادہ انسانوں کے دلوں میں الہامات بن کر پکپکتا ہے۔ پس جو شخص اس نئی شریعت کا انکار کرتا ہے وہ اس سے جدا ہو جاتا ہے، اس سے نفرت کرتا ہے اور لوگوں کو اس سے روکتا ہے اس کو ملا علی کی سخت لعنت گھیر لیتی ہے، اور اس نے سابقہ شریعت کے مطابق جو کام کئے ہیں وہ سب اکارت ہو جاتے ہیں اور اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اب اس میں نیکی کے ایسے کام کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی جو اس کے لئے مفید ہوں۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۵۹ میں ہے:

”بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں اُن مضامین کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے، دین کے واضح دلائل اور بانی راہ نمائی میں سے، کتاب الہی میں ہماری طرف سے عام لوگوں کے لئے ان کو ظاہر کرنے کے بعد، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں“

اس آیت میں یہود کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تورات شریف میں خاتم النبیین ﷺ کی صفات، آپ کی امت کے احوال اور آپ کے ظہور کے وقت اتباع کی ہدایات نازل فرمائی تھیں۔ مگر جب وقت آیا تو یہود نے استکبار سے کام لیا اور حق پوشی کی، چنانچہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بھی مردود و پھیر لیا اور دیگر لعنت کرنے والوں نے یعنی ملا علی وغیرہ نے بھی پونہ کارا۔ اور سورۃ البقرہ کی آیت سات میں ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا“ یعنی ان کی ایمان کی اور اتھکے کام کرنے کی صلاحیت مفقود کر دی۔ اور ان کا حال اس پرندہ جیسا ہو گیا جو کسی ایسے پنجرے میں بند ہو جس میں سوراخ تو ہوں مگر اس پر اوپر سے بھاری پردہ ڈال دیا گیا ہو یعنی یہود کی کتابوں میں ہدایت کا سب کچھ سامان موجود تھا مگر استکبار کا ان پر ایسا پردہ اوپر سے ڈال دیا گیا کہ اب ان کو کچھ سوچنا ہی نہیں۔

سوال: جب سب کچھ ازلی تقدیر میں طے ہے تو پھر یہ ”شان“ کیا چیز ہے؟ اور ادوار بدلنے پر نئے فیصلوں کی ضرورت کیا ہے؟

جواب: ازلی تقدیر تو قدیم ہے، اس میں حدوث کا شائبہ تک نہیں، اور یہ ”شان“ اس کے بعد کا مرتبہ ہے اور حادث ہے اور جس طرح ازلی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کے کمالات کی تشریح ہوتی ہے کہ ان کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ وہ قادر مطلق ہیں، جو چاہیں فیصلہ کرتے ہیں اور انھوں نے اپنی حکمت بالغہ سے سب کچھ ازل میں طے کر دیا ہے۔ اسی طرح اس شان سے بھی اللہ تعالیٰ کے بعض کمالات کی تشریح ہوتی ہے، مثلاً یہ بات کہ وہ ازل میں طے کر کے بے بس نہیں ہو گئے، جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے۔ وہ آج بھی قادر مطلق ہیں جس طرح وہ ازل میں تھے، آج بھی ہر چیز کا آخری سرانجامی

کے قبضہ قدرت میں ہے، چنانچہ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی اہم فیصلہ کرتے رہتے ہیں اور ان کی شان برتر ہے۔

نوٹ: سوال مقدر کا یہ جواب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مسلسل کلام کے درمیان میں جملہ مترجمہ کے طور پر دیا ہے۔ قارئین غور کر لیں۔

﴿بَابُ فِي الْمَعَاصِي الَّتِي هِيَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ نَفْسِهِ﴾

اعلم: أن القوة الملكية من الإنسان، قد اكتنفت بها القوة البهيمية من جوانبها، وإنما مثلها في ذلك مثل طائر في قفص، سعادته أن يخرج من هذا القفص، فيلحق بحيزه الأصلي من الرياض الأرضية، ويأكل الحبوب الغاذية والفواكه اللذيذة من هنالك، ويدخل في زمره أبناء نوعه، فينتهج بهم كل الابتهاج؛ فاشد شقاوة الإنسان أن يكون دهرياً؛

وحقيقة الدهري: أن يكون مناقضاً للعلوم الفطرية المخلوقة فيه، وقد بينا أن له ميلاً في أصل فطرته إلى المبدإ جلّ جلاله وميلاً إلى تعظمه أشد ما يجد من التعظيم، وإليه الإشارة في قوله تبارك وتعالى: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ الْآيَةَ، وَقَوْلَهُ صَلِّ اللَّهَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿كُلُّ مَوْلَدٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ﴾

والتعظيم الأقصى لا يتمكن من نفسه إلا باعتقاد تصرف في بارئته بالقصد والاختيار، ومجازاة وتكليف لهم، وتشريع عليهم؛ فمن أنكر أن له ربا تنتهي إليه سلسلة الوجود، أو اعتقد بامعطلا لا يتصرف في العالم، أو يتصرف بالإيجاب من غير إرادة، أو لا يجازي عباده على ما يفعلون من خير وشر، أو اعتقد ربّه كممثل سائر الخلق، أو أشرك عباده في صفاته، أو اعتقد أنه لا يكلفهم بشريعة على لسان نبي، فذلك الدهري الذي لم يجمع في نفسه تعظيم ربه، وليس لعلمه نفوذ إلى حيز القدس أصلاً، وهو بمنزلة الطائر المحبوس في قفص من حديد، ليس فيه منفذ ولا موضع إبرة، فإذا مات شقّ الحجاب، وبرزت الملكية بروزاً مآء، وتحرك الميل المنفلوط فيه، وغافته العوائق في علمه بربه، وفي الوصول إلى حيز القدس، فهاجت في نفسه وحشة عظيمة، ونظر إليها بارئتها والملا الأعلى وهي في تلك الحالة الخبيثة، فأحدثت فيها بنظر السُّخط، والازدراء، وترشحت في نفوس الملائكة إلهامات السُّخط والعذاب، فعدّبت في المثال وفي الخارج.

أو كافراً، كَجَبَر عَلَى الشَّأْنِ الَّذِي تَطَوَّرَ بِهِ اللَّهُ تَعَالَى، كَمَا قَالَ: ﴿كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾

وَأَعْسَى بِالشَّانِ: أَنْ لِلْعَالَمِ أَدْوَارًا وَأَطْوَارًا حَسَبَ الْحِكْمَةِ الْإِلَهِيَّةِ، فَإِذَا جَاءَتْ دَوْرَةٌ أَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا، وَدَوَّرَ الْمَلَائِكَةَ الْأَعْلَى بِمَا يَنْاسِبُهَا، وَكَتَبَ لَهُمْ شَرِيعَةً وَمُصَلِحَةً، ثُمَّ أَلْهِمَ الْمَلَائِكَةَ الْأَعْلَى أَنْ يُجْمَعُوا تَمْشِيَةً هَذَا الطَّوْرَ فِي الْعَالَمِ، فَيَكُونُ إِجْمَاعُهُمْ سَبَبًا لِإِلْهَامَاتِ فِي قُلُوبِ الْبَشَرِ، فَهَذَا الشَّانُ تَلَوُّ الْمَرْتَبَةِ الْقَدِيمَةِ، الَّتِي لَا يَشُوْبُهَا حَدُوثٌ، وَهَذِهِ أَيْضًا شَارِحَةٌ لِبَعْضِ كَمَا أَنَّ الْوَاجِبَ جَلَّ مَجْدُهُ كَالْمَرْتَبَةِ الْأُولَى، فَكُلُّ مَنْ بَايَنَ هَذَا الشَّانَ، وَابْغَضَهُ، وَصَدَّ عَنْهُ، اتَّبَعَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الْأَعْلَى بَلْعَنَةً شَدِيدَةً تُحِيطُ بِنَفْسِهِ، فَتُحِطُّ أَعْمَالُهُ، وَيَقْسُو قَلْبُهُ، وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَكْسِبَ مِنْ أَعْمَالِ الْبَرِّ مَا يَنْفَعُهُ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى، مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾ وَقَوْلُهُ: ﴿حَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ﴾ فَهَذَا كَطِيرٌ، فِي فَفْصٍ لَهُ مَنَافِدٌ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ غَشَى مِنْ فَرْقِهِ بَغَاسِيَةٌ عَظِيمَةٌ.

ترجمہ: ان گناہوں کے بیان میں جو آدمی اور اس کی ذات کے درمیان ہیں: جان لیں کہ انسان کی قوت ملکیہ کو قوت بنیویہ نے اس کی تمام جانوں سے گھیر رکھا ہے اور قوت ملکیہ کا حال اس سلسلہ میں پیچھے میں جمبوس پرندہ جیسا ہی ہے۔ پرندے کی ٹیک بختی یہ ہے کہ وہ اس پیچھے سے نکلے، پس مل جائے وہ اپنی اصلی جگہ سے یعنی سرسبز باغات سے، اور کھانے و غذائی دانے اور لذیذ میوے، وہاں سے، اور داخل ہو وہ اپنی نوع کے افراد کے زمرہ میں، پس خوش ہو وہ ان کے ساتھ مل کر نہایت خوش ہو گا۔ پس انسان کی شدید ترین بدبختی یہ ہے کہ وہ ہر یہ ہو جائے۔

اور ہر یہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان فطری علوم کو توڑنے والا ہو (یعنی مخالفت کرنے والا ہو) جو اس کے اندر پیدا کئے گئے ہیں۔ اور ہم پہلے (باب فی ان العبادۃ حق اللہ الخ) میں قَوْلہ: فَاعْلَمُ اَنْ فِی رُوحِ الْاِنْسَانِ لَطِيفَةٌ نُوْرَانِیَّةٌ تَمِیْلُ اِلَیْهِ (بیان کر چکے ہیں کہ انسان کی اصل فطرت میں اللہ جل جلالہ کی طرف میلان ہے اور ان کی تعظیم کی طرف میلان ہے، زیادہ سے زیادہ تعظیم جو وہ پاتا ہے یعنی جو اس کے بس میں ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد میں: "اور جب آیا آپ کے رب نے آدم کی اولاد سے" آیت آخر تک پڑھیں۔ اور آپ ﷺ کے ارشاد میں: کہ "ہر بچہ فطرت پر جتنا جاتا ہے" اور غایت درجہ تعظیم کرنے پر انسان قادر نہیں ہے مگر اس اعتقاد کے ساتھ کہ اس کے خالق قصد و اختیار سے تصرف کرنے والے ہیں اور بدلہ دینے والے ہیں اور لوگوں کو احکام کا مکلف بنانے والے ہیں اور ان کے لئے قوانین مقرر کرنے والے ہیں۔ پس جو شخص انکار کرتا ہے اس بات کا کہ (۱) اس کا ایک ایسا پروردگار ہے جس کی طرف تمام موجودات کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے (۲) یا اعتقاد رکھتا ہے ایسے معطل (بے کار) رب کا جو عالم میں تصرف نہیں کرتا (۳) یا ارادہ کے بغیر بالایجاب تصرف کرتا ہے (۴) یا وہ اپنے بندوں کو بدلہ نہیں دے گا اس خیر و شر پر جو وہ کرتے ہیں (۵) یا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ

اس کا رب دیگر مخلوقات کی طرح ہے (۶) یا شرک ٹھہراتا ہے وہ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جنات میں (۷) با اعتقاد رکھتا ہے وہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسی نبی کے ذریعہ احکام کا مکلف نہیں بنایا تو یہ شخص وہ دہریہ ہے جس نے اپنے دل میں رب کی تعظیم کا پختہ ارادہ نہیں کیا ہے اور قطعاً اس کے علم کے لئے مقام قدس (یعنی اللہ تعالیٰ) تک پہنچنا نہیں ہے۔ اور وہ اس پرندے جیسا ہے جو لوہے کے پنجرے میں قید ہو، جس میں کوئی سوراخ نہ ہو سوئی کی جلد کے بقدر بھی نہ ہو۔ پس جب وہ مر جاتا ہے تو پرہ پھٹ جاتا ہے اور ملکیت نمودار ہوتی ہے کسی درجہ میں نمودار ہونا اور وہ میلان حرمت میں آتا ہے جو اس میں پیدا کیا گیا ہے اور روکتی ہیں اس کو روکنے والی چیزیں پروردگار کو جاننے سے اور پاکیزہ مقام تک پہنچنے سے۔ پس بھڑکتی ہے اس کے دل میں بڑی وحشت، اور دیکھتے ہیں اس نفس کی طرف اس کے پیدا کرنے والے اور عالم بالا کے فرشتے و رانجالیہ وہ اس خبیث حالت میں ہوتا ہے پس دیکھتے ہیں ملا اعلیٰ اس نفس میں ناراضی اور حقارت کی نظر سے اور مچکتے ہیں ملائکہ (سافلہ) کے نفوس میں ناراضی اور عذاب کے الہامات، پس سزا دیا جاتا ہے وہ عالم مثال میں اور عالم خارجی میں۔

یا وہ کافر ہو جائے، گنہگار کرے اس "شان" کے سامنے جس کو اللہ تعالیٰ اوتے بدلتے رہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ہر وقت وہ کسی نہ کسی شان میں ہے" اور میری مراد "شان" سے یہ ہے کہ عالم کے لئے حکمت خداوندی کے مطابق ادوار و اطوار ہیں، پس جب آتا ہے کوئی مخصوص دور تو اللہ تعالیٰ وحی فرماتے ہیں ہر آسمان میں اس کے معاملہ کی اور انتظام کرتے ہیں ملا اعلیٰ کا ان باتوں کے ساتھ جو وہ اس دور کے مناسب ہوتی ہیں۔ اور واجب کرتے ہیں ان کے لئے ایک قانون اور ایک مصلحت۔ پھر الہام فرماتے ہیں ملا اعلیٰ کو کہ وہ دنیا میں اس (سنے) انداز کو چلانے کا (پھیلانے کا) پختہ ارادہ کریں، پس ان کا پختہ ارادہ کرنا انسانوں کے دلوں میں الہامات کا سبب ہوتا ہے (سوال مقدر کا جواب) پس یہ "شان" اس مرتبہ قدیم کے بعد ہے، جس میں حدوث کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اور یہ "شان" بھی واجب جل جہدہ کے بعض کمالات کی تشریح کرنے والی ہے، مرتبہ اولیٰ کی طرح (جواب پورا ہوا) پس ہر وہ شخص جو اس شان کو چھوڑ کر جدا ہوتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے اور اس سے روکتا ہے، لاحق کیا جاتا ہے وہ، ملا اعلیٰ کی طرف سے، ایسی سخت لعنت جو اس کے نفس کو گھیر لیتی ہے۔ پس اکارت کر دیے جاتے ہیں اس کے اعمال، اور سخت ہو جاتا ہے اس کا دل اور وہ اعمال بڑے میں سے حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ان کی جو اس کے لئے مفید ہوں۔ اور اس کی طرف اشارہ ہے ارشاد باری تعالیٰ میں: "بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں اُن باتوں کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے واضح دلائل اور ہدایت میں سے، عام لوگوں کے لئے اس کو ظاہر کرنے کے بعد کتاب الہی میں، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور (دوسرے) لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں: "مہر کردی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر" پس شخص ایسے پرندے کی طرح ہے جو کسی ایسے پنجرے میں ہو جس میں سوراخ ہیں، مگر بات یہ ہے کہ اس پر بھاری پردہ ڈال دیا گیا ہے اس کے اوپر سے۔

لغات:

اِخْتَصَفَ الْقَوْمُ فَلَانَا: احاطہ کرنا۔۔۔ الرياض: باغات جمع الروضة۔۔۔ الارْبَضَةُ: سرسبز اَرْض (ن) اَرْضًا و اَرْض (ک) اَرْضًا السَّمَاءُ: سرسبز اور خوش منظر ہونا۔۔۔ اِبْتَهَجَ بِهِ: خوش ہونا۔۔۔ العائق: ہر روکنے والی چیز، جمع العوائق، عاقف (ن) عَوْفًا عن کذا: روکنا، باز رکھنا۔۔۔ هَاجَ يَهْجُجُ هَيْجًا وَهَيْجَانًا: بھڑکنا براہِ یغیختہ کرنا۔۔۔ خَذَقَهُ بعینه: کسی کی طرف دیکھنا سے اَحَذَقَ باب افعال ہے۔۔۔ اِزْدَرَى: حقیر سمجھنا۔۔۔ تَكَثَّرَ: غرور کرنا۔۔۔ تَطَوَّرَ: تَحَوَّلَ من طَوْرٍ اِلَى طَوْرٍ۔۔۔ التَّلَوُّ: وہ چیز جو کسی چیز کے پیچھے ہو۔۔۔ اَتَّبَعَ (فعل مضارع) من الاتساع على رِزْقِ الْكَرِيمِ۔ ترکیب و صیغ: اَوْ كَافِرًا کا عطف دھرتیا پر ہے۔ فَاِذَا مَا تَشَقَّ اَصْلُ مِثْلٍ فَاِذَا مَا تَشَقَّ تَحْجِجُ مَطْلُوبَ برلین سے کی گئی ہے قولہ: تَطَوَّرَ بِهِ اللَّهُ اٰی: اَدَارَهُ وَفَقْدَهُ وَخَلَقَهُ بِطَوْرٍ خَاصٍ فِی كُلِّ زَمَانٍ (سنائی)



دوسرے درجہ کے کبار: یہ ہیں کہ آدمی کا عقیدہ تو حید اور تعظیم دونوں صحیح ہوں مگر وہ حکمت برداشتم کی رو سے جو چیزیں مامور ہیں ان کا تارک ہو، نمازیں وقت پر ادا نہ کرتا ہو، زکوٰۃ نہ دیتا ہو، روزے نہ رکھتا ہو اور حج فرض ہو گیا ہو مگر ادا نہ کیا ہو تو اس کا حال اس شخص جیسا ہے جو ”بہادری“ کے معنی اور فائدہ تو سمجھتا ہو مگر بہادری کے وصف کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش نہ کرتا ہو، تو شخص جاننے سے کیا فائدہ؟ جانتا اور ہے اور خود بہادری جانتا اور ہے، تاہم وہ اس شخص سے غنیمت ہے جو بہادری کا مطلب تک نہیں جانتا یعنی یہ صحیح العقیدہ مومن جو تارکِ فرائض ہے مگر وہ ان کے برحق ہونے کو مانتا ہے وہ اس شخص سے بہر حال بہتر ہے جو سرے سے جانتا ہی نہیں ہے یعنی دہری اور کافر سے بہتر ہے اور اس کا حال اس پرندے جیسا ہے جو کسی جالی دار قفس میں بند ہو، جو مزہ زاروں کو اور میوؤں کو دیکھتا ہو، بلکہ عرصہ تک وہ ان میں رہ چکا ہو اور میوؤں سے لطف اندوز ہو چکا ہو، پھر وہ وام میں پھنس گیا ہو اور اسیر قفس ہو کر رہ گیا ہو، چنانچہ وہ بے حد مشتاق ہو ان نعمتوں کی طرف جو ان باغات میں ہیں، ہر وقت پر پڑ پڑھتا ہو۔ سوراخ میں چونچیں مارتا ہو اور کل بھاگنے کے ہزار جتن کرتا ہو۔ مگر بے بس ہو، نکلنے کی کوئی راہ نہ پاتا ہو۔۔۔ یہ گناہ حکمت برداشتم کی رو سے کبار ہیں۔

تیسرے درجہ کے گناہ: یہ ہیں کہ آدمی کا عقیدہ تو حید اور تعظیم ہاری دونوں صحیح ہوں اور وہ اوامرِ خداوندی کی تعمیل بھی کرتا ہو، مگر وہ ان شرائط کے مطابق اعمال بجا نہ لاتا ہو جو ان اوامر کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً نماز پڑھتا ہو مگر لومڑی کی طرح نماز میں جھانکتا ہو، مرغ کی طرح ٹھٹھکیں مارتا ہو، کتے کی طرح جمدے میں زمین پر ہاتھ بجاتا ہو۔ اسی طرح روزہ رکھتا ہو مگر روزہ میں قوی اور عملی برائیوں سے نہ بچتا ہو، زکوٰۃ دیتا ہو مگر کم مال نکالتا ہو۔ حج کیا ہو مگر رفث و فسوق اور

جدال سے اجتناب نہ کیا ہو۔ اس کا حال اس پرندے جیسا ہے جو کسی شگفتہ پتھر سے میں بند ہو، جس سے نکلنا خطرہ سے خالی نہ ہو یعنی زخمی ہوئے بغیر نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو، پس اگر وہ کوشش کر کے ہزار وقتوں سے نکل بھی گیا تو بھی وہ اپنی نوع کے افراد میں پہنچ کر کچھ زیادہ مسرور نہیں ہوگا، نہ باغ کے پھلوں سے کا حق لطف اندوز ہوگا۔ کیونکہ اس کا سارا جسم زخمی ہے۔ اس کے پر اکھڑے ہوئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیک و بد دونوں طرح کے اعمال کئے ہیں۔ یہی وہ ہمہ سمت برواٹھ کے اعتبار سے صفائے ہیں۔

۵۔ نہ ۵۔ قیامت میں پلی صراط پر سے گزرنے کی جو روایت 'رومی ہے، اس میں گناہ کے ان قیوں درجات کی طرف اشارہ ہے۔ بعض لوگ تو پلی صراط سے گزرتے ہوئے دوزخ میں گر پڑیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے یہ پہلی قسم کے گنہگار ہیں اور کچھ دوزخ میں گرادیے جائیں گے پھر وہ نجات پائیں گے، یہ دوسری قسم کے گنہگار ہیں اور کچھ آنکس (آنکروں) سے زخمی ہو کر پار ہو جائیں گے، یہ تیسری قسم کے لوگ ہیں (یہ روایات بخاری شریف میں ہیں۔ دیکھیں ۱۔ نمبر ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹

تفصیل ان باتوں کی جن کا حکم دیا گیا ہے وہ حکمت برواٹم کی رو سے (جن کی تفصیل آٹام کے بیان سے پہلے گزری ہے) اور اس کا حال اس شخص جیسا ہے جو ”بہادری“ کو پہچانتا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا فائدہ کیا ہے؟ مگر وہ اس کے ساتھ متصف ہونے کی طاقت نہیں رکھتا، اس لئے کہ خود بہادری کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور دل میں اس کی صورت کا حاصل ہونا (یعنی جاننا) اور چیز ہے۔

اور وہ حالت کے اعتبار سے بہتر ہے اس سے جو بہادری کے معنی تک نہیں جانتا۔ اور اس کا حال اس پرندے جیسا ہے جو کسی جال دار پنجرے میں بند ہو، سبزہ زار کو ارمیوں کو دیکھتا ہو، اور تحقیق رہ چکا ہو وہ ان چیزوں میں جو وہاں ہیں کئی دن، پھر طاری ہوئی ہو اس پر قید، پس وہ مشتاق ہو ان چیزوں کی طرف جو وہاں ہیں، اور وہ اپنے پر پھڑپھڑاتا ہو، اور سوراخوں میں اپنی چونچیں داخل کرتا ہو، اور نہ پاتا ہو وہ کوئی ایسا راستہ جس سے نکلے۔ اور یہی کہا کر ہیں نیکی اور گناہ کی حکمت کی رو سے۔

اور اس (دوسرے درجہ) سے کم تر: یہ ہے کہ بھالائے وہ ان اوامر کو (یعنی اسلام کے ارکان شمسہ وغیرہ فرائض کو) لیکن اس شرط کے مطابق نہ بھالائے جو ان اوامر کے لئے ضروری ہیں۔ پس اس کا حال اس پرندے جیسا ہے جو کسی شگفتہ میں بند ہو، اس سے نکلنے میں حرج (تنگی) ہو۔ اور نکلنا متصور نہ ہو مگر اس کی کھال میں خراش کے ساتھ اور اس کے پروں میں اکھرنے کے ساتھ، پس وہ اپنے پنجرے سے نکل سکتا ہے مگر کوشش اور مشقت کے ساتھ۔ اور وہ سرور نہیں ہوتا اپنی نوع کے افراد میں پہنچ کر پوری طرح سے سرور ہوتا۔ اور نہیں کھاتا ہے وہ بارگ کے بچلوں میں سے جیسا کہ اس کو کھانا چاہئے، اُس خراش اور پر ٹپکنے کی وجہ سے جو اس کو پہنچی ہے۔

اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے نیک عمل کو دوسرے بدل کے ساتھ ملایا ہے۔ اور ان کی یہی رکاوٹیں وہ صفائیں ہیں نیکی اور گناہ کی حکمت کی رو سے، اور تحقیق اشارہ فرمایا ہے نبی کریم ﷺ نے پل صراط کی حدیث میں ان تینوں مراتب کی طرف، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ”آگ میں گرنے والا (اور ہلاک ہونے والا) اور آگ میں گرنے والا نجات پانے والا، اور دھڑی ہونے والا نجات پانے والا“ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

لغات و تشریحات:

قوله: أدنى من ذلك: شروع فی مراتب المسلمین ای: اخفٌ وأقلُّ شقاوَةً من الدهری والکافر: مسلمٌ یعتقد التوحید والتعظیم، کما ینبغی، لکنہ لا یعمل بالشرائع أصلاً (ہر سندھی)..... شَبَّك الشَّيْءُ: ایک دوسرے میں ملانا، جال بنانا جس میں سوراخ رہتے ہیں..... الشُّرُوط والشَّرِیْطَةُ بمعنی..... وقوله: أدنى من ذلك، ای: المسلم الأدنى معصيةً من المسلم المذكور، الذی یفعل بهذه الأوامر، لکنہ لا علی شریعتها، کما یصلی بلا رعاۃ واجباتها وسننها وغیر ذلك (ہر سندھی) قوله: وعواقبهم هذه ای: موانع

ہؤلاء هذه من معرفة الرب تبارك وتعالى، والوصول إلى الملاء الأعلى، هي الصفات بحسب حكمة الرب والإسم، لأن في ترك الشريعة فقط مفسدة غير عظيمة اهـ (سندی)..... خَدَشَهُ (ض) خَدَشًا: خَرَشَ لَكَ وَ مَحَدَوْش: رَفَعِيَ..... خَلَطُوا أَعْمَالًا صَالِحًا وَ آخِرَ سِينَا مِثْلَ شَاهِ صَاحِبِ نَعْمَ وَ كَوْبَاءَ كَعَمَقِي مِثْلَ لِيَا هِي، لَا: الْوَائِوُ لِلْجَمْعِ وَ الْبَاءُ لِلْإِلْصَاقِ، فَهَذَا مِنْ وَادٍ وَاحِدٍ (روح المعاني) شاہ صاحب نے سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۲ کا ترجمہ بھی یہی کیا ہے: ”آئینۃ اند عمل نیک را با عمل دیگر کہ بد است“ مگر آپ کے صاحب زادے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ دوسرا ترجمہ کرتے ہیں کہ: ”ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد“ اس ترجمہ کے مطابق آیت کی تفسیر میری تفسیر ہدایت القرآن میں ملاحظہ فرمائیں..... خَرَزْدَل کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ایک: دوزخ میں گرا دینا دوم: بکڑے بکڑے کر دینا۔ حدیث میں پہلے معنی موزون ہیں، واللہ اعلم۔

باب — ۱۷

وہ گناہ جن کا لوگوں سے تعلق ہوتا ہے

گذشتہ باب میں ”لازم“ گناہوں کا تذکرہ تھا، جن کا ضرر گناہ کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ اب اس باب میں ”متعدی“ گناہوں کا بیان ہے جن کا ضرر دوسرے لوگوں تک پہنچتا ہے — متعدی گناہ تین قسم کے ہیں:

- ۱۔ شہوانی گناہ یعنی زنا اور لواطت۔
- ۲۔ درندگی (ظلم) والے اعمال یعنی شراب سے بدستی، ضرب و قتل، زہر خورانی، جادو سے ہلاک کرنا، بغاوت کی تہمت لگا کر حکومت میں بخری کرنا۔
- ۳۔ وہ گناہ جو بد معاملگی کے قبیل سے ہیں یعنی چوری، غصب، جھوٹا دعویٰ، جھوٹی قسم کھانا، جھوٹی گواہی دینا، ناپ تول میں کمی کرنا، سبہ بازی، سود خوری اور بھاری ٹیکس وصول کرنا۔

اس باب میں انہی سترہ گناہوں کی حرمت کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

انسان اور دیگر حیوانات میں فرق:

حیوانات کی مختلف المراتب انواع ہیں:

- ۱۔ وہ حیوانات جو زمین سے کیڑوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی ضروریات چونکہ محدود ہوتی ہیں اس لئے ان کو بس یہ اہام کیا جاتا ہے کہ وہ قدر اس طرح حاصل کریں؟ تدبیر المنازل (فیلی لائف) کے اہام کی ان کو حاجت نہیں ہوتی ہے، کیونکہ ان کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔

۲۔ وہ حیوانات جن میں توالہ و قائلہ ہوتا ہے اور نو مادہ مل کر اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ ان کی ضروریات قسم اول کے حیوانات کی ضروریات سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کو غذائی ضروریات کے الہام کے ساتھ تدبیر الممول (عالمی زندگی) کا بھی الہام کیا جائے۔ مثلاً: پرندہ کو الہام فرمایا کہ وہ غذا کس طرح حاصل کریں؟ اڑان کس طرح بھریں؟ اپنی مادہ سے کس طرح ملیں؟ گھونسلہ کس طرح بنائیں؟ اور اپنے چوزوں کو کس طرح چگائیں؟

۳۔ حیوانات کی اشرف نوع انسان ہے۔ انسان مدنی الطبع ہے، بل جل کر زندگی گزارنا اس کی فطرت ہے۔ وہ دوسرے لوگوں کے تعاون کے ساتھ ہی زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ خود زنگھاس غذا کے طور پر استعمال نہیں کرتا، وہ کچے میوے بھی غذا کے طور پر نہیں کھاتا، نہ اس کے بدن پر پنچم اور اون ہے جس سے وہ گرم ہو، بلکہ وہ کپڑوں، مکانات اور آگ وغیرہ سے گرمی حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان کے اور بھی امتیازات ہیں جن کی وضاحت پہلے بحث اول کے باب پنجم میں گذر چکی ہے۔

غرض مذکورہ بالا امتیازات کی وجہ سے ضروری ہے کہ انسان کو تدبیر المنازل اور ذرائع معاش کے الہام کے ساتھ انتظام مملکت کے علوم بھی الہام کئے جائیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ دیگر حیوانات کو بوقت احتیاج فطری طور پر الہامات کئے جاتے ہیں اور انسان کو فطری الہامات زندگی بھر رقرار رکھنے کے علوم کے بس تھوڑے سے حصہ میں کئے جاتے ہیں۔ مثلاً دودھ پیتے وقت پستان کا چوسنا، گلے میں گھڑا پن محسوس ہونے پر کھانا اور دیکھنے کا ارادہ کرنے پر چمکیں کھانا وغیرہ۔

انسان کو اس کی تمام ضروریات فطری طور پر کیوں الہام نہیں کی گئیں؟

انسان کو اس کی تمام ضروریات فطری طور پر اس لئے الہام نہیں کی گئیں کہ ان کا خیال (قوت عاقلہ) بڑا کارگر، کار گذار ہے۔ چونکہ قدرت نے اس کو آلہ علم دے رکھا ہے اس لئے تدبیر المنازل اور انتظام مملکت کے سلسلہ کے علوم پانچ باتوں کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ انسان انہی پانچ ذرائع سے ضروری علوم حاصل کرتا ہے۔ وہ پانچ ذرائع یہ ہیں:

۱۔ عالمی زندگی کو سنوارنے کے لئے اور مملکت کے نظم و انتظام کے سلسلہ میں لوگوں میں جو ریت و رواج جاری ہے انسان اس سے سلیقہ سیکھتا ہے۔

۲۔ انسان انبیائے کرام کی پیروی کر کے ان سے علوم اخذ کرتا ہے۔ انبیاء کے علوم ملکوتی انوار کے ساتھ موبد ہوتے ہیں، کیونکہ وہ ان کی طرف وحی کئے گئے ہیں، اس لئے ان میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا۔

۳۔ وہ اپنے اور دوسروں کے تجربات سے علوم پیدا کرتا ہے۔

۴۔ وہ اپنی والی کوشش کرنے کے بعد تدبیر فیعی کا انتھار کرتا ہے اور پردہ غیب سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اس سے عبرت پذیر ہوتا ہے اور علوم اخذ کرتا ہے۔

۵۔ وہ استقراء (جائزہ) قیاس اور برہان کے ذریعہ امور میں غور و فکر کے علوم پیدا کرتا ہے۔

سوال: جب ضروری علوم اخذ کرنے کے لئے قدرت نے انسان کو قوت عاقلہ دی ہے، جو مذکورہ بالا پانچ ذرائع سے عاقلی اور منطقی زندگی کو سنوارنے کے لئے علوم اخذ کرتی ہے تو پھر تمام انسان ان علوم میں یکساں کیوں نہیں ہوتے؟
جواب: لوگوں میں ان علوم میں تفاوت، قابلیت کے تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے، اگرچہ قدرت کی طرف سے فیضان عام ہوتا ہے جیسے بارش کا فیضان یکساں ہوتا ہے مگر باغ میں لالہ اُگتا ہے اور شور زمین میں خس و خاشاک! حکیم شیراز فرماتے ہیں:

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ رویدہ در شورہ بوم خس

اسی طرح خواب میں فیضان عام ہوتا ہے مگر ہر خواب دیکھنے والے کو اس کی فطرت اور استعداد کے مطابق صورتیں نظر آتی ہیں۔ نیک آدمی کو مشرات (اچھے خواب) نظر آتے ہیں، بد کو بد خواب اور بُنی کو کچھچھڑے نظر آتے ہیں۔ غرض مُفاض مایہ (جس پر علوم کا فیضان کیا گیا) میں پائی جانے والی وجہ اختلاف کا باعث ہوتی ہے، کوئی اہل فکر بنتا ہے، کوئی کھیتی باڑی کا ماہر ہوتا ہے تو کوئی حساب داں ہوتا ہے، اگرچہ علوم کا فیضان سب کے لئے عام اور یکساں ہوتا ہے، مُفیش (فیضان کرنے والے) کی طرف سے فیضان میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا۔

﴿بَابُ الْآثَامِ الَّتِي هِيَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ﴾

اعلم: أن أنواع الحيوان على مراتب شتى:

منها: ما يتكئون تكوّن الدّيدان من الأرض؛ ومن حقّها: أن تُلْهَم من باريء الصور: كيف تتغذى؟ ولا تُلْهَم: كيف تُدبّر المنازل؟

ومنّها: ما يتناسل، ويتعاون الذّكر والأنثى منها في حضانة الأولاد؛ ومن حقها في حكمة الله تعالى: أن تُلْهَم تدبیر المنازل أيضاً، فأُلْهَم الطير: كيف يتغذى ويطير؟ وأُلْهَم أيضاً: كيف يُسافِد؟ وكيف يتخذ عُشّاً؟ وكيف تَرْفُقُ الْفَرَاخَ؟

والإنسان من بينها مَدَنِي الطبع، لا يتعيش إلا بتعاون من بني نوعه، فإنه لا يتغذى الحشيش النابت بنفسه، ولا بالقواكة كَبَنَة، ولا يَنْدَقُّ بالوبر، إلى غير ذلك مما شرحت من قبل؛ ومن حقّه: أن يُلْهَم تدبیر المَدَن مع تدبیر المنازل وآداب المعاش، غير أن سائر الأنواع تُلْهَم عند الاحتياج إلهاماً جَبَلِيّاً، والإنسان لم يُلْهَم إلهاماً جبلياً إلا في حصة قليلة من علوم التّعيش، كمَصُّ الندى عند الإرتضاع، والسَّعال عند البُحّة، وفتح الجفون عند إرادة الرؤية، ونحو ذلك.

وذلك: لأن خیالہ کما صنعاً هماً، ففوّض له علوم تدبیر المنازل وتدبیر المدن إلى الرسم، وتقليد المؤیدین بالنور الملكي فيما يوحى إليهم، وإلى تجربة ورصد تدبیر غیبی، وروية بالاستقراء والقياس والبرهان.

ومثله في تلقي الأمر الشائع الواجب فیضاً من باری الصور، مع الاختلاف الناشئ من قبل استعداداتهم كمثل الوقائع التي يتلقاها في المنام، يفاض عليهم العلوم الفوقانية من حیثها، فتشبع عندهم بأشباح مناسبة، فتختلف الصور لمعنی في المقاض عليه، لا في المفیض.

ترجمہ: ان گناہوں کا بیان جو آدمی اور لوگوں کے درمیان میں ہوتے ہیں: جان لیں کہ جانداروں کی اقسام مختلف مرتبوں پر ہیں:

بعض: وہ ہیں جو مٹی سے کیڑوں کے پیدا ہونے کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ خالق صوری کی طرف سے الہام کئے جائیں کہ وہ غذا کیسے حاصل کریں؟ اور وہ یہ الہام نہیں کئے جاتے کہ وہ گھروں کا نظم و نسق کیسے کریں؟ اور بعض: وہ ہیں جو ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے فروماہ، اولاد کی پرورش میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کو گھروں کا نظم بھی الہام کیا جائے۔ چنانچہ پرندوں کو الہام کیا گیا کہ وہ غذا کیسے حاصل کریں؟ اور وہ کس طرح اڑیں؟ اور نیز ان کو یہ بھی الہام کیا گیا کہ وہ کس طرح حقیق کریں؟ اور وہ کس طرح گھونسلہ بنائیں؟ اور وہ کس طرح چوزوں کو چنگائیں؟

اور انسان: حیوانات کے درمیان میں سے مدنی الطبع ہے۔ وہ زندگی بسر نہیں کرتا مگر اپنے بنی نوع کے تعاون سے۔ پس بیشک وہ غذا حاصل نہیں کرتا خود بخود گھاس سے، اور نہ خام میوہ جات سے، اور نہ وہ ششم سے گرم ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ ان باتوں میں سے جن کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اور انسان کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ اس کو تدبیر منازل اور ذرائع معاش کے ساتھ مملکت کا نظم و انتظام بھی الہام کیا جائے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ دیگر حیوانات کو بوقت احتیاج فطری طور پر الہام کیا جاتا ہے۔ اور انسان فطری طور پر الہام نہیں کیا گیا ہے مگر علوم معاش کے تھوڑے سے حصہ میں، جیسے دودھ پیتے وقت پستان کا چوسنا اور آواز میں خشونت کے وقت کھانسنے، اور دیکھنے کا ارادہ کرنے پر پلکیں کھولنا اور اس طرح کی اور باتیں۔

اور یہ بات اس لئے ہے کہ انسان کا خیال بڑا کارگر کارگزار ہے، پس اسی کو تدبیر المنازل اور تدبیر مدن (نظم مملکت) کے علوم سونپ دیئے گئے ہیں ریت رواج کی طرف، اور ان حضرات کی بیوری کی طرف جو حکومتی انوار کے ساتھ تائید کئے ہوئے ہیں ان علوم میں جو ان کی طرف وحی کئے گئے ہیں، اور تجربہ کی طرف، اور فیہی تدبیر کے انتظار کی طرف، اور جائزہ لینے کے ذریعہ اور قیاس و برہان کے ذریعہ امور میں غور و فکر کرنے کی طرف۔

(سوال مقدر کا جواب) اور انسان کا (یا علم انسانی کا) حال امر عام (فیضان خداوندی) کے حاصل کرنے میں جس

کافیضان خالق سُر کی طرف سے واجب (غایت) ہے اس اختلاف کے ساتھ جو لوگوں کی استعداد کی جانب سے پیدا ہونے والا ہے، اُن واقعات کے حال جیسا ہے جن کو خواب میں حاصل کیا جاتا ہے۔ بہائے جاتے ہیں اُن پر بالائی علوم ان کی جگہوں سے، پس متکفل ہوتے ہیں وہ لوگوں کے پاس مناسب شکلوں میں۔ پس صورتیں مختلف ہوتی ہیں، مفاض علیہ میں پائی جانے والی وجہ سے، نہ کہ نفیس میں پائی جانے والی وجہ سے۔

لغات و تشریحات:

تَدَفُّاً: گرم ہونا۔۔۔ الوبر: اومٹ اور خرگوش وغیرہ کے بال جمع اَوْبَار۔۔۔ نَعْبِش: اسباب زندگی کے لئے کوششیں کرنا۔۔۔ البُخَّة: آواز میں بھاری پن اور خشونت۔۔۔ ضَنَاع: بڑا کاریگر۔۔۔ هَمَام: بڑا کارگذار هَمَّ بالشی: ارادہ کرنا، چاہنا۔۔۔ الرُّوِيَّة: امور میں غور و فکر کرنا۔۔۔ المراد بالامر الشایع هو العلم المقاض علی الناس، اعم من أن يكون حادثة أو جراحة أو نجاسة أو غیرها۔۔۔ (سندی)۔۔۔ والواجب بمعنی الثابت یعنی أن الإنسان يتلقى العلم السایع المسایر، الثابت فیضانه من الله تعالی، ولا اختلاف فیہ، وإنما الاختلاف فی أفراد الناس من قِبل استعدادهم، فإن الله سبحانه وتعالی ينزل العلم من حظيرة القدس علی الناس، فعم كان فیہ استعداد الحادثة بصیر حداثاً، ومن كان فیہ استعداد الحادثة یصیر حارثاً، وهكذا۔۔۔ (سندی)



متعدی گناہوں کے اقسام اور ان کی حرمت کا فیضان

انسان کے تمام افراد پر، خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، شہری ہوں یا بدوی، جن علوم کا فیضان کیا گیا ہے، ان میں ایسی خصلتوں کی حرمت کا علم بھی ہے جو شہروں (ملکات) کا نظام تباہ کرنے والی ہیں، اگرچہ دراکر کے طریقے مختلف ہیں مگر تمام لوگ اپنے اپنے طریقہ پر ان باتوں کی قباح و حرمت کو سمجھتے ہیں۔ ملکات کا نظام درہم درہم کرنے والے گناہ تین قسم کے ہیں: (۱) شہوانی گناہ (۲) درندگی (ظلم) والے گناہ (۳) وہ گناہ جو بد معاہدگی کا نتیجہ ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

شہوانی گناہ: زنا اور ہم جنس پرستی:

تمام انسانوں میں شہوت، غیرت اور حرص کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ اور ستف نازک کی طرف نظر اٹھانے میں اور بیوی کے معاملہ میں مزاحمت برداشت نہ کرنے میں قوی مردوں کا حال سائڈ جانوروں جیسا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ سائڈ ایسے مواقع میں باہم لڑتے ہیں۔ تا آنکہ زیادہ مضبوط پکڑ والا اور زیادہ تیز طبیعت والا غالب آجاتا ہے اور کم تر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اگر وہ جفتی کا مشاہدہ نہیں کرتا تو اس میں مزاحمت کا شعور ہی پیدا نہیں ہوتا، مگر

انسان زیرک بڑا تاثر لے والا ہے، وہ اس طرح اٹکل کرتا ہے کہ گویا وہ دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے، اس لئے صحبت و یکجنانہ دیکھنا اس کے حق میں یکساں ہے۔ مگر وہ الہام کیا گیا ہے کہ اس بات کی وجہ سے باہم لڑنا مملکت کو ویران کرنے والا ہے۔ کیونکہ تمدن کی بنیاد باہمی تعاون پر ہے اور نزاع تعاون کی راہیں مسدود کر دیتا ہے۔ نیز تمدن میں عورتوں کی بہت قوی مردوں کا زیادہ دخل ہے، اس لئے مردوں کا باہم لڑنا تباہ کن ہے۔ اس لئے انسان کو قدرت نے یہ بات الہام کی ہے کہ وہ عورت کے ساتھ اختصاص پیدا کرے اور اس کو بیوی بنائے اور اپنے بھائی کی بیوی میں مزاحمت نہ کرے یہی حرمت لڑنا کی بنیاد ہے۔ عری عورت کے ساتھ اختصاص پیدا کرنے کی صورت تو وہ ریت رواج اور خصوص ممالکی قوانین (پرنسپل) کے حوالہ کی گئی ہے۔ اقوام کے قوانین اور ریت رواج اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔

اسی طرح فطرت کی سماجی عورتوں ہی میں رغبت رکھتی ہے اور قوی مرد اس معاملہ میں بھی ساٹھ جاوڑوں کی طرح ہیں، چوپایہ اس طرح کی توجہ مادیوں کی طرف ہی کرتے ہیں۔ البتہ بعض مردوں پر ردی شہوت غالب آجاتی ہے، جیسے بعض لوگوں کو مٹی اور کوئلہ کھانے میں لذت محسوس ہوتی ہے، ایسے لوگ فطرتِ سلیمہ سے نکل جاتے ہیں۔ پھر کوئی تو انعام پرست بن جاتا ہے اور کسی میں مفصلیت کی خواہش ابھر آتی ہے اور ان کو ایسے کام میں مزہ آنے لگتا ہے جو فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان لوگوں کا مزاج بدل جاتا ہے اور دلوں میں بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایسے مکمل میں منہمک ہو جاتے ہیں جو نسل کو قطع کرنے والا ہے۔ قدرت نے انسان میں شہوت اسی لئے پیدا کی ہے کہ اس سے نسل پھیلے مگر بد اطوار لوگ فطرت کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

غرض اس فعلِ شنیع کی قبادت بھی لوگوں کے دلوں میں مضبوط گڑی ہوئی ہے۔ بدکار لوگ اگرچہ یہ حرکت کرتے ہیں اور اس کی قبادت کا اعتراف نہیں کرتے، لیکن اگر وہ اس فعل کی طرف منسوب کئے جائیں تو وہ شرم کے مارے مر جاتے ہیں۔ الا یہ کہ ان کی فطرت بالکل ہی مسخ ہو گئی ہو تو یہ حرکت علی الاعلان کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔ جب بے حیائی کا یہ مرحلہ آ جاتا ہے تو ان کو سزا ملنے میں دیر نہیں لگتی جیسا کہ لوط علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا، اور یہ حرمتِ اوطاق کی بنیاد ہے۔

فمن العلوم الفائضة على أفراد الإنسان جميعاً: عربهم وعجمهم، حضّـرهم وبلدوهم۔ وإن اختلف طريقُ التلقى منهم۔ حرمۃ حصّال تدمر نظام مدنيهم، وهي ثلاثة أصناف: منها أعمال شهوية، ومنها أعمال سبعية، ومنها أعمال ناشئة من سوء الأخلاق في المعاملات.

والأصل في ذلك: أن الإنسان متوارد أبناء نوعه في الشهوة والغيرة والحرص؛ والفحول منهم يُشبهون الفحول من البهائم في الطموح إلى الإناث، وفي عدم تجويز المزاحمة على الموطوءة، غير أن الفحول من البهائم تنحارب، حتى يغلب أشدها بطشاً، وأحدّها نفساً، وينهزم مادون ذلك، أو لا تشغّر بالمزاحمة لعدم رؤية المسافدة، والإنسان المميّ: يظن الظن

کہاں نہ بڑی وسیع، وَاٰلَہُمْ اَنْ التَّحَارَبَ لِأَجْلِ ذَلِكَ مُدْمَرٌ لِمُذْنَبِهِمْ، لَانْہُمْ لَا یَعْتَمِدُونَ إِلَّا بِتَعَاوُنِ مِنَ الرِّجَالِ، وَالْفَحُولُ أَذْخَلَ فِی التَّمَدُّنِ مِنَ الْإِنَاثِ، فَالْہُمْ إِنْشَاءً اخْتِصَاصِ کُلِّ وَاحِدٍ بِزَوْجَتِهِ، وَتَرِکَ الْمَزَاحِمَةَ فِيمَا اخْتَصَّ بِهِ أَخُوہُ؛ وَهَذَا أَصْلُ حَرَمَةِ الزَّوْنِ؛ ثُمَّ صَوْرَةُ الْاِخْتِصَاصِ بِالزَّوْجَاتِ أَمْرٌ مُوَكَّلٌ إِلَى الرَّسْمِ وَالشَّرَائِعِ.

وَالْفَحُولُ مِنْہُمْ أَيْضًا یُشْبِہُونَ الْفَحُولَ مِنَ الْبِہَانِہِمْ، مِنْ حِیْثُ أَنَّ سَلَامَةَ فَطَرْتِہُمْ لَا تَقْتَضِی إِلَّا الرَّغْبَةَ فِی الْإِنَاثِ دُونَ الرِّجَالِ، کَمَا أَنَّ الْبِہَانِہِمْ لَا تَلْتَفِتُ هَذِهِ اللَّفْظَةُ إِلَّا قَبْلَ الْإِنَاثِ، غَیْرَ أَنَّ رِجَالًا غَلِبَتْہُمْ الشَّہْوَةُ الْفَاسِدَةُ، بِمَنْزِلَةٍ مِنْ یَتَلَذَّذُ بِأَكْلِ الطِّینِ وَالْحُمَمَةِ، فَانْسَلَخُوا مِنْ سَلَامَةِ الْقَطْرَةِ، یَقْتَضِی هَذَا شَہْوَتَہُ بِالرِّجَالِ، وَذَلِكَ صَارَ مَا یُوتَا یَسْتَلْذِ مَا لَا یَسْتَلْذِہُ الطَّبِیعُ السَّلِیمُ، فَاعْقَبَ ذَلِكَ تَغَیْرًا لِأَمْرِ جَنَّتِہُمْ، وَمَرْضًا فِی نَفْسِہُمْ، وَكَانَ مَعَ ذَلِكَ سَبَابُ إِهْمَالِ النَّسْلِ، مِنْ حِیْثُ أَنَّهُمْ قَضَوْا حَاجَتِہُمْ الَّتِی قَبِضَ اللَّهُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ مِنْہُمْ لِنِذْرًا بِہَا نَسْلَہُمْ، بِغَیْرِ طَرِیقِہَا، وَغَیْرِ النَّظَامِ الَّذِی خَلَقَہُمْ اللَّهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ، فَصَارَ قَبِیْحُ هَذِهِ الْقَعْلَةُ مُنْذِمًا فِی نَفْسِہُمْ، فَلِذَلِكَ یَفْعَلُہَا الْفَسَاقُ، وَلَا یَعْتَرِفُونَ بِہَا، وَلَوْ نَسَبُوا إِلَیْہَا لَمَاتُوا حَیَاءً، إِلَّا أَنْ یَکُونَ انْسِلَاحًا قَرِیبًا فِیجْہَرُونَ وَلَا یَسْتَحِیُونَ، فَلَا یَتَرَاخَى أَنْ یُعَاقِبَہَا، کَمَا کَانَ فِی زَمَنِ سَیْدِنَا لُوطٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ؛ وَهَذَا أَصْلُ حَرَمَةِ الْوُأَلَةِ.

ترجمہ: پس ان علوم میں سے جو قاض ہونے والے ہیں انسانوں کے سبھی اقارب، عربوں پر بھی اور عجمیوں پر بھی، شہریوں پر بھی اور بدویوں پر بھی — اگرچہ ان کے (علوم کو) حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں — ایسی خصوصیات کی حرمت ہے جو ان کے شہروں (مملکت) کا نظام درہم برہم کر دیتی ہیں۔ اور وہ تین قسمیں ہیں: بعض شہوانی اعمال ہیں، اور بعض زندگی والے اعمال ہیں، اور بعض ایسے اعمال ہیں جو بدعالمگی سے پیدا ہوتے ہیں۔

اور بنیادی بات: اس سلسلہ میں یہ ہے کہ انسان اپنے اپنا نئے نوع کے ساتھ باہم ایک جگہ اترنے والے ہیں (یعنی متفق ہیں) شہوت، غیرت اور حرص میں۔ اور انسانوں میں سے قوی مرد، چوپایوں میں سے نرؤں کے مشابہ ہیں مادہ کے طرف نظر اٹھانے میں اور موطوءہ میں مزاحمت برداشت نہ کرنے میں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ چوپایوں میں سے نر جانور باہم لڑتے ہیں، یہاں تک کہ غالب آجاتا ہے ان میں سے جو زیادہ مضبوط کچڑ والا ہے اور جو زیادہ تیز طبیعت والا ہے، اور شکست کھا جاتا ہے جو ان باتوں میں کم تر ہے۔ یا ان میں مزاحمت کا شعور پیدا نہیں ہوتا نفی نہ دیکھنے کی وجہ سے۔ اور انسان زیرک ہے، وہ اس طرح انکل کرتا ہے کہ گویا وہ دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے یعنی شک اور اندازے سے بھی غیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ الہام کیا گیا ہے کہ اس بات کی وجہ سے باہم لڑنا ان کے شہروں کو ویران کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ لوگ متمدد نہیں ہو سکتے مگر مردوں کے باہمی تعاون سے۔ اور تمدن میں عورتوں کی بہ نسبت قوی مردوں

کا زیادہ دخل ہے۔ پس انسان الہام کیا گیا ہر ایک کا اختصاص پیدا کرنے کا اس کی بیوی کے ساتھ، اور مزاحمت نہ کرنے کا اس عورت میں جس کے ساتھ اس کا بھائی خاص کیا گیا ہے۔ اور یہ حرمت زنا کی بنیاد ہے۔ پھر بیویوں کے ساتھ اختصاص کی صورت (تو وہ) ایک ایسی چیز ہے جو ریت رواج اور قوانین (پر عمل لا) کے حوالے کر دی گئی ہے۔

اور نیز انسانوں میں سے قوی مرد، چوپایوں میں سے نروں کے مشابہ ہیں، اس اعتبار سے کہ انسانوں کی فطرت کی سلامتی نہیں چاہتی ہے مگر عورتوں میں رغبت کو، نہ کہ مردوں میں، جس طرح یہ بات ہے کہ چوپایے یہ التفات بالکل ہی نہیں کرتے ہیں مگر مادیوں کی طرف۔ البتہ یہ بات ہے کہ بعض مردوں پر شہوت فاسدہ غالب آ جاتی ہے، جس طرح بعض لوگوں کو مٹی اور کوئلہ کھانے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ پس وہ لوگ فطرت سلیمہ سے نکل جاتے ہیں۔ یہ اپنی شہوت مردوں سے پوری کرتا ہے اور وہ مفعولیت کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اس چیز کو لذت سمجھتا ہے جس کو سلیم فطرت لذت نہیں سمجھتی۔ پس یہ چیز پیچھے لاتی ہے ان کے مزاجوں میں تبدیلی کو، اور ان کے دلوں میں بیماری کو، اور وہ بات اس کے ساتھ نسل کو رائیگاں کرنے کا سبب ہوتی ہے اس اعتبار سے کہ ان لوگوں نے پوری کی اپنی اس حاجت کو جو اللہ تعالیٰ نے ان پر مقدر رکھی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ ان کی نسل کو بڑھائیں، اس کے طریقہ کے برخلاف، پس انھوں نے اس نظام کو بدل دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ پس اس فعل شنیع کی قباحت مضبوط گڑی ہوئی ہو گئی لوگوں کے دلوں میں، پس اسی وجہ سے ارتکاب کرتے ہیں اس کا بدکار لوگ، اور اس کی (قباحت کا) اعتراف نہیں کرتے ہیں، اور اگر منسوب کئے جائیں وہ اس فعل کی طرف تو مرجائیں وہ شرم کے مارے، الا یہ کہ وہ (فطرت سلیمہ سے) نہایت قوی نکلتا، پس علی الاعلان کرتے ہیں وہ اور نہیں شرماتے ہیں۔ پس درگاہ نہیں ہوتی کہ سزا دیئے جاتے ہیں وہ جیسا کہ لوط علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا، اور یہ لواطت کی حرمت کی اصل وجہ ہے۔

لغات و تشریحات:

متوارد ابناء نوعه ای مشارکھم ومزاحمھم، تَوَازَدُوا الماءُ: پانی پر اکٹھا پینچنا..... طَمَحَ (ف) طَمَحًا وطموحاً بصرةً اِلَیْہ: نگاہ اٹھنا..... هذه اللفظة ای نظر الشهوة بستلذ ای کل واحد أعقب ذلك ای اورث قیض اللہ له کذا: مقدر کرنا..... ذَرَأَ (ف) ذَرَأَ اللہ المخلوق: پیدا کرنا..... بغير طریقها متعلق ہے قضا سے..... اِنْدَمَجَ فِی الشیء: مضبوط گڑ جانا... إلا ان یکون ای الانسلاخ.



شراب کے نشہ میں چور رہنے کی حرمت

انسانوں کی معاش (حصولِ رزق) اور گھر بلوغت کی کا انتظام اور مملکت کی حسن تدبیر عقل و تیز پر متوقف ہے۔ اور شراب

کے نشہ میں دھت رہنا نظام میں بڑا رخنہ، باہمی جنگ و جدال اور کینہ پیدا کرتا ہے، مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقلوں پر ردی شہوت غالب آجاتی ہے اور وہ اس ردی عادت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور وہ تدبیرات نافعہ کو بگاڑ دیتے ہیں، چنانچہ لوگوں میں ہمیشہ سے یہ طریقہ چل رہا ہے کہ وہ ایسے بدست لوگوں کو ان کی حرکتوں سے روکتے ہیں اور سخت سزائیں دیتے ہیں، تاکہ لوگ تباہ نہ ہو جائیں۔ مخموریت کی حرمت کی اصل وجہ یہی ہے — رہی مطلق شراب پینے کی ممانعت خواہ قلیل ہو یا کثیر تو اس کی وجہ قسم ثانی کے آخر میں المسکرات کے عنوان سے آئے گی۔

وَمَعَاشُ بَنِي آدَمَ وَتَدْبِيرُ مَنَازِلِهِمْ وَسِيَاسَةُ مَذْنَبِهِمْ لَا يَتِمُّ إِلَّا بِعَقْلِ وَتَمْيِيزٍ، وَإِدْمَانُ الْخَمْرِ تَرْجِعُ إِلَى نِظَامِهِمْ بِخَرْمٍ قَوِيٍّ، وَيُورِثُ مُحَارِبَاتٍ وَضَعَائِنَ، غَيْرَ أَنَّ أَنْفُسًا غَلَبَتْ شَهْوَتُهُمُ الرَّدِيَّةَ عَلَى عَقُولِهِمْ، أَقْبَلُوا عَلَى هَذِهِ الرَّذِيلَةِ، وَأَفْسَدُوا عَلَيْهِمُ ارْتِفَاقَاتَهُمْ، فَلَوْ لَمْ يَجْرِ الرِّسْمُ بِمَنْعٍ عَنْ فَعْلَتِهِمْ تَلَّتْ لِهَٰلِكَ النَّاسِ؛ وَهَذَا أَصْلُ حَرَمَةِ إِدْمَانِ الْخَمْرِ؛ وَأَمَّا حَرَمَةُ قَلِيلِهَا وَكَثِيرِهَا فَلَا يُبَيِّنُ إِلَّا فِي مَبْحَثِ الشَّرَائِعِ.

ترجمہ: اور انسانوں کی معیشت اور ان کے گھروں کا انتظام اور ان کے شہروں کی حسن تدبیر تکمیل پذیر نہیں ہو سکتی مگر عقل و تمیز کے ذریعہ۔ اور شراب کے نشہ میں دھت رہنا لوٹتا ہے ان کے نظام کی طرف مضبوط دراڑ کے ساتھ، اور پیدا کرتا ہے باہمی جدال اور کینوں کو، تاہم کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی عقلوں پر ان کی ردی شہوت غالب آجاتی ہے، وہ اس ردی عادت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگوں پر ان کی تدبیرات نافعہ کو بگاڑ دیتے ہیں۔ پس اگر جاری نہ ہوتی ریت ان کو اس حرکت سے روکنے کی تو لوگ تباہ ہو جاتے اور یہ شراب کے نشہ میں مخمور رہنے کی حرمت کی بنیاد ہے — اور رہی قلیل و کثیر شراب کی حرمت تو وہ قوانین شرعیہ کی بحث ہی میں بیان کی جائے گی۔

لغات: اَذْمَنَ الشَّيْءُ: ہمیشہ کرنا مُذْمِنُ الْخَمْرِ: ہمیشہ شراب پینے والا۔ خَرْمٌ (ن) خَوْفًا: شگاف و انا، سوراخ کرنا۔



ضرب و قتل کی حرمت

قوی مردوں کو بھی سائد جانوروں کی طرح اس شخص پر سخت غصہ آتا ہے جو ان کو مطلوب سے روکتا ہے یا جوان کو نفسانی یا جسمانی تکلیف پہنچاتا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ جانور محسوس یا خیالی مطلوب ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور انسان خیالی اور عقلی مطلوب کے لئے بھی کوشاں ہوتا ہے۔ اور انسان کی آرز (حرص) چوپایوں کی آڑ سے قوی تر ہوتی

ہے، مگر چوپایے غضب ناک ہونے پر یا ہم لڑتے ہیں تا آنکہ ایک شکست کھا جاتا ہے، پھر وہ کینہ بھول جاتا ہے۔ البتہ بعض کینہ پرور جانور جیسے اونٹ، بیل اور گھوڑے میں سے ساڈ کینہ یاد رکھتے ہیں اور انسان کا حال یہ ہے کہ اس کے دل میں کینہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کو بھول نہیں، پس اگر جانوروں کی طرح انسانوں میں بھی ضرب و قتل اور جنگ و جدال کا دروازہ کھول دیا جاتا تو ان کا ملکی نظام تباہ ہو جاتا اور ان کی معیشت درہم برہم ہو جاتی، اس لئے ان کو قتل و ضرب کی حرمت کا الہام کیا گیا۔ البتہ کسی بڑی مصلحت سے قتل و ضرب روا رکھا گیا ہے، جیسے قصاص وغیرہ۔

وَالْفَحُولُ مِنْهُمْ يُشْبَهُونَ الْفَحُولَ مِنَ الْبِهَائِمِ فِي الْغَضَبِ عَلَى مَنْ يَضُدُّهُ عَنِ مَطْلُوبٍ، وَبُحْرَى عَلَيْهِ مُؤَلِّمًا فِي نَفْسِهِ أَوْ فِي بَدَنِهِ، لَكِنَّ الْفَحُولَ مِنَ الْبِهَائِمِ لَا تَتَوَجَّهُ إِلَّا إِلَى مَطْلُوبٍ مَحْسُوسٍ أَوْ مَتَوَهَّمٍ، وَالْإِنْسَانُ يَطْلُبُ الْمَتَوَهَّمِ وَالْمَعْقُولِ، وَحَرَضُهُ أَشَدَّ مِنْ حَرَصِ الْبِهَائِمِ، وَكَانَتِ الْبِهَائِمُ تَتَفَاتَلُ حَتَّى يَنْهَزِمَ وَاحِدٌ، ثُمَّ يَنْسَى الْحَقْدَ، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ مِثْلِ الْفَحُولِ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْخَيْلِ، وَالْإِنْسَانُ يَحْقِدُ وَلَا يَنْسَى، فَلَوْ فَتَحَ فِيهِمْ بَابُ الثَّقَاتِلِ لَفَسَدَتِ مَدِينَتُهُمْ، وَاخْتَلَّتْ مَعَالِيَتُهُمْ فَالْهَمُوا حَرَمَةَ الْقَتْلِ وَالضَّرْبِ، إِلَّا لِمَصْلُحَةٍ عَظِيمَةٍ مِنْ قِصَاصٍ وَنَحْوِهِ.

ترجمہ: اور انسانوں میں سے قوی مرد، چوپایوں میں سے نروں کے مشابہ ہیں برہم ہونے میں اس شخص پر جو اس کو مطلوب سے روکتا ہے اور جو اس پر جاری کرتا ہے تکلیف دہ چیز کو اس کی جان میں یا بدن میں۔ مگر ساڈ چوپایے نہیں متوجہ ہوتے مگر محسوس یا خیالی مطلوب کی طرف، اور انسان کو شال ہوتا ہے خیالی اور عقلی مطلوب کی طرف (بھی) اور انسان کی آرزو چوپایوں کی آرزو سے قوی تر ہے۔ اور چوپایے یا ہم لڑتے ہیں تا آنکہ ایک شکست کھا جاتا ہے، پھر وہ کینہ بھول جاتا ہے، مگر وہ کینہ جو ہوتا ہے اونٹ، بیل اور گھوڑے میں سے ساڈ جیسوں سے۔ اور انسان کینہ رکھتا ہے اور بھولتا نہیں۔ پس اگر انسانوں میں یا ہم جنگ و جدال کا دروازہ کھول دیا جائے تو ان کی مملکت تباہ ہو جائے گی اور ان کی معیشت درہم برہم ہو جائے گی، پس وہ الہام کئے گئے قتل اور مار کی حرمت کے۔ مگر کسی بڑی مصلحت سے، جیسے قصاص اور اس کے مانند۔



زہر خورانی، خادو سے مارنے اور بغاوت کی تہمت لگا کر حکومت میں مخبری کرنے کی حرمت بعض لوگوں کے سینوں میں کینہ جوش مارتا ہے جس طرح مذکورہ لوگوں کے دلوں میں غصہ بھڑکتا ہے۔ مگر وہ قتل کرنے کی ہمت نہیں کرتے، کیونکہ انہیں قصاص کا یا سزا کا ڈر ہوتا ہے، پس وہ یہ حرکت کرتے ہیں کہ کھانے میں زہر ملائے ہیں یا جادو کے ذریعہ مار ڈالتے ہیں، حالانکہ ان کا حال بھی قتل جیسا ہی ہے، بلکہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ کیونکہ

قتل ایک کھلی ہوئی حرکت ہے اس سے بچنا ممکن ہے اور ان حرکتوں سے بچنا ممکن نہیں اور بعض لوگ بغاوت کی جھوٹی تہمت لگا کر حاکم سے مخبری کرتے ہیں تاکہ حاکم اس کو قتل کر دے۔ پس یہ بھی قتل جیسا ہی گناہ ہے۔

وہاج من الحفد فی صدور بعضهم مثل ما ہاج فی صدور الاولین، وخافوا القصاص، فانحدروا إلى أن یدسوا السُّم فی الطعام، أو یقتلوا بسحر، وهذا حالہ بمنزلة حال القتل، بل أشد منه، فإن القتل ظاہر یمکن التخلص منه، وهذه لا یمکن التخلص منها، وانحدروا أيضا إلى القذف والمشی بہ إلى ذی سلطان لیقتل.

ترجمہ: اور ان کے بعض کے سینوں میں بھڑکتا ہے کینہ میں سے، ویسا جیسا بھڑکتا ہے انگوں کے سینوں میں۔ اور ڈرتے ہیں وہ قصاص سے، پس اترتے ہیں وہ اس بات کی طرف کہ وہ زہر ملائیں کھانے میں یا مار ڈالیں جادو سے۔ اور اس کا حال قتل کے حال جیسا ہے بلکہ اس سے سخت ہے۔ اس لئے قتل ایک کھلی ہوئی حرکت ہے، اس سے بچنا ممکن ہے اور یہ حرکت: اس سے بچنا ممکن نہیں۔ اور اترتے ہیں نیز (بغاوت کی) تہمت لگانے کی طرف اور اس کو حاکم کے سامنے پیش کرنے کی طرف تاکہ وہ قتل کرے۔ قولہ: فی صدور الاولین ای فی صدور القاتلین ۱ھ سندی۔



بد معاملگی سے پیدا ہونے والے نوگناہوں کی حرمت

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے معیشت کے یہ طریقے مقرر فرمائے ہیں: زمین سے مباح چیزیں چٹنا، گلہ بانی بھیتی باڑی، کاریگریاں، تجارت، ملک و ملت کی تنظیمی خدمات — ان کے علاوہ دیگر دھندوں کا عمرانی زندگی میں کوئی دخل نہیں، مگر بعض لوگ ضرر رساں دھندے کرنے لگتے ہیں، جیسے چوری اور غصب۔ اس طرح کے دھندے مملکت کے لئے تباہ کن ہیں۔ اس لئے لوگوں کو ان کی حرمت الہام کی گئی اور تمام بنی آدم ان کی حرمت پر متفق ہیں۔ اگرچہ نافرمان لوگ، جب سرکشی کا بھوت ان پر سوار ہوتا ہے، تو وہ یہ دھندے کرتے ہیں۔ اور تمام انصاف پرور بادشاہ ان کا قلع قمع کرنے کی اور ان کو مٹانے کی بھرپور سعی کرتے ہیں۔

اور جب بعض لوگوں نے دیکھا کہ حکومتیں ان حرکتوں کی روادار نہیں ہیں تو وہ جھوٹے دعوؤں، گواہیوں اور قسموں کے ذریعہ لوگوں کا مال ہزپ کرنے لگے یا تاپ تول میں کمی کر کے یا سٹ کے ذریعہ یا چندر چند بڑھایا ہوا سود لے کر لوگوں کے اموال پر ظالمانہ قبضہ کرنے لگے۔ حالانکہ ان چیزوں کا حکم چوری اور غصب ہی کی طرح ہے۔ اسی طرح حکومتوں کا کمر توڑ ٹیکس وصول کرنا بھی رہزنی جیسا ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔

والمعاش التي جعلها الله تعالى لعباده إنما هي الالتقاط من الأرض المباحة، والرعي والزراعة والصناعة والتجارة، وسباسة المدينة والملة، وكل كسب تجاوز عنها فإنه لا مدخل له في متمدنهم، وانحدر بعضهم إلى أكساب ضارة كالسرقة والغصب، وهذه كلها مدمرة للمدينة، فآلهموا أنها محرومة، واجتمع بنو آدم كلهم على ذلك، وإن باشرها العصاة منهم في غلواء نفوسهم؛ وسعى الملوك العادلة في إبطالها ومنحفيها، واستشعر بعضهم سعي الملوك في إبطالها، فانحدروا إلى الدعاوى الكاذبة والبسبب الغموس وشهادة الزور، وتطفيف الكيل والوزن والقمار والربا أضغافاً مضاعفة، وحكمها حكم تلك الأكساب الضارة، وأخذ العشر المنهك بمنزلة قطع الطريق، بل أفح.

ترجمہ: اور معاش کے جو طریقے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں، وہ صرف یہ ہیں: مباح زمین سے چیزیں چننا، اور گلہ بانی، اور کھیتی باڑی اور کارگیری اور تجارت اور ملک و ملت کا انتظام کرنا۔ اور ہر وہ دھندہ جو ان کے علاوہ ہے جس بشک اس کا کوئی دخل نہیں ہے لوگوں کی عمرانی زندگی میں۔ اور آخر پڑے۔ بعض لوگ مضرت رساں دھندوں کی طرف جیسے چوری اور غصب اور یہ تمام پیشہ ملک کے لئے تباہ کن ہیں۔ پس لوگ البہام کئے گئے کہ یہ سب دھندے حرام ہیں اور تمام بنی آدم اس پر متفق ہیں، اگرچہ ان میں سے نافرمان لوگ ان دھندوں کو کرتے ہیں اپنے نفوس کی سرکشی میں۔ اور انصاف پرور بادشاہوں کو کوشش کرتے ہیں ان کو قلع قمع کرنے کی اور ان کو مٹانے کی۔ اور جب بھانپ لیا بعض لوگوں نے بادشاہوں کے کوشش کرنے کو ان کے قلع قمع کرنے میں تو آخر پڑے وہ جموں و جموں اور جھوٹی قسموں اور جھوٹی گواہی اور ناپ تول میں کمی کرنے اور سڑ اور چندر چند بڑھایا ہوا سود لینے کی طرف۔ اور ان چیزوں کا حکم ان ضرر رساں دھندوں (چوری اور غصب) کے حکم کی طرح ہے۔ اور کمزور و نکم کالینار بری جیسا ہے، بلکہ اس سے بھی برا ہے۔

لغات و تشریحات: المعاش جمع المعیشتہ: زندگی کا ذریعہ۔ الغلواء: حد سے گزرتا۔ المنهك (اسم فاعل) انہک: سخت سزا دینا۔ اصل میں النہک تھا، تصحیح مولانا سید محمد رحمہ اللہ نے کی ہے۔ اور مخطوط پٹنہ میں بھی اسی طرح ہے۔



مذکورہ بالا گناہوں کا وبال

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ مذکورہ بالا وجوہ سے، مذکورہ بالا سترہ امور کی حرمت لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو گئی۔ اور جو لوگ کامل عقل اور درست رائے رکھتے ہیں اور صحت کلی (مفاد عامہ) سے بخوبی واقف ہیں، وہ ہر دور میں لوگوں کو ان معاصی سے روکتے رہے ہیں، حتیٰ کہ وہ نکیر عام ریت بن گئی ہے اور وہ حرمت دیگر عام مشہور چیزوں کی طرح بدیہیات ازیلہ میں داخل ہو چکی ہے۔ پس اس صورت حال میں جب کوئی شخص ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ان کامل

عقل والوں اور درست رائے والوں اور صحت کلمی کو جاننے والوں کی طرف سے ناپسندیدگی کا ایک رنگ ما اعلیٰ کی طرف چڑھتا ہے، جس طرح ان کی طرف یہ الہام اتر ا تھا کہ یہ امور حرام ہیں اور معاشرہ اور مملکت کے لئے نہایت ضرر رساں ہیں۔
غرض جب کوئی انسان ان معاصی میں سے کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو ما اعلیٰ کو تکلیف پہنچتی ہے، کیونکہ ملائکہ کا تعلق انسان سے ایسا ہی ہے، جیسا ہماری ادراک کرنے والی صلاحیتوں (عقل و فہم) کا ہم سے تعلق ہے، جس کی تفصیل بحث اول کے باب ششم میں گزر چکی ہے۔ پس جس طرح چنگاری پر پیر پڑنے سے فوراً قوی ادراک کی مثال ہوتے ہیں اور اذیت پاتے ہیں، اسی طرح ان معاصی کے ارتکاب سے ملائکہ متاثر ہوتے ہیں۔ پھر جس طرح قوی ادراک سے شعائیں نکل کر طبعیت کو شکنجہ کرتی ہیں، ملائکہ کے اذیت پانے سے بھی شعائیں چلتی ہیں جو اس گندہ کار کو گھیر لیتی ہیں۔ اور ملائکہ عقل اور ذہنی مخلوقات میں سے جن میں استعداد ہوتی ہے ان کے قلوب میں داخل ہوتی ہیں کہ وہ اس گندہ کار کو اذیت پہنچائیں، اگر اذیت پہنچانا ممکن ہو اور نوحہ تقدیر اجازت دے یعنی اسباب معارض نہ ہوں۔ اور نوحہ تقدیر سے مراد وہ چار باتیں ہیں جو شکم مادر میں روح پڑنے کے وقت فرشتہ لکھتا ہے، جو اصطلاح شریعت میں ”ملائکہ کا الہام“ کہلاتی ہیں اور جو علم نجوم میں احکام طالع (انبیاء کے احکام) کہلاتے ہیں کہ اس کی روزی کتنی ہے؟ موت کب آئے گی؟ مدت عمر کیا ہے؟ اور وہ نیک بخت ہے یا بد بخت؟ اگر اس نوحہ تقدیر کا اور احکام طالع کا جزاء سے تعارض ہوتا ہے تو دنیا میں جزا مؤخر کر دی جاتی ہے۔ پھر جب اس کی موت آتی ہے اور موانع مرتفع ہو جاتے ہیں تو خالق تعالیٰ اس کو مرادینے کیلئے فارغ ہو جاتے ہیں۔ سورۃ الرحمن آیت ۳۱ میں ارشاد ہے کہ: ”اے جن و انس! ہم غفریب تمہارے لئے فارغ ہو رہے ہیں“ اس وقت اللہ تعالیٰ اس گندہ کار کو پوری پوری سزا دیتے ہیں۔

وبالجملة: فلهذه الاسباب دخلت في نفوس بني آدم حرمة هذه الأشياء، وقام أقوام عقلاء، وأسأدهم رأياً، وأعلمهم بالمصلحة الكلية يمنع عن ذلك طبقة بعد طبقة، حتى صار رسماً فاشياً، ودخلت في البديهيّات الأولية، كساتر المشهورات الذائعة، فعند ذلك رجع إلى الملائكة الأعلیٰ لوّن منهم، حسَباً كان انحدر إليهم من الإلهام: أن هذه مُحَرَّمَةٌ، وأنها ضارّة أشدّ الضرر، فصاروا كلما فعل واحد من بني آدم شيئاً من تلك الأفعال فادّوا منه مثل ما يضع أحدنا رجله على حمرة، فتنقل إلى القوى الإدراكية في تلك اللحمة، وتنادى منه، ثم صار لتأذيها خطوط شعاعية تحيط بهذا العاصي، وتدخل في قلوب المستعدين من الملائكة وغيرهم: أن يؤذوه إذا أمكن إيذاؤه، ورخصت فيه مصلحته المكتوبة عليه، المسماة في الشرع بالهوام الملائكة: ما رزقه؟ وما أجله؟ وما عمره؟ وشقى أو سعيد؟ وفي النجوم بأحكام الطالع؛ حتى إذا مات، وهذأت عنه هذه المصلحة، فرغ له بارئته، كما قال: ﴿سَنُفِّرْ كُفْمَ أَيَّةِ الثَّقَلَانِ﴾ وجازاه الجزاء الأوفى، والله أعلم.

ترجمہ: اور حاصل کلام: پس ان اسباب کی وجہ سے، انسانوں کے دلوں میں، ان چیزوں کی حرمت داخل ہو گئی۔ اور

اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے قوی ترین عقل والا اور درست ترین رائے والا اور مصلحت کلی کو بہت زیادہ جاننے والا روکتا ہے وہ ان چیزوں سے ہر دور میں، یہاں تک کہ وہ نکیر ایک عام ریت بن گئی اور ان کی حرمت بدیہیات اولیہ میں داخل ہوگئی، دیگر عام مشہور چیزوں کی طرح، پس اس وقت ان سمجھ داروں کا ایک رنگ ملا اعلیٰ کی طرف لوٹا، جس طرح ان کی طرف الہام اتر اٹھا کہ یہ چیزیں حرام ہیں، اور یہ کہ یہ چیزیں سخت مضرت رساں ہیں۔ پس ہو گئے ملا اعلیٰ، جب جب انسانوں میں سے کوئی شخص ان کاموں میں سے کوئی کام کرتا ہے تو وہ اذیت پاتے ہیں اس کام سے، جس طرح ہم میں سے کوئی شخص اپنا پاؤں رکھتا ہے کسی چنگاری پر، تو وہ چنگاری (یعنی اسکی تکلیف) اسی لحاظ دارک کرنے والی صلاحیتوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور وہ ٹھوکی اس سے اذیت محسوس کرتے ہیں۔

پھر ملا اعلیٰ کے تکلیف اٹھانے کے لئے شعاعی خطوط ہوتے ہیں جو اس گندہ گار کو گھیر لیتے ہیں۔ اور وہ شعاعیں ملائکہ وغیرہ میں سے استعداد رکھنے والوں کے قلوب میں گستی ہیں تاکہ وہ اس کو اذیت پہنچائیں، جبکہ اس کو اذیت پہنچانا ممکن ہو، اور اس ایذا رسانی کی اجازت دیتی ہو اس کی مصلحت جو اس پر کبھی جاچکی ہے، جو شریعت کی زبان میں ’ملائکہ کا الہام‘ کہلاتی ہے کہ اسکی روزی کتنی ہے؟ اور اسکی موت کب آئے گی؟ اور اس کی زندگی کتنی ہے؟ اور نیک بخت ہے وہ یا بد بخت؟ اور جو علم نجوم میں احکام طالع (بخت کے احکام) کہلاتی ہے۔۔۔ یہاں تک کہ جب وہ مر جاتا ہے اور اس سے مصلحت ختم جاتی ہے (یعنی اسباب کا تعارض ختم ہو جاتا ہے) تو اس کیلئے اسکے خالق تعالیٰ فارغ ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ”عقریب ہم تمہارے لئے فارغ ہو رہے ہیں، اے دو جو حمل مخلوق“ اور بدلہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو پورا پورا بدلہ، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

تشریحات: (۱) بدیہیات اولیہ: وہ قضایا ہیں کہ صرف موضوع و محمول کے ذہن میں آنے سے عقل ان کو تسلیم کر لے، دلیل کی بالکل ضرورت نہ ہو، جیسے گل مجھ سے بڑا ہوتا ہے۔ (۲) قوله: لَوْنُ مِنْهُمْ اَمِیْ الذِّیْنِ هُمْ اَفْوَیْ عَقْلًا الْخ (سندی) (۳) فصا روا ای الملا الاعلیٰ و كذلك یرجع ضمیر لافذیہا الی الملا الاعلیٰ بتأویل الطائفة أو الجماعة. (۴) اِسْتَعْدَّ لِلْاَمْرِ: تیار ہونا اَلْمُسْتَعْدَّ: تیار، باصلاحیت: (۵) طالع علم نجوم کی اصطلاح میں ستاروں کے طوارق سے ٹکون لینے کو کہتے ہیں اور کبھی زائچہ کو بھی طالع کہتے ہیں تفصیل کے لئے دستور العلماء ۲: ۳۱۶، ۳۱۷ و دیکھیں (۶) قوله: فی النجوم کا عطف فی الشرع پر ہے۔

بحمدہ تعالیٰ آج ۵ مئی ۱۴۲۰ھ کو محبت پنجم کی شرح مکمل ہوئی۔ درمیان میں ماہ رمضان و شوال میں برطانیہ کے سفر کی وجہ سے کام بند رہا و الحمد للہ علی کل حال و بنعمتہ تہم الصالحات و صلی اللہ علی النبی الکریم و علی آلہ و صحبہ أجمعین۔



اصطلاحات جن کی کتاب میں تشریح کی گئی ہے

۱۸۹	مثنویات	۲۲۶	صورت نوعہ	۵۳۸	جہل	۲۰۲	آخرت
۳۲۹	معجز	۱۲۳	ضروریات دین	۵۳۸	جہل بسیط	۱۷۲	ایہام
۳۲۹	معدرات	۸۲۱	طالع	۵۳۸	جہل مرکب	۱۸۳	احالہ
۲۷۱	مقامات	۲۲۵	طبیعت	۳۳۶	حال	۱۳۴	احسان
۶۳	ملک	۵۲۰	طہارت	۶۲۸	حالی	۲۷۱	احوال
۶۳	ملک حقیقیہ	۵۹۹	عبارت	۵۱۸	حد تمام و ناقص	۵۳۳	اخبارات
۱۸۸	موالید	۵۳۹	عدالت	۵۲۰	حدث	۲۱۷	ارفاقات
۲۷۱، ۲۰۲	ملکوت	۵۸۹، ۳۹۸، ۱۵۱	عرض	۳۱۵	خزیرۃ القدس	۲۲۸	اقایم صالحہ
۲۰۳	ملا	۲۷۲	عقل معاد	۱۸۹	حقیقت	۱۸۳	الہام
۳۳۶	ملکہ	۲۷۲	عقل معاش	۲۶۹	حکمت عملیہ	۲۶۹	النبیات
۱۸۸	موجود خارجی	۲۳۵	علم الحقائق	۶۳	حزب	۱۵۰	امور عامہ
۱۸۸	موجودات لامری	۲۳۵	علم سلوک	۱۷۳	خلق	۲۸۲	اموال نامیہ
۵۱۸	موضوع	۲۶۹	علم الہی	۲۲۵	خلیفہ	۶۳	انام
۲۷۱	ناسوت	۲۶۹	علم طبیعی	۵۳۷	ولات التزانی	۱۳۳	اہل قبلہ
۷۵	نقطہ	۲۶۹	علم ریاضی	۵۳۷	ولات نفسی	۶۲۸	بحیرہ
۷۵	نکتہ	۳۶۹، ۱۸۸	عصر	۵۸۶	دلیل انی	۱۳۷	بدعت
۵۱۸	نوع	۵۵۲، ۶۳	قطرت	۵۸۶	دلیل نمی	۷۰۹	بدیہی
۵۸۹	واجب	۲۳۵	فلسفہ تصوف	۳۳۵	ذوق	۸۲۰	بدیہیات اولیہ
۵۸۹	واجب لذاتہ	۱۸۲	قبض	۲۲۳	رائے کلی	۱۸۳	بسط
۵۸۹	واجب لغیرہ	۲۸۵	قرائنات	۵۱۸	رسم	۱۸۸	تحقق
۱۸۸	وجود	۲۳۵، ۱۸۹	ماہیت	۵۱۸	رسم تمام	۱۳۵	تصوف
۲۲۸	وصیلہ	۳۹۸	مرتاض	۵۱۸	رسم ناقص	۱۵۶	تغذیہ
۱۸۹	ہو ہو	۳۶۹	مرکب	۳۹۷	رسوم	۱۸۸	تمثل
۱۸۹	ہی ہی	۳۶۹	مرکب تمام	۸۲۰	زائچہ	۲۵۶	حمیمہ
۳۲۸	ہیولی	۲۷۰	مرکب ناقص	۱۳۵	زہد	۲۷۱	جبروت
۳۳۶	ہیات نفسانیہ	۱۸۹	معانی	۶۲۸	سابقہ	۱۵۱	جزء لا تجزئ
۳۸۲	یادداشت	۱۲۹	معجزہ	۵۳۶	ساحت	۵۸۹، ۱۵۰	جوہر

شارح کے مختصر حالات

بقلم مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری: استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

ولادت باسعادت اور نام: آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں۔ البتہ والد محترم نے جب آپ ڈیڑھ، پونے دو سال کے تھے، ڈبھاڈ (آپ کا وطن) کی زمین خریدی تھی اس کا بیع نامہ موجود ہے اس کی رو سے والد صاحب نے اندازے سے آپ کا سن پیدائش ۱۲۰۷ھ کا آخر مطابق ۱۹۹۷ء کبریٰ مطابق ۱۳۶۰ھ بتایا ہے۔ آپ مضع کالیڑہ ضلع بناس کاننشا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے۔ بناس ایک ہندی کا نام ہے اور کاننشا گجراتی میں بمعنی کنارا ہے۔ اور بناس کاننشا ایک علاقہ کا نام ہے اور اب ایک ضلع ہے، جو بناس ہندی کے جنوب میں واقع ہے، اس ضلع کا مرکزی شہر ”پالن پور“ ہے، جو آزادی سے پہلے مسلمان نواب کی اسٹیٹ تھی، کالیڑہ پالن پور سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے اور علاقہ پالن پور کی مشہور بستی ہے جہاں ایک عربی مدرسہ ”مسلم العلوم“ کے نام سے قائم ہے، جس میں متوسلطات تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

آپ کا نام والدین نے صرف احمد رکھا تھا۔ کیونکہ آپ کے ایک بڑے اخیاں بھائی احمد نامی ہیں، ان کی یاد تازہ کرنے کے لئے والدہ صاحبہ نے آپ کا نام بھی احمد رکھا تھا۔ سعید احمد آپ نے اپنا نام خود رکھا ہے، جب آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا تو اپنا نام سعید احمد لکھوایا اس وقت سے آپ کی عالمی شہرت سعید احمد کے نام سے ہے، خاندان کے بڑے بوڑھے اب بھی آپ کو ”احمد بھائی“ کہتے ہیں، اگرچہ اب ایسے بوڑھے دو چار ہی رہ گئے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی یوسف دادا کا نام علی ہے جو احتراماً علی جی کہلاتے تھے۔ آپ کا خاندان ڈھاکا اور برادری ”مومن“ ہے، جس کے تفصیلی احوال ”مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں“ مذکور ہیں۔

تعلیم و تربیت: جب آپ کی عمر پانچ، چھ سال کی ہوئی، تو والد صاحب نے جو ڈبھاڈ کے کھیتوں میں رہتے تھے آپ کی تعلیم کا آغاز فرمایا، لیکن والد مرحوم کبھی بازی کے کاموں کی وجہ سے موصوف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے تھے، اس لئے آپ کو اپنے وطن کالیڑہ کے مکتب میں بٹھا دیا، آپ کے مکتب کے اساتذہ یہ ہیں (۱) مولانا داؤد صاحب چودھری رحمہ اللہ (۲) مولانا حبیب اللہ صاحب چودھری زید مجدہم (۳) اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب جوگیا رحمہ اللہ۔

مکتب کی تعلیم مکمل کر کے موصوف اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن صاحب شیر اقدس سرہ کے ہمراہ ”چھپانی“ تشریف لے گئے، اور چھپانی میں اپنے ماموں اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں چھ ماہ تک پڑھیں، چھ ماہ کے بعد آپ کے ماموں دارالعلوم چھپانی کی تدریس چھوڑ کر گھر آ گئے، تو آپ بھی اپنے ماموں کے ہمراہ جوئی سینڈھنی آ گئے، اور چھ ماہ تک اپنے ماموں سے فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔

اس کے بعد امت حضرت مولانا محمد میر میاں صاحب پالن پوری قدس سرہ کے مدرسہ میں جو پالن پور شہر میں واقع ہے داخلہ لیا، اور چار سال تک حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالن پوری اور حضرت مولانا محمد باشم صاحب بخاری

رحمہما اللہ سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔ — مصلح امت حضرت مولانا نذیر میاں صاحب قدس سرہ وہ عظیم ہستی ہیں، جنھوں نے اس آخری زمانہ میں مومن برادری کو بدعات و خرافات اور تمام غیر اسلامی رسوم سے نکال کر ہدایت و سنت کی شاہراہ پر ڈالا، آج علاقہ پالن پور میں جو دینی فضا نظر آرہی ہے، وہ حضرت مولانا ہی کی خدمات کا ثمرہ ہے۔ اور حضرت مولانا محمد اکبر میاں صاحب آپ کے چھوٹے بھائی اور آپ کے دست راست تھے۔ اور حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری، بخاری سے دارالافتاء دیوبند کے تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے، فراغت کے بعد پہلے پالن پور، پھر امداد العلوم و ڈالی گجرات، پھر جامعہ حسینہ راندیر (سورت) پھر دارالافتاء دیوبند کے مدرس کی خدمات انجام دیں، اور آخر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہیں آپ کا انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ: شرح جامی تک پالن پور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے آپ نے ۱۳۷۷ھ میں سہارن پور (یو۔ پی) کا سفر کیا، اور مظاہر علوم میں داخلہ لے کر تین سال تک امام انجو و المنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموی قدس سرہ سے نحو اور منطق و فلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں، نیز حضرت مولانا محمد یامین صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہم اللہ اور حضرت مولانا وقار علی صاحب بجنوری زید محمد ہم سے بھی کتابیں پڑھیں۔

دارالافتاء دیوبند کے میں داخلہ: پھر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۸۰ھ میں دارالافتاء دیوبند کے کارخ کیا دارالافتاء دیوبند کے میں داخلہ ہو کر پہلے سال حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری مدظلہ العالی سے تفسیر جلالین مع الفوز الکبیر، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی قدس سرہ سے ہدایہ اولین، اور حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری رحمہ اللہ سے تفسیر باب شرح جمنی، رسالہ فتحیہ اور رسالہ شمس علم ہیئت کی کتابیں پڑھیں، اور دوسرے سال مشکوٰۃ شریف، ہدایہ آخرین، تفسیر بیضاوی وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور ۱۳۸۲ھ و ماقب ۱۹۶۲ء میں جو دارالافتاء دیوبند کے کا سوواں سال ہے دورہ حدیث کی تکمیل فرمائی، آپ نے دارالافتاء دیوبند کے میں جن حضرات اکابر سے پڑھا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی (۲) حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری (۳) حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی (۴) حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب کیرانوی (۵) حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی (۶) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی (۷) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مراد آبادی (۸) حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی (۹) فخر الحق شین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب مراد آبادی (۱۰) امام المعقول و المستقل حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی (۱۱) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری (۱۲) شیخ محمود عبدالوہاب محمود صاحب مصری قدس اللہ اسراہم و نور اللہ قورہم (۱۳) اور حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب، بلند شہری و امت برکاتہم و نعمت فیوضہم۔ موصوف اپنے بعض احوال اور کتب حدیث کے اساتذہ کرام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

”خاکپائے علماء: سعید احمد بن یوسف بن علی بن جوا (یعنی یحییٰ) بن نور محمد پالن پوری، گجراتی ختم دیوبندی، تاریخ

ولادت محفوظ نہیں، والد ماجد رحمہ اللہ نے اندازے سے ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء بتائی ہے دارالعلوم دیوبند کے داخلہ ۱۳۸۰ھ میں لیا، اور ۱۳۸۲ھ میں فاتحہ فرائض پڑھا، بخاری شریف حضرت فخر المجددین سے، مقدمہ مسلم و مسلم شریف کتاب الایمان و ترمذی شریف جلد اول حضرت علامہ بلیاوی سے اور باقی مسلم شریف حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب باندھری سے، اور ترمذی جلد ثانی مع کتاب العلل و شکیل اور ابو داؤد شریف حضرت علامہ فخر الحسن مراد آبادی سے، نسائی شریف حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی سے، طحاوی شریف حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری سے اور مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی سے، اور ان کے انتقال کے بعد جلد اول حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب دیوبندی سے، اور جلد دوم حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی سے پڑھی، اس سال موطا مالک حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور موطا محمد حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی کے پاس تھیں (مشاہیر محدثین و فقہائے کرام ص ۲۸۴)

اول نمبر سے کامیابی: آپ بچپن ہی سے نہایت ذہین و فطین، کتب بنی اور محنت کے عادی تھے، اس پر مذکورہ بالا اساتذہ کرام کی تعلیم و تربیت نے آپ کی استعداد و صلاحیت کو کئیس سال کی عمر میں ہی بام عروج تک پہنچا دیا، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے جیسی عظیم دینی درس گاہ کے سالانہ امتحان میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی، جبکہ اس سال بعض پختہ استعداد والے فارغ شدہ فضلا نے بھی دورۂ حدیث میراخص اس غرض سے داخلہ لیا تھا کہ وہ اول نمبر سے کامیاب ہوں گے۔

دارالافتاء میں داخلہ اور آپ کا پہلا شاگرد: دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد آپ نے شوال ۱۳۸۲ھ میں تکمیل افتاء کے لئے درخواست دی، یکم و یقینہ ۱۳۸۲ھ کو آپ کا دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے داخلہ ہو گیا، اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری کی نگرانی میں کتب فتاویٰ کا مطالعہ اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا۔

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے ہیں، اس لئے دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد اپنے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اور راقم الحروف کو ۱۳۸۲ھ میں اپنے ہمراہ دیوبند لائے، اور حضرت قاری کامل صاحب دیوبندی کی درس گاہ میں احقر کو حفظ قرآن کریم کے لئے بٹھایا، مگر اپنی نااہلیت کی وجہ سے قاری صاحب مرحوم سے ٹھیک سے استفادہ نہ کر سکا تو میرے حفظ قرآن کی پوری ذمہ داری آپ نے سنبھال لی۔ اسی سال آپ نے سائنس اشخ محمود عبدالوہاب محمود صاحب مصری رحمہ اللہ کے پاس حفظ بھی شروع کیا، جو قرآن کریم کے جید حافظ اور مصری قاری تھے، اور جامعۃ الازہر قاہرہ کی طرف سے دارالعلوم دیوبند کے داخلہ میں مبعوث تھے۔

الغرض ۱۳۸۲ھ اور ۱۳۸۳ھ میں آپ ایک طرف کتب فتاویٰ کا مطالعہ، فتویٰ نویسی کی مشق کرتے تھے، دوسری طرف احقر کو حفظ کراتے تھے اور خود بھی حفظ کراتے تھے، اور ان کاموں میں ایسے مصروف و متنبہ تھے کہ رمضان المبارک میں بھی وطن تشریف نہیں لے گئے، اور میں بھی نہیں گیا۔ رمضان المبارک کے بعد اپنے دوسرے بھائی مولوی عبد المجید زید مجدہم کو بھی دیوبند بلا لیا۔ دھڑا کھینٹی لے کر آپ کی صلاحیتوں کو مزید پروان چڑھانے کے لئے دارالافتاء کے داخلہ میں ایک سال کی توسیع کر دی، چنانچہ ۸۲-۱۳۸۳ھ میں آپ بھائی مولوی عبد المجید صاحب کو فارسی کی کئی کتابیں پڑھا لے گئے تھے، مجھے حفظ کراتے تھے، خود ایک

طرف حفظ کرتے تھے دوسری طرف فتویٰ نویسی کی خوب مشق کرتے تھے، اور فتویٰ نویسی میں اتنی مہارت رکھتے تھے کہ چھ ماہ کے بعد دارالافتاء کیوبہشتک کے رباب انتظام نے آپ کا معین فتویٰ کی حیثیت سے دارالافتاء دارالافتاء کیوبہشتک میں تقرر کر دیا۔

۲۱ شوال ۱۳۸۳ھ کو مادر علمی دارالافتاء کیوبہشتک کو خیر باد کہہ کر آپ پہلے گھر تشریف لے گئے، ایک ہفتہ گھر پر قیام کیا، والدین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر بھائی مولوی عبد المجید صاحب کو جو احقر سے تقریباً دو سال بڑے ہیں اور مولوی حبیب الرحمن صاحب کو جو مجھ سے تقریباً سات آٹھ سال چھوٹے ہیں، اور راقم الحروف کو ساتھ لے کر راند میر (سورت) تشریف لے گئے۔ اور دارالعلوم اشرفیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا۔

راند میر میں آپ کی خدمات: ذیل قاعدہ ۱۳۸۳ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک (۹ سال) دارالعلوم اشرفیہ راند میر (سورت) میں موصوف نے ابو داؤد و شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، شمائل، موطن، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، مع الفوائد الکبیر، ترجمہ قرآن کریم، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی، اور حسنی وغیرہ بہت سی کتابیں پڑھائیں، اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ اسی عرصہ میں موصوف نے دوازمی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت اور العون الکبیر ارقام فرمائیں۔ نیز اسی زمانہ میں موصوف نے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتابوں اور علوم و معارف کی تسہیل و تشریح کا آغاز فرمایا۔ ایک مضمون ”افادات نانوتوی“ کے عنوان سے اسی زمانہ میں الفرقان لکھنؤ میں قسط وار شائع ہوا تھا، جو نہایت قیمتی مضمون ہے۔

دارالافتاء کیوبہشتک میں آپ کا تقرر: موصوف کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری نے جو پہلے جامعہ حسینہ راند میر میں پڑھاتے تھے، پھر دارالافتاء کیوبہشتک میں ان کا تقرر ہو گیا تھا۔ موصوف نے خط سے مطلع کیا کہ دارالافتاء کیوبہشتک میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہے، لہذا آپ دارالافتاء کیوبہشتک میں تدریس کی درخواست بھیجیں۔ موصوف نے جناب مولانا حکیم محمد سعد رشید صاحب امجیری رحمہ اللہ کے مشورہ سے درخواست بھیج دی، اسی سال شعبان میں جب مجلس شوریٰ کا انعقاد ہوا، اور وجات عربیہ کے لئے ایک مدرس کے تقرر کا تذکرہ آیا تو حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی قدس سرہ نے موصوف کا نام پیش کیا اور اسی مجلس میں موصوف کا تقرر ہو گیا، موصوف کو شعبان ہی میں اس کی اطلاع دی گئی، رمضان المبارک کے بعد آپ دارالافتاء کیوبہشتک تشریف لے آئے، اس وقت سے آج تک موصوف دارالافتاء کیوبہشتک میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائیں، اور ان کے فیوض و برکات کو عام اور تمام فرمائیں! آمین یا رب العالمین!

دارالافتاء کیوبہشتک میں تعلیمی خدمات: شوال ۱۳۹۳ھ سے ان سطور کے لکھنے تک موصوف نے دارالافتاء کیوبہشتک میں جو کتابیں پڑھائیں اور پڑھا رہے ہیں ان کی تفصیل من وادرج ذیل ہے:

۹۳-۹۴ھ میں: مسلم الثبوت، ہدایہ اول، سلم العلوم، ہدایہ سعیدیہ، جلالین شریف نصف اول مع الفوائد الکبیر، ملا حسن —
۹۵-۱۳۹۴ھ میں: مسلم الثبوت، شرح عقائد جلالی، ملا حسن، جلالین شریف نصف ثانی مع الفوائد الکبیر — ۹۶-۱۳۹۵ھ

میں: مسامرہ دیوان مفتی، مہدی تفسیر بیضاوی پارہ ۲۱ تا ۲۵ — ۹۷-۱۳۹۶ھ میں: دیوان مفتی، تفسیر بیضاوی پارہ ۲۶ تا ۱۱۰۳۰ھ حسن، مشکوٰۃ شریف (عاریضی) — ۹۸-۱۳۹۷ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبہ الفکر، حسامی (صرف قیاس) ملاسن، سبعہ معلقہ — ہدایہ رابع ثانی، موطا امام مالک — ۹۹-۱۳۹۸ھ میں: دیوان حسامہ سبعہ معلقہ، بیضاوی شریف سورۃ بقرہ، مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبہ الفکر، تفسیر مظہری پارہ ۲۶ تا ۲۰، موطا امام مالک، سراجی، بدایہ شریف — ۱۴۰۰ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبہ الفکر، بیضاوی شریف پارہ ۳۱ تا ۲۵، دیوان حسامہ سبعہ معلقہ، موطا امام مالک، سراجی — ۱۴۰۱ھ میں: مشکوٰۃ شریف جلد اول مع نخبہ الفکر، بیضاوی شریف پارہ ۲۶ تا ۳۰، تفسیر مدارک پارہ ۶ تا ۱۰، سراجی، موطا امام محمد — ۱۴۰۲ھ میں: ترمذی شریف، بیضاوی شریف سورۃ بقرہ، ابو داؤد شریف، بخاری شریف جلد ثانی، موطا امام مالک، موطا امام محمد — ۱۴۰۳ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، بیضاوی شریف سورۃ بقرہ، مسلم شریف جلد اول، مقدمہ ابن صلاح، رشیدیہ، ابن ماجہ — ۱۴۰۴ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، بیضاوی شریف سورۃ بقرہ، ہدایہ رابع، طحاوی شریف — ۱۴۰۵ھ میں: ترمذی شریف جلد اول: بیضاوی شریف، سورۃ بقرہ — ہدایہ ثالث، بخاری شریف جلد اول، طحاوی شریف — ۱۴۰۶ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، تفسیر القرآن، ہدایہ رابع، طحاوی شریف — ۱۴۰۷ھ میں: تفسیر القرآن، ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف — ۱۴۰۸ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف، حجۃ اللہ البالغہ — ۱۴۰۹ھ میں: ترمذی شریف جلد اول، ہدایہ رابع، طحاوی شریف، پڑھائیں اور ۱۴۱۱ھ میں: ان خدمات کے تذکرہ تک ترمذی شریف جلد اول، طحاوی شریف اور حجۃ اللہ البالغہ پڑھا رہے ہیں۔

دیگر خدمات: مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی خدمات کے علاوہ موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں جو خدمات انجام دیں، اور دے رہے ہیں انکے مفصل تذکرہ کی اس مختصر تعارف میں گنجائش نہیں، صرف چند خدمات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

① ۱۴۰۲ھ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب زید محمد ہم نے طویل رخصت لی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوئی قدس سرہا سہارن پور چلے گئے، اور کچھ مفتیان کرام نے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس لئے اس باب انتظام نے موصوف اور راقم الحروف کو کتب متعلقہ کی تدریس کے ساتھ شعبہ افتاء کی نگرانی اور فتویٰ نویسی کا حکم دیا، جس کو بحسن و خوبی موصوف اور راقم الحروف نے انجام دیا۔

② جب سے دارالعلوم دیوبند میں ”مجلس تحفظ ختم نبوت“ کا قیام عمل میں آیا، آپ اس کے ناظم اعلیٰ ہیں ۱۴۱۹ھ میں آپ نے اس منصب سے سبکدوش ہونے کی مجلس شوریٰ میں درخواست دی، مگر مجلس شوریٰ نے منظور نہیں فرمائی۔

③ مذکورہ بالا خدمات کے علاوہ حضرت مہتمم صاحب وامت برکاتہم جو تحریری اور تقریری خدمات موصوف کو سپرد فرماتے ہیں اس کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں جس کی تفصیل طویل ہے اس مختصر تعارف میں اس کی گنجائش نہیں۔

④ تصنیفی خدمات: موصوف کی تصانیف جو شائع ہو کر مشرق و مغرب میں پھیل چکی ہیں، ان کا تعارف درج ذیل ہے۔

① تفسیر ہدایت القرآن: یہ مقبول عام و خاص تفسیر ہے، پارہ ۳۰ اور ایک تا ۹ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف البہاشی

صاحب رحمہ اللہ نے لکھے ہیں اور ۱۵۱۳ موصوف نے لکھے ہیں، آگے کام جاری ہے۔

(۲) الفوز الکبیر کی تعریف جدید: یہ سابقہ تعریف کی تہذیب ہے، دارالغیلو آویوہ شکرہ اور دیگر مدارس میں اب بھی ترجمہ پڑھایا جاتا ہے۔

(۳) العون الکبیر: یہ الفوز الکبیر کی عربی شرح ہے، پہلے قدیم تعریف کے مطابق تھی، اب جدید تعریف کے مطابق کر دی گئی ہے۔

(۴) فیض المعین: یہ مقدمہ علم شریف کی معیاری اردو شرح ہے، جو ترکیب، حل اخلاص اور فن حدیث کی ضروری بخشوں پر مشتمل ہے۔

(۵) تحفۃ الدرر: یہ منتخب الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں خصوصاً مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی موعات ہے۔

(۶) مبادی الفلفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے دارالغیلو آویوہ شکرہ اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

(۷) معین الفلفہ: یہ مبادی الفلفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت و فلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔

(۸) مفتاح التہذیب: یہ علامہ تفتازانی کی ”تہذیب المنطق“ کی ایسی عمدہ شرح ہے کہ اس سے ”شرح تہذیب“ جو مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔

(۹) آسان منطق: یہ تیسیر المنطق کی تہذیب ہے، دارالغیلو آویوہ شکرہ اور بہت سے مدارس میں ”تیسیر المنطق“ کی جگہ پڑھائی جاتی ہے۔

(۱۰) آسان صرف (دو حصے) (۱۱) آسان نحو (دو حصے) علم نحو اور علم صرف کی جو کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں ان میں عام طور پر تدریج کالی ظاہر نہیں رکھا گیا، جبکہ یہ بات نہایت ضروری ہے، اس نصاب کو اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے، یہ نصاب نہایت مفید اور بہت سے مدارس میں داخل درس ہے۔

(۱۲) محفوفات: (تین حصے) یہ آیات و احادیث کا مجموعہ ہے، جو طلبہ کے حفظ کرنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ بہت سے مدارس و مکاتب میں داخل نصاب ہے۔

(۱۳) آپ فوی کیسے دیں؟ علامہ محمد امین بن عابد بن شامی کی شہرہ آفاق کتاب ”شرح مختصر رم المفتی“ کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

(۱۴) کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟: یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ”توثیق الکلام“ کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے۔

(۱۵) حیات امام ابو داؤد: اس میں امام ابو داؤد سجستانی کی مکمل سوانح، سنن ابی داؤد کا تفصیلی تعارف، اور اس کی تمام شروحات و تعلقات کا مفصل جائزہ سلیس اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱۶) مشاہیر محدثین و فقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث: اس میں خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، ازواج

مطہرات، نبات طبیات، مدینہ کے فقہائے سبعہ، مجتہدین امت و محدثین کرام، روایات کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہائے ملت، مفسرین عقلام، متکلمین اسلام اور مشہور شخصیات کا مختصر جامع تذکرہ ہے۔ حدیث کے ہر استاذ اور طالب علم کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۷) حیات امام طحاوی: اس میں امام ابو جعفر طحاوی کے مفصل حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، نظر طحاوی کی توثیح اور شرح معانی الآثار کا تفصیلی تعارف ہے۔

(۱۸) اسلام تغیر پذیر نہ تھا: یہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سیناروں میں پڑھے گئے جارتی مقالوں کا مجموعہ ہے۔

(۱۹) نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟ یہ مقالہ جامعہ ملیہ دہلی کے ایک جلسہ میں پیش کیا گیا تھا، پہلے وہ علحدہ شائع ہوا تھا، اب اس کو اسلام تغیر پذیر دنیا میں شامل کر دیا گیا ہے۔

(۲۰) ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ناخن تراشنے، بغل کے بال اور زیر ناف لینے، مسواک کرنے، کلی اور ناک صاف کرنے، جسم کے جوڑوں کو دھونے، ختہ کرنے، پانی سے استنجہ کرنے، بالوں میں مانگ لگانے، مونچھیں تراشنے اور ڈاڑھی رکھنے کے متعلق واضح احکامات، مسائل، دلائل اور فضائل کا مجموعہ ہے، ڈاڑھی پر ہونے والے اعتراضوں کے جوابات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

(۲۱) حرمت مصاہرت: اس میں سسرالی اور دامادی رشتوں کے مفصل احکام، باورنا جائز انقاع کا مدلل حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۲۲) تسہیل ادا کا ملہ: یہ حضرت شیخ الہند کی مایہ ناز کتاب ”ادلۃ کا ملہ“ کی نہایت عمدہ شرح ہے اس میں غیر مقلدین کے چھیڑے ہوئے دس مشہور مسائل کی مکمل تفصیل ہے۔ موصوف نے یہ کتاب مجھے املا کرائی تھی میں نے اس کو مرتب کیا ہے، یہ شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۳) حواشی وعناوین الاصول: ایضاح الادلہ حضرت شیخ الہند کی شہرہ آفاق کتاب ہے، اس پر موصوف نے نہایت مفید حواشی ارقام فرمائے ہیں، اور بغلی عناوین بڑھائے ہیں، یہ کتاب بھی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۴) حواشی امداد الفتاویٰ: موصوف نے قیام راندیر کے زمانے میں یہ حواشی لکھنے شروع کئے تھے صرف جلد اول پر کام کیا تھا جو طبع ہو گیا ہے باقی جلدوں پر کام نہیں ہوا۔ یہ حواشی بھی اہل علم میں وقت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

(۲۵) زبدۃ الطحاوی: یہ امام طحاوی کی شہرہ آفاق کتاب ”شرح معانی الآثار“ کی عربی تلخیص ہے، مگر جہاں تک عام طور پر طحاوی شریف پڑھائی جاتی ہے وہاں تک کام ہوا ہے یعنی کتاب الطہارۃ کے ختم تک طبع ہوئی ہے۔

(۲۶) رحمۃ اللہ الواسعہ شرح جیمۃ اللہ البالغہ (کامل ۵ جلدیں) یہ جیمۃ اللہ کی مبسوط اردو شرح ہے۔ جیمۃ اللہ البالغہ کی تشریح ایک بھاری قرض تھا، جو ڈھائی سو سال سے امت کے ذمہ باقی تھا۔ موصوف نے جماعت دیوبند کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا کیا ہے۔

تبلیغی خدمات: مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی اور تصنیفی مصروفیات کے ساتھ آپ ملک و بیرون ملک کے دورے کرتے رہتے ہیں، اور جو حضرات دینی باتیں سننے کے مشتاق ہیں، ان کو اپنی نواہنجیوں سے نوازتے رہتے ہیں، اس کی تفصیل بہت طویل ہے مختصر یہ کہ آپ دارالعلوم دیوبند کی تدریس کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہوئے اور تصنیفی کام جاری رکھتے ہوئے،

درمیان سال میں وقتاً فوقتاً ملک و بیرون ملک کے مختصر دورے کرتے ہیں، اور رمضان المبارک کی طویل تعطیل میں کبھی برطانیہ، کبھی کنڈا، کبھی افریقہ اور کبھی امریکہ تفریف لے جاتے ہیں، ایک دن میں کئی کئی تقریریں کرتے ہیں، سعادت مند سامعین کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، خوف خدا و فکر آخرت اور اعمال صالحہ پر ابھارتے رہتے ہیں، حرام اور منکر باتوں سے نہایت مؤثر انداز میں باز رہنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔

انداز خطابت اور تصنیفی خصوصیات، جس طرح موصوف کا انداز خطابت نہایت مؤثر، درس نہایت مقبول اور عام فہم ہوتا ہے، اسی طرح آپ کی تمام تصانیف نہایت آسان، عام فہم اور مقبول عام و خاص ہیں، آپ کی تقریریں نہایت مبسوط اور علمی نکات سے پرہ اور تحریریں نہایت مرتب، واضح اور جامع ہوتی ہیں، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دارالغیش، دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہیں۔

ترقیات کا راز: استاذ محترم کو اللہ جل شانہ و عم نوالہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے، آپ کا ذوق لطیف، طبیعت سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی اور ذہن رسا ہے، زود نویس اور خوش نویس ہیں۔ حق و باطل اور صواب و خطا کے درمیان امتیاز کرنے کی، افرصاحت رکھتے ہیں اور حقائق و معارف کے ادراک میں یکتا زمانہ ہیں۔

اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جوامردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، میں نے حضرت اقدس جیسا شب در در محنت کرنے والا مصروف آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے؟ اور جن حضرات کو آپ کی تصانیف دیکھنے، اور تقاریر سننے کا موقع ملا ہے، وہ جانتے ہیں کہ آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں؟ اور آپ کے خدام جانتے ہیں کہ حضرت اقدس اپنی اور اپنے متعلقین کی کتابوں کی تصحیح و طباعت کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں، اور اپنے بھائیوں اور اہل وعیال کی تعلیم و تربیت کا کس قدر خیال فرماتے ہیں؟

اجازت بیعت و ارشاد: موصوف جس طرح علوم ظاہری میں درک و کمال رکھتے ہیں، اسی طرح علوم باطنی سے بھی بہرہ ور ہیں، مگر اس کا اس قدر اخفا فرماتے ہیں کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ صرف علوم ظاہری میں مہارت رکھتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب قدس سرہ سے بیعت ہیں، اور دیگر بزرگان دین سے بھی فیض یافتہ ہیں، خاص طور پر حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی مجالس میں مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہری رحمہ اللہ سے مجاز بیعت و ارشاد ہیں۔

زیارت حرمین شریفین: موصوف کئی بار زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کر چکے ہیں، سب سے پہلے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں المیہ محترمہ کے ساتھ پانی کے جہاز سے سفر کیا، اور فریضہ حج ادا کیا۔ پھر ۱۴۰۶ھ میں افریقہ سے دوسرا حج کیا، چونکہ آپ پہلے فرض حج ادا کر چکے تھے اس لئے موصوف نے یہ دوسرا حج آنحضرت ﷺ کی طرف سے حج بدل کے طور پر کیا۔ پھر ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں سعودی وزارت حج و اوقاف کی دعوت پر تیسرا حج کیا۔ اور ایک بار ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

میں عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

رحلت والدین ماجدین: جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ڈابھیل میں پڑھاتے تھے، اس وقت والد صاحب ڈابھیل میں پڑھتے تھے۔ اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادم خاص تھے، مگر گھریلو احوال کی وجہ سے تعلیم مکمل کر سکے۔ اس لئے اپنے صاحب زادوں کو علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا بدر عالم میرٹھی، اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جیسا عالم بنانے کا عظیم جذبہ رکھتے تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ نے والد صاحب کو یہ وصیت کی تھی کہ:

”یوسف اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو، تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا، اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیونکہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا۔“ — یہ نصیحت حضرت مولانا نے والد ماجد کو اس لئے کی تھی کہ اس زمانہ میں ہماری قوم بڑوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی اسی زمانہ میں ہمارے دادا نے بچے سے سودی قرض لے کر ایک زمین خریدی تھی، والد صاحب اس زمانہ میں ڈابھیل کے طالب علم تھے، والد صاحب نے اس معاملہ میں دادا سے اختلاف کیا تو دادا نے والد صاحب کو الگ کر دیا چنانچہ والد صاحب کو حرام سے بچنے کے لئے مجبوراً تعلیم چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالنا پڑا اور تربیت کیا کہ چاہے بھوکا رہوں مگر حرام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا تاکہ میں نہیں پڑھ سکا تو اللہ تعالیٰ میری اولاد کو علم دین عطا فرمائیں۔

چنانچہ والد صاحب: ناجائز اور حرام مال بلکہ مشتبہ مال سے بھی پرہیز کرتے تھے، اور اپنی اولاد کو بھی بچاتے تھے، اور ان کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ فرماتے تھے، صوم و صلوات کے ایسے پابند تھے کہ میرے علم کے مطابق ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد والد صاحب نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا تھا سہاسات آٹھ پارے حفظ کر لئے تھے مگر عمر نے وفاندگی، ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ میں ایک رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھے گرمی کا احساس ہوا تو غسل کیا، کپڑے بدل رہے تھے کہ سینہ میں تکلیف شروع ہوئی، بھائی عبداللہ لکھنوی، بھائی عبداللہ جلدی سے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ والد صاحب کا پورا بدن پسینہ سے تر ہے، اور والد صاحب سینہ دبا کر چارپائی پر بیٹھ ہوئے ہیں، جب بھائی مولوی عبداللہ صاحب نے یہ حالت دیکھی تو گھبرا گئے، بھائی عبدالرحمن جو ایک آدھ میل کے فاصلہ پر رہتے تھے ان کو اور ڈاکٹر کو بلائے کی فکر کرنے لگے، تو والد صاحب نے فرمایا: ڈاکٹر کو بلائے کی ضرورت نہیں، یہ کہہ کر تھوڑی دیر میں اللہ کی پیارے ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اور راقم الحروف کی والدہ ماجدہ دین کی ضروری باتوں سے واقف، امور خانہ داری میں ماہر، نہایت سلیقہ مند، نماز روزے کا خوب اہتمام کرنے والی صالحہ عابدہ اور صابرہ شاکرہ خاتون تھیں، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ کو عاشورہ کا روزہ رکھ کر اپنے سب سے بڑے بھائی حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، جو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کے ڈابھیل کے زمانہ کے شاگرد ہیں۔ مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز پڑھی۔ پھر سب نے کھانا کھایا، اور سب آرام کرنے کے لئے چارپائی پر لیٹ گئے۔ جب عشا کا وقت ہوا تو والد صاحب کو اور

بھائی مولوی عبد المجید کو آواز دے کر اٹھایا اور نماز کے لئے روانہ کیا ہماری چھٹیوں بہن سارہ خاتون اپنی بچی کو لے کر لیٹی تھی، اس کو اٹھایا تاکہ عشا کی نماز پڑھے وہ اٹھ کر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔ جب عشا کی نماز پڑھ کر والد صاحب تشریف لائے تو دیکھا کہ والدہ ماجدہ کے بال چار پائی سے نیچے لٹک رہے ہیں، والد صاحب نے دو تین مرتبہ آواز دی کہ آپ اس طرح کیوں لیٹی ہیں؟ مگر والدہ ماجدہ نے کوئی جواب نہ دیا، والد صاحب نے بالوں کو درست کرنے کے لئے ہاتھ لگایا تو معلوم ہوا کہ روح پرور اڑ چکی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ والدین ماجدین کی بال بال مغفرت فرمائیں! جنت الفردوس کا سکین بنائیں! اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دیں! آمین یا رب العالمین۔

بھائیوں کی تعلیم و تربیت: موصوف کے ایک اخیانی (ماں شریک) چاچا حقیقی بھائی اور چاچا حقیقی بہنیں ہیں، اخیانی کا نام احمد ہے، جو آپ سے بڑے ہیں، اور حقیقی بھائی بہنوں میں آپ سب سے بڑے ہیں، پھر بھائی عبدالرحمن، پھر بھائی مولوی عبد المجید، پھر اتم الحروف، پھر بھائی مولانا حبیب الرحمن صاحب ہیں، جب آپ نے دارالافتاء دہلی سے فراغت حاصل کی، اس وقت بھائی عبدالرحمن کی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہو چکی تھی، اتم الحروف اور بھائی عبد المجید مکتب میں پڑھ رہے تھے، اس لئے پہلے احقر کو اپنے ہمراہ دلیو بند لائے، پھر ایک سال کے بعد بھائی عبد المجید کو بھی بلا لیا۔ اور فتویٰ نویسی کی مشق اور کتب فقہ کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ ہم دونوں بھائیوں کو پڑھاتے رہے۔

اہل وعیال کی تعلیم و تربیت: آپ کا رشتہ ازدواج اور عقد منسوب آپ کے ماموں حافظ مولوی حبیب الرحمن صاحب شیرا کی بڑی صاحب زادی سے ۱۳۸۲ھ کے اواخر میں ہوا، جو قرآن کریم کے جید حافظ اور ڈاٹا بھیل سے فارغ تھے اور اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد اکثر و بیشتر ۴۳ گھنٹہ میں ایک قرآن نغمہ کر کے والدہ ماجدہ کو اس کا ثواب پہنچاتے تھے۔ مگر جوانی کے عالم میں دو صاحب زادیاں اور ایک صاحب زادے کو چھوڑ کر انتقال کر گئے ان کے انتقال کے بعد ان کے بچوں کی بہنوں کے واد اور ہمارے نانا صاحب نے اور ماموں عبدالرحمن صاحب شیرا نے پرورش فرمائی، اور ان کی شادیاں کیں۔

موصوف کی اہلیہ محترمہ (اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائیں!) نہایت صابرہ شاکرہ اور عابدہ زاہدہ خاتون ہیں، قرآن کریم کی جید حافظ ہیں اور اپنے اکثر بچوں کی حفظ قرآن میں استاذ ہیں، محترمہ نے نکاح کے بعد امور خانہ داری انجام دیتے ہوئے حضرت مولانا ہی سے قرآن کریم حفظ کیا ہے، حفظ کے دوران اور حفظ کی تکمیل کے بعد اپنے صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کو حفظ کرایا اور کر رہی ہیں۔ ان ہی نیک پار خاتون کے بطن سے موصوف کے گیارہ صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں پیدا ہوئیں، جن میں سب سے بڑے صاحب زادے ایک حادثہ میں شہید ہو گئے، اور ایک صاحب زادی بچپن میں انتقال کر گئی، دس صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں بقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمریں دراز فرمائیں اور سب کو علم و عمل میں اپنے والد ماجد کا جانشین بنائیں۔

مولانا نے اور بھابھ صاحب نے اپنے بچوں کی کس طرح پرورش اور تربیت فرمائی اس کی تفصیل طویل ہے، ان اوراق میں اس کی گنجائش نہیں، مختصر یہ کہ موصوف کو قرآن کریم سے اس قدر لگاؤ ہے کہ فارغ ہونے کے بعد پہلے خود قرآن کریم حفظ کیا،

راقم الحروف کو کرایا پھر اہلبیت محترمہ کو حافظ بنایا۔ ان ہی کی بدولت اپنے تمام صاحب زادوں اور صاحب زایوں کو حافظ قرآن بنایا، اور اب بھاج صاحب مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے صاحب زادوں اور اپنے صاحب زادوں کی دلیہوں کو حافظ قرآن بنارہی ہیں۔ وہ دلیہیں حفظ کر چکی ہیں اور وہ کر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں اور کاموں میں برکت عطا فرمائیں (آمین)

ایک اہم وصیت جس کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں: لڑکوں کی موجودگی میں پوتوں کا میراث سے محروم ہونا فرائض کا ایک معروف مسئلہ ہے، اور یہ فرائض کے معروف شاہدہ الاقرب فالاقرب پر متفق ہے۔ اسی رابطہ سے باپ کی موجودگی میں واداعمرور ہوتا ہے، بھائی کی موجودگی میں دوسرے بھائی کی اولاد محروم رہتی ہے، مگر پوتوں کے مسئلہ کو لے کر بہت سے لوگ اسلامی تعلیمات پر لب کشائی کرتے ہیں کہ یہ کیا انصاف ہے کہ لڑکے کو میراث پا سیں اور پوتے پوتیاں، جو عام طور پر کمزور اور بے سہارا ہوتے ہیں، محروم رہ جائیں؟ یہ اعتراض درحقیقت مسلمانوں کے غلط طرز عمل سے پیدا ہوا ہے۔ اسلامی تعلیمات ہر طرح کامل و مکمل ہیں، مگر مسلمان ان پر صحیح طریقہ سے عمل نہ کریں تو اس کا کیا علاج؟ اسلام نے تہائی ترکہ میں میت کا وصیت کا حق تسلیم کیا ہے تاکہ وہ ایسی ناگہانی ضروریات میں اس حق کو استعمال کرے، واداکو چاہئے کہ وہ پہلی فرصت میں پوتوں پوتیوں کے لئے تہائی میں سے وصیت کرے اور بوقت حاجت ان کے لئے بیٹوں کے حصہ سے زیادہ بھی وصیت کر سکتا ہے۔ اب اگر واداعمرور ضرور کرتا رہے یا مال کی محبت میں وصیت کی نیت نہ کرے اور اچانک چل بے اور پوتے پوتیاں محروم رہ جائیں تو یہ اسلامی تعلیمات کا قصور نہیں بلکہ واداکو تباہی اس کی ذمہ دار ہے۔ مسئلہ کی اس ضروری وضاحت کے بعد اب میں حضرت والا کے اس مختصر تعارف کو آپ کی ایک وصیت پر ختم کرتا ہوں تاکہ جو لوگ ایسے حالات سے دوچار ہوں وہ موصوف کی طرح اپنے پوتوں پوتیوں کے لئے بوقت وصیت کریں، لیت و لعل نہ کریں، زندگی کا کچھ بھر نہیں، خدا خواست آدمی اچانک چل دے تو ان بچوں کی پریشانی کے علاوہ واداکا یہ عمل اسلامی تعلیمات پر اعتراض کا باعث بنے گا۔

جب مفتی رشید احمد رحمہ اللہ کی اچانک شہادت کا قصہ پیش آیا اور وطن سے تمام بھائی بہن اور اعزاء تعزیت کے لئے دیوبند آئے تو بھائی صاحب نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بہنوں کے سامنے مرحوم کے بچوں کے لئے یہ وصیت کی:

”جب تک میں زندہ ہوں مرحوم کے دونوں بچوں کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کرتا رہوں گا، میری وفات کے بعد میرے ترکہ میں سے مرحوم کے ہر بچے کو ایک لڑکے کے برابر حصہ ملے گا، کیونکہ وہ لڑکوں کی میراث بھی تہائی سے کم رہے گی اور مجھے تہائی میں وصیت کا حق ہے، سب اہل خاندان اس کے گواہ رہیں (مرحوم کی اہلیہ کی دوسری جگہ شادی ہوگئی ہے)

اس وصیت کے بعد موصوف کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرا ایک بچہ لے لیا، اور اس کے بدل میں دو بچے عطا فرمائے، اب میرے بارہ لڑکے ہو گئے (یہ حضرت مولانا کا ایک اشارہ ہے جس کی تفصیل طویل ہے۔ مولانا پندرہ سال سے برابر اپنی اہلیہ صاحبہ سے یہ بات فرماتے رہتے تھے کہ میری قسمت میں لڑکے بارہ ہیں۔ یہ بات اس طرح پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے گیارہ میں سے ایک لے لیا اور اس کے دو دیے تو بارہ کی تعداد مکمل ہوگئی)۔ اللہ ان کی عمریں دراز فرمائیں، اور سب کو موصوف کی خوبیوں اور نیکیوں کا وارث بنائیں! آمین یا رب العالمین۔